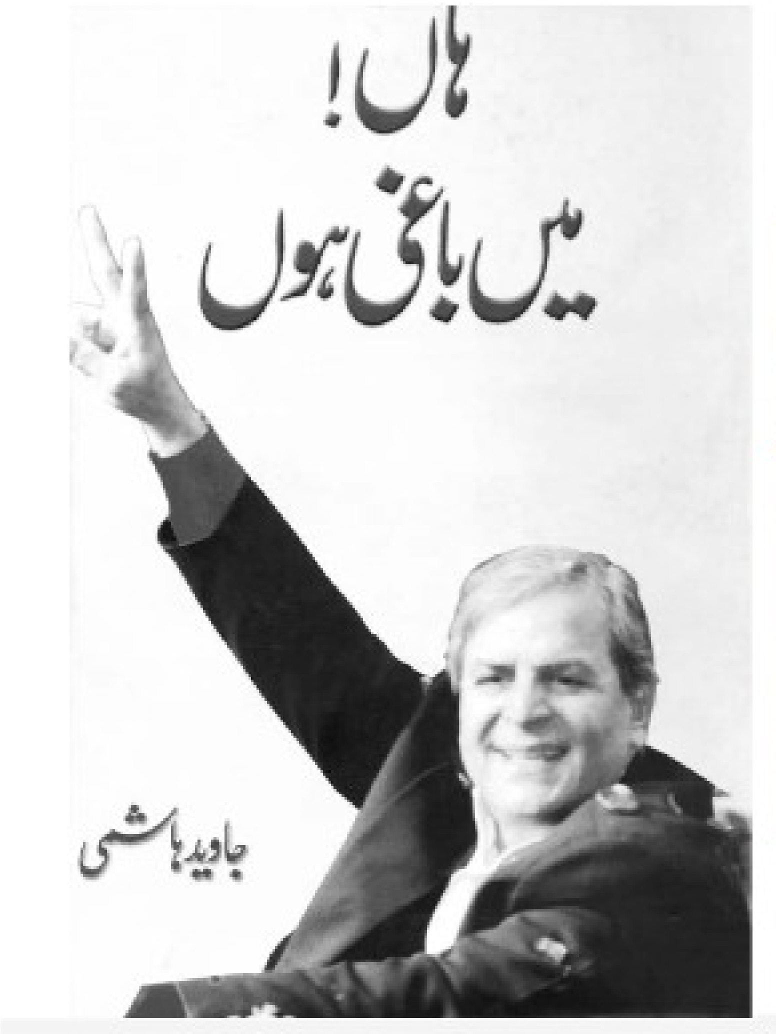
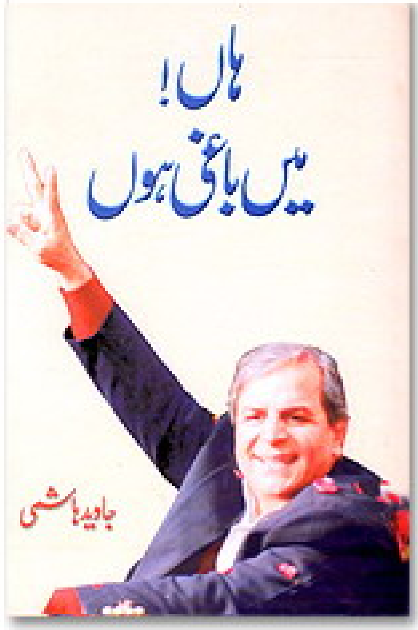




Manzar Waheed Ch

چھن چھنن کرتی ہے ہاتھوں میں ترے پھر ہتھکڑی
ظلم نے زنجیر پاؤں میں ترے پھر ڈال دی
خون دل سے لکھا تو نے حوصلوں کے باب میں
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی

(شورش کاشمیری)

ہاں!
میں باغی ہوں

شہیدوں میں سے بہتر حمزہ بن عبدالمطلب ہیں، پھر ان کے بعد وہ شخص ہے جو کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو کر حاکم کو امر و نہی کی تلقین کرے جس کی پاداش میں حاکم اسے ہلاک کر دے۔ (حدیث نبوی ﷺ)

تم نے کب سے انہیں غلام بنانا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا۔

(حضرت عمر فاروق اعظم)

اچھائی اور برائی کے معرکے میں کوئی غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ خیر و شر کی اِس معرکہ آرائی میں محض تماشائی کا کردار ادا کرنے والے بزدل ہوتے ہیں یا غدار

(ژاں پال سارتر)

20 سال پہلے قومی اسمبلی سے خطاب

The time has come, Mr. Speaker, that we should say, "Mr. Martial Law, attention. about turn quick march, go back to your barracks and never come again."

ترجمہ:۔ جناب سپیکر! وقت آ گیا ہے کہ ہمیں اب کہہ دینا چاہیے کہ جناب مارشل لاء صاحب، ہوشیار!............ پیچھے پھر .... جلدی چل............ اپنی بیرکوں میں جا اور پھر کبھی واپس نہ آنا!!

جاوید ہاشمی

6 جون 1985ء

ہاں! میں باغی ہوں

جاوید ہاشمی

ساگر پبلشرز
7۔ اے لوئر مال، داتا دربار، روڈ لاہور
فون: 042-7230423

نام کتاب	ہاں! میں باغی ہوں
مصنف	جاوید ہاشمی
تاریخ اشاعت	فروری 2005ء
ناشر	ساگر پبلشرز، A-7 لوئر مال، داتا دربار روڈ، لاہور
	فون:۔ 042-7230423
کمپیوٹر کوڈ	1S114
قیمت	-/600 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

عرض ناشر

ساگر پبلشرز کی طرف سے آپ کی خدمت میں یہ کتاب پیش کرتے ہوئے ہم فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے ایک ایسے سیاستدان کی خودنوشت آپ تک پہنچائی ہے جسے ان کے دوست اور دشمن دونوں کم از کم یہ طعنہ نہیں دے سکتے کہ مخدوم جاوید ہاشمی نے مروجہ سیاست کی پیروی میں منافقانہ مصالحت کو اپنا شعار بنایا۔ جبکہ انہیں یہ مواقع میسر رہے ہیں۔

ہم نے اپنے ادارے کی طرف سے آج تک جو بھی لٹریچر شائع کیا ہے اس میں صرف اپنے تجارتی مقاصد کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اپنی نظریاتی اساس کو اس کی بنیاد بنایا ہے۔

ساگر پبلشرز کی طرف سے جو بھی سیاسی کتابیں، ناول یا حالات حاضرہ سے متعلق تحریریں شائع ہوئی تھیں ان سب نے الحمدللہ ہماری توقعات سے بڑھ کر عوام میں پذیرائی حاصل کی اس کا سبب سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی ہم پر بے پایاں رحمتیں اور پھر ہمارا یہ عزم اور مشن ہے کہ ہم معیاری اور سچا ادب پاکستان کے ہر گھرانے تک پہنچائیں گے۔ ساگر پبلشرز صرف ایک ادارہ ہی نہیں ایک تحریک بھی ہے جس کا بنیادی مقصد اپنے اساسی نظریئے سے ہماری سچی کومٹ منٹ اور پاکستان کی تعمیر و ترقی میں اپنا مثبت رول ادا کرنے کا عزم ہے۔ مخدوم جاوید ہاشمی کی تازہ تصنیف ”ہاں! میں باغی ہوں“۔ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مخدوم جاوید ہاشمی پاکستان کے ہر اس شخص کے دل میں رہتا ہے جو پاکستان سے محبت کرتا ہے اور اس محبت کی قیمت چکانے کے لئے بھی تیار ہے۔

ناشر

تنبیہ

جاوید ہاشمی کی مقدمہ بغاوت میں گرفتاری سے ایک دو دن پہلے ملتان میں روزنامہ نوائے وقت کی سالانہ تقریب تھی، مقررین میں ہر سیاسی جماعت کے اہم رہنما شامل تھے۔ مسلم لیگ (ن) کی طرف سے مخدوم جاوید ہاشمی شریکِ محفل تھے۔ اس اجتماع میں جاوید ہاشمی کے "باغیانہ" اظہارِ خیال کا جواب اُن کے ایک سابقہ ساتھی اور موجودہ وزیرِ اطلاعات نے دیا۔

اسی شام جاوید ہاشمی نے مجھے اپنے گھر میں عشائیہ پر بلایا جس میں مختلف سیاسی رہنما شریک تھے۔ میں نے انہیں متنبہ کیا کہ اب وہ اپنی ضمانت کرالیں، اپنا سامان تیار رکھیں اور اسلام آباد یہ سوچ کر جائیں کہ اُن کی اگلی منزل جیل ہوسکتی ہے۔ جاوید ہاشمی نے اس تقریر سے پہلے وہ خط پارلیمنٹ کے کیفے ٹیریا میں صحافیوں کو پڑھ کر سنایا تھا جو کئی ارکان اسمبلی کو موصول ہوا تھا اور اے آر ڈی میں اُن کے ساتھیوں میں سے کسی نے خط کو اس انداز میں افشا کرنے اور ذمہ داری اپنے سر لینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ جاوید ہاشمی نے ایک لمحے کے لیے یہ نہیں سوچا کہ وہ اب ایک بڑی جماعت کا سربراہ ہے جو پہلے ہی ابتلا سے دوچار ہے اور جس کے قائدین بیرونِ ملک جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ باقی ماندہ لیڈروں میں سے کوئی بھی نہ تو عوامی رابطے کے لیے موزوں ہے اور نہ وہ فعال کردار ادا کرسکتا ہے، جس کی توقع میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف، جاوید ہاشمی سے کرتے ہیں۔ یہ میرا احساس ہے، ممکن ہے یہ شعلہ جوالہ برصغیر کے اُن سیاسی و مذہبی زعما کے نقشِ قدم پر چلنے کو ترجیح دیتا جو اس شعر کی عملی تصویر تھے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

جاوید ہاشمی نے سیاست کا آغاز ایک مقبول طالب علم رہنما اور پُرجوش نوجوان کے طور پر کیا، اس کے مزاج میں مصلحت اور مفاہمت کے جراثیم بہت کم دیکھنے میں آئے حالانکہ ملتان کے سیاستدانوں اور پیرزادوں کی عام شہرت یہی ہے کہ وہ اقتدار کے ایوانوں سے بہت کم بگاڑتے ہیں اور مصلحت کیشی کو سیاست و روحانیت کی اعلیٰ قدر گردانتے ہیں مگر جاوید ہاشمی جیل میں اپنے علاقے کے جاگیرداروں، مخدوموں اور وڈیروں کی اقتدار پرستی اور مصلحت پسندی کا کفارہ ادا کر رہا ہے۔

مقدمہ بغاوت میں گرفتاری کے بعد بھی جاوید ہاشمی کا جنوں خاموش نہیں بیٹھا اور اُس نے "دامنِ یزداں چاک" کرنے کے لیے قرطاس و قلم کا سہارا لیا ہے۔ یہ کتاب جاوید ہاشمی کی یادداشتوں، محسوسات، اعلیٰ وارفع

سیاسی تصورات اور ذاتی و خاندانی رجحانات کا مجموعہ ہے۔ انداز بیاں میں بے ساختگی اور سادگی ہے۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کی صدارت سے لے کر مسلم لیگ کی سربراہی تک، اپنی جمہوری و سیاسی جدوجہد کا اجمالی تذکرہ کرتے ہوئے وطن عزیز کی سیاسی، اقتصادی، سماجی اور مذہبی صورتحال کا اپنے انداز میں تجزیہ کیا ہے۔ جمہوریت کو درپیش رکاوٹوں اور جمہوری اداروں کی شکست و ریخت کے اسباب پر انہوں نے سب سے زیادہ زورِ بیاں صرف کیا اور اس ضمن میں اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی کشادہ ظرفی سے کیا ہے۔ میاں نواز شریف سے تعلقات اور سیاسی وابستگی کا ذکر دلچسپ ہے۔ اِن دونوں نے سیاست کا سبق تحریک استقلال اور ائر مارشل اصغر خان کے مکتب سے حاصل کیا۔ اگلا پڑاؤ جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت تھی۔ مگر دونوں ایک فوجی حکومت سے متھا لگانے کا خمیازہ بھگت رہے ہیں: اتفاقات ہیں زمانے کے

اللہ تعالیٰ جاوید ہاشمی کو اپنے دشمنوں کے شر اور دوستوں کی نادانی سے محفوظ رکھے۔ کتاب لائق مطالعہ ہے بشرطیکہ اسے ہاشمی کی فرد جرم میں ضمیمہ کے طور پر شامل نہ کر لیا جائے۔

اسلام، پاکستان، جمہوریت اور پاک فوج سے یکساں محبت کرنے والے اِس نظریاتی سیاستدان کی یہ سرگزشت ان تمام سیاسی کارکنوں کو توجہ سے پڑھنی چاہیے جو سونے کا چمچہ منہ میں لے کے پیدا نہیں ہوئے اور نظریہ، لگن، خلوص، محنت اور جماعتی وابستگی کے بل بوتے پر سیاست و اقتدار کی بلند و بالا چوٹیوں کو سر کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

مجید نظامی

چیف ایڈیٹر

روزنامہ نوائے وقت / دی نیشن

تقریظ

مسلم لیگ (ن) کے قائم مقام صدر مخدوم محمد جاوید ہاشمی ایک سٹوڈنٹ لیڈر کے طور پر ابھرے اور دیکھتے ہی دیکھتے قومی مطلع سیاست کے ایک تابندہ ستارے بن گئے۔ انہوں نے ضلع ملتان کے روحانی پیشواؤں کے ایک قدیمی خاندان میں آنکھ کھولی۔ اپنے خاندان کے پیروکاروں اور مداحوں کی عقیدتوں کا مرکز بچپن ہی سے رہے۔ اس ماحول میں پروان چڑھنے والا ایک نوجوان ایک روز حاضر و موجود کا باغی بن کر ابھرے گا، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جاوید ہاشمی اپنی 55 سال زندگی میں نظری، فکری، سیاسی اور عملی ارتقا کے بے شمار مراحل طے کر چکے ہیں ان کی طالب علمانہ زندگی ہو یا ایک سیاسی کارکن کا کردار، ارادے کی کمزوری اور ضمیر کی آواز کے خلاف حالات سے سازگاری اختیار کرنا ان کے مزاج کا حصہ کبھی نہیں رہا۔ جھکنا اور سرنڈر کرنا گویا انہوں نے سیکھا ہی نہیں۔ اسلامی جمعیت طلباء، تحریک استقلال اور ضیاء الحق کی کابینہ کی رکنیت سے ہوتے ہوئے وہ مسلم لیگ (ن) میں آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ 12 اکتوبر 1999ء کے فوجی انقلاب اور میاں نواز شریف کے دور ابتلا کے آغاز کے بعد ان کے جو ساتھی چٹان کی طرح ان کے ساتھ کھڑے رہے ہیں ان میں مخدوم جاوید ہاشمی ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ میاں صاحب نے بھی ان پر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا جب انہوں نے ملک سے اپنی جلاوطنی کے موقع پر اپنی پارٹی کے متعدد سینئر رہنماؤں کی موجودگی میں جاوید ہاشمی کو اپنی پارٹی کا قائم مقام صدر مقرر کیا۔ جاوید ہاشمی نے اپنے آپ کو میاں صاحب کے اہل ثابت کیا ہے لیکن انہیں اس کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے اور نہ معلوم کب تک کرنی پڑے گی۔ آخری مرتبہ انہیں 29 اکتوبر 2003ء کی شام پارلیمنٹ لاجز اسلام آباد سے گرفتار کیا گیا۔ مشرف حکومت کے دور میں یہ ان کی دسویں گرفتاری تھی۔ ان کا خیال ہے کہ اس گرفتاری کا فیصلہ دو ماہ پہلے ہو چکا تھا انہوں نے جو راہ اختیار کر رکھی تھی اس میں انہوں نے اس قسم کی آزمائشوں کو گویا خود انگیز کیا تھا اور اس گرفتاری سے بہت پہلے ہی وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار تھے چنانچہ انہوں نے اپنی حالیہ اسیری کے دوران اپنی جو خودنوشت لکھی ہے اس میں وہ کہتے ہیں۔

" 9/11 کو میں ملتان میں اپنے حلقہ انتخاب کے دور دراز گاؤں میں جا رہا تھا۔ میں نے گاڑی میں لگا ہوا ریڈیو کھولا تو بی بی سی پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حملے کی خبر سنائی جا رہی تھی۔ میں نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے ساتھیوں سے کہا: میں بہت جلد گرفتار کر لیا جاؤں گا اور لمبے عرصے تک جیل میں رہوں گا۔ وہ ہنسنے لگے ان میں سے ایک نے کہا آپ عجیب بات کر رہے ہیں میں نے انہیں کہا: میں آپ سے جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ بہت جلد اسے عملاً ہوتا ہوا دیکھیں گے۔

''میرے سامنے سارا منظر واضح تھا اتنے بڑے واقعے کے بعد پوری دنیا کی سیاست کو بدل جانا تھا۔ میں نے کہا امریکہ پہلے ہی ہماری حکومت پر اُسامہ بن لادن کو گرفتار کرنے کے لیے دباؤ بڑھا رہا تھا۔ اب اس کا ہدف افغانستان ہوگا۔ افغانستان میں امریکہ کی مداخلت پاکستان کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ ہمارے فوجی حکمرانوں کے لیے تو یہ ایک سنہری موقع ہے کہ امریکہ کو ان کی ضرورت ہو۔ ہمارے حکمران امریکہ کی پالیسیوں کو عمل درآمد کے لیے دل وجان سے خود پیش کریں گے۔ ظاہری طور پر جمہوری قوتوں کی حمایت کا جو بھرم ہے، امریکہ اس سے دستبردار ہو جائے گا، یوں فوجی حکمران ملک کی جمہوری قوتوں کو کچلنے کا موقع پا لیں گے۔ ایوب خان اور ضیاء الحق کی طرح ہندوستان کی دوستی کے حصول کے لیے فوجی شان وشوکت اور جہاد کا نعرہ ترک کر دیا جائے گا۔ اقتدار کے راستے کی یہ رکاوٹیں دور ہو گئیں تو اندرونی دشمنوں سے نمٹنے کا کام آسان ہو جائے گا اور جب اندرونی دشمنوں پر توجہ دی جائے گی تو گذشتہ دو سال سے میرے بیانات اور سرگرمیاں میری گرفتاری کا جواز پیش کرنے کے لیے کافی ہوں گی''۔

ان کی آخری گرفتاری بغاوت کے ایک مقدمے میں ہوئی یہ مقدمہ کس بنیاد پر قائم کیا گیا اس کی تفصیلات پریس میں شائع ہو چکی ہیں اور معلوم عوام ہیں۔ جاوید ہاشمی اپنی آخری گرفتاری کا احوال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

میں قوم کا منتخب نمائندہ تھا، اسمبلی کا اجلاس جاری تھا اور میں قومی اسمبلی کے دروازے پر ننگے پاؤں ایجنسیوں کی حراست میں ایک جیپ میں بند بیٹھا تھا۔ میرے سامنے ایوان صدر تھا، جس پر دو پرچم لہرا رہے تھے۔ پارلیمنٹ کے ماتھے پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا'' اللہ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں'' مگر اس عمارت سے اوپر ایک بادشاہ بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے پاؤں کے نیچے اسمبلی کی عمارت اپنی بے بسی پر نوحہ کناں تھی۔

ایجنسیوں کی جیپ رینگنے لگی۔ انہیں کسی رکاوٹ یا مزاحمت کا خوف نہ تھا۔ جب ہم سپریم کورٹ کی عالی شان عمارت کے سامنے سے گزر رہے تھے تو میں نے نظر اٹھا کر دیکھا، انصاف کا دروازہ بند تھا۔ اس پر بھی وردی والوں کا پہرہ تھا۔

اس کے بعد میں کہاں تھا، مجھے کوئی علم نہیں۔ 14 روز تک میں سورج کی روشنی نہ دیکھ سکا۔ آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جاتیں اور ہاتھوں میں زنجیریں۔ آنکھوں سے پٹیاں کھول کر بٹھا دیا جاتا اور پہروں نہ ختم ہونے والی بے معنی سوالات کی نشست ہوتی۔ اس کے بعد ننگے اور گیلے فرش پر سونے کی اجازت مل جاتی۔ نومبر کا مہینہ میرے جذبوں کو ٹھنڈا نہ کر سکا، میری اعصاب شکنی کے لئے گاہے بگاہے دیواروں کے ساتھ پٹخنے کی مشق بھی جاری تھی۔ 14 دن کے بعد مجھے اڈیالہ جیل میں ایک ایسے سیل میں بند کر دیا گیا جو گوانتانا موبے بھیجے اور واپس آنے والے قیدیوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس سیل کو گوانتانا موبے سے زیادہ تکلیف دہ بنایا گیا ہے۔ تقریباً سوا سال سے

میں اس دشت تنہائی میں ہوں یہ ایک ویران جزیرہ ہے، دور نزدیک کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔ صرف سرکاری امور سرانجام دینے والے کارندے میرے سیل کے چاروں طرف موجود ہوتے ہیں۔ بلب لگا دیئے گئے ہیں جو دن رات جلتے ہیں۔ اس سیل کے چاروں طرف اونچی ایک خاردار دیوار ہے۔ اس کے اردگرد مزید پہرے دار ہیں۔ ہر چار گھنٹے بعد پہرے دار تبدیل ہو جاتے ہیں اور تازہ دم اور چوکس پہرے دار وارد ہوتے ہیں۔ داخل ہونے سے پہلے وہ چار دیواری کے آہنی دروازے کو دھماکے سے کھولتے ہیں، میں اگر سو رہا ہوں تو جاگ جاتا ہوں اور جاگ رہا ہوں تو چونک اٹھتا ہوں، مگر اب میں اس شورِ مسلسل کا عادی ہو چکا ہوں، اب اگر وہ دروازہ آہستگی سے کھولیں تو کسی چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

ایسے مانوس صیاد سے ہو گئے
اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے

جاوید ہاشمی صاحب نے بغاوت کے مقدمے میں اپنی صفائی میں کچھ نہ کہنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ وہ ایک اقراری مجرم ہیں اور ان کی کتاب کا نام اس کی شہادت ہے لیکن احباب اور وکلاء کے مشورے سے آخر کار وہ ایک تفصیلی تحریری بیان ریکارڈ پر لانے پر آمادہ ہو گئے۔ ان کا پورا بیان ان کی خودنوشت میں موجود ہے۔ ان کو سزا دینے کے لیے جج نے جو فیصلہ لکھا اس کی تفصیلات بھی زیرِ نظر کتاب میں درج ہیں۔ بدیہی طور پر یہ ایک سیاسی مقدمہ تھا اور اس بات کی تصدیق ایک سے زیادہ عمائدین کے بیانات سے اب ہو چکی ہے۔ حکمران مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل خود سینٹ میں تین سیاسی مقدمے ختم کرنے کے مطالبہ کر چکے ہیں جن میں سے ایک مقدمہ مخدوم جاوید ہاشمی کا ہے۔ موجودہ وزیر اطلاعات بھی ان دنوں یہی مطالبہ کر رہے ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ یہ تحریر قارئین کے سامنے آنے تک ہاشمی صاحب رہا بھی ہو چکے ہوں۔ یہ موجودہ حکومت کی طرف سے بھی اس بات کا اعتراف ہوگا کہ ہاشمی صاحب کی گرفتاری اور سزا بے جواز تھیں اور یہ ایک انتقامی کارروائی تھی۔ مسلم لیگ (ن) اور جاوید ہاشمی کی کسی حکمت عملی سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جس ملک میں یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ یہاں حقیقی جمہوریت بحال کر دی گئی ہے اس میں ایک اہم سیاسی جماعت کے قائم مقام صدر کو سیاسی انتقام کا نشانہ بنانا اور جرم بے گناہی کی سزا دینا ایک ایسی قابل مذمت حرکت ہے جس پر جتنی بھی تنقید کی جائے کم ہوگی لیکن جاوید ہاشمی نے اپنی استقامت اور اپنے آہنی ارادے سے ثابت کر دیا ہے کہ ان میں ایک مثالی سیاسی کارکن اور رہنما کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ جاوید ہاشمی جیسے لوگ ہی پاکستان میں جمہوریت کے روشن مستقبل کی ضمانت ہیں وہ وقت دور نہیں جب ان کی اور ان جیسے لوگوں کی قربانیاں رنگ لائیں گی اور پاکستان میں ایک سچے جمہوری اور فلاحی معاشرے کا سورج طلوع ہوگا۔ انشاء اللہ

(ارشاد احمد حقانی)

جنگ لاہور (9-12-2004)

تعارف

کتاب اور صاحب کتاب

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے،

مخدوم جاوید ہاشمی نے اپنے اس بیان کی ایک کاپی مجھے بھجوائی تھی جو انہوں نے اپنے خلاف بغاوت/غداری کے مقدمے میں عدالت میں دیا (اگر اڈیالہ جیل میں لگنے والی اس عدالت کو، عدالت کہا جا سکے)

اس بیان کے آغاز میں ہی ''ملزم'' نے اعترافِ جرم کر لیا تھا..... ''اگر پاکستان کی مٹی سے وفاداری کا نام بغاوت ہے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں جنم جنم کا باغی ہوں''۔

50 صفحات پر مشتمل یہ بیان جس میں روئے زمین پر حق و باطل کی تاریخی کشمکش کی داستان سمٹ آئی تھی، بلاشبہ ایک زبردست ادبی شہ پارہ بھی تھا۔

کہا جاتا ہے کہ غداری کے جس قانون کے تحت جاوید ہاشمی پر مقدمہ چلایا گیا (اور 23 سال کی سزا سنائی گئی) 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد علی برادران کے سوا کسی پر لاگو نہ کیا گیا تھا۔ جاوید ہاشمی کو اپنے جرم کا بھی احساس تھا اور یہ علم بھی کہ اس سارے عدالتی عمل کی حقیقت کیا ہے۔ وہ اس کا بائیکاٹ کرنا چاہتا تھا لیکن احباب کے اصرار پر اس نے اس کارروائی میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور اس کا فائدہ یہ ہوا کہ 50 صفحات پر مشتمل ایک اور ''قولِ فیصل'' تیار ہو گیا۔

جاوید ہاشمی کا وہ بیان میرے لئے خوشگوار حیرت کا باعث تھا۔

جاوید ہاشمی کئی بار میری توقعات سے بڑھ کر ثابت ہوا تھا اور اس بار بھی یہی ہوا۔ اس کی تقریری صلاحیتوں کا تو ایک زمانہ معترف ہے۔

ایک شعلہ بیان مقرر! ایک آتش نوا خطیب!!

قدرت نے اسے تقریری صلاحیتوں کے علاوہ ایسی زبردست تحریری صلاحیتوں سے بھی نوازا ہے، اس کا احساس مجھے پہلی بار ہوا تھا۔

اس کے بعد مجھے اس کی کتاب کا انتظار تھا، جس کا مسودہ چند دن پہلے ملا۔ اس کا مطالعہ، میری مصروفیات میں سرفہرست تھا۔

میمونہ کا شکریہ، کہ اس کے اصرار نے جاوید ہاشمی کو یہ کتاب لکھنے پر آمادہ کیا اور یوں زنداں میں تخلیق پانے والے ادب میں ایک اور شہ پارے کا اضافہ ہو گیا۔ اس حوالے سے جاوید کی کسرِ نفسی اپنی جگہ لیکن کون ہے جو اس

کتاب کی قدر و قیمت سے انکار کر سکے، جو ایک زبردست ادبی تحریر بھی ہے اور قابلِ اعتماد تاریخی دستاویز بھی۔

لیکن میرا خیال ہے، میمونہ کا اصرار نہ بھی ہوتا، پھر بھی جاوید ہاشمی کے جنوں نے ''محشر'' میں فارغ کہاں بیٹھنا تھا۔ اس نے اظہار کے لیے یہی راستہ اختیار کرنا تھا۔ وہ باہر تھا تو اپنی تقریروں سے قوم کو جگانے کی کوشش کرتا رہا، نوجوانوں کو حوصلہ دیتا تھا، غاصبوں کو للکارتا تھا۔ جیل گیا تو یہی کام اپنی تحریر سے لیا۔

زباں پہ مُہر لگی ہے تو کیا، کہ رکھدی ہے
ہر ایک حلقہء زنجیر میں زباں میں نے

پاکستان حضرتِ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی زیرِ قیادت مسلم لیگ کی سیاسی و جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں وجود میں آیا لیکن المیہ یہ ہوا کہ قائد کے انتقال کے بعد یہاں سیاسی روایات اور جمہوری اقدار جڑ نہ پکڑ سکیں۔ محلاتی سازشوں کے نتیجہ میں سول و خاکی بیوروکریسی اور فیوڈل لارڈز کو کھل کھیلنے کا موقعہ ملا۔ خدا خدا کر کے نو سال کے طویل انتظار کے بعد ملک کو آئین ملا بھی تو طالع آزماؤں کے ہاتھوں آئین شکنی کا نیا کھیل شروع ہو گیا۔ فردِ واحد کا ہر لفظ ''فرمانِ امروز'' (Order of the day) قرار پایا۔ آئین، قانون، پارلیمنٹ، عدلیہ، بنیادی انسانی حقوق، سیاست اور سیاسی جماعتیں، سیاسی و جمہوری اقدار، سب کچھ بھاری بوٹوں کے زد میں تھا۔

لیکن سخت ناسازگار حالات میں مختلف ادوار میں سیاسی قیادت اور سیاسی کارکنوں نے وطنِ عزیز میں آئین کی بالادستی اور سیاسی و جمہوری حقوق کی بحالی کی جو جدوجہد کی، تھرڈ ورلڈ میں اس کی مثالیں کم کم ہی نظر آتی ہیں۔ جاوید ہاشمی کا نام بلاشبہ اس جمہوری جدوجہد کے قافلہ سالاروں میں سرِفہرست ہے۔

وہ جو اقبالؒ نے کہا تھا، ع

کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنابندی

جاوید ہاشمی کا معاملہ بھی یہی تھا۔ بچپن ہی سے شہسواری کا شوق، کئی بار گھوڑے سے گرنا، مگر خطرۂ افتادے ڈر کر شہسواری ترک نہ کرنا۔

تیسری جماعت میں تھانہ سے پہلا بلاوا، اس پر گھبرانے کی بجائے گھر سے افطاری کا سامان منگوا لینا۔

چوتھی جماعت میں آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے ''نیکی بدی'' میں ہیرو شہزادے کا رول اور پھر پابہ زنجیر شہزادے کا غاصب سپہ سالار سے مکالمہ۔

جاوید ہاشمی کے بقول یہ ڈرامہ اُس کی زندگی کا سنجیدہ کردار بن گیا۔

جاوید ہاشمی کی 29 اکتوبر 2003ء کی گرفتاری، مشرف دور میں دسویں اور اُس کی سیاسی کیریئر کی تیسویں گرفتاری تھی۔

زنداں کی اُن آزمائشوں میں شاہی قلعہ لاہور کی قید، چونامنڈی اور ملتان سی آئی اے سٹاف میں برف کی سلوں پر لٹانے، ہتھکڑیاں سلاخوں سے باندھ کر ساری ساری رات جگانے کی اذیتیں بھی شامل تھیں۔

اب اُس کے روز وشب اڈیالہ جیل کے اُس سیل میں گزر رہے ہیں جسے گوانتاناموبے بھیجے جانے اور وہاں سے واپس آنے والے قیدیوں کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ یہ گوانتاناموبے کی اذیتوں سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ لیکن اس کیفیت میں بھی اُس کی حسِ لطافت اسی طرح قائم ودائم ہے۔ اپنی صاحبزادی بشریٰ کے نام 12 جون 2004ء کے خط میں انہوں نے لکھا ہے "ایک لوہے کی پلیٹ اور پلاسٹک کا گلاس مجھے کھانے پینے کے لیے دیا گیا۔ یہ اُس سیل میں میری کل کائنات تھی۔ کوٹ لکھپت جیل میں تو ٹونٹی سے منہ لگا کر پانی پینا پڑتا تھا یہاں ایک لوٹا بھی تھا۔ سچی بات ہے مجھے یہاں آ کر لوٹے کی قدر وقیمت کا احساس ہوا۔ مجھے لگتا ہے یہی احساس دلانے کے لیے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔ جس طرح میرے جیسے دیہاتی کا میلے میں کھیس چوری ہو گیا تو اُس نے کہا تھا، میلہ تو میرا کھیس چُرانے کے لیے لگایا گیا تھا۔

جاوید ہاشمی میرے اچھے اور بُرے دنوں کے ساتھی ہیں۔ میں اقتدار میں تھا، تب بھی اور عتاب میں تھا، تب بھی وہ میرے شانہ بشانہ رہے۔

سچی بات یہ ہے کہ میں نے اُسے کبھی اقتدار کے لیے حریص نہ پایا۔ اس حوالے سے وہ اکثر وبیشتر بے رغبتی اور بے نیازی کا مظاہرہ کرتا۔ کابینہ کے اجلاسوں میں وہ ہمیشہ اپنے دل کی بات کہتا۔ کسی مسئلے پر اختلاف ہوتا تو برملا اس کا اظہار کرتا۔ جسے درست سمجھتا، اُس کے اظہار میں کبھی لکنت کا شکار نہ ہوتا۔

12 اکتوبر کے بعد کی آزمائشیں اس نے جس خندہ پیشانی سے برداشت کیں...... بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اُس نے ان آزمائشوں کو جس طرح خود دعوت دی اور ہزیمت کی بجائے عزیمت کا راستہ اختیار کیا، اس پر وہ ملک کی تمام جمہوری قوتوں کی طرف سے تشکر اور تحسین کا مستحق ہے۔

مجھے اُس کی رفاقت پر ناز ہے۔

اُس نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے۔

"Nawaz Sharif! Pakistan is Proud of you"

میں ان ریمارکس پر اُس کا شکر گزار ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ ہم سب کے لیے فخر اور اعزاز کی علامت بن گیا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں:۔

"Javed Hashmi! Nawaz Sharif is proud of You,"

"Muslim League is Proud of You,"

"Pakistan is Proud of You."

خیر اندیش

نواز شریف

محمد نواز شریف

مُقدّمہ

زندہ تاریخ

میں اپنے دفاع میں کوئی عدالتی بیان نہ دینا چاہتا تھا، کیونکہ میں مقدمے کی اندرونی کہانی سے باخبر تھا۔ مجھے عدالتی کارروائی کے انجام کا خوب علم تھا۔ اس کارِلا حاصل میں نہ اپنا وقت ضائع کرنا چاہتا تھا اور نہ عدالت کا۔

جماعت کا فیصلہ برعکس تھا۔ یہ کہ تمام حقائق ریکارڈ پر آنے چاہئیں۔ میں نے عدالتی بائیکاٹ ختم کر دیا۔ جماعت کے نظم وضبط کی میں نے ہمیشہ پابندی کی ہے، حتیٰ کہ رائے کی قربانی سے بھی کبھی گریز نہ کیا۔ حکم ہوا تو میں نے تعمیل کی اور انفرادی فیصلے نے اجتماعی فیصلے کے آگے سر جھکا دیا۔

بیان لکھنے بیٹھا تو ایک دبستان کھل گیا۔ عدالت کا وقت ختم ہو گیا لیکن میرا قصہ طویل ہوتا گیا۔ میں نے اپنی بیٹی میمونہ کے اصرار پر مقدمہ اور اِس سے متعلق واقعات پر کتاب لکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ نہ ادبی تحریر ہے، نہ کوئی سوانح عمری اور نہ ہی کوئی تاریخی دستاویز...... یہ بس ایک قلبی واردات ہے۔

حالات نے جس طرح مجھے اپنے سانچے میں ڈھالا، یا حالات کو میں جس سانچے میں ڈھال سکا، اُن کے ذکر سے یہ ضرور ہوا ہے کہ میری زندگی کے چند پنہاں گوشے نمایاں ہو گئے۔

اس کتاب میں جتنے بھی واقعات کا ذکر ہوا ہے، اُن میں کوئی ایسا نہیں، جس کا کوئی نہ کوئی کردار ابھی تک زندہ نہ ہو، اس طرح یہ تحریر شاید ایک زندہ تاریخ کہلا سکتی ہے۔

میں جب تکالیف کا ذکر کرتا ہوں تو تحدیثِ نعمت کے طور پر کرتا ہوں۔ دوسرا مقصد راہِ حق کے مسافروں کو یہ بتانا ہے کہ مشکلات کامیاب سفر کا زادِراہ ہوتی ہیں۔ اِن سے گھبرانا نہ چاہیے۔ یہ آگہی کا سفر ہے، اقوام اِسے حوصلے اور صبر سے طے کریں تو مشکلات پر قابو پالیں اور منزل قریب تر ہو جاتی ہے۔ میں یہی پیغام دینا چاہتا ہوں کہ منزل اب قریب ہے۔

تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست

کہا جاتا ہے دنیا پر اس وقت دہشت گردی کا راج ہے، پوری انسانیت اس کی لپیٹ میں آچکی۔ ہمیں اس دہشت گردی کے اسباب کا کھوج لگانا ہوگا تا کہ پوری دنیا پر امن قائم کیا جا سکے اگر ہر قوم اپنے محدود وسائل میں رہنے کا فیصلہ کر لے اور دوسری قوموں کے وسائل کو چھیننے کی خواہش پر قابو پالے تو کرہِ ارض پر امن کا حصول ممکن ہے۔

تیسری عالمی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے، اِس کی تباہ کاریوں سے بچنے کیلئے فوری طور پر دنیا کو معاشی وسائل کی

مساوی تقسیم کا نیا نظام دینا ہوگا، ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا احترام کرنا ہوگا اور جمہوریت کی بلند و بالا دیوار تعمیر کر کے اسے مضبوط کرنا ہوگا۔

مغرب کی کوکھ سے میگنا کارٹا (Magna Carta) انقلاب فرانس، بل آف رائٹس (Bill of Rights) اور کمیونزم نے جنم لیا۔ انسانی سوچ کے ارتقائی عمل میں یہ چاروں اہم سنگِ میل ہیں۔ مگر یہ انسانی دکھوں کا مکمل علاج پیش نہیں کر سکے۔ جمہوریت جس پر مغرب اور مشرق دونوں کا دعویٰ ہے، تمام انسانوں کیلئے نقطۂ اتصال بن سکتی ہے، تاہم میں عسکریت کے وجود اور اس کی اہمیت کا قائل بھی ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ عصا نہ ہو تو کلیمی کارِ بے بنیاد ہوتی ہے۔ لیکن میں زندگی کے تمام شعبوں پر عسکریت کی بالادستی کو شرفِ انسانی کی توہین سمجھتا ہوں۔

میں نے چالیس سال (1964ء سے 2004ء تک) سول سوسائٹی اور آئین کی بالادستی کیلئے جدوجہد کی۔ کسی فرد یا جماعت نے جب بھی آمریت کے خلاف جنگ لڑنے کا اعلان کیا میں اس کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ جب قافلہ سالاروں کی ترجیحات بدل گئیں میں نے شوق کو اپنا امام بنالیا۔ میرا ایمان ہے کہ جس دن انسان نے ایک دوسرے کو برابر تسلیم کرلیا وہ انسانی معراج کا دن ہوگا۔ قدرت نے کرۂ ارض میں اتنے معاشی وسائل رکھ دیئے ہیں کہ اگر منصفانہ تقسیم کی جائے تو کوئی شخص بھوکا نہ سوئے گا۔ اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ بیوروکریسی، فیوڈل ازم اور فوجی حکمران پاکستان کی ترقی روکنے میں ایک دوسرے کے مددگار رہیں۔

مذہبی تنگ نظری اور صنعتی طبقے کی محدود سوچ نے بھی پاکستان کے مثبت تصور کو اجاگر ہونے نہ دیا۔ جب تک ہم قوت برداشت پیدا نہ کریں گے اور دیانتداری کے سنہری اصول پر عمل نہ کریں گے، صحت مند معاشرہ کی تشکیل ممکن نہ ہوگی۔

صرف جمہوریت اور آزاد پارلیمنٹ ہی کسی قوم کی قسمت بدلنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ جمہوریت میں بے شمار نقائص ہیں اور جمہوری عمل سست، تھکا دینے والا اور مہنگا ہے، مگر جمہوریت کی خامیاں صرف مزید جمہوریت سے ہی دور کی جاسکتی ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ جمہوریت کے راستے پر چلتے ہوئے انسان اُس مکمل ضابطہ حیات کی منزل تلاش کرلے گا، جس کی خدا کے برگزیدہ بندوں نے بار بار نشاندہی کی۔

اس کتاب کو میں نے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ وہ پس منظر ہے جو میری سیاسی سوچ کی پختگی کا باعث بنا اور میرے موقف کو میرا عقیدہ بنا دیا۔ تحریری عدالتی بیان میں یہ سارے واقعات میں نے سمو دیئے تھے لیکن میرے قانونی مشیروں نے کچھ حصے جن کا براہ راست مقدمے سے تعلق نہ تھا، علیحدہ کر دیئے۔ دوسرا حصہ 12 اکتوبر 1999ء سے نومبر 2004ء کے واقعات پر مشتمل ہے جسے میں نے پانچ سالہ جدوجہد کا نام دیا ہے۔ تیسرا حصہ مقدمہ سماعت کے آغاز سے انجام تک کے حالات اور کیفیات پر مشتمل ہے۔ اس میں عدالت میں پیش

کیا جانے والا تحریری بیان بھی شامل ہے۔ جس میں اگلے پچاس سال میں دنیا کے نقشہ پر ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر اجمالاً کیا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں بشریٰ کے نام خطوط میں قید خانے کا تذکرہ بھی ہے اور بشریٰ کے حوالے سے پاکستان کی نئی نسل کو اپنا ورثہ منتقل کرنے کی خواہش بھی۔ اِسی حصے میں قومی اسمبلی میں گذشتہ بیس سال میں کی گئی تقاریر کے اقتباسات ہیں۔ یہ تاریخی ریکارڈ بھی ہے اور میرے اندر کے مدوجزر کی کہانی بھی۔ جلسہ عام اور اسمبلی کی تقریر کی زبان میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ مجھے جس اندازِ خطابت پر سراہا گیا وہ اس کتاب میں نہیں ملے گا۔ لیکن یہ بیس سالہ سیاست پر مستقبل بینی کا اہم ریکارڈ ہے۔ میری سیاسی جدوجہد چار عشروں پر محیط ہے۔ تمام اہم واقعات کا ذکر ممکن نہ تھا اس کے لیے ایک اور کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ پانچویں حصے میں مقدمۂ بغاوت، غداری اور جیل کی عدالتی کارروائی کو بطورِ ضمیمہ پیش کر دیا گیا ہے کہ عوامی عدالت کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ وہ دیکھ سکیں کہ کون سا قومی راز تھا جو کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے سے افشا ہو جاتا۔ عوام کا فیصلہ میرے لئے زیادہ اہم ہے۔ عوام کا فیصلہ ہی تاریخ کا فیصلہ ہوتا ہے۔

جیل میں پانچ ماہ تک کاغذ اور قلم کی اجازت نہ تھی عدالت نے بعد میں بیان لکھنے کی اجازت دی تو میں نے کتاب لکھنے کی گنجائش نکال لی۔ اس کام کی تکمیل میں تکلیف دہ مراحل سے گزرنا پڑا کوشش کے باوجود کتابت کی غلطیوں پر پوری طرح قابو نہ پایا جا سکا جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

میں نے کبھی اپنی تصویروں کا ریکارڈ نہیں رکھا۔ کتاب کی اشاعت سے ذرا پہلے مجھے اس کا احساس دلایا گیا۔ کتاب کی اشاعت میں تاخیر کے خوف سے اب ان کی تلاش بے سود ہے۔ آمنہ اور بشریٰ نے چند تصاویر ڈھونڈ نکالیں، انہیں کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

انتساب

میں اپنی کتاب اُن مجبور و مقہور لوگوں کے نام کر رہا ہوں جن کی نسلیں بے نام و نشان ہیں۔

جن میں ایم گاماں، رمضی مصلّی، رمضان حجام، حمد بخش لوہار، قادر بخش میرزادہ، رمضان ڈنگر یچ، عاشق درکھان، غلام موچی اور عاشق پاولی (جولاہا)، غلام محمد دکاندار یعقوب نائی، نعمت موچی، غلام یاسین، رفیق قصاب، جمعہ مہاجر اور شریف ماڑو شامل ہیں۔

مائی صاباں کے نام......جس نے میری دادی اور ماں کی خدمت کی اور مجھے پالا پوسا!

ان کے آباؤ اجداد کے نام!!!

اُن دبے ہوئے طبقات کے نام......جن کی خدمات کا کسی کو اعتراف نہیں حالانکہ انہی کا خون وطن کے چہرے کا غازہ ہے

اُن بے بس انسانوں کے نام......جو صنعتی ممالک کے پھیلائے ہوئے فُضلے میں سانس لے کر بیماریوں کا مرقع بن چکے

ہسپتالوں کے اُن تڑپتے ہوئے مریضوں کے نام......جن تک ترقی یافتہ اقوام سستی دوائیں نہیں پہنچنے دیتیں، نہ اُنہیں اپنی ایجاد کی ہوئی سستی دوائیں استعمال کرنے دیتی ہیں۔

اُن طالب علموں کے نام......جن پر نسل اور رنگ کی بنیاد پر جدید علم کے دروازے بند کر دیئے گئے

اُن مزدوروں کے نام......جن کی محنت کا صلہ بھوک، افلاس اور بے روزگاری ہے۔

اُن کسانوں کے نام...... جو دوسروں کو اناج مہیا کرتے ہیں مگر اُن کے گھر میں بھوک کی فصل اُگتی ہے!!!

کشمیر، عراق، فلسطین، چیچنیا کے بچوں کی بے گور و کفن لاشوں کے نام......جن سے فرعونوں کے چہرے بے نقاب ہو گئے۔

اپنی دھرتی کے اساتذہ کے نام...... جو ہمیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں مگر اپنے بچوں کیلئے فیس ادا نہیں کر سکتے۔

وفا کی تصویر اُن شہیدوں کے نام...... جو 1965ء، 1971ء اور کارگل کے معرکوں میں اپنی قیادت کی غلط منصوبہ بندی کا شکار ہوئے لیکن اپنے خون کی دیوار سے وطن کو محفوظ کر دیا۔

شہید اشرف قریشی کے نام......جس کی لاش لاہور کینٹ کی سڑک پر پڑی تھی۔ اُس کے سینے پر ایک طرف گولی کا سوراخ تھا اور دوسری طرف میری انتخابی مہم کی تصویر والا بیج۔

اپنے کارکن اندرون لاہور سید مٹھا بازار کے ضمیر بٹ شہید کے نام......جس نے صابرہ شتیلہ کیمپ میں یاسر عرفات کو بچانے کیلئے اپنا سینہ گولیوں کے آگے کر دیا۔

وحید شہید جیسے کڑیل جوان کے نام...... جس نے بنگلہ دیش نامنظور تحریک میں مجھ پر گر کر مجھے تو پولیس کی گولی سے بچالیا لیکن خود لقمہ اجل بن گیا۔

امریکہ اور یورپ کے کروڑوں انسانوں کے نام...... جو عراق پر حملے کے خلاف اور امن کے حق میں بچوں سمیت سڑکوں پر نکل آئے۔

دُخترانِ وطن کے نام...... جو نیلی وردیوں میں سکول جاتی ہوئی میری آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہیں۔

اپنے ملک کے قانون دانوں کے نام...... جو آئین کی بالادستی کا ہراوّل دستہ بن گئے

وطن کے سپاہیوں کے نام...... جو ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت کے محافظ ہیں۔

ملک کے اہلِ قلم کے نام...... جو تحریص وتخویف کے دور میں اندھیرے میں روشنی کے چراغ جلا رہے ہیں۔

ملک کے سیاسی کارکنوں کے نام...... جو ملک کی شمع پر پروانوں کی طرح قربان ہورہے ہیں، جنہیں نہ صلہ کی تمنا ہے، نہ اپنے روشن مستقبل کی اُمید مگر وہ وطن کی محبت کے اسیر ہیں

پاکستان کے سارے صحراؤں، کھیتوں، کھلیانوں، پہاڑوں اور شہروں کے نام...... جن کی حفاظت کا علم میں نے اس عہدِ ستم میں بھی گرنے نہیں دیا۔

شہرِ لاہور کی گلیوں اور اونچے بُرجوں کے نام...... جنہوں نے میری سیاسی جدوجہد کو جلا بخشی۔

اپنے وطن کے ان علماء کے نام...... جنہوں نے اپنے خون سے حریتِ فکر کی قندیلیں روشن کیں اور اسلام کو غریب الوطن ہونے نہیں دیا اور جو عہدِ جدید میں قدامت کا حسن ہیں اور دین کی شمع روشن رکھے ہوئے ہیں۔

ڈھاکہ، چٹاگانگ، سلہٹ کی مساجد کے میناروں کے نام...... جن کی اذان کی آواز اب بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے۔

شیرِ بنگال مولوی فضل الحق، مولوی فرید احمد، خواجہ خیر الدین، غلام اعظم خان، نور الامین، محمود علی اور راجہ تری دی رائے کے نام...... جو پاکستان سے وفا کی علامت بن چکے۔

گلبرگ کے مہنگے ترین ریسٹورنٹ کے سامنے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر رزق تلاش کرنے والے بچے کے نام...... جس کی تقدیر بدلنے کا عہد مجھے بروئے کار رکھتا ہے۔

اپنے سیکرٹری محمد اجمل، پریس سیکرٹری طارق عزیز، ڈیرے دار نواب دین، دائی زینب کھلائی رحمتو، عبدالغفور ڈرائیور، اللہ دتہ ڈرائیور و فیض محمد ذاتی خدمتگار کے نام...... جن میں سے ہر ایک کو اسلام آباد، ملتان اور مخدوم رشید کے تھانوں میں بارہا بند کیا گیا، اُن پر پولیس تشدد کیا گیا مگر انہوں نے مشکل ترین حالات میں بھی ہمارا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہ کئی نسلوں کا ساتھ ہے، قربانی دینے اور قربانی لینے والوں کا ساتھ...... میں اُن سے شرمندہ ہوں جو میرے سیاسی نظریات کی بھینٹ چڑھ گئے۔

اظہارِ تشکر

کتاب کی تیاری اور آپ تک پہنچانے کیلئے محمد اکرم شیخ، قیصر محمود شیخ، امتیاز الدین ڈار، چوہدری محمد امین (منی بھائی) خواجہ سعد رفیق، اسد محمد، میمونہ ہاشمی اور صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ نے اہم کردار ادا کیا۔

کمپوزنگ کیلئے محمد اجمل اور عبدالحفیظ نے رات دن ایک کر دیا۔ تصویروں کی تلاش اور ان کے انتخاب میں آمنہ اور بشریٰ نے میرے کام کو سہل بنایا۔

جب مسودہ تیار ہو گیا تو میں نے اس کی کاپیاں اُن اہل دانش کو بھجوائیں جو طالب علمی کے دور سے میری سیاسی جدوجہد سے واقف ہیں اور واقعات کی تصحیح کر سکتے تھے۔ ان میں جناب میاں نواز شریف، جناب مجید نظامی، جناب ارشاد حقانی، جناب مجیب شامی، جناب سید ارشاد عارف، جناب ہارون الرشید، جناب عرفان صدیقی، جناب سجاد میر، جناب قادر حسن، جناب عطاء الحق قاسمی، جناب حسن نثار، جناب ڈاکٹر اجمل نیازی، جناب سید عباس اطہر، پروفیسر منیر ابن رزمی اور نذیر ناجی شامل ہیں۔

کچھ حضرات نے اپنی آراء سے مجھے نوازا اور میری غلطیوں کی نشاندہی کی۔ کچھ آراء کا ابھی انتظار ہے۔ میں تمام حضرات کا شکر گزار ہوں۔

پہلا باب

مخدوم رشید

حالاتِ زندگی

میں ملتان سے 12 کلومیٹر مشرق کی طرف ملتان دہلی روڈ پر واقع قصبہ مخدوم رشید میں جولائی 1949ء میں پیدا ہوا۔ یہ قصبہ تقریباً ایک ہزار سال قبل ہمارے جدِ امجد حضرت مخدوم عبدالرشید حقانیؒ نے آباد کیا اور انہیں کے نام سے معنون ہو گیا۔ مخدوم رشید پاکستان کے عام قصبوں جیسا ہے یہاں کوئی بڑا جاگیردار ہے اور نہ کوئی سردار۔ صلاحیت اور قابلیت ہی کی بنیاد پر یہاں کوئی معتبر ٹھہرتا ہے۔ مجھ سمیت وہ کسی کے منصب سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ منہ پر سخت بات کرنے والے کی یہاں زیادہ عزت ہے۔ اس کے باوجود فیوڈل ذہنیت کی چھاپ معاشرتی زندگی میں موجود ہے۔ ہزار سال پہلے قائم ہونے والے اس قصبے میں شاید ہی کبھی کوئی قتل ہوا ہو یا طلاق دی گئی ہو۔

اس کی گلیاں تنگ اور میلی ہیں، مگر لوگ فراخ دل اور اجلے ہیں۔ گھروں تک پیدل چل کر جانا پڑتا ہے۔ میرے آبائی گھر کے دروازے تک نہ پہلے پختہ سڑک تھی اور نہ میں نے بنوائی، چنانچہ میں اب بھی پیدل چل کر گھر جاتا ہوں۔ اس قصبے کے پانچ میل شمال میں بابا فریدالدین شکر گنجؒ کی جائے پیدائش ہے اور ان کے والد کا مدفن بھی۔ نو میل کے فاصلے پر مشرق میں مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے نام پر جہانیاں شہر آباد ہے جو میرا حلقۂ انتخاب ہے۔ جنوب مغرب میں دس میل دور پر حضرت سخی سرورؒ کی جائے پیدائش ہے اور ان کے والد کا مدفن بھی۔ مغرب میں 9 میل کے فاصلے پر ملتان شہر ہے جسے مدینۃ الاولیا کہتے ہیں۔ امیر خسرو نے کہا تھا کہ

ملتان ما بجنت اعلیٰ برابر است
آہستہ پا بنہ کہ ملک سجدہ می کنند
ہمارا ملتان جنت الفردوس کے برابر ہے
پاؤں آہستہ رکھ کہ یہاں فرشتے سجدہ کر رہے ہیں

ملتان قبل از تاریخ کا شہر ہے۔ یہ صدیوں تک موجودہ پاکستان یعنی وادی سندھ کا دارالحکومت رہا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کا مقدس مقام بھی۔ مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھا ہے، ''میں لاہور میں رہتا ہوں، یہ شہر ملتان کے مضافات میں ہے''۔

اُسی علاقے میں گذشتہ ایک ہزار سال کے دوران ادب اور شاعری اپنے عروج کو پہنچے۔ بابا فریدؒ کے کلام کو تو گورونانک نے سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کا حصہ بنایا ہے۔ حضرت بلّھے شاہ کا تعلق بھی اُچ شریف سے رہا ہے۔ اُچ شریف جو میرے گھر سے پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ

میرے گاؤں سے پچاس میل شمال میں معرفت کا درس دیتے رہے۔ پیر وارث شاہ نے ہیر وارث شاہ ملکہ ہانس میں بیٹھ کر لکھی، جو میرے گاؤں سے مشرق میں 70 میل دُور ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے خواجہ فریدؒ اسی نواح میں پیدا ہوئے۔

میں متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہوں۔ ذریعہ آمدنی کا دارومدار فصل کے اچھا ہونے پر منحصر تھا۔ اگر فصل اچھی ہو جاتی تو ہمارے رہن سہن، شادی غمی میں امیرانہ جھلک آ جاتی۔ مزید جائیداد بھی خرید لی جاتی۔ فصل خراب ہو جاتی تو مزاج ٹھکانے آ جاتے۔ 1966ء کے بعد ہماری آٹھ فصلیں لگاتار خراب ہوتی رہیں مگر اس کے باوجود گھر، ڈیرے کا نظام، میری تعلیم اور کالج یونیورسٹی کی انتخابی سیاست متاثر نہ ہوئی۔ ایسے موقعوں پر جائیداد بیچنے کی بجائے گھر کی اضافی چیزوں کو فروخت کر کے کام چلایا جاتا۔ سب سے پہلی قربانی میری والدہ پیش کرتیں۔ وہ غریبوں، بیواؤں کی مدد روکنے کی بجائے اپنے زیورات کی قربانی دے دیتیں۔ وہ نقد آور فصل کے آنے کا انتظار نہیں کرتی تھیں۔ میرے والد محترم نے مشکل ترین حالات میں میری والدہ کو غریبوں کی مدد سے کبھی نہیں روکا۔ ہمارے اخراجات پر پابندی لگا دیتے۔ ساری زندگی غربت اور امارت کی درمیانی پگڈنڈی پر سفر کرتے گزری۔ جب میں الیکشن لڑتا ہوں تو عموماً زرِ ضمانت کے پیسے نہیں ہوتے اور جیل جاتا ہوں تو قانونی جنگ کا بوجھ سر پہ ہوتا ہے، تاہم وسائل کی کمی نے مجھے کبھی محرومی کا احساس نہیں دلایا۔ میں بہت خوش قسمت ہوں میرے دوستوں اور رشتے داروں کو میری حالت کا علم ہے۔ اسی لئے ہر مشکل وقت میں وہ اپنے وسائل قربان کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اسی بنا پر میں خود کو بڑا سرمایہ دار سمجھتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر جہاز خریدنے کی ضرورت ہو تو میرے احباب ایک دن میں سرمایہ فراہم کرنے کیلئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیں گے۔ میں سمجھتا ہوں اگر میں بڑی بڑی ملیں لگاتا، یا جائیدادیں بناتا تو اپنی سوچ کے مطابق سیاست نہ کر سکتا۔ سرمایہ کی کمی میرے لئے سرمایہ کا کام کرتی رہی۔ میں دادا کے بنائے ہوئے وسیع و عریض گھر میں پیدا ہوا۔ جسے گاؤں والے وڈا گھر (بڑے گھر) کے نام سے پکارتے ہیں۔ گاؤں کی زندگی میں، میں خود کو ایک رائل فیملی کا رُکن سمجھتا تھا۔ کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی، والد محترم، میرے دادا اور پڑدادا نے جائیدادیں خریدیں۔ میں پہلا شخص ہوں جس نے صدیوں پہلے خریدی گئی جائدادیں بیچ کر سیاست کی حتیٰ کہ اپنے دادا کا تاریخی ڈیرہ بھی بیچ دیا اور یہ ایسا واقعہ تھا جس سے بعض دوستوں اور خاندان کے خیر خواہوں کو گہرا صدمہ ہوا۔

ہم نے آسودہ زندگی گزاری۔ میرا، میرے بھائیوں اور کزنز کا لباس منفرد ہوتا تھا۔ بچپن میں پُھندنے والی لال ترکی ٹوپی، گلے میں سفید چکن یا بوسکی کا کرتا ہوتا، جس پر ریشمی ویسٹ کوٹ، سفید شلوار یا ملتانی طلائی لنگی اور پاؤں میں کھسہ یا گرگابی جرابوں کے ساتھ پہنایا جاتا۔ نوجوانی میں ترکی ٹوپی کی جگہ جناح کیپ نے لے لی۔ جو خاندان کے مرد حضرات کے لباس کا لازم جزو تھی۔ میٹرک میں سر پہ ہیٹ رکھتا تھا، کالج میں پہنچا تو دستار کی قربانی

دے کر سر بچالیا۔ جدِ اعلیٰ کے عرس کے موقع پر ایک دستار میرے سر پر رکھی جاتی ہے، اِس دستار کے ہر پیچ میں ہزار سال کی روایات ہیں، اب اِس دستار کو بچانے کے لیے سر کی قربانی دینے پر تیار ہو گیا ہوں۔ جب میں کالج میں داخل ہوا تو سائیکل خریدنے کے پیسے نہ تھے۔ میں شروع میں اپنے کزن صفدر عباس کی بائیسائیکل پر کالج جاتا رہا۔ بچپن کے اولین مناظر سے ایک یہ ہے کہ صبح آنکھ کھلتا تو والد محترم کو عبادت میں مصروف پاتا۔ ڈیوڑھی پر اور گھر کے اندر حاجت مندوں کی قطاریں لگی ہوتیں۔ والدہ محترمہ ضرورت مندوں میں کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کر رہی ہوتیں۔ میری سائیکل کیلئے پیسے نہ تھے، مگر میری والدہ میرے ساتھ پڑھنے والے غریب طالب علموں کی فیس کیلئے اپنا زیور تک بیچ دیتیں۔ آخری سانس تک وہ اس روش کو نبھاتی رہیں۔

رمضان شریف ہمارے تمام افراد کی تربیت کا مہینہ ہوتا۔ گھر کے تمام ملازمین کو چھٹی دے دی جاتی اور کام گھر کی خواتین خود کرتیں۔ سحری کے وقت گاؤں کی مساجد میں مسافروں کا کھانا، مدارس کے طالب علموں کی سحری، بیواؤں اور غریبوں، حتیٰ کہ ضعیف ملازموں اور ملازماؤں کے گھر کھانا پہنچانے کی ذمہ داری بچوں کے سر آ پڑتی۔ میرے بچپن میں رمضان شریف سردیوں میں تھا۔ ایک میل تک پھیلے ہوئے قصبے میں مَیں ٹھٹھرتا ہُوا دروازوں پر دستک دیتا، اپنے سر پر رکھے ہوئے تھال سے اُن کے حصے کا کھانا دے کر اگلے دروازے پر چلا جاتا۔ تقریباً پانچ سال تک میں نے یہ ذمہ داری نبھائی۔ یہ ہمارے تمام بچوں کا پہلا تربیتی کورس تھا۔ میری والدہ فرماتیں: بزرگوں نے کہا تھا ایک زمانہ آئے گا جب دولت کی بارش ہوگی۔ جو چاہیں گے اسے پھاوڑوں کے ذریعے گھر کے اندر لانا، لاسکیں گے مگر ایماندار وہی ہوں گے جو دولت کو گھر سے نکالیں گے، کسی کی مدد کے لئے۔

میری ماں جو لوری مجھے دیا کرتی تھیں اس کے کچھ حصے مجھے آج تک یاد ہیں۔

بھاندا ڈاھڈا چانجا	اس دل کو بھا جانے والے کے اندر چاؤ اور رچاؤ بہت۔
بھاندا ہردا سانجھا	اس پر سبھی کا حق ہے۔
بھاندا گوشہ ہاندا	یہ جگر کا گوشہ ہے۔
بھاندا ہر گو بھاندا	یہ ہر ایک کو بھاتا ہے۔
بھاندا لا کچہری باہندا	یہ کچہری لگا کر بیٹھتا اور لوگوں کے فیصلے کرتا ہے۔
بھاندا رب رسول گوں بھاندا	یہ رب اور رسول کو بھی پسند ہے۔

میری پہلی شعوری خواہش

ہوش کی آنکھ کھولی تو والد محترم کی کچہری میں جا بیٹھتا۔ ایک آدھ کرسی کے سوا چارپائیاں پڑی ہوتیں اور ان پر خوبصورت تکیے اور چاندنی۔ میں اپنے والد سے چھپتے ہوئے پچھلی طرف کسی چارپائی پر بیٹھ کر ساری کاروائی غور سے سنا کرتا۔ ایک آواز ابھرتی، ایک رائے کا اظہار ہوتا اور پھر ایک طویل خاموشی طاری ہو جاتی۔ پھر دوسری

آواز اس کی حمایت یا مخالفت میں ابھرتی اور پھر خاموشی چھا جاتی اور جب فیصلہ سنایا جاتا تو کسی کے خوش ہونے یا ناراض ہونے کی پرواہ نہ کی جاتی۔ میں سوچتا وہ وقت کب آئے گا جب مجھے بھی رائے دینے کو کہا جائے گا۔ یہ میری پہلی شعوری خواہش تھی۔ یہاں میں نے دوسروں کی رائے کا احترام سیکھا۔ یہی میری پہلی سیاسی تربیت گاہ تھی۔

آج جبکہ میں متنوع زندگی کے ان گنت مناظر دیکھ چکا ہوں، اقتدار کے کھلونے میرا دل بہلا سکتے ہیں نہ ہی جیل کی کال کوٹھڑی کا خوف مجھے حق کی آواز بلند کرنے سے روک سکتا ہے۔ میری رائے اب صرف میرے گاؤں کے چوپال کی رائے نہیں رہی، یہ کروڑوں عوام کی امانت ہے۔ اس اظہار کو آہنی زنجیریں اور دیواریں کیسے روک سکتی ہیں۔

میرا خاندانی نام ہمارے بزرگ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے نام پر مخدوم بہاؤالدین شاہ رکھا گیا، جو مقامی زبان میں ''بھاون شاہ'' ہو جاتا ہے۔ مخدوم اور شاہ کا لاحقہ اور سابقہ ہمارے خاندان کے ہر نام کے ساتھ صدیوں سے لگا آتا ہے۔ درحقیقت برصغیر میں ایک ہزار سال پہلے صرف چار درگاہوں کے ساتھ مخدوم کا لاحقہ استعمال ہوتا تھا۔ مخدوم علی ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ، مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، مخدوم صابر کلیریؒ اور مخدوم عبدالرشید حقانیؒ۔ باقی اولیاء کرام دوسرے القابات سے جانے جاتے، مثلاً بابا فرید الدین گنج شکرؒ (بابا فرید)، حضرت بہاؤالدین زکریا (غوث بہاؤالحق)، حضرت شاہ رکن عالمؒ، حضرت موسیٰ (پاک شہیدؒ) وغیرہ۔ اسی لیے ہمارے قصبہ کا نام بھی مخدوم رشید ہے۔ میں خاندان کا پہلا فرد ہوں جس نے مخدوم اور شاہ کو اپنے نام کا حصہ بنانے سے انکار کر دیا، جاوید ہاشمی یا صرف جاوید لکھنا اور کہلانا مجھے پسند ہے۔

میری والدہ اور والد مجھے ''بھاندا'' کے نام سے پکارتے۔ مقامی زبان میں اس کے معنی ہیں ''دل کو بھا جانے والا''۔ سکول میں میرے بھائی کے اصرار پر میرا نام محمد جاوید درج کرایا گیا۔ یہ اقبالؒ سے عقیدت کا اظہار بھی تھا۔

اللہ کے گھر سے پیغام

پہلی جماعت کے استاد کا طریقہ تعلیم مجھے بالکل پسند نہ تھا۔ وہ سارا وقت اپنی کرسی پر سوئے رہتے اور اُٹھتے تو طلباء کو بید سے مارنے لگتے۔ میں سکول سے بھاگ جاتا۔ میری والدہ نے ہمارے ملازم قادر بخش کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ مجھے جہاں دیکھے، پکڑ کر سکول پہنچا آئے۔ قادر بخش لحیم شحیم آدمی تھا۔ وہ مجھے کندھوں پر بٹھا لیتا اور سکول کی طرف چل پڑتا۔ یہ بڑا عجیب منظر ہوتا۔ سارا راستہ میں اُسے مارتا، اُس کی پگڑی گر پڑتی، میں اُس کے بال نوچتا، مگر اس پہ ذرا سا اثر بھی نہ ہوتا۔ وہ مجھے استاد کے حوالے کر کے ہی دم لیتا۔ اللہ نے اُس کا رزق فراخ کر دیا ہے۔ اب وہ بہت بڑا سیٹھ ہے۔ ہم اُس سے بیج اور کھاد اُدھار لیتے ہیں اور اُس کے مقروض رہتے ہیں۔

ایک دفعہ میرے بڑے بھائی نے سکول نہ جانے پر سزا دی۔ ایک گہری اداسی نے مجھے گھیر لیا اور دو دن

تک میں ملال کی گرفت میں رہا۔ تیسرے دن انہوں نے مجھے، اپنے کمرے میں بُلا لیا۔ گھر کے تمام افراد جمع تھے، میرے بھائی روتے جاتے اور میرا ماتھا چومتے جاتے۔ معلوم ہوا میرے والد محترم نے مکہ مکرمہ سے میرے بڑے بھائی کے نام ایک سخت خط لکھا کہ وہ صحنِ کعبہ میں تھے، اور ان پر غنودگی طاری ہوگئی۔ ''میں نے دیکھا کہ تم ''بھاؤن'' کو مار رہے ہو۔ مجھے حکم ہوا ہے تمہیں اس کام سے روکوں، آئندہ اُسے کچھ نہ کہنا'' پھر میرے بڑے بھائی نے سایہ بن کر پوری زندگی میرے ساتھ گزاری۔ میں نے جیل جانا شروع کیا تو مجھے یقین ہوتا کہ جو پہلا شخص ملاقات کیلئے جیل کے دروازے پر کھڑا ہوگا، وہ میرا بھائی ہوگا۔ وہ ملتے تو ہنس کر کہتے: تو نے ہمیں سارے پاکستان میں دربدر کر دیا۔ آخری بار وہ مجھے کیمپ جیل لاہور سے آزادی دلا کر خود مکروہاتِ دنیا سے آزاد ہو گئے۔

مکہ معظمہ سے والد کا خط آنے کے بعد میں ایک دن بھی سکول نہ گیا۔ اب والدہ اور بڑے بھائی مجھے کچھ نہ کہتے۔ گویا میں اپنی مرضی کا مالک تھا۔ میرے منہ سے نکلے ہوئے ہر لفظ کی تعمیل لازم تھی۔ میں آزادی کے لمحات گزار رہا تھا کہ والد صاحب حج اور زیارات سے واپس آ گئے۔ میری ایک سال کی آزادی چھن گئی۔ والد محترم سخت ناراض ہوئے اور کہا: تم نے میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ میں نے سکول جانا شروع کر دیا۔ ہمارے نئے استاد ریاض قدیر شاہ نہایت شفیق تھے۔ اس کے بعد میں نے ساری زندگی سکول سے ناغہ نہ کیا۔ آزادی کا سال میں نے بے فکری میں گزار دیا۔ شروع سے ہی مجھے مقدر والا بچہ سمجھا جاتا تھا اور میرے نام کے ساتھ کئی حکایتیں منسوب کر دی گئی تھیں۔ گھر یا محلے میں خواتین کوئی گھریلو یا اجتماعی کام شروع کرتیں تو مجھے سامنے کھڑا کر لیتیں۔ اُن کا خیال تھا میرے سامنے کھڑے ہونے سے ہر کام آسان ہو جاتا ہے، اگرچہ میرا اپنا کام تو آج تک کبھی آسانی سے ہوا نہیں بہرحال...... دودھ بلونا ہو، چرخہ کاتنا ہو، کپاس بیلنی ہو، گندم صاف کرنی ہو یا گھروں کی مرمت کرنی ہو، ہر کام سے پہلے میری تلاش شروع ہو جاتی۔

میں صبح سویرے اپنی زمینوں پر چلا جاتا جو گاؤں کے اردگرد تھیں۔ گویا ہم ''فارم ہاؤس'' میں رہتے تھے۔ زمین گاؤں کے قریب ہو تو پورے گاؤں والوں کو آپ سے واسطہ پڑتا ہے۔ زندگی کی تمام ضرورتوں کا انحصار اور گھر سے نکلنے کے راستے تک زمیندار کے کنٹرول میں ہوتے ہیں جس کا وہ جائز اور ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میں جب زمینوں پر دوڑتا پھرتا تھا تو گویا اپنی دُنیا اور اپنے عوام میں ہوتا لیکن میرے مشغلے عجیب تھے۔ مجھے بکریاں چرانا پسند تھا۔ میں بکریاں چرانے والے کے ساتھ چل پڑتا اور سارا دن گھومتا رہتا۔ اونٹ اور گھوڑے بہت پسند تھے، کبھی سارا دن گھڑسواری میں گزار دیتا۔ میرے والدِ محترم اور چچا کو کلاسیکی موسیقی سے رغبت تھی، خاص طور پر کافی، قوالی اور غزل۔ ہمارے ہاں کجن بائی بمبے والی سے لے کر معروف قوال استاد مبارک علی، لوک موسیقار عنایت حسین بھٹی، ثریا ملتانیکر، غزل کے گائیک مہدی حسن خان، عالم لوہار اور طفیل نیازی حاضری دیتے رہے ہیں۔ پچاس سال کی عمر میں میرے والد محترم تارک الدنیا ہو گئے۔ موسیقی سے میرے چچا کی دلچسپی آخری عمر

تک برقرار رہی۔ میں نے بھی عمر بھر سازِ سخن کو بہانہ بنا کر جُبہ و دستار سمیت رقصِ بسمل کیا ہے۔

میرے چچا محترم کا فارم ہمارے فارم سے بہتر تھا۔ ہر چیز میں انکے ہاں سلیقہ تھا۔ اُن کے گھوڑے ہمارے گھوڑوں سے زیادہ خوبصورت تھے۔ گھوڑوں کو تربیت دینے والے ٹرینر (Trainer) بھی ہم سے بہتر تھے۔ میں نے اپنے چچا جیسا حسین اور خوش لباس شخص آج تک نہیں دیکھا۔ وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ انکے کتے بہت قیمتی ہوتے تھے۔ مجھے ان کے گھوڑوں میں دلچسپی تھی۔ خاص کر ان کے مشکی گھوڑے کی سواری بڑے شوق سے کرتا۔ میں اس گھوڑے سے گرا ہوں، لیکن خطرہِ اُفتاد سے ڈر کر شہ سواری ترک نہ کی۔ ہمارے گھوڑوں کے بھاری زیورات سونے اور چاندی کے ہوتے۔ خاص تہواروں پر سواری کے لیے چاندی کی زینیں کسی جاتیں۔ خاص طور سے میرے دادا سلطان ایوب قتالؒ کے عرس پر گھوڑوں کی تیاری، ڈانس اور نیزہ بازی کا منظر دیدنی ہوتا۔ دادی جان کے فارم والے کھنڈر میں جا کر پہروں بیٹھا رہتا، جو انہوں نے اپنی بیوگی کے دنوں میں اپنے مزارعین کے لیے بنوائے تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ پیر خانے سے تعلق رکھنے والی خواتین میری دادی اور نانی نے بیوگی کے ایام میں اپنی زمینوں پر کاشت کے معاملات اپنے پاس رکھے۔ وہ دونوں بہت اچھی گھڑ سوار تھیں۔ وہ اپنے بیٹوں کے رحم و کرم پر نہ رہیں۔ میری والدہ بھی بہت اچھی گھڑ سوار تھیں۔ میرے نانا نے بچپن میں انہیں خود تربیت دی تھی۔ ان کے بازو پر، بچپن میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہونے کا نشان موجود تھا۔ میرا بچپن مختلف تھا۔ میں پورا دن نظام آبپاشی تعمیر کرتا، بند بنا کر ''نہریں'' نکالتا، اُن سے چھوٹے چھوٹے ''کھالے'' بنا کر پانی کھیت تک پہنچاتا، لکڑی اور اینٹوں سے کچے گھر بناتا، پھر انہیں چھوٹی چھوٹی کالونیوں میں بدل دیتا۔ اِن کاموں میں کئی دن لگ جاتے۔ گائے، بھینسوں کو چُرانے والے ملازمین پر گویا میں حکمرانی کرتا۔ پودے لگانا میرا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ تاہم میں جہاں بھی ہوتا مائی صاباں کی آنکھیں میرا پیچھا کرتی رہتیں۔

اُن دنوں کُشتی کا شوق بہت تھا، میں کُشتی کے مقابلوں کو دیکھنے کیلئے ہر جگہ پہنچ جاتا، ہمارے خاندان میں پیر چراغ شاہ بہت بڑے شہ زور تھے۔ وہ تہجد گزار پہلوان تھے۔ رستمِ زماں گاما پہلوان اور غلام پہلوان کے شاگردوں میں سے تھے۔ اب اُن کی عمر ڈھل گئی تھی، اب پہلوان سے زیادہ وہ منصفِ اعلیٰ کے طور پر ملتان، ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور کی کُشتیوں میں جاتے، ان کی بھاری آواز دور تک سنی جاتی۔ اُنہیں لاؤڈ سپیکر کی ضرورت نہ ہوتی اور وہ عظیم الجثہ انسان تھے۔ بھولو برادران جب ہمارے علاقے میں کُشتیاں لڑنے آتے تو اکھاڑے میں داخل ہونے سے پہلے اُن کے گھٹنوں کو چھو کر اشیرباد لیتے۔ بھولو برادران سے ہمارا یہ تعلق آج بھی قائم ہے۔ ہم جب بھی لاہور جائیں تو نعیم پہلوان، سلیم پہلوان اور یاسین پہلوان کے ہاں ضرور جاتے ہیں۔ اُن کے بیٹے بلال یاسین کی سہرابندی، جو اب مسلم لیگ (ن) کے ایم پی اے ہیں، مجھ سے کرائی گئی۔ لاہور کی کیمپ جیل میں گزرے ایک سال کے دوران میاں اسد محمد اور انہوں نے میرا بہت خیال رکھا۔

جدِ اعلیٰ کا مزار

میں اکثر اپنے جدِ اعلیٰ مخدوم عبدالرشید حقانیؒ کے مزار پر چلا جاتا۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر کچی رکھی جائے لیکن دو سو سال پہلے وہاں ایک عظیم عمارت بنا دی گئی۔ چھت اور دیواروں پر خوبصورت رنگوں سے پچی کاری کا کام کیا گیا۔ یہ بہت حسین عمارت ہے۔ گنبد کے علاوہ ایک وسیع مجلس خانہ ہے۔ فرش سنگِ مرمر کا ہے اور چھت لکڑی کی۔ چھت پر شیشے کا کام اتنا باریک کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ دیکھنے والی نگاہ حیران ہوتی ہے کہ لکڑی کے شہتیر اتنی بلندی تک کیسے پہنچے۔ مجلس خانہ کی دیواروں پر فارسی شعراء کا کلام درج ہے۔ انسانی زندگی کو با مقصد بنانے کی تلقین کرتی شاعری، ایک شعر جو مجھے یاد آ رہا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد

بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

یعنی بے ادب صرف خود کو خراب نہیں کرتا بلکہ اس کی بے ادبی کی آگ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

اندر حجرہ شریف ہے جہاں آپؒ نے 90 سال کی عمر تک ریاضت کی اور وہی اُن کی آخری آرام گاہ ہے۔ میرے والد محترم کا مدفن بھی یہیں ہے۔ میں عقیدت مندوں کی لمبی قطار کو دیکھتا رہتا اور سوچتا کہ ایک ہزار سال سے لوگ حاضری دے رہے ہیں۔ سینکڑوں میل کا سفر کر کے آتے ہیں، کوئی انہیں بلانے نہیں جاتا، وہ کیوں آتے ہیں؟ اس لئے کہ اُن کے آباؤ اجداد کے دلوں کو ایک ہزار سال پہلے فتح کر لیا گیا تھا۔ ایک پیغام ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل کو خود بخود منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اِسی مجلس خانہ میں پند و نصائح کی محفلیں ہوتیں اور بزرگ علمی مباحثوں میں شریک ہوتے۔ میں نعت کی روح پرور محفلوں میں شرکت کرتا۔ دربار شریف سے واپس گھر جانے کیلئے چوک بازار سے گزرتا تو ہر دکاندار پیار کرتا اور عزت و تکریم سے پیش آتا۔ گاؤں کے ارد گرد صدیوں پرانا قبرستان ہے۔ لوگ سینکڑوں میلوں دور سے آ کر اپنی میتیں یہاں دفن کرتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ یہ سرزمین مقدس ہے۔ میں پہروں ان قبروں کے کتبے پڑھتا رہتا۔ اب بھی پڑھتا ہوں۔ گزری ہوئی زندگی کے بعض تیور اب بھی باقی ہیں۔

دار الندوہ

مزار شریف اور چوک بازار کے درمیان ڈیرہ ہے۔ یہ گاؤں کا ایک چھوٹا سا پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ یہاں سارا دن مباحثہ جاری رہتا۔ مجلس خانے کی محفلوں میں مذہبی رنگ زیادہ ہوتا اور پکا ڈیرہ کی محفلوں پر علمی و سیاسی بحث کا رنگ۔ میں ایک خاموش سامع تھا۔ یہ پارلیمنٹ تھی اور ایک چھوٹی سی یونیورسٹی بھی۔ مسجد کے نمازیوں اور دربار شریف کے زائرین کا یہاں جمگھٹا رہتا۔ عمائدین شہر یہاں پر جمع ہوتے۔ گاؤں کی معاشرت پر چار اداروں

کی گرفت کافی مضبوط تھی، اس میں بزرگوں کی کونسل کے علاوہ تمام اداروں کی علمی اور عملی حیثیت یکساں تھی۔

مدبرین اور زعمائے شہر کا ادارہ سب سے اہم اور برتر تھا۔ فیصلوں سے زیادہ ان کے ذمہ صلح جوئی کا کام تھا۔ اسے آپ ایلڈرز کونسل (Elders Council) کہہ سکتے ہیں۔ اس میں میرے نانا ہادی شاہ، اُن کے خالہ زاد مخدوم دولت شاہ ذیلدار، مخدوم فتح شاہ المعروف پھول شاہ، مخدوم مبارک شاہ ولد مخدوم چراغ شاہ، مخدوم غلام شہباز شاہ، مخدوم غلام اویس شاہ، قاضی سردار شاہ، مخدوم سرور شاہ، مخدوم وارث شاہ جمن شاہی، مخدوم حاجی بندو شاہ، مخدوم حاجی عالم شاہ، مخدوم حاجی حسن شاہ مسجد والے، مخدوم خواجہ بخش شاہ، مخدوم سلطان علی شاہ شامل تھے۔

اس کے نیچے کا ادارہ ایک لحاظ سے برطانیہ کا دارالامرا تھا۔ مندرجہ ذیل ''ارکان'' اور ''پروفیسر'' اکثر وہاں موجود ہوتے۔ مخدوم سراج دین شاہ، مخدوم بھاون شاہ ولد مخدوم خدا بخش شاہ، مخدوم بڈھن شاہ ماڑی والا، مخدوم حافظ موج دریا شاہ، مخدوم حاجی رمضان شاہ، مخدوم حاجی امیر شاہ، مخدوم نذیر احمد شاہ نمبردار، مخدوم امیر شاہ ولد غلام اویس شاہ، مخدوم محمد شاہ ولد مخدوم ولایت شاہ، مخدوم ہدایت شاہ، مخدوم حاجی حسن شاہ موج دریائی، مخدوم محمد شاہ ولد مخدوم امیر شاہ، مخدوم حاجی محمد نواز شاہ ولد مخدوم مبارک شاہ، مخدوم قاضی غوث شاہ، مخدوم حاجی نواز شاہ ولد حاجی مبارک شاہ، مخدوم زیادت شاہ، مخدوم سردار شاہ ولد کرم شاہ، مخدوم جیون شاہ جمن شاہی، مخدوم ذوالفقار شاہ ہدایت شاہی، حاجی وارث شاہ ولد مخدوم ہادی شاہ، مخدوم رکن عالم شاہ، مخدوم علی شیر شاہ، مخدوم غوث شاہ موج دریائی، مخدوم حاجی گامن شاہ، مخدوم رحم علی شاہ چیئرمین اور مخدوم حاجی پیر شاہ، میرے بھائی مخدوم بہار شاہ جو اِس یونیورسٹی کے نوجوان ''پروفیسر'' تھے۔ یہ قریش مکہ کے دارالندوہ کی طرح ایک منفرد ادارہ تھا۔ اِن میں سے جو دانش مندی کے جوہر دکھاتا مشائخ کونسل (Elders Council) کا رُکن بن جاتا۔ ان بحثوں میں عموماً شیریں سخنی کا رنگ غالب رہتا مگر کبھی کبھی اتنی تلخی ہو جاتی کہ محسوس ہوتا 1400 سال پہلے کے قریش نے دارالندوہ سے دارارقم کے سفر کا ابھی آغاز تک نہیں کیا۔

اِس کے نیچے ایک دارالعوام تھا، اس کے سربراہ مخدوم خدا بخش شاہ ذاکر تھے، یہ ایک طرح کی پنچائیت تھی جس کے پاس اختیارات بھی تھے۔ ان کے ممبران میں مخدوم حسین شاہ ولد واصل شاہ کے علاوہ ملک خیر محمد، ملک فیض بخش ڈنگر بیچ، ملک گل محمد، مولوی فیض احمد، حاجی مکھن، مانک قصاب وغیرہ شامل تھے۔ یہ امر انتہائی دلچسپ ہے کہ گاؤں کے تینوں ٹیکس گزار یعنی میرے دادا مخدوم نور چراغ شاہ، مخدوم حاجی مبارک شاہ اور مخدوم محمد شاہ، جن کے پاس ووٹ کی طاقت بھی تھی، کسی مقامی ادارے کے ممبر نہیں تھے، بلکہ اجتماعی فیصلوں کے پابند تھے۔

گاؤں کے دانشور طبقہ میں مخدوم عبدالمجید شاہ، مخدوم بہاول شاہ، مخدوم غلام رشید شاہ، میرے ماموں حاجی مبارک شاہ، ڈاکٹر مبارک شاہ، حاجی الطاف الرحمٰن، حاجی غلام مرتضیٰ شاہ المعروف حاجی گامن شاہ، صفدر

عباس قریشی، ماسٹر گل محمد، محمد علی شاہ، ملک محمد حسین زرگر، مخدوم حاجی عالم شاہ چیئرمین، راؤ فجر علی، حاجی مصری خان (مرحوم)، حاجی سردار محمد، صوفی اعجاز حسین شاہ، خورشید احمد شاہ ولد مخدوم محمود شاہ، نذر حسین شاہ ٹھیکیدار، مخدوم نذر حسین شاہ ولد مخدوم بڈھن شاہ، چراغ دین، نواب دین، حاجی ملک سیفل، غلام محی الدین شاہ، حاجی محمد شاہ ولد کرم شاہ، مخدوم گامن شاہ ٹرانسپورٹر، ملک حاجی حق نواز، لالہ ذوالفقار، مخدوم مرید حسین شاہ، مخدوم شبیر حسین شاہ، مخدوم منظور حسین شاہ، مخدوم زوار حسین شاہ، مخدوم الطاف حسین شاہ، مخدوم حسن شاہ ولد مخدوم مبارک شاہ، ماسٹر نذر حسین شاہ، ماسٹر اکبر شاہ، حاجی عبدالرحمٰن، ناظم ذوالفقار شاہ، محمد اقبال شاہ ولد مخدوم امام شاہ، مولوی محمد رمضان، حبیب انصاری، ڈاکٹر صدیق اختر، ملک دلدار ولد ملک خدا بخش، ملک غلام حسین بھٹہ، حاجی خواجہ رحیم بخش، حافظ بشیر احمد، ڈاکٹر مشتاق احمد، فدا حسین شاہ، اعجاز حسین شاہ، ضیاء المصطفیٰ شاہ، مخدوم جعفر حسین شاہ، مخدوم ہاشم رضا شاہ، ماسٹر محمد ابوبکر اسدی، ملک محمد نواز، شیخ عبدالعزیز، حاجی عبدالرحمٰن کے نام قابل ذکر ہیں جو گاؤں والوں کی غلطیوں کی تنقید کے ذریعے اصلاح کرتے ہیں۔ مجھ ناچیز پر بھی ان کی تنقید اتنی ہی بے رحمانہ ہوتی ہے۔اس تنقید کے خوف سے اصلاح کی کوشش کرتا رہتا ہوں اور جب قومی سطح پر فیصلے کرتا ہوں تو ان کے ممکنہ احتساب کو ملحوظ رکھتا ہوں۔ معززین علاقہ جنہوں نے میری زندگی پر اثر کیا ان میں چودھری ابراہیم ڈیلدار، حاجی ملک محمد خان اعوان، چودھری غلام حسین گجر، چودھری محمد شفیع چٹھ، چودھری اللہ دتہ سفید پوش، چوہدری مبارک علی سنگیڑہ، چودھری احمد خان گجر اور حضرت سید نجم الدین شاہ شامل ہیں۔

ہمارے گاؤں میں ایک نابغہ روزگار محقق مولانا ابوالخیر اسدی تھے۔ انہوں نے الازہر یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد گاؤں ہی میں اپنی تصنیف و تالیف کا شغل جاری رکھا، مولانا نور احمد فریدی ہمارے گاؤں کی زندگی کا ایک اور قابل احترام نام ہیں۔ تاہم قاضی نعمت اللہ شاہ سے میں نے جو کچھ حاصل کیا وہ کسی اور سے نہ کر سکا۔ میں نے سب افراد اور اداروں سے سیکھا ہے۔ لیکن حاجی غلام مرتضیٰ شاہ المعروف حاجی گامن شاہ سے خصوصی قلبی تعلق تھا۔ وہ گاؤں کی محفلوں کی جان، مثالی کاشتکار اور معاملہ فہم تھے۔ تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باوجود خوبصورت اور دل پذیر گفتگو کرتے، اُن کی زندگی کے تمام معاملات میں توازن تھا، میری سیاسی جدوجہد کا بنیادی ستون تھے، وہ رشتے میں میرے بھتیجے تھے، لیکن عمر میں میرے بڑے بھائی کے ہم عمر اور دوست تھے۔ انہوں نے آخری سانس تک میرا ساتھ نبھایا۔ میرے گروپ کی طرف سے یونین کونسل کے چیئرمین منتخب ہوئے، رزق حلال کمانے پر ہمیشہ زور دیتے، میرا ڈیرہ نہ رہا تو کئی سال تک میں اُن کے ڈیرے کو سیاست کیلئے استعمال کرتا رہا۔ میں گاؤں کے ان اداروں میں سے کسی کا ممبر نہیں ہوں۔ مگر ذہنی طور پر خود کو گاؤں کے دارالعوام اور دانشور طبقے کے قریب سمجھتا ہوں۔ خواہش یہ ہے کہ گاؤں کے مدبرین کی کونسل کا ممبر شمار کیا جاؤں۔ جس دن یہ واقعہ ہو گیا شاید ملکی اور بین الاقوامی سیاست کو سمجھ لینا میرے لیے کچھ مشکل نہ ہوگا۔

میرا پہلا احتجاج

ہمارے استاد کا نام مہر عبدالرحمٰن تھا۔ میں دوسری جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ انتہائی محنتی مگر سخت سزا دینے والے تھے۔ شریف ماڑو کو ہوم ورک نہ کرنے پر اُنہوں نے گالی دی۔ مجھے عجیب لگا، میرے نزدیک جسمانی سزا سے بھی یہ سزا زیادہ سخت تھی۔

ہمارے ہاں گالی کا تصور ہی نہ تھا۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا، آپ استاد ہیں...... آپ ہمیں گالیاں سکھانے تو نہیں آئے۔

مجھے تو وہ کچھ نہ کہہ سکے البتہ شریف ماڑو کو ایک اور گالی دے دی۔ میرے لئے یہ بات نا قابل برداشت تھی۔ میں نے کہا آپ مجھے استاد کم اور تھانیدار زیادہ لگتے ہیں۔

میں اٹھا اور بطور احتجاج کلاس روم سے چلا گیا۔ میرے کزن غلام اکبر شاہ اور عاشق حسین شاہ نے میرا ساتھ دیا۔ یہ میری زندگی کا پہلا احتجاج تھا۔

بیس سال بعد مہر عبدالرحمٰن مجھے ملنے آئے اور کہا، میں پولیس میں چلا گیا تھا اور اب استاد نہیں تھانیدار ہوں۔

وہ ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں اور اکثر جھنگ سے مجھے ملنے آتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ احترام سے پیش آتا ہوں۔

پہلا سرکاری بُلاوا

میں تیسری جماعت میں تھا۔ بچوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایس ایچ او مخدوم رشید کے بھائی سے ہاتھا پائی تک نوبت پہنچی تو اُس نے تھانے میں اطلاع کر دی۔ کانسٹیبل امام بخش مجھے بُلانے کیلئے فوراً سکول پہنچ گیا۔ میں روزے سے تھا، میں نے افطاری کا سامان منگوا لیا اور چل پڑا۔ یہ پہلا ''سرکاری بلاوا'' تھا۔ اِسی دوران میرے استاد جناب مخدوم محمد شاہ صاحب پہنچ گئے اور اُنہوں نے کانسٹیبل کو بھگا دیا۔ میرے یہ ہم جماعت اب بہت بڑے پولیس آفیسر ہیں۔ اسلام آباد پولیس کے سربراہ رہے ہیں، اور وزیراعظم بے نظیر بھٹو کے سیکورٹی انچارج تھے۔ آج کل ملتان پولیس کے ایک بڑے عہدے پر متمکن ہیں۔ ہم ہمیشہ کیلئے دوست بن گئے۔ وہ مجھے خاندانی نام بھاون شاہ سے پُکارتے ہیں۔ بچپن میں ہم چور سپاہی کھیلتے، کبھی میں اُن کی ٹیم کو تھانہ کی حوالات میں بند کر دیتا اور کبھی وہ ہماری ٹیم کو۔ کیا بچپن کے کھیل میں آنے والے حالات کا کوئی اشارہ مضمر تھا؟

اپنے قفس کی تیلیاں

چوتھی جماعت میں ہمارے محترم استاد نے آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے ''نیکی بدی'' کیلئے مجھے ڈرامے کے ہیرو شہزادہ توفیق کا کردار ادا کرنے کا حکم دیا۔ شہزادے کو قید کر لیا جاتا ہے۔ حقیقت کا رنگ بھرنے کیلئے مجھے

زنجیریں پہنائی گئیں۔ اپنے قفس کی تیلیاں میں نے اپنے ہاتھوں سے بُنیں۔ شہزادے کو غاصب سپہ سالار کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ سپہ سالار شہزادے کو زنجیروں میں دیکھ کر پوچھتا ہے "توفیق کس حال میں ہے؟" شہزادہ اپنے طرزِ عمل پہ ڈٹا رہتا اور یہ جواب دیتا ہے۔

"شیر لوہے کے جال میں ہے"

یہ قید اور یہ قید خانہ تو محض ایک ڈرامہ تھا۔ پھر وہ میری زندگی کا ایک جزوِ لاینفک کیونکر بن گیا؟

آج میرے چاروں طرف سلاخیں ہیں اور اُن سلاخوں نے میرے ضمیر کو جکڑنے والی سلاخوں سے مجھے بچالیا ہے۔ میری روح پر ندامت کے چرکے لگانے والی سلاخیں مجھ سے کوسوں دُور کر دی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ قید خانہ کی کال کوٹھری نے مجھے طاقتِ پرواز دی ہے۔

بہار کے ہر موسم میں مرغِ چمن مجھے نغموں پر اُکساتا ہے اور میں آسانی سے اپنے صیاد کا صیدِ زبوں ہو جاتا ہوں۔ میری آشفتہ سری تو اب فصلِ گُل و لالہ کی پابند بھی نہیں رہی۔

میرے اساتذہ

چھٹی جماعت سے میٹرک تک میں اپنی جماعت کو فارسی پڑھاتا۔ استاد صرف نگرانی کرتے۔ ہمارے گھر میں اقبالؒ کے فارسی کلام کا سکہ رواں تھا۔ ماحول کا اثر یہ تھا کہ گاؤں کے ان پڑھ لوگ بھی فارسی اشعار اور محاوروں سے اپنی بات میں وزن پیدا کرتے اقبال، رومی، سعدی اور حافظ کے حوالے سے بات کرتے۔ شاید اقبالؒ ہی ان میں توانا شاعر ہے۔ دیکھا تو یہی دیکھا کہ جو اقبالؒ کے سحر میں گرفتار ہو جائے، اُسے اپنی منزل چرخِ نیلی فام سے پَرے نظر آتی ہے، اُس کی سوچ کو زنجیریں پہنائی جا سکتی ہیں نہ جسم کو...... قید خانہ اُس کیلئے حجلہ عروسی ہو جاتا ہے۔

میرے استاد محترم راجن شاہ صاحب مجھے کہتے آپ بڑے لوگوں کی اولاد ہیں، آپ کو فکرِ معاش ہے اور نہ ملازمت کی ضرورت۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ دنیاوی تعلیم کا سلسلہ ترک کر دیں اور دینی تعلیم حاصل کر لیں، تاکہ آپ کی عاقبت سنور جائے۔ ورنہ جونہی آپ سنِ بلوغت کو پہنچیں گے، آسائشوں کی دنیا میں کھو جائیں گے اور آلائشوں سے خود کو بچا نہ سکیں گے۔ تعلیم کیلئے جو محنت درکار ہے آپ کا طبقہ وہ کر نہیں سکتا۔ آپ نے آٹھویں میں سکول چھوڑ دینا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنی آخرت سنوار لیں۔ اپنے استاد سے میں متفق نہ تھا۔ عرض کیا میں انگلستان سے بیرسٹری کرونگا۔ فرسٹ ائیر میں مجھے نئی کار مل جائے گی۔ میرے بڑے بھائی مجھے ایسے ہی خواب دکھاتے رہتے تھے۔ حالانکہ اُس وقت گاؤں میں ایک ہی کار تھی، میرے ماموں مخدوم محمد شاہ کی۔ جس میں بچپن میں مختصر وقت کیلئے ہم سفر کرتے رہے، اُس کار نے بقیہ عمرِ طبعی گاؤں کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر گزاری۔ جسے شروع میں گاؤں کے بچے کھلونے کے طور پر استعمال کرتے رہے، پھر بطخوں نے اِسے

اپنا ڈریہ بنالیا اور آخر میں گاؤں کے آوارہ کتوں کا مستقل مسکن بن گئی۔ میرے استاد گاؤں میں رہتے ہیں۔ میں گاؤں جاتا ہوں تو جامع مسجد میں اُن سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا تھا کیا اس پر عمل کیا یا نہیں؟ وہ مسکرا کر کہتے ہیں میں تمہیں ذہنی طور پر آنے والے واقعات کیلئے تیار کررہا تھا۔

جو اساتذہ کرام میرے زندگی سنوارنے کا سبب بنے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ماسٹر محمد بخش مرحوم، چوہدری محمد حسین چٹھہ، چوہدری محمد رمضان سندھو، ملک محمد نواز، چوہدری محمد حسین آرائیں، ملک محمد انور مرحوم اور چوہدری حاکم علی سیرا۔ چوہدری احمد دین سندھو مرحوم نے مجھے آنکھیں کھول کر زمانے کا سامنا کرنے کے قابل بنایا۔ میری زندگی پر ہیڈ ماسٹر چوہدری ظہور احمد صاحب کی شخصیت کا گہرا اثر ہے۔ استاد کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے منتظم بھی تھے۔ اُن کے آتے ہی سکول کی کایا پلٹ گئی۔ خطابت کے شوق کو جلا دینے کے لئے انہوں نے لاؤڈ سپیکر خریدا۔ میرے ادبی ذوق کی وجہ سے مجھے سکول کے رسالہ ''المخدوم'' کا ایڈیٹر بنا دیا گیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا کا سامنا کرنے کیلئے ہمارے اندر اعتماد کی طاقت بھردی۔ میں انگلش سوٹ پہنتا تھا۔ اور باس کی ٹائی لگاتا اور گرمیوں میں سر پر ہیٹ رکھتا۔ سکول نئی جگہ پر منتقل ہوا تو اُس کی کچی دیواریں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں۔ وہاں پودے لگائے جو اب اونچے گھنے درخت ہیں۔ میں ہر کلاس کا مانیٹر ہوتا۔ تمام کھیلوں میں حصہ لیتا، اور الحمدللہ میرا تعلیمی ریکارڈ شاندار تھا، سکول کی ساری لائبریری سکول چھوڑنے سے پہلے میں کھنگال چکا تھا۔

پنجاب یونیورسٹی کے دو وائس چانسلرز جن سے میں نے فیض حاصل کیا ڈاکٹر اجمل اور علامہ علاء الدین صدیقی ہیں۔ ڈاکٹر اجمل بنیادی طور پر دانشور تھے اور علامہ علاء الدین صدیقی سیاستدان۔ دونوں شخصیات قدآور تھیں۔ دونوں نے مجھے وسیع المشربی کا درس دیا، خواجہ غلام صادق اور پروفیسر وارث میر جیسی شخصیات سے میں نے کتابی علم کے علاوہ اکتسابی علم بھی حاصل کیا ہے۔ خواجہ غلام صادق نے ایک مرتبہ میری فیس اپنی جیب سے ادا کی۔ وہ سٹوڈنٹس یونین کے ایڈوائزر تھے، میرے پاس سٹوڈنٹس یونین کے 5 لاکھ موجود تھے جو میں ضرورت مند طالب علموں میں تقسیم کررہا تھا، گھر سے پیسے آنے میں تاخیر ہوگئی، اپنی فیس وقت پر ادا نہ کرسکا۔ پروفیسر وارث میر طلبا میں اتنے مقبول تھے کہ انہیں ہماری درخواست پر یونین کا مشیر مقرر کیا گیا۔ جناب پرویز آفتاب ایڈووکیٹ سے میں نے ملتان میں دو سال تک بنگالی لکھنا اور بولنا سیکھا۔ اور سامری فن بنگالیوں کے سحر میں گرفتار ہوگیا۔ آج تک رہائی نہیں ملی۔ شیر خان اور اس کے بچوں سے ضرورت کی پشتو سیکھی۔ اکثر پشتون خاندان افغانستان سے آکر سردیاں ہمارے ڈیرے میں گزارتے اور اپنا رزق تلاش کرتے، میری پشتو بہتر ہوتی گئی۔ سندھی اور سرائیکی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ سندھی کا استاد نہ ہونے کے باوجود پوری سندھی سمجھ لیتا ہوں۔ مخدوم رشید کے اردگرد مشرقی پنجاب سے خصوصاً ماجے کے علاقے کے لوگ آباد ہیں۔ مجھے ان سے ٹھیٹھ پنجابی سیکھنے کا موقع ملا۔ اردگرد کی بستیوں کے نام بھی ضلع امرتسر اور لاہور کی بستیوں کے ناموں کی مناسبت سے رکھے گئے۔ بستی کوٹھے والا بستی

ورنالہ،بستی گھڑیالا،بستی ناگاں یابستی گل،بستی مانک،بستی جلال آباد،بستی بوٹے والا،بستی مان،بستی چٹھہ،بستی واہلہ،بستی شیر سنگھ،بستی بھوجیاں،بستی سہو،بستی خان پور مڑل اوربستی عاربی پرانی آبادیاں ہیں۔

سب سے بڑا اُستاد

میں اپنے خالومخدوم ہدایت شاہ کی شخصیت سے متاثر تھا۔بچپن ہی میں وہ یتیم ہوگئے، میرے نانامخدوم ہادی شاہ نے اُن کی تربیت کی، جواُن کے ماموں تھے۔میرے بڑے بھائی مخدوم بہارشاہ شہید کی تربیت بھی نانانے ہی کی تھی۔مخدوم ہدایت شاہ جرات وشجاعت،سخاوت اور دانائی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے،اُن کارعب و دبدبہ،قوت فیصلہ اور قیافہ شناسی ضرب المثل تھی۔فارسی ادب، علامہ اقبال اور مولانا روم اُن کی گفتگو کا موضوع ہوتا۔جب انہیں کسی دستاویز پر دستخط کرنے کو کہا جاتا توانگوٹھا آگے بڑھاتے ایک لفظ بھی لکھ یاپڑھ نہ سکتے تھے،وہ آج بھی میرے آئیڈیل ہیں۔اُن کے چچامخدوم دولت شاہ ذیلدارکوجورشتے میں میرے نانا تھے انہیں عام لوگ پسند نہ کرتے تھے کیونکہ پہلی جنگِ عظیم میں وہ لوگوں کو جبراً بھرتی کراتے تھے،انگریز سے وہ اتنے مخلص تھے کہ اپنے اکلوتے صاحبزادے مخدوم کرم حسین شاہ کوبھی بھرتی کرادیا۔اُن کی وفات پرمخدوم کرم حسین شاہ ذیلدار بنائے گئے۔انہیں جاگیر سے نوازا گیا،مگر خاندان نے مخدوم دولت شاہ اور پھراُن کے صاحبزادے مخدوم کرم حسین شاہ کے اس جرم کوکبھی معاف نہ کیا۔جب مخدوم ہدایت شاہ صاحب نے وفات پائی تو میرے رشتے کے نانا مخدوم خدابخش شاہ نے طویل مرثیہ لکھا جوایک لوک داستان بن گیا۔جس میں کہا گیا کہ ہدایت شاہ مرانہیں اورایسے لوگ مرہی نہیں سکتے، چونکہ فطرت کا تقاضا اوراللہ کا قانون ہے کہ ہرشے کوفنا ہونا ہے، اس لئے ہدایت شاہ کوفنا ہونا پڑا۔ورنہ دراصل وہ فنا ہونے والی چیز ہی نہیں۔مجھے اُس کا یہ شعرابھی تک یاد ہے ؎

ہدایت شاہ مر گیا شیر جوان

کل من علیھا فان

میرے یونیورسٹی کے اساتذہ پروفیسرسید کرامت حسین جعفری،خواجہ محمد صادق، ڈاکٹرعبدالخالق، محترمہ ناہید قطب،پروفیسرسی اے قادر کامقام بہت بلند ہے۔ان میں سے بعض بلند ترکتابوں کے مصنف ہیں،جن سے ہزاروں طلباءوطالبات فیضیاب ہورہے ہیں۔

میرے والدِ محترم اور تحریک پاکستان

انگریز برصغیر میں پیشوائیت اور خانقاہی نظام کی طاقت سے باخبر تھا، اس لئے خانقاہی نظام پر بھی اس نے اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ ہندو، مسلمانوں اور سکھوں کے اندر اپنے مخبروں اور جاسوسوں کو بطور پیشوا مسلط کر دیا اور انہیں وسیع زمینیں دے کر اتنا طاقتور بنا دیا کہ ان کی نسلیں اب تک حکمرانی کر رہی ہیں۔

ان پیشواؤں کی بنیاد چونکہ متنازعہ تھی اور انہیں اپنی اصلیت کا علم تھا لہٰذا وہ مکمل طور پر انگریزوں کے حامی ہو گئے اور وفاداری ان کے خون میں شامل ہو گئی۔

میں وہاں پیدا ہوا، جہاں خانوادۂ رسولؐ سے تعلق، معاشرت میں تقدیس کا درجہ رکھتا ہے ان کنبوں کا ہر فرد خود بخود اشرافیہ (Aristocracy) کا رکن ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ملتان کی ایک صدی کی بلدیاتی تاریخ میں آج تک ضلعی حکومت کا سربراہ سادات اور قریش کے سوا کوئی نہ بن سکا۔ بڑے سے بڑے جاگیردار کو بھی اس پرچم کے نیچے کھڑا ہونا پڑتا ہے، اگرچہ حالات اب تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔

مشہور انگریز ڈپٹی کمشنر ای پی مون (E-P-Moon) بھی ڈسٹرکٹ بورڈ کی سربراہی کا الیکشن مخدوم محمد رضا شاہ گیلانی سے ہار گئے۔ گیلانی خاندان کا تعلق متوسط طبقے سے رہا ہے۔ یہ خاندان شروع سے مسلم لیگی تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اِن کی سیاست کا محور اقتدار کا حصول بن گیا۔ قریشی خاندان سیاسی وفاداری بدلنے میں بدنام تھا۔ وہی کام گیلانی خاندان نے شروع کر دیا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انہوں نے جنوبی پنجاب میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی اور قائداعظم اور تحریک پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا۔ انہوں نے غریب اور نادار مسلمان بچوں کیلئے انجمنِ اسلامیہ کے تحت بے شمار تعلیمی ادارے قائم کئے۔ میرے والدِ محترم اور بڑے بھائی اس انجمن کے عہدیدار رہے، میں بھی اس کا رکن رہا ہوں۔

میری سیاسی کامیابیوں کے عمل میں میرے آباؤ اجداد کی چھتری میرے سر پر سایہ فگن رہی، میرے خاندان نے اس چھتری کا استعمال ہمیشہ مثبت مقاصد کیلئے کیا۔ میرے دادا مخدوم نور چراغ شاہ نے مسلم لیگ قائم ہونے کے فوراً بعد اُس کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ والد محترم ایک روحانی شخصیت تھے۔ عہدوں اور سیاسی آلائشوں سے انہیں کوئی تعلق نہ تھا۔ 1930ء سے مارچ 1979ء تک اپنے آخری سانس تک وہ مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ انہوں نے ماہر تعلیم مولانا محمد رمضان خان کو اپنا سیاسی مشیر مقرر کیا۔ وہ کٹر مسلم لیگی تھے۔ سیاسی نظریات کی وجہ سے پنجاب کے دُور دراز علاقوں میں اُن کا تبادلہ کر دیا جاتا۔ کیونکہ محکمہ تعلیم پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اور برٹش گورنمنٹ بھی اُن کی سرگرمیوں سے نالاں تھی۔ اپنے بیٹے رانا عبدالوحید خان کو انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے

تعلیم دلائی۔ رانا عبدالوحید خان نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ بقید حیات ہیں۔ غربت، بیماری اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں مگر آج تک کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ رانا عبدالوحید خان کو 1979ء میں مَیں نے اپنے گروپ کی طرف سے ضلع کونسل کی ممبر شپ کیلئے نامزد کیا۔ منتخب ہونے کے بعد انہوں نے علاقے کیلئے بہترین خدمات سرانجام دیں۔ اپنے والد محترم کی طرح مجھے بھی اپنے مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔ انتخابی اخراجات کیلئے اپنے دادا کے ڈیرہ کو فروخت کیا تو میری اس لغزش پر انہوں نے ایک خط کے ذریعے گرفت کی۔ خط پڑھ کر میں دل گرفتہ ہوا۔ مگر......

ہماری درگاہ کے مریدوں کا سلسلہ لاہور، فیصل آباد، ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور ڈویژنوں سے لے کر صوبہ سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔ میرے محترم والد کے ہر مرید نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ قیام پاکستان کے لئے اُنہوں نے اس روحانی رشتے کو سیاسی رشتے میں تبدیل کر دیا۔

1946ء کے الیکشن میں میرے محترم والد اور مخدوم سجاد حسین قریشی کے درمیان شدید تلخ کلامی ہوئی۔ مخدوم سجاد حسین قریشی نے کہا کہ میں نے اپنے والد کا پرچم اٹھا رکھا ہے اور آپ نے ایک جاٹ کا۔ میرے والد نے فرمایا آپ انگریز کے جھنڈے ''یونین جیک'' کے نیچے کھڑے ہیں، جبکہ میں مصطفیٰؐ کے پرچم تلے کھڑا پاکستان بنانے کی جنگ لڑ رہا ہوں۔ مخدوم سجاد حسین قریشی کے والد مخدوم مرید حسین قریشی اور چچا میجر عاشق حسین 1946ء میں یونینیسٹ پارٹی (Unionist Party) کے امیدوار تھے۔

پاکستان بنا تو مخدوم سجاد حسین قریشی کے والد اور ان کے چچا میجر عاشق حسین اقتدار میں تھے اور میرے بابا سائیں الحاج مخدوم محمد شاہ ہاشمیؒ ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے تھے۔ 1951ء کے انتخابات میں انہوں نے مخدوم سجاد حسین قریشی کے مقابلے میں، جو آزاد امیدوار تھے، مسلم لیگ کے امیدوار مخدوم ولائیت حسین گیلانی کا ساتھ دیا، جو کامیاب ہوئے۔

اس مردِ خود آگاہ کو ملک سے باہر جانے پر پابندی کا سامنا تھا۔ انہیں حج پر جانے کی اجازت بھی نہ تھی۔ سات سال کی تگ و دو کے بعد دیارِ حبیب کی زیارت کا شرف نصیب ہو سکا۔

نیرنگیِ سیاستِ دوراں تو دیکھئے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

1976ء میں حضرت پیر جسٹس کرم شاہ صاحب مخدوم رشید میں والد محترم سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ والد محترم ان دنوں علالت کی شدت کی وجہ سے کسی سے نہیں ملتے تھے مگر پیر صاحب کا نام سنتے ہی کہا کہ میں ان سے ضرور ملوں گا۔ وہ اس دور کے ولی کامل ہیں۔ نو سو سال بعد ہمارے خاندان میں ایک ایسا فرد پیدا ہوا ہے، جس نے حضرت بہاؤالدین زکریاؒ اور حضرت مخدوم عبدالرشید حقانیؒ کے مشن کو زندہ کر دیا۔ پیر جسٹس

کرم شاہ کے صاجزادے پیرامین الحسنات شاہ بھی ملاقات میں موجود تھے جو طالب علمی کے دور سے میرے قریب رہے ہیں۔ ابتلاء کے دور میں بھی انہوں نے میاں نواز شریف کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ انہوں نے اپنے تعلیمی اور اشاعتی اداروں کو جدید خطوط پر استوار کر کے دین کی بے بہا خدمت کی ہے مجھے اپنے خاندان کی اس شاخ پر ہمیشہ فخر رہے گا۔

رانا عبدالوحید کا خط میرے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

محترم المقام والاشان عالی جناب مخدوم محمد جاوید ہاشمی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

مجھے یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ آپ نے اپنا ڈیرہ چند روپئی کے عوض فروخت کر دیا ہے جو بلاشبہ ایک قیمتی اثاثہ تھا۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ تحریک پاکستان میں اس ڈیرہ پر کئی زعما تشریف آور ہوئے اور متذکرہ ڈیرہ حصول پاکستان کی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ میاں ممتاز دولتانہ سے سیاسی اختلافات کے باوجود آپ کے والد ماجد نے ان کی 1946ء میں یہیں پذیرائی کی۔ ہمارے شہر کے تمام اہم فیصلے اسی ڈیرہ پر ہوتے تھے۔ سینکڑوں مریدین عرس مبارک بلکہ سالہا سال آپ کے والد محترم کی قدم بوسی سے مشرف ہونے کے لیے یہاں قیام کیا کرتے تھے۔ خوشی اور غمی کے مواقع پر اہل قصبہ کے لیے یہ مرکزی جگہ تھی۔ اگر بارشوں میں کسی کا گھر گر جاتا تو اپنے مکان کی تعمیر تک وہ یہاں رہائش رکھتا تھا۔ مخدوم سید رحمت حسین گیلانی نے مخدوم رشید میں ہائی سکول کے اجراء کی خوشخبری اسی ڈیرہ پر بیٹھ کر سنائی تھی۔ حضرت سخی سرورؒ کے مجاور خاندان اور حاجی نور محمد سانگی کا کنبہ کئی سال تک اس ڈیرے میں مقیم رہا۔ 1970ء میں جماعت اسلامی کے انتخابات کا مرکزی دفتر یہی ڈیرہ رہا۔ عوامی رابطہ مہم کو زیادہ فعال بنانے کے لیے آپ کے والد ماجدؒ نے مولانا محمد رمضان خان کو سیاسی مشیر مقرر کیا جن کا شمار محکمہ تعلیم کے قابل ترین سینئر اساتذہ میں ہوتا تھا۔ مخدوم رشید کے گردونواح کی بستیوں، چکوک اور مواضعات کے غریب طلبہ یہاں رہائش رکھ کر اپنی تعلیم پوری کرتے جن کے خوردونوش کا انتظام آپکی والدہ ماجدہ مدظلہا العالیہ کرتی تھیں۔ ان ہی طلبا میں چودھری بشیر احمد، یاسین راحت اور مشتاق ملک یونیورسٹیوں تک پہنچے۔ ایک بچے کی اعلیٰ کارکردگی پر ملک کے ایٹمی پروگرام کے خالق ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے خصوصی طور پر تعریف کی۔ موسم سرما میں افغانستان سے تلاش معاش میں آنے والے پٹھانوں کے لیے یہ ڈیرہ مسافر خانہ کی شکل اختیار کر لیتا۔ **مگر آہ وہ دن کیا ہوئے۔۔۔**

میں مضطرب اور پریشان ہوں، آپ سے شکوہ کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہوں۔ ہم صدقہ جاریہ کے عظیم ثواب سے محروم ہو گئے، یہ سارا منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ غم کا مہیب پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ اگرچہ یہ ڈیرہ آپکی ملکیت تھا مگر ہم سب اس ڈیرہ پر اپنا حق فائق سمجھتے تھے۔

یاد نہ کر دل حزیں گزری ہوئی کہانیاں

خدشہ: مخدومی سیدی اہلیان محلہ خصوصاً اور اس ڈیرہ کے گرد و نواح میں بسنے والے عموماً ڈر محسوس کرتے ہیں کہ مشتری اس مقدس ڈیرہ پر کوئی تین منزلہ پلازا بنا کر یہاں کے غریب باسیوں کی چادر اور چار دیواری کے بھرم کو تار تار نہ کر دے۔

دعا گو

رانا عبدالوحید خان (علیگ)

مخدوم رشید ملتان، 8-8-1988


بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یاد نہ کر دل حزیں۔ گزری ہوئی کہانیاں

دعا گو

دوسرا باب

سیاسی تربیت گاہیں

پانچ یونیورسٹیاں

سیاست کی تربیت میں نے پانچ یونیورسٹیوں سے حاصل کی ہے۔پہلی یونیورسٹی میرا گاؤں مخدوم رشید ہے۔جس کا ذکر میں پہلے کر چکا۔ملتان شہراس کا دوسرا حصہ ہے۔دوسری یونیورسٹی جامعہ پنجاب، تیسری یونیورسٹی لاہور شہر کی سیاست، چوتھی یونیورسٹی قید خانہ اور پانچویں یونیورسٹی اقوام متحدہ کا ادارہ ہے۔اگلے ابواب میں ان تربیت گاہوں کا ذکر بالواسطہ اور بلاواسطہ جاری رہے گا۔

میں ایمرسن کالج (گورنمنٹ کالج) ملتان میں اپنی تعلیم کے دوران شہر میں ہونے والے تمام سیاسی جلسوں میں شریک ہوتا۔مولانا مودودیؒ، ذوالفقار علی بھٹو، نوابزادہ نصر اللہ خان، مولانا بھاشانی، مولانا شاہ احمد نورانیؒ ،مولانا مفتی محمودؒ، ائیر مارشل اصغر خان، ایم حمزہ ،شورش کاشمیری ،ممتاز دولتانہ، چودھری محمد علی، مولانا عبدالستار خان نیازیؒ اور ڈاکٹر خان صاحب کی تقاریر سننے کا موقع ملا۔

1964ء سے 1970ء تک سوچ کے ارتقائی مراحل سے گزر رہا تھا، مولانا بھاشانی کی تانکیل کی جھونپڑی مجھے اپنی طرف کھینچتی تھی۔ٹوبہ ٹیک سنگھ کسان کانفرنس میں شریک ہوا۔مولانا بھاشانی کا قلعہ قاسم باغ ملتان میں جلسہ عام ہوا تو میں پیش پیش تھا۔مولانا شاہ احمد نورانی نے اسی سال ٹوبہ ٹیک سنگھ میں نظام مصطفیٰ کانفرنس کی، میں وہاں بھی حاضر تھا۔اس وقت میری کیفیت بقول شاعر کچھ یوں تھی ۔

کعبہ کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے

گھر میں مسلم لیگ ہی مسلم لیگ تھی۔اس وقت کی مسلم لیگی قیادت مجھے متاثر نہ کرسکی۔میرے والد محترم ایک انتہائی نرم دل انسان مگر سخت گیر مسلم لیگی تھے۔ایک مرتبہ مولانا مودودی کی کتابیں پڑھنے پر گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔بڑے بھائی دِل آویز مسکراہٹ کے ساتھ میری سیاسی سرگرمیوں کو نظرانداز کردیتے۔والد محترم کی خشمگیں نگاہوں کا سامنا آسان نہ تھا۔میں نظریاتی سیاست کا خواہش مند تھا۔بڑے بھائی کی شہ پا کر میں نے بغاوت جاری رکھی۔

بھٹو، اُمید کی کرن

1968ء میں کالج کا طالب علم تھا، آمریت کے خلاف جنگ میں دوسری مرتبہ سلاخوں کے پیچھے گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو تحریک شروع کر چکے تھے۔وہ تیز گام سے ملتان آرہے تھے۔ان کے استقبال کے لئے ہم ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔اطلاع ملی کہ انہیں ساہیوال میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔طالب علم بپھر گئے۔پورے شہر میں ہم نے مظاہرے شروع کردیئے۔لاٹھی چارج ہوا اور ہمیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔رہائی کے بعد آمریت کے

خلاف اور بھٹو کے حق میں اور بھی سرگرم ہوگیا۔ پھر جیل کا پھاٹک کھلا اور ہم دیواروں کے اندر تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو درحقیقت اُمید کی نئی کرن تھے اور اعلان تاشقند سے مایوس قوم بھٹو کی صورت میں اپنے خوابوں کی تعبیر تلاش کر رہی تھی۔ انہوں نے معاشی مساوات کی بات کی تو پوری قوم ہمہ تن گوش ہوگئی۔ ہم ذوالفقار علی بھٹو کے لئے تن من دھن قربان کرنے پر تیار ہوگئے۔ بھٹو صاحب سیاست کی عملی مجبوریوں سے واقف تھے۔ چنانچہ ملتان کے جاگیرداروں اور وڈیروں کے دروازوں پر جا کر انہوں نے ان لوگوں سے اپنی پارٹی میں شمولیت کی درخواست کی تو ہم نوجوانوں کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ چونکہ ابھی آئیڈیل ازم (Idealism) کی سٹیج پر تھے۔ ملتان کے کھر ہاؤس میں بھٹو صاحب سے میری تلخ کلامی ہوگئی۔ بعد میں بھٹو صاحب نے مجھے منانے کے لئے ملتان کے طالب علم رہنماؤں منتظر مہدی اور ذوالفقار نقوی کو بھیجا، لیکن اس کے بعد میں ان کے کسی قافلے میں شریک نہ ہو سکا۔ دراصل میں فیوڈل ازم، کمیونزم کے جابرانہ پہلو، اور شخصی بالادستی کو انسانی ارتقا کے راستے کی رکاوٹ سمجھتا تھا اور آج تک اسی سوچ پر قائم ہوں۔ میں بھٹو صاحب کے معاشی پروگرام کو بھی سمجھ نہ سکا۔ بھٹو صاحب اقتدار کی جنگ میں سب کچھ روا رکھتے تھے۔ ہمارے راستے جُدا ہوگئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو ہی سیاست کو ڈرائنگ روم سے نکال کر عوام میں لائے۔ اس احسان کو عوام آج تک نہیں بھولے۔

انہوں نے نظریاتی سیاست کی بجائے تاریخ کے پہیئے کو الٹا گھمانا اور قوم کو شخصیت کے سحر میں گرفتار کرنا چاہا تو اُن کے رویے اپنے سیاسی مخالفوں کے ساتھ ذاتی دشمنیوں میں تبدیل ہوگئے اور آخر میں تو وہ تنہا رہ گئے اور انہی قوتوں کا سہارا لیا جو ہر تبدیلی کی دشمن ہوتی ہیں۔ فیوڈل ازم، سول اور ملٹری بیوروکریسی تینوں نے انہیں دھوکہ دیا اور عین وقت پر ساتھ چھوڑ دیا۔ بھٹو بطور سیاستدان میرے آئیڈیل تھے لیکن بطور حکمران مجھے متاثر نہ کر سکے۔ مخالفین اُن کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ لیکن ماننا چاہیے کہ موت کو شکست دے کر انہوں نے طویل سیاسی زندگی حاصل کر لی۔ اپنی قبر سے وہ دومرتبہ بیٹی کو وزیراعظم بنوا چکے ہیں۔ وہ اُسی طرح جوان ہیں، آج زندہ ہوتے تو اُن کی عمر 80 سال کے قریب ہوتی مگر آج کسی ذہن میں بوڑھے بھٹو کا تصور بھی نہیں۔ نہ وہ بیمار ہوئے نہ ضعیف۔ اُن کے کردار کی برائیاں زمین میں دفن ہو چکیں اور اچھائیوں کا ذکر بار بار ہوتا ہے۔ کیا اُنہیں جان سے مارنے والوں کو بھی تاریخ میں وہ مقام مل سکتا ہے جو ذوالفقار علی بھٹو کو ملا ہے؟ محترمہ بے نظیر بھٹو والد کی عبرتناک موت سے خوفزدہ ہو کر گھر بیٹھ سکتی تھیں، نامساعد حالات میں اُنہوں نے جدوجہد کرنے کا جرأت مندانہ فیصلہ کیا اور وزیراعظم بن کر اپنے والد کی حیثیت کو تاریخ عالم میں اُجاگر کر دیا۔ دوبارہ وزیراعظم بن کر انہوں نے اپنے تدبر کا سکہ بھی منوا لیا ہے۔ اُن کے دورِ حکمرانی پر عوام میں مختلف آرا ہیں۔ میں سمجھتا ہوں وہ اپنے والد کے مقابلے میں زیادہ قابل برداشت حکمران تھیں۔

میں 1966ء سے 1970ء تک گورنمنٹ کالج ملتان میں تھا۔ مولانا مفتی محمود جمعہ گلگشت کی مسجد جلال

میں پڑھاتے تھے، جو ہمارے کالج سے متصل تھی۔ اس طرح اُن سے نیاز مندی کا رشتہ استوار ہو گیا۔ کالج کے طلبا پر اُن کی درویشی اور سادگی کا بھی اثر تھا۔ مجھے ایسے اساتذہ سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا جن کا پورے ملک میں اب تک شہرہ ہے۔ ان میں عرش صدیقی، فرخ درانی، سید سجاد حیدر، شمیم حیدر، الطاف سلیانہ، ڈاکٹر عاشق درانی اور جناب صفدر امام کے نام شامل ہیں۔ ان اساتذہ کی کتابیں یونیورسٹیوں کے نصابوں میں شامل ہیں۔ سید سجاد حیدر سول سروسز میں چلے گئے اور آج کل شاید کسی وزارت میں سیکرٹری ہیں۔ اسی طرح جناب شمیم حیدر نے ائیر فورس کا رخ کیا۔ سکواڈرن لیڈر بن جانے تک اُن سے رابطہ قائم تھا، معلوم نہیں اب کہاں ہیں۔

تیسری یونیورسٹی جامعہ پنجاب ہے۔ جہاں 1970 کے آخری مہینے میں مَیں نے داخلہ لیا۔ اس یونیورسٹی نے میری زندگی کو نئی جہت عطا کی اور نظریاتی سیاست کے ساتھ ساتھ ذمہ داریوں کا احساس بھی پیدا کیا۔ قومی افق پر اس وقت اہم فیصلے ہو رہے تھے۔ طلبا سیاست بین الاقوامی سطح پر چھائی ہوئی تھی۔ ویت نام کی جنگ کے اثرات نے 60 کے عشرے میں طلبا سیاست کو نیا رنگ دے دیا تھا۔ امریکہ اور فرانس کی حکومتوں کی تبدیلی میں بھی طلبا نے اہم کردار ادا کیا۔ مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو اور مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن الیکشن جیت چکے تھے۔ دائیں بازو کی جماعتوں نے دونوں کی مخالفت کی تھی اور وہ اب بے اثر ہو چکی تھیں۔ وائس چانسلر کے گھر حملے کی بنا پر اسلامی جمعیت طلباء کے خلاف پروپیگنڈے کا طوفان تھا۔ عام انتخابات کی شکست کے ایک ماہ بعد 27 جنوری کو طلبا یونین کے انتخابات تھے اور کوئی مقبول طالب علم جمعیت کے پلیٹ فارم سے یونیورسٹی یونین کا امیدوار بننے کو تیار نہ تھا۔ بڑی منت سماجت کے بعد حفیظ خان کو صدارتی انتخاب لڑنے پر آمادہ کیا گیا اور اُن کے پینل میں، مَیں سیکرٹری جنرل کا امیدوار تھا۔ حافظ ادریس کی صدارت میں دانشمندانہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ انتخاب اسلامی جمعیت کے نام پر نہ لڑا جائے اور ہمیں تاکید کی گئی کہ انتخابی مہم میں جمعیت کا نام استعمال نہ کیا جائے۔ پس پردہ ساری مہم جمعیت نے چلائی اور حافظ ادریس کی ذہانت اس کی پشت پر تھی۔ ہم واضح اکثریت سے انتخاب جیت گئے اور پورے ملک میں اسلامی سوچ رکھنے والوں کو ایک ولولہ تازہ ملا۔ ہم سیّد مودودی سے ملنے گئے تو انہوں نے آغا شورش کاشمیری کو بلا لیا جو اُن دنوں حالات سے دلبرداشتہ اور مایوس تھے اور پیپلز پارٹی کی جارحانہ سیاست سے خوفزدہ بھی۔

قومی سیاست پر تاریک سائے منڈلا رہے تھے۔ ہم نے مشرقی پاکستان جا کر اپنی آنکھوں سے حالات کی سنگینی کو دیکھا، مگر حکمران اپنی عیاشیوں میں مگن تھے۔ سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ ہوا، ہم خون کے آنسو روئے مگر یہ بیوہ کے آنسو تھے جنہیں کوئی پونچھنے والا نہیں ہوتا۔

سنہرے بنگال کے آخری ایام

اکتوبر 1971ء میں پنجاب یونیورسٹی یونین کو ایران یا مشرقی پاکستان میں سے کسی ایک جگہ دورہ کرنے کا اختیار دیا گیا۔ کچھ دوستوں کا خیال تھا ایران چلیں جہاں شہنشاہ رضا شاہ پہلوی بادشاہت کا اڑھائی ہزار سالہ جشن منا رہے تھے، اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی بادشاہت اڑھائی دن کی مہمان ہے۔

ہم نے فیصلہ کیا کہ مشرقی پاکستان جا کر اپنے روٹھے ہوئے بھائیوں کو منانے کی کوشش کریں۔ پروفیسر وارث میر کی قیادت میں قافلہ دل روانہ ہوا۔ سری لنکا کا طویل چکر کاٹ کر جب ہم ڈھاکہ ایئرپورٹ پر اترے تو ایک خوفناک خاموشی نے ہمارا استقبال کیا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے حکام اور اساتذہ کرام موجود تھے۔ پژمردہ چہروں نے اپنے مہمانوں کو ڈھاکہ یونیورسٹی پہنچا دیا۔ ایئرپورٹ سے یونیورسٹی کے ہاسٹلز تک راستے میں ایک مہیب خاموشی تھی۔ بعد میں پتہ چلا مکتی باہنی نے اپنے ریڈیو پر ہمیں قتل کرنے کے فیصلے کا اعلان کیا ہے اور ہر ایک کے سر کی قیمت مقرر کر دی ہے۔ ہم نے ہمت نہ ہاری اور اپنا دورہ شروع کر دیا۔ ہم ان 15 دنوں میں ہر مکتبہ فکر کے لوگوں سے ملے، اخبارات کو انٹرویو دیے، ٹی وی مکالموں میں حصہ لیا۔ بیت المکرّم میں جمعہ ادا کیا۔ پلٹن میدان میں میزبانوں کے ساتھ چائے پی۔ شیر بنگال اور خواجہ ناظم الدین کے مزاروں پر حاضری دی۔ محمد پور اور میر پور کے بہاری کیمپوں کا دورہ کیا۔ بہاری عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کے کٹے ہوئے اعضاء دیکھے۔ ہماری ملاقات جنرل راؤ فرمان اور جنرل اے کے نیازی سے ہوئی، البدر اور الشمس کے کمانڈروں سے بھی۔ چٹاگانگ کے کمشنر ایس کے جیلانی سے، فوج کے سپاہیوں اور کمانڈروں سے بھی۔ ہمیں بہت جلد احساس ہو گیا کہ ہم مفتوحہ علاقے میں ہیں اور یہ مغربی پاکستان کا آخری وفد ہے جو پاکستان کے پاسپورٹ پر یہاں آیا ہے۔

چار واقعات ایسے ہیں جو ہمیشہ یاد آتے ہیں۔ میں نے گاڑی سے اتر کر سائیکل رکشہ پر سفر شروع کیا اور دیکھا رکشہ ڈرائیور ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ میں نے کہا میں رکشا کھینچوں گا اور وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے گا۔ وہ خوف زدہ ہو گیا اور کانپنے لگا، مگر انکار نہ کر سکا۔ میں چاہتا تھا کہ ڈھاکہ کے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ ہم انہی میں سے ہیں۔ تھوڑی دور جا کر اس نے بلند آواز سے کہا: رکشہ روکو، مجھے روزمرّہ کی بنگالی آتی ہے میں نے اس سے پوچھا تم ڈر کیوں رہے ہو؟ اس نے کہا یہ سائیکل رکشہ ہندو مہاجن کی ملکیت ہے، اگر اسے نقصان پہنچا تو میرے بچے بھوکے مر جائیں گے۔ مشرقی پاکستان کی ترقی کے نعرے کھوکھلے تھے بنگالی معیشت پر ہندو کے اثرات کو سمجھنے کے لئے اب مجھے کسی دانشور، کسی کتاب کی ضرورت نہیں تھی۔

ہم ڈھاکہ ٹیلی ویژن پر انٹرویو دینے گئے تو ہمارے لیے ٹی وی سٹیشن پر خصوصی انتظامات کیے گئے،

گویا جیسے شہزادے اپنی رعایا کو دیکھنے آئے ہیں۔ انٹرویو دے کر باہر نکل رہے تھے کہ ڈی ایس پی فیاض شاہ ہمیں دفتر میں لے گئے اور حکم جاری کیا کہ ٹی وی کے معمول کے پروگرام کو روک کر نور جہان کے گانے شروع کر دیئے جائیں ''لاہور توں منڈے آئے نیں''۔ پورا مشرقی پاکستان پنجابی گانے سن رہا تھا۔ کیا آج بھی موسیقی روح کی غذا تھی؟

ہم ڈھاکہ کے نواح میں دریائے شتولاک کو کشتی سے عبور کر کے پٹ سن کے کارخانے پر تعینات ان پولیس اور فوج والوں سے ملنے گئے جن کا تعلق لاہور سے تھا۔ راستے میں ہم نے دیکھا گدھ اور کتے ایک انسانی لاش کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ میں نے ایک آفیسر سے پوچھا تو وہ ہنسا اور اس نے کہا: یہ ایک چالاک بنگالی تھا۔ ہمارے بیٹ مین نے کہا کہ کئی دن ہو گئے ہیں ہم نے کوئی بنگالی نہیں مارا۔ یہ شخص کشتی پر جا رہا تھا، ہم نے پکارا تو اس نے کشتی تیز کر کے بھاگنا چاہا، میں نے نشانہ لے کر گولی چلائی اور اس نے پانی میں غوطہ لگا دیا، بڑی مشکل سے اس کی ٹانگ پر گولی لگی تو یہ قابو آ گیا، خیر آپ اس قصے کو چھوڑیں، ہم کافی دیر سے کھانے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ بنگالنیں بہت اچھا کھانا بناتی ہیں اور ہر قسم کی خدمت کے لیے حاضر ہیں۔

جنرل فرمان علی نے کہا: آپ کو شفیق الاسلام کے ساتھ ان کے عزیزوں کے ہاں افسوس کے لیے جانا ہے کہ ایک المناک واقعہ ہوا ہے۔ شفیق الاسلام مسلم لیگی رہنما تھے۔ واقعہ کی جو تفصیلات انہوں نے ہمیں بتائیں وہ رونگٹے کھڑے کر دینے والی تھیں۔ فوجی ایکشن کے دوران کچھ جوان ایک گھر میں داخل ہوئے، جہاں خواتین جمع تھیں، خواتین پر حملہ کیا تو وہ قرآن اٹھا لائیں اور کہا: ہم آپکی بہنیں ہیں اور آپ کی کامیابی اور سلامتی کے لیے اکٹھی ہو کر اجتماعی دعا مانگ رہی ہیں۔ حملہ آوروں نے کہا کہ ہم جس گھر میں جاتے ہیں یہی بہانہ بنایا جاتا ہے، ہمیں معلوم ہے آپ کا تعلق مکتی باہنی سے ہے۔ وہ واسطے دیتی رہیں، لیکن حملہ آوروں نے انکی ایک نہ سنی۔ بعد میں جب حقیقت سامنے آئی اور محبِ وطن بنگالیوں نے شدید احتجاج کیا تو گورنر سمیت سب نے ان سے معذرت کی، صرف معذرت! اپنی ماؤں اور بہنوں کے سامنے ہم شرم سے سر جھکائے کھڑے تھے۔

سفر کے آخری مرحلے میں ہم چٹا گانگ سے آگے کپتائی جھیل کے کنارے پہنچے۔ ہمیں کہا گیا کہ فوراً ڈھاکہ پہنچیں، آپکی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ میں بضد تھا کہ ہمیں حسب پروگرام راجشاہی جانا چاہیے۔ حکام نے پروفیسر وارث میر کو اطلاع دی کہ راجشاہی کے وائس چانسلر راجشاہی سے بھاگ کر ڈھاکہ پہنچے ہیں، خطرہ مول نہ لینا چاہیے۔ میں نے کہا اگر ہماری لاشیں مغربی پاکستان جائیں گی تو انہیں احساس ہوگا کہ مشرقی پاکستان میں آگ اور خون کی ہولی جاری ہے۔ میرے ساتھیوں نے میری تجویز کو رد کر دیا اور واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ ہم چٹا گانگ گیریژن میں کھانا کھانے گئے۔ ایک کرنل نے پنجرے میں بند بلبل کی طرف اشارہ کر کے کہا: میں اس سے باتیں کرتا رہتا ہوں۔ میں نے کہا: کرنل صاحب: کیا آپ اس بلبل کو آزاد کر سکتے ہیں؟

زندہ لاش

ہم مغربی پاکستان سے آنے والی آخری پروازوں میں سے ایک پر سوار ہوئے۔ سنہرے بنگال کو کالے بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ میں اپنے آپ کو زندہ لاش محسوس کر رہا تھا۔ میری روح سندر بن کے جنگلات شاہ جلال کے مزار اور بیت المکرّم کے میناروں کے گرد بھٹک رہی تھی۔ میں آج بھی بے روح زندگی گزار رہا ہوں۔ مجھے حبیب جالب کی نظم کے شعر یاد آ رہے تھے۔

وطن کا چہرہ خوں سے دھو رہے ہو　　محبت گولیوں سے بو رہے ہو

یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو　　گماں تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے

1999ء میں میاں نواز شریف کی نمائندگی کے لیے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سربراہی اجلاس سے خطاب کرنے گیا۔ مختلف ممالک کے وفود کو کارگل کی صورتحال پر پاکستان کے موقف سے آگاہ کرنے کے لیے بنگلہ دیشی وفد کے سربراہ ڈاکٹر عبدالصمد سے ملا وہ شیخ مجیب کے قریبی ساتھی اور پرانے عوامی لیگی تھے، انہوں نے کہا کہ الگ ہو کر ہم دونوں ''لائٹ ویٹ'' ہو گئے، یہی بات مجھے عوامی لیگ کی وزیر ماحولیات ساجدہ سید نے پچھلے سال مالدیپ میں کانفرنس کے موقع پر کہی تھی۔ ڈاکٹر عبدالصمد سوالیہ انداز میں کہنے لگے، ہندوستان بین الاقوامی سیاست میں طاقتور بن کر ابھرا ہے۔ ہمیں نکال کر آپ نے کونسی ترقی کر لی ہے؟ پھر اچانک موضوع بدل کر کہنے لگے: آپ کی کرکٹ ٹیم انڈیا سے اتنی بُری طرح کیوں ہاری؟ میں ساری رات روتا رہا ہوں، پھر ہم دونوں ملکر رو رہے تھے...... انڈیا سے میچ ہارنے پر...... ہمیں نہ اپنے سٹاف کی پرواہ تھی نہ اردگرد کے لوگوں کی......

اسی رات ہم ٹوکیو روانہ ہو گئے۔ میں جہاز میں سو گیا، ٹوکیو پہنچ کر سیدھا ہوٹل گیا اور تیار ہو کر کانفرنس ہال پہنچا۔ ڈاکٹر عبدالصمد اس کانفرنس کی صدارت کر رہے تھے۔ انہوں نے اجلاس چائے کے لیے ملتوی کیا اور مجھے اپنے کمرے میں بلا لیا، میں جونہی اندر داخل ہوا، انہوں نے سیکرٹری کو ہدایت کی کہ کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ میرے بیٹھتے ہی اخبار میرے سامنے رکھ دیا جس میں لکھا تھا، ہندوستان نے کارگل میں سب سے بڑی اور آخری چوٹی ٹائیگر بھی پاکستان سے واپس چھین لی۔ میں نے نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا وہ پھر رو رہے تھے...... ایک اور میچ ہارنے پر...... مگر میرے آنسو خشک ہو چکے تھے...... میں جانتا تھا اس میچ کی ناکامی کا طوق کس کے گلے میں پڑے گا۔ میں اِن مقاماتِ آہ وفغاں کے لیے اپنے آنسو بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔

پتھر کا شہر.... اسلام آباد

1969ء میں ہم چند ساتھی جنرل ایوب خان سے ملنے گئے۔ وہ اپنے اسلام آباد والے گھر میں رہتے تھے۔ ایک دراز قد بارعب شخص کو ہم نے لان میں پھولوں کی کیاری کے قریب کھڑے دیکھا۔ اُنہوں نے اوور کوٹ پہنا ہوا تھا جس کے بٹنوں پر ایفل ٹاور بنا ہوا تھا وہ خود کو ایشیاء کا ڈیگال سمجھتے تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے 1951ء سے 1968ء تک قوم کی قسمت کے فیصلے کئے۔ آخری دس برس تو وہ مختارِ کُل تھے۔

انہوں نے ہمارے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ ہمیں اپنے ہاتھ سے کافی بنا کر پلائی اور بڑی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ میں نے یہ سوال اٹھایا کہ آپ نے ایک نیا شہر بنانے کا فیصلہ کیوں کیا؟ کہنے لگے ایک محفوظ دارالحکومت کی ضرورت تھی جو دشمن کے قبضے میں نہ آسکے اور کراچی ویسے بھی شورش پسند شہر ہے اور ملک کے آخری کونے پر واقع ہے۔

میں نے کہا کہ مجیب کہتا ہے ''مجھے اسلام آباد کی سڑکوں سے پٹ سن کی خوشبو آتی ہے'' کہنے لگے: اس سے بڑی غداری کیا ہو سکتی ہے، میں نے تو ڈھاکہ میں سیکنڈ کیپٹل بنانے کا کام شروع کر دیا تھا۔ میں نے کہا: بیسویں صدی میں ایک آدھ کے علاوہ کوئی نیا دارالحکومت نہیں بنا۔ کیونکہ غریب ملک تو چھوڑیں کوئی امیر ملک بھی نیا دارالحکومت بنانے کے لئے سرمایہ ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ کہنے لگے: برازیل نے بھی برازیلیہ کا نیا شہر بسایا ہے۔ میں نے عرض کی: برازیل رقبہ کے لحاظ سے روس، کینیڈا اور امریکہ کے بعد دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے اور اس کا دارالحکومت ریوڈی جنیریو (Rio-dejanario) ملک کے آخری کونے میں ہے اور برازیل دنیا کی چھٹی بڑی معیشت ہے اور برازیلیہ کا سنگ بنیاد ابھی رکھا جا رہا ہے۔ معلوم نہیں ان کا تجربہ کامیاب بھی ہوتا ہے کہ نہیں اور پھر ان کا صنعتی شہر ساو پالو پہلے ہی معیشت میں بنیادی کردار ادا کر رہا ہے۔ ایوب خان کہنے لگے: مولوی احتشام الحق تھانوی نے اسلام آباد کے خلاف زیادہ پروپیگنڈا شروع کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ملک میں کوئی ترقی نہیں ہوئی، اس سے پوچھو جب پاکستان بنا تو اس کی گردن کتنی موٹی تھی اور اب کتنی موٹی ہے۔ پھر کہنے لگے میری دو باتیں یاد رکھنا، ایک تو یہ کہ مشرقی پاکستان ہم سے بہت جلد الگ ہو جائے گا۔ دوسرا کراچی والے کسی حکومت کو چین نہیں لینے دیں گے۔ میں نے کہا: کہ آپ نے اسلام آباد کی بنیاد رکھ کر مشرقی پاکستان کو الگ ہونے کا ٹھوس جواز فراہم کر دیا ہے۔ کہنے لگے: میں نے مشرقی پاکستان کی ترقی کیلئے دن رات کام کیا ہے، قائداعظم نے تو کلکتہ کے بغیر پسماندہ بنگال کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

میں سمجھتا ہوں دارالحکومت کراچی سے تبدیل ہونے سے پاکستان کے استحکام کو نقصان پہنچا ہے۔

کراچی سے دارالحکومت کو اسلام آباد لانے سے مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے ایک ہزار میل کی بجائے 2 ہزار میل کے فاصلے پر چلا گیا۔ کراچی شہر میں آج بھی 15 لاکھ بنگالی موجود ہیں۔ کراچی میں بنگالی خوش تھے، یہاں کا موسم ڈھاکہ سے ملتا جلتا ہے، اسلام آباد سردیوں میں سخت سرد ہوتا ہے، بنگالی اسلام آباد میں رہتے ہوئے اکثر بیمار ہو جاتے تھے۔ اگر کراچی دارالحکومت ہوتا تو موسم کی یکسانیت کی وجہ سے یہ بنگالی پچاس لاکھ سے زیادہ ہوتے۔ مغربی پاکستان میں مشرقی پاکستان کا ایک اور شہر آباد ہوتا تو پاکستان توڑنے کے منصوبے پر عمل کیسے ہوتا؟ ایوب خان نے غریب ملک میں ایک نیا شہر بسا کر ساری معیشت نچوڑ لی۔ اسلام آباد صرف امیروں کا شہر ہے، البتہ فوجی قیادت اور اقتدار اعلیٰ کی یکجائی کا خواب شرمندہ تعبیر ہو گیا ہے۔ پچھلے پچاس سال میں دنیا بھر میں سوائے برازیل کے کسی امیر ترین ملک نے بھی نیا شہر بسانے کی حماقت نہیں کی۔ 1969ء میں ایوب خان کی ملاقات سے لے کر آج تک میں اپنی سوچ تبدیل نہیں کر سکا۔ اسلام آباد کے قیام سے راولپنڈی اور اردگرد کے چند علاقوں کو درجہ چہارم کی کچھ نوکریاں ضرور مل گئی ہیں، مگر زیادہ تر غریب پٹھان، جنوبی پنجاب کے لوگ، اندرون سندھ کے سندھی اور بلوچستان کے بلوچ اور پشتون علاقوں کے عوام تلاش روزگار کے لئے کراچی کو ترجیح دیتے ہیں۔ شمالی پنجاب خصوصاً گجرات، جہلم کے لوگ بیرون ملک جاتے ہیں۔ سرحد اور پنجاب کے شمالی اضلاع کے لوگ فوج میں روزگار تلاش کرتے ہیں۔

اسلام آباد کی بنیاد کے پتھر نے پاکستان کے وفاق کو منتشر کر دیا اور جمہوریت کی روح پر بھی قبضہ کر لیا۔ جہاں صدائے احتجاج نہیں پہنچ سکتی۔ یہ شہر کسی غریب ملک کا دارالحکومت نظر نہیں آتا، یورپ کے کسی ملک کا حصہ لگتا ہے، جہاں کی زبان اور کلچر کا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔ ایوب خان نے کہا تھا محفوظ دارالحکومت کی ضرورت تھی، دارالحکومت تو واقعی محفوظ ہے، مگر ملک محفوظ نہ رہ سکا۔

ہم ایوب خان سے مل کر باہر نکلنے لگے تو انہوں نے میرے کندھے تھپتھپاتے ہوئے کہا: میں آپ کی گفتگو سے متاثر ہوا ہوں۔ میرے ساتھی باہر آ کر مجھے کہنے لگے: تم بلاوجہ ایوب خان کے خلاف باتیں کرتے ہو انہوں نے تمہاری تعریف کی، یہ بڑے اعزاز کی بات ہے۔ میں چپ تھا۔ ہم ساری عمر اعزازات سمیٹتے رہتے ہیں، ہماری سوچوں کو خریدنے کے لئے ایک تھپکی کافی ہے۔

میں پہلی مرتبہ 1962ء میں اسلام آباد کی سیر کرنے آیا تھا جب نئے شہر کی بنیادیں اٹھائی جا رہی تھیں۔ 1970ء تک مری جاتے ہوئے سیاحت کی غرض سے یہاں ضرور رکتا۔ 1970ء سے 1977ء تک اسمبلی کی کارروائی دیکھنا بھی میرے اسلام آباد سے تعلق کی وجہ بنا رہا۔ 1978ء میں مَیں بھی اس ملک کے نام نہاد حکمرانوں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔ اور اسلام آباد کے ساتھ رشتے کی نوعیت تبدیل ہو گئی۔ اب یہ ملتان کے بعد میرا دوسرا گھر بن گیا ہے۔ میں اس کے حسن سے مسحور ہو چکا ہوں۔ اس کے کونے کونے میں تنہا گھومتا ہوں اور کبھی اپنے

ساتھیوں کے جلو میں۔ اس کے حسین قدرتی نظارے دل کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں، ہر طرف سبزے کی بہار ہے۔ لیکن کیا یہ سبزہ مشرقی پاکستان کے حسین نظاروں کا متبادل ہو سکتا ہے؟ اس شہر کی معاشی سرگرمیاں کراچی کے برابر ہو سکتی ہیں یا اس شہر میں جمہوریت کراچی کی طرح پھل پھول سکتی ہے؟ کیا اس شہر کا چاروں صوبوں سے وہ تعلق بن سکتا ہے جو کراچی کا تھا؟ اگر مجھ سے یہ سوال پوچھا جائے تو میرا جواب نفی میں ہوگا۔

ایک تقریب میں سوئٹزرلینڈ کے سفیر کی بیوی مجھے کہنے لگیں: اسلام آباد کیسا شہر ہے۔ جہاں کوئی قبرستان نہیں اور اب قبرستان بنایا جا رہا ہے تو قبریں بھی گریڈ کے حساب سے بنتی ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ یہ بہت پرانا شہر ہے اڑھائی ہزار سال پہلے اس جگہ سے کچھ فاصلے پر پہلا تحریری آئین وجود میں آیا تھا۔ اس کی یونیورسٹی میں پوری دنیا کے طالب علم اپنے علم کی پیاس بجھانے آتے تھے۔ جب سکندرِ اعظم ٹیکسلا میں شان و شوکت سے داخل ہوا تو اس کے راستے میں کوئی مزاحمت نہ تھی۔ اشوکا اپنے استاد چانکیہ کے ساتھ کھڑے ہو کر مستقبل کے خواب دیکھ رہا تھا اور اسی اشوک اعظم کا یہ دارالحکومت بنا اور آج تک اردگرد کی پہاڑیوں پر اشوک کے احکامات کی تختیاں موجود ہیں۔ میں ماضی میں گم ہو گیا، کیونکہ میں حال کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ٹیکسلا کے معنی ہیں تراشیدہ پتھروں کا شہر۔ ہم اسلام آباد کو بھی ناتراشیدہ پتھروں کا شہر نہیں کہہ سکتے ہیں۔

حکمراں بھٹو سے معاملات

دسمبر 1970ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے جس طرح اقتدار حاصل کیا میں اس طریق کار کے خلاف تھا۔ میں نے مال روڈ لاہور پر انکے خلاف پہلا مظاہرہ کیا۔ 1970ء کے انتخابات دستور ساز اسمبلی کے لیے ہوئے تھے اور آئین نہ بنانے کی صورت میں اسے خودبخود تحلیل ہو جانا تھا۔ اسمبلی تو تحلیل نہ ہوئی ملک تحلیل ہو گیا، یہ ایک عظیم المیہ تھا۔ لیکن ذوالفقار علی بھٹو اور انکی پارٹی اسے جشنِ فتح کے طور پر منا رہے تھے۔

1971ء میں ذوالفقار علی بھٹو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور بعد میں وزیرِ اعظم بنے۔ ان سے بارہا مذاکرات ہوئے، وہ اپنے سیاسی مخالفین کو برداشت نہ کرتے تھے لیکن ہماری سخت باتیں بھی سن لیتے۔ شملہ جانے سے پہلے مری اور گورنر ہاؤس لاہور میں ان سے ہونے والی بات چیت کی تلخ و شیریں یادیں آج تک حافظے میں زندہ ہیں۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار سنبھالنے کے ایک ماہ بعد جامع پنجاب کے انتخابات ہونے والے تھے، حکومتی مداخلت نے ٹکراؤ کی کیفیت پیدا کر دی۔ بھٹو صاحب اُس وقت مقبولیت کے عروج پر تھے، ہمیں طلبا کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔ سمن آباد کی طالبات کی بازیابی کے بعد لاہور کے عوام میں بھی ہم نے اثر و رسوخ پیدا کر لیا۔ بنگلہ دیش نامنظور تحریک اور تحریک ختم نبوتؐ میں طلبا کا کردار بنیادی حیثیت اختیار کر گیا۔ لسانی فسادات میں کراچی، حیدرآباد اور اندرون سندھ کے مظلوموں کی دستگیری کا شرف بھی ہمیں نصیب ہوا۔ اتفاق سے ان تمام تحریکوں کی قیادت کا اعزاز میری قسمت میں لکھا ہوا تھا جن میں ذوالفقار علی بھٹو کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ خود بھٹو

صاحب نے 1973ء میں سکھر میں کُل پاکستان طلبا کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر کام کرنا چاہتے ہو تو جاوید ہاشمی کی طرح کام کرنا سیکھو۔ اپنے مخالف کیمپ سے یہ اعتراف میرے لیے مہمیز کا کام کر گیا۔ 1989ء میں ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین، لاہور میں میاں نواز شریف کے گھر تشریف رکھتے تھے۔ میاں صاحب نے اُن سے میرا تعارف کرایا تو وہ کہنے لگے: میاں صاحب یہ تو ذوالفقار علی بھٹو کے مقابلے میں حقیقی قائد حزب اختلاف تھے اور ہم نے اِن کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔ اس دور پر ایک الگ کتاب لکھی جا سکتی ہے، میں نے، اگلے صفحات میں، طوالت کے خوف سے، چند ناگزیر واقعات کا مختصر ذکر کر دیا ہے۔

سمن آباد کی بچیوں کا اغوا

1970ء اور 1971ء کا پورا سال میری زندگی میں مسلسل جدوجہد کا سال تھا۔ ہم نے طلبا کی بھرپور خدمت کی ۔ میں کم ہی سوتا شاید ہی کبھی وقت پر کھانا کھاتا۔ جنوری میں طلبا یونین کے انتخابات تھے۔ حکومتی مداخلت زوروں پر تھی۔ بھٹو صاحب یہ قلعہ ہر قیمت پر سر کرنا چاہتے تھے۔ مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ ہم سب کی محنت رنگ لائی اور میں یونین کا صدر منتخب ہو گیا۔ اس دور میں بھی سیکرٹری کا امیدوار جمعیت کے، سوا لانا پڑا۔ بھٹو صاحب کے اقتدار میں ہمیں ایک اور آزمائش کا سامنا تھا۔ ہمیں مختلف مقدموں میں ملوث کیا جا تا رہا۔ اسی دوران سمن آباد سے دو یتیم سیدزادیوں کو اغوا کر لیا گیا۔ ہم نے گورنر ہاؤس پر دھاوا بول دیا۔ دروازے توڑ کر اندر داخل ہو گئے تو صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو ہمارے گھیرے میں تھے۔ وہ توقع نہ کر رہے تھے کہ اُن کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ایک بگھی میں سوار تھے۔ برطانیہ کے وزیر خارجہ لارڈ ہیوم بھی اُن کے ساتھ موجود تھے۔ طالبات کی برآمدگی تک، انہوں نے اپنے وزیر حاجی ممتاز کاہلوں کو بطور یرغمال ہمارے حوالے کر دیا اور طالبات کی برآمدگی کے بعد ہم نے انہیں رہا کر دیا۔ گورنر ہاؤس پر حملے کی وجہ سے قومی سطح پر حزب اختلاف میں جان پڑ گئی۔ دائیں بازو کے صحافیوں اور ادیبوں نے اس پر لکھا کہ ہم نے گرتے ہوئے قلم پھر اُٹھا لئے ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی فراخ دلانہ تحسین سے نوازا۔ پیپلز پارٹی کے اقتدار کا خوف پھیکا ہو چکا تھا۔

پنجاب یونیورسٹی کے انتخابات

27 جنوری 1972ء میں جامع پنجاب کی طلبا یونین کے الیکشن تھے اور 1972ء کے عبوری آئین میں دیئے گئے اختیارات سے لیس ہو کر مصطفی کھر کی سربراہی میں ہمارے انتخابات پر شب خون مارنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس رات جناب ذوالفقار علی بھٹو بنفس نفیس گورنر ہاؤس لاہور میں موجود تھے۔ ہر صورت میں طلبا کی سیاست پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ خود طلبا کو سیڑھی بنا کر اقتدار کے محل میں پہنچے تھے۔ انہیں یہ منظور نہ تھا کہ طلبا کی قوت پر کسی مخالف کا اثر ہو۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ منصفانہ انتخابات میں ان کے حمایت یافتہ طالب علم

رہنماؤں کا جیتنا ممکن نہیں۔

پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس اور نیو کیمپس کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ اس کا درمیانی فاصلہ بارہ کلومیٹر سے زیادہ ہے۔ ہیلی کالج، اورینٹل کالج اور لاء کالج بھی یونین کے حلقۂ انتخاب میں شامل تھے۔ تمام بیلٹ باکس اولڈ کیمپس میں واقع سینٹ ہال میں جمع کر دیے جاتے۔ اور اساتذہ کی نگرانی میں گنتی شروع کی جاتی، جونہی گنتی مکمل ہوتی، نتائج کا اعلان کر دیا جاتا۔

وہ خوفناک رات تھی۔ جونہی بیلٹ باکس کھول کر آٹھ ہزار ووٹوں کی ڈھیریاں لگائی گئیں تو گنتی سے پہلے ہی ڈھیریوں کے حجم نے نتائج ظاہر کر دیے اور ہمارے مخالف پولنگ ایجنٹوں نے اپنے حامیوں کو صورتحال سے آگاہ کر دیا۔ انہوں نے گنتی روکنے کے لیے فائرنگ شروع کر دی۔ اس کے باوجود اساتذہ نے گنتی شروع کر دی۔ لاء کالج کی بالکونی سے ہمارے ساتھیوں پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ ایک سنسناتی ہوئی گولی جیالوجی شعبہ کے پروفیسر ڈاکٹر عمر کے سر میں پیوست ہو گئی۔ گنتی رک گئی لیکن پولیس ڈاکٹر عمر کو ہسپتال لے جانے کو تیار نہ تھی۔ کیونکہ چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ تھی۔ ہمارے کارکنوں نے انہیں کندھوں پر اٹھالیا اور گولیوں کے حصار کو توڑتے ہوئے ہسپتال پہنچایا۔ اللہ نے ان کی جان بچالی۔ ہمارے کارکنوں نے مورچوں میں گھس کر اپنی جان بچائی۔ یہ مورچے چند ماہ پہلے پاک بھارت جنگ کے دوران کھودے گئے تھے۔

یونیورسٹی انتخابات کی ایک روایت چلی آ رہی تھی کہ انتخابات کی رات امیدواروں کو محفوظ مقامات پر پہنچا دیا جاتا۔ میں لاء کالج کے ہوسٹل کے ایک کمرے میں موجود تھا۔ درمیان میں لاء کالج کی بالکونی پر ہمارے مخالف طلبا حکومتی سربراہی میں موجود تھے اور دوسری طرف ہمارے حامی طلبا بیلٹ بکس کے تحفظ کے لیے سینٹ ہال کے باہر کھڑے تھے۔ میں وہاں پر جانا چاہتا تھا مگر میرے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور اس پر نوجوان پہرہ دے رہے تھے۔ جنہیں سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ نتائج آنے تک میرے باہر جانے کے لیے وہ میری کسی ہدایت پر عمل نہ کریں۔ میں اندر تلملا رہا تھا۔ گولیاں چلنے کی آوازیں مجھے مضطرب کرتی تھیں۔ مجھے پل پل کی خبر پہنچانے کا نظام بہت مضبوط تھا۔ میں ہدایت دے سکتا تھا مگر عملی طور پر وہاں جانے سے قاصر تھا۔

اخبار نویسوں نے موقع پر موجود دو صوبائی وزراء کو گھیر لیا اور ان سے کہا کہ وہ بچوں پر ظلم کیوں کر رہے ہیں؟ ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اسی دوران لاء کالج کی بالکونی میں ایک طالب علم برکات احمد ہلاک ہو گئے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں بھی یہ بات آ گئی کہ ان کی موت ریوالور کی گولی سے واقع ہوئی ہے۔ لاء کالج کی بالکونی میں صرف ان کے ساتھی موجود تھے۔ برکات احمد سول لائن کالج کے طالب علم تھے اور اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے یونیورسٹی آئے ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھی اولڈ کیمپس میں موجود تھے، جہاں سے ریوالور کی گولیوں کا لاء کالج کی دوسری منزل تک پہنچنا ناممکنات میں تھا۔ حفیظ خان، نعمان بٹ، رانا نذرالرحمٰن اور میرے خلاف گورنر ہاؤس میں

بیٹھ کر قتل کا مقدمہ گھڑا گیا۔ ہم میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ انتخابی جنگ کا انجام یہ ہوگا۔

ہماری گرفتاری کے لیے چھاپے مارے گئے لیکن ہم روپوش ہو گئے۔ بعد میں ہائی کورٹ نے ہماری ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی۔ مقدمہ چلا اور لاہور سیشن کورٹ نے ہمیں باعزت بری کر دیا مگر جس ذہنی کرب سے ہمیں گزارا گیا، جو ناقابل تلافی نقصان برکات احمد کے دنیا سے چلے جانے سے اُن کی بوڑھی والدہ، بہنوں اور پورے خاندان کو ہوا، جس درد و غم سے وہ آج تک دوچار ہیں اس کا مداوا کس طرح ممکن ہے؟

انتخابی دھاندلی کی تحقیقات کے لیے سردار اقبال پر مشتمل ایک رکنی ٹربیونل بنایا گیا۔ میں نے ٹربیونل کا بائیکاٹ کر دیا۔ چیف جسٹس نے اپنے فیصلے میں ہمارے بارے میں لکھا کہ یہ جیتنے والا گروپ تھا اس لیے انہیں گولی چلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے باوجود اگر دوبارہ انتخابات کرا دیے جائیں تو بہتر ہوگا۔ دوبارہ انتخابات کرائے گئے، مگر اب فریق مخالف مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا، کیونکہ اسے طلبا کے فیصلے کا اندازہ تھا۔ انتخابات یکطرفہ تھے۔ میرا پورا پینل بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گیا۔ تمام رکاوٹوں کے باوجود حقداروں کو ان کا حق مل گیا۔ انہی دنوں ذوالفقار علی بھٹو نے 72ء کا عبوری آئین نافذ کر دیا۔ جس میں یحیٰی خان دور کے تمام اقدامات کو آئینی تحفظ فراہم کر دیا گیا اور ملک میں صدارتی نظام نافذ کر دیا گیا۔

شملہ معاہدہ کے مذاکرات

ذوالفقار علی بھٹو نے ہندوستان جانے کا فیصلہ کیا۔ بھارت جانے سے پہلے انہوں نے تمام طبقات سے مشاورت کا فیصلہ کیا۔ اس پس منظر میں ہمیں بھی مذاکرات کی دعوت دی گئی۔ بھٹو کے طرز حکمرانی سے اختلاف کی بنیاد پر ان سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ میں ملتان چلا گیا، وہاں مجھے مولانا مودودیؒ کا پیغام ملا کہ مذاکرات سے انکار نہ کریں۔ ملتان میں جماعت اسلامی کے سیکرٹری عقیل صدیقی اور ملک وزیر غازی نے پیغام میرے گاؤں پہنچایا۔ انکار کی گنجائش نہ تھی۔ ڈپٹی کمشنر ملتان نے جہاز پر سیٹ ریزرو کرا رکھی تھی۔ میں براستہ ڈیرہ اسماعیل خان، پشاور، اسلام آباد پہنچ گیا۔ دوسرے منتخب طالب علم رہنما بھی راولپنڈی پہنچ چکے تھے۔ جب ہم مری پہنچے تو معلوم ہوا بھٹو نے اپنی پارٹی کے ان طالب علموں کو بلا رکھا ہے جن کو ہم پورے ملک میں شکست دے چکے تھے۔ اس طرح وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ تمام منتخب رہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ جب تک ہمیں مشاورت کا ایجنڈا نہ دیا جائے اور شکست خوردہ عناصر کو مشاورت سے الگ نہ کیا جائے ہم مذاکرات میں شامل نہ ہونگے۔ میں نے جا کر بھٹو کو اس فیصلے سے مطلع کیا۔

ہم راولپنڈی لوٹ آئے اور پریس کانفرنس میں بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ شیخ رشید احمد بھی اس پریس کانفرنس میں موجود تھے۔ پریس کانفرنس سے فارغ ہوتے ہی شیخ رشید احمد کسی کو کچھ بتائے بغیر بھٹو سے ملنے چلے گئے۔ اگلی صبح اخبارات میں بھٹو کے ساتھ ان کی تصویر دیکھ کر ہم دنگ رہ گئے، اگرچہ اگلے دن بھٹو کی طرف سے

ہماری تمام شرائط مان لی گئیں۔ مشروط مذاکرات میں اسلامی جمعیت طلبا کے ناظم اعلیٰ تسنیم عالم منظر بھی شریک ہوئے۔ ہم نے قبرص کے مشترکہ اعلامیہ سے لے کر کشمیر اور نوے ہزار فوجوں کی واپسی تک کے بارے میں کھل کر اپنی رائے دی۔ ان کے پریس سیکرٹری خالد حسن نے بعد میں بتایا کہ انہوں نے تمام وفود کی گفتگو سنی۔ طلبا کے وفد کی گفتگو سب سے زیادہ مدلل تھی۔

بنگلہ دیش نامنظور تحریک

شملہ مذاکرات سے واپسی پر جناب ذوالفقار علی بھٹو نے بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے رابطہ عوام مہم شروع کی۔ پاکستان کی دائیں بازو کی جماعتیں اصرار کر رہی تھیں کہ یہ قبل از وقت اقدام ہوگا اور اس کے اثرات دُور رس نتائج کے حامل ہونگے۔ ہم نوجوان اسے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف سمجھتے تھے۔ ابھی زخم تازہ تھا اور بھٹو صاحب کی جلد بازی نے ان زخموں کو ہرا کر دیا۔

اسلامی جمعیت طلبا نے بنگلہ دیش نامنظور تحریک چلانے کا اعلان کیا، مجھے اس تحریک کی قیادت کرنے کا اعزاز ملا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اس سلسلے میں راولپنڈی، کراچی اور ملک کے دوسرے شہروں میں بڑے جلسوں کا پروگرام بنایا۔ ہم نے اُن کے جلسے ناکام بنانے کا اعلان کر دیا۔ راولپنڈی کے تمام کالجوں میں جمعیت الیکشن جیت چکی تھی۔ اکثر کالجوں کی سٹوڈنٹس یونین کی تقریب حلف وفاداری میں مَیں نے بطور مہمانِ خصوصی شرکت کی اور عہدیداران سے حلف لیا۔ افضل مرزا، مقیم احمد خان، ملک ناظم الدین، وثیق احمد، اکرم چنگیزی، نواز رضا، عبدالودود قریشی، راجہ شاہد ممتاز، پرویز الطاف، فرخ سعید خواجہ، مشاہد اللہ خان اور اُن کے بھائی مجاہد اللہ خان نے منصوبہ بندی کی اور بھٹو کا جلسہ الٹ دیا۔ جب جلسے میں بھگدڑ مچی تو بھٹو کے وزراء بھاگنے والوں میں آگے تھے۔ انتظامیہ بھٹو صاحب کو بچا کر لے گئی۔ میں نے راولپنڈی پہنچ کر کارکنوں کی ہمت افزائی کی اور انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ شیخ رشید احمد بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ شیخ رشید احمد کی سیاست سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر انہوں نے جن مشکل حالات اور محدود وسائل میں انتخابی سیاست کا قلعہ سر کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔

اس سے پہلے محمد افضل مرزا، مشاہد اللہ خان نے ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائم، سیکرٹری اقوامِ متحدہ کی گاڑی پر بنگلہ دیش نامنظور کا پوسٹر چسپاں کر کے مسئلے کو بین الاقوامی رنگ دے دیا تھا۔ راولپنڈی کے جلسے کے بعد کراچی کے جلسے میں جب نامنظور نامنظور بنگلہ دیش نامنظور کے فلک شگاف نعرے لگے تو بھٹو صاحب کو سٹیج سے کہنا پڑا کہ اگر تمہیں نامنظور ہے تو مجھے بھی نامنظور ہے، تب کہیں جا کر انہیں جلسے میں تقریر کرنے کی اجازت ملی۔

ہم نے عوامی سطح پر بھٹو صاحب کے مقابلے میں جلسے جلوسوں کا پروگرام بنایا، مینار پاکستان پر تجدید عہد کرنے کے لیے مظاہرہ کیا، میں نے گوجرانوالہ کے شیرانوالہ باغ، سرگودھا کے کمپنی باغ، فیصل آباد کے گھنٹہ گھر، ملتان کے قاسم باغ، کراچی کے آرام باغ میں عوام سے خطاب کیا۔ حیدرآباد، کوئٹہ، پشاور کا دورہ کیا۔ جہاں عوام

نے ہمارا والہانہ استقبال کیا۔ بھٹو صاحب گھبرا گئے گیارہ ساتھیوں سمیت مجھے گرفتار کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ملک کی سیاسی فضا میں ارتعاش پیدا ہو گیا اور بھٹو صاحب نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے مسئلے کو کچھ عرصہ کے لیے موخر کر دیا، بعد میں بھٹو صاحب اسلامی سربراہی کانفرنس کو آڑ بنا کر بنگلہ دیش منظور کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے کانفرنس کے دوران اپنا احتجاج ریکارڈ کرانے کا پروگرام بنایا۔ میں یونیورسٹی سے فارغ ہو چکا تھا۔ میں نے بنگلہ دیش نامنظور کے مخالف سیاسی گروہوں سے رابطہ کیا۔ مگر کسی نے بھی ہمارا ساتھ دینے کی حامی نہ بھری۔ جس دن کانفرنس شروع ہوئی دو تین افراد کے ساتھ میں نے مال روڈ پر پرانی انارکلی چوک سے پنجاب اسمبلی کی جانب مارچ شروع کر دیا۔ جہاں تمام سربراہ جمع ہو رہے تھے۔ سڑک کے دونوں جانب کھڑے عوام نے ہمارا استقبال کیا اور کچھ لوگ ہمارے جلوس میں شامل ہو گئے۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے جلوس کے شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ انتظامیہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، وہ ہمارا راستہ نہ روک سکے۔ بنگلہ دیش نامنظور کے نعروں سے پورا علاقہ گونج اٹھا۔ ہم پنجاب اسمبلی کے بالکل سامنے پہنچے تو سامنے شاہ فیصل اپنی کار میں نظر آئے۔ اب انتظامیہ کے پاس لاٹھی چارج کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔ ہم سڑک پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ہم پر لاٹھیاں برسائیں پھر ہمیں اٹھا کر پولیس کی گاڑیوں میں ڈال کر مختلف تھانوں میں بند کر دیا۔ ہم اپنی آواز جہاں پہنچانا چاہتے تھے پہنچا چکے تھے۔ حفاظتی انتظامات اتنے سخت تھے کہ پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ ہم نے اپنی حکمتِ عملی سے حفاظتی حصار کو توڑ دیا۔ بھٹو صاحب عوامی سطح پر بے بس ہو گئے تھے، اسلامی کانفرنس کے ذریعے انہوں نے اپنا ایجنڈا پورا کر لیا۔

ایک مرتبہ ہمارا وفد بھٹو سے ملنے گیا۔ مذاکرات کے دوران میں نے ان سے کہا آپ نے تحریر اور تقریر پر پابندیاں لگا کر ملک میں فاشزم پھیلا دیا ہے۔ ایک کارنر میٹنگ تک بھی آپ برداشت نہیں کرتے۔ آپ نے اپنے کارکنوں کو قوت برداشت کی تربیت نہیں دی۔ اب آپ حکومتی ایجنسیوں کے ذریعے مخالفین کے جلسے درہم برہم کرتے ہیں۔ کہنے لگے آپ کو فاشزم کی تعریف (Definition) کا بھی پتہ نہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا میں فلسفہ کا طالب علم ہوں فاشزم کی بے شمار تعریفیں کی جاسکتی ہیں لیکن اتنا ہی کافی ہے کہ میں ہٹلر اور میسولینی جیسے ایک فاشسٹ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ ہنس کر کہنے لگے: اصل فاشسٹ تو تم ہو۔ میں نے کہا: کہ آپ طلبا کو فاشسٹ کہ رہے ہیں۔ کہنے لگے: نہیں تم جماعت اسلامی والے ہو جو مذہب کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں اور پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ہم بھی اس قہقہہ میں شریک تھے۔

خوشگوار ماحول کو دیکھ کر ملک مصطفیٰ کھر بے چین ہو رہے تھے۔ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: آپ نے کل چائنیز لنچ ہوم میں بھٹو صاحب کے بارے میں کیا کہا ہے؟ میں بھونچکا رہ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے اپنی تقریر دہرا دی۔ میں نے کہا تھا اگر ذوالفقار علی بھٹو نے بنگلہ دیش تسلیم کیا اور میرے بس میں ہوا تو انہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔ بھٹو نے ناراض ہونے کی بجائے کہا: یار تقریر کرتے ہوئے میں بھی جذباتی ہو جاتا ہوں اور تم بھی۔ تم

یہ بتاؤ مجھے یونیورسٹی میں ڈگری دینے کے لیے کب بلا رہے ہو؟ مجھے آکسفورڈ والے اعزازی ڈگری دے رہے ہیں آپ گھر والے مجھے یہ اعزاز کیوں نہیں دیتے؟ میں نے کہا: آپ کو کسی ڈگری کی ضرورت نہیں، آپ کے پاس بے شمار ڈگریاں ہیں۔ البتہ آپ ملک مصطفیٰ کھر کو پنجاب یونیورسٹی بھیج دیں۔ کہنے لگے: اسے تم لوگ میٹرک فیل گورنر کہتے ہو۔ میں نے کہا: اسی لیے تو انہیں ڈگری کی ضرورت ہے۔ کہنے لگے: انہیں بلا کر بے عزت کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: انہیں یونیورسٹی میں اسلحہ کے ذخائر دکھائیں گے۔ ایک دن پہلے ملک مصطفیٰ کھر نے بیان دیا تھا کہ پنجاب یونیورسٹی میں اسلحہ کے ذخائر موجود ہیں۔ حنیف رامے دم بخود بیٹھے تھے۔ اگلے دن اخباروں میں یہ ساری گفتگو چھپ گئی۔ ایک مرتبہ حنیف رامے نے بطور وزیر اعلیٰ پنجاب پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ جاوید ہاشمی ہماری حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ میں حنیف رامے، بابائے سوشلزم شیخ محمد رشید، جہانگیر بدر، خورشید حسن میر، معراج محمد خان، سید ناظم حسین شاہ، ملک معراج خالد کی بہت عزت کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہوں۔ یہ لوگ پیپلز پارٹی میں اپنے نظریات کی وجہ سے شامل تھے اور ان کا رویہ عوام کے حق میں تھا۔ حنیف رامے نے تو پانچ مرلہ سکیم کے ذریعے پیپلز پارٹی کو آبِ حیات پلا دیا۔ بہت سے غریبوں کو صدیوں میں پہلی مرتبہ سر پر چھت میسر ہوئی اور جاگیردار سے نجات ملی۔ دیہات میں ووٹروں کی نفسیات بدل گئی۔ اس کام پر حکومت کا ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہوا۔ یہ ایک خاموش انقلاب تھا۔ حنیف رامے بجا طور پر اس کے لیے خراجِ تحسین کے مستحق ہیں۔ بھٹو صاحب کہنے لگے: آپ لوگ میرا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ میری حالت یہ ہے کہ میں روزانہ تیس مرتبہ مصطفیٰ کھر کو فون کر کے سمجھاتا ہوں اور بیس مرتبہ ممتاز بھٹو کو۔ یہ دونوں سامنے بیٹھے تھے۔ حنیف رامے اور وزیر تعلیم ڈاکٹر عبدالخالق بھی موجود تھے۔ کسی میں بھٹو کا جواب دینے کی ہمت نہ تھی۔ ہم نے جب انہیں بتایا کہ کس طرح ہم پر جیلوں میں تشدد کیا گیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور معذرت کی۔ وہ ہمیشہ ہمیں کمرے کے باہر آ کر خدا حافظ کہتے۔ حسبِ معمول وہ باہر آ کر کھڑے ہو گئے اور ہمیں الوداع کہا۔ ان کے اقتدار میں میری ان سے یہ آخری ملاقات تھی۔ بعد میں ایک مرتبہ محمد میاں سومرو، جو موجودہ چیئرمین سینٹ ہیں، کی شادی پر اُن سے صرف علیک سلیک ہوئی۔ وہ مختصر وقت کے لیے ولیمہ میں شریک ہوئے اور کچھ کھائے پیے بغیر چلے گئے۔ محمد میاں سومرو کے دادا حاجی مولا بخش سومرو نے اُن کے آنے جانے پر دلچسپ تبصرہ کیا۔ وہ کہنے لگے: میں نے بھٹو صاحب کے ہمسائے ضلع جیکب آباد میں پیپلز پارٹی کے طوفان کا مقابلہ کرتے ہوئے انتخاب جیتا اور قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کی نشستوں پر جا بیٹھا۔ بھٹو صاحب کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی، اِس کھچاؤ کی وجہ سے میں نے انہیں ولیمہ کا دعوت نامہ نہ بھیجا۔ بھٹو صاحب نے مجھے بلا لیا اور کہنے لگے: آپ نے مجھے نظر انداز کیا ہے، لیکن میں اس شادی میں ضرور آؤں گا۔ حاجی صاحب کہتے ہیں: میں نے بہانہ بنایا کہ ہم نے کارڈ بھیجا تھا شاید کہیں اِدھر اُدھر ہو گیا۔ بھٹو صاحب استہزائیہ انداز میں کہنے لگے: اب ملک کے سربراہ کی ڈاک بھی محفوظ نہیں ہے۔ حاجی صاحب اُن کے شادی کو یوں چھوڑ کر جانے پر خدا کا

شکرادا کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے اگر وہ کچھ کھا لیتے اور بعد میں کہتے مجھے کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی گئی تھی تو میرا خاندان اس کا خمیازہ بھگتتا رہتا۔

بھٹو کے دورِ اقتدار میں مجھے تقریباً چار سو مقدمات کا سامنا کرنا پڑا اور شائد ہی پنجاب کا کوئی ایسا ضلع ہو جس میں مجھے قید نہ کیا گیا ہو۔ اسلامی کانفرنس کے دوران گرفتاری کے چند روز بعد ہمیں رہا کر دیا گیا۔ میں رہائی کے بعد مخدوم رشید چلا گیا۔ ہمارے ایک عزیز فوت ہو گئے تھے۔ تعزیت ہی کے لیے کوٹ ادو سے ہمارے قریبی رشتہ دار میاں غلام عباس قریشی ایم این اے آئے ہوئے تھے۔ میاں صاحب سینیٹر اور ضلع مظفر گڑھ کے چیئرمین بھی رہے۔ ان کا مقابلہ اکثر ملک مصطفیٰ کھر سے ہوتا اور اکثر وہ انہیں ہرا دیتے۔ ان دنوں وہ پیپلز پارٹی میں تھے اور ملک مصطفیٰ کھر سے انہوں نے مصالحت کر لی تھی۔ دورانِ ملاقات مصطفیٰ کھر کا ذکر آ گیا۔ اسلامی کانفرنس کی کامیابی پر انہیں بہت داد مل رہی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ عنقریب مصطفیٰ کھر کو صوبے کے سربراہی عہدے سے ہٹا دیا جائے گا۔ ان حالات میں میری بات کا کسی کو یقین نہ آیا لیکن چند روز بعد مصطفیٰ کھر صوبے کے سربراہ نہ رہے۔ میں ایک طالب علم تھا لہٰذا یہ گمان کرنے کی بجائے کہ میں نے سیاسی تجزیے کی بنا پر ایک رائے قائم کی ہے وہ یہ سمجھے حکومتی معاملات کی مجھے پہلے سے خبر ہوتی ہے۔ عمر میں چھوٹا ہونے کے باوجود تمام عمر ان سے گہری دوستی رہی۔ وہ بنیادی طور پر دھیمے مزاج کے آدمی ہیں۔ کوشش کرتے ہیں ہمیشہ حکومت کی دائیں طرف رہیں۔ اس وقت بھی (ق) لیگ میں ہیں اور ان کے صاحبزادے میاں امجد قریشی سینیٹر ہو چکے ہیں۔ محترمہ کلثوم نواز کے چاغی جانے تک ہمارے ساتھ تھے۔ وہ مجھ سے 23 سال تک پوچھتے رہے کہ آپ کو کیسے پتہ تھا کہ بھٹو صاحب مصطفیٰ کھر کو گھر بھیج دیں گے۔ میں نے انہیں کئی مرتبہ بتایا کہ یہ بالکل سادہ سی بات تھی۔ مصطفیٰ کھر کی سیاست میں اپنی کوئی بنیاد نہیں تھی، نہ ہی انہیں سیاسی نظریے کی سوجھ بوجھ تھی۔ بھٹو نے جب دیکھا کہ وہ اپنی حیثیت کو بھول گئے ہیں تو انہوں نے مصطفیٰ کھر کو فارغ کر دیا۔

ملک مصطفیٰ کھر کے والد یا ان کے بزرگ کبھی بی ڈی کونسلر بھی نہ بنے تھے۔ دراصل گورنر پنجاب ملک امیر محمد خان اپنے حریف نواب مشتاق احمد گورمانی اور ان کے خاندان کو سیاست سے باہر کرنا چاہتے تھے۔ ملک امیر محمد کی کابینہ کے وزیر ملک قادر بخش جھکڑ نے مصطفیٰ کھر کو آگے کر دیا۔ گورمانیوں کے سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے کوئی ان کا مقابلہ کرنے کو تیار نہ تھا۔ مصطفیٰ کھر گورمانیوں کے مقابلے میں متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا ایک نوجوان تھا۔ امیر محمد خان بوجوہ اسے قبول کرنے کو تیار نہ تھے مگر بادلِ نخواستہ اس کی سرپرستی کرنا پڑی اور اس طرح مصطفیٰ کھر اسمبلی میں پہنچ گئے۔ مظفر گڑھ کی سیاست میں تین خاندان سیاست پر چھائے ہوئے تھے۔ نواب مشتاق احمد گورمانی کا خاندان، قریشی خاندان اور دستی خاندان۔ نوابزادہ نصر اللہ کا خاندان، جتوئی خاندان اور ابراہیم برق کا خاندان بھی انتخابی سیاست میں اہم تھے۔ مصطفیٰ کھر کی فیملی ان خاندانوں کی برآمدہ سیاست سے آگے نہیں بڑھی

تھی۔ ملک مصطفیٰ کھر کو اس بات کی داد دینی چاہیے کہ اپنے محدود خاندانی پس منظر اور تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باوجود انہوں نے پنجاب کی سیاست میں نام پیدا کیا۔ انہیں کوئی بدنام کہہ سکتا ہے مگر گمنام نہیں۔ اسمبلی میں پہنچ کر مصطفیٰ کھر نے شہرزاد ہوٹل (وزارت خارجہ کا موجودہ دفتر) میں محفلیں سجانا شروع کیں۔ غلام مصطفیٰ کھر کے بارہ بھائی ہیں، بہنیں اس کے علاوہ ہیں۔ ان کے والد نے اپنی زندگی میں ہی بہنوں اور بھائیوں میں جائیداد تقسیم کر دی تھی۔ ملک مصطفیٰ کھر سمیت کوئی بھی میٹرک کی دہلیز عبور نہ کر سکا۔ انہیں اپنے والد سے وراثت میں جو زمین ملی اُس کی آمدن سیاسی اخراجات کے لیے ناکافی تھی اور ویسے بھی اس علاقہ کی زمین تونسہ بیراج سے پہلے ناکارہ تھی۔ مصطفیٰ کھر نے اپنی ساری زمینیں بیچ کر سیاستدانوں کی خدمت پر لگا دی۔ بھٹو صاحب کے مزاج کے مطابق محفلیں سجانے کو مصطفیٰ کھر اپنے لیے اعزاز سمجھتا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے دوسری مرتبہ ایوب خان سے مصطفیٰ کھر کو کنونشن لیگ کی ٹکٹ دلوا کر حساب برابر کر دیا۔ انہی دنوں بھٹو کو وزارت سے فارغ کر دیا گیا۔ جب وہ راولپنڈی ریلوے سٹیشن پر ٹرین میں بیٹھے تو انہیں الوداع کہنے والوں میں مصطفیٰ کھر کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ جن دوسرے ارکان اسمبلی نے ایک ساتھ جینے مرنے کے وعدے کیے تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی وہاں موجود نہ تھا۔ مصطفیٰ کھر کو بھٹو کا ساتھ دینے پر حکومتی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر اس نے مشکل حالات میں بھٹو کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بھٹو نے بھی مصطفیٰ کھر کی مالی مشکلات کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا خیال رکھا، حتیٰ کہ ذوالفقار علی بھٹو اپنے کپڑے بھی مصطفیٰ کھر کو پہننے کے لیے دے دیتے۔

قسمت نے یاوری کی اور ذوالفقار علی بھٹو برسر اقتدار آ گئے۔ انہوں نے مصطفیٰ کھر پر اعتماد کیا اور پنجاب ان کے حوالے کر دیا مگر وہ مصطفیٰ کھر کی کارکردگی سے مطمئن نہ تھے۔ بالآخر انہوں نے اس بے تاب آدمی سے استعفیٰ طلب کر لیا۔ جب مصطفیٰ کھر کو اقتدار سے الگ کر دیا گیا تو انہوں نے لاہور میں تاج پورہ سے ضمنی انتخاب میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت غیر مقبول ہو چکی تھی اور عوام بھٹو کی مخالفت کرنے والے ہر شخص کو ہیرو کا درجہ دینے کو تیار تھے۔ بھٹو کے زخم خوردہ دائیں بازو کے دانشور "رہبر و رہنما مصطفیٰ مصطفیٰ" کے نعرے لگا رہے تھے۔ جب ہم اس رائے کا اظہار کرتے کہ مصطفیٰ کھر میدان سے بھاگ جائیں گے تو وہ ناراض ہو جاتے۔ بارہا میں نے انہیں بتایا کہ میں ملک مصطفیٰ کھر کی اصلیت سے واقف ہوں۔ میری ان سے کوئی ذاتی جنگ نہیں۔

تاج پورہ میں ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع پورے اشتیاق سے ان کی تقریر سن رہا تھا۔ حکومتی ایجنسیوں نے جلسے میں سانپ چھوڑ دیے، جس سے بھگدڑ مچ گئی۔ ملک مصطفیٰ کھر نے تقریر درمیان میں چھوڑی، بارہ فٹ اونچی سٹیج کے پیچھے چھلانگ لگائی اور گاڑی میں بیٹھ کر بھاگ گئے۔ جلسے میں افراتفری کی وجہ سے پندرہ سے بیس افراد پیروں تلے روندے گئے۔ ہلاک ہونے والوں میں کئی بچے بھی شامل تھے۔ تاریخ میں بارہا ایسا ہوا کہ حکومتی عہدیدار جلسے جلوسوں میں ہلاک ہوئے کہ بصورت دیگر وہ حفاظتی اقدامات کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ حزب

اختلاف کی حفاظت کا ذمہ عوام کے کندھوں پر ہوتا ہے۔ سیاست کی تاریخ میں بہت کم مثالیں ملیں گی کہ کسی رہنما کو جلسہ عام میں سٹیج پر گولی ماردی گئی ہو۔ یہ معاملہ صرف صدر یا وزیر اعظم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر حزب اختلاف کا لیڈر عوام کو چھوڑ کر بھاگ جائے تو اسے حکومت کسی جگہ بھی مروا سکتی ہے۔ یہ اعزاز پاکستان میں صرف ملک مصطفیٰ کھر کو حاصل ہوا کہ وہ سٹیج سے کود کر بھاگے۔ وہ گلبرگ لاہور میں سید یوسف رضا گیلانی کے سسر کے گھر بیٹھے ہوئے تھے جو ہمارے گھر کے بالکل قریب تھا۔ مجیب الرحمٰن شامی اور میں وہاں پہنچے تو میاں ساجد پرویز ایم این اے، محبوب بٹ اور کچھ دوسرے ورکر لاشیں لے کر آگئے تاکہ ماتمی جلوس نکالا جاسکے۔ ملک مصطفیٰ کھر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ کہنے لگے فوراً یہاں سے بھاگ جائیں، آپ مجھے گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد اہلیان لاہور نے کبھی مصطفیٰ کھر کو قریب بھی پھٹکنے نہ دیا۔

جلسے کی ناکامی کے بعد ملک مصطفیٰ کھر کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان کے ساتھیوں کو دلائی کیمپ میں ڈال دیا گیا۔ ڈاکٹر غلام حسین، افتخار تاری، محبوب بٹ، چودھری ارشاد، میاں ساجد پرویز، ملک وارث اٹک کے قلعے اور دیگر عقوبت خانوں میں پڑے رہے۔ ملک مصطفیٰ کھر نے بھٹو صاحب سے صلح کرلی اور ان کے مشیر بن گئے۔ جب ذوالفقار علی بھٹو گرفتار ہوئے تو مصطفیٰ کھر، جنرل چشتی کو غچہ دے کر لندن چلے گئے اور واپسی پر انہیں جیل میں ڈال دیا گیا۔ ان کے بھائی میرے پاس آئے کہ میں مصطفیٰ کھر کی رہائی کے لیے عرض داشت پر دستخط کردوں۔ مجھے مصطفیٰ کھر کے مظالم یاد آئے۔ ڈاکٹر نذیر شہید اور رحمن آباد کی بچیوں کے اغوا سمیت علما پر تشدد کی تصاویر میرے ذہن میں ابھرتی رہیں مگر میں مشکل میں پھنسے ہوئے مخالف کی مدد سے خود کو نہ روک سکا اور رہائی کی اپیل پر دستخط کر دیے۔ جنرل حمید گل ملتان میں تھے۔ انہوں نے ایک ملاقات میں بتایا مصطفیٰ کھر ''را'' کا ایجنٹ ہے اور میں وردی میں قومی اسمبلی کی کمیٹی کے سامنے یہ بیان دینے کو تیار ہوں۔ میں دل میں اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگا۔ میں نے ایسے شخص کی مدد کیوں کی؟

جب غلام مصطفیٰ جتوئی کو نگران وزیر اعظم بنایا گیا۔ مصطفیٰ کھر بغیر الیکشن لڑے ان کی کابینہ میں پانی و بجلی کے وزیر نامزد ہو چکے تھے۔ مجھے جنرل حمید گل کی بات یاد آتی تو پریشان ہو جاتا۔ مصطفیٰ کھر نے شاہانہ سرکاری اخراجات پر ان گنت دیہاتوں میں بجلی دے کر اور مفت میٹر لگوا کر ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے باوجود وہ میاں غلام عباس قریشی سے الیکشن ہار گئے۔ لیکن ہمارے ''اصل حکمرانوں'' کے ایک فون سے ہارا ہوا الیکشن فتح میں تبدیل ہو گیا۔ ملک مصطفیٰ کھر نے کہا میں فوجی حکام کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے شکست سے بچا لیا۔ میں حیران تھا کہ را کا ایجنٹ وفاقی وزیر بن گیا اور قومی اسمبلی کا ممبر بھی۔ مصلحت کیا تھی؟ کوئی نہیں جانتا، کوئی نہیں بتاتا۔ ملک مصطفیٰ کھر آج تک ڈیرہ غازی خان، ملتان اور بہاولپور ڈویژن میں کہیں دو ہزار آدمیوں کے جلسے سے خطاب نہیں کر سکے مگر انہیں شمالی پنجاب کی اسٹیبلشمنٹ پنجاب کا ہیرو بنا کر پیش کرتی ہے۔ مصطفیٰ کھر کے پاس

لندن میں سردیوں میں اوورکوٹ خریدنے کے لیے پیسے نہیں تھے، اسے فیوڈل لاڈ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے ووٹر جب دیکھتے ہیں کہ وہ خواہ کسی کو منتخب کریں، حکومت اسی کی ہوتی ہے جسے "اصل حکمرانوں" کی حمایت حاصل ہو، تو وہ اپنے ووٹ کو بے وقعتی سے بچانے کے لیے یقینی جیت والے فرد یا پارٹی کی حمایت کرتے ہیں۔ حقائق سے بے بہرہ ہمارے بعض دانشوران کے قصیدے رقم کرتے ہیں۔

مصطفیٰ کھر ہماری سیاست کا ایسا کردار ہے جو ہمیشہ کسی کندھے کی تلاش میں رہتا ہے، جس پر چڑھ کر وہ قد آور نظر آئے۔ سیاست میں ان کی کوئی اپنی بنیاد نہیں۔ انہوں نے جب یہ کہا کہ میں انڈیا کے ٹینکوں پر چڑھ کر آؤں گا تو یہ بات اُن کی سیاست کے عین مطابق تھی۔ پہلے انہوں نے گورنر پنجاب ملک امیر محمد کا کندھا استعمال کیا۔ پھر ذوالفقار علی بھٹو کا۔ جب بھٹو نے اسے اپنے کندھے سے اتار دیا تو وہ یوسفِ بے کارواں تھے۔ بھٹو کو مشکل میں چھوڑ کر وہ ملک سے باہر چلے گئے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کے ذریعے دوبارہ سیاست میں آ گئے۔ جتوئی صاحب خود دوسروں کی بیساکھیوں پر کھڑے تھے، لیکن مصطفیٰ کھر مظفر گڑھ میں یہ تاثر پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ قومی سطح پر ان کا وجود ناگزیر ہے۔ اہل مظفر گڑھ ان کے اثر میں آ گئے۔ مصطفیٰ کھر نے جب یہ دیکھا کہ نواز شریف چڑھتا ہوا سورج ہے تو ان کے دروازے پر پہنچ گئے اور مختصر وقت میں وہ سب کچھ پا لیا جو وہ کھو چکے تھے۔ اب نواز شریف کی مزید ضرورت نہیں تھی۔ اس نے دیکھا کہ محترمہ کے اقتدار میں آنے کا امکان ہے تو سیاسی تاریخ میں پہلی بار یہ ہوا کہ وہ ایک سیٹ پیپلز پارٹی کے امیدوار تھے اور دوسری سیٹ پر آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑ رہے تھے۔ وہ محترمہ کی کابینہ میں وزیر ہو گئے۔ اور جوں ہی ان کی حکومت ختم ہوئی، ملک مصطفیٰ کھر پیپلز پارٹی سے بھاگنے والوں میں سب سے آگے تھے۔ آج تک یہ راز معلوم نہیں ہو سکا فاقہ کش مصطفیٰ کھر وسیع جائیداد کا مالک کیسے بن جاتا ہے شائد قومی احتساب کے ادارے بھی نہ جانتے ہوں۔ حال ہی میں انہوں نے پرویز مشرف کو تاحیات صدر بنانے کی تجویز پیش کی تاکہ حسب سابق ایجنسیوں کا کندھا استعمال کر سکیں۔

شاہی قلعہ کی قید

مجھے شاہی قلعہ میں ڈال دیا گیا، کالمسٹ اور صحافی حافظ شفیق الرحمٰن بھی میرے ساتھ تھے۔ مغل بادشاہ اپنے باغیوں کو اسی تہہ خانے میں رکھا کرتے تھے۔ یہ قلعہ انگریز کے دور میں بھی برصغیر پاک و ہند کے مجاہدین آزادی پر ظلم و تشدد کا مرکز رہا۔ انگریز کے جانشینوں نے اپنے سیاسی مخالفین کو ذہنی اور جسمانی طور پر مفلوج کرنے کے لئے اس عقوبت خانے سے وہی کام لیا جو استعمار نے لیا تھا۔ ایک ترقی پسند طالب علم رہنما حسن ناصر کو اسی قلعے میں تشدد کر کے شہید کر دیا گیا۔ اب میری باری تھی۔ بنگلہ دیش نامنظور تحریک میں بھی مجھے ایسی ہی صورتحال کا سامنا تھا۔ میری موت کی افواہ پھیل گئی۔ لاہور سراپا احتجاج تھا، پورے ملک میں کہرام مچ گیا۔ اُس وقت مجھے لاہور کی

چونا منڈی اور فوراً بعد ملتان کے سی آئی اے کے حوالات میں برف کی سلوں پر لٹایا گیا۔ ہتھکڑیاں سلاخوں سے باندھ کر ساری ساری رات جگایا جاتا۔ اِس بہیمانہ تشدد کے خلاف خرابیٔ صحت کے باوجود مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے حکومت کو شدید وارننگ دی اور کہا اگر جاوید کو رہا نہ کیا گیا تو میں موچی گیٹ میں احتجاجی کیمپ لگا کر بیٹھ جاؤں گا اور اس وقت تک نہ اُٹھوں گا جب تک اُسے رہا نہیں کر دیا جائے۔ یہ تنبیہ سید صاحب کے طرزِ سیاست سے مختلف تھی، حکومت خوفزدہ ہوگئی اور مجھے رِہا کرنا ہی پڑا۔

پیرِ روشن ضمیر مولانا سید مودودیؒ

جس کے افکار نے میری زندگی کو مشکل پسند بنا دیا، جس کے فیضانِ نظر نے میرے اندر کے پرسکون سمندر میں تلاطم برپا کردیا۔

اُن روشن آنکھوں میں جھانکنے سے ایک دوسری دنیا روشن ہو جاتی۔ اُس کا ظرف خضر جیسا تھا اور میری بے قراری موسیٰ جیسی ...... برسوں پہلے سید صاحب کو سزائے موت سنائی گئی۔ پھانسی کی سزا پر عمل درآمد سے پہلے موقع دیا گیا کہ اگر وہ درخواست کریں تو انہیں رہائی مل سکتی ہے۔اس مردِ قلندر نے کہا: زندگی اور موت کے فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں، زمینوں پر نہیں۔ پورے عالم اسلام میں کہرام برپا تھا، حکومت کو جھکنا پڑا۔ نواب آف کالاباغ کے دور اقتدار میں، لاہور میں جماعت اسلامی کے جلسہ عام میں، چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ تھی۔ ایک کارکن اللہ بخش گولی لگنے سے شہید ہو گئے۔ سٹیج سے آوازیں آئیں مولانا بیٹھ جایئے۔ اُس مردِ جری نے کہا کہ اگر آج میں بیٹھ گیا تو پھر کھڑا کون رہے گا؟ تفہیم القرآن تک میں حافظ سعید انور کے ذریعے پہنچا، جن کی بصیرت نے ان کی بصارت کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور تفہیم القرآن کے ذریعے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تک ...... پھر یہ رشتہ زمان و مکان کی قید میں نہ رہا۔ وہ ایسا پیر تھا جس نے مجھے پیری اور مُلّائی کے استحصالی نظام سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دی۔ 1976ء میں، میں نے عملی سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ دوستوں کی معیت میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں جماعت اسلامی میں شامل نہیں ہو رہا۔ میرے لئے دعا فرمایئے، میں اسلام اور پاکستان کی خدمت کرتا رہوں۔ سید صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے "یا اللہ ان سے ملک اور قوم کی خدمت کا کام لے لے" ہم نے آمین کہا۔ ہر ایک کو مولانا کی وسیع القلبی اور فراخدلی کا اعتراف تھا۔ مولانا نے اپنا فیصلہ کبھی کسی پر مسلط نہ کیا، حتیٰ کہ اپنی اولاد پر بھی نہیں۔ میں جمعیت اور جماعت کا بھرپور حامی رہا۔ پہلی مرتبہ اسلامی جمعیت طلبا کے پینل نے فرید پراچہ کی قیادت میں باقاعدہ الیکشن لڑا۔ میں نے انتخابی مہم چلائی۔ فرید پراچہ پنجاب یونیورسٹی کے صدر منتخب ہو گئے اور عبدالشکور سیکرٹری جنرل۔ اسلامی جمعیت طلبا کے پاؤں یونیورسٹی میں جم چکے تھے اور میں نے ہمیشہ کیلئے طلبا سیاست کو خیرباد کہہ کر قومی سیاست کی طرف رخ کیا۔ جماعت اسلامی نے مجھے شمولیت کی دعوت دی اور اپنی پابندیوں کو نرم کرتے ہوئے مجھے براہ راست رکنیت دے دی۔ جماعت اسلامی کی تاریخ میں یہ انوکھا فیصلہ تھا، ورنہ رکنیت کے حصول میں سالہا سال بیت جاتے ہیں۔ اپنی ذات کی کوتاہیوں کے سبب میں نے جماعت اسلامی میں شمولیت سے معذرت کرلی۔

جماعت اسلامی روایتی مذہبی جماعت نہیں ہے۔ میری رائے میں جماعت اسلامی نے انقلابی سیاست

کو متعارف کرایا ہے۔ کردار کے لحاظ سے آج بھی جماعت اسلامی بہتر افراد پر مشتمل ہے۔ بین الاقوامی سطح پر مذہب کے کردار کو بھی اس جماعت سے زیادہ کسی نے اجاگر نہیں کیا۔ مذہب کی تشریح اور سیاسی حکمت عملی کے سوال پر جماعت اسلامی سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔

جنگ میں کامیابی کے حصول کے لیے خود حضور ﷺ نے بارہا جنگی حکمت عملی تبدیل کی۔ جماعت اسلامی میں مولانا مودودیؒ نے اپنی سیاسی حکمت عملی میں کئی بار تبدیلیاں کیں۔ حکمت عملی کو دین کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ سوچ کے اختلاف کو ارتداد کی حد تک لے جانا شدت پسندی کے زمرے میں آتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں جماعت اسلامی نے اب اپنے دامن کو وسیع کرلیا ہے۔

امن کی فاختہ......مولانا ظفر احمد انصاری

بنگلہ دیش نامنظور تحریک کے سلسلے میں کوٹ لکھپت جیل حکام کے ناروا سلوک کے خلاف میں نے اور احمد بلال محبوب نے بھوک ہڑتال کردی۔ احمد بلال محبوب آج کل پلڈیٹ کے سربراہ ہیں، اُس وقت انجینئرنگ یونیورسٹی کے صدر تھے اور لاہور کالجیٹ باڈی کے سیکرٹری تھے اور میں صدر۔ جیل قواعد کے مطابق ہمیں الگ الگ بند کردیا گیا، بھوک ہڑتال کے چوتھے روز ہماری حالت بہت خراب ہوگئی۔ ہم نے گلوکوز لینے سے بھی انکار کردیا، پانچویں روز میں اپنے سیل میں قرآن مجید کی تلاوت کررہا تھا اور اللہ تعالیٰ سے باعزت تصفیے کی دعا مانگ رہا تھا کہ میرے سیل کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ مولانا ظفر احمد انصاری اپنی کھونٹی کے سہارے میری طرف بڑھتے ہوئے نظر آئے۔ انہوں نے بتایا کہ قاہرہ میں رابطہ عالم اسلامی کی میٹنگ میں تھے کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں فوراً پاکستان واپس آنے کے لیے کہا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے عمرہ کے لیے جانا تھا، مجھے کہا گیا ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے آپ فوراً واپس آجائیں۔ پاکستان پہنچا تو مجھے کہا گیا میں بھوک ہڑتال ختم کرانے کے لیے مولانا مودودی سے مدد کی درخواست کروں۔ میں نے فون پر مولانا کو تفصیلات سے آگاہ کیا اور اُن سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مولانا نے کہا آپ سیدھے جیل چلے جائیں اور میرا پیغام اُن تک پہنچائیں کہ وہ بھوک ہڑتال ختم کردیں۔ مولانا انصاری کی آمد ہی میرے لیے کافی تھی۔ مولانا مودودی کا پیغام تو حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ میں نے احمد بلال محبوب کو بھی وہاں بُلا لیا، مولانا انصاری نے سپرنٹنڈنٹ سے کہا ان سے اپنے غلط رویے کی معافی مانگو...... ہمیں اب معافی پر بھی اصرار نہیں تھا۔ مولانا ظفر احمد انصاری 1970ء میں کراچی سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ایڈیشنل سیکرٹری جنرل رہے تھے اور قائداعظم کے معتمدین میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد عمر بھر پاکستان کی دستوری گتھیاں سلجھاتے رہے۔ قرارداد مقاصد سے لے کر ضیاء الحق کے دور میں انصاری کمیشن رپورٹ تک، تمام دستوری بحرانوں میں اُن کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا گیا۔

1973ء کے آئین کو متفقہ بنانے میں انہوں نے رات دن کام کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اُن کی خدمات کو سراہا۔ وہ اسلام کو پاکستان کی بنیاد سمجھتے تھے اور پاکستانی قوم کو متحد رکھنے کے لیے ہمہ قسم کی تجاویز اُن کی ''پٹاری'' میں موجود ہوتی تھیں۔ اُن کی شدید خواہش تھی کہ پاکستان کو سرزمین بے آئین نہ رہنے دیا جائے، آئین نہ ہونے سے پاکستان کے وجود کو جو خطرات لاحق تھے انہیں اُس کا شدید احساس تھا۔ اسی لیے صدارتی یا پارلیمانی نظام پر بضد ہونے کی بجائے اُن کی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی آئینی بنیاد پر اتفاق رائے پیدا کرلیا جائے، بعد میں بہتری خود ہو جائے گی۔ اسی لگن میں انہوں نے ساری عمر بتا دی۔ جب وہ لاہور تشریف لاتے تو مفتی اعظم مفتی محمد شفیع کے صاحبزادے رکی کیفی کے ہاں قیام فرماتے۔ ہم اُن کی ہمسائیگی میں رہتے تھے اور اکثر افطار اُن کے ہاں ہوتی۔ مجیب شامی اور میں اُن دنوں سحری کے لیے میاں مصطفیٰ صادق کے گھر چلے جاتے جو ہم سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ وہ لاہور میں قومی سطح کے رہنماؤں سے ملاقاتیں کرتے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، نوابزادہ نصراللہ خان، ایڈیٹر نوائے وقت جناب مجید نظامی اور دیگر اکابرین سے ملانے کیلئے انہیں میں گاڑی میں لے جاتا۔ اُن کی وجہ سے مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع کی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا رہا۔

مولانا ظفر احمد انصاری کی شخصیت سحر انگیز تھی۔ میں کراچی جاتا تو اُن کی خدمت میں حاضری ضرور دیتا اور اسلام آباد میں بھی بارہا اُن کی محفل میں شرکت کا موقع ملا۔ مجھے اُن کے آئینی جدوجہد کے طریقہ کار سے اختلاف تھا، لیکن پاکستان اور عالم اسلام کے اتحاد کے لیے اُن کی تڑپ بہت متاثر کرتی تھی۔ اُن کا اقتدار سے دور کا تعلق بھی نہیں تھا اور نہ ہی ذاتی اہمیت کی کوئی خواہش۔ وہ پیرانہ سالی میں جوانوں سے زیادہ متحرک تھے اور اپنی صحت کی پرواہ کیے بغیر وطن کی محبت کی لگن میں ہر وقت بے چین رہتے، انہیں معلوم تھا کہ اُن کی آواز ایک تنہا فرد کی آواز ہے، لیکن وہ مایوسی کو گناہ سمجھتے تھے۔ اُن کے پاس دلائل کا انبار ہوتا تھا۔ وہ بدترین حالات میں بہترین نتائج حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے۔ اُن کی کیفیت اُس چڑیا کی تھی جو چونچ میں پانی لا کر نارِ نمرود پر اس امید پر پھینکتی کہ آگ بُجھ جائے گی۔ حضرت ابراہیمؑ محفوظ رہیں گے اور آتش کدہ باغ و بہار میں تبدیل ہو جائے گا۔ عقل و دانش رکھنے والے چڑیا کی اس حرکت پر اُس کا مذاق اڑا رہے تھے، لیکن یہ حسین اتفاق تھا جو کچھ چڑیا چاہ رہی تھی وہی خدا لم یزل کا منشا تھا۔ جو کام چڑیا کر رہی تھی وہی خالق کائنات کر رہا تھا۔ آتش نمرود گل و گلزار میں تبدیل ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ آنے والے تمام انبیاء کے جدِ امجد بنے، چڑیا کی بے چینی رنگ لا رہی تھی، مولانا ظفر احمد انصاری نے جیل سے فون پر مولانا مودودی اور ذوالفقار علی بھٹو کو ہماری بھوک ہڑتال کے خاتمے کے بارے میں اطلاع دے کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔ اُن کی چونچ میں کسی اور جگہ پر لگی ہوئی آگ بجھانے کا پانی موجود تھا۔ اولادِ ابراہیم اپنے امتحان میں کامیاب ہو چکی تھی، مگر نمرود کی خدائی ابھی باقی تھی، شاید قدرت اولادِ ابراہیم کو امتحان کے اگلے مرحلے میں داخل کرنا چاہتی ہے۔ یقینی فتح کے مرحلے میں یا شاید کسی کا صرف امتحان

لینا ہی اصل مقصود ہے۔

ینگ پاکستانیز

میری چوتھی یونیورسٹی شہر لاہور کی گلیاں ہیں، جہاں میں نے عملی سیاست سیکھی۔ 1970ء سے 1977ء تک سات سال میں ملکی سیاست کا حصہ بن چکا تھا۔ 1974ء میں ایم اے فلسفہ کرنے کے بعد جامعہ پنجاب کو الوداع کہا اور پھر کبھی اُدھر کا رخ نہ کیا۔ میں پیشہ ور طالب علم رہنماؤں کے سخت خلاف تھا جو سالہا سال تک یونیورسٹی کی فضا کو مکدر کرتے تھے۔ میں لاہور میں عملی سیاست کی ردا بُننے لگا۔ ینگ پاکستانیز (Young Pakistanis) کے نام سے پاکستان بھر سے نوجوان قیادت کو اکٹھا کیا۔ طارق چودھری، جمیل احسن گل اور میں نے پورے پاکستان کا دورہ کر کے نوجوان قیادت سے رابطہ کیا اور انہیں لاہور کنونشن میں شرکت کی دعوت دی۔ حکومت نے ہمیں کھلی جگہ پر کنونشن کے انعقاد کی اجازت نہ دی۔ کوئی ہوٹل بھی ہمیں اپنے ہاں اجلاس منعقد کرنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھا۔ رانا نذر الرحمٰن نے اپنے چیمبر کی تیسری منزل کی چھت پر ہمیں شامیانے نصب کر کے میٹنگ کرنے کی فراخدلانہ پیش کش کی۔ جب ہمارا اجلاس شروع ہوا تو پولیس اور حکومتی غنڈوں نے چاروں طرف سے گھیراؤ کر لیا اور خشت باری شروع کر دی۔ ایک گروپ نے ساتھ والی بلڈنگ کی چوتھی منزل سے فائرنگ شروع کر دی اور بوتل بم پھینک کر شامیانوں کو آگ لگا دی۔ ہم نے گولیوں کی بوچھاڑ میں اپنا اجلاس جاری رکھا اور آئندہ لائحہ عمل کے لیے 20 سالہ منصوبہ تیار کر لیا۔ پروگرام کے مطابق 1974ء سے 1995ء تک پاکستان میں پرامن انقلاب کے ذریعے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرنا مقصود تھا جو دوسرے مسلمان ممالک کے لیے مثال بن سکے۔ یہ ہمارا اپنے ملک سے عہد نامہ تھا جسے ہم نے آگ کے شعلوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں بیٹھ کر اپنے ملک اور قوم کی بہتری کے لیے لکھا اور جانوں کی پروا کیے بغیر اس پر دستخط کیے۔ اس پر مختلف طریقوں سے آج بھی عمل درآمد جاری ہے۔ شامیانوں کے جلنے، کراکری کے ٹوٹنے اور کرسیوں کے تباہ ہونے کا بل اگلے چار سال تک ادا کرتا رہا۔

میں ینگ پاکستانیز کا صدر چنا گیا اور شفیع نقی جامعی کو سیکرٹری جنرل۔ راولپنڈی کے شیخ رشید احمد، سینیٹر طارق چودھری، بلوچستان سے سردار طارق خان کھیتران، امان اللہ شادیزئی، کراچی سے زاہد حسین، سید حفیظ الدین ملتان سے احسان باری، فیصل آباد سے جمیل احسن گل، رائے سعید احمد، سرحد سے امین جدون مجلس عاملہ کے ممبر تھے۔

لسانی فسادات

پاکستان کی قومی قیادت سے ہمارے رابطے تھے۔ لسانی فسادات کے موقع پر ایم انور بار ایٹ لا کے گھر میٹنگ ہوئی، جس میں مجلس عمل بنائی گئی۔ اس میں پیر پگاڑو، میاں طفیل محمد، ایئر مارشل اصغر خان، ملک

قاسم ،نوابزادہ نصراللہ خان ،ولی خان ،مولانا مفتی محمود، جیسے قائدین شامل تھے۔ مجھے اس مجلس عمل کا کنوینر چنا گیا۔ مجلس عمل نے ملک بھر میں جلسے جلوسوں کا پروگرام بنایا۔اس سلسلے کا پہلا جلسہ موچی گیٹ میں منعقد کیا گیا۔جس نے ملکی سیاست کا پانسہ پلٹ دیا۔اس جلسے کی صدارت میرے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔شورش کاشمیری نے میری تقریر سن کر فی البدیہہ یہ شعر کہا ۔

جاوید ہاشمی کی خطابت کا ہمہمہ
جیسے بہار سنبل و ریحاں کھلا گئی

بعد میں انہوں نے اسی زمیں میں پوری نظم لکھی اور اپنے رسالہ چٹان میں شائع کی۔ خان عبدالولی خان قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف تھے۔انہوں نے میری جدوجہد کو پاکستان کے بہتر مستقبل کی ضمانت کہا۔ایک ملاقات میں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: جاوید صاحب! Keep the Flag Flying یہ پرچم لہراتے رہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے کپتان کے اس پرچم کو اونچا رکھا۔ 1974 میں، میں نے برطانیہ میں بیرسٹری میں داخلہ لے لیا تھا۔ بھائی کی شہادت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔

1975 ءاور 1976 ءکے دوران میں لاہور اور ملتان کے درمیان بٹ گیا مگر لاہور میرے دل میں بسا ہوا تھا، جونہی موقع ملتا، ملتان کو چھوڑ کر لاہور بھاگ آتا۔

تحریکِ استقلال میں شمولیت

1976 ءکے آخر میں عام انتخابات یقینی دکھائی دینے لگے تو میں نے تحریک استقلال میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔راولپنڈی سے شیخ رشید اور ملتان سے احسان باری نے میرے ساتھ پریس کانفرنس میں شریک ہو کر ایئر مارشل اصغر خان کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ مجھے تحریک استقلال کی مرکزی مجلس عاملہ کا ممبر بنا دیا گیا۔اس وقت تک چودھری ممتاز تارڑ ،سید ظفر علی شاہ ،نواب اکبر بگٹی ، گوہر ایوب خان ،میاں محمود علی قصوری ، ان کے صاحب زادے خورشید قصوری ، حامد سرفراز ،مشیر پیش امام ،مہر رفیق جوتہ، خدائے نور خان ، انور درانی ، چیئرمین سینٹ محمد میاں سومرو کے والد احمد میاں سومرو ، زوار حسین شاہ ، ملک حیدر عثمان ، رحیم بخش سومرو ، ملک وزیر علی ، نثار کھوڑو ، منظور وٹو ،اعتزاز احسن ، احمد رضا قصوری اور اے بی اعوان بھی شامل تھے۔ مجھے مرکزی رابطہ کمیٹی کا چیئرمین بنا دیا گیا۔

ایئر مارشل اصغر خان اس ملک کی سیاست کا باوقار اور باکردار نام ہے۔ملکی سیاست میں انہوں نے جرات کی عظیم داستان لکھی ہے۔وہ مشکلات سے نہیں گھبراتے مگر ان کے سیاسی فیصلوں کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔بھٹو کی رہائی کے مطالبے سے انہوں نے سیاسی سفر کا آغاز کیا پھر بھٹو کے سب سے بڑے مخالف کے طور پر ابھرے۔قومی اتحاد بنانے والوں میں پیش پیش تھے، اتحاد توڑنے میں بھی پہل کی۔ بھٹو کو کوہالہ کے پل پر پھانسی

دینے کی بات کی اور پھر بھٹو کے گھر افسوس کے لئے سب سے پہلے پہنچے۔شاہ ایران سے ملے تو امریکہ کے حلیف کا تاثر ابھارا۔ساری دنیا سے روس بھاگ رہا تھا تو انہوں نے پارٹی کے جھنڈے پر درانتی کا نشان بنادیا۔ہم بمشکل چند مہینے ساتھ چل سکے مگر آج بھی مجھے اُن کی اور اُن کی بیگم آمنہ صاحبہ کی شفقتیں اور محبتیں نہیں بھولیں۔

قومی اتحاد کا قیام

1977ء کے الیکشن میں متحدہ حزب اختلاف نے قومی اتحاد تشکیل دیا۔میں اُس کی 27 رکنی ہائی کمان کا ممبر بن گیا۔1977ء میں، میں لاہور سے صوبائی اسمبلی کا امیدوار تھا۔لاہور کے شفاف علاقوں سے نکل کر جب انتخابی مہم کے سلسلوں میں کچی آبادیوں میں گیا تو غربت کے وہ مناظر دیکھے کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے۔لاہور میرے دل کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔

الیکشن میں دھاندلی کے بعد تحریک نظامِ مصطفیٰ چلائی گئی،ایم حمزہ قومی اتحاد پنجاب کے صدر تھے،بچپن ہی سے میں ان کی سیاست سے متاثر تھا۔وہ سائیکل پر اسمبلی جایا کرتے۔1968ء میں مَیں نے قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان میں اُن کی تقریر سنی۔وہ کہہ رہے تھے، پہلے ملتان کے گداگر مشہور تھے اب ایوب خان نے پورے ملک کو گداگر بنادیا ہے۔ایوب خان نے قرضوں کی معیشت شروع کی ہے،ایک وقت آنے والا ہے جب ان قرضوں کے بدلے پاکستان کا اقتدار اعلیٰ گروی رکھ دیا جائے گا۔دوسرے دن میں نے دیکھا چوک حرم گیٹ کے باہر پولیس اُن کو دھکے دے کر گاڑی کی طرف لے جارہی ہے۔کالج پہنچ کر میں نے احتجاجی جلوس نکالا اور گرفتار ہوگیا۔

ایم حمزہ، تحریکِ نظامِ مصطفیٰ میں گرفتار ہوئے تو مجھے قومی اتحاد پنجاب کا صدر بنادیا گیا۔

قائدین تحریک کی گرفتاریاں شروع ہوگئیں،جیلیں کارکنوں سے بھر گئیں،تحریک میں مزید شدت پیدا ہوگئی۔لاہور شہر بھی بپھرا ہوا تھا کوٹ لکھپت جیل میں نواب اکبر بگٹی ہمارے ساتھ تھے۔کراچی،حیدرآباد،ملتان میں فوج نے مظاہرین پر گولی چلادی۔نواب اکبر بگٹی کہنے لگے فوج ہر جگہ گولی چلاتی ہے بنگال،سندھ،بلوچستان اور جنوبی پنجاب اس سے محفوظ نہیں مگر دیکھ لینا وہ لاہور میں گولی نہیں چلائے گی۔ہمارا موٴقف تھا فوج فوج ہوتی ہے اور وہ لاہور میں بھی گولی چلائے گی اور دوسرے دن فوج نے انارکلی میں تین نوجوانوں کو ماردیا۔ہم نے بگٹی صاحب سے کہا اب بتائیں چونکہ آپ ذہنی طور پر پاکستان کو تسلیم نہیں کرتے اسی لئے فوج کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں وہ کہنے لگے کل تک صبر کریں میں آپ کی بات کا جواب دوں گا۔دوسرے دن اخبارات کی شہ سرخیوں میں تھا کہ لاہور کے تینوں بریگیڈیئرز نے اپنا استعفیٰ پیش کردیا ہے اور کور کمانڈر جنرل اقبال بھی مستعفی ہوگئے ہیں۔نواب اکبر خان نے کہا کاش بلوچستان،بنگال اور سندھ کے شہریوں کی ہلاکتوں پر بھی کسی جنرل کا ضمیر جاگ اٹھتا!میں نے کہا کہ آپ خود بلوچستان کے گورنر تھے انہوں نے کہا میں گورنر بن جاؤں یا وزیراعظم حکم پنجاب کا چلتا ہے۔تحریک کے نتیجے میں بھٹو صاحب کا اقتدار ڈول گیا۔حزب اختلاف نے دانشمندی کا مظاہرہ کیا اور

مسائل کے حل کیلئے بھٹو صاحب سے مذاکرات شروع کیئے۔ بھٹو صاحب حالات کا اندازہ نہ لگا سکے اور مذاکرات کو طول دیتے رہے اور پھر بیرونی دورے پر چلے گئے۔ واپس آئے تو ''چڑیوں نے کھیت چگ لیا تھا۔''

مذاکرات بظاہر کامیاب ہو گئے مگر نتیجہ خیز نہ ہو سکے اور ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ قوم تقسیم ہو چکی تھی اور طالع آزماؤں کو کسی مزاحمت کا سامنا نہیں تھا۔ میں نے ملتان جا کر سیاست کرنے کا فیصلہ کیا۔ جاگیرداری کے محفوظ قلعہ پر حملے کرنے کیلئے میں نے اقتدار کی بیساکھی استعمال کی اور ایک سال کیلئے ضیاء الحق کی کابینہ میں وزیر ہو گیا۔

میرے ساتھ جن حضرات نے زندگی میں پہلی مرتبہ وزارت کا حلف اٹھایا۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ غلام الحق خان، محمد خان جونیجو، چودھری ظہور الٰہی، خواجہ صفدر، پروفیسر غفور احمد، الٰہی بخش سومرو کے والد اور محمد میاں محمد سومرو کے دادا مولا بخش سومرو، اے کے بروہی، جماعت اسلامی کے محمود اعظم فاروقی، چودھری رحمت الٰہی، میاں زاہد سرفراز، فدا محمد خان، نواب محمد عباس عباسی، نواب محمد علی ہوتی، زمان خان اچکزئی، جنرل چشتی، جنرل حسن، ائیر مارشل انعام الحق، جنرل جمال سید میاں، ایڈمرل فاضل جنجوعہ، بعد میں پروفیسر خورشید بھی شامل ہو گئے۔ جنرل فضل حق، جنرل رحیم الدین، جنرل عباسی اور جنرل سوار خان کابینہ کے اجلاس میں شریک ہوتے۔

جنرل چشتی کا مشورہ

جنرل ضیاء الحق نے اعلان کر دیا کہ سول کابینہ کو آزادانہ کام کرنے کے مواقع فراہم کرنے کیلئے تمام جنرلوں بحریہ اور فضائیہ کے سربراہوں کو کابینہ سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ ان وزراء کے لئے الوداعی تقریب تھی۔ لیفٹینینٹ جنرل جمال سید میاں مجھ سے پوچھنے لگے: یار بتاؤ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ میں ہنس پڑا، جمال سید میاں سے میری بے تکلفی ہے، میں نے کہا تم کور کمانڈر ہو مجھ سے کیا پوچھتے ہو، کہنے لگے ہمیں کچھ معلوم نہیں، تم کسی سے معلوم کر کے مجھے بتانا۔ کچھ دنوں بعد فارغ ہونے والے ایک اور وزیر لیفٹینینٹ جنرل چشتی نے مجھے فوج میں گولف کی ٹرافی اور انعامات تقسیم کرنے کیلئے بطور مہمان خصوصی بلایا۔ ہم تقسیم انعامات کے بعد چائے پر اکٹھے ہوئے تو چشتی صاحب مجھے ایک طرف لے جا کر کہنے لگے: ضیاء سے کہو کہ وہ ملک میں انتخابات کرا کے اقتدار عوام کے حوالے کر دے۔ میں حیران رہ گیا، میں نے کہا آپ کور کمانڈر ہیں میں ایک جونیئر سیاستدان، آپ مجھے درمیان میں کیوں لا رہے ہیں، اور ویسے بھی الیکشن کا اعلان ہو چکا۔ کہنے لگے میں ضیاء کو جو مشورہ دیتا ہوں اُس کے الٹ کرتا ہے۔ شاید وہ تمہاری بات سنے۔ یہ انتقال اقتدار کا آخری موقع ہے اگر انتخابات نہ ہوئے تو ضیاء الحق کی موت فطری نہیں ہوگی۔ کسی بڑے حادثے سے بچنے کیلئے انتخابات ضروری ہیں، مجھے اسلم کمال کا شعر یاد آیا۔

رہتے ہیں اِک مکاں میں مگر بولتے نہیں　　اسلم ہے میرا نام کمال اس کا نام

کابینہ میں حزب اختلاف

جنرل ضیاء الحق کابینہ کی لمبی میٹنگز کرنے کے عادی تھے۔ایک دو میٹنگز تو اٹھارہ گھنٹے چلتی رہیں، حالانکہ کابینہ کی میٹنگ سے ایک دن پہلے کور کمانڈرز اور گورنروں کی میٹنگ میں وہ بنیادی فیصلے کر چکے ہوتے۔ میٹنگ کے دوران کبھی کبھی رات کا کھانا بھی ہو جاتا۔ ایک دن میں نے دیکھا جنرل جمال سید میاں اپنی پتلون کی جیب میں پھل ٹھونس رہے تھے، میں نے کہا: جنرل صاحب یہ کیا کر رہے ہو؟ کہا یہاں تو ضائع ہو جائیں گے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین آیا نہ کانوں پر، کمرے میں باتھ روم نہیں تھا، دوسرے کمرے میں جانا پڑتا، جہاں سیکرٹری حضرات بیزار سے بیٹھے رہتے۔ ایک دن جنرل جیلانی جو امور داخلہ کے سیکرٹری تھے اور بعد میں گورنر پنجاب بن گئے، میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: میری بیوی سخت تکلیف میں ہے، براہ کرم میری وزارت کا معاملہ پہلے زیر بحث لاسکیں تو میں شکر گزار رہوں گا۔ میں نے واپس جا کر ضیاء الحق کو اُن کی مجبوری کے بارے میں بتایا مگر ضیاء الحق نے ایجنڈا کے مطابق کارروائی جاری رکھی۔ اسی کمرے میں آفتاب احمد خان سے برمحل شعر سننے کا موقعہ ملتا اور روئیداد خان کے سیاسی تجزیے بھی۔ کابینہ کے اندر گُل محمد جوگیزئی، زاہد سرفراز اور مجھے حزب اختلاف سمجھا جاتا اور جنرل ضیاء الحق ہماری طرف اشارہ کر کے کہتے: حضرات اب حزب اختلاف کی رائے بھی سن لی جائے۔ میاں زاہد سرفراز بہت لمبا تجزیہ کرتے اور دُنیا کے ہر مسئلہ کا حل اُن کے پاس موجود ہوتا۔ ضیاء الحق تنگ آ کر کہتے: میاں صاحب اب آسمان سے ذرا زمین پر واپس آ جائیں اور محفل کشت زعفران بن جاتی۔

ذوالفقار علی بھٹو................سوئے تختہ دار

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل سپریم کورٹ میں سماعت کیلئے منظور ہوئی تو سرکاری صفوں میں ہلچل مچ گئی۔ جب عدالتِ عظمیٰ نے بھٹو صاحب کو ذاتی طور پر مقدمے کی کارروائی میں شرکت کیلئے طلب کیا تو اقتدار کے ایوانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ سول کابینہ کو اعتماد میں لینے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ ایک دن اشارے میں جنرل چشتی نے جنرل ضیاء الحق صاحب سے کہا کہ بھٹو صاحب کی سزا کے سلسلے میں جو راستہ اختیار کیا گیا ہے اس سے پیچیدگیاں بڑھیں گی۔ ہمیں کوئی اور حل تلاش کرنا چاہیے۔ میں نے 5 جولائی 1977ء کو جو راستہ بتایا تھا، وہی اس کا حل تھا۔ جناب ضیاء الحق صاحب نے کہا کہ اگر 5 جولائی دوبارہ میری زندگی میں آئے تو میں اسی طرح معاملہ عدالت میں لے کر جاؤں گا اور عدالت جو فیصلہ کرے گی وہ مجھے منظور ہوگا۔ دونوں میں سے کوئی بھی صاف بات نہیں کر رہا تھا، لیکن باہر یہ افواہیں زور پکڑ رہی تھیں کہ ذوالفقار علی بھٹو کی سزا برقرار رکھی جائے گی۔ میں لاہور گیا تو میں نے برادرم مجیب الرحمٰن شامی سے اس کا تذکرہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ میں اب کابینہ میں رہنا نہیں چاہتا اور میں نے جنرل ضیاء الحق کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیا ہے۔ مجیب صاحب نے کہا کہ بہتر ہے کہ آپ فوری طور پر مستعفی ہو جائیں، تاکہ پورے ملک پہ آپ کی سوچ واضح ہو جائے اور آپ کے مستقبل کے لئے یہ فیصلہ بہتر ثابت ہوگا۔

والدِ محترم سے اپنی ذہنی کیفیت کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا: اسی لئے میں نے منع کیا تھا کہ اِس دلدل میں نہ پھنسو، اب تم موقع پرست بننا چاہتے ہو، اُن کے دیئے ہوئے عہدے کو اُن کے خلاف استعمال مت کرو۔ اگر تم سے رائے مانگی جائے تو کھُل کر اپنی رائے کا اظہار کرو اور گھر واپسی کی تیاری شروع کردو۔

اقتدار کے ایوانوں میں یہ بحث جاری تھی کہ بھٹو صاحب کی قسمت کا فیصلہ کیا ہوگا؟ بین الاقوامی دباؤ بتدریج بڑھنے لگا۔ عظیم اکثریت کی رائے تھی کہ موت کے فیصلے پر عمل کرنا مشکل ہوگا۔ 5 اپریل 1979ء کو میں دفتر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ گرین فون کی گھنٹی بجی۔ یہ جماعت اسلامی کے رہنما پروفیسر عبدالغفور احمد تھے۔ انہوں نے کہا: کہ میری اطلاع کے مطابق آج صبح بھٹو صاحب کو پھانسی دے دی گئی ہے، ایک عام آدمی کی موت بھی افسردہ کرتی ہے یہ تو ذوالفقار علی بھٹو تھے، جس کے ساتھ ہمارا تعلق تھا، ہم ایک دوسرے سے لڑتے رہے اور کئی بار مل کر روئے تھے اور ہنسے تھے، وہ کبھی میرے آئیڈیل بھی رہے تھے۔ پروفیسر غفور کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور وہ ملول تھے۔ میں ڈرائینگ روم میں آیا تو پیپلز پارٹی کے ایک سابق رکن اسمبلی کو دیکھا: میں نے خبر سنائی تو اُس نے بتایا: میں نے ریڈیو پر خبر سن لی ہے۔ میں نے اُن سے دکھ کا اظہار کیا تو وہ آبدیدہ ہو گئے، میں نے انہیں بتایا

کہ آج میں دفتر نہیں جانا چاہتا، کہنے لگے آپ دفتر نہ گئے تو میرے کام کا کیا بنے گا۔ میں نے با دل نخواستہ اپنے سیکرٹری کو گھر پر بلا کر اُن کا کام مکمل کر دیا...... سچ ہے کہ سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔

حفیظ اللہ نیازی کے ساتھ اس کی پرائیویٹ کار میں بیٹھ کر میں راولپنڈی شہر چلا گیا۔ سید فاروق گیلانی، جواب ایک سینئر بیوروکریٹ ہیں، ہمارے ساتھ تھے۔ حفیظ اللہ خان نیازی، عمران خان کے بہنوئی ہیں اور سید فاروق گیلانی طالب علمی کے دور سے میرے قریبی دوست۔ ہم نے پورے شہر میں گھوم کر دیکھا ہمیں کوئی شخص احتجاج کرتا نظر نہ آیا۔ لوگ خرید وفروخت میں مصروف تھے یا ہوٹلوں کے اندر بیٹھ کر خوش گپیوں میں محو۔ مجھے ایسے لگا کہ سارا شہر اداس ہے اور اس نے خاموشی کی پراسرار چادر اوڑھ لی ہے۔

ایک مرتبہ ہم فالکن جہاز میں اسلام آباد کی طرف محو پرواز تھے، یہ جہاز بھٹو صاحب نے خریدا تھا۔ اس میں ایک آرام دہ بیڈ روم تھا۔ ساتھ ہی ایک چھوٹا سا ڈرائینگ روم۔ باقی عملہ جہاز کے پچھلے حصے میں سفر کرتا تھا۔ مطالعہ کی میز پر مَیں، محمود اے ہارون اور ضیاء الحق اخبار پڑھ رہے تھے۔ وقفے وقفے سے گفتگو جاری تھی، محمود ہارون صاحب کہنے لگے: جاوید جی! بھٹو آپ کو اس جہاز میں دیکھتا ہوگا تو اسے تکلیف ہوتی ہوگی۔ میں نے کہا ضیاء الحق صاحب نے ان کو پھانسی دی ہے اور آپ نے بطور وزیر داخلہ اس پر عمل درآمد کرایا۔ وہ آپ دونوں کا محسن تھا۔ انہیں کمانڈر انچیف بنایا اور آپ کو چین ساتھ لے جا کر دوبارہ سیاست میں آنے کا موقع دیا۔ اسے سب سے زیادہ تکلیف جناب ضیاء الحق صاحب اور آپ سے ہوتی ہوگی۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے چہرے پر سنجیدگی گہری ہوگئی۔ اگلے دن میں ضیاء الحق صاحب سے ملنے گیا: اُن کے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر محمد ظفر نے کہا سر! میں نے سنا ہے کہ آپ مستعفی ہونا چاہتے ہیں میں نے کہا: آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ بریگیڈیئر ظفر ضیاء الحق کے بہت قریب تھے۔ وہ دونوں ایک جیسا لباس پہن کر آتے تھے، اگر ضیاء الحق سفید شیروانی میں ملبوس ہوتے تو بریگیڈیئر صاحب کی شیروانی بھی اُسی رنگ کی ہوتی۔ اگر جنرل صاحب وردی میں ہوتے تو بریگیڈیئر صاحب بھی وردی میں ہوتے۔ اُن کی رنگت سرخ وسفید تھی اور شخصیت دلچسپ کہا: آپ الگ کیوں ہونا چاہتے ہیں؟ میں اپنے حلقہ انتخاب میں جا کر الیکشن کی تیاری کرنا چاہتا تھا۔ کہنے لگے سر! میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے، آپ اطمینان رکھیں الیکشن نہیں ہونگے۔ میں نے جنرل ضیاء الحق صاحب سے استعفیٰ پر اصرار کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پہلے دفاقی وزیر کا حلف اٹھائیں، یہ زندگی بھر آپ کے کام آئے گا۔ میں اُس وقت وزیر مملکت تھا۔ میں نے دفاقی وزیر بنتے ہی ایک مہینے کے اندر وزارت سے استعفیٰ دے دیا اور گھر واپس آ گیا۔

1979ء میں جب میں دوبارہ استعفیٰ دینے کے لیے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سیکرٹریٹ میں ضیاء الحق سے ملنے کا انتظار کر رہا تھا تو پیر پگاڑا شریف بھی انتظار گاہ میں موجود تھے اور اڑھائی گھنٹے سے انتظار کر رہے تھے۔ میں پریشان ہوگیا اور سوچنے لگا کہیں پیر صاحب ناراض ہو کر چلے نہ جائیں۔ میرے ذہن میں آ رہا تھا پہلے پیر

صاحب کی ملاقات ہو گئی تو شاید مجھے آج وقت نہ ملے اور کل آنا پڑے۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا پیر صاحب بے چینی سے بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ ملٹری سیکرٹری نے آ کر کہا: صدر صاحب آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ میں نے ضیاء الحق صاحب کو ملتے ہی کہا: باہر پیر صاحب تشریف رکھتے ہیں، شاید آپ کو سٹاف والوں نے اطلاع نہیں دی۔ میرا خیال تھا ضیاء الحق چونک پڑیں گے۔ مگر انہوں نے میری بات پر توجہ دینے کی بجائے میرے ساتھ لمبی گفتگو کی۔ جس کی چنداں ضرورت نہ تھی، لگتا تھا وہ پیر صاحب سے کسی بات پر ناراض ہیں اور انہیں احساس دلانے کے لیے یہ طرزِ عمل اختیار کر رہے ہیں۔ میں باہر نکلا تو پیر صاحب ابھی تک ملاقات کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

حاکم علی زرداری کے گھر کھانے پر میرے ساتھ کی نشست پر کچیلو صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے اکلوتے بیٹے کو تاوان کے لیے اغوا کر لیا گیا تھا اور اس واقعے کو پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ اُن کے چہرے پر کوئی پریشانی نہیں تھی بلکہ وہ لطیفے سنا کر محفل کو گرم کر رہے تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے بیگم زرداری سے کہا: اکلوتے بیٹے کے باپ کا یہ ردِعمل میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔ وہ کہنے لگیں تم براہِ راست کچیلو صاحب سے کیوں نہیں پوچھتے، کچیلو صاحب نے کہا: میں آپ کو بتاتا ہوں، میں آج ہی اپنے اغوا شدہ بیٹے سے مل کر آیا ہوں وہ خیریت سے ہے۔ اغوا کنندگان نے پانچ کروڑ روپے کا مطالبہ کیا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ایک پیسہ بھی ادا نہیں کرونگا۔ پیر صاحب کے ایک اشارے سے مسئلے کا حل نکل آئے گا۔ اُن کی دُعا کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے اخبارات میں آ چکا تھا کچیلو صاحب نے دو گھڑیاں بیس بیس لاکھ روپے کی خریدیں، ایک بیٹے کو دی اور دوسری پیر پگاڑو کو بطور تحفہ پیش کی۔ اس سے زیادہ وہ دینے کو تیار نہیں تھے۔

لندن میں رحیم بخش سومرو نے ہمیں کھانے پر مدعو کیا ہوا تھا، جام صادق علی بھی موجود تھے۔ رحیم بخش صاحب نے کہا سائیں صادق علی سے پوچھیں، اس نے لندن میں نیا گھر خریدا ہے، اس کے پاس پیسے کہاں سے آئے ہیں، یہ تو کہتا تھا میں بھوکا مر رہا ہوں اور اب یہ پیر صاحب کو حروں کا خون بہا دینے کے لیے بھی تیار ہے، جو چار پانچ کروڑ بنتا ہے۔ جام صادق علی نے کہا: سائیں آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا، محمد خان (محمد خان جونیجو وزیراعظم پاکستان) نے مجھے کہا: فوراً پاکستان آ جاؤ، میں نے اسے کہا: جب تک پیر پگاڑو شریف مجھے معافی نہ دیں میں آپ کی یقین دہانی پر پاکستان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ محمد خان جونیجو نے میری مدد کی ہے۔ جام صادق علی کو آخرکار معافی مل گئی۔ پیر صاحب نے اپنے حروں کے خون کا فیصلہ خود کیا۔ میں پیر صاحب کے نیازمندوں میں سے ہوں، ہمارے ملک کی سیاست میں اُن کا بڑا مقام ہے، میں تینوں واقعات میں اُن کے طرزِ عمل کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر آج تک سمجھ نہیں آئی۔

سائبان نہ رہا

میرے والد محترم پولی کلینک اسلام آباد میں داخل تھے۔ ان کی صحت کبھی قابل رشک نہیں رہی تھی، مگر یہ ایک معمول کا طبی معائنہ تھا، کوئی خاص پریشانی والی بات نہیں تھی۔ میں نے ہسپتال انتظامیہ کو دیگر مریض بھی ان کے کمرے میں رکھنے کی اجازت دے دی۔ اگلے روز جب میں میٹنگ سے واپس ہسپتال پہنچا تو پوری دنیا بدلی ہوئی تھی، دور تک خوبصورت پھولوں کے گملے رکھے تھے،۔ جب میں کمرے کے قریب پہنچا تو پتہ چلا اندر چودھری ظہور الٰہی آئے ہوئے ہیں۔ ہم دونوں اس وقت وزیر تھے۔ جب میں کمرے کے اندر پہنچا تو وہ میرے والد کی پائنتی پر بیٹھے ان کے پاؤں دبا رہے تھے۔ کمرے کے دوسرے مریض باہر منتقل ہو چکے تھے۔ وہ غصہ سے کہنے لگے تم نے والد صاحب کا خیال نہیں کیا اور کمرے کو لاری اڈا بنا دیا ہے۔ والد صاحب نے کہا : میں نے خود مریضوں کو یہاں رکھنے کی اجازت دی تھی۔

ضمناً عرض کرتا چلوں، چودھری ظہور الٰہی کا جنوبی پنجاب میں صرف ہم سے تعلق تھا۔ 1974ء میں میرے بڑے بھائی کی شہادت پر تعزیت کے لئے وہ سب سے پہلے پہنچے۔ میرے زمانہ طالب علمی میں چودھری ظہور الٰہی جیل میں تھے، میں نے ان کی حمایت میں تحریک چلائی۔ پرویز رشید کہتے ہیں، بھٹو دور میں کوثر نیازی کے گھر قوالی ہو رہی تھی، میر افضل خان، نصر اللہ خٹک اور چودھری ظہور الٰہی موجود تھے، کوثر نیازی نے چودھری ظہور الٰہی سے کہا کہ دو طالب علم رہنما آپ کی مدد کر رہے ہیں، ایک راولپنڈی اور دوسرا ملتان سے۔ چودھری ظہور الٰہی نے برجستہ جواب دیا ملتان والا اپنے خرچ پر ہماری مدد کر رہا ہے اور پنڈی والا ہمارے خرچ پر۔ چودھری ظہور الٰہی جیل میں بیٹھ کر غریبوں کی مدد کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں کچھ مستحق لوگوں کی فہرست بناؤں جن کی مدد کے لئے فنڈز مجھے مہیا کیے جائیں اور میں ان میں تقسیم کروں۔ میں نے معذرت کر لی، البتہ چودھری پرویز الٰہی اور میں مل کر ضرورت مندوں کے گھروں میں جا کر مدد کرتے رہے۔ جب چودھری ظہور الٰہی کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا تو گلبرگ کے یو۔ سی۔ ایچ (U-C-H) ہسپتال میں اُن کی لاش پر میں پرویز الٰہی اور چودھری شجاعت حسین سے پہلے موجود تھا۔

1993ء کے انتخابات میں میں لاہور کے حلقہ این اے 96 میں حصہ لے رہا تھا۔ میری رہائش چودھری ظہور الٰہی کے گھر پر تھی۔ کارکنوں کا تانتا بندھا رہتا۔ چودھری پرویز الٰہی کے والد اور چودھری ظہور الٰہی کے بڑے بھائی چودھری منظور الٰہی نے میرے مہمانوں کی دیکھ بھال اپنے ذمہ لے لی۔ میں ان کی شفقتیں فراموش نہیں کر سکا۔

ایک دن چوہدری پرویز الٰہی اور میں مشہور انقلابی شاعر حبیب جالب کے گھر گئے، ان دنوں وہ کراچی جیل میں تھے۔ جالب کے سکول جانے والے بچوں کے پاؤں میں پھٹے ہوئے جوتے تھے۔ جب ہم گھر میں داخل

ہوئے تو ایک بوسیدہ لحاف میں سارا خاندان سردی سے بچاؤ کی کوشش کر رہا تھا۔ ان دنوں چودھری شجاعت حسین اور چودھری پرویز الٰہی کا سیاست سے دور کا تعلق بھی نہیں تھا۔ چودھری ظہور الٰہی نے میرے بارے میں کہا: یہ میرے بھائی ہیں، میرے دوست اور محسن ہیں۔ آپ پر ان کا احترام لازم ہے، چودھری شجاعت حسین نے ایک دن ماسکو میں یہ ذکر صحافیوں میں بیٹھ کر اس طرح کیا تو وہ حیران رہ گئے۔ میں نے بیٹی کی شادی کا کارڈ چودھری شجاعت حسین اور پرویز الٰہی کو بھیجا تو انہوں نے اخباری بیان جاری کیا کہ ہمیں دعوت نامہ ملا ہے لیکن ہم نے مصروفیت کی بنا پر شادی میں شرکت سے معذرت کر لی ہے۔ اس طرح کا بیان آج تک کسی نے جاری نہیں کیا ہو گا۔ یہ بیان ہمارے سماجی رویوں کی عکاسی کرتا ہے جو حالات کے جبر سے پھوٹے۔ انہی دوستوں کے دور میں میری بیٹی کو ایئر پورٹ سے گرفتار کر کے رات تین بجے تک تھانے میں بٹھایا گیا اور اسی دور میں میری بیمار بیوی کو ہسپتال سے اٹھ کر عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔ میرا دو سالہ نواسا بھی عدالت کی حاضری سے مستثنیٰ نہیں تھا۔

میری والدہ، میرے ماموں مخدوم مبارک شاہ گاؤں سے ایک ملازم نواز اور دیگر دو ملازمین چوبیس گھنٹے والد کے ساتھ رہتے۔ میں بھی رات گئے تک آتا جاتا رہتا۔ چونکہ وہ روبصحت تھے، اس لئے باقی تمام رشتے داروں اور عزیزوں کو گاؤں واپس بھیج دیا گیا۔ ایک شام میں ہسپتال سے کھانا کھانے کے لئے آیا تو ملازم نے کہا بڑی بیگم صاحبہ نے کہا ہے فوراً ہسپتال پہنچیں۔ میں پریشانی میں یولی کلینک پہنچا تو میری والدہ اور ماموں ساتھ والے کمرے میں منتظر تھے۔ میری والدہ نے کہا: میں نے اپنے خاندان کی اکثر اموات کو دیکھا ہے، آپ کے والد کا سفرِ آخرت شروع ہو چکا ہے۔ میں دوڑ کر والد صاحب کے کمرے میں پہنچا تو انہوں نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور کہا جو کچھ تمہاری ماں نے کہا، وہ درست ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ تمہیں فوراً بلا لے۔ سانس لیتے ہوئے جو خرخراہٹ تم سن رہے ہو، یہ میرے دمے کی وجہ سے نہیں ہے۔ میں عالمِ سکرات میں ہوں اور دو دن سے زیادہ زندہ نہ رہوں گا۔ میں یولی کلینک کے سینئر ڈاکٹر شوکت کے گھر پہنچا جو ڈیوٹی سے فراغت کے بعد ابھی ابھی گھر گئے تھے، انہوں نے کہا: پریشانی کی کوئی بات نہیں تمام ٹیسٹ نارمل ہیں۔ میں نے واپس جا کر والدہ کو بتایا، انہوں نے کہا جو کچھ تمہارے والد نے کہا ہے، اس پر عمل کرو۔

میں نے جنرل کے ایم عارف کو فون کیا کہ ان کا رویہ ہمیشہ مثبت ہوتا تھا، انہوں نے اگلے روز ہیلی کاپٹر کا بندوبست کیا۔ میرے والد ملتان تک سارا راستہ فصلوں، مویشیوں اور اپنے ملازم کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ ہیلی کاپٹر مخدوم رشید کے ہیلی پیڈ پر اترا تو ہزاروں لوگ استقبال کے لئے موجود تھے جو ان کی زیارت کرنا چاہتے تھے، بڑی مشکل سے ہم گھر میں داخل ہوئے۔ والد صاحب تمام لوگوں سے اس طرح مل رہے تھے جیسے انہیں کچھ ہوا ہی نہیں، میں نے والدہ سے کہا: انہیں گاؤں کی یاد ستا رہی تھی۔ میری کیفیات عجیب و غریب تھیں، مجھے لگ رہا تھا کہ ہم ایک زندہ و بیدار جسم کو قبر میں رکھنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ میرے پھوپھا مخدوم محمد عالم شاہ جو

میرے والد محترم کے گہرے دوست تھے، اپنے دوست کو دیکھتے ہی کہہ رہے تھے، جدائی کا لمحہ قریب آن پہنچا ہے۔

ہم ان کی بیماری بھول گئے تھے۔ احتیاطاً ڈاکٹر محمد حیات ظفر کو جو بین الاقوامی شہرت کے معالج ہیں اور چار نسلوں سے ہمارے خاندان کا علاج کر رہے ہیں، کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ انہوں نے تفصیلی معائنہ کیا اور کہا فکر مندی کی کوئی بات نہیں، بلڈ پریشر کم تھا اب حالت بہتر ہے۔ میرے والد صاحب ڈاکٹر صاحب کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ان کے ساتھ ورزش کرتے اور مسکراتے رہے، جونہی ڈاکٹر صاحب گھر سے باہر نکلے انہوں نے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا اور سب لوگوں کو کلمہ کے ورد کا اشارہ کیا اور پھر انہوں نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ان کی عمر 79 سال تھی۔ انہوں نے زندگی کا طویل عرصہ علالت میں گزارا۔ ان کا وجود ہم سب کی زندگیوں کے لئے محور کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہم ہر مرحلے پر ان سے رہنمائی حاصل کرتے۔ زندگی کی کڑی دھوپ میں وہ ہمارا سائبان تھے۔ اب یہ سائبان نہیں تھا۔ ان کے عقیدت مند دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ ملک کے طول و عرض میں محبت کرنے والوں نے ان کا سوگ منایا۔ ذاتی طور پر میرا صدمہ شدید تھا، بچپن سے میں ان کی توجہ کا مرکز تھا۔ میرے، بہن بھائی کوئی مطالبہ کرنا چاہتے تو مجھے آگے بڑھا دیتے وہ جانتے تھے کہ اب انکار نہ ہوگا۔ رات کو سونے سے پہلے کہانی سنانے کا مطالبہ کرتا تو وہ ہمیں بادشاہوں، پریوں اور پرندوں کی سبق آموز کہانیاں سناتے۔ میری بہنوں کو انہوں نے خود تعلیم دی۔ انہیں گھوڑوں سے عشق تھا، وہ گھر میں کفایت شعاری پہ اصرار کرتے، لیکن کسی اچھی نسل کے گھوڑے کے بارے میں بتایا جاتا تو فوراً خریدنے پر آمادہ ہو جاتے۔ میں ان کی اس کمزوری کا خوب فائدہ اٹھاتا تھا اور پیسے نکلوا لیتا تھا۔ وہ بعد میں ہنستے اور کہتے: میں آئندہ کبھی تم پر اعتماد نہ کروں گا، مگر میں پھر بھی داؤ لگا لیتا۔

ان کی جانشینی کا مسئلہ پیدا ہوا، خاندان نے میری دستار بندی کا فیصلہ کیا۔ میں خود کو اس قابل نہ سمجھتا تھا۔ مجھ سے بڑے بھائی مخدوم ناصر الدین شاہ نے مجھ پر دباؤ ڈالا لیکن میں نے صاف انکار کر دیا اور مخدوم ناصر الدین شاہ کے سر پر خاندان کی دستار رکھ دی گئی۔

میری والدہ نے کہا: اب مجھے اس دنیا میں نہیں رہنا۔ میں تو اسی دن مر گئی تھی جب میرا بیٹا اس دنیا میں نہ رہا تھا۔ میں تمہارے والد کی دیکھ بھال کے لئے زندہ تھی، اب میری ذمہ داری ختم ہوئی، میرے والد اور والدہ آپس میں کزن تھے۔ میری والدہ میرے والد سے 16 سال چھوٹی تھیں اور ان کی صحت بہت اچھی تھی۔ 1974 کے بعد وہ کبھی بستر پر نہیں سوئیں، انہیں اپنے بڑے بیٹے سے بے پناہ محبت تھی۔ ان کی موت کے بعد والدہ نے اپنی بقیہ زندگی سوگ میں گزار دی۔

1979ء میں وزارت سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اپنی زمینوں پر بھرپور توجہ دی اور پانچ مربعے نئی زمین آباد کر ڈالی۔ میں رات گئے تک کام پر جتا رہتا۔ ایک شام مجھے والدہ کا پیغام ملا کہ جلدی گھر آ جاؤ میں دوڑ کر گھر

پہنچا تو وہ حسب معمول کھانا تقسیم کر رہی تھیں، کہا میری آنکھ میں نا قابل برداشت تکلیف ہے۔ ہم نے ٹیکسی کرایہ پر لی اور نشتر ہسپتال ملتان پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صاحبان نے کہا کہ اگر آپ دیر کرتے تو آنکھ ضائع ہو جاتی۔ یہ کالا موتیا ہے۔ تاہم فکر کی کوئی بات نہیں۔ اتنی دیر میں میری بہنیں اور سارا خاندان پہنچ گیا۔ میری والدہ نے کہا تم گھر واپس چلے جاؤ اور صبح کو لوٹ آنا۔

مجھے سورج مکھی کی فصل کے پیسے وصول کرنے تھے اور ورکشاپ سے گاڑی نکلوانی تھی، میں صبح سویرے پیسے لے کر چلا، راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تو میں بس میں سوار ہو گیا۔ ملتان لاری اڈے پر اترا تو طلبہ اور ڈرائیوروں میں جنگ ہو رہی تھی۔ معصوم طلبہ ڈرائیوروں کے نرغے میں تھے۔ میں نے ان میں مصالحت کرائی اور رکشہ میں بیٹھ کر ہسپتال پہنچا۔ رکشہ سے اتر رہا تھا کہ میرے بھانجے فیض مصطفیٰ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ بڑی اماں چلی گئیں۔ یقین نہ آیا۔ میں نے کہا: کیا کہہ رہے ہو، اس نے کہا بڑی اماں آپریشن تھیٹر میں تھیں کہ یکا یک فوت ہو گئیں۔ میں آپریشن تھیٹر کی طرف بھاگا، وہ سٹریچر پر بے حس وحرکت پڑی تھیں۔ ڈاکٹروں نے انہیں ضرورت سے زیادہ انستھیزیا دے دیا اور وہ ایسی بے ہوش ہوئیں کہ پھر واپس نہ آئیں۔ ان کی واپسی کا سفر بھی غریبانہ تھا۔ کوئی ایمبولینس موجود نہیں تھی، ہم نے ایک سوزوکی ڈبے میں ان کی جسد خاکی کو رکھا اور گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو کہرام مچا تھا، ایک ایسی شخصیت کا سفر آخرت تھا جس نے ہمیشہ ضرورت مندوں، بیواؤں اور یتیموں کو سہارا دیا۔ سارے خاندان پر نہیں بلکہ ان کی شخصیت کا سایہ سارے گاؤں پہ دراز تھا۔

ڈیرے میں بیٹھے ہم بحث کرتے رہے کہ انہیں دربار شریف میں میرے والد کے پہلو میں دفن کیا جائے یا بیٹے کے ساتھ۔ میں اٹھ کر زنان خانہ کی طرف چل پڑا کہ خود ان سے پوچھ لوں۔ یکا یک یاد آیا کہ وہ تو اس دنیا میں نہیں ہیں، مجھے یہ احساس ہوا کہ اب زندگی کے تمام فیصلے تنہا کرنا ہوں گے۔ میں نے چڑیا کے بچے کو کئی مرتبہ آشیانے سے گرتے دیکھا اور اس کی بے بسی کو بھی! اپنی بے بسی کا تماشہ پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ میری والدہ میرے بھائی اور میرے والد نے مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑا، وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے ہیں...... میرے قفس کے پنجرے میں بھی...... والدہ کی وفات پر ذمہ داریوں نے مجھے رونے نہ دیا۔ ان کی وفات کے بعد میں نے ان کے لئے عمرہ کیا، تاہم میں وہاں بھی لوگوں کے سامنے دکھ کا اظہار نہ کرنا چاہتا تھا۔ میں تنہائی کی تلاش میں تھا۔ سعودی عرب سے امریکہ چلا گیا۔ میں نیاگرا آبشار میں بفلو شہر میں پہنچا، اپنے دوست ناہید رندھاوا کے بھائی کے پاس، وہ پندرہ دن کے لئے پاکستان جا رہے تھے، رونے کے لئے مجھے ایک خالی گھر مل گیا۔ نیاگرا کا پانی پہاڑوں کا دل چیر کر باہر آ رہا تھا۔ میری آنکھیں میرے دل کی ترجمان ہو گئیں، ابھی تک نیاگرا کا پانی بھی رواں دواں ہے اور میری آنکھیں بھی نم آلودہ۔

مائیں تو سب کی مرتی ہیں، مگر میری ماں نے آج تک مجھے بے سہارا نہیں چھوڑا، وہ آج بھی میری

حفاظت اسی طرح کر رہی ہیں، جس طرح کیمپ جیل لاہور میں ایک چڑیا نے آشیانے سے گرنے والے بچے کی حفاظت کی تھی، وہ اپنے بچے کو بچانے کے لئے سر آسمان پر اٹھا لیتی تھی اور بلی کو بھاگنا پڑتا تھا۔ میرے بال و پر اُگ آئے ہیں مگر ماں کی محبت کا کوئی مداوا نہیں۔ میں ان کے لئے آج بھی وہی بھاندا ہوں جو اِن کے پہلو میں لیٹا رہتا، بے بس گوشت کا لوتھڑا، چڑیا کے بچے کی طرح۔ آنکھیں بند کیے ہوئے، چونچ کھولے ہوئے، ماں کے پروں کی گرمی سے زندگی کی حرارت محسوس کرتے ہوئے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے میں اپنے بندے سے اس کی ماں سے 70 گنا زیادہ محبت کرتا ہوں، خدا اپنے بندوں سے محبت کے اظہار کے لیے ماں کے لہجے میں بات کرتا ہے۔ اس نے محبت ماپنے کے لیے ماں سے بڑا پیمانہ بنایا ہی نہیں۔

درِ کعبہ وا ہوتا ہے---

اج سانوڑے مکلایا ہر بار برہوں دا چایا
اِتھ عبد عبید سوالی جیں جو منگیا سو پایا
آ پہتم جیندیں مکے ایں شہر مبارک بکے

خواجہ فریدؒ

میں کعبہ کی دیواروں سے لپٹا ہوا تھا، حشر میں جو اعمال نامہ مجھے فرشتوں نے میرے ہاتھوں میں تھمانا تھا، میں نے خود تھاما ہوا تھا، بحرِ عصیاں میں غوطے کھا رہا تھا، لیکن ساحلِ مراد کے قرب نے ڈبکیاں کھاتے ہوئے ''لاتقنطوا'' کی جھلک دکھا کر مجھے بے باک کر دیا۔ موسیٰ کے قصے سے سبق حاصل کرنے کی بجائے میں نے ربِ آرِنی کا تقاضا کیا، کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ وہ تو جانتا ہے میں ازل کا بھلکّو ہوں مگر میں اس کا اعلان نہیں بھولا تھا۔ میں احسن تقویم ہوں میں اِنِّیْ جَاعِلُوْنَ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ کا مصداق ہوں، نائب خدا ہوں۔ میں نے کعبہ کے دروازے کی طرف دیکھا اور کہا: میں آج ہی اندر جانا چاہتا ہوں، مولودِ کعبہ کے ساتھ چند لمحے گزارنا چاہتا ہوں، صدیقؓ کے کندھوں پر چڑھ کر ختمی نبوتؐ کے ہاتھوں سے ہبل لات اور عزیٰ کو منہ کے بل گرنے کا منظر دیکھنا چاہتا ہوں، اپنے اندر کے بتوں کو کرچی کرچی کرنا چاہتا ہوں۔ میں سوچنے لگا ضروری تو نہیں کہ مجھے بھی لَن تَرانِی والا جواب ملے۔ مستجابُ الدُّعا ہونے کا زعم نہیں مگر اُس کے سمیعُ الدُّعا ہونے کا یقین تھا۔ میں نے کعبے کے دروازے پر آخری نگاہ ڈالی اور گھگھیا کر کہا: میرے لیے یہ دروازہ کیوں نہیں کھل سکتا...... اپنی رہائش گاہ پر پہنچا اور مدینہ کی روانگی کے لیے تیار ہو کر کمرے سے نکلنے لگا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف وزیرِ مذہبی امور نواب افتخار انصاری بول رہے تھے۔ کہا تمہارے پاس وقت ہو تو حرم شریف آجاؤ کعبہ شریف کا دروازہ کھل رہا ہے۔ چند لمحوں بعد میں کعبے کے اندر تھا۔ میرے ساتھ میرے خالہ زاد ارشاد علی شاہ، روزنامہ وفاق کے ایڈیٹر میاں مصطفیٰ صادق اور میرے دیگر عزیز و اقارب کو بھی یہ شرف نصیب ہوا۔ مصطفیٰ صادق صاحب نے ایک مخصوص جگہ کی طرف اشارہ کیا، جہاں حضور ﷺ نے نوافل ادا کیے تھے یہ پتھر کا ایک مستطیل ٹکڑا ہے۔ حدادب نے مجھے وہاں کھڑا ہونے کی اجازت نہ دی، اگرچہ بعد میں کئی مرتبہ وہاں بھی نوافل ادا کیے۔ میاں مصطفیٰ صادق نے بعد میں مجھے بتایا کہ کعبے کے اندر جو ردِعمل میرا تھا، وہی ذوالفقار علی بھٹو کا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو کو جب بتایا گیا کہ حضور ﷺ نے اس جگہ کھڑے ہو کر نوافل ادا کیے تھے تو وہ فوراً پیچھے ہٹے، جیسے انہیں بجلی کا جھٹکا لگا ہو اور کہنے لگے: میری کیا مجال میں اس مقام پر اپنے پاؤں رکھوں، یہ واقعہ سن کر میں نے وہ مَیل دھو ڈالی جو ذوالفقار علی بھٹو کے

لئے میرے دل میں تھی۔

مدینہ منورہ حاضری دی تو ساری رات باب جبرائیل کے سامنے گلی میں بیٹھا رہا۔ اگلے روز معلوم نہیں وزیر حرم نبوی شیخ العقلا کو میرے معاملے کی خبر کیسے ہوگئی۔ مصطفیٰ صادق صاحب اور میں ان کے بیٹے کی فضائی حادثے میں موت پر تعزیت کرنے گئے تو کہنے لگے: آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا آپ ساری رات گلی میں کیوں بیٹھے رہے؟ میں آپ کو روضے کے اندر بھیجنے کا انتظام کر دیتا۔ اب میں انہیں کیسے بتاتا، بیت اللہ میں تو میں مطالبہ کر سکتا تھا، یہاں کیسے کرتا؟ میں نے در رسالت ﷺ پر کبھی کچھ مانگنے کی جسارت نہ کی۔ کہ یہ سوئے ادب ہے۔ یوں بھی بن مانگے اتنا ملا ہے کہ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ شیخ نے دوسری رات حاضری کا بندوبست کر دیا۔ میں تنہا ریاض الجنہ میں نوافل ادا کر رہا تھا مگر روضہ انور کے اندر جانے کا حوصلہ نہ تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا، میری آلودگی مجھے حضور ﷺ کا سامنا کرنے سے روک رہی تھی۔ میں نے واپس آنے کا فیصلہ کر لیا۔ جوں ہی واپسی کے لئے اٹھا تو روشنی کا ایک کوندا میری آنکھوں کے سامنے لپکا اور وہ منظر سامنے آ گیا جب ایک بدو نے مسجد نبوی کو رفع حاجت سے گندہ کر دیا تھا۔ صحابہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضور ﷺ اپنے ہاتھوں سے مسجد کو صاف کر رہے تھے۔ فرمایا: یہ میرے مہمان کی گندگی ہے اور اسے میں خود صاف کروں گا۔ مجھے حوصلہ ہوا میں سر جھکائے، پُرنم آنکھیں لیے سامنے کھڑا تھا، مجرموں کی طرح، خدا، فرشتے اور انسان درودوں کی ڈالیاں بھیج رہے تھے۔ میں اپنی قسمت پر نازاں تھا۔ اذن باریابی نے مجھے دونوں جہانوں میں سرفراز کر دیا تھا اور دنیاوی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنے کا نیا حوصلہ ملا۔ اسی گدائی میں مَیں نے شہنشاہی پالی۔

تیسرا باب

زمینی سیاست کی انگاروادی

زمینی سیاست کی انگاروادی

جولائی 1979ء کو میں نے وزارت سے استعفیٰ دے کر زمینی سیاست کی انگاروادی میں قدم رکھ دیا۔ فیوڈل ازم کی کچھار ملتان پہنچا تو دو میل لمبے جلوس نے میرا استقبال کیا۔ وزارت سے استعفیٰ پر عوام کی یہ محبت بڑی حوصلہ افزا تھی۔ اس خطے کی روایتی سیاست میں ایک نیا عنصر داخل ہو گیا۔ جولائی میں، میں نے استعفیٰ دیا۔ ستمبر اور اکتوبر میں پورے ملک میں عام انتخابات اور بلدیاتی انتخابات ہونے والے تھے۔ میں نے ایم این اے کا انتخاب لڑنے کیلئے کاغذات نامزدگی جمع کرائے۔ الیکشن ایک بار پھر ملتوی کر دیئے گئے۔ ہم نے بلدیاتی الیکشن کی تیاری شروع کر دی۔ میرے بھائی مخدوم ناصر الدین شاہ ضلع کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے۔ جمہوریت پر یقین کی وجہ سے میرے لئے بلدیاتی پُل صراط سے گزرنا بھی ضروری تھا۔ نہ میرے خاندان کے پاس انگریز کی دی ہوئی جاگیر تھی اور نہ کوئی خطاب۔ میں نے براہ راست ان انتخابات میں حصہ لینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ میں، اس طاغوتی شکنجے سے بچنا چاہتا تھا۔

1979ء میں میرے بڑے بھائی مخدوم ناصر الدین شاہ نے انتخاب جیتا۔ علاقے میں ترقیاتی کام ہوئے اور یہ ترقی ہمارے لئے مزید کامیابیوں کا باعث بنی۔ 1983ء میں میرے چھوٹے بھائی مخدوم مختار احمد ہاشمی نے مخدوم شاہ محمود حسین قریشی کو شکست سے دوچار کیا۔ کونسلر کا یہ انتخاب اتنا اہم تھا کہ ملتان تحصیل کے تمام بااثر خاندانوں، گیلانیوں، گردیزیوں، خاکوانیوں اور بوسنوں نے شاہ محمود قریشی کی انتخابی مہم میں شرکت کی۔ دوسری سیٹ پر میرے دوسرے بھائی مخدوم ناصر الدین شاہ نے گیلانی گروپ کے امیدوار کو ہرا دیا۔ اس الیکشن کے نتائج نے میرے اسمبلی میں پہنچنے کی راہ ہموار کی۔

ہم نے جس وقت الیکشن میں حصہ لینا شروع کیا تو قومی اسمبلی کے اس حلقے میں چار ہائی سکول تھے، اِن میں ایک گرلز ہائی سکول تھا۔ اب اِن کی تعداد 84 ہو چکی ہے۔ جن میں سے 24 گرلز ہائی سکول ہیں، کوئی کالج نہیں تھا، اب چار ڈگری کالج ہیں، دو لڑکیوں کے اور 2 لڑکوں کے۔ پورے ایک درجن انٹر کالج ہیں۔ میری ترجیحات میں تعلیم اور صحت سب سے نمایاں تھیں، پھر سڑک، بجلی، سوئی گیس اور ٹیلیفون۔ میرے حلقہ انتخاب میں ساڑھے چار سو دیہات ہیں۔ ان میں ایک بھی پکی سڑک نہ تھی، اب ایک بھی گاؤں ایسا نہیں جہاں سڑک پکی نہ ہو۔ بے شمار ڈسپنسریاں (Basic Health Unit) موجود ہیں۔ اسی فیصد علاقے میں بجلی موجود ہے۔ میٹھے پانی کی بے شمار سکیمیں بروئے کار ہیں۔ بے روزگاری کے خاتمے اور زرعی ترقی کیلئے ابھی بہت کام باقی ہے۔

فیوڈل لارڈ حلقے پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے ہر اقتدار میں شامل ہوتا ہے، وہ اقتدار خواہ مغلوں کا ہو، سکھوں کا ہو، انگریزوں کا یا کالے انگریز کا۔ حلقے پر گرفت کے لیے وہ سیاسی وفاداریاں تبدیل کرتا ہے، مگر اپنے

اپنے لوگوں میں اس نظریے کا پرچار کرتا ہے کہ دھڑا دین سے بھی پیارا ہونا چاہیے، تھانہ، تحصیل پر کنٹرول اُس کی پہلی اور آخری ترجیح ہوتی ہے۔ قومی مفادات کا تذکرہ حسب ضرورت کرتا ہے۔ لاہور ہو یا ملتان میرے حلقے کے عوام مجھ سے گلہ کرتے ہیں کہ میں ملکی سیاست کو حلقے کی سیاست پر ترجیح دیتا ہوں۔ ان کا یہ گلہ بجا ہے، لیکن میں کیا کروں؟ پورا ملک ہی میرا حلقہ ہے۔ کیا اس طرز فکر کو دیوانگی کہتے ہیں؟ میں اپنا شمار فرزانوں میں نہیں چاہتا، میں ملک اور قوم کو حلقے کی سیاست پر قربان نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنی ذات اور اپنے خاندان کے وجود کو اتنا اہم نہیں سمجھتا، جس کے بغیر تاریخ کا پہیہ جام ہو جائے گا۔

1979ء میں ملتان میں ضلع کی سطح پر ہم نے ایک گروپ تشکیل دیا جس کی سربراہی سید فخر امام، سید خاور علی شاہ، سید ناظم حسن شاہ اور میرے پاس تھی۔ شہر میں ہمارا الحاق شیخ محمد رشید، بابو فیروز الدین انصاری، سعید احمد قریشی، حاجی محمد بوٹا، صلاح الدین ڈوگر اور رانا نور الحسن سے تھا۔ الحاج شیخ محمد رشید اس گروپ کی سربراہی کر رہے تھے۔ میرا ان سے محبت کا رشتہ تھا جو ان کے آخری دم تک قائم رہا۔ انہیں اپنی بات منوانے کا طریقہ اور سلیقہ آتا تھا۔ وہ پیرانہ سالی کے باوجود اپنی وفات تک ملتان شہر کی مسلم لیگ کے صدر رہے۔ ان کی وفات سے میں ایک دیرینہ ساتھی سے محروم ہو گیا ہوں۔ ضلعی چیئرمین کیلئے ہم نے گیلانی قریشی اتحاد کو چیلنج کر دیا۔ ہماری حالت بہت پتلی تھی۔ 46 ممبران میں سے 39 ممبران ایک طرف تھے۔ ہم نے 7 ممبران کے ساتھ انتخابی مہم کا آغاز کیا۔ مقصد ایک چھوٹی سی حزب اختلاف کا قیام تھا۔ گیلانی قریشی اتحاد پُر اعتماد تھا۔ خصوصی نشستوں والے الیکشن کو انہوں نے نظر انداز کر دیا۔ ہمیں موقع مل گیا، ہمارے گروپ سے رانا عبدالوحید اور سید فخر امام کے دو حامی بلا مقابلہ جیت گئے۔ ہم نے اجتماعی فیصلہ کر کے سید فخر امام کو امیدوار بنایا۔ جب ہم نے انتخابی مہم شروع کی، ہمیں توقع سے زیادہ پذیرائی ملی۔

نتیجہ آیا تو مخدوم حامد رضا گیلانی اور سید فخر امام کے ووٹ برابر تھے۔ قرعہ اندازی ہوئی اور حامد رضا گیلانی انتخاب جیت گئے مگر ان کے تجویز کنندہ کے خلاف حکم امتناہی موجود تھا۔ ہم نے قانونی جنگ شروع کی۔ مَیں مجیب الرحمٰن شامی اور ایم اے رحمٰن کا شکر گزار ہوں۔ انہوں نے ہمارا ساتھ دیا اور ہم نے مخدوم حامد رضا گیلانی کی کامیابی کا نوٹیفکیشن جاری نہ ہونے دیا اور ہائی کورٹ سے حکم امتناعی حاصل کر لیا۔ دوبارہ الیکشن ہوئے تو سید فخر امام کو واک اوور مل چکا تھا۔ گیلانی اور قریشی خاندان کی سو سالہ اجارہ داری ختم ہو چکی تھی۔ ہم سب نے پہلی مرتبہ یہ کامیابی حاصل کی تھی۔ اس اجتماعی قیادت میں ضلع ملتان نے ریکارڈ ترقی کی۔

خانیوال ضلع بنا تو فخر امام اپنی تحصیل میں چلے گئے۔ گیلانی، قریشی اور بوسن خاندانوں کی جڑیں تحصیل ملتان میں تھیں۔ مجھے بھی وہیں سیاست کرنی تھی۔ مجھے تنہا اتنے بڑے اتحاد کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے صدیوں کے اختلافات ختم کر کے جنہوں نے مجھے سیاسی طور پر کچل دینے کا فیصلہ کیا۔ مخدوم حامد رضا گیلانی کے گھر میٹنگ ہوئی۔ انہوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا: قریشی گروپ ہمارا سب سے بڑا حریف ہے مگر ہم ایک دوسرے کے

داؤ پیچ سے آگاہ ہیں، ہمیں نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے سب اختلافات بھلا دینا چاہئیں۔ جاوید ہاشمی اگر ایک مرتبہ کامیاب ہوگیا تو اُن کے قومی اور بین الاقوامی راوبط کا سامنا کرنا مشکل ہو جائے گا۔ تمام گروپوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ہر قیمت پر میرا راستہ روکا جائے۔ آج تک یہ اتحاد ہر الیکشن میں مجھے شکست دینے کیلئے منظم ہوتا ہے۔ وہ حلقے کی سیاست کرتے ہیں، جس میں ہر چیز جائز سمجھی جاتی ہے۔ میری تربیت چونکہ قومی سیاست کیلئے ہوئی لہٰذا مجھے قوم کو اولیت دینا پڑتی ہے۔ جرائم پیشہ افراد کی دل شکنی کرنا ہوتی ہے، ترقیاتی کاموں اور ملازمتوں کی تقسیم میں ہر قیمت پر میرٹ کو ملحوظ رکھنا۔ اپنے محدود معاشی وسائل میں مجھے با وسیلہ افراد کے اتحاد کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ میری جدوجہد کا یہ مرحلہ قید و بند کی صعوبتوں سے بھی مشکل ہے، لیکن میں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ عوام کا شکر گزار ہوں کہ میری سیاست کو انہوں نے زندہ رکھا۔

میری یہ خوش قسمتی تھی کہ مجھے 28، 29 سال کی عمر میں اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر کارکردگی دکھانے کا موقع ملا اور بین الاقوامی سیاست کے رموز سے آگاہی ہوئی۔ بعد میں یہ موقعہ بار بار ملتا رہا، اس لئے اسے اپنی سیاست کی عملی تربیت گاہ کے طور پر چوتھی یونیورسٹی کا درجہ دیتا ہوں۔ قید خانہ میری تربیت کی پانچویں یونیورسٹی ہے، جہاں مجھے مشکلات کا سامنا کرنے کی تربیت ملی اور نفی ذات کا درس بھی۔ قید خانہ میں انسان بے بسی کے آخری مقام پر ہوتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر پابندیاں ہوتی ہیں انہی پابندیوں میں زندگی گزارنے کی خو پیدا کرنا پڑتی ہے۔ قیدی کو قوت برداشت کا سبق ملتا ہے اور بے سروسامانی کی حالت میں اپنی سوچوں کے حصار میں مورچہ بند ہو کر جبر کی قوتوں کو ملیامیٹ کرنے کا عزم مستحکم ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کی چلہ کشی ہے جہاں تزکیہ نفس کا موقع ملتا ہے اور عرفان ذات سے معرفت کی گرہیں کھلنا شروع ہوتی ہیں۔ انسان اور خدا کے درمیان فاصلے مٹنا شروع ہو جاتے ہیں اور خدا کی حقانیت آشکار ہونے لگتی ہے۔ زندگی میں تنظیم اور ترتیب کا عمل دخل بڑھ جاتا ہے۔ اپنی ضرورتیں مختصر کرنے سے خود انحصاری کا سبق ملتا ہے۔ تنہائی میں محفل آرائی کا موقع ملتا ہے۔ رشتوں کی پہچان ہوتی ہے۔ آزادی کا ایک لمحہ قید کی پوری زندگی پر بھاری ہوتا ہے۔ مگر اس کا شدید احساس صرف قید میں ہوتا ہے۔ اس طرح آزادی کی قدر و قیمت بڑھانے میں قید خانہ کے وجود کی اہمیت سے انکار ناممکن ہے۔ خاندان اور دوستوں کی محرومیاں قید کا حصہ ہیں مگر قوم کی محرومی کو سامنے رکھا جائے تو یہ قربانی آسانی سے دی جا سکتی ہے۔

مقامی سیاست

1980ء میں سید فخر امام اور ان کے خاندان کے تمام افراد مخدوم رشید آئے اور مجھ سے کہا کہ میں جنرل ضیاء الحق سے سید فخر امام کو صوبائی وزیر بنانے کی سفارش کروں۔ میں نے کہا: آپ وفاقی وزیر کیوں نہیں بن جاتے، کہا شاید یہ ممکن نہ ہو اور ویسے بھی مرکزی کابینہ میں آپ ہمارے نمائندہ ہوں گے۔ عرض کیا کہ میں فیصلہ کر چکا ہوں اب ضیاء الحق حکومت کا کوئی عہدہ قبول نہ کروں گا۔ وزیر بننے کے بعد وہ ملتان ہوائی اڈے سے سیدھے میرے

گاؤں آئے اور شکریہ ادا کیا۔

1980ء میں مجلس شوریٰ میں شمولیت کے لیے سید فخر امام نے دوبارہ پیغام دیا تو میں نے ملک چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ سید فخر امام نے کہا: جنرل ضیاء الحق کہتے ہیں اگر وہ ملک سے باہر ہوئے تو بھی میں ان کے نام کا اعلان کر دوں گا۔ میں نے کہا: انہیں بتا دیجئے کہ میں وہیں رکنیت کی پیشکش رد کرنے کا اعلان کر دوں گا۔ میں ایک سال کے لیے ملک سے باہر چلا گیا۔ مدینہ یونیورسٹی سے لے کر نیویارک، کیلیفورنیا، ٹیکساس اور ہارورڈ یونیورسٹی میں لیکچر دینے کیلئے مدعو کیا گیا جن دانشگاہوں میں بطور طالبعلم جانا چاہتا تھا وہاں کے دانشوروں سے تبادلہ خیال کے مواقع ملے۔ میں جنرل ضیاء الحق کے غیر منتخب دور کا حصہ بننے سے محفوظ رہا۔ سید فخر امام سیاست میں ایک قابل احترام نام ہے، اپنے کردار کی پختگی، قابلیت، لیاقت اور محنت سے انہوں نے سیاست میں اپنا مقام بنایا مگر سیاسی فیصلے کرنے میں ان کا ریکارڈ کچھ ایسا قابل رشک نہیں۔ ان کے اکثر دوستوں کی رائے یہی ہے۔ 1983ء میں وہ ضلعی انتخاب ہار گئے۔ ان کے گھر میٹنگ ہوئی۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ وزارت سے مستعفی ہو جائیں کیونکہ وہ ضلع کے منتخب چیئرمین ہونے کی بنیاد پر وزیر بنے تھے۔ اب یہ بنیاد ڈھے چکی۔ وہ خاموش تھے ان کا خاندان انہیں مستعفی ہونے سے روک رہا تھا۔ میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ اگر آپ آج مستعفی نہ ہوئے تو کل سے ہماری راہیں جدا ہوں گی۔ سید فخر امام نے اسی شام پریس کانفرنس میں مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران سیدہ عابدہ حسین جو جھنگ کے ضلعی چیئرمین کا الیکشن جیت چکی تھیں، ملتان پہنچیں۔ انہوں نے سید ناظم حسین شاہ کو اور مجھے بھی بلایا اور کہا کہ سید فخر امام کو وزارت سے مستعفی ہونے کا کہیں، وہ آپ کی بات مان جائیں گے۔ سید ناظم حسین شاہ نے انہیں بتایا کہ وہ تو پہلے ہی مستعفی ہونے کا اعلان کر چکے۔ سیدہ عابدہ حسین خوشگوار حیرت میں ڈوب گئیں۔

بُلٹ نہیں بیلٹ

ضیاء الحق صاحب 1985ء کے انتخابات کے نتائج کی پیش بندی کر رہے تھے۔ ملتان کے ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل حمید گل نے ہمیں بُلایا اور کہا: گجرات میں ہم نے روایتی حریفوں میں معاہدہ کرا دیا ہے اور تمام نشستوں پر مقابلے کے بغیر اتفاق رائے سے فیصلہ ہو جائے گا۔ ہم نے نوابزادہ گروپ اور چودھری شجاعت حسین گروپ میں یہ سیٹیں تقسیم کر دی ہیں۔ آپ بھی قومی اسمبلی کی پانچ پانچ نشستیں لے لیں۔

ان کے ملٹری سیکرٹری کرنل ٹیپو نے کہا ''اس طرح نہ جیبیں ٹوٹیں گی اور نہ مٹی پھانکنا پڑے گی'' ہم نے بلا مقابلہ ایم این اے بننے کی اس پیشکش کو قبول نہ کیا اور انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا۔

میرا مقابلہ برکلے یونیورسٹی امریکہ کے فارغ التحصیل چوہدری عبدالرحمٰن واہلہ سے تھا۔ ان کا خاندان 35 سال سے یہ نشست جیت رہا تھا۔ ان کے والد مرحوم کے پاس انگریزوں کی دی ہوئی 180 مربع کی جاگیر تھی اور میرے والد محترم کے پاس پانچ ذاتی مربعے۔ صوبائی سیٹ پر شاہ محمود حسین قریشی مدمقابل تھے، ان کے پاس

بھی انگریزوں کی عطا کردہ جاگیریں تھیں۔یہیں پر بس نہیں 'ملتان کے تمام جاگیردار ان کی پشت پر کھڑے تھے۔سابق وفاقی وزیر گیلانی خاندان کے سربراہ مخدوم حامد رضا گیلانی، سابق ایم این اے یوسف رضا گیلانی، قریشی خاندان کے سربراہ مخدوم سجاد حسین قریشی سابق ایم این اے بوسن خاندان کے سربراہ ملک اکرم خان بوسن، کھگہ خاندان کے سربراہ پیر قمرالزمان شاہ کھگہ 'ڈاہا، خاکوانی، گردیزی اور ہراج خاندان' ان کی الیکشن مہم چلا رہے تھے۔میں نے اپنے حلقے کے لوگوں کو جمع کیا اور ساری صورتحال اُن کے سامنے رکھ دی۔سب سے بڑا مسئلہ وسائل کا تھا۔میرے ساتھیوں میں زیادہ تر غریب اور متوسط طبقے کے لوگ شامل تھے۔میری درخواست پر انہوں نے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔سب سے زیادہ مجھے رحیم بخش عرف بڈھو محلہ قصاباں نے متاثر کیا، جس نے مٹی کے دس مٹکے لا کر انتخابی دفتر میں رکھ دیئے۔

مور ناتواں کا قافلہ جادہ پیمائی کیلئے تیار تھا، میں نے شیشہ گرانِ فرنگ کے احسان نہ اٹھا کر سفالِ پاک سے مینا و جام پیدا کرنے کا مہنگا شوق پال لیا تھا۔میں خاص طور پر اپنے ان رشتہ داروں اور دوستوں کا احسان مند ہوں۔ایس ایچ ہاشمی، میاں عبدالمالک آرائیں، میاں خادم حسین آرائیں، مہر شاہ محمد سہو، عبدالودود شاہ ہاشمی، عبدالشکور شاہ ہاشمی، چودھری محمد اقبال گجر، چودھری محمد شریف سنگھیڑہ، چودھری محمد اسلم سنگھیڑہ، حاجی اللہ دتہ بلوچ، مہر محمد یوسف ہانسلہ، مخدوم حاجی گامن شاہ، مخدوم غلام محی الدین شاہ، دلباغ ہاشمی، عبدالرب، چودھری نعمت علی، چودھری محمد اصغر سدھو، چودھری گوہر علی آرائیں اور چودھری حبیب احمد نے اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر میری انتخابی مہم کے لیے اخراجات مہیا کیے اور ان میں سے کچھ احباب نے ایک ایک جیپ خریدی۔اُن میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو شاید اس سے پہلے کسی کار یا جیپ میں سوار بھی نہ ہوئے ہوں گے۔جہانیاں میں حکیم احمد سعید سلمانی، حکیم عبدالمجید، شیخ محمد سلیم کا گھر اور مطب اور چودھری محمد اسلم وفا کا قلم مسلسل مجھے کمک پہنچاتے رہے۔میرے لئے انہوں نے سب کچھ کیا، میں اُن کیلئے کچھ نہ کر سکا۔اُن میں سے میاں خادم حسین آرائیں، شیخ عابد علی، حافظ ملک محمد حیات کھوکھر اور میرے دیگر ساتھی میری اسیری کے دوران سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔میں اُن کے جنازوں میں بھی شریک نہ ہو سکا۔لیکن میں نے اُن سے جو عہد کیا تھا اُس پر قائم ہوں۔پاکستان کے پرچم کو پوری دنیا کے پرچموں میں سربلند کرنے کا عہد۔

یہ میری زندگی کا سخت ترین انتخابی معرکہ تھا۔میں بمشکل 1200 ووٹوں کی معمولی برتری سے کامیابی حاصل کر سکا۔میں خوش تھا کہ میں نے خیرات کی سیٹ لینے کی بجائے عوام کا دروازہ کھٹکھٹایا' بھوک برداشت کرنے والوں نے اپنے جیسے ایک شخص کو اپنی نمائندگی کا اعزاز بخش دیا تھا۔بلٹ (Bullet) کی بجائے میں نے بیلٹ (Ballet) کو ترجیح دی۔کوئی میرے پینل میں صوبائی اسمبلی کا امیدوار بننے کو تیار نہ تھا۔یہ انتخاب بھی مجھے خود لڑنا پڑا۔الیکشن کے آخری دنوں میں جنرل حمید گل نے مجھے بلایا ناصحانہ انداز میں کہا کہ میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات

میں شاہ محمود قریشی کے حق میں دستبردار ہو جاؤں۔ ان کے والد مخدوم سجاد حسین قریشی بھی تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا جنرل صاحب دونوں میرے بیٹے ہیں جو بھی ہارے گا، میرا گھر برباد ہوگا۔ میں نے کہا: جنرل صاحب! اپنے محترم والد کے حکم کی وجہ سے میں نے ہمیشہ مخدوم صاحب کا احترام کیا ہے۔ یہ اگر گھر کا معاملہ ہے تو ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے دفتر تک کیسے پہنچا؟ میں نے وردی والے کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور الیکشن ہار گیا، لیکن اگر الیکشن بار بار ہوتے رہیں تو آخرکار متوسط طبقے کی قیادت ہی اُبھرتی ہے۔ مخدوم شاہ محمود حسین قریشی کی سیاست میں ٹھہراؤ آ گیا ہے اور گذشتہ آٹھ سال سے وہ حزب اختلاف کی سیاست کر رہے ہیں۔

سپیکر کا انتخاب

ہم اسمبلی میں پہنچے تو پہلا مرحلہ سپیکر کے انتخاب کا تھا۔ خواجہ صفدر کے مقابلے میں جنرل ضیاء الحق کی تائید حاصل تھی۔ سید فخر امام کو ہم نے امیدوار سپیکر قومی اسمبلی نامزد کیا۔ اسی دوران جنرل صاحب نے اپنے برادر نسبتی ڈاکٹر بشارت الٰہی اور سینیٹر طارق چودھری صاحب کے ذریعے ایک مصالحتی فارمولا پیش کیا۔ فارمولا یہ تھا کہ سید فخر امام اور خواجہ صفدر انتخابات سے دستبردار ہو جائیں اور مجھ ناچیز کو بلا مقابلہ سپیکر بنا دیا جائے۔ میریٹ ہوٹل میں ملک نور حیات نون کے کمرے میں میٹنگ ہوئی۔ جس میں ملتان سے ہمارے گروپ کے بنیادی رکن سابق وزیر اور موجودہ ایم پی اے سید ناظم حسین شاہ بھی موجود تھے۔ سید فخر امام نے میرے حق میں دستبردار ہونے کا اظہار کر دیا۔ ڈاکٹر بشارت الٰہی سے میرا محبت کا رشتہ ہے، میں نے ان کے اصرار کے باوجود سپیکر بننے سے انکار کر دیا، کیونکہ یہ اصول کا معاملہ تھا۔ جب ہم اسمبلی میں پہنچے تو حزب اختلاف کا کوئی تصور نہ تھا۔ کیونکہ ہم سب آزاد تھے اور ضیاء الحق اس نظام کے خالق تھے۔ جب اس وقت کے دانشوروں نے سوال اٹھایا کہ اس اسمبلی میں حزب اختلاف کا وجود کیسے عمل میں آئے گا تو ہم نے کہا: وزارتوں کی پیش کش کو ٹھکرا کر یہ کام ہم کریں گے۔ ہم نے اسمبلی میں حزب اختلاف قائم کرنے کا اعلان کیا۔ اس کا نام آزاد پارلیمانی گروپ (IPG) پڑ گیا، مجھے اس کا پہلا سیکرٹری جنرل منتخب کر لیا گیا۔ ہم نے پریس کانفرنس میں مطالبہ کیا کہ مارشل لاء فوری طور پر اٹھایا جائے۔ نوابزادہ نصر اللہ خان اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے اعزاز میں ہم نے عصرانوں کا اہتمام کیا۔ تین سال کا یہ دور میری زندگی کا سخت ترین دور ہے۔ نظام کا حصہ ہونے کی وجہ سے سیاسی جماعتیں ہمیں شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ جنرل ضیاء الحق اور محمد خان جونیجو کو یہ ننھی منی حزب اختلاف گوارا نہ تھی۔ میرے خاندان پر یہ ابتلا کا دور تھا۔ مظفر گڑھ میں میری زمینوں کی ملکیت کا تنازعہ کھڑا کر دیا گیا۔ مصطفیٰ کھر کے بھائی اس میں پیش پیش تھے۔ بعد میں مرتضیٰ اور ملک غازی کھر تے، جو قومی اسمبلی کے ممبر تھے، مجھ سے معذرت کر لی اور میں نے دل کی گہرائیوں سے انہیں معاف کر دیا۔

1985 کی بجٹ تقریر میں، میں نے مطالبہ کیا کہ دفاعی بجٹ اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ اس جائز مطالبے کو بغاوت سمجھا گیا۔

آٹھویں ترمیم کی سیاہ رات

مارشل لاء اٹھانے سے پہلے وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے متبادل نظام تجویز کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ میں نے وہاں حزب اختلاف کی نمائندگی کی اور اس کمیٹی نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ پارلیمانی نظام ہی ملک کے لئے بہترین ہے۔

جب یہ طے پایا گیا کہ صدارتی کی بجائے پارلیمانی نظام ہی پاکستانی عوام کی امنگوں کا ترجمان ہے تو 1973 کے آئین کا خود بخود بحال ہونا لازم ہوگیا، جس میں صدر کی حیثیت کا تعین پہلے ہی ہو چکا تھا۔ ضیاء الحق صاحب نے آنے والے حالات کی پہلے ہی پیش بندی، آر سی او کے ذریعہ، کر لی تھی جو انہوں نے اسمبلی کے معرض وجود میں آنے کے بعد جاری کیا تھا۔ اس کے تحت انہوں نے اپنی حیثیت کو آئین سے بالاتر قرار دے دیا تھا۔

وہ اسمبلی سے اپنے اِن اقدامات کی توثیق چاہتے تھے، انہوں نے مارشل لاء کے خاتمے کو ایسی آئینی ترمیم سے مشروط کر دیا جو نہ صرف اُن کے آٹھ سالہ دورِ حکومت کے تمام اقدامات کی توثیق کرے، (حتیٰ کہ ریفرنڈم کے ذریعے صدر بننے کی حمایت بھی) بلکہ ہمیشہ کیلئے صدر کو وسیع اختیارات دے کر (کٹھ پتلی) پارلیمنٹ کے طور پر کام کرے۔

نئی حکومت اُن کی اپنی تخلیق تھی، لہٰذا وہ اُن کے احکامات ماننے کو تیار ہوگئی۔ وزیر قانون اقبال احمد خان نے قومی اسمبلی میں 1973ء کے آئین میں آٹھویں ترمیم کا بل متعارف کرایا۔ اس بل میں ضیاء الحق صاحب کو دوسرے اختیارات کے علاوہ از خود آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار بھی دے دیا گیا۔ یہ ایک خوفناک بل تھا، ہم نے اس کے خلاف بھرپور احتجاج کیا، حتیٰ کہ حکومت کو یہ مسودہ قانون واپس لینا پڑا اور ضیاء الحق صاحب تمام معاملات مذاکرات کے ذریعے طے کرنے پر آمادہ ہوگئے، اُن سے ہمارے طویل مذاکرات ہوئے اور اس دوران نیا مسودہ پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔ آئین میں تبدیلی کے فردِ واحد کا اختیار واپس لے لیا گیا، تاہم صدر کے باقی تمام اختیارات باقی رکھے گئے، اسمبلی توڑنے کا اختیار، فوجی سربراہوں کا تقرر، گورنر اور وزرائے اعلیٰ کا تقرر اور وردی کی بقا۔

ہم نے اسمبلی میں اپنے تقریروں میں تاریخی حوالے دیتے ہوئے کہا کہ اگر اس مسودے کو آئین کا حصہ بنا دیا گیا تو ملک سیاسی طور پر عدم استحکام کا شکار ہو جائے گا۔ میں نے طویل تقریر کی جس کو پڑھنے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آئین کی بالادستی کی خواہش اور اس کیلئے جدوجہد کا سفر کتنا کٹھن ہے اور بیس سال بعد بھی ہم اسی جگہ پر کھڑے ہیں اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکے۔

(AT THIS STAGE THE CHINESE DELEGATION ARRIVED AND OCCUPIED THEIR SEATS IN THE SPEAKER'S GALLERY

جناب والا! ہمارے ملک کی آئینی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ ہمارے ماضی کی آئینی جدوجہد کا نتیجہ قابل فخر نہیں ہے...... بدقسمتی یہ ہے کہ اس آئینی اختلاف کے نتیجے کے طور پر ملک کو تقسیم کر دیا گیا، اس وقت بھی یہ کہا گیا کہ جس کے پاس طاقت ہے، بات اسکی مانی جائے گی۔ جناب والا! جب یہ بات چل رہی تھی کہ اسمبلی کا اجلاس بلایا جائے، اُس وقت ملک متحد تھا۔ یہ اعلان کیا گیا کہ ہمیں ایک صوبے میں اکثریت حاصل ہے اور فوج بھی ان کی پشت پر کھڑی تھی، فوجی حکمرانوں نے اسمبلی کے حقوق سے جب انکار کیا تو ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک طرف فوج کی طاقت تھی، ایک پلڑے کے اندر۔ لیکن کیا فوج اس ملک کو بچا سکی؟ اُس وقت جو فوج تھی وہ بڑی طاقتور فوج تھی۔ وہ شکست خوردہ فوج نہیں تھی، بڑی طاقتور فوج تھی۔ جناب والا! جو لوگ منتخب ہوئے تھے، انہوں نے طوفانی انداز سے طاقت اور اکثریت کا مظاہرہ کیا۔ طاقت تھی، فوج تھی، لیکن نتیجہ کیا نکلا کہ آج ہمارا ایک بازو ہم سے جُدا ہو چکا ہے۔ آج پھر ہم ان معاملات پر بحث کر رہے ہیں، طعن و تشنیع کی باتیں ہوتی ہیں۔ میں کسی کو کچھ کہہ سکتا ہوں، کوئی مجھے کچھ کہہ سکتا ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ ہمیں کہہ لینی چاہیے ایک دوسرے کو۔ لیکن جب ہم قومی معاملات پر بحث چلا رہے ہوں تو قوم کے ماضی کو پیش نظر رکھتے ہوئے بات کو آگے بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم کہتے ہیں کہ دستور میں کونسی تبدیلی لائیں یا کونسی نہ لائیں۔ آٹھویں ترمیم کی بات اگلا مرحلہ ہے۔ جناب والا! ابھی یہ کل کی بات ہے کہ یہاں پر بل لایا گیا اور بل لاتے ہی یہ کہا گیا کہ قاعدہ 91 کو معطل کیا جائے اور اس بل پر بحث شروع کر دی جائے۔ ہم نے عرض کیا جناب! ایسا نہ کیجئے، آئین میں ترمیم کا مسئلہ بڑا حساس مسئلہ ہے۔ 1973ء کا آئین جو اتفاق رائے سے بنا تھا اور اس میں تبدیلیاں لانے کا مسئلہ ہے۔ فوج نے اگر اس کے اندر تبدیلیاں کی ہیں تو اس کی جسٹیفکیشن ہم تمام صوبوں کو دے سکتے ہیں کہ جناب! 1973 کے آئین میں فوج نے اپنی مرضی کے مطابق تبدیلیاں کی ہیں، ہمارا اس سے کیا تعلق ہے؟ لیکن جناب وزیر برائے انصاف و پارلیمانی امور نے فرمایا تھا کہ یہ بل اس وقت آیا جب مذاکرات کا مرحلہ شروع ہو گیا۔ اچھی بات ہوئی، مذاکرات ہوئے، ایک دوسرے کے معاملات کو سمجھنے کی کوشش کی گئی کہ کون کہاں پر کھڑا ہے، لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ وہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ اختلافات سامنے آ گئے۔

اس کے بعد دوبارہ بل لایا گیا ہے تو اس میں بھی بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور آئین بہرحال آئین ہے۔ اس آئین پر بڑی مشکل سے اجماع ہوا ہے۔ بلوچستان کے لوگوں نے اس کیلئے ووٹ دیا ہے، سندھ کے لوگوں نے اس کیلئے ووٹ دیا، سرحد کے لوگوں نے اس کیلئے ووٹ دیا، پنجاب کے

لوگوں نے ملکر ایک consensus ڈویلپ کر کے ایک آئین بنایا۔ اگر اس میں ہم نے تبدیلیاں لانا ہیں تو اس اسمبلی کو اختیار ہے، یہ ایک خودمختار ادارہ ہے۔ جو یہ اختیارات چھیننا چاہتے ہیں۔ ہم اُن کے خلاف جنگ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ لیکن آج دستور میں تبدیلیاں لانے سے پہلے سوچ بچار کیلئے ٹھنڈے دل سے بات کرنے کو کہا جائے تو کسی کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے، نہ اس وقت کوئی گروپنگ ہے۔ ہم آزادانہ طور پر منتخب ہو کر آئے تھے، ہم اپنے آپ کو آزاد کہہ رہے ہیں۔ جناب والا! ہمیں صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات کے مسئلے پر اختلاف ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر صدر کو زیادہ اختیارات دیئے گئے..... تو وہ ہمارا ماضی جو 56ء کا ہے جس کے اندر سکندر مرزا اور غلام محمد نے بیٹھ کر اسمبلی کا مذاق اڑایا تھا، دستور کا مذاق اڑایا تھا، وہ صورتحال پیدا نہ ہو اِن خدشات کی وجوہات بھی موجود ہیں کہ صدر محترم جو ہیڈ آف دی سٹیٹ ہیں۔ قانون اور آئین کے مطابق اسمبلی کا فیصلہ سننے کی بجائے پہلے چاہتے ہیں کہ گروپنگ کریں ابھی سے جو ہیڈ آف دی سٹیٹ ہے، جو چیف ایگزیکٹو نہیں ہے، اگر اس طریقے سے بات کا آغاز کرے گا تو شکوک وشبہات کی لہریں پھیلتی جائیں گی اور ہمیں احساس ہو گا کہ خدانخواستہ ہماری وہ ہسٹری جو ہمارے لئے باعثِ شرم ہے، کیا ہم اس کو دہرانے پر تو نہیں آ گئے؟ اور اگر اس تاریخ کو دہرائیں گے تو نتائج، وفاق کے مزید منتشر ہونے کی صورت میں سامنے آئیں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں صدر کو صدر رہنے دینا چاہیے۔ ان کی عزت، احترام، ان کے تقدس، ان کے معاملات پر ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ایوان صدر کی دیواروں پر یہ لکھا ہوا ہو کہ صدر کو رہا کرو۔

جناب والا! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں ہماری نظروں کے سامنے ملک چھوٹا ہوا ہے، ملک کی تنزلی ہوئی ہے، لیکن کسی جرنیل کی، کسی افسر کی، کسی بیوروکریٹ کی کوئی تنزلی ہوئی؟ اس جدوجہد میں ہم اکیلے نہیں ہیں۔ ہمارے او پی جی کے دوست بڑی ہمت کے ساتھ، بڑے حوصلے کے ساتھ اس مرحلہ وار جدوجہد میں شانہ بشانہ چلے۔ ان کی اپنی دشواریاں تھیں لیکن ایک سوچ، ایک فکر اور ایک احساس نظر آیا اور consensus ڈویلپ ہو گیا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ 22 رکنی صفدر کمیٹی او پی جی کی تھی، صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات جو انہوں نے پروپوز کئے تھے اور جو او پی جی کے نمائندوں نے تجویز کئے تھے۔ ہمیں اس بات پر کوئی تکلیف نہیں ہے کہ اس کا کریڈٹ کس کو جاتا ہے۔ یہ کریڈٹ اور ڈسکریڈٹ کی بات نہیں ہے۔ جناب والا! ہم کھلے دل سے کہتے ہیں کہ جو فیصلہ آپ نے کیا وہی فیصلہ ہاؤس کے باہر کمیٹی نے کیا تھا۔ جناب والا! ایوان میں باتیں اس طریقے سے کہی گئیں کہ آپ جو تھوڑے سے لوگ ہیں، آپ جو ایک مختصر گروپ ہیں، آپ کو پتہ ہے کہ اس ہاؤس میں سے لوگوں کو اٹھا کر باہر.....

جناب ڈپٹی چیئرمین: ایک منٹ We have them send off

(اس مرحلے پر چینی وفد سپیکرز گیلری سے اٹھ کر باہر چلا گیا) (تالیاں)

جناب والا! گزارش یہ ہے کہ میں کوئی چوتھی یا پانچویں مرتبہ بول رہا ہوں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ ہمارے سپیکر فخر امام صاحب جب تشریف رکھتے ہیں تو مجھے کبھی موقعہ ملا نہیں ہے اور جب آپ تشریف رکھتے ہیں تو آپ پہلے ابتداء میں کہہ دیا کرتے تھے کہ بھئی! آپ نے اختصار سے بولنا ہے، شکر ہے آج آپ نے درمیان میں کہا ہے، ابھی میں نے آدھ گھنٹہ اور بات کرنی ہے۔

جناب والا! میں اپنے بھائیوں سے، یہ کہتا ہوں کہ یہ ہاؤس بڑی مشکلوں سے بنا ہے اس ہاؤس کو یہ الزام دیا جائے گا کہ وہ باتیں جن پر قوم 1973ء میں متفق تھی، آپ نے 1985ء میں اس پر سمجھوتہ کرلیا، ہماری غلطیوں کی وجہ سے، سیاستدانوں کی غلطیوں کی وجہ سے کچھ لوگ برسر اقتدار آئے اور ان کے اقتدار کو آٹھ نو سال ہوگئے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جناب! ہم نے غلطی کی تھی، آپکو سیاستدان اقتدار میں لے آئے تھے۔ آپ نے مارشل لاء کے ذریعے جو غلطیاں کیں ہم اس کو قانونی تحفظ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن جناب والا! ہم اپنی غلطیوں کی سزا پاچکے، آپ کی غلطیوں کو غلطی کہنے کی بجائے ویلڈیٹ کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن ہمارا آئین جو 1973ء کا آئین تھا، متفقہ دستاویز تھی، پوری قوم کا ڈاکومنٹ تھا، آپ ہماری دستاویز ہمیں واپس کردیجئے۔ اپنے ماضی کا ویلڈیشن آپ لینا چاہتے ہیں، آپ لے لیجئے، اس ایوان کو فیصلہ کرنے دیجئے۔ اگر منتخب نمائندے صدارتی نظام چاہتے ہیں تو وہ بھی بسروچشم قبول کرنے کو تیار ہوں گے، اگر یہ ایوان میجارٹی کی بنیاد پر پارلیمانی نظام چاہے گا تو وہ بھی بسروچشم قبول کرنے کیلئے تیار ہیں۔ یہ ایوان دباؤ میں اگر وحدانی طرز حکومت لائے گا جو اس ترمیم کے اندر پیش کیا جارہا ہے تو اس تبدیلی سے صوبوں کی خود مختاری چھن رہی ہے اور ہم وحدانی طرز حکومت کا ذائقہ پہلے ہی چکھ چکے ہیں۔

ایک معزز رکن: پوائنٹ آف آرڈر، سر! آپ نے فرمایا تھا کہ اختصار سے کام لیں، یہ اختصار سے کام لے رہے ہیں۔

مولانا سید شاہ تراب الحق قادری: انہوں نے فرمایا کہ 1973ء کا آئین ہمیں دے دیا جائے، اگر آپ وعدہ کریں کہ یہ ہماری جان جلدی جلدی چھوڑ دیں گے تو میرے پاس بک موجود ہے، انہیں دے دی جائے۔

جناب جاوید ہاشمی: مجھے ویسے شاہ تراب الحق صاحب کی عقل اور دانش سے یہی توقع تھی کہ کتاب دینے سے کام چل جائے گا، کیونکہ یہ وہاں درس میں بچوں کو کتابیں دے کر ہی خوش کرتے ہیں.....

جناب والا! میں عرض کررہا تھا کہ صوبائی خود مختاری کا مسئلہ اہم ترین مسئلہ ہے جو اس آئین کے ذریعے تبدیل کیا جائے گا، پہلے الزام پنجاب پر رہا ہے کہ پنجاب نے بندوق دکھا کر وحدانی طرز حکومت قبول کروائی تھی، سندھ کے ممبران سے اور وہاں کی اسمبلیوں سے، ہم آج وہ الزام دوبارہ اپنے دامن پر نہیں لینا چاہتے۔ ہم ان صوبوں کی خود مختاری کیلئے کوئی سودے بازی کرنے کیلئے تیار نہیں۔ ہم صوبوں کی آزادی، ان کی سربلندی چاہتے

ہیں۔میرے بلوچستان کو اگر زیادہ اختیارات حاصل ہوں تو میرے وقار کی بات ہے۔ میرے سندھ کے لوگوں کو زیادہ آزادی حاصل ہو تو وہ پاکستان کی آزادی ہے۔اگر سرحد کے جیالوں اور پنجاب کے بہادروں کو جرات اور آزادی کے ساتھ بات کرنے کا حق حاصل ہو تو وہ پاکستان کی سربلندی ہے۔ہم صوبوں کے سر قلم ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے، نہ ہم کرنے والوں کا ساتھ دینا چاہتے ہیں۔

National Assembly of Pakistan

THE CONSTITUTION EIGHTH AMENDMEND BILL 1985

جناب والا! عرض کرر ہا تھا ہماری آئینی جدوجہد کے سفر کا آغاز ہوا۔نو سال تک 1956 تک بہت سارے مراحل میں سے ہم گزرے۔اس سرزمین کو سرزمین بے آئین کہا گیا،1956ء تک قرارداد مقاصد کے مراحل آئے۔1954ء کا آئین بننے سے پہلے ہی مار دیا گیا۔1956ء کا آئین جب بنایا گیا تو اس میں بھی ہماری تاریخ کا ایک عجیب پہلو ہے، ہمارے جتنے آئین بنے ہیں یا قبول ہوئے ہیں، ان کے نہ چل سکنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پیچھے ایک فرد بیٹھا تھا، اس نے کہا میرے تحفظات ہیں اور میں 1956ء کے آئین کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ جناب والا! اس کا نتیجہ کیا نکلا کہ 1956ء کے آئین میں سکندر مرزا کیلئے اختیارات بڑھائے گئے اور پھر اس نے منظوری دی لیکن ایک فرد کی خواہشات کے مطابق بننے والا آئین کتنے عرصے تک اس ملک پر لاگو رہا۔ وہ دو سال تک نہ چل سکا۔1958ء میں ہمارے ملک کی عظیم عسکری حقیقتوں نے realize کیا کہ ہم صرف اقتدار کے آلہ کار کیوں بنیں۔ انہوں نے بندوق کے بل بوتے پر، انہوں نے گولی کے زور پر 1956ء کا آئین، جس طریقے سے بھی بنا تھا، اس کے پرخچے اڑا دیئے اور وہ آئین مقدس نہ رہا۔ مارشل لاء ہمارے ملک میں نافذ ہوا اور مارشل لاء کو کہا گیا کہ یہ سپریم لاء ہے، مارشل لاء قوم کو نجات دینے والا قانون ہے۔

جناب والا! ان سارے دلائل میں سے کسی میں بھی جان نہیں رہی، مارشل لاء بھی قوم کو زندگی نہ دے سکا، ملک کی نجات کا واسطہ نہ بن سکا۔1958ء میں آنے والا مارشل لاء چار سال کے بعد ایک اور آئین لے کر میدان میں آ گیا اور فرد واحد نے کوشش کی کہ پوری قوم کو اپنی مرضی کے مطابق آئین دے، اگر وہ آئین قوم کو منظور نہیں ہے تو اس نے کہا کہ پھر مارشل لاء موجود ہے۔تمہارے پاس Choice کیا ہے یا مارشل لاء قبول کر و یا 62ء کا آئین قبول کرو، ہم نے اس وقت بھی مصلحت کوشی کی، جیسا کہ آج سوچ رہے ہیں۔ ہماری مصلحت کوشی یہ تھی کہ یہ آئین ابھی تسلیم کر لو، کچھ نہ ملنے سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ حقوق تو ملنے چاہئیں، مارشل لاء نہیں جائے گا تو ظلم کی رات لمبی ہو جائے گی۔اس لئے اس مارشل لاء کے دیئے ہوئے 62ء کے آئین کو وقتی طور پر قبول کر لو، چند مصلحت کرنے والے لوگوں نے جو سمجھتے تھے کہ ہم ملک کی بڑی ہمدردی کر رہے ہیں، وقتی تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو جھکا دیا۔62ء کا آئین کچھ قوتوں نے تسلیم کر لیا لیکن قوم نے تسلیم نہیں کیا تھا اور اس 62ء کے آئین کا ردعمل ہماری قوم

کے اندر نظر آیا، مشرقی اور مغربی پاکستان میں اس کے خلاف مسلسل جدوجہد جاری رہی، پی ڈی ایم نے اور مشرقی پاکستانی بھائیوں نے کہا کہ ہم مارشل لاء کو نہیں مانتے۔ اس جبر کے آئین کو نہیں مانتے۔ آئین تو انسانوں کا آپس میں ایک مقدس معاہدہ ہوتا ہے کہ وہ کونسا آئین ہے اور کونسی سوچ ہے جس کے سانچے میں ہم اپنے آپ کو ڈھال کر رہنا چاہتے ہیں۔ یہ معاہدہ جو ہم سے ایک بندوق والا کرانا چاہتا ہے، یہ معاہدہ تو نہیں ہے یہ تو surrender ہے، ایک ڈکٹیٹر کے سامنے اور مارشل لاء دینے والے کے سامنے، ایک طرف وہ بندوق دکھا رہا ہے اور دوسری طرف ہم دستخط کر رہے ہیں۔ تو کروڑ مسلمانوں نے 46ء میں عہد کیا تھا اس عہد کو بندوقوں کے زور سے ان کی مرضی کے خلاف توڑنے کیلئے مارشل لاء لیکر کھڑے تھے اور کہتے تھے کہ معاہدہ کرو۔ اب اس معاہدہ کی کیا حیثیت ہے؟ دنیا میں جہاں بھی جبر نے معاہدہ کرایا ہے، جہاں بھی گولی اور بندوق نے معاہدہ کرایا ہے، آپ یورپ کی دونوں عظیم جنگوں کو دیکھ لیں، انسانیت کی پوری بھری ہوئی تاریخ کے اندر دیکھ لیں، مجبوروں نے وقتی طور پر تو سر جھکایا ہے لیکن جب بھی انہیں موقع ملا ہے ان کی آزادی کی جبلت عود کر آئی ہے۔ انسان نے سر اٹھا کر چلنا سیکھا ہے۔ اس نے کہا کہ ہم اپنا سر اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا سکتے ہیں لیکن گولیوں اور بندوقوں کے آگے زبردستی ہمارے سر جھکاؤ گے تو اس کے اثرات منفی ہوں گے۔ 62ء کا آئین دینے والے فرد نے خود اس کو منسوخ کیا اور اسے اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا اور پھر ایک نیا مارشل لاء دیکر گوشہ نشین ہو گیا اور اسکے بعد جو آنے والا تھا تو اس نے آتے ہی کہا کہ دیکھو! اگر تم پاکستانی زندہ رہنا چاہتے ہو اور شرافت کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ ایک ضابطہ اخلاق بناؤ۔ ایل ایف او (L.F.O) کے آگے جھکو گے تو تم سویلین لوگوں کو اقتدار دے دونگا اگر تم نے معاہدہ نہ کیا تو فیصلہ پھر بندوقوں کی گولیوں سے ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو مجبور ہیں، ہم کچھ بھی نہیں ہیں، لیکن ہم ایک بات کر سکتے ہیں کہ ہم الگ رہیں گے، ہم بُرے سہی ہم بُروں کو الگ بیٹھنے دو، ہم فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں ہیں، ہمارے قد چھوٹے ہیں، تم بڑے قد والے لوگ ہو تم الگ رہو، ہم چھوٹے قد والے الگ رہیں گے، ہمیں کھانے کا طریقہ نہیں آتا تم انگریز کی اگر معنوی اولاد ہو زیادہ اچھی انگریزی بول کر ہم پر مسلط ہونا چاہتے ہو تو تم اپنا گھر بسالو۔ ہم تمہارے ساتھ نہیں بسیں گے اور اس وقت بنگالیوں نے سرحدوں سے باہر دیکھنا شروع کیا کہ کوئی نجات دہندہ آئے اور انہیں اس جبر سے نجات دلائے، کوئی گولی والا آئے، کوئی بندوق والا آئے۔ جگجیت سنگھ اروڑا ایسے ڈھاکہ کے اندر نہیں گیا تھا۔ اس کو ڈھاکہ تک پہنچانے کیلئے ہماری بندوق کا اثر تھا۔ آج سیاستدان کو گالی دی جاسکتی ہے، لیکن یہ ایک sequence ہے، تاریخ ہے، تاریخ کا ایک مسلسل بہاؤ تھا کہ یحییٰ خان نے کہا کہ میں اکثریت کی بات نہیں مانتا، میں اکثریت کی امیدوں اور آدرشوں کو کسی قیمت پر قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں، اس مجبوری میں قومیں پھر یہ سوچتی ہیں پھر وہ باہر کی طرف دیکھنا شروع کر دیتے ہیں، جناب پھر 72ء آ گیا، یحییٰ خان صاحب چلے گئے اور جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب آ گئے۔ انہوں نے پہلے 72ء کا

آئین دیا اب اگر جبر کے تحت مانا ہوا آئین زیادہ مقدس ہوتا تو 72ء کا آئین تین دن کے اندر بنا تھا۔ میں مانتا ہوں کہ تین دن کے اندر validity ہوئی تھی اور indemnity دی گئی تھی، لیکن جناب ساتھ یہ تھا کہ اگر یہ نہیں مانو گے تو پھر میں مارشل لاء کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ جناب بھٹو صاحب نے اپنے آپ کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کہا اور اس ایوان کے اندر جہاں آج ہم بیٹھے ہیں، کل کو پتہ نہیں کہ ہم کہاں ہوں گے، لیکن جو لوگ اس وقت بیٹھے تھے، جو اس وقت نمائندگی کرنے آئے تھے، یہی خامی اور غلطی ان سے ہوئی تھی، جس کی طرف آج میرے ان بھائیوں کی توجہ نہیں جا رہی، انہوں نے کہا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو اگر مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہے تو کیا ہوا۔ یہ بہت اچھا آدمی ہے، یہ عوامی قوتوں کا نمائندہ ہے۔ جب یہ بیٹھا ہے تو یہ صدر ہو یا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہو یا وزیراعظم ہو، کچھ بھی ہو یہ جو قانون لانا چاہتا ہے، ہم اس کو تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں اور بہت بڑی اکثریت نے اس وقت کے مارشل لاء کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا سر! آج ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم کبھی تو باعزت ہو کر اس دروازے سے باہر جائیں، ہماری پانچ سال کی کارکردگی ایسی ہو کہ ہم عزت سے باہر نکل سکیں، یہ نہ ہو کہ ہمیشہ قومی اسمبلیوں کو توڑا جاتا رہے اور انہیں دھکیل کر باہر پھینک دیا جاتا رہے۔ ہمیں اپنے ماضی سے سبق سیکھنا ہوگا۔ جناب بھٹو صاحب نے 73ء کا آئین دیا ہم اسے آسمانی صحیفہ نہیں کہتے، ہم نہیں کہتے کہ قوم کی نجات صرف 73ء کے آئین ہی میں موجود ہے، لیکن ایک بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس 73ء کے آئین کو جو چار سال چلا اور یہ زمین بے آئین جس میں 37 سال میں سے صرف گیارہ سال تک آئین نافذ رہا اور وہ بارہ سال بھی سازشوں کا دور رہا اور آئین کو توڑنے کا دور رہا، جناب والا! 73ء کا آئین چلتا رہتا تو جناب ذوالفقار علی بھٹو جو ہم میں موجود نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، انکے بارے میں جو میرے جذبات ہیں وہ میرے ذاتی جذبات ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے 1975ء میں آئینی ترمیم کر کے اپنے آپ کو عدالتوں اور مقننہ سے بالاتر کرنے کی کوشش کی، عدلیہ کو اپنے پاؤں کے نیچے روندنے کی کوشش کی اور...... قوم نے کہا آپ طاقت کی بنیاد پر ملک کو چلائیں گے اور آئین کے پرخچے اڑائیں گے؟ تو ultimately بھٹو صاحب کو کیا ملا۔ وہ 1973ء کا آئین نہ رہا، نہ اس 73ء کے آئین نے 77ء میں بھٹو صاحب کی حفاظت کی، نہ جناب والا! 1969ء کے ضابطہ اخلاق نے یحییٰ خان کی حفاظت کی، نہ 1962ء کے آئین نے ایوب خان کی حفاظت کی، نہ 1956ء کے آئین نے سکندر مرزا کی حفاظت کی۔ اس لیے جن لوگوں نے یہ سوچا تھا کہ آئین اپنی مرضی سے بنا رہے ہیں، تمام ضابطے ہمارے پاؤں کے نیچے ہیں، نہ وہ رہے اور نہ آئین۔

جناب سپیکر! میں عرض کر رہا تھا کہ یہاں پر ہماری تاریخ میں بڑی مثالیں پڑی ہیں کہ افراد نے اپنے تحفظ کیلئے آئین کو ثانوی حیثیت دی اور نہ وہ آئین انہیں محفوظ رکھ سکا، نہ آئین کو ان سے تحفظ مل سکا۔ ہماری افسوسناک تاریخ کے بعد اب جس مرحلے پر ہم کھڑے ہیں اور آٹھویں ترمیم کا بل ہمارے سامنے ہے موجودہ

آئین میں جو ترامیم پیش کی گئی ہیں جناب والا، یہ ترمیمیں آئین میں نہیں کی جا رہی ہیں، آر سی او میں کی جا رہی ہیں اور آر سی او ایک فردِ واحد کا دیا ہوا ہے اور آئین کا بقول ان کے حصہ ہے، وہ آئین ہے اور ہم سب آر سی او کے پابند ہو چکے ہیں، بقول ان کے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ آر سی او یا ترامیم جو ایک فردِ واحد نے کی تھیں، اس وقت کی جب اسمبلی معرضِ وجود میں آ چکی تھی، اسمبلی بن چکی تھی، ان 237 معزز اراکین کی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے نفی کی اور دنیا کو یہ بتانا چاہا کہ پارلیمنٹ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ اس آئین اور ادارے سے بالاتر ہیں۔ انہوں نے یہ آئینی ترمیمات آر سی او کی صورت میں پیش کر دیں حالانکہ اس وقت اسمبلی بھی وجود میں آ چکی تھی پھر وہی فردِ واحد کی خواہش...... اب جو آئین فردِ واحد کی خواہش پر بنائے گئے یا ان میں ترامیم کی گئیں، ہمیں دیکھنا ہوگا کہ اس ترمیمی بل کی ضرورت کیا پاکستان کے 9 کروڑ عوام نے محسوس کی ہے، کیا یہ ان کا مطالبہ ہے اور کیا یہ ان کا تقاضا ہے کہ 1973ء کے آئین میں ترمیمات ہونی ضروری ہیں، کیا عوام کی طرف سے یہ مطالبہ ہے، ارکان اسمبلی کی طرف سے یہ مطالبہ ہے، یہ مطالبہ کس طرف سے ہے؟ یہ مطالبہ نہ پاکستان کے 9 کروڑ عوام کی طرف سے ہے کہ اس آئین کے اندر ترمیمات لائی جائیں نہ یہ مطالبہ اس فلور پر اسمبلی کے ممبران نے کیا ہے، یہ مطالبہ نہیں آر سی او کی صورت میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا ایک حکم ہے اور وہ حکم یہ ہے کہ اگر مجھے تسلیم کرتے ہو تو مارشل لاء کو ہٹایا جا سکتا ہے اگر مجھے تسلیم نہیں کرتے ہو، آئین کو تبدیل کرنے کی میری حیثیت کو چیلنج کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی حیثیت سے تجاوز کر رہے ہو، ایاز قدرِ خود بشناس والی بات ہے، تم کیسے بیٹھے ہوتے اس ایوان میں، جب تک ہم آپ کے انتخابات نہ کرواتے، آپ کی حیثیت صرف اس لیے ہے کہ مارشل لاء نے آپ کو اذنِ باریابی بخشا اور ان کے حکم کی تعمیل میں ان ایوانوں کے دروازے آپ پر کھولے گئے، اگر آپ اب اندر آئے ہیں تو اب آپ پر ایک Moral Obligation ہے اور Obligation یہ ہے کہ آپ پر جن لوگوں نے یہ دروازے کھولے ہیں ان کی حیثیت کو تسلیم کرو، ان کے اقتدار کو دوام بخشو، ان کی حیثیتوں کو بالاتر سمجھو اور ان آداب سے اپنے آپ کو واقف کرو، اگر آدابِ شہنشاہی سے واقف نہیں ہو تو پھر اپنی حیثیتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

جناب والا! یہ ہم پر حکم ہے، دربارِ شاہی سے ہم پر احکامات کا نزول ہو رہا ہے۔ جناب والا! ہم مسلمان، جن کا ذہن، جمہوری قدروں پر آگے بڑھنے والا ذہن ہے اور ہم مسلمان جو اپنے نبی آخر الزماں ﷺ کو مانتے ہیں جب بھی کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو وہ ہمیں سکھاتے ہیں کہ عمر ابن خطاب کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ جناب والا یہ آپ فیصلہ کر رہے ہیں، مجھے اس کی Justification دیں۔ اگر نبی کی ذات، اس طریقے کی تربیت دیتی ہے کہ نبی کی ذات اپنے آپ کو سوال کا جواب دینے سے بالاتر قرار نہیں دیتی تو جناب، اس خدا کی سرزمین پر ہم خدا کے بندوں کی شہنشاہت قبول کرنے پر تیار نہیں، ہم یہ چاہتے ہیں اگر قوم کا مطالبہ ہو، ہماری ضرورتیں ہوں، اسمبلی کے ممبران جو کہ عوام کے ترجمان ہیں وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے اندر تبدیلیاں لائی جائیں تو پھر 1973ء کے آئین

کے اندر جو ہم جیسے لوگوں نے بنایا تھا، ہم خرابیاں دور کر سکتے ہیں، ہم کب ضد کرتے ہیں کہ 1973ء کا آئین آسمانی صحیفہ ہے۔ ہم کب کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی آخری کتاب، نعوذ باللہ، ہے، ہم کب کہتے ہیں؟ ہم کب کہتے ہیں کہ وہ معاہدہ عمرانیات کی ایک document ہے، ہم کہتے ہیں کہ 1973ء کا آئین، اس ملک کے نمائندوں کو اس ہاؤس کو ہر طریقے سے تبدیل کرنے کا اس کے اندر ترمیمیں لانے کا پوری طرح حق حاصل ہے، لیکن جناب والا! ہم سے کہا جا رہا ہے کہ ہم آر سی او کے اندر امنڈمنٹس لائیں اور آر سی او کو ہی آئین سمجھیں، اگر آر سی او کو ہم آئین نہیں سمجھتے تو پھر یہ کہتے ہیں کہ تمہاری سمجھ پر پردہ پڑا ہوا ہے، تمہاری سوچیں مفلوج ہو چکی ہوئی ہیں، تم ایم آر ڈی کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہو، تم باہر کی طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہو، تم اس ایوان کے وقار کو Delaying tactics سے مجروح کر رہے ہو، اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھتے کہ اس آر سی او کو ملک کے نمائندوں نے بنایا تھا تو جناب والا، یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ جو ہیں ان کا کام یہی ہے، انہوں نے فلاں کام کیا تھا، ان کے باپ نے، ان کے دادا نے، ان کے پڑدادا نے اور ہمارا شجرہ نسب اٹھا کر بتاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہم کن Lines پر جا رہے ہیں، ہم کیا کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں۔ ایسا کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے؟ اس لیے میں عرض کروں گا کہ اب بھی 1956ء، 1962ء اور 1973 کے آئین کی طرح عوامی امنگیں کسی آئین کے اندر ترمیم کا مطالبہ نہیں کر رہی ہیں، آج بھی پاکستان کی intelligentia، پاکستان کے کروڑوں عوام، پاکستان کے محنت کش، پاکستان کے دانش ور، یہ مطالبہ لے کر سڑکوں پر نہیں کھڑے کہ یہ 1973ء کا آئین ہمیں منظور نہیں ہے اور اے ہمارے نمائندو! تمہیں ہم نے اس لیے ووٹ دیا تھا کہ تم ہاؤس میں جا کر 1973ء کے آئین کو بدل دینا، ہم یہ mandate لے کر نہیں آئے، ہمیں 1973ء کے آئین میں تبدیلیوں کے لیے نہیں بھیجا گیا...... ہم پر دباؤ ہے اگر تم لوگوں نے یہ نہ کیا تو پھر وہ نہیں ہوگا، لیکن مجھے بتایئے کہ میرا ذہن جو کہ اتنا اونچا نہیں ہے، میں اپنی سوچوں کی پرواز کو اتنا نہیں پاتا، مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ جب ہم نے پہلے ہر منوانے والے کی بات مان لی، ہم نے سکندر مرزا کی بات مان لی، ہم نے جناب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی بات مان لی، ہم نے جنرل آغا محمد یحییٰ خان کی بات مان لی، ہم نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی بات مان لی، ہم نے ان کی باتیں تو مانیں، لیکن نتیجہ کیا نکلا، کیا مارشل لاء ہمیشہ کیلئے دفن ہوا، نہیں ہوا، جناب والا! کیا پاکستان کا وجود مستحکم ہوا، نہیں ہوا جناب والا، کیا قوم کے اندر یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہوئی، ایسا نہیں ہوا، جناب والا! ہمیں آج بھی یہ ڈر ہے، ہم جس بات سے خوفزدہ ہیں، وہ یہ ہے کہ خدانخواستہ کل کو اکائیاں جو یونٹ مل کر ایک فیڈریشن بنا رہی ہیں، یہ کہیں وہ 1973ء کے اندر کچھ مجبوریوں کے ساتھ اکٹھے ہوئے تھے کہ شاید 1973ء کا آئین، آنے والے دور کے لیے معاہدہ عمرانی ہوگا، ایک مقدس دستاویز ہوگی، مگر اس پر عمل نہیں ہوا۔ آج جب یہ نمائندے جمع ہوئے ہیں، ہمیں ہمارا علیحدگی کا حق واپس مل جائے، جناب والا! ہم یہ سوچ کر آئے تھے کہ ہمیں ہمارا civil rule واپس کر دیا جائے گا اور جو ساڑھے آٹھ

سال کے اندر انہیں کرنا پڑا، ان کے ماضی کا تحفظ ہم فراہم کریں گے اور ہمارے سیاسی عمل کا تحفظ وہ فراہم کریں گے۔ لیکن اگر آج ہم سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ دستاویز جس پر ایک دفعہ قوم مجتمع ہوتی تھی۔ اس دستاویز کو ہم بدل کر رکھ دیں اور اپنی مرضی سے نہیں...... ممبران بیٹھے ہوئے ہیں انہیں معلوم ہے 237 ممبروں میں سے کتنے سوچ کر آئے تھے کہ ہم نے جاتے ہی آئین میں ترمیم کرنی ہے اور ہمیں 1973ء کا آئین قبول نہیں ہے، ہمیں اس کو بدلنا ہے، یہ کوئی سوچ کر نہیں آیا تھا۔ ہاں ضرورت ہوئی، ہمیں محسوس ہوا کہ ہماری فیڈریشن 1973ء کے آئین کے اندر نہیں چل رہی تو ہم اس میں ترمیم کر سکتے ہیں بلکہ اس کے اندر صوبوں کا اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ فیڈرل یونٹس کو ہم نے جو حقوق دیے اگر وہ آج ایک مارشل لاء کے خوف کی وجہ سے چھین لیے جائیں تو جناب والا! محرومیاں ضرور جنم لیں گی اور ہر صوبے کے اندر سوچنے کے انداز ضرور مختلف ہوں گے، اسی طریقے سے اگر ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ 1973ء کے آئین اسلام کے نفاذ کے اندر رکاوٹ بن گیا ہے۔ 1973ء کا آئین مسلمانوں کی امنگوں کے اندر دیوار بن کر کھڑا ہے، ہمیں 1973ء کا آئین عزیز نہیں ہوگا۔ اس کے لیے ہم گردنیں کٹوانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے، اسلام کے راستے میں 73ء کا آئین دیوار ہے نہ فیڈریشن کے راستے میں رکاوٹ ہے، نہ وزیر اعظم اور صدر کے اختیارات کے اندر۔ ہمیں شکوہ ہے نہ گلہ ہے کہ وزیر اعظم کے پاس اختیارات کیوں تھے، تو پھر کس لیے ہم اس میں ترمیمیں لا رہے ہیں۔ کس لیے یہ ترمیمی بل یہاں پر لائے ہیں۔ سیدھی بات تھی یہ ترمیمی بل لانے کی بجائے validation کی بات ہوتی۔ انڈیمنٹی کی بات ہوتی، ہم وہ دیتے۔ validation دیتے، وہ ہماری مجبوری تھی، وہ کوئی خوشی سے نہ دیتے، ہم انڈیمنٹی کو اس کی روح سے اس کے لفظ سے پہچانتے ہیں، اس لیے اگر ہم انڈیمنٹی دیتے تو وہ ایک معافی اور تلافی کا قانون تھا کہ جو آپ سے ہوا اس کی آپ کو معافی اور جو حاضرہ دور ہے اس کے اندر ان عوام کے ان نمائندوں کو ان کا حق ملنا چاہیے کہ وہ اس ملک کی رہنمائی کر سکیں لیکن اگر صرف آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس طریقے سے چند وورز جن کو اس لیے اپنے ساتھ ملا لیا جائے کہ وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اس ایوان کا سودا اس اقتدار اعلیٰ کا سودا صرف اس لیے کر دیں کہ ہمیں مارشل لاء کی بجائے سول مارشل لاء مل جائے وہ آج نہیں تو کل جانا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ مارشل لاء جب بھی گیا چھوٹے یونٹوں کو یہی دھڑکا رہا ہے کہ مارشل لاء واپس آ جائے گا اور جناب والا میں آپ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اس ترمیمی بل کے اندر اگر اس کی تشریحات یا تفصیلات پر جائیں تو جتنی کلاز انہوں نے دی ہیں اس میں سے ایک کلاز بھی ایسی نہیں جسے قوم کے مطالبے پر ترمیم کیا جا رہا ہو، جسے عوام کی خواہشات کے مطابق ترمیم کیا جا رہا ہو یہ صرف اور صرف ہم اپنے وجود کو محفوظ کرنے کیلئے اپنی کرسیوں کو مضبوط کرنے کے لیے اور اپنے آپ کو مستحکم کرنے کیلئے کر رہے ہیں۔ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی سازش کا حصہ ہمیں نہیں بننا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم قوم کے نمائندے ہیں اور یہ بل قوم کی آواز کو صرف فرد واحد کی وجہ سے

دبانے کی ایک کوشش ہے، ان کوششوں کا حصہ ہمیں کسی لمحے پر نہیں بننا چاہیے اور اس وقت ہمیں یہ سوچنا ہے کہ قوم ہم سے امیدیں اور نظریں لگا کر بیٹھی ہے، کسی کے ذاتی کردار پر یہاں پر بہت کچھ ڈسکس کیا گیا۔ میں آپ کے سامنے پوری قوم کا دکھ رکھنا چاہتا ہوں کہ اس آئین کو جس پر بڑی مشکلوں سے اتفاق رائے پیدا ہوا تھا یہ پہلے ہی متنازعہ فیہ چیز بن گئی ہے، اگر ہم بھی اس کو controversial issue بنائیں، اس کو خود اپنے ہاتھ سے توڑیں خود اپنے ہاتھ سے اس میں ایسی تبدیلیاں لے آئیں تو پھر جناب والا وہ لوگ جو بقول آپ کے اس ملک کے اندر پہلے ہی تخریب کاری چاہتے ہیں، انتشار چاہتے ہیں، ملک کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں، جو وطن پر مختلف نئے نئے نعروں کے ساتھ میدان میں آ رہے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ ہم نے مقابلہ کرنا ہے ان کا سامنا کرنا ہے، تو پھر ہمیں یہ کہنا ہوگا کہ قوم کے نمائندوں نے 1973ء کے آئین پر دوبارہ 1985ء میں بھی اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ پوری قوم کو اجتماعی سوچوں کو اپنا مطمع نظر بنایا گیا ہے اور اسی کو اپنا جزو ایمان بنایا ہے۔

یہی ہماری سوچ ہے، یہی ہماری فکر ہے پاکستان زندہ باد۔

The constitution (Eighth Amendment) Bill- 31 Oct 1985

اب میں ریفرنڈم کی طرف آتا ہوں۔ جناب والا! ریفرنڈم میں قوم صدر محترم کے خیال سے اتفاق نہ کرے اگر ریفرنڈم کے نتائج صدر محترم کے خلاف ہیں اور عوام یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہماری اسمبلی کو چلنا چاہیے تو کیا اس میں کوئی ایسی کلاز بھی رکھی گئی ہے کہ صدر محترم کو پھر اس صورت میں استعفیٰ دینا پڑے، ایسا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ صرف اگر اہتمام کیا گیا ہے تو صدر کو پروٹیکشن دینے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ پرائم منسٹر کو غیر محفوظ رکھا گیا ہے، اسمبلی کو توڑنے کا اہتمام کیا گیا ہے، لیکن کسی لمحے پر بھی صدر محترم کو ہٹانے کیلئے کوئی اہتمام نہیں ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر صدر محترم کے ریفرنڈم کے مطابق مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوئے تو اس صورت میں لکھا جانا چاہیے کہ پھر صدر محترم استعفیٰ دیں گے، کہ قوم کو ان کی سوچ سے اتفاق نہیں، میرا عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس پوری کلاز کے بعد ہماری صورت حال یہ ہوگی کہ ہم اسمبلی کے اختیار withdraw کریں گے اور اپنی پاورز سے بھی جو ہمیں عوام نے دی ہے، جو 1973ء کے آئین نے ہمیں دی ہے۔ یہ بل لانے کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ اسمبلی کو قائم کرانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ تم اگر آ گئے ہو الیکٹ ہو کر ایوان میں تو تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ تم اپنے اختیارات سے withdraw کرنے کا اعلان کرو۔ اگر تم اپنے اختیارات سے withdraw نہیں کرتے تو پھر تم سوچ لو مارشل لاء کا...... مارشل لاء کے تسلسل کا......''

اسمبلی بحث کے ساتھ جناب ضیاء الحق سے مذاکرات کا سلسلہ بھی جاری تھا، وہ ہمیں کبھی ترکی کے آئین کی مثالیں دیتے اور کبھی کہتے آپ مجھے بھارت کے صدر سردار ذیل سنگھ جیسے اختیارات دینے کو بھی تیار نہیں ہیں، چالیس روزہ بحث کے دوران وہ ہمارے کچھ ساتھیوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے، جس پر اسمبلی

کے اندر تلخی ہوگئی۔ انھوں نے کہا آپ لوگ اپنی حالت پر غور کریں، آپ ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتے، میں نے عرض کی کہ یہ دنیا کی ہر پارلیمنٹ کے اندر ہوتا ہے لیکن انھوں نے اسی بات کو بہانہ بنا کر کہا: اب آپ لوگوں کو تربیت کی ضرورت ہے، پھر انھوں نے کہا اگر میری تجاویز مان لی جائیں اور مجھے اسمبلی سے خطاب کرنے دیا جائے تو میں وردی اتارنے کا اعلان اپنی تقریر کے دوران کروں گا۔ میرے ساتھی اُن کے جھانسے میں آ گئے، اگر چہ میں نے اس کی شدت سے مخالفت کی۔

آٹھویں ترمیم پر رات ایک بجے تک بحث جاری رہی، دوسری طرف سپیکر کے کمرے میں سمجھوتے کی کوششیں بھی جاری تھیں۔ رات کے بارہ بجے شیخ رشید کمرے میں داخل ہوئے اور کہا: اسمبلی کی عمارت کو ٹینکوں نے گھیر رکھا ہے اور اگر ہم نے آٹھویں ترمیم منظور نہ کی تو تباہی آ جائے گی۔ حاجی سیف اللہ خان جو آٹھویں ترمیم کے راستے میں دیوار بنے ہوئے تھے مجھے کہنے لگے: ضیاء الحق اپنے وعدے پر عمل کرتے ہوئے وردی اتارنے پر بالکل تیار ہیں، سیدہ عابدہ حسین بھی خاموش تھیں، ڈاکٹر شیر افگن جو کہتے تھے 73ء کے آئین میں تبدیلی لائی گئی تو میں زندہ نہ رہوں گا، رام ہو چکے تھے۔ میرے تمام ساتھی اپنی رائے میں تبدیلی لا چکے تھے، میں بطور احتجاج کمرے سے نکل گیا۔ آٹھویں ترمیم دو تہائی اکثریت سے منظور ہوگئی۔ صرف چند سر پھروں نے اس کے حق میں ووٹ نہ دیا، مجھے آخرِ شب کے ہمسفروں سے راہ بدلنے کا کوئی گلہ نہ تھا۔ لیلیٰ شب اپنی زلفیں دراز کر چکی تھی۔ جمہوریت کے محمل پر شب خون پڑ چکا تھا۔

اگلے دن جناب ضیاء الحق صاحب پارلیمنٹ سے خطاب کر رہے تھے، وہ شیروانی میں تھے، انھوں نے ایک طویل تقریر کی۔ حاجی سیف اللہ اور ہمارے دوسرے ساتھی اس انتظار میں تھے کہ صدر ابھی وردی اتارنے کا اعلان کریں گے لیکن انتظار کے لمحے طویل ہوئے، آخر تنگ آ کر ایک چٹ صدر کو بھیجی گئی اور انہیں وردی اتارنے کا وعدہ یاد دلایا۔ صدر صاحب نے عینک لگا کر چٹ کو پڑھا اور اسے اپنی شیروانی کی جیب میں ڈال لیا اور تقریر جاری رکھی۔ وردی کے بغیر فوجی حکمران اور پانی کے بغیر مچھلی کیسے زندہ رہ سکتے ہیں، قوم سے وعدہ کرنا تو جنگی حکمت عملی کا حصہ ہے اور ویسے بھی جنگ اور محبت میں ہر چیز جائز ہے۔

جب سید فخر امام نے محمد خان جونیجو کے خلاف رولنگ دی تو میں نے اس سے اختلاف کیا۔ خواجہ طارق رحیم، محمود اے ہارون، سردار آصف احمد علی، الٰہی بخش سومرو، سید نصرت علی شاہ، ظفر اللہ خان جمالی اور مخدوم حامد رضا گیلانی رولنگ کے حق میں تھے، حالانکہ میں جونیجو صاحب کے زیر عتاب تھا۔ وہ میری حق گوئی کو تلخ گوئی سمجھتے تھے مگر میں سمجھتا تھا، اگر وزیر اعظم کو پارلیمنٹ کی حمایت نہ ملی تو وہ جنرل ضیاء الحق پر انحصار کریں گے اور ضیاء الحق انہیں بچانے کے بعد سپیکر کے خلاف سرگرم ہو جائیں گے۔ ہمارے کچھ ساتھیوں کا خیال تھا کہ ضیاء الحق محمد خان جونیجو کے بعد بہتر آدمی کا انتخاب چاہیں گے اور وزیر اعظم کے لیے فخر امام سے بہتر اور قابل قبول شخص پورے

ہاؤس میں موجود نہیں ہے۔ ضیاء الحق سے یہ توقع نہ کی جا سکتی تھی، وہ ایک دھیمے وزیر اعظم کو نکال کر ایسے وزیر اعظم کو لے آئیں جو ان کے کنٹرول میں نہ ہو۔

ان دنوں میں سیدہ عابدہ حسین کا گھر آزاد گروپ کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ گروپ کے تمام ممبران ان کے گھر کے جمع ہوتے اور پارلیمنٹ میں اپنی کارکردگی کے بارے میں اگلے دن کا لائحہ عمل تیار کرتے۔ 1985ء سے 1990ء تک وہاں ممبران کا جمگھٹا رہتا اگر کوئی ممبر غیر حاضر ہوتا تو سیدہ عابدہ حسین اس سے خود رابطہ کرتیں اور اس کی حاضری کو یقینی بناتیں۔ ڈاکٹر شیر افگن کی اسمبلی کی رکنیت کا مقدمہ لڑنے کے لیے بھاری فیس کی ادائیگی کے لیے انہوں نے ہماری جیبوں سے پیسے نکلوائے اور انہیں ساتھ لے کر امام بری کے مزار سے لے کر ہر اللہ والے کے پاس گئیں۔ منتیں مانی گئیں اور جب ڈاکٹر شیر افگن کی رکنیت بحال نہ ہو سکی تو وہ رو رو کر بے حال ہو گئیں۔ ایک دن ہم پارلیمنٹ میں داخل ہو رہے تھے کہ ڈاکٹر شیر افگن کے سیاسی حریف سینٹر امیر عبداللہ خان روکھڑی سامنے کھڑے تھے، انہوں نے سیدہ عابدہ حسین کے سر پر ہاتھ رکھا اور زار و قطار رونے لگے۔ انہوں نے کہا بیٹا میں تمہارا چچا ہوں۔ میں نے تمہارے باپ کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا ہے۔ تم ایک پولیس کانسٹیبل کے بیٹے کو میرے بیٹے پر ترجیح دے رہی ہو۔ سیدہ عابدہ حسین نے کہا: چچا اسمبلی میں ایک غریب باپ کا بیٹا اگر آ ہی گیا ہے تو آپ کو برداشت کیوں نہیں ہوتا۔ امیر عبداللہ خان خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر شیر افگن جب دوسری مرتبہ مولانا عبدالستار خان نیازی کی مدد سے منتخب ہو کر آئے تو مولانا کو چھوڑ کر پیپلز پارٹی کی حکومت میں شامل ہو گئے۔ مولانا اور سیدہ عابدہ حسین کو اسمبلی کے اندر بار بار بے عزت کر کے پیپلز پارٹی والوں سے داد بھی وصول کی اور وزارت بھی۔

سیدہ عابدہ حسین کی عالمی سیاست پر گہری نظر ہے۔ ان کے پاس علم اور معلومات کا بے بہا خزانہ ہے۔ ان کے تعلقات گاؤں سے لے کر بین الاقوامی سطح تک وسیع ہیں۔ وہ اپنے وطن کے دکھوں پر بے اختیار ہو کر آنسو بہاتی ہیں۔ انہیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ انہوں نے شفاف سیاست کی مگر قوم نے ان کے مقابلہ پر غلط کار سیاستدانوں کو زیادہ اہمیت دی اور ان کی صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھایا۔ میں نے ان کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔ بطور فرد وہ خوبیوں کا مرقع ہیں مگر سیاست میں فوری نتائج کے حصول کی خواہش نے ان سے کئی غلط فیصلے کرائے ہیں جس کی وجہ سے ابھی تک سیاست میں وہ مقام حاصل نہیں کر سکیں جو ان کا استحقاق تھا۔

1999ء میں سیاسی بحران کے دنوں میں وزیر اعظم ہاؤس میں تقریب تھی۔ راجہ ظفر الحق، راجہ نادر پرویز، صدیق خان کانجو اور میں ایک کونے میں کھڑے گفتگو میں محو تھے کہ ہمارے ملک کے کمانڈر انچیف جنرل پرویز مشرف بھی وہاں آ گئے، علیک سلیک کے بعد شکایت کے لہجے میں کہنے لگے کہ سیدہ عابدہ حسین نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے اور پھر خود ہی واقعہ کی تفصیل بتانے لگے۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایک ملک کے یوم آزادی کی تقریب میں گئے تو سفیر کی اہلیہ نے سیدہ عابدہ حسین سے تعارف کرانے کی کوشش کی تو میں نے کہا کہ یہ

ہماری وفاقی وزیر ہیں ، میں تو ان کے والدِ محترم کا بھی مداح ہوں، مگر انہوں نے مجھے نظر انداز کرتے ہوئے کہا: جنرل! میں بجلی چور ہوں اور مجھے پتہ تھا یہ میرے ساتھ ہونا ہے۔ کیونکہ میں جنرل علی قلی خان کے حق میں تھی، میں نے اپنی پوزیشن کی وضاحت کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی۔ ہم نے جنرل صاحب کو سمجھا بجھا دیا۔

ضیاء الحق کی ناراضگی

جنرل ضیاء الحق ہم سے ناراض ہو گئے۔ ہماری سرگرمیاں ان کے لئے نا قابل برداشت تھیں۔ ایک سفارت خانہ کی تقریب میں مجھے غصہ سے کہا اب آپ سے ملتان میں ملاقات ہوگی۔ میں ان کی بات اس وقت سمجھ نہ سکا۔

سپیکر کے الیکشن میں شکست کے بعد ضیاء الحق نے سید یوسف رضا گیلانی کو ریلوے کا وفاقی وزیر بنا دیا۔ سید یوسف رضا گیلانی گذشتہ سولہ سال سے پیپلز پارٹی کے ساتھ مل کر سیاست کر رہے ہیں۔ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں اور سخت مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اپنی پارٹی کا ساتھ دیا۔

1986ء میں جنرل ضیاء الحق قومی اسمبلی سے سالانہ خطاب کرنے آئے تو جماعت اسلامی کے مولانا گوہر الرحمان نے اٹھ کر کسی بات پر اعتراض کیا۔ جنرل صاحب نے انہیں جھڑک دیا۔ ڈاکٹر شفیق، جو اس وقت ہمارے گروپ میں تھے، کھڑے ہوئے تو انہیں بھی یہ کہہ کر خاموش کر دیا گیا کہ جب صدر مملکت خطاب کر رہے ہوں تو ڈیکورم (آداب) کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کرنا لازم ہے۔ جس ہتک آمیز انداز سے وہ ممبران اسمبلی سے مخاطب تھے میں برداشت نہ کر سکا۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا: کہ آپ یہاں بندوق کے زور پر کھڑے ہو کر اسمبلی کے آداب کی خلاف ورزی کر رہے ہیں بلکہ آپ اس ہاؤس میں اجنبی ہیں، یہ کاروائی براہ راست دکھائی جا رہی تھی۔ ہماری مداخلت نے زور پکڑا تو کیمروں کا رخ سٹیج کی طرف کر دیا گیا۔ ہمارے مائک بند کر دیے اور خطاب مکمل ہو گیا۔ اس سے اگلے روز برطانیہ کے سفارت خانے کی تقریب میں سید مشاہد حسین انکے بھائی سید مواحد حسین اور میں آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ ضیاء الحق صاحب کی آمد کا اعلان ہوا۔ جب وہ سٹیج پر نمودار ہوئے تو دور سے میری ان سے آنکھیں چار ہوئیں۔ میں فوراً سمجھ گیا وہ میرے پاس چل کر آئیں گے۔ میں نے سید مشاہد حسین اور انکے بھائی سے کہا کہ میں یہاں سے بھاگنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا درمیان میں لوگوں کا سمندر ہے وہ یہاں کیسے پہنچیں گے، چند لمحوں بعد وہ ہمارے سر پر پہنچ گئے۔ ہمارے پیچھے سوئمنگ پول تھا واپسی کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ ہم گھیرے میں آ چکے تھے ضیاء الحق نے بانہیں میرے گلے میں حائل کر دیں۔ میں بھی ہنس پڑا۔ دوسرے دن کے اخبارات کے صفحہ اول پر خوشگوار لمحات تاریخ کا حصہ بن چکے تھے۔ ہماری آپس کی ناراضگی کا تاثر زائل ہو چکا تھا مگر ضیاء الحق جب کسی سے ناراض ہوتے تھے تو اس کا اظہار اپنے عمل سے کرتے۔

انہوں نے میرا قافیہ تنگ کرنے کے لیے ملتان کی سیاست کا راستہ اختیار کیا۔ مخدوم سجاد حسین قریشی کیلئے پنجاب کے گورنر ہاؤس کا دروازہ کھل گیا اور مجھ پر میرے خاندان اور مقامی گروپ پر ظلم وستم کا۔ ہمارے تھانہ مخدوم رشید میں ایک جلاد صفت تھانیدار لگا دیا گیا۔ جس نے کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے بیالیس مزدوروں کو قتل کیا تھا۔ گورنر نے تھانیدار کو پگڑی بدل بھائی بنانے کا اعلان کیا۔ ضیاء الحق اور گورنر پنجاب کی طاقت ایک خونخوار تھانیدار میں ڈھل گئی تھی۔ پاکستان بنانے کی سزا ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہو چکی تھی۔ میرے ماموں زاد اور بہنوئی مخدوم نذیر احمد شاہ کسی خطا کے بغیر تھانے میں بند کر دیئے گئے تھے، کوئی مجسٹریٹ ان کی ضمانت لینے کو تیار نہ تھا، یہ مصائب کی ابتدا تھی۔

محمد اکرم شیخ جو پاکستان کے ممتاز قانون دان ہیں، مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوئے، کچہری کے چاروں طرف عوام کا جمِ غفیر تھا۔ رات کو گیارہ بجے مخدوم نذیر احمد شاہ کو رہا کرنا پڑا۔ میرے لئے اکرم شیخ صرف قانون دان ہی نہیں میرے بچپن کے ساتھی اور ہم جماعت بھی ہیں۔ انہوں نے میرے سیاسی کیریئر کی اہم عدالتی جنگیں لڑی ہیں۔ ملتان میں اُن کا گھر میرا سیاسی ڈیرہ بنا ہوا تھا اُن کی بیگم جنہوں نے مجھے اپنے بھائی کا درجہ دیا ہوا ہے، تپتی دوپہر میں میرے مہمانوں کی خدمت کرتیں۔

مجھے نہ اپنے مقدر سے گلہ تھا، نہ مخدوم سجاد حسین قریشی سے اور نہ مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق سے۔ میری دونوں سے نیازمندی تھی۔ ایک گلے سڑے نظام کو میں نے تبدیل کرنے کا عزم کیا تھا، میں نے سیاستدانوں کو حویلیوں سے نکال کر عوام کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔ یہی میرا صلہ تھا اور یہی میرا اطمینان قلب! صعوبتوں نے مجھے رنج کا خوگر کر دیا۔ لوگ بلاوجہ اسے میری بہادری سمجھتے ہیں، میں کوئی بہادر آدمی نہیں، بس ایک مجنوں ہوں اور دشتِ لیلیٰ میں ہوں۔ مجھے ناقدری عالم کا گلہ کبھی نہیں رہا۔ میری قوم نے مجھے ہمیشہ اعتماد سے نوازا ہے۔ بہادر تو وہ گمنام سیاسی کارکن ہیں جو صلہ کی تمنا و ستائش کے بغیر رات دن جدوجہد کرتے اور قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ جن کی قربانیوں کے بغیر نہ پاکستان معرضِ وجود میں آ سکتا تھا اور نہ آج جمہوریت کی جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو سکتی۔

چوتھا باب

مسلم لیگ کے نشیب و فراز

مسلم لیگ کے نشیب و فراز

میں مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے گھرانے میں پیدا ہوا۔ جواب بھی وضع داری نبھار ہاتھا،مگر مسلم لیگ کی سیاست مجھے متاثر نہ کرسکی۔ یہ ایک ڈرائنگ روم پارٹی تھی۔ میں ابھی ساتویں جماعت کا طالب علم تھا جب مسلم لیگ کی تنظیم نو کی کاپیاں ہمارے ڈیرے پر پُر ہو رہی تھیں،لگتا تھا پورے پاکستان کی آبادی کو مسلم لیگ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ میرے بڑے بھائی کے حکم پر مجھے بھی مسلم لیگ کا ممبر بنا دیا گیا۔

70ء کے عشرے میں جب میں طلباء سیاست میں متحرک تھا، پیر آف پگاڑو شریف، چودھری محمد حسین چٹھہ اور محمد خان جونیجو ملتان تشریف لائے۔ بنیادی مقصد مجھے مسلم لیگ میں شمولیت کیلئے قائل کرنا تھا۔ مجھے کہا گیا کہ خواجہ صفدر صاحب کی جگہ پر مجھے پنجاب مسلم لیگ کا صدر بنایا جائے گا۔ میں نے یہ کہہ کر جان چھڑالی کہ جس جماعت کا سنیئر نائب صدر ملک غلام مصطفیٰ کھر ہو، جس نے بنگلہ دیش نامنظور تحریک میں طلباء اور علماء پر تشدد کی نئی تاریخ رقم کی ہے، اُس جماعت میں کیسے شامل ہوسکتا ہوں۔ مسلم لیگ کے اکابرین کے ساتھ نیاز مندی کے باوجود میں اُن کی جوڑ توڑ کی عادتوں سے خوفزدہ تھا، اگرچہ میرا دل قائداعظم کی مسلم لیگ کے مقاصد میں اٹکا ہوا تھا۔ چودھری ظہور الٰہی نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا کہ جب تک آپ کو پنجاب کا صدر بنانے کا اعلان نہ ہو آپ شمولیت نہ کریں۔ لیکن مجھے عہدہ سے دلچسپی ہی نہیں تھی، اصل مسئلہ یہ تھا کہ میں ذہنی طور پر اُس وقت کی قیادت کے ساتھ کام کرنے کو تیار نہیں تھا۔

مسلم لیگ شروع سے سازشوں کا شکار رہی ہے۔ قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے خلاف بھی سازشوں کے جال بچھائے گئے۔ مسلم لیگ میں نہ جانے کی دوسری وجہ مسلم لیگ کی قیادت میں اپنے مقصد کے حصول کیلئے قربانیاں دینے کا فقدان تھا۔ یہ ایک بے رنگ، بے ذائقہ اور بے بو جماعت تھی۔

یہ جماعت شروع سے اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ ٹکراؤ سے بچتی رہی۔ جو مسلمان تحریک آزادی میں سرگرم تھے، ان میں سے بھی بعض کانگریس کو فوقیت دیتے تھے۔ قائداعظمؒ نے سیاست کا آغاز ہی کانگریس کے پلیٹ فارم سے کیا اور علامہ اقبالؒ بھی ہندوستان میں ابتدا میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر جدوجہد کے خلاف نہ تھے۔

بہت سے مسلمان علماء کانگریس کے ساتھ مل کر آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ تحریک خلافت اور احرار کے علاوہ خدائی خدمتگار، ریشمی رومال اور تحریک خاکسار عزیمت کی داستان لکھ رہے تھے۔ ان میں سے اکثر کانگریس کا دامن اپنی قربانیوں سے مالا مال کر رہے تھے۔

کانگریس مضبوط ہوگئی تو ہندو قیادت کو اپنی منزل آسمانوں میں نظر آنے لگی اور مسلمانوں سے انہوں نے

آنکھیں پھیرنا شروع کیں۔ جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی وہ اپنے مستقبل کے عزائم نہ چھپا سکے۔ اب بتدریج مسلم اقلیت کو آنے والے حالات کے ادراک نے بے چین کر دیا۔ مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں عدم تحفظ کا احساس نہ تھا۔ البتہ ان علاقوں کے دور میں نگاہ رکھنے والے شاہ دماغ مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں ضرور فکر مند تھے۔ 1930ء میں ہندو مسلم مفادات کا ٹکراؤ بھی کھل کر سامنے آنے لگا۔ علامہ اقبالؒ نے خطبہ الہٰ آباد میں مسلمانوں کی سوچ کو ایک نیا رخ عطا کیا۔ جب انہوں نے برصغیر میں آزاد مسلمان ریاست کا تصور پیش کیا۔

1937ء میں انتخاب ہوئے تو ہندو کو ایک ہزار سال بعد حکمرانی کا موقع ملا۔ یہ حکمرانی مسلمانوں کیلئے ایک بھیانک خواب سے کم نہ تھی۔ یہی حکمرانی پاکستان کے قیام کا دیباچہ بن گئی۔ مسلمان خوفزدہ ہو گئے۔ نیشنلسٹ علماء کرام اور کانگریس کے مسلمان رہنما، مسلمانوں کے انداز و فکر میں تبدیلی کو سمجھ نہ سکے اور ہندوستانی قوم میں اختلاف کو جنگِ آزادی کی صفوں میں اختلاف سمجھتے رہے۔ مسلم لیگ کی اس سوچ میں انہیں انگریز سے آزادی کی منزل کو دور کرنے والی سازش کی بو آ رہی تھی۔ انہیں تحریک آزادی کی ساری قربانیاں رائیگاں ہوتی نظر آتی تھیں، اس لئے مسلمانوں کی اس سوچ پر بند باندھنے کیلئے اُن کی زبانیں تلخ تر ہوتی گئیں۔ درحقیقت زمینی حقائق بدل چکے تھے اور یہ رہنما زمینی حقائق سے بچھڑ چکے تھے۔ مسلم لیگ کے قافلے میں کانگریس کی طرح تجربہ کار اور آزمودہ قائدین نہ ہونے کے برابر تھے۔ اگرچہ نوابزادہ لیاقت علی خان، مولوی فضل حق، خواجہ ناظم الدین، حسین شہید سہروردی، نواب بہادر یار جنگ، مولانا حسرت موہانی جیسے تجربہ کار اور آزمودہ قائدین اُن کے ساتھ تھے، لیکن کانگریس کی تربیت یافتہ قیادت کے سامنے یہ تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔

مسلم لیگ کی تنظیمی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ قائداعظم نے ساری ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی اور بتدریج مسلم لیگ کو ایک عوامی تحریک بنا دیا۔ جس میں ہر طرح کے لوگ جمع ہو گئے۔ قائداعظمؒ نے طوفانی دورے کئے، نوجوانوں کو متحرک کیا اور قافلے کو منزل مراد تک پہنچا کر دم لیا۔ انہوں نے ہندو رہنماؤں اور انگریزوں کو خوفزدہ کر دیا کہ اگر پاکستان نہ بنا تو نہ ہندو آرام سے رہ سکیں گے اور نہ عالمی نقشہ پر انگریزوں کو مسلمانوں کی حمایت حاصل ہو سکے گی۔ چرچل، ڈیگال، روز ویلٹ اور سٹالن دنیا کا نیا نقشہ بنا رہے تھے۔ قائداعظم کی عالمی سیاست پر نظر تھی۔ وہ چابکدستی سے بین الاقوامی حالات کو اپنے مشن کے حق میں استعمال کر رہے تھے۔ انہوں نے ٹکراؤ کی دھمکی دی، مختصر وقت کے لیے مسلم لیگی جیلوں میں بھی گئے۔ اُن کو اپنی قوت اور اس کے استعمال کا طریقہ آتا تھا۔ اپنی کمزوریوں پر نظر تھی، اُسی کے مطابق حکمت عملی تیار کی اور مقاصد کے حصول کو، جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا، ممکن بنا دیا۔ قائداعظم کی قیادت کے جوہر آشکار ہو چکے تھے اور پاکستان دنیا کے نقشے پر اُبھر چکا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران قائداعظم اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اتحادی خواہ جنگ جیتیں یا ہاریں اُن کیلئے نوآبادیات پر گرفت رکھنا ممکن نہ رہے گا۔ ہندوستان کی آزادی نوشتہ دیوار بن چکی تھی۔ آج کی دولت

مشترکہ میں برطانیہ سے آزاد شدہ ملکوں کی تعداد 60 سے زیادہ ہے۔ ان میں بہت سے ایسے ممالک ہیں جنہیں برطانیہ نے خود ہی آزاد کر دیا۔ حالانکہ ان میں آزادی کی تحریکیں بھی نہ اٹھیں۔ جنگ عظیم دوئم کے بعد برطانیہ اس قابل نہ تھا کہ ان ملکوں پر کنٹرول برقرار رکھ سکے۔ پورا نوآبادیاتی نظام ڈھیر ہو رہا تھا، حتیٰ کہ نصف صدی، بعد آخر کار، روس بھی سنٹرل ایشیا کی نوآبادیات کو چھوڑنے پر مجبور ہو گیا، حالانکہ ابھی وہ روس کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ قائداعظمؒ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے تحفظ کی آئینی جنگ لڑ رہے تھے۔ ہندو قیادت برصغیر کی آزادی کے نام پر مسلمان قائدین کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر رہی تھی۔ وہ مسلمانوں کو آئینی تحفظ دینے کو تیار نہ تھی۔ اُن کی عاقبت نااندیش پالیسیوں کی وجہ سے قائداعظم کے پاس پاکستان کے مطالبے کے علاوہ کوئی متبادل نہ رہ گیا تھا۔

1940ء میں قرارداد لاہور منظور ہونے کے بعد مسلمانوں کی تحریک میں تیزی آ گئی۔ اُن کا قافلہ اپنی منزل کا تعین کر چکا تھا۔ راستے کا تعین بھی ہو گیا اور رہنما بھی مل گیا۔ مسلمانوں کے تنِ مُردہ میں جان پڑ چکی تھی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبا قائداعظم کا ہراول دستہ تھے۔ حمید نظامی مرحوم، جناب مولانا عبدالستار خان نیازی مرحوم نے دیگر نوجوانوں سے ملکر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ذریعے قائداعظم کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی کی زندگی سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ 1966ء سے میں نے ان کی تقریریں سننا شروع کیں۔ اس مردِ مجاہد نے ایک منفرد انداز سے زندگی گزاری۔ انہیں جب پھانسی کی سزا سنائی گئی تو انہوں نے اونچی آواز سے الحمدللہ کہہ کر اس صدا کو اپنی آخرت کا توشہ قرار دیا۔ ان کی ساری زندگی عزیمت کی داستان ہے۔ میں ان کے جنازے میں شرکت کے لیے میانوالی پہنچا تو ہزاروں لوگ ماتم کناں تھے۔ لیکن اس مردِ حق کے جنازے میں ملکی سطح کی کسی شخصیت نے شرکت نہ کی۔ جس کا مجھے ملال ہے۔

دوسری شخصیت حمید نظامی کی ہے جنہوں نے قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں عملی طور پر حصہ لیا اور پھر پاکستان کی نظری اساس اسلام اور جمہوریت کی جنگ کے لیے اپنے قلم کو تلوار بنا لیا۔ ہمارے گھر نوائے وقت کے علاوہ دیگر اخبارات بھی آتے تھے مگر نوائے وقت کے بغیر دن گزارنا مشکل ہوتا۔ میں جب کیمپ جیل میں سوا سال گزار کر 2002ء میں رہا ہوا تو محترم مجید نظامی کے پاس ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ان کے گھر گیا۔ اور ان کی شفقتوں کا ذکر کیا جو انہوں نے میرے ساتھ کی ہیں۔ میں نے کہا میں نے آپ سے کبھی باقاعدہ رابطہ نہیں رکھا (اگرچہ ذہنی طور پر ایک دن بھی ان سے دور نہیں رہا)۔ اس کے باوجود آپ نے ہمیشہ میرے ساتھ مہربانی کی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ کہنے لگے ضروری تو نہیں آپ اپنی کارکردگی اپنی زبانی بتائیں کیا ہم آنکھیں نہیں رکھتے۔

1938ء سے 1945ء کی جنگِ عظیم اور اس سے ہونے والی صورت حال کا قائداعظمؒ نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ہندو قیادت اور وائسرائے ہند چمسفورڈ سے لیکر ماؤنٹ بیٹن تک انگریز قیادت بھی قائداعظمؒ کے داؤ پیچ پر تلملا اٹھی، لیکن قائداعظم کے سامنے اُن کی ساری چالیں ناکام تھیں۔ وہ مسلمانوں کے اس سخت گیر اور اصول پسند

رہنما کو سخت ناپسند کرتے تھے، مگراُن پر کوئی الزام نہ لگا سکتے تھے۔ تمام انگریز وائسراؤں نے اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں اور قائداعظم کو جی بھر کر کوسا ہے۔ کہتے ہیں قائداعظم سے مذاکرات کرنا مشکل ترین کام تھا۔ گاندھی کے بارے میں ان کا تاثر یہ ہے کہ اُن کے ضدی ہونے کے باوجود انہیں رام کرنا آسان تھا اور نہرو کو تو وہ اپنے گھر کا فرد سمجھتے تھے۔

قائداعظمؒ کی دُور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ انگریز کا جانا ٹھہر گیا ہے۔ جنگِ عظیم میں اتحادی قوتوں کی فتح کے باوجود نوآبادیاتی نظام پر کاری ضرب لگ چکی تھی۔ اس لئے اب مسلمانوں کے مطالبات پر توجہ دینے کی ضرورت تھی۔ قائداعظمؒ کو علیحدگی پر بہت زیادہ اصرار نہ تھا۔ کیبنٹ مشن پلان تک وہ ہندوستان میں مسلمانوں کیلئے آبرومندانہ مستقبل کا تحفظ مانگ رہے تھے۔ اِس تحفظ کی تازہ ترین مثال عراق میں کُردوں کی ہے۔ اُنہیں بنیادی فیصلوں میں ویٹو (Veto) کا حق مل چکا ہے، اسی طرح جمہوریت کے اندر بھی برابری کی سطح کیلئے سینٹ اور ایوانِ بالا کا تصور موجود ہے۔ سچ تو یہ ہے ہندو قوم بہت آگے تھی مگر اس کے قائد گاندھی اور نہرو پیش بینی کی ایسی صلاحیت سے محروم تھے، جو قائداعظم کو حاصل تھی۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ اُنہیں قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ جیسے قائدین ملے جو آنے والے عشروں کے حالات کو دیکھ سکتے تھے۔ ہندو قیادت برابری کی بات سننے کو تیار نہ تھی، اُن کا تصورِ جمہوریت محض یہ تھا کہ اکثریت کو حکومت کا حق ہو۔ چونکہ ہندوستان میں ہندو اکثریت میں ہیں۔ مسلمانوں کو اپنی اقلیتی حیثیت تسلیم کر لینی چاہیے۔ جمہوری عمل خود بخود اُن کا محافظ بن جائے گا۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ تصور مسلمانوں کی دائمی غلامی پر منتج ہوتا۔

قائداعظمؒ اپنی جماعت اور اُس کی قیادت کی کمزوریوں سے واقف تھے۔ مگر انہیں انگریزوں اور ہندوؤں کی کمزوریوں کا بھی علم تھا۔ کانگریس کے اندر کی مسلمان قیادت کو اپنی صلاحیت اور اپنی قربانیوں پر گھمنڈ تھا اور چند مسلمان رہنما اپنے علاقے میں مسلمان اکثریت پر حکومت کیلئے مرکز میں کانگریس کی طاقت کو ہمیشہ کیلئے اپنے حق میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔ وہ بدلی ہوئی زمینی حقیقتوں کا ادراک نہ کر سکے۔ کانگریس کی ہندو قیادت نے اپنے مفادات پر انہیں قربان کر دیا۔

قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کی رہنمائی

حضرت قائداعظم اور علامہ اقبال کی اقتدا میں بار یٹ لاء کی ڈگری حاصل کرنے کیلئے میں نے لنکن اِن، لندن میں داخلہ لیا۔ قائداعظم کا استقلال ہمیشہ میری رہنمائی کرتا ہے اور علامہ اقبال میرے مرشد ہیں، میں نے ایم اے فلسفہ علامہ اقبال سے متاثر ہو کر کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کو بچپن سے میرا استاد اور رہنما بنا دیا گیا تھا۔ میرا مرشد وہ تب بنا جب میں شعور کے مرحلے میں داخل ہوا اور عقل و خرد سے گزر کر مکتب عشق کی راہ دیکھی۔

قائداعظمؒ کا تصور میرے نزدیک ایک میکانکی انسان کا تھا یا ایک ٹیکنیشن کا...... جس نے اپنی دیانت اور

اصول پسندی کے ہتھیاروں سے اپنی ورکشاپ میں پاکستان تیار کرلیا۔ایسی شخصیت یقیناً قابل احترام ہوتی ہے اور وہ تو بابائے قوم تھے، ایک ملک کے بانی۔وقت کے ساتھ ساتھ مجھے زمانے کے اسرار و رموز سمجھنے کا موقع ملا۔اب اگر میں ایک طرف دنیا کے نقشے کو رکھ دوں اور دوسری طرف محمد علی جناح کھڑے ہوں تو وہ مجھے پورے گلوب پر حاوی نظر آتے ہیں۔یہ بات اس کے باوجود کہہ رہا ہوں کہ میں نے قائداعظمؒ کے مخالفین انگریزوں، ہندوؤں اور مسلمان رہنماؤں اور علماء کی تحریروں کو بہت توجہ سے پڑھا ہے۔قائداعظم کے مخالفین کو پڑھ لیا جائے اور آج اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے ہوکر گزرنے والی اور آنے والی صدیوں پر نظر رکھی جائے تو دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کا بانی اور جمہوریت کو اُس کی بنیاد قرار دینے والا قائداعظم، صرف بانیِ پاکستان نہیں، عالم اسلام کا محسن نظر آئے گا۔وہ کیا کھاتا تھا، کیا پیتا تھا، کیسے رہتا تھا، اُس کے عقائد کیا تھے، اُس کے جذبات و احساسات کیا تھے، وہ کیا سوچتا تھا۔یہ سمجھنا اب مشکل نہیں۔اُن کی ایک ہی بیٹی تھی جو آج بھی زندہ ہے۔اُس کا پاکستان اور قائداعظم کی جائیداد پر اتنا حق بھی نہیں، جتنا ایک جوتی گانٹھنے والے کا، یا سر پر اینٹیں ڈھونے والے کا۔قائداعظم کی بمبئی کی کوٹھی پر بھی اب تک پاکستان کا دعویٰ ہے، نہ کہ اُن کی بیٹی کا۔وہ کسی ایک کا باپ نہیں بنا، ہم سب کا باپ تھا۔ہمارے دین میں اسی طرزِ عمل کو پیغمبروں کی سنت کہا جاتا ہے۔

میں گاندھی اور نہرو کی جدوجہد آزادی کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔مگر اُن کے ہاں تضادات کار فرما تھے۔میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا حسرت موہانی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، آغا شورش کاشمیری، خان عبدالصمد اچکزئی شہید کی جدوجہد آزادی سے متاثر ہوں۔انہیں مسلمانوں کا سرمایہ افتخار سمجھتا ہوں۔بلاشبہ یہ مجاہدینِ آزادی تھے۔اُن کی بے مثال قربانیاں آزادی کی منزل کو قریب لے آئیں۔ان میں سے سوائے مولانا حسرت موہانی کے کسی کا تعلق بھی مسلم لیگ سے نہیں تھا۔مسلم لیگ کا دامن ایسی قربانیوں سے خالی تھا۔میرے گھر میں بھی میرے دادا مخدوم نور چراغ شاہ اور نانا مخدوم ہادی شاہ جو تحریک پاکستان کے پُر جوش حامی تھے۔مسلم لیگ کو ووٹ دینے، مسلم لیگ کیلئے جلسے کرنے، مسلم لیگ کیلئے ووٹ اکٹھے کرنے، پاکستان آنے والے لٹے پٹے قافلوں کو آباد کرنے، اُن کے خورد و نوش کے انتظام کرنے کے علاوہ قربانیوں کی کوئی داستان اپنے ورثے میں نہیں چھوڑ کر گئے۔

قیام پاکستان کے بعد باچا خان نے، بطور رکن اسمبلی، پاکستان سے وفاداری کا حلف اٹھایا اور پاکستان کے وجود کو تسلیم کیا۔انہوں نے قائداعظمؒ کے استقبال کی تیاری کی۔جنگ آزادی کے اس ہیرو کو جس نے زندگی کے 36 سال برطانوی سامراج کو بھگانے کے لیے جیلوں میں گزار دیے، اس کے شایانِ شان مقام نہ دیا گیا بلکہ ایسا توہین آمیز رویہ اختیار کیا گیا جو کوئی بھی خوددار انسان برداشت نہ کرسکتا۔

حالات جو بھی رہے، مسلم لیگ کا عوامی تاثر نہ اُبھر سکا۔قیام پاکستان کے بعد طالع آزماؤں نے اس

مقدس پلیٹ فارم کو اپنے گھناؤنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چند لوگ تھے جنہوں نے جمہوریت کی شمع جلائے رکھی۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود فوجی آمر کو للکارا۔ اس پر مشرقی پاکستان کے لوگوں میں مسّرت کی لہر دوڑ گئی۔ تحریک پاکستان کا منظر سامنے آ گیا۔ مشرق اور مغرب ایک ہو گئے، دوریاں قربتوں میں بدلنے لگیں۔ عوام کی فتح کو اسٹیبلشمنٹ نے شکست میں بدل دیا۔ پاکستان کے اتحاد کا آخری موقع بھی چھن گیا۔ مادرِ ملت کی وفات سے وفاق پاکستان کی علامت مِٹ گئی اور پاکستان 1971ء میں دولخت ہو گیا۔ بچی کھچی مسلم لیگ نحیف ہو چکی تھی۔ 1985ء میں ضیاء الحق نے اپنی سیاسی بقاء کیلئے مسلم لیگ کے نام پر ارکان پارلیمنٹ کو جمع کیا۔ محمد خان جونیجو صدر بنا دیئے گئے۔ مجھے مسلم لیگ ''بنانے کا'' یہ انداز کیونکر پسند آتا؟ اسی دوران جناب اقبال احمد خان جو بعد میں مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری بن گئے، مجیب الرحمٰن شامی صاحب کے توسط سے مجھے ملنے آئے۔ یہ ملاقات مجیب الرحمٰن شامی صاحب کی موجودگی میں اسلام آباد ہوٹل کے کمرے میں ہوئی۔ انہوں نے مجھے وزیراعظم محمد خان جونیجو کا پیغام پہنچایا کہ اگر میں مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤں تو مجھے حکومتی پارٹی کا سیکرٹری جنرل بنا دیا جائے گا۔ اقبال احمد خان نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عملی طور پر میں نائب وزیراعظم بن جاؤں گا۔ میں نے ان کی پیشکش قبول نہ کی۔ ایک جرنیل کی سرپرستی میں بننے والی مسلم لیگ میں شامل ہونا مجھے قبول نہ تھا۔

مجیب الرحمٰن شامی نے میرے فیصلے کو پسند نہ کیا۔ الطاف حسن قریشی، مجیب الرحمٰن شامی اور سجاد میر سے میرا تعارف اس وقت ہوا جب میں جامعہ پنجاب کا سیکرٹری جنرل منتخب ہوا۔ شامی صاحب ہفت روزہ زندگی کے ایڈیٹر تھے جب انہیں آزادی اظہار کے جرم میں سزا سنائی گئی تو ہم نے جلسے اور مظاہرے کر کے شدید ردِعمل کا اظہار کیا۔ ان کی رہائی کے بعد یہ تعارف دوستی میں تبدیل ہو گیا اور پھر دوستی بھائی چارے میں۔ میرے بڑے بھائی نے ان کے اخلاص سے متاثر ہو کر انہیں لاہور میں میرا سرپرست مقرر کر دیا۔ اب وہ لاہور میں پڑھنے والے میرے بچوں کے قانونی سرپرست ہیں۔ ان کے والدین، بھائیوں اور بہنوں نے مجھے اتنا ہی پیار دیا ہے جتنا ان کو۔ انکے بچے مجھے اتنے ہی عزیز ہیں جتنے اپنے۔ انہوں نے زندگی میں بارہا مجھے اپنے مشوروں سے نوازا ہے اور میری سیاسی زندگی میں میری معاونت کی ہے۔ میں عملیت پسند ہونے کے ساتھ آئیڈیلسٹ بھی ہوں۔ اس لیے وہ اکثر میرے سیاسی فیصلوں سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ سوچ میں فرق کے باوجود ہمارے باہمی احترام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اپنی دنیا کا بڑا نام ہیں اور میں اپنی محدود سی دیوانگی میں مگن۔

1988ء میں اسٹیبلشمنٹ کے لئے جونیجو کا وجود بھی ناقابل برداشت ہو گیا اور پھر ضیاء الحق بھی نہ رہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق مجھ پر ہمیشہ مہربان رہے، مجھے باربار کہا کہ اِس ملک کی سیاست اسٹیبلشمنٹ کے سوا کچھ نہیں۔ آپ کو اقتدار میں رہنا چاہیے، انہوں نے مجھے وزیراعلیٰ پنجاب بنانے کیلئے بھی کوشش کی۔ مگر میں نے کبھی

ان عہدوں میں دلچسپی ظاہر نہ کی، کیونکہ میرا ذہن "بھنگا" ہوا تھا۔ اُن کے برادر نسبتی اور اعجاز الحق کے ماموں جناب ڈاکٹر بشارت الٰہی اور سینیٹر طارق چودھری کے ذریعے کی گئی پیشکش، بعد میں، میرے لئے مشکلات کا باعث بنی۔

جب ضیاء الحق اِس دنیا میں نہ رہے، تو مبر 1988ء میں، میں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ اِس وقت محمد خان جونیجو کی شخصیت کے شریفانہ تاثر اور میاں نواز شریف کی متحرک شخصیت سے اِس میں جان پڑ چکی تھی، اگرچہ دونوں شخصیات میں دوریاں موجود تھیں۔ 1988ء سے 1992ء تک میں مسلم لیگ میں تھا۔ میرے تعلقات میاں نواز شریف کی نسبت محمد خان جونیجو سے زیادہ تھے۔ محمد خان جونیجو میرے گھر تشریف لائے اور اپنے دورِ اقتدار کے رویّے پر معذرت کی، مجھے بھی اپنی تلخ باتوں کا شدید احساس تھا۔ 1988ء میں میرا مسلم لیگ میں شمولیت کا واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ 1988ء کے عام انتخابات میں مَیں نے اسلامی جمہوری اتحاد کے ٹکٹ پر الیکشن لڑا اور اڑھائی سو ووٹوں سے ہار گیا۔ میں نہ صرف پیپلز پارٹی سے مقابلہ کر رہا تھا بلکہ صوبائی اسمبلی کے دونوں مسلم لیگی امیدوار بھی پیپلز پارٹی کی اعلانیہ حمایت کر رہے تھے۔ میرے مدمقابل کامیاب امیدوار اچانک فوت ہو گئے۔ میرے حلقے میں ضمنی انتخاب کے لیے سیاسی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ مسلم لیگ کی قیادت نے مطالبہ کیا کہ میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کروں تو ٹکٹ ملے گا، میں نے اِس سودے بازی سے انکار کر دیا۔ میرا موقف تھا کہ مجھے اسلامی جمہوری اتحاد میں شامل آزاد گروپ کے کوٹے سے ٹکٹ دیا جائے۔ میں مسلم لیگ میں شامل نہ ہوں گا۔ مرحوم غلام حیدر وائیں کی خاص طور پر شدید خواہش تھی کہ میں مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤں۔ میاں نواز شریف کے گھر میں طویل میٹنگ ہوئی اور آخر کار مجھے اسلامی جمہوری اتحاد کا ٹکٹ دے دیا گیا۔ جونہی وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلے، میں نے چودھری شجاعت حسین سے کہا کہ غلام حیدر وائیں صاحب کو بلائیں میں مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ میاں نواز شریف نے کہا: اگر آپ کو یہی فیصلہ کرنا تھا تو ہمیں کئی ہفتوں تک اُلجھائے کیوں رکھا؟ میں نے کہا میں ساری عمر خود کو کوستا رہتا کہ میں نے ٹکٹ لینے کیلئے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ اب یہ میرے ضمیر کا فیصلہ ہے۔ مرحوم غلام حیدر وائیں نے مجھ سے دستخط کروائے اور میں مسلم لیگ میں شامل ہو گیا۔ پہنچی وہیں پہ خاک......

1990ء میں میاں نواز شریف وزیر اعظم ہو گئے۔ میں اُن کا وزیر ہوتے ہوئے بھی اپنی دنیا میں مگن تھا۔ میں نواز شریف کی اس بات کا مداح تھا کہ انہوں نے مسلم لیگ کو ڈرائنگ روم سے نکال کر عام آدمی کی پارٹی بنا دیا۔ اسٹیبلشمنٹ خوفزدہ ہو گئی اور صدر اسحاق کی سرپرستی میں وزیر اعظم کا گھیراؤ تنگ کر دیا گیا۔ نواز شریف نے جب ڈکٹیشن نہ لینے کا فیصلہ کیا تو میں نے اپنا وزن میاں نواز شریف کے پلڑے میں ڈال دیا۔

میاں نواز شریف کے طرزِ سیاست سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے، مگر انہوں نے پارلیمنٹ کی بالادستی کی جو جنگ لڑی ہے، اُس کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ 1990ء کے انتخابات میں اسلم بیگ اور غلام اسحٰق خان، جناب غلام مصطفٰی جتوئی کو وزیر اعظم بنانا چاہتے تھے۔ نواز شریف نے اپنا راستہ خود بنایا، جو دونوں کو

ناپسند تھا۔نواز شریف سے ناپسندیدگی کا اظہار اعلانیہ طور پر ہونے لگا۔ اسلم بیگ نے خلیجی جنگ پر حکومت سے الگ موقف اختیار کر کے بیانات دینا شروع کر دیے۔ غلام اسحٰق خان پارلیمانی نظام میں صدارتی نظام داخل کرنا چاہتے تھے۔ وہ نواز شریف پر دباؤ بڑھا کر اپنی ملازمت کی توسیع کے لیے کوشاں تھے۔نواز شریف نے آصف نواز کو نیا چیف آف آرمی سٹاف بنوایا۔ جنرل آصف نواز کو اتاترک بننے کا شوق لاحق ہو گیا۔انہوں نے نواز شریف حکومت کو کمزور کرنے کیلئے اُس کی حلیف ایم کیو ایم پر دباؤ بڑھایا اور وہ حکومت سے الگ ہو گئے۔نواز شریف حکومت میں دراڑ پڑ چکی تھی کہ آصف نواز کا انتقال ہو گیا۔سپہ سالار وحید کاکڑ صاحب بھی صدر اور وزیر اعظم کے اختلافات میں غلام اسحٰق کا ساتھ دے کر نواز شریف کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے سرگرم ہو گئے اور آخر کار غلام اسحٰق اور میاں نواز شریف دونوں کو جانا پڑا۔

1996ء میں نواز شریف دوبارہ برسراقتدار آئے تو چیف آف آرمی سٹاف جہانگیر کرامت نے اقتدار میں فوج کا حصہ مانگنے کیلئے نیشنل سیکورٹی کونسل کی تشکیل کا مطالبہ کر دیا۔نواز شریف نے اُن سے استعفیٰ طلب کر لیا۔اُن کے بعد پرویز مشرف چیف آف آرمی سٹاف بنائے گئے۔اُنہوں نے سیاسی حکومت کے اقدامات کے خلاف اعلانیہ بغاوت کرتے ہوئے ہندوستان سے امن مذاکرات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ہندوستان کے وزیر اعظم کو پروٹوکول دینے سے انکار کر دیا۔وہ اپنے ملک کے وزیر اعظم کو ملنے جاتے ہیں تو ٹوپی اتار لیتے ،اِس طرح انہیں سلیوٹ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی ،مگر ضرورت پڑنے پر نیپال میں ہندوستان کے وزیر اعظم کو سلیوٹ کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ضیاء الدین بٹ بھی 1999ء میں فوج کے سربراہ بن جاتے تو نواز شریف سے یہی کچھ کرتے جو پرویز مشرف نے کیا۔جنرل آصف نواز کراچی کے کور کمانڈر تھے۔میری اُن سے ایک شادی میں ملاقات ہوئی۔انہوں نے مجھے اپنے گھر پر چائے کی دعوت دی۔دوسرے دن میں اُن کے ہاں گیا تو مجھے کہنے لگے: آپ وزارت عظمیٰ کیلئے میاں نواز شریف کا ساتھ دیں، میں نے کہا کہ مسلم لیگ میں ہوں، اگر چہ ہمارے درمیاں کچھ دوریاں ہیں لیکن اُن کی ذات کے بارے میں اختلاف نہیں۔انہوں نے کہا: میاں صاحب کو میرے خیالات کے بارے میں بتا دیجئے گا۔میں میاں صاحب کو کیوں بتاتا؟ آصف نواز چیف آف آرمی سٹاف بن گئے تو اُن سے اکثر سرراہ ملاقات ہوتی۔انہوں نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور چہرے پر غصے کا خول چڑھا لیا۔ایک تقریب میں ایوانِ صدر میں ایک ہی میز پر کھانا کھا رہے تھے، مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے تمہارا آدمی ٹھیک نہیں جا رہا اور یہ ٹھیک ہو بھی نہیں سکتا۔ میں ششدر رہ گیا۔میں نے بات کو مذاق میں ٹالتے ہوئے کہا: میری جان بخشی تو ہو جائے گی ،اُنہوں نے غصے سے کہا: میں بالکل سنجیدہ ہوں۔اب مجھے بھی غصہ آ گیا۔میں نے کہا: کیا آپ کو کراچی کی ملاقات بھول گئی ہے،اُس وقت نواز شریف آپ کا آدمی تھا آج صرف میرا ہو گیا۔کہا میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، آپ کب آ سکتے ہیں۔پھر وہ میرے ہمسائے کمانڈر خلیل الرحمٰن کے گھر آتے رہے لیکن میں نے اُن سے ملاقات کرنا مناسب نہ سمجھا۔اُن کے

کمانڈر انچیف بنتے ہی اُن کی بہنوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کا بھائی بادشاہ بن گیا۔

جہانگیر کرامت کو میں ملتان سے جانتا تھا۔اُن کا شمار پڑھے لکھے جرنیلوں میں ہوتا ہے۔ جنرل فرینکس، جنرل گریسی اور جنرل گُل حسن کے سوا مجھے پاکستان آرمی کے تمام سربراہوں سے مجھے ملنے کا، گفتگو کرنے کا اور ان میں سے کچھ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔اُن کی تربیت میں شامل ہے کہ وہ فوج کو برتر اور عام شہری کو کمتر سمجھیں۔اِس کے بارے میں جنرل گریسی، جنرل فرینکس اور جنرل گُل حسن کے کیا خیالات تھے۔یہ میں نہیں جانتا،قوم جانتی ہے۔

تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا وزیراعظم ہو جسے اپنے ملک کے پانچ فوجی سربراہوں سے پارلیمانی بالا دستی کی جنگ لڑنا پڑی ہو۔غلام اسحٰق خان اور فاروق لغاری بھی اُن جنرلوں کے کندھوں پر سوار ہو کر اسمبلیاں توڑ رہے تھے۔ اب تو جنرل زینی اور جنرل ٹامی فرینکس نے اپنی کتابوں میں تحریری طور پر شہادت دے دی ہے کہ نواز شریف ایٹمی دھماکوں کے وقت ہماری بات نہیں سننا چاہتا تھا، جہانگیر کرامت ان کے حامی تھے۔اِس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ وزیراعظم کو بعض اوقات ملک کے دفاع میں مثبت کردار ادا کرتے ہوئے بھی جرنیلوں کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حالانکہ ایسے میں فوجی قیادت کی طرف سے بھرپور حمایت کی ضرورت ہوتی ہے۔نواز شریف کی یہ جدوجہد تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔

1992ء سے 2004ء تک بارہ سالہ دور ایک نئی مسلم لیگ کا دور ہے۔میاں نواز شریف نے 1993 سے 1996ء تک عوامی جدوجہد کا راستہ اختیار کیا۔ میں ہر قدم پر ان کے ساتھ تھا۔انہوں نے دوبارہ اقتدار میں آ کر فوج کی بالا دستی قبول نہ کرنے کا اعلان کیا اور پارلیمنٹ کی بالا دستی کا نعرہ بلند کیا۔ہم ان کے ساتھ کھڑے تھے، پھر نواز شریف نے امریکہ کی مرضی کے خلاف ایٹمی دھماکے کر کے اپنی قیادت کا سکہ منوالیا۔نواز شریف نے اسٹیبلشمنٹ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور ہندوستان سے امن کے عمل (Peace Process) کا آغاز کیا۔ جنرل ایوب، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف سر کے بل چل کر انڈیا سے امن کی بھیک مانگنے گئے۔یحیٰی خان نے آخری وقت میں بھارت سے تعلقات بہتر بنانے کی کوششیں شروع کر دیں، لیکن وہ زیادہ تر رچرڈ نکسن کی ڈپلومیسی پر انحصار کرتے رہے۔

نواز شریف نے باوقار طریقہ اختیار کیا اور ہندوستان کے وزیراعظم کو بس پر بیٹھ کر لاہور آنا پڑا اور مینار پاکستان کو سلامی دینا پڑی۔ دراصل جنرل ہندوستان کے ساتھ جنگ نہ کرنے کی پیشکش اس لئے کرتے ہیں کہ ہندوستان سے خطرہ ٹل جانے کے بعد وہ پاکستان پر لمبی مدت کیلئے راج کر سکیں۔اگر کوئی سویلین وزیراعظم یہ ''حرکت'' کر بیٹھے تو اُس کو غدار اور ہندوستان کا ایجنٹ قرار دیا جاتا ہے۔نواز شریف چونکہ پنجاب سے تھا، اُس پر ہندوستان سے مل جانے اور غداری کا الزام لگانا مشکل تھا، اس لئے کارگل آپریشن کے ذریعے بحالیِ امن کے عمل کو

سبوتاژ کیا گیا۔ جس کی بعد میں بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑی۔ غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے ہم ہندوستان کا مقابلہ نہ کر سکے، اپنی شکست جرنیلوں نے نواز شریف کے نام کر دی۔

مسلم لیگ کا نیا جنم

12 اکتوبر کے بعد اسمبلیوں کو توڑنے کی بجائے معطل رکھا گیا اور ارکان اسمبلی سے کہا گیا کہ وہ نواز شریف صاحب کا ساتھ چھوڑ کر نیا قائد ایوان منتخب کر لیں تو اسمبلیاں نہ صرف بحال ہونگی بلکہ اپنی مدت پوری کریں گی۔ سیاستدان کو اس سے بڑھ کر کوئی لالچ نہیں دیا جا سکتا کہ اُس کی رکنیت بحال رہے اور اُسے نئے انتخابات کا سامنا نہ کرنا پڑے، ظاہر ہے کہ نئے انتخابات میں کامیابی یقینی نہیں ہوتی۔ اخراجات اس کے علاوہ، پھر رات دن کے دھکے، گویا یہ زندگی اور موت کی جنگ ہوتی ہے۔ غلام حیدر وائیں جیسا بے ضرر انسان بھی انتخابی مہم میں قتل ہو سکتا ہے۔ اس لئے جرنلوں کو یقین تھا کہ اراکین اسمبلی نیا لیڈر منتخب کر لیں گے اور پھر مسلم لیگیوں سے خاص طور پر یہی توقع تھی۔ لیکن اس نئی مسلم لیگ نے اسمبلیوں کی رکنیت اور وزارتوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ چند افراد جن میں سے ہر ایک وزیر اعظم بننا چاہتا تھا، نے بے چینی کا اظہار کیا، مگر وہ بھی نواز شریف کو چھوڑنے کی ہمت نہ کر سکے۔

اب اسٹیبلشمنٹ نے دوسرا حربہ استعمال کیا۔ نواز شریف کو جلاوطن کر کے مسلم لیگ میں توڑ پھوڑ کا عمل شروع کر دیا۔ اس میں بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اِس وقت تک مسلم لیگ (ن) کا صدر، جنرل سیکرٹری، تمام صوبوں کے صدور اور جنرل سیکرٹری وہی ہیں جو 12 اکتوبر سے پہلے تھے۔ چند ایک عہدیدار ساتھ چھوڑ گئے۔ ابھی تک سنٹرل ورکنگ کمیٹی کے زیادہ تر ممبران بھی وہی ہیں۔ اراکین اسمبلی اپنی جگہ پر قائم رہے تو اسمبلیوں کو توڑ دیا گیا۔ اسمبلیاں ٹوٹ گئیں، ارکان کی اکثریت کو نہ توڑا جا سکا۔

اب نئی بساط بچھائی گئی لیکن نئے انتخابات کیلئے ٹکٹوں کا لالچ، نیب کا خوف، مسلم لیگیوں کو نہ توڑ سکا۔ جب نئے انتخابات کرائے گئے تو (ق) لیگ کے 380 میں سے 37 افراد بہ مشکل جیت سکے۔ باقی وفاداریاں بدلنے والوں کو عوام نے سخت سزا دی۔ انتخابات کے نتائج روک دیئے گئے۔ وقفہ کے بعد اپنی برتری کے نتائج کا اعلان کرنا شروع کیا گیا، پھر بھی ق لیگ کے 70 سے زیادہ افراد نہ جیت سکے۔ اس مرتبہ دھاندلی کا نیا طریقہ ایجاد کیا گیا، ہمارے جیتنے والے امیدواروں کو آخری مرحلے میں یرغمال بنایا گیا۔ ہمارے پاس ووٹ تھے، امیدوار کوئی نہ رہنے دیا گیا۔ نیب کا خوف بڑے بڑوں کا پتہ پانی کرنے کو کافی تھا۔ ایسی قید جس میں ضمانت کا کوئی قانون نہ ہو، ایسا ہی تھا جیسے پرانے وقتوں کے بادشاہ اپنے مخالفین کو اندھے کنویں میں پھینک کر بھول جاتے تھے۔ پھر بددیانتی کا تمغہ۔ کون بھلا آدمی عمر بھر کی صفائی دیتا پھرے۔

ہم نے حکمتِ عملی اختیار کی کہ جہاں ہمارا اُمیدوار نہیں، ق لیگ کو منتخب کرنے سے بہتر ہے کہ پیپلز پارٹی یا مجلس عمل کے امیدوار کو ووٹ دے کر وفاداریاں بدلنے والے لوٹوں کو سزا دی جائے۔ اس مرتبہ یہی کافی ہے کہ

لوٹے اسمبلیوں میں نہ آسکیں۔ دوسرا مقصد اس حکمتِ عملی کا یہ تھا کہ وفاداریاں تبدیل کرنے والوں کو پتہ چل جائے کہ عوام اُن پر سیاست کے دروازے ہمیشہ کیلئے بند کردیں گے۔ ہم نے اِن انتخابات میں دونوں مقاصد حاصل کر لئے۔ مقامی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر یہ پیغام جاچکا ہے کہ موجودہ اسمبلیاں عوام کی ترجمان نہیں اور مسلم لیگ کا ووٹ بنک اُسی طرح قائم ہے۔ تقریباً 70 فیصد لوٹوں کو عوام نے سزا دی۔ 30 فیصد لوٹوں کو دھاندلی کے ذریعے بچالیا گیا۔ مگر انتخابی عمل اُن کا پیچھا کر رہا ہے۔ راولپنڈی کا ضمنی الیکشن اس کا بیّن ثبوت ہے۔ جس میں ق لیگ کے ایک وزیر کی خالی نشست پر ان کا بھتیجا 15 ہزار ووٹوں سے ہار گیا۔ مجموعی طور پر مسلم لیگ کے یرغمالی اور آزاد ووٹوں کی تعداد ایک کروڑ سے زیادہ ہے۔ جب بھی آزاد انتخابات ہونگے یہ ووٹرز اپنا فیصلہ دیں گے اور مسلم لیگ ایک بار پھر بھرپور اکثریت حاصل کرے گی۔

جن ایجنسیوں نے پاکستان کی اس نظریاتی دفاعی لائن کو توڑا ہے، انہیں احساس ہو گیا ہوگا کہ مصنوعی طور پر قیادت پیدا کرنے کا عمل ناکام ہو چکا۔ عوام باشعور ہیں اور وہ اپنی توہین کا بدلہ انتخابات میں اپنے ووٹ کے ذریعے لے لیتے ہیں اور اب یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ انتخابات کے بغیر کوئی نظام نہیں چل سکتا اور یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی کہ گملوں میں پیدا کی ہوئی قیادت ملک کو بحران کی طرف دھکیل دیتی ہے۔ عوام کے سیلاب کے سامنے ریت کے بند نہیں باندھے جاسکتے۔

مسلم لیگ نے ایک صدی سے جدوجہد کے جن پہلوؤں سے کوتاہی کی تھی وہ قرض ہم ادا کر رہے ہیں۔ اب ایک ایسی مسلم لیگ وجود میں آچکی ہے جو ملکی اور بین الاقوامی دباؤ کی مزاحمت کرسکتی ہے۔ قید اور صعوبتیں ہمارا زادِ راہ بن گئی ہیں۔ ہمارے سینوں میں ملک کی تقدیر بدلنے کا عزم ہے۔ خواص کی بجائے عوام مسلم لیگ کی ترجیح بن چکے ہیں۔ مثبت سوچ رکھنے والی متوسط طبقے کی پڑھی لکھی قیادت نظریاتی سیاست کیلئے تیار ہے۔ اقتدار اب مقصد حیات نہیں بلکہ اقتدار کا حصول پاکستان کے مستقبل کو بہتر بنانے کیلئے درکار ہے۔

میرا خمیر مسلم لیگ سے اٹھا تھا مگر میں اس جماعت سے گریزاں رہا۔ میرے خاندان کے لوگ میرے مسلم لیگ میں شامل نہ ہونے کے فیصلے سے مطمئن نہ تھے۔ لیکن میں ہر آمر کو خوش آمدید کہنے والی جماعت کے قریب بھی نہ جانا چاہتا تھا۔ وقت نے ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت آمریت کو جس جرأت اور بے باکی سے مسلم لیگ نے للکارا ہے کوئی اور جماعت ایسا نہیں کرسکی۔ ہماری جماعت پر عملی طور پر پابندی ہے، ہمیں غیر اعلانیہ طور پر خلاف قانون قرار دیا جاچکا ہے۔ قیادت جلاوطن ہے، قائمقام صدر جیل میں ہے، ہر رکن اسمبلی کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے، اکثر کارکن جیل یاترا کر چکے۔ ہمارے گھروں، بھائیوں اور بہنوں اور دیگر رشتہ داروں کے گھروں میں رات دن کی تمیز کے بغیر پولیس گھس جاتی ہے۔ جیلوں میں بھی ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں، لیکن مسلم لیگ اِس امتحان میں سرخرو رہی۔ مستقبل مسلم لیگ کا ہے اور مسلم لیگ ہی پاکستان کے تابناک مستقبل کی

ضامن ہے۔ مجھے اِسی مسلم لیگ کی تلاش تھی، جس کا دامن قربانیوں سے بھرا ہوا ہو، جو اصول کی سیاست پر پابند ہو، جو فیوڈلز کے بجائے متوسط طبقے کی جماعت ہو۔ ساتویں جماعت میں مسلم لیگ کا ممبر بننے پر شرمندگی تھی اس پودے کی آبیاری اب خون جگر سے ہوئی ہے۔

مسلم لیگ نے مصلحت پسندی اور قدامت پسندی کا چولہ اُتار دیا ہے۔ اِس جماعت پر اب کسی خاندان یا جاگیردار طبقہ کی چھاپ نہیں ہے۔ نظریاتی سرحدوں کا تحفظ اور جمہوریت ہماری منزل ٹھہری ہے۔ معیشت کو ہمارے منشور میں اولیت دے دی گئی ہے۔ نوجوانوں اور متوسط طبقے کی قیادت کیلئے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ آئین کی حکمرانی میں یقین رکھنے والے دانشوروں کیلئے مسلم لیگ اب تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔ تحریک پاکستان کی کامیابی کو دیکھ کر جاگیرداروں نے مسلم لیگ پر قبضہ کر کے اسے گھر کی باندی بنالیا تھا۔ پھر اسٹیبلشمنٹ نے اِس کی نیک نامی کو اپنے مذموم عزائم کیلئے استعمال کرنے کا جو ڈرامہ کھیلا تھا اب اس کا ڈراپ سین ہو چکا۔ دوبارہ مسلم لیگ میں نظریاتی سیاست کی بنیاد پڑ چکی ہے۔

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

پانچواں باب

میاں نواز شریف سے میرے تعلقات

نواز شریف سے میری پہلی ملاقات

1976ء میں میاں نواز شریف سے میری ملاقات ہمارے مشترکہ مہربان اور جناب مجید نظامی کے قریبی دوست موج دین خان صاحب کے گھر پر ہوئی۔ ملاقات کے وقت برادرِ محترم مجیب الرحمٰن شامی بھی موجود تھے۔ جنہوں نے زندگی کے ہر اہم موڑ پر میری معاونت کی ہے۔ میاں نواز شریف نے میرے ساتھ مل کر سیاست میں حصہ لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں تو حزب اختلاف کی سیاست کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں اس سیاست کیلئے تیار ہوں۔ مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ ایک صنعت کار نوجوان حکومت وقت سے ٹکر لینا چاہتا ہے۔ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو کا طوطی بول رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اجارہ داریوں کی سیاست میں ایک تازہ ہَوا کے جھونکے کا اضافہ ہوگا اور وسائل کی سیاست میں فیوڈل اِزم کا زور وسائل سے ٹوٹے گا۔ ان دنوں ائیر مارشل اصغر خان آمریت کو للکار رہے تھے، میں بھی اُن کے ساتھ شمولیت کا سوچ رہا تھا۔

1977ء کے انتخابات میں میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف نے میری انتخابی مہم میں شرکت کی۔ ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ 1978ء میں مَیں وفاقی وزیر بن گیا۔ ہمارے روابط میں مزید اضافہ ہوگیا۔ انہی دنوں میں مجھے میاں صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میاں صاحب میں برداشت کا مادہ بہت ہے اور مشکل ترین حالات میں بھی وہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ وہ تیز مشاہدے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایک خوبی جو بہت کم سیاستدانوں میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بہت اچھے سامع ہیں۔ ایک مرتبہ گجرات سے چودھری ظہور الٰہی کی صاحبزادی کی شادی میں شرکت کے بعد لاہور جا رہے تھے۔ گاڑی میاں نواز شریف چلا رہے تھے، میں اُن کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر مجیب الرحمٰن شامی اور مصطفیٰ صادق تھے۔ ہم تینوں آپس میں محوِ گفتگو تھے، دنیا جہاں کے موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ میاں نواز شریف بڑی توجہ سے سنتے رہے۔ لاہور پہنچنے تک انہوں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے اُس گفتگو کی جزئیات تک بتا دیں۔

کچھ دوسرے دوستوں کی طرح میری خواہش تھی کہ میاں صاحب صوبے میں وزیر بن جائیں۔ یہ کوشش کامیاب رہی۔ میاں نواز شریف، شہباز شریف اور مجیب الرحمٰن شامی مجھے لاہور ائرپورٹ پر لینے کے لئے آئے، میں نے انہیں مبارک باد دی۔ لیکن اسی اثنا میں مَیں اقتدار سے الگ ہوگیا۔

1985ء میں میاں نواز شریف وزیر اعلیٰ ہو گئے، ظاہر ہے کہ مجھے مسرت ہوئی۔ میرے کچھ ساتھیوں نے 1985ء کی اسمبلی میں حزب اختلاف قائم کرنے کا اعلان کیا۔ میاں نواز شریف اور ہمارے سیاسی راستے الگ الگ ہو گئے، مگر ذاتی احترام کا رشتہ قائم رہا۔ میرے ساتھی ان کے وزیر اعلیٰ بننے پر ناک بھوں چڑھاتے۔ میں نے

ان سے کہا جو نواز شریف کو کم تر سمجھتے یعنی Under Estimate کرتے ہیں، ان کی سیاسی بصیرت کا ماتم کرنا چاہیے۔

اسلامی جمہوری اتحاد کا قیام

میں ابھی مسلم لیگ میں شامل نہ ہوا تھا۔ چودھری شجاعت حسین کے گھر سیاسی جماعتوں کی میٹنگ ہوئی، جس میں اسلامی جمہوری اتحاد (I.J.I) بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مصطفیٰ جتوئی اس کے صدر نامزد ہوئے، پروفیسر غفور احمد سیکرٹری جنرل۔ ایڈیشنل سیکرٹری جنرل کیلئے میرا نام تجویز کیا گیا۔ میاں نواز شریف نے کہا اگر آصف وردگ کو ایڈیشنل سیکرٹری بنا دیا جائے تو وہ زیادہ وقت دے سکیں گے۔ کیونکہ وہ قومی اسمبلی کا الیکشن نہیں لڑ رہے، میں نے فوراً اپنا نام واپس لے لیا۔

پھر مجھے پنجاب آئی جے آئی کا صدر بنانے کی پیشکش کی گئی۔ میاں نواز شریف نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر وہ صدر بنا دیئے جائیں تو انہیں سیاسی معاملات طے کرنے میں آسانی ہوگی۔ (چونکہ وہ وزیر اعلیٰ بھی ہیں) میں نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور وہ اس منصب پر فائز ہو گئے اصرار کے ساتھ مجھے سیکرٹری جنرل بنا دیا گیا۔

جیسا کہ پہلے بتا چکا ہوں، 1988ء میں جب مسلم لیگ حزب اختلاف میں تھی ملک پر محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت تھی میں نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا، اور میاں نواز شریف کے ساتھ پھر سے رابطے بحال ہوئے۔ جن جاگیرداروں نے میاں نواز شریف کے وزیر اعلیٰ بننے کو اپنی توہین سمجھا تھا۔ اب اپنی چرب زبانی سے ان کے اقتدار کو اپنے مخالفین کے خلاف استعمال کرنے لگے۔ ہم جیسے تُرش رو، سخت گو مگر صاف دل رکھنے والے اس اقتدار کی زد میں آ گئے۔ 1991ء میں نواز شریف نے مجھے وزیر بننے کی دعوت دی تو میں نے انکار کر دیا۔ شہباز شریف میرے گھر چودھری نثار علی خان کے ہمراہ آئے، وہ مجھے مجبور کر کے میاں صاحب کے پاس لے گئے۔ میں نے میاں صاحب سے عرض کی، میں وزیر بنوں گا تو کابینہ میں بیٹھ کر تنقید کرونگا۔ انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایسے افراد کابینہ میں ہوں اور میں آپ کی تنقید کو خوش آمدید کہوں گا۔ دوسری مرتبہ 1997ء میں میاں نواز شریف نے ملتان ائیر پورٹ پر کہا کہ آپ حلف اٹھانے کیلئے تیار رہیں۔ میں نے عرض کی، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں وزیر نہیں بنوں گا۔ میاں صاحب نے کہا اس فیصلے کا حق آپ نے مجھے دیا ہوا ہے۔ میں نے کہا، میں نے وہ حق واپس لے لیا ہے۔ میں نے ملتان سے ایک اور ایم این اے کا نام وزارت کے لیے تجویز کر دیا۔ اسی اثنا میں میاں شہباز شریف ملتان میرے گھر تشریف لائے۔ میرے پاس انکار کی مزید گنجائش نہ تھی۔

آئین کی 13 ویں ترمیم توہین رسالت اور شریعت بل پر میرا اپنا موقف تھا اور میں نے وزیر اعظم کے سامنے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ میاں صاحب نے ایک مرتبہ کابینہ کا اجلاس بلانے میں تین مہینے کی تاخیر کر دی۔ سب وزیر ایک دوسرے سے ملتے تو احتجاج کرتے، سامنے کوئی بات نہ کرتا۔ جب کابینہ کی میٹنگ ہوئی تو

میں نے وزیراعظم سے کہا کہ اگر آپ کو ہم پر اعتماد نہیں تو آپ نئی کابینہ بنالیں۔لیکن قومی مفاد کا تقاضا ہے کہ کابینہ کا اجلاس بروقت بلایا جائے۔میں میاں نواز شریف کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ خندہ پیشانی سے میری تنقید کو برداشت کرتے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے وزارتی فیصلوں میں انہوں نے کبھی مداخلت نہ کی اور ہمیں آزادانہ فیصلے کرنے کا اختیار تھا۔ہمارے غلط فیصلوں کی ذمہ داری بھی وزیراعظم اپنے سر لے لیتے۔انہی میں سے ایک فیصلہ زرمبادلہ کے ذخائر سے متعلق تھا۔

سردار یعقوب خان ناصر کو وزارت سے فارغ کرنے کا طریق کار ٹھیک نہیں تھا۔میں استعفیٰ لکھ کر میاں صاحب کے پاس گیا اور انہیں پیش کر دیا۔انہوں نے استعفیٰ پھاڑ کر میری جیکٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا آپ کا اور میرا زندگی بھر کا ساتھ ہے۔سردار صاحب سے زیادتی کا ازالہ بہت جلد ہو جائے گا، اور یہ بات آپ سردار صاحب کو بتا دیں۔میں نے سردار یعقوب خان کی رہائش گاہ پر انہیں میاں صاحب کا پیغام پہنچایا۔میں سردار صاحب کے الفاظ کبھی بھول نہیں سکتا۔انہوں نے کہا میاں صاحب میرے کپتان ہیں، وہ جس پوزیشن پر کھیلنے کو کہیں گے، میں اُن کا فیصلہ قبول کرونگا۔سردار صاحب پنجاب کے علاوہ پورے پاکستان سے واحد ممبر قومی اسمبلی ہیں جو مسلم لیگ ن کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔

جرأت اور انکساری

1993ء میں میاں نواز شریف نے انتظامیہ (Establishment) سے بغاوت کی تو وہ ایک بالغ نظر سیاستدان کے طور پر قومی منظر پر اُبھرے۔میں اُن کے ہراول دستے میں شامل تھا۔

ہم ان کے ساتھ محوِ سفر تھے اور مشکلات کا لق و دق صحرا عبور کر رہے تھے۔کراچی ایئرپورٹ پر اترے تو ایک بہت بڑا جلوس استقبال کے لیے موجود تھا۔ہم قائداعظم کے مزار پر حاضری دینے کے لیے روانہ ہو گئے۔فوجی حکام نے ہمیں راستہ تبدیل کرنے کا حکم دیا۔میاں نواز شریف آگے بڑھتے رہے۔فوجی جوانوں نے پوزیشنیں سنبھال لیں اور بندوقوں کا رخ ہماری طرف پھیر دیا۔شیخ رشید نے شدید اصرار کے ساتھ میاں صاحب سے کہا: ہمیں واپس چلے جانا چاہیے۔اعجاز الحق نے کہا: میں فوجی پس منظر رکھتا ہوں، جب فوجی اس طرح پوزیشنیں سنبھال لیں تو انہیں قتل Shoot to Kill کا آرڈر مل چکا ہوتا ہے۔ہمیں ان کی ہدایت کے مطابق راستہ تبدیل کر لینا چاہیے۔جب انہوں نے بار بار اپنے موقف پر اصرار کیا تو میں نے اور میجر راجہ نادر پرویز نے، دونوں کو کہا کہ وہ ٹرک کی بنی ہوئی سٹیج سے نیچے اتر جائیں۔میاں نواز شریف ایک لمحے کے لیے نہیں گھبرائے، وہ ہر طرح کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔انہوں نے میگا فون مجھے تھما دیا اور کہا: جلوس کو پر جوش طریقے سے آگے بڑھائیں۔مجھے گولی یا لاٹھی کی پرواہ نہیں۔شیخ رشید نے کہا میاں صاحب آپ نے پشاور میں جا کر جلسہ کرنا ہے، وہ کیسے ہوگا؟ میں نے کہا: اگر آج یہاں سے واپس چلے گئے تو کوئی ماڈل ٹاؤن سے باہر نہ نکلنے دے گا۔جب جلوس

آگے بڑھا تو فوجی حکام نے سید غوث علی شاہ کو بلا کر کہا کہ آپ کا جلوس اگر تیز تیز چلے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ میاں نواز شریف نے کہا کہ یہ آہستہ ہی چلے گا اور ہم ہنستے ہوئے اسی رفتار سے چلتے رہے۔ میاں صاحب بعد میں اکثر مجھ سے پوچھتے تھے، شیخ رشید کو کیا ہو گیا تھا؟

ع ہم چپ رہے ہم ہنس دیے مقصود تھا پردہ تیرا

اسی مہم کے دوران جب ہم جنوبی پنجاب میں تھے، میاں نواز شریف نے مجھ سے کہا: جاوید صاحب میری وجہ سے آپ کو سیاسی طور پر بہت نقصان پہنچا، اگر آپ سیاسی طور پر تربیت یافتہ نہ ہوتے تو شاید آج سیاست میں موجود نہ ہوتے۔ میں نے کہا کہ جس دن آپ نے اعلان کیا تھا کہ آپ ڈکٹیشن (Dictation) نہیں لیں گے۔ اسی دن میں نے آپ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آپ نے اپنے خاندان کی سیٹ پر مجھے منتخب کرا کے سب چیزوں کی تلافی کر دی ہے۔ وہ بضد رہے کہ میں ان کی معذرت قبول کروں۔ صدیق خان کانجو اور دوسرے مقامی سیاسی رہنما گاڑی میں موجود تھے۔ میاں صاحب نے ان سے کہا کہ وہ بھی مجھے معذرت قبول کرنے کو کہیں۔ میں نے لاکھ انکار کیا، مگر آخر کار مجھے کہنا پڑا کہ مجھے آپ کی معذرت قبول ہے۔ میاں صاحب نے کہا کہ اب مجھے اطمینان ہوا۔

ایٹمی دھماکے کا فیصلہ

ایٹمی دھماکہ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے کیلئے کابینہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ میں سوئٹزرلینڈ میں تھا۔ جنیوا سے بھاگم بھاگ اسلام آباد پہنچا، اس کیلئے مجھے جنیوا سے زیورچ، زیورچ سے لندن اور لندن سے لاہور کا طویل سفر کرنا پڑا۔ لاہور پہنچا تو اسلام آباد کیلئے کوئی فلائیٹ نہ تھی۔ کار سے سفر کر کے سیدھا کیبنٹ روم (Cabnet room) پہنچ گیا۔ میری شیو بڑھی ہوئی تھی اور ظاہری حالت طویل سفر کی کہانی کہہ رہی تھی۔ طویل بحث میں ''داناؤں'' کا پلہ بھاری ہو گیا۔ انہوں نے کہا اگر آپ نے ایٹمی دھماکہ کیا تو چند روز خوشی کے شادیانے بجیں گے، قوم بھنگڑے ڈالے گی۔ جب معاشی پابندیوں کا اطلاق ہوگا، تو عوام بلبلا اٹھیں گے، ایٹمی دھماکہ کی حمایت کرنے والے دانشور ساتھ چھوڑ جائیں گے اور آپ تنہا کھڑے ہوں گے۔ بے شک ان کے دلائل بہت وزنی تھے۔ میں نے ایٹمی دھماکے کے حق میں طویل گفتگو کی۔ ہر چند سفر نے نڈھال کر رکھا تھا جب میں نے بات مکمل کر لی تو میاں نواز شریف نے چٹ پر لکھ بھیجا، "Javed Hashmi I am proud of you" ''جاوید ہاشمی مجھے آپ پر فخر ہے''۔ بالآخر کابینہ نے ایٹمی دھماکے کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

آج کی تصویر یہ ہے کہ ملک کی مذہبی قوتیں اور فوج جو ایٹمی پروگرام کے حق میں ہیں، وہ بھی یوم تکبیر منانے سے احتراز کرتی ہیں۔ وہ دن جب دھماکہ کیا گیا۔

ایٹمی پروگرام ذوالفقار علی بھٹو نے شروع کیا تھا۔ مجھے ان کے پیروکاروں سے توقع تھی کہ وہ اس

پروگرام کو اپنائیں گے، خواہ بین الاقوامی قوتوں کا کوئی اور موقف کیوں نہ ہو۔ یہ پروگرام یتیم ہے کہ بھٹو اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے اس کارنامے کو صرف مسلم لیگ (ن) ہی نے اپنا رکھا ہے۔

جنرل زینی Zinni نے اپنی کتاب Battle Ready میں لکھا ہے کہ کس طرح کارگل کے موقع پر اور ایٹمی دھماکے کے مرحلے میں نواز شریف ثابت قدم رہے اور دونوں موقعوں پر جنرل مشرف اور جنرل جہانگیر کرامت کا کردار کیا تھا۔ یہ حقائق قوم کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہیں۔ سیاستدان قوم کی بقاء کی جنگ لڑ رہا تھا اور جرنیل اپنی ملازمت کی۔

میں جیل کی کال کوٹھڑی سے پوری آواز کے ساتھ نواز شریف سے کہنا چاہتا ہوں: نواز شریف پاکستان کو آپ پر فخر ہے۔ "Nawaz Sharif Pakistan is Proud of You"

صنعت کار جاوید ہاشمی یا گڈریا

میں 1978ء میں وفاقی وزیر تھا۔ رانا نذرالرحمٰن کے دوست اقبال اظہر مجھے ملنے آئے۔ وہ حکومت پنجاب سے جاپان کے بلڈوزروں کا سودا کرا رہے تھے۔ کہا: محمود ہارون کی کمپنی میرا حق چھیننا چاہتی ہے۔ وہ وزیر داخلہ ہیں میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ایک کروڑ بیس لاکھ کمیشن ملے گا، مجھے صرف بیس لاکھ مل جائیں تو میری زندگی میں انقلاب آ جائے گا، باقی آپ رکھ لیں۔ اندرون اور بیرون ملک، آپ جہاں چاہیں گے، اس کا بندوبست کر دیا جائے گا۔ میں نے اسے تسلی دی اور کہا: میں آپ کے حق کے لیے لڑوں گا مگر کسی منافع کا حصہ دار نہیں ہوں گا۔ انہیں یقین نہ آیا۔ میں نے محمود ہارون سے کہا کہ آپ کو کچھ فرق نہ پڑے گا مگر اس ''غریب آدمی'' کی حالت سنور جائے گی۔ اقبال اظہر کو عدالت نے اس کا حق دے دیا۔ میں وزارت سے استعفیٰ دے کر عمرے پر گیا تو وہاں ان سے ملاقات ہوگئی۔ میرے گاؤں کے لوگ بھی ساتھ تھے۔ اقبال اظہر نے پورا واقعہ ان کے سامنے دہرایا اور کہنے لگے: انہیں سمجھایئے، اللہ کا گھر میرے سامنے ہے، میں اِس دولت میں اِن کا حق تسلیم کرتا ہوں۔ میں نے کہا: میں بھی اللہ کے گھر کو گواہ بنا کر کہتا ہوں، میرا آپ کے نفع میں کوئی حصہ نہیں۔

1985ء میں جنرل ضیاء الحق صاحب نے منتخب ارکان اسمبلی کو عشائیہ دیا۔ پاکستان بھر سے اہل دانش اور اہل ہنر جمع کیے گئے۔ ضیاء الحق ہر ایم این اے سے فرداً فرداً مل رہے تھے۔ جب میں اُن سے مل رہا تھا تو پوچھنے لگے: آپ کی فارمنگ کا کیا حال ہے۔ میں نے کہا: میری 10 سالہ خود کاشت کا یہ بدترین سال ہے۔ ساری توجہ سیاست پر مرکوز رہی ہے اس لیے کپاس چار ہزار من سے چھ سو من پر آ گئی۔ گندم کی فصل کا بھی یہی حال ہونے والا ہے۔ ہم خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ سیٹھ داؤد نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا۔ ضیاء الحق صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر میرے ہاتھ سے ملایا اور کہا سیٹھ! تم پاکستان کے مستقبل سے ہاتھ ملا رہے ہو۔ اس کے بعد ساری شام سیٹھ داؤد نے میرا پیچھا کیا۔ اگلے دن پھر ان کا فون آیا۔ وہ کہنے لگے میں نے نور حیات نون کو شوگر مل لگوا کر دی ہے۔ آپ کو شوگر مل لگانی چاہیے ''آپ سرمایہ اور تکنیکی مدد کی پرواہ مت کرو''۔ سیٹھ داؤد کا بیٹا رزاق جو بعد میں پرویز مشرف کی پہلی کابینہ میں وزیر بنا طالب علمی کے دور سے میرا دوست ہے۔ دوسرا بیٹا حسین بھی میرا پرانا واقف ہے۔ پاکستان کے لیے سیٹھ داؤد اور انکے خاندان کی خدمات قابل قدر ہیں مگر میں جانتا تھا اگر میں نے سیاست اور صنعت کو ایک ساتھ چلایا تو صنعت تباہ ہوگی اور سیاست بھی۔

1992ء کے آخر میں کابینہ کی میٹنگ سے فارغ ہو کر نکلے تو میاں نواز شریف نے بلا لیا۔ انہوں نے مجھے کہا: کہ آپ کے وسائل محدود ہیں آپ سیاست کو کیسے چلا رہے ہیں؟۔ میں نے کہا میں اپنے اخراجات کو محدود

کر لیتا ہوں۔انہوں نے کہا: آپ لمبے عرصے تک جاگیرداروں کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ آپ تھک جائیں گے۔ ان کی بات میں وزن تھا، وہ کہنے لگے کاروبار کوئی گناہ نہیں۔آپ کے پاس زمینیں ہیں، آپ شوگر مل لگا لیں۔ صنعت لگانے کے لیے قرض لینا آپ کا حق ہے۔

انہوں نے اپنے سیکرٹری چودھری عبدالرؤف کو بلایا، جو بعد میں لاہور کے کمشنر رہے اور اب وزیراعظم کے ایڈیشنل سیکرٹری ہیں۔ حکم دیا گیا کہ کاغذات مکمل کریں۔قرضے کی پروگریس وزیراعظم کو پیش کی جائے۔رؤف چودھری اپنی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ میرا پیچھا کرتے رہے۔رؤف چودھری اور میں یونیورسٹی میں اکٹھے تھے اور بطور طالب علم ہم انہیں ولی سمجھتے تھے۔مجھے کہا: شوگر مل کے حصہ داران کے نام آپ کو دیتے ہیں، باقی سارا کام ہمارے ذمہ۔ میں نے کہا میں آپ کو صنعتکار جاوید ہاشمی کے طور پر اچھا لگوں گا؟ کہنے لگے وزیراعظم صاحب کا حکم یہی ہے، میں کل آپ کی رہائش گاہ پر حاضر ہوں گا۔دوسرے دن وہ صاحب میرے ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ میں نے کہا آپ مجھے طالب علمی کے دور سے جانتے ہیں۔کیا میں فیکٹری چلا سکتا ہوں؟ ہنس کر کہنے لگے: وزیر اعظم کی خواہش کے علاوہ اب یہ میری نوکری کا سوال ہے۔میں نے کہا: میں میاں صاحب کی یہ محبت ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ میں گنے کے جوس کی ریڑھی نہیں چلا سکتا، شوگر مل کیسے چلاؤں گا؟ جہاں تک آپ کی نوکری کا تعلق ہے آپ جیسے باصلاحیت اور باکردار افسر کو کوئی نظرانداز نہیں کرسکتا۔

میری والدہ کہا کرتی تھیں، ایک مولوی صاحب وعظ فرماتے کہ اگر آپ بسم اللہ پڑھ کر دریا میں کود جائیں تو دریا آپ کو رستہ دے گا۔ایک گڈریا بسم اللہ کا ورد کر کے دریا میں اترا تو دریا نے اسے رستہ دے دیا۔اب یہ اس کا روز کا معمول ہو گیا۔ مولوی صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی دریا عبور کرنے کا فیصلہ کرلیا۔احتیاطاً انہوں نے رسی کا ایک سرا شاگردوں کو پکڑا یا، اور دوسرا سرا ٹانگ سے باندھا، پھر بسم اللہ پڑھ کر دریا میں کود گئے۔ابھی وہ درمیان میں تھے کہ پانی کا بہت بڑا ریلا انہیں بہالے گیا۔ میں گڈریا رہنا چاہتا ہوں، یقین کی دولت کے ساتھ اور جانتا ہوں بے یقینی خسارے کا سودا ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر یا نیا سامراج

1999ء جنیوا میں اقوام متحدہ کی ورلڈ ہیلتھ اسمبلی سے خطاب کے بعد اپنی نشست پر واپس آیا، تالیوں کے شور میں مبارکباد کا سلسلہ جاری تھا۔ خصوصاً جنوبی امریکہ اور افریقہ کے ممالک کے وزراء میری تقریر کو بہت سراہ رہے تھے۔ میں نے جہاں پاکستان کے عوام کی صحت کے مسائل پر گفتگو کی وہاں بین الاقوامی دواساز کمپنیوں کی لوٹ کھسوٹ اور امیر ممالک کی طرف سے اُن کی سرپرستی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ میں نے کرہ ارض کے جنوبی حصے کے ممالک کو متفقہ پالیسیاں بنانے کا مشورہ دیا۔ ابھی میں شکریہ ادا کر رہا تھا کہ اعلان کیا گیا کیوبا کے سربراہ فیڈرل کاسترو خطاب کریں گے۔ تمام مندوبین احتراماً کھڑے ہوگئے اور کاسترو کے سٹیج پر پہنچنے تک پورا ہال تالیوں سے گونجتا رہا۔ فیڈرل کاسترو کا شاندار استقبال اس بات کا مظہر تھا کہ دنیا اپنی آزادی کا تحفظ کرنے والوں کو نہ صرف احترام کے قابل سمجھتی ہے بلکہ اُسے ہیرو کا درجہ دیتی ہے۔ اُسی شام امریکہ کی خاتون اول ہیلری کلنٹن نے بھی خطاب کرنا تھا۔ کاسترو کی پذیرائی کی وجہ سے اُن کا خطاب دوسرے دن تک ملتوی کر دیا گیا، اگلے دن جب وہ خطاب کرنے آئیں تو اُن کا استقبال بھی گرم جوشی سے کیا گیا۔ مگر ہیلری کلنٹن کا استقبال کاسترو کے استقبال کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہیں تھا۔ یہ عام لوگوں کا مجمع نہیں تھا، 187 ممالک کی نمائندگی اُن کے سربراہ کر رہے تھے یا دوسرے درجے کی قیادت۔ گویا یہاں سے پوری دنیا کو پیغام دیا جا رہا تھا کہ اگرچہ امریکہ دنیا کی واحد سپر طاقت ہے لیکن اقوام عالم کی سوچ کا دھارا اُس کے خلاف ہے۔ امریکہ کو اس کی ذرا بھر بھی پرواہ نہیں ہے کہ اسرائیل کے مظالم کے خلاف بارہا جنرل اسمبلی نے بھاری اکثریت سے قراردادیں منظور کیں اور سلامتی کونسل نے بھی کارروائی کا فیصلہ کیا۔ مگر امریکہ نے ویٹو کا استعمال کر کے ضمیر عالم کی آواز سننے سے انکار کر دیا۔

ستمبر 1999ء قاہرہ میں 27 ملکوں کی وزرائے صحت کی کانفرنس میں شرکت کے لیے پہنچا تو قاہرہ کی تمام بڑی بڑی عمارات سوائے اہرام مصر کے صدر حسنی مبارک کی تصویروں والے لباس سے ملبوس تھیں۔ معلوم ہوا مصر کے صدر کو مزید سات سال کے لیے منتخب کرنے کے لیے انتخابات ہو رہے ہیں۔ انتخابات کی گہما گہمی سے اندازہ ہوتا تھا مقابلہ سخت ہے۔ میں نے بیگم حسنی مبارک سے پوچھا (جو ہماری کانفرنس میں بطور مہمانِ خصوصی شریک تھیں) کہ صدر مبارک کے مقابلے میں کون آ رہے ہیں۔ انہوں نے میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور مسکرا کر کہنے لگیں، آپ پہلی مرتبہ قاہرہ میں آئے ہیں، میں نے کہا گذشتہ 25 سال میں کئی مرتبہ یہاں آ چکا ہوں لیکن انتخابات کا یہ منظر پہلے نہیں دیکھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ پارٹی نے کسی اور کو ٹکٹ جاری نہیں کیا، اس لیے دوسرا کوئی امیدوار سامنے نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود پولنگ کے دن تک انتخابی مہم اسی سنجیدگی سے جاری رہے

گی۔ میں وطن واپس آ گیا، کچھ دنوں بعد معلوم ہوا عوام نے صدر حسنی مبارک کو بھاری اکثریت سے منتخب کرلیا ہے۔

مجھے نوجوان عرب قیادت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ میں نوجوانوں کا وزیر تھا، سعودی عرب میں ملک فہد کے صاحبزادے میرے ہم عہدہ تھے۔ اُس وقت شاہ خالد سعودی عرب کے فرمانروا تھے۔ ایک ملاقات میں مَیں نے کہا آپ کے پاس وسائل ہیں مگر چوکیدار نہیں ہیں، آپ اپنے ملک کے دفاع کے لیے فوج کیوں نہیں بناتے۔ انہوں نے کہا ہمارے پاس اتنی بڑی فوج ہونی چاہیے جو امریکہ کو شکست دے سکے، عملی طور پر یہ ناممکن ہے اس لیے ہمیں بڑی فوج بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہا اسرائیل تو ہم اُسے شکست دے سکتے ہیں۔ اگر امریکہ اس کی پشت پناہی نہ کرے۔ آپ کی بڑی فوج ہے آپ ہمیں بھی اُسی انجام سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح 1978ء میں اردن کے ولی عہد سے بیونس آئرلیس اور برازیل میں ملنے کا اتفاق، شاہ فیصل کے صاحبزادے اور سعودی عرب کے وزیر خارجہ سعود الفیصل سے بے تکلفی کے کئی مواقع ملے ہیں۔ حافظ الاسد کے بڑے صاحبزادے کے خیالات سننے کا موقع ملا۔ مراکش کے موجودہ بادشاہ سے بھی علیک سلیک ہوئی۔ میں عالم اسلام میں ایک ایسا منظر ابھرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ جہاں روایتی معاشرے انقلابات کی زد میں ہیں۔ نام نہاد جمہوریتیں اور بادشاہتیں نئے حالات کے خوف سے لرزہ براندام ہیں۔

1999ء میں بیرون ملک لمبے دورے کے بعد پاکستان پہنچا، کراچی سے ملتان والی فلائیٹ کا انتظار کر رہا تھا کہ وزیر اعظم کا حکم ملا آپ فوراً لاہور پہنچیں، آپ کے لئے وزیر اعلیٰ پنجاب کا جہاز کراچی پہنچ رہا ہے۔ آپ نے انقرہ جانا ہے۔ میں نے اپنے بچوں اور حلقے کے لوگوں سے ملنے کا پروگرام بنایا ہوا تھا، پہلے ہی میری غیر حاضری کافی طویل ہو چکی تھی۔ اب میں پروگرام کے مطابق بچوں سے ملنے کی حسرت دل میں لئے لاہور روانہ ہو گیا۔ لاہور میں وزیر اعظم کا جہاز انقرہ جانے کے لئے تیار کھڑا تھا، مجھے وزیر اعظم کی نمائندگی کرتے ہوئے ترکی کے سفیر کی اہلیہ کی میت انقرہ پہنچانی تھی، جو موٹروے پر حادثے میں فوت ہو گئی تھی، میں جہاز میں جا کر بیڈروم میں گھس گیا اور عملے کو ہدایت دی کہ مجھے پرواز کی لینڈنگ سے ایک گھنٹہ پہلے جگا دیا جائے۔ انقرہ پہنچنے سے ایک گھنٹہ پہلے میں نے نہا کر کپڑے تبدیل کئے اور تیار ہو گیا، میں جب جہاز سے باہر آیا تو ترکی کے وزیر خارجہ اور وزیر صحت نے مجھے خوش آمدید کہا۔ ائرپورٹ کا ماحول سوگوار تھا، مرحومہ کے خاندان کے علاوہ عمائدین کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

مجھے پاکستان کے سفیر نے ایک طرف جا کر کارگل کی تازہ ترین صورتحال کے بارے میں بتایا اور اطلاع دی کہ پاکستان نے ہندوستان کے دو مِگ طیارے مار گرائے ہیں۔ جہاز کے عملے اور سفیر نے کہا: اگر آپ مناسب سمجھیں تو کچھ وقت کے لئے رُک جائیں تاکہ عملہ کو کچھ آرام مل جائے۔ میں نے اجازت دے دی اور سفیر پاکستان سے کہا: میں نے جہاز میں کافی آرام کرلیا ہے میں اتاترک کے مزار پر جانا چاہتا ہوں۔ تمام انتظامات مکمل ہو گئے اور میں اتاترک کے مزار پر فاتحہ خوانی کرنے کے لئے پہنچ گیا۔

اتاترک کے مزار پر فاتحہ خوانی کے بعد عصمت انونو کی قبر پر چلا گیا۔ جدید ترکی کی نوے سالہ تاریخ میرے سامنے تھی۔ اتاترک نے یونان اور برطانیہ کی فوجوں کو اس وقت شکست سے دوچار کیا جس وقت محوری شکست کھا کر ذلت آمیز معاہدوں پر دستخط کر رہے تھے اور اتحادی دنیا پر چھا چکے تھے۔ جس طرح آج امریکہ کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا، اتحادیوں کے سامنے کھڑا ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اتاترک نے نہ صرف ترکی کی شکست کو فتح میں بدل دیا بلکہ ترکی جو یورپ کا مرد بیمار کہلاتا تھا اسے باوقار قوموں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ آج کا ترکی اپنی فوج کی بے بہا قربانیوں کے صلے میں قائم ودائم ہے۔

اتاترک نے کبھی عالم اسلام کا رہنما ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، اس کے نظریات سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے اور ترک قوم اپنے ان اختلافات کا اظہار کئی مرتبہ انتخاب کے ذریعے کر چکی ہے۔ پاکستان کے وجود کی بنیاد ہی اسلامی تشخص میں مضمر ہے۔ اس لئے اتاترک کی تمام تر عظمت کے باوجود ان کے خیالات پاکستان میں نافذ کرنے سے پاکستان کے قیام کا جواز ہی باقی نہیں رہتا۔ اتاترک کو عربوں سے جائز شکوہ تھا اور وہ اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے کوئی مزید بوجھ اٹھانے کو تیار نہیں تھا، عرب بھی آزادی چاہتے تھے۔ استعماری قوتیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پورے علاقے کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتی تھیں تاکہ اپنی مرضی کی کٹھ پتلی حکومتیں مسلط کر کے اپنے مفادات کا تحفظ کر سکیں، انہی چالبازوں کا ثمر ہے کہ مسلمان بطور ایک قوت کے نہیں ابھر سکے اور نہ اپنے وسائل سے فائدہ اٹھا کر اپنے عوام کی قسمت بدل سکے ہیں۔ دنیا کے ساٹھ فیصد سے زیادہ تیل کے ذخائر رکھنے والی قومیں غربت، جہالت اور ذلت کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں۔ اتاترک نے مشکل حالات میں باوقار طریقے سے زندہ رہنے کے لئے جنگ کی اور عالمی استعمار کی دھمکیوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔

میں اتاترک کے مزار سے نکل رہا تھا کہ پیغام ملا ترکی کے وزیراعظم بلند ایجوت مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم وہاں سے سیدھا وزیراعظم ہاؤس پہنچے، راستے میں سینکڑوں کیمروں کی چکاچوند روشنی حائل تھی۔ میں نے وزیراعظم کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ بطور سیاستدان مجھے احساس ہے کہ آپ کا آج کا دن بہت مصروف ہے، اسی دن چار ماہ کی انتھک کوششوں کے بعد ان کی مخلوط حکومت کی کابینہ حلف اٹھا رہی تھی۔ میں نے کہا: یہ آپ کی میرے ملک کے لئے محبت ہے کہ آپ نے شیڈول تبدیل کر کے مجھے ملاقات کا اعزاز بخشا ہے۔ وہ سنجیدہ ہو کر کہنے لگے، میں نے ایک دو ضروری باتیں آپ سے کرنی تھیں، واپسی تک آپ کی حکومت بھی ہو گی یا نہیں، میں کارگل کے حالات دیکھ رہا ہوں، ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم ابھی تک اپنے ملکوں کو مستحکم حکومتیں نہیں دے سکے، جس کی وجہ سے ہم معاشی طور پر ترقی نہیں کر سکے۔ کہنے لگے: مجھے بیس سال پہلے نااہل قرار دے دیا گیا تھا، اب پھر مجبور ہو کر اقتدار میرے حوالے کیا گیا ہے۔ ہم نے جلال بایار اور عدنان مندریس کو پھانسی دی، اب اپنی ائیر پورٹس ان کے نام سے منسوب کرنی پڑی ہیں۔ آپ کو بھی انہی حالات کا سامنا ہے۔ کارگل سے کچھ اور نہ نمودار ہو جائے، جہاں تک پاکستان کی مدد کا تعلق ہے اس سلسلے میں ہمیں

ایک دوسرے کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ۔ پاکستان ہمیشہ ترکی پر اعتماد کر سکتا ہے۔ ہم دو سیاستدان ایسے مل رہے تھے جیسے انتخابی مہم میں محلے کے کھوکھے پر بیٹھ کر گپ شپ کر رہے ہوں۔ ہم چائے بھی شڑاپ شڑاپ کر کے پی رہے تھے اور کسی قسم کے تکلف کو روا نہیں رکھ رہے تھے۔ میں نے شکریہ ادا کر کے اجازت چاہی اور وزیر خارجہ سے بھی خدا حافظ کہا۔ اس نے کہا کہ میں ائیر پورٹ تک چلوں گا، میں ائیر پورٹ پہنچا تو وزیر صحت اور وزیر خارجہ نے مجھے خدا حافظ کہا۔ کارگل کے سانحے کے بعد ہماری حکومت ختم ہوگئی۔ پرویز مشرف جو اتاترک کے پیروکار ہیں کی حکومت قائم ہوگئی۔

بلند ایجوت نے ملائشیا اور ہندوستان کا دورہ کیا، ہماری حکومت کی کوشش کے باوجود پاکستان میں رکنے سے انکار کر دیا۔ پرویز مشرف ترکی کے دورے پر گئے تو ایک نائب وزیر خارجہ نے ان کا نیم دلی سے استقبال کیا۔ بلند ایجوت اپنے جرنیلوں کی حکومت پسند نہیں کرتا تھا، ہمارے جرنیلوں کا استقبال کیسے کرتا۔

جب فوجی حکومتیں آتی ہیں تو ملک کی حیثیت بین الاقوامی برادری میں ایسی ہو جاتی ہے جیسے اغوا شدہ عورت، خواہ اپنی مرضی سے گئی ہو یا اسے زبردستی اغوا کیا جائے۔ ضیاء الحق صاحب کے دور میں کوئی سربراہ مملکت پاکستان آنے کو تیار نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے مالدیپ کے سربراہ مامون عبدالقیوم تیار ہوئے، مالدیپ کی آبادی اڑھائی لاکھ ہے، اس کی کرنسی کا نام بھی روپیہ ہے اور اس کا وقت پاکستان کے وقت مطابق ہے، اس کی ساری آبادی مسلمان ہے۔ قرب کے باوجود ہم نے ایک جہاز چاولوں کا بھر کر اپنے کرایہ پر وہاں پہنچایا اور ان کے آنے پر مالدیپ کی پارلیمنٹ کی بلڈنگ بنا کر دینے کا تحفہ دیا۔ اگرچہ اپنے ملک کی پارلیمنٹ کا کوئی وجود نہیں تھا، مامون عبدالقیوم کا پاکستان میں اس قدر شاندار استقبال کیا گیا جیسے بغداد سے مامون الرشید عباسی خود آ کر ہمیں سند حکومت عطا کر رہے ہوں۔ میں 1992 میں مالدیپ میں صدر مامون عبدالقیوم کو ملنے گیا تو انہیں اس دورے کی خوشگوار یادیں ابھی تک نہیں بھولی تھیں، پاکستان ٹی وی اور ریڈیو اس دورے کو ایسے پیش کر رہا تھا جیسے امریکہ کا صدر چل کر پاکستان آ گیا ہو۔

پرویز مشرف کے برسر اقتدار آنے پر صدر کلنٹن کو پاکستان میں پانچ گھنٹے رکنے کے لئے وردی نہ پہننے کا وعدہ کرنا پڑا اور مذاکرات کی میز پر طے شدہ معاہدے کے مطابق ایک فاصلے پر بٹھایا گیا۔ صدر بش اس وقت امیدوار صدارت تھے۔ ان سے جب سوال کیا گیا کہ پرویز مشرف کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں تو انہوں نے فرمایا یہ کون ہیں، جو ہندوستان کے نئے وزیر اعظم منتخب ہوئے ہیں۔ میں نے سنا ہے (He is a good guy) وہ اچھا آدمی ہے۔ جب امریکہ کو اپنی پالیسیوں کی حمایت امریکی توقعات سے بڑھ کر ملی تو یوں محسوس ہوتا ہے بش صاحب جنرل پرویز مشرف کے مشورے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چلتے، اب وہ عراق میں جمہوریت چاہتے ہیں اور پاکستان میں پرویز مشرف۔ مجھے سادات کے کیمپ ڈیوڈ سے پرویز مشرف کے کیمپ ڈیوڈ تک خود کو امریکہ کی جمہوریت کے لئے تیار کرنا ہے۔ یہی نیو ورلڈ آرڈر ہے۔ اگر نیو ورلڈ آرڈر یہی ہے تو

جولیس سیزر سے پہلے رومن بادشاہوں کی جمہوریت کیا بری تھی؟

تِلک الایامُ نداولہا

1978ء میں لیاقت باغ میموریل ہال میں روسی طائفہ کرتب دکھارہا تھا میں وزیر ثقافت ہونے کی وجہ سے وہاں موجود تھا، بیگم ضیاء الحق بھی وہاں موجود تھیں۔ روس کے سفیر سرور عظیموف میرے پاس تشریف لائے اور غصے سے کہا: مسٹر پریذیڈنٹ کیوں نہیں آئے؟ میں نے انتہائی مودبانہ انداز میں کہا کہ وہ مصروف ہیں، اُن کی بیگم صاحبہ تشریف لا چکی ہیں۔ کہنے لگے: انہیں یہاں آنا چاہیے تھا، اُن کی آواز میں تحکم تھا، میں خاموش ہوگیا۔ روس دنیا کی دوسری بڑی سپر پاور تھا۔ پاکستان میں روسی سفارت خانہ سیاسی سرگرمیوں میں پوری طرح سرگرم عمل تھا۔ روسی سفیر جس محفل میں جاتے جانِ محفل بن جاتے۔ نہ صرف پاکستانی بلکہ دنیا بھر کے سفیر اُن کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔

1986ء میں روس کے قومی دن کے موقع پر اہم سیاستدان ممبران پارلیمنٹ، صحافی، سفارت کار بڑی تعداد میں موجود تھے اور اپنی حاضری کو اپنے لیے اعزاز تصور کر رہے تھے۔ اُن دنوں محترمہ بےنظیر بھٹو تشریف لا چکی تھیں اور لاہور ائیر پورٹ پر اُن کا تاریخی استقبال کیا گیا۔ وہ بھی روسی سفارت خانے کی تقریب میں مدعو تھیں، جب وہ تشریف لائیں تو کیمروں کی روشنی میں نہائی ہوئی تھیں۔ ہر آدمی اُن سے متعارف ہونے کی کوشش کر رہا تھا، میرے قریب سے گزریں تو مشاہد حسین سید نے (جو اُن دنوں روزنامہ دی مسلم کے ایڈیٹر تھے اور محترمہ بےنظیر بھٹو کے بے تکلف دوست بھی) میرا اُن سے تعارف کرایا وہ کہنے لگیں ان کے تعارف کی کوئی ضرورت نہیں، میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ ہمارے درمیان چند سخت جملوں کا تبادلہ ہوا اور پھر محترمہ نے کہا آپ 1968ء میں میرے والد کے ساتھ تھے اب 1986ء ہے۔ کیا اعداد کے پھیر میں 86 کو 68 میں تبدیل کر کے ہم دوبارہ اکٹھے مل کر کام نہیں کر سکتے؟ میں نے کہا اگر آپ نے جمہوریت کی جنگ جاری رکھی تو ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب ہم ملکر جدوجہد کریں گے۔ اُس وقت روسی سفارت خانہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ فوجی حکمران بھی حاضری کی سعادت حاصل کر رہے تھے اور روسی سفیر اپنے مربیانہ انداز سے حاضرین کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔

1999ء میں نواز شریف نے روس کا دورہ کیا۔ وہ ایک طاقتور وفد لے کر ماسکو پہنچے۔ میں بھی اس وفد میں شامل تھا۔ عظیم طاقت افغانستان پر حملے کے سانحے سے گزر چکی تھی اور گورباچوف کا گلاسناسٹ روس کو سنٹرل ایشیاء کی مسلمان ریاستوں اور روس کے مغربی افق پر مشرقی یورپ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر چکا تھا۔ روس کی سرحدیں سمٹ چکی تھیں اور روس ہمارے ساتھ تعلقات کو نئی جہت دینا چاہتا تھا، مجھے افغانستان کی جنگ کے اثرات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ جس نے روس کی معیشت کی چولیں ہلا کر رکھ دیں اور کیمونزم خود ماسکو میں اجنبی بن گیا، لیکن میں اپنی آنکھوں پر اُس وقت یقین نہ کر سکا جب ماسکو اور پیٹرز برگ کے چوراہوں پر روسی فوج کی

وردی پہنے اور سینے پر بہادری دکھانے والے میڈل لگائے ہوئے افراد بھیک مانگ رہے تھے۔میں نے اپنے روسی ترجمان کی طرف دیکھاتو اُس نے بتایایہ وہ فوجی ہیں جنہوں نے افغانستان کی جنگ میں حصہ لیااور معذور ہوگئے۔کسی کی ٹانگ نہیں تھی، کسی کی آنکھ اور کوئی بازو سے محروم تھا۔ترجمان نے بتایایہ صرف سپاہی نہیں تھے،فوج کے سنیئر ترین عہدوں پر فائز افراد تھے۔میں جب واپس آیا تو مجھ سے ایک طاقتور ملک کے سفیر ملنے آئے اُن کی گفتگو کے انداز سے مجھے سرور عظیموف یاد آ گئے،آج کسی کو معلوم نہیں پاکستان میں روس کا سفیر کون ہے۔

اللہ نے فرمادیا کہ ہم انسانوں اور قوموں کے دن پھیرتے رہتے ہیں،اس دائمی حقیقت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔

12 اکتوبر 99ء مشکل وقت کے ساتھی اور آگ کا دریا

میں 12 اکتوبر 1999ء کو اسلام آباد کی پرواز میں واحد وزیر تھا جو میاں نواز شریف کے ساتھ تھا۔ ہم نے اکٹھے کھانا کھایا اور سیاسی معاملات پر گفتگو کی۔ میں 12 اکتوبر کے پس منظر سے پوری طرح باخبر نہ تھا۔ مگر پیش منظر سے غافل بھی نہ تھا۔ میاں صاحب سے میں نے کہا کہ وہ مجھے کابینہ سے سبکدوش کر دیں۔ میاں صاحب نے چونک کر کہا: کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ میں نے کہا: میاں صاحب آپ کی کابینہ میں سندھ، بلوچستان اور سرحد کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ 15 میں سے 13 وزراء کا تعلق پنجاب سے ہے۔ آپ کابینہ کی تعداد بڑھانا نہیں چاہتے، بہتر ہوگا میری جگہ بلوچستان کے کسی رکن پارلیمنٹ کو وزیر بنا دیا جائے۔ یہ بات میں ناراضگی سے نہیں کہہ رہا، وزارت سے بھی مجھے زیادہ دلچسپی نہیں رہی۔ میں نے کہا ہم مشکل وقت کے ساتھی ہیں۔ خدانخواستہ بُرا وقت آیا تو پیچھے مڑ کر دیکھیے گا، کوئی اور کھڑا ہو یا نہ ہو جاوید ہاشمی ضرور کھڑا ہوگا۔ ہم اسلام آباد ائیر پورٹ پر اُترے تو...... بُرا وقت ہمارا منتظر تھا۔

رائے ونڈ...... جہاں وزارتیں ملتی تھیں، انتخابات کیلئے ٹکٹوں کے فیصلے ہوتے تھے، ضلعی حکومتیں عطا کی جاتیں یا چھینی جاتی تھیں، جہاں پر پرویز مشرف حاضری دیتے تھے۔ میں نے میاں نواز شریف کا وہ گھر نہیں دیکھا ہوا تھا۔ میں اقتدار کے دنوں میں کبھی ماڈل ٹاؤن بھی نہ گیا۔ وزیراعظم ہاؤس میں وزراء بغیر اجازت کے جا سکتے ہیں اور کچھ وزراء صبح کا ناشتہ بھی وہیں کرتے تھے۔ میں وہاں بھی بن بلائے کبھی نہ گیا۔ لیکن اب میں نے خود درخواست کی اور جا کر اُن کے والدین سے رائے ونڈ کے گھر میں ملاقات کی۔ ماڈل ٹاؤن میں ہر ہفتے حاضری کو اپنے اوپر لازمی قرار دیا۔ جو نواز شریف کی تصویر کو نہ بیچنے کا دعویٰ کرتے تھے، زمانہ اُن کی تلاش میں ہے۔

جو لوگ 12 اکتوبر 1999ء تک میاں نواز شریف کے ساتھ شریکِ اقتدار رہے۔ ہمیشہ ہاں میں ہاں ملاتے رہے، 12 اکتوبر کی شام کو انہیں میاں نواز شریف میں یکدم خامیاں نظر آنے لگیں اور انہوں نے ساتھ چھوڑ دینے کا "اصولی فیصلہ" کر لیا۔ میاں صاحب کی خامیوں میں ایک اور خامی کا اضافہ ہو چکا تھا کہ اب وہ اقتدار میں نہ تھے اور جناب پرویز مشرف میں ایک خوبی کا اضافہ کہ وہ حاکم وقت تھے۔ میاں نواز شریف کے دورِ اقتدار میں مجھے اُن سے کئی شکوے تھے۔ کیا 12 اکتوبر کے بعد اِس بنیاد پر ان کا ساتھ چھوڑا جا سکتا تھا؟ ہرگز نہیں، میں آج بھی کہتا ہوں کہ اُن کے طرزِ سیاست میں مشاورت کی کمی تھی، مگر اس کے باوجود 12 اکتوبر کی شام تک میں اُن کے ساتھ تھا، تو 13 اکتوبر کو کس بنیاد پر علیحدگی اختیار کرتا؟

حزبِ اختلاف سے بد معاملگی مجھے اچھی نہ لگتی تھی۔ آصف زرداری اور محترمہ بے نظیر کے یکطرفہ

احتساب کا میں سخت مخالف تھا۔ اسمبلی میں پیپلز پارٹی کے بمشکل 18 ممبران رہ گئے تھے، میں چاہتا تھا کہ محترمہ کو قائد حزب اختلاف کے طور پر پورا پروٹوکول دینا چاہیے۔ قائد حزب اختلاف کی سیٹ جو وزیر اعظم کے برابر ہوتی ہے، اٹھا کر ایک کونے میں کر دی گئی۔ میں نے سپیکر قومی اسمبلی الٰہی بخش سومرو سے شکایت کی۔ انہوں نے کہا: آپ نثار علی خان سے بات کریں۔ میں نے چودھری نثار علی خان کو جا کر کہا کہ ہم ٹھیک نہیں کر رہے۔ ہمیں اتنی سی اپوزیشن سے گھبرا کر ان پر زمین تنگ کرنے کی بجائے انہیں برابر کی سطح پر ملکی معاملات میں شریک کرنا چاہیے۔ میں محترمہ کے طرز سیاست کا کل بھی مخالف تھا، آج بھی ہوں شاید کل بھی رہوں۔

نثار علی خان حیرانی سے میرا منہ تکنے لگے، کیونکہ مجھے پیپلز پارٹی کے سخت ترین ناقدوں میں سمجھا جاتا تھا۔ میں نے اُن سے کہا: ہمیں ذوالفقار علی بھٹو کے طرز عمل پہ اعتراض تھا جو وہ اپنی حزب اختلاف سے روا رکھتے تھے۔ اسٹیبلشمنٹ سیاست دانوں کے اختلافات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے اور اپنا کندھا حزب اقتدار کو پیش کر کے اپنی وفاداریوں کا یقین دلاتی ہے۔ ہمارے رہنما اکثر اس جال میں پھنس کر تباہ رہ جاتے ہیں اور سیاسی عمل کا راستہ روکنے کے جرم میں شریک ہو کر اپنی بقاء اسٹیبلشمنٹ کے ہاں تلاش کرنے لگتے ہیں۔ اسٹیبلشمنٹ شکار کو تنہا پا کر اُس پہ حملہ کر دیتی ہے۔ ہر وزیر اعظم کی بیس سال حکومت کرنے کی خواہش حسرت بن کر رہ جاتی ہے۔ وہی وزیر اعظم ہاؤس قید خانہ میں بدل جاتا ہے اور کبھی کبھی مقتل میں بھی۔

ہماری تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ ہمیں سبق سکھانے کیلئے۔ مگر ہم بچے تو ہیں نہیں کہ تاریخ ہمیں بار ہا ایک ہی سبق پڑھاتی رہے۔ ہم میں سے تو ہر ایک باون گزا ہے۔

وفاداریوں کے بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ ذات کی وفاداری کا رشتہ مضبوط نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں سوچ کا رشتہ سب سے مضبوط رشتہ ہے، خون کے رشتوں سے بھی زیادہ۔ جب تک نواز شریف اپنے موقف پر قائم ہیں، اس راستے میں مجھے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں، بلکہ میں اس قربانی کو نواز شریف کی ذات پر کوئی احسان بھی نہ سمجھوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس رشتے کی اہمیت اب پوری طرح میاں نواز شریف پر واضح ہو چکی ہوگی اور یہ بھی واضح ہو چکا ہوگا کہ ہر تنقید دشمنی نہیں ہوتی اور ہر قصیدہ گو دوست نہیں ہوتا۔ اقتدار کے دنوں میں اپنی اور اپنے بچوں کی جان کو نواز شریف پر قربان کر دینے کا دعویٰ کرنے والے مشکل کے پہلے دن ہی سایہ تلاش کر رہے تھے۔

مجھے معلوم تھا کہ اس راہ پر چلنے کی کیا قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ میرے اہل خانہ کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، میری کردار کشی کیلئے تمام حکومتی ذرائع استعمال کئے جائیں گے۔ جب میری بیٹیوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، پولیس میرے گھر میں گھس جاتی ہے یا میری بیوی اور بیٹیوں کو عدالتوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ میرے بھائیوں، بھتیجوں، بہنوں اور بھانجوں، بھانجیوں کو توہین آمیز رویوں سے واسطہ پڑتا ہے تو میرے لئے کچھ بھی نیا نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ میں نے فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ لیا تھا بلکہ چشم تصور سے آنے والے حالات کو دیکھ

لیا تھا۔ میں اِس سے زیادہ سنگین حالات کا سامنا کرنے کیلئے آگ کے اس دریا میں کودا ہوں۔

میاں صاحب جیل جا چکے تھے، 14 کروڑ عوام کا نمائندہ اغوا کرلیا گیا۔ یہ بھی معلوم نہ تھا، وہ زندہ ہیں یا اُنہیں ختم کر دیا گیا۔ میں نظر بندی ختم ہونے پر ملتان پہنچا، ساری رات بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح کی اذان ہوئی تو میں فیصلہ کر چکا تھا۔ میں نے خاندان کو اکٹھا کیا اور انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ میرے بچوں نے کہا کہ اب تک جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں، ان پر بے پناہ تشدد ہوا ہے۔ میں نے اُن سے کہا: صرف ایک بات کا جواب دیں کہ 12 اکتوبر کا اقدام صحیح ہے یا غلط؟ انہوں نے کہا: غلط ہے۔ میں نے پھر سوال کیا: اس اقدام کو غلط کون کہے؟ کیا آپ چاہتے ہیں کسی اور کا ابو اسے غلط کہہ کر تشدد کا سامنا کرے اور آپ کا والد محفوظ رہے؟ انہوں نے میرے فیصلے کے سامنے سر جُھکا دیا۔

چھٹا باب

فوجی قیادت کا کردار میری نظر میں

جنرل ضیاء الحق سے پہلی اور آخری ملاقات

تین اور چار جولائی 1978ء کی درمیانی شب اڑھائی بجے کے قریب مجھے گھر والوں نے اطلاع دی کہ ڈیرے پر پولیس کی گاڑیاں آئی ہوئی ہیں اور وہ آپ کو ضیاء الحق صاحب کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔ مجھے اپنے اخبار نویس دوستوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ ضیاء الحق صاحب دو تین ملاقاتوں میں میرا ذکر کر چکے ہیں۔ میں بڑے گھر چلا گیا اور اپنے والد محترم کو اطلاع بھجوائی۔ جب وہ جاگ گئے تو میں نے اُنہیں ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ میں نے اپنی اِس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ قومی سطح پر سیاسی کردار ادا کروں۔ اُنہوں نے با دل نخواستہ اسلام آباد جانے کی اجازت دی۔ ساتھ ہی یہ شرط عائد کر دی کہ اگر کسی عہدے کی پیشکش کی جائے تو پہلے اپنے دوستوں سے مشورہ کریں۔

مجھے سرکاری گاڑیوں میں ملتان ایئر پورٹ پہنچایا گیا اور اسلام آباد ائیر پورٹ پر بھی سرکاری گاڑی مجھے لینے کیلئے موجود تھی۔ میں وہاں سے سیدھا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عام لباس پہنا ہوا تھا۔ بوسٹرڈ کی سفید پتلون کے اوپر آدھی آستینوں والی قمیض اور پاؤں میں پشاوری چپل۔ ضیاء الحق نے مجھے دیکھتے ہی جنرل عارف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: عارف تم نے ٹھیک کہا تھا: یہ پاکستان کی تاریخ میں سب سے کم عمر وزیر ہونگے۔ ہوسکتا ہے جنرل کے ایم عارف نے مجھے ویٹنگ روم میں دیکھ کر انہیں وزارت کے منصب کے لیے میری کم عمری کا ذکر کیا ہو، اُس وقت میں ساڑھے اٹھائیس سال کا تھا۔ مجھ سے پہلے نواب اکبر خان بگٹی پاکستان کے کم عمر ترین وزیر تھے۔ وہ تیس سال کی عمر میں ری پبلکن پارٹی کی حکومت میں دفاع کے وزیر مملکت بنے تھے۔ دوسرے نمبر پر ذوالفقار علی بھٹو تھے جو بتیس سال کی عمر میں سکندر مرزا کی حکومت میں بطور وزیر شامل ہوئے۔ ضیاء الحق نے مجھے وزیر بنانے کی پیشکش کی۔ میں نے پوچھا میرے ذمے کیا کام ہوگا؟ ضیاء الحق صاحب نے کہا: آزادانہ انتخابات کرانے کے لیے میری مدد کیجیے۔ میں نے مشاورت کے لیے ایک ماہ کا وقت مانگا۔ میرے والد محترم کا حکم یہی تھا۔ ضیاء الحق صاحب نے کہا: میں آپ سے متفق ہوں آپ سوچ کر بتا دیں۔ میں جونہی باہر جانے کے لیے کرسی سے اٹھا ضیاء الحق صاحب نے انتہائی مشفقانہ انداز میں کہا: پلیز ڈومی اے فیور (Please do me a favour) میں نے کہا: آپ حکم فرمائیں، میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ کہنے لگے: کل کابینہ حلف اٹھا رہی ہے، آپ کو پورے ملک کے دوستوں سے رابطہ کی سہولت مہیا کر دی جائے گی۔ انہوں نے اپنے بیڈ روم کا ٹیلی فون نمبر دیا اور کہا میں رات 3 بجے تک آپکے فیصلے کا انتظار کروں گا۔ براہِ مہربانی فیصلہ قوم اور ملک کے حق میں کیجیے گا۔ پھر انہوں نے جنرل کے ایم عارف کو تمام سہولتیں فراہم کرنے کی ہدایات دیں۔ میں ان سے

رخصت ہو کر انٹر کانٹیننٹل ہوٹل میں آ گیا۔ راولپنڈی کے دوست سعود ساحر، مختار حسن اور شیخ رشید احمد وہیں پہنچ گئے۔ پورے ملک کے دوستوں کی رائے یہی تھی کہ ہمیں ملک کو دلدل سے نکالنے کے لیے معاملات پر کنٹرول حاصل کرنا چاہیے۔ والد محترم سے بڑی مشکل سے رابطہ ہوا میں، نے ساری صورتحال بیان کی۔ انہوں نے میری خواہش کو پیش نظر رکھتے ہوئے اجازت دے دی۔ میں نے رات 2 بجے ضیاء الحق صاحب کو فون کر کے کہا کہ میں نے آپکی ٹیم کا ممبر بننے کا فیصلہ کر لیا ہے، ضیاء الحق صاحب نے کہا: یہ بہت اچھا فیصلہ ہے۔ ملک کے لیے، میرے لیے اور آپ کے لیے بھی۔ میں ایک جوڑا کپڑوں میں اسلام آباد آیا تھا، میرا خیال تھا کہ شام کی فلائٹ سے واپس ملتان پہنچ جاؤں گا۔ دوسرے دن حلف اٹھانے کے لیے ہمیں ہدایت کی گئی کہ قومی لباس یا فارمل ڈریس میں ایوان صدر پہنچیں، میرے پاس نہ شیروانی تھی، نہ واسکٹ اور نہ کوئی سوٹ۔ شیخ رشید جو میرے وزیر بننے کے زبردست حامی تھے، اپنا سوٹ خود استری کر کے انٹر کانٹیننٹل ہوٹل میں لے آئے اور میں نے اسے پہن کر وزارت کا حلف اٹھایا، اگرچہ بعد میں وہ ناراض ہو گئے کہ میں انہیں ان کی شدید خواہش کے باوجود صوبائی مشیر نہ بنوا سکا۔ حلف اٹھانے کے بعد سید سعود ساحر کی رہائش گاہ پر پہنچا محفل میں دوست جمع تھے، چائے کی پیالی میں طوفان آ چکا تھا مستقبل کے خاکوں میں رنگ بھرنے کے خواب دیکھنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔

کابینہ میں شمولیت کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ مجھے فوجی قیادت کے عزائم کو سمجھنے اور اندرونی حالات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میری نظر میں پاکستان کی فوجی قیادت کسی صورت میں اقتدار سے الگ نہیں رہنا چاہتی۔ لیکن بین الاقوامی حالات اور پاکستان کی اندرونی صورتحال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ فوج پیشہ وارانہ ذمہ داریوں پر زیادہ توجہ دے۔

یہ میری زندگی کی واحد سیاسی غلطی تھی جس کا آج تک پچھتاوا ہے۔ حالانکہ ضیاء الحق نے کابینہ کی حلف برداری کے بعد پریس کانفرنس میں وزراء کا تعارف کراتے ہوئے میرے متعلق کہا کہ میں ایک ایسے وزیر کا تعارف کرانے لگا ہوں جس کے لیے وزارت کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ انہوں نے وزیر بن کر وزارت کو باوقار بنا دیا ہے۔ یہ کارروائی براہ راست ٹیلی ویژن پر دکھائی جا رہی تھی۔

مجھے ضیاء الحق صاحب ذاتی حیثیت میں کبھی ناپسند نہیں رہے، انہوں نے نہ صرف ہمیشہ میرا خیال رکھا بلکہ ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کی۔ 1985ء میں جب ہم منتخب ہو کر اسلام آباد پہنچے تو سینیٹر طارق چودھری، ان کے بھائی میاں یاسین، ڈاکٹر بشارت الٰہی اور موجودہ وزیر صحت نصیر خان کے والد اسلم خان مرحوم، رات کو ضیاء الحق اور ان کی بیگم صاحبہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ڈاکٹر بشارت الٰہی نے کہا: کہ آپ کے امیدوار خواجہ صفدر سپیکر کا الیکشن ہار جائیں گے، ضیاء الحق صاحب نے کہا: بلوچستان سے ظفر اللہ خان جمالی، سندھ سے الٰہی بخش سومرو، پنجاب سے جاوید ہاشمی اور سینیٹر طارق چودھری صاحب ان کی مہم چلائیں گے تو وہ جیت جائیں گے۔ ڈاکٹر بشارت

الٰہی نے کہا: کہ جاوید صاحب آپ سے جونیجو کے وزیراعظم بنانے کے غلط طریقہ کار کی وجہ سے ناراض ہیں اسی لیے یہ کھانا بھی نہیں کھا رہے۔ ضیاء الحق صاحب نے کہا: ان کو انکی مرضی کی وزارت ملے گی، انہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ بیگم صاحبہ نے کہا: میں نے مِسّی روٹی بنوائی ہے آپ ضرور کھائیں۔ ان کے گھر پر میری یہ ان سے آخری ملاقات تھی۔ میں خواجہ صفدر کا دل سے احترام کرتا تھا اور ان کی سیاسی جدوجہد سے بھی متاثر تھا، انہیں کسی صورت میں فخر امام سے کمتر نہیں سمجھتا تھا لیکن فخر امام کو سپیکر بنا کر پارلیمنٹ کی آزادی کے عمل کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔ دوستوں نے مشورہ دیا، وزیر بن جاؤ تو ملتان کی سیاست کا قلعہ تمہارے قبضہ میں آجائے گا، تمہارے بھائی بلا مقابلہ ضلع کے چیئرمین بن جائیں گے، ضلعی حکومت کا حصول سالہا سال تک سیاسی کامیابیوں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ میں نے قومی سیاست کو علاقائی سیاست پر ترجیح دی، نتیجہ صاف ظاہر تھا۔ 1987ء کے بلدیاتی انتخابات میں ضیاء الحق صاحب کی مداخلت (بذریعہ ڈاکٹر بشارت الٰہی)، جناب شاہ محمود حسین قریشی کے ممبر ضلع کونسل بنانے کے حق میں تھی اور ہم ضلعی سیاست سے آؤٹ ہو گئے۔ شاخ پر جمہوریت کی کونپل پھوٹ رہی تھی، میں نے اسے دستِ گل چیں سے بچانے کے لیے آشیانے کی قربانی دے دی۔

غلط حکمت عملی کے نتائج، پاکستان کی سکڑتی سرحدیں

14 اگست 1947ء کو سیاچین اور رن آف کچھ پر پاکستان کا پرچم لہرا رہا تھا۔ مشرقی بنگال کے علاوہ آسام کے اضلاع سلہٹ اور چٹاگانگ بھی پاکستان کے نقشہ پر موجود تھے۔ کارگل بھی 1972ء تک ہمارے کنٹرول میں تھا۔ ہماری دھرتی پر راوی، بیاس اور ستلج بہہ رہے تھے اور ہر سال زرخیز مٹی کی نئی تہہ ہماری خوشحالی اور ہریالی کا پیغام لے آتی۔

1958ء میں ہماری سرحدوں میں اضافہ ہوا۔ سیاسی حکومت نے مسقط سے گوادر کا علاقہ اڑھائی لاکھ پونڈ میں خرید کر اسے پاکستان کا حصہ بنالیا اور نئے علاقے پر پاکستان کا پرچم لہرا دیا گیا۔

قیامِ پاکستان سے پہلے کوئی ایک بھی مسلمان جنرل تو کجا بریگیڈیئر تک نہ تھا۔ کرنل ایوب اور چند دیگر کرنلوں کو قائداعظم نے ترقی دے کر بریگیڈیئر بنایا۔ یہ الگ بات کہ بعد میں ایوب خان فیلڈ مارشل ایوب خان بن گئے۔ فیلڈ مارشل فاتح کو کہتے ہیں، انہوں نے اپنے ہی ملک کو فتح کرلیا تھا۔ قائداعظم کی زندگی میں ہی اُن کے خلاف شکایات آنے لگیں اور قائداعظم نے ان کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا۔

ہم نے ملک بنایا، فوج نہیں تھی۔ آج بھی اُس وقت کے سیاستدانوں کو ناتجربہ کاری کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ اُن کمزور سیاستدانوں نے دفاعِ وطن کیلئے مضبوط فوج بنائی اور کمزور معیشت میں سے سب سے زیادہ وسائل اپنے گھر کے تحفظ کیلئے خرچ کر ڈالے۔

جنرلوں نے پَر پرزے نکالے اور دفاعِ وطن کی بجائے اقتدار کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ انگریز جنرل فرینک اور گریسی نے قائداعظمؒ کا حکم ماننے سے انکار کیا۔ یہ بات کسی حد تک قابلِ فہم ہے راولپنڈی سازش کیس اور 1954ء میں کمانڈر انچیف ایوب خان کا وزیر بن جانا کس بات کی غمازی کرتا ہے؟ ایوب خان کے مارشل لاء نے ملک تباہی کے راستے پر ڈال دیا۔

اتنالیس سال پہلے میں نویں جماعت میں تھا ایوب خان نے تاریخی تقریر کی، وزیرآباد کے قریب، ہندوستان کے جہازوں نے ٹرین پر بمباری کی تھی اور بے گناہ لوگ شہید ہو گئے تھے۔ اس تقریر نے پوری قوم میں جذبہ حریت بیدار کردیا۔ ہمارے ملک کی مایوس کن تاریخ میں یہ زندہ لمحہ تھا پوری قوم جسدِ واحد کی طرح کھڑی ہوگئی بچے، بوڑھے، جوان مرد عورتیں پاک فوج کی پشت پر تھے۔ دفاعی فنڈ میں ہر فرد اپنا حصہ ڈالنا چاہتا تھا، خون دینے والوں کی بھی قطاریں تھیں۔ 17 دن کی جنگ نے ہمیں اوجِ ثریا پر پہنچا دیا، ہمارے جوانوں نے لاہور کھیم کرن حسینی والا، چونڈا، چھمب، جوڑیاں، صحرائے سندھ، موناباؤ پر اپنی جراتوں کی دھاک بٹھا دی۔ پاک فضائیہ نے

ایم ایم عالم، نور خان اور اصغر خان کی قیادت میں نئی تاریخ رقم کی۔ ہماری بحریہ کی آبدوز غازی نے دوارکا کا محاصرہ کیا۔ عزیز بھٹی نے عسکری تاریخ میں نئی بلندیوں کو چھولیا۔

شاعروں، ادیبوں، دانشوروں، فنکاروں، مغنیوں نے سوئے ہوئے جذبوں کو بیدار کر دیا، ہر آواز شعلہ، ہر سپاہی صف شکن اور ہر جسم اپنے وطن پر نثار ہونے کو تیار تھا۔ ہر محاذ سے فتوحات کی خبریں آ رہی تھیں، لوگ چھتوں پر چڑھ کر اپنے شاہینوں کو جھپٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے، موت کو شکست ہو چکی تھی، زندگی کی کسی کو پرواہ نہیں تھی۔ یہ منظر قوموں کو ناقابل شکست بنانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا، یہ آج تک ایک سربستہ راز ہے کہ سرحدوں پر یکا یک موت کی خاموشی کیوں طاری ہوگئی؟۔

میرے خیال میں گوہر ایوب سے زیادہ پاکستان کے اندر کے حالات سے کوئی آگاہ نہیں، ایوب خان پاکستان بنتے ہی جنرل بن کر اہم ہو گئے، وہ پہلے پاکستانی کمانڈر انچیف تھے۔ گوہر ایوب سے کیا چھپا ہوگا، ایوب خان صدر بنے تو گوہر ایوب ان کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ 1965ء کی جنگ میں وہ لاہور کے قریب محاذ جنگ پر تھے، میری ان سے ملاقات تحریک استقلال کی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں ہوئی اور پھر سیاسی سفر میں 27 سال تک ہم نے ملکر اور جدا ہو کر بھی کام کیا۔

میں نے 6 ستمبر 1999ء کو گوہر ایوب کے سامنے اپنا یہی سوال رکھا۔ انہوں نے جو تفصیلات بتائیں ان کو سن کر میری شریانوں میں خون منجمد ہو گیا تھا، وہ کہنے لگے: ہم 65ء کی جنگ ایک ٹینک ڈرائیور کی غلطی کی وجہ سے ہار گئے، میں نے یہی تفصیلات مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں بطور قائم مقام صدر بیان کیں، گوہر ایوب خان بھی موجود تھے، گوہر ایوب کہتے ہیں: 1965ء میں وزارت خارجہ سے ملکر آپریشن جبرالٹر تیار ہو گیا تھا، یہ دو مفروضوں پر مبنی تھا جو بعد میں غلط ثابت ہوئے۔ پہلا مفروضہ یہ تھا کہ کشمیری ہماری مدد کے منتظر ہیں، ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے، مگر وہاں بقول گوہر ایوب ایسی کوئی تیاری نہیں تھی، ہمارے آدمی وہاں جا کر پھنس گئے۔ ہمیں انہیں وہاں سے نکالنے کے لیے آپریشن گرینڈ سلام کرنا پڑا تو دوسرا مفروضہ یہ کہ ہندوستان بین الاقوامی سرحد پر حملہ نہیں کرے گا اس وقت غلط ثابت ہو گیا جب ہندوستان نے رات کی تاریکی میں پاکستان پر حملہ کر دیا۔ گوہر ایوب نے مزید بتایا کہ کھیم کرن کے محاذ پر ہم ایک ٹینک ڈرائیور کی وجہ سے 65ء کی جنگ ہار گئے، وہ کہتے ہیں ہم پیش قدمی کر رہے تھے، ایک نہر کے پل سے گزرتے ہوئے ٹینک ڈرائیور نے کلچ دبا دیا اور ٹینک وہیں پھنس گیا۔ پل مزید بوجھ برداشت نہ کر سکا اور ٹوٹ گیا۔ ہمیں پل مرمت کرتے ہوئے 36 گھنٹے لگ گئے، فیلڈ مارشل بار بار پل کی مرمت کے بارے میں پوچھتے، مگر اس دوران ہندوستان والوں نے اپنی دریا جتنی بڑی نہروں کو توڑ کر پورے علاقہ میں سیلاب کی کیفیت پیدا کر دی اور ہم وہاں پر بری طرح پھنس گئے اور جنگ 11 ستمبر کو ہی ختم ہوگئی۔ دوسرا باخبر آدمی الطاف گوہر ہے اس نے ان واقعات کو اپنی کتاب "فوجی راج کے پہلے دس سال" میں تفصیل سے بیان کیا ہے،

اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں، پاکستان پر بھارتی حملے نے ایوب خان کو ششدر کر دیا۔ پاکستان کے لیے 11 ستمبر فیصلے کا دن ثابت ہوا، صبح نو بجے ایوب خان نے قائداعظم کے یوم وفات پر اپنا پیغام ریکارڈ کروایا، ریکارڈنگ کے بعد وہ سیکرٹری اطلاعات الطاف گوہر کو اپنے کمرے میں لے گئے، جہاں انہوں نے نقشے کے ذریعے کھیم کرن کے محاذ پر پاکستان کے جوابی حملے کی تازہ ترین صورتحال بتائی۔ اس منصوبے کی منظوری خود ایوب خان نے دی تھی اور وہ اس کی کامیابی کے بارے میں بڑے پُر امید تھے، ابھی وہ تفصیلات بتا رہے تھے کہ ان کے ملٹری سیکرٹری جنرل رفیع غصے کی حالت میں کمرے میں داخل ہوئے اور تقریباً چلاتے ہوئے بولے بھارت نے مادھو پور تھر کا پشتہ توڑ دیا ہے۔ ایوب خان سب کچھ بھول گئے، وہ فوری طور پر یہ جاننا چاہتے تھے کہ علاقے کو زیر آب آنے میں کتنا وقت لگے گا۔ جی ایچ کیو کو کچھ اندازہ نہیں تھا --- ایوب خان کو یہ جان کر بڑی مایوسی ہوئی کہ آپریشن کے کمانڈر جنرل نصیر نے پرانے نقشوں پر انحصار کیا تھا اور ہمارے ٹینک دلدل کے اندر پھنس کر بڑی تعداد میں ناکارہ ہو گئے تھے۔ کھیم کرن کی طرف سے جوابی حملہ 11 ستمبر کو ٹھپ ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کی تمام جنگی حکمت عملی خاک میں مل گئی۔ عملی طور پر ہماری طرف سے جنگ ختم ہو چکی تھی۔ تاشقند میں مذاکرات کے معاہدہ پر دستخط کرتے ہوئے جب ایوب خان نے مسودہ میں معمولی سی تبدیلی کی خواہش کا اظہار کیا تو الیکسی کوسیجن نے کہا: جناب صدر، جو جنگ آپ میدان میں ہار چکے ہیں اسے مذاکرات کی میز پر کیسے جیت سکتے ہیں؟ 1971ء کی فوجی حکمت عملی کے نتیجے میں ہم مسلمانوں کی تاریخ کی بدترین شکست سے دوچار ہوئے، پہلے کہا گیا مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے کیا جائے گا، بعد میں بغیر کسی فضائی تحفظ کے مشرقی پاکستان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے، ہندوستان کی پیش قدمی سے پہلے ہمیں وہاں سے جان چھڑا کر بھاگنے کی جلدی تھی۔ سیاچن پر بھارت نے کسی مزاحمت کے بغیر قبضہ کر لیا۔ کارگل پر ہماری فوجی حکمت عملی نے ہمیں کہیں کا نہ رہنے دیا۔ ہمارے نوجوان بغیر فضائی تحفظ کے مشکلات کا سامنا کرتے رہے، سپلائی کا انتظام انتہائی ناقص تھا، نتیجہ صاف ظاہر تھا، پوری دنیا میں ہماری جگ ہنسائی ہوئی، فوجی قیادت کو اپنی پیشہ وارانہ مہارت کے لیے جس خصوصی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود ہے۔ جب تک کوئی کمیشن بنا کر اپنی غلطیوں کی اصلاح نہ کی گئی، مستقبل میں کسی بڑے حادثے کو روکنا ناممکن ہو جائیگا۔

پوری دنیا میں فوج یا جرنیل کسی نہ کسی شکل میں اقتدار پر قابض رہے ہیں لیکن آہستہ آہستہ دنیا نے یہ حقیقت تسلیم کر لی کہ بالادستی کا حق صرف عوام کا ہے۔ برما اور پاکستان کے علاوہ دُنیا میں کہیں بھی اس وقت جرنیل کی حکومت نہیں ہے۔ اگر پاکستان کی فوجی قیادت نے ضد جاری رکھی تو مشرقی پاکستان کی طرح کوئی اور بڑا حادثہ ہو سکتا ہے۔ مستقبل کے اس تاریک سائے کو پاکستان پر پڑنے سے روکنے کیلئے پوری قوم کو کردار ادا کرنا ہوگا۔

فوجی حکومتیں اور انتظامیہ بریک ڈاؤن

بریگیڈیئر (ر) شمس الحق قاضی نے نوائے وقت میں 27 ستمبر 2004ء کو اپنے مضمون بعنوان "فوجی حکومتیں اور انتظامیہ بریک ڈاؤن" میں لکھا ہے، پہلے مرحلے میں تمام دعویداروں کو ٹھکانے لگانے کے بعد فوجی حکمران اپنے آپ کو محفوظ بنانے کیلئے اکھاڑ پچھاڑ شروع کر دیتے ہیں کہ اپنے اردگرد اور کمان کے اہم مقامات پر اپنے خاص تابعدار افراد کو مامور کرتے ہیں۔ چاہے اس اکھاڑ پچھاڑ میں آرمی اور ملک کا بیڑہ غرق ہی کیوں نہ ہو جائے۔ ایوب خان کو خوف تھا کہ ہماری طرح کے سیاسی سطح پر غیر مستحکم ملکوں میں فوجی بغاوتیں ٹینک دستوں کی شمولیت سے ہی کامیاب ہوتی ہیں، اس لئے انہوں نے ہمارے اکلوتے فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کا سربراہ GOC آرمرڈ افسر کی بجائے اپنا ذاتی وفادار انفنٹری افسر جنرل حق نواز کو مقرر کر دیا۔ یہ تو امن کا زمانہ تھا، اس لئے خیریت گزری۔ لیکن ستم یہ کیا کہ بعد میں آرمرڈ ڈویژن ایک اور GOC جنرل موسیٰ کا ذاتی تابعدار انفنٹری افسر جنرل نصیر کو مقرر کر دیا۔ راقم ان کے ماتحت کھاریاں چھاؤنی میں لیفٹیننٹ کرنل رجمنٹ کمانڈر تھا۔ اس دوران ڈویژن میں مشہور تھا کہ جنرل نصیر صاحب کو واٹر ٹینک اور لڑاکا ٹینک کا فرق بھی معلوم نہیں اور شومئی قسمت سے انہی کی کمان کے دوران جنگ ستمبر شروع ہو گئی۔ اسلامی دنیا میں چوٹی کے لڑاکا فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کی بھارت نے کھیم کرن کے محاذ پر جو دھنائی کی اس کی یاد میں بھارت نے میدان جنگ کا نام پاکستانی ٹینکوں کے نام پر PATTON "آباد" رکھ دیا اور پھر ہم نے فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کو کھیم کرن سے پسپائی پر سیالکوٹ محاذ پر منتقل کر دیا تو گویا جناب ایوب خان نے آرمرڈ ڈویژن کیلئے اپنا ذاتی وفادار مگر حربی صلاحیتوں سے عاری GOC لگا کر جنگ ستمبر میں جیتی ہوئی بازی ہار دی۔

بہرحال دوسرے PHASE میں اکھاڑ پچھاڑ کے ذریعے اپنے گرد حساس وفادار افراد کا حصار باندھنے کے بعد اب "سیاں موہے کوتوال اب ڈر کاہے کا" کا دور یعنی فوجی حکومت کا تیسرا PHASE شروع ہوتا ہے اور اگر بدقسمتی سے جنگ نہ چھڑ جائے تو یہ عیش و آرام اور داد و دہش کا مقام ہوتا ہے اور اگر ابھی تک CNC آرمی چیف ہی رہتا ہے تو جس حکومت نے چیف کو پہلے دو PHASE آسانی سے مکمل کرنے کی آزادی دی کوئی اعتراض یا مزاحمت نہیں کی، تو آرمی چیف کو حکومت کے بودا پن اور کم طاقتی کا بخوبی ادراک ہو جاتا ہے اور اب دل ہی دل میں بادشاہ بننے کی آرزوئیں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں اور اگر خود بادشاہ بننے پر آمادہ نہ بھی ہوں تو حواری درباری اس کیلئے اکساتے ہیں۔ جیسا کہ یحییٰ خان کے ساتھ ہوا۔ ان کے ایک سٹاف افسر کرنل نے لاہور کلب میں نعرہ لگایا کہ "اب وقت آ گیا ہے کہ یحییٰ خان حکومت سنبھال لے"۔ یہ بات ایجنسیوں نے اوپر رپورٹ کر دی تو جناب ایوب خان خاصے فکرمند ہوئے۔ دوسری طرف ان کرنل صاحب کو اب اپنی فارغ خطی کا قطعی یقین ہو گیا تو انہوں نے از خود ہی وردی اتار دی اور الوداعی ملاقاتیں شروع کر دیں۔ راقم کے پاس بھی آئے اور بتایا کہ اب ان

کا ٹائم ختم ہوگیا ہے۔ جناب ایوب خان نے انکوائری ISI کے ڈائریکٹر بریگیڈیئر اکبر خان کو دی۔ انہوں نے لاہور میں مجھے بتایا کہ لاہور روانگی سے قبل یحییٰ خان نے ان کو بلا کر کہا کہ "یہ کرنل میرا آدمی ہے اس کا خیال رکھنا"۔ بریگیڈیئر اکبر نے کہا کہ اب میں کیا خاک انکوائری کرونگا۔ چنانچہ اکبر خان نے کرنل کو CLEAR کر دیا اور بالآخر پروگرام کے مطابق یحییٰ خان نے TAKE OVER کرلیا اور دھیرے دھیرے ان کرنل صاحب کو بغیر بورڈ کے پیش کرنے کے میجر جنرل بنا دیا اور پھر بدقسمتی سے لڑائی چھڑ گئی اور دونوں کا تختہ ہوگیا۔

اس تیسرے دور میں اگر لڑائی نہ چھڑ جائے تو فوجی حکمران اپنے آپ کو مامور من اللہ اور عقل کل سمجھتے اور بیان کرتے ہیں اور ان کے اردگرد "آمنا وصدقنا" کہہ کر تائید کرنے والے حواری درباری لوگوں کی کمی نہیں ہوتی۔ جناب ایوب خان کو انہی حواری درباری لوگوں نے ملک کا THE SAVIOUR یعنی نجات دہندہ بنا کر LIFE PRESIDENT بننے کا مشورہ دیا تھا۔ ڈان کے سابق ایڈیٹر اور ایوبی دور میں انڈسٹری منسٹر جناب الطاف حسین نے راقم کو بتایا کہ ایک کیبنٹ میٹنگ میں ایوب خان نے بیان کیا کہ برصغیر میں گذشتہ پچاس برسوں میں پہلی بار مسلمانوں کو میری صورت میں صحیح لیڈر میسر ہوا ہے۔ اس پر ساتھ کے وزیر نے ٹھونکا لگا کر سرگوشی میں کہا "لو اب قائداعظم بھی گئے"۔ انہی حواری درباری لوگوں نے ایوب خان صاحب کو یقین دلایا تھا ملک کی غالب اکثریت ان کے ساتھ ہے۔ اس لئے وہ بے فکر اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے "سکہ وخطبہ اپنے نام کر دیں" لیکن جب ان کے خلاف طوفان برپا ہوا تو اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی ایک فرد بھی ان کا حمایتی نہ تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ تخت پر بیٹھنے والے خود اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں اور لوگ ان کو کیا سمجھتے ہیں۔ جس روز ایوب خان صاحب کو معزول کیا گیا میں انقرہ میں کرنل تجمل حسین کے پاس ٹھہرا تھا بعد میں جنرل بنے اور حال ہی میں فوت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، نیک اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ بہرحال دوسرے روز ہی دمشق آیا اور سفارتخانہ کے گودام سے اپنا سامان اٹھانے لگا تو وہاں ایوب خان کی تصویروں کا ڈھیر لگا تھا۔ مجھے انتہائی دکھ ہوا۔ میں نے چوکیدار سے پوچھا۔ یہ راتوں رات کیا ہوگیا ہے۔

دمشق میں پاکستانی سفارتخانے کا یہ چوکیدار اسمٰعیل، اگر زندہ ہے تو اسے سونے سے تولنا چاہیے۔ اس نے ایسی سچائی بیان کی ہے جو پاکستان کے ہر لیڈر کو لاحق ہو جاتی ہے۔

ہمدرد شوریٰ کے ایک حالیہ اجلاس میں راقم نے اپنے کلیدی لیکچر میں محسوس کیا کہ تحریک پاکستان کے آخری دنوں میں راقم دلی میں نوجوان فوجی افسر تھا تو یہ سوچ کر خوفزدہ ہو جاتا کہ پاکستان میں موثر اور خوشحال صوبہ پنجاب ہی ہوگا لیکن پنجاب کو کانگریسی لوگ ULSTER OF INDIA کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ پنجاب نے تاریخی طور پر ہمیشہ زبردستیوں کا ساتھ دیا ہے تو اگر سارا پاکستان پنجاب کی ڈگر پر چل نکلا تو ہمارے پیارے ملک پاکستان کا کیا بنے گا۔ (نوائے وقت 27 ستمبر 2004ء)

پرویز مشرف کی حمایت

میں نے شہباز شریف کی رائے طلب کرنے پر پرویز مشرف کی بطور کمانڈر انچیف تقرری کی حمایت کی تھی۔ دوسرے امیدوار جنرل علی قلی خان تھے۔ جنرل پرویز مشرف کو میں نہیں جانتا تھا مگر جنرل علی قلی سے میری میل ملاقات تھی۔ اُن کے والدِ محترم جنرل حبیب اللہ سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ اُن کی ہمشیرہ زیب گوہر ایوب ممبر قومی اسمبلی اُس مدد کو آج تک نہیں بھولیں جو مشکل حالات میں اُن کے والد کی حمایت میں بیانات دے کر میں نے کی تھی۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے جنرل علی قلی خان کے والد جنرل حبیب اللہ کو ہتھکڑیاں پہنا کر ٹیلیویژن پر دکھایا تو میں یہ تضحیک برداشت نہ کر سکا اور بھٹو کے اس اقدام کی شدید مذمت کی۔ جنرل علی قلی خان کے کزن انور سیف اللہ خان اور سلیم سیف اللہ خان سے میری بے تکلفی ہے۔ اُن کے بہنوئی گوہر ایوب خان سے دیرینہ تعلق ہے۔ زیب گوہر کی نند اور ایوب خان کی بیٹی بیگم نسیم اورنگزیب نے مجھے ہمیشہ بڑی بہن کا پیار دیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود مجھے جنرل علی قلی خان کا انداز پسند نہ آیا۔ انہوں نے کمانڈر انچیف بننے سے پہلے ہی سیاسی صورتحال پر تنقیدی گفتگو شروع کر دی جو اُن کے مرتبے کے خلاف تھی۔ یہ صحیح ہے جنرل پرویز مشرف کے حق میں یہ بات بھی جاتی تھی کہ وہ سیاسی حکومت کے لیے خطرہ نہیں بن سکیں گے۔ پاکستان کی ہر سیاسی حکومت فوجی مداخلت سے خوفزدہ ہوتی ہے اور کمزور جرنیل کو کمانڈر انچیف بناتی ہے، لیکن وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر گرے نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے۔ تجربہ نے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ سینارٹی کے استحقاق کو مجروح کر کے بننے والے کمانڈر انچیف آخری عہدہ کو بھی بغیر استحقاق کے اپنا حق سمجھتے ہیں اور موقع کی تاک میں ہوتے ہیں اور نیچے والوں سے عدم تحفظ کا شکار رہتے ہیں۔

یحییٰ خان... صدر نکسن کا استاد

چاروں فوجی صدور کی جنگی حکمت عملی کے نتائج نے پاکستان کو اندرونی اور بیرونی طور پر کمزور کیا، چاروں نے امریکہ سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کیں اور چاروں کو آخر میں مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ نہ ملک بچا سکے اور نہ اپنا اقتدار۔ چاروں اپنے آپ کو فلاسفر سمجھتے تھے، ہندوستان سے محبت کی زبان میں بات کرتے تھے اور اپنے ملک کے عوام اور ان کے نمائندوں سے ہتھیاروں اور وردی کی زبان میں۔ صرف ایوب خان نے وردی اتاری مگر فیلڈ مارشل کی وردی پہن لی، انہوں نے مارشل لا اٹھالیا لیکن لفظ، مارشل کو خود سے جدا نہ کیا۔ ان کی مایوسیوں کی جھلک ان کی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے، جس میں وہ کہتے ہیں ہم آقا نہیں چاہتے دوست چاہتے ہیں۔ یحییٰ خان کے دور کے گورنر جنرل عتیق الرحمٰن کی نامور بیٹی شاہین عتیق الرحمٰن یونیورسٹی میں ہمارے ساتھ تھیں، وہ ہر وقت بتاتی رہتی تھیں کہ یحییٰ خان جسے وہ اولڈ مین (Old Man) کہتی تھیں، امریکیوں کے کتنے قریب ہیں۔ ان کی باتوں سے لگتا تھا،

صدر نکسن یحییٰ خان کی دانشمندی سے مسحور ہو چکا ہے اور جنرل صاحب سے ہر وقت رہنمائی کا طلب گار رہتا ہے۔

آغا شاہی کا دورہ امریکہ

روس انقلاب کی پشت پناہی کے لیے افغانستان میں داخل ہو چکا تھا، انہی دنوں ہماری کابینہ کا اجلاس ہوا۔ آغا شاہی امریکہ کے دورے سے واپس آئے اور براہ راست کابینہ کے اجلاس میں پہنچے۔ انہوں نے کہا: امریکہ نے یہ مشورہ دیا ہے کہ پاکستان کو صبر سے کام لینا چاہیے، اگر روس نے پاکستان کے اندر مداخلت کی تو ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ پاکستان، روس اور افغانستان سے اپنے معاملات خود طے کرے۔ ضیاء الحق نے کہا: امریکہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان اور افغانستان کی زمینی اور نظریاتی سرحدیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہیں، اگر افغانستان کے لوگوں نے روس کے خلاف ہتھیار اٹھائے تو پاکستان کو اپنے تحفظ کے لیے ان کی مدد کرنا ہوگی۔

تنہا مسافر

انہیں دنوں ضیاء الحق صاحب بلوچستان کے دورے پر چلے گئے، کوئٹہ سے ان کے ملٹری سیکرٹری کا فون آیا کہ صدر صاحب چاہتے ہیں، آپ ان کے دورے میں شریک ہوں۔ میں نے کہا: اگلے دو روز تک کوئٹہ کے لیے کوئی فلائٹ نہیں ہے، انہوں نے دوبارہ رابطہ کر کے کہا کہ صدر صاحب آپ کے لیے اپنا جہاز بھیج رہے ہیں۔ تنہا مسافر کوئٹہ کی طرف روانہ ہو گیا، راستے میں پائلٹ نے بتایا، میں فیملی کے ساتھ مری میں تھا کہ میری چھٹی منسوخ کر کے آپ کو کوئٹہ پہنچانے کے لیے کہا گیا ہے۔ کوئٹہ پہنچا تو بلوچستان کے گورنر، جسٹس مری نے پرتپاک استقبال کیا۔ میں سیدھا میٹنگ میں پہنچا، جنرل صاحب نے ہائی کمان کو طلب کیا ہوا تھا اور پاکستان کے گرم پانیوں کو بچانے کے لیے اہم فیصلے کر لیے گئے۔

گرم پانی کی سیاست

کوئٹہ سے ہم گوادر پہنچ گئے، ضیاء الحق صاحب نے سمندر کے پانی کو چلو میں بھر کر ہماری طرف دیکھا اور کہا: روس ان گرم پانیوں تک پہنچنے کا خواب صدیوں سے دیکھ رہا ہے، محمود ہارون صاحب، جاوید صاحب گواہ رہنا، وہ اس پانی تک کبھی نہ پہنچ سکے گا۔

امریکہ افغان مجاہدین کی تحریک مزاحمت کو توجہ سے دیکھ رہا تھا، اس نے محسوس کیا کہ افغان اپنی سرزمین پر روس کو شکست دے سکتے ہیں، تب وہ آگے بڑھا، ہماری فوجی قیادت نے امریکیوں کی مدد کو خوش آمدید کہا، تاہم امریکہ کی چالوں سے وہ خود کو بچا سکے نہ افغان مجاہدین کو۔ افغان مجاہدین کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا گیا۔ امریکہ نے اس جنگ کو اپنی فتح میں تبدیل کر دیا، اس کا مدمقابل روس چاروں شانے چت ہو چکا تھا، ضیاء الحق بدلے ہوئے

حالات کا اندازہ نہ کر سکے، وہ امریکہ کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھتے مگر گلی کے باہر کا منظر بدل چکا تھا۔

کعبہ میں حلف

1992ء میں میاں نواز شریف روس کی واپسی کے بعد پیدا ہونے والے حالات کی پیش بندی کر رہے تھے، ہم تمام مجاہدین رہنماؤں استاد جلال الدین ربانی، صبغت اللہ مجددی اور حکمت یار کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچے، سب نے بیت اللہ شریف کے اندر نوافل ادا کیے اور سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد سے طویل مذاکرات ہوئے، سب نے مل کر کام کرنے کا عہد کیا، مذاکرات کی میز پر میرے دائیں طرف گورنر مکہ اور سعودی فرمانرواؤں کے سب سے چھوٹے بھائی ملک عبدالمجید اور بائیں طرف شاہ فیصل کے صاحبزادے اور سعودی عرب کے وزیر خارجہ سعود الفیصل تھے۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ آیا یہ معاہدہ قائم رہ سکے گا، میں افغانستان پر اپنی فوجی حکمت عملی سے آگاہ تھا، میں نے شبہات کا اظہار کیا۔ ہم ابھی سعودی عرب میں تھے کہ مجاہدین نے ایران پہنچ کر ایک دوسرے کے خلاف بیانات داغنا شروع کر دیے۔ جو فوجی حل روس افغانستان پر مسلط نہ کر سکا، وہ حل ہم مسلط کرنے کی کوششیں کر رہے تھے، جس کا بھیانک انجام جلال آباد پر حملے کی صورت میں سامنے آیا۔ میرا ایمان ہے کہ ایوب خان، یحییٰ خان، ضیاء الحق، پرویز مشرف پاکستان کی جنگ لڑتے رہے ہیں۔ لیکن اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے امریکہ کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ امریکہ اپنے ملک کی خارجہ پالیسی بناتا ہے۔ جس طرح ہم نہیں چاہتے امریکہ ہماری پالیسیاں بنائے، اسی طرح امریکہ بھی نہیں چاہتا کہ پاکستان اس کی پالیسیاں بنائے۔ جب پاکستان اور امریکہ کے مفادات متصادم ہوتے ہیں تو وہ فوجی حکمرانوں کی عوام سے دوری کا فائدہ اٹھاتا ہے، یہی پاکستان کی فوجی حکمت عملی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ جب ہمارے فوجی حکمران مشکل میں پھنس جاتے ہیں تو کبھی تاشقند کی طرف بھاگتے ہیں، کبھی چین کی طرف دیکھتے ہیں، اور کبھی کبھی تو مایوسی میں دہلی کیطرف دیکھنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے عوام سے خوفزدہ رہتے ہیں، ان کا سامنا نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے لوگوں سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ دشمن کے سامنے ہتھیار پھینکتے ہوئے شرماتے نہیں، اگر کوئی اسے سمجھانے اور راہ دکھانے کی کوشش کرے تو اسے غدار سمجھتے ہیں۔

فوج کی حکمرانی کیوں؟

اپنے اندرونی حالات پر نظر ڈالیں تو ظاہر ہوگا کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک اصل اقتدار فوج اور بیوروکریسی کے پاس رہا ہے۔ انتقال اقتدار انگریز سے فوج، بیوروکریسی اور جاگیردار کو ہوا، عوام کو نہیں ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی قومی سطح کے فیصلے کرنے کی تربیت ہوتی ہے اور نہ صلاحیت۔ اس کے باوجود فوجی اور سول بیوروکریسی کے فیصلے اور اُن پر عملدرآمد کرانے میں کبھی کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔ زمینی حقائق کے مطابق فیصلے کر سکتے

اور اگر اُن کے پاس عوام کی بہبود کا کوئی پروگرام ہوتا تو پاکستان اِس حالت کو نہ پہنچتا۔ کہ پانچ کروڑ لوگ خطِ غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم دنیا کی جاہل ترین قوموں میں سے ایک ہیں۔ کرپشن میں اضافہ انہی اداروں کی سرپرستی میں ہوا، معاشی منصوبہ بندی کیلئے تمام فوجی حکمران باہر سے وزیر خزانہ درآمد کرتے رہے۔ اب تو انہوں نے امریکہ سے دوسرا وزیر اعظم بھی درآمد کر لیا ہے۔ کیونکہ اپنے ملک میں سول اور ملٹری بیوروکریسی میں معیشت کو سمجھنے والا کوئی وزیر میسر نہیں ہوتا۔ متوسط طبقے کے سیاستدان زمینی حقائق سمجھتے ہیں مگر اُن پر اعتبار نہیں۔ جاگیردار سیاستدان اپنے خول میں بند ہوتا ہے۔ دفاعِ وطن کا مقدس فریضہ ادا کرنے کی بجائے، فوج کھالوں کی صفائی اور کرکٹ کی بہتری کیلئے زیادہ سنجیدہ ہے۔ گملوں میں وہ سیاسی قیادت اور پارٹیاں اگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خواجہ ناظم الدین اور لیاقت علی خان کو سیاست سے بے دخل کر کے تنخواہ دار طبقہ نے اقتدار پر براہ راست قبضہ کر لیا۔ ملک غلام محمد، سکندر مرزا، چودھری محمد علی، آئی آئی چندریگر، محمد علی بوگرہ، تمام بیوروکریٹ تھے۔ فیروز خان نون، ڈاکٹر خان کو اقتدار میں لانے والے اور گھر بھیجنے والے کون تھے؟ پھر فوج کے کمانڈر انچیف نے، جو 1954ء کی کابینہ میں وزیر دفاع تھا، 1958ء میں براہ راست اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

انہوں نے ہمیشہ نو آموز سیاست دانوں کو اقتدار کا حصہ بنایا تا کہ کمزور سیاستدان اُن کی زیر سرپرستی کام کرتے رہیں، جب یہ سیاستدان تجربہ کار ہوئے تو اُن سے خوفزدہ ہو کر انہیں سیاست سے باہر نکال گیا اور سیاستدانوں کی نئی نرسری لگا دی گئی اور وہ بھی جونہی تناور درخت بننے لگے، انہیں کاٹ دیا گیا۔ قوم ہر سایہ دار شجر سے محروم ہو گئی، کڑی دھوپ کے اِس سفر میں ہر نئے موڑ پر ایک نیا داروغہ ہاتھ میں کوڑا لیے کھڑا تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کو سیاست میں کون لایا، اور کس نے نکالا؟ محمد خان جونیجو کے آنے پر ضیاءالحق نے کہا: ان سے زیادہ صاحب کردار سیاستدان اِس ملک میں نہیں ہے، تین سال بعد ارشاد ہوا کہ اس سے زیادہ کرپٹ حکومت کی مثال نہیں ملتی۔ ہمارے ملک کی شہرہ آفاق ایجنسیاں اور اُن کے افراد کو جانچنے کے ڈھانچے ایک نئے سفر پر روانہ تھے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کو اپنی شرائط پر اقتدار میں لایا گیا، چند مہینوں میں انہیں سیکورٹی رسک قرار دے دیا گیا، پھر میاں نواز شریف سریر آرائے اقتدار ہوئے۔ وزیر خزانہ پنجاب سے وزیر اعلیٰ پنجاب تک وہ آنکھوں کا تارہ تھے۔ وزیر اعظم بنتے ہی یکا یک تمام خامیاں ان میں پیدا ہو گئیں اور انہیں گھر بھیج دیا گیا۔

نئی شیرازہ بندی ہونے لگی، میر بلخ شیر مزاری جیسے بھلے مانس کو عشووں اور غمزوں سے لبھایا گیا۔ سپریم کورٹ کے فیصلے نے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ میاں نواز شریف بحال ہو گئے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کے بخیے اُدھیڑ دیئے گئے، مگر انتخاب کرانا مجبوری بن گیا۔ نواز شریف کا راستہ روکنا مشکل تھا۔ دوبارہ محترمہ بے نظیر کے آستانے پر جبہ سائی کی گئی اور آصف زرداری سے وزارت کا حلف لیا گیا۔ نواز شریف کا راستہ روک لیا گیا مگر

محترمہ بھی ناقابل برداشت ٹھہریں۔ دونوں رہنماؤں کو اصل قوت کے غیر پسندیدہ (Un Popular) فیصلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ محترمہ کو پھر حکومت سے نکال دیا گیا۔

ٹیکنو کریٹس کے ذریعے لمبی مدت کی منصوبہ بندی کر لی گئی۔ بین الاقوامی دباؤ بڑھ گیا، معاشی حالت ناگفتہ بہ تھی، اب پھر انتخابات کے سوا چارہ نہ تھا۔

سیاسی جماعتوں کی تقسیم کے فارمولے پر عمل کے ذریعے من چاہے نتائج کی پیش بندی کر لی گئی، نتائج ہمیشہ کی طرح ایجنسیوں کی توقع کے خلاف تھے۔ 1996ء کے انتخابات کے آخری مرحلے میں ایجنسیوں کے مقامی افراد نے مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا، جب وہ آئے تو میں نے انہیں کہا کہ مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی ایجنسی کے افراد سے ملاقات کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ کہنے لگے: آپ انتخابات کے نتائج کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور قائم ہونے والی اسمبلیاں کتنا عرصہ نکالیں گی۔ میں نے عرض کی کہ مسلم لیگ کو دو تہائی اکثریت ملے گی اور پورے پنجاب میں پیپلز پارٹی کو کوئی سیٹ ملنے کا امکان نہیں ہے، مگر دو تہائی اکثریت کے باوجود اِن اسمبلیوں کی مدت چھ مہینے سے چودہ مہینے تک ہوگی، کیونکہ اصل انتظامیہ نواز شریف کو برداشت نہیں کرے گی، وہی ہوا۔ نواز شریف کو دو تہائی اکثریت مل چکی تھی۔ خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئیں۔ 6 مہینے کے اندر سپریم کورٹ کے ذریعے عوامی مینڈیٹ کا گلا دبانے کا نیا طریقہ نکالا گیا اور اس کا نام جوڈیشل ایکٹوازم رکھا گیا۔ دو تہائی اکثریت سید سجاد علی شاہ، فاروق لغاری اور جہانگیر کرامت کے آہنی ہاتھوں میں آخری دموں پر تھی۔ ایٹمی دھماکے کرنے والے وزیر اعظم کو گھر بھیجنا مشکل ہوا تو کارگل کی مہم کا نقشہ تراشا گیا۔ جیتنے کی صورت میں بھی جمہوریت کا گلا کاٹنا آسان ہو جاتا اور ہارنے کی صورت میں 71ء کی طرح ذمہ داری نواز شریف پر ڈالنا مقصود تھی۔ نتائج حسبِ توقع نکلے، فوج اور ملک کو بچانے والا نہ خود کو بچا سکا اور نہ اپنا اقتدار۔

30 سال کے فوجی اقتدار نے پاکستان کو تو کچھ نہ دیا۔ حکمران جنرل ابھی تک حکمرانی کے طور طریقے سیکھ سکے اور نہ فوجی قرینے، اور نہ ہی ان میں مردم شناسی پیدا ہو سکی۔ ظفر اللہ جمالی کو ڈیڑھ سال پہلے تمام ایجنسیاں پاکباز [illegible] کو جھانگیر سے نکلے ہوئے باکردار اُجلے انسان کے طور پر پیش کر کے پرویزی نظام کا ستون قرار دے رہی

[redacted]

پناہ نہ تھی۔ جنرل نے خود اپنی بنائی ہوئی اسمبلی کا گلا گھونٹ دیا۔

☆1989ء میں بے نظیر بھٹو نواز شریف کے گھر چلی گئیں۔ نو آموز سیاستدانوں میں رابطے بڑھنے لگے تو بے نظیر کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

☆1992ء میں نواز شریف نے محترمہ بینظیر کو خارجہ امور کی کمیٹی کا چیئرمین بنایا۔ میں بھی اس کمیٹی کا ممبر تھا۔ اور محترمہ کو چیئرمین بنانے میں میرا مشورہ بھی شامل تھا۔ محترمہ نے چیئرمین بننا قبول کر لیا تو نواز شریف کے اقتدار کے دن گن لئے گئے۔ نواز شریف حکومت کی بنیادیں ہلانے کیلئے جنرل آصف نواز نے کراچی میں فوجی ایکشن (Action) کیا۔ ایم کیو ایم نے بطور احتجاج اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ اُن کی گرفتاری کے لیے جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے، ایم کیو ایم کے موجودہ پارلیمانی لیڈر فاروق ستار میرے گھر میں چھپے ہوئے تھے۔ میں نواز شریف کابینہ کا مرکزی وزیر تھا، صلاح الدین صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ تکبیر، جو ایم کیو ایم کے سخت مخالفین میں سے تھے، اسلام آباد میں آتے تو حفاظتی تدبیر اختیار کرتے ہوئے میرے گھر پر ٹھہرتے۔ اُن کے لیے ایک کمرہ مخصوص تھا، اتفاق سے وہ بھی اُنہی دنوں میں تشریف لے آئے، ملازمین نے اُن کا کمرہ کھول دیا۔ جب میں گھر آیا تو سخت پریشانی میں تھا، اسی اثناء میں سید حفیظ الدین اور مشاہد اللہ خان، جو میرے دیرینہ ساتھی ہیں، آفاق احمد کو لے کر آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ صرف دس منٹ کی ملاقات چاہتے ہیں، میں نے اپنے ملازم کو کہا کہ انہیں لائبریری میں بٹھائے۔ ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے میرے گھر میں موجود تھے اور انہیں یقین تھا کہ وہ محفوظ جگہ پر قیام پذیر ہیں۔ تینوں ایک دوسرے سے اپنی جان بچاتے پھرتے تھے۔ تینوں ایک دوسرے کی ایک ہی گھر میں موجودگی سے بے خبر تھے۔ یہ مرحلہ بخیر و خوبی طے ہونے پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

☆1996ء کی قومی اسمبلی میں نواز شریف نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں بے نظیر صاحبہ کی حکومت کے گرانے کے حق میں نہیں، اگر چہ ہمیں سیاسی انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، لیکن ملک کی ترقی کیلئے بے نظیر کے اٹھنے والے اقدامات کی ہم تائید کریں گے۔ یہ اتفاق رائے اصل حکومت کو خوفزدہ کرنے کیلئے کافی تھا بے نظیر کو اب جانا ہی تھا۔

☆1999ء میں بے نظیر نے آٹھویں ترمیم کے خاتمے کیلئے نواز شریف حکومت کا ساتھ دیا، پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ اب دونوں کو ملکی سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔

☆2002ء میں اے آر ڈی کا وجود عمل میں آیا تو سیاستدانوں کو ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کا طعنہ دینے والے سکتے میں آ گئے اور قومی اتفاق رائے پیدا کرنے والوں کو منافقت کا طعنہ دیا گیا۔ قومی اتفاق رائے پیدا ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ خفیہ ایجنسیاں ہیں۔ وہ سیاسی جماعتوں کو تقسیم کرتی ہیں، علاقائی اور مذہبی مناقشوں کی سرپرستی کرتی ہیں تا کہ کوئی بڑی قیادت پیدا ہو کر اُن کے اقتدار کیلئے چیلنج نہ بن سکے۔ خواہ مملکت کے بنیادی ستون ہل جائیں، اس کی انہیں کوئی پرواہ نہیں۔

ساتواں باب

جدوجہد کے پانچ سال

12 اکتوبر 1999ء سے 12 اکتوبر 2004ء

12 اکتوبر کا چشم دید گواہ

12 اکتوبر کو ایئر پورٹ پر وزیر اعظم نواز شریف سے رخصت ہو کر وزرا کالونی میں پہنچا اور آتے ہی سو گیا۔ ہمارا سارا دن جلسوں، جلوسوں اور سیلاب زدہ علاقوں کے دورے میں گزرا تھا۔ سٹاف نے ٹیلی کام پر مجھے اطلاع دی کہ جنرل پرویز مشرف کو ہٹا دیا گیا ہے۔ میں نے پوچھا: انکی جگہ پر کسے تعینات کیا گیا ہے؟ میرے پرائیویٹ سیکرٹری نے کہا: جنرل ضیاء الدین بٹ کو۔ ان سے میں نے کہا کہ وہ میرا ذاتی سامان باندھ لیں۔ وہ حیران تھے۔ میں نے کہا: جو کچھ میں کہہ رہا ہوں آپ اس پر عمل کریں۔ میرے سامنے مستقبل کا نقشہ واضح تھا۔ تھوڑی دیر میں خبریں آنے لگیں وزیر اعظم ہاؤس کے ارد گرد فوج نے پوزیشنیں سنبھال لی ہیں اور میاں نواز شریف گھیرے میں ہیں۔ میں گاڑی پر بیٹھ کر وزیر اعظم ہاؤس پہنچا۔ وزیر اعظم ہاؤس کے دروازے سے ایوان صدر تک فوجی ٹرکوں کی لمبی قطاریں تھیں۔ ہمیں راستے میں کسی نے روکا نہیں۔ جونہی ہم وزیر اعظم ہاؤس کے دروازے کے قریب پہنچے فوجی جوانوں نے اپنی بندوقوں کا رخ ہماری طرف پھیر دیا۔ میرے سرکاری گن مین نے انہیں بتایا کہ یہ وفاقی وزیر ہیں۔ فوجی جوان نے کہا: آپ جو بھی ہیں آگے نہیں جا سکتے، آپ فوراً واپس چلے جائیں۔ ہم نے کافی تکرار کی تمام راستے مسدود تھے۔

جب ہم ٹی وی سٹیشن کے دروازے پر پہنچے تو دیکھائی دی سٹیشن بھی فوج کے گھیرے میں ہے۔ فوجی جوان ٹی وی سٹیشن کا دروازہ پھلانگتے ہوئے اندر داخل ہو چکے تھے۔ ہم چند قدموں کے فاصلے پر وزرا کالونی کے دروازے پر پہنچے تو فوج وہاں بھی آ چکی تھی۔ میرے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ میں اسلام آباد میں کسی دوست کے گھر منتقل ہو جاؤں۔ ایک دو دن تک صورتحال واضح ہو جائے گی۔ میں نے ان کا مشورہ نہ مانا۔ مشکل حالات کا سامنا کرنے کے لیے میں خود کو تیار کر چکا تھا۔

وزرا کالونی کے بیریئر پر کھڑے فوجی جوانوں نے مجھے اندر داخل ہونے سے روکا۔ میں نے انہیں بتایا کہ آپ کو ہماری ہی تلاش ہے۔ انہوں نے ہمیں اندر جانے دیا۔ جوں ہی میں وزرا کالونی میں داخل ہوا، میں نے ایک دراز قد بھاری بھرکم تہہ بند باندھے ہوئے دیہاتی کو دیکھا۔ وہ اس دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا، جہاں ابھی فوجی جوان نہیں پہنچے تھے۔ اس کے سر پر کپڑوں کا گٹھڑ تھا۔ میری گاڑی کے آگے سے گزرا تو میں نے اسے پہچان لیا۔ بعد میں وہ جنرل مشرف کی حکومت میں بھی وفاقی وزیر بنا۔

ہمارے گھروں کو فوجی جوانوں نے گھیر لیا اور ہماری نقل و حرکت پر پابندی لگا دی۔ پرویز مشرف دور میں یہ میری پہلی باقاعدہ گرفتاری تھی۔

میں بہت افسردہ تھا، مجھے اندازہ تھا کہ ملک ایک مرتبہ پھر ایسی دلدل میں پھنس گیا ہے جس سے نکلنے میں کئی سال لگ سکتے ہیں۔ رات کو حلیم صدیقی نے بتایا، اس کی میاں نواز شریف سے اتفاقاً گفتگو ہوگئی ہے اور وہ خیریت سے ہیں۔ میں ساری رات سوچتا رہا کہ ہم ساری دنیا کے تمسخر کا موضوع بن گئے ہیں۔ اس اقدام سے اندرونی طور پر قوم مزید ذہنی انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ یہ امتحان کا وقت تھا، مجھے میاں نواز شریف کے طرز حکمرانی سے کلی طور پر اتفاق نہ تھا لیکن ان کے حق حکمرانی کو چیلنج کرنے والوں کو یہ حق کس نے دیا تھا؟ سیاسی جماعتوں اور سیاسی قیادتوں کی کمزوریاں بجا، مگر ان کے وجود کو مٹا کر نئی بساط بچھانے والوں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ آئین کی بے حرمتی، قومی سوچ کے وجود پر ایسے چرکے لگاتی ہے کہ قوم کا وجود ہی بے معنی ہونے لگتا ہے۔ مجھے فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ یہ صرف میاں نواز شریف کی توہین نہیں ہے، ملک اور قوم کی بہتری اسی میں ہوگی کہ فوجی حکمرانوں کو احساس دلایا جائے کہ ان کا فیصلہ غلط تھا، اس لیے ضروری تھا اور آج بھی کہ میاں نواز شریف کو سیاست میں باوقار طریقے سے واپس لایا جائے اور 12 اکتوبر کے فوجی حکمرانوں کے فیصلے کو غلط ثابت کیا جائے۔ مجھے اس راہ کی مشکلات کا اندازہ تھا لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی نے ملک کو انتشار کی دلدل میں پھنسایا تھا، ابھی تک ہم اس دلدل سے نکل نہ سکے تھے۔ بھٹو کے طرز سیاست سے اختلاف کے باوجود میں دیانت داری سے سمجھتا ہوں کہ اگر محترمہ بے نظیر بھٹو وفاق کی سیاست نہ کرتیں تو پاکستان کی مشکلات میں بہت اضافہ ہو چکا ہوتا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر میاں نواز شریف اور مسلم لیگ (ن) کو مٹا دیا گیا تو فوجی حکمران اسے اپنی ایک اور بڑی کامیابی سمجھ کر خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے حکمرانی کو اپنا حق سمجھیں گے۔ جو اکیسویں صدی میں عالمی سطح پر ناقابل قبول ایجنڈا ہوگا اور پاکستان کو تحلیل کرنے کا ایسا جال جس میں پھنسنے کے بعد فوجی حکمرانوں کو ایسی پشیمانی کا سامنا ہوگا، جس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکے گا اور قوم تہہ خاک یہ کہہ رہی ہوگی۔

کی اُس نے میرے قتل کے بعد جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

دوسرے روز ہم چوری چھپے تہمینہ دولتانہ کے گھر جمع ہوئے۔ وزرا کے گھر چونکہ ایک دوسرے سے جڑے ہیں، لہٰذا یہ قدرے آسان تھا۔ اس میٹنگ میں تہمینہ اور اس کے خاوند زاہد اور روابلہ کے علاوہ حلیم صدیقی اور میاں یاسین وٹو مرحوم نے شرکت کی۔ آئندہ کے لائحہ عمل پر غور شروع ہوا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ مسلم لیگ کو متحد رکھا جائے اور فوجی آمریت کے خلاف جدوجہد کی منصوبہ بندی کی جائے۔ میں نے کہا کہ ہمارے پاس ایک خفیہ ہتھیار موجود ہے۔ ہمیں بیگم کلثوم نواز کو میدان میں لانا ہوگا۔ سب نے مجھ سے اتفاق کیا۔ تہمینہ دولتانہ کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ بیگم صاحبہ کو قیادت کے لیے تیار کریں۔ یہ بہت مشکل ٹاسک تھا مگر تہمینہ نے یہ کارنامہ کر دکھایا۔

جب ہمیں رہا کیا گیا تو یاسین وٹو مرحوم اور میں سیدھے جعفر اقبال کے گھر پہنچے۔ وہاں سے ہم راجہ

ظفرالحق صاحب کے گھر آئے۔اعجاز الحق بھی آ گئے۔طے پایا کہ ہم اپنے گھروں سے ہو کر ایک ہفتہ بعد اسلام آباد واپس آ جائیں اور آئندہ کا لائحہ عمل تیار کریں۔میرا سارا سامان میری گاڑی میں آ گیا تھا۔اسی شام میں ملتان میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تھا۔

ایک ہفتہ بعد چودھری شجاعت حسین کے گھر پر راجہ ظفرالحق کی قیادت میں 29 ممبران کی رابطہ کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔راجہ ظفرالحق اس کمیٹی کے سربراہ چنے گئے اور جمہوریت کی بحالی کے لیے جدوجہد کا اعلان کر دیا گیا۔پوری قوم کی نظریں اس کمیٹی پر لگی تھیں۔ہم ہر دوسرے ہفتے کمیٹی کا اجلاس کرتے اور قراردادوں کے ذریعے سیاسی فیصلوں کا اعلان کرتے۔

ہمارے اجلاسوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔اب ہم نے یہ اجلاس مسلم لیگ ہاؤس میں منعقد کرنا شروع کیے، جہاں کھل کر بحث ہوتی اور ہم اپنی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیتے۔سب سے اہم بات یہ تھی کی حکومت کی پیشکش کے باوجود ممبران اسمبلی اور سینٹ نے نواز شریف کو علیحدہ کر کے نئی قیادت منتخب کرنے سے انکار کر دیا اور حکومت کا منصوبہ ناکام بنا دیا، چنانچہ اسمبلیوں کی بحالی کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔اِس دوران کراچی میں میاں نواز شریف کے خلاف طیارہ ہائی جیک کرنے کا مقدمہ شروع ہو گیا اور پابندیوں کے باوجود نواز شریف سے کسی حد تک پارٹی کے رابطے بحال ہو گئے۔

محترمہ کلثوم نواز کی جدوجہد

محترمہ کلثوم نواز متحرک ہوگئیں۔ ان کی وجہ سے مسلم لیگ کو نئی زندگی ملی۔ راجہ ظفرالحق نے پہلے مرحلے کو بخیر وخوبی کامیابی سے ہمکنار کیا۔ کلثوم نواز مسلم لیگ کو ڈرائنگ روم سے نکال کر دوبارہ میدان میں لے آئیں۔ انہوں نے ملک کے طوفانی دورے شروع کیے، سب سے پہلے سرحد کی جماعت نے ان کا شاندار استقبال کیا، راولپنڈی میں ان کا پروگرام کرنے کو کوئی تیار نہیں تھا، کارکنوں نے مسلم لیگ کو زندہ رکھا ہوا تھا۔ سابق ایم پی اے چودھری تنویر نے اپنا گھر پیش کر دیا جہاں محترمہ نے کارکنوں سے خطاب کیا۔ چودھری تنویر کو اس کی قیمت ادا کرنا پڑی اور وہ دو سال نیب کے شکنجے میں قید کاٹتے رہے، بعد میں عدالت نے انہیں بے گناہ قرار دے دیا۔ چودھری تنویر نے قربانی دے کر پوٹھوہار کے خطے کو سرفراز کر دیا۔

بیگم کلثوم نواز صاحبہ نے لاہور سے چاغی جانے کیلئے ایسے راستے کا انتخاب کیا جس پر پاکستان کی سیاست کے کسی رہنما نے آج تک جانے کی ہمت نہیں کی۔ لاہور سے قصور، پاکپتن، عارف والا، وہاڑی، مخدوم رشید، ملتان، مظفر گڑھ، کوٹ ادو، ڈیرہ غازی خان، فورٹ منرو، لورالائی، زیارت، مسلم باغ، قلعہ سیف اللہ، کوئٹہ، نوشکی، چاغی، دالبندین۔ یہ راستہ ویران بھی تھا اور دشوار گزار بھی۔ سخت گرمی کا موسم تھا، کوئٹہ سے چاغی کے صحرائی اور پہاڑی علاقے میں آگ برس رہی تھی، اس کے باوجود لوگوں نے ہر جگہ پر ان کا والہانہ استقبال کیا، حکومت نے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کیں، جلوس کو پنجاب کے کسی شہر میں داخل نہ ہونے دیا گیا، عوام نے ساری رکاوٹیں توڑ کر منصوبے کو ناکام بنا دیا۔

وہ نظریۂ تحفظِ پاکستان کے نام پر ماڈل ٹاؤن میں جلسہ عام کرتیں جس سے پارٹی کے رہنما خطاب کرتے، پریس کانفرنسیں کرتیں اور ریلیاں نکالتیں۔ حکومت ان کے سامنے بے بس نظر آتی۔ انہوں نے چاغی کا طویل سفر کیا اور پھر لاہور سے پشاور تک لانگ مارچ کا اعلان کر دیا۔ حکومت نے چاروں طرف سے ان کے گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ تمام پابندیاں توڑ کر باہر نکلیں۔ چودھری صفدر الرحمٰن سابق ایم این اے ان کی گاڑی چلا رہے تھے۔ تہمینہ دولتانہ اور میں ان کے ساتھ تھے۔ پولیس جب ان کی گاڑی کو نہ روک سکی تو ٹریفک روک کر گاڑی کو کرین کے ذریعے پولیس لائن میں لے گئے۔ بیگم کلثوم نواز نے ہتھیار نہ ڈالے اور کرین کے ذریعے اٹھائی ہوئی گاڑی کی تصویریں بین الاقوامی اخبارات میں چھپ گئیں۔

حکومت نے مجبور ہو کر ہمیں واپس ماڈل ٹاؤن جانے کی اجازت دے دی اور ہم میاں نواز شریف کے گھر میں مورچہ بند ہو گئے۔ کسی کو گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ جو بھی گھر سے باہر نکلتا اسے گرفتار کر لیا

جاتا۔ دو دن تک ہم تہہ خانوں میں سوتے رہے، تیسرے دن ہم نے گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا۔ جونہی صفدر الرحمٰن اور میں گھر سے باہر نکلے، ہمیں گرفتار کرنے کے لیے پولیس آگے بڑھی۔ میں نے پولیس وین پر کھڑے ہو کر تقریر کی اور حکومتی جبر کی مذمت کی۔ ہمیں کوٹ لکھپت جیل میں بند کر دیا گیا۔ اس دوران تہمینہ دولتانہ ان کے شوہر زاہد انور واہلہ، میاں اسد محمد، خواجہ سعد رفیق، خواجہ حسان اور دیگر رہنما بھی گرفتار ہو کر جیل پہنچ چکے تھے۔ اس دور میں یہ میری دوسری گرفتاری تھی۔ ہم نے اپنی ضمانت کے لیے سیشن کورٹ میں درخواست دی جو مسترد ہو گئی۔ ہائی کورٹ نے ہماری رہائی کا حکم دے دیا۔ ہم جیل سے نکلے تو ہمیں دوبارہ گرفتار کر کے ہمارا جسمانی ریمانڈ لے لیا گیا اور پھر ہمیں زندگی کے شدید ترین جسمانی تشدد کا سامنا تھا۔ بعد میں خواجہ حسان نے بتایا کہ جب تشدد کی انتہا کر دی گئی تو میرے دل سے ان کے لئے بددعا نکلی تھی۔ میں نے کہا، میں نے اس وقت خدا سے ان کی معافی کی دعا مانگی تھی، آپ بھی اپنی بددعا کو دعا میں بدل دیں۔ انہوں نے ہاتھ اٹھائے ہم نے آمین کہا۔ ریمانڈ ختم ہوا جیل پہنچے تو کچھ دن تک چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے۔ اس دوران خواجہ سعد رفیق کی والدہ سخت علیل ہو گئیں۔ مجھے اور خواجہ سعد رفیق کو کوٹ لکھپت جیل کی الگ الگ بیرکوں میں رکھا گیا تھا۔ خواجہ سعد رفیق کسی طرح میرے پاس پہنچے اور والدہ کی علالت کے بارے میں بتایا۔ میں نے انہیں ہدایت کی کہ وہ فوراً پیرول پر والدہ کے پاس پہنچیں، ورنہ وہ زندگی بھر اپنے آپ کو معاف نہ کر سکیں گے۔ وہ پیرول پر رہا ہو کر ہسپتال پہنچے، ان کی والدہ کی قوت گویائی ختم ہو چکی تھی، انہوں نے اپنے بیٹے کے چہرے پر نگاہ واپسیں ڈالی اور اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئیں۔ ہم نے پھر ہائی کورٹ میں ضمانت کی درخواست دی تو یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ یہ اس دور میں تیسری رہائی تھی۔ میرے باقی ساتھی رہا ہو گئے، مجھے جیل کے دروازے پر ہی چوتھی مرتبہ گرفتار کر کے دو ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ جب گرفتاری کے لئے حکومت کے پاس کوئی جواز نہ ہو تو نظر بندی کا اختیار بہر حال موجود ہوتا ہے۔

مجھے اس مرتبہ ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ رکھا گیا جن پر پاکستان کی جاسوسی کرنے اور دہشت گردی کا الزام تھا۔ اس بیرک کا نام بھی انڈین بیرک تھا، وہاں رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ میرا رابطہ باہر کی دنیا سے نہ ہو سکے۔ سکھوں نے ایک گوردوارہ بنایا ہوا تھا اور ہندوؤں نے مندر۔ میں مندر اور گوردوارہ میں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتا اور مندر میں ہی خدا کی عبادت کرتا۔ جیل حکام پر فوج کی مانیٹرنگ ٹیموں کا پہرہ تھا، وہ مجھے معمولی سے معمولی چیز بھی نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ میں اپنے ملک میں رہ کر سکھوں اور ہندوؤں کے رحم و کرم پر تھا۔ میں نے ستر سے زیادہ ملکوں کا دورہ کیا مگر ہندوستان جانے سے ہمیشہ انکار کرتا رہا۔ مجھے ہندو معاشرت کا علم پہلی مرتبہ جیل کے مندر میں بیٹھ کر ہوا۔ حالانکہ ہماری درگاہ کے بے شمار ہندو مریدین تھے۔ وہ ہندوستان سے 1965ء تک خط و کتابت کرتے رہتے تھے اور اپنی تکلیفوں اور خوشیوں کیلئے ہمارے بزرگوں سے دعا کی اپیل کرتے اور تعویز منگواتے رہتے۔

ایک سکھ جس کا نام سردار مکھن سنگھ تھا 20 سال سے جیل میں تھا، اسے سمگلنگ کے الزام میں قید ہوئی

تھی۔اس کے بقول اس نے افسروں کی چپقلش میں دوسرے کو پھنسانے کے لیے آلہ کار بننے سے انکار کر دیا، اسے اس وفاداری کی سزا دلوائی گئی۔شروع شروع میں تو اس کے دوست پاکستانی افسر نے مکھن سنگھ کو جیل میں کھانے پینے کی چیزیں بھیجیں۔دو سال بعد انہوں نے مکھن سنگھ کو بھلا دیا مگر مکھن سنگھ ابھی تک وفاداری نبھا رہا تھا، رفتہ رفتہ وہ جیل کے نظام کا حصہ بن گیا۔ایک دن مکھن سنگھ میرے قریب آ کر بیٹھ گیا اور رو کر کہنے لگا،حکومت والے آپ کو معمولی سی شرط پر، کہ آپ رہائی کے بعد ماڈل ٹاؤن نہ جائیں، رہا کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ آگ کے تندور میں جل رہے ہیں۔آپ اپنے گھر جائیں آپ کے بچے آپ کا انتظار کرتے ہوں گے۔میں نے مکھن سنگھ سے ناراض ہو کر کہا کہ تم نے اپنے دوست کے لیے بیس سال جیل میں گزار دیے ہیں،تمہارے بچے بھی تمہارا انتظار کرتے ہوں گے، مجھے الٹا سبق کیوں پڑھاتے ہو۔اتنی دیر میں دوسرا سکھ ہیرا سنگھ بھی وہاں آ گیا۔اس نے بھی جیل حکام سے میری باتیں سنی تھیں، کہنے لگا: آپ کیوں نہیں گھر چلے جاتے؟ مکھن سنگھ نے اسے پیچھے سے آواز دے کر کہا: ہیرے آ تو واپس آ جا۔ہاشمی سا ہن دی طرح ویریا بیٹھا اے۔تم واپس آ جاؤ یہ سانڈ کیطرح بپھرا ہوا ہے اور میں ہنس دیا۔

نیب کے ادارے کی نیک نامی باقی تھی۔ مجھے جیل میں اطلاعات مل رہی تھیں کہ مجھے نیب کے مقدمے میں گرفتار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔میں خوفزدہ ہو گیا۔سزا سے زیادہ بدنامی کا ڈر تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ میرا ریکارڈ صاف ہے اور یہ جتنی بھی کوشش کریں میرے خلاف نیب کا کیس نہیں بنا سکیں گے۔مجھ سے رابطہ کر کے کہا گیا کہ اگر میں رہائی کے بعد ماڈل ٹاؤن نہ جاؤں تو گھر جا سکتا ہوں میں نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ میں جیل سے نکلتے ہی ماڈل ٹاؤن جاؤں گا۔

چار ماہ کے بعد مجبوراً مجھے رہا کرنا پڑا۔میں نے باہر نکلتے ہی ماڈل ٹاؤن جا کر بیگم کلثوم نواز سے ملاقات کر کے پریس کانفرنس کی اور اس میں اپنا موقف دہرایا کہ جرنیلوں نے آئین سے غداری کی ہے اور ان پر غداری کا مقدمہ چلایا جائیگا۔اس دوران اے آر ڈی کے قیام کے سلسلے میں سیاسی جماعتوں کے مذاکرات جاری تھے۔ راجہ ظفر الحق ان مذاکرات میں ہماری جماعت کی نمائندگی کر رہے تھے۔تہمینہ دولتانہ اور سید ظفر علی شاہ اس سلسلے میں سرگرم تھے۔میاں نواز شریف نے مجھے مذاکراتی کمیٹی کا ممبر نامزد کر دیا۔

مسلم لیگ کی بقا کی جنگ اور اے آر ڈی کا قیام

سید ظفر علی شاہ کے گھر میں تمام سیاسی جماعتوں کا اجلاس ہوا، اے آر ڈی کا قیام عمل میں لایا گیا اور اعلان اسلام آباد جاری کیا گیا۔اس اعلان میں تمام سیاسی جماعتوں نے قوم سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے کا اعلان کیا اور 1973ء کے آئین کی بحالی تک ایک نکاتی ایجنڈے پر متحدہ کوششوں کا اعلان کیا۔اے آر ڈی کے قیام سے حکومتی ایوانوں میں بھونچال آ گیا۔ہماری جماعت کے ایک دھڑے نے کھل کر کہنا شروع کیا کہ ہم

پیپلز پارٹی کے ساتھ مل کر سیاست نہیں کر سکتے۔ جلد ہی انہیں حکومتی سرپرستی حاصل ہو گئی۔

دسمبر میں میاں نواز شریف نے سعودی عرب جلاوطن ہونے سے پہلے مجھے پاکستان مسلم لیگ کا قائم مقام صدر مقرر کر دیا۔ سعودی عرب روانگی سے دو روز قبل محترمہ کلثوم نواز سے میری ملاقات ہوئی، ان کے گھر کا سامان باندھا جا رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے کہا: بھائی دعا کریں ہم جلد وطن واپس آ سکیں۔ انہوں نے مجھے بتایا: میاں نواز شریف کی خواہش ہے کہ میں مسلم لیگ کے صدر کی ذمہ داریاں سنبھالوں۔ میں نے کہا کہ بہتر ہوتا کہ آپ یہ گھر چھوڑتے اور نہ ملک۔ انہوں نے کہا ہمارے لیے کوئی اور راستہ نہ چھوڑا گیا، ورنہ جلاوطنی کسے قبول ہوتی ہے۔ میں نے عزم و ہمت کی داستان لکھنے والی خاتون کو بکھرتے دیکھا۔ میں اس منظر کو برداشت نہ کر سکا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں ملتان چلا گیا، مجھے عجلت میں اسلام آباد بلایا گیا۔ محترمہ کلثوم نواز نے میاں نواز شریف کا تحریری فیصلہ پڑھ کر سنایا: جس میں راجہ ظفر الحق کو پارٹی کا چیئرمین اور مجھے قائم مقام صدر بنا دیا گیا تھا۔ صدر کو قائم مقام صدر بنانے کا آئینی اختیار ہے۔ چیئرمین کے لیے بعد میں ہم نے اپنی پارٹی کے آئین میں ترمیم کر لی۔ راجہ ظفر الحق ملک کے سینئر سیاستدان ہیں اور انہوں نے 14 ماہ میں پارٹی کے لیے بے مثال خدمت سرانجام دی۔ یہ ان کا بڑا پن تھا کہ انہوں نے پارٹی کی آئینی سربراہی قبول کر لی۔ بہت سارے دوستوں نے کہا کہ قائمقام صدر کا عہدہ راجہ ظفر الحق کو ملنا چاہیے لیکن انہوں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔

جنرل مجید ملک، چودھری شجاعت حسین، سرتاج عزیز، الٰہی بخش سومرو، وسیم سجاد اور گوہر ایوب نے کہا کہ اگر راجہ صاحب کو قائم مقام صدر بنایا جائے تو مسلم لیگ متحد رہ سکتی ہے۔ میں نے فوراً راجہ صاحب کے حق میں دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ ہم سب جنرل مجید ملک کے گھر میں چودھری شجاعت کا گھنٹوں انتظار کرتے رہے۔ وہ ایک ایسی جگہ جا کر پھنس گئے جہاں سے آج تک واپس نہیں آ سکے۔ باقی حضرات کچھ عرصہ تو ہمارے ساتھ رہے پھر ایک ایک کر کے وہیں پہنچ گئے جہاں ان کا دل اٹکا ہوا تھا، تاہم سرتاج عزیز صاحب آخر دم تک ہمارے ساتھ رہے۔ صوبہ سرحد کے سوا ہمارے تمام دفاتر پہ حکومتی سرپرستی میں قبضہ کر لیا گیا۔

شریف خاندان کے سعودی عرب چلے جانے سے پارٹی میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ ایک سال تک میاں صاحب سے ہمارا براہ راست کوئی رابطہ نہ تھا۔ حکومت ہر قیمت پر نواز شریف کا نام اور انکی سیاست کو مٹانے پر تلی تھی۔ اسی صورت میں نئی مسلم لیگ کی داغ بیل ڈالی جا سکتی تھی جب مسلم لیگ (ن) کو ملیامیٹ کر دیا جائے۔ اس مرحلے پر اے آر ڈی کی جماعتوں کو بھی ہم سے گلہ تھا کہ نواز شریف نے جانے سے پہلے انہیں اعتماد میں کیوں نہ لیا۔ میں نے پارٹی رہنماؤں کی مشاورت سے اقبال ظفر جھگڑا کو اے آر ڈی کا سیکرٹری جنرل مقرر کیا۔ بیگم تہمینہ دولتانہ کو نائب صدر اور سید ظفر علی شاہ کو سیکرٹری اطلاعات۔ بعد میں میاں نواز شریف نے ان ناموں کی توثیق کر دی۔

راجہ ظفرالحق کو شروع میں اے آر ڈی کی سیاست کے بارے میں کچھ تحفظات تھے۔ میں نے اے آر ڈی کی سیاست میں بھرپور کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور کراچی میں بلاول ہاؤس میں اے آر ڈی کے اجلاس میں میاں نواز شریف کے فیصلے کا دفاع کیا۔ اے آر ڈی کی جماعتوں کے خدشات کو رفع کیا اور آئندہ کا مشترکہ لائحہ عمل طے کرایا۔

اس دوران حکومت نے ہماری پارٹی کے لوگوں پر دباؤ بڑھا دیا۔ ہماری مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کرنے والوں کو گرفتار کر لیا جاتا۔ جہازوں پر ان کی سیٹیں کینسل کر دی جاتیں۔ ہم نے ہمت نہ ہاری اور پہلا اجلاس کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہماری بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ہمارے مرکزی دفتر میں کوئی ٹیلی فون نہ تھا اور نہ ہی ہمیں ٹیلی فون کا محکمہ کنکشن دینے کو تیار تھا۔ میں نے ملک کے طوفانی دورے شروع کئے۔

سندھ پارٹی کے صدر سید غوث علی شاہ جیل میں تھے، جنرل سیکرٹری حلیم صدیقی ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔ میں نے ممنون حسین سابق گورنر سندھ کو سندھ مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا اور بعد میں میاں نواز شریف نے اس فیصلے کی توثیق کر دی۔ بلوچستان میں پارٹی بری حالت میں تھی۔ ہم نے کوئٹہ میں پارٹی کنونشن کیا اور اس میں سردار یعقوب خان ناصر کو صدر منتخب کیا گیا۔ پنجاب میں بھی صورتحال خراب تھی۔ سینٹرل ورکنگ کمیٹی نے سردار ذوالفقار کھوسہ کی گورنر پنجاب بننے سے پہلے والی پوزیشن بحال رکھی اور انہوں نے فوری طور پر پنجاب مسلم لیگ کی صدارت سنبھال لی۔ سیکرٹری جنرل جیل میں تھے۔ خواجہ سعد رفیق جو پنجاب کے ایڈیشنل سیکرٹری تھے، بطور سیکرٹری کام کرتے رہے۔ بعد میں میاں نواز شریف نے انہیں پنجاب مسلم لیگ کا سیکرٹری جنرل بنا دیا اور سید زعیم حسین قادری صوبے کے سیکرٹری اطلاعات نامزد کر دیئے گئے۔ انہوں نے دن رات محنت کر کے جماعت کے پیغام کو آگے بڑھایا۔ تہمینہ دولتانہ آمریت کے خلاف چٹان ثابت ہوئیں۔ غلام دستگیر خان پہلا بیان دے کر اور مشاہد اللہ خان نے کراچی میں پہلی گرفتاری دے کر جرات کی روشن مثال قائم کی۔ رانا ثناء اللہ اور بلال یاسین کو نشان عبرت بنا دیا گیا۔ سردار مہتاب عباسی، صدیق الفاروق، میاں فاروق، چوہدری شیر علی اور ان کے بیٹے، چوہدری ذوالفقار، شاہد خاقان عباسی، سیف الرحمٰن اور مجیب الرحمٰن نیب کی جیلوں میں سڑتے رہے، ملتان سے طاہر رشید اور انکے بھائی نے جلاوطنی اختیار کر لی۔ حاجی بوٹا نے بوٹا بن کر وقت گزارا، چوہدری نثار علی دو سال تک گھر میں نظر بند رہے۔

صوبہ سرحد کی جماعت سب سے مضبوط قلعہ ثابت ہوئی۔ سید پیر صابر شاہ اور اقبال ظفر جھگڑا نے پارٹی کا پرچم گرنے نہ دیا۔ سرانجام خان کا عہدہ سب سے اہم تھا۔ انہوں نے عزم وہمت کی نئی تاریخ لکھی اور ہر قسم کے دباؤ کا مقابلہ کیا۔ عبدالسبحان خان اور انور کمال بھی پیچھے نہ رہے۔ چوہدری جعفر اقبال بھی ڈٹے رہے۔ میاں صاحب نے احسن اقبال کو انکی شاندار کارکردگی پر پارٹی کا چیف کوآرڈینیٹر بنا دیا۔

ہمیں دو بڑے مسائل کا سامنا تھا۔ ایک یہ کہ مایوسی کی جو لہر میاں صاحب کے جانے سے پیدا ہو گئی تھی، اسے ختم کر کے پارٹی کے اندر اعتماد بحال کیا جائے۔ دوسرے پارٹی کو چلانے کے لیے فنڈز کی فراہمی۔ ہمارے پارٹی فنڈز کچھ افراد کے ذاتی بنک اکاؤنٹس میں جمع کرا دیے گئے تھے تاکہ ناگہانی صورت حال میں کوئی قبضہ نہ کر لے، مگر یہاں نتائج الٹ نکلے۔ جس کے پاس پارٹی فنڈ تھا اس نے جماعت ہی چھوڑ دی۔ اب ہم امانت کا مطالبہ کس سے کرتے۔

اسی تہی دامنی میں کچھ مقامی حضرات اور پاکستان اور سینر پارٹی کے سربراہ قیصر محمود شیخ نے پارٹی کی بھرپور مدد کی اور ہم ٹیلی فون بل اور عملے کی تنخواہ ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔ ایک لحاظ سے فنڈز کی عدم دستیابی ہمارے لیے باعث رحمت بن گئی، ورنہ ہو سکتا تھا کہ رقوم کے استعمال پر شکوک وشبہات جنم لیتے جو عموماً پارٹیوں میں فساد کا باعث بنتے ہیں۔

پارٹی میں نئی روح پھونکنے کے لیے دوروں کا آغاز ہم نے اندرون سندھ سے کیا۔ حیدرآباد، نواب شاہ اور سکھر ڈویژن میں لوگوں نے ہمارا شاندار استقبال کیا۔ ہالہ کے قریب بھانوٹ میں ایک بہت بڑا کنونشن ہوا۔ ہالہ میں بھی بڑے استقبالیے کا اہتمام تھا۔ رابطہ عوام کی مہم کا پہلا مرحلہ مکمل کر کے لوٹ رہے تھے کہ ہمارے قافلے کو کراچی اور حیدرآباد کے درمیان سپر ہائی وے پر پولیس نے روک لیا اور ہمیں گرفتار کر کے تھانے میں لے گئے۔ ممنون حسین، سید جمیل بخاری، شاہ محمد شاہ، مخدوم شاہنواز آف ہالہ، میاں عبدالمنان ایم این اے، میاں اسد محمد اور دیگر ساتھی میرے ساتھ تھے۔ پولیس نے ہمارے خلاف بھانوٹ کی تقریروں کی بنیاد پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا۔ ہم نیشنل ہائی وے پر کراچی جا رہے تھے، پولیس نے رکاوٹیں کھڑی کر کے ہمارے قافلے کو روک لیا اور ہمیں گرفتار کر کے تھانہ بولا خاں میں بند کر دیا۔ ہم نے پولیس کو جُل دے کر میاں اسد کو اُس کے چنگل سے رہا کرا کے کراچی روانہ کر دیا تاکہ وہ کراچی کے پریس سے رابطہ کر کے اُنھیں ہماری گرفتاری سے مطلع کریں کہ اسی شام مجھے کراچی کے پریس کلب میں خطاب کرنا تھا اور اخبار نویس منتظر تھے۔ بعد میں ہمیں رہا کر دیا گیا، اِس دَور میں یہ میری پانچویں گرفتاری تھی۔ میں نے ملک بھر کی بار ایسوسی ایشنوں اور سیمناروں سے خطاب کر کے پارٹی کے موقف کی وضاحت کی اور ملک میں فوجی حکومت کے خاتمے کے لیے سرگرمیاں تیز کر دیں۔

راولپنڈی کے ایک رہنما نے پیغام بھیجا کہ آپ ہر ایک سے مل رہے ہیں مجھے کیوں نظر انداز کر رکھا ہے۔ میں اپنے ساتھیوں سمیت ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے کہا: میں آپ کی قیادت تسلیم کرنے کو تیار ہوں لیکن آپ دیکھیں گے کہ ایک وقت آئے گا آپ تنہا کھڑے ہوں گے۔ آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پارٹی کا فوٹو گرافر ذوالفقار بلتی ہوگا لیکن عوام میاں نواز شریف کو بھول چکے ہوں گے۔

ہم ان کے گھر کی سیڑھیوں سے اتر کر اپنی گاڑی تک پہنچے۔ بازار میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ ایک موٹر سائیکل

سوار نے ہمارے قریب آ کر موٹر سائیکل کھڑی کر لی اس کے پیچھے اس کی بیوی اور بچہ تھے۔ اس نے کہا: میں موٹر سائیکل واپس کر کے آپ کو یہ بتانے آیا ہوں پوری قوم آپ کے ساتھ ہے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا تو اس نے کہا: میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا کسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ایک عام آدمی ہوں، شکریے کے مستحق آپ ہیں جو آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس شخص کی گفتگو آج بھی تقویت کا باعث ہے۔ میری سر گرمیوں میں تیزی آ گئی اور مسلم لیگ (ن) دوبارہ ملک کے سیاسی منظر پر چھا گئی۔ حکومت ہماری پارٹی کے نام و نشان مٹانے پر تلی ہوئی تھی تا کہ وہ سیاست کی نئی بساط بچھا سکے۔

ہماری کوشش یہ تھی کہ میاں نواز شریف کا ووٹ بنک اپنی جگہ پر قائم رہے۔ میں نے تمام اخبارات کے ایڈیٹر حضرات سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ مدیران جرائد نے ہمیں بتایا: فوجی قیادت کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ آپ کی جماعت کا وجود ختم کر دیا جائے۔ آپ کیسے راستہ نکالیں گے؟ ہم نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہم سے زیادہ باخبر تھے۔ انہیں ہمارا مستقبل تاریک نظر آتا۔ اسی دوران ہم نے اپنی پارٹی کی جنرل کونسل کا اجلاس طلب کر لیا۔ حکومت کی طرف سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ اگر کسی گاؤں میں بھی جنرل کونسل کا کوئی ممبر تھا، اسے کونسل کے اجلاس میں شرکت سے روکنے کے لیے خفیہ اداروں نے اپنے آپ کو خفیہ رہنے نہ دیا اور منظر عام پر آ گئے۔ خوف و ہراس کی فضا پیدا کر دی گئی لیکن یہ اجلاس ہماری جدوجہد کی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوا۔ ہم نے انتہائی رازداری سے ایجنڈا تیار کیا اور دوسرے دن میاں نواز شریف کو اگلے تین سال کے لیے پارٹی کا دوبارہ صدر منتخب کر لیا۔ خفیہ ادارے ششدر رہ گئے۔ چودھری اصغر علی نے ایسے موقعوں پر پارٹی کو مالی تعاون پیش کیا اور صوبیدار مندوخیل نے کنونشن کیلئے اپنا زرعی فارم۔ اسی دوران میرا میاں نواز شریف سے رابطہ بحال ہو گیا اور ہمارے لیے ان سے ہدایات لینے میں کچھ آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ میاں صاحب ہماری جدوجہد کو سعودی عرب میں بیٹھ کر مانیٹر کر رہے تھے۔ مگر ہم سے ٹیلی فون پر رابطہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ حکومت کا رویہ زخمی چیتے جیسا تھا۔ وہ ہر قیمت پر ہماری سرگرمیاں کچلنا چاہتی تھی۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ

9/11 کو میں ملتان میں اپنے حلقہ انتخاب کے دور دراز گاؤں میں جا رہا تھا۔ میں نے گاڑی میں لگا ہوا ریڈیو کھولا تو بی بی سی پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کی خبر سنائی جا رہی تھی۔ میں نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے ساتھیوں سے کہا: میں بہت جلد گرفتار کر لیا جاؤں گا اور لمبے عرصے تک جیل میں رہوں گا۔ وہ ہنسنے لگے، ان میں سے ایک نے کہا: آپ عجیب بات کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں کہا: میں آپ سے جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ بہت جلد اسے عملاً ہوتا ہوا دیکھیں گے۔

میرے سامنے سارا منظر واضح تھا، اتنے بڑے واقعہ کے بعد پوری دنیا کی سیاست کو بدل جانا تھا۔ میں

نے کہا: امریکہ پہلے ہی ہماری حکومت پر اسامہ بن لادن کو گرفتار کرنے کے لیے دباؤ بڑھا رہا تھا۔ اب اس کا ہدف افغانستان ہوگا۔ افغانستان میں امریکہ کی مداخلت پاکستان کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ ہمارے فوجی حکمرانوں کے لیے تو یہ ایک سنہری موقع ہے کہ امریکہ کو ان کی ضرورت ہو۔ ہمارے حکمران امریکہ کی پالیسیوں کو عمل درآمد کے لیے دل و جان سے خود کو پیش کریں گے۔ ظاہری طور پر جمہوری قوتوں کی حمایت کا جو بھرم ہے، امریکہ اس سے دستبردار ہو جائے گا، یوں فوجی حکمران کو ملک کی جمہوری قوتوں کو کچلنے کا موقع پالیں گے۔ ایوب خان اور ضیاء الحق کی طرح ہندوستان کی دوستی کے حصول کے لیے فوجی شان وشوکت اور جہاد کا نعرہ ترک کر دیا جائیگا۔ اقتدار کے راستے کی یہ رکاوٹیں دور ہوگئیں تو اندرونی دشمنوں سے نمٹنے کا کام آسان ہو جائے گا اور جب اندرونی دشمنوں پر توجہ دی جائے گی تو گزشتہ دو سال سے میرے بیانات اور سرگرمیاں میری گرفتاری کا جواز پیش کرنے کے لیے کافی ہوں گی۔

یہ واضح تھا کہ ہم امریکہ کے اقدامات پر شدید ردعمل کا اظہار کریں گے۔ میں افغانستان میں ہونے والے ہولناک واقعات کو چشم تصور سے دیکھ رہا تھا۔ افغانستان پر حملوں کے دوران امریکی سفیر نے ہمیں ملاقات کے لیے بلایا۔ نوابزادہ نصر اللہ خان نے کہا: میں لاہور سے اسلام آباد کا سفر کرنے کے قابل نہیں۔ میں نے کہا کہ میں ان حالات میں امریکی سفارتخانے میں جانے کو تیار نہیں۔ امریکی سفیر اگر ضروری سمجھتے ہیں تو مسلم لیگ کے دفتر تشریف لا سکتے ہیں۔ انہوں نے آنے کا وقت طے کیا مگر سکیورٹی کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی۔ اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

اسی دوران مولانا سمیع الحق نے دفاع افغانستان کونسل کا اجلاس طلب کیا، جس میں ملک کی تمام سیاسی جماعتیں مدعو تھیں۔ میں بھی حاضر تھا۔ میں نے کونسل کا نام تبدیل کر کے ''دفاع برائے افغانستان و پاکستان'' رکھنے کی تجویز پیش کی، جسے منظور کر لیا گیا۔

جماعت اسلامی نے منصورہ میں کل جماعتی کانفرنس طلب کی۔ کانفرنس کے دوران ہی پرویز مشرف صاحب کی طرف سے مذاکرات کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ میں نے علماء سے درخواست کی کہ حکومت تو پہلے ہی امریکہ کے ایک فون پر ہتھیار ڈال چکی۔ آپ کو اس کی اس مشاورت میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ میری یہ استدعا نہ مانی گئی اور علماء کرام کانفرنس مختصر کر کے اسلام آباد چل پڑے۔ وہاں پرویز مشرف نے امریکہ کی حمایت میں دلائل دیے اور اپنے فیصلے کا دفاع کیا۔

پشاور میں ہماری جماعت کی مجلس عاملہ کا اجلاس تھا۔ وہاں ہم نے امریکی پالیسیوں کی شدید مذمت اور حکومت پاکستان پر شدید نکتہ چینی کی۔ ہم نے مجلس عمل کی اپیل پر 9 نومبر کو ہونے والی ہڑتال کی حمایت کا اعلان کیا۔ حکومت کا پیمانہ صبر لبریز تھا۔ ہم اسلام آباد واپس آئے تو رات کو تین بجے مجھے نیب کے وارنٹ پر گرفتار کر لیا گیا اور لاہور میں نیب کے تھانہ چمبہ ہاؤس میں ڈال دیا گیا، یہ میری چھٹی گرفتاری تھی۔

نیب کا آخری ملزم

قومی ادارہ برائے احتساب National Accountability Bureau کا مخفف NAB ہے جس کا مطلب ہے پکڑ لینا۔

مدنیت کے ساتھ ہی احتساب کے عمل کو لازمی قرار دیا گیا۔ کوئی معاشرہ پنپ ہی نہیں سکتا جب تک احتساب کا ادارہ موجود نہ ہو۔ ہمارے مذہب نے بھی احتساب کا حکم دیا ہے۔ جہاں حکام کے پاس بے لگام طاقت ہو، وہاں کرپشن اور رشوت خوری کا بازار گرم ہوتا ہے۔ پاکستان میں طاقت تین گروہوں کے پاس رہی ہے۔ جاگیردار، جرنیل اور افسر شاہی۔ کاروباری طبقہ بھی عوام کو لوٹنے کے لیے رشوت اور کرپشن کا ایک بڑا عامل ہے۔ تیسری دنیا کے بے بس عوام ان طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جمہوری معاشروں میں احتساب ووٹ کے ذریعے بھی ہو جاتا ہے اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی۔ بعض اوقات کسی اخبار میں ایک ناقابل تردید بیان کسی بھی سیاستدان، جنرل یا افسر کو ہمیشہ کے لیے پبلک آفس سے باہر نکال پھینکنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ احتساب کے اس عمل سے معاشرتی قدریں اجاگر ہوتی ہیں، ہر غلط کار کا انجام دوسروں کے لیے سبق آموز ہوتا ہے۔

پاکستان میں بھی دوسرے معاشروں کی طرح احتساب کا نعرہ بہت مقبول ہے، لیکن ہر حکومت اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ معاشرے کو کرپشن اور رشوت خوری سے پاک کرنا اس کا مقصد نہیں ہوتا۔ خاص طور پر فوجی حکومتیں اس نعرے کے بل پر اقتدار کا جواز تراشتی ہیں۔ ایبڈو ایسے قانون بنا کر اور فوجی عدالتیں لگا کر اپنے مخالفین کو خوفزدہ کر دیتی ہیں۔ ایوب خان نے سینکڑوں سیاستدانوں کو ''ایبڈو'' قانون کے تحت سیاست بدر کر دیا۔ کچھ سر پھروں نے ایبڈو کے خلاف مقدمے لڑے مگر سیاسی طور پر کمزور ہو کر مٹ گئے۔ جب ایوب خان کو سیاسی حمایت کی ضرورت تھی تو انہی ایبڈو زدہ سیاستدانوں کے دروازوں پر انہوں نے دستک دی۔ ان میں سے ایک مثال مخدوم زادہ حسن محمود کی ہے، ایوب خان مادر ملت کے خلاف حمایت حاصل کرنے کے لیے جمال دین والی (رحیم یار خان) جیسے دور اُفتادہ گاؤں میں سر کے بل گئے۔

یحییٰ خان، ضیاء الحق اور موجودہ فوجی حکومت کی کہانی بھی وہی ہے، بلکہ موجودہ حکومت نے تو انتہا کر دی ہے۔ نیب کے نام پر انہوں نے ریاست کے اندر ایک اور ریاست قائم کر دی ہے۔ جنت شدّاد بھی موجود ہے اور نارِ نمرود بھی۔ پاکستان کے قانون کا نیب پر اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کا اپنا تھانہ ہے، اپنے ٹارچر سیل ہیں، اپنے جج ہیں، جو خطیر تنخواہوں پر جج بنتے ہیں۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار نیب کے معاملے میں محدود ہو جاتا ہے۔ ان کا اپنا چیئرمین ہے، جو فوجی وردی میں ملبوس ایک لیفٹیننٹ جنرل ہوتا ہے، لیکن وہ کسی فوجی کا احتساب

نہیں کرسکتا۔ عملی طور پر جاگیردار بھی اِس احتساب سے باہر ہیں۔ متوسط طبقے کے سیاستدان ان کا پسندیدہ ہدف ہیں۔ دنیا کو دکھانے کے لیے شروع میں چند صنعتکار اور بیوروکریٹ بھی پکڑے گئے۔ دنیا کی آنکھوں میں مٹی ڈالنے کے لیے یہ ضروری تھا۔ ایک آدھ ریٹائرڈ فوجی افسر پر بھی مقدمہ بنایا گیا اور انہیں اتنی آسائشیں پہنچائیں جو کسی والیِ ریاست کو تخت پر حاصل ہوتی ہیں۔

انتہا تو یہ ہے جن سیاستدانوں کے خلاف اِسی حکومت نے فردِ جرم عائد کی، انہیں سالہا سال جیلوں میں رکھا، بعد میں انہی کو وزارتیں دی گئیں۔ اگر کوئی تنقید کرے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ انہیں عوام نے منتخب کیا ہے۔ اب ان سے کون پوچھے کہ چلئے عوام نے کم علمی کی بنیاد پر منتخب کرلیا، آپ تو ان کے اعمال سے باخبر تھے، آپ کے نزدیک تو وہ چور ہیں، آپ نے چوروں کو خزانہ کیوں سونپ دیا؟ لیکن جو سوال اٹھائے، وہ غدار ہے یا باغی۔ نیب کی اصلیت عوام پر آشکار ہوچکی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ عوام کا ہر طرح کے احتساب سے اعتماد اُٹھ گیا ہے، وہ کسے چور سمجھیں اور کسے چوکیدار۔

میرے لیے نیب کی گرفتاری ناقابلِ یقین تھی، میں نے پورے سیاسی کیریئر کو اس انداز سے ڈھال رکھا تھا کہ اس میں دولت جمع کرنے یا اختیارات کے ناجائز استعمال کا سوال تک نہ تھا۔ میں نے ساری زندگی کبھی بجلی یا ٹیلی فون کے بِل ادا کرنے میں بھی کوتاہی نہ کی۔ پوری زندگی میں نے کبھی ٹریفک کے اشارے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اپنے خاندان میں کسی کو ملازمت نہیں دلائی گئی۔ میرا بھانجا تسنیم عالم ملازمت کے شوق میں، بی اے ایل ایل بی کرنے کے بعد عمر زیادہ ہونے سے بچنے کیلئے پولیس میں کانسٹیبل بھرتی ہوگیا۔ دوسرا بھانجا فیض مصطفیٰ شاہ بی اے پی ٹی سی کرکے پرائمری سکول کا ٹیچر ہے۔ میرے خاندان کے اکثر افراد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ شاہد بہار ہاشمی جو میرا بھتیجا اور داماد ہے، ایم اے ایل ایل بی ہے۔ ایک بھتیجا علمدار حسین شاہ ایم بی اے ہے، کاشت کاری کررہا ہے اور ایک بھتیجا تنویر عالم ایل ایل بی ہے۔ کسی کو ملازمت دلانے کیلئے میں نے اپنا کبھی اثرورسوخ استعمال نہیں کیا۔ میری دو بھانجیوں اور دو بھتیجیوں نے ایم اے کررکھا ہے، باقی بھانجیوں، بھتیجیوں کا بھی یہی حال ہے۔ میری ایک بیٹی ایم اے اکنامکس ہے دوسری نے ایم بی اے کیا ہے اور تیسری نے ماس کمیونیکیشن میں ایم اے کیا۔ میری چوتھی بیٹی سعدیہ نے کینئرڈ کالج لاہور سے گریجوایشن کیا ہے لیکن کوئی بھی دور و نزدیک کا رشتہ دار سرکاری ملازمت میں نہیں۔

میری جائیداد وہی ہے جو میرے آباؤاجداد کے پاس انگریزوں کے آنے سے پہلے تھی یا میرے دادا اور والد نے خریدی۔ میں خاندان کا پہلا شخص ہوں جس نے دوسو سال پہلے کی جائیداد فروخت کرکے سیاست کی۔

میری بیوی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ اس کے والد محترم مخدوم مہر حسین شاہ ولد مخدوم ہادی شاہ کی ساری زرعی جائیداد اس کو ورثے میں ملی اور یہ جائیداد بھی انگریزوں کے دور سے پہلے کی ہے۔ ہماری ساری

جائیداد 1846ء کے بندوبست اراضی میں موجود تھی۔ اس کا ریکارڈ نیب کو فراہم کر دیا گیا ہے اور ملتان کے ضلعی سرکاری دفاتر میں موجود ہے۔

کچھ جائیدادیں فروخت کر کے میں نے اسلام آباد میں پلاٹ خریدا، جہاں کوئی بیوقوف ہی پلاٹ خریدتا ہے۔ بااثر لوگوں کیلئے یہ مفت کا شہر ہے۔ گھر بنانے کے لیے تمام سرکاری ملازم اور ایم این ایز کو زمین تقریباً مفت ملتی ہے بلکہ کمرشل پلازے اور ان پر عمارتیں تعمیر کرنے کے لیے کروڑوں روپوں کے قرضے بھی دیے جاتے ہیں۔ میں نے اپنے پیسے سے گھر تعمیر کرایا۔ اسمبلی توڑی گئی تو میں واپس ملتان چلا گیا۔ اسلام آباد کا گھر فروخت کر کے ملتان میں گھر کی تعمیر شروع کی جو آج دس سال بعد بھی مکمل نہیں۔ اسلام آباد کے گھر کی فروخت سے ایک گاڑی بھی خریدی جو ملتان کے گھر کی قسط ادا کرنے کے کام آئی ہے۔ طارق رضا جو میرے دوستوں میں سے ہیں، 1992 سے لے کر تقریباً 10 سال تک مجھے اپنی گاڑی سوزوکی آلٹو ماڈل 85ء پر اسلام آباد ائیر پورٹ سے لے آتے رہے ہیں۔ اسفندیار ولی سے قربتوں کی داستان طویل ہے۔ اُس کی مالی مشکلات کے باوجود اسلام آباد میں اُس کی گاڑی اور ڈرائیور رحمان گُل کی خدمات مجھے سالہا سال تک میسر رہیں۔

اب میرے پاس صرف 1985 ماڈل کی ایک گاڑی ہے۔ انیس سال پرانی یہ گاڑی اکثر بیچ سڑک کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہ نامکمل گھر اور چلنے سے زیادہ تھر کنے والی یہ گاڑی میری زندگی بھر کی کمائی ہے۔ وراثتی زرعی جائیداد کی آمدن نیب کے سرکاری گواہوں کے مطابق کروڑوں میں بنتی ہے اور میری بیوی کی زرعی زمینیں بھی اب سرکار کی تحویل میں ہیں۔

مجھے اگلے دن نیب کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ میں نے عدالت کو فیض احمد فیضؔ کے چند اشعار سنائے:

ہم خستہ تنوں سے محتسبو کیا مال و منال کا پوچھتے ہو
جو عمر سے ہم نے بھر پایا سب سامنے لائے دیتے ہیں
دامن میں ہے مشتِ خاکِ جگر، ساغر میں ہے خونِ حسرتِ مے
لو ہم نے دامن جھاڑ دیا لو جام الٹائے دیتے ہیں

جب ضرورت پڑی، میری بیوی نے اپنے زیورات میرے آگے ڈھیر کر دیئے، نیب کی قید میں وکیل کی فیس اور دوسری ضروریات کیلئے میری بیٹیوں نے اپنے سارے زیور بیچ دیئے۔ رہائی کے بعد اُن کی والدہ نے جب مجھے بتایا تو میرے اعصاب چیخ گئے۔ میں سوچ رہا تھا وہ کون عورتیں ہوتی ہیں جنہیں زیورات سے پیار ہوتا ہے۔ تین نسلیں تو میرے سامنے ہیں، میری والدہ، میری بیوی اور میری بیٹیاں۔ سارا گاؤں جانتا ہے، میرے دادا محترم کی وفات پر وراثت کی تقسیم کیلئے ترازو استعمال کیا گیا کیونکہ چاندی والے بے شمار روپوں کی گنتی خاصا مشکل کام

تھا۔ میرے سسرال والوں نے اپنی بیٹی کو چاندی کے برتن جہیز میں دیئے تھے، اب اُن کا بوجھ بھی اتر چکا۔

رام موری گاگر ٹوٹی
میں پانی بھرن سے چھوٹی

57 دن تک مجھے شدید ذہنی اور جسمانی تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ انہی دنوں نیب کے عقوبت خانے میں جہانگیر بدر کے ایک ساتھی نے جان ہار دی تھی۔ مجھے اس سے بھی زیادہ تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک دن تفتیشی ریٹائرڈ کرنل چیمہ نے جو ایک پراپرٹی ڈیلر کا کارندہ تھا، مگر فوجی حکومت آنے سے دوبارہ برسر روزگار ہو گیا تھا، مجھے کہا: آپ کو اس لیے نیب کیس میں گرفتار کیا گیا ہے کہ اب آپ قوم کو منہ نہ دکھا سکیں، اور آپ کا سیاسی کیریئر ختم ہو جائے۔ بہتر ہے آپ بھی وہی طریقہ اختیار کریں جو دوسرے سیاسی رہنما کر رہے ہیں۔ آپ جتنا بڑا عہدہ مانگیں، آپ کو کوئی انکار نہ کرے گا۔ میرا تفتیشی افسر بھی، جس کا نام مفتی عبدالحق ہے، موجود تھا۔ میں نے کرنل صاحب سے کہا: اس حکومت کو برسراقتدار آئے دو سال ہو گئے۔ میں کئی مرتبہ گرفتار اور رہا ہوا ہوں۔ نیب کا کوئی مقدمہ میرے خلاف نہ تھا۔ یہ مفتی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے ملتان جا کر مجھے کہا: ہم نے بہت تحقیقات کی ہیں، آپ کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں بن سکا۔ میں نیب پر سخت تنقید کرتا تھا کیونکہ میں دیانتداری سے سمجھتا ہوں کہ یہ صرف مسلم لیگ کو توڑنے کا شکنجہ یکطرفہ احتساب کا ادارہ ہے۔ قوم کی معیشت کو تباہ کر کے لوگوں کی وفاداریاں تبدیل کی جا رہی ہیں۔ یہ جبری بھرتی کا پروگرام ہے۔ میں نے جہاد سمجھ کر نیب کی مخالفت کی ہے۔ وقت بتائے گا میرا سیاسی مستقبل تاریک ہوتا ہے یا نیب کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے آتا ہے۔ میں انشاء اللہ یہاں سے سرخرو ہو کر نکلوں گا۔

کرنل صاحب سے میں نے کہا: میں نے نیب کو عیب کہا ہے اور فاروق آدم کو آدم خور۔ میں نے عدالت اور پریس کانفرنس میں کہا کہ پاکستان میں کرپشن کا اڈا چیمبہ ہاؤس ہے۔ لوگ یہاں دفتر میں خالی آتے ہیں اور شام کو بریف کیس بھر کے لے جاتے ہیں۔ آپ نے ہر شریف آدمی کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ تاجر حضرات خوف سے سرمایہ ملک سے باہر لے جا رہے ہیں۔ دفتروں میں کام ٹھپ ہو گیا ہے اور ملک میں ترقی کی رفتار رک گئی ہے۔ میں نیب کا اصل چہرہ قوم کو دکھا رہا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں یہاں سے سرخرو ہو کر باہر جاؤں گا اور میرا سیاسی مستقبل پہلے سے زیادہ شاندار ہو گا۔

میری گرفتاری پر جو فردِ جرم عدالت میں پیش کی گئی وہ خوفناک تھی۔ مجھ پر سینکڑوں سکول کھول کر کروڑوں روپے سرکاری خزانے سے لینے کا الزام تھا۔ یہ الزام بھی تھا کہ غریبوں کے نام پر پچاس ہزار کے صوابدیدی فنڈز مَیں نے اپنی ذات پر خرچ کیے ہیں، بیرون ملک اکاؤنٹس میں کروڑوں جمع کرانے کا الزام بھی لگایا گیا۔ ان الزامات کی ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات میں تشہیر کی گئی۔ میرے زیرِ تعمیر گھر کی ایسی تصاویر شائع کی گئیں کہ مجھے بھی وہ تاج محل نظر آنے لگا۔ میں سوچنے لگا اگر میں نے یہ سب کچھ کیا ہے تو بہت بُرا کیا ہے۔ مگر عدالت میں نیب نے یہ

سارے الزامات واپس لے لیے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی ہونے نہ دی۔ قوم کے سامنے میرا مسخ شدہ چہرہ پیش کرنے والوں کا اپنا چہرہ مسخ ہو گیا۔

درحقیقت یہ نیب کی حکمتِ عملی کا حصہ ہے کہ وہ عوام کے سامنے سیاستدانوں کی بھیانک تصویر پیش کرتے ہیں۔ ہر آدمی متعلقہ شخص سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اس کے بعد نیب کے لیے آسانی ہو جاتی ہے کہ وہ اُسے جتنا عرصہ چاہے جیل میں رکھے یا اُس کے خاندان پر ظلم کرے۔ میں نے اِس ظالمانہ شکنجے کو عوام کے سامنے بے نقاب کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا تا کہ آئندہ بلیک میلنگ کا کوئی ہتھیار فوجی حکمرانوں کے پاس نہ رہے۔ فوجی قیادت نے یہ شکنجہ بہت سوچ سمجھ کر بنایا تھا، جس سے ملٹری کورٹس والا کام لینا تھا۔ احتساب کے نام پر تمام عدالتوں کی آزادی سلب کر لی گئی، ذرائع ابلاغ کو صرف تصویر کا ایک رُخ دکھانے کی اجازت دی گئی۔ اخبارات کے بلیک میلرز کو جس نے چندہ دینے سے انکار کیا، انہیں نیب کے ذریعے چُن چُن کر انتقام کا نشانہ بنایا گیا۔ متوسط طبقہ کی قیادت کی کردار کشی کچھ اخبارات کا محبوب مشغلہ ہے۔ جو بھی اُن کی بلیک میلنگ میں نہ آتا، اُس کے خلاف فیچر چھاپ دیتے اور نیب والے اُن لوگوں کے پیچھے پڑ جاتے، چونکہ نیب کے پاس بنیادی مواد جمع کرنے کا کوئی نظام نہیں تھا اور نہ ہی وہ احتساب کے عمل کو سنجیدگی سے لے رہے تھے۔ وہ اس طرح کے اخبارات کے جھوٹے پروپیگنڈے کو خوشدلی سے قبول کر کے اسے اپنی کامیابیوں کی فہرست میں شامل کر لیتے بلیک میلرز کو لوگوں کو مزید لوٹنے کا اور اُن کی جائیدادوں پر ناجائز قبضے کا کھلا لائسنس مل جاتا۔ ایک بلیک میلر نے مجھ سے بھی بیس لاکھ کا مطالبہ کیا، میں اُس کی اِس جسارت پر حیران رہ گیا۔ میں نے اُس کے ساتھی کو کہا: کسی ناخوشگوار حادثے سے بچنے کے لیے اِسے یہاں سے لے جائیں، وہ کئی سال تک میرے خلاف مسلسل جھوٹی خبریں چھاپتے رہے، میں نے اس کی پرواہ نہیں کی۔

مجھ پر اپنی آمدن سے چالیس لاکھ کے زائد اثاثے کا الزام لگایا گیا ہے۔ میری تین لاکھ کی انیس سالہ بوڑھی گاڑی کی قیمت بیس لاکھ لگائی گئی۔ میں نے نیب حکام سے کہا: آپ اسے دو لاکھ میں مجھ سے خرید لیں۔ دوسری گاڑی جو میں نے بیچ کر بیس لاکھ کے مکان کی قسط ادا کر دی، وہ قسط کے بیس لاکھ میرے مکان کی مالیت میں شمار کرتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں، وہ گاڑی ابھی تک اضافی جائیداد کے طور پر گنی جائے گی۔ انہوں نے گوجرانوالہ میں گاڑی کے نئے مالکوں کو جا پکڑا۔ دو سال قبل میں اپنے دوست اور ساتھی رانا تنویر سے جیل میں ملاقات کیلئے گیا۔ کہنے لگے: نیب نے گذشتہ نو ماہ سے کسی سیاستدان کو گرفتار کیا اور نہ ہی کسی کے خلاف نیا مقدمہ بنایا ہے۔ دو مہینے بعد میں اُن کے ساتھ جیل میں تھا۔ میں نے اُن سے کہا مقدمہ بھی موجود ہے اور ملزم بھی حاضر ہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ میں نیب کا آخری شکار تھا۔ پونے چار سال سے زیادہ عرصہ بیت گیا ہے، نیب کو سیاستدانوں کے خلاف کرپشن کا کوئی کیس نہیں ملا، میری گرفتاری کے ساتھ ہی پاکستان کرپشن سے

پاک ہو چکا اور احتساب کا عمل مکمل ہوا۔

میں نے ایک سال دو مہینے لاہور کیمپ جیل میں گزارے۔ میری تمام جائیداد، میرے بھائیوں اور عزیزوں کی تمام جائیداد، قانونی طور پر نیب کے کنٹرول میں ہے۔ یہ جائیداد اب زرعی نہیں رہی۔ شہر کے اندر آ جانے کی وجہ سے بہت قیمتی ہو گئی ہے۔ آج کروڑوں میں ہے کل شاید اربوں کی ہو جائے۔ تھوڑی سی جائیداد بیچنے سے مجھے خاصی آمدن ہو جاتی ہے اور زندگی کی گاڑی چلتی رہتی ہے۔ اب نہ ہم اسے فروخت کر سکتے ہیں اور نہ کسی کو منتقل کر سکتے ہیں۔ اس طرح معاشی طور پر مجھے مفلوج کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔

جیل سے انتخاب

جب مجھے گرفتار کیا گیا تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ حکومت الیکشن کی تیاری کر رہی ہے، بلکہ خود ہم نے بھی الیکشن کی تیاری شروع کر دی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ الیکشن ہمیں میاں نواز شریف کی قیادت کے بغیر لڑنا ہوں گے۔ ہمیں یہ بھی یقین تھا کہ پیپلز پارٹی کی قیادت بھی پاکستان میں موجود نہ ہو گی۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہماری ٹیم دوسری پارٹیوں کی ٹیم سے زیادہ متحرک ہے۔ ہمارا موقف واضح ہے۔ ہم صرف پرویز مشرف کی وردی اتارنے کی بات نہیں کرتے بلکہ ملک میں سول سوسائٹی کو بالادست کرنے کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ دوسری جماعتوں کے بارے میں پرویز مشرف نرم گوشہ رکھتے تھے۔ عوام کے سامنے جانے کے لیے ہمارے پاس واضح پروگرام تھا اور لوگوں کی ہمدردیاں بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ ہم یکساں طور پر پنجاب، سرحد اور سندھ کے شہروں اور دیہی علاقوں میں قابل قبول تھے۔ بلوچستان میں فوجی حکومت کے مخالفین ہمیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

میری گرفتاری کا مقصد ہماری جماعت کو بے دست و پا کرنا تھا۔ میں جیل میں تھا تو جیل حکام نے ہمارے دیگر ساتھیوں کے ذریعے مجھ سے کہا کہ اگر میں ریفرنڈم میں حکومت کی مدد کروں تو ابھی اٹھ کر گھر جا سکتا ہوں۔ آنے والے انتخابات میں اپنے گروپ کو بھی کامیاب کرا سکتا ہوں۔ میں نے ہنس کر کہا: آپ یہ پیش کش کسی اور کو کریں۔ انہوں نے کہا کہ پیش کش ہو چکی اور آپ کے کئی دوست اسے قبول بھی کر چکے۔

میں جیل میں تھا کہ انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔ میں نے الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ حکومت نیب کے شکار کئی لوگوں کو کامیاب کرانا چاہتی تھی، اس لئے ان کے لئے قانونی رکاوٹیں دور کر دی گئیں۔ میں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لاہور اور ملتان سے کاغذات نامزدگی داخل کرا دیئے۔ اب ہمارے لئے مشکلات کا نیا باب کھول دیا گیا۔ ناجائز طریقوں سے مجھ پر نادہندگی کے 18 لاکھ کے واجبات نکالے گئے۔ میرے لئے اتنی بڑی رقم اکٹھی کرنا ممکن نہ تھا اور ویسے بھی یہ سراسر غیر قانونی اقدامات تھے، جنہیں ہم نے ہائی کورٹ ملتان میں چیلنج کر دیا۔ عدالت نے حکم امتناہی جاری کر کے مجھے الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔

اس دوران میری انتخابی مہم پر شکوک و شبہات کا سایہ پھیلا رہا۔ میرے ملتان کے انتخابی حلقے کو جہاں

میں نے بیس سال محنت کی تھی، چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ایسے علاقے شامل کر دیئے گئے، جہاں میں زندگی بھر نہ گیا تھا اور اب جیل میں ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو اپنی شکل بھی نہ دکھا سکتا تھا۔ مجھے ملتان میں 47 ہزار ووٹ ملے اور میں الیکشن ہار گیا۔ لاہور میں 31 ہزار ووٹ ملے اور میں انتخاب جیت گیا۔ مخدوم سید تنویر الحسن گیلانی میرے سمدھی ہیں، وہ 90ء کی اسمبلی میں ہمارے ساتھ ایم این اے تھے، پھر وفاقی وزیر بن گئے، وہ میرے بچپن کے دوست بھی ہیں۔ ہر انتخاب میں اُن کی ہمدردیاں میرے ساتھ رہی ہیں۔ اُن کا مقابلہ ہماری جماعت کے امیدوار رانا محمود الحسن سے تھا، میں نے جیل میں بیٹھ کر منصوبہ بندی کر کے اپنی جماعت کی سیٹ جیتی۔ مخدوم سید تنویر الحسن مجھے جتوانے کیلئے محنت کر رہے تھے اور میں انہیں ہروا کر اپنی پارٹی کو جتوانے کی۔ وہ بہت کم ووٹوں سے ہارے لیکن یہ اُن کا بڑا پن ہے کہ اُن کے ماتھے پر آج تک بل نہیں آیا۔ میں ملتان اور لاہور کے لوگوں کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ پر اعتماد کیا۔ خاص طور پر شمالی لاہور کے شہریوں نے میرا ایک پیسہ خرچ ہونے دیا اور نہ پارٹی کا۔ وہاں کے ورکروں نے بے سروسامانی کے عالم میں، کہ دیواروں پر نعرے لکھنے کے لئے محدود سی رقم بھی نہ تھی، معجزہ کر دکھایا۔

میری ضمانت کی درخواست ہائی کورٹ میں موجود تھی، اس کے منظور ہوتے ہی میں رہا ہو گیا۔ ایک بڑے جلوس کی صورت میں مجھے مسلم لیگ پنجاب کے دفتر میں لایا گیا۔ میں نے اعلان کیا کہ ہم فرد واحد کی حکمرانی نہیں مانتے اور اسمبلی میں ایل ایف او کی مزاحمت کریں گے۔ ابھی میں جیل میں تھا کہ میاں نواز شریف نے مجھے پارلیمانی پارٹی کا سربراہ مقرر کر دیا۔ نوابزادہ نصر اللہ کا حکم ملا کہ اسلام آباد میں میری سخت ضرورت ہے۔ میاں اسد محمد میرے سر پر سوار تھے، میں اپنے بچوں سے ملاقات کے لئے ملتان جانے کی بجائے اسلام آباد حاضر ہو گیا۔ نوابزادہ نصر اللہ خان بے تابی سے میرا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے میرا ماتھا چوم کر خوش آمدید کہا۔ میں نے اگلے روز پارلیمانی پارٹی کا اجلاس طلب کر لیا، جس میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا۔ جب میں اسمبلی کے اجلاس میں پہنچا تو میرا والہانہ استقبال کیا گیا۔ حکومتی نشستوں کے بے شمار افراد نے بھی مجھ سے ملاقات کی اور رہائی پر مبارکباد پیش کی۔ ظفر اللہ خان جمالی اور چودھری شجاعت حسین بھی ان حضرات میں شامل تھے۔

ایل ایف او کے خلاف جدوجہد

میں نے مولانا فضل الرحمٰن، قاضی حسین احمد اور مخدوم امین فہیم سے ملاقاتیں کیں اور مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے پر زور دیا۔ ان تمام اقدامات میں مجھے نوابزادہ نصر اللہ خان کی تائید وحمایت حاصل تھی۔ وزیر اعظم کے انتخاب کے بعد اسمبلی میں بطور پارلیمانی لیڈر تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا: اگر ایل ایف او کو آئین کا حصہ بنایا گیا تو ہم اسے اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ میں نے کہا:

"شکریہ جناب سپیکر! آج اس لئے یہ پوائنٹ آف آرڈر اٹھانے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اخبارات

میں کل آپ سے منسوب ایک بیان چھپا ہے۔ جس میں آپ سے منسوب (Attribute) کیا گیا ہے کہ ایل ایف او آئین کا حصہ ہے اور اسی کے تحت حلف اٹھایا گیا ہے۔ جناب سپیکر! اگر یہ بیان صحیح ہے، کیونکہ اس وقت تک آپ کی طرف سے کوئی تردید نہیں آئی، تو میں حق بجانب ہوں کہ اس بیان کو، جو آپ سے منسوب ہے، صحیح سمجھوں۔ اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ آپ جیسے ذمہ دار فرد جو آج کسٹوڈین آف دی ہاؤس ہیں، جن کا وسیع تجربہ ہے، آپ اور ہم اسی ہاؤس میں سترہ سال سے آ رہے ہیں اور ایک ایک واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سپیکر کی حیثیت ایک جج کی ہو جاتی ہے اور وہ رولنگ کے ذریعے فیصلے صادر فرما سکتے ہیں۔ آپ کی رولنگ قانون کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اور اس کا احترام کرنا ہر رکن اسمبلی پر ہی فرض نہیں ہوتا بلکہ قوم کے باقی معاملات میں بھی، حتیٰ کہ قانون سازی کے اندر بھی آپ کے ہر بولے ہوئے لفظ کی اہمیت ہے۔ میں یقین نہیں کر سکتا تھا کہ ایک جج جو سپریم کورٹ سے بڑی عدالت کا جج ہے، جو ایک سپریم پارلیمنٹ کے مفادات کا امین ہے، Custodian ہے، وہ دوسرے فریق مقدمہ کی گفتگو سنے، بغیر نقطہ نظر سنے بغیر، وہ جج کسی کی رائے پوچھے بغیر، اس ہاؤس میں کوئی فیصلہ صادر فرما دے گا۔ اس جج کے بارے میں تاریخ ضرور فیصلہ دے گی، لیکن آج کا حال بھی یہ کہہ رہا ہے کہ ہم شاید اپنے مقام سے بہت نیچے آ رہے ہیں۔ جناب سپیکر! آپ گواہ ہیں اس بات کے جب ہم 1985ء کی اسمبلی میں آئے تھے، آر سی او کے تحت وہ اسمبلی بنی تھی اور آج یہ ان کا دعویٰ ہے کہ ایل ایف او کے ذریعے یہ اسمبلی بنی ہے۔ تسلیم، مان بھی لیا جائے، ہم اس کو بحث میں نہیں لانا چاہتے، پھر بھی 1971ء کے اندر بھی جب یحییٰ صاحب گئے تھے، جو ان کے اقدامات تھے، وہ اسمبلی میں لانے پڑے تھے اور آخری فیصلہ جو سپریم ادارہ ہے پارلیمنٹ کا، چودہ کروڑ عوام نے جن کو منتخب کیا ہے، انہوں نے فیصلہ دیا تھا کہ اس کے کس حصے کو ہم آئین کا حصہ تسلیم کرتے ہیں اور کس حصے کو ہم حصہ تسلیم نہیں کرتے۔ جناب والا! 1985ء میں آپ اسی ہاؤس کے اندر تشریف فرما تھے، ہم نے اڑتیس دن تک بحث کی تھی اور مذاکرات کئے تھے۔ ضیاء الحق صاحب ہمارے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے، اُن سے مذاکرات بھی چلے تھے، لیکن آر سی او کا فیصلہ اسی عدالت کے سامنے آیا اور اس عدالت نے اڑتیس دن کے بعد آٹھویں ترمیم کی صورت میں ایک فیصلہ صادر کیا۔ اس سے بھی قوم نے اختلاف کیا، لیکن وہ فیصلہ پھر اسمبلی نے ہی اگر بدلنا چاہا تھا تو پھر آ کے اس کی پارلیمنٹ میں مزید Amendments لائے۔ تو میری گزارش یہ ہے، آپ کا احترام مجھے ملحوظ خاطر ہے۔ مجھے موقع نہیں ملا تھا مبارکباد دینے کا۔ لیکن میں نے آپ کے کولیگ کی حیثیت سے ہمیشہ آپ کو بہت نفیس آدمی پایا ہے۔ آپ نے اصولوں کی پاسداری کی ہے، لیکن آپ کے بیان سے آپ کے اس مداح کو بہت روحانی تکلیف پہنچی ہے۔ میں آپ سے یہی عرض کرنا چاہتا ہوں۔

It is very sensitive issue. Now when we have come here and we have come with certain commitments to the Nation, to the people of Pakistan. We

are committed, we told them that we are going there, we will not accept LFO. We will work for the restoration of 1973 Constitution. when we came here, we raised this question before the Presiding Officer Elahi Bux Soomro Sahib and he said this is Constitution, he showed us the Book, every body was here, he said this is a Book and you are taking Oath under the 1973 Constitution and LFO is not part of it. It was very clear statement made by the Presiding Officer of the Assembly at that time. But I am really surprised, I am really not only surprised, I was shocked, when I went through the statement of the Custodian of the House, elected by this Assembly. First statement, Sir, I am sorry, I can't hold that respect, which I had about yourself sir, that is changed now why? Please you are a Custodian of the House, you are here to protect the rights of the House. And my request to you is that this issue is very sensitive issue. None of us will accept the LFO as a part of the Constitution. We will not accept, we will throw it away if that will become part of the Constitution. We will throw away that Constitution out of this House. We are not going to accept it. Please keep it in your mind and you do'nt become partial, you should be impartial Speaker, If you not eclear this, you have given this statement, in my view, in my eyes, in eyes of every Pakistani. You are partial Speaker, you are no more Custodian of this House. Please keep this in your mind, we will not accept it. Thank you.

اے آر ڈی کے پلیٹ فارم سے ہم نے ایل ایف او کے خلاف مہم چلائی۔ لاہور میں تہمینہ دولتانہ کے گھر اے آر ڈی کی میٹنگ تھی۔ میں اسلام آباد سے لاہور پہنچا تو پولیس نے اس گھر کو گھیر رکھا تھا۔ وہ کسی کو اندر جانے اور نہ ہی باہر آنے دے رہے تھے۔ گرفتاریاں جاری تھیں۔ میرے ساتھیوں نے کہا: آپ باہر رہ کر زیادہ موثر کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن میں پولیس کا گھیرا توڑ کر اندر چلا گیا، تمام شرکاء کو گرفتار کر لیا گیا۔ مجھے، نوابزادہ نصراللہ خان اور مخدوم امین فہیم کو تھانہ سرور روڈ میں لے جا کر بند کر دیا گیا اور پولیس اوپر سے ہدایت کا انتظار کرنے لگی۔ ہمیں اپنے دیگر ساتھیوں کا علم نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس نے ہمیں رہا کر دیا۔ ہم نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کو بھی رہا کر دیا گیا ہے۔ یہ میری ساتویں گرفتاری اور رہائی تھی۔

نوابزادہ صاحب نے اگلا اجلاس کراچی میں طلب کیا۔ میں ان کے ساتھ ملتان سے کراچی کے لئے روانہ ہوا۔ کراچی ایئرپورٹ پر نوابزادہ اور مجھے بارہ گھنٹے کے لئے زیر حراست رکھا گیا، پھر ڈیرہ غازی خان کی فلائٹ پر بٹھا کر واپس روانہ کر دیا۔ ہم نے اپنی جدوجہد جاری رکھنے کا عزم کیا اور کوئٹہ میں اے آر ڈی کا اجلاس

طلب کرلیا۔ میں نے ملتان سے کراچی اور کراچی سے کوئٹہ کی سیٹیں بک کرائیں مگر آخری دن سیٹیں منسوخ کردی گئیں۔ میں اپنی گاڑی پر کوئٹہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ میرے آگے پیچھے پولیس تھی۔ بہاولپور روڈ پر انہوں نے میری گاڑی کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کر کے مجھے گرفتار کرلیا۔ یہ میری گرفتاری کا آٹھواں واقعہ تھا۔ بعد میں مجھے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ 23 مارچ 2002ء کو اے آر ڈی کے تحت موچی گیٹ لاہور میں جلسے کا اعلان کیا گیا۔ ہم سب لوگ لاہور پہنچ گئے۔ میں پرل کانٹی نینٹل ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ پولیس آفیسر وہاں پہنچے اور کہا: اگر آپ کمرے سے باہر نہ نکلیں تو آپ کو چوبیس گھنٹے کے لئے یہیں نظر بند کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ ہوٹل سے باہر نکلے تو پھر آپ کو تھانے میں بند کرنا پڑے گا۔ میں نے انہیں کہا کہ میں پرل کانٹی نینٹل کی بجائے حوالات میں رات گذارنے کو ترجیح دوں گا۔ ہم نے عوام سے موچی گیٹ پہنچنے کا وعدہ کیا ہے اور اسے نبھائیں گے۔ ہم جب ہوٹل سے باہر نکلے تو انہوں نے ہمیں گرفتار کر کے پہلے گلبرگ تھانے میں بند کر دیا اور پھر ماڈل ٹاؤن کی اسی حوالات میں بند کر دیا، جس میں ایک سال پہلے ہم پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے تھے۔ جنرل پرویز مشرف کے دور میں یہ میری نویں گرفتاری تھی۔

آشیاں بجلی کی زد میں

یہ قیامت کی رات تھی، جس میں میری بیٹی کا گھر لوٹ لیا گیا اور سارے خاندان نے تمام رات ڈاکوؤں کی سنگینوں تلے گزاری۔ اگلے دن ملتان کی پولیس نے ڈاکے کے خلاف پر امن احتجاج کرتے والوں پر تشدد اور بربریت کی تاریخ رقم کی۔ ہمارے خاندان کے 45 افراد پر دہشت گردی کا مقدمہ قائم کر دیا گیا اور ابھی تک یہ 45 افراد عدالتوں کے دھکے کھا رہے ہیں۔ بعد میں ڈکیتی کا مال پولیس والوں سے برآمد ہوا، جو ابھی تک ہمیں واپس نہیں مل سکا۔ پولیس کی تحقیقاتی رپورٹ نے خود اپنے پولیس والوں کو مجرم قرار دیا ہے اور وہ بھی اس دور میں، مگر انہیں صرف معطلی کی سزا ملی اور بعد میں وہ بحال بھی ہوگئے۔

23 مارچ 2002ء کو جلسے سے پہلے میرے بھتیجے زاہد بہار ہاشمی کو ملتان میں اور مجھے لاہور میں گرفتار کرلیا گیا۔ میں ڈکیتی کے واقعہ سے بالکل بے خبر تھا۔ 24 مارچ کی صبح پولیس اہلکار نے حوالات میں آکر کہا: جناب آپ کے لئے بہت بُری خبر ہے۔ تو مجھے غالب کا شعر یاد آیا

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری تھی جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

پولیس نے بتایا گزشتہ رات آپ کے گاؤں مخدوم رشید میں آپ کی بیٹی کے گھر پہ ڈاکہ پڑا ہے، یہ میرا آبائی گھر تھا۔ ایک ہزار سالہ تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ جو گھر جائے امن تھا، جس گھر کی طرف لوگوں کی نظریں عقیدت اور تحفظ کیلئے اُٹھتی تھیں،...... لٹ چکا تھا۔ ہزار برس میں ہم نے یہاں کبھی کوئی پہرہ دار نہیں رکھا اور اب تو پہرہ دار کی ضرورت بھی نہ رہی تھی۔ ہمارے گھر میں کوئی ہتھیار نہیں، ہم نے اپنی جانوں کو اتنا اہم کبھی نہ

جانا کہ انہیں بچاتے پھریں۔ میرے دادا کا اسلحہ میرے چچا کو منتقل ہوگیا، کتب خانہ میرے والد محترم نے لے لیا۔ انہوں نے ہمیں درویشی کا درس دیا۔ اسلحہ تو دور کی بات ہے ہم میں سے کسی بھائی کے پاس اسلحہ کا لائسنس بھی نہیں۔

ایس ایچ او نے کہا کہ لوگوں نے پولیس کے خلاف جلوس نکالے ہیں اور آپ کے بھائیوں اور رشتہ داروں سمیت پچاس افراد کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ آپ انہیں پُرامن رہنے کی تلقین کریں۔ میں نے گھر فون کیا، معلوم ہوا تمام بچے اور بڑے اپنی اپنی ذمہ داریوں کے مطابق اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ بڑی بیٹی کے ادارے میں تقریب تھی، وہ وہاں جا چکی تھیں۔ دوسرے بچے سکول جا چکے تھے، بڑے جیل جا چکے تھے، کسی بحرانی کیفیت کے آثار نہ تھے۔

میں نے آمنہ سے فون پر بات کی۔ اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ پریشان نہ ہونا، میں تمہیں زیورات دوبارہ بنوا دونگا۔ 2 ماہ قبل اُس کی شادی ہوئی تھی۔ اسے بچپن سے زیورات پہننے کا شوق تھا۔ اس نے کہا: ابو! میں نے تمام رات موت کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھا ہے۔ میرا حوصلہ پست نہیں ہوا، مگر آپ کی بات سے مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ میں آپ کی بیٹی ہوں، آپ نے کیسے تصور کرلیا کہ مجھے جہیز عزیز تھا، آپ رہا ہوگئے، میری خوشی کیلئے یہی کافی ہے۔ میں آج تک اسے کوئی زیور بنوا کر نہیں دے سکا۔ شادی سے پہلے بھی میں نے اُس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اگر اچھے نمبروں میں ایم بی اے کرے گی تو میں اُسے زیور بنوا کر دونگا۔ اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا، مگر میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا۔

میری بیٹی میمونہ نے قرآن حکیم حفظ کیا تو میں نے اس کی ماں سے کہا: اسے سونے کا تاج پہنانا چاہیے۔ میری بیوی نے کہا: بچوں کی خواہشات کو محدود رہنے دیں۔ جب میمونہ نے معاشیات میں ایم اے کیا، تو بھی میرے جذبات یہی تھے، لیکن میں نے انہیں دل کے اندر دفن کردیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بچوں نے کبھی مجھ سے کوئی تقاضا نہ کیا، مجھے ہمیشہ حسرت ہی رہی کہ وہ کوئی مطالبہ اپنی زبان پر لائیں۔ شاید انہوں نے جان لیا تھا کہ میں ان کے معاملے میں داد و ستد کا اتنا کھرا نہیں ہوں۔

تمام خاندان آج تک دہشت گردی کا جھوٹا مقدمہ بھگت رہا ہے، ڈاکو گرفتار ہو کر رہا ہو چکے۔ پولیس نے اپنی تفتیش میں تحریری طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ پولیس ہی ڈاکے میں ملوث تھی۔ ڈاکوؤں سے برآمد ہونے والا آدھا سامان پولیس کے پاس ہے جو ہمیں واپس کرنے کو تیار نہیں۔ گویا ہماری پاکستانی شہریت ہی ختم ہو چکی کہ ہم 12 اکتوبر کے غیر آئینی اقدام کے خلاف ہیں۔

24 مارچ کی صبح مجھے رہا کردیا گیا۔ مگر میرے بھتیجے زاہد بہار ہاشمی کو رہا نہ کیا گیا۔ میں نے ملتان جا کر حوالات میں بند اپنے چھوٹے بھائی مخدوم مختار احمد شاہ، کزن صفدر عباس شاہ، کوثر جمیل شاہ، بہنوئی مبارک شاہ، بھتیجے ظفر محمود شاہ، عمیر ناصر شاہ، بھانجے فاروق احمد شاہ، ضیاء المصطفیٰ شاہ، حشمت حسین شاہ، اشفاق حسین

شاہ، سجاد حسین شاہ، ملک اکرم، اختر حسین، اپنے عزیز فیاض حسین شاہ ایڈووکیٹ، اپنے پریس سیکرٹری کے بھائی محمد طاہر نواز اور دوسرے افراد سے ملاقات کی۔ پولیس کے بے رحمانہ تشدد کی وجہ سے وہ زخمی تھے۔ ان کے بدن نیلے ہو چکے تھے۔ مرہم پٹی کے بغیر ان سب کو دوسرے دن جیل بھیج دیا گیا۔ گرفتار ہونے والوں میں میرا ڈرائیور عبدالغفور بھی شامل تھا۔ پولیس کو فوجی حکمرانوں کی سرپرستی حاصل تھی، وہ بے خوف ہو کر میری گاڑی پر قابض ہو گئے اور ایک ہفتہ کے بے رحمانہ استعمال سے اِسے تباہ کر دیا۔ میں یہ تضحیک بھی برداشت کر گیا لیکن الحمدللہ اپنے نصب العین سے غافل نہ ہوا۔

ملتان کے گھر کے اندرونی حصوں کو فوجی حکام نے مسمار کرا دیا۔ میں نے اس کا ملبہ وہاں سے اٹھایا نہیں کہ یہ ملبہ جمہوری جدوجہد کی ایک یادگار رہے۔ میرے بچے روزانہ اس ملبے سے گزرتے ہیں، ان کے ذہنوں میں رہے گا کہ وطن کے لئے سب سے پہلے اپنے گھر کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ 12 اکتوبر کے بعد دسویں مرتبہ چودہ مہینوں سے جیل میں ہوں، موجودہ حکومت کے دور میں تقریباً پونے تین سال جیل میں گزار چکا ہوں۔

کل جماعتی کانفرنس

میں نے پریس کانفرنس کر کے اپنے موقف کا اعادہ کیا اور ایل ایف او کے خلاف جدوجہد جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ نوابزادہ نصر اللہ خان نے اے آر ڈی کا اجلاس لاہور میں طلب کیا اور رابطہ عوام کی مہم تیز کرنے کا فیصلہ کیا۔ فیصلہ یہ بھی کیا گیا کہ پارلیمنٹ کے اندر بھی ایل ایف او کے فیصلے تک اجلاس کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔

وزیر اعظم ظفر اللہ جمالی نے پارلیمنٹ میں موجود تمام جماعتوں کا اجلاس طلب کر لیا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جس میں تمام جماعتوں کو نمائندگی حاصل ہو۔ میں نے چودھری نثار علی خان کو جماعت کی نمائندگی کے لئے نامزد کیا۔ مذاکرات طویل ہوتے گئے۔ دونوں فریق اپنے اپنے موقف پر قائم رہے اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

وزیر اعظم ظفر اللہ خان جمالی نے تمام پارٹیوں کے سربراہوں سے ملنے کا اعلان کیا۔ مجھ سے انہوں نے میری رہائش گاہ پر ملاقات کی اور سربراہ میٹنگ میں شرکت کی دعوت دی، لیکن میں نے پارٹی کے فیصلے کے مطابق بے معنی مذاکرات میں شرکت سے معذرت کر لی۔ اس دوران ہماری مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ تمام جماعتوں کو دعوت دے کر ایک مشترکہ لائحہ عمل طے کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہالی ڈے ان اسلام آباد میں کل جماعتی کانفرنس طلب کی گئی، جس کی میزبانی کا اعزاز پاکستان مسلم لیگ (ن) کو ملا۔ اس میٹنگ میں مجلس عمل نے مزید مذاکرات میں شرکت کا اعلان کیا، جبکہ اے آر ڈی اور دیگر پارلیمانی پارٹیوں نے مذاکرات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

پارلیمنٹ کے اندر مجلس عمل بھی بائیکاٹ میں ہمارے ساتھ شریک رہی۔نوابزادہ نے کل جماعتی کانفرنس میں اے آر ڈی کے متفقہ لائحہ عمل کے لئے سخت محنت کی۔انہوں نے مخدوم امین فہیم اور محترمہ بے نظیر بھٹو سے بار بار رابطہ کیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ مذاکرات کا بائیکاٹ قوم کے مفاد میں ہے۔میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری درخواست پر سارے عمل کو نتیجہ خیز بنایا۔میاں نواز شریف کا موقف کافی سخت تھا۔وہ تنہا بھی بائیکاٹ کے حق میں تھے۔نوابزادہ نصر اللہ، جو ہمیشہ مذاکرات کی حمایت کرتے رہے، میری درخواست پر مذاکرات کے خلاف متحرک ہو گئے اور اے آر ڈی ایک مضبوط چٹان کی طرح ایل ایف او کے خلاف سینہ سپر ہوگئی۔نوابزادہ صاحب نے دوسرے دن اپنے گھر پر راجہ ظفر الحق، تہمینہ دولتانہ اور مجھے ملاقات کے لئے بلایا وہاں یہ طے پایا کہ مخدوم امین فہیم ہماری طرف سے حزب اختلاف کے قائد ہوں گے۔مجھے اے آر ڈی کی جماعتوں کا پارلیمانی لیڈر مقرر کیا گیا اور محترمہ تہمینہ دولتانہ کو پارلیمانی پارٹی کا سیکرٹری۔

عبقری کی موت اور اُس کے بعد

رابطہ عوام کے سلسلے میں اے آر ڈی نے فیصل آباد کے بعد موچی گیٹ لاہور میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام منعقد کیا۔ اس کے بعد کوئٹہ، ڈیرہ اسماعیل خان، پشاور، حیدر آباد، ملتان اور کراچی میں عام جلسے کرنے کا اعلان کر دیا۔ نوابزادہ نصر اللہ خان نے بیرون ملک جا کر تحریک بحالی جمہوریت کے لئے انتھک کام کیا۔ لندن میں انہوں نے محترمہ بے نظیر اور جدہ میں میاں نواز شریف سے ملاقات کی اور تحریک کو مضبوط بنیادوں پر چلانے کا اہتمام کیا۔ واپس آ کر انہوں نے اسلام آباد میں اے آر ڈی کا اجلاس طلب کیا۔ مجھے ایک رات پہلے ملاقات کے لئے بلاوا بھیجا، میں میاں اسد محمد کے ہمراہ ان سے ملاقات کے لیے پہنچا۔ ہم کافی دیر ان سے مستقبل کے لائحہ عمل پر گفتگو کرتے رہے۔ ان کے دورے کا تذکرہ بھی ہوا۔ انہوں نے میاں نواز شریف سے اپنی ملاقات کی پوری تفصیل بتائی۔ میاں صاحب اور ان کے خاندان کے طرز عمل سے وہ بہت خوش تھے اور محترمہ کے ساتھ اپنی ملاقات سے بھی مطمئن تھے۔ وہ بحالی جمہوریت کی جدوجہد کو تیز کرنا چاہتے تھے۔ میں ان سے اجازت لے کر واپسی پر میریٹ ہوٹل میں کافی پینے کے لئے رک گیا۔ وہاں پر صحافی بہزاد سلیمی نے بتایا کہ ان کی نوابزادہ کے سیکرٹری جمشید سے ابھی بات ہوئی ہے اور یہ کہ ان کی طبیعت خراب ہے مگر انہوں نے حکم دیا ہے کہ ان کی بیماری کا کسی کو بتایا نہ جائے۔ مجھے یقین نہ آیا۔ میں نے کہا، میں سیدھا وہیں سے آ رہا ہوں اور وہ بالکل تر و تازہ لگ رہے تھے، بلکہ میں نے نوابزادہ سے کہا کہ آپ کا چہرہ آج بہت روشن لگ رہا ہے اور واقعتاً ان کے چہرے سے اطمینان پھوٹ رہا تھا۔

میں گھر پہنچا اور سو گیا۔ صبح سویرے جمشید کا فون آیا کہ نوابزادہ صاحب کو ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا ہے۔ انہیں دل کا شدید دورہ پڑا ہے۔ میں اور اسد محمد بھاگم بھاگ ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹروں نے بتایا ان کی حالت خطرے سے باہر ہے اور آپ ان سے مل سکتے ہیں۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو ان کے منہ پر آکسیجن کا ماسک چڑھا ہوا تھا، اس کے باوجود انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے انہیں اٹھنے نہ دیا۔ قدرے کوشش کے بعد انہوں نے کہا: رات جب آپ میرے ہاں بیٹھے تھے، تو میری طبیعت خراب تھی مگر میں آپ کو بتانا نہ چاہتا تھا۔ تیسرے دن ڈاکٹروں نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی۔ مخدوم امین فہیم اور میں ان سے ملنے گئے تو انہوں نے کہا کہ اے آر ڈی کی میٹنگ کا اعلان کیا جائے۔ ہم اپنی رہائش گاہوں کی طرف چلے گئے۔ 27 ستمبر ایک بجے رات ٹیلی فون کی گھنٹی بجی میں نے ریسیور اٹھایا تو مجھے بتایا گیا کہ نوابزادہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ سیاسی افق پر دہکتا ہوا ماہتاب ڈوب چکا تھا۔ میں ہسپتال پہنچا۔ ان کا پورا خاندان موجود تھا۔ میت کو خان گڑھ پہنچانے کے انتظامات کئے گئے اگلے روز وہیں تدفین ہونا تھی۔ ملک کے طول و عرض سے قومی شخصیات ان کے جنازہ میں جمع

تھیں۔ مولانا فضل الرحمٰن نے جنازہ پڑھایا اور انہیں ان کے والد کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی قومی سیاست کا ایک طویل دور اختتام کو پہنچا۔

1970ء سے لے کر 1977ء کی تحریکِ نظامِ مصطفٰی تک میں اُن کی محفل میں شریک ہوتا رہا۔ لاہور شہر کے ریلوے اسٹیشن کے قریب نکلسن روڈ پر کرایے کی عمارت میں اُن کی پارٹی کا مرکزی دفتر تھا اور وہ دفتر کے ایک کمرے میں رہائش پذیر تھے۔ یہی کمرہ اُن کی تمام سرگرمیوں کا مرکز تھا، ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم، بیڈ روم سب کچھ یہی کمرہ تھا۔ اِسی کمرے میں مہمانوں سے ملاقات ہوتی اور اسی کمرے میں پریس والوں سے خطاب کرتے۔ پورے لاہور میں یہ سب سے بڑا سیاسی ڈیرہ تھا۔ پورے ملک سے سیاسی رہنما اور سیاسی کارکنان بلا روک ٹوک یہاں آ سکتے تھے۔ شام کو لاہور کے دانشور، اہلِ قلم اور زندگی کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے چیدہ افراد اس کمرے میں حاضری دیتے، اس محفل کو "شام غریباں" کا نام دیا گیا۔ اِس محفل میں علمی، ادبی اور سیاسی مباحثے ہوتے، اختلافِ رائے بلند آہنگ سے بھی کیا جاتا اور شائستہ اور شستہ انداز میں بھی۔ نوابزادہ صاحب پر تنقید کے تیر بھی برسائے جاتے اور اُن کی سیاست پر بے لاگ تبصرے بھی کئے جاتے۔ نوابزادہ صاحب زیادہ تر مسکراتے رہتے اور دوستوں کے تیر و تفنگ پر بھی کوئی تبصرہ نہ کرتے۔ حسبِ ضرورت واقعات کی تصحیح کر دیتے، کیونکہ وہ برصغیر کی تاریخ اور سیاست کا انسائیکلوپیڈیا تھے اور ہم جیسے مبتدیوں کے لیے عظیم درسگاہ۔ شورش کاشمیری، علامہ احسان الٰہی ظہیر، مجیب الرحمٰن شامی، مشہور کالمسٹ عبدالقادر حسن، رانا نذر الرحمٰن، جماعت اسلامی کے چودھری غلام جیلانی، خواجہ رفیق، مصطفٰی صادق، مسعود پوسوال باقاعدگی سے حاضری دیتے۔ پاکستان کے اکثر قومی رہنماؤں سے میری ملاقات اِسی کمرے میں ہوئی۔

نوابزادہ نصر اللہ خان کی وفات جمہوری قوتوں کے لئے ایک عظیم صدمہ تھا لیکن حکمرانوں نے سکھ کا سانس لیا۔ کیونکہ نوابزادہ جونہی اسلام آباد میں داخل ہوتے سیاسی سرگرمیاں تیز ہو جاتیں اور وہی ان سرگرمیوں کا محور ہوتے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا، ان کے ایک ایک لفظ کو اہمیت دیتا، سفارتی حلقے ان کی گفتگو غور سے سنتے، وہ یورپی برادری اور یورپین پارلیمنٹ کے نمائندوں سے ملتے ...... تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہ ان کا احترام کرتے تھے۔ جماعتی وابستگیوں سے بالاتر وہ اِن سے ملنے آتے۔ اِن کے اردگرد سیاسی کارکنوں کا جمگھٹا ہوتا۔ رعب داب ڈگمگانے لگتا اور دلائل کے سامنے حکومت زچ ہو جاتی۔ اُن کی موت کے بعد جمہوری قوتوں اور خاص کر اے آر ڈی کو بڑا چیلنج درپیش تھا ان کی حیثیت شجر سایہ دار کی تھی اور وہ ہر بحران پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتے تھے محترمہ بے نظیر اور نواز شریف کے لئے ان کا ہر فیصلہ حرفِ آخر تھا۔

اتنے بڑے خلا کو پر کرنا ممکن نہ تھا، لیکن ہمیں ان کے مشن کو آگے بڑھانا تھا۔ مخدوم امین فہیم ملنے آئے تو میں نے انہیں بطور قائمقام صدر اے آر ڈی اپنا اور اپنی پارٹی کا تعاون پیش کیا۔ دریں اثنا، میاں نواز شریف سے

مشاورت جاری رہی، نوابزادہ کے انتقال سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کے لئے۔ انہوں نے کہا: میری رائے میں تو صرف آپ کسی حد تک ان کے خلا کو پر کر سکتے ہیں اور تمام جماعتوں کو ساتھ لے کر چل سکتے ہیں، لیکن ہمارا پہلا مقصد اے آرڈی کو متحد رکھنا ہے اس لئے فیصلے متفقہ طور پر کئے جائیں۔ ہم نے اپنی پارٹی کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا۔ میں نے تجویز پیش کی کہ ہمیں راجہ ظفر الحق کا نام صدارت کے لئے پیش کرنا چاہئے۔ راجہ صاحب نے اے آرڈی میں کوئی عہدہ قبول کرنے سے معذرت کر لی۔ میں نے کہا: نوابزادہ کی موجودگی میں اختلافات بحران میں تبدیل نہ ہوتے تھے۔ اب ہمیں ہر قدم احتیاط سے اٹھانا ہوگا۔ میں نے تجویز دی کہ اے آر ڈی میں ایک چیئرمین اور ایک صدر منتخب کر لیا جائے۔ خود پیپلز پارٹی نے ذوالفقار علی بھٹو کے خلا کو پر کرنے کے لئے محترمہ نصرت بھٹو کو چیئر پرسن کا عہدہ دیا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے لئے شریک چیئر پرسن (Co-Chair Person) کا منصب تراشا گیا۔ ہماری پارٹی میں بھی میاں نواز شریف کا خلا پر کرنے کیلئے قائمقام صدر کے ساتھ چیئرمین کا عہدہ قائم کیا گیا۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ تمام جماعتوں میں ہر مہینے صدارت کا عہدہ گھمایا جائے۔ چودھری نثار علی خان نے کہا کہ اگر اے آرڈی چیئرمین کا عہدہ دینے کے لئے تیار ہو تو راجہ ظفر الحق کو چیئرمین بنایا جائے اور اگر صدارت پر رضامند ہوں تو انہوں نے میرا نام تجویز کیا۔ چودھری نثار علی خان، خواجہ آصف اور تہمینہ دولتانہ نے پیپلز پارٹی سے مذاکرات کئے۔ اے آرڈی کی جماعتوں سے مشاورت کے بعد یہ مسئلہ بخیر و خوبی طے کر لیا۔ مخدوم امین فہیم کو چیئرمین اور مجھے اے آرڈی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔

اے آرڈی میں چونکہ تمام جماعتوں کی حیثیت برابر ہے اس لئے تمام عہدے عملاً علامتی ہوتے ہیں۔ نوابزادہ صاحب، عہدے نہیں، اپنی شخصیت کی وجہ سے فیصلے کرنے میں بااختیار تھے۔ اب ہر فیصلے کے لئے ہر جماعت کی اہمیت پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ اے آرڈی میں اتفاق رائے سے عہدیداروں کا انتخاب جمہوری قوتوں کے لئے جہاں اطمینان کا باعث تھا وہیں حکومت کی امیدوں پر اوس پڑ گئی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے اے آرڈی کے اندر جماعتوں میں بعد المشرقین ہے۔ نوابزادہ کا سایہ ہٹتے ہی یہ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو جائیں گی۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ اتحاد اصولوں کی بنیاد پر تھا اور اپنی منزل حاصل کر کے دم لے گا۔

پارلیمنٹ کے اندر ہر اجلاس سے پہلے ہماری پارلیمانی پارٹی کی میٹنگ ہوتی، جس میں اس دن کے ایجنڈے پر لائحہ عمل طے کیا جاتا۔ ہم نے ایل ایف او پر حکومت اور مجلس عمل کے مذاکرات سے لاتعلقی کا اعلان کر رکھا تھا، لیکن روزانہ پارلیمنٹ میں مل کر احتجاج کرتے اور پھر مشترکہ پریس کانفرنس میں اپنا موقف پیش کرتے۔ ایک دن کیفے ٹیریا میں، پریس کانفرنس کے بعد، ایک خط کا میں نے تذکرہ کیا، جو قومی قیادت کو مخاطب کر کے تمام ممبران قومی اسمبلی کے نام لکھا گیا تھا۔ اس خط میں قومی قیادت سے یکجہتی کا اظہار کیا گیا تھا اور کارگل کے معاملات پر کمیشن قائم کرنے کا مطالبہ تھا۔ یہ خط جی ایچ کیو کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا تھا لیکن اس پر کسی کے دستخط نہیں

تھے۔ ہم نے کہا متعلقہ اداروں کو معلوم کرنا چاہیے کہ یہ خطوط کہاں سے آرہے ہیں اور انہیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ خط کی زبان قابل اعتراض نہ تھی۔

ملتان میں نوائے وقت کا یوم تاسیس تھا، وفاقی وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد بھی وہاں پہنچے اور انہوں نے مجھے ''سمجھانے'' کی کوشش کی۔ نوابزادہ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے رابطہ عوام کے سلسلے میں پشاور میں پہلا جلسہ کیا۔ حکومت اس جلسے کی کامیابی سے بوکھلا گئی۔ حد نظر تک انسانوں کا ہجوم تھا۔ اس سے پہلے کراچی میں مسلم لیگ (ن) کے زیر اہتمام بھی ایک بڑا جلسہ ہوا تھا۔ بہت بڑی تعداد نے انہماک سے میری تقریر کو سنا۔ حکومت ہر حالت میں ایل ایف او کو آئین کا حصہ بنانے پر تلی تھی مگر ہم ان کے راستے کی دیوار بن گئے۔ خاص طور پر مجلس عمل سے میرے تعلقات پہ حکمران ناخوش تھے۔ میری نیاز مندی کی وجہ سے دینی جماعتوں کے رہنما میری بات سن لیتے۔ مجھے ہٹانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ آئی ایس آئی کو میری گرفتاری کا ٹاسک دیا گیا۔ جنرل پرویز مشرف میری تقریروں پر پیچ و تاب کھاتے تھے کیونکہ میں اُن کی کارکردگی پر سخت تنقید کرتا اور میرے سوالوں کا ان کے پاس کوئی جواب بھی نہ تھا۔ میری زبان بند کرنے اور مجھے راستے سے ہٹانے کے لئے سب قوانین اور تمام ضابطوں کا مذاق اڑاتے ہوئے مجھے گرفتار کر لیا گیا۔

میری گرفتاری کے بعد ایل ایف او کو بل کی صورت میں پارلیمنٹ سے منظور کرایا گیا۔ یہ 12 اکتوبر کے بعد پاکستان کی تاریخ کا دوسرا تاریک ترین دن تھا۔ میں قفس کے پنجرے میں پھڑ پھڑا تا رہا اور اپنی قوم کی بدنصیبی پر آنسو بہاتا رہا۔ میری گرفتاری پر مجلس عمل نے اے آر ڈی سے بھی زیادہ احتجاج کیا، چودہ روز تک مجھے تہہ خانوں میں چھپایا گیا۔ میرے خاندان پر یہ چودہ دن چودہ سال سے بھی زیادہ بھاری تھے۔ غاصب حکمران، میرے بچوں کی بے بسی کا تماشا دیکھتے رہے۔ مجھے اس کا غم تو تھا لیکن جب ایل ایف او کو آئین کا حصہ بنایا گیا تو میرا غم سوا ہو گیا اور مجلس عمل سے بھی دل مضطرب کو شکوہ کی صورت پیدا ہوئی۔

آٹھواں باب

برصغیر کی تاریخ میں غداری کا پہلا مجرم

برصغیر کی تاریخ میں غداری کا پہلا مجرم

29 اکتوبر 2003ء کی شام مجھے پارلیمنٹ لاجز اسلام آباد سے گرفتار کیا گیا۔ میری گرفتاری کا فیصلہ دو ماہ پہلے ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے بیانات میں بھی یہ بات کہہ دی تھی۔ یہ اس حکومت کے دور میں میری دسویں گرفتاری تھی۔ دارالحکومت میں بھی ہر باخبر فرد پر واضح ہو چکا تھا کہ آج نہیں تو کل مجھے گرفتار کر لیا جائے گا۔ آخری مرتبہ میں نے گرفتاری کی پیشینگوئی چار گھنٹے پہلے پریس کانفرنس میں کر دی تھی۔ مگر جس بیہودہ طریقے سے کمانڈو ایکشن کر کے مجھے گرفتار کیا گیا اس کا اندازہ مجھے تھا، نہ کسی اور کو۔

میں قوم کا منتخب نمائندہ تھا، اسمبلی کا اجلاس جاری تھا اور میں قومی اسمبلی کے دروازے پر ننگے پاؤں ایجنسیوں کی حراست میں ایک جیپ میں بند بیٹھا تھا۔ میرے سامنے ایوان صدر تھا، جس پر دو پرچم لہرا رہے تھے۔ پارلیمنٹ کے ماتھے پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا "اللہ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں" مگر اس عمارت سے اوپر ایک بادشاہ بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے پاؤں کے نیچے اسمبلی کی عمارت اپنی بے بسی پر نوحہ کناں تھی۔

ایجنسیوں کی جیپ رینگنے لگی۔ انہیں کسی رکاوٹ یا مزاحمت کا خوف نہ تھا۔ جب ہم سپریم کورٹ کی عالی شان عمارت کے سامنے سے گزر رہے تھے تو میں نے نظر اٹھا کر دیکھا، انصاف کا دروازہ بند تھا۔ اس پر بھی وردی والوں کا پہرہ تھا۔

اس کے بعد میں کہاں تھا، مجھے کوئی علم نہیں۔ 14 روز تک میں سورج کی روشنی نہ دیکھ سکا۔ آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جاتیں اور ہاتھوں میں زنجیریں۔ آنکھوں سے پٹیاں کھول کر بٹھا دیا جاتا اور پہروں نہ ختم ہونے والی بے معنی سوالات کی نشست ہوتی۔ اس کے بعد ننگے اور گیلے فرش پر سونے کی اجازت مل جاتی۔ نومبر کا مہینہ میرے جذبوں کو ٹھنڈا نہ کر سکا، میری اعصاب شکنی کے لئے گاہے بگاہے دیواروں کے ساتھ پٹخنے کی مشق بھی جاری تھی۔ 14 دن کے بعد مجھے اڈیالہ جیل میں ایک ایسے سیل میں بند کر دیا گیا جو گوانتانا موبے بھیجنے اور واپس آنے والے قیدیوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس سیل کو گوانتانا موبے سے زیادہ تکلیف دہ بنایا گیا ہے۔ تقریباً سوا سال سے میں اس دشت تنہائی میں ہوں یہ ایک ویران جزیرہ ہے، دور نزدیک کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔ صرف سرکاری امور سرانجام دینے والے کارندے میرے سیل کے چاروں طرف موجود ہوتے ہیں۔ بلب لگا دیئے گئے ہیں جو دن رات جلتے ہیں۔ اس سیل کے چاروں طرف اونچی ایک خاردار دیوار ہے۔ اس کے اردگرد مزید پہرے دار ہیں۔ ہر چار گھنٹے بعد پہرے دار تبدیل ہو جاتے ہیں اور تازہ دم اور چوکس پہرے دار وارد ہوتے ہیں۔ داخل ہونے سے پہلے وہ چار دیواری کے آہنی دروازے کو دھماکے سے کھولتے ہیں، میں اگر سو رہا ہوں تو جاگ جاتا ہوں اور

جاگ رہا ہوں تو چونک اٹھتا ہوں، مگر اب میں اس شورِ مسلسل کا عادی ہو چکا ہوں، اب اگر وہ دروازہ آہستگی سے کھولیں تو کسی چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

ایسے مانوس صیاد سے ہو گئے
اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے

علی برادران پر جب دفعہ 131 کے تحت مقدمہ چلایا گیا تو مہاتما گاندھی نے علی برادران کے موقف کی حمایت میں کانگریس کی مجلس عاملہ میں قرارداد منظور کرائی۔ اپنی مشہور کتاب قولِ فیصل میں مولانا عبدالکلام آزاد بار بار اس خواہش اظہار کرتے ہیں کہ انہیں مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ اس مقدمے میں شریک کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں انہوں نے سب سے پہلے جمعیت علمائے ہند کے اجلاس میں وہی موقف اختیار کیا تھا جو بعد میں علی برادران نے اختیار کیا۔ وہ تاسف کا اظہار کرتے ہیں کہ علی برادران کو اس مقدمے سے جو بلند مرتبہ ملا ہے، حالانکہ ابتدا تو انہوں نے کی تھی مگر ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ دارورسن کا اعزاز علی برادران کے نام لکھا تھا۔

کیسی عجیب بات ہے کہ 85 سال بعد تاریخ کی نظرِ التفات اس خاکسار پر پڑی ہے۔ مولانا آزاد رقم طراز ہیں ''اسی کانفرنس میں فوج کے متعلق ریزولیشن منظور ہوا تھا، جس میں اسلامی قانون کے بموجب مسلمانوں کے لئے فوجی نوکری ناجائز بتلائی گئی، کیونکہ گورنمنٹ، اسلامی خلافت اور اسلامی ملکوں کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ علی برادران کے خلاف کراچی کا مقدمہ اسی ریزولیشن کی بنیاد پر چلایا گیا۔ میں بار بار اخبارات اور تقریروں میں اعلان کر چکا ہوں کہ یہ ریزولیشن سب سے پہلے میں نے ہی تیار کیا تھا اور میری ہی صدارت میں تین مرتبہ منظور ہوا۔ سب سے پہلے کلکتہ پھر بریلی اور لاہور میں اس ''جرم'' کا بھی پہلا حق دار میں ہوں۔ میں نے ایڈریس کو مزید اضافہ کے بعد کتاب کی شکل میں مرتب کیا، جو انگریزی ترجمہ کے ساتھ بار بار شائع ہو چکا ہے۔ گویا ''میرے جرائم'' کا ایک تحریری ریکارڈ موجود ہے''۔

''علاوہ بریں رسالہ ''خلافت'' میں ایک باب اس موضوع پر لکھ چکا ہوں، پھر کلکتہ، دہلی، کراچی، بمبئی وغیرہ میں بھی ایسا ہی بیان کیا ہے، اگر یہ ''سازش'' اور ''اغوا'' ہے تو مجھے اس کے ارتکاب کا ہزار مرتبہ اقرار ہے۔ گورنمنٹ کو چاہیے تھا کہ علی برادران سے پہلے (جنہوں نے صرف نقل و اعادہ کیا ہے) مجھے پر مقدمہ چلاتی''۔

گرفتاری پر ملکی اور بین الاقوامی ردعمل

میری گرفتاری پر اندرون اور بیرون ملک شدید ردعمل ہوا، پارلیمنٹ کے اندر شدید ہنگامہ ہفتوں تک چلتا رہا۔ اے آر ڈی کے ساتھ مجلس عمل نے ملکر موثر احتجاج کیا۔ ملک بھر کی بار ایسوی ایشنوں نے گرفتاری کی مذمت کی۔ اندرون سندھ لاڑکانہ، گھوٹکی، حیدرآباد، شہدادکوٹ، میرپورخاص کے چھوٹے چھوٹے تعلقوں میں بھی لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ کراچی، لاہور، فیصل آباد، پشاور، کوئٹہ، ملتان، سبی، گوجرانوالہ، ڈیرہ اسماعیل خان، شیخوپورہ، بہاولپور، راولپنڈی ڈویژن سے سینکڑوں مردوخواتین احتجاج کرتے ہوئے گرفتار کر لیے گئے۔ احتجاجی کیمپوں میں اے آر ڈی اور مجلس عمل کے رہنماؤں نے شرکت کی، دستگیر خان، چودھری شیر علی، عابد شیر علی، میاں عبدالمنان کو مہینوں جیلوں میں رہنا پڑا۔ پیپلز پارٹی کے کارکن بھی احتجاج میں پیش پیش تھے۔

ملک بھر کے دانشوروں، صحافیوں اور اہل قلم نے اپنے کالموں اور اداریوں میں حکومتی فیصلے کی شدید مذمت کی۔ بیرون ملک کے اشاعتی اداروں نے بھی حکومتی رویے کو جمہوریت کے خلاف معاندانہ عزائم کے طور پر دیکھا۔ یورپی یونین نے اپنا احتجاج مسلسل جاری رکھا، دولت مشترکہ نے اس اقدام کو جمہوریت کش کہا۔ انٹرنیشنل پارلیمنٹیرین یونین (IPU) نے گرفتاری کی شدید مذمت کی۔ امریکہ میں وائٹ ہاؤس (White House) کے ترجمان نے بھی اس اقدام کے خلاف اپنا نقطہ نظر بیان کیا اور گرفتاری کے خلاف اپنا بیان جاری کیا۔ مقدمہ کے فیصلے کے موقعہ پر یورپی یونین پاکستان کے ساتھ تجارتی معاہدے پر دستخط کرنے کے فیصلہ کن مرحلے میں پہنچی ہوئی تھی، ایک بہت بڑی لابی یہ سوال اٹھا رہی تھی کہ دیگر معاملات کے ساتھ میرے ساتھ ناانصافی نے پاکستان کی جمہوریت کا پول کھول دیا ہے، اس لیے پاکستان کے ساتھ تجارتی معاملات کو ملتوی کر دیا جائے۔

میں نے جیل سے بیان جاری کیا کہ میرے ساتھ ناانصافی کو معاہدہ پر دستخط ملتوی کرنے کی وجہ نہ بنایا جائے۔ یہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے، میری اپیل ہے کہ معاہدہ پر دستخط کر کے پاکستان کے عوام پر یورپی یونین کے ساتھ تجارتی دروازے کھول دیے جائیں تاکہ عام آدمی کو اس سے فائدہ ہو سکے۔

میں جانتا تھا کہ یورپی یونین کی موجودہ پارلیمنٹ کی میعاد ختم ہو رہی ہے۔ اگر اب تجارتی معاہدہ نہ ہوا تو نئے انتخابات تک معاملہ لٹک جائے گا اور نہیں معلوم کہ نئی پارلیمنٹ کونسا رخ اختیار کرتی ہے؟ اس طرح تجارتی معاہدہ پر دستخط کے لیے قرارداد پر ووٹ پڑے اور ایک ووٹ کی برتری سے قرارداد پاکستان کے حق میں منظور ہو گئی۔ میں نے سجدہ شکر ادا کیا کہ میری وجہ سے ملک کو معاشی نقصان نہ پہنچا۔

اسی طرح دولت مشترکہ نے 12 اکتوبر 1999ء کے بعد پاکستان کی رکنیت ختم کر دی تھی، جس کی وجہ

سے پاکستان کو تقریباً ساٹھ ممالک کی برادری سے معاملات طے کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ میں نے نوابزادہ نصراللہ خان، مخدوم امین فہیم، اقبال ظفر جھگڑا اور تہمینہ دولتانہ کے ساتھ بارہا دولت مشترکہ کے سربراہ ڈان میکائن سے ملاقاتیں کیں اور انہیں پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرنے کو کہا، مگر ہماری جماعت کی پالیسی یہ رہی ہے کہ پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر تنہا نہ ہونے دیا جائے۔

جب پاکستان کی رکنیت کا مسئلہ اپریل 2004ء میں دوبارہ اٹھایا گیا تو دولت مشترکہ کے اکثر ممبران کا خیال تھا کہ پاکستان میں جمہوریت بحال نہیں ہوئی، انہیں خاص طور پر اس بات کا بھی رنج تھا کہ میری گرفتاری کے خلاف دولت مشترکہ کی اپیل کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔

میں نے جیل سے دولت مشترکہ سے اپیل کی کہ وہ میری وجہ سے پاکستان کی رکنیت کا راستہ نہ روکیں، میرے کچھ دوستوں کو میرے اس موقف پر حیرانی ہوئی۔ قائداعظم نے دولت مشترکہ کی رکنیت کے حق میں فیصلہ کیا تھا اور کانگریس نے مخالفت کی تھی۔ بعد میں کانگریس کی قیادت کو بھی قائداعظم کے موقف کو تسلیم کرنا پڑا۔ اے آر ڈی کے کچھ ساتھی میرے موقف کو سمجھ نہ پائے، بعد میں محترمہ بے نظیر نے ایک انٹرویو میں میرے موقف جیسا بیان دیا اور نیشنل کانگریس کے موقف کو دہرا کر دولت مشترکہ کی رکنیت کی حمایت کی۔ اسی طرح میں نے امریکہ کا شکریہ ادا کیا کہ اسی نے میرے مقدمے کی سماعت میں بے انصافی پر احتجاج کیا۔ مگر میں نے امریکی قیادت کو یاد دلایا کہ اگر مجھے انصاف مل بھی جائے تو پندرہ کروڑ انسانوں کو حقوق نہیں ملیں گے۔ امریکہ کو پاکستان میں فرد واحد کی حمایت کرنے کی بجائے جمہوری اداروں کے حق میں اپنا وزن ڈالنا چاہیے۔

نواں باب

مقدمے کی سماعت

مقدمے کی سماعت

پہلی پیشی: مجھے سیشن جج کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ وکلاء نے میرے طبی معائنے اور قیدِ تنہائی کے بارے میں درخواست پیش کی، جسے قبول نہ کیا گیا۔ میرے وکلاء نے ضمانت کی درخواست کی، جس پر فیصلہ محفوظ کرلیا گیا، بعد میں جج صاحب نے درخواست مسترد کرتے ہوئے فیصلہ دیا، کہ ظاہری طور پر، مقدمے میں حقائق موجود ہیں اور ضمانت کی درخواست مسترد کی جاتی ہے۔

جج پر عدم اعتماد

دوسری پیشی: جج نے فردِ جرم عائد کرنے کیلئے تاریخ دی اور فیصلہ دیا کہ آئندہ سماعت جیل کی چار دیواری کے اندر ہوگی۔ ہمارے وکلاء نے جیل کے اندر سماعت پر اعتراض کیا، جو جج نے مسترد کردیا۔ میرے وکلاء نے جج پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے جج سے درخواست کی کہ ہمیں اُن پر اعتماد نہیں۔ لہٰذا وہ مقدمہ کسی اور عدالت میں بھیج دیں۔ جج نے یہ درخواست بھی مسترد کردی۔

توہینِ عدالت

تیسری پیشی: سیشن جج نے جیل میں آکر مقدمہ کی سماعت شروع کی۔ وہ سخت پہرے میں جیل سپرنٹنڈنٹ کی کرسی پر آکر بیٹھ گئے اور مجھے چارج شیٹ پر دستخط کرنے کو کہا۔ میرے علاوہ کمرے میں میری بیٹی میمونہ، حکومت کے وکیل اور اُن کے معاونین موجود تھے۔ میں نے فردِ جرم پر دستخط کرنے سے انکار کردیا۔ میں نے کہا: آپ نے اپنے ابتدائی فیصلوں میں ہی اپنا ذہن ظاہر کردیا ہے، آپ ایک جانبدار جج ہیں۔ مجھے آپ سے انصاف کی کوئی توقع نہیں۔

جج صاحب سے میں نے کہا: آپ جیل کے اندر اپنی مرضی سے نہیں آئے۔ میں بھی یہاں اپنی مرضی سے نہیں ہوں۔

میں یہاں قیدی ہوں اور آپ بھی قیدی ہیں...... فرق صرف یہ ہے کہ میں اپنے ضمیر کا قیدی ہوں اور آپ حالات کے۔ اپنی آزادی سے زیادہ مجھے عدالت کی آزادی عزیز ہے۔ آپ کی ذات میرے لئے اتنی اہم نہیں، لیکن عدالت کا احترام ہر حالت میں برقرار رہنا چاہیے۔ آپ مجھے سماعت سے پہلے ہی قیدِ تنہائی کی سزا سنا چکے ہیں۔ مگر میں آپکی آزادی کیلئے کوشاں ہوں۔ میں نے جج صاحب سے کہا: آپ جیلر کی کرسی پر بیٹھے ہیں۔ میں آپ کو جج کی کرسی پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کا جیلر کی کرسی پر بیٹھنا مرے لئے اذیت ناک ہے۔ جتنی جلدی

ہو سکے، آپ سزا کا فیصلہ سنا کر، اپنی عدالت کی کرسی پر جا بیٹھیں۔ جتنی دیر تک آپ جیلر کی کرسی پر بیٹھے رہیں گے، عدالتی نظام کا مذاق اُڑتا رہے گا۔ عدالتی نظام کے احترام کی بحالی کیلئے بہتر ہے مجھے قربان کر دیا جائے، میں یہ فیصلہ خوشدلی سے قبول کرلوں گا۔

جج صاحب نے تھوڑی دیر کیلئے عدالتی کارروائی معطل کر دی اور جیل حکام کو چائے کا آرڈر دیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور کہا: ماحول کی تلخی کو کم کیا جائے۔

پھر انہوں نے اپنے تلخابہ حسرت کے چند جرعے گردشِ ایام کے جام میں انڈیل دیے...... میں اُن کی محرومیوں کی داستان سنتا رہا، کچھ وقت کیلئے میں اپنے آپ کو بھول گیا اور اُن کے بچوں کے روشن مستقبل کیلئے فکر مند ہو گیا۔

میری بیٹی، حکومت کے وکیل، جج اور ملزم نے مل کر چائے پی اور پھر ہر ایک اپنی اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔

عدالت میں سزا کی پیشین گوئی

چوتھی پیشی: جج صاحب نے کہا: اگر آپ نے سماعت میں شرکت نہ کی تو میں یک طرفہ ٹرائل کروں گا۔ میں نے کہا: جج صاحب! مجھے علم ہے، فیصلہ آپ کو نہیں لکھنا، فیصلہ اُوپر ہو چکا۔ مجھے 25 سال قیدِ بامشقت سنائی جا چکی، آپ اِس میں کمی بیشی نہیں کر سکتے۔ آپ وقت ضائع نہ کریں اور آج ہی فیصلہ سنا دیں۔ وکیلِ استغاثہ نے کہا: عدالتی نظام میں اس طرح نہیں ہوتا۔ اس کے لئے ہمیں تمام گواہوں کو طلب کرنا ہوگا۔ میں نے کہا: وکیل صاحب! آپ کو اپنے پورے کیریئر میں ایسا مقدمہ نہیں ملا ہوگا جس میں ملزم مُصر ہو کہ اسے فوراً سزا سنائی جائے اور اُسے اپنی سزا کا بھی پہلے سے علم بھی ہو۔

وکیلِ استغاثہ نے کہا کہ میں آپ کے خیر خواہ کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ آپ ٹرائل میں شریک ہوں۔ میں نے انکار کر دیا اور جج صاحب نے اگلی پیشی پر گواہ طلب کر لئے۔

عدالت کا بائیکاٹ

پانچویں پیشی: جج نے حسبِ دستور مقدمہ کی کارروائی شروع کی۔ میں نے جج سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں جیلر کے کمرے سے باہر چلا جاؤں، کیونکہ میں اس غیر قانونی کارروائی کا حصہ بننا نہیں چاہتا۔ جج صاحب نے حکم دیا کہ میں باہر نہیں جا سکتا۔ میں نے کہا: پھر میں ریکارڈ پر لانا چاہوں گا کہ مجھے اس کارروائی کا حصہ نہ سمجھا جائے۔ وکیلِ استغاثہ نے کہا کہ میں گواہوں پر جرح کروں، میں نے انکار کر دیا۔ تمام گواہوں کے بیانات قلمبند ہو گئے۔

مجھے ایک گواہ پر بہت ترس آیا۔ وہ پاک فوج کا نوجوان کپتان تھا۔ میں نے اپنی خاموشی توڑ دی...... اور کہا: اس بیچارے پر رحم کریں، ملازمت کے آغاز پر ہی اس سے حلف اٹھوا کر غلط بیانی کرائی جا رہی ہے۔ ابھی

کمرے کے باہر سے آوازیں آرہی تھیں۔ وہ وکیل استغاثہ سے جھگڑ رہا تھا کہ ہم نے جھوٹ بولنے کیلئے ملازمت نہیں کی۔ یہ اگر ملک کے اعلیٰ فوجی عہدے تک پہنچ گیا تو اسے اپنی یہ غلط بیانی یاد رہے گی۔ پھر میں یہ سوچ کر چپ ہو گیا، اس سے پہلے والے کون سا اپنے حلف کی پاسداری کر رہے ہیں۔

اگلے گواہ ایک پولیس افسر نے میرے کمرے سے خط کی نقلیں برآمد کرنے کا گھڑا ہوا واقعہ سنایا۔ میری بیٹی نے کہا ابو! اس ڈھٹائی سے بھی جھوٹ بولا جاتا ہے۔ وکیل استغاثہ نے کہا: یہ کیا فرما رہی ہیں؟ جج صاحب نے بھی استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

میں نے کہا: میں نے بیٹی کو سمجھا دیا ہے۔ جب مدعی، جج، وکیل اور گواہ ایک ہی سانچے میں ڈھل جائیں تو ملزم کو کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہیے۔ اس لئے اب یہ نہ کوئی سوال کرے گی، نہ تعجب کا اظہار۔

آخری گواہ باقی تھا کہ چائے کا وقفہ کر دیا گیا۔ ہمیں دوسرے کمرے میں بھیج دیا گیا۔ ٹیلیفون پر رابطوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چائے کا وقفہ طویل ہو گیا تو مجھے یقین ہو گیا، مزید مشوروں کیلئے سماعت اگلی پیشی تک ملتوی ہو جائے گی، چنانچہ یہی ہوا۔ ہمیں بتائے بغیر، اپنی کار پر سوار، جج صاحب جا چکے تھے۔

بُش کے ایک ٹیلیفون کی بڑی شہرت ہے۔ یہاں ایک دوسرے ٹیلیفون کا اثر چشمِ گناہگار نے دیکھا۔

استغاثہ نے تقریباً چودہ گواہ پیش کیے۔ سب کے سب سرکاری ملازم تھے۔ صرف دو صحافی حضرات تھے، اُن میں سے ایک ''اعزاز حسین سید''، ایک نیم سرکاری ادارے سے متعلق تھے۔ انہوں نے اپنی ملازمت کو داؤ پر لگا کر میرے خلاف بیان دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے سید ہونے کا اعزاز برقرار رکھا۔ دوسرے صحافی عدالت تک تو پہنچے مگر میرے خلاف لب کشائی نہ کی۔ میں دونوں کا ممنون ہوں۔

پورے ملک میں ایجنسیوں کو ایک فرد نہ ملا، جو میرے خلاف گواہی دے۔ جس کیفے ٹیریا کا وقوعہ بتایا گیا، وہاں میرے سیاسی مخالفین، صحافی حضرات، کیفے ٹیریا کے ملازمین کے علاوہ دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ وہ سب جانتے تھے کہ پریس بریفنگ روزانہ کا معمول ہے۔ یہ پریس کانفرنس افواج پاکستان کیخلاف چارج شیٹ کیلئے نہیں بلائی گئی تھی۔ خط اے آر ڈی کی میٹنگ میں پیش کیا گیا اور مجھے کہا گیا کہ شام کی پریس بریفنگ میں اس کا تذکرہ کر دیا جائے، تاکہ فوج اور قوم آگاہ ہو کہ اُن کے خلاف اس طرح کے جذبات جنم لے رہے ہیں۔ بعد کے واقعات نے ہمارے خدشات کی تصدیق کر دی۔

کراچی میں کور کمانڈر پر حملہ ہو چکا ہے، اس سے پہلے پرویز مشرف پر حملہ ہوا اور خود انہوں نے فرمایا کہ ان کے خلاف حملے میں فوج کے افراد ملوث ہیں۔ میں نے خط پڑھ کر آنے والے خطرے سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں اپنی قوم کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے استغاثہ کی جھوٹی کہانی کو پرِ کاہ برابر حیثیت نہ دی۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

چند مجبور ملازمین کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں بطور گواہ پیش کیا گیا۔ مدعی تلاش کرتے ہوئے احتیاط کی گئی ۔وہ ایک سابق میجر ہے جو مشہور قبضہ گروپ کا سربراہ ہے۔اسی سیشن جج نے، جو میرے مقدمے کی سماعت کررہے ہیں، نے بیلف کے ذریعے اُن صاحب کا سامان گھر سے باہر پھینک کر مالک مکان کو گھر واپس دلایا ہے، جس پر ان کا قبضہ ہے۔ایسے آدمی کو فوج کی ''عزت'' کا محافظ بنا دیا گیا۔اُس نے بیان میں کہا: میں فوج کی توہین برداشت نہیں کرسکا،اس لئے جاوید ہاشمی کو سخت ترین سزا دی جائے۔اس کا صدمہ دور کرنے کے لئے مجھے 23 سال قید بامشقت کی سزا سنادی گئی۔

مدعی خورشید احمد کے خلاف، جس کی شکایت کو سچ سمجھتے ہوئے مجھے 23 سال قید بامشقت سنائی گئی، اُسی جج نے 10 جون 2004ء کو خورشید احمد کی اپیل خارج کرتے ہوئے فیصلہ سنایا کہ ''ریکارڈ سے صاف ظاہر ہے کہ فریقین کے درمیان کرایہ داری سے انکار نہیں کیا گیا۔ ریکارڈ میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ثابت ہو کہ اپیل کنندہ نے کرایہ ادا کیا۔ اپیل کنندہ کی طرف سے کرایہ اور یوٹیلیٹی بل جمع نہ کرانے کا کوئی سبب بیان نہیں کیا گیا۔ چونکہ اپیل کنندہ اپنے زیر استعمال قیمتی جائیداد کا کرایہ ادا نہ کرنے کا مجرم ہے اور واجبات ادا کرنے کی نیت نہیں رکھتا بلکہ ادائیگی کے لیے عدالتی حکم کی بھی اس نے خلاف ورزی کی اس لیے فاضل عدالت اپیل کنندہ کا دعویٰ مسترد کرنے میں حق بجانب تھی۔ متعلقہ حکم چونکہ قانون کے مطابق جاری کیا گیا ہے اس لیے اس میں مداخلت کا کوئی جواز نہیں اور اس کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر اپیل بوجہ عدم پیروی اور میرٹ کے مطابق خارج کی جاتی ہے''۔

پلاٹ الاٹ کیے گئے۔ان کی موجودہ قیمت 70 لاکھ سے ایک کروڑ کے درمیان ہے۔جبکہ اس سے پہلے یہ تمام اپنے حصے کے رہائشی اور کمرشل پلاٹس لے چکے تھے۔

پارلیمنٹ اپنی خودمختاری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک قومی عدالتی کمشن مقرر کرے۔جو سپریم کورٹ اور چاروں ہائی کورٹس کے ان چیف جسٹس صاحبان پر مشتمل ہو جو 12 اکتوبر کو عدالتی فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

افواجِ پاکستان کے محبِ وطن عناصر اِن قومی رازوں کو بطور ایک امانت کے اُس قومی کمیشن کے سامنے پیش کریں گے۔تاکہ آئین کے آرٹیکل 6 کے مجرموں کو آئین کے مطابق سزا دی جائے۔

ہمارا مقصد　　　آزاد فوج　　　خودمختار پاکستان

(نیا)

قومی قیادت کے نام

ہم افواج پاکستان کی طرف سے قوم کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ یہ آپ کی فوج ہے۔ اسلام کی فوج ہے اور پاکستان کی فوج ہے۔ اسٹیبلشمنٹ کے ہر ممبر سے خواہ اس کا تعلق کسی بھی جماعت سے ہو یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ پارٹی مفاد سے بالاتر ہو کر پارلیمنٹ کی خودمختاری کیلئے کام کرے۔

پرویز مشرف اور اس کا ٹولہ اس قوم پر مسلط کیا گیا ہے۔ ان قومی مجرموں نے نہ صرف فوج بلکہ پوری قوم کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ یہ جرنیلوں اور افسروں کا ٹولہ ہے جس نے ہزاروں روپوں کے لیے اپنی قوم کو بیچا بلکہ بے دردی سے انسانی جانوں کا خون بہانے میں امریکی جرنیلوں اور یہودیوں کا ساتھ دیا۔ اسی پرویز مشرف نے اسلام کے قلعے پاکستان کو مسلمانوں کا مقتل بنا دیا۔ اگر یہ پارلیمنٹ نہ ہوتی تو کیا معلوم ساری فوج امریکیوں کے شانہ بشانہ مظلوم عراقیوں کا خون بہا رہی ہوتی۔ اور قوم روزانہ ان بہادروں کی لاشیں وصول کرتی۔

ہم پاک فوج کے افسران قومی قیادت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مندرجہ ذیل امور پارلیمنٹ کے سامنے لائے

(1) کارگل میں ہمارے کیا مقاصد تھے اور ہمیں کیوں نقصانات اٹھانا پڑا۔ ہندوستان نے کارگل کی جنگ کے بعد ایک انکوائری کمیشن قائم کیا۔ جس کی سفارشات پر کئی جرنیلوں اور بریگیڈیئروں کو برطرف کر دیا گیا۔ جبکہ اتنے بڑے حادثے پر جس میں ہمارے نقصانات 65ء اور 71ء کی جنگ سے بھی زیادہ تھے کوئی انکوائری تک نہ کروائی گئی۔

شاید قوم جانتی نہیں کہ کارگل کی جنگ کا کمانڈر میجر جنرل جاوید الحسن تھا۔ اس سے پہلے چار سال تک امریکہ میں یہ شخص سی آئی اے کے زیر کنٹرول ملٹری اتاشی رہا۔ جس کے امریکی اشارے پر ترقی کی گئی۔ افسروں اور جوانوں نے دوران جنگ اس کی غدارانہ بدنیتی اور غلط احکامات کی وجہ سے اس کو دوران جنگ معطل کر دیا۔ مگر بجائے برطرف کرنے کے کسی کے اشارے پر اسے لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔

(2) نواب اکبر بگٹی کیسے قتل ہوا۔ کون کون سی یونٹ کو اسلام آباد کو ترجیح میں لینے کے احکامات دیے تھے۔ کس کو داد دینے کے شہرہ زمانہ III کور کا بریگیڈ کا کمانڈر بنا دیا گیا جو ایم آئی میں تعینات کیا گیا تھا۔

(3) افغانستان سے جو بیچے فوج کے تمام بریگیڈیئروں اور جرنیلوں کو لاہور میں LUMS کے قریب پلاٹ الاٹ کئے گئے۔ ان کی موجودہ قیمت 70 لاکھ سے ایک کروڑ کے درمیان ہے۔ جبکہ اس سے پہلے یہ تمام اپنے عہدے کے رہائشی اور کمرشل پلاٹ لے چکے تھے۔

پارلیمنٹ اپنی خودمختاری کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک قومی عدالتی کمیشن مقرر کرے۔ جو سپریم کورٹ کے ججز اور ہائیکورٹس کے ان جج صاحبان پر مشتمل ہو جو مشرف کو عدالتی فرائض کی انجام دے رہے تھے۔

افواج پاکستان کے محب وطن افسران قومی مجرموں کو بطور ملزم ایک امانت کے اس قومی عدالتی کمیشن کے سامنے پیش کریں گے۔ تاکہ آئین کے آرٹیکل 6 کے مجرموں کو آئین کے مطابق سزا دی جا سکے۔

منجانب آزاد فوج — خود مختار پاکستان

2
3/11

3/11

اصل حقیقت کیا ہے؟

''قومی قیادت کے نام والا خط'' پیش کرنے کیلئے کوئی پریس کانفرنس منعقد نہ کی گئی۔20 اکتوبر 2003ء کو حسب دستور اے آر ڈی کی پارلیمانی پارٹی کی میٹنگ ہوئی۔ جس کی میں نے صدارت کی۔ اس دن کے قومی اسمبلی کے اجلاس کی کارروائی میں حصہ لینے کی حکمت عملی طے ہوئی۔ بر سبیل تذکرہ پیپلز پارٹی کی ایک خاتون رکن اسمبلی نے ایک خط ''قومی قیادت کے نام'' کے عنوان سے پڑھ کر سنایا۔ دوسرے ارکان نے بھی اس خط کے موصول ہونے کی تصدیق کی۔ میٹنگ میں یہ طے پایا کہ اس خط کا تذکرہ معمول کی پریس بریفنگ میں کر دیا جائے، جو روزانہ اجلاس کے بعد کیفے ٹیریا میں منعقد ہوتی تھی۔

پریس بریفنگ میں حزب اختلاف کی تمام پارٹیاں شرکت کرتی ہیں۔ اس روز بھی ہر ایک نے اسمبلی کیفے ٹیریا کے اندر ایل ایف او پر اپنا موقف بیان کیا اور پریس بریفنگ ختم ہو گئی۔ اخبار نویس اور اکابرین حزب اختلاف ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ قومی اسمبلی کے چند ارکان اُس خط کی کاپیاں لے کر آ گئے۔ اخبار نویس اُن کاپیوں کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔

میں نے کہا: آپ آرام سے بیٹھ جائیں، میں یہ خط آپ کے سامنے پڑھ دیتا ہوں۔ میں نے خط پڑھا اور صحافی حضرات سے کہا کہ اس خط پر کسی کے دستخط نہیں۔ اس میں درج سارے واقعات صحیح بھی ہوں تو آپ اسے شائع نہیں کر سکتے۔ مجھے اور آپ کو علم ہے کہ اسے مصدقہ تحریر نہیں سمجھا جا سکتا۔ انہوں نے میری تائید کی۔

ابھی ہم کیفے ٹیریا میں بیٹھے تھے کہ دو صحافی حضرات بھاگتے ہوئے آئے اور کہا کہ اب ہمارے لئے اس خط کا چھاپنا ممکن ہو گیا ہے۔ ہم نے وفاقی وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد سے خط کے بارے میں سوال کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ خط جعلی ہے۔ وزیر اطلاعات کا بیان چھاپنے سے آپ کے خط پڑھنے کا تذکرہ بھی ہو گا۔ اب آپ یہ بتائیں کہ یہ خط اصلی ہے یا جعلی؟

میں نے اُن سے کہا کہ میں نے آپ لوگوں کو پہلے بھی بتا دیا تھا کہ میں اس خط کو اصلی یا جعلی ہونے کی تصدیق نہیں کر سکتا بلکہ اے آر ڈی کا موقف تھا کہ آپ کے ذریعے متعلقہ لوگوں کو یہ بات بتائی جائے کہ وہ حالات کی سنگینی کو سمجھیں اور دیکھیں لوگ اُن کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ اس خط کے مندرجات صحیح ہیں یا نہیں، اس کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ میرا موقف شائع کرنا چاہتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ حالات اس خط کے مندرجات سے کہیں زیادہ سنگین ہیں۔ جب تک پارلیمنٹ کی بالادستی تسلیم نہ کی جائے گی، پاکستان مستحکم نہ ہو سکے گا۔ فوج اور عوام میں ٹکراؤ کا اندیشہ بڑھتا جائے گا۔ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ حکمرانی کرنے والی عسکری

قوتیں زیادہ عرصہ منظم نہیں رہ سکتیں اور اندرونی خلفشار کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اگر حکمرانوں نے اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا تو اِن کا انجام مختلف نہ ہوگا۔ ہم اس روزِ بد سے قوم کو بچانے کی کوشش میں لگے ہیں۔ صحافی حضرات نے کہا کہ ہم یہ خبریں شائع کر چکے ہیں کہ اسمبلی سے جنرل مشرف کے خطاب سے پہلے آپ اور چند دوسرے ارکان قومی اسمبلی کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ میں نے کہا: میں اپنے موقف کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہوں۔ لیکن کیا اِس سے سیاسی بحران ٹل جائے گا؟

مجید نظامی......قوم کا ضمیر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمانو! عمر کی موت سے امت میں کوئی ٹوکنے والا نہ رہا۔ میں سمجھتا ہوں مجید نظامی قوم کا ضمیر ہے اور وہ ٹوکنے والا ہے۔

28 اکتوبر کو جناب مجید نظامی ملتان میں میرے گھر کھانے پر تشریف لائے جو میں نے اُن کے اعزاز میں دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ مشکل حالات کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور اسلام آباد یہ سوچ کر جائیں کہ آپ کی اگلی منزل جیل ہو سکتی ہے۔ وہ میری اُس تقریر سے مطمئن نہ تھے جو میں نے اُس دن نوائے وقت کے یوم تاسیس پر کی تھی، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے آ بیل مجھے مار والا کام کیا ہے۔ مجید نظامی صاحب نے طالب علمی کے دور سے لے کر عملی سیاست کے تمام ادوار میں بغیر بتائے میری سرپرستی کی ہے۔ مجھے بعد میں پتہ چلتا تھا کہ میری سیاسی نشوونما میں انہوں نے خاموشی سے اہم کردار سرانجام دیا ہے۔ اُس دن میں نے اُن کے جواب میں کہا کہ میں اپنے سیاسی طرزِ عمل کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ہمارے لیے آخری موقع ہے کہ جمہوریت کی بالادستی کے لیے قربانی دینے کیلئے خود کو تیار کریں، میں نے انہیں یہ بھی بتایا، مجھے معلوم ہے کہ مجھے بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ مگر میری گرفتاری سے مسلم لیگ کا موقف مزید واضح ہوگا۔ میں نے اُن سے عرض کی میرا فیصلہ جذباتی نہیں ہے، اگر جبر کے سامنے کمزور موقف پیش کیا جائے تو قوم کے مقدرے کا فیصلہ اس قوم کے حق میں نہیں ہوتا۔ وہ چاہ رہے تھے کہ اِس آگ سے بچ جاؤں۔ میں اپنے اندر کے الاؤ کی روشنی میں منزل کو سامنے دیکھ رہا تھا، میری گرفتاری کے بعد میری آواز کو قوم تک پہنچانے میں نوائے وقت سب سے آگے تھا۔ میں جب نیب کی قید میں تھا اس وقت بھی مجید نظامی صاحب کی بزرگانہ شفقت نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ وہ مجھے قید میں ملنے آئے۔ میں نے کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی، کہنے لگے میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ اس شفقت سے میری روح آج تک سرشار ہے۔

ملاقات کا کمرہ

ہفتے میں ایک دن مجھے اہلِ خانہ سے ملاقات کی اجازت ہے۔ میں ایک ایک لمحہ شمار کرتا ہوں، مجھے اپنی بیمار بیوی کی صحت کے بارے میں تشویش رہتی ہے۔ میری بیوی، جو صرف میرے غم بانٹنے کیلئے پیدا ہوئی ہے، وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ میں اپنے بچوں کی نگہداشت کر سکا نہ اس کی۔ اُس نے اپنی اور میری ذمہ داریاں خوب نبھائیں۔ درحقیقت وہ میری شریک حیات نہیں، شریک غم ہے۔ پانچ تالوں کے کھلنے کے بعد کمرہ ملاقات میں جب اُسے موجود پاتا ہوں تو تمام کلفتیں دُور ہو جاتی ہیں۔ بچوں کے علاوہ صرف میرے بھائی اور بہنیں مجھ سے مل سکتے ہیں۔ ملاقات کے دن میری بہنیں ملتان سے آتی ہیں۔ میں اپنے بھتیجوں، بھتیجیوں اور بھانجوں اور بھانجیوں، اپنے بہنوئی فقیر حسین شاہ، نذیر احمد شاہ، مبارک شاہ اور اقبال حسین شاہ سے نہیں مل سکتا جو میرے فرسٹ کزن بھی ہیں۔ دوسرے کزنز بھی جیل کے باہر کھڑے رہتے ہیں، ملاقات نہیں ہو سکتی۔ اِن میں سے مبارک شاہ صاحب سابق فوجی ہیں۔ گھر والے اُن کے بیٹی بند بھائیوں کا ذکر چھیڑ کر انہیں تنگ کرتے رہتے ہیں۔ میرے خاندان، گاؤں اور میرے حلقے کے لوگ بارہا میری قومی سیاست کی نذر ہوئے اور جیلوں کی ہوا کھائی۔ میں نے اُن کی زندگی کو دشوار بنا دیا ہے۔ وہ اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر میری مہنگی سیاست کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ وہ میرے ہر دُکھ میں شریک رہے۔ میں اُن کا کوئی دُکھ نہ بانٹ سکا۔ اُن کے تعلیم یافتہ بچے واپس جا کر اپنی زمینوں پر کام کرتے ہیں کہ میں ان میں سے کسی کو ملازمت نہ دلا سکا، میری اصول پسندی آڑے آتی رہی۔ میں اُن کیلئے شجر سایہ دار نہ بن سکا۔ قوم کے بچوں کا تاریک مستقبل منور کرنے کا جنون مجھے اُن کی طرف دیکھنے نہیں دیتا۔ میرا ایمان ہے جب پورا پاکستان روشنی میں نہائے گا تو میرے خاندان والے بھی محروم نہ رہیں گے۔ میرے گاؤں اور حلقے کے غریب لوگ میرے خاندان سے بھی زیادہ قربانی پیش کرتے رہے۔ پولیس اُن کے گھروں میں گھستی رہی، انہیں سڑکوں پر گھسیٹا، تھانوں میں بند کر کے ان پر تشدد کیا۔ انہیں کس جرم کی سزا ملتی رہی؟۔ ہاں! میں جانتا ہوں یہ جرمِ محبت ہے۔ میں اُن کی محبت کا صلہ نہیں دے سکتا۔ لیکن ہاں! اُن کی محبت کو وطن کی محبت میں بدل دیتا ہوں۔

ضمیر کی عدالت

میرے وکیل نے عدالتی بیان کی تیاری کو کہا تو میری سمجھ میں نہ آیا کہ اپنی صفائی میں کیا کہوں؟ میرے پاس کہنے کیلئے کچھ بھی تو نہیں تھا۔لیکن پھر میں نے سوچا، اگر میں خاموش ہو گیا تو کیا میری بیٹیاں اور میری آنے والی نسلیں اس داغ کو دھو سکیں گی؟ کیونکہ اب وہ ایک ایسے مجرم کی اولاد ہیں، جس کی وطن دشمنی جریدہ عالم پر رقم ہو چکی۔چارسُو میری رسوائیوں کے چرچے ہیں۔امیر شہر نے ہر شخص کے ہاتھ میں پتھر تھما دیا ہے اور ہر سنگ اٹھانے والے کے لیے مَیں مردودِ چمن ہوں۔ مجھے سرنگوں کرنے کے لئے تمام پرویزی حیلے استعمال کئے گئے کہ میں نے سر اٹھا کر چلنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔

جب پہاڑوں اور سمندروں، زمینوں اور آسمانوں نے ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے سے انکار کیا تھا تو میرے جدِ اوّل نے آگے بڑھ کر یہ چیلنج قبول کر لیا۔آسمان سے آواز آئی اس نے جلد بازی میں ایسا کیا، اسے علم نہیں کہ وہ کتنا بڑا چیلنج قبول کر بیٹھا ہے۔میری خلقت میں ہی چیلنج قبول کرنے کا وصف تھا۔میری آدمیت نے مجھے سرِ مقتل لا کھڑا کیا ہے۔ مجھے اپنی بے ہنری اور کم مائیگی کا احساس ہے۔تہی دامنی نے ناتوانی کو اور بھی عریاں کر دیا ہے۔اس کے باوجود میرے اندر کے شخص نے مجھے مرنے نہیں دیا...... میں نے اپنی صفائی میں وطن کے ہر ذرے کو گواہی کیلئے پکارنا شروع کیا۔

میں نے کہا، میں گواہی چاہتا ہوں بادِ صبحگاہی کی کہ اس نے میرے چہرے کو وطن کی محبت کے آنسوؤں سے تر دیکھا ہے یا نہیں؟ مجھے گواہی کی ضرورت ہے میرے سونے کے وقت کی...... اُس نے مجھے کبھی اپنے ذاتی دکھوں اور ذاتی محبتوں کے لئے بھی اشکبار دیکھا ہے؟۔

مجھے گواہی چاہیے وطن کے ہر ذرے کی جس سے میں نے ٹوٹ کر محبت کی ہے۔

میرا بچپن، میری جوانی اور پوری زندگی کی محبت کا محور میرے وطن کی گلیاں ہیں۔میری عمر رائیگاں کو رائیگاں کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ میں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور انہوں نے وطن سے میری محبت کو ایک کال کوٹھری میں بند کر دیا ہے۔ یہ کال کوٹھری میرا دارالحزن ہے۔ میں جادۂ حق کا مسافر ہوں اور حق کا قافلہ کبھی رکا نہیں ہے۔وقت کا فیصلہ آخری ہوتا ہے اور وہ وقت قریب آ رہا ہے، جس کی صلیب پر حق و باطل کا فیصلہ ہو گا۔اپنے نفس کی غلامی کرنے والے پٹ جائیں گے اور ناحق مصلوب ہونے والے امر ہو کر مسند حق کے سزاوار ہوں گے۔

میں یہ سوال لے کر چار دانگ عالم میں جاؤں گا کہ کیا میں غدار ہوں؟ میں مینار پاکستان سے یہ سوال

گروں گا، شاہی مسجد کے میناروں سے پوچھوں گا، داتا کی نگری کے کوچہ و بازار سے پوچھوں گا، جہاں کے ہر ذرے پر میں نے خونِ جگر سے وطن سے محبت کی داستان لکھی ہے، میں مرقدِ اقبالؒ پر آنسو بہاؤں گا، مزارِ قائداعظم کو اپنی بپتا سناؤں گا، میں اپنے جدامجد مخدوم عبدالرشید حقانیؒ کے دربار میں حاضر ہو کر پوچھوں گا کہ تیرے خون کو غداری کا مجرم کیوں ٹھہرایا گیا؟

میں اپنے والدِ محترم کے مرقد پر کھڑے ہو کر پوچھوں گا کہ مجھے رسوائی کی یہ جاگیر کیوں عطا ہوئی؟

مجھے غدار ہونے کی گالی کیوں دی گئی؟ کیا میں نے کشمیریوں کے خون سے غداری کی ہے؟ کیا میں نے افغانستان کے نہتے عوام پر بم برسانے میں مدد کی ہے؟ کیا میں نے ملک کو ایٹمی طاقت بنانے والے سائنس دانوں کی تذلیل کی ہے؟ کیا میں نے اپنے ملک کے آئین کو توڑا ہے؟ کیا میں نے ملک کو توڑا ہے؟ کیا میں سیاچین میں سرحد کی حفاظت نہیں کر سکا؟ کیا میں نے کارگل کے شہیدوں کی لاشیں قبول کرنے سے انکار کیا ہے؟ کیا میں نے قوم پر باہر سے وزیر اعظم مسلط کیے ہیں؟ کیا میں نے وانا میں اپنے شہریوں پر بمباری کی ہے؟ کیا میں نے جیکب آباد کے اڈے کو امریکہ کے حوالے کیا ہے؟ کیا میں نے پلٹن میدان میں ہتھیار ڈالے ہیں؟ کیا میں نے پاکستان کے دریاؤں کا سودا کیا ہے؟ کیا میں نے واجپائی کو سیلوٹ کیا ہے؟ میرے سینے میں ہُوک اٹھی کہ کیا میں غدار ہوں؟ اگر میں غدار ہوں تو محبِ وطن کون ہے؟

میں اپنا فیصلہ عوام کی عدالت میں لے کر جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں ہر داعیِ حق کو ان مراحل سے گزرنا پڑا۔ میں سوچتے سوچتے عالمِ استغراق میں چلا گیا، عالمِ استعجاب میں اندر کی آنکھ کھلی تو میں نے امام حسینؓ کے نیزے پر چڑھے ہوئے سر کو دیکھا خواجہ اجمیری کی آواز بلند ہوئی۔

سر داد و نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالہ ہست حسین

میں نے خواتین کے خیموں کو جلتا ہوا دیکھا، میں نے امام علیؓ کو اپنے قاتل کو پانی پلاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے طائف میں رسالت مآب ﷺ کے زخموں سے چور جسم کو دیکھا۔ میں نے بلالؓ کو دہکتے انگاروں پر لیٹے ہوئے دیکھا، میں نے تاریخ میں انسانیت کی تذلیل کرنے والے فرعون کے دربار کو دیکھا۔ میں نے یزید کے دربار میں سادات کی کسمپرسی دیکھی، میں جدامجد ابراہیمؑ کو نارِ نمرود میں گرتا ہوا دیکھتا ہوں اور اسماعیلؑ کے گلے پر رکھی ہوئی چھری کی چبھن محسوس کرتا ہوں۔

میری بے صبری اور میری بے کلی کو دیکھ کر حسین ابن علیؓ میری ڈھارس بندھاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میری طرف دیکھو، میں کربلا میں تنہا کھڑا ہوں۔ لیکن انسان کی عظمت اور حق کی بالادستی کو حقیقت میں بدل کر رکھ دوں گا۔ میں دشتِ کربلا میں خیموں کی ٹوٹی ہوئی طنابیں دیکھتا ہوں پھر اداس ہو جاتا ہوں امام حسینؓ کی آواز صحرا

کے سکوت کو توڑتی ہے، ابھی تو یزید کے دربار میں زینب کو پیش کیا جائے گا، میں صبر کے عظیم مظہر کے سامنے سر جھکا دیتا ہوں۔ میں عالم بیداری میں واپس آیا تو تمام سوالات کا جواب مل چکا تھا۔

مجھے غدار کہنے والوں کو شائد معلوم نہیں کہ بیت المکرم سے شاہی مسجد تک اور چترال سے گوادر تک ہر ذرہ میری حب الوطنی کا گواہ ہے۔ میرے وجود کے ہر عضو کو مادر وطن کی مٹی کے خمیر سے اُٹھانے کے لیے اس میں وطن کی وادیوں اور صحراؤں کے ذرات جمع کیے گئے۔ اس کی شیرینی کے لئے دریائے کابل، سندھ، جہلم، چناب، راوی، ستلج اور بیاس کا پانی اور نمکینی کے لئے بحیرہ بنگال کے پانی کو جزو بدن بنایا گیا۔ سر بلند رکھنے کے لئے یہ سر کوہ ہمالیہ کی چٹانوں سے تراشا گیا اور سندر بن کے ساگوان کی خوشبو سے اس کی مشاطگی کی گئی۔

روحانی بالیدگی کے لئے اسے رحمان بابا، شاہ حسین، بلھے شاہ، حضرت باہو، خواجہ فرید، سچل سرمست، خوشحال خان خٹک، لطیف بھٹائی اور اقبال کی لوریاں دی گئیں۔

اسے دشت وفا کے سفر میں ہیر رانجھا، سسی پنوں، میمونیں اور ماروی کی داستانیں سنا کر، اپنے آپ کو مٹاتے ہوئے، محبوب حقیقی تک پہنچنے کا راستہ بتایا گیا ہے۔ اسے ابدی زندگی کے حصول کے لئے دریا سے سمندر بننے کا راز بتا دیا۔

آغازِ سفر میں چھوٹی چھوٹی ندیوں کو اپنے ساتھ ملا کر، دریائے سندھ جس طرح پہاڑوں کے دل چیر کر راستہ بناتا ہے اور راستہ روکنے والے ہر پتھر کو غرا کر دیکھتا ہے اور پھر اسے ریت کے ذرات میں بدل دیتا ہے، میدانوں میں شادابی اور بربادی کے قصے پیچھے چھوڑ کر منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ جو لہریں کناروں سے نکل کر الگ راستہ بناتی ہیں، زمین انہیں اپنے اندر جذب کر لیتی ہے یا وہ جوہڑ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ صرف وہی لہریں دریا سے سمندر بنتی ہیں جو دریا کے مرکزی دھارے میں سفر کرتی ہیں، دریا بھی صوفی بن جاتا ہے، ندیاں فنافی الذات ہو کر لہر بنتی ہیں، پھر لہر فنافی الشیخ ہوتی ہے اور سمندر میں جا کر فنافی اللہ، ایسا مقام آتا ہے، یہی ابدیت ہے۔

دنیا کے ہر دریا کی یہی کہانی ہے، جو دریا لمبے سفر سے تھک جاتا ہے وہ دوسرے دریا کا عکس بن جاتا ہے یا کسی صحرا میں گم ہو جاتا ہے۔

میں کسی صحرا میں گم ہونے کے لیے پیدا نہیں ہوا، نہ ہی میں گم گشتہ راہ ہوں، نہ ہی ظالم کے خوف سے سراب زندگی کو ابدیت کا درجہ دینے کو تیار ہوں۔

یکایک میرے سیل میں روشنی پھیل گئی، میں نے دیکھا گوشہ قفس میں عدالت لگائی جا رہی ہے اور مجھے ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ میں نے بنظر غائر عدالت کا جائزہ لیا۔ روشن چہرے کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ سب سے پہلے میری نظر قائداعظم اور علامہ اقبال پر پڑی۔ ہندوستان سے آنے والے لٹے پٹے قافلوں کی آہیں اور سسکیاں سنائی دیں۔ مولانا محمد علی جوہر، نواب لیاقت علی خان، سید جمال الدین افغانی، مولانا مودودیؒ، حمید

نظامی، نوابزادہ نصر اللہ خان، مفتی محمود، ڈاکٹر نذیر شہید، خواجہ رفیق شہید موجود تھے۔ میری نظر اپنے بھائی بہار شاہ ہاشمی شہید، اپنے والد محترم، اپنے دادا محترم مخدوم نور چراغ شاہ اور اپنے جد امجد مخدوم عبدالرشید حقانی پر پڑی، مجھے سقراط اور منصور حلاج کی موجودگی کا احساس ہوا۔ مجھے بتایا گیا، سید الشہداء بھی موجود ہیں۔ ہوا کے معطر جھونکے نے فضا کو پاکیزگی عطا کی تو میں نے اپنی مراد پالی۔ نسیم حجاز نے میرے تن مردہ کو زندگی کا پیغام دیا۔

میں نے نظر اٹھا کر دیکھا عدالت کی کرسی پر میرا ضمیر براجمان تھا اور اُس کے ارد گرد کروڑوں پاکستانی بطور جیوری ممبر موجود تھے۔ مجھے فردِ جرم پڑھ کر سنائی گئی۔

تم پر الزام ہے کہ تم نے عوام کی بالا دستی کا دعویٰ کیا۔

تم کارگل کے مسئلہ پر کمشن قائم کرنے کا مطالبہ کرتے ہو۔

تم پر الزام ہے کہ تم ایل ایف او کو آئین کا حصہ نہیں سمجھتے۔

تم پر الزام ہے کہ تم 73ء کے آئین کی بحالی چاہتے ہو۔

تم پر صوبائی خودمختاری کی حمایت کرنے کا الزام ہے۔

تم پر فوجی جرنیلوں پر تنقید کا الزام ہے۔

تم پر غریب عوام کو حکمرانوں کے خلاف اُکسانے کا الزام ہے۔

تم پر امریکہ کی دوستی کو امریکہ کی غلامی کہنے کا الزام ہے۔

تم کشمیر، فلسطین، چیچنیا، عراق اور افغانستان میں لڑنے والوں کو دہشت گرد نہیں سمجھتے۔

تم اسلام کو جمہوریت کی بنیاد کہتے ہو۔

تم پر نواز شریف کو آئینی وزیر اعظم کہنے کا الزام ہے۔

تم ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو محسن پاکستان کہتے ہو۔

کیا تم یہ الزامات تسلیم کرتے ہو؟ اگر تم الزامات کی تردید کر دو تو تمہیں رہا کیا جا سکتا ہے۔ میں نے تاریخ کے ماضی، حال اور مستقبل پر نظر ڈالی تو میں لرز گیا۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

میں نے عدالت میں موجود حضرات کی طرف دیکھا، اُن کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ جونہی میں نے اعتراف جرم کیا اُن کے چہرے پر رونق آ گئی۔ عدالت اور جیوری ممبران کی طرف سے آواز آئی، تمہارے اعتراف کے بعد، نہ مزید سماعت کی ضرورت ہے اور نہ کسی وکیل کی۔ تمہیں عمر قید کی سزا سنائی جاتی ہے، میں نے عدالت کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا۔ عدالت میں موجود سعید روحوں نے آگے بڑھ کر مجھے ضمیر کا قیدی بننے پر مبارکباد دی۔

اب میں اپنے ضمیر اور کروڑوں پاکستانیوں کا قیدی ہوں۔ اب مجھے نہ زندگی کی پرواہ ہے اور نہ موت کی۔ مجھے نہ اولاد کی فکر ہے اور نہ ذاتی خواہشات کی تکمیل کا جذبہ۔

اُنہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنا نقطہ نظر واضح کروں، میں نے اُن کے فیصلے کی تعمیل کرتے ہوئے وکیلِ صفائی کو اپنا عدالتی بیان لکھ کر دے دیا ہے، میرا فیصلہ تو ضمیر کی عدالت میں ہو چکا، اب مجھے جیل کی عدالت کے فیصلے کی فکر نہیں اور نہ ہی تاریخ کے فیصلے کا انتظار!!!

آدھے منٹ کی عدالت

آخری پیشی: 12 اپریل 2004ء کو آخری پیشی تھی۔ آج فیصلہ سنانے کا دن تھا۔ صبح سے جیل کے اندر اور باہر سیکورٹی سخت کردی گئی۔ کمانڈوز اور ایلیٹ پولیس کے دستوں نے جیل کو اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا۔

مجھے سپرینٹنڈنٹ کے ملحقہ کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ میرے چھوٹے بھائی، میری بیٹیوں، ایک بھتیجے اور دو بھانجوں کو اس کمرے میں آنے کی اجازت دے دی گئی۔ میری بیٹیوں نے بتایا کہ باہر مسلم لیگ کی قیادت اور کارکن بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ میں سیکورٹی کے انتظامات سے بھانپ گیا کہ سزا سنائی جائے گی۔ میں اپنی بیٹیوں کو سزا سننے کیلئے ذہنی طور پر تیار کررہا تھا، میں نے انہیں کہا: آپ بتائیں کہ کتنی سزا ہوگی؟ اور پھر ہم مختلف قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ دس سال، پندرہ سال یا عمر قید۔

جج صاحب تین بجے تک جیل نہ پہنچے، نہ وہ اپنی عدالت میں تھے، نہ گھر پر۔ وہ کہاں تھے؟ ہر ایک کو معلوم تھا!!! تین بجے اسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ نے مجھے آکر چٹ دی، جس پر لکھا ہوا تھا "ابھی ابھی ٹی وی پر خبر آئی ہے کہ آپ کو 23 سال قیدِ بامشقت کی سزا سنائی گئی ہے۔" جج صاحب تین بجکر دس منٹ پر سخت سیکورٹی میں جیل میں پہنچے۔ وہ ہمارے پاس سے گزر کر جیلر کے کمرے میں داخل ہوئے۔ آج پہلی مرتبہ انہوں نے خوبصورت سوٹ پہنا ہوا تھا، اس پر میچنگ ٹائی لگائی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا یا تو وہ کسی شادی کی تقریب سے اٹھ کر سیدھے یہاں پہنچے ہیں یا کہیں سے تمغۂ جرأت وصول کرکے۔

مجھ اکیلے کو پیش ہونے کے لیے بلایا گیا، میں کمرے میں داخل ہوا۔ جج صاحب جیلر کی کرسی پر براجمان تھے۔ کمرے کے اندر اور کرسی کے اردگرد کمانڈوز، یوں کھڑے تھے جیسے انہوں نے جج صاحب کو گرفتار کر رکھا ہو۔ جج صاحب نے آج بیٹھنے کی دعوت دینے کی جسارت بھی نہ کی، میں کھڑا رہا۔ انہوں نے آنکھیں اٹھائے بغیر صرف ایک فقرہ بولا کہ استغاثہ کے الزامات ثابت ہوگئے ہیں۔ یہ کہہ کر تحریری فیصلے کی کاپی مجھے تھما دی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ "آدھے منٹ میں کارروائی مکمل ہوگئی۔ میں ملحقہ کمرے میں اپنی بیٹیوں کے پاس آکر بیٹھ گیا اور انہیں حوصلے کے ساتھ حالات کا سامنا کرنے کی تلقین کی۔ انہیں ضروری ہدایات دیں اور اپنی پارٹی اور اس کی قیادت کیلئے پیغام دیا کہ 23 سالہ سزا کے بعد میرا مسلم لیگ کا قائمقام صدر رہنا مناسب نہیں۔ میں جتنے دن عہدہ سنبھالے رکھوں گا میرے ضمیر پر بوجھ رہے گا اور ویسے بھی میں ہمیشہ اس فلسفہ پر یقین رکھتا ہوں کہ نظامِ ہستی چلانے والا کوئی اور ہے، ہم میں سے ہر ایک کو اپنی حدود میں رہ کر اپنا کردار ادا کرنا ہے اور بس۔

مجھے یقین ہے کہ میرے بعد جو دوسرا آئے گا وہ مجھ سے بہتر ہو گا۔ رخصت ہونے سے ذرا پہلے میری سب سے چھوٹی بیٹی جویریہ، جو خاموش بیٹھی تھی، آگے بڑھی اور کہا ابو! آپ کو مبارک ہو۔ میں نے سب کو گلے لگایا وہ مجھ سے لپٹ گئیں، میں بیٹیوں کی حوصلہ مندی پر خوش تھا۔ انہیں اگلی ملاقات پر پھول لانے کو کہا۔ میرے لئے اندر کی دنیا کا دروازہ کھلا اور اُن کیلئے باہر کی دنیا کا۔ میں محفوظ دنیا اور وہ حوادث کی دنیا کے حوالے ہو گئیں۔

میری بیوی بیماری کی شدت کی وجہ سے آج نہیں پہنچ سکی تھیں، اُس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ اگلی ملاقات پر میری بیٹی مومنہ نے ڈھیر سارے پھول لا کر مجھے دیے، میرا سیل ان کی خوشبو سے مہک گیا۔

"دارالحزن" یہ وہ سیل ہے جسے جیل کے "کیوبا سیل" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ افغانستان اور پاکستان سے گرفتار کیے جانے والے افراد پہلے اس سیل میں بند کیے جاتے اور پھر کیوبا کے گوانتاناموبے سیل میں بھیجا جاتا۔ وہاں سے امریکہ جن لوگوں کو تفتیش کے بعد رہا کرتا ہے ان کو مزید تفتیش کے لیے اڈیالہ جیل کے اسی سیل میں بند کیا جاتا۔ اب میں اس سیل کا مستقل رہائشی ہوں۔

سیل ٹکٹ

سینٹرل جیل ، اڈیالہ ، راولپنڈی

۱۔ نام اور ولدیت: جاوید ہاشمی ولد محمد شاہ ہاشمی

۲۔ تاریخ آمد سیل: 15-11-03

۳۔ سزائے موت / قیدی / حوالاتی: قیدی

۴۔ جرم مقدمہ نمبر: [illegible] 131 / 124A / 469 / 500 [illegible] تھانہ سیکرٹریٹ

۵۔ عدالت جناب: [illegible]

۶۔ سیل میں رکھنے کی وجہ: حفاظتی

اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ　　　ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ

7 سال قید + جرمانہ 4900/- [illegible]

قیدی ہسٹری ٹکٹ

نمبر 6490	بعدالت [illegible] سیشن جج
نام و ولدیت: مخدوم جاوید ہاشمی ولد [illegible] سکونت مکان [illegible]	تاریخ سزا 09-04-2004
جرم: [illegible]	سزا 0-0-7
سزا 7 سال و جرمانہ [illegible]	تاریخ رہائی 11-11-2010

صحت　وزن　قد

ڈاکٹر

[illegible]

اپیل

Good [illegible]

تمغۂ جمہوریت

جیل سے وزیراعظم کا انتخاب

وزیراعظم کے منصب کو بے توقیر کرنے کی ستاون سالہ سازش اس وقت عروج پر پہنچ گئی جب اپنی مرضی کے مطابق منتخب کرائی ہوئی اسمبلی میں فوجی حکمرانوں کو ایک فرد پر بھی اعتبار نہ رہا اور اپنے بنائے ہوئے وزیراعظم ظفراللہ خان جمالی کو بے وقعت کر کے گھر بھیج دیا گیا۔ انہیں مزید چالیس دن اس عہدے پر برداشت کر کے شوکت عزیز صاحب کے ممبر قومی اسمبلی بننے کا انتظار کیا جاسکتا تھا، مگر انہوں نے پارلیمانی تاریخ کے اندر ایک عجیب و غریب داستان لکھنے کے لیے ایسا وزیراعظم بنایا جس کا عہد حکومت چالیس دنوں پر مشتمل تھا۔ پارلیمانی حکومتیں پانچ سال کی بھی ہوسکتی ہیں اور پانچ گھنٹے کی بھی۔ قومی اسمبلی وزیراعظم بنانے کے اپنے فیصلے پر کسی وقت بھی نظرثانی کرسکتی ہے۔ لیکن اگر وزیراعظم کو منتخب کرنے سے پہلے بتا دیا جائے کہ وہ چالیس یا پچاس دن کا وزیراعظم ہے؟ پوری دنیا میں چودھری شجاعت حسین واحد شخص ہوں گے، جنہوں نے اس مدت کے لیے وزیراعظم بننا قبول کیا۔

شوکت عزیز صاحب پر انتخابی مہم کے دوران قاتلانہ حملہ ہوا جس کی ہم سب نے مذمت کی۔ حملے کے بعد وہ کسی حلقہ انتخاب میں نہ جاسکے، ووٹرز وفود کی صورت میں آ کر انہیں حمایت کا یقین دلاتے رہے۔ یہ بھی دنیا بھر میں اپنے طرز کی منفرد انتخابی مہم تھی۔ جب نتائج سامنے آئے تو وہ سندھ کے حلقہ سے مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ کر اسمبلی میں پہنچ گئے۔ پنجاب کی صورتحال بھی مختلف نہیں تھی۔ جب مجھے ان کے مقابلے پر وزیراعظم کا انتخاب لڑانے کا فیصلہ کیا گیا تو جمعیت علماء اسلام کے رہنما حافظ حسین احمد نے ہمیشہ کی طرح دلچسپ تبصرہ کیا۔ یہ دو قیدیوں کا مقابلہ ہے۔ ایک ضمیر کا قیدی ہے اور دوسرا پروٹوکول کا قیدی۔ میں سیاسی زندگی میں عہدوں کے پیچھے بھاگنے والوں کو کبھی پسند نہ کرسکا مگر انتخابی سیاست کو انقلابی سیاست کا پیش خیمہ سمجھتا ہوں۔ مجھے پاکستان کے ہر سیاسی عہدے کے لیے تجویز کیا گیا یا اس کی پیش کش کی گئی۔ نوازشریف کابینہ صدارتی عہدے کے لیے مشاورت کررہی تھی، مجھے صدارت کے متبادل امیدوار کے طور پر کاغذات جمع کرانے کو کہا گیا۔ میں نے انکار کردیا، بعد میں محترمہ بےنظیر نے میرے صدر ہونے کی موزونیت کے حق میں تقریر کی اور جمہوریت کیلئے میری خدمات کو سراہا۔ 1977ء کے انتخابات میں مجھے صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑنے کو کہا گیا، قومی اتحاد میں شامل تمام جماعتوں نے، چودھری ظہورالٰہی کی تجویز پر، کامیابی کی صورت میں مجھے وزیراعلیٰ بنانے کا فیصلہ کیا۔ بعد میں جناب ضیاءالحق نے بھی اسی عہدہ کی پیشکش کی، انہوں نے سپیکر بنانے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے سفارت کی پیش کش کی اور گورنر پنجاب بنانے کا اشارہ بھی دیا۔

میں شائد ممبر قومی اسمبلی بننے کے علاوہ کبھی کوئی عہدہ قبول نہ کر سکوں۔ مجھے اپنے خیالات کو موثر بنانے کے لیے اور انہیں عوام اور حکام تک پہنچانے کے لیے پارلیمنٹ سے زیادہ موثر کوئی اور ادارہ نظر نہیں آتا۔ 27 اگست 2004ء کو وزیر اعظم کے طور پر تمام سیاسی جماعتوں کی طرف سے امیدوار بنائے جانے کو، میں اپنے لیے سب سے بڑا اعزاز سمجھتا ہوں، میں نے اسے تمغۂ جمہوریت کے طور پر قبول کیا۔

یہ عجیب انتخاب تھا، جس شخص کو عدالت نے غدار، باغی اور جعلساز قرار دیا گیا، اسے پاکستان کی ساری قومی جماعتیں ملک کے اعلیٰ ترین اعزاز سے نواز رہی تھیں اور ملک کے تمام معاملات کو چلانے کے لیے اس کی نمائندگی پر متفق تھیں۔ سپیکر کا یہ فیصلہ بھی تاریخ کا حصہ بن گیا ہے کہ میں ملک کا وزیر اعظم تو بن سکتا ہوں مگر اسمبلی میں نہیں جا سکتا۔ مجھے ان انتخابات میں حصہ لینے کے لیے 150 قومی اسمبلی کے ممبران پر مشتمل جماعتوں نے تجویز کیا تھا اور جناب شوکت عزیز کو فرد واحد نے۔ اگر شوکت عزیز صاحب کے اکیس ممبران مجھے ووٹ دے دیتے تو میں وزیر اعظم منتخب ہو جاتا، ایسی صورت میں سپیکر صاحب کی رولنگ کا کیا بنتا؟ کیا میں اڈیالہ جیل کے گوانتانامو بے سیل میں بیٹھ کر ملک چلاتا یا مجھے اس انجام کا سامنا ہوتا جو سابقہ وزرائے اعظم کا ہوا ہے۔ انتخاب کے نام پر یہ ایک ایسا مذاق تھا جس میں ایک فریق کو اپنا ذاتی ووٹ استعمال کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ میں جیل میں ہونے کی وجہ سے ان جماعتوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان ممبران قومی اسمبلی کا، جنہوں نے اس ملک کی سیاسی تاریخ کو اپنے فیصلے سے نیا رنگ دے دیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان تمام ممبران کا یہاں ذکر کروں۔ مگر طوالت کے خوف سے ان جماعتوں اور سربراہوں کے ذکر تک خود کو محدود کرتا ہوں، تا کہ یہ تاریخ کا ریکارڈ بن جائے اور آنے والی نسلوں کو اندازہ ہو سکے کہ ہر حکومت کے سامنے سجدہ ریز ہونے والے کون تھے اور آمریت کے بت کو پاش پاش کرنے کی کوشش میں کون لوگ برسر عمل تھے۔ اے آر ڈی اور مجلس عمل کے علاوہ جن جماعتوں نے اس فیصلے کی توثیق کی، ان میں پشتونخواہ ملی عوامی پارٹی، جمہوری وطن پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی، مینگل گروپ اور تحریک انصاف، شامل ہیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو، قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن، مخدوم امین فہیم، میرے جیل کے ساتھی نواب اکبر بگٹی، عطاء اللہ خان مینگل، جناب محمود خان اچکزئی، مولانا سمیع الحق اور جناب عمران خان نے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ میں جناب آصف علی زرداری، جناب لیاقت بلوچ، جناب حافظ حسین احمد اور جناب اعتزاز احسن کی کاوشوں کو بھی خراج تحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میاں نواز شریف، راجہ محمد ظفر الحق، سر انجام خان، پیر صابر شاہ، احسن اقبال، سردار یعقوب خان ناصر، اقبال ظفر جھگڑا اور ہماری پارلیمانی پارٹی کے کچھ ممبران کا خیال ہے کہ ہمیں انتخاب کے عمل کو منطقی نتائج تک پہنچانا چاہیے تھا۔ میرا مشورہ مانگا گیا تو میں نے اسے پارلیمانی پارٹی کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور یہ بھی کہا کہ اگر کوئی ناگزیر صورتحال پیدا ہو جائے تو بائیکاٹ کا آپشن بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر ووٹ ڈال دیے جاتے تو ذاتی طور پر میرے اور میری

پارٹی کے لیے بہتر ہوتا۔ بائیکاٹ کی صورت میں وزیر اعظم کے انتخاب کا عمل قومی اور بین الاقوامی سطح پر زیر بحث آیا اور جنرل مشرف کی اصل جمہوریت کا حال بھی دنیا پہ کھل گیا۔

میں سمجھتا ہوں یہ سارا جمہوری عمل ایک کیموفلاج ہے۔ اس کا تانا بانا فرد واحد کو تقویت پہنچانے کے لیے بنا گیا ہے اور یونیفارم پر شیروانی پہنا دی گئی ہے۔ جس طرح 12 اکتوبر 1999ء کو اقتدار پر قبضہ کیا گیا، جس طرح ریفرنڈم کرایا گیا، قومی جماعتوں اور بطور خاص مسلم لیگ (ن) کو اعلانیہ تعصب کا نشانہ بنا کر مٹانے کی کوشش کی گئی، جس طرح انتخاب کے نتائج کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لیے نیب کا استعمال کیا گیا اور خفیہ اداروں کے ذریعے سیاسی وفاداریاں تبدیل کی گئیں، پھر انتخابات کے نتائج دیکھ کر ایل ایف او جاری کیا گیا، وزیر اعظم کے انتخاب میں ''پیٹریاٹ'' کا سہارا لیا گیا، ظفر اللہ جمالی کو جس طرح گھر بھیجا گیا، پھر چودھری شجاعت حسین کو چالیس دن کا وزیر اعظم بنا کر اس منصب کی بے توقیری کی گئی اور آخر میں ایک اجنبی کو پاکستان کا وزیر اعظم بنا کر بالواسطہ طور پر اقتدار پر اپنا شکنجہ مضبوط کیا گیا۔ کیا یہ ایک مزاحیہ فلم نہیں لگتی۔ 27 اگست 2004ء کے وزیر اعظم کا انتخاب بھی ایک ایکٹ کا مزاحیہ کھیل تھا۔ ہم سارے کھیل کو جزئیات سمیت پاکستانی قوم کے سامنے اور بین الاقوامی سطح پر بے نقاب (Expose) کر رہے تھے۔ اس پورے ڈرامے میں صرف ہمارا کردار سنجیدگی کا تاثر پیدا کرتا ہے۔ جب تک ملک میں آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے ذریعے قوم کو اپنی مرضی کی قیادت منتخب کرنے کا حق واپس نہیں ملتا مزید بحران پیدا ہوتا جائے گا اور قوم آکسیجن کے ٹینٹ میں رہے گی، یہ شب گزیدہ سحر صبح کے اجالے کا متبادل نہیں بن سکتی۔

اس وقت ملک کی قیادت ملک سے باہر ہے، خود فوجی حکمران تسلیم کرتے ہیں کہ اسمبلیوں کے منتخب افراد اسی قیادت سے ہدایات لیتے ہیں۔ یہ بات خلاف واقعہ بھی نہیں۔ ہم ملک سے باہر بیٹھے ہوئے قائدین کے بغیر کوئی بڑا فیصلہ نہیں کر سکتے، جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ باہر بیٹھی ہوئی قیادت ملک کے اندرونی معاملات میں موثر ہے اور اسمبلیوں میں بیٹھنے والے ارکان بھی سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی جماعت اور اپنی قیادت کے بغیر اسمبلیوں تک نہیں پہنچ سکتے تو پھر ایسی قیادت جس پر پاکستان کے عوام ان کی عدم موجودگی میں اعتماد کا اظہار کرتے ہیں ملکی معاملات سے کیسے الگ کی جا سکتی ہے۔

یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ حکومت کی خفیہ ایجنسیوں نے اپنا نقاب اتار کر گلی محلے کی سطح پر انتخابات میں مداخلت کا ڈھانچہ ترتیب دیا۔ اس کے باوجود تاریخ کی سب سے بڑی حزب اختلاف وجود میں آ گئی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان ایجنسیوں کو آخر کار اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے مہروں کے چہرے بے نقاب کرنا پڑے، تب کہیں جا کر ایک ووٹ کی اکثریت سے ظفر اللہ خان جمالی وزیر اعظم منتخب ہو سکے۔

27 اگست 2004ء کو وزیر اعظم کے انتخاب میں تمام سیاسی قوتوں کے اتحاد نے مستقبل کے سیاسی

حالات کا واضح اشارہ دے دیا اور جمہوریت کی مضبوط بنیاد فراہم کر دی۔ مجھ پر یہ اعتماد، درحقیقت، فوجی حکمرانوں کے لیے نوشتہ دیوار ہے اور ملک کے روشن مستقبل کی نوید بھی۔

یہ عہدہ نہ میری منزل ہے اور نہ اس انتخاب سے پاکستان کے مسائل حل ہو سکتے تھے۔ میری منزل اس ملک میں سول سوسائٹی کا قیام اور منتخب اداروں کی بالادستی ہے۔ میں پارلیمنٹ کے ذریعے منتخب ہونیوالے وزیر اعظم کو بھی پارلیمنٹ کے تابع سمجھتا ہوں نہ کہ تنہا اختیارات کا مالک...... جب تک انصاف غریب کی دہلیز تک نہیں پہنچے گا یا معاشی ثمرات صرف چند طبقات تک محدود ہونگے، یہ نہ پاکستان کی خدمت ہوگی اور نہ ہی اسلام کی۔ ان مقاصد کے حصول تک میری جدوجہد جاری ہے۔ جب تک یہ رات ڈھل نہیں جاتی، صبح آزادی کے نور کا اجالا غریب کی جھونپڑی کو روشن نہیں کر دیتا، میں سحر کا انتظار کرتا رہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ عوام کی صبح نمودار ہونے والی ہے اور اندھیرے چھٹنے والے ہیں۔ ہم فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس آخری معرکہ کو فتح سے ہمکنار کرنے کے لیے سیاسی قوتوں کو حوصلے، جرأت، اتحاد اور دانشمندانہ انداز سے طے کرنا ہوگا۔ میں روزن دیوار سے جمہوریت کی کامیابی کا منظر صاف دیکھ رہا ہوں۔

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

دسواں باب

تحریری عدالتی بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریری عدالتی بیان

اعترافِ جرم

اگر پاکستان کی مٹی سے وفاداری کا نام بغاوت ہے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں جنم جنم کا باغی ہوں، اگر چہ مجھ پر غداری اور جعل سازی کا الزام پہلی بار لگا، مگر جہاں 1857ء کی جنگ آزادی کو غدر کا نام دیدیا گیا ہو اور جہاں آزادی کی جنگ لڑنے والوں کو غدار قرار دیا جاتا رہا، وہاں مجھے تسلیم ہے کہ میں بھی غدار ہوں۔ میں ان غدار بزرگوں کی اولاد ہوں، جنہوں نے انگریز کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی۔ میری رگوں میں ''ان باغی بزرگوں'' کا خون ہے۔ جنہوں نے انگریزی سامراج سے لڑتے ہوئے اپنی جانیں قربان کردیں۔

زمانہ بدلنے کے ساتھ نئی اصطلاحات وجود میں آرہی ہیں۔ آزادی کی جنگ لڑنے والے مجاہد دہشت گرد بن گئے، بیرونی حملہ آوروں کو پسپا کرنے والے شرپسند کہلائے۔ آج اظہار رائے سب سے بڑا جرم اور جعلسازی ہے۔

واقعاتی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ میں پیدائشی غدار بھی ہوسکتا ہوں۔

پہلا خودکش حملہ

جناب والا! بائبل مقدس کے مطابق اڑھائی ہزار سال پہلے سیمسن نے خودکش حملہ کیا۔ اس نے اپنی کرشماتی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے موجودہ غزہ کی پٹی "یروشلم" میں رومن بادشاہ کے محل میں ستونوں کو اپنی طرف کھینچا۔ عمارت گر پڑی۔ بادشاہ، اس کے تمام ارکان، حکومت اور تماشائی عمارت کے ملبے کے نیچے دب کر مر گئے۔ مرنے والوں میں سیمسن بھی تھا۔ سیمسن اسرائیلی تھا۔ وہ آج تک مغربی قوموں کا ہیرو ہے۔ اس کی تعریف میں انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، فلم، ڈرامہ اور ادب، رطب اللسان ہے۔ آج کی اصطلاح میں کل کے اس ہیرو کو کیا نام دیا جائے؟

غدر کا قانون

میوٹنی (Mutiny) کا قانون آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے 1857ء جنگ آزادی کے ہیروز کو سزا دینے کیلئے تعزیرات ہند میں شامل کیا گیا۔ اس کالے قانون کے تحت آزادی کے متوالوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی گئی۔ میں ان کا ایک فرد ہوں جو انگریزوں کے ٹوڈیوں کی صف میں ہرگز شامل

نہ تھے، انہوں نے اپنا لہو دے کر حرمت، فکر اور عظمت آدم کا چراغ روشن رکھا۔ وطن سے محبت کا یہ جرم مجھے وراثت میں ملا ہے۔

ڈیڑھ سو سال بعد میں، اسی جرم کی صلیب کندھے پر اٹھائے، آپ کی عدالت میں کھڑا ہوں، 1857 کے باغی جس کے مرتکب تھے۔ میرے آباؤ اجداد نے مادیت کو خود پر سوار ہونے نہ دیا اور آنے والی نسلوں کو بھی انگریز کی نوازشات سے بچائے رکھا۔ انہوں نے ہمیں داغدار ہونے سے بچالیا۔ میں آج اپنے اجداد اور ان کی عدالت میں سرخرو ہوں۔ پانچ مرتبہ قومی اسمبلی کا ممبر منتخب ہونے اور تین مرتبہ وزارت کا حلف اُٹھانے کے باوجود میں نے کسی حکومت سے ہرگز کسی قسم کی مراعات نہ لیں۔ پلاٹ نہ پرمٹ، لائسنس نہ قرضے، حتیٰ کہ اپنے حامیوں یا عزیزوں کے لئے پرکشش ملازمتیں بھی نہیں، جسے قانون کا احترام نہ کرنے والے اس معاشرے میں عیب ہی نہیں سمجھا جاتا۔

صدیوں کا قرض

جناب والا! دفعہ 131 تعزیرات ہند میں شامل کرنے والوں کے لئے بھی باعثِ شرم تھی۔ اس لئے انہوں نے جنگ آزادی کے بعد یہ قانون علی برادران کے سوا کسی پر لاگو نہ کیا۔ 1921ء میں جب علی برادران کے خلاف کراچی میں مقدمہ چلایا گیا تو قائداعظم بطور وکیل صفائی پیش ہوئے۔ علی برادران کی گرفتاری پر مہاتما گاندھی نے ہندو مسلمان قیادت کو بمبئی میں اکٹھا کیا اور ایک منشور جاری کیا گیا، جس میں کراچی ریزولیشن کی تائید کی گئی۔ قراردادِ کراچی میں کہا گیا تھا کہ موجودہ حالات میں سرکار کی سول اور فوجی ملازمت کرنا قومی غیرت کے خلاف ہے۔

قائداعظم نے یہ موقف اختیار کیا کہ زبانی یا تحریری طور پر قرارداد منظور کرنے سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا۔ اگر، عملاً، فوجیوں کو ملازمت پر جانے سے روکا جائے تو جرم یا سازش قرار دیا جا سکتا ہے۔ عدالت نے قائداعظم کے اس موقف کو تسلیم کیا اور انگریز کی عدالت نے انہیں باعزت بری کر دیا۔ یہ اس قانون کے تحت آخری مقدمہ تھا۔ گذشتہ 85 برس میں مذکورہ دفعہ کے تحت کسی دوسرے مقدمے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

آج میں آپکی عدالت میں کھڑا صدیوں کا قرض ادا کر رہا ہوں اور الزام اعزاز سمجھتا ہوں۔ میرا شجرہ نسب آج ایک عظیم قافلے سے جا ملا ہے۔

رات کی تاریکی میں مقدمہ

جناب والا! حضرت عیسیٰ پر بھی بغاوت (Mutiny) میوٹنی کا مقدمہ چلایا گیا۔ رومن سپریم کورٹ رات کی تاریکی میں لگائی گئی۔ حضرت عیسیٰ پر الزام تھا کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہوں کا بادشاہ کہتا ہے۔ اس طرح رومن

شہنشاہیت کے خلاف بغاوت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی میں عدالت لگانے کی وجہ میری سمجھ سے بالاتر تھی، ایک تنہا آدمی جس کے اپنے حواریوں میں بھی مخبر چھپے تھے، روما کی عظیم سلطنت کو کتنا نقصان پہنچا سکتا تھا؟ اس خوف کی وجہ اب سمجھ آنے لگی ہے۔

زنداں میں عدالت

جناب والا! تین ہزار سال پہلے سقراط پر الزام تھا کہ وہ نوجوانوں کو اکسا رہا ہے، بدعنوان بنا رہا ہے، عدالت لگی، اس نے سقراط کو زہر کا پیالہ پینے کا حکم دیا۔ یہ کھلی عدالت تھی، جبکہ میں دیواروں میں چُن دیا گیا ہوں۔ میری عدالت اور میرا انصاف، خود چل کر زنداں میں آ گیا ہے۔

میں پابجولاں ہوں، میرا جسم سلاخوں کے پیچھے ہے، میرے ہاتھوں میں زنجیریں پڑی ہیں۔ میری آنکھوں پر پٹیاں باندھنے والوں نے یہ نہ سوچا کہ یہ حرکت زلیخا نے بھی کی تھی۔ اس نے اپنے مٹی کے خداؤں پر دوپٹہ ڈالا تھا۔ تاکہ وہ اس کے جرم کو دیکھ نہ سکیں۔ میں مٹی کا بت نہیں ہوں، بلکہ انسان ہوں، وہ انسان جس نے حضرت سلیمان کے دربار میں کہا تھا کہ آپ آنکھ جھپکیں، ملکہ (بلقیس) اور اس کا تخت آپ کے قدموں میں ہوگا۔ میرے اللہ نے زمین و آسمان میرے تصرف میں دے دیا ہے۔

اِن پٹیوں نے میری آنکھوں پر وہی اثر کیا ہے جو یوسف کے پیرہن نے دیدہ یعقوب پر کیا تھا۔ میں اپنے دارالحزن میں بیٹھ کر وہ کچھ دیکھ سکتا ہوں جو کبھی پہلے سوچ بھی نہ سکتا۔ حضرت باہو کی طرح چودہ طبق میرے اندر روشن ہیں اور تنبو کی طرح تنے ہوئے ہیں، مگر میں خواجہ فرید کی زبان میں ابھی کچھ اور طلب کر رہا ہوں۔

فرید کہتا ہے۔

اوتاں خوش وسدا وِچ ملک عرب
میں مٹھڑی اتھے جان بلب
آ ڈیکھ فرید دا دارلحزن
ہم روز ازل دی تانگھ طلب

روشن مستقبل کا جلترنگ

میرے کنج قفس میں روزن دیوار تک نہیں۔ میں روزانہ طلوع اور غروب ہونے والے سورج کو دیکھ نہیں سکتا، لیکن میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میری روح بیدار ہے۔ میں چشم تصور سے یوسف کنعاں کے زنداں اور یعقوب کے دارالحزن سے امید کی پھوٹتی ہوئی کرن کو یقین میں بدلتا ہوا دیکھ سکتا ہوں، محسوس کر سکتا ہوں، اور یوں شب گزیدہ سحر کو صبح تاباں بنانے کا عزم میرے سینے میں راسخ ہوتا ہے۔ یوسف کی قید، یوسف کی غلامی، اہل

مصر کی خوش بختی، خوشحالی اور قحط سے نجات کا باعث بنی تھی۔ اس سعادت پہ میرا سر جھکا جاتا ہے کہ مجھے بھی سنتِ یوسفی ادا کرنے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ میں پشیمان ہونے کی بجائے اپنے مقدر پہ ناز کیوں نہ کروں۔

اس ملک کے پسے ہوئے لوگوں کیلئے روشن مستقبل کا جل ترنگ میرے نہاں خانہ دل میں، دل افروز موسیقی کی دھنیں بکھیرتا ہے تو میں اس مستی میں جھوم کر انا الحق کا نعرہ حق بلند کرنے کا سزاوار ہو جاتا ہوں۔ میں منصور نہیں ہوں، میں اس کی خاکِ پا بھی نہیں۔ منصور نے جلاد میں بھی خدا کا جلوہ دیکھا اور جب جلاد تلوار لے کر منصور کی طرف بڑھا تو اُس نے کہا

فدائے تو شوم بیا بیا کہ تو بہر صورتے کہ آئی من ترا خوب می شناسم

میں تجھ پر قربان جلدی آجا
تو جس صورت میں بھی ہو
میں تمہیں پہچان لیتا ہوں

مسلمانوں کی عظیم طاقت

میں پاکستان کی فوج کو مسلمانوں کی عظیم طاقت سمجھتا ہوں اور اسے مزید مضبوط بنانے کے حق میں ہوں۔ 35 سال سے مسلمانوں کی جنگی قوت تباہ کرنے پر مرحلہ وار عمل کیا جا رہا ہے۔ اس تباہی میں فرد واحد کی بالا دستی نے کام آسان کر دیا ہے۔ عرب اور اسرائیل جنگ میں شاہ حسین آف اردن اور جمال عبدالناصر کی متنازعہ شخصیات کی وجہ سے بیت المقدس اور نہر سویز پر اسرائیل کا قبضہ ہوا۔ جمال عبدالناصر کے دور میں مصر پر جابر حکومت تھی۔ حالانکہ جمال عبدالناصر برطانیہ کو نہر سوئیز سے نکالنے کے بعد ایک افسانوی (Legend) کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ بلا شبہ نہ وہ صرف عربوں کے بلکہ عالم اسلام کے ہیرو بن چکے تھے۔ اسی طرح اُردن کے بادشاہ اور فلسطینی ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے نتیجہ یہ ہوا کہ قبلہء اوّل گیا۔ عرب ازم کا رومانس ختم ہوا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مصر کی وار مشین تباہ کر دی گئی۔ بعد میں انور السادات کے ذریعے اسرائیل کو تسلیم کرانے کے لئے جنگ رمضان کا نقشہ بنا، مگر مصر کی افواج قاہرہ۔ قاہرہ تک محدود ہو گئیں۔

جناب والا! شاہ ایران اپنی قوم سے برسر پیکار تھے، لیکن ایران میں ایک منظم وار مشین موجود تھی۔ اُنہوں نے یہ وار مشین اپنی قوم کے خلاف استعمال کی، وہ خود بچ سکے اور نہ ان کی جنگی قوت۔ اگلے منظر میں ایران، عراق کی جنگ مسلط ہوئی۔ فرد واحد صدام حسین مغرب کی آنکھ کا تارا تھے۔ ایک طاقتور فوج منظر پر آ چکی تھی۔ ایران کے انقلاب کو اس کے ذریعے محدود کر دیا گیا پھر عراق کی فوج کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی کیونکہ اب اس وار مشین کی ضرورت نہ رہی تھی۔ ترکی کی اہم افواج کو مختلف دفاعی معاہدوں کے ذریعے کنٹرول کر لیا گیا۔ اب صرف ایک وار مشین موجود تھی، یعنی پاکستان کی فوج۔

پانچ سو سال کا خزانہ اور ہماری ذمہ داری

جدید تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ صحرائے گوبی سے کاسابلانکا تک اور انڈونیشیا سے افریقہ تک، مسلم دنیا میں قدرتی وسائل کے اتنے وسیع ذخائر موجود ہیں، جو پانچ صدیوں تک دنیا کو قدرتی گیس اور تیل فراہم کرتے رہیں گے، لیکن اس قدر حساس علاقوں میں آخری رکاوٹ پاکستان کی فوج رہ گئی ہے۔ جو نیوکلیئر ٹیکنالوجی سے بھی لیس ہے۔ اسی لئے مخالفینِ پاکستان نے اس کے ایٹم بم کو اسلامی بم کا نام دیا ہے اور وہ اس کی تباہی کے درپے ہیں۔

آخری معرکہ جاری ہے پاکستان پر فردِ واحد کی حکومت ہے جو اپنے عوام سے برسرپیکار ہے اور صدام حسین کی طرح امریکہ پر انحصار کئے ہے۔ مجھے فردِ واحد کی حکومت ہٹانے سے بھی زیادہ فکر اپنی فوج اور اس کے نیوکلیئر پروگرام کو بچانے کی ہے جو محاصرے کی حالت میں ہے۔ عراق، ایران، مصر اور ترکی کی فوجوں کا انجام سامنے ہے۔ نہ فردِ واحد کا اقتدار رہا اور نہ وار مشین۔ اس ملک میں نیوکلیئر ٹیکنالوجی جیسا معجزہ برپا کرنے والے معتوب ہو چکے۔ وہ پابندِ سلاسل ہیں، مجھے اس کی فکر نہیں کہ ابن علقمی کا انجام کیا ہوگا، میں اس پر فکر مند ہوں کہ سقوطِ بغداد کے بعد مسلمانوں پر سیاہ رات چھا گئی تھی۔

ایک عظیم قوم نے غلامی کے طویل دور سے نجات حاصل کی لیکن اسے پھر غلامی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ ملک دولخت ہو چکا اور اس پر سامراج کا سایہ دراز ہے۔ اب وہ مزید سانحہ برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ پاکستان سے لے کر مراکش تک، سارے عالمِ اسلام میں صرف پاکستان کی فوج بچ گئی ہے۔ یہ آخری وار مشین ہے، جو منظم ہے، جدید ہتھیاروں سے لیس ہے، میزائل ٹیکنالوجی اور ایٹمی قوت سے مسلح ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ 14 کروڑ عوام اس کی پشت پر ہیں۔

تیری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

میں جب فوج کے بارے میں رائے کا اظہار کرتا ہوں تو مقصد اُسے مضبوط بنانا ہوتا ہے۔ فوجی اور سیاسی حلقوں میں مَیں جرنیلوں کی غلط حکمت عملی کا سخت ناقد ہوں۔ میں وطن کی حفاظت کیلئے سپاہیوں کے اٹھنے والے قدموں کے نیچے اپنی آنکھیں فرش راہ کرنے کو تیار ہوں۔ فوج میں بغاوت پھیلانے کو جرم ہی نہیں، گناہ سمجھتا ہوں۔ اگر ایران، مصر اور عراق کی طرح پاکستان پر اُفتاد آ پڑے تو مقابلے کی تیاری ہونی چاہئے، کیونکہ پوری دُنیا کے ذرائع ابلاغ کہہ رہے ہیں کہ اب پاکستان کی باری ہے۔ اس اُفتاد سے بچنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ حکومت اختیار کئے ہوئے ہے یعنی ہر معاملے میں ممکنہ حد تک امریکی مفادات کا تحفظ، اس کے مظاہر ہم نے افغانستان کی جنگ میں دیکھے ہیں۔ صرف ایک ٹیلی فون پر امریکہ کے سات نکاتی ایجنڈا پر عمل شروع کر دیا گیا۔ تازہ ترین واقعہ وانا پر لشکر کشی ہے۔ اس طرح فوج متنازعہ ہو رہی ہے۔ پہلے ہی سیاست میں مداخلت کا ردِعمل عوام

میں موجود ہے۔ امریکہ کی سرپرستی پر کس حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے ایران، مصر اور عراق کی فوجوں کی تباہی کو سامنے رکھنا ہوگا۔ نہ وہ افواج محفوظ رہ سکیں نہ شہنشاہ ایران۔ نہ انورالسادات اور نہ صدام حسین۔

دفاع پاکستان اور عوامی قوت

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فوج پر ضرورت سے زیادہ ذمہ داری نہ ڈالی جائے، اُسے اپنے پیشہ وارانہ معاملات تک محدود کر دیا جائے۔ کیونکہ ماضی میں سیاست میں ملوث ہونے کی وجہ سے دفاع پاکستان کا فریضہ صحیح طور پر ادا نہ کیا جاسکا۔ مشرقی پاکستان کے عوام اپنی فوج کی پشت پر ہوتے تو ہمیں شرمناک شکست نہ ہوتی۔ اسی طرح سیاچین، کارگل اور 1965 کی جنگ میں غلط منصوبہ بندی کا خمیازہ قوم کو بھگتنا پڑا۔

اب 14 کروڑ عوام کے فیصلوں کو تسلیم کرنا ہوگا۔ پارلیمنٹ کو بے توقیر کرنے کی بجائے اُسے اہمیت دینا ہوگی اور اس کی بالادستی کے سامنے سر جھکانا ہوگا۔ اگر عوام اور فوج میں خلیج وسیع ہوتی گئی تو اس کے نتائج نہ صرف پاکستان کے لئے بھیانک ہوں گے بلکہ اس کے اثرات پورے عالم اسلام پر پڑیں گے۔ میں افواجِ پاکستان کو اُمید کی کرن سمجھتا ہوں۔ اسی لئے کروڑوں اہل وطن کی طرح فوجوں کو واپس بیرکوں میں بھیجنا چاہتا ہوں اور یہی بات خود فوج کے حق میں ہے، کہ وہ دشمن کی بجائے اپنے عوام کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔

فیوڈل اِزم... ترقی کا دشمن

جناب والا! میں پاکستان کے اس خطے میں پیدا ہوا ہوں، جہاں جاگیردارانہ نظام پرانے وقتوں (Middle Ages) کی بات نہیں، بلکہ زندہ حقیقت ہے۔ یہ ایسا نظام زندگی ہے، جس نے عام فرد سے لے کر پورے ملک کے نظام کو جکڑ رکھا ہے۔ میں اس فیوڈل ڈھانچے کو مسمار کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔ برصغیر میں فیوڈل بالادستی کی داستان صدیوں پرانی ہے۔

انگریزوں سے پہلے، بادشاہ یہ جاگیریں عطا کرتے تھے۔ جاگیرداروں کے مرنے پر جاگیر واپس لے لی جاتی۔ اس طرح جاگیردار کی تبدیلی کے ساتھ کوئی نہ کوئی تبدیلی رونما ہو جاتی۔ اور مقامی لوگ کبھی کبھار سکھ کا سانس لیتے۔ انگریز چونکہ دور سے آئے تھے، انہیں اپنے وفاداروں کے مستقل طبقے کی ضرورت تھی انہوں نے اس نظام کو سائنٹفک بنا دیا۔

برصغیر سونے کی چڑیا کہلاتا تھا اور خاص طور پر سندھ طاس کا علاقہ اناج گاہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ دریاؤں کا مستقل بہاؤ تھا۔ علم الارض (Geology) کی زبان میں ہمالیہ دنیا کا نوجوان پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہ واحد پہاڑ ہے، جس پر گلیشیئرز کا لامتناہی سلسلہ موجود ہے۔ سالہا سال تک بارشیں ہوں نہ ہوں، یہاں کے دریا نہیں سوکھتے، اور پانی ہی یہاں کی طاقت ہے، جس پر یہاں کی مضبوط معیشت کا انحصار ہے۔ جب ساری دنیا میں

بھوک اور افلاس کا راج تھا، فاتحین برصغیر پر چڑھائی کرتے تھے اور لوٹ مار کرتے ہوئے واپس چلے جاتے تھے۔ یہاں کے مکین کوئی بڑی مزاحمت نہیں کرتے تھے۔ انہیں معلوم تھا یہ ہماری زمین اور ہمارے پانی کو تو اٹھا کر نہیں لے جاسکتے اور مہینوں کے اندر ان کی معاشی حالت بحال ہو جاتی تھی۔ (دریاؤں کے رستے بدلنے سے موہنجوداڑو اور ہڑپہ کے عظیم شہر تباہ ہو جاتے تھے۔ پانی ہی یہاں کی معیشت تھا) اسی وجہ سے برصغیر کے رہنے والوں کے اندر ایک (Passive Approach) غیر فعالی مزاج نے جنم لیا۔ جس کا جی چاہتا تھا ہندوستان پر حملہ کر دیتا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مشہور مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی کے بقول

"احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملے کا ارادہ کیا اور اپنے وزیر کو حملے کی وجوہات تیار کرنے کو کہا: وزیر نے لکھا: ایک تو ہندوستان کے اندر امن و امان کی حالت ٹھیک نہیں اور دوسری یہ کہ ویسے بھی کافی عرصہ سے ہندوستان پر کسی نے حملہ نہیں کیا۔

انگریزوں نے زمین اور پانی کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ایک جاگیردارانہ نظام قائم کیا۔ جس کی باقیات اب بھی پاکستان پر اسی طرح حکمراں ہے اور وہ اصلاحات کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ سیاسی اور معاشی نظام پر ان کے کنٹرول کی وجہ سے پاکستان میں غربت میں اضافہ ہوا ہے۔ ان کالے انگریزوں نے جاگیرداروں کے ذریعے پورے نظام کو جکڑ رکھا ہے۔

خون چوسنے کے شکنجے اور میری بغاوت

جناب والا! پاکستان کے جاگردارانہ معاشرہ نے غریبوں کا خون چوسنے کے ہزار قرینے ایجاد کر رکھے ہیں۔ یہ اپنے اصل فرائض کو بھولے ہوئے فوجی جرنلز، ظالم جاگیردار اور کرپٹ نوکر شاہی کا اتحاد ہے۔ اس اتحاد کا خمیر برطانوی عہد سے اٹھا ہے۔ اس ناپاک اتحاد نے پاکستان کی آزادی، معیشت، معاشرت، سیاست حتیٰ کہ غیرت اور انصاف کو بھی اپنا دست نگر بنا لیا ہے۔ یہ اتحاد درحقیقت ایک برادری ہے جو ایک دوسرے سے رشتوں میں جڑی ہوئی ہے۔ صنعت کار بھی اس برادری میں شامل ہیں۔ اس برادری نے غریب آدمی کو آزادی کے ثمرات سے محروم کر رکھا ہے۔ غریب آدمی کو کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہیں، اسلئے وہ قومی دھارے سے کٹ چکا ہے۔ وقت کے خدا، اس کے جسم اور روح پر قابض ہیں۔ تعلیم، قانون اور انصاف کے دروازے اس پر بند ہیں۔ وہ ایک آجر سے دوسرے آجر کے ہاتھوں بک رہا ہے۔ اس سفاک نظام نے کروڑوں انسانوں کو ہلاکت کے حوالے کر کے سمندر میں دھکیل دیا ہے۔

کوڑا کرکٹ سے اپنا رزق تلاش کرنے والا بچہ، جب یاس اور ناامیدی کی نظر سے اپنے اردگرد کو دیکھتا ہے تو اسے چمکیلی اور لمبی کاروں میں بیٹھے ہوئے بچوں کی مسکراہٹ زہر لگتی ہے، کوئی مسیحا نہیں ہے جو اسے کوڑا کے ڈھیر سے اٹھا کر عزت نفس سے ہمکنار کرے۔ آنسو اس کے گالوں پر سوکھ جاتے ہیں۔ سوکھی ہوئی یہ ندیاں، ہزاروں

سمندروں سے بھی سیراب نہیں ہو سکتیں۔ہاں! میں نے اس بے رحم معاشرے میں اُس معصوم بچے کے آنسو کو پونچھنے کی جسارت کی ہے، یہی میری بغاوت ہے۔اس کی جو بھی سزا ملے، مجھے بخوشی قبول ہے، ہاں! میں باغی ہوں۔

حکومت کے اندر حکومت

یہ جاگیر صرف زمین کا ایک ٹکڑا نہیں ہوتا تھا بلکہ حکومت کے اندر ایک اور حکومت کی اجازت تھی۔اس حکومت میں وہاں کا مالک، سلطنت روما کے بادشاہ سے بھی زیادہ اختیارات کا مالک تھا اوران اختیارات کو قانونی تحفظ حاصل تھا اوراب تک ہے۔

زرعی نظام میں تین قسم کی زمینیں موجود ہیں۔ایک انگریز کی دی ہوئی جاگیریں، دوسری وہ بڑی زمین داریاں جو انگریز کے آنے سے پہلے موجود تھیں۔انگریزوں کا رویہ پہلے والے زمیندار سے مخاصمانہ تھا۔وہ صرف اپنے کاشتہ پودے کو پروان چڑھانا چاہتا تھا۔اس لئے اس نے فیوڈلز کے بچوں کی تعلیم کے لئے ادارے بنائے۔ انہیں حکمرانی کی تربیت دی۔اور انہیں فوج اور سول بیوروکریسی کا حصہ بنایا۔

تیسری قسم کی زمین اُن لوگوں کے پاس تھی جو خود کاشت کرتے تھے۔زراعت کی خوشحالی کا سارا دارومدار انہی چھوٹے کسانوں اور زمینداروں پر تھا۔بڑے زمیندار اب بھی اپنی زمینوں پر کام کرنے والوں کو اپنی رعایا کہتے ہیں اور ذہنی طور پر انہیں اتنا دبا دیا گیا ہے کہ ان کی عزت محفوظ ہے نہ گھر، نہ جان۔اگر کوئی ان میں سے قتل ہو جائے تو ایف آئی آر درج کرانے کے لئے اس علاقے کے زمیندار کا تعاون ضروری ہے، ورنہ انکوائریوں اور تفتیشوں میں یہ قتل اندھا قتل بن جاتا ہے اور قاتل دندناتے پھرتے ہیں،

جناب والا!

تفصیل میں جانے کی معافی چاہتا ہوں جناب! میں خود اس زمیندار طبقے کا حصہ ہوں۔لیکن میرے بزرگوں نے انگریزوں، سکھوں اور مغلوں سے جاگیریں نہ لیں۔ہوسکتا ہے نوسوسال قبل ایبکوں یا خلجیوں سے زمین حاصل کی ہو۔بہرحال میرے آباؤاجداد سکھوں اور انگریزوں کے مرہون منت ہرگز نہ تھے۔

زمینوں کی لوٹ کھسوٹ اور صوبوں کا احساسِ محرومی

میں اندر کا آدمی ہوں۔میں اس نظام میں پیدا ہوا مگر اس کا حصہ بننے سے انکار کر دیا۔جب میں غریبوں پر ظلم ہوتے دیکھتا تو میرا خون کھول اُٹھتا تھا۔جاگیرداری نظام اب تک اتنا موثر ہے کہ یہاں کھلاڑی، گلوکار، افسر شاہی اور افواج پاکستان کے جرنل، سب زمینیں الاٹ کراتے ہیں۔جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ یہ ایک حکومت کے اندر دوسری حکومت ہے۔

آپ اسمبلی کے انتخابات کرائیں تو یہ زمینیں ووٹ کنٹرول کرنے کا ذریعہ ہیں۔پاکستان کی 70 فیصد

آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے، قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں کوئی شخص زمیندارانہ پس منظر کے بغیر کامیاب ہو نہیں سکتا۔ کامیاب ہونا تو دور کی بات ہے، اپنی صلاحیت، علم اور کردار کی بنیاد پر اُمیدوار بھی نہیں بن سکتا۔ زمینوں کے حصول کی اس خواہش نے صوبائی منافرت پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اہل سندھ، بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ سکھر بیراج کے قیام سے اب تک ان کی زمینوں پر قبضے کا سلسلہ شروع ہے۔

غلام پیدا کرنے کی نرسری اور جمہوریت

فیوڈل ڈھانچہ غلام پیدا کرنے کی نرسری ہے اس کی وجہ سے پارلیمنٹ، دوسرے ادارے اور بیرونی ممالک سے حاصل کردہ تعلیم، سب بے معنی ہو جاتے ہیں۔

فیوڈل اِزم ایک ذہنیت ہے، اس کا خاتمہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ بہتر طریقہ زرعی اصلاحات ہیں جو کہ ناکام ہو چکی ہیں۔ فیوڈل اِزم نے ان اصلاحات سے تحفظ کے راستے نکال لئے۔ بیوروکریسی خود اس میں شامل ہو گئی اور اب اکثر جنرل حضرات بھی زمیندار ہیں۔ دولتانہ، ایوب اور بھٹو کی زرعی اصلاحات ناکام ہو گئیں۔ کیونکہ اصلاحات لانے والے خود مخلص نہ تھے۔ غیر جمہوری دور میں یہ ڈھانچہ زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے، کیونکہ غیر نمائندہ حکومتوں کا انحصار جاگیرداروں پر ہوتا ہے۔ مختصر وقت کے لئے اگر جمہوریت آ بھی جائے تو جاگیردار کی جڑیں مزید مضبوط ہو جاتی ہیں۔ ایک آدھ الیکشن جیتنا اُس کیلئے مشکل نہیں ہوتا۔ دوسرے الیکشن تک کوئی اور غیر جمہوری حکومت ہوتی ہے اور فیوڈل کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ اب اُس کا وجود اور اہم ہو جاتا ہے اور جمہوریت بھی اُس کی باندی بن جاتی ہے۔ اس نظام کے خاتمے کیلئے جمہوری اداروں کا تسلسل بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ فیوڈل اِزم کے خاتمے کا دوسرا طریقہ مکمل جمہوریت کا قیام ہے، جی ہاں مکمل جمہوریت۔

اگر انتخابات ہوتے رہیں تو فیوڈلز کو ووٹرز کے دروازے پر بار بار جانا پڑتا ہے۔ اسے جوابدہ ہونا پڑتا ہے، تنقید کا نشانہ بننا پڑتا ہے، اپنی بداعمالیوں کا حساب دینا پڑتا ہے۔ مدِمقابل کا کردار بہتر ہو تو شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حکومت کے اندر اس کی حکومت، بلکہ ملک کے اندر اس کا ملک، زد میں آ جاتا ہے، اور اسے دھچکا لگتا ہے۔

طویل سفر کی ابتداء

میں نے پچیس سال فیوڈل اِزم کے خلاف انتخابات اور جمہوریت کی جنگ لڑی ہے۔ ملتان کے تمام معروف فیوڈلز، تمام معروف زمیندار، تمام معروف سیاسی خاندان ہر الیکشن میں میرے خلاف اتحاد بناتے رہے۔ اس جنگ میں میرے خاندان کو بے بہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ میرے بھائی، بھتیجے، بھانجے، رشتے کے بھائی، بہنوئی پولیس تشدد کا شکار ہوئے، ہمارے معاشی وسائل نہری پانی، زرعی جائداد، کاٹن فیکٹری، آئل ملز،

معاشی مقاطعہ کی زد میں رہے۔ بنکوں کو قرض دینے سے منع کر دیا گیا، ہماری فیکٹریوں پر کمر توڑ ٹیکس لگائے گئے۔ پولیس کے ذریعے گھر لوٹ لئے گئے۔ ڈاکوؤں کی سرپرستی کی گئی۔ اب بھی میری اور میرے رشتہ داروں کی تمام جائیداد حکومت کے کنٹرول میں ہے۔ مجھ پر قاتلانہ حملے ہوئے لیکن آخر کار یہ جنگ میں نے جیت لی۔

آغاز سفر میں ان واقعات کو مقامی پریس چھاپنے پر تیار نہ تھا۔ کچہری میں کوئی وکیل بننے کو تیار نہ تھا۔ کیونکہ میں فیوڈل ازم کا باغی تھا۔ ایک مرتبہ 1983ء میں ریٹائرڈ جنرل شمیم عالم صاحب نے (جن کی بیگم صاحبہ سینیٹ میں موجود ہیں) مجھے بلا کر میرے گاؤں پر فوج کشی کی دھمکی دی کیونکہ میرے مخالف فریق سید یوسف رضا گیلانی اور مخدوم سجاد حسین قریشی میری بنائی ہوئی سڑک کا افتتاح کرنے کے لیے تشریف لا رہے تھے اور علاقہ کے لوگوں نے ان کے بائیکاٹ کی دھمکی دی تھی۔ چونکہ وہ دونوں مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، جنرل شمیم عالم نے اُن کے استقبال کو کامیاب کرانا اپنی ڈیوٹی کا حصہ سمجھا۔ میں حیران تھا، ایک حاضر سروس جنرل کو اس حد تک جانے کی ضرورت کیا ہے؟ لیکن فیوڈل ڈھانچہ کی جڑیں گہری ہیں، جس کا سامنا کرنے سے پتا پانی ہو جاتا ہے۔ میں فخر سے سر بلند کر کے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے یہ قلعہ جمہوری عمل کے ذریعے سر کر لیا ہے۔ انتخابات میں آزادانہ رائے دہی کا مطلب غلامی سے آزادی ہے، لیکن ابھی یہ طویل سفر کی ابتدا ہے۔

طالع آزماؤں سے جنگ

اب میری جنگ ان طالع آزماؤں سے ہے، جنہوں نے فوج کی پاکیزہ وردی کو ہوس اقتدار کا ذریعہ اور آئین کی توہین کو شعار بنا لیا ہے۔ مگر مجھ سے یحییٰ خان جیسے جرنیل کے احترام کی توقع نہ رکھی جائے۔

جناب والا!

میں نے جنرل ایوب خان سے ایک ملاقات میں پوچھا: 65ء کی جنگ میں ہماری حکمت عملی ناقص کیوں تھی؟ انہوں نے تفصیل سے بات کی۔ لب لباب یہ تھا کہ دفتر خارجہ نے انہیں غلط اطلاعات فراہم کیں اور ہم بین الاقوامی سرحد پر بھارت کے حملے کی توقع نہ کر رہے تھے۔

میں بی اے کا طالب علم تھا، مجھے ان کی وضاحت مطمئن نہ کر سکی۔ ایک اور سوال کیا کہ آپ نے انتقال اقتدار کا جمہوری راستہ کیوں اختیار نہ کیا؟ اور پارلیمنٹ یا سیاست دانوں میں سے آپ نے اپنا جانشین تیار کیوں نہ کیا؟ جبکہ متبادل قیادت کسی بھی عظیم رہنما کی ذمہ داری ہوتی ہے؟ میں نے کہا: مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد رکھنے والی کونسی شخصیت موجود ہے، کیونکہ قد آور شخصیات قوم کو متحد رکھ سکتی ہیں اور شائد انہیں میرا سوال پسند نہ آیا۔ کہا: میرے پاس وقت ہی کتنا تھا۔ اس موضوع پر اب میں نے سوچنا شروع کر دیا تھا مگر وقت ہی کتنا تھا؟

شائد اسی لئے کہتے ہیں کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، ہاں، مگر دس سال تک تو انتظار کیا تھا اور پھر وقت نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

ایک مرتبہ میں نے ایوب خان سے پوچھا کہ اخبارات میں آ رہا ہے کہ آپ اپنے ارد گرد کے لوگوں کو گالیاں دیتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ حرام توپ جھوٹ بولتے ہیں، میں نے کسی ...... کے بچے کو آج تک گالی نہیں دی۔

عملی جدوجہد کا آغاز

جناب والا! میں آج 29ویں مرتبہ پس دیوارِ زنداں ہوں، یہ سفر 4 عشروں پر محیط ہے۔ 1964ء سے 2004ء تک۔ پہلی مرتبہ میں 1964 میں گرفتار ہوا، جب میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا اور میری عمر 14 سال کے قریب ہوگی۔ ملک بھر میں یونیورسٹی آرڈیننس کیخلاف تحریک جاری تھی۔ اس آرڈیننس کے تحت گورنر یا چانسلر کسی بھی طالب علم کی سند منسوخ کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ اُس کے کہنے پر سند یافتہ وکیل، وکیل نہیں اور ڈاکٹر، ڈاکٹر نہ رہتا، انجینئر بننے والے کو کسی وقت کہا جا سکتا ہے کہ آج سے تم انجینئر نہیں ہو۔ میں گرفتار ہو کر اس تحریک میں شامل ہو گیا۔ اس وقت میں اتنا چھوٹا تھا کہ ہتھکڑی میرے ہاتھ سے نکل جاتی تھی۔ میرے گھر والوں نے اس حرکت کو سخت ناپسند کیا۔ لیکن مجھے اطمینان تھا کہ میں نے فردِ واحد کے جابرانہ قوانین کو چیلنج کیا ہے۔ اس تحریک میں میرا ساتھی طالب علم جودت کامران شہید ہو گیا اور میں نے موت کے سایہ تلے جینے کا سلیقہ سیکھ لیا۔ آٹھویں جماعت میں مجھے ٹیلنٹ سکالرشپ ملا۔ 1965 کی جنگ شروع تھی ۔ میں نے اپنے وظیفے کے اڑھائی ہزار روپے دفاعی فنڈز میں جمع کرا دیئے۔ سکوٹر کی بجائے ٹینک خریدنے کا جنون مجھ پر سوار تھا۔ تین مرتبہ فوجی بھائیوں کیلئے میں نے خون دیا۔ گلی گلی محلّہ محلّہ جا کر دفاعی فنڈز جمع کئے اور نوجوانوں کو منظم کیا۔ راتوں کو جاگ جاگ کر سڑکوں اور نہروں پر پہرے دیئے تاکہ دشمن ہمارے مواصلاتی اور نہری نظام کو تباہ نہ کر سکے۔ ایوب خان اور نواب آف کالاباغ سے مجھے سخت نفرت تھی، لیکن دشمن کے مقابلے میں، میں ان کا ادنیٰ رضا کار تھا۔ اعلان تاشقند ہوا۔ پورا ملک تحریک کی لپیٹ میں تھا۔ آخرِ شب کے ہیرو زیرو ہو چکے تھے۔ سرحدوں پر بہنے والا خون رزقِ خاک ہوا، شہریاروں نے میز سجا کر مذاکرات کی آڑ میں اپنی برہنگی کو چھپا لیا مگر قوم کے زخموں کی نمائش لگا دی گئی۔ ہر آنکھ اشکبار رہوئی۔ آسمان لہو رویا، مشرقی بازو کے لوگ عدم تحفظ کی وجہ سے تلملاتے رہے۔

راستے کا انتخاب

میں نے اپنے راستے کا انتخاب کر لیا تھا۔ پاکستان میں "اسلام اور جمہوریت کا راستہ۔" میں اسلام اور جمہوریت کو ایک دوسرے کی ضد نہیں سمجھتا۔ دونوں انسان کے بنیادی حقوق پر یقین رکھتے ہیں اور دونوں میں فردِ واحد کو لامحدود اختیارات حاصل نہیں۔

اسلام کو جمہوریت پر بالادستی حاصل ہے کہ اس کے پاس منصفانہ معاشی نظام بھی موجود ہے جبکہ جمہوریت کے پاس سرمایہ دارانہ نظام کو روکنے کے لئے کوئی راستہ نہیں۔ اس کے باوجود اسلام اور جمہوریت ایک

دوسرے کے مددگار رہی ہیں۔

سقوطِ ڈھاکہ

جناب والا! منظر بدلا اور ایک نیا طالع آزما قوم پر مسلط ہو گیا۔ قوم فریب تبسم میں آ گئی۔ نئے آمر نے اپنی ہی قوم پر شب خون مارا اور اس کی کشتی کو بھنور سے نکالنے کے عزم کا اظہار کیا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔ قوم کو نیا محافظ مل چکا تھا۔ جس سے اختلاف کرنا غداری اور ملک دشمنی کے مترادف تھا۔ چشمِ فلک نے یہ منظر بھی دیکھا اُسی محافظ کے دور میں نہ ملک محفوظ رہ سکا اور نہ فوج۔ ہمیں تاریخ کی بدترین رسوائی کا سامنا تھا۔

جناب والا!

اپنی گناہ گار آنکھوں سے میں نے مشرقی پاکستان میں کتوں اور گدھوں کو بنگالی بھائیوں کی لاشوں کو نوچتے دیکھا ہے۔ لاشیں پانی پر تیر رہی تھیں۔ اور سڑانڈ سے دماغ پھٹا جا رہا تھا، بنگال کے سبزے کی بہار داغدار تھی اور داغ کو شاید صدیوں تک نہ دھویا جا سکے۔ کاش یہ منظر دیکھنے کیلئے میں زندہ نہ ہوتا۔ ع

مرا اے کاش مادر نہ زادے

پلٹن میدان سج چکا، جنرل امیر عبداللہ خان نیازی ہتھیار پھینکنے کی تقریب کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ اُن کی وردی کو بار بار استری کیا گیا، کہ کوئی سلوٹ باقی نہ رہے۔ اُن کے کراؤنز کو چمکایا گیا، یہ کراؤنز اصلی تھے۔

جنرل تیار ہو کر شان و شوکت سے تقریب میں پہنچے۔ انہوں نے فاتح جرنیل جگجیت سنگھ اروڑہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا، جنرل بتاؤ میں کیسا لڑا؟ How Did I Fight۔

جنرل جگجیت سنگھ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جنرل نیازی نے اپنا پستول اپنی وردی سے الگ کر کے فاتح جرنیل کو پیش کر دیا۔ تماشائیوں کا رویہ غیر مہذبانہ تھا۔ غالب کو گلہ تھا کہ فرہاد نے مرنے کیلئے تیشہ کا سہارا لیا۔ اُس کا عشق سچا ہوتا تو وہ ویسے ہی مر جاتا، تیشہ والی رسم کی کیا ضرورت تھی۔

بے شمار لوگوں نے کہا: اس رسوائی سے بہتر تھا جنرل نیازی اس ریوالور سے خود کو گولی مار لیتا۔ وہ فرہاد کی طرح امر ہو جاتا۔ قوم کی خواہشات کتنی غیر منطقی ہیں، اگر جنرل شہید ہو جاتا تو لاہور کینٹ میں اتنا بڑا محل کیسے بنتا: اور بن بھی جاتا تو اُس میں کوئی اور رہ رہا ہوتا۔ اگرچہ اب بھی وہاں کوئی اور ہی رہ رہا ہے۔ اسد اللہ خان اسد کا مطالبہ فرہاد جیسا عاشق پورا نہ کر سکا، امیر عبداللہ خان تو عملیت پسند جرنیل تھا۔

ایک طرف پوری قوم سقوط ڈھاکہ کے صدمہ سے دوچار تھی اور دوسری طرف یحییٰ اور اس کے حواری جرنیل اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے سیاستدانوں کو اس سانحہ کا ذمہ دار ٹھہرانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

جرنیلوں کو ملک ٹوٹنے کا احساس تھا نہ شرمندگی اور نہ ہی وہ اس سانحہ کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار تھے۔

"سقوط غرناطہ" کے بعد آخری حکمران ابوعبداللہ نے شہر سے باہر نکل کر اپنے محل الحمرا پر نگاہِ واپسیں ڈالی تو رو پڑا۔ جب اس کی ماں نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ "ابوعبداللہ تم جس ملک کی مرد بن کر حفاظت نہ کر سکے، اب اس پر عورتوں کی طرح رونے کا کیا فائدہ؟" افسوس ہمارے جرنیلوں نے سقوط ڈھاکہ پر ابوعبداللہ کی طرح آنسو بہانے کی رسم تک ادا نہ کی، حکمرانوں کے محلوں میں شکست کا کوئی تاثر تھا اور نہ ہی کوئی پشیمانی۔ جی ہاں، میں اس دور کا بھی باغی اور مجرم تھا۔

حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ

حقائق جاننے کیلئے حمود الرحمٰن کمیشن قائم کیا گیا، تاکہ غلطیوں کی نشاندہی اور کوتاہیوں کو دور کیا جا سکے۔ حقائق منظر عام پر لائے جا سکیں۔ یہ رپورٹ 30 سال تک شائع نہ ہو سکی اور زخم ناسور بن کر لاعلاج ہو گئے۔ تیس سال بعد مذکورہ رپورٹ کا کچھ حصہ مئی 2001ء میں دشمن ملک کے ٹیلی ویژن چینل نے نشر کر دیا۔ مجھے اس کا علم کوٹ لکھپت جیل لاہور کی چکی میں ہوا۔ جہاں میں جرم بیگناہی میں سزا کاٹ رہا تھا۔ یہ 5x9 فٹ کا ایک سیل تھا۔ شدید ترین گرمیوں میں اس قبر نما چکی میں تپتے فرش پر بستر کے بغیر پڑا رہتا تھا۔ سونے، بیٹھنے اور رفع حاجت سمیت تمام ضروریات اس اندھیری قبر میں پوری ہوتی تھیں۔ رفع حاجت والی جگہ پر جو ٹونٹی نصب تھی اسی سے منہ لگا کر پانی پیتا۔ جیل کی رقیق دال میرا من وسلویٰ تھا۔

اس سیل میں لانے سے قبل میرے علاوہ خواجہ سعد رفیق، خواجہ حسان اور آفتاب اصغر ڈار مرحوم کو پانچ دن تک وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ ہم سب کی آنکھوں پر سارا دن پٹی بندھی رہتی، نہ معلوم اس عمل سے حکمرانوں کو کیا حاصل ہوا؟ تشدد سے ہمارے جسم نیلے پڑ گئے۔ چمڑی ادھڑ گئی اور بڑے بڑے زخم بن چکے تھے۔ میں نے جیل سے اخبارات کیلئے ایک پیغام بھیجا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ اگر کسی نے حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ پڑھنی ہے تو ہمارے جسموں پر لکھی پڑھ لے۔

ناقابل فراموش

1971ء کی جنگ میں، میں نے لاہور کی گلی کوچوں میں کشکول گدائی لے کر دفاعی فنڈ ز اکٹھا کیا۔ زخمی فوجی بھائیوں کو خون دیا۔ میں زندگی میں دو واقعات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ہم دفاعی فنڈز کے سلسلہ میں انارکلی گئے۔ جب ہم شاعرِ مزدور احسان دانش کے پاس پہنچے تو انہوں نے گھر کی دہلیز پر کھڑے ہو کر کہا کہ یہاں سے ہر چیز اٹھا لو، کیونکہ مجھے وطن نے پکارا ہے، میں حاضر ہوں۔ دوسرا واقعہ "اس بازار" میں پیش آیا۔ جب ایک ضعیف ونحیف اور بیمار بڑھیا نے اپنے تمام زیورات ہمارے سامنے ڈھیر کر دیئے اور آخر میں اپنے ہاتھوں کی انگوٹھیاں

کشکول میں پھینکتے ہوئے کہا کہ وطن ہے تو سب کچھ ہے۔ ''میں اس بڑھیا کو طوائف کا نام نہیں دے سکتا''۔

ایک سوال ہمیشہ میرے دماغ پر ہتھوڑے برساتا رہا کہ وطن کے محافظوں نے قوم کی قربانیوں کا کیا صلہ دیا؟ مجھے آج تک اس کا جواب نہیں مل سکا۔ قافلہ لٹ چکا تھا، شام الم برپا تھی، درودیوار پر مایوسی کے سائے تھے۔ ہر دل ندامت کے زخموں سے چور تھا۔ اہل دانش کے قلم سکتے میں اور مغنی کی آواز پر لرزہ طاری تھا۔ آسمانوں سے شب زندہ داروں کی دعائیں ناکام لوٹ آئیں۔ رندان بادہ خوار ہوش میں آ چکے تھے۔ سقوط ڈھاکہ پر کیسا کیسا مرثیہ لکھا گیا۔ لیکن قائداعظم کا پاکستان تو واپس نہ مل سکا۔

بھائی کی شہادت......ایک اور دریا کا سامنا

بھٹو دور میں میرے ملک سے باہر جانے پر پابندی تھی۔ سعودی عرب کے حکمران شاہ فیصل نے کمال شفقت سے مجھے پندرہ دن کے سرکاری دورہ کی دعوت دی۔ میرے لئے باہر جانے کی سبیل نکل آئی۔ اسی دوران مجھے تحریک ختم نبوتؐ کے سلسلہ میں گرفتار کرلیا گیا۔ رہائی ملی تو جیل کے دروازے پر میرے بڑے بھائی موجود تھے۔ انہوں نے والدین کی زیارت کیلئے گاؤں جانے کا حکم دیا۔ 28 جولائی 1974ء کو محترم مجیب الرحمٰن شامی، ان کی اہلیہ، میرے بڑے بھائی اور میں کار میں سوار ملتان آ رہے تھے کہ ہماری کار ساہیوال کے نزدیک یوسف والا میں حادثے کا شکار ہوگئی۔ میرا مربی، میرا اتالیق، میرا سرپرست، میرا دوست، میرا بھائی شہید ہوگیا۔ میں اگر اپنے بھائی کی موت پر مرثیہ کہہ سکتا تو چٹانیں چیخ جاتیں اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے۔ اس کے اثر سے سمندروں کے دل میں چھپا ہوا درد کسی طوفان کی شکل میں پھوٹ پڑتا اور زمین اپنا محور تبدیل کر لیتی۔

راتیں دیدہ یعقوب کی مانند سفید ہو جاتیں اور دن ظالم حکمرانوں کے نامہ اعمال کی طرح سیاہ۔

میں اپنے بھائی کے لئے قصیدہ لکھنا چاہتا تھا کیونکہ وہ مرثیہ کی بجائے قصیدہ کے لائق تھے۔ میں یہ بھی نہ کرسکا، قصیدہ گوئی کے فن سے میری آشنائی نہ تھی۔

میں بچپن میں گیلی ریت سے گھروندے بناتا، دھوپ نکلتی تو یہ پیوند زمین ہو جاتے۔

جانتا ہوں میرا مرثیہ صور اسرافیل ہے۔

درد کی آنچ میں پکی ہوئی دیوار گرے گی تو نہاں خانہ دل کے شور سے قیامت بپا ہوگی۔

میرا فیصلہ ہے کہ میں کوئی مرثیہ یا قصیدہ نہ لکھوں مگر چشم گریاں نے آج تک میرے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا۔ اس حادثہ پر ابھی تک اسرار کی دبیز تہیں پڑی ہیں۔ مشکوک ٹرک کا مشکوک ڈرائیور 30 سال گزرنے کے بعد بھی لاپتہ ہے۔ اس حادثہ نے مجھے غموں اور دکھوں کے ایک نئے چوراہے پر لا کھڑا کیا۔

منیر مجھ کو ایک اور دریا کا سامنا تھا
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

تعلیم کیلئے باہر نہ جاسکا، بلکہ خاندان کی ذمہ داریاں بھی میرے کندھوں پر آن پڑیں۔ میری زندگی بدل گئی، لیکن میں نے جمہوریت کی جدوجہد ترک نہ کی۔ چند دنوں کے بعد میں دوبارہ جیل میں تھا۔

گرچہ رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

تحریک نظام مصطفیٰ میں متحرک ہو گیا، قیدوبند کی صعوبتیں میری منتظر تھیں۔ مجھے گرفتار کر کے شاہی قلعہ کے بدنام زمانہ عقوبت خانہ میں ڈال دیا گیا۔

کانوں پہ زباں

میں جیل میں تھا، خوشخبری ملی کہ بھٹو صاحب اور پی این اے میں سمجھوتہ ہو گیا۔ رہا ہو کر والدین کو ملنے کیلئے گاؤں پہنچا تو ٹی وی پر خبر نشر ہوئی کہ ملک کا نظام فوج نے سنبھال لیا ہے۔ ضیاء الحق نے 90 دنوں میں انتخاب کرانے کا اعلان کیا۔ بھٹو صاحب کی پیپلز پارٹی سمیت تمام جماعتوں نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ میں لاہور سے پی این اے کی طرف سے صوبائی نشست سے امیدوار تھا۔ بھٹو صاحب ضمانت پر رہا ہو چکے تھے۔ انتخابی مہم زوروشور سے جاری تھی، اس دوران غیر معینہ مدت کیلئے انتخابات ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ ملک میں غیر یقینی صورتحال پیدا ہو چکی تھی۔ بھٹو صاحب کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ ضیاء الحق نے سیاستدانوں سے ملاقات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ملاقاتوں کا مقصد سیاسی جماعتوں کو انتخابات کے انعقاد کیلئے تعاون پر قائل کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں مجھے بھی ملاقات کیلئے ضیاء الحق نے بلایا اور انتخابات کے انعقاد کیلئے تعاون مانگا۔

جنرل ضیاء الحق سے میری یہ پہلی ملاقات تھی۔ اُن کے چیف آف سٹاف جنرل عارف بھی موجود تھے۔ ضیاء الحق مرحوم نے کہا کہ ہم فوجی ہیں۔ سیاست کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اگر آپ نے تعاون نہ کیا تو جمہوری عمل کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پھر ہمیں ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے۔ ایک آدھ کے سوا قومی اتحاد کی تمام جماعتوں نے کابینہ میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ مجھے بھی کابینہ میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ میں نے مشاورت کیلئے وقت مانگا۔ دوسرے دن میں نے اس شرط پر کابینہ میں شمولیت کا وعدہ کیا کہ اگر الیکشن ملتوی ہوئے تو میں کابینہ سے استعفیٰ دے دوں گا۔ ایک سال میں انتخابات کرنے کا وعدہ کیا گیا۔

بحالی جمہوریت کی مہم

وزارت کا حلف اٹھانے کے بعد میں نے بحالی جمہوریت کی مہم تیز کر دی۔ جہاں جاتا تقریروں میں انتخابات کے انعقاد کا ذکر کرتا، پورا سال میں نے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنی مہم جاری رکھی۔ پریس کانفرنسوں، جلسوں اور بار ایسوسی ایشنوں کے فورم پر جمہوریت کی بحالی کا مشن جاری رہا۔

1978ء میں فیصل آباد بار ایسوسی ایشن کی دعوت پر خطاب کرتے ہوئے میں نے کہا کہ اگر جنرل ضیاءالحق نے انتخابات کا اعلان نہ کیا تو ضیاءالحق کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ...... میری تقریر کے بعد میرے دوست افتخار فیروز نے کہا کہ ضیاءالحق اپنے وزیر کے اس لہجے کو برداشت نہیں کریں گے۔ میں نے عرض کیا۔ میں نا قابل برداشت ہو جانا چاہتا ہوں۔

اسی سال وزرا سے کہہ دیا گیا کہ ان میں سے جو چاہے اس شرط پر وزارت رکھ سکتا ہے کہ الیکشن میں حصہ نہ لیں گے۔ میں نے یہ کہتے ہوئے وزارت سے استعفیٰ دے دیا کہ میں الیکشن کے انعقاد کی شرط پر کابینہ میں شامل ہوا تھا، چونکہ اب الیکشن ہو رہے ہیں، لہٰذا میں اپنے حلقہ انتخاب میں جا رہا ہوں۔ ضیاءالحق کے ملٹری سیکرٹری ظفر صاحب نے مجھ سے کہا کہ الیکشن نہیں ہونگے، آپ استعفیٰ نہ دیں لیکن میں استعفیٰ دینے کا اصولی فیصلہ کر چکا تھا۔ بحالی جمہوریت کی منزل خواب و خیال ہو چکی تھی۔ ضیاءالحق کے باقی 9 سالوں میں کوئی عہدہ قبول کیا اور نہ ہی کسی مسئلہ پر ان کی حمایت کی۔

غیر جماعتی انتخابات

85ء کے غیر جماعتی انتخابات میں، میں ملتان سے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوا۔ لاہور گورنر ہاؤس میں جنرل ضیاءالحق سے ملتان ڈویژن کے اراکین قومی اسمبلی کی میٹنگ تھی، گورنر غلام جیلانی خان بھی موجود تھے۔ مخدوم حامد رضا گیلانی، سید فخر امام، صدیق خان کانجو، سید یوسف رضا گیلانی اور دیگر ممبران بھی موجود تھے۔ اکثر ممبران نے الیکشن کرانے پر ضیاءالحق صاحب کی تعریف کی، کچھ نے کہا: آپ نے تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ کچھ نے کہا: یہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے کہ ایک جنرل قوم کو جمہوریت دے رہا ہے۔ میری باری آئی تو مجھے بھی اپنی رائے دینے کا حکم ہوا۔

میں نے عرض کیا: جنرل صاحب میں تمام ساتھیوں کی تائید کرتا ہوں یہ شائد آٹھویں عجوبے سے بھی بڑھ کر ہے، لیکن میری ایک چھوٹی سی پریشانی ہے۔ وہ پریشانی یہ ہے کہ اسمبلی کے معرض وجود میں آنے کے باوجود تمام اختیارات ابھی تک آپ کی ذات میں جمع ہیں، آپ اچھے انسان ہیں۔ اللہ اور موت پر یقین رکھتے ہیں، اگر آپ خدانخواستہ ہمارے سامنے بیٹھے ہوئے ابھی وفات پا جائیں تو کیا ہوگا؟ میں نے پھر اپنا سوال دہرایا، اگر آپ ابھی فوت ہو جائیں تو ملک میں بحران پیدا ہوگا، اس کا کیا حل ہے؟ محفل پر سناٹا چھا گیا، میں نے پھر کہا کہ ہم فانی ہیں، میں بھی یہاں بیٹھے ہوئے مر سکتا ہوں۔ آپ براہ کرم یہ اختیارات اداروں کو واپس لوٹا دیں۔ یقیناً یہ ناقابل فراموش واقعہ ہوگا کیونکہ ادارے نہیں مرتے۔

ایک فرد کی حکومت سے، ادارے کی حکومت کا سفر ملک کو مضبوط کر دے گا۔ استحکام کی بنیاد قائم ہوگی اور تمام صوبوں کو شراکت اقتدار کا احساس پیدا ہوگا۔ یہ صرف میری خواہش تھی مگر اس کا اظہار شاید گستاخانہ تھا، شائد

میں آتشِ گل اور خارِ مغیلاں میں تمیز نہ کر سکا تھا۔

جنرل جیلانی نے ایک فائل جنرل ضیاء الحق کے سامنے کر دی۔ انہوں نے میرے نامہ اعمال پر نظر ڈالی اور جنرل جیلانی سے تحسین آمیز مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا۔ میرے نامہ اعمال کی سیاہی، میری سیاہ بختی کا واضح اشارہ تھی۔ میری سادگی دیکھئے۔ میں ان قہر آلود نگاہوں اور پیشانی پر پڑنے والے بل کو بھی اپنی خوش بختی سمجھ رہا تھا کہ میرے ضمیر کا بوجھ ہلکا تھا۔ اسمبلی کے تمام ممبران کی فائلیں ایجنسیوں نے تیار کر رکھی تھیں۔ پارلیمنٹ میں افراد کی بجائے یہی فائلیں پہنچی تھیں۔

شفاف فائلیں...... جن پر عہدِ غلامی سے لے کر اب تک کی انتظامیہ کی مہریں ثبت تھیں۔ یہ شفاف فائلیں قوم کی نمائندگی کر رہی تھیں، ہم جیسے چند اجنبی لوگ حریم ناز میں داخل ہو کر شور و غوغا برپا کر رہے تھے۔

پارلیمنٹ میں اجنبی

جب ضیاء الحق اسمبلی سے خطاب کرنے کیلئے آئے تو میں نے فلور پر کھڑے ہو کر کہا کہ آپ پارلیمنٹ کیلئے اجنبی ہیں۔ "You are Stranger in the House" آپ کو خطاب کرنے کا کوئی حق نہیں۔ آپ بندوق کی نوک پر پارلیمنٹ میں کھڑے ہیں۔ براہ راست (Live) کوریج ہو رہی تھی، کیمروں کا رخ موڑ دیا گیا۔ بعد میں ضیاء الحق نے چند دوستوں کی موجودگی میں وزارت کی پیشکش کی۔ وہ میرے موقف کو سمجھ ہی نہ سکے۔ پارلیمنٹ کے قیام کے بعد انہوں نے باعزت واپسی کا راستہ کھو دیا۔ ضیاء الحق صاحب آٹھویں ترمیم کے ذریعے تمام اختیارات اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے اس ترمیم کی بھرپور مخالفت کی۔ میں اُن چند ممبران میں شامل تھا۔ جنہوں نے آٹھویں ترمیم کے حق میں ووٹ دینے سے انکار کر دیا۔

تاریخ کا فیصلہ

میں تاریخ کے مطالعہ اور عملی تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ 5000 سالہ معلوم تاریخ میں فردِ واحد کی بالادستی نے قوموں کو عروج سے زوال تک پہنچایا ہے۔

انسانی معاشرے کے ارتقاء کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ عسکری قیادت کی بالادستی انسانی شعور کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے اور ایسے معاشرے زیادہ دیر تک ترقی کے سفر میں دوسری قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہی معاشرے انسانی تہذیب کے ارتقاء کی وجہ بنتے ہیں جن میں برابری کی سطح پر ایک دوسرے کے حقوق کو تسلیم کیا جاتا ہو۔ بادشاہت ہو، جمہوریت یا آمریت۔ حکومتیں اس صورت میں کامیاب رہتی ہیں جب عسکریت کو تابع رکھا جاتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہی فاتحین کامیاب رہے ہیں، جنہوں نے عسکریت کو انتظامی معاملات سے الگ رکھا، اس سے دفاعی طاقت میں بھی اضافہ ہوا اور حکومت کے معاملات چلانے میں

آسانیاں پیدا ہوئیں۔

جن فاتحین نے عسکریت کی بالادستی کو مطمع نظر بنایا وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ کہاں ہیں ہمن اور اٹیلا جنہوں نے یورپ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ چنگیز خان اور ہلاکو کہاں ہیں، جنہوں نے انسانیت کا قتل عام کیا۔ آخر کاران کے جانشین، اسلام کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ قیصر و کسریٰ کی تباہی اور بربادی ہوس اقتدار اور خود کو خدا سمجھنے کا نتیجہ تھی۔

روم اور یورپ کی قدیم وجدید تاریخ گواہ ہے کہ جب فیصلے عسکریت کے سائے میں ہونے لگے تو دنیا کو ہولناک جنگوں کا سامنا کرنا پڑا اور جب فیصلے مشاورت سے کئے گئے تو ملکوں کو سیاسی استحکام ملا۔ جس قوم کے فیصلے پارلیمنٹ میں ہوئے انہوں نے عروج دیکھا۔ روم کی عظیم سلطنت عسکریت کے سہارے کھڑی نہ رہ سکی۔

اسلام کی 14 سو برسوں کی تاریخ گواہ ہے، خلافت راشدہ ہو یا اموی وعباسی ادوار، حکومت میں فیصلوں کا اختیار ہمیشہ سول اتھارٹی کے پاس رہا۔ مسلمانوں کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے خالدؓ بن ولید کو، جنہیں رسالت مآبؐ نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا، سپہ سالاری سے الگ کر دیا، گویا یہ خلیفہ کا تسلیم شدہ حق تھا، جس کی حیثیت حاکم کی نہیں نائب کی تھی۔ جمہور نے ان فیصلوں کو درست قرار دیا۔ ولید بن عبدالمالک نے دنیا کے عظیم جرنیلوں موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور انکے والد نے محمد بن قاسم کو برطرف کیا۔ چین سے لے کر اندلس تک جنہوں نے دنیا کو فتح کیا۔ ان کی تذلیل بھی کی گئی جو کسی طور مناسب نہیں تھی، لیکن یہ بات واضح ہے کہ فیصلوں کا اختیار خلیفہ وقت کے پاس تھا، اسی طرح عوام نے قتیبہ بن مسلم کے خروج کو پسند نہ کیا۔ اموی دور حکومت میں جرنیلوں نے امور مملکت میں مداخلت شروع کی تو حکومت ختم ہوگئی۔ عباسیوں کے دور میں جب فیصلے ترک جرنیلوں کے ہاتھ میں آئے تو ''سقوط بغداد'' کا سانحہ وقوع پذیر ہوا۔ جب فیصلے مشاورت کی بجائے جرنیلوں کے ذریعے ہونے لگیں اور عسکریت کو بالادستی حاصل ہو تو پھر ملک وقوم کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔

''کرامویل'' نے فوجی حکومت قائم کی اور پھر تاریخ نے جلد ہی وہ وقت دیکھا جب کرامویل کی لاش چوک میں لٹک رہی تھی۔ یورپ نے تاریخ سے سبق سیکھا اور ان کے فیصلے پارلیمنٹ میں ہونے لگے۔ چنانچہ وہ دیگر اقوام سے بہت آگے نکل گئے اور دنیا پر غالب آگئے۔

چرچل نے ایک تاریخی جملہ کہا تھا کہ جنگ لڑنا اتنا اہم معاملہ ہے، جسے صرف جرنیلوں پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔

(War is too serious a business to be left to the Generals alone)

دورِ حاضر کی عسکریت

''افلاطون'' نے تین ہزار سال قبل کہا تھا کہ سیاسی استحکام کے بغیر معیشت اور معاشرت ترقی نہیں کرسکتی۔ سیاسی استحکام کسی بھی قوم کی رائے کے احترام کا نام ہے۔

''کیمونزم'' نے پوری دنیا کو متاثر کیا۔ اس نظام میں غریبوں کیلئے پیغام موجود ہے۔ کیمونسٹوں نے 1918ء میں انقلاب کے ذریعے دبے اور کچلے ہوئے طبقات کی سربلندی کیلئے پوری دنیا کو تہہ وبالا کر ڈالا۔ انسانی زندگی پر مثبت اور منفی اثرات چھوڑے اور یہ اثرات انمٹ ہیں، ارتکاز دولت کے خلاف جنگ میں کیمونزم اور اسلام میں بعض اعتبار سے مماثلت پائی جاتی ہے۔ صرف 60 سے 70 سالوں میں کیمونزم کو زوال کا سامنا کرنا پڑا۔ ماضی قریب کی بات ہے کہ ماسکو سے کیوبا تک اور عراق کے صدر صدام حسین تک، کرنل ناصر، کرنل قذافی وردی میں خوبصورت نظر آتے تھے، وہ کیمونزم کا چغہ بھی پہنے ہوتے تھے۔ اگر وہ عسکریت کی بجائے بنیادی انسانی حقوق کو اہمیت دیتے اور پارلیمنٹ کو بالادست ادارہ تسلیم کرتے تو کیمونزم شائد ناکامی سے دوچار نہ ہوتا۔

اب ہم ایک نئے دور میں ہیں۔ امریکہ نے کرہ ارض کے پولیس مین کا کردار منتخب کر لیا ہے۔ کوئی اسکا سامنا نہیں کر سکتا۔ ویتنام میں وہ اپنی فوج کو آزما چکا، اس وقت سویت یونین دوسری عالمی طاقت تھی، لیکن اب وہ واحد سپر طاقت ہے۔ مگر آسانی سے پیشگوئی کی جا سکتی ہے کہ افغانستان اور عراق میں عسکریت کو ایک بار پھر منہ کی کھانا پڑے گی اور امریکہ کو عسکری بالادستی کی خواہش لے ڈوبے گی۔ اس کے آثار نمودار ہیں، ابتدا سپین کے الیکشن سے ہو چکی۔ پوری دنیا میں لاکھوں نہیں کروڑوں انسان امریکہ کے خلاف سڑکوں پر نکلے ہیں۔

جمہوریت...... میرا دوسرا مذہب

جنرل محمد ایوب خان، جنرل یحییٰ خان اور جنرل محمد ضیاء الحق کا میں ذاتی مخالف نہ تھا۔ جنرل پرویز مشرف سے بھی میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں۔ ممکن ہے کہ ان کا ذاتی کردار مجھ سے ہزار گنا بہتر ہو، وہ مجھ سے زیادہ قابل ہوں، مجھے ان سے ذاتی طور پر کوئی پرخاش نہیں ہے، میرا عقیدہ یہ ہے اور یہ عقیدہ مجھے اسلام نے دیا ہے کہ فرد واحد کی حیثیت پورے معاشرے سے بالاتر نہیں ہوتی۔ پیغمبر اسلام، جنہیں وحی کی رہنمائی حاصل تھی، جنگوں کیلئے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کرتے تھے۔ اور احد میں تو انہوں نے اصحاب کی رائے قبول کر کے اپنی رائے واپس لے لی تھی۔ انسانی معاشرہ کے ارتقا کی بنیاد مشاورت ہے۔ دور جدید میں مشاورت کیلئے پارلیمنٹ بہترین فورم ہے۔ پارلیمنٹ پر ایک فرد کو فوقیت نہیں دی جا سکتی۔

جمہوریت میرا دوسرا مذہب بن چکا ہے، پاکستان کی فوج کو میں نے خون دیا ہے۔ میں تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر فوج کمزور ہو گئی تو ملک خانہ جنگی اور غلامی کا شکار ہو جائے گا۔ خدانخواستہ فوج ختم کر دی گئی تو پھر پاکستان پر کسی دوسرے ملک کی فوج قبضہ کر لے گی اور کسی بھی دوسرے پاکستانی کی طرح میں کبھی نہ چاہوں گا۔ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پاکستانی فوج میری بیٹی کی محافظ ہے، فوج کی وردی میرے وطن کے دفاع اور غیرت کی علامت ہے۔

آج اگر قوم سے سوال کیا جائے کہ اس کی نظر میں فوج کی عزت 12 اکتوبر 99ء کو زیادہ تھی یا آج۔ تو

یقیناً جواب یہی ہوگا کہ فوج کی عزت میں بہت کمی ہوئی ہے۔فوج کی عزت میں کمی کی وجہ میری تقریریں نہیں بلکہ جرنیلوں کی ہوسِ اقتدار ہے۔

سقراط......میرا امام

جناب والا! میں صدقِ دل سے آپکی عدالت پر اعتماد کا اظہار کرتا ہوں۔ ہر چند کہ 56 سال پاکستان کے غریب عوام انصاف سے محروم ہیں، رائج عدالتی نظام انہیں عدل فراہم نہ کرسکا۔ اس لئے عوام کی اکثریت عدالتی نظام پر اعتماد نہیں رکھتی۔ اسی لئے یہ نظام کھوکھلا ہی نہیں، بے معنی بھی ہو چکا۔ بدقسمتی سے ہماری اعلیٰ عدلیہ نے ہر آمر کو نظریہ ضرورت کے تحت قبول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں جمہوری نظام پروان نہ چڑھ سکا۔

دوسری جنگ عظیم میں جب برمنگھم پیلس پر گولے برس رہے تھے اور سارا لنڈن سرنگوں میں سوتا تھا، وزیراعظم چرچل سے اخبار نویسوں نے پوچھا جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟ چرچل نے اخبار نویسوں سے پوچھا کہ کیا برطانیہ کی عدالتوں میں عوام کو انصاف مل رہا ہے؟ صحافیوں نے اثبات میں جواب دیا، اس پر چرچل نے کہا: جب تک عدالتیں انصاف فراہم کرتی رہیں گی برطانیہ کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اگر ہم آج یہ سوال اپنے آپ سے کریں تو شاید ہم سب کے سر ندامت سے جھک جائیں۔

میں نے صدقِ دل سے عدالت پر اعتماد کا اظہار اس لئے کیا کہ میں سقراط کو اس سلسلہ میں اپنا امام مانتا ہوں۔ جب جیلر نے سقراط سے کہا کہ آپ کو موت کی سزا دینے کا فیصلہ غلط ہے۔ آپ فرار ہونا چاہیں تو میں آپ کی مدد کروں گا، آپ کسی دوسرے ملک چلے جائیں۔ سقراط نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ فیصلہ غلط ہے لیکن جس معاشرہ نے مجھے پالا پوسا، مجھے سقراط بنایا، اس کے وہ فیصلے جو میرے حق میں تھے، میں نے قبول کئے، اگر ایک فیصلہ میرے خلاف ہو گیا ہے تو میں راہ فرار اختیار نہ کروں گا۔ سقراط نے زہر کا پیالہ پیا اور امر ہو گیا۔

جناب والا! جیل ٹرائل پر مجھے شدید اعتراض تھا، پھر میں نے اس پر سمجھوتہ کرلیا، قید تنہائی اذیت ناک سزا ہے۔ اس پر مجھے عدالت سے تحفظ کی توقع تھی مگر یہ توقع پوری نہ ہو سکی۔ میں اس پر بھی صابر و شاکر ہوں۔ یہ جیل میرے ملک کی جیل ہے۔ میں ان جیلوں کی مٹی کو اسلئے بوسہ دیتا ہوں کہ میرے وطن کی مٹی ہے۔ یہاں کی قید ایک آزاد ملک کی قید ہے۔ اس کی آزادی کی حفاظت کرنے کیلئے اپنی ذاتی آزادی کی قربانی دینے کا حوصلہ رکھتا ہوں مگر ملک کی آزادی گروی رکھ کر اقتدار کی بھیک مانگنے والوں میں شامل نہیں ہوسکتا۔

رنجِ سفر

جیل کے دروازے پر میری بیمار بیوی اور بیٹیاں ہڈیوں کا گودا جما دینے والی ٹھنڈ اور چلچلاتی دھوپ میں گھنٹوں کھڑی رہتی ہیں۔ جب تک خفیہ ایجنسیوں کے افراد نہ پہنچیں، انہیں انتظار کرنا ہوتا ہے، ان اہلکاروں کی

موجودگی میں باپ بیٹی سے اور بیٹی باپ سے کیا کہہ سکتی ہے۔ میں نے بیٹیوں کو بتا دیا ہے کہ یہ تکالیف آپ کی تربیت کا حصہ ہیں تا کہ آپ کو اندازہ ہو، پوری قوم کو کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ میری بیٹیاں سر جھکائے سنتی رہتی ہیں اور خاموش رہتی ہیں مگر ان کی آنکھوں سے رواں آنسو مجھے سوگوار کرتے ہیں یہ آنسو اگلی ملاقات تک مجھے یاد رہتے ہیں۔ پھر سوچتا ہوں کہ کسی نہ کسی کو تو اس مٹی کا قرض ادا کرنا ہے۔ جب شاعر نے یہ کہا تو ایسی ہی ملاقاتوں کو یاد کیا ہوگا

اپنی تنہائی سے گویا ہوئی پھر رات میری
ہو نہ ہو آج پھر آئی ہے ملاقات میری

جنون......میرا رہبر ہے

جناب والا! میری جنگ اقتدار کی جنگ نہیں۔ میں تین مرتبہ وفاقی وزیر رہا، جب میں نے پہلی مرتبہ وزارت کا حلف اٹھایا تو میری عمر صرف 28 سال تھی۔ اقتدار میں ایک سال سے زیادہ نبھا نہ کر سکا۔ ایک پریس کانفرنس میں وزارت سے مستعفی ہونے کا اعلان کیا، گھر چلا گیا اور جمہوری عمل کا حصہ بن گیا۔ میں ہر دور میں معتوب رہا۔ زندگی میں کبھی شخصی بالادستی کو قبول نہ کیا۔ میں صحرا میں پیدا ہوا تھا، لہٰذا میں سرابوں کو خوب پہچانتا ہوں، اور ان کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ زمینی حقائق اور معروضی حالات میں رہتے ہوئے ملک کے مسائل کا حل چاہتا ہوں۔ میں اس دشت کا مجنوں ہوں اور جنون ہی میرا رہبر ہے، شوق میرا ہمسفر ہے، عشق میری منزل ہے، اس راستے پر چلنے والا کبھی نہیں مرتا۔ سکندر نے دنیا فتح کر لی، مگر چشمہ آبِ حیواں تک نہ پہنچ سکا۔ میں نے ققنس کی طرح اپنی راکھ سے جینا سیکھ لیا ہے

بلھے شاہ اسیں مرنا نئیں گور پیا کوئی ہور

میرا خواب

جناب والا! میں اپنے دار الحزن میں بیٹھ کر عالم بیداری میں خواب دیکھنے کا عادی ہو گیا ہوں، ان خوابوں کی لہریں میرے اندر کے پرسکون سمندر میں ہل چل مچاتی رہتی ہیں اور ایک عالم اضطراب برپا رہتا ہے۔ خواب حقیقت میں ڈھلنا چاہتے ہیں، میں غم ذات کو غم دوراں میں تبدیل کرنے میں لگا دیتا ہوں۔

میں دیکھتا ہوں تیسری دنیا کے مسلمانوں کے خطے وسائل سے مالا مال ہیں۔ مگر عوام کی زبوں حالی ناقابل بیان ہے۔

سنٹرل ایشیاء، ایشیاء کوچک، صحرائے گوبی اور مشرق وسطیٰ میں موجود قدرتی وسائل اگلے پانچ سو سال تک دنیا کے ایندھن کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔ اس لئے استعماری قوتیں یہاں اپنے پنجے گاڑنا چاہتی ہیں اور ہر قسم کی مزاحمت کے امکان کو مٹانا چاہتی ہیں۔ نیوکلیئر پروگرام ان کا پہلا ہدف ہے۔

ان سب خطوں میں ایسے حکمران مسلط ہیں، جن سے عوام نفرت کرتے ہیں۔ بندوق کی نوک اور مغربی طاقتوں سے عوام کو دبا کر رکھتے ہیں کوئی ایک بھی ایسا ملک نہیں جہاں پر عوام کی حکمرانی ہو۔

جناب والا! میں دیکھتا ہوں،

ان علاقوں میں جو قیادتیں ہیں، برطانوی بادشاہت اور روسی کمیونزم کی عنائت ہیں۔

میں دیکھتا ہوں ان قیادتوں نے عوام سے اظہار رائے کی آزادی چھین کر انہیں تابع مہمل بنا دیا ہے، انسان ترقی کا پہیہ رکا ہوا ہے۔ ان کے وسائل عیاشیوں پر برباد ہو رہے ہیں، حکمرانوں کی لوٹی ہوئی دولت سے مغرب کے بینک بھر گئے۔ میکدے آباد ہو گئے مگر ان کے عوام نانِ جویں کو ترس گئے۔ غربت، جہالت اور بیماری ان کا مقدر ٹھہری ہے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ یہ قیادتیں اب لرزہ براندام ہیں۔

میں دیکھتا ہوں، بیت المقدس سے بیت المکرم تک افغانستان سے عراق تک، عوام پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں، اور کوتاہ بین حکمران اپنے لوگوں کی جان و مال کا تحفظ نہ کر سکے۔ ان کوتاہ قد حکمرانوں نے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ یہاں اداروں کو پنپنے نہ دیا۔ جارح قوموں کا سامنا کرنے کے لئے وہ نہتے ہیں، ان کی رہبری کرنے والا کوئی نہیں۔

میں دیکھتا ہوں، حالات کا رخ بدل چکا ہے۔ اپنی مشینی طاقت پر نازاں جارح قومیں فلسطین، افغانستان، کشمیر، عراق اور چیچنیا میں اب مدافعانہ جنگ لڑنے پر مجبور ہیں اور اس دلدل میں دھنستی جا رہی ہیں۔ اتحادیوں نے ان کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا ہے۔ پوری دنیا کے امن پسند عوام سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔ خود اپنی

قوم کے سامنے امریکہ کا رہنما احتساب کا سامنا کر رہا ہے اور عراق پر قبضے کا جواز پیش نہیں کر سکا۔ بہت بڑی روشن مثال چین کے عوام نے قائم کی ہے۔

میں دیکھ سکتا ہوں، ملت اسلامیہ پانچ سو سال تک جہالت اور انتشار کی دبیز تہوں تلے دبے رہنے کے بعد خود آگاہی کے پہلے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ مسلمان اب کسی معجزے کے منتظر نہیں وہ خود اپنے رہبر بن گئے ہیں، وہ شمع آزادی پر پروانوں کی طرح جل رہے ہیں، وہ خود معجزہ برپا کرنا چاہتے ہیں، خود آگاہی نے انہیں ناقابل شکست بنا دیا ہے وہ شعلہ بداماں ہیں۔ انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ

ہر کہ کشتہ نشود از قبیلہ ء ما نیست

اسلام انقلابی مذہب ہے، آمریت اور ملوکیت اسلام کی ضد ہیں۔ آغازِ اسلام میں پوری دنیا پر بادشاہت کا رواج تھا۔ جب کہ اسلامی معاشرے کی سیاسی تشکیل جمہوری خطہ پر ہوئی۔ بالواسطہ طور پر اسلام کے انقلابی فلسفے نے پوری دنیا کو متاثر کیا۔ یورپ تاریک ادوار سے نکل آیا اور اسلامی تہذیب کے اثرات مشرق و مغرب کی تہذیبوں کو اپنے حلقہ اثر میں لے آئے۔

عالم اسلام کے آمروں کے لئے پابندیاں برداشت کرنا مشکل تھا۔ انہوں نے مجبور ہو کر یہ پابندیاں قبول کیں مگر وہ اپنی انسانی کمزوریوں کی وجہ سے طاقت کا منبع بننے کے لئے اسلام کے نظام جمہوریت کی تشریح اپنی مرضی سے کرتے رہے۔ علماء دین کا ایک طبقہ بھی ان کا ہمنوا تھا۔ جمہور کی ترجمانی کرنے کے لئے بھی علماء حق موجود تھے۔ ملوکیت کے ناجائز قبضے کے باوجود اسلام کی روح برقرار رہی۔ اسلامی معاشرہ کی تشکیل ایسی ہے کہ ملوکیت اسلام کے ترقی پسند افکار کو فنا نہ کر سکی۔ آمروں کو ہر دور میں حق پرستوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

میں دیکھتا ہوں، کرہ ارض پر تمدنی ارتقاء کے باوجود نہ قوموں میں دولت کی تقسیم منصفانہ طریقے سے ہو سکی ہے اور نہ انسان خیر کثیر حاصل کر سکا۔ اس وقت کرہ ارض تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی زد میں ہے اور انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہے۔ کمزور قوموں کی حیثیت پرانے دور کے غلاموں سے بدتر ہے۔ ان کے وسائل پر قبضہ کر لیا جاتا ہے، لیکن امید کا ایک چراغ بھی روشن ہے کہ علم و حکمت کے فروغ اور مواصلاتی نظام کی آسانیوں نے انسان کو آگہی عطا کی ہے۔ اس آگہی سے خود شناسی پھوٹ سکتی ہے۔

میں دیکھتا ہوں، جن حکمرانوں نے انہیں دوسرے درجے کا شہری قرار دیا ہوا تھا خود امریکہ اور برطانیہ کی یلغار کی زد میں ہیں۔

میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ ان حکمرانوں کے خاتمے کے ساتھ ہی عالم اسلام کا روشن چہرہ ابھر رہا ہے، اب وہ نحیف و نزار انسانوں کے ہجوم نہیں ہیں جو پہلے روس برطانیہ اور امریکہ سے اپنے ملکوں میں اقتدار کی بھیک مانگنے اور اپنی قوم کو قرضے کے بوجھ تلے دبا کر استعماری قوتوں کی معاشی غلامی میں دے دیتے تھے۔ اب انہیں آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر اپنے دفاع کرنے والے مسلمانوں کا سامنا ہے، جنہوں نے اپنے نظریات کے ساتھ ساتھ اپنے وسائل کا بھی دفاع کرنا ہے اور اپنے نظریات اور وسائل کی برکات سے پوری دنیا کو بہرہ مند کرنا ہے۔ صدیوں کا سفر اب لمحوں میں طے ہو رہا ہے۔ انہیں اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ جہاں جمہوریت ہے، ووٹ دینے کی آزادی ہے، وہاں کے لاکھوں لوگ ان مظلوم مسلمانوں کی حمایت میں اپنی حکومتوں کی پالیسیوں کی مزاحمت کر رہے ہیں جبکہ خود مسلمان جمہور بے کسی اور مجبوری کی تصویر بنے ہیں۔ اپنی آزادی کی حفاظت نہیں کر سکتے، نہ رائے عامہ کو منظم کرنے کے لئے ان کے پاس ذرائع ہیں۔ اس لئے جمہوریت اور آزادی اظہار کی اہمیت آشکار ہو رہی ہے۔

میں دیکھتا ہوں، نئی دنیا کا سورج اُبھر رہا ہے۔ یہ انقلاب مرحلہ وار آئے گا۔ پہلے مرحلے کے اس تغیر وتبدل کے دور میں چین اور مسلمان ممالک جنوبی امریکہ کے ممالک اور افریقہ اتحادی بن کر سامنے آرہے ہیں۔ جنوب مغربی یورپ اس اتحاد سے قربت کو ترجیح دے گا۔ روس اور مشرقی یورپ بھی زیادہ عرصہ تک اپنے آپ کو لاتعلق نہ رکھ سکے گا۔ اسرائیل، امریکہ، برطانیہ ایک کشتی کے سوار ہوں گے۔ دنیا کی پسی ہوئی قومیں ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوں گی۔ امریکہ کی جکڑ بندیاں خود اس کے عوام کے لئے سوہانِ روح بن جائیں گی اور امریکہ کے اندر آزادی کی لہر اٹھے گی۔

جب میں آزادی کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے میری مراد ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ انسان پر انسان کی بالادستی کا خاتمہ، استحصالی نظام کی تباہی، وسائل کی مساوی تقسیم کے نظام کا احیاء، انسان کی آزادی فکر کو جس طرح فرد واحد کی بالادستی قبول نہیں اسی طرح ملکِ واحد کی بالادستی بھی قابل قبول نہیں ہے۔ میں مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو دیکھتا ہوں۔

اُس کی شعاعیں میرے دارالحزن کو ضو فشاں کر دیتی ہیں

میں دیکھتا ہوں، نئے نظام میں عسکریت اقتدارِ اعلیٰ کے ماتحت ہوگی اور اقتدارِ اعلیٰ عوام کی رائے کے ترجمانوں کے پاس ہوگا۔ نیا معاشی نظام قائم ہوگا جو استحصال سے پاک ہوگا۔ نئے نظام کا آغاز ہو چکا ہے اور اس کی زمامِ کار یقیناً انہی ہاتھوں میں ہوگی جن کا نقدِ جاں ہی ان کا سامان سفر ہے۔ روپ بہروپ بھرنے والی بہت سی قیادتیں صفحہ ہستی سے مٹ رہی ہیں۔ انکے جبّہ و دستار پر برے وقت کی پرچھائیں پڑ چکی۔ یہ "بے داغ" عبائیں اتریں گی تو آستینوں سے خونِ ناحق ٹپک پڑے گا، کمین گاہوں میں چھپے دوستوں کے تیر ترکش سمیت باہر نکل آئیں گے۔

دنیا کا نیا نقشہ اور جنوبی امریکہ

دنیا اب مشرق اور مغرب کی بجائے شمال اور جنوب میں تقسیم ہوگئی ہے۔ امریکہ، کینیڈا، شمالی یورپ اور روس کے تمام شمالی علاقے یکجا ہوتے نظر آتے ہیں، جب کہ جنوبی یورپ، جنوبی امریکہ، افریقہ اور ایشیا، چند ایک

مستثنیات کے علاوہ دوسری طرف ! شمال سے شمال (South to south) اور جنوب سے جنوب تک (North to North)۔ کا نیا نقشہ ابھر رہا ہے۔

اس تقسیم کی بنیاد ثقافت اور مذہب نہیں۔ معیشت اس میں بہت بڑا عنصر ہے لیکن بڑی وجہ شمالی دنیا کا استحصالی نظام، عالمی سطح پر محکومی کا احساس اور اپنے حکمرانوں سے بے زاری ہے۔

ان علاقوں کے عوام سمجھتے ہیں کہ دنیا کے شمال میں سینکڑوں سال سے جمہوریت کی وجہ سے انتقال اقتدار کا پر امن راستہ موجود ہونے کی وجہ سے ان کی معیشت مضبوط رہی ہے، اس لیے وہ جمہوریت اور اداروں کی مضبوطی کے ثمرات سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہیں۔ شمالی دنیا اس سوچ سے خوف زدہ ہے انہیں یہ راز معلوم ہے کہ ان علاقوں میں ادارے مضبوط ہو گئے تو جنوبی دنیا پر ان کی گرفت کمزور ہو جائے گی۔ فرد واحد کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا اور اس علاقہ کے وسائل پر قابض ہونا آسان ہے۔

اس مرحلے پر پہنچ کر شمالی قومیں بے نقاب ہو جاتی ہیں، نہ وہ اقوام متحدہ کا بھرم قائم رہنے دیتے ہیں اور نہ ترقی یافتہ قوم ہونے کا، بلکہ ان کا وجود ایک ظالم سامراج میں ڈھل جاتا ہے۔ اپنے مفادات پر وہ تمام انسانی قدروں کو قربان کر دیتے ہیں۔

انسان کی ترقی یافتہ اور مہذب تصویر ایک کالی بھجنگ دیوی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ان کی جمہوریت کے دعوے، یونیورسٹیوں کی تعلیم، چاند اور مریخ کی تسخیر، سب کچھ مذاق سا بن جاتا ہے۔ اپنے لئے جمہوری حکومت پسند کرنے والے دوسروں پر آمرانہ حکومتیں مسلط کرتے ہیں۔ وہ جمہوری حکومت کو کچلنے والوں کے محافظ اور سرپرست بن جاتے ہیں۔ اس بنیادی تضاد کی وجہ سے شمالی دنیا کی مالی امداد ہتھیاروں کی فراہمی، دفاعی معاہدے، سب دجل و فریب بن جاتے ہیں اور دو دنیاؤں میں خلیج بڑھ جاتی ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں، شمالی دنیا پر عدم اعتماد بڑھتا جا رہا ہے جب شمالی دنیا کبھی تہذیبوں کے تصادم Clash (of Civilizations) کا نعرہ لگاتی ہے اور جمہوریت کے فروغ کی بات کرتی ہے یا صلیبی جنگ کی بات بے اختیار منہ سے نکل جاتی ہے۔ جب اعتماد اٹھ جاتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت شکوک و شبہات کی خلیج کو پاٹ نہیں کر سکتی۔ یہ بد اعتمادی ایک دن کی نہیں ہے، صدیوں کے عمل سے وجود میں آئی ہے۔ پہلے صرف مسلمان اس کا شکار تھے لیکن اب دنیا کی تمام کچلی ہوئی قومیں ان کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑی ہیں۔ شمالی دنیا کو سب سے بڑا دھچکا یہ لگا ہے کہ محکوم قومیں ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے لگی ہیں، علاقائی فورم وجود میں آنے لگے ہیں۔

نئی پہل (New Begning) جنوبی امریکہ نے کی۔ انہوں نے بتدریج علاقائی ترقی، علاقائی بینکاری، علاقائی دفاعی معاہدوں کے ذریعے یک جہتی کا اعلان کیا۔ امریکہ نے خوفزدہ ہو کر وہاں مختلف حیلوں سے سیاسی انتشار پھیلایا۔ کرپٹ قیادتوں کو مسلط کیا اور ان کی سرپرستی کی مگر تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں۔ الٹا ان

27 ملکوں میں امریکہ سے نفرت گہری ہوتی گئی اور مقامی تنظیموں نے جنوبی امریکہ کے تمام ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا، جہاں امریکہ کے لئے مڈل ایسٹ سے بڑا بحران جنم لے چکا ہے۔ یہ خطہ بھی قدرتی وسائل اور تیل کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود غربت کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ جنوبی ایشیاء میں امریکہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے چین کے گرد حصار باندھنے کی کوشش کر رہا ہے مگر حالات بتا رہے ہیں کہ یہ ایک سعی لاحاصل ہے جنوبی ایشیا میں ایک دوسرے کے قریب ہونے کی خواہش شدید ہو چکی۔

شخصیت پرستی کی بجائے نظریہ کی فتح

اقوام متحدہ کے ادارے میں نئی روح پھونکنے کیلئے اس کی تنظیم میں بنیادی تبدیلیاں ضروری ہیں۔ ویٹو کا حق ختم کرنا ہوگا۔ فیصلوں کو پذیرائی اُسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب وہ سادہ اکثریت سے کیے جائیں۔ میں اقوام متحدہ کے ادارے پر جمہوریت کے غلبے اور اکثریت کی بالادستی کو دیکھ رہا ہوں۔ دنیا میں جتنی تہذیبیں مٹی ہیں وہ اپنے اندرونی کھوکھلے پن کی وجہ سے مٹی ہیں۔ بیرونی حملہ آوروں کا بھی اس میں حصہ رہا ہے لیکن، درحقیقت، وہ باطنی کمزوری سے فنا ہوئیں۔ موجودہ تہذیب لوٹ کھسوٹ کی تہذیب بن گئی ہے۔ اس کا مٹ جانا مقدر ہے، یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ کسی معاشرے نے استعماری اور سامراج کو قبول نہیں کیا۔ صدیوں سے قابض رہنے والی قومیں، جن کے مقاصد مال غنیمت اور کشور کشائی تھے، قوموں کے ضمیر کو بدل نہیں سکیں۔ کیونکہ عوام اور حکمرانوں کا رشتہ غلامی کا رشتہ تھا، آج کی مغربی تہذیب نے غلام بنانے کے جدید اور مختلف طریقے اپنائے ہیں۔ پانچ سو سال تک پوری دنیا کو تاراج کیا، مگر اب اثرات سمٹ رہے ہیں اور سامراجیت کے چہرے سے نقاب اٹھ چکا۔

صرف اسلام ایک استثنا ہے کہ جہاں بھی پہنچا غلام اور آقا ایک ہوگئے۔ ان کی دنیا بھی ایک ہوگئی اور آخرت بھی۔ سوائے ہسپانیہ کے، اسلام کا رابطہ دنیا کے جس حصے سے ہوا، اسلام کی تعلیمات ان کی روح تک چلی گئیں۔ دوسرے فاتحین جہاں بھی گئے سینکڑوں سال تک قبضہ اور حکمرانی کے باوجود لوگوں کے دلوں کو فتح نہ کر سکے مقامی نسلوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا پڑا اور جو بچ گئیں انہوں نے اپنے حکمرانوں کے نظریہ حیات کو قبول نہ کیا۔

اسلام مستقبل کا نظریہ ہے۔ اسلام واحد نظریہ حیات ہے جہاں اس کا رابطہ ہوا، وہ دیس اسی کا ہوگیا۔ بہت سارے ملک تجارتی رابطوں کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔ دنیا نے چنگیز و ہلاکو کی یورش کا سامنا کیا۔ کیمونزم مسلط ہوا، ہندوازم نے وار کئے، مگر بداعمال مسلمان حاکموں نے زیادہ نقصان پہنچایا، لیکن، چونکہ نظریہ مضبوط تھا اس کی سخت جانی نے دیئے کو بجھنے نہ دیا۔

جہاں مقصد صرف حکمرانی اور لوٹ کھسوٹ ہو اور خواہش، انسان پر انسان کی بالادستی ہو، وہ تہذیبیں مٹ جاتی ہیں، منگولوں نے پوری دنیا کو تاراج کیا، آج ان کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ ان سے ڈرنے والی چینی قوم نے منگولوں کے خوف سے ہزاروں میل لمبی دیوار بنائی، وہ دیوار ان کی حفاظت نہ کرسکی مگر آج ایک نظریہ رکھنے کی وجہ سے پوری دنیا چین سے خوف زدہ ہے۔ فرعون انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ بلند کرتا تھا۔ اس نے اپنے جادوگروں سے کہا: تم نے موسیٰ اور اس کے خدا پر ایمان لانے سے پہلے میرے حکم کا انتظار کیوں نہیں کیا۔ اُن کے

بازو اُکھاڑ دیئے اور بعد میں انہیں قتل کر دیا۔ اہرام مصر دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ابدی زیست کی آرزو میں اپنی لاشوں کو حنوط کر کے اپنے آپ کو "زندہ" رکھنے والے فرعون، دنیا کے لئے عبرت کا نشان بن گئے، لاکھوں غلام اہرامِ مصر کی تعمیر میں پتھروں کے نیچے دفن ہو گئے۔ ظالم اور مظلوم ایک ہی مٹی تلے سوئے ہوئے ہیں، مگر غلاموں سے ہمدردی کی لہر سینوں میں تڑپتی ہے اور فرعونوں کے خلاف نفرت کی۔

بابل و نینوا کی تہذیبوں کے آثار موجود ہیں۔ مدائن میں آج بھی پہاڑوں کو چیر کر بننے والے محلات موجود ہیں، جن کو دیکھ کر دل پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ ایران سے اردن تک پورے بلادِ شام میں انسان کی طاقت کے مظاہر موجود ہیں، مگر کوئی نظریہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ سب لہو ولعب تھا جو مٹ چکا۔ دنیا کو آنے والی نسلوں کا محفوظ مقام بنانے کیلئے دوسروں پر بالادستی کی خواہش کو کچلنا ہوگا۔ اس جہالت نے دنیا کو وحشت اور غیر محفوظ بنا رکھا ہے۔

عرب کے ریگ زار میں چار ہزار سال قبل ایک کوٹھے کی تعمیر ہوئی۔ ایک باپ بیٹے نے مٹی اور پتھر سے ایک چوکور کمرہ بنا ڈالا۔ قربانی، تسلیم اور عبادت کا مظہر۔ اپنے رب کے حکم پر بننے والا یہ گھر ہزاروں برس سے مرجع خلائق ہے، جس کی روشنی سے پوری دنیا منور ہے۔

جنوبی امریکہ کے لوگوں نے گھوڑا نہیں دیکھا تھا۔ یورپی فاتحین کے گھوڑوں کو دیکھ کر وہ سربسجود ہو گئے انہیں دیوتا سمجھ لیا۔ ایک لاکھ کے لشکر کو شکست دینے کے لئے دس گھڑ سوار کافی تھے، وہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹ گئی جس کے پاس کوئی نظریہ نہیں ہے۔

میں "فرقہ ملامتیہ" سے تعلق نہیں رکھتا لیکن حقیقت کو چھپانا بھی بزدلی ہے ہسپانیہ میں عرب اور بربر کا فرق نہ صرف نسل پرستی کا عروج تھا بلکہ مسلمانوں کے زوال کو کافی ہو گیا کیونکہ یہ سوچ خطبہ عرفات کے منافی تھی۔ سرکارِ دو جہاںؐ نے کالے اور گورے کی تفریق کو مٹا دیا تھا۔ اسلام، انقلابی مذہب اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ حضور ﷺ نے شخصیت پرستی کی بجائے انسانوں کو ایک بلند تر مقصد کی طرف پکارا تھا، حتیٰ کہ اپنی ذات ستودہ صفات کو پیچھے کر دیا۔ یہ ایسا مذہب ہے، جس کی تاریخ کا آغاز بھی آپ کی ولادت باسعادت کی بجائے ہجرت سے ہوتا ہے۔ مذہب کا نام بھی محمدیت کی بجائے اسلام رکھا۔

انسان کی تعظیم اور تکریم کے لئے فرمایا "کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے"۔ ایک انسان کی زندگی بچانا پوری انسانیت کو بچانا ہے۔

عیسائیت، حضرت عیسیٰ کے نام سے معنون ہے۔ یہودیت ایک نسل یعنی حضرت یعقوب کی اولاد کا نام ہے۔ زرتشت مذہب اس کے بانی زرتشت کے نام پر ہے۔ ہندومت یعنی ہندوستان کا علاقائی مذہب اور بدھ مت گوتم بدھ کے نام پر ہے۔ اسی طرح عبادت گاہوں میں بلانے کے لئے دنیا کے دیگر مذاہب موسیقی پہ انحصار کرتے

ہیں، جب کہ اسلام بامعنی انسانی آواز میں عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ اذان کے ذریعے۔ ایک مہذب اور فکری معاشرے کی تشکیل، جہاں پر کوئی الٰہ نہیں یعنی کوئی بادشاہ نہیں، یہاں سب برابر ہیں۔ اِلٰہ صرف اللہ ہے، محمدؐ اس کے فرستادہ ہیں، رسول ہیں، اس سے بڑا انقلابی نظام اس روئے زمین پر کوئی نہیں اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔

مشہور "مستشرق گبن نے کہا ہے کہ پیغمبر اسلام اور اس کے جانشینوں کی حکومت ایک مکمل جمہوریت تھی۔ اسلام نے بادشاہ کے اقتدار اور شخصیت سے انکار کیا ہے، صرف خلیفہ یعنی نائب کا وجود گوارا تھا، جس کے معنی نیابت کے ہیں۔ اسلام میں اقتدار محض نیابت ہے۔ حکمران اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ قرآن میں شورائیت کی تلقین ہے، یعنی جو کام کیا جائے جماعت کے مشورے سے کیا جائے، شخصی رائے پر نہیں۔ اس سے زیادہ صحیح نام جمہوری نظام کے لئے نہیں ہو سکتا"۔

سرچشمہ ہدایت

اسلام کے پیغمبر عظیم حضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو اور آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ قیامت تک پوری دنیا کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے۔ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو کچھ ارشاد فرمایا وہ صرف اہل اسلام ہی کے لئے مینارہ نور نہیں، پوری انسانیت کے لئے نجات کا منشور ہے۔ آپ نے جبل رحمت پر کھڑے ہو پوری انسانیت سے کہا۔

"اے لوگو! میری بات غور سے سنو! کیوں کہ اس سال کے بعد شاید اس جگہ تم سے مل نہ سکوں۔ بے شک تمہارا رب ایک ہے اور جد اعلیٰ ایک ہے۔ سب انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صرف وہی معزز ترین ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ برتری صرف تقویٰ کے سبب ہے۔

اے لوگو! قیامت تک کے لئے تمہاری جانیں اور تمہارا مال ایک دوسرے کے لئے اسی طرح محترم ہے۔ جس طرح یہ دن اور یہ مہینہ محترم ہے۔ کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں، جب تک وہ خود اپنی خوشی سے نہ دے۔ جس کسی کے پاس دوسرے کی امانت ہو وہ اس کے مالک کے حوالے کر دے۔

عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے۔ وہ تم سے تمہارے اعمال کی جواب وہی کرے گا۔ ہر کوئی اپنے عمال کا خود ذمہ دار ہو گا۔ باپ کے جرم کا ذمہ بیٹے پر یا بیٹے کے جرم کا ذمہ باپ پر عائد نہیں ہو گا۔ آج سے ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے۔ تم صرف اصل رقم کے حق دار ہو۔ تم کسی پر ظلم نہ کرو اور نہ تم

پر ظلم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سود کو ختم کر دیا جائے۔ عباسؓ بن عبدالمطلب کے جو سود دوسروں کے ذمہ واجب ہے وہ سب سے پہلے ختم کیا جاتا ہے۔

سنو! جس قدر خون زمانہ جاہلیت کے تھے سب ختم کئے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔

یاد رکھو: اپنی ماں کا حق ادا کرو، باپ کا حق ادا کرو، بھائی کا حق ادا کرو۔ اس کے بعد درجہ بہ درجہ رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔ میں تمہیں پڑوسی سے حسن سلوک کی تاکید کرتا ہوں۔

اے لوگو! تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے۔

اپنے غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ۔

لوگو۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اس کو ناحق نہ مارو، زنا نہ کرو اور چوری سے باز رہو۔

اگر تم پر سیاہ فام نک کٹا غلام بھی امیر بنایا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق حکم چلائے تو اس کی اطاعت کرو۔

اے لوگو! میری باتیں غور سے سنو۔ میں نے خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے اور تم لوگوں تک پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہیں کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت"۔

آپؐ کے صحابہ بھی اس نظام فکر کے پروردہ تھے اور اُن کے قلب و نظر میں وہی روشنی رہی تھی۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وہ الفاظ جو آپ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد پہلے خطبے میں کہے۔ اب تک کے حکمرانوں کے لئے تاریکی کے چراغ ہیں فرمایا:۔

"میں تمہارا سردار بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، پس اگر میں نیک کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ میری مدد کرو اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں تو فرض ہے کہ تم مجھ کو سیدھے راستہ پر قائم کر دو۔ راستی و راست گفتاری امانت ہے اور دروغ گوئی خیانت۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ جب تک کہ میں اُس کا حق نہ دلوا دوں۔ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے، جب تک کہ میں اُس سے حق نہ لے لوں۔ جب تک میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو۔ جب میں اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم میرا ساتھ چھوڑ دو۔ کیونکہ پھر تم پر میری اطاعت فرض نہیں۔"

حضرت علیؓ نے مختلف ولایتوں میں جو عامل مقرر کئے ان کی رہنمائی کے لئے فرمان بھی جاری کئے۔ وہ

پوری دنیا کو رہنمائی کا پیغام دیتے ہیں۔ حاکم مصر مالک بن اشتر کے نام ان کا خط تاریخ میں دائم تک زندہ رہے گا۔

"رعایا کے لئے اپنے دل کے اندر رحم و رافت اور لطف و محبت کو جگہ دو۔ ان کے لئے پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جاؤ۔ کہ انہیں نگل جانا غنیمت سمجھو۔ اس لئے کہ رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں، ایک تو تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہارے جیسی مخلوق خدا۔ ان کی لغزشیں بھی ہوں گی۔ خطاؤں کا ارتکاب بھی وہ کریں گے اور ان کے ہاتھوں جان بوجھ کر یا بھولے چوکے سے غلطیاں بھی ہوں گی۔ تم عفو و درگزر سے کام لینا۔

خبردار! اللہ سے مقابلہ کے لئے نہ اترنا۔ اس لئے کہ اس کے غضب کے سامنے تم بے بس ہو اور اس کے عفو و رحمت سے تم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ تمہیں کسی کو معاف کر دینے پر پچھتانا اور سزا دینے پر اترانا نہ چاہیے۔ غصہ میں جلد بازی سے کام نہ لو جبکہ اس کے ٹال دینے کی گنجائش ہو،

خبردار! کبھی اللہ کے ساتھ اس کی عظمت میں نہ ٹکراؤ اور اس کی شان و جبروت سے ملنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اللہ ہر جبار اور سرکش کو نیچا دکھاتا ہے اور ہر مغرور کے سر کو جھکا دیتا ہے۔

اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے خاص عزیزوں اور رعایا میں سے اپنے دل پسند افراد کے معاملے میں حقوق اللہ اور حقوق الناس کے متعلق بھی انصاف کرنا کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ظالم ٹھہرو گے اور جو خُدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو بندوں کے بجائے اللہ اس کا حریف و دشمن بن جاتا ہے۔

تمہیں سب طریقوں سے زیادہ وہ طریقہ پسند ہونا چاہئے، جو حق کے اعتبار سے بہترین انصاف کے لحاظ سے سب کو شامل اور رعایا کے زیادہ سے زیادہ افراد کی مرضی کے مطابق ہو کیونکہ عوام کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر بنا دیتی ہے اور خواص کی ناراضگی عوام کی رضامندی کے ہوتے ہوئے نظر انداز کی جا سکتی ہے اور یہ یاد رکھو! کہ رعیت میں خواص سے زیادہ کوئی ایسا نہیں کہ جو خوشحالی کے وقت حاکم پر بوجھ بننے والا، مصیبت کے وقت امداد سے کترا جانے والا، انصاف پر ناک بھوں چڑھانے والا، طلب و سوال کے موقع پر پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جانے والا، بخشش پر کم شکر گزار ہونے والا، محروم کر دیئے جانے پر بمشکل عذر سننے والا اور زمانہ کی ابتلاؤں پر بے صبری دکھانے والا ہو۔

دین کا مضبوط سہارا، مسلمانوں کی قوت اور دشمن کے مقابلہ میں سامان دفاع امت کے عوام ہوتے ہیں۔ لہذا تمہاری پوری توجہ اور تمہارا پورا رخ انہی کی جانب ہونا چاہئے۔

خاموش انقلاب

جناب والا! میں سمجھتا ہوں فاران کی چوٹیوں سے اُبھرنے والی روشنی نے کرہ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور وہ لوگ بھی اس روشنی سے فیض یاب ہو رہے ہیں جنہوں نے خواہ اسلام کا نام بھی نہ سنا ہو۔ اس حقیقت کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ مدینہ کی ریاست میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ یہ بہت بڑا خاموش انقلاب تھا۔ حکمران کو چیلنج کرنے

کا ہر فرد کو اختیار تھا اور یہ اختیار غلام آقا، دونوں کو حاصل تھا۔ غلام کی رائے اور آقا کی رائے ایک جیسی اہمیت کی حامل تھی۔ صرف سچا ہونا ضروری تھا۔ نائب یا خلیفہ عوام کے سامنے جوابدہ تھا۔ 29 سال تک خلیفہ کا بیٹا خلیفہ نہیں بنا اور موروثیت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بعد میں جو کچھ تھا کوئی مسلمان اسے خلافت راشدہ نہیں کہتا۔ اسلام کی روح کے منافی تھا۔ شروع میں مدینہ ایک سٹی سٹیٹ تھا۔ شہر کے اندر فیصلے ہوتے تھے، ووٹ کا حق ہر فرد کو حاصل تھا۔

اس نظریے نے بادشاہوں کی مطلق العنانیت کو غاصبانہ قرار دے دیا اور شہنشاہیت کے خاتمے کے بیج بوئے۔ صدیوں کے سفر میں شہنشائیت کو پہلی مرتبہ اپنا جواز پیش کرنے کی ضرورت درپیش تھی۔ مسلمان بادشاہوں نے اپنے آپ کو ادھورا سمجھنا شروع کیا۔ شورائیت کا نظام رائج کیا۔ ملت اسلامیہ نے ہر ایک کو خلاف راشدہ کے معیار پر پرکھا اور رد کر دیا، سوائے چند مستثنیات کے۔ اس انقلاب کے اثرات مغرب پر بھی پڑے۔ مسلمان فلسفیوں نے یورپ کے تاریک دور کے معاشرے کو اسلامی کے زریں اصولوں سے روشناس کروایا، جس کا اعتراف یورپ کے بہت سے قابل مفکرین نے کیا ہے۔ اصولوں کی روشنی میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، اس سے اہل یورپ پر ترقی اور تحقیق کے دروازے کھل گئے۔ مسلمان فلسفیوں کے علم کی روشنی کی وہاں دھاک پہنچی، جہاں اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ مسلمان معاشرہ قبائلیت اور بدویت سے اُٹھا تھا، اسے اپنی منزل آسمانوں میں نظر آتی تھی۔ لیکن بتدریج اس کے رہنماء چند کلیوں پر قناعت کر گئے۔ انہوں نے ابتدائی مراحل کو منزل سمجھ لیا۔ رفتہ رفتہ ساری توجہ نئی فتوحات، وسائل کی ریل پیل اور دوسری اقوام پر بالادستی حاصل کرنے پر مرکوز ہوگئی اور ان کامیابیوں کو زیر اطاعت لوگوں کی آزادی کو سلب کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ عام لوگوں نے بھی کسی حد تک حالات سے سمجھوتا کر لیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جہالت کی منزل سے گزر کر وہ حاملین کتاب ہوگئے۔ یہ کیا کم ہے کہ چند صدیوں کے بعد تحقیق کا دائرہ مذہبی مباحث پر آ کر رک گیا۔ اب درباروں میں ژولیدہ فکری کا راج تھا اور اسلام کو عبادات کا دین سمجھ لیا گیا۔

اسلام کے عزائم توسیع پسندانہ ہرگز نہیں تھے، بلکہ اس کا مقصد انسان کو انسان کی خدائی سے نجات دلا کر نئے معاشرے کی تشکیل تھا۔ حضرت عمرؓ نے ابتدائی فتوحات کے بعد کہا تھا کہ کاش کوئی ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کی دیوار کھڑی کر دے۔ اُنہوں نے مال غنیمت کے ڈھیر دیکھ کر کہا تھا: یہ زوال کی نشانیاں ہیں۔

اسلامی غلبہ کا مقصد دنیا پر مسلمانوں کی حکمرانی ہرگز نہ تھا۔ اسلام کا یہ محدود بلکہ مسخ شدہ تصور ہے۔ مسلمان مفکرین نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ امام غزالیؒ، ابن تیمیہ، الکندی، رازی، بوعلی سینا، ابو اسحاق، ابن خلدون، ابن رشد، ابوالہیثم اور مولانا روم نے مختلف زاویوں سے دانش گاہ افرنگ کو منور کیا۔

مغرب کی ناکامی کا سبب

گذشتہ پانچ سو سالوں میں اہل کلیسا نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ ان کی ایجادات نے انسان کو ورطہ

حیرت میں ڈال دیا۔ انہوں نے معاشرتی رویوں میں تبدیلی کی۔ سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوا کہ پرامن انتقال اقتدار کا طریقہ تلاش کرلیا۔ برطانیہ میں چار سو سال پہلے پارلیمنٹ نے عوام کو یہ اختیار دیا۔ "No Taxation without Representation" اگر عوام کو نمائندگی نہ ملی تو وہ ٹیکس ادا نہیں کریں گے۔ اظہار رائے کی آزادی پر قدغنیں ختم ہوئیں، عوام کی فلاح حکومت کا بنیادی مقصد ٹھہرا۔ مساوات کا دور شروع ہوگیا مگر جیسا کہ سب جانتے ہیں، محکوم قومیں اس انقلاب کے ثمرات سے بہرہ مند نہ ہوسکیں۔

غلام سرزمینیں آقاؤں کی لوٹ کھسوٹ کی آماج گاہ تھیں۔ طاقتور قومیں نوآبادیاتی نظام پر یقین رکھتی تھیں، یعنی کوئی واضح نظریہ حیات ان کے پیش نظر نہ تھا۔ جلب زر اُن کی منزل تھا۔ دنیا کے وسائل کو اپنے کنٹرول میں لینے کی دوڑ نے بالآخر دنیا کو ہولناک جنگوں سے دوچار کردیا۔

یہ جنگیں نہ مذہبی تھیں، نہ صلیبی، نہ رنگ ونسل کی برتری، نہ علاقائیت کی برتری کے لئے۔ یہ توسیع پسندانہ عزائم، انسان پر انسان کی بالادستی اور دوسروں کو غلام بنا کر اُنکے معاشی مسائل پر قبضے کی لئے لڑی گئیں وگرنہ ان جنگوں میں زیادہ تر یورپی اقوام تباہ ہوئیں، جو سفید نسل سے تعلق رکھتی تھی، سب کا مذہب عیسائیت تھا اور ایک ہی براعظم سے ان سب کا تعلق تھا۔

آج یہ تمام اقوام یورپی برادری کے طور پر متحد ہوچکی ہیں۔ یورپی پارلیمنٹ موجود ہے اور ایک کرنسی اُنکی معیشت کی بنیاد ہے۔ صرف پچاس ساٹھ سال پہلے ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ان اقوام سے کوئی پوچھے کہ لاکھوں انسانوں کے خاتمے اور املاک کی تباہی کا کیا جواز تھا تو شاید وہ اس کے سوا جواب نہ دے سکیں، کہ ان کے حکمران عظیم الشان حماقتوں کے مرتکب ہوئے۔

ان قوموں کا وحشیانہ پن کھل کر سامنے آ گیا۔ ان کے مہذب ظاہری رویے وحشیانہ تصنع کی چادر تھے۔ یہ چادر پھٹ گئی اور ان کی تہذیبی اصلیت آشکار ہوتی گئی۔ اس ٹکراؤ سے غلام قوموں پر ان کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔ دنیا میں جب بھی جبر کی گرفت ڈھیلی ہوئی، آمریت کا خاتمہ ہوا، چنگیزیت دفن ہوئی تو اسلام نئی آب وتاب کے ساتھ روشن ہوجاتا ہے۔ جہالت کا خاتمہ ہوتو اسلام کی سچائی آشکار ہونے لگتی ہے۔ پانچ سو سال بعد سپین میں یورپ کی سب سے بڑی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور گذشتہ ایک عشرے کے دوران ان کے لگ بھگ 80 ہزار شہری مسلمان ہوچکے ہیں۔ یہ بہت سخت جان نظریہ حیات ہے۔

اس صدی کا معجزہ، مضبوط نظریہ، بے مثل جغرافیہ

جناب والا: میں یوٹوپیا (Utopia) میں نہیں بلکہ حقائق کی دنیا میں رہتا ہوں، اپنے ماضی کو نہیں بھولتا اپنے حال سے باخبر ہوں اور نوع انسانی کے مستقبل کو بہتر بنانے کی جدوجہد کا حصہ ہوں۔ دنیا کا جو نقشہ ابھر رہا ہے اس میں نظریاتی اور جغرافیائی طور پر پاکستان کا قائدانہ کردار Leading Role ہے۔ ہم نئی دنیا کے معمار

(Archetects) میں سے ہیں۔ دنیا میں یہ واحد ملک ہے، جس کی بنیاد نظریہ پر رکھی گئی ہے۔ اسرائیل دوسرا ملک ہے مگر وہ نسلی بنیاد پر بنایا گیا۔ اس میں یہودی نسل کے سوا کسی کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ دنیا کے دوسرے ممالک بھی زیادہ تر نسلی یا جغرافیائی وحدتیں ہیں۔ صرف پاکستان ایک ایسا ملک ہے، جس کی بنیاد ایک سچے اور کھرے نظریے نے فراہم کی ہے۔

پاکستان اس صدی کا معجزہ ہے، قائداعظمؒ نے جس قائدانہ صلاحیت سے مسلمانان پاک و ہند کا مقدمہ لڑا ہے تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بے سروسامانی کی حالت میں معاشی طور پر مفلوک الحال مسلمانوں کو دوہری غلامی سے نجات دلانے کا تصور آسان نہ تھا، اس لئے اکثر مذہبی رہنما کہتے تھے کہ پہلے ہندو کے ساتھ مل کر انگریز سے آزادی حاصل کریں گے اور اس کے بعد مستقبل کے امکانات دیکھیں گے۔ مجھے ان رہنماؤں کی نیت پر شک نہیں۔ وہ مسلمان رہنما جنہوں نے ساری زندگی جیلوں میں کاٹی، مگر برطانوی سامراج کے سامنے سر نہ جھکایا، لائق تحسین ہیں، لیکن قائداعظمؒ کی مستقبل بینی اور جرأت نے دوہری غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوم کو ملت اسلامیہ کی سب سے بڑی قوم بنا دیا۔ اقبال نے کہا ہے۔

لاکھ حکیم سربجیب ایک کلیم سربکف

آج یہ ملک 60 مسلمان ملکوں کا نظریاتی امام ہے۔ اس کا جغرافیہ بے مثل ہے۔ مشرقی بازو، جنوبی مشرقی ایشیا پر اثر انداز ہوتا تھا۔ یہ بازو الگ ہو گیا۔ مگر اسکے نظریاتی اثرات نہ مٹ سکے۔ مغربی پاکستان یا موجودہ پاکستان کا جغرافیہ اس کی اصل طاقت ہے۔ پاکستان کے شمال میں ایشیا کوچک اور صحرائے گوبی میں دنیا کے 38 فیصد انرجی کے وسائل ہیں۔ دنیا کے بہترین گیس کے وسائل 500 سال تک دنیا کی ضرورتیں پوری کریں گے۔ ان کا قدرتی راستہ اور دروازہ گوادر کی بندرگاہ ہے۔ سنٹرل ایشیا کے تمام ممالک کا دروازہ بھی یہی ہے۔

پاکستان کے جنوب میں خلیج فارس کے اردگرد کے ملکوں میں دنیا کے 19 فیصد وسائل موجود ہیں، سعودی عرب، عراق، ایران، کویت، عرب امارت کا تیل بھی گوادر کی راہداری سے گزر کر صنعتی دنیا تک پہنچتا ہے۔

اسی طرح دنیا کے ساتھ چین اور بھارت کا زمینی رابطہ صرف پاکستان کے توسط سے قائم ہوتا ہے۔ ہندوستان کے شمال میں ہمالیہ، مشرق میں دیوارِ چین اور جنوب میں سمندر ہے۔ اس کی 30 فیصد تجارت سنٹرل ایشیا اور روس سے ہے۔ پاکستان اگر اپنی موٹر ویز بنا لے اور ذرائع رسل و رسائل کو ٹھیک کر لے تو دنیا کی تجارت کا مرکز بن جاتا ہے۔ مڈل ایسٹ، افریقہ، یورپ تک سامان پہنچانے کیلئے یہ سب سے بڑا زمینی رابطہ ہے۔ افرادی قوت پاکستانی معیشت کے بنیادی ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔ جاپان اور دیگر مشرقی ممالک اس خطے میں اپنی صنعتیں لگانا چاہتے ہیں۔ سستی لیبر اور فاصلوں کی کمی کے مقابلے کے دور میں انہیں برتری مل سکتی ہے۔ وہ اپنی پیداوار بہت کم قیمت پر یورپی ممالک تک پہنچا سکتے ہیں۔ پاکستان واحد اسلامی ملک ہے، جو اعلانیہ طور پر ایٹمی

ملک ہے۔ پاکستان کے پاس بہترین فوج ہے جو پاکستان کی سالمیت کی ضامن ہے۔

مقدس سرزمین

جناب والا! پاکستان کا یہ تصور میرے ذہن میں ہے۔ میرا جنون مجھے حکم دیتا ہے کہ اس کی آبیاری خون جگر سے کروں۔ میں اپنی شکستہ پائی کے باوجود بگولوں اور سرابوں کے پیچھے بھاگتا ہوں، مجھے ان سرابوں کی حقیقت معلوم ہے۔ پھر بھی امید کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ مجھے اس دشت میں اُگے ہوئے ببول بھی لالہ صحرا لگتے ہیں۔ میرا عزم ہے کہ اس دشت کو گلستان میں تبدیل کرنا ہے۔ میں ریت کے چھوٹے چھوٹے گھروندے بناتا ہوں، جو ہوا کے جھونکے سے بکھر جاتے ہیں، میں رات کے سناٹوں میں بھی محو سفر رہتا ہوں۔ میں لب اظہار پر تالے لگالیتا ہوں، میری خامشی جب گلستان کی خامشی بننے لگتی ہے تو پھر میرے سینے سے ہوک اٹھتی ہے۔ بے بسی میں نکلی ہوئی یہ آواز سناٹے کو چیرتی ہوئی ایک چیخ بن جاتی ہے، بابا فرید کی چیخ ۔

کوک فریدا کوک جیویں راکھا وانگ جوار

میری پکی ہوئی فصل پرندے اجاڑنے لگتے ہیں تو اپنے فرض سے مجبور ہو کر آواز بلند کرتا ہوں۔ واللہ!! میری ان پرندوں سے کوئی دشمنی نہیں، مگر وہ نہیں جانتے کیسی بربادی لاتے ہیں۔ وہ تو پرندے ہیں۔ پکی ہوئی فصل پر آنے والے پرندے...... جو کھاتے کم اور اُجاڑتے زیادہ ہیں۔ مجھے دانہ دنکا چگنے پر اعتراض نہیں، ٹڈی دل کی طرح فصل تباہ کرنے پر اعتراض ہے۔

ایک بات کا اقرار

جناب والا! مجھ پر مقدمے میں غلط الزام لگائے گئے۔ میں بغاوت کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ میری تو اس وطن کے علاوہ کوئی جائے پناہ ہی نہیں۔

جی ایچ کیو کے پیڈ کا مونوگرام میرے لئے تقدیس کا حامل ہے۔ میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے، جب مجھ پر اس مونوگرام کو فورج (Forge) کرنے کی تہمت لگتی ہے۔ میں فوج کو اب بھی مقدس ادارہ کہتا ہوں، لیکن اس طرح سوچنے والوں کی تعداد اب کتنی ہے؟

ہاں ایک بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں فوج کو سیاسی کردار دینے کے حق میں نہیں۔ کہ اس سے فوج متنازع ہو رہی ہے اور یہ نقصان ناقابل برداشت ہے۔ یہی نتیجہ حمود الرحمٰن کمشن نے اخذ کیا تھا۔

سیاستدانوں کی غلطیاں

جناب والا! اس عظیم مملکت کی ذمہ داریاں سیاستدانوں نے بھی ٹھیک طرح سے ادا نہ کیں۔ ہماری غلطیوں کا خمیازہ پوری قوم بھگت رہی ہے، لیکن پوری دنیا میں عوام کبھی یہ پسند نہیں کرتے کہ انکی منتخب حکومت کو کوئی

جبر سے مٹا دے۔ یہ فیصلہ، اصل حاکم، یعنی عوام ہی کر سکتے ہیں۔

30، 35 سالہ تاریخ پر نظر دوڑائیں تو حیران کن حقائق سامنے آتے ہیں۔ امریکہ میں کینیڈی کو گولی لگی، اسے ہٹایا گیا تو لوگ ان کے بھائیوں پہ فدا ہونے لگے۔ انہیں بار بار سینیٹر منتخب کیا گیا۔ یہیں پر بس نہیں ہوا، جمی کارٹر کو اس لئے منتخب کیا گیا کہ اس کی آنکھیں کینیڈی سے ملتی ہیں۔ حتیٰ کہ کلنٹن میں کینیڈی کا عکس تلاش کر کے اسے صدر منتخب کر لیا۔ ارجنٹائن میں پیرون کے خاتمے کے بعد اس کی بیوی ایوا پیرون کو منتخب کر لیا گیا۔ پھر اس کے بعد ملک میں جو صدر جیت رہا ہے وہ پیرونسٹ ہے۔ کہاں گئے جنرل وڈیلا اور اسکا فوجی جتھا، چلی میں بھی یہی ہوا۔ ابھی چیکوسلواکیہ میں اس شہزادے کو وزیراعظم بنایا گیا جو دو سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ جلاوطن ہوا تھا۔ فلپائن میں خاوند قتل ہوا تو اس کی بیوی کوری اکینو آ گئی۔ سوئیکارنو کو ہٹایا، اس کی بیٹی سوئیکارنو پتری 34 سال بعد انڈونیشیا کی سربراہ بنی۔ سری لنکا میں خاوند کے قتل کے بعد اس کی بیوی بندرانائیکے سربراہ بنی۔ اندرا گاندھی کے قتل کے بعد اس کا بیٹا راجیو گاندھی اور اب اس کی یورپین بیوی سونیا گاندھی ہندوستانی سیاست کا محور و مرکز ہے۔ بنگلہ دیش میں شیخ مجیب کی بیٹی حسینہ واجد اپنے والد کے قتل کے بعد بنگلہ دیش کی قیادت سنبھالے ہوئے ہے۔ اسی طرح جنرل ضیاء کے قتل کے بعد خالدہ ضیاء دو مرتبہ بنگلہ دیش کی وزیراعظم بن چکی ہیں۔ دور کیوں جائیں، ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی تو اس کی بیٹی دو دفعہ پاکستان کی وزیراعظم بنی۔ میاں نواز شریف کو اقتدار سے ہٹایا گیا تو نتیجہ ہے کہ اس وقت وہ پاکستانی سیاست کا مقبول ترین رہنما ہے۔

ان تمام واقعات میں ان ملکوں اور قوموں کو شدید بدامنی کا سامنا کرنا پڑا۔ معیشت عدم استحکام کا شکار ہوئی، لیکن عوام حکومت ہٹانے کا حق اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لیڈران کے پاس ووٹ مانگنے آئیں اور وہ انہیں منتخب یا مسترد کرنے کا فیصلہ کریں۔ ہوسکتا ہے کہ عام انتخابات ہوتے رہتے تو یہ متذکرہ قیادتیں سیاسی منظر سے ہٹ چکی ہوتیں، لیکن عوام یہ حق کسی طالع آزما کو دینے کو تیار نہیں۔

جناب والا: ترقی یافتہ اقوام نے یہ راز پالیا ہے کہ انتقال اقتدار کا راستہ پر امن ہونا چاہیے، ان کے سیاستدانوں سے بھی غلطیاں ہوئی ہیں۔ کیا آج بش غلطیاں نہیں کر رہا؟ کیا ٹونی بلیئر غلطیاں نہیں کر رہا؟ ملائیشیا کے وزیراعظم نے غلطیاں نہیں کیں؟ جمہوریت کا حسن یہی ہے کہ چار پانچ سال کے اندر رہنما عوامی کٹہرے میں کھڑے ہوں اور اگر عوام مسترد کر دیں تو وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کر کے دوبارہ خود کو عوام کی عدالت میں پیش کریں۔ غلطیاں پاکستانی سیاستدانوں سے بھی ہوئی ہیں۔ ممکن ہے ہماری غلطیاں بڑی ہوں، لیکن ان غلطیوں کی سزا دینے کا حق عوام کے پاس ہے۔ بندوق والے کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا۔

جنابِ والا: پاکستان قائم ہی ووٹ کے ذریعے ہوا تھا۔ اسے ووٹ کی طاقت سے ہی محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جاگیردار، سرمایہ دار اور افسر شاہی الیکشن پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتی ہے، لیکن میں خود سیاسی

عمل کی پیداوار ہوں۔ میرے والد اور دادا تو کبھی اسمبلی کے ممبر منتخب نہ ہوئے تھے، بار بار انتخابات ہوں تو متوسط طبقے کی قیادت کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

ہزاروں سکندر محوِ خواب ہیں

جناب والا! میرا ذاتی معاملہ ووٹ کے استعمال کے سلسلے میں دلچسپ ہے۔ میں آٹھویں جماعت سے الیکشن لڑ رہا ہوں۔ پہلی مرتبہ اپنے گاؤں مخدوم رشید کے سکول کا سیکرٹری منتخب ہوا۔ نویں جماعت میں نائب صدر اور میٹرک میں صدر بنایا گیا۔ کالج میں فرسٹ ایئر میں الیکشن لڑا اور ہار گیا۔ میرے بڑے بھائی اور دوست پھول لے کر آئے ہوئے تھے، انہیں میرے الیکشن جیتنے کا یقین تھا، فاتحانہ جلوس کیلئے انہوں نے گاڑیوں کو پھولوں سے سجا رکھا تھا، میں نے تمام پھول جیتنے والے حریف منظور خان کو پہنائے اور انہی گاڑیوں میں اُن کے گھر تک چھوڑ آئے۔ دو ووٹوں کی برتری فیصلہ کن تھی اور قابلِ تکریم بھی۔

سیکنڈ ایئر میں منتخب ہو گیا تھرڈ ایئر میں پھر منتخب ہو گیا اور فورتھ ایئر میں ایمرسن کالج ملتان کا سیکرٹری جنرل منتخب ہوا۔ میں پنجاب یونیورسٹی میں فلسفہ پڑھنے آیا، ایم اے کے سال اول میں یونیورسٹی انتخابات میں سیکرٹری جنرل چنا گیا اور ایم اے فائنل میں جامعہ پنجاب کا صدر بن گیا۔ پنجاب کی کالجیٹ باڈی پنجاب سٹوڈنٹس کونسل کا صدر منتخب ہوا۔ میں نے اپنے تعلیمی کیریئر میں وظیفہ لیا۔ فرسٹ ڈویژن لی اور سیکنڈ ڈویژن بھی، لیکن کوئی سال ضائع نہیں کیا۔ یونیورسٹی کے آئین میں ترمیم کر کے پابندی لگا دی کہ ایک مرتبہ صدر منتخب ہونے والا دوبارہ انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتا۔ یہ پابندی میں نے خود اپنے آپ پر لگائی۔ میری تنظیم مجھے دوبارہ الیکشن لڑانا چاہتی تھی۔

میری والدہ نے بچپن میں ایک کہانی بار بار سنائی تھی اور وہ میں نے اپنے پلّے باندھ لی۔ کہا: بیٹا دنیا کا نظام چلتا رہتا ہے، کوئی فرد اپنے بارے میں یہ نہ سمجھے کہ کارخانہ قدرت اس کے بغیر بند ہو جائے گا۔ کہانی کچھ یوں تھی کہ سکندر اعظم جب مرنے لگا، اس کی ماں بہت دلگیر ہوئی۔ سکندر اعظم نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ مرے پاس طاقت ہے کہ آپ میری قبر پر آنا، ایک مرتبہ میں آپ سے ہم کلام ہوں گا۔ کچھ عرصہ بعد جب ماں سے صبر نہ ہو سکا تو قبرستان میں جا کر آواز دی، "سلطان سکندر" تین مرتبہ کوئی جواب نہ آیا، چوتھی مرتبہ ایک قبر سے آواز آئی کہ مائی تو کس سلطان سکندر کا پوچھتی ہے، یہاں ہزاروں سلطان اور ہزاروں سکندر محوِ خواب ہیں" ایک مغربی دانشور کا یہ جملہ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے ایک فائل پر لکھا" ناگزیر لوگوں سے قبرستان بھرے پڑے ہیں"۔

ابھی تک طالب علم ہوں

1974ء میں میں نے یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کر لی۔ عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ میں نے پہلا

انتخاب 1977ء، دوسرا 1979ء، تیسرا 1985ء، چوتھا 1988ء، پانچواں 1989ء، چھٹا 1990ء، ساتواں 1993ء، آٹھواں پھر 1993ء، نواں 1996ء اور دسواں جیل سے 2002ء میں لڑا۔ میں کئی الیکشن ہارا اور کئی جیتا، لیکن بدقسمتی سے کوئی ایک اسمبلی بھی اپنی مدت پوری نہ کرسکی۔ میں نے تقریباً 88 ممالک کو دیکھا ہے، 57 سربراہانِ مملکت سے ملنے اور ان سے گفتگو کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ تین مرتبہ وفاقی وزیر رہا ہوں۔ اپنی سیاسی فکر کی وجہ سے 29 ویں مرتبہ جیل میں ہوں۔ ملک کے بیشتر ٹارچر سیلوں میں ڈالا گیا، اس مرتبہ بھی جسمانی ٹارچر کی پل صراط پر سے گزر رہا ہوں۔ ان تمام تجربات سے گزرنے کے باوجود میں اپنے آپ کو صف اول کا سیاستدان نہیں سمجھتا۔ ورلڈ ڈپلومیسی کو سمجھنے کیلئے اور اپنے عوام کی توقعات پر پورا اترنے کیلئے ابھی مجھے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ راتوں رات اقتدار کے سنگھاسن پر بیٹھنے والے، جن کی تربیت مختلف مقاصد کیلئے ہوتی ہے، قوم کے نجات دہندہ کیسے بن جاتے ہیں؟ ان کے ہاتھ کی چھڑی جادو کی چھڑی کیسے بن جاتی ہے، جسے گھمانے سے وہ ایک سیاسی جماعت بنا لیتے ہیں، ریفرنڈم جیت جاتے ہیں، قوم کے ہر دکھ کا علاج انہیں معلوم ہوتا ہے، اگر معلوم نہیں ہوتا تو ان کا اصل کام!!

مجھے جنرل ضیاء الحق مرحوم نے کہا کہ آپ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں، میں نے کہا کہ میرے دادا مخدوم نور چراغ شاہؒ نے مسلم لیگ کے قیام کے وقت سے اس کا ساتھ دیا۔ میرے والد مخدوم محمد شاہؒ آخری سانس تک مسلم لیگ میں رہے، میرے بڑے بھائی مخدوم بہار شاہ نے شہادت اسی راہ میں پائی، ساری عمر وہ مسلم لیگ کے عہدیدار رہے، میں بھی مسلم لیگ میں جاؤں گا، مگر آپ مجھے یہ مشورہ دیتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔ ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد 1988ء میں، میں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

ووٹ پر کامل ایمان

جناب والا! ووٹ کی طاقت پر میرا کامل ایمان ہے، میرے والد محترم مردِ درویش تھے، زندگی کا قرینہ میں نے انہی سے سیکھا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ عاشق اگر کمر ہمت باندھ لے تو دلی اڑھائی کوس کا سفر ہوتی ہے۔

"عاشقاں بنیاں کمراں تے دلی تھئی اڈھائی کوہ"

جب میں نے وزارت کا حلف اٹھانے کیلئے اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت نہ دی۔ میری والدہ نے میری خواہش کو بھانپتے ہوئے میری سفارش کی۔ وہ ان سے ناخوش ہوئے اور کہا: اجازت مجھے دینی ہے یا آپ کو؟۔ میری والدہ خاموش ہوگئیں، میرے ماموں مخدوم مبارک شاہ اور خاندان کے دوسرے افراد کے اصرار پر مشروط اجازت دے دی گئی اور میں نے وقت مقررہ پر ان کے حکم کے مطابق وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ وہ فرماتے تھے کہ تمہارے دادا کو انگریز کے دورِ غلامی میں بھی ووٹ کا حق حاصل تھا، تم کیسے پوتے ہو، ووٹ کا حق

چھیننے والوں کے ساتھ بیٹھے ہو۔

برطانوی سامراج نے برصغیر کو 1884ء میں بلدیاتی انتخابات میں ووٹ کا حق دیا، پھر 20ویں صدی کے دوسرے عشرے میں صرف ان افراد کو اسمبلی کیلئے ووٹ دینے کا حق حاصل تھا، جو اپنی جائیداد پر ٹیکس ادا کرتے تھے۔ ہمارے خاندان کے تین افراد کو یہ حق حاصل تھا اور یہ تینوں ووٹ ہمیشہ مسلم لیگ کو ملے، ان میں سے ایک ووٹ میرے دادا مخدوم نور چراغ شاہ کا، دوسرا مخدوم محمد شاہ کا اور تیسرا مخدوم مبارک شاہ کا تھا۔

جوابدہی کی ثقافت سے گریز

پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی سیاستدانوں نے انتخابات سے پہلوتہی کرنا شروع کردی اور جوابدہی کا کلچر نہ بن سکا۔ جب انتخابات ہوئے وہ بھی منصفانہ ہرگز نہ تھے، دھاندلی کے الزام لگے اور جھرلو کی اصطلاح ایجاد ہوئی۔ آغازِ سفر ہی میں رہنماؤں کا بھرم کھل گیا۔ لوگوں کے دلوں سے سیاستدانوں کا احترام جاتا رہا، سیاستدانوں نے اپنی کمزوریوں کو چھپانے کیلئے بیوروکریسی کا سہارا لیا۔ افسر شاہی شریک اقتدار ہوگئی، گورنر جنرل، ملک غلام محمد، وزیراعظم چودھری محمد علی، صدر سکندر مرزا، وزیراعظم محمد علی بوگرا، وزیراعظم آئی آئی چندریگر، سب بیوروکریٹ تھے، پھر سول سروس اور فوجی بیوروکریسی نے گٹھ جوڑ کرلیا۔ آخر کار زورآوروں نے کمزور بیوروکریسی کو دبوچ لیا۔ 1956ء کا آئین معطل اور پھر منسوخ کردیا گیا۔ عام آدمی سے ووٹ کا حق چھین لیا گیا تو وہ لاتعلق ہوگیا۔ مشرقی پاکستان میں احساس محرومی کا بیج برگ و بار ہونے لگا۔

آخری مرتبہ ووٹ کا حق 1999ء میں چھینا گیا۔ میاں نواز شریف کی آئینی حکومت کو برطرف کردیا گیا، پارلیمنٹ کو معلق اور بعد میں کالعدم قرار دے دیا گیا۔ میاں نواز شریف نے کوئی کام خلاف آئین نہ کیا تھا۔ پاکستان کے بنیادی مسائل نیوکلیئر ٹیکنالوجی، ہندوستان سے پرامن تعلقات، ملک کی معاشی آزادی پر انہوں نے کوئی سمجھوتہ نہ کیا تھا، ان میں سے ہر چیز پہ ان کا موقف اور راستہ واضح تھا۔

12 اکتوبر 99ء کی کارروائی بلاجواز تھی۔ ملک کے منتخب وزیراعظم کو پابند سلاسل کردیا گیا۔ ان کے عمر رسیدہ والد، تمام بھائیوں اور بیٹوں کو سختیوں کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ خواتین اور معصوم بچوں کو بھی معاف نہ کیا گیا۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہ کرسکا اور میں نے موجودہ حکومت کے خلاف بیانات دینا شروع کئے، مجھے آج بھی نواز شریف کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونے پر فخر ہے۔

اگر ہمیں پاکستان کو آزاد اور باوقار ملک کے طور پر پیش کرنا ہے تو پھر ہمیں 14 کروڑ عوام پر اعتماد کرنا ہوگا۔ ان کے فیصلے تسلیم کرنا ہوں گے۔ یہ وقت گائیڈڈ ڈیموکریسی کا نہیں۔ انگریز نے اتنی جمہوریت 120 سال پہلے 1884ء میں دے دی تھی۔ آج پارلیمنٹ کی بالادستی کا زمانہ ہے۔

جمہوریت اور اجتماعی قیادت

جناب والا! جمہوریت کے تسلسل سے جمہوریت کی خامیاں دور ہوتی ہیں، اگر بار بار اس عمل پر شب خون مارا جائے تو جمہوریت کا پودا کمزور ہو جاتا ہے۔ پارلیمنٹ حقیقی قیادت کو جنم دے سکتی ہے۔ عوام کی نظر اپنی پارلیمنٹ پر ہوتی ہے، جو کہ ہر نمائندے کی کسوٹی ہے، آسمانوں سے قیادت کا ظہور 1400 سال پہلے ختم ہو چکا ہے۔ پارلیمنٹ کی بیس، تیس سال کی کارکردگی پر عوام کسی کو اپنے اعتماد کے قابل سمجھتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ذریعے ہی عام آدمی کے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور قومی زندگی کی گرہیں کھولی جا سکتی ہیں۔

جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے مسائل کا حل کسی ایک فرد کے پاس نہیں، اس کیلئے اجتماعی قیادت کے تسلسل کو اجاگر کرنا ہوگا اور یہ اجتماعی قیادت آزاد پارلیمنٹ ہی سے جنم لے سکتی ہے۔ اجتماعی قیادت اور اجتماعی ذمہ داری کے تصور سے ہر صوبے اور ہر علاقے کو شراکت اقتدار کا احساس ملے گا۔

اس صدی کا نعرہ احتساب اور جمہوریت

جناب والا! دنیا میں کوئی قوم اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی، اگر اس میں احتساب کا عمل جاری نہ ہو۔ احتساب کے نام پر انتقامی کارروائیوں سے احتساب کے ادارے کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ احتساب کے عمل سے لوگوں کا اعتبار اٹھ گیا ہے۔ پارلیمنٹ کی بالادستی اور جمہوری تسلسل سے الیکشن کا عمل ہی احتساب کا عمل بن جاتا ہے۔ تمام خفیہ گوشے منظر عام پر آ جاتے ہیں۔ اور ہر قیادت عوام کے سامنے آشکار ہوتی ہے۔ احتساب کے عمل میں تمام اداروں کو لانا ہوگا۔ یک طرفہ احتساب پر عوام کی بدگمانی فطری ہے۔

جناب والا! اگر ہمیں قوموں کی امامت کرنی ہے تو اس کیلئے تیاری کرنا ہوگی اور جمہوری عمل کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا ہوگا۔ کیونکہ جمہوریت ہی اس عہد کا دستور العمل ہے۔

12 اکتوبر 99ء کا غیر آئینی اقدام

جناب والا! میری ان تمام گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ میں 12 اکتوبر 99ء کے اقدام کو غیر آئینی سمجھتا ہوں، ریفرنڈم کے نتائج کو تسلیم نہیں کرتا، ایل ایف او کے خلاف میں متحرک تھا اور رہوں گا۔ میں نے حکومت کی سیاسی اور معاشی پالیسیوں کو قومی مفادات کے خلاف پایا ہے۔ فوج کے سیاسی کردار کو غیر آئینی سمجھتا ہوں، گرفتاری سے ایک ماہ پہلے اے آر ڈی کی 17 نمائندہ جماعتوں نے مجھے صدر منتخب کیا۔ حکومت اس سے خوفزدہ ہو گئی۔ میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کا قائمقام صدر رہوں۔ اے آر ڈی اور مسلم لیگ (ن) دونوں کی پارلیمانی پارٹیوں کا منتخب لیڈر رہوں، مجھے ایل ایف او کی منظوری کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ سمجھا گیا۔ اس سے پہلے بھی اسی حکومت کے دور میں 9 مرتبہ گرفتار کیا گیا۔

جناب والا! مجھ پر جتنے الزامات ہیں ان میں کوئی حقیقت نہیں۔ لیکن اپنے موقف کی وجہ سے میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار تھا۔ مجھے یقین تھا کہ موجودہ حکمران مجھے اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں اور اب وہ مجھے برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ تصور بھی نہ تھا کہ مجھے بغاوت، غداری، سازش اور جعل سازی جیسے بے بنیاد الزامات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جناب والا! میں آخر میں اس خط کو اپنے بیان کا حصہ بنانا چاہتا ہوں جو میں نے جیل سے اپنی بیٹی کے نام لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اڈیالہ جیل، راولپنڈی 20 جنوری 2004ء ایک بجے رات

میمونہ بی بی، السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہونگے۔

آج میں نے ایک خط کے ذریعے زندگی میں پہلی مرتبہ آپ سے گفتگو کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمام عمر میری ایک شخص سے جنگ رہی ہے، اس کا نام جاوید ہاشمی ہے، اس کے علاوہ میں نے پوری انسانیت سے محبت کی ہے۔ انسان تو انسان، میں ایک چیونٹی کے مرنے پر افسردہ ہو جاتا ہوں اور کٹے ہوئے درخت دیکھ کر تو میری آنکھوں سے جھڑی لگ جاتی ہے۔

مجھے تمام مذاہب خوبصورت لگتے ہیں، اسلام، عیسائیت، یہودیت، بدھ مت، ہندومت، میں سمجھتا ہوں کہ سبھی خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں اور انسان کے ذہنی ارتقا میں مجموعی طور پر ان مذاہب نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ان مذاہب کے پیروکاروں کے ایک طبقے نے انسانی ترقی کے راستے میں بڑی رکاوٹیں بھی کھڑی کی ہیں اور یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ مذہب کے نام پر جتنا خون بہایا گیا، شاید روئے زمین پر کسی اور تنازعہ پر نہ بہایا گیا ہو۔ مگر اس کے باوجود مذاہب نے معاشروں کو حیوانیت سے نکال کر اعلیٰ وارفع مقاصد کیلئے (Refine) اور (Define) کیا۔ اور اسے حدود وقیود کے اندر رہ کر آزادی، جرأت اور بے باکی کے اوصاف سے مزین کر کے منظم کیا۔

دنیا کی تمام تہذیبیں میری وراثت ہیں۔ میں نے بالواسطہ اور بلاواسطہ ان تہذیبوں سے اکتساب فیض کیا ہے۔ انسان کی معلوم تاریخ تو صرف چار ہزار سال تک محدود ہے، اس سے پہلے نامعلوم معاشروں کے آثار بھی میری رہنمائی کرتے ہیں۔ میں ان تہذیبوں کی اہمیت اور افادیت کا قائل ہوں۔ کسی ایک تہذیب کی بالادستی کا نہیں۔ رنگ ونسل اور علاقے پر تفاخر بڑی جہالت کی بات ہے۔ ہر تہذیب نے دوسری تہذیب اور ہر رنگ ونسل نے دوسرے رنگ ونسل حتیٰ کہ انسان نے جانوروں، پرندوں اور چرندوں کے طرز معاشرت سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ رنگوں کے امتزاج، نباتات کی بوقلمونی، سمندروں کی وسعت اور گہرائی، پہاڑوں اور دریاؤں نے انسانی مزاج کو ڈھالنے اور تراشنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس لئے میں کرہ ارض کے ہر ذرے سے محبت کرتا ہوں اور اس کا مقروض ہوں۔

میری زندگی کے تجربات اور مطالعہ نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ اسلام معراج انسانیت، انسانی

مساوات، انصاف، امن اور معاشی و معاشرتی بہبود کا سب سے بڑا ضابطہ حیات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کمزور ترین لمحات میں بھی میرے لیے قوت اور طاقت کا منبع ہے۔ اس جنون نے مجھے ہمیشہ منزلوں سے ہمکنار کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کا عرفان (VISION) اور امام حسینؓ کی استقامت میرا سرمایہ حیات ہے۔

پاکستان نہ صرف میری محبت ہے بلکہ کمزوری بن گیا ہے۔ میں اس سرزمین کو نئے دور کے انسانوں کی آرزوؤں اور امنگوں کی تکمیل کا مرکز سمجھتا ہوں۔ غریب اور مظلوم طبقات کی سربلندی کیلئے جدوجہد ہی میرے ایمان کو مکمل کرتی ہے۔ میں جہدِ مسلسل کو زندگی سمجھتا ہوں، جب میں ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے اپنے آپ میں کم کوشی، کم نظری اور کوتاہی پاتا ہوں تو اس شخص سے جنگ میں شدت آجاتی ہے، اور احتساب کے اس عمل میں معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ دوسرے انسان کی غلطی میں فوراً معاف کر دیتا ہوں، لیکن صرف ایک شخص ناقابل معافی ہے جو تمہارا باپ ہے۔

والسلام
تمہارا باپ
جاوید ہاشمی

جناب والا!

استغاثہ نے مجھ پر بے بنیاد اور جھوٹے الزامات لگائے ہیں اور ان الزامات کا مقصد مجھے راستے سے ہٹانا اور دوسرے پارلیمنٹیر ینز (Parliament-arians) کو ڈرانا ہے مگر مجھے اپنے اللہ پر کامل یقین ہے کہ وہ میری مدد اور رہنمائی کرے گا۔ استغاثہ کے تمام گواہان جھوٹے ہیں۔

مجھے اُمید واثق ہے کہ معزز عدالت مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت صرف اور صرف اپنے ضمیر کی آواز سنے گی۔

مخدوم محمد جاوید ہاشمی
سینٹرل جیل راولپنڈی، 3 اپریل 2004

گیارھواں باب

بشریٰ کے نام

فیوڈل ازم اور بلدیاتی نظام، ایک چہرہ دو رُخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

25 اپریل 2004ء

گوانتانا موبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بشریٰ بی بی!

السلام علیکم! مزاج بخیر!

فیوڈل ڈھانچے میں بلدیاتی نظام کو اہم مقام حاصل ہے۔ غیر نمائندہ حکومتوں کیلئے یہ نظام نعمتِ غیر مترقبہ بن جاتا ہے۔ میں بلدیاتی نظام کا حامی ہوں لیکن جو (Decenteralization) ڈی سنٹرلائیزیشن کا فارمولا موجودہ حکومت نے دیا ہے اُس سے متفق نہیں ہوں۔ موجودہ نظام اختیارات کو صوبے میں رہنے دیتا ہے نہ مرکز میں۔ یہ صرف ایک شخص کو مضبوط کرتا ہے، اِس طریقہ کار سے بلدیاتی نظام کی افادیت ختم ہوگئی ہے اور اقتدار پر فیوڈل لارڈ اور فوجی حکمرانوں کی گرفت مضبوط۔

میں اختیارات کو نچلی سطح پر لے جانے کا پُر زور حامی ہوں۔ میں نے ستمبر 1986ء میں تقریباً 18 سال پہلے عدم مرکزیت کا جو فارمولا پیش کیا تھا وہ اسمبلی کے ریکارڈ پر موجود ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں۔ "تیسرا فارمولا جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر ضلع پر مقامی حکومت قائم ہونی چاہیے اور اِس کا براہ راست منتخب (Directly Elected) نمائندہ ہونا چاہیے۔ جس میں ڈی سی اور ایس پی کو اس کا ماتحت کیا جائے تاکہ ذمہ داری براہ راست عوامی نمائندہ پر آسکے۔ ہر ضلع کے اندر اگر ہم اس طریقے سے انتخابات کروائیں گے تو جو نمائندگی ملے گی اِس کے حوالے سے مقامی سطح پر لا اینڈ آرڈر سچوایشن کو کنٹرول کیا جاسکے گا"۔

یہ اٹھارہ سال پہلے کا فارمولا ہے۔ چودہ سال پہلے 90ء کی اسمبلی میں وزیراعظم نے مقامی حکومتوں کو اختیارات کی منتقلی کیلئے میری سربراہی میں ایک کمیٹی بنائی۔ ہم نے اپنی سفارشات میں لکھا کہ ضلع حکومت میں ضلعی گورنر کا براہ راست انتخاب کیا جائے اور ضلع اسمبلی قائم کی جائے۔

موجودہ حکومتی نظام برٹش راج کا تسلسل ہے، عوام کو اختیار منتقل نہیں کیا گیا۔ ہمارے فوجی حکمران ہمیں 2 ہزار سال پہلے والی یونان اور روم کی جمہوریت دینا چاہتے ہیں، اگر ضلع گورنر کو اختیار مل جائیں تو فیوڈل مضبوط ہونے کی بجائے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنی زرعی ترقی پر توجہ دے گا اور متوسط طبقے کی قیادت جنم لے گی۔ فیوڈل اِزم کے خاتمے سے زرعی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ جیسے امریکہ اور دوسرے ملکوں کے بڑے فارم

موجود ہیں، مگر اب انہیں لوگوں کو غلام بنانے کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

بدقسمتی سے شہری آبادی اور دانش وروں کا طبقہ فیوڈلز اور ان کی طرز زندگی سے نفرت کی وجہ سے پورے زرعی نظام کو مسترد کر دیتا ہے۔ ہمارے دانشوروں، کالم نگاروں، شاعروں، ادیبوں اور اخبار نویسوں کی بھاری تعداد کا تعلق دیہی معاشرے سے ہے۔ شہروں کی چکاچوند انہیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، وہ اپنی محرومیوں اور ناراضگیوں کی وجہ سے اپنے دیہی ماضی کو بھول جانا چاہتے ہیں اور پورے دیہی معاشرے سے لاتعلق ہو جاتے ہیں اور یہ لاتعلقی دیہات کے رہنے والوں کو بے یارومددگار چھوڑ دیتی ہے۔ ان کے علاقے کا کوئی فیوڈل ان کے ساتھ عزت سے پیش آئے تو وہ انہیں فرشتہ لگتا ہے۔ متوسط طبقے کی قیادت دانشوروں کی تنقید کی زد میں ہوتی ہے، اس کی کسی غلطی کی معافی نہیں ہوتی۔

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ مُلا نہ زاہد نہ حکیم

چھوٹا زمیندار اور کسان زراعت کی ریڑھ کی ہڈی ہے، اس کی محنت پر پورا ملک پل رہا ہے اور وہ خود قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے اپنے بچوں کو سکول نہیں بھیج سکتا۔ اس کا تمام خاندان عورتوں اور بچوں سمیت صبح و شام کھیتوں میں کام کرتا ہے مگر وہ پھر بھی خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہا ہے۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ انگریزوں اور اس کے بعد آنے والے آمروں نے بلدیاتی نظام اور جاگیرداری کے ذریعے غلامی کی زنجیریں مضبوط کیں۔ حالانکہ یہی نظام کاؤنٹی سسٹم کے نام پر برطانیہ میں جمہوریت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ نئی قیادت پیدا کرتا ہے، جمہوری عمل کی بالیدگی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے ذریعے تمام اختیارات نچلی سطح پر پہنچ جاتے ہیں اور " ڈی سنٹرلائیزیشن (Decenterali-zation) " کا عمل مکمل ہو جاتا ہے۔

امریکہ میں بھی اس نظام کی برکت سے خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا اور امن وامان قائم ہوا۔ اس سے ذمہ دار شہری (Responsible Citizen) کا تصور اجاگر ہوا۔ تمام پاکستانی آمروں نے بلدیاتی انتخابات کرائے اور جمہوری حکومت نے حتی الوسع اس سے احتراز کیا۔ انگریزوں اور آمروں نے اس نظام آمریت کو مضبوط کرنے کیلئے بلدیاتی اداروں کو سیڑھی کے طور پر استعمال کیا اور تابعدار قیادت پیدا کی۔ دیسی حکمرانوں نے انگریزوں کے اس نسخہ کو کامیابی سے استعمال کیا۔ ضلعی سطح کی قیادت کو ڈپٹی کمشنر کے ذریعے کنٹرول کرنا آسان تھا اور یہ ضلعی قیادتیں اپنے مخالفین کو کنٹرول کرنے کیلئے۔ ڈپٹی کمشنر، علاقائی کور کمانڈر اور کمشنر کی سرپرستی کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتی تھیں۔ کمشنر ان اداروں کو توڑنے کا قانونی حق رکھتے تھے۔ اس جکڑبندی میں کوئی قومی قیادت جنم نہیں لے سکتی تھی۔

120 سال سے ہر ضلع میں ایک یا دو خاندان سیاسی منظر پر چھائے ہوئے ہیں، جن کے پاس انگریز کی دی

ہوئی جاگیر اور خطاب ہیں اور جنگ عظیم اول اور دوئم میں جبری بھرتی کے ذریعے فوجی فراہم کرنے کا سرٹیفکیٹ اور اس بھرتی کی وجہ سے ان کے پاس کرنل یا میجر کا اعزازی عہدہ ہو تو یہ نجیب الطرفین ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

پاکستان کے قیام نے بھی اس غلامی کی جکڑ بندی کو برقرار رکھا ہے، بلکہ اسے اور مضبوط بنا دیا ہے۔ انگریز چونکہ یہاں کا رہنے والا نہیں تھا، ایک حد تک اپنے آپ کو سپیریئر (Superior) اور حاکم رہنے کا بھرم قائم رکھتا تھا۔ آزادی کے بعد دیسی افسر شاہی، دیسی فوج اور دیسی فیوڈلز کے اتحاد نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ عام آدمی کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کے روح پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ انہوں نے دیہی اور شہری ترقی کا نعرہ لگا کر انگریزوں کی دی ہوئی ترقی کی بھونڈی نقل اتارنے کی کوشش بھی جاری رکھی۔ بلدیاتی انتخابات کا اصل مقصد ضلعی سطح کی قیادت کے ذریعے قومی قیادت کے ابھرنے کا راستہ روکنا تھا۔

فوجی حکمران سیاسی پارٹیوں سے خوفزدہ ہو کر ان پر پابندی لگاتے ہیں اور سیاسی عمل کو روک دیتے ہیں، لیکن بلدیاتی انتخاب اور بلدیاتی قیادت کو حقیقی جمہوریت کا نام دے کر قومی سوچ پیدا ہونے کا دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ فوجی حکمرانوں کے پاس ذہنی غلام پیدا کرنے کا یہ مجرب نسخہ انگریزوں کا دیا ہوا ہے۔ اسے استعمال کر کے وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

ترقی یافتہ دنیا میں قومی اور بلدیاتی انتخابات ایک دوسرے کے متبادل نہیں سمجھے جاتے بلکہ ایک دوسرے کے معاون سمجھے جاتے ہیں۔ بلدیاتی انتخاب کو نئی قیادت پیدا کرنے کی نرسری کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ناتجربہ کار جمہوری قیادتیں بلدیاتی انتخابات سے خوفزدہ ہو کر انہیں اختیارات نہیں سونپنا چاہتیں اور تجربہ کار ڈکٹیٹران اداروں کو اپنی آمریت کی مضبوطی کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ انہیں ہر غیر آئینی اقدام کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ریفرنڈم کرانا ہو، اپنی حکومت کا جواز فراہم کرنا ہو، ان اداروں کی قیادت اور مالی وسائل بے دریغ استعمال کئے جاتے ہیں اور انہی وفاداروں کو اسمبلیوں کی سیٹیں اور وزارتیں دے دی جاتی ہیں اور ان کی کامیابی کیلئے تمام حکومتی مشینری سرگرم عمل ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان تینوں یعنی فوجی حکمران، افسر شاہی اور فیوڈل ازم کا بانی انگریز ہے۔ یہ تینوں اس کے ممنونِ احسان ہیں اور ذہنی طور پر نوآبادیاتی نظام کے جانشین! نوآبادیاتی نظام کا کل پرزہ ہونے کی وجہ سے انہیں صرف کنٹرول کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ معاشرتی اصلاحات اور معیشت کے جدید تقاضے اُن کے ذہن کے کمپیوٹر میں فیڈ نہیں کئے جاتے، نہ ہی یہ اسے اپنی ذمہ داری کا حصہ سمجھتے ہیں۔ تم نے اپنے تھیسز (Thesis) کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا۔ مجھے تفصیلاً تمام امور کے بارے میں آگاہ کرو۔

والسلام

تمہارا والد

جاوید ہاشمی

افسر شاہی......نوکر شاہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2 مئی 2004ء

گوانتانا موبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بُشریٰ بی بی! السلام علیکم! مزاج بخیر!

لارڈ میکالے نے ہندوستان پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کیلئے تعلیمی نظام کا سلیبس تیار کیا تھا، جس کے مقاصد میں لارڈ میکالے نے کہا" برٹش راج کی مضبوطی کیلئے مقامی لوگوں کو ایک حد تک شامل کرنا ہماری مجبوری ہے۔ اس لئے انہیں ایک محدود سوچ کی تعلیم دے کر اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے" اس مقصد کیلئے ایک غلام ذہن کی بیوروکریسی تیار کی گئی جو اپنے لوگوں سے اپنے آپ کو الگ کر کے خود کو بالادست سمجھتی تھی۔ انگریزوں نے تحریک آزادی کو کچلنے کیلئے اس سول اور ملٹری بیوروکریسی کو خوب استعمال کیا۔ یہ صرف اپنے آپ کو انگریزوں کے سامنے جوابدہ سمجھتی تھی۔ آزادی کے بعد بیوروکریسی اپنے آپ کو کسی کالے وزیراعظم، وزیراعلیٰ یا ضلعی قیادت کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتی، بلکہ اپنے آپ کو اُن سے بڑھیا (Superior) سمجھتی ہے۔

چند مستثنیات کو چھوڑ کر فوج اور افسر شاہی عموماً لوئر مڈل کلاس سے آتی ہے۔ اس لئے اقتدار پر اس کی نگاہیں حریصانہ ہوتی ہیں۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو انگریزی ثقافت میں رنگ کر حکمران نظر آئیں، اعلیٰ طبقے میں شمولیت کیلئے زمین اور جاگیر کو ضروری سمجھتے ہیں، وہ چونکہ بلدیاتی سطح کے فیوڈلز سے بالادست ہوتے ہیں۔ فیوڈلز روایتی چاپلوسی سے اُنہیں اپنی کلاس کا حصہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہ گلی ڈنڈا کھیلتے کھیلتے ایک دم لانگ ٹینس اور گالف کے گراؤنڈ میں پہنچ جاتے ہیں۔ قوم کے خزانے کو لوٹنے کے قواعد بناتے ہیں، آرام دہ بنگلوں میں مغل شہزادوں کی طرح رہتے ہیں، پلاٹ اور زمینیں الاٹ کراتے ہیں، حتیٰ کہ آغا شاہی جیسا دانشور بھی فیوڈل لارڈ بن جاتا ہے۔

تمام بیوروکریٹس چند مستثنیات کو چھوڑ کر اپنے بچوں کو باہر کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دلواتے ہیں۔ اُن پر اُٹھنے والے اخراجات کہاں سے آتے ہیں۔ اس کے لیے وہ اپنے آپ کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتے۔ اِن میں سے اکثر بچے وہیں رہ جاتے ہیں۔ کالونیلزم ان کے ذہن سے نہیں نکل سکا۔ لندن ابھی تک اِن سب کا محور و مرکز ہے۔ سال میں گرمیوں کی چھٹیاں سرکاری خرچ پر مغرب میں منانے کا کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔ اِس طرح فیملی کو اکٹھے مل بیٹھنے کا (Reunification) موقع بھی مل جاتا ہے۔

اسلام آباد کے سیکرٹریٹ میں بیٹھ کر کام کرنے کی بجائے بیوروکریٹ اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل بنانے پر زیادہ وقت صرف کرتے ہیں۔باقی وقت اپنی پروموشن اور بہتر سیٹ پر تبادلے کیلئے پبلک ریلیشنگ پر خرچ کرتے ہیں۔پھر بھی وقت بچ جائے تو اسے ملکی سیاست میں کیڑے نکالنے پر لگاتے ہیں۔ریٹائرمنٹ کے بعد سادھو اور اللہ لوگ بن جاتے ہیں۔ایک دوسرے کو مافوق الفطرت ثابت کرنے کیلئے مضامین اور کتابیں لکھواتے ہیں۔قوم کی بدقسمتی ہے کہ اتنے "ماہرین" کی موجودگی میں خزانہ کا ماہر باہر سے درآمد کیا جاتا ہے۔ہرفن مولا کا محاورہ انہی کیلئے گھڑا گیا ہے۔ایک دن سائنس اور ٹیکنالوجی کے مسائل حل کررہے ہوتے ہیں،دوسرے دن اُمورِ حج اور زراعت کے انچارج ہوتے ہیں،تیسرے دن ملکی تجارت چلا رہے ہوتے ہیں،چوتھے دن قوم کی صحت کے ذمہ دار ہوتے ہیں،پانچویں دن اُمورِ داخلہ میں سربراہِ حکومت ہوتے ہیں اور چھٹے دن کھیلوں اور ثقافت کا قبلہ درست کررہے ہوتے ہیں۔اگر اتوار نہ ہوتو ایٹم بم بنانے کا نیا فارمولا تیار کرکے دے سکتے ہیں۔ایٹم بم بنانے والے بھی ان کے زیردست ہوتے ہیں۔آئین میں ترمیم ہوسکتی ہے یا اُسے توڑا جاسکتا ہے مگر انگریز کے دیئے ہوئے سول سرونٹس کے ڈھانچے میں تبدیلی ناممکن ہے۔ڈاکٹر،انجینئر،سائنسدان اور اساتذہ کی ان کی سامنے کوئی حیثیت نہیں۔

جمہوری نظام میں اسمبلیوں کے بعد یونیورسٹیوں کا پالیسی ساز اداروں میں کنٹرول ہوتا ہے۔پاکستان میں عملاً بیوروکریسی ہی پالیسی ساز بن گئی ہے۔سول سرونٹس کا اُردو ترجمہ عوام کا نوکر یا عوام کا خادم ہے۔انگریز قوم اور اُن کے افسروں کو اپنی حیثیت کا یہ لفظ منہ سے نکالتے ہی احساس ہوجاتا ہے۔مگر غلاموں کی دنیا میں عوام غلام ہیں اور دفتر میں بیٹھا ہوا "صاحب بہادر" ہے۔یہ ٹیڑھے منہ سے انگریزی بول کر منہ میں سگار دبا کر اور مہنگے ترین لباس اور جوتے پہن کر اپنے آپ کو اصل حکمران یعنی انگریز سمجھتے ہیں۔

بیوروکریٹس سیکرٹریٹ میں بیٹھ کر 100 سال پرانی بنائی گئی سمری پر انگریزی میں مکھی پر مکھی مارتے رہتے ہیں اور اسی کو صلاحیت اور قابلیت کی معراج سمجھتے ہیں،جدید خیالات،جدید معاشی اصلاحات اور جدید معاشروں کی تشکیل سے اِن کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

تینوں اپنی بقائے باہمی کے اصول پر کاربند رہتے ہیں،ملک اور عوام ان کی آماجگاہ ہوتے ہیں،ملک آزاد رہے یا غلام،انہیں اس سے کوئی غرض نہیں،انہیں معلوم ہے کہ ہر فاتح کو ان کی ضرورت ہوگی،عراق میں صدام چلا گیا،اس کی فوج،پولیس اور بعث پارٹی امریکہ کی ضروریات پوری کررہی ہیں۔بیوروکریسی کا رویہ بدلنے کیلئے بھی جمہوریت کا مضبوط ہونا نہایت ضروری ہے۔تمہاری والدہ کیسی ہیں،مجھ سے اُن کا کوئی رابطہ نہیں۔

والسلام

تمہارا والد

جاوید ہاشمی

فیوڈل مسٹر کلین (Mr Clean) ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

25 مئی 2004ء

گوانتانا موبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بُشی جی!

السلام علیکم! مزاج بخیر!

تم کہتی ہو متوسط طبقے کے سیاستدانوں پر الزامات کیوں لگتے ہیں؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ متوسط طبقے کے لیڈر عوام کے اندر سے آتے ہیں، اس لیے اُن کی کوئی چیز بھی عام آدمی سے چھپی ہوئی نہیں ہوتی۔ وہ اگر سائیکل سے پجارو پر اور چھوٹے سے بڑے مکان میں آ جائے تو تنقید کی زد میں ہوتا ہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے، اُسے اپنے طرزِ زندگی کی جوابدہی کرنا پڑتی ہے اور وہی قیادت اُبھرتی ہے جو عوام کو اپنے اعمال کے بارے میں مطمئن کرتی ہے۔ متوسط طبقے کی قیادت ہی ملک کو دلدل سے نکال سکتی ہے، اُسے معاشرے کے تحت احتسابی شکنجے کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کرنا چاہیے۔

سول اور ملٹری بیوروکریسی اور فیوڈل کی زندگی سینکڑوں پردوں کے اندر ہوتی ہے، ملک کے تمام قوانین اُن کی معاشی بداعمالیوں کی پردہ پوشی کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں، اس لیے ملک کو صحیح قیادت نصیب نہیں ہوسکی۔ فیوڈل تو پیدائشی طور پر ہی مسٹر کلین (Mr Clean) ہوتا ہے۔ اُس کے آباؤاجداد نے قوم کو بیچ کر جو جاگیریں حاصل کی ہوتی ہیں، وہ اس کے گناہوں میں شمار نہیں کی جاتیں۔ متوسط طبقہ کے لوگ، یا وہ نسلیں، جنہوں نے غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کی تھی، ہر سال اپنی محدود زمینوں سے بھوک کی فصل اٹھاتے ہیں، انگریزوں کی غلامی کا صلہ پانے والے ہر سال پہلے سے زیادہ سونے اور جواہرات سے اپنی تجوریوں کو بھرتے ہیں، انہیں بھلا کون موردِ الزام ٹھہرا سکتا ہے۔

فیوڈل کے تمام جرائم ضلعی انتظامیہ کی سرپرستی میں پروان چڑھتے ہیں۔ ضلعی انتظامیہ اُسے مضبوط اور محفوظ کرنے کیلئے رات دن کام کرتی ہے۔ اُس کا ٹکراؤ مقامی انتظامیہ سے نہیں ہوسکتا۔ اپنے لوگوں پر جبر کیلئے وہ ضلعی انتظامیہ کی تابعداری کرتا ہے۔ فیوڈل زرعی اصلاحات کی زد میں آئی ہوئی غریب کسانوں کی زمینیں اپنے اگلے بیس سال میں پیدا ہونے والے بچوں کے نام کراتا ہے۔ اس میں وہ کوئی شرمندگی بھی محسوس نہیں کرتا۔ قانون اس طرح بنایا جاتا ہے، جو فیوڈل ازم کا مددگار ہو۔ اپنی زمینوں کو سرکاری مشینری سے آباد کرتا ہے، یہ

مشینری، بظاہر غریب کسانوں کیلئے، قومی خزانے سے خریدی جاتی ہے۔ خزانے میں رقم بیرونی قرضوں کے ذریعے آتی ہے، قرضوں کا بوجھ غریب پر آجاتا ہے۔ اپنی فصلوں کی دگنی قیمت سرکار سے وصول کرتا ہے۔ منڈی کا ریٹ اپنی بنائی ہوئی مارکیٹ کمیٹی کے مطابق طے کراتا ہے، جس دن اُس نے سرکار کو فصل بیچنی ہو، منڈی کا ریٹ مصنوعی طور پر بے تحاشا بڑھا دیا جاتا ہے۔ عام کسان بیچارہ یہ ریٹ خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔ سیاسی اثرورسوخ سے نہری پانی ناجائز ذرائع سے حاصل کرکے بے آباد زمینوں کو کوڑیوں کے مول خرید کر کروڑوں کی ملکیت میں بدل لیتا ہے۔ سرکاری ناجائز پانی سے باغات پیدا کرتا ہے اور ناجائز ذرائع سے اُسے سونے کی کان میں بدل دیتا ہے۔ سرکاری سرپرستی میں ٹیل والے کسانوں تک پانی نہیں پہنچتا۔ سڑکیں اپنی زمینوں پر بنواتا ہے، ہسپتال اپنی زمین پر بنوا کر جانوروں کے باندھنے کیلئے استعمال کرتا ہے۔ اپنے حلقے پر گرفت رکھنے کیلئے تھانہ، کچہری اور عدالت میں چوروں، ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی کرنا اُس کی مجبوری ہوتی ہے۔ اختلاف رائے رکھنے والے مظلوموں کو اتنا خوفزدہ کردیتا ہے کہ اُن کی نسلیں بھی اس کے مخالف کو ووٹ دینے کی جرأت نہیں کرسکتیں۔

جب حکومت میں ہوتا ہے تو سرکار کے تمام وسائل اپنے ذاتی مقاصد کیلئے استعمال کرتا ہے۔ سرکاری نوکریاں بغیر میرٹ کے تقسیم کرتا ہے اور اس طرح کی بھرتی سے مقامی انتظامیہ کا محسن بن جاتا ہے، اُن کی ترقی اور تبادلہ اُسی کی سفارش پر ہوتا ہے۔ ان تمام مفادات کے تحفظ اور اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کیلئے اقتدار میں رہنا اُس کی مجبوری ہوتی ہے۔ اپنی معاشی حیثیت کو مستحکم کرنے کیلئے فیوڈل اب سیڈ مافیا (Seed Mafia) کا حصہ بن گیا ہے۔ سرکاری محکمے اپنی تحقیق کی تکمیل کے آخری مراحل میں کسانوں کی یہ امانت بڑے زمینداروں کو دے دیتے ہیں۔ بازار میں نایاب ہوجانے کی وجہ سے فیوڈل اِس کا خوب فائدہ اٹھاتا ہے اور وہ سو روپے کی لاگت سے چار ہزار روپیہ منافع کماتا ہے اور کروڑ پتی بن جاتا ہے۔ جب تک لوگوں کو حقائق کا علم نہ ہو وہ اپنی شیریں گفتاری اور وضع داری آداب کی تربیت کی وجہ سے فرشتہ نظر آتا ہے اور اُس کی مخالفت کرنے والا شرپسند کہلاتا ہے۔ اِسی لئے فیوڈل روشنی کا دشمن ہوتا ہے۔ اپنے علاقے میں تعلیم کو نہیں آنے دیتا، ترقی نہیں ہونے دیتا۔ اُس کے حریف فیوڈل بھی اُسی طرح کے فیوڈل ہوتے ہیں، وہ اُس کی اِن خامیوں پر انگلی نہیں اٹھاتے۔ کیونکہ یہی کارِ خیر وہ بھی اپنے علاقوں میں سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔ باہر کی دنیا میں وہ مسٹر کلین ہوتا ہے اور اُس کا حریف بھی مسٹر کلین! فیوڈل اوّل و آخر فیوڈل ہوتا ہے۔ سیاستدان بننا اُس کی مجبوری ہے۔ سیاست میں اُس کا کوئی نظریہ ہوتا ہے نہ مقصد۔ وہ صرف اور صرف فرد کی بالادستی چاہتا ہے۔ اوپر والے بالادست کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ وہ اقتدار کے بغیر اسی طرح زندہ نہیں رہ سکتا، جس طرح پانی کے بغیر مچھلی۔ لوٹے کا لفظ اُس کی توہین نہیں بلکہ توقیر کا باعث بنتا ہے۔

ایک فیوڈل نے ہی کہا تھا کہ ہم نے کبھی پارٹی نہیں بدلی، ہماری پارٹی حکومتی پارٹی ہے۔ اگر کوئی ہماری

پارٹی سے نکل جائے لوٹا وہ ہے یا ہم؟۔

چونکہ دانشور طبقہ اتنی باریکیوں میں نہیں جا سکتا۔ فیوڈل اِس کی کمزوریوں کا خوب فائدہ اٹھاتا ہے۔ قوم کے سامنے اُس کا چہرہ اور ہوتا ہے اور محکوموں کے درمیان اور...... فیوڈل ازِم کا سب سے زیادہ نقصان یہ ہوتا ہے کہ فیوڈلز کی باہمی چپقلش سے ترقی کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں، مگر اِس دشمنی کا کمزور طبقات کو ایک فائدہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ عام آدمی کو فیوڈلز کے اختلافات کی وجہ سے زندہ رہنے کا موقع مل جاتا ہے۔ فیوڈل کے جرائم پر گرفت نہ ہونے کی وجہ سے دیہاتی معاشرے میں جرائم سے نفرت ختم ہو جاتی ہے، عام آدمی سمجھتا ہے کہ زور آور کو قانون توڑنے سے روکنے والا کوئی نہیں اور قانون کی بے وقعتی جرائم کی دنیا کو آباد کر دیتی ہے۔ تھانے جرائم کا اڈا بن جاتے ہیں، انتظامیہ کھُلے عام رشوت لیتی ہے، لوگ قومی سوچ سے لاتعلق ہو کر ذاتی انتقام، لُوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت میں ملوث ہو کر قومی دھارے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ فیوڈل اِن کے جھگڑوں کو بڑھاتا ہے، صحت مند معاشرہ قائم ہونے کی بجائے لوگ ایک دوسرے سے دشمنیاں پالتے ہیں۔

چونکہ اسی فیصد آبادی دیہاتوں میں آباد ہے، یہ کلچر شہروں کی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ عدالتیں سفارش اور رشوت کی زد میں آ جاتی ہیں، ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' کا اصول پورے ملک میں زندگی کا طریقہ (Way of life) بن جاتا ہے۔ تم خود فیوڈل ازم کی بالادستی والے معاشرے میں پیدا ہوئی ہو، مجھے یقین ہے میری بات سمجھنے میں کوئی مشکل درپیش نہیں آئی ہو گی۔

والسلام

تمہارا والد

جاوید ہاشمی

کیا میں غدار ہوں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2 جون 2004ء

گوانتانامو بے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی بُشی جی! السلام علیکم! کیسی ہو!

جیل حکام نے میری چارپائی کو زنجیر سے باندھ کر دروازوں کی سلاخوں سے تالا بند کردیا۔ جیل کے اعلیٰ حکام کا دورہ تھا اور مجھے بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنا کر پیش کرنا مقصود تھا۔ طبیعت پر اس کا کافی اثر رہا، شاید یہی وہ چاہتے تھے۔

آج صبح تین بجے اٹھا تو سلاخوں کے سامنے حسبِ معمول پہرے دار کھڑا تھا۔ شروع میں مَیں اس بات کو محسوس کرتا تھا کہ یہ ساری رات میری کروٹوں کا حساب کیوں رکھتے ہیں، اب عادی ہوگیا ہوں۔ کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ پچھلی ملاقات پر تمہارے اٹھائے ہوئے سوالات کے جواب لکھوں، لیکن شدید گرمی اور حبس نے بے چین کئے رکھا۔ اب آہستہ آہستہ طبیعت اس کی بھی عادی ہوگئی ہے، آج خود کو تازہ دم محسوس کررہا ہوں۔

انسان میں اللہ تعالیٰ نے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی بے پناہ صلاحیتیں رکھی ہیں۔ مگر اس کے باوجود انسان ماحول کے مطابق ڈھلنے کی بجائے ماحول کو اپنے مطابق ڈھالتا رہتا ہے اور اپنی مرضی کے ماحول کیلئے بہشت کے قیام کو بھی اپنی آزادی پر قدغن سمجھتے ہوئے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ مگر میں عجیب وغریب کیفیت کا شکار ہوں۔ قید کے اِس دوزخ میں ضمیر کی آزادی کی نعمت کے مزے لوٹ رہا ہوں۔ مجھے اِس بے پناہ مسرت کی منطق سمجھ نہیں آتی۔ مجھے یہاں آئے ہوئے آٹھ ماہ کا عرصہ ہوگیا ہے، تنہائی کا زہر بھی میرے لئے کارِ تریاقی بن جائے تو پھر اسے دماغ کے خلل کا نام ہی دیا جاسکتا ہے۔

میں نے تمہیں بتایا تھا، میری ذہنی ساخت و پرداخت میں میرے گھریلو ماحول کا بہت اثر ہے۔ گھر کی چاردیواری میں مَیں نے سعدی، رومی، حافظ شیرازی، نظامی، گنجوی، اقبال لاہوری، ارسطو، افلاطون، سقراط، بقراط جیسے نام اپنی والدہ اور والد سے سنے۔ بڑے بھائی نے فارسی سے اردو کی طرف سفر کرایا۔ نسیم حجازی، مقدمہ ابنِ خلدون، ابنِ جریر طبری کی مل ملا کر پچاس کے قریب جلدیں پڑھنے کے بعد نہج البلاغہ، بخاری، موطا، قدوری، مشکوٰۃ، ماجہ، ترمذی سے گزر کر ابنِ تیمیہ، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک، امام ابو یوسف کی سُدھ بُدھ ہونے لگی۔

میٹرک کرنے سے پہلے تفاسیر اور فتاویٰ کو سمجھنے کیلئے کوشاں ہوگیا۔ تفسیر ابنِ کثیر سے، مجدد الف ثانی شاہ

ولی اللہ، مولانا احمد رضا خان، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتاوئ رشیدیہ اور فتاوئ عالمگیری زیرِ مطالعہ تھے۔ اِن ہی دنوں میں تاریخ بنو اُمیہ، بنو عباس، تاریخ انگلستان، تاریخ فرشتہ اور مغلوں کی تزکیں پڑھنے کا موقع ملا۔ عصرِ حاضر کے لکھنے والوں میں مولانا مودودیؒ کی خلافت وملوکیت سے مقدمہ تفہیم القرآن تک اور تفسیر تفہیم القرآن سے صاحب تفہیم القرآن تک پہنچا۔ اردو، فارسی اور انگریزی ادب کے صحنِ چمن کے چند گوشوں کی سیاحت کر سکا۔ ذہن میں ایک ملغوبہ تیار ہو گیا۔ اب نہ اردو آتی ہے، نہ فارسی اور نہ انگریزی۔ بس کام چل رہا ہے.........

اردو میں اساتذہ کے کلام کے بعد اقبال اور فیض اچھے لگے۔ انگریزی میں بھی ورڈ ورتھ، کیٹس اور شیلے کالرج، بیرن سے آگے نہ بڑھ سکا۔ البتہ فارسی میں رومی، حافظ شیرازی، عمر خیام، فردوسی سے پروین، اعتصامی تک گرتا پڑتا پہنچ ہی گیا۔

سادہ عربی سمجھ لیتا ہوں، لیکن عربی ادب سے بالکل کورا ہوں۔

ابھی میٹرک کے امتحان میں دو مہینے باقی تھے کہ 17 مارچ 1966ء میں میری شادی ہو گئی۔ تمہاری والدہ مجھ سے بھی ایک سال چھوٹی تھی۔ میں نے اشاروں کنایوں میں بزرگوں تک پیغام پہنچایا کہ دو مئی کو میرا پہلا پرچہ ہے۔ مگر آزادیٔ نسواں کے اس دور میں مَردوں کی کون سنتا ہے، میری خالہ اور والدہ یعنی آپ کی دادی اور نانی کا فیصلہ تقدیرِ مُبرم کی طرح صادر ہو چکا تھا۔

میں چھوٹی عمر کی شادی کے سخت خلاف ہوں، لیکن میری ذات کے حوالے سے نتائج مختلف ہیں۔ مجھے چھوٹی عمر کی شادی راس آ گئی۔ تمہاری والدہ مشترکہ خاندانی نظام کی وجہ سے پوری زندگی میری ذمہ داری نہیں رہی۔ اب تو مشترکہ خاندان کی ذمہ داریاں بھی اس کے کندھوں پر ہیں۔

گھر کی ذمہ داری نہ ہونے کی وجہ سے کالج اور یونیورسٹی کی تعلیمی اور غیر تعلیمی سرگرمیوں کیلئے میرے پاس کافی وقت تھا۔ جب میں یونیورسٹی پہنچا تو تمہاری بہن میمونہ پیدا ہوئیں۔ وہ سارے خاندان کی آنکھ کا تارا تھیں۔ خاص کر دادا، دادی اور نانا، نانی کی محبتیں اُس پر نچھاور تھیں۔

ہر مرحلے پر مجھے خاندان کی مدد مل رہی تھی اور میرے لئے حق اور سچائی کے راستے پر چلنا اتنا دشوار گزار نہیں لگتا تھا۔

ذہنی پختگی کیلئے پنجاب یونیورسٹی نے مجھے اپنی باہوں میں لے لیا۔ میں کالج سے فلسفہ کا طالب علم تھا۔ یونیورسٹی میں فلسفہ کی وسیع دنیا آباد تھی۔ اِس دنیا میں نہ خود کو تلاش کر سکا ہوں اور نہ حق اور سچائی کو بالادست کر سکا ہوں۔ لیکن سچائی کے پرچم کو سرنگوں بھی نہیں ہونے دیا۔ جو میرے خیالات کو پابند سلاسل نہ کر سکے، وہ میری چارپائی کو زنجیروں سے باندھ کر تسکین حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اقبال نے "فلسفہ زدہ سید" کو مطعون کیا تھا۔ جو ژنا ری برگساں ہو گیا تھا۔ اُسے ہیگل کا صدف بھی گوہر سے خالی نظر آتا ہے۔ وہ ہابز' روسو' لاک اور کانٹ کا پیچھا کرتا ہے۔ راستے میں اُسے انقلابِ فرانس اور نیست پیغمبر و لے دارد کتاب والا کارل مارکس بھی ملتا ہے۔ وہ دانتے کی Devine Comedy تک حکیم نطشے کو ذہن میں رکھ کر پہنچتا ہے۔ آخر میں کہتا ہے

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

میرا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ میں کارل مارکس کو کوئی برگزیدہ شخص تو نہیں مانتا، نہ ہی ماؤزے تنگ جیسے عظیم مصلح کو صرف رد کنفیوشس اور لوزے Loatse کا پیروکار کہہ کر آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔

میں سمجھتا ہوں تمام پیغمبر غریبوں، مظلوموں اور روندے ہوئے طبقات کے محافظ تھے۔ تمام پیغمبروں نے ظالموں کا مقابلہ کیا ہے۔ فرعون، نمرود، شدّاد، اہلِ مدین جبر کے نمائندے تھے۔ پیغمبران حضرت عیسیٰ کو درکھان کا بیٹا، حضرت ادریس کو جولاہے کا بیٹا، حضرت موسیٰ کو غلام ابنِ غلام کہا گیا۔

پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں بھی کہا گیا کہ اگر نبوت نے آنا تھا تو وہ قریش کے سرداروں کے گھر آتی۔ ایک ایسے شخص کے پاس کیوں آئی جو ایک خاتون کے ہاں روزگار کیلئے کام کر رہے تھے۔ اسی طرح اپنے دور میں کارل مارکس اور ماؤزے تنگ نے غریب طبقات کی بات کی ہے۔ میں اُن کا پیروکار اس لئے نہیں بن سکا کہ ان کے فلسفہ میں جبر کو کچھ مقامات پر بالادستی حاصل ہو جاتی ہے۔

جہاں انسان کی آزادی پر قدغنیں زیادہ ہوں، وہ نظام خود اپنے بوجھ کے نیچے دب کر ختم ہو جاتا ہے اور یہی کمیونزم کے ساتھ ہوا ہے۔ ورنہ کارل مارکس اور ماؤزے تنگ کی ادائیں تو پیغمبرانہ تھیں۔

برطانیہ کا میگنا کارٹا، فرانس میں روسو کا معاہدہ عمرانی اور امریکہ کا حقوق کا بل Bill of Rights انسانی تہذیب کے ارتقاء میں اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔

انقلاب فرانس نے انسانی آزادیوں کی جدوجہد کو نیا رخ دیا ہے۔

روسو نے کہا انسان آزاد پیدا ہوا تھا اب وہ زنجیروں میں پابند ہے۔

گوئٹے نطشے نے انقلابِ فرانس کو عالم انسانی پر ایک قوس قزاح کی طرح دیکھا اور والٹیئر کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ آدھا انقلابِ فرانس ہے۔

یہ سارے انکشافات یورپ پر اڑھائی تین سو سال پہلے ہوئے، سوائے میگنا کارٹا کے، جو تقریباً آٹھ سو سال پہلے ہوا تھا۔ وہ صرف بادشاہ اور برطانیہ کے زمینداروں کے حقوق کا تعین کرتا تھا۔

14 سو سال پہلے حضرت عمرؓ نے کہا تھا "تم نے کب سے انہیں غلام بنا رکھا ہے، حالانکہ اِن کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔"

میں نے حضرت عمرؓ کا قول تمہارے دادا کے ڈیرے کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا۔ مجھے روسو کی آواز میں انسانیت کی بالادستی کی وہی روح جلوہ گر نظر آتی ہے جس کا درس اسلام نے دیا ہے۔

میں سب سے زیادہ ژاں پال سارتر کے فلسفہ وجودیت سے متاثر ہوا ہوں۔ وہ کہتا ہے

I am Commited Therefore I am

ویت نام اور الجزائر کے مسئلہ پر سارتر کے علاوہ برٹرینڈ رسل نے بھی مجھے متاثر کیا ہے اور مشرق کے دوبارہ بیدار ہونے کی اُس کی پیشگوئی سو فیصد صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ لیکن ژاں پال سارتر کی اپنے عقائد کے ساتھ عملی وابستگی نے اُسے میرا ہیرو بنا دیا ہے۔ وہ کہتا ہے "اچھائی اور برائی کے معرکے میں کوئی غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ خیر و شر کی معرکہ آرائی میں محض تماشائی کا کردار ادا کرنے والے یا تو بزدل ہوتے ہیں یا غدار"۔

میں ایسے فلسفہ کا پیروکار ہوں جس میں سب کا خلاّق اور سب سے طاقت ور کہتا ہے کہ میں اپنے حقوق معاف کر سکتا ہوں لیکن بندوں کے حقوق معاف نہیں کر سکتا، یا نہیں کرونگا۔ یہ وہ مقام بندگی ہے۔ جسے دیگر انسان شان خداوندی نہیں لینا چاہتا۔

محسنِ انسانیت کا دیا ہوا یہ درس تا قیامت ہمارے لئے مشعل راہ ہے، شہیدوں میں سے بہتر حمزہ بن عبدالمطلب ہیں، پھر ان کے بعد وہ شخص ہے جو کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو اور حاکم کو اَمر و نہی کی تلقین کرے، جس کی پاداش میں وہ حاکم اُسے ہلاک کر دے۔ ہمیں لیڈر سے زیادہ ریفارمر (مصلح) کی ضرورت ہے۔ ایسا مصلح جو آج کی ناقابل علاج معاشرتی بیماریوں کا دارو بن سکے اور اپنے کردار کے نشتر سے فاسد مادوں کو قومی وجود سے پاک کر دے۔

میری سوچ، عمل اور قول و فعل میں تضاد ہے۔ سوچتا کچھ ہوں، کہتا کچھ ہوں اور کرتا کچھ اور ہوں۔ یہی قول و فعل کا تضاد ہی ہماری سب سے بڑی بیماری ہے۔ دعا کرو کہ تمہارا والد اور پوری قوم اس بیماری سے شفایاب ہو جائے۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

متوسط طبقے کی قیادت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

15 جون 2004ء

گوانتاناموبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بختو بی بی!

السلام علیکم! مزاج بخیر!

میرا سیل تندور کی طرح تپ رہا ہے، راتیں بھی کروٹیں لیتے گزرتی ہیں۔ کیمپ جیل لاہور میں ہمیں ائرکولر کی سہولت حاصل تھی، یہاں وہ بھی حاصل نہیں ہے۔ گوانتاناموبے کو بھیجنے اور وہاں سے آزاد ہو کر آنے والے قیدیوں کو الگ رکھنے کیلئے جیل میں ایک ویران گوشہ تلاش کیا گیا تھا، جسے جیل میں گوانتاناموبے سیل یا کیوبا سیل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے حفاظتی انتظامات کیے گیے، دیواروں کو اور بلند کیا گیا، بجلی کی تاریں لگا کر اسے محفوظ کیا گیا۔ اس کے اردگرد کے علاقے بھی خالی کرادیے گئے، گویا میں ایک ویران جزیرے پہ رہتا ہوں، جہاں خودرو پودوں اور پرندوں کی آوازوں، جنگلی چوہوں اور بلیوں کا بسیرا ہے۔ انسانی شکلیں دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں اور انسانی آوازیں سننے کو کان۔

جب مجھے اس سیل میں بھیجا گیا تو میں نے احتجاج کیا، مگر ''باغی اور غدار'' کی بات پر کون توجہ دیتا ہے۔ ایک لوہے کی پلیٹ اور ایک پلاسٹک کا گلاس مجھے کھانے پینے کیلئے دیا گیا۔ یہ اس سیل میں میری کُل کائنات تھی۔ کوٹ لکھپت جیل میں تو ٹُونٹی سے منہ لگا کر پانی پینا پڑتا تھا، ہاں! یہاں ایک عدد لوٹا بھی تھا، سچی بات ہے، مجھے یہاں آ کر لوٹے کی قدر و قیمت کا احساس ہوا۔ مجھے لگتا ہے یہی احساس دلانے کیلئے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔ جس طرح میرے جیسے دیہاتی کا میلے میں کھیس چوری ہو گیا تو اُس نے کہا: میلہ تو میرے کھیس کو چُرانے کے لیے لگایا گیا تھا۔

اب رہا تمہارا سوال کہ متوسط طبقے کی قیادت کیوں نہیں اُبھری، میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے متوسط طبقے کی قیادت متوسط اور جمہوریت کی تین علامتیں تھیں۔ موچی گیٹ لاہور، لالوکھیت کراچی اور پلٹن میدان ڈھاکہ۔ ہمارے حکمران پنجابی بیوروکریسی، فوجی جرنیل اور فیوڈل لارڈ، اِن تینوں علامتوں کو مٹانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

مشرقی پاکستان کی قیادت متوسط طبقے سے آتی تھی، وہاں کی 80 فیصد زمینوں پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اور

ووٹ پر مسلمانوں کا۔ ہندو وہاں اپنی بقا کی جنگ لڑنے کیلئے مسلمان قیادت کو استعمال کرتا تھا، لیکن براہ راست اسمبلیوں تک پہنچنا اس کیلئے ناممکن ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ وہاں کی قیادت پر ہندو مارواڑیوں کی گرفت کمزور ہو رہی تھی، کیونکہ وہ اپنی دولت کلکتہ منتقل کر رہے تھے اور مقامی آبادی کے غیض و غضب کا نشانہ بن رہے تھے۔

مغربی پاکستان کے حکمرانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو مستحکم کرنے کی بجائے بے توقیر کر دیا۔ اُن کی 200 سال کی جدوجہد کو انگریزوں کے کاسہ لیس مذاق کا نشانہ بناتے تو اُن کے زخم ہرے ہو جاتے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد ملک میں ''جمہوریت کا ایک جزیرہ'' رہ گیا تھا، جس سے متوسط طبقے کی قیادت جنم لیتی تھی۔ پورے ملک کی امیدوں کا مرکز کراچی اور حیدر آباد کو سمجھا جاتا تھا، اُسے ختم کرنے کیلئے پھر نئی منصوبہ بندی کی گئی، وہاں سے متوسط قیادت تو آتی ہے مگر اُس کی سوچ کا دھارا بلدیاتی حدود سے آگے نہیں نکل سکا۔

دُنیا میں بے شمار ملک ہیں جن کی ترقی کا دروازہ متوسط طبقے کی قیادت نے کھولا ہے۔ مجھے یقین ہے اگر بار بار انتخابات ہوں اور اداروں کو مستحکم ہونے کا موقع ملے تو صرف پاکستان ہی نہیں پوری ترقی پذیر دنیا میں سیاسی استحکام کی وجہ سے معاشی انقلاب آ جائے گا۔ متوسط اور غریب طبقات کی قیادت کا دروازہ اسمبلی میں کھلتا ہے، جب اسمبلی کا دروازہ سالہا سال تک بند کر دیا جائے یا اسمبلیوں کو کٹھ پتلیاں سمجھ لیا جائے تو عوام قومی دھارے سے کٹ جاتے ہیں۔ اسمبلیاں صرف مراعات یافتہ طبقے کے کلب بن جاتی ہیں اور عوام کی نفرت کا مرکز۔

تمہیں بتانا تھا، سعدیہ اور عمران ملنے آئے تھے، محمد اور نور فاطمہ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ جیل والوں نے ایک سالہ محمد اور دو سالہ نور فاطمہ کے ہاتھوں پر بھی مہریں لگائی ہوئی تھیں۔ اپنے نانا سے ملنے کیلئے اِن بچوں کو جن پابندیوں کا سامنا ہے وہ تاریخ کا حصہ ہیں اور میرے لیے زادِ سفر!

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

قوتِ برداشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

20 جون 2004ء

گوانتاناموبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی بُشری بی! السلام علیکم! مزاج!

برداشت کی طاقت زندگی کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ سیاست میں تو خاص طور پر اس کی بہت اہمیت ہے۔ میمونہ میں حوصلہ اور برداشت مجھ سے کہیں زیادہ ہے، وہ حادثاتی طور پر سیاست میں نہیں آئی بلکہ حادثہ اُسکی ذات کی تکمیل کے لیے انتظار کر رہا تھا۔

برداشت کی دوسری انتہا میں نے جیل میں دیکھی ہے۔ میں صبح وشام پرندوں اور بلیوں کے سامنے اُن کی خوراک ڈال دیتا ہوں۔ ہم سارے ایک دوسرے سے ایسے مانوس ہو گئے ہیں جیسے ایک ہی خاندان کے فرد۔ نہ میں پرندوں کو شکار کرنے کا سوچتا ہوں اور نہ بلیاں اُن پر جھپٹتی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی سوچ سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ رزق کی بہم رسانی اور قید نے جبلتوں پر کنٹرول کر لیا ہے۔ اسی طرح گلوبل ویلج کے چودھری ہمیں بھوکا مار کر اپنے کنٹرول میں لے آتے ہیں اور ہماری قوت برداشت کا امتحان لیتے ہیں۔ جب ہم بھوک سے بلبلاتے ہیں تو قرضوں کی صورت میں ہمیں قوت لایموت فراہم کر دیتے ہیں تاکہ اُن کی معیشت کا پہیہ چلتا رہے۔

میں نے زندگی بھر کوشش کی ہے کہ ذاتی دشمنیاں نہ پالوں۔ اس میں کس حد تک کامیاب ہوا، یہ وقت فیصلہ کرے گا۔ سکول کی زندگی سے لے کر اب تک جب بھی کوئی انتخاب ہارا ہوں، میں نے فریقِ مخالف کو مبارک باد ضرور دی۔ ذاتی طور پر جا کر بھی اور اخبار کے ذریعے بھی۔ میں قبائلی دیہاتی ماحول میں پلا ہوں۔ میری یہ حرکت میرے حامیوں نے کبھی پسند نہیں کی، مگر میں نے یہ سب والدِ محترم سے سیکھا وہ کہا کرتے تھے دوسرے کو مٹانے کی خواہش کو اپنے دل سے مٹا دو اور اس خواہش کو معاشرے سے برائی مٹانے کی خواہش میں بدل دو۔ وہ کہا کرتے تھے ہر انسان ایک شخصیت لے کر پیدا ہوتا ہے، قدرت کا منشا بھی یہی ہے کہ ہر انسان اپنے آپ کو اہم سمجھے۔ وہ فرماتے تھے کہ انسان دو دعائیں کبھی نہیں مانگتا، ایک مزید عقل کے لیے اور دوسری شکل کو بہتر بنانے کے لیے۔ وہ اپنے آپ کو خوبصورت بھی سمجھتا ہے اور عقل مند بھی۔

میں سکول میں پہلی مرتبہ تقریری مقابلے میں صدارت کا عہدہ دو نمبر سے ہار گیا۔ منصفین نے کہا تقریر تو ٹھیک ہے مگر اس نے وردی نہیں پہنی ہوئی۔ پتہ نہیں میں شروع سے ہی وردی سے کیوں الرجک تھا۔ آخر کار پہنانے والوں نے مجھے وردی پہنا کر ہی دم لیا، خواہ وہ قیدی نمبر 6496 کی وردی ہی کیوں نہ ہو۔ خیر میں بات کر رہا تھا

برداشت کی، میں نے پھول صدر بننے والے اور بنانے والوں کو پہنا دیئے مگر سکول والے انہیں دونمبر صدر کہہ کر پکارتے۔ حالانکہ وہ وردی والے صدر تھے۔ فرسٹ ائیر میں الیکشن ہارا تو سارے پھول جیتنے والے کو پہنا دیے۔

عملی زندگی کے انتخاب میں جب ہارا تو حریفوں کو گھر جا کر مبارکباد دی۔ ایک مرتبہ عجیب واقعہ ہوا، میں اپنا ووٹ کاسٹ کرنے کے لیے جلدی میں کمرے میں داخل ہوا تو پیر وارث شاہ مخالف کی صندوق میں ووٹ ڈال رہا تھا، اُس کے ہاتھ سے پرچی گر پڑی اور وہ یہ کہتے ہوئے باہر بھاگ گیا کہ میں نے آپ کو ووٹ دے دیا ہے۔ میں نے وہ پرچی اٹھا کر اپنے مخالف کی صندوق میں ڈال دی، یہ اُسی کا حق تھا میرے اور اللہ کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا، میں نے جس کی امانت تھی اُس تک پہنچادی۔ شیطان کو پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی جس نے مجھے احساس دلانے کی کوشش کی کہ تم ایک ووٹ سے بھی الیکشن ہار سکتے ہو، میرا ضمیر اپنا کام کر چکا تھا۔ یونیورسٹی میں خونِ جواں تھا لیکن میری اپنے حریفوں سے دوستیاں تھیں۔ ہم ایک دوسرے کے خلاف زور شور سے تقریریں کرتے لیکن نظریات کی سیاست کبھی ذاتی دشمنیوں میں نہیں بدلی۔ جہانگیر بدر، راجہ انور، انور چودھری، راشد بٹ، حسام الدین قریشی سے اب تک بھائی چارہ قائم ہے۔ راجہ انور کے بال بہت لمبے ہوتے تھے، کمرے میں بیٹھ کر ہم اکٹھے چائے پیتے اور اُس کے سر اور داڑھی میں انگلیوں سے کنگھی کرتے اور خوب ہنستے۔

1993ء کا واقعہ ہے کہ محترمہ بے نظیر نے لانگ مارچ کا اعلان کیا اور ہماری حکومت نے غلط حکمتِ عملی سے پورے شہر کو فورٹریس میں تبدیل کر دیا۔ سرحد، سندھ، بلوچستان اور پنجاب کا راستہ پورے ملک سے کاٹ دیا گیا، اٹک کے پُل پر مورچے بنا دیئے اور اسلام آباد میں جگہ جگہ پر چوکیاں بنا دی گئیں۔ اِس دوران پیپلز پارٹی کے سابق وزیر سید ناظم حسین شاہ ہماری حکومت کو گرانے کے لیے میرے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ لانگ مارچ میں شریک ہونے کے لیے اس سے محفوظ راستہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ تمہیں معلوم ہے سید ناظم حسین شاہ میرے قریبی دوست ہیں، ہر الیکشن میں اپنی پارٹی کی حمایت میں اور میری مخالفت میں انتخابی مہم چلاتے ہیں۔ 2002ء کے انتخابات میں بھی میری مخالفت میں پیش پیش تھے۔ میں نے انہیں دوستی کے آغاز میں ہی کہہ دیا تھا کہ سب سے پہلے آپ کو اپنی جماعت سے وفادار رہنا چاہیے اور بعد میں ذاتی دوستوں سے۔ وہ میرے اس مشورے پر بھرپور طریقے سے عمل کرتے ہیں، جب میں جیل میں ہوتا ہوں تو تیتر بٹیر، سوہن حلوہ اور شربتِ بادام کی فراہمی وہ اپنے ذمہ لے لیتے ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود جب بھی اللہ کے گھر جانا ہوتا ہے پہلی نظر پڑتے ہی قوتِ برداشت کی دُعا مانگتا ہوں۔ مجھے احساس ہے میری دعا ابھی تک قبول نہیں ہوئی۔ آؤ تم بھی میری اس دعا میں شامل ہو جاؤ کہ اے سب کی سننے والے رب، ہمیں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی طاقت عطا فرما، آمین۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

آٹھ ارب کا فائدہ
اقتدار اور اختلاف کی سیاست

25 جون 2004ء
گوانتاناموبے سیکورٹی سیل
سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بُشی جی!

السلام علیکم! کیسی ہو!

امید ہے تم خیریت سے ہوگی۔ تم سے ملے ہوئے تین مہینے ہوگئے ہیں۔ امتحانات کی تیاری کیسی ہے؟ صاف ظاہر ہے تم ان دنوں بہت مصروف ہوگی۔ جونہی امتحانات ختم ہوں مجھے آ کے مل جانا۔ بہتر یہی ہوگا کہ پہلے ملتان جا کر ماں کی خیریت دریافت کرو اور پھر زیادہ وقت اسلام آباد میں رہ کر اپنا تھیسز (Thesis) مکمل کرو۔ یہاں تمہیں تربیت حاصل کرنا آسان ہوگا اور مجھ سے ملنے میں بھی سہولت ہوگی۔ تم نے پوچھا تھا: میرے وزیر بننے کا قوم کو کیا فائدہ ہوا؟ حزب اختلاف میں رہنے سے میں نے کونسی قومی خدمت سرانجام دی اور جیل جانے سے کونسی بہتری آ گئی ہے؟

میں مختصراً تمہاری دونوں باتوں کا جواب دیتا ہوں۔ کیونکہ یہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

میں میاں نواز شریف کی دونوں حکومتوں میں کابینہ میں شامل تھا۔ پہلی کابینہ میں میرے پاس سپیشل ایجوکیشن، سوشل ویلفیئر، ہاؤسنگ و تعمیرات اور کچھ وقت کیلئے ماحولیات کی وزارت تھی۔

ہاؤسنگ و تعمیرات کی وزارت کی دنیا بہت وسیع ہے۔ پوری قوم کے سر پر چھت فراہم کرنے کی پالیسی پر مبنی نئی تعمیرات سے لے کر ملازمین کو تمام حکومتی گھروں کی الاٹمنٹ اور اُن کی درجہ بندی کا آخری فیصلہ متعلقہ وزیر کے پاس ہوتا ہے۔ میں نے بطور وزیر کوئی ایک فیصلہ بھی میرٹ سے ہٹ کر نہیں کیا۔ بلکہ اپنے اختیارات ایک کمیٹی کے حوالے کر دیئے۔ جس میں عوامی نمائندے موجود تھے۔ (آج تمہیں خط لکھ رہا تھا۔ اخبار میں خبر چھپی ہے کہ یہ اختیارات دوبارہ ہاؤسنگ کے وزیر کو واپس کر دیئے گئے)۔ میں فقط اِن کے فیصلوں پر عملدرآمد کراتا تھا۔ ایک بہت بڑی جائیداد جس کی قیمت اربوں روپے ہے، محتسب اعلیٰ نے ایک کاروباری گروپ کے حوالے کرنے کو کہا۔ مجھے اس گروپ کے کچھ نمائندے ملے اور کہنے لگے کہ اگر آپ محتسب اعلیٰ کے حکم پر عمل درآمد کرائیں گے تو اس سے آپ کی نیک نامی میں اضافہ ہوگا اور آپ کے دوست یا عزیز ہمارے پارٹنر بھی بن سکتے ہیں۔ میں نے کہا: آپ کا حق بنتا ہے تو اس حق کی حفاظت کا میں نے حلف اٹھایا ہے۔ اگر آپکا حق نہیں بنتا تو میں آپ کی کوئی خدمت

نہیں کر سکوں گا۔

میں نے فائل منگوائی محتسب اعلیٰ کا فیصلہ یکطرفہ تھا۔ میری وزارت نے اس فیصلے کو چیلنج کر دیا اور حکومتی خزانے کو اربوں کے نقصان سے بچا لیا گیا۔

محترمہ بے نظیر کے دور میں پھر اس گروپ نے یہ زمین اپنے نام کرانے کی کوشش کی، میں اس وقت قومی اسمبلی کا ممبر تھا۔ مجھے خواجہ طارق رحیم وی آئی پی لاؤنج اسلام آباد میں ملے۔ میں ممبران قومی اسمبلی کے ساتھ بیٹھا گپ شپ کر رہا تھا۔ وہ حسب عادت اونچی آواز میں کہنے لگے کہ اس بیوقوف سے پوچھو، اس نے کروڑوں روپے کی آفر کو ٹھکرا دیا تھا۔ وہ جائیداد اب انہی لوگوں کو الاٹ ہو گئی ہے، جن کے خلاف یہ رکاوٹ بنا تھا (اُس وقت خواجہ طارق رحیم محترمہ بے نظیر کی کابینہ میں وزیر تھے)۔ میں نے اور دوسرے حزب اختلاف کے ممبران نے یہ معاملہ پہلے ہی اسمبلی میں اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر حزب اختلاف باصلاحیت ہو تو حکومت سے زیادہ عوام کو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہم اتنا احتجاج کریں گے کہ حکومت کو فیصلہ بدلنا پڑے گا اور بعد میں یہی ہوا۔ یہ جائیداد میری معلومات کے مطابق ابھی تک قوم کی ملکیت میں ہے۔

دوسری مرتبہ میں وزیر صحت تھا۔ جب حلف اٹھانے کے بعد اپنے دفتر میں گیا تو سیکرٹری ہیلتھ ظہیر سجاد، جو ہمارے سابق چیئرمین سینٹ وسیم سجاد کے بھائی ہیں، نے کہا سر! ہم نے پولیو کی مہم چلانی ہے، کوئی ملک ہمیں مدد دینے کو تیار نہیں، بجٹ میں اس کیلئے پیسے نہیں ہیں، اب کیا ہوگا؟۔ میں نے اعانت کرنے والے ملکوں کی میٹنگ بلائی۔ اُن سے سیاستدان کی زبان میں گفتگو کی۔ خطوط کے ذریعے اُن کے ملکوں سے رابطہ کیا، ہمیں کروڑوں روپے کی مطلوبہ ویکسین (Vacien) بروقت مل چکی تھی اور قومی خزانہ سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا۔ اس سے پچھلی حکومت کا پولیو کا 35 لاکھ کا ویکسین کا سکینڈل بھی ہمارا راستہ نہ روک سکا۔

تمہیں سیاسی اقتدار کے ان پہلوؤں سے روشناس کرا رہا ہوں، جو قومی خزانے پر بوجھ بننے کے پروپیگنڈے کا حصہ ہیں۔

صحت کے محکمے کو ایک ٹیکنیکل وزارت سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں نہ میرا علم تھا اور نہ تجربہ۔ لیکن عوامی تعلق کسی بھی سیاستدان کو کامیاب کر سکتا ہے۔ اسی لئے برطانوی پارلیمانی نظام میں کہا جاتا ہے کہ "وزیر کو سپیشلسٹ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ جرنلسٹ ہونا چاہیے"۔ یہاں پر تو سیکرٹری بھی سپیشلسٹ نہیں ہوتا، نہ ہی ٹیکنوکریٹ اور نہ ہی جرنلسٹ۔

میں نے صرف ایک فیصلے سے قومی خزانے کو ہر سال ایک ارب بیس کروڑ کے زرمبادلہ کا فائدہ پہنچایا ہے۔ اب تک یہ بچت آٹھ ارب ہو چکی ہے اور ہر سال ہوتی رہے گی۔ میری طرف سے قوم کے اعتماد پر پورا

اترنے کی یہ ایک ادنیٰ سی کوشش تھی۔

ہوا یوں کہ مجھے اپنے عوامی رابطوں سے پتہ چلا۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں خام مال چین، بنگلہ دیش، سنگاپور سے خرید کر باہر کہیں Dump کرتی ہیں اور پھر اسے سوئٹزر لینڈ، امریکہ یا فرانس یا کسی مغربی ملک کا مال قرار دے کر ہمیں مہنگا فروخت کرتی ہیں۔

اس کا فرق تمہیں یوں سمجھ آئے گا کہ ایک کلو خام مال جو سنگاپور یا تائیوان سے پانچ سو ڈالر فی کلوگرام خریدا جاتا وہ ہمیں 35 ہزار ڈالر فی کلوگرام فروخت کیا جاتا۔ ہم یہ مال ٹنوں میں درآمد کر رہے تھے اور جہاز بھر بھر قیام پاکستان سے لے کر اب تک آ رہے تھے۔ کسی نے چیک کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی۔ اس خام مال کو امریکہ اور یورپی ممالک خود چین، ہندوستان، سنگاپور اور بنگلہ دیش سے خریدتے ہیں اور وہ اپنے لئے دوائیں بناتے ہیں۔ چونکہ خام مال کی خاصیت ایک ہوتی ہے، اس لئے ترقی یافتہ اقوام اب خام مال تیار کرنے کی بجائے درآمد کرتی ہیں اور ہم جیسے ناسمجھوں کو برآمد کرتی ہیں۔

میرا ٹارگٹ فی سال پانچ ارب روپے بچانے کا تھا، کیونکہ قومی خزانہ کو صرف خام مال کی مد میں ہر سال پانچ ارب روپے کے زرمبادلہ کا نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔

تم پوچھو گی کہ میں نے یہ کارنامہ سرانجام کیسے دیا جو گذشتہ پچاس سال میں نہ دیا جا سکا؟ ہوا یوں کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لیڈروں کی مفادات کے ٹکراؤ پر جنگ ہوگئی۔ اُن میں سے ایک کمپنی کے سربراہ نے مجھے کہا: اگر آپ مجھے یقین دلائیں کہ آپ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے دباؤ میں نہیں آئیں گے تو میں خام مال کی اصل قیمتوں کی تمام فہرستیں آپ کے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے اسے کہا: میں اپنے عوام کا چوکیدار ہوں، تم مجھ پر اعتماد کرو۔

جب میں نے تمام فہرستیں ملٹی نیشنل کمپنیز کے سربراہوں کے سامنے رکھیں تو اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اسی دوران میں جنیوا گیا تو ان سربراہوں نے مجھے وہاں ملنے کی کوشش کی۔ میں نے جواب میں کہا کہ میں محدود ایجنڈا لے کر آیا ہوں۔ یہ معاملات پاکستان کی سرزمین پر میرے دفتر میں میٹنگ میں طے ہو سکتے ہیں۔ میں اکیلا فیصلہ نہیں کر سکتا، وہ مایوس ہوگئے۔ میں نے ایک کمیٹی بنا دی۔ اس کمیٹی سے طویل مذاکرات ہوئے اور آخر کار یہ کمپنیاں رضاکارانہ طور پر خام مال کی قیمتوں میں کمی کرنے پر آمادہ ہوگئیں۔ اُن سے طے پایا کہ پہلے مرحلے میں وہ ایک ارب تیس کروڑ روپے کا زرمبادلہ کم کریں گے۔

ہمارا ٹارگٹ 5 ارب روپے سالانہ کم کرنے کا تھا۔ اس دوران ہماری حکومت ختم ہوگئی۔ اب اس واقعہ کو 6 سال ہوگئے ہیں اور اس طرح قومی خزانے کو 8 ارب کے زرمبادلہ کا فائدہ ہوا ہے اور ہر سال یہ عمل جاری رہے گا۔ خط طویل ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے تین مرتبہ دواؤں کی قیمتیں کم کیں، یہ کیسے ہوا...... میرے جیل میں آنے کا

قوم کو کیا فائدہ۔ یہ ساری باتیں پھر کسی وقت......بس امتحانات سے فارغ ہو آ کر مجھے مل جاؤ، مگر پہلے ملتان میں اپنی والدہ سے ملنے کے بعد......ملتان جا کر سعدیہ سے کہنا، وہ محمد اور ماہ نور فاطمہ کو مجھ سے مِلا جائے، میں اُن کے بغیر اداس ہوں۔

والسلام
تمہارا باپ
جاوید ہاشمی

عہدے کی سیاست اور نیلسن منڈیلا سے ملاقات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2 جولائی 2004ء

گوانتانامو بے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی بشریٰ جی!

السلام علیکم! کیسی ہو تم، پڑھائی کیسی جارہی ہے۔

میں آج بہت اُداس ہوں، تمہاری ماں اتنی کمزور ہوگئی ہے کہ گذشتہ ایک ماہ سے جیل تک بھی نہیں آسکی۔ بچوں کی خبر گیری کیسے کرے گی، مومنہ ماں کی تیمارداری بھی کرتی ہے اور میرا خیال بھی رکھتی ہے اور صبح وشام اکیڈمی میں تعلیم کیلئے بھی جاتی ہے۔

سب سے زیادہ بوجھ میمونہ کے کندھوں پر آپڑا ہے۔ میرے مقدمات کی پیروی، اسمبلی کی حاضری، مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں شمولیت اور حلقہ انتخاب سے رابطہ۔ اُس نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا، مگر جس ہمت اور حوصلے سے اُس نے حالات کا مقابلہ کیا ہے، میرے لئے باعث مسرت ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کردار اُس کا انتظار کررہا تھا۔ احباب اُس کی تقاریر کے بارے میں بتاتے رہتے ہیں، اسمبلی میں وہ ایک کہنہ مشق پارلیمنٹرین کے طور پر اُبھری ہے مگر اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتی۔

اس ہجوم یاس میں سوچا، میں تم سے کچھ باتیں کروں۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ سیاست میں عہدے کو کیا اہمیت دیتا ہوں۔

ایک مرتبہ بھٹو صاحب کے یاد کرنے پر ہمارا وفد جو سات افراد پر مشتمل تھا، اُن سے ملنے گیا۔ اُس میں انجینئرنگ یونیورسٹی کے صدر احمد بلال محبوب بھی تھے جو آج کل پلڈایٹ کے ذریعے ممبران اسمبلی کی تربیت کررہے ہیں۔

میں نے بھٹو صاحب سے مل کر چھوٹتے ہی سوال داغ دیا کہ آپ نے ہمیں کیسے یاد فرمایا ہے؟ یہ میٹنگ گورنر ہاؤس لاہور میں ہورہی تھی، ہنس کر کہنے لگے: آپ کو آپ کا گھر دکھانے کیلئے بلایا ہے۔ جہاں آپ نے آنا ہے۔ میں نے شرارتاً کہا: میری نظریں تو اسلام آباد پر ہیں۔ سنجیدہ ہوکر کہنے لگے: میں تمہیں لندن میں دولتانہ کی جگہ سفیر بنا کر بھیج دیتا ہوں۔ میں نے عرض کی، مجھے اپنی صلاحیتوں کی کمی کا احساس ہے اور عمر کی کمی کا بھی۔ کہنے لگے: یہ دنیا بھر میں ایک ریکارڈ ہوگا کہ اتنی کم عمر کا سفیر اتنے اہم ملک میں تعینات کیا گیا ہے۔

بچپن سے اب تک ایک عجیب بات میرے ذہن پر چھائی ہوئی ہے کہ اگر حالات مجھے موچی بنادیں تو جوتے گانٹھتے ہوئے مجھے خون پسینہ ایک کردینا چاہیے یا اگر حالات مجھے بس کنڈیکٹر بنادیں تو میرا رویہ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کے ساتھ مودبانہ اور خادمانہ ہونا چاہیے۔ میں نے کبھی عہدے کی تمنا نہیں کی۔ ہاں استاد بننے کی خواہش دل میں اب تک جواں ہے۔

ساتویں جماعت سے ذہن میں تھا کہ چاہوں یا نہ چاہوں میں نے ایم این اے بننا ہے اور عوام کی ترجمانی کرنی ہے۔ وزارتیں تو راستے میں خود بخود آتی گئیں، البتہ میں بچپن سے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اوتھانٹ (U-Thant) کا ذکر سنتا تو سوچتا کہ ساری دنیا کی تنظیم کو ایک فرد کیسے چلاتا ہے۔ پھر خود سے سوال کرتا کہ کیا میں یہ کرسکتا ہوں؟

صدر اور وزیراعظم کے عہدے میں مُیں نے کبھی کشش محسوس نہیں کی۔ میں نے عملی زندگی میں ہر وزیراعظم کا جو انجام دیکھا ہے، اس کے بعد وزیراعظم پر ویسے بھی ترس آنے لگا ہے۔ میں ہمیشہ نظام بدلنے کا خواہشمند رہا ہوں۔ لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین، حسین شہید سہروردی، ذوالفقار علی بھٹو، دوتہائی اکثریت والا میاں نواز شریف...... ایک لمبی قطار ہے۔ قوم نے انہیں اپنی نمائندگی کا اعزاز دیا۔ اُن کی بے وقعتی اور دربدری خون کے آنسو رُلاتی ہے۔

صدر مملکت بھی عجیب ادوار سے گزرے۔ ایوب کا ماتم کرنے والا گوہر ایوب رہ گیا ہے اور ضیاء الحق کا اعجاز الحق۔ جاہ وجلال کے مظہر یحییٰ خان کے تابوت کو اکیس توپوں کی سلامی باوقار نہ کرسکی۔ غلام اسحٰق خان کا نام میں بھول گیا تھا، شاید قوم نے یاد رکھا ہو۔ ہاں! ایک سکندر مرزا بھی ہوا کرتا تھا، جب یہ دُنیا سے گیا تو اس کے بھی دونوں ہاتھ خالی تھے۔ مگر یہ ڈہ والا سکندر نہیں تھا۔ مجھے اُن کی بیگم سے ملک کے اندر اور باہر ملنے کا اتفاق ہوا۔ اُن کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ آخری دنوں میں کتنا دکھی شخص تھا...... باقی رہے نام اللہ کا۔

میرے دوست مجھ پر گاندھی یا نوابزادہ نصر اللہ خان کی پھبتی کستے ہیں۔ جہاں تک نوابزادہ نصر اللہ خان کا تعلق ہے، میں اُن سے متاثر ہوں۔ آگ اور پانی کو اکٹھا کرنے کے اُن کے جادو کا بھی قائل ہوں۔ میں جب اڈیالہ جیل میں آیا، اُن کی وفات کا زخم تازہ تھا۔ میں مہینوں افسردہ رہا، پہروں اُن کی یاد میں آنسو بہاتا تھا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جو آخری سانس تک جمہوریت کی بحالی کی جستجو کررہا تھا، بستر مرگ پر ذرا حالت سنبھلی تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ وہ مجھ سے اور مخدوم امین فہیم سے رابطہ کرے اور اے آر ڈی کی میٹنگ کی تاریخ کا اعلان کیا جائے۔ وہ اس بات پر سخت ناراض تھے کہ ہم نے اُن کی بیماری کی وجہ سے اے آر ڈی کی میٹنگ ملتوی کرتے ہوئے نئی تاریخ کا اعلان کیوں نہیں کیا۔ یہ اُن کی اپنے بیٹے نوابزادہ منصور خان سے آخری گفتگو تھی، وہ ہسپتال سے سیدھا میٹنگ میں آنا چاہتے تھے۔

مریضِ محبت اُنہی کا فسانہ
سناتا رہا دم نکلتے نکلتے

قیادت کے بارے میں مَیں نے ایک اصول طے کیا ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے مردم آزاری سے نجات مل گئی ہے۔ میں نظریئے اور فکر کی سیاست کرنے والوں کو ولی سمجھتا ہوں، خواہ وہ بائیں بازو کی سیاست کر رہے ہوں یا دائیں بازو کی۔

تیسری دنیا کے سیاست دانوں کو قطب کا مقام دینے کو تیار ہوں، لیکن میں انہیں پیغمبر نہیں سمجھتا کہ اُن سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوسکتا ہو۔ البتہ ذات کو قوم اور ملک پر ترجیح دینے والی سیاست کے خلاف جہاد کو اپنا ایمان سمجھتا ہوں۔

میرے بزرگوں نے اڑھائی سو سال تک دریائے راوی اور دریائے سندھ کے اندر بھکر سے دیپالپور تک حکومت کی، مگر ہمارے جدِ اعلیٰ نے حکومت کو خیر باد کہہ کر دین کے فریضے کو ترجیح دی۔ میں نے اپنے گھر کی لائبریری میں جب ایک کتاب میں عنوان پڑھا "چھوڑ دی شاہی شاہِ دیندار نے" تو اقتدار سے بے رغبتی کا پورا فلسفہ سمجھ میں آ گیا۔ میرے بزرگ آج بھی میرے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاریخ میں تازہ ترین مثال نیلسن منڈیلا کی ہے جو اقتدار سے علیحدہ ہو کر امر ہو گیا ہے۔ عہدہ کی ہوس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔

نیلسن منڈیلا رہائی کے بعد پاکستان آئے تو میں نے دو دن ان کے ساتھ گزارے۔ یہ ایک یادگار موقع تھا۔ کراچی سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں رات ہم نے اکٹھی گزاری اور پھر اسلام آباد کی سولو فلائیٹ (Solo flight) کے سفر میں بھی طویل گفتگو ہوئی، وہ اس وقت تک جنوبی افریقہ کے صدر نہیں بنے تھے، نہ انہیں عہدہ سنبھالنے کی جلدی تھی۔ وہ جنوبی افریقہ کی معیشت، اندرونی استحکام اور امن کے رول کے بارے میں منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

میں نے ان سے دریافت کیا کہ انہوں نے 27 سال قید و بند کی صعوبتیں اور مشقتیں کیسے برداشت کیں۔

انہوں نے ہنس کر کہا کہ

جاوید! قید میں ایک ایک لمحہ گِن گِن کر گزرتا ہے۔ باہر آ کر یوں محسوس ہو رہا ہے کہ بس ایک لمحہ تھا جو گزر گیا۔

"بس اپنے مقصد کا تعین ہونا چاہیے"۔

نیلسن صدر بننے کے بعد دوبارہ پاکستان کی مدد کا شکریہ ادا کرنے آیا۔

اس مرتبہ انہیں صدارتی پروٹوکول حاصل تھا، مجھے ان کی خدمت کا موقع نہیں دیا گیا۔ اس مرتبہ کسی اور کو یہ اعزاز ملا۔

ہم تو سفرِ محبت کے ساتھی تھے، حکمرانوں کے سفر کے ساتھی کوئی اور ہوتے ہیں۔

الوداعی تقریب میں وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے میرا تعارف کرایا۔ نیلسن نے کہا کہ ان کے تعارف کی کوئی ضرورت نہیں، یہ خوشبو میرے اندر بسی ہوئی ہے۔

میں نے اس خوشگوار لمحے کو اپنے دماغ میں ہمیشہ کیلئے محفوظ کر لیا۔ جب نیلسن مینڈیلا جیل میں تھا، برطانیہ کی وزیراعظم مارگریٹ تھیچر نے اُنہیں دہشت گرد قرار دیا تھا۔ وہ اپنی ذات کی بجائے جنوبی افریقہ کے عوام کی آزادی کی بات کر رہا تھا۔ آج وہ امن کا سمبل کہلاتا ہے۔ اُس نے غربت، بیماری اور جہالت کے خلاف 85 سال کی عمر میں بھی جنگ جاری رکھی ہوئی ہے۔ مغرب کا حُسن کرشمہ ساز جب چاہے کسی کو دہشت گرد بنا دے یا امن کا پیغامبر!

تم سے باتیں کر کے ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ جلد ملاقات ہوگی۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

قیادت کا تصور اور چرچل کا گاؤں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

20 جولائی 2004ء

گوانتاناموبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی   بُشی جی!

السلام علیکم!   کیسی ہو!

میں آج بہت خوش ہوں۔ رات کے تین بجے ہیں، باہر زوردار بارش ہو رہی ہے۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہے۔ میں اپنے روزنِ دیوار سے باہر جھانک کر محظوظ ہو رہا ہوں۔

میں نے پھولوں کی جو قلمیں اپنے سیل کی دیواروں کے ساتھ لگائی تھیں، اُن پر موتیا، چنبیلی اور گلاب مہک رہے ہیں۔ تیز روشنی کے بلب جو مجھے اذیت دینے کیلئے رات کو جلائے جاتے ہیں، راحت کا باعث بن گئے ہیں۔ ساری رات پھولوں کو دیکھ سکتا ہوں، اُن کی خوشبو سے اپنے دماغ کو معطر کر سکتا ہوں۔

حاکموں نے مجھے تنہا کرنے کی کوشش کی ہے مگر میں نے اُن کی سازش کو ناکام بنا دیا ہے۔ میں ہر شام محفل جماتا ہوں، دنیا کی عظیم ہستیاں مجھے میزبانی کا شرف بخشتی ہیں اور میری رہنمائی کرتی ہیں۔ میں خدا اور اس کے رسول کی مصاحبت میں رہ رہا ہوں۔ میں تنہا کیسے ہو سکتا ہوں!!

ملک کے کروڑوں لوگوں کی دعائیں، اُن کے دکھ درد، اُن کی امیدیں میرے ساتھ رہتی ہیں۔ یہ ہیبت ناک سلاخیں جذبوں اور محبتوں کو اندر آنے سے نہیں روک سکتیں، جب چاہتا ہوں کتابوں میں گُم ہو جاتا ہے، جب چاہتا ہوں منزل کو اپنے پاس بُلا لیتا ہوں۔ سالک تو بیٹھا ہوا بھی حالتِ سفر میں ہوتا ہے میں بھی سلوک کی منزل طے کر رہا ہوں۔ رہائی کے بعد جنگل میں بسرام کرنے کا تقاضا کر دوں تو پریشان نہ ہونا۔

خیر اب مقصد کی طرف آتے ہیں۔ میں تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ قیادت کا تصور میرے نزدیک کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ رسالت مآبؐ کی زندگی کو سامنے رکھا جائے تو کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اگر میں مسلمان گھر میں پیدا نہ ہوتا اور دیانتداری سے انسان کی بہتری کا راستہ تلاش کرتا تو ایک ہی راستہ مجھے منزلِ مقصود پر پہنچاتا اور وہ راستہ خواجہ یثربؐ کی چوکھٹ سے ہو کر گزرتا ہے۔

اقبال تو کہتا ہے کہ تیرے وقت کا امام وہ ہے جو تجھے حاضر اور غائب سے بیزار کر کے نئی دنیا بسانے کیلئے تمہاری زندگی دشوار تر بنا دے، اُس میں خوئے دلنوازی ہونی چاہیے ورنہ لوگ کارواں سے ٹوٹتے جائیں گے اور حرم سے بھی بدگماں ہو جائیں گے۔ عوام کو ساتھ لے کر چلنا اُس کی پہلی ذمہ داری ہے، جیسے ایک گڈریا اپنی

بھیڑوں اور بکریوں کو بحفاظت اپنی منزل مقصود پر پہنچانے کیلئے اُن کے پیچھے چلتا ہے اور ہر ہمسفر پر اُس کی نظر ہوتی ہے۔ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں مگر کئی رہنما انسانوں کو ہی بھیڑ بکریاں سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ رہنما وہی ہوتا ہے جو عوام کا احترام کرتا ہے اور اُن کے اعتماد کے حصول کیلئے اُن سے محبت اور تعاون کرتا ہے اور زمینی حقائق پر نظر رکھتا ہے۔

قومی شعور کی سطح بلند کرنے کیلئے اُسے خود کو قربانی کیلئے پیش کرنا چاہیے۔ ذات کی نفی سے اجتماعی شعور بلند ہوتا ہے۔ رہنما کو مشکل ترین حالات میں جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خطرات کا سامنا کرنا چاہیے۔ جب رسالت مآبؐ اکیلے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کا پتہ لگانے نکلے تھے تو اہلِ مدینہ نے سکون سے سونا شروع کر دیا تھا۔

اعلیٰ نصب العین کے حصول کیلئے قیادت کو خود نمونہ کے طور پر پیش کرنا چاہیے۔ اچھے رہنما کو سیاسی عمل سے سیکھتے رہنا چاہیے۔ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا، تمہاری دادی ہمیں سکندر اعظم کا قصہ سنا کر بتاتی رہتی تھیں ناگزیر لوگوں سے قبرستان بھرے پڑے ہیں، ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ آنے والے ہم سے بہتر ہونگے۔ اچھا رہنما تاریخ بناتا ہے، اپنے ملک اور قوم کو بلندیوں تک پہنچاتا ہے، تاریخ اُسے نہیں بھول سکتی۔

میں افراد کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو رسالت مآبؐ حضرت عمرؓ کیلئے کیوں دعا مانگتے۔ افراد اپنی قوم کی تقدیر بدل سکتے ہیں اور اگر جذبے اور صحیح حکمتِ عملی سے کام کیا جائے تو قوم کو منزل مقصود تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

چرچل کی سیاست عملیت پسندی کی تصویر ہے۔ اُس کو عالمی سیاست کا ایک بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ لیکن اُس کی سیاست کی بنیاد انسانی فلاح یا ترقی کی بجائے برطانیہ کے مفادات کے تحفظ پر ہے۔ وہ میرا آئیڈیل نہیں ہے لیکن اُس کے کردار کی ایک خوبی سے میں نے بہت زیادہ اثر لیا۔

1986ء میں چند دوستوں نے پروگرام بنایا کہ چرچل کے گاؤں جا کر اُس کا گھر دیکھیں۔ وہاں اُن کے پوتے چرچل جونیئر جو اس علاقے سے ایم پی منتخب ہوئے تھے ہمارے استقبال کیلئے موجود تھے۔ پھولوں کی روشوں سے گزر کر ہم چرچل کے گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے۔ ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی تھی، جیسے چرچل نے ابھی استعمال کی ہو۔ بیڈ روم میں داخل ہوا تو محسوس ہوا چرچل محوخواب ہے۔ غسل خانے میں جا کر دیکھا ادھ جلا سگار اُسی طرح موجود تھا۔ کموڈ کے ساتھ لکھنے کی سہولت موجود تھی اور کتابوں کا ایک شیلف بھی۔ چرچل کی کئی شاہکار تحریریں زیادہ تر یہیں لکھی گئیں۔ میں نے اُس کے پوتے سے پوچھا اس گھر کو قومی ورثہ قرار دینے کا آپ کو کیا معاوضہ دیا گیا۔ ہنس کر کہنے لگا کچھ نہیں ملا اور بہت کچھ ملا۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ میرا دادا بہت خرچیلا تھا اور اکثر مقروض رہتا تھا۔ ایک مرتبہ دیوالیہ ہو گیا تو اس گاؤں کے زمیندار نے یہ گھر میرے دادا کو اس شرط پر ہوا کر

دیا کہ وہ اِسے بیچ نہیں سکے گا اور اُس کے مرنے کے بعد یہ قومی ملکیت ہو گا۔ ہمیں یہ معاوضہ ضرور ملا ہے کہ قوم ہماری عزت کرتی ہے اور اِس حلقے سے ہمیں منتخب کرتی ہے۔

میں اگرچہ تمہارے لئے کوئی بہت بڑا اثاثہ تو نہیں بنا سکا لیکن اگر تم ملکی معاملات میں آگے بڑھ کر اصلاحی کام کرنا چاہو تو کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ہونگے جو یہ کہہ کر اپنا تعاون پیش کریں کہ تمہارے والد نے اپنی مٹی سے محبت کا رشتہ بر سرِ دار بھی نبھایا تھا۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

گلوبل ویلج اور بین الاقوامی سیاست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2 اگست 2004ء

گوانتاناموبے سیکورٹی سیل

سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی بُشی جی! السلام علیکم! مزاج بخیر!

صبح صادق ہونے سے پہلے کوئل میرے سیل کے سامنے والے درخت پر بیٹھ کر اپنی سریلی آواز میرے کانوں تک پہنچاتی ہے، پھر چڑیاں چہچہانا شروع کرتی ہیں، بلبل کی آہ وزاریاں مجھے نغموں پر اُکساتی ہیں، کوے بھی پیچھے نہیں رہتے۔ مجھے اُن کی آواز بھی زندگی اور آزادی کا احساس دلاتی ہے۔ مالدیپ کے جزیروں میں پرندے نہیں ہوتے، وہاں کوے کی آواز سے بھی اُنس ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی ہماری ثقافت میں کوا مہمان کے آنے کا سندیسہ لے کر آتا ہے۔ کہتے ہیں کوے نے انسان کو آدم کے بیٹے ہابیل کو اپنے بھائی کی لاش دفن کرنے کا طریقہ سکھایا۔ اب ابنِ آدم دوبارہ لاشوں کو دفنانا بھول گیا ہے۔ کوؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پھر ہمیں بھولا ہوا سبق یاد دلائیں۔

فاختائیں میرے قریب آ کر میرے قفس کے پنجرے کے باہر بیٹھ جاتی ہیں۔ انسان جسے علّمہُ البیان کے تاج سے نوازا گیا تھا، ایک دوسرے کی بات سمجھنے سے قاصر ہے اور حیوانِ ناطق ہونے کا حوالہ بھی مشکوک ہونے لگا۔ میں پرندوں کی زبان سیکھ گیا ہوں، جمالِ ہمنشیں نے میرے اندر اثر کر لیا ہے۔ معلوم نہیں رہا ہو کر میں فاختہ کی زبان میں بات کروں گا یا کوے کی زبان میں یا حضرت سلیمانؑ کی طرح چڑے میاں کو دربار میں طلب کرتا ہوں کہ وہ وضاحت کرے کہ اُس نے اپنی چڑیا کے سامنے اپنے پر سے میرے تخت کو گرانے کا دعویٰ کیوں کیا تھا۔ اُس نے بھی اگر وہی جواب دیا کہ آپ کا تخت کہاں اور میرے پر کہاں، ہمیں اپنے گھر والوں پر رعب ڈالنے سے تو منع نہ کریں تو میرا ردِعمل کیا ہوگا۔

میرے خیال میں میرا ردِعمل امریکہ جیسا ہوگا جو توپ سے چڑیا کا شکار کرتا ہے، ناگاساکی، ہیروشیما، ویت نام، افغانستان اور عراق اُس کا تازہ شکار ہیں۔ میں نے بات کوئی اور کرنی تھی وہ بات تقریباً اس سے ملتی جلتی ہے اور میری پرندوں والی گفتگو کو اُس بات کی تمہید سمجھ لیں جو میں کر رہا ہوں۔ دُنیا پر آج بھی جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا فارمولا کام کر رہا ہے، یہی فارمولا ہماری دیہاتی زندگی میں رائج ہے۔

دنیا جہاں ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے وہاں وہ تیزی سے پھیل بھی رہی ہے۔ اگست 1978ء میں اقوام متحدہ میں خطاب کرنے گیا۔ اس وقت اقوام متحدہ 127 ملکوں پر مشتمل تھی۔ آج اقوام متحدہ میں 202 کے قریب ممالک شامل ہیں۔ یعنی 26 سال میں 75 مزید ممالک آزاد ہو چکے ہیں۔ دنیا کی ان تمام قوموں میں کامن فیکٹر جمہوریت ہے، جمہوری رویوں کی بنیاد کو معیشت کی ترقی کا معیار بنا دیا گیا ہے۔ ہمارے پاس جمہوریت

کے قیام کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ ہمیں خوشدلی سے اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ بین الاقوامی سطح پر ملاقاتوں اور مذاکروں میں شرکت اور امریکی یونیورسٹیوں میں لیکچر دینے کے موقع پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انسانی ذہن ابھی پختگی کے ابتدائی مراحل طے کر رہا ہے اور فطرت کے سربستہ رازوں سے ناآشنا ہے۔ اس کیلئے اسے ابھی کافی مراحل سے گزرنا ہوگا۔

دنیا میں طاقت کے تین مراکز تسلیم کئے جاتے ہیں۔ واشنگٹن، ماسکو اور بیجنگ۔ اتفاق سے مجھے تینوں مراکز میں سربراہ سطح کے مذاکرات میں شرکت کا موقع ملا۔ روس کے وزیر اعظم پریماکوف کمر کے درد کا سامنا کر رہے تھے۔ مذاکرات کے بعد ہلکی پھلکی گپ شپ چل رہی تھی، انہوں نے کہا کہ آپ وزیر صحت ہیں۔ پاکستان میں اوکاڑہ کے قریب کسی کے پاس کمر کے درد کی دوا ہے۔ میں حیران رہ گیا۔ روس کا وزیر اعظم خلاء میں انسان بھیج سکتا ہے مگر اپنی کمر کیلئے دیپالپور کے حکیم سے مسیحائی کا طالب ہے۔ میاں نواز شریف نے ہنستے ہوئے کہا۔ لگتا ہے اس کی کمر یلسن نے توڑی ہوئی ہے اور واقعتاً ایک ہفتے کے اندر روس کے صدر یلسن نے جو خود ہسپتال میں مہینوں موت و حیات کی کشمکش میں رہا، اُسے وزارت عظمٰی سے چلتا کیا۔

امریکہ کے مرکز میں ایک مرتبہ ہمیں سمجھایا جا رہا تھا کہ محترمہ بےنظیر اور ضیاء الحق کو مل جل کر کام کرنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔ ہمارے لئے یہ ناقابل یقین تھا۔ بعد میں سردار شیر باز مزاری نے کہا ہاں ایسا ہو رہا تھا اور میں اس کا گواہ ہوں۔

بیجنگ والے تو بالکل سادہ لوگ ہیں مگر زمینی حقائق کو نظر انداز نہیں کرتے۔ اس لئے ہمیں سپر پاورز کو خلائی مخلوق نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہم بالکل اُن جیسے ہیں یا وہ ہمارے جیسے۔

ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائم اقوام متحدہ کے پہلے سیکرٹری جنرل تھے۔ جن سے میری طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائم کا جھکاؤ یہودیوں کی بجائے فلسطینیوں کی طرف تھا۔ اس پر الزام لگا دیا گیا کہ وہ نازی ازم میں یقین رکھتا ہے۔ مگر قوم نے اُسے اپنا صدر منتخب کر لیا۔ بطرس بطرس غالی دوسرے اور کوفی عنان تیسرے سیکرٹری جنرل ہیں۔ جن کے ساتھ مل بیٹھنے کا مجھے موقع ملا۔ بطرس بطرس غالی نے فلسطینیوں اور یہودیوں کے درمیان توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ امریکا کی قیادت کو یہ پسند نہ آیا اور انہیں گھر کا راستہ دکھا دیا گیا۔ یہ اوسط درجے کی ذہانت رکھنے والے افراد ہیں۔ کوفی عنان چلتی پھرتی بےبسی کی تصویر ہیں، ہمارے وزیر اعظم کی طرح۔ ادارے کی وجہ سے پوری دنیا ان کی طرف رہنمائی کیلئے دیکھتی ہے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی بڑا عبقری نہیں جو جریدہ عالم پر اپنا نقش ثبت کر سکے۔

مجھے دو بین الاقوامی انتخابی مہمات میں حصہ لینا پڑا تو اندازہ ہوا کہ بین الاقوامی سوچ ابھی میرے گاؤں کی سیاسی سوچ سے بلند نہیں ہو سکی، بلکہ کئی معاملات میں میرے گاؤں کی سوچ بین الاقوامی سوچ سے بہتر ہے۔

گوہر ایوب خان انٹرنیشنل پارلیمنٹرین یونین کا انتخاب لڑ رہے تھے۔ میری سربراہی میں ایک وفد

وزیراعظم کا پیغام لے کر یورپی ممالک کے سربراہوں سے مل رہا تھا۔ میر بلخ شیر مزاری میرے وفد میں شامل تھے۔ ہم جہاں جاتے وہ جمہوریت کیلئے ہماری خدمات کا پوچھتے۔ ہم جھینپ جاتے، مگر پھر انہیں کہتے کہ آپ ہمیں موقع دیں گے تو ہم جمہوریت کی خدمت کریں گے۔ وہ یورپی امیدوار پر ہمیں ترجیح دینے کو تیار نہیں تھے۔ رہی سہی کسر ہمارے امیدوار نے سٹراسبرگ کی کانفرنس میں تقریر کر کے پوری کر دی۔ اپنی تقریر میں وہ ایوب کے مارشل لاء کا دفاع کرتے رہے۔ حالانکہ ساری رات اکرم ذکی اور میں اُن کی منتیں کرتے رہے کہ آپ جمہوریت کے فورم پر یہ تقریر نہ کریں۔ نتیجہ صاف ظاہر تھا، وہ جو محاورتاً کہتے ہیں ہم اپنی ضمانت بھی ضبط کرا بیٹھے اور زرِ مبادلہ الگ ضائع ہوا۔

دوسرا انتخاب محترمہ نفیس صادق کا تھا جو اقوام متحدہ کی این ایف پی اے (N-F-P-A) بہبودِ آبادی کی سربراہ تھیں۔ وہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (W-H-O) کی سربراہ بننا چاہتی تھیں۔ مقابلے میں ناروے کی تین مرتبہ وزیراعظم منتخب ہونے والی مس لن (Ms Lin) تھیں۔ جنہوں نے تیسری مرتبہ وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا اور بین الاقوامی سماجی بہبود کے کاموں میں حصہ لینے کیلئے افریقی ممالک میں سرگرم عمل ہو گئیں۔

مجھے وزیر صحت ہونے کی وجہ سے وزیراعظم نے کہا کہ محترمہ نفیس صادق کی انتخابی مہم کے سلسلے میں مختلف ممالک کا دورہ کروں۔ ہمیں شروع سے ہی اندازہ ہو گیا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔ لیکن امیدوار کی خوش فہمی وہی تھی جو گاؤں یا محلے میں الیکشن لڑنے والے کونسلر کی ہوتی ہے۔ مجھے اس مہم میں بین الاقوامی ذہن میں جھانکنے کا موقع ملا۔ پوری دنیا گاؤں کی طرح تقسیم تھی۔ برادریوں کی بات کی اہمیت تھی، علاقائی حقائق فوقیت رکھتے تھے۔ امیدوار کے الیکشن میں اخراجات فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے تھے۔

عربوں سے ووٹ مانگتے تو وہ کہتے ہمارا اپنا علاقائی امیدوار ہے۔ یورپ والوں کے پاس جاتے تو وہ کہتے کہ یورپی برادری کے فیصلے کا انتظار ہے۔ افریقی ممالک میں مس لن نے زیادہ سماجی کام کرا دیئے۔ ہندوستان سے انڈونیشیا تک کوئی صاف انکار بھی نہ کرتا۔ ہمارے ہاں اسے منافقت کہتے ہیں، بین الاقوامی سطح پر یہ ڈپلومیسی (Diplomacy) کہلاتی ہے۔ یہ باتیں اگر کونسلر کے انتخاب میں بھی کی جا رہی ہوں تو بھی قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔

دنیا میں کئی ملک ترقی یافتہ ہو گئے ہیں، مگر انسان ترقی کے مراحل طے کر کے بھی ترقی یافتہ نہیں ہو سکا۔

ابھی انسانی ترقی کے مدارج کی رفتار انتہائی سست نظر آتی ہے، جو قوم انصاف، مساوات اور سچائی کا پرچم لے کر چل پڑے گی زمانہ اس کی یلغار کا ساتھ دے گا۔ وسائل کی عدم دستیابی انسانی شعور کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ قاضی تقدیر کا اٹل فیصلہ ہے کہ زیادہ وسائل والی بے انصاف قوموں کی جگہ بے وسیلہ، مگر عدل وانصاف کی حامل قوموں کو برتری نصیب ہوتی ہے۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

پارلیمنٹ کی بالادستی واحد علاج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

10 اگست 2004ء
گوانتاناموبے سیکورٹی سیل
سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بخشی جی!

السلام علیکم! مزاج بخیر!

پچھلی ملاقات میں ابوالقاسم اپنی توتلی زبان میں کہہ رہا تھا "بابا سائیں گھر چلو" اُسے کہنا میں اُس کی ہر ضد پوری کر سکتا ہوں، مگر میری بھی ایک ضد ہے۔ میں اپنی آزادی پر عوام کی آزادی کو ترجیح دیتا ہوں۔ یہ ضد اُس کے خون میں بھی ہے۔ بڑا ہو کر میری مجبوریوں کو سمجھ جائے گا۔ دو سال پہلے جب وہ پیدا ہُوا تو میں کیمپ جیل لاہور میں قید تھا۔ اُس کی ماں آمنہ 1977ء میں پیدا ہوئی تو یہ عجیب اتفاق ہے میں اُس وقت بھی کیمپ جیل لاہور میں تحریک نظام مصطفیٰ کے سلسلے میں قید تھا۔ اتنا شاندار ماضی رکھتے ہوئے اُس کی سمجھ میں سب کچھ آ جائے گا۔

جب کوئی مفلس نادار اپنے منتخب نمائندے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے کہ آپ نے دوبارہ میرے دروازے پر آنا ہے جو برتاؤ آج میرے ساتھ کریں گے، کل اُسی برتاؤ کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہو جائیں تو اُس کی روح فنا ہو جاتی ہے۔ اُسے ووٹ کی پرچی "برچھی" نظر آنے لگتی ہے۔ اگر عوام سے پرچی کی طاقت چھین کر فردِ واحد کی حکومت قائم ہو جائے تو وہ بے زبان ہو کر بے بسی کی تصویر بن جاتے ہیں۔ وڈیرے، جاگیردار اور با اثر افراد اِس موقع کا خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ فردِ واحد کا عوام سے براہ راست کوئی رابطہ نہیں ہوتا، اُسے بیساکھیوں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ ازلی تابعدار اُس کی تابعداری کر کے کمزور طبقات سے تابعداری کراتے کا لائسنس حاصل کر لیتے ہیں۔

عوام کی آزادی کا مطلب ہے پارلیمنٹ کی بالادستی اور سیاسی عمل کا تسلسل۔ سیاسی جماعتیں جب بار بار عوام کے دروازے پر جاتی ہیں تو سیاسی عمل کی وجہ سے معاشرے کے تمام طبقات اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کو اپنی پارٹی کے دانشوروں، مزدوروں، کسانوں اور قانون دانوں کو ٹکٹ جاری کرنا پڑتا ہے۔ جس پارلیمنٹ میں تمام طبقات کی متوازن نمائندگی ہو جائے وہ ملک خوش قسمتی کی معراج پر پہنچ جاتا ہے۔

جب کسی قبیلے کا سردار اُس قبیلے کے محروم اور مقہور شخص کی کٹیا کے باہر کشکول گدائی لے کر اپنے لئے عزت و وقار کی بھیک مانگ رہا ہوتا ہے۔

جب کوئی نواب اپنی ریاست کے سرسوں کے کھیت کے کنارے اپنی سابقہ رعایا کے سامنے تاجِ شاہی اُتار کر دستارِ فضیلت کیلئے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہوتا ہے۔

جب کوئی مُرشد یا مخدوم شہروں اور بستیوں کی خاک چھان رہا ہوتا ہے اور عزتِ سادات بھی داؤ پر لگی ہوتی ہے۔ جس مرید کے گھر میں مٹی کا دیا بھی نہ ہو، پیر وہاں سے روشنی تلاش کرتا ہے۔

جب کوئی وڈیرا، کوئی چودھری، کوئی خان صاحب 14 کروڑ عوام کو پہاڑی چوٹیوں پر غاروں میں، صحراؤں میں، کوچوں اور گلیوں میں تلاش کرنے کیلئے دربدر ہو رہا ہوتا ہے۔

جب علماء کرام انسانوں کے دروازے پر اپنی حاجت پوری کرنے کیلئے انتظار کرتے ہیں، نہ عورت کے ووٹ کو آدھا ہونے دیتے ہیں اور نہ کسی کو عامی کہتے ہیں۔

جب کوئی کارخانہ دار اپنے مزدور سے بھیک مانگ رہا ہوتا ہے تو سلطانی جمہور کا یہ منظر قابلِ دید ہوتا ہے۔

پارلیمنٹ کے قیام کے ساتھ ہی حکومت بنتی ہے۔ یہ حکومت عوام کی دی ہوئی ہوتی ہے، حزبِ اختلاف اُس کے احتساب کا عمل شروع کرتی ہے۔ یہ احتساب کا حق بھی عوام کا دیا ہوا ہوتا ہے۔

اگر حکومت عوام کا خیال رکھے تو عوام بھی پانچ سال بعد اُس حکومت کا خیال رکھتے ہیں، ورنہ احتساب کرنے والوں کو موقع عطا کرتے ہیں کہ وہ اپنے وعدوں کو عمل میں بدل کر دکھائیں۔

ملک کا ہر فرد سمجھتا ہے، پارلیمنٹ میں اُس کی آواز موجود ہے۔ وہ تمام ملکی معاملات میں اپنے آپ کو شریک سمجھتا ہے اور اجتماعی سوچ پیدا ہونے لگتی ہے، قوم کا وجود عمل میں آجاتا ہے۔

فیوڈل فوجی اور سول بیوروکریسی کا احتساب شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ پارلیمنٹ کے ممبران کو ملک میں ہونے والے تمام واقعات اور فیصلوں کے بارے میں پوچھنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

اگر پارلیمنٹ میں دسواں حصہ ممبران بھی سوالات پوچھنا شروع کر دیں اور اپنی تقاریر میں حکومت کی بے اعتدالیوں کو قوم کے سامنے لائیں تو پارلیمنٹ کی بالادستی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اگر حزبِ اختلاف احتساب صحیح طریقے سے نہ کر سکے تو قوم اگلے انتخابات میں اُس کا احتساب کر لیتی ہے۔

پارلیمنٹ بنانے کے عمل میں اگر مداخلت نہ ہو تو اس کی کارکردگی میں پختگی آجاتی ہے اور پارلیمنٹ کے فورم سے نئی قیادت جنم لیتی ہے۔ اگر پارلیمنٹ کی بالادستی تسلیم نہ کی جائے تو پھر افراتفری کا عالم ہوتا ہے، کوئی کسی کے سامنے اپنے آپ کو جوابدہ نہیں سمجھتا اور جس معاشرہ میں جوابدہی کا عمل نہ ہو وہ معاشرہ بانجھ ہو جاتا ہے۔

پارلیمنٹ کی بالادستی سے دنیا میں معاشی ترقی ہوئی یا معاشی ترقی سے جمہوریت نے جنم لیا ہے۔ یہ ایک لمبی بحث ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ معاشی ثمرات کے بغیر ایک کھوکھلی جمہوریت جنم لیتی ہے جو اڑھائی ہزار سال پہلے

''جولیس سیزر'' سے بھی پہلے موجود تھی۔ جولیس سیزر نے اسے ختم کر دیا۔ کمزور پارلیمنٹ کا تحفظ کا کرنے والا کوئی نہیں ہوتا نہ ہی اس جمہوری عمل کیلئے کوئی جان دینے کو تیار ہوتا ہے۔

انسان شروع دن سے اپنی زندگی کے تحفظ اور معاشی مفادات کی جنگ لڑ رہا ہے جو پارلیمنٹ بے روزگاری اور بھوک کا علاج دریافت کر لیتی ہے، عوام اُس کی پشت پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تمام حکمران طبقے جب جوابدہی کے عمل سے گزرتے ہیں تو اُن کا وجود نا قابل برداشت نہیں رہتا بلکہ سوال صرف اچھے اور بُرے حکمران کا رہ جاتا ہے۔ بُرے حکمران کو پانچ سال کے اندر نکالنے اور اچھے حکمران کو مزید پانچ سال کیلئے کام کرنے کا موقع دینے کا فیصلہ عوام کے ہاتھوں میں آ جائے تو ایک متوازن معاشرہ جنم لیتا ہے۔

اگلی صدی جمہوریت کی صدی ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگلی صدی کا مذہب ہی جمہوریت ہے۔ یہ بات اسلام کے پھیلنے کا باعث بنے گی، چونکہ اسلام سچائی کا مذہب ہے، آزاد فضا اسے راس آتی ہے، پابندیاں اسلام کیلئے زہر قاتل ہیں۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت میں تبلیغی جماعت کو اجتماع کی اجازت نہیں تھی۔ اسی طرح سعودی عرب میں تبلیغی جماعت کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہندوستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا میں جمہوریت کی وجہ سے یہ اجتماع ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ امریکہ اور برطانیہ میں اس قسم کے اجتماعات پر کوئی پابندی نہیں۔

جب پارلیمنٹ کی بالادستی تسلیم کر لی جاتی ہے تو طاقتور ملکوں کی مداخلت سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فردِ واحد دباؤ میں آ سکتا ہے لیکن پارلیمنٹ چونکہ اپنے عوام کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے، اس لئے پارلیمنٹ کسی بھی ملک کا دفاع اُس کی فوج سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ کر سکتی ہے۔

جمہوریت میں عوام کی بالادستی کا حق تسلیم شدہ اصول ہے۔ اکثریت کا فیصلہ قانونی شکل اختیار کرلے تو پُرامن معاشرہ جنم لیتا ہے۔ فیصلوں میں عوام کی شرکت قوم کو متحد کرنے کا باعث بنتی ہے۔ عوام کے نمائندوں کے ذریعے زمینی حقائق اور عوام کے مسائل پارلیمنٹ کے ذریعے قومی بحث کا حصہ بن جاتے ہیں۔

سول یا فوجی بیوروکریسی زمینی حقائق حاصل کرنے اور لوگوں کے مسائل سمجھنے میں پٹواری سے اسسٹنٹ کمشنر اور وہاں سے ڈی سی او اور ڈی سی او سے صوبائی سطح اور وہاں سے مرکز سے کئی مراحل سے گزرتی ہے۔ یہ مراحل زمینی حقائق اور مسائل کو قومی سطح پر پہنچانے میں کافی وقت لگاتے ہیں۔ اُس وقت تک مسئلہ بحرانی شکل اختیار کر چکا ہوتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ مسئلہ کا انتظامی حل عوام کی سوچ کے مطابق ہو۔ حل کی تلاش میں دیر کی وجہ سے عوام اور بیوروکریسی میں غلط فہمیاں بڑھ جاتی ہیں۔ ان غلط فہمیوں کی وجہ سے بیوروکریسی اور عوام میں دوری پیدا ہو جاتی ہے، یہ دوری محرومی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ملک کے وجود پر عوام کا یقین متزلزل ہونے لگتا ہے۔ امن وامان کی صورتحال بحران میں تبدیل ہو جاتی ہے اور معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

پارلیمنٹ کی بالا دستی کی سب سے بڑی خوبی جو کسی دوسرے نظام حکومت میں نہیں۔ وہ یہ ہے کہ ایک نمائندہ اگر صبح کے وقت کسی محلے یا دُور دراز دیہات میں لوگوں کے مسائل سے آگاہ ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ کے شام کے اجلاس میں وہ مسائل ملکی سطح پر اُجاگر ہو کر حل طلب بن جاتے ہیں۔ اِسی طرح نمائندوں کے سوال کرنے سے حکومت اور افسر شاہی کو ہر وقت جوابدہی اور احتساب کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔

والسلام

تمہارا باپ

جاوید ہاشمی

صبحِ آزادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

14 اگست 2004ء
گوانتاناموبے سیکورٹی سیل
سنٹرل جیل اڈیالہ راولپنڈی

بُشریٰ جی!

السلام علیکم!　　　　اُمید ہے تم خیریت سے ہوگی!

آج چودہ اگست ہے۔ صبح جلدی جاگ گیا، میرے سیل اور اُس کے باہر گھٹاٹوپ اندھیرا تھا۔ بجلی جا چکی تھی اور سخت حبس کی کیفیت تھی۔ آہستہ آہستہ سامنے کے درخت پر پرندوں نے چہچہانا شروع کیا، پھر تیز ہوا چلنے لگی، مگر ابھی تک صبح کے ماتھے کا رنگ کالا تھا۔

مؤذن کی اذان نے شبستان وجود میں قندیل روشن کر دی، سکوتِ شب کو سپیدہ سحر نے زندگی کا پیغام دیا۔ میں اپنے سیل کی سلاخوں کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ صبح آزادی آیت کی طرح آسمان سے اُتر رہی تھی، آزادی کی پہلی کرن زندان کی سلاخوں پر پڑی تو میں نے کھڑے ہو کر اُس کا استقبال کیا۔ روشنی پھیلنے لگی تو موتیا، چنبیلی اور گلاب عجب رنگ بکھیرتے نظر آئے۔ میں انہیں روزنِ دیوار سے دیکھ سکتا تھا، اُن تک رسائی ناممکن تھی۔ اگرچہ یہ پھول میں نے خود لگائے ہیں اور انہیں اپنے ہاتھوں سے سینچا ہے۔ مگر جب تک صیاد مجھے اجازت نہ دے میں قریب ہوتے ہوئے بھی اِن پھولوں کی خوشبو تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر آج آزادی کی خوشبو سے میرا دماغ معطر ہے۔

میں اپنے حصے کے آسمان کو دیکھ سکتا ہوں اور اپنے حصے کی زمین پر پاؤں جمائے بیٹھا ہوں۔ زمین کے رشتے کتنے مضبوط اور کتنے حقیقی ہوتے ہیں۔ فضا میں محوِ پرواز طیارے کو دیکھ کر میں سوچ رہا ہوں وہ جتنا زمین سے دُور ہوتا ہے اِس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو عظیم عمارات، دریا اور پہاڑ ریت کے ذرے کے برابر نظر آتے ہیں اور زمین پر انسان ایک رینگنے والے کیڑے کی طرح۔ جونہی زمین سے دوبارہ رشتہ قائم ہوتا ہے زندگی کے آثار لوٹ آتے ہیں اور انسان پھر انسان نظر آنے لگتا ہے۔

بشریٰ بی بی کبھی زمین سے رشتہ نہ توڑنا۔ تمہارے آباؤ اجداد نے صدیوں تک اسے خونِ جگر سے سینچا ہے۔ اُن کی ہڈیاں اِسی مٹی کا حصہ بن چکی ہیں۔ میں جو پھول دیکھ رہا ہوں، جو خوشبو سونگھ رہا ہوں، اِن میں رنگ بھرنے کیلئے لاکھوں انسانوں نے اپنے جگر کو لہو کیا ہے۔ کروڑوں انسانوں نے اِس زمین سے اپنا رشتہ جوڑنے کے لیے آباؤ اجداد کے گھروں کو چھوڑا ہے، لاکھوں اِس خوشبو کو سونگھنے کی حسرت کو دل میں لیے دنیا سے چل بسے۔

زندان میں مَیں نے اپنی شاموں کو کبھی اُداس نہیں ہونے دیا، جب پرندے گھروں کو لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ اُن پر عجیب سرشاری کا جذبہ ہوتا ہے وہ تلاش رزق کے سفر سے واپسی پر چہچہا رہے ہوتے ہیں۔ اپنے بچوں سے ملنے اور اپنے آشیانے تک پہنچنے کی ترنگ میں ہوتے ہیں۔ جونہی بچوں تک پہنچتے ہیں اپنے دن بھر کی جمع پونجی اُن پر نثار کردیتے ہیں۔ میں یہ سارا منظر اپنی آنکھوں میں جذب کرلیتا ہوں۔ یہ منظر خوش کن بھی ہے اور دل گداز بھی۔ ہم نے بھی آج کے دن اپنا آشیانہ بنایا تھا، میں اِس خوشی کے موقع پر اس کی تزئین و آرائش کے بارے میں سوچتا رہا۔

پرندوں کو اپنے بچوں سے پیار کرتے دیکھ کر میری آنکھیں نم ہوئی تھیں، یہ ایک کمزوری کا لمحہ تھا جو بہت جلد گزر گیا۔ میری آنکھیں ڈھاکہ کے سیلاب پر مرکوز ہوگئیں اور پھر ایک اور سیلاب میری آنکھوں سے بہنے لگا۔ ہمارے خاندان میں کسی کی موت کے بعد آنیوالی پہلی عید پر پورا خاندان اکٹھا ہوکر کچھ وقت کیلئے سوگ مناتا ہے۔ میری والدہ کی وفات پر ہر رمضان شریف کا پہلا ہفتہ سوگ میں گزارا جاتا۔ یہ سلسلہ کچھ سالوں تک چلتا رہا پھر حالات معمول پر آگئے۔ میں مادرِ وطن کے حصہ مشرقی پاکستان کو بھولنے کی کوشش کررہا ہوں تاکہ آزادی کی خوشیوں کو اپنی خودغرضی تک محدود کرلوں۔

14 اگست 1947ء، جب پاکستان بنا تو برصغیر کے اُن حصوں پر مشتمل تھا جو انتہائی پسماندہ تھے۔ مشرقی پاکستان کی نوے فیصد زمین ہندو مارواڑیوں کے پاس تھی۔ صنعتی لحاظ سے انگریز نے اس علاقے کو بانجھ کردیا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں کو اس بات کا شدید احساس تھا اسی لیے وہ ہر سیاسی عمل میں پیش پیش رہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت متحدہ بنگال اور آسام میں مسلم لیگ کی حکومت تھی، مولوی فضل الحق، شہید سہروردی اور خواجہ ناظم الدین یکے بعد دیگرے بنگال کے وزیراعلیٰ رہے۔ اس سے پہلے مولوی فضل الحق کلکتہ کے میئر بھی منتخب ہوئے۔ ان سیاستدانوں کی اکثریت متوسط طبقے سے تھی۔ جب تک مشرقی پاکستان ہمارا رہا، وہاں سے متوسط طبقہ ہی اسمبلیوں میں آتا رہا، جو مغربی پاکستان کی فیوڈل قیادت اور افسر شاہی کیلئے ناقابل قبول تھے، وہ پاکستان سے چمٹے رہنا چاہتے تھے، کیونکہ انہیں پاکستان کے قیام نے ہندو کی معاشی، سماجی اور مذہبی بالادستی سے نجات دلائی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر علاقہ میں ہندوستان کی دوبارہ بالادستی قائم ہوگئی تو وہ صدیوں تک دوبارہ نہ اُٹھ سکیں گے۔ قیامِ پاکستان کے بعد بہاری اور پنجابی بیوروکریسی نے ہر قدم پر انہیں احساسِ کمتری میں مبتلا کیا۔ جس قوم نے انگریز کے خلاف جنگیں لڑی تھیں اور ہندو کو صوبے کی سیاست میں مات دے دی تھی۔ اپنوں سے مات کھا گئے۔

مغربی پاکستان میں سیاسی قیادت فیوڈلز کے پاس تھی اور انہیں قیامِ پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پنجاب، سندھ اور سرحد میں کہیں بھی مسلم لیگ کو واضح اکثریت حاصل نہیں تھی۔ پنجاب میں مسلمان فیوڈلز نے ہندوؤں اور سکھوں سے مل کر یونینسٹ وزارت قائم کرلی تھی۔ قیامِ پاکستان کے وقت تجارت پر قابض ہندو طبقہ

ہندوستان چلا گیا، صنعت کا وجود نہیں تھا، پنجاب فیوڈل اور افسر شاہی نے مل کر غریب عوام اور چھوٹے صوبوں کا ناک میں دم کر دیا۔ مسلم لیگ کے سیاستدان نوآموز تھے، افسر شاہی کے گھاگ بیوروکریٹس نے اُن کی طفلانہ حرکتوں سے فائدہ اٹھا کر اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کرلیا، وہ کوئی ایسا آئین نہیں بننے دیتے تھے جس سے اقتدار اعلیٰ عوام کو منتقل ہوسکے۔ انہوں نے سیاستدانوں کو پیچھے دھکیل کر اقتدار پر براہ راست قبضہ کرلیا۔ ملک غلام محمد گورنر جنرل بن گئے، جن کی حیثیت ایک بیوروکریٹ سے زیادہ نہ تھی۔

سیاستدانوں نے جمہوریت کی جدوجہد جاری رکھی۔ جب وہ طاقتور ہونے لگے تو بیوروکریسی نے فوج کو اپنے ساتھ ملالیا اور 1954ء میں کمانڈر انچیف ایوب خان کو وزیر دفاع بنا دیا گیا، جو بعد میں پہلے وزیر اعظم بنائے گئے اور پھر صدر بن گئے۔ قائد ملت لیاقت علی خان کی شہادت اور خواجہ ناظم الدین کی سبکدوشی کے بعد ہر ڈپٹی کمشنر ملک کا گورنر جنرل اور وزیر اعظم بننے کے خواب دیکھتا تھا۔ فوجی قیادت کو جب اپنی اہمیت کا احساس ہوا تو انہوں نے براہ راست اقتدار پر شب خون مارنے کا پروگرام بنایا۔

مشرقی اور مغربی پاکستان میں فاصلے بڑھنے لگے۔ مشرقی پاکستان کی معیشت پر نئے صنعت کاروں نے قبضہ کرلیا، وہ نوآموز ہونے کی وجہ سے تجارت کی بجائے لوٹ کھسوٹ میں شامل ہوگئے۔ پاکستان میں فیوڈل بیوروکریٹ اور نئے صنعت کاروں کا طبقہ مستحکم ہوگیا، جرنیل اور اُن کی اولادوں نے بھی اپنی صدیوں کی محرومیوں کا علاج دریافت کرلیا۔ اب اگر فیوڈل ازم کو ختم کرنا چاہیں تو فیوڈل اور جرنیل کا اتحاد ہے۔ صنعت اور تجارت پر جرنیلوں کی اولاد قابض ہے، متوسط اور غریب طبقہ پس رہا ہے، ملک کے دانشور اہلِ قلم بے بس ہیں، علماء کا ایک طبقہ بھی پاکستان کے حکمرانوں کی صفوں میں شامل ہوگیا ہے۔ راستے میں مشکلات ضرور ہیں لیکن ناامیدی گناہ ہے۔ ہمیں ہر حالت میں اداروں کو مستحکم کرنا ہوگا ورنہ بچے کھچے پاکستان کو بھی قائم رکھنا دشوار ہوجائے گا۔ آج یوم تجدید عہد ہے۔ میں صبح آزادی کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں قیدی ہوں مگر غلام نہیں ہوں، میرا اس دھرتی کے ذرے ذرے پر حق ہے اور میں آج کو قربان کر کے کل کو محفوظ کرنا چاہتا ہوں۔ آئین کی بالادستی میری آشیاں بندی کی بنیاد ہے اور میں اس بنیاد کو مضبوط کرنے کا عہد نبھانے کیلئے آخری سانس تک لڑوں گا، اس دھرتی نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے، جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تمہیں آزادی مبارک ہو اور مجھے بھی۔ یہ نگار وطن کی سلامتی کیلئے دست بدعا ہونے کا دن ہے۔

والسلام

تمہارا والد

جاوید ہاشمی

بارہواں باب

چہ قلندرانہ گفتم

قومی اسمبلی کی تقاریر کے اقتباسات

(1985ء تا 2002ء)

چہ قلندرانہ گفتم

بجٹ تقریر (قومی اسمبلی یکم جون 1985ء)

جناب والا! اس بجٹ کو ایک نظر دیکھنے سے جو صورتحال سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ بجٹ درحقیقت افراط زر کا بجٹ ہے اور اس کے سارے ذرائع جو مہیا کیے گئے ہیں adjustment کے، ان کی تہہ میں اتریں گے تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہر اٹھنے والا اگلا قدم ہمیں افراط زر کے گڑھے میں دفن کرنے کیلئے بڑھا ہے۔

جناب والا! اس ملک میں پہلی مرتبہ یہ کیا گیا ہے کہ پلانرز کے حوالے فنانس کر دیا گیا ہے۔ قوم کی خواہشات، امکانات لامحدود ہوتے ہیں اور اس کو اگر ہم فنانس کے حوالے کریں گے تو ہم دیکھیں گے کہ افراط زر کی شرح بڑھے گی۔ زیادہ نوٹ چھاپے جائیں گے، جیسا کہ پچھلے بجٹ میں غلام اسحٰق خان نے کہا تھا کہ میں کوئی ڈیفیسٹ فنانسنگ نہیں کروں گا۔ منی بجٹ پیش نہیں کرونگا، لیکن آٹھ مہینے بعد یہ صورتحال پیش آئی کہ ساڑھے تین ارب روپے کے نوٹ چھاپے گئے اور پھر آخری چار پانچ مہینے کے اندر ساڑھے تیرہ ارب روپے کی ڈیفیسٹ فنانسنگ کی گئی۔

جناب والا! میں پیش گوئی کرتا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں، آپ نوٹ فرما لیجئے۔ اس بجٹ کی اٹھان ہی ایسی ہے کہ سات آٹھ مہینے کے بعد ڈیفیسٹ فنانسنگ کیلئے منی بجٹ پیش کیا جائے گا۔ اس سے پھر ہمارے تمام معاملات دگرگوں ہو جائیں گے۔

1965ء میں ایک پی آئی ڈی سی قائم کی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جونہی وہ قائم ہو گی وہ اچھے ادارے قائم کرے گی، صنعتیں ہینڈ اوور کرے گی، پرائیویٹ سیکٹر کے اندر۔ لیکن اب سو سے زیادہ پبلک کارپوریشنیں موجود ہیں، ان پر جو خرچ کیا جا رہا ہے اسے ترقیاتی بجٹ کہا جاتا ہے، درحقیقت، وہ غیر ترقیاتی بجٹ ہوتا ہے، اس سے یہ صورت بنتی ہے کہ پہلے کاریں خریدی جاتی ہیں، بلڈنگیں بنائی جاتی ہیں، کرائے پر گھر لئے جاتے ہیں یا وہاں پر ملازمین بھرتی کئے جاتے ہیں۔ چار پانچ سال کے بعد اس کارپوریشن کا بجٹ جب سامنے آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ خسارے میں جا رہی ہے۔ اس کیلئے اور زیادہ پیسے لائے جائیں۔ جناب والا! جس ملک کا ایک ایک بال قرضوں میں جکڑا ہوا ہے، ہم اپنی معیشت قرضوں کی بیساکھیوں پر چلا رہے ہیں۔ سیاست کو مارشل لاء کی بیساکھیوں پر چلا رہے ہیں، اپنے اداروں کو ایڈہاک ازم پر چلا رہے ہیں، نظام زندگی کے اندر ہم کوئی منصوبہ بندی نہیں کر رہے مزید یہ صورتحال پیدا کر دینا کہ مزید ادارے قائم کئے جائیں، مزید کارپوریشنیں قائم کی جائیں۔ یہ بڑی منفی سوچ ہے اور اس منفی سوچ کا خاتمہ بہت ضروری ہے۔

جناب والا! موجودہ بجٹ میں آپ دیکھیں گے کہ تنخواہوں میں جو اضافہ کیا ہے، آپ ایک فرق محروم لوگوں کے اندر، پیدا کر رہے ہیں کہ ایک گریڈ سے چھ گریڈ تک انچاس روپے سے چھیاسی روپے کا اضافہ ہوا ہے اور جو لوگ اوپر کے گریڈوں میں ہیں ان کیلئے چار سو پچاس روپے سے چھ سو پچاس روپے ماہانہ اضافہ ہوا ہے۔ ان لوگوں کیلئے ہم یہ فاصلے کیوں قائم کر رہے ہیں؟ کیا ان کی ضروریات پچاس ساٹھ روپے کی ہیں؟ اور بڑے آفیسرز کی ضروریات سات آٹھ سو روپے ہیں؟ اس طریقے کی یہاں پر جو کلاسیفیکیشن کی جاری ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس ملک کے ساتھ انتہائی زیادتی کی بات ہے۔

سپیکر! آپ کے صرف دو منٹ باقی رہ گئے ہیں۔

جناب والا! دو منٹ میں جو میں گزارش کرنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ انڈیکسیشن کا جو نظام پیش کیا گیا ہے اس میں دو تین چیزیں ہلکی سی پیدا کی گئی ہیں، جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ شاید اس بجٹ کو آپ ترقیاتی بجٹ کہہ سکیں۔ ایک انڈیکسیشن ہے اور دوسرا تعلیم پر ایک ٹیکس لگایا ہے، اقراء کا۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن جناب والا! وہ بھی غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ انفلیشن ریٹ سو فیصد ہے تو ہم 80 فیصد ایڈجسٹ کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اگلے دو سال کے اندر جو نیچے والے ہیں ان کو ہم 80 فیصد دے رہے ہیں اور اوپر والوں کو 60 فیصد۔ ظاہر ہے کہ دو سال کے بعد پھر وہ 100 فیصد انفلیشن کی زد میں ہوں گے، اس لئے یہ غیر حقیقت پسندانہ انڈیکسیشن ہے۔ اس کو بھی تبدیل کیا جائے۔

جناب والا! جس بات پر میں سب سے زیادہ زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری جو اکانومی ہے

Our economy is an economy of leakages, leakages in taxation, leakages in customs, Leakages in revenue, leakages in exports and imports.

یہ تمام جو لیکجز ہیں یہاں پیدا ہو رہی ہیں جو کسٹم آفیسر ہے وہ رشوت لیتا ہے، اس سے بڑا آفیسر اس سے رشوت لیتا ہے، آخر کار جو ٹیکس ہم لگاتے ہیں وہ پورا نہیں ہوتا۔ واپس نہیں ہوتا، ہم اس کو استعمال میں نہیں لا سکتے، ہم اس کو realise نہیں کرتے واپس آئے ہوئے ٹیکس پر ہم مزید ٹیکس لگاتے ہیں اور مزید ٹیکس لگانے سے ہم مزید افراط زر کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لیے یہاں ایسا سسٹم کیوں نہیں لایا جاتا جس سے یہ لیکجز ختم ہوں؟ یہ اکانومی کا جو vicious سرکل ہے اس vicious سرکل میں لیکجز کو کنٹرول کرنے کی بجائے نئی ٹیکسیشن کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ ان برائیوں کے سامنے، ان غلط راستوں کے سامنے، ان برے معاملات کے سامنے، ہمیں چاہیے کہ اکانومی کی ان لیکجز کو بند کر دیں۔ ان میں سے وہی ٹیکس ہم realise کر لیں، جمع کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ہماری اکانومی ترقی کر سکتی ہے، اس طریقے سے ہم آگے چل کر بے شمار منصوبے چلا سکیں گے۔

ہمارے ٹیکسوں کی بڑھوتری سے معیشت میں ترقی کی تحریک کے جو آثار پیدا ہوتے ہیں ایک چھلنی ہے جس کے سوراخ اس تمام ترقی کو نیچے ڈال دیتے ہیں۔ پھر عوام اور حکومت کے درمیان ایک ایسی خلیج پیدا ہو جاتی ہے کہ عوام ایک طرف کھڑے ہوتے ہیں اور خلیج کی دوسری طرف حکومت ہوتی ہے۔ درمیان میں خرابیوں اور چھلنی کی اکانومی ہے اور آپ کے ملک کا پورا بجٹ اور پوری معیشت تباہی کی طرف چلی جاتی ہے۔

جناب والا! جو قوم تباہی کے کنارے پر کھڑی ہو، اس کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ ہم نے اپنے اندر قربانیوں کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ جناب والا! اگر ہم نے وہ راستہ اختیار کرنا ہے تو ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ ہم اپنی معیشت کو مضبوط کرنے کیلئے بیرونی قرضے نہیں لیں گے، جھولی نہیں پھیلائیں گے، ہم بھیک نہیں مانگیں گے، ہم در در کی ٹھوکریں نہیں کھائیں گے، لیکن جب تک معاشی زندگی میں کوئی سکون نہیں آتا، غربت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں، جب تک ترقی کے یکساں مواقع نہیں پہنچ سکتے، اس وقت تک، جناب والا! میری یہ تجویز ہے کہ اس ملک کو یکساں کرنے کے لئے یہ طے کر لیا جائے کہ پورے ملک میں لوگ ایک قسم کا کپڑا پہنیں گے۔ اس کے دو تین رنگ ہو سکتے ہیں، لیکن ایک کپڑا مزدور سے لے کر پاکستان کا صدر اور وزیر اعظم تک پہنے گا۔

جناب والا! میں ایک اور گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو حضرات اعلیٰ عہدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں ان کو عوام کے دکھوں کا علم نہیں ہوتا لیکن ہمیں لوگوں کی تکلیفوں، دکھ درد کا علم ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ عوام معیشت کی آزادی چاہتے ہیں، اداروں کی آزادی چاہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کی معیشت غریبوں کیلئے ہو، اگر اس ادارے سے کوئی نظام چلے تو وہ بھی آٹھ کروڑ عوام کیلئے ہو۔ آٹھ کروڑ کے نمائندے یہاں موجود ہیں۔ ملک کا ہر باشندہ یہ سوچ رہا ہے کہ اس ملک کے اندر اقتدار اعلیٰ اداروں کا ہونا چاہیے۔ ہم جیسے کہتے رہے ہیں کہ مارشل لاء اور یہ قومی اسمبلی ایک ساتھ نہیں چل سکتے اور اگر ہمیں ذمہ دار بنایا جائے، ہم راستے تلاش کریں گے، ہم جائیں گے، لوگوں کو دیکھیں گے ان کے مسائل کو سمجھیں گے اور ہمیں کام کرنے کی اجازت ہو تو ہم اور طریقے سے آگے بڑھیں گے۔

میں یہ کہوں گا کہ جب تک سیاسی اور معاشرتی آزادی نہیں ہوگی، اس وقت تک نہ یہ بجٹ صحیح طریقے سے چل سکے گا، نہ ہمارے معاشی مسائل حل ہوں گے، نہ معیشت کی راہیں متوازن ہو سکیں گی۔ اسلئے میں آخر میں کہنا چاہتا ہوں اس ادارے کی ساورنٹی کیلئے۔

The time has come, Mr. Speaker, that we should say, "Mr. Martial Law, attention. about turn quick march, go back to your barracks and never come again."

پاکستان کے سفارتخانے اور معیشت (قومی اسمبلی 6 جون 1985ء)

میرے سامنے ترجیحی بنیاد وزارت خارجہ کے محکمے کے اخراجات کے سلسلے میں ہے۔ ہمارا وزارت خارجہ

کا محکمہ اپنی کامیابیوں اور کامرانیوں کے ساتھ ہمیشہ جلوہ افروز ہوتا رہتا ہے۔ میں ایک پاکستانی شہری کی حیثیت سے بھی اپنے بیرون ملک کے تقریباً ۵۰، ۶۰ سفارتخانوں میں گیا ہوں اور وہاں پاکستان کی حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے، ایک وفاقی وزیر کی حیثیت سے بھی مجھے جانا پڑا ہے۔ میں نے وہاں اپنے سفارتخانوں کا دونوں طرح سے جائزہ لیا اور مجھے ان کے از سرِ نو تجزیے اور ان کی ترجیحات مقرر کرنے کی کچھ ضرورتیں، میں نے وہاں پر محسوس کیں، وہ یہ تھیں کہ ہمارے مقابلے میں باقی دنیا کی خارجہ وزارتوں نے وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ اپنی ترجیحات کو بدل لیا ہے جب کہ ہمارا محکمہ خارجہ اسی پرانے طریقے سے لکیر کا فقیر بنا ہوا ہے، پرانی ڈگر پر چلا ہوا ہے۔

دوسرے ممالک کے جو امور خارجہ کے دفاتر ہیں، سفارتخانے ہیں۔ وہ امریکہ ہو، برطانیہ ہو، انڈیا ہو یا دوسرے ممالک، انہوں نے اپنے محکموں کی از سرِ نو تشکیل کر کے ان محکموں کو نہ صرف اپنے خارجی معاملات پر بات کرنے والا بنا دیا ہے بلکہ وہ تجارتی معاملات ایکسپورٹ امپورٹ کے سنٹرز بن گئے ہیں۔ مثلاً ہماری وزارت خارجہ کی ایک ایمبیسی ارجنٹینا میں ہے۔ ارجنٹینا میں ہمارے روزانہ سیاسی معاملات پر نہ کوئی ہمارے اختلافات ہیں، نہ ہمارے اتفاقات ہیں، وہ ایک ملک ہے۔ ہم ایک ملک ہیں، اس حیثیت سے ہمارے رابطے اور تعلقات دوستوں کی طرح موجود ہیں لیکن اتنی دور انڈیا کی جو ایمبیسی ہے، یا دوسروں کی جو ایمبیسیاں ہیں، وہ لیبیا کے اندر بھی، باقی جگہوں پر بھی، وہ منڈیوں میں جاتے ہیں، منڈیاں تلاش کرتے ہیں، وہاں سے آرڈرز لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے وزارت خارجہ کے دفاتر کو تبدیل کر دیا ہے۔ جبکہ ہماری لنڈن میں اخراجات کے لحاظ سے اول درجے کی ایمبیسی ہے، لیکن اُس کی کارکردگی دیکھی جائے تو صفر ہے۔ وہاں پر ہم ریٹائرڈ لوگوں کو بھیجتے ہیں، جن سے قوم ناراض ہو چکی ہوتی ہے یا قوم نے انکو اپنا ووٹ نہیں دیا ہوتا یا مزید ایکسٹنشن نہیں دی۔ سفارتخانے ہسپتالوں میں بدل جاتے ہیں۔ وہاں پر بیمار ذہن ہوتے ہیں، بیمار سوچ ہوتی ہے، بیمار فکر ہوتی ہے، جنکی وجہ سے ہمارا ملک ان فوائد سے اپنے آپ کو بہرہ ور نہیں کر سکتا، جن فوائد سے دوسرے ملک بہرہ مند ہوتے ہیں۔

جناب والا! ہمیں اپنے سفارتخانوں کو اور سفارتکاروں کو اس کام پر آمادہ کرنا چاہیے، ان کے اخراجات کم کرنے یا بڑھانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، لیکن اصل چیز کارکردگی ہے، سفارتخانہ ہو، پوسٹ آفس ہو، ٹیلی گراف آفس ہو، ٹیلیفون کا محکمہ ہو یا کسی طریقے سے باقی ادارے ہوں۔

مجھے جن باتوں پر بنیادی اعتراض ہے، وہ یہ ہے کہ یہ تمام اخراجات ہونے کے باوجود پاکستان اور پاکستانی قوم کی جو تصویر بنتی ہے۔ وہ کوئی زیادہ خوش کن نہیں ہے۔ جناب والا! بیرونی قرض لینا کوئی برا نہیں ہے، بیرونی قرضوں پر سود ادا کرنا بھی آج کے دور کا رواج بن چکا ہے، اس دور کا آرڈر آف دی ڈے بن چکا ہے، تو اس سے ہم بھی انحراف نہیں کر سکتے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان قرضوں کے ساتھ ہماری ملکی کارکردگی کہاں پر پہنچی ہے؟ ہمیں تمام اداروں کی کارکردگی کو بڑھانا چاہیے، ورنہ یہ تمام اخراجات، جن سے پہلے ہی ہماری

معیشت کی قبر کھودی جارہی ہے، اس مردے کو گہرا دفن کردیں گے۔ ہماری مشکلات روز بروز بڑھتی جارہی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اخراجات بھی بڑھتے جارہے ہیں۔ کوئی ایسا نظام ہونا چاہیے، کوئی عمل ہونا چاہیے، کوئی ایسا یارڈ سٹک ہونا چاہیے کہ ہم ان تمام اداروں کی کارکردگی کو بہتر کارکردگی دینے والے، ملک میں اگر کنورٹ کرسکیں تو ہمیں ان فگرز پر اعتراض نہیں ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر یہ سب کہانیاں ہیں۔

عملی تعلیم کا نظام (قومی اسمبلی 6 جون 1985ء)

جناب سپیکر! دو منٹ میں تو بات کا آغاز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال میرا تعلق اس ملک کے تعلیمی معاملات کے ساتھ کافی زیادہ رہا ہے اور میری طالب علمی کے زمانے میں بھی بہت ساری رپورٹس اور کمشنوں کے اندر مجھے نمائندگی کا موقع ملا ہے۔ اس لیے میں کوشش کرونگا کہ دو، تین منٹ کے اندر اس کا نچوڑ آپ کے سامنے پیش کروں۔

جناب والا! ہمارے پورے کے پورے نظام تعلیم کی نوآبادیاتی طرز پر تشکیل دی گئی ہے۔ آڑتیس سال کے اندر، اس نظریاتی ملک کو ہم نے یہ کہا تھا کہ دُنیا پر اس لیے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ اس کا تشخص دنیا کے دوسرے ملکوں سے جدا ہوگا۔ ہمارے نظریاتی معاملات کو کبھی بھی درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ نظام تعلیم اسی طریقے سے ہم چلاتے گئے تو کسی طور پر بھی نہ ہماری علمی قابلیت میں اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ یہ نظام تعلیم ترقیاتی معاملہ کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

جناب والا! میں عرض کروں گا کہ ہمیں اپنے نظام تعلیم کو اور تمام معاملات کو ملک کے تقاضوں کے ساتھ منسلک کرنا چاہیے اور ان کو انقلابی طرز پر لانا چاہیے۔ اپنے طالب علموں کو عملی تعلیم دینے کے لیے جو ایم اے کی ڈگری لیتا ہے یا بی اے کی ڈگری لیتا ہے، تین سال کے لیے نوکری سے پہلے ایک خاص الاؤنس دے کر اُسے دیہاتی علاقوں کے اندر کام کرنے کیلئے بھیجا جائے تا کہ وہ تین سال میں اپنے دیہاتی علاقوں کے اندر کام کرتے ہوئے تکالیف اور مشکلات کی منہ بولتی تصویر کو دیکھ سکیں۔

لمبی کاروں، لمبے بنگلوں پر لمبا ٹیکس

جناب والا! جو ٹیکس نہ دینے والے لوگ امیر سے امیر تر ہو رہے ہیں، وہ اس ملک کے انسان کا خون نچوڑ رہے ہیں۔ جناب والا! اور جو لوگ یہاں پر بے سہارا ہیں، ان سے ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں۔ جو وسائل رکھتے ہیں، تعلقات کی وجہ سے زیادہ موثر ہیں، وہ بلیک منی جمع کرتے ہیں اور پھر اس بلیک منی کو ہم اس فلور پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ اس کو ہم رزق حلال کے طور پر تسلیم کرلیں۔ اسکو زیادہ چھوٹ دینے کی ضرورت ہے تا کہ وہ اس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لُوٹیں، ملک کی تجوریوں کو خالی کریں اور اپنے گھروں کی تجوریوں کو بھریں، ہم

انہیں موقع دے رہے ہیں کہ وہ اس ملک کے جسم کے ایک ایک خون کے قطرے کو پی لیں۔ وہ اس دھرتی کی جونکیں بن کر غریبوں کے خون کو اپنی توندوں کے اندر بھر لیں۔ ہم اس بات کو encourage کر رہے ہیں کہ یہاں پر طبقاتی کشمکش ہو، ہم encourage کر رہے ہیں کہ مظلوم اور غریب طبقات اپنی ضروریات کے لیے در در کی پھٹکاریں کھاتے پھریں۔ یہ بجٹ پالیسیوں کے بڑے تضادات ہیں۔ ان تضادات کا قلع قمع نہ کیا گیا تو جناب والا! محروم اور پسماندہ طبقات جن کی تعلیم کے راستے مسدود ہیں۔ جن کو سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی، جن کو اس ملک کا قانون تحفظ نہیں دیتا۔ وہ مظلوم طبقات اٹھیں گے اور پھر یہ خلیج نہیں پاٹی جا سکے گی۔

اس لئے میں عرض کروں گا کہ ہمیں طے کرنا ہوگا، ایسے ملک میں جہاں بیرونی یورشوں کا خطرہ ہے، ہمیں اندرونی خطرات کا سامنا ہے۔ جہاں پر رہتے ہوئے ہماری معیشت جان کنی کے عالم میں ہے۔ ایسے وقت میں متوازن طریقے سے ٹیکسوں کا رخ پیسے والے لوگوں کی طرف موڑ اجائے۔ ٹیکسوں کا رخ اشیائے تعیش کی طرف موڑا جائے، ٹیکسوں کا رخ لمبی کاروں اور بڑے بنگلوں کے اوپر موڑا جائے جو ایک کنال سے بڑے بنگلے ہیں۔ ان پر بھرپور ٹیکسیشن کی جائے۔ جو 5 مرلے کے گھر میں ان کیلئے زندہ رہنے اور آسودگی کا سامان پیدا کیا جائے۔

مارشل لاء قائم رکھنے کے بہانے، آئینی کمیٹی کی رپورٹ (قومی اسمبلی اگست 1985ء)

جناب سپیکر! میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس رپورٹ کے سلسلہ میں بات کرنے کا موقع دیا ہے۔ میں ان 29 ممبرز میں سے ایک ہوں، جنہوں نے یہ رپورٹ اس ہاؤس کے سامنے پیش کی ہے۔ میں تھوڑی سی اندرونی کہانی پیش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ رپورٹ اس صورت میں کیسے آج ایوان کے سامنے موجود ہے۔

جناب والا! حاجی سیف اللہ خان صاحب جو ہمارے اس ایوان کے معزز رکن ہیں، ان کی اور مولانا گوہر رحمن اور ممتاز تارڑ صاحب کی تحاریک استحقاق کے بعد پہلے 9 ممبران کی کمیٹی تشکیل دی گئی اور پھر اس کے بعد یہاں ایوان میں لیڈر آف دی ہاؤس، جناب محمد خان جونیجو صاحب نے آ کر بیان دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ایک 29 رکنی کمیٹی بنائی جائے، جو ہمیں مارشل لاء اٹھانے کے راستہ کی طرف چلا سکے اور وہ کمیٹی جولائی کے پہلے ہفتہ کے اندر پندرہ دنوں میں اپنی رپورٹ مکمل کر کے ایوان کے سامنے پیش کر دے۔

جناب والا! ایوان نے یہ کمیٹی بنائی اور اسکے بعد ہماری میٹنگوں کا آغاز ہو گیا۔ ہمارے چیئرمین جناب وزیر داخلہ اسلم خٹک صاحب تھے، ہم جب ان کی چیئرمین شپ میں جا کر بیٹھے، تو ہمیں اندازہ ہوا کہ یہ کمیٹی شروع ہی سے کام آگے بڑھانے کی بجائے ملتوی کرنے کیلئے (Delaying tactics) استعمال کی جا رہی ہے، تا کہ مارشل لاء کے دور کو آگے بڑھایا جا سکے۔

اگر ہماری کمیٹی کی کاروائی اٹھا کر دیکھی جائے تو ہمیں جو پہلے پندرہ دن ملے تھے، ہم نے چھ دن کام کیا اور نو دن چھٹیاں کیں۔ تو دن تک مختلف حیلوں بہانوں سے اس کمیٹی نے کام Delay کیا۔ اس پر ہم نے برملا اس

بات کا اظہار کیا کہ کام کو اس طریقہ سے روکا گیا تو ہم اس کمیٹی سے استعفیٰ دے دیں گے۔ اس پر ہمیں اعتماد میں لیا گیا کہ ہمیں تھوڑا سا وقت اور لینے دیں۔ اس کے بعد ہم کمیٹی کی رپورٹ ایوان کے سامنے پیش کر دیں گے۔

کمیٹی کی جو رپورٹ پیش ہوئی ہے اگر چار دن تک اس پر توجہ دی جاتی تو یہ کام تین یا چار دن کا تھا، جو یہاں پیش کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے وہاں دیکھا جو رویہ تھا، کام کو مسلسل Delay اور لیٹ کیا جاتا رہا۔ ہم احتجاج کرتے رہے۔ میں نے دوستوں سے کہا کہ میں اس کمیٹی سے Resign کرنا چاہتا ہوں۔ اور میں نے اس کمیٹی کی رپورٹ پر اب تک دستخط بھی نہیں کئے۔ ہمیں مارشل لاء اٹھانے کیلئے اس کمیٹی میں رکھا گیا۔ اب اس میں Delay ہو رہی ہے، جو بھی رپورٹ تیار ہوئی ہے، ہمیں جلدی سے پیش کر دینی چاہیے تاکہ ہم ہاؤس کو بتا سکیں کہ اندر یہ معاملات طے ہوئے ہیں اور اس طریقے سے کام کیا گیا ہے۔

جناب والا! اب اس رپورٹ کے بارے میں کہا گیا کہ ہم نے پولیٹیکل سٹرکچر دینا ہے۔ چیئرمین صاحب نے ہمیں بتایا کہ مارشل لاء اٹھانے کا اس رپورٹ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ چیئرمین صاحب کہتے ہیں، کمیٹی میں مارشل لاء کی بات نہیں کی جا سکتی تھی، تو پھر جناب والا! رپورٹ کی وجہ سے مارشل لاء کو Delay کرنے کیلئے اسے بہانہ کیوں بنایا جا رہا ہے؟ یہ واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ کمیٹیاں کس لئے تشکیل دی گئیں۔

اس کے بعد سینٹ کی کمیٹی تشکیل دے دی گئی تو خواجہ صفدر صاحب نے اس پر یہ بات کی کہ یہ Unconstitutional Committee ہے، لیکن ہم نے کہا کہ اگر اب کمیٹیز کے اندر لڑائی شروع کر دی جائے کہ ایک کمیٹی کہتی ہے وہ Unconstitutional ہے، وہ ہمیں تسلیم نہ کریں، تو حکومت کہے گی کہ جناب! ہم تو مارشل لاء اٹھانے میں کوئی Delay نہیں چاہتے، لیکن کیا کریں، جو کمیٹی بناتے ہیں، اس میں قومی اسمبلی والے سینٹ سے لڑتے ہیں، سینٹ والے قومی اسمبلی سے لڑتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ جناب! ہم سینٹ کے ممبران کے ساتھ بیٹھ کر تبادلہ خیال کرتے ہیں، جو ہم نے تیار کیا ہے ان کے سامنے رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ قومی اسمبلی کا استحقاق تھا کہ وہ رپورٹ سب سے پہلے اس ہاؤس کے سامنے پیش کی جاتی، لیکن اس کے بجائے وہ رپورٹ سینٹ کے ممبران اور اس کی کمیٹی کے سامنے پیش کی گئی، اس چیز کو avoid کیا، یہ الزام نہ آئے کہ ہم Delaying tactics استعمال کر رہے ہیں یا اختلافات کو ہوا دے رہے ہیں۔

جناب والا! اس رپورٹ کے ذریعے جو چیزیں یہاں آئی ہیں اور جس انداز سے ممبران نے یہاں ذکر کیا ہے، مقصد اس میں یہی رکھا گیا کہ پارٹی کے اندر یہ شرائط ہوں گی کہ وہ فلور کراس نہیں کر سکتا، مخالفت میں ووٹ نہیں دے سکتا، شامل ہو جائے تو اسے ممبر consider کیا جائے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شرائط دنیا کے کسی بھی اچھے سیاسی عمل کی تجاویز تھیں۔

مستقبل کا سیاسی ڈھانچہ اور مارشل لاء (قومی اسمبلی 18 اگست 1985ء)

Report of the special committee on Future Political Structure in the Country

جناب والا! 53 سے 57 تک ہر بیوروکریٹ کی آخری پروموشن پرائم منسٹر آف پاکستان کے طور پر ہوئی یا گورنر جنرل آف پاکستان کے طور پر۔ جس کی وجہ سے ملک کے مختلف خطوں کے اندر بسنے والے لوگوں نے محسوس کیا کہ افسروں کیلئے پاکستان بنایا گیا تھا، شاید اس لیے انہوں نے ردعمل کا اظہار کیا۔ لوگ خاموش نہیں بیٹھے، انہوں نے موومنٹس چلائیں۔ مشرقی پاکستان کے اندر شیر بنگال کی سرکردگی میں چلیں، مغربی پاکستان کے اندر یہاں کے عظیم لوگوں نے موومنٹس چلائیں۔ وہ موومنٹ فار ڈیموکریسی تھی۔ وہ revival of democracy کیلئے جنگ لڑ رہے تھے، لیکن جنگ کس سے تھی؟ بیوروکریٹس سے تھی، سیکرٹریٹ سے تھی۔ کچھ علاقوں یا کچھ صوبوں کے بیوروکریٹ چھائے ہوئے تھے اور سیاستدانوں کو کام کرنے کے مواقع نہیں دے رہے تھے۔ اس لئے پاکستان ٹوٹا، آج جس دوراہے پر ہم کھڑے ہیں، اس سے پیچھے دیکھئے، ہم اکتیس سال تک اپنے آپ کو ایک قوم کی حیثیت سے برقرار نہ رکھ سکے۔

بیوروکریٹس 57ء تک آئے۔ بیوروکریٹس جب گورنر جنرل بنتے تھے، انہوں نے دیکھا کہ اب سیاستدان پھر طاقت پکڑ رہے ہیں، پھر ان کے جلوس آ رہے ہیں، لوگ ان کی حمایت کر رہے ہیں تو انہوں نے ملٹری کو اپنے ساتھ ملایا۔ وہ ڈیفنس منسٹر بنے، ہمارے سب کچھ بنے Ultimately ملٹری نے سوچا کہ جناب! چوکیدار یہاں ہم، ان کے اقتدار کو بچانے والے ہم، اور حکومت کریں، یہ افسر! تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنا حصہ مانگتے ہیں۔ اور Lion`s Share لیا، بڑا حصہ لیا انہوں نے اور وہ بڑا حصہ برقرار رہا۔ اس وقت سے لے کر آج تک بیوروکریٹس، سول بیوروکریٹس اور ملٹری بیوروکریٹس مل کر اس ملک کے اندر حکومت کر رہے ہیں۔

جو طرز حکومت انہوں نے اختیار کیا ہوا ہے، اس میں Sense of Participation اس ملک کے پسماندہ علاقوں کو نہیں ملتی، چھوٹے صوبوں کو نہیں ملتی، اور وہ لوگ جو فوج میں نہیں ہیں، بیوروکریسی میں نہیں ہیں، ان کو یہاں پر پاور میں نہیں آنے دیا جاتا۔ بیوروکریٹس بیٹھ کر ہماری قسمتوں کے فیصلے کرتے ہیں، وہ ہمارے مستقبل کا ڈھانچہ بناتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں آمیں بنا دیتے ہیں، جب چاہتے ہیں، ہماری قسمتوں کو بگاڑ دیتے ہیں۔

اس لئے جناب والا! آج کے دور میں جو ایک یہاں پر موومنٹ ہے، اندر سے Moves چل رہی ہیں، ہمارے خدشات وہی ہیں، ہمارا خوف وہی ہے کہ وہی تسلسل جاری ہے۔ اسی طریقے سے پارٹیاں بنائی جا رہی ہیں، اسی طریقے سے لوگوں کی مجبوریوں سے کھیلا جا رہا ہے۔ میں برسرعام کہتا ہوں کہ کوئی ایم این اے میں ان کے استحقاق کو مجروح کئے بغیر کہتا ہوں...... کہ یہاں ہر تھانیدار کا، ڈی سی کا، پٹواری کا اتنا ہولڈ ہے، اس ملک میں ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا، ایس ایم ایل اے کا کہ کوئی ایم این اے، جو یہاں آ کر بیٹھا ہے، وہ اپنے حلقہ

انتخاب سے لوگوں کے اعتماد پر پورا نہیں اتر سکتا۔

جناب والا! یہ رپورٹ جو نیک نیتی سے تیار کی گئی تھی، یہ سوچ کر تیار کی گئی تھی کہ اس ملک کے انتشار کے اندر ایک ایسا راستہ دیں کہ مجتمع ہو سکیں، متحد ہو سکیں، لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑا ہے، جناب والا! نیت صاف نہیں تھی۔ ہم سمجھ رہے تھے۔ اگر ہم سے وقت مانگا جا رہا ہے، ہم ان کو ایکسپوز نہ کریں۔ اس کمیٹی کیلئے کام کریں۔ پرائم منسٹر صاحب نے لاہور میں مینار پاکستان پر جو بیان دیا، مارشل لاء اٹھانے کا۔ ہمیں اس بیان سے خوشی ہوئی، ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے اس بیان سے۔ لیکن ساری دنیا کی پارلیمانی روایات ہیں کہ جب پارلیمنٹ جاری ہو تو، لیڈر آف دی ہاؤس، پالیسی سٹیٹمنٹ فلور آف دی ہاؤس پر دیا کرتا ہے۔ لیکن جناب والا! اس ہاؤس کو آج بھی اسی طریقے سے سمجھا جا رہا ہے اور کل بھی اسی طریقے سے سمجھا جائے گا۔

جناب والا! ہمیں دیکھنا ہوگا، سوچنا ہوگا، سمجھنا ہوگا کہ سازشیں اس ہاؤس کے خلاف ہو رہی ہیں۔ اگر ہم نے زندہ ہونے کی بجائے خود اپنے آپ کو مردہ تسلیم کر لیا، اپنا وجود برقرار رکھنے کیلئے جنگ نہ لڑی...... اور یہ وجود میرا نہیں ہے، کسی اور ممبر کا نہیں ہے، بلکہ یہ پوری قوم کی آواز ہے...... اس آواز کو بیچنے کی، اور اس آواز کو دبانے کی کسی سازش کو برداشت نہیں کریں گے۔

مارشل لاء یہاں سے اٹھنا چاہیے۔ اس رپورٹ سے یہ حصے حذف ہونے چاہئیں۔ ہم نے وہاں بھی کہا تھا کہ رجسٹریشن کے قوانین کو اس طرح ہونے کی بجائے زیادہ نرم ہونا چاہیے۔ سیاسی عمل کا آغاز آج سے کرنا چاہیے اور اس ہاؤس کو اس پر زور لگانا چاہیے۔

رشوت کے خاتمے کی چند تجاویز (قومی اسمبلی 17 ستمبر 1985ء)

(جناب بات کرتے دیں گے تو مختصر بھی ہو جائے گی۔ میں تجاویز دینا چاہتا ہوں، آپ کے سامنے تجاویز ہی رکھوں گا۔)

جناب والا! یہ قرارداد جو آج پیش کی گئی ہے اس نقطہ نظر سے بہت اہمیت کی حامل ہے کہ ہمارے معاشرے کو رشوت نے گھن کی طرح چاٹ لیا ہے۔ ہم ایک نمائشی معاشرہ تو تشکیل دے رہے ہیں، لیکن آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ معاشرے کی تشکیل میں رشوت سب سے بڑی رکاوٹ بن کے کھڑی ہوگئی ہے۔ اس کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر مجھ سے پہلے آنے والے حضرات نے بڑی تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ تمام احادیث، تمام آئتیں ہاؤس کے سامنے رکھی جا چکی ہیں۔ میں آج کے دور کے حوالے سے بات کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ رشوت کس طریقے سے ہماری رگوں کے اندر سرائت کر چکی ہے، یہ تمام لوگوں پر اظہر من الشمس ہے۔ میں تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا علاج کیا ہے؟

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں پر دولت کی نمائش اتنی شدت سے کی گئی ہے کہ ہر آدمی سمجھتا ہے

کہ عزت کا معیار صرف دولت ہے۔ یہاں پر علم کو، سوچ کو، فکر کو، سائنسی ترقی کو، تمام چیزوں کو ثانوی حیثیت دے دی گئی ہے، دیانتداری کو، کردار کی پختگی کو ثانوی حیثیت دے دی گئی ہے، دولت سیاست میں اہم رول ادا کر رہی ہے۔ آپ افسر بننا چاہتے ہیں تو اس کیلئے بھی دولت اہم ہے۔ آپ کوئی جائز کام بھی کروانا چاہتے ہیں تو اس کیلئے بھی دولت کی نمائش ضروری ہے۔ یہ اس لئے ہوا ہے کہ ہم نے ایک نمائشی معاشرہ تشکیل دیا ہے۔ اس کا علاج کرنے کیلئے ہمیں یہ اقدامات کرنا ہوں گے۔

پہلی بات تو جناب والا! یہ ہے کہ پوری قوم کو ہم نے فیشن شو بنایا ہوا ہے، ہمارے ایوان، ہمارے مختلف مراحل، ہماری سوشل گیدرنگز تمام کو فیشن شو بنا کے رکھ دیا گیا ہے۔ ہم اگر اس مقابلے کو، جو رشوت کا باعث بنتا ہے، ختم کرنا چاہتے ہیں تو پورے پاکستان کے اندر عورتوں کے لئے الگ اور مردوں کیلئے الگ یونیفارم کا حکم دیا جائے۔ ایک طرح کا کپڑا سب پہنیں۔ روسا بھی، غریب بھی، افسر بھی، طالب علم بھی، پوری قوم کو اگر آپ ایک کپڑے میں ملبوس کریں تو یہ فیشن شو کی پریڈ ختم ہو جائے گی اور دولت کا مقابلہ ختم ہوگا۔ اخراجات میں کمی آئے گی۔

دوسری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو مکانات کی الاٹمنٹ ہے، بڑے افسر کو چالیس چالیس کنال کے پلاٹ الاٹ کئے جاتے ہیں اور جو چھوٹا ہوتا ہے۔ چپڑاسی ہوتا ہے، اسے ایک کمرہ دیا جاتا ہے، جہاں وہ سانس بھی نہیں لے سکتا۔ اس سے معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں، دولت کا مقابلہ جنم لیتا ہے۔ مکانات کی الاٹمنٹ افرادِ خانہ کے طور پر ہونی چاہیے۔ گریڈنگ کے ذریعے سے نہیں ہونی چاہیے، وزراء ہوں، سیکرٹری ہوں، چپڑاسی ہوں، ان سب کو افرادِ خانہ کی ضرورت کے مطابق مکانات دیئے جائیں، نہ کہ ایک طبقے کو آسائشیں فراہم کی جائیں اور دوسرے طبقے کو محروم کیا جائے۔

اس سلسلے میں تیسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تنخواہوں کے اندر بے پناہ تضاد ہے۔ اتنا تضاد ہے کہ ایک طرف انسان جی بھی نہیں سکتا، وہ پھر رشوت کی طرف جاتا ہے، بددیانتی کی طرف جاتا ہے، دوسرے ذرائع اختیار کرتا ہے۔ اس لئے درجہ چہارم کی تنخواہوں میں اضافے کئے جائیں اور اوپر والوں کی تنخواہوں کے اندر کمی کی جائے تا کہ یہ نمائشی مقابلہ ختم کیا جا سکے۔

جناب والا! یہاں پر دولت کی نمود و نمائش کے جزیرے بنائے گئے ہیں، بڑے بڑے محلات تعمیر کئے جا رہے ہیں، جو دوسرے طبقات میں احساسِ محرومی پیدا کرتے ہیں۔ وہ احساسِ محرومی والے لوگ پھر رشوت کی طرف جاتے ہیں اور ایک مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس ملک میں دس مرلے سے زیادہ مکانات کے بنانے پر پابندی لگائی جائے، بلکہ دس مرلے سے بڑی کوٹھیاں قومی ملکیت میں لی جائیں اور ان میں قومی دفاتر قائم کئے جائیں۔

اس کے علاوہ جناب والا! انگریزوں کے دور کی ایک جڑ یہاں پر بنی ہوئی ہے انگریزوں نے اپنے وقت

میں قوم کے ساتھ غداری کرنے والوں کو، بڑی بڑی جاگیریں دی تھیں، مربعے دیئے تھے، بڑا طاقتور بنا دیا تھا وہی جاگیرداروں کا طبقہ سیاست میں دولت خرچ کر کے اس ملک کے اقتدار پر قابض ہے۔ وہ دولت کے حوالے سے سیاست کو خرید رہا ہے۔ عدالت کو خرید رہا ہے۔ جناب والا! وہ انصاف کو خرید رہا ہے۔ اس لئے انگریزوں نے جو جاگیریں عطا کی تھیں، وہ تمام جاگیریں ضبط کی جائیں تاکہ سیاست کے اندر جاگیرداروں کو باہر نکال پھینکا جائے۔

جناب والا! ہمارا ٹیلی ویژن روزانہ اشیائے تعیش کی نمائش کر رہا ہے۔ اس سے معاشرے کی جڑیں روز بروز کھوکھلی ہوتی جا رہی ہیں۔ ہماری حکومت کی جو پالیسی ہے اور یہ اس حکومت کی نہیں تمام حکومتوں کی پالیسی ہے، اس کی میں تھوڑی سی وضاحت کر کے آپ سے اجازت چاہوں گا۔ یہاں پر ممبران نے مطالبہ کیا تھا کہ ڈیزل کی قیمتیں کم کی جائیں، ممبران نے مطالبہ کیا کہ فلاں اخراجات ہیں اس کا کچھ کیا جائے۔ تو آپ کو پتہ ہے کہ اکانومی کٹ کس چیز پر لگایا گیا؟ اکانومی کٹ کوکا کولا پر نہیں لگایا گیا بلکہ ہمارے وزیر خزانہ نے کہا کہ ہم اپنے ترقیاتی پروگرام میں اپنی سڑکیں کم کر دیتے ہیں، جو قوم اپنی سڑکیں ختم کرتی ہے اور کوکا کولا پینے سے احتراز نہیں کر سکتی، اس ذہنیت کے ساتھ چلیں گے تو رشوت بھی بڑھے گی، جڑیں بھی کھوکھلی ہوں گی اور ہم دوسری قوموں کے ساتھ مقابلہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ نہ ہندوستان کی معیشت کے ساتھ ہم مقابلہ کر سکیں گے نہ ہم صداقت پر مبنی معاشرہ بنا سکیں گے۔

رشوت بڑھ چکی ہے۔ اب سیکرٹری لیول پر اور سیاست کے اندر اربوں روپے میں اس ملک کو بیچا جا رہا ہے۔ اس ملک کے اندر چھوٹے رشوت خوروں کو سزا دی جاتی ہے اور جو بڑے لوگ رشوت لیتے ہیں ان کو انعام دیا جاتا ہے یا باعزت ریٹائرڈ کیا جاتا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ جتنا بڑا کوئی اہل کار اس میں Involved ہو اتنی بڑی سزا ہو تو سزاؤں کے ذریعے، ترغیب کے ذریعے ہر طریقے سے کوشش کریں کہ ایسا مثالی معاشرہ قائم ہو جائے جس میں ہر ایک کو اپنے بچے کی تعلیم کا تحفظ ہو، اپنی بیٹی کے جہیز کا تحفظ ہو اور معاشرے کے اندر عزت کا تحفظ ہو تو پھر میں سمجھتا ہوں کہ ہم محفوظ ہو جائیں گے، عزت مل جائے گی تو کوئی آدمی رشوت کی طرف نہیں جائے گا، شکریہ۔

1986 کا بجٹ، دفاعی اخراجات اور بے روزگاری (قومی اسمبلی جون 1986ء)

جناب والا! آج ہم اپنے ملک کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اس بجٹ کو اٹھاتے ہیں یہ ایک کھرب اور 52 ارب کا بجٹ ہے، اس میں 47 ارب ترقیاتی کاموں کیلئے رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس 47 ارب میں سے بھی ڈیفنس پر 10 فیصد کا اضافہ کیا گیا ہے اور وہ دفاع جس پر ہم 10 فیصد زیادہ رکھنا چاہ رہے ہیں، وہ کشمیر کو کیا واپس لیتا، سیاچن کو بھی اپنے ہاتھ سے گنوا بیٹھا۔ اس دفاع پر ہم مسلسل اپنے خون کا آخری قطرہ لگا رہے ہیں، ہم اپنے جسم پر ایک دھجی بھی نہیں رکھ رہے، لیکن ہم پال رہے ہیں ایک بہت بڑی فوج کو۔ ان دفاعی اخراجات سے ہم

اپنی معیشت کی کمر کو توڑ رہے ہیں۔ لیکن کیا حاصل کیا ہے ہم نے، ان دفاعی معاملات میں؟ مشرقی پاکستان ہم سے گیا، دفاعی اخراجات اور بڑھ گئے۔ مغربی پاکستان میں ہمارے علاقے ہم سے چھینے گئے، ہمارے دفاعی اخراجات اور بڑھ گئے۔ آج سیاچن پر منہ کھولتے ہوئے ان کے منہ پر مہر لگ جاتی ہے۔ لیکن ہمارے دفاعی اخراجات بڑھتے گئے اور وہ فوج جس نے 28 سال تک میری دھرتی کے بیٹوں پر، آٹھ کروڑ انسانوں پر انہی بندوقوں کے ساتھ، انہی تلواروں کے ساتھ، اسی ظلم واستبداد کے ساتھ حکومت کی، انہی بندوقوں کے سائے آج بھی 8 کروڑ عوام کے سروں پر ہیں تو ایک مرتبہ یہ عوام باہر نکلیں گے اور وہ نکلی ہوئی بندوق ختم ہونگی اور لوگ ان بندوقوں کو اپنے سینوں پر سے اٹھالیں گے۔ وقت آنے والا ہے کہ ہم دفاعی اخراجات کا جائزہ لیں کہ دفاعی اخراجات سے ہم نے کس کیلئے کیا حاصل کیا ہے۔

آج بجٹ میں فرمایا گیا ہے کہ 4 فیصد بے روزگاری یہاں پر موجود ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے نوجوان جو اس ملک کا 30 فیصد حصہ ہیں وہ بے روزگار ہیں۔ ان پر عدالتوں کے دروازے بند ہیں، یونیورسٹیوں کے دروازے بند ہیں، کارخانوں میں ملازمتوں کے دروازے بند ہیں، بینکوں کے دروازے بند ہیں، ان کو بے روزگار کر کے ہم آفیسرز کے لشکر کو فیڈ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان کو خون پلا رہے ہیں، معاشرے میں ناانصافی ہے، اس ناانصافی کے نالوں کا جواب آخر خدائے بزرگ و برتر سے آئے گا اور یہ جو ہم ایک مصنوعی فضا میں، ایک آکسیجن ٹینٹ میں سانس لے رہے ہیں، اس آکسیجن ٹینٹ سے ہم نکلنے کی کوشش نہیں کریں گے تو میں سمجھتا ہوں کہ وقت آنے والا ہے کہ یہ سجے سجائے ایوان اور یہ سجی سجائی تقریریں، یہ الفاظ کا انتخاب۔ یہ جذبات کا تلاطم، ایک طرف رکھتے ہوئے نہ آپ کی بات پر کوئی یقین کرے گا، نہ آپ کے اس بجٹ پر کوئی یقین کرے گا۔ کیوں کہ بھٹو صاحب کے ساتھ بھی وزیر تھے، ان کو پتہ ہے کہ وہ ایوب خان صاحب کے ساتھ بھی وزیر تھے، وہ وزیر ہیں اور وہ وزیر رہیں گے۔ ان کی وزارت قائم ہے لیکن ملک کے عوام کی قسمت نہیں بدلی۔ ملک کے عوام اپنی قسمت بدلنے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ بجٹ، جو ان پر تلوار کی طرح لٹکا رہتا ہے، کبھی ان کے لفافوں کی قیمتیں بڑھاتا ہے، کبھی ان کے ٹیلیفون کی قیمتیں بڑھاتا ہے، پاکستان کے 8 کروڑ عوام دیکھ رہے ہیں۔ تیل کی قیمتیں دنیا میں آج 35، 28 ڈالر فی بیرل سے نیچے آ کر 10 ڈالر فی بیرل تک آ گئی ہیں، تو وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں اس کا کیا اثر ہوا۔ وہ دیکھنا چاہتے ہیں حکمرانوں نے ان کیلئے کیا سہولتیں فراہم کی ہیں۔ مگر وہ بجٹ کو آج صرف الفاظ کے گورکھ دھندے کے طور پر دیکھ رہے ہیں۔

جب بجٹ پیش کرنا ہوتا ہے، سمجھا یہ جاتا ہے کسی طریقے سے اس وقت کو پھلانگ کر آگے چل سکیں۔ مجھے یاد ہے، 20 تاریخ کو وزیر خزانہ صاحب نے ہمیں بلایا اور کہا کہ بجٹ پر اپنے کوئی خیالات دینا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے خیالات سننا چاہیں گے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ جناب! میں نے بھی وفاقی وزیر کی حیثیت سے

بجٹ کو اپنی آنکھوں سے گزرتے دیکھا ہے، ان کے سیکرٹری صاحب بھی وہاں پر موجود تھے، بہت خوش اخلاق سیکرٹری ہیں، ایچ یو بیگ صاحب، وہ وزیر خزانہ سے زیادہ مسائل دے رہے تھے۔ افسر شاہی کا صرف کام یہ ہے کہ جو پالیسی حکومت دیتی ہے اس پالیسی پر عمل کرنے کیلئے اس کی پلاننگ کریں، اس کے لیے بیٹھ کر پروگرام چاک آؤٹ کریں اور مختلف طریقوں کے ذریعے گورنمنٹ کو بتائیں، اپنے وزیروں کو بتائیں کہ ہم یہ فارمولا دیتے ہیں، آپ کو کونسا فارمولا قبول ہے؟ کیونکہ ہم اسی لیے ان کو پیسے دیتے ہیں، اسی لیے ان کو ملازمتیں دیتے ہیں کہ جب ان کو پالیسی دی جائے، اس پر عمل درآمد کرنے کیلئے اعداد و شمار اور ساری چیزیں وہ لیکر آئیں، تکنیکی طور پر اس کا جائزہ لیں اور وہ آکر ہمیں دیں۔

لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں پالیسی دینے والا ذہن کوئی نہیں ہے۔ یہ حکومت جس نے ایک سال پہلے کہا کرپشن ختم کریں گے، کرپشن بڑھائی۔ کہا: جمہوریت قائم کریں گے، آرڈیننسوں پر سانس لے رہے ہیں۔ کہا: ہم ہاؤس میں سچائی کی آواز کو نہیں روکیں گے، جب دیکھا کہ سچائی کی آواز ہے، اس کو بند کر دیا۔ کہا جناب! ہم مل کر ایک دوسرے کے ساتھ چلیں گے، لیکن اب جو حق کی بات کرتا ہے اس کو دھمکیاں دیتے ہیں کہ آپ کی حیثیت نہیں ہے، آپ اقلیت ہیں، ہم اکثریت ہیں۔ یہ میجارٹی اور مینارٹی کی بات نہیں۔ حق بات جہاں سے بھی ملے سنیں، سننا چاہیے، توجہ سے، اس پر اگر آپ عمل کر سکتے ہیں تو کریں، اگر نہیں کر سکتے تو یہ پالیسیز آپ کی ہیں اور پھر آپ کو جا کر عوام کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے۔

اس سلسلہ میں میں عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ بجٹ جو یہاں پر پیش کیا گیا ہے اور اس میں جو ترجیحات ہمارے سامنے رکھی گئیں اور کہا کہ پسماندہ طبقات کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے یہ بجٹ بنایا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ پسماندہ طبقات کو مزید پسماندہ کرنے کا بجٹ ہے۔ ان کیلئے اس میں کوئی پیغام نہیں، کوئی خوشخبری نہیں ہے، اس بجٹ کو سن کر یا پڑھ کر ان کے چہروں پر کوئی خوشی کی لہر نہیں آئی، ان کے دکھوں کی اس اندھیری رات کے سفر کی منزلوں میں اضافہ ہوا ہے، کوئی سپیدہ سحر نمودار نہیں ہوا، سورج کی کوئی کرن نہیں پھوٹی، ان کو محسوس نہیں ہوا کہ یہ بجٹ ان کیلئے بنایا گیا ہے، بلکہ حقیقت یہی ہے کہ یہ بجٹ صرف حقائق سے انحراف کرنے کیلئے، حقائق سے آنکھیں بند کرنے کیلئے وقتی تقاضوں سے جان بچانے کیلئے اور راہ فرار اختیار کرنے کیلئے ہے، کیونکہ 30 جون ہے، بجٹ آنا ہے، راہ فرار نہیں ہے۔ یہ راہ فرار کا بجٹ ہے، یہ حالات کا سامنا کرنے کا بجٹ نہیں ہے، اس بجٹ میں ٹیکنالوجی کیلئے کیا پیغام موجود ہے؟ ہم ٹیکنالوجی کے بحران میں مبتلا ہیں۔ کونسا پیغام ہے کہ ہم آنے والے وقت میں ٹیکنالوجی کیلئے کیا خرچ کریں گے؟ تعلیم پر کیا خرچ کریں گے؟

جناب والا! میں یہ عرض کروں گا کہ دفاعی اخراجات اس میں سے کم کیے جائیں اور نوجوانوں کیلئے روزگار کے مواقع فراہم کرنے کیلئے راستے کھولے جائیں، ہمارے پاس وسائل موجود ہیں لیکن ان کا استعمال غلط

کیا جا رہا ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ ہمیں ایسی قوم کا بجٹ بنانا چاہیے، یہ سوچ کر آگے بڑھنا چاہیے کہ بحیثیت پوری قوم ہم مشکل حالات کا مقابلہ کریں گے۔ ہم میں سے ہر آدمی کو اس طریقے سے انوالو کیا جائے۔ اپنے ملک کی ترقی کیلئے، اپنے ملک کی صلاحیتوں کو آگے بڑھانے کیلئے اور آنے والی نسلوں، اپنے بچوں کیلئے ایسا متمدن معاشرہ قائم کرنے کیلئے، جس کے اندر رہ کر وہ دنیا کی دوسری نسلوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اگر ہم ایسا چاہتے ہیں تو وہ یہ راستہ نہیں ہے جو اختیار کیا گیا ہے۔ یہ انحراف کا راستہ ہے، یہ دوڑ جانے کا راستہ ہے، اس سیاسی بے بصارتی کے باوجود اس مرحلہ پر بھی ہمیں سوچنا چاہیے کہ آپ کی بے بصیرتی پوری قوم کی بے بصارتی میں نہ بدل جائے۔ آپ کی بے بصیرتی پوری قوم کو اندھیروں کے اندر ڈالنے پر مجبور نہ کر دے۔ آگے بڑھیے، سوچ کے چراغ روشن کیجئے۔ آپ ملئے، لوگوں سے ملئے، آپ اس طریقے سے سوچیے، جیسے قومیں سادگی اپناتی ہیں، قربانیوں کا جذبہ لے کر بڑھتی ہیں۔

یہ قوم قربانی دینے کا جذبہ جانتی ہے۔ اس نے 65ء میں قربانی دی، لیکن اس وقت کی فوجی جنتا نے قربانی نہیں دی تھی۔ 70ء کے اندر بھی اس قوم نے قربانی دی لیکن اس وقت کی فوجی جنتا نے بھی قربانی نہیں دی تھی، آج بھی یہ قوم قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔ جمہوریت کیلئے انصاف کیلئے، سچائی کیلئے، ترقی کیلئے۔

میں آخر میں عرض کروں گا کہ ہمیں آدرشوں، امنگوں کو اس طریقے سے منظم کرنا چاہیے کہ ہم ایسے لگیں کہ ہم بیسویں صدی کی قوم ہیں، جو اپنی ترقی کے راستے خود نکال رہی ہے، جو باہر کے قرضوں سے بچنے کی کوشش کر رہی ہے، جو اپنے اندر کے ذرائع کو ری جنریٹ کر رہی ہے۔ اگر آپ نے چند افراد کو ترقی کے مواقع فراہم کر دیے تو یہ 8 کروڑ انسانوں سے ناانصافی ہو گی اور جب بھی کسی نے ملک کے عوام سے ناانصافی کی ہے تو اسے خود انصاف کے کٹہروں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ ہمیں ان آٹھ کروڑ مسلمان پاکستانیوں کو ساتھ لے کر چلنا ہو گا، جن کیلئے تعلیم کے مواقع نہیں، انہیں فراہم کرنے ہوں گے۔ روزگار کے مواقع فراہم کرنے ہوں گے۔ کھانے کو ان کے پاس نان جویں نہیں ہے، ان کو مواقع فراہم کرنے ہوں گے۔ ان کو ہم ساتھ لے کر نہ چلے تو جو مصنوعی شاہراہ ترقی ہے، اس شاہراہ ترقی کا راستہ 8 کروڑ عوام روک دیں گے اور اس سیلاب کے اندر یہ شاہراہ بھی بہہ جائے گی اور آپ کا اقتدار بھی اور 8 کروڑ پاکستانیوں کے پاؤں کے نیچے روندا جائیگا۔

دفاعی معاملات پر بے تحاشا رقوم حکومت نے اس وقت مانگی ہیں جو وہ دفاع پر خرچ کرنا چاہتی ہے۔ کسی ملک یہ کہ کوئی باغیرت شہری یہ نہیں سوچ سکتا کہ اس ملک کا دفاع کمزور ہو، ہر آدمی اپنے ملک کا دفاع مضبوط دیکھنا چاہتا ہے لیکن دفاع کی مضبوطی سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ملک کی سرحدیں محفوظ ہوں۔ وہ اپنے گھر کی چاردیواری میں بیٹھا ہوا اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرے۔ باعزت محسوس کرے، باوقار محسوس کرے، لیکن جناب والا! اس دفاع کے نام پر اس کے گھر پر ڈاکہ ڈالا جائے، اس کی سوچ پر ڈاکہ ڈالا جائے، اس کی فکر پر ڈاکہ ڈالا جائے اور اس کا گھر غیر محفوظ

ہو جائے، وہ بندوق جس نے رخ دوسری طرف کرنا تھا اس کی طرف ہو جائے تو پھر پاکستان کی پوری قوم یہ سوچنے پہ ضرور مجبور ہوگی کہ ہم اس دفاع پر اتنے اخراجات کر کے اس میں سے کیا نکال رہے ہیں، کیا حاصل کر رہے ہیں؟

سیاسی بحران کا حل، ذمہ دار قیادت (قومی اسمبلی 18 ستمبر 1986ء)

جناب سپیکر! امن وامان کی صورتحال پر وسیع قسم کی تقاریر ہو چکی ہیں اور اخبارات، میڈیا اور سارے ذرائع روزانہ پاکستان کے شہریوں کو حالات کی سنگینی سے باخبر کرتے رہے ہیں۔ مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میری تلخ نوائی اب گوارا نہیں کی جا رہی۔ میں نے سوچا تھا کہ اس مرتبہ کوشش کرونگا کہ ادب سے، احترام سے حکومت کی کچھ تعریف کردوں، شاید اس طریقہ سے مجھے تقریر کرنے کے مواقع فراہم ہوتے رہیں۔ میں نے بہت کوشش کی، بہت سوچا، خواہش تھی کہ میں کہوں کہ پاکستان میں امن وامان کی صورتحال پوری دنیا کی امن وامان کی صورتحال سے بہتر ہے، میں چاہتا تھا کہ میں یہ کہوں کہ پی ایم کا طیارہ بھی پاکستان کے کمانڈوز کا یا سیکورٹی فورسز کا معاملہ نہیں تھا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کی منشا سے ہوا اور اللہ جو چاہے کر سکتا ہے، میں نے یہ سوچا تھا کہ میں روسی سفارت کار کی موت پر بھی یہی کہوں گا کہ دن مقرر ہے، نہ اس میں لمحہ بڑھ سکتا ہے اور نہ ہی کم ہو سکتا ہے۔ اس میں بے چارے محمد خان جونیجو کا کیا قصور ہے، میں یہ سوچ کر اور یہ خواہش لے کر اس دفعہ آیا تھا کہ اگر میں اپنا رویہ بدل لوں تو اس سے ملک کا امن و امان تو شاید ٹھیک نہ ہو سکے لیکن میرے تعلقات اچھے ہو جائیں اور خوش ہو جائے لیکن

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

میری بد قسمتی ہے کہ جب میں چاہتا ہوں ان کو خراج تحسین پیش کروں اور پھولوں کی پیتاں نچھاور کروں، اپنے سربراہ پر، میں پھول چننا چاہتا تھا لیکن جب میں نے دیکھا چار سُو ملک میں پھولوں کی بجائے حسرتوں کی فصل تیار ہو چکی ہے۔ میں دیکھتا ہوں ہر گھر میں بے سکونی ہے، لوگوں کی راتوں کی نیندیں غائب ہو چکی ہیں۔ میں جب سندھ کی بستیوں کو اجڑتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میرا دل نہیں چاہتا۔ ضمیر کو مارنا بھی چاہوں تو نہیں مرتا۔ ہم جتنی تقریریں کرتے جائیں گے حالات کی narration ہوگی، کس کو بتائیں گے؟ ہم اس کا سبب کس کو بتائیں گے؟ وہ تو جانتے ہیں کہ اندھے کے آگے رونا اپنی آنکھوں کا زیاں ہوتا ہے۔ اس لئے آنکھیں ہی بند کر لیں۔ پھر خود کو کہتا ہوں آنکھیں تو کھول، شہر کو سیلاب لے گیا، نتیجہ کیا ہے کہ اسمبلی کے ممبران اپنے آپ کو مضبوط محسوس نہیں کرتے، وزراء اپنے آپ کو Secure محسوس نہیں کرتے۔ وزیراعظم ایک دن کہتے ہیں، میں نے مارشل لاء اٹھایا اور دوسری طرف سے بیان آتا ہے، میں نے اس کو بچایا اور اس کی سیٹ بچائی۔ یہ دوعملی لے ڈوبے گی۔ اس دوعملی سے بچنے کا اب وقت آ گیا ہے کہ ہم تبدیلیوں کی طرف اپنا سفر شروع کریں۔

ضیاء الحق کی بندوق کی حکومت ختم ہو، وہ استعفیٰ دیں

پہلی بات یہ ہے کہ ان اسمبلیوں کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ وزیر اعظم اپنی مرضی کا چنیں، وہ صدر مملکت اپنی مرضی کا چنیں، جنرل محمد ضیاء الحق فوج کے حوالے سے، بندوقوں کے حوالے سے حکومت کرتے ہیں، کرتے رہیں گے، شاید مجھے نہیں معلوم، لیکن اگر انہیں ملک کی سالمیت عزیز ہے، وہ اس ملک سے محبت کرنا چاہتے ہیں اور واقعی کوئی رمق ان کے دل کے اندر اس بدنصیب ملک کیلئے موجود ہے تو کوئی حق نہیں ہے، ان کو وہ استعفیٰ دیں، کیونکہ نہ وہ جنرل ووٹ کے ذریعے آئے ہیں، نہ ان کو اسمبلیوں نے چنا ہے نہ ان کو پارلیمنٹ کے اجلاسوں میں صدارت پیش کی گئی۔ اس لئے اگر پاکستان کا صدر بننا ہے، وہ بھی لڑنا چاہیں تو آئین کے مطابق تمام اسمبلیوں کو یہ حق دے دیا جائے۔ جنرل ضیاء الحق صاحب مستعفی ہوں اور 73ء کے آئین کے مطابق نئے صدر کو چننے کا حق اس اسمبلی کو دے دیا جائے۔

اقلیتیں محفوظ نہیں، مندروں پر ڈاکے پڑ رہے ہیں

اس وقت بھی لاہور کے کئی علاقوں میں کرفیو نافذ ہے، جب میں بات کر رہا ہوں، ہر گھر کو جیل خانہ بنا دیا گیا ہے، پاکستان کے ہر گھر کو قید خانہ بنا دیا گیا، اقلیتیں محفوظ نہیں، ان کے مندروں پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں، یہاں پر جو غریب لوگ نان جویں کو ترس رہے ہیں، ان کے معاشی وسائل پر بڑے بڑے سیاستدان اور بڑے بڑے بیوروکریٹ پل رہے ہیں جوان کو لوٹ رہے ہیں، لوٹ کھسوٹ کا دور جاری ہے، اس دور میں جناب اسپیکر! میں یہ عرض کروں گا کہ اس مرحلے پر اگر ہم نے آگے چلنا ہے اور جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے اور ان حضرات نے اپنے آپ کو چلانے کی کوشش کرنی ہے تو انہیں فوری طور پر اپنے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دینا چاہیے۔

انتظامی کی بجائے سیاسی حل

جناب سپیکر! اس وقت ملک کے حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ باہر کی سیاسی قوتیں اور اندر کی سیاسی قوتیں باہمی طور پر قربانی کے جذبے سے آگے بڑھیں۔ یہ ملک اب سیاسی کشمکش کا متحمل نہیں ہو سکتا، کیونکہ سیاسی کشمکش نے ہمیں بہت ہی داغدار ماضی دیا ہے۔ سندھ کا مسئلہ ہو، پنجاب کا مسئلہ ہو، فرنٹیئر کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے، جگہ جگہ پر بم پھٹ رہے ہیں، آپ پاؤں رکھتے ہیں تو بم پھٹنے کی آواز آتی ہے۔ یہ سارے مسائل صرف انتظامی مسائل نہیں ہیں، ان کو انتظامی حوالوں سے حل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ یہ کہنا کہ چند ڈاکو ہیں اور وہ ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ سیاست کا مطلب کیا ہے؟ پولیٹیکل پارٹیز کا مطلب کیا ہے، پولیٹیکل پارٹیز سوسائٹی کو آرگنائز کرتی ہیں، وہاں اس کا ورکر جاتا ہے، ڈاکو کہاں پر بیٹھا ہے، اس کو سزا کیسے ملنی چاہیے؟ آج صرف تھانیدار کے ذریعے آپ کنٹرول کرنا چاہتے ہیں، ڈاکو کو کنٹرول تھانیدار اپنی جان پر نہیں کرے گا۔ تھانیدار

نے پیسے لے کر ڈاکو چھوڑ دینا ہے، اس کیلئے پولیٹیکل کیڈر کی ضرورت ہے۔ اس کے ڈر کو آپ اسی وقت لا سکتے ہیں جب ملک کے اندر سیاسی حالات پہلے سے بہتر کریں۔ سیاست دان بیٹھے ہیں، ان سے سیاسی مذاکرات کرنے چاہئیں۔ اس کو ضد کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔ اس ضد میں اگر آپ سمجھتے ہیں کہ Stability لائیں گے یا اپنی گورنمنٹ کو مستحکم کر لیں گے، جناب والا! یہ بالکل خام خیالی کی باتیں ہیں۔ اس طریقے سے حالات دگرگوں ہوتے ہیں، ہوتے رہیں گے۔

نئے انتخابات

تین چیزیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام سیاسی حضرات کے ساتھ Time Frame طے کیا جائے، صدرِ مملکت اپنے عہدے کی قربانی دیں، اسمبلی کے ارکان وقت کی قربانی دیں اور سیاستدان اس بات کو سوچیں کہ ہم اپنے اس موقف سے ہٹ کر اس مرحلے پر Compromising Attitude کے ساتھ ملک کو اس بحران سے نکالیں۔ ملک بڑے بحران سے گزر رہا ہے اور یہ فارمولا اس طریقے سے ہو سکتا ہے، صدرِ مملکت کے اختیارات 73ء کے کانسٹی ٹیوشن تک لے جائیں، اگر دوسرے اس کو قبول کریں، اسمبلی مڈٹرم کا الیکشن قبول کرے جو اس کے مفاد میں ہے، اسی طریقے سے سیاستدان آنے والے الیکشن کیلئے Compromising Attitude کے ساتھ اپنے امیدوار نامزد کریں اور جو حکومت بنتی ہے وہ ہم سب کو قبول ہونی چاہیے۔ ایک فارمولا میں یہ عرض کر رہا ہوں۔

دوسرا فارمولا میں نے عرض کیا ہے کہ ہم تمام اسمبلیوں میں انتخابات کروائیں، اپنے نمائندے خود چنیں، اپنے وزرائے اعلیٰ، اپنے وزرائے اعظم خود چنیں، اس سے اعتماد کی فضا بحال ہو سکتی ہے۔

بااختیار ضلعی حکومت

تیسرا فارمولا جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر ضلع پر مقامی حکومت قائم ہونی چاہیے اور اس کا Directly elected براہِ راست منتخب نمائندہ ہونا چاہیے جس میں ڈی سی اور ایس پی کو اس کے ماتحت کیا جائے تا کہ ذمہ داری براہِ راست عوامی نمائندوں پر آ سکے۔ ہر ضلع کے اندر اگر ہم اس طریقے سے انتخابات کروائیں گے تو وہ نمائندگی جو ملے گی، اس کے حوالے سے مقامی سطح پر لاء اینڈ آرڈر سچوایشن کو کنٹرول کیا جا سکے گا۔

امن و امان پر میرے خدشات (قومی اسمبلی 4 نومبر 1986ء)

ADJOURNMENT MOTIONS 4th 1986

جناب سپیکر! عام آدمی نے دعائیں مانگی تھیں، خواہش کی تھی کی مارشل لاء جائے اور ایک ایسی حکومت آئے جو ان کی اپنی ہو، جس میں ان کے نمائندے موجود ہوں، جو ان کی ترجمانی کر سکیں، جو ان کے قریب تر لوگ

ہوں۔ ان کا خیال تھا کہ اس حکومت کے آتے ہی ہمارے دکھوں کا مداوا ہو سکے گا اور ہماری مشکلات کو سمجھنے والے مسیحا آ جائیں گے۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری تھی جو کہ سول حکومت کے کندھوں پر آن پڑی تھی۔ پونے دو سال میں جناب وزیراعظم پر یہ ذمہ داری تھی کہ وہ لوگوں کی جان و مال کا تحفظ کر سکیں، ان کی عزت کا تحفظ کر سکیں۔ لوگ یہ چاہ رہے تھے، ان کی یہ خواہش تھی کہ پونے دو سال میں شائد ان کی زندگی پہلے سے بہتر ہو گی۔ بدقسمتی یہ ہوئی ہے کہ پونے دو سال کے اندر زیادہ فسادات ہوئے۔ اختلافات بڑھے، خلفشار بڑھ چکا، انتشار کی چادر نے ملک کو اپنی لپیٹ میں رکھا۔ ان حالات میں ہم الزام باہر کی سیاسی جماعتوں کو دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے۔ آج جناب قائد ایوان نے ایوان میں کہا کہ جو دھماکے لاہور میں، کوئٹہ میں، پشاور اور کراچی میں ہو رہے ہیں، یہ کسی ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ آنکھیں کھولنی پڑیں گی، آج جو کچھ کراچی کی شاہراہوں پر ہو رہا ہے، آج جو کچھ حیدرآباد کے لوگوں کے دلوں پر بیت رہی ہے اور آج جو کچھ سندھ میں لوگوں کی عزت اور جان و مال کے ساتھ ہو رہا ہے۔ آج لاہور کے اندر قوم کے نوجوان بیٹوں کو شاہین فورس کی گولیوں سے ابدی نیند سلایا جا رہا ہے۔ آج پشاور کے ہر گھر میں بموں کے دھماکوں سے صف ماتم بچھی ہوئی ہے اور آج کوئٹہ کے اندر بلوچ اور پٹھان کو لڑا کر ملک کے مزید ٹکڑے کرنے کی کوششیں اور سازشیں کی جا رہی ہیں، اگر اس کا درماں نہیں ہے اور اگر اس کا علاج سوچنے والے ذہنوں کو زنگ لگ چکا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ مایوس کن حالات ان کیلئے کوئی اچھی خبر لانے والے نہیں ہیں، ان حالات کا ہم ذکر اس لئے کرتے ہیں۔ اس لئے آواز اٹھاتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے، آخر کار یہ ملک کے استحکام کو لے ڈوبے گا۔ یہ نہ صرف ان اسمبلیوں کے خلاف جائے گا بلکہ کسی اور Opportunist کو کسی اور Adventurist کو موقع ملے گا کہ وہ آگے بڑھے اور آرام سے ان اسمبلیوں کی بساط کو لپیٹ کر رکھ دے۔ حیدرآباد میں لوگوں کی لاشیں تڑپ رہی ہیں، یہاں پر کرسیوں کی جنگ جاری ہے۔ پنجاب میں کرسیوں کی جنگ جاری ہے، اس سے لوگوں کو احساس ہو رہا ہے کہ یہ ہمارے مسیحا نہیں ہیں۔ یہ ہمارے درد کا درماں تلاش کرنے والے نہیں ہیں۔ جناب والا! ہمیں ان مسائل کو سنجیدگی سے حل کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں سوچنا چاہیے کہ ان مشکلات کا حل کیسے تلاش کیا جا سکتا ہے اور جو سمجھدار ہوتا ہے، جو رہنما ہوتا ہے، وہ وقت سے پہلے سوچتا ہے، آج مجھے دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، مجھے بہار اور بنگال کے وہ فسادات یاد آ رہے ہیں جن پر ایک کمیشن قائم کیا گیا تھا، وہ کمیشن وہاں پر گیا۔ جب لوگوں کو انصاف نہیں ملا، وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتے تھے تو انہوں نے آزادی کا نعرہ لگایا، علیحدگی کا نعرہ لگایا اور اس سے پہلے بھی یہی فسادات تھے۔ جنہوں نے 1905ء میں تقسیم بنگال کی آواز کو اٹھایا اور وہی تقسیم بنگال، آخر کار، تقسیم برصغیر کا پیغام بن کر آئی۔ میں آج یہ کہتا ہوں کہ ان چیزوں کو ہمیں سنجیدگی سے لینا چاہیے، سندھ کے اندر ظلم کے پھیلتے ہوئے سائے جو کہ چار سو پھیلے ہوئے ہیں، پٹھان اور مہاجر، لڑ رہا ہے۔ کل پنجابی اور مہاجر لڑ رہا تھا اور اس سے پہلے سندھی اور مہاجر، لڑ رہا تھا۔ کچھ لوگ اس کو یوں محسوس کرتے ہیں

کہ یہ فسادات اس لئے کرائے جارہے ہیں، لوگ تقسیم ہو جائیں، ٹکڑوں میں بٹ جائیں، ایسی صورت میں وہ سوچیں گے کہ کوئی اور بندوق والا آئے اور وردی والا آئے اور ان کو تحفظ فراہم کر سکے۔ اس لئے حکومت میں اس وقت جو کارکنانِ قضاء، قدر بیٹھے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنی محلاتی سازشوں سے باہر نکلیں، وہ اپنے ان تقاضوں سے باز آئیں کہ کس کو کیا مل رہا ہے اور کس کو کیا نہیں مل رہا، حالات کا جائزہ لیں، اور آنے والے وقت کیلئے لائحہ عمل تیار کریں، آج حیدر آباد اور کراچی کے فسادات کیلئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے اور اس کمیشن میں اس ملک کے مقتدر لوگوں کو، Judges کو، دانشوروں کو، صحافیوں کو، مزدور تنظیموں کے نمائندوں کو، ہر طبقہ فکر کے نمائندوں کو شامل کیا جائے، جو جا کر دیکھے کہ فسادات کی کیا وجوہات ہیں اور اگر باہر کا ہاتھ نظر آتا ہے تو اس کا سدِ باب کرنا چاہیے۔ اگر اس کے بجائے اندر کا ہاتھ کارفرما ہے اور مسلم لیگ کے انتشار کا ہاتھ نظر آتا ہے تو پھر ان کے خلاف بھی ایکشن لینا چاہیے۔ وہ بھی اسی طرح سزا بھگتیں face کریں۔ ہم ایسے ملک کے نمائندہ ہیں جس کی ہر گلی میں آج دکھ اور درد کی آواز ہے، جس کے اندر غربت نے آج لوگوں کو ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔

سندھ میں پنجابی افسر شاہی اور مسلم لیگ سے اپیل

جناب والا! میں عرض کر رہا تھا کہ بیوروکریٹس سندھ کے بھی موجود ہیں، صرف پنجاب ہی کے نہیں ہیں۔ سندھ کے اندر چیف سیکرٹری پنجابی ہے۔ وہاں کا چیف سیکرٹری فوری طور پر سندھ کے بیوروکریٹس میں سے لگایا جائے۔ وہاں کا آئی جی پنجابی ہے، اس کو فوری طور پر تبدیل کر کے سندھ کے لوگوں کو اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق دیا جائے، کیونکہ جب کہتے ہیں کہ Government of People by the Peopleand For the people تو سندھ میں بھی یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنے اوپر حکومت کر سکیں اور اپنے گھر میں اپنا راج قائم کر سکیں، اس لئے وہاں کے ہوم سیکرٹری کو، چیف سیکرٹری کو، آئی جی کو اور جناب گورنر جہانداد صاحب کو پنجاب میں واپس آ جانا چاہیے۔ ہم ان کو آنکھوں پر بٹھالیں گے۔ جناب والا گورنر جہانداد کو فوری طور پر علیحدہ کیا جائے۔ گورنر راج کی بات کرنے والوں سے میرا اختلاف ہے، گورنر راج قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، گورنر راج کا آپ نے کام شروع کیا تو پھر ملک میں کل کو صدر راج ہوگا۔ اسمبلیاں چلی جائیں گی، وزیر اعظم چلا جائے گا، یہ دروازے مت کھولیں، وہاں گورنر راج کی مخالفت کرتا ہوں اور یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ سندھ کے اندر سندھ کے لوگوں کو لایا جائے، انتظامیہ میں تبدیلی لائی جائے اور اندرونی سازشوں کو ختم کیا جائے اور مسلم لیگ سے میری اپیل ہے کہ اس مرحلے پر جب پوری قوم خاک و خون میں غلطیدن ہے، خدا کے لئے اپنی کرسیوں کی لڑائی ختم کر دیں اور توجہ دیں مسائل کی طرف تو مسائل حل ہو جائیں گے، ورنہ یہ لڑائی آپ کو بھی لے ڈوبے گی اور پھر آپ کہیں گے۔

ہم تو ڈوبے ہیں صنم .... تم کو بھی لے ڈوبیں گے

ہمیں نہ لے ڈوبئے اور اس ملک کو نہ لے ڈوبئے، میری درخواست ہے کہ اگر نہیں چلا سکتے ملک کو تو کوئی بات نہیں بہادروں کی طرح کہہ دیجئے کہ اسے چلانا ہمارے بس میں نہیں ہے، نئی لیڈر شپ کو آنے دیجئے۔ راستہ مت بند کیجئے

قانون کیسا ہو (قومی اسمبلی 3 دسمبر 1986ء)

جناب والا! میری سمجھ سے یہ بالاتر ہے کہ اس مرحلہ پر سینیٹ کے قوانین انتخابات کو ترمیم کے ذریعہ مشکل بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ جناب وزیر انصاف نے اس سلسلہ میں یہ فرمایا تھا کہ اس ترمیم میں ان کی بدنیتی نہیں ہے اور وہ صرف اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ قانون کو آئین کے تقاضوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے۔ ان کی بات صحیح ہوگی اور ان کی نیت پر شبہ کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں، البتہ ان کے اس عمل کو جب دیکھا جائے تو اس میں ہم صرف یہ کہہ کر خاموش نہیں ہو سکتے کہ "انما الاعمال بالنیات قانون نیت پر نہیں بنتا، قانون ایک عامل عنصر کے طور پر قوم کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے اور اگر اس خون کی گردش میں کہیں کوئی clot آ جائے یا کہیں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو قومی زندگی کی شریانیں سکڑنے لگتی ہیں اور اس سے وہ قوم جو کہ صحت مند ہوتی ہے، قانونی پیچیدگیوں کے اندر دب کر اس کا دم گھٹ جاتا ہے اور اس کا سانس ٹوٹ جاتا ہے۔

جناب والا! قانون کا احترام کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ احترام اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب قانون فرد واحد کی منشاء کے مطابق نہ بن رہا ہو بلکہ قانون آٹھ کروڑ انسانوں اور قوم کی آدرشوں کی ترجمانی کر رہا ہو۔ بولتا ہوا قانون، سادہ قانون، سمجھ آنے والا قانون، مساوات فراہم کرنے والا قانون ہی زندہ رہتا ہے۔ جو ادارے اپنے راستہ میں قانونی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں تو قوم کو نقصان پہنچتا ہے اور قوم کی توقعات اداروں کی بجائے افراد کی طرف چلی آتی ہے۔ افراد فانی ہوتے ہیں اور ادارے لافانی، فرد کی حیثیت عارضی ہوتی ہے، اس لئے اس مرحلہ پر ہم افراد کو قوت لایموت دے رہے ہیں اور اداروں کی زندگی اور ان کی صلاحیتوں کے اجاگر ہونے کے مواقع کو محدود کر رہے ہیں، یہ انتہائی سنجیدہ مسئلہ ہے کہ ہم ایک چھوٹے سے قانون کے ذریعے اپنے بہت بڑے وجود کو ختم کرنے کا آغاز کر رہے ہیں۔

کھاد کا بحران (قومی اسمبلی 14 دسمبر 1986ء)

ADJOURNMENT MOTIONS 14th Dec 1986

جناب سپیکر! شکریہ، گندم کی بوائی کے وقت کھاد جس طریقے سے غائب ہوئی ہے اس سے ایک بہت بڑا نقصان ہماری گندم کی کاشت کو پہنچ چکا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، پچھلے چار پانچ سال تک گندم کی کمی ہوئی تھی

اور ہمیں درآمد کرنا پڑتی تھی۔ بڑی مشکل سے اس جنس پر اور اس کاشت پر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور ہم اس سلسلہ میں خود کفیل ہوئے۔ لیکن ایک دو سال سے ایک سازش نظر آتی ہے کہ اس گندم کی پیداوار کو کم کیا جائے تاکہ باہر سے گندم منگوانے پر جو کمیشن لینے والے ادارے تھے، ان کو جو کمی ہوئی ہے اس کو کسی طریقے سے پورا کیا جائے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے اس ملک کے 8 کروڑ عوام کے ساتھ کہ گندم کی کاشت کے وقت کھاد نایاب ہے۔ اس کی وجوہ کچھ بھی ہوں لیکن آج ہمارے پاس فاسفورس کھادیں جو ہم نے درآمد کرنی تھیں، پہنچی ہوئی ہیں۔ نائٹروجنی کھادیں جن کو ہم ایکسپورٹ کرتے ہیں، وہ ہمارے گوداموں میں گل سڑ رہی ہیں۔ جناب والا! کوٹے کے ذریعے یہاں پر لکھ کر دیتے ہیں، منسٹر صاحب کہ فلاں کو اتنی بوریاں دے دی جائیں اور اس طرح بلیک مارکٹنگ کے اندر اضافہ کیا گیا ہے۔ ایم این ایز کے ذریعے، ایم پی ایز کے ذریعے یا اپنے آفیسرز کے یا اپنے سیاسی کارکنوں کے ذریعے، ایک مصنوعی بحران پیدا کر دیا گیا ہے۔ اس وقت گندم کی کاشت میں ہم بحرانی کیفیت سے دو چار ہیں اور یہ چھوٹا مسئلہ نہیں ہے۔ میں جو الزامات لگا رہا ہوں، میرا اس سے مقصد نہ تو کسی فرد واحد کی توہین ہے، نہ ایوان کی اور نہ کسی وزیر محترم کی۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اتنا بڑا نقصان ہے اور اگر اس کی منصوبہ بندی یہ نہیں کر سکے، چھ مہینے پہلے کہ کل کو کس طریقے سے ہم نے کھاد فراہم کرنی ہے اور کسان کس حد تک intensive کاشت میں آگے بڑھ رہے ہیں تو میرے خیال میں اب بھی وقت ہے کہ اتنے بڑے جرم پر ایک کمیٹی بنائی جائے جو تفصیل میں جائے۔ اتنا بڑا قومی بحران پیدا کیا گیا ہے اور اس کو پیدا کرنے کے جو لوگ ذمہ دار ہیں ان کو سزا دی جائے، ان کو ان کے عہدوں سے الگ کیا جائے اور جو سٹور رکھ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور انہیں ڈیکلیئر نہیں کیا، ان کو سزا دی جائے۔ دیر سے امپورٹ کرنے پر جن اداروں نے تساہل برتا ہے ان کو سزا دی جائے، اگر ہاؤس کی ایک کمیٹی ہوگی، وہ محاسبہ کمیٹی ہوگی جو احتساب کرے گی، انہی ایم این ایز پر مشتمل ہو، میں نہیں کہتا کہ ہماری طرف سے ہو، وہ مسلم لیگ کے ارکان ہوں، وزراء ہوں، پانچ چھ افراد پر کمیٹی بنالیں جو کم از کم ایوان کی کمیٹی ہو، جو جائے اور اتنے بڑے قومی بحران کو دیکھے۔

پچھلی مرتبہ جب میں نے یہ تحریک التواء پیش کی تو زراعت کے پارلیمانی سیکرٹری صدیق کانجو صاحب سے میں نے کہا کہ جناب! آپ ان اعداد و شمار کو، جو آپ نے طوطے کی طرح رٹے ہوئے ہیں، پڑھ دیں گے لیکن کل کو آپ نے اپنے حلقے میں جانا ہے، ان کسانوں کا سامنا کرنا ہے تو بجائے اس کے کہ ہم مزید تساہل کا شکار ہوں، ایک کمیٹی بنائیں جو اس کی تہہ تک پہنچے، اور جن لوگوں کی وجہ سے یہ بحران پیدا ہوا ہے، انہیں قرار واقعی سزا دی جائے اور جن کو سفارشوں کی بنیاد پر کھاد فراہم کی گئی ہے یا بلیک مارکیٹنگ کا طریقہ نکالا گیا ہے، ان وزراء کا بھی محاسبہ ہونا چاہیے اور ان پارلیمانی سیکرٹریوں اور ممبرز کا بھی محاسبہ ہونا چاہیے جن کے ذریعے کھاد تقسیم کرنے کے اختیارات دیئے گئے ہیں۔

کراچی اور حیدرآباد کے فسادات (قومی اسمبلی 14 جنوری 1987ء)

ADJOURNMENT MOTION RE: RIOTS IN KARACHI AND HYDERABAD 14TH JUN 1987

کراچی اور حیدرآباد کے سانحہ پر بہت تفصیل سے باتیں آ چکی ہیں۔ مجھے کراچی، کرفیو کے دنوں میں جا کر دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ جس وقت پورا شہر جزیروں میں بٹا ہوا تھا اور ہر گھر جیل خانہ بنا ہوا تھا تو اس وقت 16 دسمبر کو یہاں سے سید فخر امام کی قیادت میں قومی اسمبلی کے ارکان اور سینیٹرز حضرات وہاں پر گئے۔ ہم نے وہاں جا کر اورنگی میں، ملیر میں، سہراب گوٹھ، میں کرفیو کے دوران دیکھا کہ لوگ کس طریقے سے حالات کی قید کے اندر پھنس چکے ہیں۔ ہم نے، جناب سپیکر، اپنی آنکھوں کے سامنے لوگوں کو دم توڑتے دیکھا، ہسپتال میں نوے سال کے بوڑھوں کے جسموں کو گولیوں سے چھلنی دیکھا، زندہ ادھ جلے ہوئے لوگ اپنے گھروں کے اندر مقید تھے، ان کو دیکھا اور ان کی آہ وفغاں جاری تھی اور ان کے لبوں پر جو شکایت تھی، وہ یہی تھی کہ آٹھ گھنٹے تک ان پر گولیاں برستی رہیں۔ ان کے گھروں کو آگ لگائی جاتی رہی، لیکن کوئی ان کا پرسان حال نہیں تھا۔ اور جناب سپیکر، ہم نے اپنے کانوں سے سنا، انہی راتوں کو کہ حکومت یہ اعلان کر رہی تھی کہ ہر آدمی اپنی جان اور مال کا تحفظ خود کرے۔ جس شہر بلا میں یہ اعلان کیا جا رہا ہو کہ ہم کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ نہیں کر سکتے تو اس شہر کی بے بسی کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں۔

جناب سپیکر! اس پس منظر میں جب ہم یہاں پر آواز اٹھاتے ہیں تو ہمیں اپنے پچھلے دو سال کا سویلین دور کا جائزہ لینا ہے۔ اچھی بات ہے، جناب وزیر اعظم صاحب نے آج فرمایا کہ انہوں نے مارشل لاء اٹھایا اور انہوں نے ایک نظام دیا جس میں بنیادی حقوق کا تحفظ ہے، جس میں ایمرجنسی موجود نہیں ہے، جمہوریت کا بول بالا ہے۔ جناب سپیکر، یہ بڑے اچھے اقدامات تھے اور ان اقدامات کی وجہ سے ان کو خراج تحسین ہم دو سال تک پیش کرتے رہے ہیں لیکن وہ ذرا خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لیں کہ ان دو سالوں کے اندر جو چیلنج قبول کیا تھا انہوں نے، مارشل لاء کی حکومت کے بعد وہ بہت بڑا چیلنج تھا۔ جناب سپیکر! یہ چیلنج تھا سویلین حضرات، کا کہ فوجی حضرات حکومت کو صحیح طور پر نہ چلا سکے اور اب ہم سویلین حکومت چلا کر دکھائیں گے اور ملک کو چلانے کا ماڈل پیش کریں گے۔ جناب سپیکر! دو سال کے اندر آج اس ایوان میں کھڑے ہوئے میرا دل چاہتا ہے کہ میں کہوں کہ ہمارے وزیر اعظم نے امن وامان کو ہر گھر کے اندر پہنچا دیا ہے، لیکن میں یہ کہنا بھی چاہوں تو میں جھوٹ بول رہا ہوں گا۔ جناب سپیکر! میں خوشامد کر رہا ہوں گا یا میں کوئی مقصد برآری کی بات کر رہا ہوں گا، کیونکہ اس ملک کے آٹھ کروڑ لوگ میری اس بات کی تصدیق کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، ہم انہی کے ترجمان ہیں، اگر ہماری زبان، ان کے مقاصد کی ترجمان نہ رہے، اور صرف ہم وزیر اعظم کو خوش کرنے کیلئے بات کرنا چاہیں اور جو دوست کہنا چاہ رہے ہیں، انہیں بھی کہتے ہوئے ضرور دیکھنا چاہیے کہ لوگ کراچی اور حیدرآباد کے اندر کس قسم کی زندگی بسر کر رہے ہیں،

کرفیو موجود ہے، اس وقت جب میں بات کر رہا ہوں، حیدر آباد کے اندر فائرنگ جاری ہے، چار اور تھانوں کے اوپر کرفیو لگا دیا گیا ہے اور اسی مرحلے پر جناب سپیکر! ہمارے شہر کراچی کے اندر لوگ غیر محفوظ محسوس کر رہے ہیں، کیا ان دو سالوں کے اندر ہم نے کسی مرحلے پر کوئی کامیابی حاصل کی ہے۔ پانچ سال کل ملے ہیں دو سال ختم ہو چکے ہیں۔ آیئے، ہم دوسروں کا احتساب کرتے رہتے ہیں، اپنا احتساب کریں، کیا ہم صنعتی انقلاب برپا کر سکتے ہیں، کیا ملک میں زرعی انقلاب آ چکا ہے، کیا ملک میں رشوت کی بیخ کنی کر دی گئی ہے، کیا ملک کے اندر سمگلنگ کو ہمیشہ کیلئے ملیا میٹ کر دیا گیا ہے، نہیں جناب سپیکر! آج مجھے دکھ ہے۔ وزیر اعظم صاحب نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ اگر کوئی چاہے خراج تحسین پیش کرے، میں نہیں کر سکوں گا۔ عرض کرنا چاہوں گا کہ کراچی اور حیدر آباد کے حالات کی جڑیں گہری ہیں۔ جو حکومتیں بنی ہیں، لوگ ان پر اعتماد نہیں کر رہے، وہ انہیں کرپٹ سمجھتے ہیں۔

جناب والا، کیا کرپشن رک گئی ہے، سندھ کی کابینہ کو تبدیل کیا گیا، وزراء نکالے گئے، اچھا ہوا تھوڑا سا احساس ہوا، جس حکومت کا یہ تاثر بن جائے کہ وہ کرپشن کا شکار ہے، وہ سہراب گوٹھ بیچ رہے ہیں، وہ فیصل آباد کے اس پلاٹ کی انکوائری کمیٹی کیلئے اس آدمی کو لگاتے ہیں جو پچیس ہزار کرپشن کے طور پر مہینے کے لیتا ہے۔ اسی کو کہا جاتا ہے کہ تم فیصل آباد میں 124 کنال اور سات مرلے کی جا کر انکوائری کرو۔ جناب والا، میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی صورتحال اگر اس سویلین گورنمنٹ نے پیدا کی اور کرپشن کو فروغ دیا تو اس سے جناب والا، ہم قوم کی خدمت نہیں کریں گے۔ جناب محمد خان جونیجو نے کہا تھا کہ ہم باہر کی اپوزیشن کا بھی سامنا کریں گے، ہم تو نہیں کہتے، غیر ملکی ہاتھ ان کے پیچھے ہیں یا وہ غیر محب وطن ہیں، روس ان کے پیچھے ہے، امریکہ ان کے پیچھے ہے، انڈیا ان کے پیچھے ہے، میں کہتا ہوں۔ آپ کی ساری باتیں صحیح ہوں گی۔ مگر جب تک آپ اپنی کرپشن ختم نہیں کریں گے، استحکام نہیں آ سکتا۔

ہندوستان کی فوجیں پاکستانی سرحدوں پر، ضیاء الحق کویت میں

(قومی اسمبلی 25 جنوری 1987ء)

MOTION REGARDING MASSING OF INDIAN TROOPS ON PAKISTAN BORDER

جناب سپیکر! ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہلانے کا دعویدار ہے، ہندوستان کے 80 کروڑ عوام غربت، افلاس، جاہلیت کے سیلاب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے کروڑوں لوگ امن چاہتے ہیں، جمہوریت چاہتے ہیں، انسانیت کی فلاح چاہتے ہیں، لیکن تین مہینے سے مسلسل یہ خبریں اخباروں کی شہ سرخیاں بن رہی ہیں کہ ہندوستان اپنی تاریخ کی سب سے بڑی دفاعی مشقیں پاکستان کے مشرقی بارڈر پر شروع کر چکا ہے اور جیسے کہ کہا گیا ہے، شاید یہ جنوبی ایشیاء کی تاریخ کی سب سے بڑی دفاعی مشقیں ہیں۔

جناب سپیکر! آج صبح پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں وزیر اعظم پاکستان نے مختصر طور پر حالات سے

اپنی قوم کو آگاہ کیا، جس کی وجہ سے تشویش کی لہر پوری قوم کے جسم میں دوڑ چکی ہے اور آج پورے پاکستان میں یہ سمجھا جا رہا تھا کہ شاید ان حقائق سے پردہ اٹھا دیا جائے گا کہ آخر ہندوستان کی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر اس وقت کیوں براجمان ہیں۔ ہر آدمی اس کی دلیل اپنے نقطۂ نظر سے لا سکتا ہے اور اسی حوالے سے وہ اپنی گفتگو کر سکتا ہے، لیکن جناب والا ہم ہندوستان کی چالیس سالہ تاریخ سے آگاہ ہیں اور یہ محسوس کرتے آئے ہیں کہ ہندوستان نے کبھی بھی کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ جب پاکستان کمزور ہوا اور وہ اس پر حملہ نہ کرے۔ سب سے پہلے پاکستان کے قیام کے ایک سال بعد کشمیر کے بارڈر پر اس نوزائیدہ مملکت کو جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ 1965ء میں پھر جنگ وجدل کا سامنا ان دو غریب قوموں کو کرنا پڑا جس کی وجہ سے ہم کئی سال اتک ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے اور پھر جناب والا! آخری جنگ جو لڑی گئی، پاکستان کا سب سے بڑا حصہ جدا ہوا، سقوط ڈھاکہ کی صورت میں۔ جناب سپیکر! ڈھاکہ کی سرزمین پر ہمارے 90 ہزار بہادر فوجیوں نے سرنڈر کیا۔ ہتھیار ڈالے، وہاں کے بنگالیوں کے سامنے نہیں، جگجیت سنگھ اروڑا جو ہندوستان کی فوج کا جرنیل تھا، ایسٹرن کمانڈ کا جرنیل تھا وہ ڈھاکہ کے اندر داخل ہوا۔ ہماری فوجوں کو اسی کے ہاتھوں رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ آج جب ہندوستانی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر موجود ہیں تو ان باتوں کو مذاق کی صورت میں نہیں لیا جا سکتا، جناب والا! ہمارا اور ہندوستان کا مشترکہ ماضی ہے، ہندوستان تو اپنی تاریخ کے مطابق حملہ آور ہونے کا شاید ارادہ کر چکا ہے۔ چالیس سالہ ناکامیوں، ناکامیابیوں اور شکست اور اعتراف شکست کی ذلت میں گرنے کے باوجود کیا ہم نے کوئی نیا راستہ اختیار کیا ہے؟۔

جناب والا! ہماری فوج یقیناً سرحدوں پر اپنی جنگ لڑنا چاہے گی، ہر فوج کی ذمہ داری ہوتی ہے اور ہمیں اپنی فوج سے توقع ہے کہ وہ یقیناً، اگر خدانخواستہ یہ جنگ مسلط کی گئی تو وہ اس کا سامنا کرے گی لیکن دنیا کے جدید دفاعی نظریات کے مطابق کوئی فوج اپنی قوم کی مدد کے بغیر، اپنی قوم کی سپورٹ کے بغیر نہ دفاعی جنگ لڑ سکتی ہے اور نہ ملک کے چپے چپے کی حفاظت کر سکتی ہے۔ جناب والا! مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے کیا دفاعی اقدامات اس وقت تک سوچے ہیں، ہماری حکومت نے کس طریقے سے اس جارحانہ انداز کا مقابلہ کرنا ہے۔ مجھے دکھ سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج جب یہ مشترکہ اجلاس آج صبح کے اُجالے میں ہوا تو اس میں کہا گیا کہ ہماری فوجوں کی واپسی شروع ہو چکی ہے، ایک مدافعانہ انداز سے ہندوستان کو خوش کرنے کا اشارہ دیا گیا اور پھر یہ کہا گیا کہ شاید ہندوستان ہم سے نہ لڑے۔ جناب والا! یہ کسمپرسی کا عالم ہے۔ ہمیں ہندوستان سے ہر لمحے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہ کسی مرحلے پر بھی حملہ کر سکتا ہے، لیکن ہم دفاعی معاملات میں اپنی طرف سے کوئی راستہ اختیار کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ جناب والا! آج جب ہندوستان کی فوجیں موجود ہیں۔ افغانستان کے مسئلے پر ہم روس کے فارمولے کو reconciliation تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں، ہندوستان کا بھی مقابلہ کریں گے، روس کا مقابلہ کریں گے، افغانستان کا

بھی مقابلہ کریں گے اور ایران کا بھی مقابلہ کریں گے۔ ہم ساری دنیا سے لڑنے کی تو بات کرتے ہیں لیکن اپنی قوم کو متحد نہیں کر سکے، اپنی قوم کو یکتائی نہیں بخش سکے اور اس کیلئے کوئی پالیسی نہیں دے سکے۔ جناب والا! یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا 1970ء کی نسبت آج پاکستانی قوم زیادہ متحد ہے، سیاسی رہنما اکٹھے ہیں، مذہبی رہنما متحد ہیں، سیاسی حکومت زیادہ مستحکم ہے، فوج پہلے کی نسبت زیادہ پروفیشنل ہے یا آج پہلے کی نسبت زیادہ سیاست میں الجھی ہوئی ہے! ہمیں اپنے اندر کے حالات کا جائزہ لینا ہوگا اور اس کے حوالے سے آج یہ اٹھنے والی لہریں جو ہماری سرحدوں پر اس وقت چار سو پھیلی ہوئی ہیں، ان کو دیکھنا ہوگا اور اس کے حوالے سے میں عرض کروں گا کہ اگر ہم ہندوستان کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہیں یا ہم روس کے مسئلے پر کوئی سیاسی حل تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ تو جناب والا! یہ مرحلہ ہے کہ ایک کانفرنس طلب کی جائے، سیاسی راہنماؤں کی، قومی راہنماؤں کی، قومی اتحاد پیدا کیا جائے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے کا جواب صرف یہ اسمبلی یا صرف اس اسمبلی کا قائد یا صرف فوج کے قائد جو چیف آف آرمی سٹاف ہیں، پریذیڈنٹ ہیں، نہیں دے سکتے، وہ سب کچھ۔ لیکن اس وقت اتفاق سے کویت میں بیٹھے ہوئے ہیں، کویت میں ان کو فارن پالیسی پر فیصلے کرنے ہیں، ان کو دفاعی پالیسی پر بھی فیصلے کرنے ہیں، ان کو سیاسی معاملات پر بھی فیصلے کرنے ہیں۔ کیا ہم اپنے چیف آف سٹاف سے اس وقت توقع کر سکتے ہیں۔ جس وقت میں بات کر رہا ہوں کہ اگر انڈیا اس وقت اٹیک کرے تو ہمارا چیف آف سٹاف کوئی فیصلہ کر سکے گا، کیونکہ وہ تو پریذیڈنٹ کی حیثیت سے اور فارن افیئر کے منسٹر ہونے کی حیثیت سے کویت میں پاکستان کی نمائندگی کر رہا ہے۔

میں یہ عرض کرنے والا ہوں کہ اندرون ملک کی تصویر بہت بھیانک ہے، بیرون ملک کی تصویر سے۔ ہمیں بھارت سے توقیر کی توقع نہیں ہونی چاہیے اور اس کا علاج بھی ہم نہیں کر سکتے، ہم ہندوستان سے امن کی بھیک نہیں مانگ سکتے، ہم دنیا سے امن کیلئے جھولی نہیں پھیلا سکتے، کیونکہ ہم اپنے گھر میں امن قائم نہیں رکھ سکے، ہم اپنے گھر کے اندر یک جہتی قائم نہیں رکھ سکے، اگر ہم اپنی قوم کو اپنے ساتھ نہیں بٹھا سکتے تو ہندوستان کے راجیو گاندھی کو اپنے ساتھ کیسے بٹھا سکتے ہیں۔ جی میں اپنی بات اس بات پر ختم کرنا چاہتا ہوں کہ پوری قوم کو اعتماد میں لیا جائے۔ ضیاء الحق صاحب اس مسئلے کا حل تلاش نو سال میں کر سکے ہیں اور نہ کبھی کر سکیں گے۔ اس کیلئے پوری قوم کے اختلافات کو ختم کیا جائے۔ ان روٹھے ہوؤں کو منانا چاہیے، سیاسی مراعات دینی چاہئیں، کرسیاں آتی جاتی رہی ہیں، ملک قائم رہنا چاہیے۔ ہمیں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ یہ سیٹیں بہت عارضی ہیں۔ بہت لوگ ان کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور آج ان کا نام ونشان تک موجود نہیں ہے۔

بجلی کی قیمت بڑھانے پر (قومی اسمبلی 4 فروری 1987ء)

شکریہ محترمہ سپیکر صاحب! یہ تحریک التواء جس پر کافی دلائل آ چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں Self-reliance کیلئے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی اور ہم اپنی خرابیوں کو ختم

کرنے کی بجائے ہم مسلسل بالواسطہ طور پر عام آدمی پر اپنی نااہلی کا بوجھ ڈالنے کا طریقہ اپنائے ہوئے ہیں۔ واپڈا کے اندر قومی سرمائے کا ضیاع تقریباً 1964ء سے جب سے واپڈا معرض وجود میں آیا ہے، سب سے بڑا موضوع ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ چالیس فیصد بجلی چوری ہو رہی ہے، اس میں صنعت کار ملوث ہیں، کبھی کہا جاتا ہے کہ عوام ملوث ہیں۔ لیکن در حقیقت واپڈا کا ادارہ ہمارے ملک میں بد قسمتی سے روشنی پھیلانے کی بجائے اندھیرے پھیلانے کا پیغام بن چکا ہے۔ جب واپڈا کا نام آتا ہے تو ملک کا عام شہری نفرت اور ناپسندیدگی کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ریٹس کے اندر اضافہ واپڈا کا وطیرہ رہا ہے۔ اپنے وسائل کے اندر رہنے کا طریقہ چونکہ ہم نے سیکھا نہیں ہے۔ ایک طرف ہم تعیشات کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور اس ملک پر حاکم طبقہ اپنی عیاشیوں کا خمیازہ بھگتنے کی بجائے پوری قوم پر اپنی عیاشیوں کے چارجز کبھی فیول ایڈجسٹمنٹ چارجز کے نام سے اور کبھی کسی حوالے سے وصول کر رہا ہے۔ محترمہ سپیکر صاحبہ! اسی وجہ سے چالیس سال کے اندر کسی پہلو میں مزید ترقی کرنے کی بجائے ہم اس ملک میں دو قسم کے طبقات پیدا کر رہے ہیں اور وہ ندی کے دو کنارے بن چکے ہیں۔ ایک طرف لٹنے والا طبقہ ہے، دوسری طرف لوٹنے والا طبقہ ہے۔ یہاں پر وہی مراعات یافتہ طبقہ حکومت کے اندر کسی نہ کسی طریقے سے موجود ہے۔ مختلف طریقوں سے قوم کا خون نچوڑ رہا ہے، جس کا خون نچوڑا جا رہا ہے، ایک کنارے پر وہ طبقہ بیٹھا ہے اور ایک طرف خون پینے والوں کا طبقہ بیٹھا ہوا ہے، اس Corruption کی ندی میں خون، سرمایہ اور دولت پوری قوم کی بہتی چلی جا رہی ہے۔ آج ہم فیول کے حوالے سے یہاں بات کر رہے ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم Self-reliance کی طرف نہیں گئے، ہم اپنے وسائل کو regenerate نہیں کرنا چاہتے، ہم ہر مرحلے پر جھولی پھیلا کر باہر کی دنیا سے بھیک مانگنا چاہتے ہیں۔ Beggars کبھی Choosers نہیں ہو سکتے۔ جب ہم بھیک مانگنے والے ہیں تو پھر ہمیں قوانین بھی اوپر والے دیں گے، ان کو Follow کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں کہا گیا کہ انرجی بچانے کے لئے، ایک سٹیشن پر گاڑی کا سٹاپ چاہیے تو اس کے لیے ورلڈ بینک سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ یہ کوئی آزاد قوموں کا چلن نہیں ہے، یہ وزارتیں، کس لئے ہوتی ہیں، حکومتیں کس لئے ہوتی ہیں؟ یہ سجے ہوئے ایوان قوم کے درد کا مداوا سوچنے کی بجائے، ہم اپنے وسائل کو لٹتا ہوا دیکھتے ہیں، ایک خاص طبقے کو جونکوں کی طرح پلتا ہوا دیکھتے رہتے ہیں۔ ہم کرپشن ختم کرنے کے بجائے، چوری ختم کرنے کی بجائے، پھیلا رہے ہیں اور مزید کرپٹ لوگ، بلیک میلرز، سمگلرز، چور، ہیروئن بیچنے والے طبقات پیدا کر رہے ہیں۔

میں عرض کروں گا کہ اس مرحلے پر، بجائے اس کے کہ چارجز میں اضافہ کیا جائے، اس ایوان کو دو تین دن کا وقت دیا جائے کہ یہ دیکھے کہ گذشتہ سالوں میں واپڈا کی کارکردگی کتنی بڑھی ہے اور چارجز کتنے بڑھے ہیں۔ وہاں چوری کتنی ہو رہی ہے اور لوگوں کی جیب کتنی لوٹی جا رہی ہے، جو جونکوں کی طرح ہمارا خون چوس رہے ہیں، ان کو سزا دینے کیلئے، اس ایوان کو اپنے پاس اختیارات لینے چاہئیں۔ ان کیلئے تختہ دار لایا جائے، انہیں سزا

ملے گی تو پھر کرپشن ختم ہوگی اور پھر یہ چارجز نہیں بڑھانے پڑیں گے۔ بلکہ واپڈا کی کارکردگی بڑھے گی، روشنی بڑھے گی اور اسی روشنی کے حوالے سے ہم اپنی قوم کو سچائی کا پیغام دے سکیں گے، شکریہ۔

افغانستان کی جنگ میں روس کی شکست کا فائدہ امریکہ کو ہوگا

(قومی اسمبلی 20 اپریل 1987ء) DISCUSSION OF FOREIGN POLICY

جناب سپیکر! آج کے دور میں خارجہ پالیسی کا جائزہ لیتے ہوئے ہر قوم باہمی تجارت، بین الاقوامی مفادات، دفاع، علاقائی تعاون، سیاسی تعاون ذہن میں رکھتی ہے، آج پاکستان کی خارجہ پالیسی ہے کیا؟ اس کو سمجھنے کیلئے بڑی مشکل پیش آتی ہے، اگر ہم اپنی بین الاقوامی تجارت کا جائزہ لیں تو اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جس ملک سے اربوں روپے کا اسلحہ لینے پر مجبور رہتے ہیں اور کوکا کولا بطور ٹیکنالوجی امپورٹ کرنے کے پابند ہوتے ہیں، وہاں جو دنیا کا Rejected Weapon ہوتا ہے، اس کو قبول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اُس ملک میں ہمیں کاتولیہ اور کاٹن کے کپڑے بیچنے کا حق نہیں ہوتا، تجارتی خسارہ موجود ہے، اس سلسلے میں ہماری خارجہ پالیسی کیا کامیابیاں حاصل کر سکی ہے، فنی تعاون میں اقتصادی تعاون میں اور اسی طریقے سے دفاعی معاملات میں جو کچھ ہندوستان کو آفر کرتی ہیں، پوری دنیا کی سپر پاورز، اس کے مقابلے میں، پاکستان کو کیا آفر کیا جاتا ہے اور کن شرائط پر آفر کیا جاتا ہے، اس میں بھی پاکستان کو قابلِ فخر کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اٹامک انرجی پر جو سہولتیں ہندوستان کو حاصل ہوتی ہیں اور وہ سپر پاورز فراہم کرتی ہیں، جو ہماری ان داتا کہی جاتی ہیں، وہی سہولتیں پاکستان کو فراہم کرنے کی بجائے، پاکستان کے ایٹمی جوہری توانائی کے پروگرام کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

جناب والا! افغانستان کا مسئلہ سب معاملات پر حاوی ہو چکا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ کیلئے یہ دنیا کی سستی ترین جنگ ہے جو اس کے مفادات کو تحفظ دینے کیلئے لڑی گئی اور اُس کو بالادستی حاصل ہوئی ہے۔ افغان مجاہدین کے مفادات کیلئے پاکستان کو قربانی دینا پڑے، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ افغانستان کے مجاہدین کے مفادات کیلئے ہم کسی حد تک قربانی دے سکتے ہیں۔ وہ ہمارا ہمسایہ ملک ہے، ہم مسلمان ہیں، ان پر روس نے تسلط جمایا ہے، ان کی جدوجہد میں اخلاقی طور پر مدد دینے کیلئے ہمیں پابند ہونا چاہیے لیکن وہ جنگ اس طریقے سے لڑی جائے کہ مجاہدین کے مفادات حاصل ہونے کی بجائے امریکہ اس سے مفادات حاصل کر رہا ہو اور امریکی مفادات پر پاکستان کے مفادات کو بھی قربان کر دیا جائے اور مجاہدین کے مفادات کو بھی امریکی پالیسی کیلئے لقمہ اجل بنا دیا جائے، یہ تصویر خوش کن نہیں ہے۔ خارجہ پالیسی میں اس حد تک ہم ڈیپنڈنٹ ہو چکے ہیں، امریکہ پر۔ کہ رشیا اس وقت گارنٹیز ہم سے نہیں مانگ رہا، رشیا وہاں پر Withdrawal of forces کے لئے Withdrawal of troops کیلئے گارنٹیز مانگ رہا ہے امریکہ سے، فیلڈ کے اندر جنگ ان کی ہم لڑ رہے ہیں اور اس کے بدلے میں پاکستان کی پوری معیشت، معاشرتی زندگی اور سیاسی زندگی تلپٹ ہو کر رہ گئی ہے، ہمارے شہر

اس وقت ناجائز ہتھیاروں کی فراوانی کا سامنا کر رہے ہیں، سمگلنگ کی وجہ سے ہماری معیشت تباہ ہو چکی ہے۔ اسی طریقے سے منشیات بڑھی ہے، ہم بہت بڑی قیمت ادا کر رہے ہیں، لیکن اس کا فائدہ نہ مجاہدین کو پہنچ رہا ہے نہ پاکستان کو پہنچ رہا ہے، اس جنگ کا فائدہ امریکہ کو پہنچ رہا ہے اور امریکہ اس جنگ کی بنیاد پر سودے بازی کرنا چاہتا ہے۔ میزائل کے Withdraw کیلئے، نکاراگوا کے اندر اور دنیا کے دوسرے مقامات پر، جہاں روس کا سامنا اسے کرنا ہے، ہماری حکومت مارشل لاء کی ہو، جمہوری روایات کی حامل ہو، ہمارے جمہوریت کے عظیم علمبردار وزیراعظم ہوں، وہ سب اس بات کیلئے تیار ہیں کہ امریکہ جہاں انہیں استعمال کرنا چاہے، وہ آلہ کار بن رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہماری آنے والی نسلوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جناب سپیکر! وہ Aggression ہے، روس کا افغانستان پر حملہ کرنا، وہاں پر ان کا آنا، دنیا کے کسی اخلاقی معیار کے مطابق جارحیت سے کم نہیں، جارحیت موجود ہے اور دوسری طرف Resistence بھی موجود ہے۔ مجاہدین لڑ رہے ہیں۔ وہ ان کی آزادی کی جنگ ہے صرف پاکستان ہی نہیں، دنیا کے ایک سو بائیس ممالک اخلاقی طور پر، ان سے تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ پاکستان چونکہ قریب تر ہے اس لئے ہم پر ذمہ داریاں بھی زیادہ عائد ہوتی ہیں، لیکن جناب والا! موجودہ پالیسی کی تفصیل پر ہمیں اختلاف ہے۔ آج جنیوا مذاکرات کے اندر معاملات آٹھ مہینے اور اٹھارہ مہینے پر رک گئے ہیں اور یہ کہا جا رہا ہے کہ رسل ورسائل کا نقل وحمل کا پرابلم ہے، ورنہ روس فوجیں اس خطہ سے نکالنا چاہتا ہے تو پھر کیا ہم امریکہ کے مفادات کیلئے روس کا منہ کالا کر کے اسے نکالنا چاہیں گے، اس کو منوانا چاہیں گے کہ تم شکست تسلیم کرو اور دنیا کے سامنے مانو کہ میں ہارا ہوا ملک ہوں، اس ہارے ہوئے ملک کا فائدہ ہمیں نہیں ہوگا، امریکہ کو ہوگا۔

دس منٹ میں اور پہلوؤں پر جانے کی بجائے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کافی ہو گیا، 80ء سے 87ء تک آپ نے اس بیرونی حملے کا بہانہ بنا کر داخلی طور اپنی قوم پر حکومت کی، اپنی قوم کو خوف کے سایوں تلے رکھا۔ اپنے مقاصد کیلئے انہیں استعمال کیا، ان کی سیاسی زندگی کا کچومر نکال کر رکھ دیا، لیکن اب یہ ڈرامہ ختم ہونا چاہیے، اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہو جانا چاہیے اور روس کو Withdrawal کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں۔ اگر وہ کہتے ہیں ہم نے غلطی کی اور واپس جانا چاہتے ہیں تو ہمیں پوائنٹ آف ریٹریٹ (Point of Retreat) فراہم کرنا ہوگا؟ ہمیں کوشش کرنی ہوگی کہ باعزت طریقے سے اسے واپسی کا راستہ دیا جائے۔ ہم اس مرحلے پر اگر اور آگے بڑھیں گے تو یقیناً یہ جنگ پھیلے گی۔ اس جنگ کے پھیلنے کے نتائج پشاور کو بھی سامنا کرنے ہوں گے، کراچی کو بھی سامنا کرنے ہوں گے اور یہاں بھی کرنے ہوں گے۔ اسی لئے عقلمندی کا تقاضا ہے، ہماری خارجہ پالیسی کی کامیابی اور ان کی ڈپلومیسی پر اب یہ منحصر ہے کہ آیا اس مرحلے پر وہ آگے بڑھ کر امریکہ کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ جاؤ امریکہ! ہم آپکے مفادات کے محافظ نہیں ہیں، ہم اپنے ملک کے عوام کے مفادات کے محافظ ہیں۔ مجاہدین کو بھی

اس حالت میں نہیں پھنسانا چاہیے اور اگر وہ پھنسے تو ہماری وجہ سے پھنسیں گے، اگر ان کو بھی اس طریقے سے پھنسا لیں کہ وہ بھی امریکہ کے ہاتھوں تقسیم ہوں۔ امریکہ کی خواہش ہوگی، ہے اور ہونی چاہیے، ایک سپر پاور کی حیثیت سے، کہ یہ جنگ میں جھونکے جاتے رہیں۔ روس کی اکانومی تباہ ہو، روس کے لئے مسائل پیدا ہوں۔

یہ دو سپر پاورز کا اپنا مسئلہ ہے، ہمیں اس مرحلے پر واضح کر دینا چاہیے۔ جناب سپیکر! کہ ہم آزاد قوم کی حیثیت سے افغان مجاہدین کی جدوجہد کو صحیح سمجھتے ہوئے، اپنے دامن کو بچا کر، اس خطے کے اندر ہندوستان، ایران، عراق، افغانستان اور چین کے اندر ہمیں ثابت کرنا پڑے گا کہ ہم افغانستان کو غیر جانبدار ملک کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں، اگر آج ہم کہیں کہ پاکستان غیر جانبدار ملک ہے تو لوگ ہنس پڑیں گے۔ ہم اپنے آپ کو جو کہتے رہیں، ہم اگر پوری طرح امریکہ کی جھولی میں پڑ کر یہ کہیں کہ ہم افغانستان کو غیر جانبدار قرار دلوانا چاہتے ہیں تو لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے، پوری دنیا کی رائے عامہ سمجھے گی کہ یہ خود تو اپنے آپ کو سنبھالا دے نہیں سکے۔ اپنے راستے کا تعین کر نہیں سکتے، خود اپنی فضا کو امریکہ کے ہاتھ بیچنے کو تیار ہیں۔

چالیس سال سے اٹھائیس سال مارشل لاء کی حکومت رہی، جرنیلوں کی حکومت رہی، کیا یہ قوم نے کہا تھا کہ ہم پر حکومت کرو؟ ہم اپنے گھر کو نہیں سدھاریں گے، ہم اپنے گھر کے اندر سیاسی طور پر اتحاد کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ ہم اپنی تمام قوتوں کو مجتمع نہیں کریں گے اور 9 کروڑ قوم کے طور پر اپنے لئے کوئی نظام زندگی طے نہیں کریں گے۔ اس خطے کے اندر ایران نے سامنا کیا امریکہ کا، ہندوستان آج بھی سہولتیں لیتا ہے اور آنکھیں بھی دکھاتا ہے، چائنا نے وہ Yoke اتار کر پھینک دیا اپنے کندھوں سے، اور آج افغانستان کے مجاہدین بھی روس کے خلاف جنگ میں آگے بڑھ رہے ہیں، لیکن پاکستان اس ترقی یافتہ دور میں جب تمام قومیں سپر پاورز کو اپنے سروں پر مسلط نہیں کرتیں۔ تاریخ میں آئے گا یہ ملک ایسا تھا جس نے تاریخ کے دھارے کا ساتھ دینے کی بجائے رجعت پسندی کا مظاہرہ کیا اور دوسروں کا آلہ کار بنا اور اس خطے کے امن کو تہ و بالا کرنے کی کوشش کی۔

جناب اسپیکر! آج یہ فیصلہ کا وقت ہے، یہ تاریخ بنانے کا وقت ہے۔ اس وقت اگر ایک جرات مندانہ قوم کے طور پر عزت اور احترام کے ساتھ ہم یہ کر سکے کہ اس Withdrawal of troops کو اس کے نظام الاوقات کے جھگڑے میں ہم نے تباہ نہ کر دیا، اس کو آگے بڑھا سکے تو تاریخ میں یہ لکھا جائے گا کہ افغانستان سے روسی فوجیں واپس گئی تھیں اور پاکستان نے افغان مجاہدوں کا ساتھ بھی دیا تھا، پاکستان نے اس جنگ کے اندر اخلاقی، مالی امداد کی تھی اپنے ساتھیوں کی۔ لیکن اگر اس سے ہم ایک قدم آگے بڑھتے تو پھر امریکہ کی جنگ ہم لڑ رہے ہوں گے اور امریکہ کے مفادات کیلئے اپنے وطن کے بیٹوں کو، اپنے وطن کے امن کو، اپنے وطن کی معیشت کو، اپنے وطن کے غریب لوگوں کی ان کوششوں اور کاوشوں کو، جو وہ چالیس سال سے کر رہے ہیں کہ کسی طریقے سے یہاں جینے کا سامان پیدا کریں، آپ تحفظ فراہم نہیں کر سکیں گے، بہتر معیشت بھی ان کو فراہم نہیں کر سکیں گے اور یہ سب سے بڑا

ظلم ہوگا، جرم ہوگا اور آنے والے وقت کا سورج اس جرم پر کبھی حکمرانوں کو معاف نہیں کرے گا۔ جنہوں نے آج امریکہ کے ہاتھ ہمارے مفادات کا سودا کیا اور پاکستان کی سالمیت کو قربان کر دیا شکریہ جناب سپیکر!

جنیوا مذاکرات (قومی اسمبلی 14 ستمبر 1987ء)

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہماری سرحدوں پر ہندوستان ہمارا دوست ملک نہیں ہے کہ وہاں سے ہمارے لئے پھولوں کی ٹوکریاں آتی ہوں، جناب والا! افغانستان کی صورتحال ہم سب کے سامنے موجود ہے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ روس نے افغانستان میں مداخلت کی اور اس کے بعد ایک رد عمل ہوا، اسی مداخلت کا احساس روس کو بھی ہوا، گورباچوف نے ولاڈی واسٹک میں یہ کہا کہ افغانستان کے اندر مداخلت ہماری غلطی تھی۔ اسی طریقے سے ایران کے بارڈر پر امن نہیں۔ دوسری بات ہے کہ وہ ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھائے یا ہم اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھائیں، اس کے لوگ بلوچستان اور کراچی میں آ کر اپنی جنگیں لڑیں یا ہمارے لوگ سمگلنگ کر کے اس کی سرحد کے اندر انبار لگانے کیلئے پیسے کی ریل پیل کریں۔ میں اس کی تفصیلات میں جائے بغیر یہ کہنا چاہتا ہوں، وہ بارڈر بھی ہمارے ملک کے ساتھ محفوظ بارڈر نہیں ہے، جب کوریا کی جنگ ہوئی تھی تو پاکستان کی معیشت کو سنبھالا ملا تھا لیکن آج عراق، ایران کے اندر یہ صورتحال ہے، سپر پاور نے ایران کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور گندم یا گیہو کے جو ٹرک جایا کرتے تھے ان پر بھی پابندی لگا دی گئی اور کہا گیا کہ 480 پی ایل کے ذریعے ہم آئندہ کیلئے پاکستان کی امداد کے اندر تخفیف کر دیں گے، افغانستان کے لوگ اپنی جنگ لڑ رہے ہیں جو جدوجہد کر رہے ہیں، وہ آزادی کی جدوجہد ہے وہ اپنے کلچر اپنے سماج اپنی معیشت اپنی سرزمین کو آزاد رکھنے کیلئے جدوجہد ہے لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ امریکہ کے اس میں کیا مفادات ہیں، روس کے مفادات کیا ہیں اور پاکستان کے مسلم ہمسایہ کے ہوتے ہوئے بھی کیا ذمہ داریاں ہیں، ہم افغانستان کے لوگوں کی آزادی کی حمایت کر سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں کے جو تخریب کار ہیں وہ مہاجرین کی صورت میں آئیں، کسی صورت میں آئیں، اگر ہم ان کا راستہ نہ روک سکے، حکومتیں کہتی رہتی ہیں، تخریب کار مہاجرین میں جاتے ہیں، چلئے ان میں تخریب کار آ جاتے ہیں۔ ہم نے اپنے نظام کے اندر کہیں خرابی رکھی ہے۔ مہاجرین کی مدد کرنے کی بجائے تخریب کاروں کے تحفے قبول کر رہے ہیں اور انہوں نے ہماری دھرتی کو تشویشناک حد تک خراب کر رکھا ہے۔

جناب سپیکر! پاکستان کی خارجہ پالیسی جنیوا مذاکرات کے ذریعے اپنا راستہ اختیار کر سکتی تھی، اس اسمبلی کے اندر مئی میں جب اپنی خارجہ پالیسی کو زیر بحث لا رہے تھے، اس وقت میں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ جنیوا کے مذاکرات کے اندر کوئی نہ کوئی منفی صورت حالات پیدا کی جائینگی۔ روس اس وقت دباؤ کے نیچے ہے۔ امریکہ یورپین میزائل کے Withdrawal کے حوالے سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ افغان کارڈ کو استعمال کر کے وہ امریکہ کی معیشت کا مسئلہ حل کرنا چاہتے ہیں، ویسٹ جرمنی اور ایسٹ جرمنی کو ایک جگہ پر لانا چاہتے ہیں، نکارا گوا کی

صورت حال کو افغان کارڈ کے ذریعے امریکہ اپنی مٹھی میں لانا چاہتا ہے، اس وقت ان کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں اور پینٹا گان میں بھی اختلاف رہا، سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ والے کہتے تھے کہ ہمیں وہ گارنٹی Provide کر دینی چاہیے، جو روس مطالبہ کر رہا ہے۔ لیکن اس اختلاف کا بھی جو امریکہ کا اندرونی اختلاف تھا، اس خارجہ آفس نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ انہوں نے اس وقت کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ ہم آگے بڑھ کر امریکہ کو بتائیں کہ اگر اس علاقے کے اندر آپ امن وامان چاہتے ہیں تو پاکستان کے استحکام کیلئے افغانستان کے مسئلے کو حل ہونے دیجئے چونکہ پاکستان کی حیثیت اس پورے ریجن کے اندر اور خاص طور پر مسلمان ریاستوں کے اندر سب سے اہم حیثیت ہے، آپ جانتے ہیں سعودی عرب کے پاس 40 ہزار فوج ہے۔ آپ جانتے ہیں ابوظہبی اور دوسری نمائشی ریاستیں ہیں۔ ان کے اندر نہ لڑنے کی سکت ہے، نہ ان کے اندر سیاسی معاملات پر اثر انداز ہونے کی سکت ہے۔ ہم نے اس مرحلے پر پاکستان کی اس طاقت کو استعمال کرنے کی بجائے جنیوا مذاکرات کے اندر ناکامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ روس اور افغانستان ہماری بات نہیں ماننا چاہتے، یہ جانتے ہوئے بھی ڈپلومیسی کا تقاضا ہے کہ فریق مخالف کو Diplomatic attitude سے قابو کریں۔

تیل کی جنگ اور مسلم عسکریت (قومی اسمبلی 10 فروری 1991ء)

جناب سپیکر! خلیج کی جنگ گھنٹوں، دنوں اور ہفتوں سے گزر کر مہینوں کے ہندسوں میں داخل ہو چکی ہے اور اس جنگ سے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کی جانیں متاثر ہوئی ہیں۔ پوری دنیا کی معیشت پر اس کے اثرات پڑے ہیں اور خلیج کے اردگرد رہنے والے ممالک خصوصاً ایران، پاکستان، ترکی اور عرب ممالک پر اس کے دوررس نتائج مرتب ہوں گے۔ جناب سپیکر! میں دیہات کا رہنے والا ہوں۔ اور ایک دیہاتی کی حیثیت سے میں دیکھتا ہوں کہ جو پالیسیز ایک گاؤں کے اندر دو بڑے چودھری یا دو بڑے سردار گاؤں میں چلاتے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر بھی آج تک اصول، قواعد وضوابط صرف کتابی باتیں ہیں۔ عملی اقدامات کا اس سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ میں نے 1965ء سے سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کا نام سننا شروع کیا۔ لیکن اقوام متحدہ نے یا سلامتی کونسل نے اپنے احکامات کے ذریعے قواعد کے ذریعے ریزولیوشن کے ذریعے، طاقتور کا ہاتھ روکا ہو اور چھوٹے ملک کو کبھی انصاف مہیا کیا ہو۔ میں نے نہیں سنا۔ میں سب سے پہلے جائزہ لینا چاہتا ہوں کہ اس خلیجی جنگ کے اثرات ہماری معیشت پر اور ہماری سماجی زندگی پر کیا ہوں گے تاکہ ہم آنے والے وقت کیلئے منصوبہ بندی کریں۔

جناب سپیکر! میں اپنے دوستوں سے سوالات کرنا چاہتا ہوں، جو ہماری خارجہ پالیسی بنانے کے ذمہ دار ہیں کہ یہ بتائیں، سب کہہ رہے ہیں کہ یہ Uneven War ہے۔ اس کے اندر عراق کا امریکہ سے ہتھیاروں کی زبان میں جیتنا ناممکن ہے۔ لیکن امریکہ کے راستے میں اور اس کے عزائم کے راستے میں موجودہ جنگ اور اسکے نتیجے میں تاخیر امریکہ کو Frustrate بھی کرے گی۔ امریکہ کے جارحانہ عزائم کے راستے میں رکاوٹ بھی بنے

گی۔ جناب سپیکر! فرض کیجئے امریکہ یہ جنگ جیت جاتا ہے، ہماری فوجیں بھی سعودی عرب میں بیٹھی ہوئی ہیں اور ہم اس فتح کے شادیانے بجانے کیلئے اپنا حصہ بانٹنا چاہتے ہیں تو امریکہ کے استحکام سے، کیا پاکستان کو پہلے سے زیادہ معاشی استحکام ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ نہیں ہوگا، کیا امریکہ کے مستحکم ہونے سے ہماری نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے اندر کوئی پیش رفت ہوگی؟ میں سمجھتا ہوں نہیں ہوگی؟

اب مسلم امہ سے ہٹ کر صرف ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت سے ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ اس جنگ کے اثرات ہمارے اوپر کیا مرتب ہونگے۔ جنگ ہو رہی ہے، ہم نے نہیں کروائی، نہ ہم اس جنگ میں براہ راست حصہ دار بننا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ جنگ ہماری ہمسائیگی میں ہو رہی ہے، اور اس کے اثرات یقیناً جب پوری دنیا پر پڑتے ہیں تو پاکستان پر بھی پڑیں گے۔ جناب سپیکر! اگر امریکہ جیتتا ہے۔ اس جنگ کو آرام سے سکون سے وہ عراق کے اندر واک تھرو کرتا ہے۔ تو میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ پریسلر امنڈمنٹ ہوں، سمنگٹن امنڈمنٹس ہوں، یا آج کے دور کی اوکلے امنڈمنٹس ہوں۔ یہ منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اوکلے امنڈمنٹس کے اندر جناب والا! مجموعی طور پر یہ تھا، کہ پہلے تین سال کیلئے پھر چھ مہینوں کیلئے، یہ مختلف اوقات کی بات ہے۔ امریکہ کا صدر تصدیق کرتا تھا کہ پاکستان نیوکلیئر ٹیکنالوجی میں آگے نہیں بڑھا اور اس کو امداد دے دی جائے یا اس کی امداد مت روکی جائے، جناب والا! یہ پریسلر امنڈمنٹس اور سمنگٹن امنڈمنٹس اور آج اوکلے کا یہ رول، یہ سب کیا ہے؟ اس کے پیچھے کون ہے؟ اس کے پیچھے امریکہ کے رہنے والی یہودی لابی ہے، مارک سیگل ہے۔

سپیکر! جناب جاوید ہاشمی صاحب! فارن ڈپلومیٹس جو ہیں، یہاں پاکستان میں، By name نہ کہیں۔

مخدوم جاوید ہاشمی! سر اس کا نام اوکلے امنڈمنٹس ہے، اس لئے میں کہہ رہا ہوں۔

اب ان کا نام کتاب کے صفحے پر آ جائے تو میں کیسے چھوڑ دوں۔ سر میں اس میں یہی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مصیبت یہ ہے کہ وہ اب براہ راست کھل کر آتے ہیں، پھر نام تو لینا پڑتا ہے ناں جی۔

تو میں اس سلسلے میں عرض کر رہا ہوں کہ ان امنڈمنٹس کے پیچھے ایک لابی تھی، امنڈمنٹس کا یہ سلسلہ شروع کیسے ہوا۔ امریکہ میں ایک لابی متحد ہوئی اور انہوں نے پوری لابی کے اخبارات، سینیٹرز سے لے کر کانگریس تک، وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ پاکستان پر یہ پابندیاں لاگو کی جانی چاہئیں۔ جو پابندیاں نہ انڈیا پر ہیں اور نہ کسی اور پر ہیں۔ اب وہ لابی کونسی ہے، میں نے عرض کیا کہ اس میں مارک سیگل تھے۔ سٹیفن سولارز تھے، اور سٹیفن سولارز کون تھے؟ جناب والا! شائد آپ کو یاد ہو کہ کل کی بات ہے کہ انہیں یہاں نشان پاکستان دینے کا اعلان کیا گیا۔

جناب والا! امریکہ اگر جیت جاتا ہے، وہ ہماری نیوکلیئر ٹیکنالوجی کو آگے نہیں دیکھنا چاہتا۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ وہ ہماری معاشی حیثیت پر پہلے ہی کٹ لگا چکا ہے۔ وزیر اعظم بھی کہہ چکے ہیں کہ ہمیں امداد

نہیں چاہیے۔ تیسری بات! اگر وہ یہ جنگ جیت جاتا ہے تو جناب والا! اس نے عراق کی فوج کو جس طریقے سے تہس نہس کرنے کی کوشش کی ہے اور کر رہا ہے۔ امریکہ اس لیے کر رہا ہے کیونکہ عراق کی 10 لاکھ فوج اگر اسرائیل کے دروازے پر کھڑی رہتی تو یقیناً اسرائیلی آرام کی نیند نہیں سو سکتے تھے۔

اس طریقے سے جناب سپیکر! اگر پاکستان کی آرمی مستحکم ہوتی ہے۔ ان کے پاس جدید ہتھیار ہوتے ہیں یا اپنی خود انحصاری کی طرف بڑھتی ہے تو یہ دو ایسے مسلمان ممالک ہیں، جن کے پاس فوجیں موجود ہیں، یہ فوجیں کسی نہ کسی طریقے سے مستحکم ہو گئیں۔ پاکستان کی فوج اللہ کے فضل سے بہت پرانی اور روایتی فوج ہے۔ لیکن عراق اور پاکستان کی فوجوں کو جو موقع ملا ہے۔ وہ یہ ہے کہ افغانستان کی جنگ کے اندر پاکستان کی افواج کا ایک رول تھا۔ امریکہ اس وقت مجبور تھا، کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے یہاں پر سٹنگر میزائل اور دوسرے میزائل سے روس کو شکست دے۔ وہ پاکستان کی جنگ تھی۔ پاکستان کے استحکام کی جنگ تھی، افغان مجاہدین کی عزت اور عظمت کو میں سلام کرتا ہوں کہ ان کی جنگ پاکستان کو زیادہ محفوظ کرنے کی جنگ تھی۔ اسلام کی جنگ تھی۔ لیکن Co-Incidentally اس جنگ کا فائدہ امریکہ کو بھی پہنچا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ مجاہدین کیلئے آیا، یہ نہیں تھا کہ وہ پاکستان کے لئے آیا، بلکہ وہ اپنے حریف روس کو وہاں پر شکست فاش دینا چاہتا تھا۔ اور اسی سستی جنگ سے، جس میں ایک امریکی کی جان نہ جائے، ایک خون کا قطرہ نہ گرے اور امریکہ فاتح نظر آئے اور روس جو اس کا حریف ہے۔ وہ گرا ہوا نظر آئے۔ اس لئے ایک تو اس فوج کو اور اس کے اداروں کو مستحکم ہوتا دیکھ کر امریکہ کو تشویش ضرور تھی۔ جناب والا! ایران پر جب عراق نے حملہ کیا تو یہ صدام حسین کی زیادتی تھی۔ پاکستان کے لوگ ایران کے ساتھ اس وقت بھی ذہنی طور پر، جسمانی طور پر تھے۔ امریکہ نے پاکستان کو کہا کہ وہ ایران کے بارڈر پر فوج لے جائے، تاکہ ایران پر Pressure build کیا جائے اور ایران عراق کی سرحدوں سے اپنی فوجوں کا Withdrawal کرے۔ لیکن پاکستان نے انکار کیا کہ ایران ہمارا ہمسایہ ملک ہے۔ انڈیا سے بھی ہمارے تعلقات ٹھیک نہیں، روس کے ساتھ بھی ٹھیک نہیں، افغانستان کے ساتھ بھی ٹھیک نہیں، یہ ایک ایسا ملک ہے، جہاں سے ہمیں ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ ہم آپ کا کہنا نہیں مانیں گے، پاکستان کو اس کی سزا ملی۔

دوسری طرف جب عراق ایران پر حملے کر رہا تھا۔ ایسے مراحل آئے، جب وہ ایران سے شکست فاش کھا چکا تھا، اس وقت یہ امریکہ جو آج کہتا ہے کہ کویت پر حملے کا اسے بڑا دکھ ہے۔ کویت کے حملے پر اسے بڑی تکلیف ہے، وہ جس کو غنڈہ صدام کہہ رہا ہے، اس وقت صدام اس کا ہیرو تھا۔ اس کیلئے حکمت یار بھی ہیرو تھا، صدام حسین جس وقت ایران پر حملے کر رہا تھا تو ایرانی لوگوں نے اسے شکست فاش سے دوچار کر دیا تھا۔ امریکہ آگے بڑھا، بندوق دی، کیمیکلز دیئے، ایران کے لوگوں کا قتل عام کروایا اور اس جنگ میں اُس وقت بھی صدام حسین کے اپنے مفادات ہونگے لیکن امریکہ کی خواہش تھی کہ خمینی کا لایا ہوا جو اسلامی انقلاب ہے اس کو تباہ کیا جائے، کیونکہ

اس اسلامی انقلاب کی وجہ سے پوری روئے زمین پر پہلی مرتبہ امریکہ کے غرور کا سر نیچا ہوا اور میں ایرانیوں کو سلام پیش کرتا ہوں، جنہوں نے امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے انکار کیا۔ جنگ میں اپنا سب کچھ گنوایا، لیکن اپنی غیرت اور حمیت کا سودا امریکہ سے نہیں کیا۔

جب عراق اور ایران میں صلح ہونے لگی۔ اس وقت امریکہ کو تکلیف ہوئی، امریکہ کو تکلیف تھی کہ عراق نے ایران سے صلح کیوں کی؟ اس لئے اس کو سزا ملنی چاہیے اور جناب والا! وہ سزا کیسے دی جاسکتی تھی۔ وہ سزا ایسے دی گئی کہ 1985ء میں دنیا میں تیل 37 ڈالر فی بیرل ہوگیا۔ ایک بیرل کا 37 ڈالر۔ امریکہ نے کہا کہ سعودی عرب اور کویت زیادہ سے زیادہ تیل پمپ آؤٹ کریں، زیادہ سے زیادہ تیل نکالیں اور امریکہ بہادر کے حکم پر زیادہ تیل کا Glut ہونے سے مارکیٹ میں قیمت آج 12 ڈالر فی بیرل ہے۔ ساری چیزوں کی قیمتیں بڑھی ہیں، لیکن تیل کی قیمت کو نیچے لایا گیا۔ اس طریقے سے کویت اور سعودی عرب جتنا زیادہ تیل نکالتے تھے۔ عراق کیلئے معاشی طور پر زندہ رہنا مشکل ہوتا تھا۔

عراق اور پاکستان نے اپنے مفادات کی جنگ لڑی ہو، لیکن درحقیقت امریکہ کیلئے یہ سستی جنگ تھی، یقین کیجئے کہ کل وہ آگے بڑھ کر پاکستان کی فوج کو بھی سزا دے گا۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ان کے پاس Skill ہے۔ ان کے پاس طاقت ہے۔ ان کے پاس تنظیم ہے۔ ان کے پاس قیادت ہے اور یہ مسلمانوں کے بازوئے شمشیر زن ہیں۔

تاریخ کا عارضی لمحہ، خلیج کی جنگ اور مستقبل کی عظیم قوت

اگر مسلمانوں کے پاس کچھ فوج بھی مستحکم رہی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ جناب والا! اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس دنیا کا 80 فیصد جو آئل ہے۔ ہمارا جو تیل ہے، مسلمانوں کے پاس ہے اور ابھی پرسوں آپ نے شاید یہ خبر پڑھی ہو، اخبار میں آیا تھا کہ ازبکستان میں بھی اور آذروں نے یہ ریزولیشن اپنی پارلیمنٹ میں پاس کی ہے کہ اب ہمارا پرچم تبدیل ہوگا اور اس پہ درانتی ہتھوڑا نہیں ہوگا، بلکہ اس میں چاند اور ستارہ ہوگا۔ جو اسلام کا سمبل سمجھا جاتا ہے، اگر آزادی اس طریقے سے آگے بڑھتی ہے اور جناب والا! اس طریقے سے قازقستان اور آذربائیجان کے علاوہ روس کے وہ تمام مسلم خطے اگر اس طرح بڑھتے ہیں تو تیل روس کا کہاں سے نکلتا ہے؟ قازقستان سے نکلتا ہے۔ انہیں ایریاز میں سے نکلتا ہے، کاٹن روس کی کہاں ہوتی ہے؟ وہیں پہ ہوتی ہے۔

تو صورتحال یہ ہے کہ ایک ارب مسلمانوں کے پاس کوئی اجتماعی قوت ہو، وہ فوج پاکستان کی ہو یا عراق کی ہو، بہرحال مسلمانوں کی آرہی ہے۔ آج تک وہ غلطیاں کرتے رہے ہیں، اکٹھے بھی ہوسکتے ہیں، یونائیٹڈ فرنٹ بھی یہاں پہ بن سکتا ہے، چونکہ روس امریکہ کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ روس اپنے انقلابی دعوؤں کے نیچے دفن ہوچکا ہے۔ وہ اب سر اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔ بیلنس آف پاور اس وقت امریکہ کے پاس ہے اور وہ ایک

سپریم طاقت بن چکا ہے، کوئی اس کو چیلنج کرنے والا نہیں ہے۔ لیکن جناب سپیکر! یہ ایک عارضی لمحہ ہے۔ یہ ایک مختصر لمحہ ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسہ کشی میں جب بیلنس ٹوٹتا ہے تو نقصان دونوں فریقوں کا ہوتا ہے۔ فرض کریں ایک ٹیم رسے کو چھوڑ دے، ہار بھی جاتے ہیں، لیکن دوسری ٹیم بھی نیچے گرتی ہے۔ اس وقت روس گر چکا ہے اور امریکہ اس بیلنس کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا ہے، جو بینکوں سے کئی بلین ڈالرز کے قرضے لے کر اپنی معیشت کو چلا رہا ہے، اس کی یہ جھوٹی معیشت اسی طرح سے ہے جیسے علامہ اقبال نے کہا کہ:

جو شاخ نازک پہ آشیاں بنے گا ناپائیدار ہو گا

یورپ کی تہذیب اپنے خنجر سے خودکشی کر رہی ہے اور شاخ نازک کا آشیانہ ناپائیدار ثابت ہو رہا ہے۔ امریکہ کی معیشت نیچے آ رہی ہے۔ امریکہ کے اندر معاشرتی مسائل نے جنم لیا ہے، وہاں 80 ملین مسلمان سوال اٹھا رہے ہیں اور وہاں کے کالے مسلمان اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کر رہے ہیں، امریکہ کو ان مسائل کا سامنا ہے، اسلئے وہ کوشش کر رہا ہے کہ پوری دنیا کی معیشت کو اپنے کنٹرول میں لے اور دنیا کے اندر ایٹم بم سے بھی بڑا اگر کوئی ہتھیار ڈسکور کیا ہو تو شاہ فیصل شہید نے کیا تھا۔ جنہوں نے تیل کا ہتھیار استعمال کیا اور وائٹ ہاؤس میں ان کو موم بتیاں جلانا پڑیں۔ وہ تیل کا ہتھیار بہت موثر ہتھیار تھا، امریکہ نے اس کے بعد کوششیں کیں کہ کوئی اور ٹیکنالوجی حاصل کرے، کوئی اور انرجی کا راستہ تلاش کرے، سولر انرجی کو لے کر آئے۔ ہوا سے انرجی پیدا کرے، زمین سے انرجی پیدا کرے۔ جناب والا! اس کے لئے انہوں نے کئی ملین، بلین بلکہ ٹریلیئز ڈالرز لگائے، ریسرچ کی، لیکن تیل کا متبادل پیدا نہیں ہو سکا۔ تیل کا جب متبادل پیدا نہیں ہوا تو اب اس کیلئے کیا راستہ تھا؟ تیل کا متبادل نہیں ہے، انرجی موجود نہیں ہے، انرجی مسلمانوں کے پاس ہے، مسلمان بکھرے ہوئے ہیں، وہ آپس میں لڑ رہے ہیں، ان میں سازشیں پیدا کی جا سکتی ہیں تو انہوں نے پھر ایک بڑی سازش کا آغاز کیا۔ انہوں نے اس کو باقاعدہ پلان کیا، سب سے بڑا ٹارگٹ ایران تھا، ایران کے بعد عراق کو نہیں چھوڑیں گے۔ پاکستان اور ایران کی اکٹھی باری آئے گی، کیونکہ ایران نے اس سپر پاور کے آگے سرنگوں نہیں کیا اور اسی لئے اب امریکہ کی پالیسی یہ ہے کہ اسرائیل کو تحفظ دینے کیلئے، تیل کو تحفظ دینے کیلئے، یہاں پہ یہودیوں اور امریکیوں کے مفادات جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے ایک منصوبہ سوچا اور وہ یہ تھا کہ تیل کی قیمتیں اتنی گرا دو کہ عراق اپنی معیشت کو لے کر کھڑا نہ ہو سکے اور عراق کے ساتھ یہی ہوا۔ عراق سے سعودی عرب اور کویت نے اپنے پیسے واپس مانگنا شروع کئے کہ ہمارے قرضے واپس کرو۔ اس نے کہا کہ بھئی! میں تمہاری جنگ لڑ رہا ہوں، میں نے دس لاکھ فوج کھڑی کی ہے، پونے دو کروڑ کی میری آبادی ہے۔ پاکستان کی آبادی دس گیارہ کروڑ ہے، وہ پانچ لاکھ کی فوج رکھ کے چیخ رہے ہیں کہ ہماری فوج کے اخراجات زیادہ ہو رہے ہیں۔ لیکن میں پونے دو کروڑ کا ملک ہوں اور دس لاکھ کی فوج رکھ کر بیٹھا ہوں۔ آپ لوگوں کی جنگ ایران کے ساتھ میں نے لڑی ہے، یہ فوج تو مجھے کھا جائے گی۔ اس لئے تم میرا ساتھ دو، تم اس تیل کو

زیادہ پمپ آؤٹ کر کے امریکہ کے بنکوں کو نہ پہنچاؤ۔ اپنے مال کو سستا اتنا نہ بیچو، ورہم برہم نہ کرو مارکیٹ کو، تو اس پر کویت اور سعودی عرب پر امریکہ کا پریشر تھا کہ زیادہ سے زیادہ پمپ آؤٹ کرو۔ صدام حسین نے تو غلطیاں کی ہے، تاریخ کے مطابق جارح ثابت ہوا ہے۔ کویت جانے پر معیشت تباہ ہو گئی، فوج تباہ ہو گئی۔ فوج تباہ ہو گئی تو صدام تباہ ہوگا۔ فوج تباہ ہو گی تو ملک تباہ ہوگا۔ فوج تباہ ہو گی تو عراق صفحہ ہستی سے مٹیں گے، جارحیت تیل کے ہتھیار پر ہو چکی ہے۔

اگر وہ سمجھتا، حالات کو تو اس کا ردعمل یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں آج بھی کہتا ہوں کہ اس کا ردعمل فوجیں لے جانے کے طور پر نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ وہ اس کا انتظار کرتا، لیکن وہ اس سے زیادہ شاید انتظار نہ کر سکا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔

دیکھنا یہ ہے کہ اگر آج امریکہ کامیاب ہو جاتا ہے وہاں پہ، تو آیا، وہ سعودی عرب جو آج پنجہ یہود میں بھی ہے اور پنجہ صدام میں بھی ہے۔ ہماری معاشی طور پر کوئی مدد کر سکے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ امریکہ آج ہمیں بھی امداد نہیں دینا چاہتا اور سعودی عرب کو اور دوسروں کو بھی کہتا ہے کہ ان کو مت کچھ دو۔ لئے ہمیں اب سوچنا ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی کے خدوخال کیا ہونے چاہئیں۔ ہمارا کنسرن یہ ہے، امت مسلمہ سر آنکھوں پہ۔ مجھے صدام حسین کے سنگ کیوں دلچسپی ہے۔ میں کیوں دیکھ رہا ہوں، میں کیوں چاہتا ہوں کہ وہ مقابلہ کرے، مزاحمت کرے اور امریکہ کو کامیابی بہت جلدی نہ ہو۔ امریکہ ہماری معیشت پہ ڈنڈا لے کر بیٹھا ہوا ہے اور یہ نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے اندر بھی رکاوٹ ہے۔ جتنی Resistance ملے گی۔ امریکہ کے پاس اتنی طاقت نہیں ہو گی کہ وہ کسی اور مسلمان ملک پر دھاڑتا ہوا چلا جائے۔ اس کے اندر جرات نہیں ہو گی، اس کے اپنے ملک کی رائے عامہ بھی اسے کہے گی کہ خبردار! تم کیا جھوٹ بولتے ہو، آدھ گھنٹے کی تم نے جنگ کہی تھی اور یہ مہینے ہو گئے، سال ہو گئے۔ امریکہ نے کب کسی کی مدد کی؟ امریکہ جس ملک میں گیا جارح بن کے گیا، ہیروشیما، ناگاساکی پہ بم گرایا۔ کوریا کی جنگ میں جارح، ویت نام کی جنگ میں جارح، نہر سویز کے اندر برٹش حکومت کا ساتھ دے کر جارح، ایران کے اندر جارح، یہ جارح ایک دم اہنسا کا پجاری کیسے ہو گیا؟ وہ امن پھیلانا کیوں چاہتا ہے؟ اس کے اندر امن کی خواہشات نے کیسے جنم لیا؟ انہوں نے سعودی عرب سے محبت کرنا کیسے سیکھ لی؟ عربوں کے ساتھ اس کا پیار کیسے بڑھ گیا؟۔ ہم امریکہ کی خواہشات کے دام کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ امریکہ نے اپنے مسائل کے حوالے سے ایک جنگ مسلط کی۔ عراق، ایران جنگ میں عراق کے ساتھ ہو گیا۔ افغانستان کے مجاہدوں کی حمایت میں اس نے سوچا میرا دشمن مرتا ہے اور آج جناب سعودی عرب اور کویت کا درد اُسے ستا رہا ہے۔

بھئی! بات یہ ہے کہ جارح کوئی ہو وہ جارح ہے۔ صدام حسین کی میں کوئی Justification نہیں مانتا کہ وہ کویت میں صحیح آیا، اسے نہیں آنا چاہیے تھا، لیکن اپنی گلوبل پوزیشن کو سامنے رکھئے۔ بات سیدھی سی ہے کہ

امریکہ اپنے مفادات کیلئے اس بلاک میں جہاں خزانے ہیں، جہاں یہ کالا سونا ہے، برتری چاہتا ہے، اس کے راستے میں اگر کوئی آ سکتا ہے تو وہ پاکستان ہے، جو اس کے عزائم کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا ہے اور ہماری خارجہ پالیسی کے جو بزرجمہر ہیں، ان کی خدمت میں یہ کہتا ہوں کہ بھئی بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ صدام ٹوٹ جائے گا اور ہر چیز ختم ہو جائے گی، نہیں، ختم نہیں ہوگی کیونکہ یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے، اقبال نے تو پہلے کہہ دیا تھا کہ ۔

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے

کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

عراق سے تعاون ہمیں کرنا چاہیے، معاشی طور پر نہ سہی لیکن آج جو اس کے اوپر ہو رہا ہے وہاں کے پونے دو کروڑ مسلمان جن پر کارپٹ بمبنگ ہو رہی ہے، کوئی گھر نہیں بچا، کوئی ہسپتال نہیں بچا۔ چھوٹے چھوٹے بچے تڑپ کر جانیں دے رہے ہیں، آج شاید ہمارے چہروں پر مسکراہٹیں ہوں لیکن آپ خود اپنے دل کو ٹٹولیے، اپنے ضمیر کو ٹٹولیے۔ پونے دو کروڑ عوام جنہوں نے، میں سمجھتا ہوں کوئی غلطی نہیں کی، امریکہ آج کہتا ہے عراق اگر کویت سے چلا بھی جائے تو پھر بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا تو مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ یہ وہاں وار مشین توڑنا چاہتے ہیں، عراق کی فوج تباہ کرنا چاہتے ہیں، چلیے عراق کی فوج بھی تباہ کر لیجیے، آپ طاقتور ہیں، آپ کو طاقت کا خمار چڑھا ہوا ہے۔ آپ وہ بھی کر ڈالیے، فوج توڑ ڈالیے، وہاں کے لوگوں کو سزا نہ دیجیے، بچوں کو خوراک نہ ملنے سے ان کی چیخیں آسمان پر عرش کے کنارے ہلا رہی ہیں تو پاکستان کے لوگ ان کی چیخوں پر ان کی آہوں پر ان کی سسکیوں پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا درد مشترکہ درد ہے، ہمارا دکھ مشترکہ دکھ ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جب عراق نے کویت پر حملہ کیا تھا، پاکستانی فوجوں کا سعودی عرب جانا بالکل جائز تھا۔ سعودی عرب نے ہمارا ساتھ دیا ہے، ہم سعودی عرب کی سرزمین کیلئے اپنی جانیں اور گردنیں کٹوانے کیلئے تیار ہیں۔ سرزمین حجاز کیلئے ہمارے دل تڑپتے رہتے ہیں، یہ ہماری عزتوں اور حرمتوں سے زیادہ حرمت والی زمین ہے، جو ہماری سوچوں سے بلند پاکیزہ اور مقدس زمین ہے۔ اس زمین کیلئے ہمیں فوج بھیجنی چاہیے تھی، ہمیں جانا چاہیے تھا، لیکن جناب والا! یہ کیسے ہو گیا مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس سرزمین کا تحفظ پاکستان کی فوج بھی کر رہی ہے اور امریکہ کی یہودی فوجیں بھی کر رہی ہیں، یہ میری سمجھ میں نہیں آتا، میری سمجھ سے یہ بات بالاتر ہے اور پھر کہتے ہیں کہ ہم مشترکہ دشمن کو مار رہے ہیں، کس کا دشمن؟ صدام دشمن ہو سکتا ہے؟ ہم سے لڑ سکتا ہے، ہم سے اختلاف کر سکتا ہے لیکن دیکھیں، امریکہ جو خواب دیکھ رہا ہے، وہ چکنا چور ہونے والے خواب ہیں اور اس کی سپر پاور کی حیثیت کے دن گنے جا چکے ہیں، اس کی معیشت تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے، اس کا کھوکھلا نظام معاشرت تباہی کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔

اس مرحلے پر پاکستان کی قوم کو، عالم اسلام کو، امت مسلمہ کو، ایک پالیسی، بنانا ہوگی۔ بیدار لوگوں کی

پالیسی زندہ رہنے والے لوگوں کی پالیسی۔ وسائل ہمارے پاس ہیں، زرعی طاقت ہمارے پاس ہے، دنیا کی سب سے زیادہ اہم سمندری، بحری اور بری شاہراہوں، گزرگاہوں پر عالم اسلام کا کنٹرول ہے۔ اس لئے اگر آج بھی ہم اکٹھے ہو جائیں تو انشاء اللہ العزیز ہم بڑی طاقت بن سکتے ہیں اور بنیں گے۔

امریکہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ روس ختم ہو گیا، مر گیا، مٹ گیا، فنا ہو گیا، اب اس نے نظر ادھر اُدھر دوڑائی تو کوئی اور نہیں ہے تو اس کو ایک ارب مسلمان نظر آئے۔ ایک ارب مسلمان جن کے پاس تیل ہے اور جن کا معاشی مستقبل ہے۔ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔ امریکہ کو امیر، امیر کہہ کر نفسیاتی طور پر ہم نے اپنے آپکو نیچے گرایا ہے۔ امریکہ جواب اپنی جھولی پھیلا رہا ہے جنگ لڑنے کیلئے۔ کبھی جاپان کو کہتا ہے، کبھی جرمنی کو کہتا ہے۔ ہماری حالت دیکھیے جو خود مانگتا پھر رہا ہے، ہم اس کی طرف جھولی پھیلائے کھڑے ہیں۔ وہ ہمارے ملک میں بیٹھ کر یہ بیانات دیتے ہیں، پاکستان کے عوام نے یہ غلط فیصلہ کیا ہے۔ ختم کرو یہ تماشا۔ پاکستان کی قوم نے کسی صورت میں امریکی برتری اور بالادستی کو نہ کبھی پہلے برداشت کیا تھا، نہ پھر کرے گی۔

جناب سپیکر! پاکستان کی قوم نے کبھی امریکہ کا ساتھ نہیں دیا۔ پاکستان کے خواص نے ہمیشہ امریکہ کا ساتھ دیا کیونکہ وہ خریدے ہوئے لوگ ہوتے ہیں، وہ امریکہ کے مفادات پر یہاں پر ملازمتیں کرتے ہیں۔ یہاں پر وزارتیں لیتے ہیں، یہاں پر وزیر اعظم بنتے ہیں۔ جناب والا! پاکستان کی قوم نے کوریا کی جنگ میں امریکہ کے موقف کی مخالفت کی۔ پاکستان کی قوم نے ویت نام کے موقف پر امریکہ کی مخالفت کی۔ پاکستان کی قوم نے ایران عراق جنگ میں امریکہ کے موقف کی مخالفت کی۔ ایران کے ساتھ ہمدردی کی۔ بھٹو نے کہا کہ میں امریکہ کے خلاف ہوں تو عوام نے اس کو ووٹ دے دیئے۔ نواز شریف نے کہا کہ میں امریکہ کے خلاف ہوں تو عوام نے اس کو ووٹ دے دیئے، قوم ووٹ دیتی ہے، قوم اپنی آرزوؤں کا اظہار کرتی ہے، اپنے قائدین کو لاتی ہے اور جب وہ آتے ہیں جب قوم نظر ڈالتی ہے تو وہ قیادت گم ہو چکی ہوتی ہے، وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا اور اہل قافلہ کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا۔

ہمارے ہاں جب تک یہ سوچ جنم نہیں لے گی کہ ہم نے ایک بلاک کھڑا کرنا ہے، ہم نے ایک سپر پاور کے طور پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ کشمیر ہندوستان میں کھڑا ہے۔ افغانستان کے مجاہدوں کے سروں پر آج بھی نجیب اللہ بیٹھا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وقت آ گیا ہے کہ حالات کا نئے سرے سے جائزہ لیا جائے۔ اپنے اس ریجن کی سیاست کو اور اس علاقے کی فوجی برتریوں کو دیکھا جائے، آج یہاں سے مراکش تک تیونس تک بلکہ پیرس تک پھیلے ہوئے مسلمانوں کے علاقے میں کوئی فوج اگر مستحکم ہے، عراق کی تھی، یا پاکستان کی ہے، شاید یہ بھی کل کو نہ رہے، لیکن ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم نے زندہ رہنا ہے، زندہ رہنے کیلئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

سیٹو بھی گیا، سینٹو بھی گیا، بغداد بھی گیا، ڈھاکہ کے اندر جگجیت سنگھ اروڑا آیا، وہاں بھی کوئی امریکہ مدد کو نہ

آیا۔ پاکستان کی سرزمین پر جارحیت ہوتی رہی، کوئی امریکہ نہ آیا، کوئی امریکہ نہیں آئے گا، کوئی بڑی قوت نہیں آئے گی، کوئی بہت بڑی پاور نہیں آئے گی۔ ہم گریٹر پاور ہیں، ہم گریٹیسٹ پاور ہیں۔ ہمیں ہی اکٹھا ہونا ہوگا، ہمیں متحد ہونا ہوگا، ہمیں دنیا کے اندر امن وسلامتی کا پیغام لانا ہوگا، اسلام سلامتی ہے اور اسلام امن ہے اور اسلام قیادت ہے اور اسلام روشنی ہے۔ اسلام کے سایہ تلے جمع ہوں گے، قدم بڑھا کر چلیں گے۔ اقبال نے کہا تھا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

اور اسی اقبال نے کہا تھا اور اس کو دہرایا جا رہا ہے کہ:

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانان تاتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

جناب سپیکر! اس شعر پر اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں کہ:

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

پلاٹوں کی سیاست (قومی اسمبلی 6 مارچ 1991ء)

یہاں پہ حالت بڑی ہی عجیب وغریب ہے۔ جناب سپیکر! میں جو گفتگو ابھی سن رہا تھا، بہت سارے ساتھیوں کی، میں کئی دفعہ یہاں پہ آیا ہوں، پہلی مرتبہ نہیں آیا۔ بطور قومی اسمبلی کے ممبر کے آج سے 13 سال پہلے فیڈرل منسٹر تھا، لیکن میں نے آج تک پلاٹ لیا بھی نہیں ہے اور اگلی بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے فضل وکرم سے اسلام آباد میں میرا اپنا گھر ہے۔ میں نے اپنے نام سے لیا ہے، تاکہ مجھے اور پلاٹ قانوناً مل بھی نہ سکے۔ لیکن اب کیوں میں کہہ رہا ہوں یا اس طریقے سے کیوں سوچتا ہوں یا کہتا ہوں کیونکہ یہاں پہ پلاٹ لینے والے کے بارے میں فوری طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے یا یہ ممبران پلاٹوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔

فنانس کمپنیوں کے بحران کا حل (قومی اسمبلی 3 اپریل 1991ء؛ 17 اکتوبر 1991ء)

NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN 3rd April 1991(Motion Under Rule262)

جناب والا! میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ حکومت فوری طور پر ایک آرڈیننس کے ذریعے ان کمپنیوں کے مالکان یا جنہوں نے جعلی ناموں پر یا اپنے رشتہ داروں کے ناموں پر جو پراپرٹی خرید کی ہے اسے ضبط کریں اور حکومت کا ایک کمیشن بنا کر پیسے انکے پاس جمع کرائے جائیں۔ ان پراپرٹیز کو فروخت کیا جائے اور پیسے جمع کنندگان کو دیئے جائیں۔ جناب والا! میں لیاقت بلوچ صاحب کی اس تجویز کی بھی حمایت کرتا ہوں کہ اس ہاؤس

کی ایک کمیٹی مقرر کی جائے جو اس بات کی نشاندہی کرے کہ تمام فراڈ کے اندر سٹیٹ بنک، کوآپریٹو ڈیپارٹمنٹ اور وزارت خزانہ کس حد تک ملوث ہے اور یہ جو ایک وسیع پیمانے پر اور منظم کوتاہی ہوئی ہے اس کیلئے کون کون سے لوگ اور کون کون سے افسران مجرم ہیں ان کی نشاندہی کرکے ان کے خلاف مناسب کارروائی ہونی چاہیے۔

جناب سپیکر! میں اس مسئلے کی طرف جاتے ہوئے عرض کروں گا کہ صنعت کاری پر قرضے لینا کوئی جرم نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جرم یہ ہے کہ اگر کوئی قرضے لیتا ہے اور ان قرضوں میں سے Defaulter کا دھندہ ہے وہ قرضے واپس نہیں کرتا، اس کی ضرور نشاندہی ہونی چاہیے۔ بالکل as defaulter expose ہونا چاہیے اور قوم کے سامنے یہ آنے چاہئیں۔ میں دردمندی سے عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ہمیں مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ اس وقت قوم کا یہ پیسہ لٹا ہے۔ یہ تو حقیقت ہے کہ اگر ان فنانس کارپوریشنوں کا پیسہ لوگوں تک پہنچا ہوتا تو آج ہم یہ بحث نہ کر رہے ہوتے۔ لیکن میں یہی عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ سیاسی لوگ اپنے سیاسی مخالفوں کی مخالفت کرتے ہوئے کہ سیاستدان تو لڑتے رہتے ہیں، جنہوں نے لوٹا ہے وہ پیسہ لے کر چلے نہ جائیں، اس طرف ہماری نظر ہونی چاہیے۔

اس کے علاوہ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بینکنگ ایکٹ موجود ہے، قوانین میں لمبی چوڑی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے، تمام اثاثے اونرز کے منجمد کئے جائیں، فوری طور پر منجمد کئے جائیں اور چھوٹے کھاتہ داروں کو پہلے پیسہ دیا جائے، بڑے کھاتہ دار اگر اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کوئی فنانس کمپنی ان کو پیسے لوٹا رہی ہو تو اس کی بھی انکوائری ہونی چاہیے اور اس کیلئے بھی ان کو الگ سزا دی جائے۔ پہلے چھوٹے کھاتہ داروں کو ان کے پیسے دیئے جائیں اور اسی طریقے سے حکومت ایک ادارہ قائم کرے اور اس کے ذریعے پورے Cases سامنے آئیں اور ان Cases کی Case to case hearing کرکے ان پر فوری طور پر فیصلے کئے جائیں۔

اس سے بڑھ کر بھی میری یہ تجویز ہے کہ جوڈیشل کمیشن بنایا جائے جس میں سپریم کورٹ کے جج ہوں اور دو ہائی کورٹ کے ججز ہوں، وہ فیصلہ کریں اور اس میں سرمایہ لوٹنے والوں کو سزا بھی دی جائے اور باقی لوگوں کو پیسے بھی واپس کئے جائیں۔ میری یہ چند ایک تجاویز ہیں، لیکن میں پھر بھی یہی عرض کروں گا کہ اس کو ذاتی طور پر گالی گلوچ کے ذریعے ایک دوسرے کے اوپر Counter-Allegations لگا کر ہم مسئلے کا حل تلاش نہیں کر سکیں گے۔ اس کو ٹھنڈے دل سے سوچنا ہوگا کیونکہ یہ بداعتمادی صرف کسی ایک پارٹی پر نہیں ہوگی۔ یہ بداعتمادی سیاسی نظام پر ہوگی۔

بجٹ تقریر 92-1991

GENERAL DISCUSSION ON THE BUDGET FOR THE YEAR 1991-92, 11th Jun, 1991

جناب سپیکر! جہاں تک خود انحصاری کا تعلق ہے، اس سلسلے میں علامہ اقبال کا ایک شعر عرض کروں گا کہ۔

اٹھا نہ شیشہ گران فرنگ کے احسان
سفال ہند سے مینہ و جام پیدا کر
میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

ہماری بہت ساری ٹیمیں امریکہ میں بیٹھی مذاکرات کر رہی ہیں، اپنی امداد کی بندش پر، گلف کی جنگ کے اثرات بھی ہماری معیشت پر ظاہر ہو چکے ہیں۔ اس مرحلے پر خود انحصاری کا نعرہ مستانہ لگانا بڑی ہمت کی بات ہے، یہ جرات رندانہ ہے۔ ہمیں خواب دکھایا گیا۔ اس کی تعبیر کل کو کیا ہوگی، ایک عام شہری کے طور پر محسوس کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ پاکستان کے بارہ کروڑ عوام اس بات کا تہیہ کیئے ہوئے ہیں کہ وہ امریکہ ہو یا دنیا کی کوئی اور سپر پاور وہ اپنی غربت، اپنے مسائل، اپنی مشکلات کے باوجود نیوکلیئر ٹیکنالوجی پر سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

زرعی خود انحصاری اور ایٹمی قوت

جناب والا! معیشت تلپٹ ہو چکی تھی، آج کا ڈی ریگولیشن کا عمل میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک کی صحت کیلئے ضروری ہے، لیکن ساتھ ساتھ ہمارے زراعت کے سیکٹر کو نظر انداز کیا گیا، صرف ان صنعتکاروں کی وجہ سے جو اپنا ٹیکس دینے کو تیار نہیں ہیں، ان صنعتکاروں کی وجہ سے جن کی اجارہ داریاں ہیں اور ان کے لوگ تنخواہوں کے اوپر بیٹھے ہوئے حکومت کے اندر اور باہر بھی۔ اگر ان لابیز نے ان زراعت والے لوگوں سے، ان کسانوں سے اپنے وعدے ایفانہ کیئے، بیوفائی کی تو اس سے پاکستان کے غریب کسان میدان عمل میں آئیں گے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر چھ فیصد سود پر ہم قرض دیتے ہیں جو یہاں چھوٹی سی صنعت لگاتا ہے تو پاکستان کے کسانوں کو 18 فیصد پر قرضہ دیتے ہیں۔ پاکستان کے کسانوں کو چھ فیصد پر قرضہ کیوں نہیں دیا جا سکتا؟ ایگریکلچر بینک کو اور ایکسپورٹ، برآمد کنندگان کو اکٹھا کیوں نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے جناب! ہمیں اپنے معاشی تشخص کی تلاش کرنی ہوگی، امریکہ کا اس لئے وجود ہے کہ اس کا ایگریکلچر مضبوط ہے۔ روس لئے گر چکا ہے کہ اس کا ایگریکلچر میں ہل چکا تھا۔ پاکستان کو دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے۔ یہ پاکستان کیلئے اس کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی بھی ہے اور اس کی غیرت کا سب سے بڑا سمبل بھی۔ وہ پاکستان کی معیشت کا ارتقا ہے۔ کسانوں کو اس فیضان سے اور چشمہ فیضان تک پہنچنے کے موقع فراہم کیئے جائیں اور اسی طریقے سے پاکستان کے اندر نیوکلیئر ٹیکنالوجی پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔ یہی پاکستان کیلئے آگے بڑھنے کا عمل ہوگا۔ ڈینیشنلائزیشن اچھی، غریبوں کو فائدے پہنچانے اچھے لیکن جناب سپیکر! اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ ہماری خود انحصاری کے عمل میں آگے بڑھنے کے دو پہیے ہیں۔ جو اقتدار میں ہوتا ہے اسے ہر چیز اچھی نظر آتی ہے، اختلاف میں ہوتا ہے تو اسے ہر چیز بری نظر آتی ہے، اس سے نکل جایئے۔ ان تعصبات کو مٹائیں گے، ہل کے تنکا تنکا جمع کریں گے پھر آشیانہ بنے گا اور اسی میں ہم آسودگی کے ساتھ رہ سکیں گے۔

اثاثوں کا اعلان (قومی اسمبلی 5 جولائی 1993ء)

DISCUSSION ON POLITICAL SITUATION IN THE COUNTRY

خدا کیلئے اس مقننہ کے مقام کے حوالے سے آپ پورے غور و خوض کے ساتھ سوچیں کہ اگر اس مقننہ کو ہم نے ختم کیا اپنے ہاتھوں سے تو پھر پاکستان کے عوام کا اعتماد سیاستدانوں سے اٹھ جائے گا۔ ان سے مایوس ہو جائیں گے۔ قوم کو مایوسیوں کی عمیق گہرائیوں میں ڈالنے کی بجائے آیئے ان کیلئے کوئی راستہ تلاش کریں۔ یہاں پہ ہمیشہ کرپشن کے الزامات لگتے رہتے ہیں، آیئے قانون سازی مل کے کریں کہ جو بھی ممبر منتخب ہوں گے اپنے اثاثوں کا اعلان کریں گے۔ وزراء اثاثوں کا اعلان کریں گے۔ صدر مملکت اثاثوں کا اعلان کریں گے، اپنے رشتہ داروں کے، دامادوں کے، سب کے اثاثوں کا اعلان کریں گے اور پھر اس کیلئے قانون سازی کریں، کہتے ہیں سیاستدان اصولوں میں Belive نہیں کرتے۔ ہمیں خودکشی نہیں کرنی چاہیے۔ قانون سازی کریں، آئینی طریقوں سے نواز شریف کو ہٹانے کا راستہ ہو۔ اس ہاؤس میں میجارٹی میں بیٹھے ہوئے جس وقت چاہیں ہٹا دیں تو سر تسلیم خم کر لیں ہم۔ اس ملک کے اندر کوئی پیدائشی ہو یا کوئی بناوٹی ہو، خود کو بادشاہ سمجھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ پارلیمنٹ کو اپنے پاؤں کے نیچے مسل دے گا، یہ خواب کی بات ہے اور یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو گا۔

پاکستان کی ترقی اور زراعت کا ایٹم بم

NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN 13th may 1997(Resolution)

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
بعد گوئی دامن تر مکن ہشیار باش

جناب سپیکر! زراعت کا شعبہ بالکل ایک روایتی انداز کی صورت میں زیر بحث لایا جاتا ہے اور اس کو قطعاً اہمیت نہیں دی جاتی۔ لیکن آج کے حالات جس طرف جا رہے ہیں کہ اگر اس شعبے کو مزید نظر انداز کیا گیا تو پاکستان کی معیشت تو تباہ ہو ہی چکی ہے، آنے والے وقتوں میں پاکستان کے اندر قحط کے جو آثار پیدا ہوئے ہیں وہ طوفان کی شکل اختیار کر لیں گے۔

جناب سپیکر! میں بنیادی چار پانچ چیزیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ عرب ممالک نے آئل کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اسرائیل کے خلاف اور اس وقت سے فلسطین کے مسئلے کو اہمیت حاصل ہوئی۔ پھر روس کے خلاف فوڈ ہتھیار کے طور پر استعمال ہوا، اور روس جو پوری دنیا کی طاقتور ترین قوت سمجھی جاتی تھی وہ پارہ پارہ ہو گئی۔ آج اگر ہم اس فوڈ ویپن کو اپنے خلاف استعمال کریں گے۔ اپنے آپ خودکشی کریں تو راستے کھلے ہیں اور اس کی طرف ہم جا رہے ہیں۔

اگر ہم اسی فوڈ ویپن گندم کے ہتھیار کو مثبت طریقے سے استعمال کریں گے تو اس وقت کیفیت یہ ہے کہ

پاکستان ایک ایسا خوبصورت جزیرہ ہے۔ جس کے اردگرد انڈیا میں بھی گندم، آٹا مہنگا ہے، افغانستان، ازبکستان، تاجکستان، چیچنیا، ماسکو تک غذائی بحران ہے۔ ہماری مغربی سرحدوں پر ایران کو بھی غذائی بحران کا سامنا ہے اور پاکستان کا کسان ایک کروڑ انہتر لاکھ ٹن گندم سال میں پیدا کر رہا ہے۔ ان حالات میں جب آپ ان کو پیسے کم دے رہے ہیں۔ جب آپ کے پورے حالات گندم پیدا کرنے کے خلاف ہیں۔ ایک کروڑ انہتر لاکھ ٹن اور خرچہ کیا آتا ہے، سال کا فی آدمی تو اس لحاظ سے ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ ٹن گندم کی ضرورت ہے اور ایک کروڑ انہتر لاکھ ٹن ان حالات میں بھی کسان بے چارہ پیدا کر کے ملک کو دے رہا ہے۔ یہ جو بقیہ گندم چالیس ارب روپے کی ہم منگوا رہے ہیں۔ یہ سمگلنگ کرنے کیلئے منگوا رہے ہیں۔ ہم نے خود کفالت حاصل کی ہوئی ہے۔ گندم خریدتے پر کمیشن، گندم کی بار برداری پر کمیشن، گندم کی کشتیاں آنے پر کمیشن، گندم اس ملک کے اندر لے جانے پر کمیشن اور پھر اس کو ازبکستان، انڈیا، ایران کے اندر بیچنے کے اوپر کمیشن۔ ایک مافیا پیدا ہو گیا ہے جو خون چوس رہا ہے قوم کی معیشت کا۔ عرض کرنا چاہتا ہوں، صنعتی ترقی سر آنکھوں پر لیکن اس کے اندر آپ کو کم از کم دس سال لگیں گے۔ اگر میں ایک نسخہ یہ بتا دوں کہ چھ مہینے کے اندر پاکستان ترقی پذیر ملک نہیں، اپنے قرضے اتارنے والا ملک بن سکتا ہے تو شاید کوئی یقین نہ کرے۔ لیکن جناب والا! جس ملک کی One crop economy ہے، ہم مانتے ہیں کہ یہ one crop economy ہے۔ ایک کپاس کی فصل پر یہ ملک کھڑا ہے۔ جس سال کپاس کی فصل تباہ ہو جائے، ملک کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے، جس سال ملک کی کپاس کی فصل اچھی ہو جائے، ملک کی معیشت اوپر آ جاتی ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فرض کریں یہی فارمر آپ کا، آپ کو ڈیڑھ کروڑ گانٹھ کاٹن دے دے۔ ڈیڑھ کروڑ گانٹھ کاٹن تو اسی سال آپ کے آدھے قرضے اتر سکتے ہیں، چھ ماہ میں اور ملک کی معیشت کا میں مہیا کیا جا سکتا ہے۔ یہاں وہ طبقات جنہوں نے اپنی زراعت کو دیکھنے پر تعصبات کی عینک چڑھا رکھی ہے، وہ دیکھنا نہیں چاہتے، جہاں سے ملک آج کھڑا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ آج فوڈ ویپن کے طور پر ہم استعمال کر سکتے ہیں۔ کسان کی آپ نے حالت کیا کر رکھی ہے، ڈیڑھ لاکھ کا ٹریکٹر ملتا ہے، ایران کے کسان کو، ترکی کے کسان کو، انڈیا کے کسان کو اور ہمارے بارڈر کے اوپر لاکھوں کی تعداد میں وہ وہ ٹریکٹر اندر آنے کو تیار کھڑے ہیں لیکن ہم نے اپنے کسان کو کہا ہے کہ نہیں تم چھ لاکھ میں خریدو، اس کو باندھ دیا ہے، اس کے پاؤں کو زنجیریں ڈال کر جیسا کہ میں نے عرض کیا پہلے کہ

درمیاں قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
بعدمی گوئی دامن ترمکن ہشیار باش

اس کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں آپ نے، جو لڑنے والا ہے، آپ کے ملک کی معیشت کی جنگ، وہ کسان ہے، وہ کبھی خوشحال نہیں ہوتا۔ دیگر ملک کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ یہ مشکل کام کر رہا ہے، اسے اپنا لاڈلا بیٹا کہتے

ہیں۔اس کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دیتے ہیں۔ یورپین کمیونٹی نہ صرف ان کو فرٹیلائزر مفت دیتی ہے بلکہ ٹرانسپورٹیشن کے پیسے بھی دیتی ہے کہ کھاد کی بوری بھی لو اور پہنچنے کے پیسے بھی لو۔اس کسان سے ہمارا مقابلہ ہے۔ امریکہ کے کسان کو ڈیزل اور پاور جنریشن کے تمام مواقع فراہم کر کے اس کے کھیت تک پہنچائے جاتے ہیں۔اس سے مقابلہ ہے، ہمارے کسان ،کا ہمارے کسان کا انڈیا کے اس کسان سے مقابلہ ہے، جس کو گندم زیادہ پیدا کرنے پر بجلی مفت فراہم کی جارہی ہے، ان کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہے اور جہاں پر چھ پرسنٹ مارک اپ کے ساتھ وہاں ان کو پیسے ملتے ہیں بلکہ ایکسٹرا Money دے کر ان کو آگے فلوٹ کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ مقابلہ ہے ہمارا۔آج پیسٹیسائیڈ پر جناب والا! جو پولیسٹرن۔ سی انڈیا کے کسان کو دو سو روپے کی ملتی ہے وہ پاکستان کے کسان کو پلانٹ پروٹیکشن کیلئے کاٹن کیلئے آٹھ سو روپے کی ملتی ہے۔ مجھے بتایئے آج اگر پاکستان کی معیشت کو کھڑا کرنا چاہتے ہیں، تعصبات کی عینک کو آپ اتارنا چاہتے ہیں، یہ امپورٹ ٹیکس ختم کر دیں، آپ زرعی ادویات پر، پلانٹ پروٹیکشن کے اوپر۔ اسی سال لوگ چھ چھ سپرے آٹھ آٹھ سپرے کریں گے اور آپ کی کاٹن ڈیڑھ کروڑ گانٹھ ہو جائے گی اور اسی سال پاکستان ترقی پذیر نہیں ہوگا، طاقتور ہوگا، دنیا کو فوڈ دینے والا ہوگا، گندم دینے والا ہوگا۔ خوراک دینے والا ہوگا۔ جھولی پھیلانے کی بجائے، آپ کی جھولی جس میں چھید پڑے ہوئے ہیں؛ جو ڈالتے ہیں وہ نکلتا جاتا ہے۔اس میں یہ کسان آپ کو عزت والا ملک واپس دے سکتا ہے۔ غیرت کا ملک واپس دے سکتا ہے، معیشت کو بحال کر سکتا ہے۔آپ نے اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔اس کی آنکھوں میں خون کے آنسو ہیں وہ دھکے کھا رہا ہے۔ بنکوں کے باہر جاتا ہے، دھکے ملتے ہیں، بیس فیصد انٹرسٹ دیتا ہے۔ وہ لوگوں سے ذاتی پیسے مانگ کر اپنے کھیتوں کو چلانا چاہتا ہے۔ انفراسٹرکچر آپ کے پاس موجود ہے۔ دنیا کا اہم ترین اریگیشن سسٹم آپ کے پاس موجود ہے۔ایک آرگنائزڈ لیبر آپ کے پاس فارمر کی صورت میں موجود ہے۔ بطور رانو سٹروہ کام کرنا چاہتا ہے۔ جو سٹیٹ لینڈ پڑی ہوئی ہے، اگر دس مربع دے دیں اس کو کہیں کہ دو سال کے اندر اتنی گندم دینی ہے، وہ زمین کا سینہ چیر کر پانی بھی خود نکالے گا، انوسٹ بھی خود کرے گا، گندم آپ کو Provide کرے گا۔ہم نے اپنی معیشت کے اندر زراعت کی ترجیح آخر میں کر دی ہے۔ تعصبات کی وجہ سے مفادات کی وجہ سے۔ نقصانات ملک کو ہو رہے ہیں، قوم کو ہو رہے ہیں، ملک ڈوب رہا ہے، چند افراد وہ تیر رہے ہیں۔ وہ مفادات سے دامن بھر رہے ہیں، اس وقت ہمیں ایک new look سے، نئی سوچ سے، نئے اینگل سے، نئے زاویے سے دیکھنا پڑے گا زراعت کو۔ اب آپ نظرانداز نہیں کر سکتے۔ یہ اسمبلیاں جب تک اپنے کسان کی طرف اپنی زراعت کی طرف اپنی زمین کی طرف، زمینوں کے خزانوں کی طرف نظر نہیں ڈالیں گی تو پھر دنیا کی نظریں بھی ہم سے بدل جائیں گی۔ ہم بھیک مانگتے پھرتے ہونگے اور ہمیں کوئی بھیک ڈالنے کو تیار نہیں ہوگا، شکریہ۔

سپریم کورٹ پر حملہ

RESOLUTION EXPRESSING ESTEEM AND REGARDS FOR THE DIGNITY AND HONOUR OF THE SUPREME COURT OF PAKISTAN

جناب سپیکر! میں عرض کر رہا تھا کہ آج سپریم کورٹ کے اردگرد جو واقعات ہوئے ہیں کوئی بھی صحیح سوچ رکھنے والا شہری ان کی تائید نہیں کر سکتا اور سپریم کورٹ کے مقام اور اس کے تقدس کا ہم سب نے حلف اٹھایا ہوا ہے اور اداروں کے تحفظ کی ذمہ داری سب سے زیادہ ایگزیکٹو پر عائد ہوتی ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری سے انحراف نہیں کر سکتے اور صرف نظر بھی نہیں کر سکتے۔ جناب سپیکر! آج حکومت کے علم میں جب یہ واقعات آئے ہیں، آپ کے علم میں ہوگا کہ فوری طور پر اس کیلئے چیف کمشنر کو انکوائری ہولڈ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس واقعات میں ملوث ایک شخص کو گرفتار کیا گیا ہے اور مزید بھی ان اداروں کے تحفظ کیلئے جو اقدامات کرنے پڑے حکومت وہ اقدامات کرے گی...... اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ان پر عملدرآمد بھی کرائے گی۔ جناب سپیکر! جوڈیشری کے اختیارات کی باتیں اور اس سے دوسرے معاملات کی باتیں ہوتی رہتی ہیں، ایوانوں کے اندر بھی ہوتی رہتی ہیں اور عدلیہ کے فیصلوں کا احترام ذمہ داری بھی ہوتی ہے ہم سب کی، قانون بنانے کا ہمیں حق حاصل ہے اور قانون کی تشریح کا حق عدلیہ کا ہے اور وہ ایک اہم ستون ہے۔ مملکت کا اگر وہ ستون کمزور کرنے کی کوشش کی گئی یا کی جائے تو پورے نظام کو دھکا لگتا ہے، اس لئے مسلم لیگ بحیثیت جماعت اور ان کی ساتھی جماعت نے، حلیفوں نے بھی ہر موقع پر عدلیہ کا احترام کیا ہے، عدلیہ کی سربلندی کے آگے سر جھکایا ہے اور ملک کے قوانین کو منضبط کرتے ہوئے اپنے ملک کے تمام ستونوں کی وقعت اور ان کی عزت کا احترام کیا ہے۔ کوئی حرکت جس نے بھی کی ہے، اس کا تعلق مسلم لیگ سے ہو، اس کا تعلق کسی اور پارٹی سے ہو، جس نے بھی کوئی نازیبا حرکت کی ہے، کوئی آدمی ان کو ڈیفنڈ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا ہے۔ آج نواز شریف تو یہ کہہ رہا ہے اور پوری اسمبلی کہہ رہی ہے کہ ہم Disown کرتے ہیں۔ جو ہوا ہے غلط ہوا ہے۔ اس کی نہ صرف تردید کرتے ہیں بلکہ ہم اس بات کی مذمت کرتے ہیں۔

کشمیر کا مسئلہ KASHMIR ISSUE

میں کوشش کروں گا اور نارملی میں ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کیا کرتا ہوں۔ گزارش یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ کشمیر کا جو ایشو دوبارہ زندہ ہوا ہے وہ ہوا ہے Post-Afghan ear ہے۔ اس کے بعد کشمیر کے اندر یہ جسے resurgence کہہ رہے ہیں، ہم اسے فریڈم موومنٹ سمجھتے ہیں۔ وہ ابھرا ہے عالمی ایجنڈا پر.....

گزارش یہ ہے کہ یہ عالمی ایجنڈا پر آیا ہے، کشمیریوں کے خون سے اس کا کریڈٹ کبھی ہم لیتے ہیں، کبھی کریڈٹ موجودہ حکومت لیتی ہے، کبھی کوئی لیتا ہے، پہلی بات طے شدہ ہے کہ کشمیریوں نے خون دے کر کشمیر کے

مسئلے کو عالمی ایجنڈے کا موضوع بنادیا ہے، یہ کوشش ان کی اچھی ہے۔

جناب سپیکر! آپ کے متعلق کوئی سازش نہیں ہورہی۔ میں گزارش یہی کررہا ہوں کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومتیں اپنے طرز عمل سے کیا راستہ اختیار کرتی ہیں۔ موجودہ حکومت پر الزام یا کسی اور حکومت پر یہ الزام کوئی نہیں لگاسکتا کہ کوئی کشمیر کے مسئلے کو نظرانداز کرے گا کیونکہ کشمیر کا مسئلہ خون کی طرح ہمارے جسم میں دوڑتا ہے اور اسے نظرانداز کرنے والے اپنی موت پر دستخط کریں گے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اس کو مس ہینڈل کیا جارہا ہے، ہماری گورنمنٹ کے دور میں ہمیں کہا گیا کہ Pakistan is going to be declared to be declared terrorist country اور Terrorism الزام تھا کہ ہم کشمیر کے اندر Infiltrators مداخلت کار بھیج رہے ہیں اور کشمیر کے اندر جنگ ہم لڑرہے ہیں، پاکستان اور پاکستانی حکومت اور اس حکومت کا سربراہ نوازشریف۔ سردار آصف احمد علی صاحب میرے بہت قریبی دوست رہے ہیں، آج بھی میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنی پریس کانفرنس میں کہا

Yes, Mian Nawaz Sharif's Government had been sending people, Infiltrators, to go and create problems in the valley of Kashmir.

اب جناب سپیکر! وہ وزیر خارجہ بیٹھے ہیں، میری مجبوری ہے کہ میں ان کی حب الوطنی پر شبہ کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا لیکن ایک طرف ایک حکومت چلی گئی Off the hook کرانے کیلئے کشمیر کو اور کشمیری مداخلت کار (Infiltrators) کو، نوازشریف کی گورنمنٹ Off the hook نہیں کراسکی تھی۔ دوسری حکومت لائی گئی، جنہوں نے Off the hook کرایا، کشمیریوں کی اس دہشت گردی کے مسئلے کو۔ لیکن اس گورنمنٹ نے چار پانچ موقع پر Let Down کیا ہے۔ جنرل اسمبلی سے اس قرارداد کو واپس لے کر Let Down کیا۔ انہوں نے جنیوا میں بیٹھ کر پھر Let Down کیا کہ پچاس سال کے بعد کشمیر کے مسئلے کو Dead wood کہا گیا اور اس پر اپوزیشن نے پورا پریشر Mount کیا۔ ہم نے کہا کہ خدا کیلئے آپ کب تک سوئے رہیں گے۔ جھنجھوڑا ان کو اور اس کے بعد جو بات سامنے آئی کہ وہ ہمارا جنرل اسمبلی میں بیٹھا ہوا احمد کمال ہو یا کوئی اور ہو، ہماری جو وہاں پر ایک قسم کی Negligence تھی احمد کمال کی وجہ سے، وہ Dead wood ہوگیا۔ پوری قوم اس کے اوپر تلملا اٹھی چیخ اٹھی۔ پکارا سب نے کہ یہ کیا ہورہا ہے، پھر جا کر وہ اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر گیا۔ اب یہ جو Lapses ہیں اور گورنمنٹ کی اپنی غفلتیں ہیں۔ ان کی وجہ سے کشمیریوں نے جسے خون کے ساتھ زندہ کیا تھا اس کے اندر دراڑیں ڈالنے کی کوششیں ہوتی رہیں۔ آج انڈیا وہاں پر انتخابات کرارہا ہے، انڈیا کے وہاں پر سات لاکھ فوجی موجود ہیں، اور ہر فیملی پر ایک پولیس والا یا فوجی کھڑا ہے۔ اتنی زیادہ فوج ہونے کے بعد بھی انتخابات کے انعقاد کیلئے انہیں چوبیس ہزار عملہ انتخابات کرانے والا انڈیا سے منگوانا پڑا ہے۔ کشمیریوں نے بائیکاٹ کا اعلان کردیا

ہے۔ سٹاف نے کہا ہم یہ الیکشن ہولڈ نہیں کرائیں گے۔ اس لئے انڈیا اس وقت دھول جھونکنا چاہتا ہے دنیا کی آنکھوں میں۔ ان نام نہاد انتخابات کے ذریعے۔ اور بد قسمتی یہ ہوئی کہ انہی دنوں میں جو یہاں انتخابات ہوئے وہ بھی Controversial ہوئے۔ وہاں پر Abortive ہو گئے۔ ان کا انشاء اللہ رزلٹ بالکل نہیں نکلے گا اور Plebiscite کے مقابلے میں انتخابات کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اور اس کیلئے ہمیں اس مسئلے کو اجاگر کرنا ہے۔ کشمیری خون دے رہے ہیں، کشمیری جنگ لڑ رہے ہیں، لیکن کشمیری ضرور دیکھتے ہیں اس بات کیلئے کہ پاکستان کی طرف جو کشمیر کو اپنی شہ رگ قرار دیتا ہے۔ جناب سپیکر، شکریہ۔

مخدوم جاوید ہاشمی، سر میں کوئی Repetition بھی نہیں کر رہا۔

سپیکر! کافی لوگوں نے بولنا ہے۔ ایڈجرنمنٹ موشن دو گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتا۔

جناب محمد جاوید ہاشمی، پھر ہم ان سے انصاف نہیں کر رہے ہوں گے۔

سپیکر، ہاشمی صاحب! ایڈجرنمنٹ موشن دو گھنٹے کا ہوتا ہے۔

محمد جاوید ہاشمی، سر اس اسمبلی کے اندر اگر ہم کشمیر کے بارے میں اسی غفلت کا شکار ہوئے۔ ان رولز کے اندر ہم نے دفن کر دیا اپنے اہم ترین معاملات کو بھی قواعد، کی یہ قبر پرانی ہو جائے گی۔ لیکن مسئلہ زندہ رہے گا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان پوری دنیا کے سامنے بے نقاب ہو چکا ہے۔ ہماری حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کا یہ نقاب جو اس نے انتخابات کے ذریعے پہنا ہے، یہ نقاب نوچ ڈالا جائے۔ مجاہد قربانیاں دے رہے ہیں، جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہ ہماری بنیادی ذمہ داری ہے کہ کشمیر کے استصواب کی بات کو آگے بڑھائیں۔ جس وقت تمام دنیا میں غلامی کی زنجیریں ٹوٹ رہی ہیں، مملکتیں آزاد ہو رہی ہیں، چیچنیا جیسے ملک نے اپنے آپ کو منوایا ہے۔ پوری دنیا آج حریت اور آزادی کی تمام تحریکوں کو مان رہی ہے۔ صرف ایک حریت کی تحریک اس وقت لاوارث بنی ہوئی ہے، کوئی اس کی بات کرنے والا نہیں ہے۔ پوری دنیا کی آزادی کی تحریکوں کے اندر اگر کوئی تحریک ناکام بنائی جا رہی ہے تو وہ کشمیر کی ہے۔ آپ فلپائن کے مسلمانوں کو دیکھیں، انہیں بھی آزادی کے اختیارات دے دیئے گئے۔ انہیں بھی اپنی Determination کیلئے کہ وہ پانچ سال کے بعد کیا کرتے ہیں، فلپائن نے بھی مراعات دے دیں۔ چیچنیا کے اندر روس نے بھی دے دیں، لیکن ہم ناکام ہو رہے ہیں، اس لئے قوم پوچھنا چاہتی ہے کہ کشمیر کے مسئلے پر ناکامیاں ہی ناکامیاں کیوں اس حکومت کے مقدر میں ہیں، شکریہ۔

ہر قیمت پر احتساب (قومی اسمبلی 11 جون 1996ء)

شکریہ جناب سپیکر! ایشو یہ ہے کہ یہاں پر کرپشن کے چارجز گذشتہ دو دن سے دونوں طرف سے آئے ہیں۔ اب Established Fact یہ ہے کہ ہمارے ایجنڈا پر دونوں طرف سے کرپشن اور اس کو ختم کرنے کے

اقدامات سرفہرست ہیں، دونوں طرف سے آراء موجود ہیں۔ وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ کرپشن ہے اور ہم بھی کہہ رہے ہیں کہ کرپشن ہے۔ اس کیلئے صرف کھڑے ہو کر لفظی جنگوں کی بجائے ہم کوئی راستہ اختیار کریں، کیونکہ یہ بات صحیح ہے کہ اس ملک میں کرپشن تقریباً تمام WaLk of life میں موجود ہے۔ مگر سیاستدان چونکہ Public representatives ہیں اور انہوں نے قوم کیلئے مثال قائم کرنی ہوتی ہے، اسی لئے کرپشن کا ایشو پوری دنیا میں سیاستدانوں کو بنایا جاتا ہے۔ خواہ وہ انڈیا ہو، برطانیہ ہو یا جاپان ہو، وہاں پارلیمنٹیرینز کی کرپشن کو روکنے کیلئے بہت سارے راستے اختیار کئے جاتے ہیں۔ سخت اقدامات کئے جاتے ہیں، تاکہ یہ نمائندہ ادارے جنہوں نے قوم کی رہنمائی کرنی ہے صاف اور شفاف ہوں، اس ملک میں، اسی اسلام آباد میں 80 فیصد گھر اور کوٹھیاں بیوروکریسی کی ہیں۔ انہوں نے لوٹ مچائی ہوئی ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ پولیس کتنی کرپٹ ہے، حتیٰ کہ جب ہم بزنس کمیونٹی کی بات کرتے ہیں، وہاں پہ بھی کرپشن کی کمی نہیں ہے، تمام اداروں میں کرپشن کا زہر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ پریس بھی اور دوسرے لوگ بھی پوری دنیا کے سیاستدانوں کو ٹارگٹ بناتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ صحیح کرتے ہیں، کیونکہ ذمہ داری ہمارے اوپر ہوتی ہے کہ ہم بطور چوکیدار آتے ہیں۔ دنیا کے اندر جہاں بھی سیاستدان ہیں وہ یہ تصور لے کر آتے ہیں کہ ہم نے اس خزانے کا اپنے آپ کو چوکیدار بنانا ہے۔ اگر چوکیدار بھی لوٹ میں شامل ہو جائیں تو پھر اس ملک کا کچھ نہیں بچتا۔

اسی لئے جب آج بات شروع ہوئی ہے اور کل محترمہ کے بارے میں بات ہوئی۔ اگر آج جنرل بابر صاحب تشریف فرما ہیں اور مجھے ان کے لئے بڑا احترام ہے، وہ سچے دل سے اس ملک میں چاہ رہے ہوں گے کہ کرپشن کا خاتمہ ہو لیکن جو اقدامات ہیں، میں اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہم نے تجویز پیش کی اور پھر دہراتے ہیں کہ آپ اس پر اکاؤنٹیبلٹی کیلئے احتساب کے لیے ایک آئینی ادارہ بنائیں۔ ادارہ بنائیں اور اگر اس میں Individuals کے کیس آتے ہیں تو آنے چاہئیں۔ میں واقعتاً اس سلسلے میں اسفندیار ولی سے متفق ہوں کہ یہاں پر یہ کہنا کہ جاوید ہاشمی کے بارے میں یہ بات نہ آئے، Individual کے بارے میں، میاں نواز شریف کے بارے میں نہیں آنی چاہئیں۔ Becasue he is a Public representative, No یا محترمہ بے نظیر صاحبہ کے بارے میں نہیں آنی چاہئیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب سے بڑے ذمہ دار ہیں۔ سیاستدانوں کی حکومت کو ترجیح اس لئے دی جاتی ہے کہ سیاستدانوں کا احتساب ان کی accountability ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے حلقہ انتخاب میں جا کے جوابدہ ہوتے ہیں۔ ایک عام آدمی سے لے کر سب سے بڑے اداروں کے سامنے accountability ان کی ہوتی ہے۔ اس لئے جب وہ صاف ستھرے بن کر آئیں گے تو پھر قوم کو ایک اچھی گورنمنٹ ملے گی۔ Good Government میرٹ بھی آئے گا، جب ایک آدمی صاف ستھرا ہو کے ایک پروسیس سے نکلے گا۔

اسی لئے سیاستدانوں کو ٹھیک رکھنے کیلئے اس کے مختلف پراسس ہیں۔ الیکشن بھی ایک پراسس ہے۔ آپ پبلک کے سامنے جاتے ہیں تو جوابدہ ہوتے ہیں۔ پھر پراسس ہی ہے کہ ہم نے گوشواروں کی بات کی۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ گوشوارے کیوں نہیں شائع کئے گئے۔ کیوں؟ ان پر کیا پابندی ہے۔ ہم سب اپنے آپ کو رضاکارانہ طور پر پیش کرتے ہیں کہ کم از کم اپوزیشن کے گوشوارے چھاپ دیئے جائیں۔ اگر ادھر کوئی مقدس مشین (Sacred cows) ہیں جو اپنے آپ کو چھپانا چاہتی ہیں تو چھپائیں۔ بابر صاحب کو چاہیے کہ وہ کم از کم انھیں اور ہماری جائیدادوں کے گوشواروں کو جاری کردیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، پورے قومی پریس کو دے دیں، جو وہاں پہ ہم نے دیئے ہوئے ہیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لیڈرز کو صاف اور شفاف طریقے سے اپنی قوم کے سامنے کھڑا کرنا چاہیے۔ چلئے ہم نے نمبر سکور کرنے کیلئے کہہ دیا ہوگا۔ ہم کہتے ہیں آپ ایک accountability commission بنائیں۔ اس میں ججوں کو بٹھائیں۔ اگر مزید چاہتے ہیں تو چار آدمی ادھر سے ایم این اے بٹھادیں، چار آدمی ادھر سے، وہ ایک دوسرے کے خلاف stories لائیں گے اور اپوزیشن کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے۔ اپوزیشن کا کام ہے کہ وہ ان کی خرابیاں بتائیں اور گورنمنٹ کا کام ہے کہ وہ اپنے آپ کو صفائی کے طور پر اس ہاؤس کے سامنے پیش کریں۔

جناب والا! جنرل بابر صاحب کی خدمت میں مَیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ناراض نہ ہوں۔ انھوں نے دو سال پہلے یہاں اسی ہاؤس میں آپ سے اجازت لے کے مہران سکینڈل کے اندر کیسٹ سنوایا۔ ذاتی طور پر مجھ پر الزامات لگائے اور ٹی وی پر ہائی لائٹ کیا۔ پوری قوم کے سامنے ہائی لائٹ کیا۔ میں کئی مرتبہ چل کے جنرل بابر صاحب کے پاس گیا ہوں کہ خدا کیلئے وہ الزامات جو آپ نے لگائے تھے، اس میں مجھے تو سزا دیں۔ پرسنلی جاکے میں نے درخواست کی ہے۔ اب ان کو ایک ہی لفظ آتا ہے، یہ مٹھو طوطے کی طرح کہ آجائے گا، ہو جائے گا، دو سال گزر گئے، لیکن شروعات نہیں ہوئیں۔ نوٹس تک مجھے نہیں آیا۔ ایک نوٹس تک نہیں آیا۔ اور دو سال کے بعد یہ کہاں ہوں گے یا کہاں نہیں ہوں گے، میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اندر غیرت ہوتی۔ آج مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ شاید آپ کا نام مہران بینک میں نہیں ہے، جس کے کیسز لے کر آئے تھے، اس کو انہوں نے سندھ میں مشیر اطلاعات بنایا ہوا ہے۔ وہ اطلاعات سندھ کا، ان کی پیپلز پارٹی کی گورنمنٹ کا غیر منتخب آدمی ہے۔ اس کو آفس دے دیا ہے، اس کو اہمیت دی ہے، لیکن اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ افسوسناک بات یہ ہے آپ کو تو آ کے کہنا چاہیے تھا کہ ہم نے اس کو مشیر اطلاعات بنانے کی غلطی کی ہے، میری بات کی اگر تردید کردیں گے تو مجھے خوشی ہوگی۔ سوائے اس کے اٹھ کر انہوں نے کچھ نہیں کہنا کہ ہاں ہم کریں گے۔ ہم آرہے ہیں، حبیب بنک کی طرف۔ میں یہ پرسنل بات نہ کرتا، میں اس لئے کر رہا ہوں جناب سپیکر! جب Allegations کا حال یہ ہو، آ کر لگا کر کاغذ پھینک کر پھر بغل میں ایک ڈنڈا لے کر اور یہاں فائل لے کر آجاتے ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں جنرل

بابر صاحب سے خدا کیلئے ہم آپ کے بڑھاپے کا احترام کرتے ہیں، آپ بھی اپنے بڑھاپے کا احترام کیجئے، آپ allegations لگائیے جن کے اندر کوئی بات ہو، ورنہ آج وہی ہمارا مطالبہ ہے کہ احتسابی کمیشن آئے۔

قرضے معاف کرانے والے

NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN (20August 1996)

میری گزارش سن لیں۔ میں کوئی اور بات نہیں کرتا۔ خواہ اس میں کسی کا نام ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر نواز شریف صاحب نے معاف کرائے ہیں قرضے، ان کو بھی آپ بالکل نااہل قرار دیں الیکشن لڑنے سے۔ اس وقت جو لسٹ ہے اس میں محترمہ کا نام ہے، نصرت بھٹو صاحبہ کا نام ہے، آصف علی زرداری کا نام ہے یا جن کے نام ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کیا حق پہنچتا ہے پبلک نمائندے کو کہ وہ ایم این اے اور سینیٹر بننے کے بعد۔ سر ہم بھی یہاں آ رہے ہیں پندرہ بیس سال سے۔ میں کہتا ہوں کہ جس نے بھی معاف کروائے ہیں، سب سے بڑے اس ملک کے ڈاکو اور لٹیرے ہیں، جنہوں نے بینکوں کو قانون سازی کی طاقت کا استعمال کر کے لوٹا ہے، وہ کلاشنکوف اٹھا کر جو ڈاکو جاتا ہے وہ بھی قابل مذمت ہے۔ لیکن جو اس سے زیادہ بڑے قابل مذمت وہ ایم این ایز، سینیٹرز، سیاستدان ہیں جنہوں نے اس ہاؤس کا ایڈوانٹیج لیتے ہوئے اس کے ساتھ اپنے قرضے معاف کروائے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں، کیا آپ سب اس قانون کو بنانے کیلئے منظوری دیتے ہیں؟ حکومت بیٹھی ہوئی ہے، کوئی ہے جو اس کی حمایت کرے، آج ہی میں اس کی قرارداد پیش کرتا ہوں، آپ پاس کرنے کیلئے ساتھ دیتے ہیں، آپ تیار ہیں، میں ریزولیوشن پیش کروں۔ آپ معطل کرواتے ہیں اس کے اوپر رولز کو۔

چار ارب قرض معاف کرانے والے فقیر (قومی اسمبلی 13 ستمبر 1996ء)

ADMTTED ADJOURNMENT MOTION,

جناب محمد جاوید ہاشمی:۔ یہاں پر تذکرہ ہوا ہے لوگوں کا کس نے کتنے پیسے لے لئے اور یہاں پر تذکرہ یہ بھی ہوا کہ چار ارب روپے کا ٹیکس معاف کرانے والے کوئی فقیر بھی ہیں اس ملک میں۔ سیلز ٹیکس کے ایک پراجیکٹ میں ان کو معاف کر دیا جاتا ہے اور اس دور میں جب کہ قوم ایک بحران سے گزر رہی ہے، معاشی بحران سے اور اس میں یہ جو لکی سیمنٹ کی بات آئی کسی طرف سے تردید نہیں آ رہی، اس لئے لوگوں کا اس عمل سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے کہ وہی لکی سیمنٹ والے ہماری حکومت میں بھی لکی ہوتے ہیں۔ اس سے پچھلی حکومت میں بھی لکی ہوتے ہیں تو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ چند لٹیرے ہیں۔ انہوں نے اپنی لوٹ کھسوٹ کو تحفظ دینے کیلئے ایک یونین بنائی ہے اور قوم کے جسم سے خون کا آخری قطرہ نچوڑ رہے ہیں اور اگر قوم اس نتیجے پر پہنچی ہے تو قوم کسی غلط نتیجے پر نہیں پہنچی، بلکہ اس کے اندر ہم سب لوگ اپنے آپ کو ملوث کئے ہوئے ہیں، جناب والا! حکومت وقت کی ذمہ داری اس لئے زیادہ ہو جاتی ہے کہ احتسابی عمل بھی ان کے پاس ہوتا ہے۔ دینے والے بھی وہی ہوتے ہیں اور آج یہاں

تک ہوا کہ یہ لکی کے علاقے کے اندر چار ارب روپے کا سیلز ٹیکس کا جو ریبیٹ دیا ہے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ لکی سیمنٹ والوں نے کہا کہ ہم آپ کو لکی ڈیم بنا کر دے دیں گے۔ اس لئے اس ایک Assumption پر ایک مفروضے پر چار ارب روپیہ خسروان وقت نے شاہان وقت نے اپنی خسروانہ عنایات کے مطابق ان کو معاف کر دیا۔ اب یہ چار ارب روپیہ جو آنا تھا اس ملک میں وہ غریبوں کا چار ارب روپیہ تھا۔ اس غریب آدمی کا بھی جو ایک موچی بیچارہ جوتی گانٹھ رہا ہے وہ بھی شام کو حکومت کے خزانے میں پیسے جمع کراتا ہے۔ وہ اگر چائے کی پتی لیتا ہے تو اس میں بھی ٹیکس جمع کراتا ہے۔ چینی لیتا ہے تو قومی خزانے میں ٹیکس جمع کراتا ہے اور اپنی جوتی گانٹھنے کیلئے جو وہ دھاگہ لے کر آتا ہے اس کے اوپر جو ٹیکس لگا ہوا ہے وہ جمع کراتا ہے۔ اس ملک کا غریب لکڑ ہارا، بیچارا تو خزانے میں جمع کرا رہا ہے، شام کو اپنا خون بیچ کر اور ایک طرف چار چار ارب روپے معاف کئے جا رہے ہیں۔ صرف یہ نہیں بلکہ اس کیساتھ میں یہاں پر تذکرہ کروں گا، ہمارے وزیر تجارت اتفاق سے موجود ہیں تشریف رکھتے ہیں، ان کے اس وقت تقریباً پانچ کنسرنز کام کر رہے ہیں اور ان کے اوپر ایک ارب روپیہ تقریباً ایک ارب روپیہ قرضہ لے چکے ہیں اور صرف قرضہ نہیں انہوں نے ڈیفنس کے اعتماد کو نقصان پہنچاتے ہوئے یہ کیا ہے کہ وہ جو اپنی امپورٹ کر رہے ہیں ان کو ڈیفنس concem کے ذریعے لاہور سے کلیئر کرا رہے ہیں۔ میں ایک خط کا کچھ حصہ آپ کے سامنے پڑھنا چاہتا ہوں جو آرمی کے قریب General نے منسٹری آف ڈیفنس کو لکھا ہے کہ

"Pakistan Army ordinance 51,138 envisages the elearence of Defence sores from Lahore elsewhere without explicit Permission of General Headquarters is, there fore, a violation of orders on the subject. Moreover, all the contracts,onesided have a separate clause which clearly binds the clearance of Defence Stores through Embarkation Headquarters Karachi. Service Industry Limited , under the cover of SRO 501,194 is clearing all the Defence stores from Lahore Dry Port, as per final Certificate issued by CBR, without involvement of Embarkation Headquarters. A request foramendment in the SR,being against the spirit of the Pakistan Army orders, was forwarded vide our letter number so and so dt. March 96.According to Ministry of Defence.Defence Production Division asked for incorporation if amendment vide their letter number so and so, 124/EC,dated 1st April 1996, However, inspite of passage of two months, no action has so far been taken on hte above mentioned letter at your end. This has serious implications for clearance of Defence Stores."

یہ لمبا لیٹر جو انہوں نے لکھا ہے سروس والوں کو وہ لاہور سے کلیئر کرا رہے ہیں۔ حالانکہ سارا ڈیفنس کا مال

اور کنسلٹنٹ کراچی میں ہے، وہاں ایک پورا سسٹم موجود ہے۔ اب یہ نہیں معلوم کہ ڈیفنس کی بجائے کیا کیا چیزیں وہ لا رہے ہیں اور وزیر تجارت کی وہ کمپنیاں، جنہوں نے ایک ارب روپے کے قرضے لیے ہوئے ہیں۔ میں آخر میں پڑھوں گا

"The rules on the subject are being violated for the last one year. Please hold a Court of Enquiry and find out the racket through Embarkation Headquarters' Logistics Directorate being treated as Defence Service Store and cleared custom fee as per procedure in vogue Embarkation Headquarters Logistic Directorate will not be responsible for untoward incident arising from such activities. SRO 401,dated 9/94 may please be get amended accordingly and CBR,b e approached not to issue such exemption certificated to any agency without involvement of General Headquarters Logistics Directorates.

سر! یہ عرض کر رہا ہوں جہاں پر آپ کی ڈیفنس منسٹری بھی بے بس ہو گئی کہ سروس کے ذریعے ڈیفنس کے نام پر پتہ نہیں کیا کیا لایا جا رہا ہے اور ابھی تک اس کو روکا نہیں گیا۔ ابھی تک یہ اسی طریقے سے چل رہا ہے۔ میں صرف دو باتیں عرض کر رہا تھا کہ یہاں ایک ایک منسٹر بدقسمتی یہ ہے کیا accountability کریں گے۔ آپ جس کے اوپر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ لٹیرا ہے، دوسرے دن اس کے سر پر وزارت کا تاج رکھ دیتے ہیں۔ نواز کھوکھر کو ہم نے نہیں کہا تھا لٹیرا۔ یہ لٹیرا کہاں تھا، بابر کی زبان سے جو بلنڈر ہوا تھا۔ پاکستان کے پیسے کا ان کو لٹیرا ہم نے نہیں کہا تھا۔ ڈاکو ہم نے نہیں کہا تھا۔ انور سیف اللہ کو انہوں نے کہا تھا۔ اسی طریقے سے اگر شاید یہ کہا گیا ہو خالد کھرل کے ذمے یہ ہو، کھر کو چور لٹیرا، ڈاکو انہوں نے کہا تھا۔ اب ان کی rescheduling کی ہے، ان کی ٹیکسٹائل ملوں کے اوپر تیس تیس کروڑ روپے کی rescheduling کر دی گئی ہے اور جناب سپیکر! مجھے پتہ ہے کہ اس مرحلے پہ اگر میں نام لیتا جاؤں، اس کا جواب بھی نہیں آئے گا۔ انہوں نے کہا کہ اپوزیشن کو نواز شریف نے قرضے فراہم کئے، میں کہتا ہوں کہ نواز شریف ہو، چودھری شجاعت ہو وہ کوئی ہو، جس نے قرضے معاف کرائے ہیں، قرضے معاف کرانا دوسری بات ہے قرضے لے کر کام کرنا دوسری بات ہے، جس نے قرضے معاف کرائے ہیں، اس کو اس ہاؤس کا ممبر بننے پر پابندی لگائیں، یہی ہاؤس اپنے آپ کو convert کرے ایک احتسابی عمل میں......

میں یہ کہتا ہوں کہ جنہوں نے لوٹا ہے ان کو نکالیں گے۔ یہ ہاؤس پھر پوتر ہوگا۔ مقدس بھی ہوگا، دنیا کی آنکھیں اس راہنما پر لگیں گی، ورنہ اس ہاؤس سے اگر رہنما کی بجائے رہزن پیدا ہوتے رہے، دولت لوٹنے والے پیدا ہوتے رہے، اسی دولت کی بنیاد پر غریبوں کے احساس کو تباہ کر کے ان کو محرومیاں دے کر ان پر مسلط رہے تو پوری بارہ کروڑ عوام اٹھ کھڑی ہوگی اور اس سیلاب کے اندر تمام کرپٹ لوگ اور جمہوریت کی نفی کر

والے لوگ جو اس نظام کو تباہ کرنے والے ہیں۔ سیلاب انہیں بہالے جائے گا، ان کو کوئی نہیں بچا سکتا۔

انصاف کی بالادستی

میں کہتا ہوں آیئے ہم اس insanity کو ختم کر کے sober elements کی بات کریں۔ ایڈمنسٹریٹو مجسٹریٹ کو تین سال کی سزا کا رائیٹ دے کر کیا آپ کسی کو کنٹرول کر لیں گے۔ نہیں، میں یہاں کہتا ہوں کہ اس طرح پابند سلاسل کوئی نہ کر سکا۔ جناب سپیکر! یہ پراسیس چلتا رہا ہے اور یہ چل رہا ہے اور چلتے ہوئے اپنا راستہ بناتا جائے گا۔ اس کے اندر جو لوگ آمریت کے ساتھ دیں گے، آمرانہ اندازوں سے چلیں گے، حکومتیں تو آتی جاتی رہتی ہیں لیکن آیئے آپ کو دعوت دیتا ہوں، منت کرتا ہوں کہ یہ موقع آپ کو بھی ملا ہے ہمیں بھی ملا ہے کہ ہم قوم کے سامنے یہ ثابت کر سکیں کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کے اندر انصاف کیلئے تڑپ موجود ہے۔ ہم جوڈیشری کا احترام کرنے والی سویلائزڈ قوم ہیں۔ جو قومیں اپنی عدالتوں کا احترام کرتی ہیں، انہی کو سویلائزڈ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ چرچل نے کہا تھا کہ اگر عدالتیں ٹھیک چل رہی ہیں تو پھر برطانیہ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسی طریقے سے حضرت عمر بن ابن خطاب نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر جب پہاڑ ہل رہا تھا اس کو ٹھوکر مار کر کہا کہ رک جاؤ۔ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے اوپر ہم انصاف کرنے والے کھڑے ہیں۔ ہم نے ناانصافی نہیں کی۔ انصاف کرنے والے جب پاؤں رکھتے ہیں تو ہلتے ہوئے پہاڑ رک جاتے ہیں۔ پاکستان کی سالمیت اگر ہم چاہتے ہیں، ہم اس ملک کی سربلندی چاہتے ہیں، تو آیئے ہم اس عہد کو لے کر چلیں کہ انصاف کا پرچم بلند کریں گے۔

جاوید اشرف کی شہادت (قومی اسمبلی 17 اپریل 1996ء)

جناب والا! گزارش یہ ہے کہ جاوید اشرف جو شہید ہوئے ہیں لاہور کے اندر۔ گورنمنٹ نے کہا کہ وہ ایک دہشت گرد تھا۔ یہ شخص جو لاہور میں حلقہ 96 کا جس سے میں منتخب ہو کر آیا ہوں اس کا overall انچارج تھا۔ اس نے شہباز شریف صاحب کے ساتھ، میرے ساتھ اور میاں نواز شریف صاحب کے ساتھ کام کیا۔ وہ مجسٹریٹ تھا۔ اس نے مجسٹریسی سے استعفیٰ دے کر آ کے سیاست کے لیے۔ اس کے گھر کو میں جانتا ہوں، اس کے گھر کے تمام افراد کو جانتا ہوں، اس شخص کے پاس اپنے نئے جوتوں کے خریدنے کیلئے پیسے تک موجود نہیں تھے۔ اس کو دہشت گرد کہہ کر اور بنکوں پر ڈاکے ڈالنے والا بنا کر توہین کی گئی، سیاستدانوں کی اور سیاسی کارکنوں کی۔ مجھے افسوس ہے کہ جب بھی سیاسی قتل ہوتے ہیں وہ کس نتیجے پر پہنچتے ہیں وہ خود اس پر غور کریں۔ جناب والا! اس ملک میں جتنے سیاسی قتل ہوئے بدقسمتی سے نام نہاد جمہوری دور میں ہوئے۔ کیا ڈاکٹر نذیر شہید بدمعاش تھا؟ کیا خواجہ رفیق شہید بدمعاش تھا؟ کیا جاوید نذیر شہید لاہور کا بیٹا بدمعاش تھا؟ کیا مولوی شمس الدین ڈپٹی سپیکر بلوچستان اسمبلی بدمعاش تھا؟

جناب سپیکر! مجھے افسوس ہے، خدا کی قسم مجھے احترام ہے، ان کے کارکنوں کا میں دل کی گہرائیوں سے ہمیشہ انہیں سلام کیا ہے۔ جب میں وہاں بیٹھا ہوتا تھا، وہاں سے بھی اٹھ کر کہتا تھا کہ اپوزیشن کے اندر جو بیٹھے ہوئے مار کھا رہے ہیں، میں ان کو سلام پیش کرتا ہوں کیونکہ اس ملک میں ہم اظہار رائے کی آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے نکلے ہیں۔

جاوید اشرف کی بات ہم کر رہے ہیں، مجھے افسوس ہے کہ کس منہ سے بات کرتے ہیں میرے بھائی، میرے دوست، خدا کیلئے یہ سول سرجنگ ہونی چاہیے۔ جناب والا! یہ جاوید اشرف کا معاملہ نہیں ہے معاملہ یہ ہے کہ جاوید اشرف نے تو اس دھرتی کیلئے خون دیا ہے۔ اس کے خون کا ہر قطرہ ہمارے لئے ہماری پارٹی کیلئے ہماری سوچ کیلئے ایک نئے منشور کا باب ثابت ہوگا۔ ہم انہی قطروں پر چلیں گے۔ اس خون کو چمکا کر اپنے ماتھوں پر ملیں گے اور وطن میں آزادیوں کی جنگ لڑیں گے۔ ہم اس ملک کے جابروں کی گردنیں اور ان کی سوچوں کی ٹیڑھ، میڑھ کو نکال کر راستہ بنائیں گے۔ لیکن جناب سپیکر! مجھے یہ بتایئے کس منہ سے یہ قوم کو بتائیں گے اگر یہ سیاستدانوں کو اس طریقے سے گولیوں کا نشانہ بنائیں گے وہ کس منہ سے جا کر یہ کہہ سکیں گے کہ ہم جمہوریت کے چمپئن ہیں۔ یہ اندھیروں میں ڈال کر چلے جائیں گے پھر ماتم کناں ہوں گے۔ یہ مرثیہ خوان ہوں گے۔ ہم نے مثبت سوچ کا رخ اختیار کیا تھا آپ کس طرف لے جانا چاہتے ہیں ملک کو۔ آج میں پھر کہنا چاہتا ہوں خون کی ندیاں بہا کر آپ بھی ہم بھی چلے ہیں اداروں کی جنگ لڑنے۔ لیکن جو آپ سے اختلاف کرے اس کو اختلاف کا حق کیوں نہیں ہے۔ اس ملک کے اندر دفعہ 144 اس ملک کے اندر لاٹھی جو کچھ ہوا لاہور کے اندر وہ کل آپ پڑھیں گے اخبارات میں لیکن جناب والا! جب جبر کا دور آتا ہے تو وہاں پر بیٹھا ہوا کارکن سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس سے بہتر ہے۔ پھر کوئی اور آجائے، ہم اس سوچ تک نہیں پہنچنے دے رہے اپنے آپ کو۔ صبر کی تلقین کر رہے ہیں، ہم گولیاں اور لاٹھیاں کھانے کیلئے درمیان میں جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں، ہم ان کو روک رہے ہیں، ہم اس طریقے سے جیسے کسی نے کہا کہ ؎

جی تو چاہتا ہے لگادوں آگ کوہ طور کو
پھر خیال آتا ہے موسیٰ بے وطن ہوجائے گا

یہ میرا ملک ہے، یہ میری دھرتی ہے، اس دھرتی کو ہم کیسے خاک و خون کے حوالے کریں۔ ہم کیسے بحرانوں کے حوالے کریں۔ اس کی معیشت ٹوٹ چکی، اس کے عوام بے سمت سمتوں کی طرف دیکھتے ہیں ان کو رہنمائی نہیں ملتی۔ قافلہ سالاروں کو دیکھتے ہیں تو قافلہ سالار ڈاکو بن چکے ہیں۔ وہ لوٹ رہے ہیں۔ ان کے خون کے سودے کر رہے ہیں، ان کی جانوں کے سودے کر رہے ہیں، اس قوم کو بیچا جا رہا ہے، ہماری آوازوں کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں یہ آوازیں نہیں دبیں گی، تم گولیاں پہلے بھی آزما چکے ہو، تم گولیاں پھر آزماؤ،

تمہاری گولیاں ختم ہو جائیں گی اور آج میں کہتا ہوں ۔

یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں
جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

آج ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ۔

اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

ہم اپنی آرزوؤں کو اس طریقے سے خاک میں نہیں ملنے دیں گے۔ ہم اس ملک کی سوچوں کو جو توانا ہو چکی ہیں اس کو اندھیروں کے حوالے نہیں کریں گے۔ جو قومی مجرم ہیں، ان کے ظلم اور ان کے جبر پر مقدمے چلیں گے۔

جناب سپیکر! آج یہ کہا جاتا ہے کہ وقت کم ہے۔ وقت کس چیز کا کم ہے، وقت کم ہے ان کے اقتدار کا۔ وقت کم ہے ان کی غلط کاریوں کا، وقت کم ہے ان کے جھوٹ کا، وقت کم ہے ان کے جبر کا، وقت کم ہے ان کی آمریت کا، وقت کم ہے ان کے ظلم کا، جس طریقے سے یہ چل رہے ہیں، وہ وقت آن پہنچا ہے جب تاج اچھالے جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دیوار پر لکھا ہوا نہیں پڑھتے، یہ پڑھیں دیوار کے اوپر لکھا ہوا کہ جو اداروں کا دشمن ہوگا، اب ادارے بڑھ رہے ہیں، ہم اداروں کے محافظ ہیں، فوج اپنی جگہ پر موجود ہے، عدالتوں کو اپنی جگہ پر کام کرنے دیا جائے، ہم تو کچھ نہیں مانگتے بجز اذن کلام، ہم تو آدمی کا بے ساختہ پن مانگتے ہیں، کیا مانگ رہے ہیں ان سے، ہم ان سے کیا مانگ رہے ہیں، ہم نے اپنی باتوں کو ان ایوانوں تک پہنچانے کی اجازت مانگی کہ حضور ہمیں اجازت دو۔ نہیں، ہم اپنی بات کہنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ ہم اپنی باتوں کو کہنے کا انداز جانتے ہیں، ہماری روش کو بدلنے کی کوشش نہ کرو۔ اپنے چلن کو بدلنے کی کوشش کرو، اگر آج پھر آپ عدالتوں کو نیچے لگا کر یہ سمجھتے ہیں ملک کو زنجیریں پہنا کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پاکستان کی بربادی پر خاموش رہ جائیں گے، نہیں رہیں گے، ہم اٹھیں گے، ہم میں سے ہر ایک جاوید اشرف ہے، ہم میں سے ہر ایک کی بیٹی بیگم گورایہ کی طرح ہے، ہم یہ کہنا چاہتے ہیں اور یہ سن لیں، نہ سننا چاہیں پھر سن لیں، کان بند کرنا چاہیں تو سنانے کا طریقہ آتا ہے، ہم ان کے حواس پر چھا کر ان کے تمام اعصاب کو توڑ کر بات کرنا چاہیں تو سنانے کا طریقہ جانتے ہیں، یہ روک دیں اس ظلم کو۔ روک دیں اس جرم کو، ورنہ ان کے ہاتھوں کو اس ظلم و جبر کے ہاتھ کی ہم کلائی مروڑ دیں گے۔

برداشت کی روایت (قومی اسمبلی 6 مئی 1996ء)

جناب والا! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک طرف کانسٹی ٹیوشن کو تڑوانے والے دہشت گرد ہیں۔ اس ملک کے اندر تباہی لائی ہمیشہ انہوں نے۔ اور کبھی بھی انہوں نے جمہوریت پر believe نہیں کیا۔ دوسری طرف جب

ہمیں موقع ملا ہے۔ قائد حزب اختلاف ہوں، ان کے والد کو جیل میں ڈالا تو کون سا ہم نے توڑ پھوڑ کی۔ ان کے بھائی آج بھی جیلوں کے اندر ہیں، پہلے کہا گیا کہ ان کے اوپر کرپشن کے چارجز ہیں، ان کے اوپر موٹر وے کے اندر پیسہ بنانے کے چارجز ہیں۔ جب اڑھائی پونے تین سال وزیر داخلہ صاحب کو جرات نہ ہو سکی کہ اس کے اوپر کوئی ایک بیان بھی دے سکیں، تو آج پھر دوسری طرف جاتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس میں تو ہم ثابت نہیں کر سکے لیکن یہ دہشت گرد ہیں۔ لیکن ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم سب یہ فیصلہ کر کے چلے ہوئے ہیں کہ اس ملک کے اندر آئین کی بالادستی، عدالتوں کے احترام کیلئے جاوید اشرف نے جان دی اس نے ایک ہی پلے کارڈ اٹھایا ہوا تھا کہ سپریم کورٹ زندہ باد، وہ بھی دہشت گرد ہو گیا، اگر میاں نواز شریف کہتا ہے کہ اس ملک کے اندر سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدر آمد کرو۔ اگر اسفند یار ولی کہتا ہے کہ اس کی Implementation ہونی چاہیے۔ اس کو بھی آپ دہشت گرد declare کر دیتے ہیں، جناب والا! اس لئے یہ بہت اہمیت کا حامل ہے، اس کے اثرات آنے والے مستقبل پر پڑیں گے۔

جناب محمد جاوید ہاشمی: جو دہشت گردی کا پودا ہے اس کو انشاء اللہ نیچے سے کاٹ کر اس کی دہشت گردی کی جڑیں نکال کر باہر پھینک دیں گے اور انشاء اللہ ہم ہی اس ملک کے محافظ ہیں۔ اس ملک کے آئین کے محافظ ہیں اور جن کو یہ دہشت گرد کہہ رہے ہیں، تاریخ فیصلہ کرے گی کہ یہی وطن کے بیٹے تھے، یہی وطن کو تحفظ دینے والے تھے، یہی امن کے پیامبر تھے، یہی خوشحالی کے لانے والے رہنما تھے اور انہی رہنماؤں کو تاریخ سلام کرے گی، اس لئے میں اس بنیاد پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کو admit کیا جائے۔

متفقہ چیف الیکشن کمشنر، متفقہ سیاسی فیصلے (قومی اسمبلی 6 مئی 1996ء)

جناب سپیکر! پہلی بات تو یہ ہے کہ چھ سال سے محمود خان اچکزئی صاحب اس ہاؤس میں آ رہے ہیں، انہوں نے آج تک اپنا کوئی مسئلہ نہیں اٹھایا اور آج بھی انہوں نے اس کو اپنا استحقاق سمجھتے ہوئے مسئلہ نہیں بنایا۔ اگر یہ پریولج کی بات ہوتی تو وزیر صاحب جواب دے دیتے، جیسے نوابزادہ صاحب فرما رہے ہیں اور بات ختم ہو جاتی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اتنا بڑا واقعہ ہوا ہے جس میں صرف محمود خان اچکزئی کی ذاتی زندگی کی بات نہیں ہے۔ بات یہ ہوئی کہ پورے ملک کے اندر Law and Order situation اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ملک کے معاملات کو مزید خراب کرنے کیلئے اہم ترین شخصیات بھی ہٹ لسٹ پر آ چکی ہیں اور اس کا تذکرہ اخبارات میں مسلسل آتا رہا ہے۔ آج یہ بات محمود خان اچکزئی کے ساتھ ہوئی ہے کل کس کے ساتھ ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ لیکن اس لحاظ سے یہ بڑا اہمیت کا حامل واقعہ ہے کہ اس پر خیالات کا اظہار کیا جانا از بس ضروری تھا۔

اس سلسلے میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا محمود خان اچکزئی صاحب نے بڑی تفصیلی گفتگو کر دی ہے، اس کا پس منظر بھی بیان کر دیا ہے، میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس ملک میں جب حالات یہ رخ اختیار کر رہے

ہیں تو بیٹھ کر اس کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ جہاں تک محمود خان اچکزئی کا مسئلہ ہے تو انہوں نے ہمیشہ کھل کر بات کی ہے، ان کی باتوں سے ہمیں بھی اختلافات رہتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ وہ ہماری لائن پر چلیں، ان کی باتوں سے حزبِ اقتدار والوں کو بھی اختلاف رہتا ہے، وہ اپنے ضمیر کی بات یہاں بڑے ڈنکے کی چوٹ پہ کہتے ہیں، ببانگ دہل کہتے ہیں، اور اس پر کبھی انہوں نے کسی سے کوئی کمپرومائز نہیں کیا، ان کی بہت ساری باتیں ہمیں اچھی نہیں لگتیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی بات کرنے کے حق کو سلب کرنے کیلئے یہاں پر کوئی بھی ایسا واقعہ ظہور پذیر ہو جس میں ان کی زبان بندی کے ساتھ ساتھ ان کے وجود کو بھی اس ملک میں برداشت نہ کیا جائے۔ اس رائے کے اظہار کی آزادی کیلئے یہاں پر ایک ماحول پیدا کرنا ہے۔ بہت سے سیاسی قتل اس ملک کے اندر ہوئے ہیں، جیسے انہوں نے کہا، عبدالصمد خان اچکزئی شہید کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ روشندان سے بم نیچے گیا اور آج تک نہیں پتہ کہ کیا ہوا اور کون تھا، اسی طریقے سے یہاں مختلف حکومتوں کے ادوار میں لوگوں کی جانیں ضائع ہوتی رہی ہیں۔

جنابِ سپیکر! میں عرض کرنا چاہوں گا کہ بہت ساری باتیں یہاں پہ کی گئی ہیں سیاستدانوں کے بارے میں اور ان کے معاملات کے بارے میں ہر پاکستانی یہ کہتا ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی ووٹ کی طاقت ہوگی یا نہیں ہوگی، ان کو لانے کے عوامل اور ہیں، ان کو لے جانے کے عوام اور تھے۔ نواز شریف صاحب کو لانے کے عوامل بھی تھے، لے جانے کے عوامل بھی اور تھے، محمد خان جونیجو کو لانے کی قوتیں بھی اور تھیں، لے جانے کی قوتیں بھی اور تھیں۔ 1988ء میں رچرڈ مرفی یہاں پہ جہاز بھر کے آگیا، اس نے کہا کہ بھائی بچاؤ بے نظیر کو اور صدر صاحب کو بناؤ، صاحبزادہ صاحب کو وزیر خارجہ بناؤ۔ اور ہم سب نے آمنا و صدقنا کہہ دیا۔ بات آج چونکہ کھل کے ہو رہی ہے اور اصل ایشو کی طرف ہو رہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں بھٹو صاحب کو لانے والی طاقتیں بھی وہی تھیں اور لے جانیوالی طاقتیں بھی وہی تھیں۔ ایسے واقعات اس ملک کے اندر ہوتے رہے ہیں۔ جتنے انتخابات ہوئے سب کے نتائج متنازعہ سمجھے گئے، 1993ء کے نتائج کو ہم متنازعہ کہہ رہے ہیں، 1990ء کے نتائج کو انہوں نے متنازعہ کہا۔ 1988ء کے نتائج کے عملدرآمد پر ہمیں اعتراض تھا۔ 1985ء کے انتخابات کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ انتخابات صحیح نہیں ہیں۔ اسی طریقے سے 1977ء کے انتخابات کے بارے میں نوابزادہ نصر اللہ صاحب نے کہا کہ دھاندلی ہوئی ہے، 1970ء کے انتخابات کے بارے میں بھٹو صاحب نے کہا کہ میں عوامی لیگ کی اکثریت نہیں مانتا۔ 1964ء اور 1962ء اور 1966ء کے انتخابات بیسک ڈیموکریسی کے انتخابات تھے، وہ بھی قوم نے نہ مانے۔ 1951ء میں نوابزادہ صاحب ہماری مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے ماشاءاللہ، اس پر بھی لوگوں نے کہا کہ جھرلو ہو گیا ہے۔ اس کو جھرلو کے طور پر تسلیم کر لیا گیا اور اس سے ایک ملک بھی بن گیا اور محاذ آرائی ختم ہوئی۔ اب جب متنازعہ انتخابات کے نتائج متنازعہ ہونگے تو محاذ آرائی بڑھے گی۔ محاذ آرائی سے فیصلے

نہیں ہوتے۔ اس لئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج ہم یہ فیصلہ کریں، فیصلہ کرنے کا حق یہ ایوان اپنے پاس لے، یہاں سے بنائیں ٹریبونل، اس ٹریبونل کے سامنے یہ بات رکھ دی جائے اور اس میں حزب اقتدار کے لوگ بھی ہوں اور حزب اختلاف کے لوگ بھی ہونگے۔ اس کے اندر کوئی بھی ملوث ہے، سب کو اس کے نیچے لے آئیں، وہ آئی ایس آئی ہے، وہ پیپلز پارٹی ہے، وہ ذاتی جھگڑا ہے، وہ کچھ بھی ہے، یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ غریب آدمی کو بھی انصاف ملے گا۔ محمد خان اچکزئی کو بھی اطمینان حاصل ہونا چاہیے کہ، جو بھی culprits تھے، اس کو قوم کے سامنے لا کے کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اسی طریقے سے میں انتخابات کے بارے میں بھی کہتا ہوں۔ ہم اس محاذ آرائی کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اسی ایوان سے محترمہ بے نظیر کے منشور کے مطابق متفقہ چیف الیکشن کمشنر ہو، وہ اگر کل کو دھاندلی کے نام پر چھ آدمی نکال دیتا ہے، وہ کہتا ہے جاوید ہاشمی نے دھاندلی کی تھی تو اس کو پوری قوم مانے گی، کیونکہ وہ دونوں طرف کا بنا ہوا آدمی ہوگا، تو انتخابات کے نتائج متنازعہ نہیں ہوں گے۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ اور پارلیمنٹ کی بالادستی (قومی اسمبلی 25 مارچ 1996ء)

DISCUSSION ON THE JUDGEMENT OF THE SUPREME COURT

جناب سپیکر! آج کے دن جس وقت ہم یہ بحث کر رہے ہیں کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد ہونا چاہیے یا نہیں ہونا چاہیے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ it is a sad day اور یہ ہمارے ملک کی آئینی جدوجہد کے حوالے سے واقعی تاریک ترین دن ہے کہ ایک حکومت جو جمہوری حوالوں سے اپنی پہچان کراتی ہے، ایک پارٹی جو جمہوری جدوجہد سے اپنے آپ کو سرفراز گردانتی ہے وہ پارٹی اور اس پارٹی کی حکومت آج سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد نہ کرنے کی وجوہات بتا رہی ہے۔

سر! بات یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ دیا ہے۔ اب وہ فیصلہ بنیادی طور پر جب دیا گیا ہے تو اس میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس فیصلے کو غلط قرار دینے کا یا اس کی تشریح کرنے کا اختیار کس کو ہے؟

یہاں پر سپرمیسی آف دی پارلیمنٹ کا شاید انہوں نے مطلب ہی نہیں سمجھا۔ سپرمیسی آف دی پارلیمنٹ یہ ہے کہ آئین بنانے کا حق پارلیمنٹ کو ہے۔ آئین کو بناتی ہے پارلیمنٹ مجلس شوریٰ۔ جب وہ بن جاتا ہے تو اس کی تشریح کا حق حاصل ہے جوڈیشری کو۔ یہ ہمارا آئین جو کہہ رہا ہے، میں وہ کہہ رہا ہوں۔ عدلیہ جو تشریح کرے، اس پر پابند ہے عملدرآمد کرنے کیلئے انتظامیہ، اور انتظامیہ کا چیف ایگزیکٹو جو ملک کا وزیراعظم ہوتا ہے یا ہوتی ہے۔

جناب والا! ان تمام چیزوں کی تشریحات پھر آئین کرتا ہے۔ اگر کسی مرحلے پر پارلیمنٹ یہ سمجھتی ہے کہ سپریم کورٹ کے پاس یہ فیصلے نہیں ہونے چاہئیں یا ان کے پاس یہ پاورز نہیں ہونی چاہئیں تو پھر حق حاصل ہے اس پارلیمنٹ کو، اس کی سپرمیسی ہے کہ they should change the law' not only ordinary law

but we can amend the Constitution. That Power lies with us, that supremacy lies with us کہ ہم جب چاہیں، ہم محسوس کریں کہ سپریم کورٹ کے پاس یہ پاورز زیادہ چلی گئی ہیں تو.Through an amendment we can withdraw those powers ماضی میں، 1976ء میں ایک آخری ترمیم ہوئی تھی آئین میں، جس کو ہم ساتویں ترمیم کہتے ہیں، آئین کی، پیپلز پارٹی کی اس وقت کی گورنمنٹ نے جوڈیشری کی پاورز کو واپس کیا تھا۔

جناب سپیکر! کیا نتیجہ نکلا، اس ترمیم کا، جس میں یہ پہلی دفعہ طے کیا گیا کہ آپ ججوں کے تبادلے کر سکتے ہیں، ججوں کو آپ ہائی کورٹ سے اٹھا کر سپریم کورٹ میں لا سکتے ہیں۔ اسکا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جوڈیشری کو اس وقت آپ نے چھیڑا؟ اس کا رزلٹ مارشل لاء آیا۔ مارشل لاء کا رزلٹ ذوالفقار علی بھٹو کی hanging ہوئی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے بعد جو پولورائزیشن نے جنم لیا۔ ملک کے اندر ادارے تباہ ہوئے۔ کس کو آپ سپرمیسی آف دی پارلیمنٹ کہتے ہیں؟ کیا یہ سپرمیسی آف دی پارلیمنٹ ہے کہ پارلیمنٹ کا ایک حصہ تو سونے کا ہے اور ایک حصہ کوئلے کا ہے؟ سپرمیسی آف دی پارلیمنٹ کا یہ مطلب ہے کہ آپ ممبران کو عدالتوں کے سامنے پیش نہ ہونے دیں؟ ان کو جیلوں میں ڈال دیں، ان کو سڑکوں پر بے عزت کریں۔ آپ ان کو لاٹھیاں ماریں۔ ان کے والدین کو جو سیاست میں بھی نہیں، ان کو گھسیٹیں، ان کے گھروں سے گریبانوں سے پکڑ کر Is that the supremacy of the Parliamnet? افسوس ہونا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ کس سپرمیسی آف دی پارلیمنٹ کی بات کرتے ہیں؟ آج یہاں مصطفیٰ کھر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ حنیف رامے صاحب پنجاب میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو صاحب سے بات چل رہی تھی، میں نے کہا جناب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو صاحب! آپ فاشسٹ ہیں، فاشسٹ۔ انہوں نے کہا تمہیں فاشزم کی تعریف بھی آتی ہے یا نہیں آتی؟ میں نے کہا جناب I am student of philosophy میں نے فلاسفی پڑھی ہے۔ میں ڈیفینیشن جانتا ہوں کہ جو فاشسٹ ہوتا ہے وہ اینٹی انسٹیٹیوشن ہوتا ہے، وہ اینٹی ٹریڈیشن ہوتا ہے، انٹی پریسیڈنٹ ہوتا ہے۔ اپنے ماضی سے غداری کر کے وہ ایک فرد کے اندر پاور جمع کرتا ہے، اس فاشزم میں سے ہٹلر نکلتا ہے۔ مسولینی نکلتا ہے اور ہٹلر اور مسولینی کے پیچھے تباہی آتی ہے۔ ملک ٹوٹتے ہیں۔ اسمبلی ٹوٹتی ہیں، ایوانوں کو آگ لگائی جاتی ہے، آپ کے پیچھے یہی ہوگا، جب آپ حزب اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتے، جب آپ اختلاف کرنے والوں کو برف کی سلوں پر لٹانا چاہتے ہیں تو آپ کس کے حوالے سے حکومت چلانا چاہتے ہیں؟

اس وقت مصطفیٰ کھر نے کہا تھا کہ جی جاوید ہاشمی نے تقریر میں کہا ہے کہ میں ذوالفقار علی بھٹو کو گلے میں رسہ ڈال کے کھینچوں گا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کہا، یار کہہ دیا ہوگا۔ لیکن آیئے بیٹھ کے بات کریں کہ ملک کیسے چلانا ہے۔ میں نے کہا جناب! میں یہ کہنا چاہتا ہوں، آیئے، آئین کی بالادستی تسلیم کریں، اس میں آپ کی پارلیمنٹ کی

بالادستی آئے مگر آپ اس وقت آئین کی بالادستی تسلیم نہیں کرتے۔ آئینی بحران آپ خود کھڑے کرتے ہیں۔

آج آئینی بحران ہے، آیئے کتاب کھول کر دیکھیں۔ پوری سپریم کورٹ نے اجتماعی طور پر فیصلہ دیا ہے اور سپریم کورٹ کی ججمنٹ کی تشریح کرنے کا اختیار صرف ایک غضنفر گل کو نہیں مل گیا، اس کی تشریح کرنے کا اختیار بھی سپریم کورٹ کے پاس ہے۔ کوئی ریویو میں جانا چاہتا ہے، کانسٹی ٹیوشن کے اندر Those remedies are available. According to those remedies you go to the Supreme Court and they will decide, they will review ہمارے خلاف فیصلے ہوئے۔ میری الیکشن پٹیشن میں ہوا فیصلہ۔ میں گیا سپریم کورٹ کے پاس۔ شیر افگن بیٹھا ہوا ہے، اس کے خلاف فیصلہ ہوا۔ یہ گیا ریویو کے اندر اسی سپریم کورٹ کے پاس there is a channel اس چینل کو توڑ کے، آپ جب چینل توڑتے ہیں، ٹریڈیشن کو توڑتے ہیں اس کا رزلٹ کیا نکلتا ہے؟ جناب سپیکر! میں آج یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایشو یہ نہیں ہے کہ فیصلہ کیسے ہونا چاہیے تھا یا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ بات کرنے کی نہیں ہے، بات کرنے کی یہ ہے کہ اگر اس ملک کے اندر سپریم کورٹ کی ججمنٹ بھی متنازعہ ہو جاتی ہے، وہ متنازعہ کر کے ہم اس میں سے بھی اپنے راستے نکالتے ہیں تو پھر کیا نکلے گا؟ اس میں سے ہم کون سا راستہ نکالیں گے؟ میں آپ سے عرض یہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں ان سے درخواست کروں گا۔ ہماری پارٹی کا یہ موقف نہیں ہے، پوری قوم اس وقت تذبذب میں آئی ہوئی ہے۔ پوری قوم، آپ جناب! جایئے آج اداروں کے اندر، وکلاء کو دیکھیے، ان ججوں کو دیکھیں جن کے حق میں یا خلاف فیصلہ آیا ہے۔ ان ججز نے بھی کہا کہ ہم متنازعہ ہو گئے ہیں، ہم عدالتوں میں جا کے نہیں بیٹھیں گے۔ لیکن ان کو گورنر آف پنجاب فون کرتا ہے، یہاں سے فون جاتے ہیں کہ اگر آپ جا کے نہیں بیٹھے، ہم آپ کو نکال دیں گے۔ ہم دوبارہ جج نہیں بننے دیں گے۔

جناب والا! یہ ایک تاریخی فیصلہ ہے جو آیا تھا، میں سمجھتا ہوں یہ اس ملک کی تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھا جانے والا فیصلہ ہے۔ اس فیصلے سے قوم کی قسمت بدلی ہے۔ اس فیصلے سے نئی راہیں روشن ہوئی ہیں۔ اس فیصلے سے کنٹرول ہوا ہے، کون گورنمنٹ اس کو resist کر رہی ہے؟ جو رول آف لاء میں believe کرتی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ ہم جمہوریت کے راستے سے آئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ repeat ہو جائے گا۔ اور خدا نہ کرے کہ وہ repeat ہو جو یہ کرتے ہیں۔ لوگوں کی سوچوں پر پردے ڈالتے ہیں، جب یہ جوڈیشری کے اوپر قدغنیں لگاتے ہیں، جب یہ اداروں کو اپنے پاؤں میں روندنا چاہتے ہیں، جب یہ خاندان کی حکومت قائم کر کے پاکستان کے بارہ کروڑ عوام کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں، یہ اپنے سے inferior سمجھتے ہیں، اپنے آپ کو اکاؤنٹ ایبل نہیں سمجھنا چاہتے Before the Assembly, Before the Parliament اگر یہاں کھڑے ہو کے ہم ان کی اکاؤنٹ ایبلٹی کرتے ہیں تو ہمارے تمام ساتھیوں کو، یہ حاجی بوٹا بیٹھا ہوا ہے، کیا قصور تھا حاجی بوٹا کا۔ احتساب کی

بات کررہے تھے، ہم کہہ رہے تھے کہ تم لوٹ رہے ہو، تم لوگوں پر ظلم کررہے ہو۔ تم زیادتیوں کے ذریعے ایک فاشسٹ حکومت بن کے اس ملک کو بدنام کررہے ہو، تم آئین کی دھجیاں اڑا رہے ہو، اس پر کیا ہوا؟ یہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آج بھی ہر آدمی سامنا کررہا ہے اکاؤنٹ ایبلٹی کا۔ ہر ایک کے خلاف کیس ہیں؟ ہر ایک کے خلاف ہمارے خلاف جو بھی ہورہا ہے، ہم اس کیلئے کبھی نہیں چلائیں گے۔ ہم اس فیصلے کا ڈیفنس کررہے ہیں، ہم فیس کررہے ہیں اس تشدد کو۔ ہم فیس کررہے ہیں اس فاشزم کو، ہمارے ساتھ زیادتیاں ہوئی ہیں، برداشت کریں گے، لیکن آج یہ آئین کے ساتھ زیادتی کریں، یہ ملک کے وجود کو پھر بکھیر کے قوم کو بحرانوں کے حوالے کریں، قوم کے وہ فیصلے جو عدالتوں میں طے ہوئے تھے ان کو گلیوں میں لے کے جائیں اور ملک کو خانہ جنگی کے حوالے کردیں، لوگوں کی جانوں کو گولی کے اوپر فیصلہ کرنے کا یہ حق حاصل کرلیں، نہیں ہم لڑیں گے، اس کے خلاف ہم جنگ لڑیں گے، اس کے خلاف ہم ایوان میں لڑیں گے، ایوان سے باہر لڑیں گے، گلیوں میں لڑیں گے، وہ جنگ جاری رہے گی اور اس جنگ کے ذریعے انشاء اللہ ہم عدلیہ کا وقار بھی بحال کریں گے، اس پارلیمنٹ کا وقار بھی بحال کریں گے اور پاکستان کے پرچم کو سرنگوں، فاشزم کے آگے نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے پہلے ملک توڑا تھا، انہوں نے پہلے ملک کو دو ٹکڑے کیا تھا، اب وہ ٹکڑے نہیں ہونے دیں گے، ہم لڑ رہے ہیں۔ ہم بیٹے ہیں اس وطن کے، ہم محافظ ہیں اداروں کے، ہم محافظ ہیں جوڈیشری کے، ہم محافظ ہیں فوج کے، ہم محافظ ہیں ہر ایک شہری کے۔

عرض کررہا ہوں کہ انسٹی ٹیوشنز، اداروں کی بحالی کیلئے یہ فیصلہ متنازعہ نہیں ہونا چاہیے تھا نہ متنازعہ ہوگا۔ جناب سپیکر! میری گزارش کرنے کا مقصد اور کچھ نہیں ہے، میری گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ٹھنڈے دل سے، میں پہلے کہہ رہا ہوں کہ بڑے ٹھنڈے دل سے، بڑے دھیمے طریقے سے، جذباتی ہم نہ ہوں، جذباتی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں اگر آپ جذباتی ہوسکتے ہیں، ہمیں بھی جذباتی ہونا آتا ہے۔ میں اس لئے جذباتی ہوکر بات کررہا تھا کہ آپ کو بتایا جائے، میں آرام سے بات کررہا تھا، کوئی مداخلت کرے تو میں اپنے حق کا تحفظ کرنا جانتا ہوں۔ جناب سپیکر! میں اپنے رائیٹ کو پروٹیکٹ کرنا جانتا ہوں۔ تو میں آپ سے یہ عرض کررہا تھا کہ جو ہماری اعلیٰ عدالتیں ہیں ان کو آئین کے مطابق آئین کے پیچھے لے کر آئیں۔

جناب سپیکر! کوئی بات نہیں، جو جائز بات میرے بھائی کی ہوگی میں اس کو بھی تسلیم کرلوں گا، ہمارے بھائی ہیں، ہمارے ساتھی ہیں، ہمیں ان کا احترام ہے۔ انکا تنقید کرنے کا حق بھی ہمیں تسلیم ہے۔

جناب والا! میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان دوستوں کا بے چاروں کا قصور ہی نہیں ہے، جناب ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی اس وقت کابینہ کے اندر وزیر داخلہ تھے۔ محمود ہارون صاحب۔ جب آصف علی زرداری کے خلاف ریفرنسز تیار کئے گئے ریکارڈ اٹھا کے دیکھیں، کیس اس کا بنایا کمال اظفر نے، فیس بھی لی اس نے، نواز شریف نے نہیں بنایا وہ کیس، کیسز بنائے غلام اسحٰق خان نے، بنانے والا کمال اظفر، وہ تو خوش تھیں۔ جب وہ گورنر بنا ہے

باجاپانی کی تو شوگر مل بھی لگی ہے وہ بھی ملتی ہے یا نہیں ملتی۔ بے چارے کو، مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ بڑی ہمدردی ہے اس سے۔ ان کو کیا ملا؟ ملائی کھانے والے کہاں گئے ہیں؟ جس نے فینسیں لیس آصف علی زرداری کو جیل میں رکھنے، اس کو گورنر بنایا۔ اس کو انعام ملا۔

شہباز شریف کی آمد (قومی اسمبلی 6 نومبر 1995ء)

مخدوم محمد جاوید ہاشمی: جناب والا بات یہ ہے کہ شہباز شریف صاحب کے آنے پر جو رویہ اختیار کیا گیا وہ قابل مذمت ہے۔ وہ پنجاب کے لیڈر آف دی اپوزیشن ہیں۔ ان کے آنے پر لوگ ان کو receive کرنے گئے۔ 1986ء میں محترمہ پرائم منسٹر صاحبہ تشریف لائیں تھیں، اس وقت وہ اپوزیشن میں تھیں۔ ایم این اے بھی نہیں تھیں اور الیکشن کے پراسیس سے بھی نہیں گزری تھیں۔ آسمان نے اس وقت بھی دیکھا تھا، پیپلز پارٹی کے ورکرز جہاز میں گئے وہ تمام سیکورٹی کے انتظامات کو درہم برہم کر کے جہاز میں گھسے، کسی نے نہیں روکا تھا۔ اس وقت پنجاب کے چیف منسٹر میاں نواز شریف صاحب تھے۔ وہ اس وقت لاہور کو کنٹرول کر رہے تھے۔ میاں نواز شریف طاقتور چیف منسٹر تھے، ہر آدمی جانتا ہے اس ملک کا۔ اس وقت جلوس اس شہر سے گزرا، ان کے دفتر کے آگے سے گزرا، گورنر ہاؤس کے آگے سے گزرا اور جیسے کہا ہے بھائی افتخار گیلانی نے سولہ گھنٹے تک وہ جلوس گزرتا رہا۔ اب آسمان نے دوسرا منظر دیکھا ہے، وہ آمریت کا دور تھا۔ ضیاء الحق اس وقت صدر بیٹھے تھے۔ اب جو دور آیا ہے یہ جمہوریت کا دور ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی جمہوریت کا۔ میں تو سیدھی سی بات کرنا چاہتا ہوں، ان کے فائدے کی بھی، اپنی بھی۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس جمہوریت کو کیا نام دیا جائے اور اس آمریت کو کیا نام دیا جائے۔ بے نظیر بھٹو صاحبہ نے باعزت طور پر منڈی بہاؤ الدین اور وزیر آباد تک آ کر لیاقت آباد میں جلسہ کیا اور دوسری طرف جو جمہوریت کا دور ہے۔ اس میں لاہور کی گلیاں لہولہان ہو جائیں۔ دیکھیں تصویریں آپ پریس کے اندر، عورتیں نیچے پھینکی ہوئی ہیں، پولیس والے ان پر ڈنڈے لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ عورتوں کو پیٹا جا رہا ہے، بچوں پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ میرے ساتھ ذاتی طور پر جناب سپیکر! میں جب شیر پاؤ پل کے پاس آیا، میرے ساتھ اقبال خاکوانی تھے، ملتان کے ایم پی اے ہیں، ہمیں کہا گیا کہ آپ نہیں جا سکتے، گاڑی سے اتر کر جانا ہوگا۔ بڑی مشکل سے وہاں سے نکلے، آگے جا کر انہوں نے ہمیں اتار دیا۔ تین فرلانگ کے قریب میں اور اقبال خاکوانی پیدل چلے ہمارے اوپر آنسو گیس کی شیلنگ کی گئی۔ سیدھے انہوں نے گولے پھینکے اور پھر ہم اپنی آنکھوں پر کپڑے بھگو کر رکھ کر وہاں پر پہنچے۔ وی آئی پی لاؤنج میں ہم گئے تو ہمیں داخلے سے انہوں نے روک دیا۔ جناب سپیکر! وی آئی پی لاؤنج کوئی ضروری نہیں ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ ان وی آئی پی لاؤنجوں کی کیا ضرورت ہے۔ عوام کے نمائندے ہیں تو یہ وی آئی پی لاؤنج ختم کر دیں ہم اس کا اٹھ کے خیر مقدم کریں گے۔ لیکن کیا ہوا کہ وہاں جب اندر داخل ہوئے تو دو سو پولیس والے پہلے ہی ائیر پورٹ کے اندر تھے، جہاں اجازت نہیں ہوتی، وہاں ڈی ایس پی، مجسٹریٹ دو سو

آدمی بیس آدمیوں پر لاٹھی چارج کر رہے تھے۔ ایک ایم پی اے کو نیچے پھینک کر مقصود بٹ کی، انہوں نے ویسٹ کوٹ پھاڑ دی، اس کی قمیض پھاڑ دی، بے شمار لوگوں کو مارا۔ باہر کا منظر میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، مسلم لیگ کے آفس پہ حملہ کیا گیا، پنجاب کے آفس پر، فاشزم میں جناب یہ ہوتا تھا۔ مسولینی یہ کرتا تھا، ہٹلر کرتا تھا کہ اپنے مخالفین کی پارٹی کے دفتروں پر وہ حملے کرواتے تھے۔ اب کیا ہوا ہے کہ مسلم لیگ پنجاب کا دفتر جس کے اندر نوابزادہ نصراللہ صاحب بھی بیٹھتے رہے ہیں، جمہوریت کی تحریکوں کا مرکز رہا ہے۔ اس کے اوپر ہلہ بولا، وہاں پہ کیا نکلا۔ کلاشنکوف چھوڑیں، کوئی چاقو نکلا، کوئی پمفلٹ نکلا، ایک اتنی بڑی پارٹی کے دفتر کو کیوں اس طریقے سے ریڈ کیا۔ چھوٹی سی پارٹی کے دفتر کو ریڈ کرنا فاشزم ہے۔ آپ قوم کو کیا دینا چاہتے ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں ان سے، سچی بات یہ ہے کہ اگر لڑائی کی بات ہوگی، تو اس سے نتیجہ کوئی نہیں نکلے گا۔ کوئی فائدہ آپ کو بھی نہیں ہوگا۔ ان کو بھی نہیں ہوگا۔ قوم نے ہمیں منتخب کیا ہے۔ وہ نظریں اٹھا کے بیٹھی دیکھ رہی ہے کہ ہمارے نمائندے ہمارے ترجمان ہمارے وزرائے اعظم، ہمارے ایم این ایز، ایم پی ایز، ہمارے مسئلوں کا حل تلاش کر رہے ہیں۔ قوم نے ہمیں سہولتیں فراہم کیں۔ ہمیں لاڈ پیار دیا۔ جہازوں کے اوپر سفر دیا، بیرون ملک دورے کرتے ہیں، چھینک آتی ہے تو علاج کیلئے امریکہ چلے جاتے ہیں، پیسہ امریکہ چلا جاتا ہے، پیسہ قوم کی جیب سے جاتا ہے، اتنے اللے تللے، اتنے لاڈ ناز ہم کر رہے ہیں، قوم دیکھ رہی ہے کہ یہ ہمارے شہزادے ہمارے مسئلوں کا حل سوچیں گے۔ وہ یہ نہیں سوچ رہے کہ اس نظام سے بادشاہ نکلیں گے جو اپنے مخالفوں سے کہیں گے کہ ان کی زبان گدی سے کھینچ لو۔ شہباز شریف کو جیل میں ڈال دو یا جو اس کے اوپر احتجاج کرتا ہے، لاٹھیوں کے ساتھ اس کا سر توڑ دو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ جناب! ایم پی ایز کے کندھوں پہ گولیاں لگی ہیں، ایم این ایز کے سر کے اوپر پتھر مارے ہیں اور زخم آیا ہوا ہے۔ یہ کیا طریقہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قوم ان حرکتوں سے تنگ آ چکی ہے، وہ ہماری ہوں یا آپ کی ہوں، ہم اگر اس کا حل تلاش نہیں کرنا چاہتے، تماشا دکھانا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے تماشہ دکھائیں۔ لیکن ذمہ داری ہم سب کے اوپر ہوتی ہے، ہم پہ بھی ذمہ داری ہے، آپ پہ بھی ذمہ داری ہے۔ کوئی اگر سمجھتا ہے کہ اس طریقے سے شہباز شریف جھک جائے گا، یہ غلط فہمی ہے، خوش فہمی ہے۔ اس طریقے سے کون جھکتا ہے اور پھر شہباز شریف اور نواز شریف۔ جن کے پچھتر سالہ والد کو انہوں نے جیل میں ڈالا۔ انہوں نے اف تک نہیں کی۔ ان کی تین نسلیں جیل میں گئی ہیں۔ وہ عباس شریف بیٹھا ہوا ہے، ایم این اے، ان کو جیل میں ڈالا، جائیدادیں چھینیں۔ تو اس سے کیا فرق پڑا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر قوم کا ساتھ دیا۔ آج کھڑے ہیں قوم کے ساتھ اور قوم بھی، وقت آ رہا ہے، ان کے ساتھ کھڑی ہوگی۔ جناب سپیکر! میری طرف آپ ضرور دیکھ رہے ہیں، مجھے کوئی شوق لمبی بات کرنے کا نہیں ہے، میں اپنا درد آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ میں نے اپنی ذاتی بات اس لئے نہیں کی، جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا سو ہوا۔ میں اپنے درد کی بجائے ان کا درد آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں کہ اس پراسیس سے ہم

ناامیدی پیدا کر رہے ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ سیاست میں اس طریقے سے دبا لیا جائے گا، کوئی نہیں دبتا۔ یہ وقت بتائے گا کہ قوم کس کے ساتھ کھڑی ہے۔

بے نظیر حکومت سے تعاون کا اعلان (قومی اسمبلی 4 ستمبر 1996ء)

شکریہ جناب چیرمین! جناب چیئرمین اصدارتی خطاب پر ووٹ آف تھینکس کیلئے ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنی جگہ پہ ہے، دوسری طرف حقائق ہیں قوم کے سامنے۔ بدقسمتی سے صدر محترم نے قوم کی ترجمانی نہیں کی۔ حکومت وقت کی ترجمانی کی ہے۔ اس تقریر کے ذریعے جناب والا! آج پاکستان کی جو شکل وصورت ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔

جناب چیئرمین! اس تقریر میں بھی صدر محترم کا ایک فقرہ بولتا ہوں، "آج جب کہ ہمیں آزادی و استقلال حاصل کیے ہوئے تقریباً نصف صدی گزر چکی ہے ہم من حیث القوم بہت سی مشکلات سے دوچار ہیں۔ بھارتی حکومت اور اس کی افواج نے کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی کی بدترین مثال قائم کر کے کشمیریوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنا رکھا ہے اور اپنی ظالمانہ بربریت سے ان کو یو این او کے فیصلے کے خلاف استصواب کا حق استعمال کرنے سے محروم رکھا ہوا ہے۔ کراچی میں امن وامان کی صورت حال بدستور باعث تشویش ہے جس کی وجہ سے معاشی ترقی میں رکاوٹیں حائل ہوگئی ہیں۔ افراط زر کی شرح ابھی بھی ناقابل قبول ہے اور گرانی کی وجہ سے خواتین خانہ اور عام لوگ نالاں ہیں۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے درمیان ہم آہنگی مفقود ہے۔ اور اختلافات کی خلیج بدستور حائل ہے۔" میں اس تصور کی طرف جو صدر محترم نے بیان کیا ہے یہ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں گذشتہ دو سال کے رویوں کا جائزہ لینا ہوگا اور اپنے رویوں کے اندر دیکھنا ہوگا کہ ہم نے جمہوریت کی کتنی خدمت کی ہے کتنی ہمیں کرنی چاہیے تھی۔ ہم نے ملک کی کتنی خدمت کی، کتنی کرنی چاہیے تھی۔ ہم نے ملک کی معیشت کی کتنی خدمت کی ہے، کتنی کرنی چاہیے۔ جب یہاں اداروں کی گفتگو ہوتی ہے یا یہاں پہ اسمبلی کے وجود کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس کیلئے قوم کو ایک Justification بھی Provide کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ انفرادی طور پر بھی اجتماعی طور پر بھی، سیاسی جماعتوں کے حوالے سے بھی اور جمہوریت کے تقاضوں کیلئے اپنی جدوجہد کرتے ہوئے بھی۔

جناب چیئرمین! بدقسمتی یہ ہوئی ہے کہ آج جب میں یہاں کھڑا گفتگو کر رہا ہوں پاکستان کے اندر جیلیں سیاسی قیدیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ آپ ملتان کی جیل میں جائیں وہاں آپ کو مسلم لیگ کی خواتین جیلوں میں نظر آئیں گی۔ آپ لاہور میں جائیں اس وقت بھی وہاں پہ سیاسی قیدی موجود ہیں۔ آپ راولپنڈی میں جائیں وہاں پر بھی آپ کو ایم پی ایز اور ایم این ایز پابہ جولاں نظر آئیں گے۔ ہم معیشت کی طرف جاتے ہیں تو صبح جب اخبارات ہم اٹھاتے ہیں۔ ملک تشویش کے اندر مبتلا پاتے ہیں۔

جناب چیئرمین! بات یہ ہے کہ سیاست چلتی رہتی ہے۔ میں اٹھائیس سال سے سیاسی کارکن ہوں اور یہ

عجیب اتفاق ہے کہ اٹھائیس سال میں اپنے یا ادھر کے جو بھی حکمران آئے ہیں، مجھ پر ہر حکومت میں پرچے درج کئے گئے ہیں۔ جیلوں میں بھی ڈالا گیا ہے۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں بھی ہم جیلوں میں گئے ہیں۔ یحییٰ خان کے دور میں میں جیلوں میں گیا ہوں۔ بھٹو صاحب کا دور آیا تو جیلوں میں گئے ہیں۔ پھر جناب ضیاء الحق صاحب آئے، ان کے دور کے پرچے میرے پاس آج بھی موجود ہیں۔ جو نیجو صاحب کے دور کے پرچے بھی موجود ہیں پھر محترمہ صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ Politically آپ لوگ سیاست کے اندر یہ اگر (مداخلت)

مخدوم محمد جاوید ہاشمی: جی ہاں شاید یہی ہے میرے ذہن کی سیاست کہ میں نے آج تک کوئی پلاٹ نہیں لیا ہے بڑا بیوقوف ہوں۔ نہ کسی بینک سے قرضہ لیا ہے۔ اپنے اٹھائیس سالہ سیاسی اس ورکرشپ میں۔ لیکن accountability politicians کی ہی ہوتی ہے اور کسی ادارے کی نہیں ہوتی۔ اسی لئے ہوتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو برداشت کرنے کیلئے جب تیار نہیں ہوتے تو پھر جو غیر جمہوری قوتیں، آخر کار کامیاب ہوتی ہیں۔ ایک پوری صف لپیٹ لی جاتی ہے۔ ہمارا جو میڈیا ٹرائل ہوتا ہے، میں کہتا ہوں وہ بھی ہماری favour میں ہے۔ اگر پریس ہمارے خلاف لکھتا ہے اچھی بات ہے۔ اس سسٹم کے اندر میرے خلاف لکھے، مجھے وضاحت کا موقعہ ملتا ہے۔ اخبارات کے اندر۔ اگر ایک دن ایک اخبار نے لکھا کہ دو ہزار روپے جاوید ہاشمی نے ایک کمرے کے جمع نہیں کروائے تو اچھی بات ہے، اگر وہ غلط تھا تو مجھے دوسرے دن clarify وضاحت کرنے کا موقع ملا۔ میں سمجھتا ہوں اگر سسٹم چلتا رہے تو سیاستدانوں کی accountability روزانہ ہوتی ہے۔ یہاں ہاؤس میں ہوتی ہے۔ آصف علی زرداری کے بارے میں ہم بات کرتے ہیں تو ان کو بھی clarification کا موقع ملتا ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ دو ہزار روپے اگر میں نہیں جمع کرواتا تو دوسرے دن وہ ایک اخبار کی ہیڈ لائن بنتا ہے مگر اس ملک کے اندر کسی بیوروکریٹ کی کرپشن کے بارے میں کبھی نہیں چھپتا ہے۔ کبھی اسٹیبلشمنٹ کے کسی اور ادارے کے کسی فرد کے بارے میں نہیں چھپتا۔ کسی اور کے بارے میں نہیں چھپتا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہمارے یہاں exposure ہے politicians کا۔ اس exposure کے حوالے سے جو کچھ قوم کے سامنے آ رہا ہے، سیاستدان کو وہ موقع بھی مل رہا ہے clarify کرنے کا، through democratic system لیکن victimization سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ آج صدر محترم آئے تقریر کر کے چلے گئے۔ زرمبادلہ کہاں پہنچا ہوا ہے، اکانومی کی پوزیشن کیا ہے، ہم دنیا کے اندر ان قوموں میں آ گئے ہیں جو ترقی پذیر نہیں پسماندہ قومیں ہیں۔ ہمارے تعلیمی معاملات کہاں پہ پہنچے ہوئے ہیں۔ ہم صرف یہ چاہ رہے ہیں کہ ہم مخالفین پر زیادہ سے زیادہ تشدد کریں، اس سے راستہ نہیں بنے گا۔ میں ہو کے آیا ہوں پندرہ دن۔ آپ جائیں لاڑکانہ میں لوگ سڑکوں پہ کھڑے رو رہے ہیں۔ اپنے مطالبات کیلئے۔ ان کی قسمت نہیں بدلی۔ جو انہوں نے خواب سجائے

تھے اپنی آنکھوں میں جو انہوں نے اپنے ذہن کے اندر سوچا تھا، شہداد کوٹ میں ہم جلسے میں گئے محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کا حلقہ ہے، شہداد کوٹ۔ شہداد کوٹ کے لوگ ان کی حسرتیں پوری قوم کی حسرتیں بن چکی ہیں اور حکومت کیا ہے۔ اس ملک کے اندر ہم آلو امپورٹ کر رہے ہیں، یہ ہمارا حال ہو رہا ہے۔ کسان کو ٹریکٹر پانچ مہینے سے نہیں مل رہا، پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ اے ڈی بی پی میں ایک ٹریکٹر کا ڈرافٹ دینے کیلئے پانچ مہینے لگ گئے۔ آپ کی زراعت تباہ ہو رہی ہے۔ آپ ڈیزل کا حساب دیکھیں، آج جا کر پاور کا بل دیکھیں۔ بے روزگاری چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، میں ماضی کی طرف نہیں جانا چاہتا، ہو سکتا ہے ماضی میں مجھ سے بھی غلطیاں ہوئی ہوں، ادھر سے بھی ہوئی ہوں، اس پارٹی سے بھی ہوئی ہوں، ہم یہ کہنا چاہتے ہیں نتیجہ کیا ہوا کہ ملک مارشل لاء کی طرف چلا گیا۔ برداشت نہیں کریں گے ایک دوسرے کو تو نتیجتاً پوری قوم خمیازہ بھگتی ہے اس کا۔ آج پھر اس intolerance کی وجہ سے۔ قوم پھر اس طرف چلی جا رہی ہے۔ میرے دوست بیٹھے ہوئے ہیں، میں ماتلی سے ہو کے آیا ہوں۔ میں شاہ پور جہانیاں سے ہو کے آیا ہوں۔ میں قاضی احمد سے ہو کے آیا ہوں، ایک ایک جگہ۔ آپ چیک کر دیکھیں، ٹھار و شاہ میں جا کے بیٹھیں، نواب شاہ میں دیکھیں، نوشہرو فیروز میں دیکھیں، کہیں جا کے دیکھیں۔ ٹنڈو آدم جا کے دیکھیں، ٹنڈو محمد خان میں دیکھیں، پورے سندھ میں جا کے دیکھیں۔ جو ابل رہا ہے، لاوا کس کے خلاف ابل رہا ہے، لاوہ ابل رہا ہے ان حکومتوں کے خلاف جو ان کے نام پہ اقتدار حاصل کرتی ہیں، لیکن پھر ان کو ان کا حق نہیں دیتیں۔ میں نے یہاں بات کی دوسرے دن اڑھائی ہزار پولیس بٹھا دی۔ انہوں نے میری زمین پہ، ہائی کورٹ نے مجھے Stay دیا اور ان سے میری جان چھوٹی لیکن بات کیا تھی، فاروق لغاری صاحب کا، میں نے کہا کہ آپ کی بائیس مربع زمین جو آپ نے بیچ دی۔ میرا سوال یہ ہے کہ آج اس بائیس مربع زمین کی پچاس لاکھ کی کپاس کس کے گھر جا رہی ہے، اس زمین کا تیس لاکھ کا گنا کس کے گھر جا رہا ہے، وہاں کی گندم کس کے گھر جا رہی ہے، وہاں کاشت کون کر رہا ہے؟ میرا سوال یہ تھا۔ اس کا جواب انہوں نے ملتان میں جا کے دیا۔ پریذیڈنٹ آف دی کنٹری نے آرڈرز کیے۔ گورنر سے کہا، چیف منسٹر کو کہا کہ جاؤ اس کی زمین چھین لو، کیسے چھین سکتے ہیں آپ کسی کی زمین۔ ہم اتنے مرے ہوئے نہیں ہیں، ہم اپنا دفاع کرنا جانتے ہیں لیکن یہ میرے اور آپ کے جھگڑے کی بات نہیں ہے۔

پریذیڈنٹ کر لیں جتنا victimize کرنا ہے۔ ایک منسٹر گیا، اس نے پریذیڈنٹ کو کہا پریذیڈنٹ نے وہیں کھڑے کھڑے آرڈر کیے کہ میں آج آ رہا ہوں، شام کو ملتان اور میرے آنے سے پہلے زمین ٹیک اوور کرو۔ ہوتی رہیں، ہم اس کا گلا بھی نہیں کریں گے۔ ہمیں کوئی رونا دھونا نہیں آتا، ہم face کر لیں گے، اس کے لئے میں نہیں جھولی پھیلاؤں گا، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میں یہ سوال اٹھاتا ہوں کہ اس بائیس مربع زمین کو انہوں نے کہا تھا یہ رضی فارم ہے۔ یہ اچھی زمین ہے۔ اس کا مجھے تین کروڑ ملا ہے، میں یہ سوال کرتا رہوں گا، بار بار

کرتا رہوں گا کہ اس کی پیداوار کس کے گھر میں جا رہی ہے، ہمارے ملک میں تماشا لگا ہوا ہے، کرپشن کی بات ہم کرتے ہیں تو ذاتی طور پر victimize ہوتے ہیں۔ آیئے آج بھی ہوش کے ناخن لیں، ہم بھی اس کیلئے تیار ہیں، وہ کہتے ہیں ایم کیو ایم کے مسئلے پر افہام و تفہیم ہونی چاہیے، نواز شریف نے کہا کہ میں کراچی کے مسئلے کیلئے حاضر ہوں، میں ملک کے معاشی مسائل کے لئے حاضر ہوں۔ آپ سسٹم کو چلائیں۔ بلیک میل نہ ہوں، چھوٹی پارٹیوں سے بھی نہ ہوں، غیر جمہوری اداروں سے بھی نہ ہوں، میں ساتھ دینے کیلئے تیار ہوں، سندھ کے موقع پر اس نے کہا، میں ساتھ ہوں۔ جواب آیا کہ آپ کی حیثیت کیا ہے، آج نواز شریف پھر کہہ رہا ہے کہ ہم نے اس سسٹم کو بچانے کیلئے آگے بڑھنا ہے، ہم کسی غاصب کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، کسی تھرڈ قوت کو ہم برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ فیصلے ہوں گے ایوان میں ہونگے، لوگوں کی سوچوں کے مطابق ہوں گے ورنہ اگر کوئی اور غلط طریقہ اختیار کیا گیا تو اس سے کیا ہوتا ہے اس ملک میں۔

وقت سن رہا ہے، وقت تھم چکا ہے، بے نظیر حکومت میں آخری تقریر

(قومی اسمبلی 5 ستمبر 1996ء)

جناب والا! میری گزارش ہے کہ اس پرویلج موشن میں آپ نواز شریف کے جرائم کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ جناب آپ بالکل Uneasy feel نہ کریں۔ ہم بڑے smooth طریقے سے بات کرنا چاہتے ہیں، لیجئے میں کسی کی طرف اشارہ نہیں کرتا، میں کسی کی کوئی بات نہیں کرتا، مجھے یہ بتائیں دو سال کے اندر ہم نے قوم کے سامنے کیا منظر پیش کیا ہے۔ اس حکومت کی معاشی پالیسی خود وہ تسلیم کر رہے ہیں کہ آخری دھکا ہم نے خود لگایا ہے، وہ نواز شریف کے بارے میں کہتے ہیں، جس نواز شریف نے اپنے سوا دو سال کے دور حکومت میں ایک مقدمہ نہ قائد حزب اختلاف پر، نہ آصف علی زرداری پر چلایا۔ کسی کو تنگ نہیں کیا۔ ایک نیا chapter start کرنا چاہتا تھا، Political victimisation کو جو شخص روکنا چاہتا تھا۔ جس نے جیلوں میں نہیں ڈالا کسی کو، جس نے آپ کو victimise نہیں کیا۔ پنجاب کے اندر pure مسلم لیگ کی گورنمنٹ تھی، سرحد میں بھی گورنمنٹ جو تھی وہ کولیشن گورنمنٹ کا حصہ تھی، جمالی کی کولیشن گورنمنٹ کا حصہ تھی، سندھ کی کولیشن گورنمنٹ کا حصہ تھی۔ ایک آدمی اٹھ کر بتائے کہ کسی پر کوئی تشدد ہوا۔ کسی پر کوئی کیس درج ہوا۔ ایک نیا چیپٹر سٹارٹ کرنا چاہتا تھا نواز شریف اپنے دور حکومت میں۔ کیا اس نے اختلافی بات سنی، اسی آن دی فلور آف دی ہاؤس، کیا کیا نہیں ہوا۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا، اس نے ایک نئی بات شروع کی Jail manual کی باتیں پڑھ رہے تھے، کل وزیر داخلہ صاحب، اور لاء منسٹر صاحب، جناب والا، یہ پرویلج موشن اس لئے آئی ہے کہ اس شخص نے جب وہ پرائم منسٹر تھا، وہ اپنی حزب اختلاف کے ساتھ کرٹیس تھا۔ پرائم منسٹر جو آج بیٹھی ہیں اس وقت ان کے ساتھ کرٹیس تھا۔ لندن میں ان کی بیماری کے اخراجات حکومت پاکستان ادا کر رہی تھی۔ محترم آصف علی زرداری کو یہ پرویلج

provide کردی گئی۔ جیل مینول کے باوجود کہ وہ اپنے اہل خاندان سے مل سکتے ہیں۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جب آپ مہذب طریقے کی حزب اختلاف کرنا چاہتے ہوں یا حکومت کرنا چاہتے ہوں اس کے نتائج اور ہوتے ہیں، ہم چلے گئے۔

مخدوم جاوید ہاشمی: نہیں میں نہیں کہتا، میں کہتا ہوں کہ اتنا بوجھ انہوں نے اٹھایا ہوا ہے اپنے نحیف کندھوں پر لیکن بات یہ ہے کہ ان کی وجہ سے معیشت تباہ ہو رہی ہے۔ ان کی وجہ سے ملک کے لاء اینڈ آرڈر کا حال یہ ہے کہ اسلام آباد میں آج اخبار اٹھا کر دیکھیں کہ ڈاکوؤں کی جنت بن گیا ہے اسلام آباد۔ راولپنڈی کے اندر ڈاکے پڑے ہیں، بینک لوٹا گیا ہے، کس لئے بیٹھے ہیں ہم یہاں پر، صرف نواز شریف کو سزا دینے کیلئے، صرف شہباز شریف کو سزا دینے کیلئے، اس لئے لگاتے ہیں ہم عدالتیں کہ شیخ رشید کو جیل میں ڈالنے کیلئے، تہمینہ پر لاٹھیاں برسانے کیلئے، ڈاکو نہیں پکڑے جاتے لیکن ایم این اے ز کے اوپر لاٹھیاں برسانے کیلئے، کیوں وکٹامائزیشن ہو رہا ہے، چلو کر لیں، ہم وہ بھی برداشت کر لیں گے، چلو ہمارے ساتھ جو victimisation کرنی ہے، کوئی معیشت قوم کو دے دو، نہیں دے سکتے ہو، تم وکٹامائزیشن کرنا چاہتے ہو، جوڈیشری کو کوئی اچھا رخ دے دو۔ نہیں دے سکتے، کیونکہ یہ غلام بنانا چاہتے ہیں۔ پورے سسٹم کو اپنا اور غلام بنانے والے جتنے ہوتے ہیں ان کو کبھی بھی تاریخ نے معاف نہیں کیا، تاریخ معاف نہیں کرے گی ان کو۔ آج نوٹ کر لیں میں کہہ رہا ہوں یہ وقت سن رہا ہے، یہ وقت تھم چکا ہے، اس بات کا گواہ بن چکا ہے، کہ وقت آنے والا ہے کہ جب عوام ان سے انتقام لیں گے، ہم شاید کچھ نہ کہیں، ہم معاف بھی کرنا چاہیں، لوگ معاف نہیں کریں گے، نواز شریف معاف کرنا چاہے گا، عدالتیں معاف کرنا چاہیں، شاید، لوگ معاف نہ کریں۔

تیرہواں باب

ضمیمہ

i- مقدمے کی کہانی استغاثہ کی زبانی

ii- مقدمے کا فیصلہ

iii- ہائی کورٹ میں فیصلے کے خلاف اپیل

مقدمے کی کہانی استغاثہ کی زبانی

استغاثہ کی کہانی کا تانا بانا چار افراد کے گرد گھومتا ہے۔ایک ڈی ایس پی اسحٰق وڑائچ جس کے زیر نگرانی تفتیش مکمل کی گئی، دوسرا ریٹائرڈ میجر خورشید جو مقدمے کا مدعی ہے، جسے جج نے موثر گواہ کا درجہ دیا ہے۔تیسرا سید غلام احمد شاہ جو قومی اسمبلی کا اسسٹنٹ سیکرٹری ہے اسے بھی موثر گواہ قرار دیا گیا۔چوتھا کیپٹن جہانزیب ظہور جس کی گواہی کو جج صاحب نے مجھے سزا دینے کے لئے کافی قرار دیا۔

ڈی ایس پی اسحٰق وڑائچ کے غیر ذمہ دارانہ رویے کے بارے میں جج صاحب نے اپنی رائے ریکارڈ پر ظاہر کی ہے۔ مدعی خورشید احمد نے کسی کے گھر پر ناجائز قبضہ کر رکھا تھا۔انہی جج صاحب نے اس گھر سے ان صاحب کے سامان کو قبضے میں لے کر مکان خالی کرنے کے لئے بیلف کو بھیجا۔ تفصیل قومی پریس میں آ چکی ہے۔ اس کے چند تراشے اس کتاب میں شامل ہیں۔عدالتی بیلف کے جسمانی طور پر زدوکوب کرنے کا جج صاحب نے سخت نوٹس لیا تو ان کا تبادلہ اسلام آباد سے راولپنڈی کر دیا گیا۔سید غلام احمد شاہ نے بیان میں کہا کہ اسمبلی میں داخلے کا کارڈ کسی وزیر یا کسی ممبر قومی اسمبلی کے دستخطوں کے بغیر جاری نہیں کیا جا سکتا۔پھر کہا میں تسلیم کرتا ہوں کیپٹن جہانزیب ظہور اور خورشید احمد ریٹائرڈ میجر کو جو کارڈ جاری کیے گئے ان پر ممبر قومی اسمبلی کے کسی میجر کی مہر نہ کسی وزیر کے دستخط۔اسمبلی کے کارڈ کی فوٹو کاپی بھی کتاب میں شامل ہے، تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آوے۔اب اگر کارڈ قانونی تقاضوں کو پورا کیے بغیر بنایا گیا ہے تو جعلی ہے۔یہ ایک بات کہ اس جعلی کارڈ پر اسمبلی میں داخل ہونے والے کی گواہی سچی ہے۔

گواہ نمبر ۱۰

بشیر احمد نون انسپکٹر کا حلفیہ بیان

میں ۱۳۰کتوبر ۲۰۰۳ءکو تفتیشی ٹیم کا ممبر بنا۔یہ بات درست ہے کہ تمام تفتیش میرے ذریعے محمد اسحاق وڑائچ ڈی ایس پی کی سرپرستی اور ہدایت پر انجام پائی۔اس کیس کی فائل کا میں نے ۳ نومبر ۲۰۰۳ء سے پہلے مطالعہ کیا۔یہ بات غلط ہے کہ خط ''قومی قیادت کے نام'' ۳ نومبر ۲۰۰۳ء سے پہلے موجود تھا، جب بازیابی مؤثر ہو گئی۔یہ بات درست ہے کہ خط ''قومی قیادت کے نام'' کی کاپیاں جو فائل میں ۳ نومبر ۲۰۰۳ء سے پہلے اور اس تاریخ کے بعد منسلک کی گئی ان میں کوئی فرق نہیں۔اسلام آباد میں سینکڑوں فوٹوسٹیٹس مشینیں ہیں خط کی فوٹی کاپی جو فائل میں موجود ہے کسی بھی فوٹو کاپی مشین سے بنائی جا سکتی ہے اور یہ بات نادرست ہے کہ ملزم کے کہنے پر جو خط

بازیاب ہو گئے تھے دراصل ہمارے اس خط کے نمونے سے جو فائل میں موجود تھا بنوائی گئی کاپیوں پر مشتمل ہیں۔

مجھے پارلیمنٹ لاجز کے رقبے کے بارے میں معلومات نہیں اور لاجز کی تعداد کے بارے میں بھی علم نہیں ۔ میں اس بات سے بھی ناواقف ہوں کہ پارلیمنٹ لاجز کی کتنی منزلیں ہیں۔ پارلیمنٹ لاجز حکومت کی ملکیت ہیں اور حکومت ممبران اسمبلی کو الاٹ کرتی ہے۔ میرے پاس کوئی زبانی اور کتنی سند نہیں تھیں کہ لاج F-106 مخدوم جاوید ہاشمی کو الاٹ کیا گیا ہے۔ لاج F-106 کے مشرقی حصے میں کمرہ نمبر 105 ہے۔ مگر وہاں پر ایک گیلری بھی موجود ہے۔ مذکورہ فلیٹ کے شمالی حصے میں کچھ فلیٹ ہیں جو F-106 کے ساتھ ہیں۔ F-106 کے جنوب میں گیلری اور اس کے بعد لاج ہے مگر لاج کا نمبر نہیں معلوم۔ مذکوہ لاج جہاں سے سامان برآمد ہوا کے رقبے کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کیونکہ میں نے اس کی پیمائش نہیں کی۔ ہم صبح گیارہ بجے مذکورہ لاج پہنچے اور ملزم کے کارندے محمد اجمل نے دروازہ کھولا۔ میرے اور اجمل کے علاوہ وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ ہم نے محمد اجمل کو شامل تفتیش نہیں کیا کیونکہ وہ ملزم کا ملازم تھا اور ہم نے یہ مناسب نہ سمجھا۔ پارلیمنٹ لاجز میں داخل ہونے کے لیے ایک دروازہ ہے اور اصلی دروازے کے پاس استقبالیہ ہے جہاں پولیس حفاظت کے لیے تعینات ہوتی ہے۔ استقبالیہ میں ایک کلرک ہوتا ہے۔ استقبالیہ میں ہم نے اپنے کوائف نہ لکھوائے۔ ہمیں مذکورہ گارڈ اور پارلیمنٹ لاجز کے انچارج سے تلاشی لینے کی اجازت نہیں ملی۔ چونکہ ہم وردی میں تھے اور ہم جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں، ہمیں پارلیمنٹ لاجز میں داخلے کے لیے کوئی امر مانع نہ تھا۔ یہ بات نادرست ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے کوائف استقبالیے میں درج کرائے بغیر ہی پارلیمنٹ لاجز میں داخل ہو سکتا ہے۔ استقبالیہ میں کچھ لوگ موجود تھے مگر ہم نے تلاشی کے لیے ان سے مدد نہیں مانگی چونکہ ملزم ایک ایم این اے تھا۔ ممکن ہے اس دن اسمبلی کے ممبران لاجز میں موجود ہوں مگر وہ ملزم کی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ہم نے کسی ممبر کو نہیں بلایا کہ تلاشی کے عمل کو دیکھیں۔ بازیابی کی یادداشت Ex. PEE کو محمد بشیر ایس آئی نے ڈی ایس پی صاحب کی ہدایت پر بنایا۔ یہ بات نادرست ہے کہ ملزم کی نشاندہی پر ۳ نومبر ۲۰۰۳ء کو تلاشی مؤثر نہ ہو سکی۔ یہ بات بھی غلط ہے کہ بازیابی کا عمل جھوٹ پر مبنی ہے اور یہ کہ پولیس نے حکومت کی ہدایت اور دباؤ میں آ کر یہ سامان از خود رکھوایا ہے۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ ۳ نومبر ۲۰۰۳ء کو کون سا دن تھا۔

تاریخ ۷ مارچ ۲۰۰۴ء دستخط سیشن جج، اسلام آباد، راولپنڈی، سنٹرل جیل، کیمپ

گواہ نمبر ۱۲

محمد اسحٰق وڑائچ ڈی ایس پی انچارج تفتیشی ٹیم، دوسری آمد پر حلفیہ بیان

میں آج تک اپنے عہدہ پر کام کر رہا ہوں کسی نے مجھے وردی استعمال کرنے سے نہیں روکا ہے یہ میرے

علم میں ہے کہ گواہ کے طور پر عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج میں وردی میں نہیں ہوں یہ ضروری نہیں ہے کہ تفتیشی ونگ میں تعینات اہلکار وردی میں رہیں۔

محمد اسحٰق وڑائچ ڈی ایس پی انچارج تفتیشی ٹیم کے بارے میں جج کی رائے

"عدالت میں گواہ کا رویہ درست نہیں ہے چونکہ وہ سوچتا ہے کہ تفتیشی ونگ کے سربراہ کی حیثیت سے اس کی مرضی ہے کہ وہ وردی میں رہے یا نہ رہے اور یہ میری نظر میں اچھی روایت نہیں ہے۔ گواہ جس لباس میں آیا ہے اس میں وہ پراپرٹی ڈیلر لگتا ہے اور اس شخص کی مانند ہے جو کسی کی شادی میں آیا ہوا ہے۔ ممکن ہے تفتیشی ونگ میں کام کرنے والے اہلکاروں پر لازم نہ ہو کہ وردی میں ہوں۔ مگر گواہ یہاں تفتیش کے لیے نہیں آیا ہے اور عدالت میں حاضری کے لیے اسے وردی میں ہونا چاہئے۔ میں نے اس کے اس نامناسب رویہ برتو کا اور خبردار کیا کہ ایک منظم فورس میں رہتے ہوئے عدالت کا احترام کرنا چاہئے جبکہ اس کا رویہ الٹ تھا۔ اس سے کہا گیا عدالت سے نکل جائے اور اسلام آباد جا کر وردی پہن کر آجائے۔ اس دوران عدالت برخاست کی جاتی ہے۔ وقت دن ۲۰ء۱۰ بجے۔

تاریخ ۲۷ مارچ ۲۰۰۴ء دستخط سیشن جج، اسلام آباد راولپنڈی، سنٹرل جیل، کیمپ

یاد رہے کہ اسی ڈی ایس پی کی تفتیش پر مجھے 23 سال کی سزا سنائی اور اسی جج نے جو اسی شخص کے بارے میں مذکورہ رائے کے حامل ہیں۔

گواہ نمبر ۱۲

گواہ وردی پہننے کے بعد محمد اسحٰق وڑائچ کا حلفیہ بیان

میں 24-02-1973 کو فیڈرل سیکورٹی فورس (F-S-F) میں اور اس کے بعد میں 1977 کو سندھ پولیس میں بھرتی ہوا اور سندھ پولیس سے 19-3-1984 سے اسلام آباد میں ڈیپوٹیشن پر ہوں میری 6-2-1995 کو بطور ڈی ایس پی ترقی ہوئی اور اب میں اسلام آباد پولیس میں ضم ہو چکا ہوں۔ اب تک میں نے مختلف نوعیت کے ہزاروں کیسوں میں تفتیش انجام دی ہے۔ یہ میری سرکاری نوکری میں پہلا کیس ہے جس میں قانونی شق 124-A اور 131PPC لاگو ہو چکا ہے۔ میں نے 1959 میں مرے کالج سیالکوٹ سے ایف ایس سی کیا۔

ایس ایس پی اسلام آباد نے کیس درج ہونے کے بعد تفتیشی افسر مقرر کیا۔ یہ درست ہے کہ بشیر احمد نون ایس آئی اور محمد بشیر ایس آئی نے میری نگرانی اور ہدایات پر تفتیش کی۔ کسی اور نے بجز میں بذات خود، مسرت خان انسپکٹر، بشیر احمد نون ایس آئی اور محمد بشیر نے اس کیس کے بارے میں تفتیش نہیں کی۔ چالان Ex.P.Q.Q کو زیر

شیخ ایس ایچ او سیکریٹریٹ پولیس سٹیشن نے تیار کیا چونکہ چالان ہمیشہ ایس ایچ او ہی تیار کرتا ہے میں نے مذکورہ ایس ایچ او کے بیانات قلمبند نہیں کئے۔ یہ درست ہے کہ چالان Ex. P.QQ ایک نامکمل چالان ہے۔ میں نے اس کیس میں کوئی مکمل چالان پیش نہیں کیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ متعلقہ پولیس سٹیشن کے ایس ایچ او نے مکمل چالان دیا ہے یا نہیں۔ میں نے چالان Ex. P.QQ پر دستخط نہیں کئے اور چالان Ex. P.QQ میری نظر سے نہیں گزرا ہے اور یہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے یہ درست ہے کہ رپورٹ کے آخر میں جو چالان .Ex. P.QQ پر بھی ہے آخری چالان خانہ پری کے بعد پیش کیا جائے۔ میری تفتیش نامکمل نہ تھی۔

یہ درست ہے کہ وہ سند اور مواد جس کو تفتیشی افسر اپنے قبضہ میں لیتا ہے اس پر ایک بازیابی یادداشت تیار کی جاتی ہے۔ خط نمبر Ex. P.1 کو کرنل خالد نے میرے حوالہ کیا اور میں نے اس خط کا بازیابی یادداشت تیار نہیں کی۔ اسی طرح کاغذات .Ex. P.W، Ex. P.X اور Ex. P.Y مجھے کرنل خالد نے دیے اور اس کی جانب سے بازیابی یادداشت تیار نہیں کی چونکہ میں اسے مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ یہ نادرست ہے کہ مذکورہ اسناد کو کرنل خالد نے میرے حوالے نہیں کیا۔ کاغذات Ex. P.AA اور Ex. P.BB کسی نے میرے حوالہ نہیں کیا۔ ان کاغذوں کو کسی شخص نے محمد بشیر ایس آئی کو دیا۔ میں نے 13-11-2003 کو مذکورہ ایس آئی کو تفتیش کی ہدایت کر دی جبکہ یہ کاغذات بشیر ایس آئی کو 22-11-2003 کو ملا۔ مذکورہ بالا تاریخ کے بعد میں تفتیش میں شامل حال نہیں رہا چونکہ اس تاریخ کے بعد سے محمد بشیر ایس آئی تفتیش کرتا رہا ہے۔ سند A(Ex. PAAA) اور (Ex P.BBB)B Ex. P.TT اور Ex.P.ZZ کسی نے میرے سپرد نہیں کئے اور ان کاغذوں کو کسی فرد نے محمد بشیر ایس آئی کے حوالے کیے جس کا نام میں نہیں جانتا۔ چونکہ میں نے تفتیش ایس آئی کے سپرد کی تھی۔ تفتیش 13-11-2003 کو مکمل ہوئی اور ضروری کاغذات کے دریافت پر چالان مکمل کیا گیا۔ میں نے ایس ایس پی اسلام آباد کا اس کیس میں بیان نہیں لیا۔

مجھے پارلیمنٹ لاجز کے رقبہ کے بارے میں معلومات نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں اس میں کتنے لاجز ہیں اور یہ کتنی منزلوں پر بنا ہے۔ پارلیمنٹ لاجز حکومت کی ملکیت ہے نہ کہ ملزم کی۔ میرے پاس کوئی زبانی یا تحریری شواہد نہیں تھے کہ پارلیمنٹ لاج نمبر F-106 ملزم کو الاٹ کیا گیا ہے، چونکہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بے شک (سی ڈی اے) کے افسران پارلیمنٹ لاجز کے انچارج ہیں، مجھے ان کے نام اور عہدہ نہیں معلوم۔ میں نے اس بارے میں بھی معلوم نہیں کیا کہ پارلیمنٹ لاجز کس کی سرپرستی میں ہے چونکہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

پارلیمنٹ لاجز میں داخلہ کے لیے ایک دروازہ ہے اور اس کے اردگرد دیوار ہے۔ داخلی دروازے میں استقبالیہ اور حفاظتی پرسنل وہاں ہوتے ہیں جو محکمہ پولیس تعینات کرتی ہے۔ اس بات سے ناواقف ہوں کہ استقبالیہ میں پارلیمنٹ لاجز کے سرپرست کی طرف سے تعینات ہیں یا نہ۔ مجھے کوئی تحریری اجازت نامہ نہ سیکورٹی اور نہ

سرپرستوں کی طرف سے ملا کہ اس میں داخل ہو جاؤں اور میں نے اس کام کے لیے کسی کی مدد طلب نہیں کی تا کہ بازیابی کے عمل کو مشاہدہ کریں۔ میں پارلیمنٹ لاجز کے لاج نمبر F-106 کے رقبہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہوں کہ یہ 50 مرلہ پر بنا ہے یا نہیں۔ پارلیمنٹ لاجز میں بہت سارے گھر ہیں اور میں نے کسی سے درخواست نہیں کی کہ بازیابی کے عمل میں شریک ہو جائیں۔ میں نے کاغذات Ex. P.BD/1 سے لے کر Ex. PDD/9 کو (جی ایچ کیو) ملا اور کسی ماہر کو نہیں بھیجا کہ بتایا جائے کہ آیا یہ اصلی ہیں یا جعلی ہیں۔ مطالعہ کے بعد یہ بات سامنے آ گئی کہ ریکارڈ میں 9 کاغذ ہیں نہ کہ 10۔ یہ بات نادرست ہے۔ ملزم کے کہنے پر کوئی چیز بازیاب نہیں ہوئی۔ یہ بات بھی نادرست ہے کہ یہ سارے کاغذات میں نے خود حکومت کے دباؤ پر رکھے تھے اور یہ بات بھی غلط ہے کہ بازیابی کے عمل جھوٹ پر مبنی تھی۔

ملزم ہمارے پاس تیرہ دن جسمانی ریمانڈ پر رہا۔ یہ بات درست ہے کہ خط "قومی قیادت کے نام" جو فائل میں موجود ہیں سب فوٹو کاپی پر مشتمل ہیں۔ میرے پاس کوئی زبانی یا تحریری حکم نہیں ہے کہ اصل کاغذات کو کہاں تلاش کروں۔ چونکہ یہ ملزم پر منحصر تھا کہ وہ ہمیں بتائے جبکہ اس نے اس بارے میں کوئی بات نہیں بتائی۔ تفتیش کے دوران میں نے ملزم سے کسی مجسٹریٹ کی موجودگی میں لکھائی کا نمونہ نہیں لیا۔ میں نے ملزم سے کہا، اپنی لکھائی کا نمونہ دیں مگر ملزم نے انکار کر دیا۔ میں نے کسی مجسٹریٹ کو اس مقصد کے لیے کوئی درخواست نہیں دی۔ مجھے ماہرانہ رائے اس بارے میں نہیں ملا کہ کس نے خط Ex. P.C قومی قیادت کے نام کو تحریر کیا اور کسی شخص نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ خط Ex. P.C اس کی موجودگی میں ملزم نے تیار کیے۔ میں نے خط "قومی قیادت کے نام" کا مطالعہ کیا ہے اور شق 161 Cr. Pc کے تحت کسی اس شخص کا بیان قلمبند نہیں کیا جس کا نام خط قومی قیادت کے نام میں درج تھا اور ان کو شامل تفتیش بھی نہیں کیا۔ میں اپنی تفتیش کے دوران اس بارے میں بھی معلومات حاصل نہ کیں کہ کارگل جنگ میں پاکستانی فوج کا کون کمانڈر تھا۔ جبکہ بشیر ایس آئی نے اس کو انجام دیا اور میں نے اس بات کے بارے میں بھی تحقیقات انجام نہیں دیں کہ لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن اپنی سروس کے دوران باہر ملک خدمات انجام دیتا رہا ہے مگر یہ کام بشیر سب انسپکٹر نے انجام دیا۔ تفتیش کے دوران میں 1971, 1965 اور کارگل جنگ میں پاکستانی فوج کے جانی نقصان کے بارے میں اعداد و شمار جمع نہیں کئے اور اس بارے میں بھی تفتیش نہیں کی کہ آیا ہندوستانی حکومت نے کارگل جنگ کے بارے میں تحقیقات کے لیے کمیشن ترتیب دیا ہے۔" قومی قیادت کے نام" میں Lums درج ہے جو لاہور میں موجود ہے مگر مجھے اس کے محل وقوع کے بارے میں علم نہیں اور" خط قومی قیادت کے نام" کے بارے میں کوئی زبانی یا تحریری مواد جمع نہیں کیا کہ عائد کردہ الزامات کی تردید کی جاسکے۔ آرمی افسروں کو پلاٹوں کی الاٹمنٹ کے بارے میں الزامات کے بارے میں میں نے کوئی تفتیش نہیں کی کہ حقائق کو سامنے لایا جاسکے۔

میں نے کیفے ٹیریا کا نقشہ تیار کروایا اور عدالت میں پیش کیا۔ ریکارڈ کے مطالعہ کے بعد مجھے پتہ چلا کوئی ایسا نقشہ موجود نہیں ہے۔ جس کو میں نے خود تیار کیا تھا اور اس بات سے بھی ناواقف تھا کہ اس وقت کیفے ٹیریا کا کون انچارج تھا۔ کیفے ٹیریا میں کام کرنے والے تین ویٹرز سے میں نے تفتیش کی اور مجھے ان کے نام یاد نہیں اور ان کے بیانات شق نمبر 161 Cr. Pc کے تحت ریکارڈ نہیں۔ میری تفتیش کے مطابق ملزم کے علاوہ چوہدری اعتزاز احسن ایم این اے، حافظ حسین احمد ایم این اے، لیاقت بلوچ، شاہ محمود قریشی ایم این اے، چوہدری عابد شیر علی، راجہ پرویز اشرف ایم این اے، میاں محمد اسلم ایم این اے، سیّد نیّر حسین بخاری ایم این اے اور حنیف عباسی ایم این اے موقع پر کیفے ٹیریا میں موجود تھے اور شق 161 Cr. Pc کے تحت ان اشخاص میں سے کسی کا بیان ریکارڈ نہیں کیا کیونکہ میں اسے ضروری نہیں سمجھ رہا تھا۔ ان ایم این اے حضرات کے سیاسی وابستگی کے بارے میں کوئی شواہد اکٹھا نہیں کیے اور یہ مجھے یاد نہیں کہ میری تفتیش کی رو سے شیر افگن ایم این اے موجود تھے یا نہیں۔ میں نے مذکورہ بالا ایم این اے حضرات سے پوچھ گچھ نہیں کی۔

یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ مختلف اخبارات کے خبری تراشے جو فائل میں ہیں وہ فوٹو سٹیٹ پر مشتمل ہیں مگر تراشے فائل پر موجود تھے، جب تفتیش میرے سپرد کی گئی۔ ضیاء شاہد روزنامہ خبریں کے مالک ہیں۔ مگر اس بات سے لاعلم ہوں کہ اس اخبار کا کون پرنٹر، پبلشر اور رپورٹر ہے۔ میں اس رپورٹر کا نام نہیں جانتا جس کی رپورٹ خبر نمبر Ex. P.L میں نشر ہوئی۔ میں روزنامہ خبریں کے مالک پرنٹر، پبلشر اور رپورٹر سے دوران تفتیش پوچھ گچھ نہیں کی۔ روزنامہ اوصاف کے بارے میں جس کا حوالہ نمبر Ex.P.M اخبار دی نیوز حوالہ Ex. P.K روزنامہ نوائے وقت حوالہ Ex. P.N روزنامہ پاکستان حوالہ Ex. P.PP کے بارے میں جواب وہی ہے جو روزنامہ خبریں کے بارے میں بتایا۔ میں نے ان اخبارات کے مالکان پرنٹرز، پبلشرز اور رپورٹرز سے تفتیش نہیں کی۔ اس بات سے بھی ناواقف ہوں کہ روزنامہ اسلام کا کون مالک، پرنٹر، پبلشر ہے اور دوران تفتیش ان میں سے کسی شخص سے پوچھ گچھ نہیں کی ہاں البتہ میں روزنامہ اسلام کے رپورٹر مظہر اقبال کو جانتا ہوں مگر مجھے اخبارات خبریں، اوصاف، پاکستان، دی نیوز اور اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ کوئی زبانی یا تحریری بیان خبر کے مصدقہ ہونے کے بارے میں جمع نہیں کیا۔ خصوصاً ان اخبارات سے جو فائل پر موجود ہیں۔ میں نے ان اخبارات کو خط لکھا مگر مجھے نہیں معلوم کس نے اس خط کو ارسال کیا۔ یہ بھی نادرست ہے کہ میں نے ان کو خط نہیں لکھا۔ فائل کی جانچ پڑتال پر معلوم ہوا ہے کہ اس طرح کا خط عدالت کی فائل میں موجود نہیں ہے۔ ملزم جاوید ہاشمی ممبر قومی اسمبلی تھا، جب اس کے خلاف کیس رجسٹر ہوا اور وہ پاکستان مسلم لیگ نواز گروپ سے تعلق رکھتا ہے اور موجودہ حکومت میں حزب مخالف ہے۔ یہ درست ہے کہ مخدوم جاوید ہاشمی قومی اسمبلی میں پارلیمانی پارٹی کے لیڈر تھے اور یہ بات درست ہے کہ پاکستان مسلم لیگ نواز گروپ اے آر ڈی میں شامل پارٹیوں میں سے ایک ہے۔ یہ

بات درست ہے کہ جاوید ہاشمی اے آر ڈی کے صدر تھے۔ یہ بات درست ہے کہ وہ اپنی پارٹی کے قائم مقام صدر ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ مخدوم جاوید ہاشمی، کیس رجسٹر کرنے سے پہلے حکومت کی مخالفت کرتے تھے۔ مجھے ایل ایف او کے بارے میں معلومات ہیں اور یہ درست ہے کہ ملزم کے خلاف کیس رجسٹر کرنے اور اس کی گرفتاری پر پارلیمنٹ نے ایل ایف او کو منظور کیا۔

یہ بات درست ہے کہ خط قومی قیادت کے نام پر مونوگرام چھپا ہوا ہے۔ مجھے کوئی زبانی یا تحریری حکم نہیں ملا کہ اس بارے میں تفتیش کروں کہ مذکورہ مونوگرام کہاں پر چھاپا گیا ہے۔ میں تفتیش کے دوران میں کبھی (جی ایچ کیو) نہیں گیا بلکہ خط ارسال کیا تھا۔ یہ بات درست ہے کہ میں نے (جی ایچ کیو) کوئی خط ارسال نہیں کیا بلکہ ایس ایس پی اسلام آباد نے یہ خط ارسال کیا۔ تفتیش کے دوران میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ (جی ایچ کیو) میں مونوگرام والے لیٹر پیڈ کون استعمال کرتا ہے اور اس بارے میں معلومات حاصل نہیں کیں کہ یہ کہاں چھپتے اور تقسیم ہوتے ہیں اور اس بارے میں میں نے صرف کرنل خالد کا بیان قلمبند کیا۔ یہ بات نادرست ہے کہ میں نے صحیح طور پر تفتیش انجام نہیں دی اور یہ بھی نادرست کہ میں نے ملزم کو حکومت کے بے پناہ دباؤ پر چالان کیا۔ یہ بات نادرست ہے کہ مذکورہ کیس حکومت کی ایماء پر پولیس نے از خود بنایا اور اس کو جامہ عمل پہنایا۔ یہ بات بھی نادرست ہے کہ ملزم کے کہنے پر ہم نے کسی چیز کی بازیابی نہیں کی اور یہ کہ میرے یہ سب بیانات جھوٹ پر مبنی ہیں۔ میں اس بات کی تردید کرتا ہوں کہ استغاثہ اور حکومت کے دباؤ پر غلط بیانی کی ہے۔

تاریخ ۱۷ مارچ ۲۰۰۴ء دستخط سیشن جج، اسلام آباد راولپنڈی، سنٹرل جیل، کیمپ

گواہ نمبر ۱۴

عامر سلیم رانا جوڈیشل مجسٹریٹ اسلام آباد کا حلفیہ بیان

میں نے بحیثیت سول جج اور جوڈیشل مجسٹریٹ کے طور پر سال 1998 سے کام شروع کر دیا اور پسرور اور راولپنڈی میں بحیثیت رجسٹرار احتساب عدالت اور اس وقت سول جج جوڈیشل مجسٹریٹ اسلام آباد میں تعینات ہوں۔ اپنی پوری سرکاری نوکری میں شق 164 Cr. Pc کے تحت ۵ یا ۶ بیان قلمبند کیے ہیں۔ میرے علم کے مطابق شق 164 اور 364 Cr. Pc بیان قلمبند کرنے کے لیے شق 164 Cr. Pc لاگو ہوتا ہے۔ یہ میرے علم میں ہے کہ معزز لاہور ہائی کورٹ لاہور، شق 164 Cr. Pc کے تحت بیان قلمبند کرنے کے لیے قانونی شق بنائے ہیں اور گواہوں سے بیان ریکارڈ کرنے سے قبل متعلقہ قوانین کا مطالعہ کیا ہے۔

میں ذاتی طور پر مظہر اقبال اور سید اعزاز حسین کو جن کے میں نے شق 64 Cr. Pc کے تحت بیان لئے۔ وہ نہیں جانتا اور اس بات کا علم نہیں کہ کس کیس کے بارے میں مذکورہ افراد کے بیانات لیے جا رہے ہیں۔

متعلقہ ریکارڈ جو بیان کے متعلق ہیں، ریکارڈ کرنے کے بعد سیل کر کے اس عدالت میں پیش کیا۔ یہ درست ہے کہ ہر درخواست Ex. PCCC اور Ex. PFFF کے ساتھ ایف آئی آر منسلک تھی۔ ایف آئی آر کی کاپی ریکارڈ پر موجود نہیں ہے جو اس عدالت میں پیش کی گئی ہے اور اس کی کاپی میرے پاس نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ درخواست Ex. P.CCC اور Ex. P.FFF کے ساتھ ایف آئی آر نہیں تھا اور اس بارے میں بیان قلمبند کرتے وقت کوئی نوٹس نہیں لیا اور ساتھ ہی کیس کے تفتیشی افسر کو نہیں بلایا جس کے تحت گواہوں کے بیانات لیے جا رہے تھے اور اس کیس کے متعلق ریکارڈ میں نے چیک نہیں کیا۔ اور شق 164 Cr. Pc کے تحت ملزم کو بیان قلمبند کرتے وقت عدالت میں طلب نہیں کیا جب کہ یہ میرے علم میں ہے کہ جوڈیشل مجسٹریٹ پر لازم ہوتا ہے شق 164 Cr. Pc کے تحت بیان قلمبند کرتے وقت ملزم کو عدالت میں طلب کرے۔ میرے علم کے مطابق حلفیہ بیان اور حلف ایک ہی چیز ہے۔ میں عام کیسوں میں گواہوں کے بیانات حلف پر قلمبند کرتا ہوں۔ یہ میرے علم میں نہیں تھا کہ کچھ سالوں سے حلفیہ بیان پر بیانات ریکارڈ نہیں کیا جاتا مگر میں دونوں گواہوں سے حلفیہ طور پر بیان لیا۔ یہ دو افراد اپنے جرم کے اقرار کے لیے میرے پاس نہیں آئے تھے اور میں نے ان دو افراد کو مطلع کیا کہ ان کی غلط بیانی پر ان کو سزا بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے ان دو افراد سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ شق 164 Cr. Pc کے تحت کس وجہ سے بیان دے رہے ہیں۔ میں نے گواہوں کو یہ بھی نہیں بتایا کہ ان پر لازم نہیں ہے کہ شق 164 Cr. Pc کے تحت بیان دیں۔ میں نے ان سے جواب طلب کیا کہ آیا اپنی مرضی سے بیان دے رہے ہیں، البتہ ان سے یہ نہیں پوچھا کہ آیا ان پر بیان دینے کے لیے کسی جانب سے دباؤ ہے۔ میں نے گواہوں کو بتایا کہ ان کے بیانات ان کے خلاف بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ دونوں بیانات کے آخر میں میرا سرٹیفکیٹ شق 164 Cr. Pc کے تحت ہے۔ میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ دونوں بیانات کے آخر میں شق 164 Cr. Pc کے تحت ہیں یہ درست ہے کہ دونوں بیانات کے آخر میں میرے سرٹیفکیٹ قانونی شق 164 Cr. Pc کے تحت نہیں ہیں۔ یہ بھی نادرست ہے، دونوں بیانات کے آخر میں دیے گئے سرٹیفکیٹ شق 164 Cr. Pc اور شق 364 Cr. Pc کے تحت نہیں ہیں۔

یہ بات غلط ہے کہ گواہوں سے لیا گیا بیان قانون کے مطابق نہیں ہے اور یہ بات نادرست ہے کہ میں نے استغاثہ کے دباؤ پر ایک مشینی انداز میں بیان ریکارڈ کیا۔

تاریخ ۲۰ مارچ ۲۰۰۴ء دستخط سیشن جج، اسلام آباد راولپنڈی، سنٹرل جیل، کیمپ

گواہ نمبر ۵

سید غلام احمد شاہ کا حلفیہ بیان

میں نے سیکشن 161 .Cr. P.C کے تحت ۸ نومبر ۲۰۰۳ء میں پولیس کو قومی اسمبلی سیکریٹریٹ میں اپنا بیان قلمبند کرایا۔ میں نے پولیس کو Cr. PC 161 کے تحت بتایا تھا کہ سیکریٹری قومی اسمبلی کی تائید سے میں نے ۳ ووٹر کارڈ حوالہ نمبر .Ex. P.B کے تحت بنایا تھا۔ ممکن ہے میں نے حوالہ .D.B. Ex کے تحت کہا ہو کہ اصل درخواست منجانب جہان زیب، ظہور اعوان بنام سیکریٹری قومی اسمبلی کو پیش کی ہے۔ میں نے حوالہ نمبر Ex. DB کے تحت اپنے بیان میں کہا کہ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو نادر خان نے سیکریٹری قومی اسمبلی کو ووٹر کارڈ کے حصول کے لیے درخواست دی۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اپنے بیان میں کہا ہو کہ اصل درخواست منجانب خورشید احمد بنام سیکریٹری قومی اسمبلی کو اپنے ریکارڈ سے پیش کر سکتا ہوں۔ پبلک پراسیکیوٹر کے نکتہ اعتراض پر کہ ایک حقیقت جس کو مثبت دعویٰ نہیں کیا جا سکتا میں نے کہا کہ خورشید احمد، جہان زیب، ظہور اور نادر خان کی درخواستوں بنام سیکریٹری قومی اسمبلی کے بارے میں، Ex. DB میں ان درخواستوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں نے مذکورہ درخواستیں اور اس کی کاپیاں دوران تفتیش پولیس کے حوالہ نہیں کیں۔ چونکہ میں اصل ریکارڈ ساتھ لایا ہوں۔ میں عدالت میں اصل درخواست پیش کرتا ہوں۔ یہ سراسر نادرست ہے کہ مجھے پراسیکیوشن نے ہدایت دی کہ اپنی درخواست بیان دیتے وقت عدالت میں پیش کر دوں۔ میں ضلع مانسہرہ کا رہنے والا ہوں اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ میں نے ۱۹۷۳ء سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا اور اسمبلی میں UDC تعینات ہوا۔ اس وقت قومی اسمبلی موجودہ سٹیٹ بنک بلڈنگ اسلام آباد کے G-5 سیکٹر میں تھا۔ ۱۹۷۵ء میں میں اسسٹنٹ کے طور پر پروموٹ ہوا۔ ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ میں سپرنٹنڈنٹ اور ۱۹۹۶ء میں سیکشن آفیسر اور مارچ ۲۰۰۳ء کو اسسٹنٹ سیکرٹری کے طور پر تعیناتی ہوئی۔ یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میری عمر بھر کی نوکری قومی اسمبلی کی سیکریٹریٹ میں گزری ہے۔ قومی اسمبلی سیکریٹریٹ ۱۹۸۶ء میں موجود بلڈنگ میں منتقل ہوئی جو کہ پارلیمنٹ ہاؤس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ ہاؤس قومی اسمبلی اور سینٹ پر مشتمل ہے اور اس میں سینٹ اور قومی اسمبلی کے سیکرٹری کام کر رہے ہیں۔ مجھے پارلیمنٹ ہاؤس کے رقبہ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں مگر یہ بلڈنگ ۵ منزلہ ہے جس میں بیسمنٹ شامل ہے۔ قومی اسمبلی سیکریٹریٹ دوسری تیسری اور چوتھی منزلوں پر موجود ہے اور سیکریٹری کا دفتر دوسری منزل پر اور میرا دفتر چوتھی منزل پر ہے۔ قومی اسمبلی کا ہال دوسری منزل اور کیفے ٹیریا پہلی منزل پر ہے۔ کیفے ٹیریا قومی اسمبلی ہال سے ۲۰۰ فٹ کے فاصلے پر ہے۔ یہ تسلیم کرتا ہوں کہ کوئی بھی شخص بغیر اجازت کے پارلیمنٹ ہاؤس میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔ بیرونی دروازے سے ریسپشن تک بغیر پاس کے داخل نہیں ہو سکتا ہے اور اس سے آگے کوئی شخص بغیر پاس کے اندر نہیں

آسکتا ہے۔ ریسپشن بلڈنگ سے ۳۰۰ فٹ کے فاصلہ پر ہے اور قومی اسمبلی ہال میں سپیکر، سینیٹرز اور سفارتکاروں کے لئے علیحدہ باکس ہیں اور ساتھ ہی معزز شہریوں، خواتین اور سرکاری اہلکاروں، صدر اور وزیر اعظم کیلئے مخصوص جگہیں ہیں۔ یہ تمام گیلری وار باکس اصل ہال میں جبکہ اوپر والی منزل میں عام Visitors کی گیلری اور پریس گیلری ہے۔ معزز شہریوں کی گیلری میں 66/63 لوگوں کی بیٹھنے کی جگہ جبکہ عام گیلری میں 300 اور 400 لوگوں کے بیٹھنے کیلئے جگہ موجود ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہر گیلری اور باکس کیلئے جو قومی اسمبلی ہال میں موجود ہے، پاس کے رنگ مختلف ہیں۔

حوالہ نمبر .Ex. P.S خورشید احمد کی درخواست میرے پاس ہے اس پر سیکریٹری صاحب کا حکم کالی روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ اور اس پر درج ہے مہربانی کر کے پاس جاری کر دیں یہ بات درست ہے کہ سیکریٹری نے (DVG) معزز شہریوں کیلئے درخواست گزاروں کو پاس جاری کرنے کی ہدایت نہیں دی تھی۔ یہ بھی درست ہے کہ حوالہ نمبر Ex P.S کے تحت درخواست گزاروں نے (ڈی وی جی) کارڈ حاصل کرنے کیلئے درخواست نہیں دی۔ رضا کارانہ طور پر ہم (ڈی وی جی) کارڈ ان افراد کو جاری کرتے ہیں جن کو سیکریٹری صاحب سفارش کرتے ہیں مگر کوئی قانونی شق موجود نہیں کہ کس درخواست دہندہ کو (ڈی وی جی) پاس کا اجرا کیا جائے۔ یہ بات درست ہے کہ خورشید احمد حوالہ نمبر Ex P.S کے تحت نہ اپنی ولدیت اور نہ اپنا گھر کا پتہ لکھا ہے۔ سلیم محمود سلیم قومی اسمبلی کے سیکریٹری ہیں وہ حیات ہیں اور اسی منصب پر کام کر رہے ہیں۔

درخواست حوالہ نمبر Ex P.T پر بھی سیکریٹری کے دستخط ہیں مگر اس پر ان کا حکم درج نہیں ہے اور عام طور پر ان کے دستخط کو حکم مانا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ جہاں زیب ظہور اعوان کو (ڈی وی جی) پاس جاری کرنے کیلئے سیکریٹری صاحب نے کوئی احکامات جاری نہیں کیے جو کہ حوالہ نمبر Ex P.T پر موجود ہے۔ اور سیکریٹری صاحب کے حکم (ڈی وی جی) کارڈ جاری کرنے کیلئے کافی ہوتا ہے مگر اس بارے میں کوئی قانونی شق موجود نہیں ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ جہاں زیب ظہور نے (ڈی وی جی) پاس حاصل کرنے کیلئے حوالہ نمبر Ex P.T کے تحت اپنی ولدیت اور گھر کا پتہ درج نہیں کیا۔ اور اس مقصد کیلئے شناختی کارڈ نمبر کافی ہوتا ہے یہ بھی درست ہے کہ میں نے خورشید احمد، جہانزیب اعوان اور نادر خان کے شناختی کارڈوں کی فوٹو کاپیاں تفتیشی افسر اور معزز عدالت کو پیش نہیں کیں۔

اسی طرح نادر خان کی درخواست حوالہ نمبر Ex P.U پر بھی (ڈی وی جی) کارڈ جاری کرنے کیلئے سیکرٹری صاحب کے احکامات نہیں اور یہ کہ درخواست گزار نے (ڈی وی جی) حاصل کرنے کیلئے درخواست دی اور اس کی درخواست بمعہ ولدیت اور گھر کا پتہ درج نہیں تھا۔ میرے جوابات اس بارے وہی ہیں جو حوالہ نمبر Ex P.S/1 اور Ex P.U/1 کے بارے میں بیان دیا۔ حوالہ نمبر Ex P.S، حوالہ نمبر Ex P.U، حوالہ نمبر Ex P.T کے تحت جاری کیے ہوئے کارڈ صرف اس گیلری کیلئے تھا جس کیلئے جاری ہوا۔ یہ درست ہے کہ کارڈ حوالہ

نمبر Ex P.S/1، Ex P.U/1، اور Ex P.T/1 صرف ممبر قومی اسمبلی اور وزیر کی سفارش پر جاری ہوتا ہے۔ اور تسلیم کرتا ہوں درخواست Ex P.S، Ex P.T اور Ex P.U جو کہ خورشید احمد، جہانزیب اعوان، اور نادر سلیم کی طرف سے پیش ہوا اس پر کسی ممبر قومی اسمبلی اور وزیر کی سفارش نہیں تھی دیگر سرکاری ریکارڈ کارڈوں اور درخواستوں کی بابت ہے جو کہ میں نے پیش کیا ہے۔ یہ نادرست ہے کہ یہ تمام درخواستیں اس کیس کے سامنے آنے کے بعد سے ترتیب دی گئی ہیں تا کہ شکایت کنندگان کی موجودگی کو باور کرایا جائے۔ یہ تمام ریکارڈ میرے پاس موجود ہے یہ بات غلط ہے کہ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو خورشید احمد، جہانزیب اور نادر سلیم نے کوئی درخواست سیکریٹری کو پیش نہیں کی۔ یہ بھی نادرست ہے کہ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو میں نے کارڈ جاری نہیں کیا۔ اور یہ بھی سراسر نادرست ہے کہ یہ کارڈ کیس بننے کے بعد جاری ہوئے تا کہ گواہوں کی موجودگی کی تائید ہو۔ یہ بات بھی غلط ہے کہ میں نے پراسیکیوٹر کے بے پناہ دباؤ میں آکر غلط بیانی کی ہے۔ یہ پراسیکیوشن کے وکیل PW سے پوچھا تھا کہ آیا (ڈی وی جی) کارڈ سیکریٹری کے احکامات سے جاری ہو سکتا ہے یا کہ نہیں۔ اس بارے میں متعدد سوال جواب ہوئے اور اب پراسیکیوشن کو اجازت نہیں دی جاتی ہے کہ شکایت کنندگان کی طرف سے پیدا شدہ خلا کو پر کر سکیں۔ اور بعد کے مرحلوں میں ان کو محتاط رہنا ہوگا

تاریخ ۱۳ مارچ ۲۰۰۸ء دستخط سیشن جج، اسلام آباد راولپنڈی سنٹرل جیل کیمپ

گواہ نمبر ۷

خورشید احمد نے حلف اٹھا کر وکیل منجانب ملزم کے سوالات کے جوابات دیے

میرا آبائی گاؤں گودواں تحصیل ٹیکسلا ضلع راولپنڈی ہے اور یہ واہ کینٹ میں واقع ہے۔ میں وہیں پیدا ہوا اور واہ کینٹ، کیڈٹ کالج حسن ابدال میں تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد ملٹری اکیڈمی کاکول میں تعلیم ختم کی۔ میں ۱۹۸۰ء میں ملٹری اکیڈمی کاکول میں کیڈٹ تھا اور اسی سے گریجویشن کیا۔ میں نے اور کسی اور سبق میں ڈگری اور ڈپلومہ نہیں لیا۔ میں ۱۹۸۵ء میں پاس آؤٹ ہوا چونکہ میں جونیئر کیڈٹ کے طور پر میٹرک کے بعد گیا تھا۔ پاس آؤٹ کے بعد میری بلوچ رجمنٹ میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کے طور پر ضلع مرالہ سیالکوٹ میں تعیناتی ہوئی۔ ۱۹۸۷ء میں لیفٹیننٹ کے عہدہ پر ترقی پا کر اپنے یونٹ کیساتھ مالاکنڈ میں تعیناتی ہوئی۔ سال ۱۹۸۸ء میں کیپٹن کے عہدہ پر ترقی پائی اور اسی یونٹ میں رہا۔ ۱۹۹۳ء یا ۱۹۹۴ء کو میں پاکستان آرمی میں میجر کے عہدہ پر ترقی پائی اور ۱۹۹۷ء میں میں نے آرمی سے استعفیٰ دیا اس وقت میں ۱۹۹۸ء سے حیدرآباد سندھ میں تعینات تھا۔ ۱۹۹۸ء سے قبل میں (پی او ایف) ہسپتال واہ کینٹ میں کوارٹر ماسٹر تھا۔ میں کبھی جی ایچ کیو میں تعینات نہیں ہوا۔ عمومی طور پر فوج کے ریٹائرڈ افسر اپنے نام کے ساتھ عہدہ بھی لکھتے ہیں مگر یہ ضروری نہیں ہے۔ میں نے IBEX نامی کمپنی بنائی اور اس کا دفتر

مکان نمبر ۷۔۹، گلی نمبر ۹۶، آئی۔ایٹ/فور، اسلام آباد میں ہے۔ میں اسی گھر میں رہتا ہوں اور یہ گھر میں نے کرایہ پر حاصل کیا ہے اور اصل مالک حاجی محمد شفیق ہیں اور میں ۲۰۰۱ء سے بطور کرایہ دار رہتا ہوں اور ماہانہ کرایہ ۲۵۰۰۰ روپے ہیں اور میں باقاعدہ کرایہ ادا کرتا ہوں۔ یہ درست ہے کہ گھر کے مالک نے رینٹ کنٹرولر اسلام آباد میں گھر خالی کروانے کے لیے نوٹس جاری کروایا ہے مگر مجھے رینٹ کنٹرولر کا نام یاد نہیں ہے۔ اس کیس کا جواب ۱۵ مارچ ۲۰۰۴ء تک مجھے دینا ہے میں نے ڈاک کے ذریعہ نوٹس وصول کیا اور اس وقت میرے پاس اس کی کاپی نہیں ہے اور اس کیس کے لیے کسی وکیل کی خدمات حاصل نہیں کیں اور نہ ہی عدالت سے رجوع کیا ہے۔ مجھے بے دخلی نوٹس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ یہ بھی نادرست ہے کہ اس بارے میں صحیح جوابات نہیں دے رہا ہوں۔ میں نے ۵/۴ دن پہلے بے دخلی کا نوٹس وصول کیا اور اس سے پہلے میں عام زندگی گزار رہا تھا اور میں جسمانی لحاظ سے کسی مشکل میں نہیں ہوں۔ یہ نادرست ہے کہ میں نے پنشن کے ساتھ سمن بھی وصول کیا ہے۔ میں واہ کینٹ میں رجسٹرڈ ووٹر ہوں اور واہ کے علاوہ کسی بھی جگہ ووٹرز لسٹ میں نام کا اندراج نہیں کرایا۔ ملزم جاوید ہاشمی کبھی میری حراست میں نہیں رہا اور نہ ہی کبھی میرا تجارتی شریک رہا ہے اور میری کوئی رشتہ داری ملزم کے ساتھ نہیں ہے اور ملزم میرے حلقہ سے کبھی بھی انتخاب نہیں لڑا اور میں کسی سیاسی پارٹی کا ممبر نہیں تھا۔

میں فوجی افسر کی حیثیت سے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء اور کارگل میں شریک نہیں تھا اور میرے پاس ان جنگوں میں جانی نقصان کے اعداد و شمار نہیں ہیں اور کبھی بھی کارگل کے بارے میں تحقیقات انجام نہیں دی مجھے جنرلوں کی تعیناتی اور ٹرانسفر سے کوئی غرض نہیں ہے اور لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن کی پوسٹنگ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں رکھتا ہوں اور مجھے (جی ایچ کیو) کے مونوگرام والے لیٹر کے تقسیم اور چھپائی سے کوئی غرض نہیں ہے۔

میں خود کسی اخبار دی نیوز، خبریں، اوصاف اور نوائے وقت اور روزنامہ پاکستان کا پرنٹر، پبلشر، مالک، ایڈیٹر اور نمائندہ نہیں ہوں میں ان پریس رپورٹروں کا نام نہیں دے سکتا جنہوں نے ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو پریس کانفرنس میں شرکت کی جو کہ قومی اسمبلی کے کیفے ٹیریا میں انجام پذیر ہوا۔ اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کس اخبار کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ جو اخبارات میں نے دیئے ہیں وہ بازار سے خریدے ہوئے ہیں۔

میرے درخواست Ex. P.2 پر میری موجودگی میں ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو دن ۱۰ر اور ۱۱ بجے کے درمیانی وقت میں جناب ایس ایس پی صاحب نے احکامات صادر کیے اور اسی دن درخواست میں پولیس سٹیشن لے گیا۔ یہ درست ہے کہ میں نے یہ بات ظاہر نہیں کی کہ میں ایک ریٹائرڈ فوجی افسر ہوں نہ اپنے پولیس کو بیانات میں حوالہ Ex. P.Z. اور اپنے ڈرافٹ Ex. P.S/1 اور کسی کاغذ میں یہ بات میں نے ظاہر ہونے دی۔ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء سے ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء تک میں اسلام آباد میں رہا اور حالات ٹھیک تھے۔ یہ غلط ہے کہ میری درخواست Ex. P.Z. ۲۹ اکتوبر کو میں نے دریافت کیا۔ یہ بھی غلط ہے کہ میں نے سہواً ۲۱ اکتوبر ۲۰۰۳ء لکھا

اور یہ کہ میں ایس ایس پی صاحب کے دفتر جاتا رہا ہوں مگر ان سے ملاقات کا وقت نہ لے سکا چونکہ وہ اپنے دیگر سرکاری کاموں میں مصروف تھے۔ یہ بھی غلط ہے کہ میں نے اس بار غلط بیانی کی ہے۔ یہ بھی نادرست ہے کہ ایس ایس پی صاحب اسلام آباد ۲۰ تا ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء تک ملاقات کا وقت دینے پر تیار تھے اور اس دعویٰ کے برخلاف جھوٹ ہے۔

میں حوالہ نمبر .Ex. P.S کے تحت اپنی درخواست گیٹ نمبر ۵ پر سیکریٹری دفتر سے آنے والے شخص کو دی اور گیٹ نمبر ۵ قومی اسمبلی کے اندرونی حصہ میں ہے۔ میں اس بات سے ناواقف تھا کہ قومی اسمبلی کے گیٹ ۵ کے پاس ریسپشن ہے۔ میں کارڈ حاصل کرنے کے لیے بیرونی دروازہ اور بلڈنگ کے اندر نہیں گیا۔ یہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ بغیر پاس کے بیرونی دروازہ تک جایا جاسکتا ہے۔ یہ نادرست ہے کہ حوالہ .Ex. P.S کے تحت میں نے ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء کے بعد استغاثہ کے دباؤ پر بنایا تاکہ میں اپنی موجودگی کا جواز بنالوں۔ میں نے اپنی درخواست Ex .P.S اپنی شکایت Ex P.P کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے پاس پر اپنا نام دیکھا اور اسمبلی میں کام کرنے والے کسی اہل کار سے کیفے ٹیریا میں جانے کے لیے اجازت طلب نہیں کی۔ اسمبلی کا ہال پارلیمنٹ ہاؤس کی دوسری اور کیفے ٹیریا پہلی منزل پر ہے، البتہ میں دونوں کے درمیانی فاصلہ نہیں بتاسکتا۔ میں نے اس دن کے اجلاس کی کارروائی نہیں دیکھی چونکہ DVG میں جگہ خالی نہیں ملی۔ مجھے DVG میں جانے کی اجازت نہیں دی گئی جبکہ میرے پاس وزٹر کارڈ تھا چونکہ وہاں کرسی خالی نہیں تھی مجھے قومی اسمبلی کے اجلاس مورخہ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء کے بارے میں معلومات نہیں ہیں۔ میں نے دن ۲:۳۰ بجے کارڈ وصول کیا اور شام ۵ بجے اجلاس دیکھنے گیا۔ مجھے کوئی اخباری اطلاع نہیں تھی کہ جاوید ہاشمی اسمبلی کے کیفے ٹیریا میں کانفرنس میں خطاب کرنے جارہے ہیں۔ جب میں نے ۲۹ اکتوبر کو ایس ایس پی اسلام آباد کو اپنی درخواست پیش کی میں اکیلا تھا اور اکیلے ہی پولیس سٹیشن گیا۔ یہ بھی مجھے معلوم نہیں ہے کہ جناب اعتزاز احسن، حافظ حسین احمد، لیاقت بلوچ، شاہ محمود قریشی، عابد شیر علی، راجہ پرویز اشرف، میاں محمد اسلم، سید نیر حسین بخاری اور محمد حنیف کس حلقہ سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ مجھے ان کی سیاسی وابستگیوں کے بارے بھی علم نہیں تھا اور میری اوپر دیے گئے افراد سے دوستی نہیں ہے۔

مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ملزم مخدوم جاوید ہاشمی 20 اکتوبر 2003ء مسلم لیگ نواز گروپ کے قائم مقام صدر تھے اور یہ کہ مخدوم جاوید ہاشمی صاحب 20 اکتوبر 2003ء کو (PML (N کے پارلیمانی لیڈر ہیں، اور اس بات سے ناواقف تھا کہ (ARD PML (N کا جزو ہے اور یہ بات مجھ پر عیاں نہ تھی کہ وہ قومی اسمبلی میں ARD کے پارلیمانی پارٹی کے لیڈر ہیں اور یہ کہ وہ ARD کے صدر ہیں۔

میں 1963ء کو پیدا ہوا میری معلومات کے مطابق پاکستان میں عام انتخابات 1992, 1988, 1973 اور 1993 اور اس کے بعد بہت سے انتخابات ہوئے۔ میں کبھی سیاسیات کا طالبعلم نہیں رہا اور سیاست

سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں کبھی کسی انتخابات میں شریک نہیں ہوا اور نہ کسی فرد کی انتخابات میں حمایت کی اور اس بات سے واقف نہیں تھا کہ کیفے ٹیریا میں کیا رونما ہونے والا ہے۔ یہ بات نادرست ہے کہ ایک سابق فوجی کی حیثیت سے میں نے ایک بے بنیاد اور نادرست درخواست استغاثہ کے دباؤ پر پیش کی۔ یہ نادرست ہے کہ میں 20 اکتوبر 2003ء کو پارلیمنٹ ہاؤس نہیں گیا اور یہ بات غلط ہے کہ درخواست Ex P.S، 20 اکتوبر 2003 کو پیش نہیں کی گئی۔ یہ نادرست ہے کہ کارڈ Ex P.S/1 مجھے 20 اکتوبر 2003ء کو جاری نہیں ہوا اور یہ بات بھی غلط ہے کہ اس وقت میں کیفے ٹیریا میں موجود نہیں تھا اور یہ بات نادرست ہے کہ میں نے استغاثہ کی دباؤ میں غلط بیانی کی ہے۔

تاریخ ۱۳ مارچ ۲۰۰۳ء دستخط سیشن جج، راولپنڈی جیل کیمپ

گواہ نمبر ۸

کیپٹن جہانزیب ظہور نے حلف اٹھانے کے بعد ملزم کے وکیل کو یہ بیان دیا

میرا آبائی گاؤں چک مصریال ضلع چکوال ہے۔ میں نے H-8 کالج اسلام آباد میں تعلیم حاصل کی۔ میں سائنس کا ایک طالبعلم تھا۔ میرے والد پاک فوج کے ایک ریٹائرڈ میجر تھے۔ میرے دادا پولیس میں تھے اور میرا کوئی اور رشتہ دار فوج میں نہیں ہے میں نے 1992ء میں فوج میں شمولیت اختیار اور اپنی سروس کے دوران کھاریاں، سیالکوٹ، کراچی، سیاچین اور اب راولپنڈی میں تعینات ہوا اور 2002ء سے جی ایچ کیو راولپنڈی کے ڈائریکٹوریٹ میں کام کر رہا ہوں۔ جی ایچ کیو میں میرا کام آرٹلری سے متعلق ہے۔ کرنل شہزاد G-1، جی ایچ کیو میں میرے سرپرست ہیں۔ مجھے جی ایچ کیو نے قومی اسمبلی کی کاروائی دیکھنے کیلئے مامور نہیں کیا تھا۔ میں رضاکارانہ طور پر خود گیا تھا اور اپنے افسران بالا سے اسمبلی کی کاروائی دیکھنے کیلئے پیشگی اجازت نہیں لی تھی کہ اپنے افسران بالا اور جی ایچ کیو میں کسی اور کو تحریری طور اطلاع نہیں دی کہ میں کاروائی دیکھنے جا رہا ہوں یہ درست ہے کہ کیپٹن میرے نام کا جزو ہے چونکہ میں حاضر سروس آرمی افسر ہوں۔

یہ درست ہے کہ میں نے اپنی درخواست جس کا حوالہ نمبر Ex P.T میں یہ ظاہر نہیں کہ میں آرمی میں کیپٹن ہوں اور یہ کہ میں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ میں کہاں کام کر رہا ہوں اور نہ والد اور گھر کا پتہ لکھا، چونکہ میں نے اپنے شناختی کارڈ نمبر لکھا تھا میں نے اپنے شناختی کارڈ کی کاپی پولیس اور اسمبلی سیکریٹریٹ کو دی ہے۔ یہ بھی سراسر غلط ہے کہ اسمبلی اور پولیس کو اپنی شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی نہیں دی۔ یہ درست ہے کہ میرا عہدہ جو کیپٹن ہے شناختی کارڈ پر درج نہیں ہے جو حوالہ نمبر Ex P.T/1 پر ہے۔ یہ درست ہے کہ درخواست Ex P.T پر تاریخ نہیں لکھی۔ ایک شخص مجھے گیٹ سے سیکریٹری آفس لے گیا تاکہ میں اپنی درخواست دے دوں۔ سیکریٹری نے میری موجودگی میں کوئی احکامات نہیں دیے۔ مجھے اسمبلی بلڈنگ میں جانے سے کسی نے نہیں روکا۔ میں فوجی وردی میں نہیں تھا،

جب میں اسمبلی کی حدود میں گیا۔ پارلیمنٹ بلڈنگ اور کیفے ٹیریا میں موجودگی کے وقت میں فوجی وردی میں نہیں تھا۔ میں نے 20 اکتوبر 2003ء کو اسمبلی کی کاروائی نہیں دیکھی اور مجھے اسمبلی ہال سے کیفے ٹیریا پہنچنے میں 5 منٹ لگ گئے مگر میں ہال اور کیفے ٹیریا کے فاصلے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں اخباری نمائندوں کے نام سے ناواقف ہوں اور ان اخباری رپورٹرز کو نہیں جانتا ہوں جو 20 اکتوبر 2003ء کو کیفے ٹیریا میں تھے۔ میں نے ملزم مخدوم جاوید ہاشمی سے کوئی پیغام وصول نہیں کیا کہ وہ پریس کانفرنس سے خطاب کرنے جا رہے ہیں۔ میں کسی اخبار میں رپورٹر نہیں ہوں اور کسی اخبار سے میرا واسطہ نہیں ہے۔ ممکن ہے۔ مخدوم جاوید ہاشمی لاہور سے بطور ایم این اے منتخب ہوئے ہوں۔ چوہدری اعتزاز احسن بھی لاہور سے ایم این اے منتخب ہوئے مگر مجھے یقین نہیں ہے۔ میں ان حلقوں کا نام نہیں جانتا جہاں سے حافظ حسین احمد، لیاقت بلوچ، شیر افگن، شاہ محمود، عابد شیر علی، میاں محمد اسلم اور محمد حنیف عباسی منتخب ہوئے، ہاں میں پارٹی وابستگی بتا سکتا ہوں۔ اعتزاز احسن پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین کے ایم این اے شیر افگن پیپلز پارٹی پیٹریاٹ، میاں محمد اسلم ایم ایم اے۔ میں شاہ محمود قریشی اور میاں محمد اسلم کی سیاسی وابستگی سے بے خبر ہوں۔ میں اسلام آباد سے رجسٹرڈ ووٹر ہوں۔ جاوید ہاشمی میرے حلقہ سے کبھی انتخابات میں شریک نہیں ہوئے۔ 20 اکتوبر 2003ء تک میں اسلام آباد میں روزمرہ کی زندگی گزار رہا تھا اور کوئی مشکل نہیں تھی۔ میں نے 20 اکتوبر 2003ء کے واقعہ کے بارے میں پولیس میں رپورٹ درج نہیں کرائی اور ساتھ ہی جی ایچ کیو میں اس بارے میں کوئی تحریری شکایت نہیں دی۔

مجھے جی ایچ کیو کے اصل مونوگرام والے پیڈ کی چھپوائی اور تقسیم سے کوئی غرض نہیں ہے اور مجھے چھپے پیڈ ملتے ہیں اور جی ایچ کیو کی اکثر خط و کتابت اسی پیڈ پر ہوتی ہے۔ جی ایچ کیو میں مختلف عہدوں پر ہزاروں کارندے ہیں اور سرکاری خط و کتابت میں جی ایچ کیو کے اصل مونوگرام پیڈ استعمال کرتے ہیں یہ مجھے معلوم نہیں کہ جی ایچ کیو کے افسران بالا غیر سرکاری اداروں سے اس پیڈ پر خط و کتابت کرتے ہیں یا نہیں۔

میں 1965، 1971 اور کارگل جنگوں میں شریک نہیں تھا اور اس انکوائری کمیٹی کا ممبر نہیں تھا جو کارگل کے بارے میں تحقیقات سرانجام دے رہی تھی اور اس بات سے بھی ناواقف ہوں کہ اس بارے میں کوئی انکوائری ہو رہی ہے۔ میں نے پاکستان آرمی کے 1965، 1971 اور کارگل کے جنگوں میں جانی نقصان کے اعداد و شمار جمع نہیں کیے اور مجھے جنرلوں کے تعیناتی کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور اس سے بھی ناواقف ہوں کہ اب لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن کہاں تعینات ہیں۔

محمد بشیر ایس آئی نے 29 اکتوبر 2003ء کو مجھے سیکرٹریٹ پولیس سٹیشن شام 6:30 بجے بلایا۔ میں نے ٹیلی فون کے ذریعہ پیغام وصول کیا۔ میری پولیس افسر محمد بشیر سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔

29 اکتوبر 2003ء کو میرے بیانات قلمبند کیے گئے اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے بتایا ہو کہ میں نے ویڈیو

کارڈ حاصل کرنے کیلئے سیکریٹری قومی اسمبلی کو درخواست پیش کی تھی تا کہ 20 تا 24 اکتوبر تک کی کاروائی دیکھ سکوں۔

مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور صرف اخباری خبروں تک محدود ہے۔ یہ نادرست ہے کہ میں 20 اکتوبر پارلیمنٹ ہاؤس کے کیفے ٹیریا میں نہیں گیا۔ یہ بھی غلط ہے کہ درخواست Ex P.T کیس رجسٹر ہونے کے بعد میں نے دستخط کر دیئے۔ یہ سراسر غلط ہے کہ حوالہ نمبر Ex P.T/1 20 اکتوبر 2003 کو مجھے جاری نہیں ہوا تھا۔ یہ بھی نادرست ہے کہ یہ تمام کاروائی بعد میں عمل میں لائی گئی تا کہ 20 اکتوبر 2003ء کو میری قومی اسمبلی اور کیفے ٹیریا میں موجودگی کو قانونی رنگ دیا جائے۔ درخواست Ex P.T میں نے نہیں لکھی اور اسے ایک عام شہری شہزاد بشیر جو میریٹ ہوٹل میں کام کرتا ہے نے لکھا ہے۔ یہ غلط ہے کہ میں نے غلط بیانی کی ہے چونکہ میں جی ایچ کیو میں کام کرتا ہوں۔ یہ بھی نادرست ہے کہ استغاثہ کے دباؤ پر جھوٹا بیان دینے پر مجبور کیا گیا۔ یہ بھی غلط ہے کہ مجھے 20 اکتوبر 2003ء کے اسمبلی کے کیفے ٹیریا میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں علم نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم پارلیمنٹ ہاؤس میں کتنے کیفے ٹیریا ہیں اور یہ بھی غلط ہے کہ میں نے پولیس کو کوئی چیز پیش نہیں کی اور یہ کہ بازیابی کا عمل جھوٹ پر مبنی ہے۔

تاریخ ۱۳ مارچ ۲۰۰۴ دستخط سیشن جج، راولپنڈی جیل کیمپ

مخدوم جاوید ہاشمی کے خلاف بغاوت کیس کے فیصلہ کے اہم اقتباسات

بعدالت سیشن جج، اسلام آباد

کیمپ بمقام سینٹرل جیل، راولپنڈی

سیشن مقدمہ نمبر 52 سال 2003ء

سیشن ٹرائل نمبر 52 اے سال 2004ء

سرکار بنام.......... مخدوم جاوید ہاشمی ولد مخدوم محمد شاہ ہاشمی

ساکن 50 قاسم روڈ، ملتان چھاؤنی

حال مقیم الیف 106، پارلیمنٹ لاجز، اسلام آباد

مقدمہ ایف آئی آر نمبر 326 بتاریخ 29-10-2003 جرم زیر دفعات 124 اے

131 /468 /469 /471 /500 /505 اے اور 109 تعزیرات پاکستان

تھانہ سیکرٹریٹ، اسلام آباد۔

فیصلہ

1- تھانہ سیکرٹریٹ اسلام آباد نے زیر دفعات تعزیرات پاکستان 124۔اے /500 /505 131 /468 /469 /471 اے اور 109 ملزم مخدوم جاوید ہاشمی ولد محمد شاہ ہاشمی کے خلاف چالان پیش کیا۔ ملزم کے ارتکاب جرم مبینہ طور پر 20-10-2003 کو تسلیم کرنے پر۔

2- استغاثہ کی طرف سے مقدمہ کے دوران سماعت معلوم ہوا کہ شکایت کنندہ خورشید احمد نے اپنی شکایت (Ex.P.Z) سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس اسلام آباد سے بیان کی کہ وہ 20-10-2003 کو قومی اسمبلی کی کارروائی دیکھنے گیا۔ وہ ”تقریباً چھ بجے شام گواہان استغاثہ نادر اور جہانزیب سے کیفے ٹیریا میں ملا۔ ملزم مخدوم جاوید ہاشمی، رکن قومی اسمبلی جس کو وہ پہلے سے جانتا ہے نے تقریباً سوا چھ بجے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے اور پریس کانفرنس سے قبل مخدوم جاوید ہاشمی نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ پریس کانفرنس کے دوران ملزم نے ”قومی قیادت کے نام“ کے عنوان سے ایک خط کی فوٹو کاپیاں شرکاء میں، جن میں چند اخبار نویس شامل تھے تقسیم کیں۔ مذکورہ خط کے مندرجات صدر

پاکستان' جنرل پرویز مشرف اور پاکستانی فوج کے بھی خلاف لکھے گئے تھے۔ ان میں انہیں بدنام اور رسوا کیا گیا تھا۔ ملزم جاوید ہاشمی نے اس خط کے ذریعے فوج اور حکومت کے مابین بددلی پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہیں بغاوت پر اکسایا اور اس طرح ملزم نے کرگل کے واقعے میں حکومت اور ملک کے نقصانات کے متعلق یہ مبالغہ آمیز اور غلط تاثر دیا کہ یہ نقصانات 1965ء اور 1971ء کی جنگوں سے بھی زیادہ تھے۔ ملزم نے پریس کانفرنس میں بیان دیا کہ بھارت نے کرگل کے واقعے کے بعد مکمل تحقیقات کا اہتمام کیا جس کے بعد متعدد بریگیڈئر اور جنرل ریٹائرڈ کر دیئے گئے۔ یوں ملزم نے مسلح افواج کے مابین بے چینی کو ابھارنے اور اس کے اداروں کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ شکایت کے مطابق ملزم نے پریس کانفرنس میں مزید یہ غلط بیانی بھی کی کہ جنرل جاوید حسن جو اس وقت میجر جنرل' کرگل میں فوج کی کمان کر رہے تھے' چار برس تک جب امریکہ میں فوجی اتاشی متعین کئے گئے تھے' اس وقت سی آئی اے کے ایجنٹ رہ چکے تھے۔ جاوید ہاشمی اور اس کے ساتھیوں نے جو خط تقسیم کیا وہ بادی النظر میں جعلی دکھائی دیتا تھا۔ کیونکہ اس پر کسی کے دستخط نہ تھے۔ جی ایچ کیو کا بتایا جانے والا لیٹر پیڈ بھی بادی النظر میں جعلی تھا' کو الگ سے جعلی بنا کر جس پر جی ایچ کیو کا مونوگرام بھی جعلی لگایا گیا لگتا تھا۔ ملزم نے روزنامہ ''نیوز'' کو یہ بیان دیا کہ چونکہ مذکورہ خط اس نے تقسیم کیا لہٰذا بقول اس کے یہ کہنا کافی ہے کہ خط مصدقہ اور اصلی ہے۔ شکایت کنندہ کے مطابق ملزم نے یہ خط جی ایچ کیو کے کسی جعلی لیٹر پیڈ پر خود ہی تیار کیا اور اس طرح بالارادہ اور بالقصد افواج پاکستان میں بددلی پھیلانے کا مرتکب ہوا۔ اور لوگوں کو صدر پاکستان اور فوج کے خلاف بغاوت کی ترغیب دی۔ مذکورہ تقریر اور خط کی تقسیم کے ذریعے ملزم اور اس کے ساتھی ملک میں فساد برپا کر کے ملک اور حکومت کی یک جہتی کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے پاک فوج کو تقسیم کر کے ملک کو توڑنے کی جسارت کی۔ جاوید ہاشمی کی اس پریس کانفرنس کی خبر ''نیوز' خبریں' اوصاف' نوائے وقت اور روزنامہ پاکستان'' سمیت ملک بھر کے اخبارات میں 12 اکتوبر 2003ء کو شائع ہوئی۔ شکایت کنندہ کے مطابق اس طرح وفاق پاکستان کی یک جہتی' بہبود اور اتحاد کو نقصان پہنچا اور مسلح افواج میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر کے گویا ملک کو توڑنا مقصود تھا۔ چنانچہ استدعا کی گئی کہ مذکورہ بالا حقائق اور حالات کے پیش نظر ملزم کا قانونی احتساب کیا جائے۔ یہ شکایت درحقیقت ایس ایس پی اسلام آباد کو دی گئی تھی جس نے ایس ایچ او تھانہ سیکرٹریٹ کو بھجوا دی۔ چنانچہ اس شکایت کی بنا پر فوری ایف آئی آر درج کی گئی۔ ملزم کو گرفتار کیا گیا اور دوران تفتیش اسے قصور وار پایا گیا اور آخر کار مقدمہ چلانے کے لئے اس کا چالان کیا گیا۔

3- عدالت ہذا میں چالان پیش کئے جانے کے نتیجے میں دستاویزات کی نقول ضابطہ فوجداری کی دفعہ

265۔سی کے تحت 16 دسمبر 2003ء کو ملزم کے حوالے کی گئیں۔ ریکارڈ پر موجود مواد کے مطالعہ کے بعد محسوس کیا گیا کہ ملزم کے خلاف کارروائی کے لئے مواد موجود ہے چنانچہ سات عنوانات کی ایک فرد جرم تیار کر کے ملزم کو پڑھ کر سنائی اور سمجھائی گئی مگر اس نے سوالات کا جواب دینے سے انکار کیا اور فرد جرم پر دستخط کرنے سے بھی انکار کیا اور بس اتنا کہا کہ وہ ان الزامات سے انکار کرتا ہے۔

9- سید غلام احمد شاہ، اسسٹنٹ سیکرٹری قومی اسمبلی سیکرٹریٹ استغاثہ کے پانچویں گواہ کی حیثیت سے پیش ہوا۔ وہ موثر گواہ ہے۔ اس نے بتایا کہ 20 اکتوبر 2003ء کو وہ قومی اسمبلی سیکرٹریٹ اسلام آباد میں اسسٹنٹ سیکرٹری تعینات تھا، جواب بھی وہیں ہے۔ اس نے اس تاریخ کو سیکرٹری قومی اسمبلی کی منظوری سے تین وزیٹر کارڈ جاری کئے تھے۔ گواہ نے سیکرٹری قومی اسمبلی کے نام خورشید احمد کی اصل درخواست دفتری ریکارڈ پیش کی جو دستاویز استغاثہ نمبر پی ایس منسلک ہے۔ مذکورہ درخواست اس کے نام بھجوائی گئی تھی اور اسی بناء پر اس نے ''عمائدین کی گیلری'' (DVG) کا کارڈ جاری کیا جس پر بحوالہ (EX.P.S/1) اس کے دستخط موجود ہیں۔

10- اس نے سیکرٹری قومی اسمبلی کے نام جہانزیب ظہور اعوان کی اصل درخواست (EX.P.T) بھی بطور گواہی پیش کی جو گواہ کو بھجوائی گئی تھی۔ گواہ نے جہانزیب ظہور اعوان کو اس کی درخواست کی بناء پر ''عمائدین کی گیلری'' کا کارڈ جاری کیا جس پر اس کے دستخط '(EX.P.T/1)' موجود ہیں۔

11- 20 اکتوبر 2003ء کو گواہ استغاثہ نادر خان نے سیکرٹری قومی اسمبلی کو وزیٹر کارڈ کے لئے درخواست دی جو گواہ کے نام بھجوائی گئی۔ اس نے اصل درخواست 'Ex.P.U' پیش کی۔ اسی درخواست کی بناء پر اسے (DVG) عمائدین کی گیلری کا کارڈ جاری کیا گیا۔ (EX.P.E) جس پر گواہ کے دستخط 'EX.P.U/1' موجود ہیں۔ تفتیشی افسر نے اس کا بیان 8 نومبر 2003ء کو ریکارڈ کیا تھا۔

12- لیفٹیننٹ کرنل خالد محمود راجہ، جنرل منیجر، آرمی پریس، جی ایچ کیو، راولپنڈی بطور گواہ استغاثہ نمبر 6 پیش ہوا۔ اس نے گواہی دی کہ 3 نومبر 2003ء کو اسے ایس ایس پی اسلام آباد کا ایک خط بحوالہ 7077/C موصول ہوا، جس کا موضوع تھا ''ایف آئی آر نمبر 326 بتاریخ 29 اکتوبر 2003ء سے متعلق ایک خط بسلسلہ مونوگرام جی ایچ کیو کی فوٹو کاپی کی تصدیق'' یہ خط اسے بوساطت مجاز سی جی ایس سیکرٹریٹ جی ایچ کیو مذکورہ بالا مقصد کے لئے بھیجا گیا۔ اس نے بتایا کہ موازنہ کے لئے بھیجا گیا خط اس نے دیکھا تھا۔ موازنہ کے لئے ''قومی قیادت کے نام'' کے عنوان سے بھیجے گئے اس خط پر اس نے مہر لگائی اور اپنے مختصر دستخط کئے۔ مذکورہ خط (EX.P.W) اور اس پر کئے گئے مختصر دستخط پر موجود ہیں 'Ex.P.X' گواہ نے جی ایچ کیو کا اصل پیڈ بھی ساتھ لگایا جس پر اس کی مہر اور مختصر دستخط تھے۔ جی ایچ کیو کا اصل پیڈ EX.P.X پر

موجود ہے۔ گواہ نے (EX.P.W) پر موجود مونوگرام کا EX.P.X کے مونوگرام کے ساتھ موازانہ کرنے کے بعد 8 نومبر 2003ء کو مفصل رپورٹ ٹائپ کر کے اس پر دستخط کئے۔ مذکورہ رپورٹ EX.P.Y پر ہے۔ اس کے دستخط EX.P.Y/1 پر موجود ہیں۔

13- مقدمے کا شکایت کنندہ خورشید احمد بطور گواہ استغاثہ نمبر 7 پیش ہوا۔ وہ ایک مؤثر گواہ ہے۔ اس نے شکایت کے مندرجات EX.P.Z' کی مکمل تائید کی جس کی تفصیلات پیرا نمبر 2 میں اوپر ہیں لہٰذا انہیں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس نے بیان کیا کہ اس نے ایف آئی آر درج کرانے کے لئے دستخط شدہ ایک تحریری درخواست' EX.P.Z' دی تھی جس کے ساتھ قومی شناختی کارڈ لگایا' EX.P.Z/1' اس نے مزید بتایا کہ اس نے ''قومی قیادت کے نام'' کے عنوان کے خط کی فوٹو کاپی درخواست کے ساتھ منسلک کی جو اسے جاوید ہاشمی نے دی تھی' EX.P.J' اس نے اخبار 'دی نیوز' بھی پیش کیا۔ جو اس نے اندراج مقدمہ کی درخواست سے منسلک کیا تھا۔ اخبار روزنامہ دی نیوز' پہلے ہی EX.P.K پر' روزنامہ ''خبریں'' EX.P.L پر' روزنامہ ''اوصاف'' EX.P.M پر' روزنامہ ''نوائے وقت'' EX.P.N' روزنامہ ''پاکستان'' EX.P.P پر منسلکہ ہیں۔

16- اس نے بتایا کہ اس نے 29-10-03 کو اپنا ضمنی بیان ریکارڈ کرایا اور اس ضمنی <u>بیان میں ایف آئی آر میں درج اپنے دیئے گئے بیان کو تسلیم کیا اور استفسار پر دیگر شرکاء کے نام بتائے جو چودھری اعتزاز احسن' ایم این اے' حافظ حسین احمد' ایم این اے' لیاقت بلوچ' ایم این اے' شاہ محمود قریشی' ایم این اے' چودھری عابد شیر علی' ایم این اے' راجہ پرویز اشرف' ایم این اے' میاں محمد اسلم' ایم این اے' سید نیر حسین بخاری' ایم این اے اور محمد حنیف' ایم این اے تھے جنہوں نے پریس کانفرنس میں شرکت کی اور اس کی حمایت کی۔</u>

47- استغاثہ کا دعویٰ ہے کہ ملزم کے الفاظ' تقریر' خط کی تقسیم اور ظاہری اقدامات ایسے ہیں کہ اس نے وفاقی حکومت' جو قانون کے تحت کام کر رہی ہے' کے خلاف نفرت پھیلانے یا توہین آمیزی کی کوشش کی۔ اور مزید یہ کہ فوج کے جوانوں عسکری ملازمین کو بغاوت پر اکسایا لہٰذا یہ تمام جرائم تعزیرات پاکستان کی دفعات 109/ 124/ 131 کو دفعہ 505 اے' کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے اس کے تحت آتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا پیراجات میں بتایا گیا ہے' زیر دفعات 505/124 اے' سی پی سی کے تحت قائم مقدمے' کے اندراج' چالان اور عدالت کے دائرہ اختیار پر وکیل صفائی کے اعتراضات کو رد کرتا ہے۔ یہاں یہ کہنا درست ہوگا کہ 24-01-2004 کو بھی ملزم کی طرف سے عدالت کے حکم مجریہ 24-01-2004ء کی نظر ثانی قانون فوجداری 24 کے خلاف دائر کیا گیا تھا۔ جبکہ ملزم پر دفعہ تعزیرات پاکستان کی 124 اے لاگو ہوتی ہے۔ مگر اسے بھی معزز عدالت عالیہ نے 08-04-2004 کو اپنے ایک حکم کے تحت خارج کر دیا۔ چنانچہ یہ معاملہ اپنے انجام کو

پہنچ گیا۔ استغاثہ زبانی اور تحریری دستاویزی شواہد سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے میں کامیاب رہا ہے کہ ملزم نے دفعہ 124۔اے تعزیرات پاکستان کے تحت جرم سرزد کیا ہے۔

48- اب دیکھنا یہ ہے کہ استغاثہ دیگر الزامات کے تحت جرم کا ارتکاب ثابت کرنے میں کامیاب ہوتا ہے کہ نہیں۔ دفعہ 131 کے الفاظ کے مطابق ''ہر وہ شخص جو بحری، بری اور فضائی فوج کے افسر، سپاہی، سیلر یا ائرمین کو بغاوت پر اکسائے یا ایسے افسر، سپاہی، سیلر یا ائرمین کی ذمہ داری یا فرائض سے بغاوت پر اکسانے کی ترغیب کا مرتکب ہو تو اسے عمر قید کی سزا یا دس سال تک قید کی سزا ہو سکتی ہے۔ جس کے ساتھ جرمانہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس مرحلے میں یہ دیکھنا ہے کہ آیا ملزم کے بغاوت کے زمرے میں آنے کا کوئی ثبوت ہے؟ اس بارے میں استغاثہ کا گواہ نمبر 8 کیپٹن جہانزیب ظہور اعوان کی گواہی اس سے متعلق اور کافی ہے۔ گواہ کے یہ غیر مبہم الفاظ کہ ملزم کے پریس کانفرنس میں خط قومی قیادت کے نام کے مندرجات کو پڑھنے سے ایک دفعہ تو اس کے اندر اپنے افسران بالا، فوج اور صدر پاکستان کے خلاف بغاوت کا احساس جاگ اٹھا، مگر وہ جلد ہی اپنے جذبات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ کافی ہے کسی صورت یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ استغاثہ کا گواہ نمبر 8 ایک حاضر سروس فوجی افسر ہے۔ اس کے فوجی افسر ہونے کی تردید کسی صورت نہیں کی جا سکتی۔ وکیل صفائی کی طرف سے جرح میں اس نے بتایا کہ پریس کانفرنس سننے اور مذکورہ خط پڑھنے سے پہلے اس کے اندر اپنے افسران بالا، ملک اور صدر کے خلاف باغیانہ خیالات نہیں تھے۔ لہٰذا اس بارے میں اس کے بیان کا حصہ ناقابل تردید اور ناقابل چیلنج ہے۔ چنانچہ ریکارڈ پر دستیاب ثبوت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملزم نے لوگوں کو بغاوت پر اکسایا اور فوجیوں کو اپنے فرائض منصبی سے منحرف کرنے کی کوشش کی، یوں وکیل استغاثہ ملزم کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ 131 کو ثابت کرنے میں کامیاب رہا ہے۔

48۔ دل آزار خط کی تقسیم، جیسا کہ اوپر پیش کیا گیا ریکارڈ پر ہے، مذکورہ خط کے ذریعے ملزم نے فوج کے اندر بغاوت پیدا کرنے کی جسارت کی۔ ایک حاضر سروس جنرل جاوید حسن اور اس پر عائد کردہ الزامات کا اظہار کیا کہ وہ جب امریکہ میں پاکستانی ہائی کمیشن میں فوجی اتاشی تھا، تو چار سال کے لئے سی آئی اے کا ایجنٹ رہا ہے۔ پاکستانی فوج کی اعلیٰ قیادت کے بارے میں بھی کسی ثبوت کے بغیر ریمارکس دے دیئے۔ ملزم کا دشمن فوج کو فوقیت دینا کہ وہ پاک فوج سے زیادہ منظم ہے۔ یہ آراء اور الزامات کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر ہیں۔ ریکارڈ ظاہر کرتا ہے کہ جنرل جاوید حسن کے خلاف لگائے گئے الزام کو وزارت دفاع (حوالہ خط ES.P.BB) نے یکسر رد کر دیا۔ منیر احمد، ڈپٹی سیکرٹری، وزارت دفاع، عدالت میں استغاثہ کی طرف سے گواہ نمبر 9 کے طور پر پیش ہوا اور خط (حوالہ نمبر EX.P.BB) کے مندرجات کو درست قرار دیا، جس

سے یہ واضح ہوا کہ چیف آف آرمی سٹاف، افسر مجاز، کی حمایت پر لیفٹیننٹ جنرل جاوید حسن کی ترقی ہوئی حالانکہ اس نے رولز آف بزنس 1973 کے شیڈول 5۔اے کے سیریل نمبر کی شرائط پر بتاریخ 5 اگست 2000ء کو دیگر عمومی افسران کے ساتھ ترقی پائی۔ مزید یہ واضح کیا گیا کہ مسلح فوج کا کوئی افسر آئی اے میں تعینات نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ زبانی مگر دستاویزی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ فوجی افسر پر لگائے گئے الزامات بے بنیاد تھے، جو فوجی افسر کو بالخصوص اور فوج کو بالعموم بدنام کرنے کی کوشش تھے۔ اس طرح پاکستانی فوج کی نہ صرف بد نظمی کا شکار بلکہ بدنام بھی ہوئی اور ملزم کی اس حرکت سے فوج کی ساکھ بھی متاثر ہوئی۔ پس مذکورہ خط مندرجات سے یہ نہایت واضح ثابت ہوا کہ ملزم نے ذاتی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ سیاسی فوائد کے لئے اس جرم کو سرزد کیا اور ملزم کی یہ حرکت زیر دفعات 469/500، 505 (اے) کے تحت قابل سزا جرم ہے۔

49۔ استغاثہ کا مقدمہ یہ ہے کہ خط ''قومی قیادت کے نام'' ملزم نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پریس کانفرنس میں تقسیم کیا، وہ اپنی ہیئت میں ایک چوری شدہ جعلی کاغذ دکھائی دے رہا تھا، جس پر پاک فوج کا مونوگرام خودساختہ اور جعلی تھا۔ استغاثہ کی طرف سے اظہار کیا گیا کہ جعلی خط پاک فوج کے جعلی مونوگرام والے خط کے ذریعے ملزم نے پاک فوج کی ساکھ، اس کے ملازمین اور سرکاری ملازمین کی ساکھ کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ استغاثہ کے گواہ نمبر 2 رشید احمد نے گواہی دی کہ اس کی موجودگی میں استغاثہ کے گواہ جہانزیب ظہور نے وزیٹر گیلری کارڈ، EXHPB، اور ''قومی قیادت کے نام'' والے خط کی فوٹو کاپی EXHPO، تفتیشی افسر کو دی۔ اس طرح استغاثہ کے گواہ نمبر 3 ثبوت کے طور پر افتخار احمد نے وہ خط قومی قیادت کے نام "EX.P.J" کو شکایت کنندہ نے تفتیشی افسر کو پیش کیا۔ اسی طرح استغاثہ کے گواہان نمبر 11، 12 اور 13 نے بالاتفاق اس بات کی گواہی دی کہ 03-11-2003 کو تفتیش کے دوران ملزم سے خط ''قومی قیادت کے نام'' سے سادے کاغذ اور جی ایچ کیو کے مونوگرام کے ساتھ برآمد ہونے کا انکشاف ہوا۔ گواہوں کے بقول اس کے کہنے پر ملزم کی رہائش گاہ پارلیمنٹ لاجز F-106 سے مذکورہ خط کی 9 نقول برآمد ہوئیں۔

استغاثہ کے گواہ نمبر 6 لیفٹیننٹ کرنل خالد محمد راجہ نے جو سینٹرل آرمی پریس، جی ایچ کیو، راولپنڈی میں جنرل منیجر ہیں، عدالت میں حاضر ہو کر بتایا کہ خط پر موجود جی ایچ کیو کے مونوگرام کو جی ایچ کیو کے اصل مونوگرام کے ساتھ موازنہ کیا گیا اور اس کی رپورٹ کے مطابق "EX.P.Y" پر موجود مونوگرام والا جعلی اور خودساختہ پایا گیا۔ رپورٹ EX.P.Y ایک مفصل رپورٹ ہے، جو زیر بحث کے اصل اور نقل ہونے کو واضح کرنے والے 8 نکات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح استغاثہ کے گواہ نمبر 13 شوکت علی، ایف آئی اے

کے ٹیکنیکل ونگ میں انسپکٹر، نے عدالت میں پیش ہو کر حلفیہ تصدیق کی کہ زیر بحث خط اور مونو گرام کے اصل کے ساتھ نہایت محتاط جانچ پڑتال کے ساتھ موازنہ کیا گیا۔ لہذا گواہ کا نقطہ نظر ہے کہ مذکورہ خط اور مونو گرام جعلی ہیں۔ دو ماہرین کی اگرچہ گواہی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ وہ خط جو ملزم نے پریس کانفرنس میں تقسیم کیا اور وہ خطوط جو دورانِ تفتیش بازیاب ہوئے، وہ سب جعلی اور خود ساختہ ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ خط کو ملزم نے نہیں لکھا یا وہ اس کی تیاری کا ذمہ دار نہیں ہے تو اس خط کی مزید 9 نقول اس کے قبضے سے کیسے برآمد ہوگیں۔

معزز وکیل صفائی نے ملزم کے قبضہ سے لیٹر پیڈ، سادہ کاغذ زمین سے بازیاب کرانے کی کارروائی پر اعتراض اٹھایا ہے جو کہ اس کی رہائش سے بھی برآمد کیے گئے، حالانکہ اس کے ہمسائے تک اس بات کے گواہ نہیں تھے۔ لہذا اسے سچ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ وکیل صفائی نے مزید اعتراض اٹھایا کہ سردست کوئی شواہد نہیں تھے کہ ملزم لاج F106 میں رہ رہا تھا مگر اس کی عدم موجودگی سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکا کہ مذکورہ ملزم لاج میں مقیم تھا اور بازیابی کا عمل نادرست ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وکیل صفائی کی طرف سے اٹھایا گیا اعتراض کی دو ملفوف وجود کی بنا پر کوئی قانونی حیثیت نہیں رہ جاتی۔

اول یہ کہ بازیابی ملازم کے کہنے پر عمل میں آئی ہے، اس بنا پر ہمسایوں کا بازیابی کے عمل میں ہونے کی کوئی وجہ پیدا نہیں ہوتی اور دوسرے یہ کہ ملزم نے خود انکشاف کیا کہ وہ پارلیمنٹ لاجز کے لاج F106 میں رہتا ہے، اس بنا پر کسی شہادت کے اکٹھا کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔

50۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مقدمہ میں درج جرم 03-10-20 کو سرزد ہوا، جبکہ مقدمہ 03-10-29 کو رجسٹر ہوا اور مقدمہ درج کرنے میں 9 دنوں کی تاخیر ہوئی۔ معزز وکیل صفائی مقدمہ کی تاخیر سے رجسٹر کرنے پر اعتراض اٹھایا کہ من گھڑت کہانی بنانے کے لئے وقت درکار تھا۔ وکیل استغاثہ کے بقول ایف آئی آر میں لفظ "بلا توقف" کسی تاخیر کے بغیر لکھا گیا جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ شکایت اسی دن لکھی اور جمع کروائی گئی۔ اگر اعتراض میں قانونی وزن ہے، مگر اس مقدمے میں اسے ہو بہو نہیں لیا جا سکتا۔ اگرچہ ایف آئی آر میں ایک حوالہ موجود ہے کہ یہ "بلا کسی تاخیر" درج کرائی گئی، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ شکایت تاخیر کے ساتھ لکھی گئی بلکہ "بلا تاخیر" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے ہی شکایت ہوئی، ایس ایس پی نے تھانے بھجوا دی۔ تفتیشی افسر نے اسے پرکھا، لہذا "بلا تاخیر" کے الفاظ کو کسی اور ضمن میں نہیں لینا چاہیے۔ مزید یہ کہ شکایت کنندہ نے بصراحت یہ تفصیل بتائی کہ وہ ایس ایس پی اسلام آباد کے دفتر جاتا رہا ہے، مگر وہ اپنے دیگر سرکاری امور میں مصروف ہونے کے باعث نہ مل پاتے رہے۔ شکایت کنندہ نے اس بات کا انکار کیا کہ

ایس ایس پی اسلام آباد ہمہ وقت 20 تا 29 اکتوبر 2003ء کو اپنے دفتر میں موجود ہوتے تھے۔ اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اس طرح شکایت کنندہ تاخیر کو واضح کر چکا ہے۔ اگر شکایت پولیس سٹیشن کے ایس ایچ او کو کی جاتی تو یہ صورتحال مختلف ہوتی، مگر شکایت ایس ایس پی کے نام لکھی گئی تھی اور ایک بڑے عہدہ کے حامل افسر ہونے کے ناتے وہ دوسری مصروفیت بھی رکھتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ کچھ دنوں تک شکایت کنندہ کو ملاقات کا وقت نہ دے سکا ہو۔ مزید یہ کہ کسی الزام کے فقدان پر ایف آئی آر درج کروانا کہ جس میں استغاثہ کے مقدمات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جیسے NLR1998 J1481 2000#P.Cr.L Criminal545 اور 1987 P.Cr,L.J1445 میں ہوا چنانچہ اس بنا پر ایف آئی آر کے تاخیر سے درج ہونے کی یہ دلیل مقدمہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی، کیونکہ اسے بوضاحت بیان کر دیا گیا ہے۔

52۔ چنانچہ مندرجہ بالا الزام کے سلسلے میں دستیاب ریکارڈ بحث اور حقائق کو مدنظر رکھ کر میں اس اٹل نتیجے پر پہنچا ہوں کہ استغاثہ ملزم کے خلاف کسی بلا شک و تردید اپنا مقدمہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ چنانچہ ملزم جاوید ہاشمی کو دفعہ 124۔اے تعزیرات پاکستان کے تحت تین سال قید بامشقت مع دس ہزار روپے جرمانہ اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید دو مہینے قید کی سزا دی جاتی ہے۔ ملزم پر دفعات 131/109 تعزیرات پاکستان بھی ثابت ہوتی ہیں لہذا سات سال قید بامشقت اور دس ہزار روپے جرمانہ اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید دو ماہ قید کی سزا دی جاتی ہے۔

ملزم کو دفعہ 505 (اے) تعزیرات پاکستان کے تحت دو سال قید بامشقت اور پانچ ہزار روپے جرمانہ اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید ایک ماہ قید کی سزا دی جاتی ہے۔ ملزم کو زیر دفعات 468/471 تعزیرات پاکستان کے تحت چار سال قید بامشقت ہر ایک دفعہ پر ایک ماہ پانچ پانچ ہزار روپے جرمانہ اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں دو ماہ قید کی سزا دی جاتی ہے۔ ملزم زیر دفعہ 500 تعزیرات پاکستان کے تحت بھی مجرم ثابت ہوتا ہے، لہذا ایک سال قید اور پانچ ہزار روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی جرمانہ مزید ایک ماہ قید بھگتنا ہوگی۔ ملزم زیر دفعہ 469 تعزیرات پاکستان کے تحت دو سال قید اور دو ہزار روپے جرمانہ اور جرمانہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں مزید پندرہ دن قید کی سزا دی جاتی ہے۔ تمام سزائیں ایک ساتھ نافذ العمل ہوں گی۔ دفعہ 382۔بی تعزیرات پاکستان کے تحت ملزم کو شک کا فائدہ دیا جاتا ہے۔ ملزم کو جیل کے احاطے میں گرفتاری کی حالت میں پیش کیا گیا۔ حکم دیا جاتا ہے کہ واپس جیل لے جایا جائے، تا کہ سزا پر عملدرآمد شروع کیا جا سکے۔ قید خانے میں بند کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا ہے۔ مقدمے سے متعلق مواد قانون کے مطابق محفوظ کیا جائے۔ ملزم کو عدالت کے حکم کی نقل دی جا چکی ہے۔ مسل ضروری تکمیل اور

ترتیب کے بعد ریکارڈ روم میں بھجوائی جائے۔

فیصلہ کا اعلان 12-04-2004 کو کھلی عدالت میں کیا گیا۔

دستخط سیشن جج، اسلام آباد کیمپ بمقام سنٹرل جیل، راولپنڈی

تصدیق کی جاتی ہے کہ یہ فیصلہ کل چھپن صفحات پر مبنی ہے، ہر صفحہ لکھوایا گیا ہے، جہاں ضرورت پڑی میں نے درست کیا اور دستخط ثبت کئے۔

دستخط سیشن جج، اسلام آباد کیمپ بمقام سنٹرل جیل، راولپنڈی

ہائی کورٹ میں فیصلے کے خلاف اپیل

اسلام آباد کے سیشن جج نے اڈیالہ جیل راولپنڈی کے بند کمرے میں سماعت کے بعد مخدوم جاوید ہاشمی کو تعزیرات پاکستان کی چھ مختلف دفعات کے تحت سزا سنائی۔

(۱) زیر دفعہ 124۔الف تین سال قید بامشقت مع دس ہزار روپے جرمانہ بصورت عدم ادائیگی مزید دو ماہ قید بے مشقت۔

(۲) زیر دفعہ 131/109 سات سال قید بامشقت مع پانچ ہزار روپے جرمانہ بصورت عدم ادائیگی مزید ایک ماہ قید بے مشقت۔

(۳) زیر دفعہ 505۔الف دو سال قید بامشقت مع پانچ ہزار روپے بصورت عدم ادائیگی مزید ایک ماہ قید بے مشقت۔

(۴) زیر دفعات 468/471 چار سال قید بامشقت فی جرم مع پانچ ہزار روپے جرمانہ فی جرم، بصورت عدم ادائیگی ایک ماہ قید بے مشقت فی جرم۔

(۵) زیر دفعہ 500 دو سال قید بامشقت مع پانچ ہزار روپے جرمانہ۔

(۶) زیر دفعہ 469 دو سال قید بامشقت مع دو ہزار روپے جرمانہ، بصورت عدم ادائیگی 15 دن قید بے مشقت۔

اس سزا کو کالعدم قرار دینے اور سائل کو رہا کرنے کی درخواست کے ساتھ، لاہور ہائی کورٹ کے راولپنڈی بنچ کے روبرو سنیئر ایڈووکیٹ محمد اکرم شیخ کی وساطت سے اپیل دائر کی گئی۔ اپیل کیلئے مندرجہ ذیل وجوہ پیش کیے گئے:۔

۱۔ فاضل سیشن جج کا فیصلہ صریحاً خلاف قانون ہے اور ریکارڈ میں قانوناً موجود کسی بھی شہادت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

۲۔ فاضل سیشن جج کے اخذ کردہ نتائج کسی ٹھوس قانونی دلیل یا ریکارڈ میں موجود کسی شہادت کی بجائے سراسر قیاس وگمان پر مبنی ہیں۔ مودبانہ گزارش ہے کہ فاضل سیشن جج نے شہادت کو پڑھے بغیر یا اس کی غلط تعبیر سے نتائج اخذ کیے ہیں۔ شہادت کو اس کے اصل پس منظر میں دیکھا ہی نہیں گیا۔ چنانچہ سزا کا فیصلہ اس فاضل عدالت کی جانب سے کالعدم قرار دیے جانے کا مستحق ہے۔

۳۔ سائل قطعی بے قصور ہے۔ اس کو سرکاری ایجنسیوں نے ایک ایسے شخص کے ایما پر اس من گھڑت اور بے سروپا مقدمے میں ملوث کیا ہے جس نے ہیرا پھیری کر کے حکومت پاکستان کے تمام اختیارات اپنے ہاتھوں میں

لے لئے ہیں۔ فاضل سیشن جج نے استغاثہ کی گواہی کو غیر قانونی طور پر صحیفہ آسمانی کی حیثیت دی اور استغاثہ کو خوش کرنے کی خاطر سائل کو کسی بھی مبینہ جرم کے ارتکاب کے ثبوت کے بغیر سزا دینے کیلئے قانون اور انصاف کے تمام اصول بالائے طاق رکھ دیئے۔

۴۔ استغاثہ سائل کو مجرم ثابت کرنے میں بری طرح ناکام رہا، چنانچہ اسلام آباد کے سیشن جج (بہ اجلاس اڈیالہ سنٹرجیل راولپنڈی) نے سائل کو جو سزا دی ہے وہ بالکل قابل نفاذ نہیں۔ اس فیصلے کی ریکارڈ پر موجود قانونی شہادت سے کوئی تائید نہیں ہوتی۔ استغاثہ پر لازم ہوتا ہے کہ وہ مبینہ الزامات کا مکمل ثبوت پیش کرے۔ لیکن وہ سائل کی طرف سے کسی بھی جرم کا ارتکاب ثابت کرنے میں قطعی ناکام رہا ہے۔

۵۔ سائل کے خلاف یہ مقدمہ قومی اسمبلی کیفے ٹیریا (پارلیمنٹ ہاؤس) میں مبینہ ارتکاب جرم کے نو دن بعد سرکاری کارندوں کی فرمائش پر تھانہ سیکرٹریٹ اسلام آباد میں زیر دفعات ۔124 الف ۔ ,505, 500 131 ,468 ,469 ,471 اور 109 درج کیا گیا۔ اس جھوٹے اور بدنیتی پر مبنی مقدمے کے اندراج میں نو دن کی یہ تاخیر بالکل واضح ہے، تاہم ایف آئی آر میں اس کی وضاحت کرنے کی بجائے کالم 5 میں "بلا تاخیر" کے الفاظ لکھ دیئے گئے۔

۶۔ سائل کی دیگر گزارشات کو خطرے میں ڈالے بغیر گزارش ہے کہ قومی اسمبلی کے حدود میں واقع ہونے والے کسی واقعے کے متعلق مقدمہ اسپیکر کے سوا کوئی نہیں درج کرا سکتا، کیونکہ ضوابط کے تحت اسی کو "نگران ایوان" قرار دیا گیا ہے۔ گویا اسپیکر کے سوا کسی شخص کو بھی اس بات کا نوٹس لینے یا کارروائی شروع کرنے کا اختیار نہیں۔ یعنی مقدمے کے اندراج سے لے کر سائل کی گرفتاری، حراست، عقوبت اور سماعت مقدمہ تک پورا عمل پارلیمنٹ اور اسپیکر کے دائرہ کار میں سنگین مداخلت ہے۔

۷۔ استغاثہ کے تمام گواہ جانبدار ہیں اور سکھائے پڑھائے ہیں۔ وہ محض سرکاری کٹھ پتلیاں ہیں اور سائل کو بدنیتی سے ایک جعلی مقدمے میں ملوث کرنے کی غرض سے ان کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ نام نہاد مدعی ایک ریٹائرڈ فوجی افسر ہے، لیکن اس حقیقت کو نہ صرف ایف آئی آر میں درج کراتے وقت، بلکہ تفتیش کے دوران اور فاضل عدالت سماعت کے روبرو بھی بدنیتی سے چھپایا گیا، اور صرف جرح کے دوران انکشاف ہوا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی افسر ہے۔ بتایا گیا کہ وہ میجر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوا۔ استغاثہ کا ایک اور گواہ جہانزیب ظہور اعوان (گواہ استغاثہ نمبر 8) پاک فوج کا حاضر سروس کپتان ہے اور جی ایچ کیو میں تعینات ہے۔ فاضل عدالت سماعت نے اسے بھی موثر گواہ گردانا ہے۔

۸۔ استغاثہ کا بنایا ہوا مقدمہ جو ایف آئی آر میں درج کرایا گیا، سراسر جھوٹا اور من گھڑت ہے اور صریح بدگمانی پر مبنی ہے۔ یہ ایک طے شدہ قانونی پوزیشن ہے کہ قومی اسمبلی (ایوان پارلیمنٹ) کا کیفے ٹیریا ایوان کا اٹوٹ

حصہ ہے۔ ایوان محض قومی اسمبلی کی نشستوں اور اجلاس کی جگہ تک محدود نہیں بلکہ اس کا پورا گردو نواح ایوان کا حصہ ہے، چنانچہ ایوان کے کیفے ٹیریا میں جو کچھ کہا اور کیا جاتا ہے وہ آئین کے آرٹیکل 66 کے معنوں میں مراعات یافتہ ہے۔

الف) مؤدبانہ گزارش ہے کہ قومی اسمبلی کے ایک رکن کو جو تحفظ اور ماموئیت حاصل ہے وہ مطلق اور بے قید ہے۔ یہاں قانون مجلس دستور ساز (کارروائی و مراعات) مجریہ 1955 کا حوالہ بے جا نہیں ہوگا۔ "دیگر معاملات میں" اسمبلی کے ارکان اور مجالس کو وہی تحفظات و مراعات حاصل ہیں جو اس قانون کے نفاذ کے وقت برطانیہ اور شمالی آئرلینڈ کے دارالعوام کے ارکان اور مجالس کو حاصل ہیں۔ پارلیمنٹ کے ایوان کو عدالتی مداخلت سے تحفظ کی جو ضمانت دی گئی ہے وہ دارالعوام جیسی ہی ہے، اور استحقاق آئین میں اسی حد تک دیا گیا ہے کہ جس حد تک دارالعوام اپنے داخلی معاملات اور کارروائی کے معاملے میں عدالتی مداخلت کے خلاف اپنا استحقاق برقرار رکھنے میں کامیاب ہے۔

ب) برطانیہ اور پاکستان کے آئین مختلف ہونے کے باوجود جہاں تک دوسرے ریاستی اداروں کے مقابلے میں مقننہ کی حیثیت کا تعلق ہے، وہ کم وبیش وہی ہے جو برطانیہ میں موجود ہے۔

ج) برطانوی پارلیمنٹ اور اسی نمونے پر قائم شدہ دوسری پارلیمانوں کی کارروائی کے معاملے میں ارسکن مے **(Erskin May)** کی کتاب Parliamentary Practice نہایت قابل اعتماد ہے اور ہر قسم کے نکات میں، خواہ بنیادی ہوں خواہ تفصیلی، قابل قدر رہنمائی کرتی ہے۔ اس کے مطابق کراؤن کے استحقاق، عام عدالتوں کے اختیارات اور دارالامراء کے خصوصی حقوق کے مقابلے میں دارالعوام اور اسکے ارکان کے حقوق مجموعی طور پر بالاتر ہیں۔

د) دارالعوام اپنی داخلی کارروائی کے معاملے میں قانون کے نفاذ کی حد تک عدالتوں کے ماتحت نہیں ہے، چنانچہ پارلیمنٹ کے ایوان کو عدالتی مداخلت سے آزادی کی جو ضمانت دی گئی ہے وہ دارالعوام جیسی ہی ہے اور یہ استحقاق ہمارے آئین میں اسی حد تک دیا گیا ہے جس حد تک، دارالعوام، اپنے داخلی معاملات اور کارروائی کے معاملے میں، عدالتی دائرہ اختیار سے باہر، اپنا استحقاق برقرار رکھنے میں کامیاب ہے۔

۹)۔ یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ تعزیرات پاکستان کی فعہ 124 الف۔ کے تحت جرم نہ صرف یہ کہ نا قابل دست اندازی ہے، بلکہ ایسا بھی کوئی تصور موجود نہیں کہ پولیس اس دفعہ کے تحت مقدمہ درج کر سکتی ہے۔ دفعہ 124۔ الف کے تحت مقدمہ کا ادارک صرف وفاقی حکومت کی شکایت پر کیا جا سکتا ہے۔ زیر نظر معاملے میں نہ تو وفاقی حکومت نے اس مقدمے پر غور کیا اور نہ ہی مبینہ واقعہ کے متعلق شکایت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کی

بجائے پولیس نے اس کا ادراک کیا، تفتیش کی اور چالان پیش کر دیا، چنانچہ مقدمے کے اندراج سے لے کر تفتیش، چالان کی عدالت میں پیشی، سماعت اور سزا کے فیصلے تک پوری کارروائی سرے ہی سے باطل ہے، جس کا نہ کوئی قانونی اختیار تھا اور نہ قانونی اثر۔

۱۰۔ مزید برآں تعزیرات پاکستان کی دفعہ 196 کی استثنا منفی زبان میں درج کی گئی ہے، جس کا درجہ حکم کا ہے نہ کہ محض ہدایت کا۔ یہ ایک مسلمہ قانون ہے کہ اگر اختیار کے استعمال میں حکمی شرائط پوری نہ کی جائیں تو پوری کارروائی عدم انصاف، غیر قانونی اور بلا اختیار قرار پاتی ہے۔ چنانچہ دفعہ 196 کی عدم پابندی سے تمام کارروائی ناقص ہو گئی، یعنی دفعہ 196 کے مطابق حکومت کے کسی حکم کی عدم موجودگی، فاضل عدالت سماعت کو اس مقدمے میں تفتیش کا کوئی اختیار نہ تھا۔ گویا وفاقی حکومت کی طرف سے شکایت نہ ہونے کے باوجود دفعہ 124۔ الف کے تحت مقدمے کا اندراج ہی غیر قانونی تھا اور یوں فاضل سیشن جج نے اڈیالہ سنٹرل جیل راولپنڈی میں بیٹھ کر جو سزا سنائی وہ باطل ہے۔ قانون کی نظر میں عدالتِ سماعت کی پوری کارروائی بے کار ہے اور کالعدم قرار دیے جانے کی مستحق ہے۔

۱۱۔ علاوہ ازیں جرائم زیر دفعات 471,469,468 بلا خوف تردید ناقابل دست اندازی ہیں۔ ان جرائم کے بارے میں عدالت کے واضح حکم کے بغیر، پولیس نہ مقدمہ درج کر سکتی ہے، نہ تفتیش کر سکتی ہے، نہ چالان پیش کر سکتی ہے، چنانچہ ان دفعات کے معاملے میں بھی تمام کارروائی سرے سے باطل ہے۔

۱۲۔ ضابطہ فوجداری کی حکمی شرائط کی خلاف ورزی دربارہ اندراج مقدمہ، تفتیش، تحریر بیانات زیر دفعہ 164 اور دفعہ 196 کی شرائط کے عدم اطلاق نے پوری کارروائی کو سرے سے باطل کر دیا ہے۔ فوجداری مقدمات میں ضابطے کی مطلوبہ شرائط کی پابندی محض رسمی بات نہیں ہے۔ ضوابط کار کا مقصد ہی یہ ہے کہ ملزم کے حق آزادی کو تسلیم کرتے ہوئے انصاف مہیا کیا جائے۔ ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ تعزیری قوانین کی تشریح بہت محتاط ہونی چاہیے تاکہ ملزم اپنے قانونی حقوق سے محروم نہ ہو اور یہ بھی مسلمہ اصول ہے کہ اگر کوئی کام کسی خاص انداز میں کرنا مطلوب نہ ہو تو وہ بالکل اسی طرح کیا جانا چاہیے یا پھر کرنا ہی نہ چاہیے۔

۱۳۔ استغاثہ ملزم پر کسی بھی جرم کا ارتکاب ثابت کرنے میں بری طرح ناکام رہا ہے۔ مؤدبانہ گزارش ہے کہ فاضل سیشن جج نے سائل کے خلاف فیصلے میں جرائم کا تذکرہ کرتے وقت ان کو حد سے زیادہ پھیلا دیا حالانکہ سائل کے خلاف کوئی بھی معقول اور غیر جانبدار شہادت موجود نہ تھی۔ یہ ایک مسلمہ قانون ہے کہ فوجداری اور تعزیری قوانین کی تشریح بہت محتاط ہونی چاہیے اور اس معاملے میں ارادۃً کوئی کھینچا تانی کر کے ان کا غیر منصفانہ اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔

۱۴۔ زیر بحث فیصلہ ان وجوہ کے بارے میں خاموش ہے، جو تعزیرات پاکستان کی دفعات 124،

الف، 131، 468، 469، 471، 500، 505اور 109 کے مبینہ الزامات پر اطلاق کیلئے ضروری ہیں۔ فاضل جج نے فوجداری الزامات ثابت کرنے کیلئے ان عناصر اور مجرمانہ نیت کی تفصیل بیان نہیں کی جن کے بغیر کسی جرم کا ارتکاب ہوہی نہیں سکتا۔ دفعہ 131 تعزیرات پاکستان کے مطابق بغاوت کی حوصلہ افزائی اور سپاہی کو فرائض سے انحراف پر مائل کرنے کا بنیادی عنصر استغاثہ کی شہادت سے کہیں اخذ نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں دفعات 468، 464، 471، 500 اور 505 الف کا اطلاق صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے جب نیت و ارادہ کی بے شک وشبہ شہادت موجود ہو۔ تاہم فاضل عدالت سماعت نیالزامات کو غلطی سے ارتکاب جرم کا امکان قرار دے دیا اور نیت مجرمانہ کے ثبوت کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

۱۵۔ فاضل سیشن جج نے قانون شہادت کی شرائط اور فوجداری مقدمات میں عدل کے بنیادی اصولوں کو پیش نظر رکھنے کی بجائے نا قابل قبول، داغدار اور جانبدارانہ شہادت کو اپنے فیصلے کی بنیاد بنایا ہے۔ چنانچہ فاضل سیشن کا فیصلہ اور تعزیر برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔

۱۶۔ سائل کے مقدمے کی اڈیالہ سنٹرل جیل کے ایک علیحدہ بند کمرے میں سماعت انصاف طلبی اور منصفانہ کھلے عام سماعت کی ان ضمانتوں کے خلاف ورزی ہے جو ملکی آئین اور اقوام متحدہ کے منشور حقوق انسانی مجریہ 1948 میں دی گئی ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ عالمگیر منشور حقوق انسانی کے آرٹیکل 10 کے تحت ہر شخص کا یہ مساوی حق ہے کہ اس کے خلاف کوئی الزام ہو تو اس کی تحقیق کیلئے آزاد اور غیر جانبدار عدالت میں منصفانہ اور کھلے عام سماعت کی جائے۔ جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948 و منشور کی منظوری دے کر اس کے نفاذ کا اعلان کیا تھا۔ اس کے آرٹیکل 11 میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جس پر کوئی قابل تعزیر الزام ہو اس وقت تک معصوم تصور کیا جائے گا، جب تک کھلی عام سماعت میں، جہاں اسے صفائی پیش کرنے کی ضروری ضمانت حاصل ہو، وہ قانون کے مطابق قصوروار ثابت نہ ہو جائے

۱۷۔ مودبانہ گزارش ہے کہ سائل پر کسی آزاد اور غیر جانبدار عدالت میں عوام اور اخبارات کے روبرو مقدمہ نہیں چلایا گیا۔ مقدمہ خفیہ طور پر اڈیالہ جیل میں منتقل کر دیا گیا، جہاں عوام اور اخبارات کی آزادانہ رسائی نہ تھی۔ سائل نے اس معاملے کو اس فاضل عدالت میں رٹ پٹیشن کے ذریعے چیلنج کیا تھا، مگر اس کا فیصلہ نہیں ہوسکا، اس دوران مقدمے کی سماعت مکمل ہوگئی اور پٹیشن بار آور نہ ہوئی۔ لہٰذا یہ فاضل عدالت سائل پر مہربانی کرے اور سماعت کو اس بنا پر ناقص و باطل قرار دے کہ سائل کو صفائی پیش کرنے کیلئے مناسب، منصفانہ، آزاد اور غیر جانبدار ماحول مہیا کرنے کی بجائے مقدمے کی سماعت اڈیالہ جیل کی دیواروں میں چھپا دی گئی جہاں "مستغیث ایجنسیاں" نگرانی کر رہی تھیں۔

۱۸۔ سماعت تمام تر حکومتی مفادات کی طرف داری کے انداز میں ہوئی اور فیصلہ ایک ایسے وقت سنانا طے کیا گیا

جب پاکستان اور اس کے جمہوری اداروں کی شہرت اور اعتماد کو متاثر کرنے والے اہم بین الاقوامی واقعات ظہور میں آ رہے تھے۔ یہ ادارے پہلے ہی اپنی بقاء کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور اس فیصلے نے اس عام تاثر کو تقویت پہنچائی کہ پارلیمانی ادارہ محض قید خانہ ہے ان لوگوں کے ہاتھوں میں جو اکتوبر 99ء میں منتخب پارلیمنٹ اور حکومت کو برطرف کر کے اقتدار پر قابض ہو گئے تھے۔ مقدمے کے فیصلے کا اعلان ایسے موقع پر کیا گیا جب بین الاقوامی پارلیمانی یونین کا اجلاس میکسیکو سٹی میں 18 تا 25 اپریل 2004ء منعقد ہونے والا تھا۔ دو ہفتے بعد یورپی پارلیمنٹ کا اجلاس مقرر تھا اور اس کے قریب ہی دولت مشترکہ میں پاکستان کی رکنیت کی بحالی کے سلسلے میں اجلاس متوقع تھا۔ لگتا ہے یہ سب کچھ کسی ایسے بدخواہ ذہن کا منصوبہ تھا جو پاکستان کو سزا دینے کیلئے منفی پروپیگنڈے کی زد پر رکھنا چاہتا تھا۔ اتنے اہم واقعات کے قریب (سائل کے خلاف) فیصلے کا اعلان درحقیقت ''انتہائی غداری'' کا فعل ہے جس کے ذریعے قومی مفاد کو دھوکا دیا گیا۔ پاکستان سے بے وفائی کی گئی اور عالمی برادری میں اس کی ساکھ کو نقصان پہنچایا گیا۔ سائل پر لگائے گئے الزام کے تحت سزا پانے کے مستحق تو دراصل وہ افراد ہیں جنہوں نے اس جعلی مقدمے کے ذریعے وطن عزیز کی توہین وتذلیل کی ہے اور اسے بدنام کیا ہے۔

۱۹۔ فاضل سیشن جج اسلام آباد نے اڈیالہ سنٹرل جیل راولپنڈی میں بیٹھ کر 12 اپریل 2004ء کو جو فیصلہ سنایا وہ صریحاً خلاف قانون ہے، ریکارڈ میں موجود کسی قانونی شہادت سے اس کی تائید نہیں ہوتی، اس کو قطعاً برقرار نہیں رکھا جا سکتا، چنانچہ یہ فیصلہ اس بات کا مستحق ہے کہ یہ فاضل عدالت اپنے مرافعانہ اختیار سماعت کے تحت اس کو کالعدم قرار دے۔

۲۰۔ سائل بالکل بے قصور ہے اور حکومتی ایجنسیوں نے اس کو اس من گھڑت، جعلی مقدمے میں بدنیتی سے اور انتقام کیلئے ریاستی طاقت استعمال کرنے کی غرض سے ملوث کیا ہے۔ کیونکہ سائل پاکستان مسلم لیگ (ن) کا قائمقام صدر، اے آر ڈی کا لیڈر اور قومی اسمبلی کا ایک سرگرم رکن ہے۔ جس نے حکومتی دباؤ میں آنے سے انکار کیا ہے اور پاکستانی آئین کی حکمرانی بحال کرانے کیلئے مسلسل جدوجہد کر رہا ہے۔ جس سے ملک کے موجودہ حکمراں نے عوام کو محروم کر رکھا ہے۔ سائل کو ہر لحاظ سے معاندانہ مقدمے کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ واقعی ایک المیہ ہے کہ ہمارے ملک میں تقریر و تبصرے کی آزادی اور دوسرے بنیادی حقوق مسلسل پامال کئے جا رہے ہیں۔

۲۱۔ سائل اس جھوٹے، بے بنیاد اور بدنیت الزام سے بری قرار دیئے جانے کا مستحق ہے جس کے تحت فاضل سیشن جج اسلام آباد نے راولپنڈی کے اڈیالہ سنٹرل جیل میں بیٹھ کر غیر قانونی طور پر سزا سنائی ہے۔

۲۲۔ فاضل سیشن جج اسلام آباد کا فیصلہ نہ صرف خلاف قانون ہے، بلکہ گزارش ہے کہ یہ بلا اختیار بھی ہے اور کھلی بے انصافی بھی ہے۔

حدائق الصالحین

شرح اُردو

زاد الطّالبین

تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و شرح

مولانا محمد اسلم زاہد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدائق الصالحین اردو شرح زاد الطّالبین

حدائق الصالحین

اردو شرح

زاد الطالبین

- صرفی تحقیق
- لغوی تحقیق
- نحوی تراکیب
- ترجمہ بمطابق ترکیب
- مختصر مگر جامع تشریح
- ہر نوع کے شروع میں نحوی فوائد
- مطالب احادیث سے ماخوذ عنوانات
- وفاق المدارس کے دس سالہ سوالات

تالیف مولانا محمد عاشق الہی البرنی رح

ترجمہ مولانا حافظ محمد اسلم زاہد

مکتبہ خلیل یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 37321118

نام کتاب .... حدائق الصالحین اُردو شرح زادالطالبین

تالیف .... مولانا حافظ محمد اسلم

باہتمام .... معاذ حسن

اشاعت .... اکتوبر 2011ء

طابع .... گنج شکر پرنٹرز۔ لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دینی و دیگر علمی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور طباعت سے قبل کوشش کی جاتی ہے کہ نشاندہی کی جانے والی جملہ غلطیوں کی بروقت تصحیح کر دی جائے۔ اس کے باوجود غلطیوں کا امکان باقی رہتا ہے۔

لہٰذا قارئین کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ علمی غلطیوں کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں تعاون کرنا صدقہ جاریہ کے مترادف ہے۔ (ادارہ)

ملنے کے پتے

اسلامی کتاب گھر خیابان سرسید، راولپنڈی
مکتبہ رشیدیہ، کمیٹی چوک راولپنڈی
عثمان دینی کتب خانہ، تبلیغی مرکز مانسہرہ
مکتبہ المعارف، قصہ خوانی بازار پشاور
اسلامیہ کتب خانہ، گامی اڈہ ایبٹ آباد
مکتبہ رحیمیہ اُردو بازار کراچی

اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک، راولپنڈی
مدنی کتب خانہ، تبلیغی مرکز مانسہرہ
مکتبہ امینیہ، حسن ابدال
مکتبہ علمیہ، اکوڑہ خٹک
مکتبہ عثمانیہ، ہری پور
ادارۃ الرشید کراچی

فہرست

الباب الاوّل

اَلْجُمْلَۃُ الْاِسْمِیَّۃُ

نَوْعٌ اٰخرُ مِّنْهَا

نَوۡعٌ اٰخَرُ مِّنۡهَا

اَلۡجُمۡلَةُ الۡاِسۡمِيَّةُ الَّتِيۡ دَخَلَتۡ عَلَيۡهَا حَرۡفُ اِنَّ

اِنَّمَا

اَلْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّة ❶

اَلْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّة ❷

نَوْعٌ اٰخَرٌ مِنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ وَهُوَ مَافِي اَوَّلِهٖ لَاالنَّافِيَةُ

صِيَغُ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ

لَيسَ النَّاقِصَة

الشَرط وَالجَزاءُ

نَوْعٌ اٰخَرُ مِنْهُ

ذِكْرُ بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ

الباب الثانی
فِی الْوَاقِعَاتِ وَالْقَصَصِ وَفِیْهِ اَرْبَعُوْنَ قِصَّةً

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

رب کریم کا شکر ہے کہ ہم آپ کے ہاتھوں تک ایسی کتاب کی بامقصد (اور ضروریاتِ تدریس کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دی گئی) شرح پہنچانے کا شرف حاصل کررہے ہیں۔ جس کا تعلق حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال سے ہے۔

''زاد الطالبین'' جیسی بنیادی کتاب کی شرح کے لیے ہم نے اپنے مخلص دوست مولانا محمد اسلم زاہد (مدرس بیت العلوم لاہور) کی خدمات حاصل کیں جنہیں سال ہا سال سے اس مجموعہ احادیث کی تدریس کا تجربہ حاصل ہے اور تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ موصوف نے تعلیمی وانتظامی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ جس پر ادارہ اظہارِ تشکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ

فخر المدرسین مولانا احسان الٰہی صاحب مدظلہ نے مسودہ ملاحظہ فرماکر نحوی فوائد کی تصحیح کی۔ مولانا محمد ریاض صاحب مدظلہ نے نہایت عرق ریزی سے نظرِ ثانی کا کام سرانجام دیا۔ باری تعالیٰ جملہ معاونین کو اپنے شایانِ شان اجر عطا کرے۔ آمین

''حدائق الصالحین'' کی صورت میں ماہرین تعلیم کی محنت کا نچوڑ آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ امید ہے کہ طلبا عظام اور اہل ذوق کو یہ کاوش پسند آئے گی ہم اس کتاب سے متعلق ان کی حقائق پر مبنی علمی آراء کے منتظر رہیں گے تاکہ اگلی اشاعت میں ان آراء کی روشنی میں اصلاح کی جاسکے۔ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ اس محنت کو شرف قبولیت بخشے۔ **آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔**

والسلام

میاں عبدالوحید اشرفی

مدیر: دارالھدیٰ پبلشرز، اردو بازار، لاہور

ایک نئی شرح کی ضرورت کیوں؟

جس طرح درس نظامی میں اساتذہ کرام نے بڑے غور وفکر کے بعد علمی ضروریات کے لحاظ سے کتابوں کو شامل نصاب کیا ہے۔

اسی طرح ''ثانویہ عامہ'' کے طلباء وطالبات کے لیے زاد الطالبین من کلام رسول رب العالمین کو خاص مقاصد کے لیے منتخب کیا ہے۔ ہماری ناقص رائے میں وجوہات یہ ہیں۔

① عربی سے اردو ترجمہ کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے پہلے چھوٹے چھوٹے جملوں والی احادیث لکھی ہیں۔

② عربی جملوں کی ترکیب کا طریقہ جو نحو کی کتابوں میں سکھایا جاتا ہے اس کی مشق ہو جائے۔ چنانچہ اس سے پہلے ''شرح مائۃ عامل'' میں کچھ تراکیب کرائی جاتیں تھیں پھر دیگر کتب میں یاددہانی کے لیے کہیں کہیں اجراء کرادیا جاتا تھا۔ اس کتاب کو خاص طور پر اجراء کی غرض سے شامل کیا گیا۔

③ ترکیب اور ترجمہ میں مطابقت۔

مدارس میں صرف ونحو کے مسائل حل کرنے کے لیے بڑی محنت کروائی جاتی ہے لیکن اردو ترجمہ کی صلاحیت نہ ہو سکے تو سب کچھ لا حاصل ہے۔ اسی غرض کے لیے تعریف وترکیب کے ساتھ ساتھ ترجمہ کی مشق بہت ضروری تھی جس کے لیے اس مختصر مگر جامع کتاب کو چنا گیا۔

④ چوتھا اور اہم مقصد یہ ہے کہ احادیث طیبہ یاد کرنے کا ذوق پیدا ہو۔

ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے طویل بحثوں سے بچتے ہوئے ایک مختصر با مقصد شرح آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس میں مطلوبہ اہداف کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(ترجمہ کی صلاحیت)

عربی ترجمہ کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے تحت اللفظ کو ترجیح دی ہے، کیونکہ با محاورہ ترجمہ میں یہ ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ پھر کوشش کی ہے کہ تمام مرکبات اضافی، توصیفی وغیرہ الگ الگ رہیں، جہاں مفہوم تک پہنچنے کے لیے کچھ ضرورت پڑی، وہاں زائد الفاظ قوسین میں دے دیے گئے ہیں۔

اساتذہ اسی انداز سے ترجمہ کی مشق کروائیں جب خوب صلاحیت پیدا ہو جائے تو با محاورہ بھی کروادیا جائے۔

ترکیب: یہ خاص مقصد ہے اس کتاب کا۔ اس کے حصول کے لیے ہر عنوان کے تحت احادیث سے پہلے ایک نوٹ لکھ دیا گیا ہے۔ جس میں نحوی قواعد کی مختصر وضاحت کر دی گئی ہے۔

لیکن یہ قواعد کی چند سطور محترم اساتذہ کرام کی توجہ کے لیے ہیں خاطر خواہ فائدہ اسی میں ہے کہ زیر درس نحوی کتب کے حوالے سے بات کی جائے اور ان قواعد کا اجراء ان احادیث طیبہ میں کرایا جائے۔

(ترجمہ وترکیب میں مطابقت)

مثلاً جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔ اس کے معانی میں ہے، ہوں، ہو وغیرہ الفاظ استعمال ہوں گے۔ جملہ شرطیہ میں جزاء کے معنی میں ''تو'' یا ''پس'' کا لفظ استعمال ہوگا۔ بعض جگہ الف لام بمعنی الـــذی اسم موصول ہے۔ اسی طرح مرکب توصیفی، اضافی، عطفی وغیرہ کے خاص معنی ہیں جن کی جھلکیاں آپ اس کتاب میں محسوس کریں گے۔

④ ہر حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق عام فہم عنوان لکھ دیا گیا ہے جس سے پیغام رسالت ﷺ کو سمجھنے اور بیان کرنے میں آسانی ہو۔ اساتذہ کرام چند اسباق عنوانات کے ساتھ پڑھا دیں تو ذہین طلبہ جلد اور عام طلبہ بدیر خود عنوانات تیار کرنا شروع کر دیں گے۔ تقریر وتحریر میں عنوان بنانے کی صلاحیت بہت کام آتی ہے۔

خصوصاً امتحانی پرچوں میں ایک خاص کام یہی ہے کہ سوالنامے میں مطلوبہ جوابات کو مناسب عناوین کے تحت لکھا جائے۔

⑤ مختصر ''حل لغات'' طلبہ کی استعداد کے مطابق جتنی یاد کرواسکیں بہتر ہیں۔ لیکن ایک بار جو الفاظ حل ہو جاتے ہیں دوبارہ کتاب میں ان کی ''لغوی تحقیق'' نہیں دی گئی بلکہ نئے الفاظ کو جگہ دی گئی ہے۔

⑥ یہ دعویٰ تو نہیں ہے کہ عربی سے اردو کا حق ادا کر دیا گیا ہے تاہم کوشش رہی ہے۔عربی کا ترجمہ عربی الفاظ کے بجائے اردو ہی سے ہو۔

مثلاً چند الفاظ لکھے جاتے ہیں۔

عربی الفاظ	عربی میں ترجمہ	خالص اردو
طَلَبَ	طلب کرنا	حاصل کرنا
اَفْضَلُ	افضل	بہترین یا بہتر
اَقْرَبُ	سب سے قریب	سب سے نزدیک
فَرِیْضَةٌ	فرض	ضروری
مَنْ جَاهَدَ	جو مجاہدہ کرے	محنت/کوشش کرے
طَاعَةٌ	اطاعت	فرمانبرداری/بات ماننا
تَقْوٰی	تقویٰ	ڈرنا/بچنا
دَعَا	دعوت دی	بلایا

اسی اسلوب کو حضرات اساتذہ کرام اپنائیں گے تو ان کے انداز تدریس کی ایک خاصیت ہوگی۔

محترم اساتذہ کرام! آج ہم میڈیا کے دورِ حکومت میں سانس لے رہے ہیں۔ ہمارے طلبہ میں تحریر و تقریر کا ذوق پیدا نہ ہوا تو اس پُرفتن سیلاب کا منہ بند کرنا بہت مشکل ہے۔اس لیے اگر آپ نے کچھ توجہ دلا دی تو یہ پوری امت کے لیے مفید ہوگی

طلبہ کو اس کتاب سے ایک ہی موضوع پر احادیث کی نشان دہی کا دلچسپ کام دے دیا جائے اور پھر امتحان بھی لیا جائے تو بڑا مفید سلسلہ ہوگا۔ مضمون کا عنوان دے کر طلبہ سے احادیث اور ان کے مطالب لکھوا لیے جائیں تو بہت ہی مفید ہوگا، جس سے آپ کو امتحانات کی تیاری اور ''بزمِ ادب'' کی تیاری میں بھی اعانت ہو جائے گی اور پوری کتاب پر طائرانہ نظر ڈال کر کچھ حاصل کر لینے کی صلاحیت پیدا ہوگی مکمل کتاب پر نظر تب ہی رکھی جاسکتی ہے جب کہ اسے بار بار پڑھنے کا موقعہ مل گیا ہو۔

اگر معاملہ یہ ہو کہ شروع سال میں طویل بحثیں اور اسباق کے ناغے کیے جائیں اور سال کے آخر میں طلبہ و اساتذہ دونوں ہی پریشان ہوں تو پھر ہمارے دیے ہوئے مشوروں سے ہی کیا، کسی بھی طریقہ سے پوری طرح مستفید ہونا مشکل ہو جائے گا۔ اس کتاب کو حل کروانے کے لیے مجرب انداز تدریس (جو مختلف کامیاب مدرسین کا دیکھا گیا) لکھا جارہا ہے جس سے بڑے فائدے کی امید ہے۔

(۱) پہلے پوری کتاب کا صرف ترجمہ یاد کروایا جائے۔ اس دوران صرفی تحقیق اور لغوی حقائق واضح کر کے یاد کروا دیے جائیں۔ (۲) بعد ازاں دوہرائی کے ساتھ روزانہ ایک حصہ میں سے مکمل ترکیب کی بجائے صرف جار، مجرور، مرکب اضافی وتوصیفی وغیرہ کی الگ الگ پہچان کرا دی جائے۔ (۳) تیسری مرتبہ تشریح اور عنوانات کے ساتھ ساتھ مکمل ترکیب کروا دی جائے۔ (۴) ترکیبوں کے دوران عبارت پڑھا کر یہ سوالات ضرور کیے جائیں۔ فلاں لفظ مجرور کیوں۔ منصوب ومرفوع کیوں ہے؟ اس طرح یا اسی سے ملتے جلتے طریقہ تدریس سے کتاب کے مقاصد پورے ہوں گے اور طلباء بڑی سہولت کے ساتھ کتاب حل کر سکیں گے، فن حدیث میں دلچسپی پیدا ہوگی اور ترقی علم وعمل کی راہیں کھلیں گی اور یہ مدرس کے سبق کی ایک خاصیت بھی ہوگی۔

ملاحظات: حواشی کیونکہ پہلے سے اصل کتاب میں موجود ہیں اس لیے بے ضرورت کتاب بڑی کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ جس سے کتاب کی قیمت بھی کم رہے گی۔ قصص کی طوالت کے پیش نظر ان کی تراکیب نہیں لکھی گئیں اس کی تین وجوہ

ہیں۔(۱) کتاب ضخیم نہ ہو۔(۲) کتاب کے اکثر حصے کی ترکیبیں ہو جانے کے بعد خود طلبہ میں ترکیبوں کی صلاحیت پیدا ہو جانی چاہیے جس سے آگے آنے والے ''واقعات وقصص'' کی تراکیب خود کرسکیں۔(۳) اکثر و بیشتر مدارس میں صرف ''قصص'' تک تراکیب کرائی جاتی ہیں۔

(۶) تشریح مختصر رکھی گئی ہے۔تاکہ طلبہ ''حل عبارت'' ہی میں اپنی صلاحیتیں صرف کریں جس مقصد کے لیے یہ کتاب شامل نصاب کی گئی ہے۔

محترم اساتذہ! ان معروضات کے ساتھ ساتھ اپنی کم علمی و بے مائیگی کا احساس بھی کچھ کم نہیں ہے اقوال رسول اللہ ﷺ پر کام کرنے میں بڑی احتیاط ہونی چاہیے۔ تاہم اپنی بچت کے لیے اکابر کی تشریحات کا دامن آخر تک تھامے رکھا۔

آخر میں اپنے محترم مدرسین ومستفدین سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ کہ وہ جہاں اپنے لیے رب العزت سے دعا مانگیں ساتھ ایک بےعلم وعمل ناچیز اور اس کے اساتذہ ووالدین اور ناشرین ومعاونینِ کتاب کو یاد رکھیں۔

مین بازار راجگڑھ۔لاہور

۱۰ شعبان ۱۴۲۴ھ

والسلام

محمد اسلم زاہد (مرتب)

مدرس بیت العلوم۔۔۔۔لاہور

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

نام: عاشق الٰہی البرنی بلند شہری، مہاجر مدنی

بلند شہری۔مصنف کے پیدائشی ضلع کی طرف نسبت ہے''البرنی'' مصنف کے پیدائشی ضلع کا پُرانا نام ہے۔اس لیے عربی تالیفات میں''البرنی'' اور اردو تالیفات میں بلند شہری تحریر فرمایا۔

بعد میں حضرت نے مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مہاجرت کی سعادت حاصل کی اس لیے فرمایا کرتے تھے:''مدینہ منورہ میں تمر برنی ہوتا ہے اس لیے البرنی بمعنی المدنی محلول کرلیا ہے''۔

اسی مہاجرت کی نسبت سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو''مہاجر مدنی'' بھی لکھ دیا گیا ہے۔

والد صاحب: کا نام محمد صدیق اور دادا کا نام اسد اللہ تھا۔

مولد: موضع''بسی'' ڈاکخانہ بگرا سی ضلع بلند شہر یو پی (انڈیا)

سن پیدائش: ۱۳۴۳ھ ہے جو خود ہی اندازے سے مقرر فرمائی۔

ابتدائی تعلیم: بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم مختلف اساتذہ سے پڑھتے ہوئے مولانا قاری محمد صادق صاحب سے مکمل کیا۔اور ان ہی سے فارسی اور ابتدائی صرف ونحو کی تکمیل کی۔

ثانوی تعلیم: ۱۳۵۶ھ میں علم کی پیاس حضرت کو مدرسہ قادریہ حسن پور ضلع مرادآباد (انڈیا) لے گئی۔ جہاں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا ولی محمد اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص مولانا عبدالعزیز جیسے جبال علم کی زیر نگرانی علم دین حاصل کیا۔

اسی مرادآباد میں علم وعرفان کا ایک اور چشمہ مدرسہ امدادیہ کے نام سے بہتا نظر آیا تو حضرت نے نورالانوار تک کتب کی تعلیم مذکورہ مدرسہ میں حاصل کی۔

پھر شوال ۱۳۶۵ھ میں مدرسہ خلافت علی گڑھ میں دو سال رہ کر مولانا فیض الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں میبذی اور ہدایہ اولین تک تعلیم کا ذوق پورا کیا۔

اعلیٰ تعلیم: ۱۳۷۰ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور کا رخ فرمایا۔ اور ہدایہ اخیرین توضیح تلویح وغیرہ اہم کتابیں مولانا محمد زکریا قدوسی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اسعد اللہ کشمیری جیسے ماہرین علوم عقلیہ ونقلیہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے پڑھیں۔

یہاں آپ کو مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کاملپوری جیسے اساطین علم میسر آئے، اس لیے دورۂ حدیث تک یہیں مقیم رہ کر علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل کی۔

بیعت: دوران درس حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے صوفیاء اور تصوف کے متعلق گفتگو سنی تو ان ہی سے بیعت کی درخواست کی، قبولیت کے بعد ان ہی کے زیر سایہ سلوک کی منازل طے کیں۔

گویا شریعت اور طریقت کے دونوں چشموں سے سیرابی اسی ادارے میں مل گئی۔

تدریس: دہلی۔ بستی نظام الدین۔ اور میوات کے مختلف مدارس میں طلبہ علم دین کو مستفید کرنے کے بعد مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کی طلب پر دارالعلوم کراچی میں تشریف لائے اور بارہ سال طلبہ کو میراث نبوت تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے حکم پر ان کی نیابت میں افتاء کا کام بڑے احسن انداز میں کیا۔

دارالعلوم کراچی کے شب وروز

مولانا سلیم اللہ خاں صاحب مدظلہٗ العالی شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ نے مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ:

''حضرت آپ کو دارالعلوم کے لیے قابل اساتذہ کی ضرورت ہے۔ میرے علم میں ہے کہ مولانا عاشق الٰہی صاحب ہندوستان سے پاکستان منتقل ہونا چاہتے

ہیں، کیوں نا آپ انہیں دارالعلوم کے لیے منتخب فرما کر تدریسی خدمات سپرد فرما دیں۔'' منظوری کے بعد ۱۳۸۴ھ میں دارالعلوم سے منسلک ہوگئے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کے اخلاص، للّٰہیت اور کام کی دھن کی بڑی قدر کی اور اہل پاکستان کو ان کی شخصیت سے بھرپور استفادے کا موقعہ دیا۔

راقم (عالم تصور میں) وہ منظر کیسے بھلا سکتا ہے: کہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب کے دارالافتاء میں داخل ہوئے تو دیکھا دو طرف کتابیں سلیقہ سے رکھی ہیں، سلام و دعا کے بعد کمرے کا جائزہ لینے کا موقعہ ملا تو کہیں افتاء کی فائل پڑی ہے تو کہیں مضمون میں فرق باطلہ کے رد کی تحریر شروع ہے۔ کہیں کتابوں کے مسودات کا انبار ہے اور رات گئے تک افتاء کی تربیت کے لیے علماء اکرام کی ایک جماعت ہے جو اپنے وقت پر خوب استفادہ کر رہی ہے۔ ادھر صبح ہی سے اہل کراچی نے فتاویٰ کے لیے آنا شروع کر دیا، کسی کو زبانی کسی کو تحریری جواب سے مطمئن کر رہے ہیں۔ لیکن یہ نحیف و نزار، خوبصورت، چھدری ڈاڑھی، آنکھوں میں بلا کی ذہانت والا یہ شخص نہ تھکنے کا نام لیتا ہے، نہ کسی کو ڈانٹتا ہے، نہ اپنی عدیم الفرصتی اور آرام کا عذر ہے اور بیک وقت کامیاب مدرس، مفتی اعظم پاکستان کا نائب، مدرس، مشکل و مفید علمی کتابوں کا مصنف، اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود دارالعلوم کے انتظامی امور میں بھی پوری معاونت کر رہا ہے اور خواص وعوام کو اپنے مخصوص و موثر لہجے میں مسند دعوت وارشاد پر بھی نظر آتا ہے۔

بارہ سال تک اہل پاکستان کو اپنی زبان وقلم سے علمی سیرابی کے بعد مدینہ منورہ جانے کا ارادہ کرلیا اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں درخواست کردی۔

ہجرت مدینہ منورہ: ۱۳۹۶ھ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی یہاں ان کے استاذ مکرم مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ پہلے سے ہی مقیم تھے ان کی تصانیف میں ہاتھ بٹایا اور ان کی سرپرستی اور ارشادات کی روشنی میں ''انعام الباری فی شرح اشعار البخاری'' اور دیگر مفید کتابیں ترتیب دیں۔

کراچی سے حجاز چلے جانے کے بعد معاشی لحاظ سے تنگی کا دور تھا، لیکن عشقِ

رسالت ﷺ میں انہوں نے سب کچھ برداشت کیا۔ اہل وعیال ابھی دار العلوم کراچی میں تھے اور وہ جوار رسول ﷺ میں حاضر تھے اور دونوں جگہ بظاہر کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو اس شہر میں دنیاوی دولت کے حصول کے لیے جاتے ہیں۔ انہیں تو حرمین کی برکات تڑپا کر لے گئی تھی۔

قیام مدینہ طیبہ

ان کے مدینہ طیبہ جانے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ برصغیر پاک و ہند کے زائرین حرمین اور مقیمین حرمین کو ایک ''حنفی مشرب'' مل گیا جہاں سے وہ اپنی علمی پیاس بجھاسکیں۔

چنانچہ حضرت ان پیاسوں سے پوری شفقت سے پیش آتے اور ان کے دینی سوالات کے تسلی بخش جوابات مرحمت فرماتے۔ حجاز مقدس سے یہ زائرین جب لوٹتے تو ایک ہندی عالم باعمل کی محبتوں کے چراغ ان کے دلوں میں روشن ہوتے، اہل عرب علماء میں بھی بہت سے خوش نصیب تھے جو اس عجمی محدث، مفسر اور فقیہہ کی مجلس میں آ کر مستفید ہوتے۔

۱۴۲۰ھ میں راقم الحروف کا مدینہ طیبہ جانا ہوا تو حضرت کے مشاغل کچھ اس طرح تھے۔ وہ حرمین میں رہتے ہوئے پاکستان کے ہر فتنے کے رد کے لیے لکھ رہے ہیں قارئین اہل وطن کو ان کے جانے کا احساس نہیں ہو رہا کچھ وقت تصنیف وتالیف کے لیے مختص ہے۔ اکثر اوقات تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے عاشق کے دروازے پر علم دین کے حصول کے لیے عرب وعجم سے طلبہ حاضر ہوتے اور علم وعمل کا درس لیتے ہیں، احقر کو کئی مسائل کی ضرورت محسوس ہوئی ڈاکٹر محمد الیاس فیصل اور دیگر اہل علم سے معلوم ہوا کہ پاک و ہند کے زائرین ہوں یا مدینہ طیبہ کے مقیم سب ہی کو حضرت مفتی عاشق الٰہی صاحب کے فتاوی پر اعتماد ہے۔

کبھی سلوک ومعرفت کی مجلس جمتی تو کبھی دعوت وارشاد کے ذریعہ عشق الٰہی کا

درس دیا جاتا۔غرض شب و روز مخلوق خدا کی آمد اوران کی اصلاح کا سلسلہ جاری تھا۔

عام حالات

حضرت پائے کے عالم، مشفق استاذ و مربی اور انتہائی زاہدانہ زندگی گزارنے والے تھے۔گیارہ ہزار ریال ہدیہ میں آئے ہاتھ بھی نہ لگایا دینے والے کے اصرار پر تفسیر قرآن کی تقسیم کے لیے بھیج دیے۔ایک آنکھ کا آپریشن کروایا۔لوگوں کے اصرار کے باوجود دوسری آنکھ نہ بنوائی۔کہ کام تو ایک سے بھی چل رہا ہے۔دوسری بنوائی تو تعلیم وتصنیف کا ہرج ہوگا۔عارضہ قلب کا علاج نہ کروایا اور فرمایا کہ ایک خاصہ وقت بیکار پڑے رہنا ہوگا۔

ع یارب یہ ہستیاں کس دیس بستیاں ہیں

حالات وفات، تجہیز وتکفین

ان کا گھر جبل احد کے قریب تھا یہ جگہ حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کافی دور ہے۔لیکن ان کا معمول تھا کہ رمضان المبارک میں وہ حرم شریف کے قریب ''رباط بخارا'' میں آکر مقیم ہوجایا کرتے۔اس ماہ مبارک میں بھی انہوں نے اپنا یہ معمول پورا کیا۔بدھ کے روز انہوں نے روزہ بھی رکھا، اور فجر کی نماز حرم جاکر پڑھی۔فجر کے بعد قیام گاہ پر تلاوت وغیرہ معمولات پورے کیے، اس کے بعد آرام کے لیے لیٹ گئے۔ اہل خانہ سہ پہر تک اس تاثر میں رہے کہ سو رہے ہیں۔

ادھر ان کے صاحبزادے عمرے پر روانگی سے قبل اجازت وسلام کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔جسم ٹٹول کر دیکھا تو جلد معلوم ہوگیا کہ علم وعمل کا یہ سورج ۷۰ سال اپنی پوری شعائیں دنیائے رنگ و بو پر ڈال کر ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا ہے۔چہرہ چمک رہا تھا۔مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، معلوم ہورہا تھا کہ ان کی بے قرار جان کو اللہ سے مل کر قرار آہی گیا ہے۔

پاسپورٹ پاکستانی تھا۔خطرہ تھا، حکام کی طرف سے تدفین کی اجازت دیر سے

ملے گی، لیکن جلد دفن ہونے کی مسنون خواہش برآئی اور غیر معمولی طور پر مغرب سے قبل کاغذی کارروائی مکمل ہوگئی۔

نمازِ عشاء کے بعد جنت البقیع میں تدفین کا اجازت نامہ حاصل ہوا۔

لیجیے! ان کی زندگی کی آخری تمنا پوری ہوگئی دوران تراویح مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہ نائب مفتی دارالعلوم کراچی کی نگرانی میں غسل دیا گیا۔ مسجد نبوی ﷺ میں وتر سے پہلے جنازہ لایا گیا۔ امام حرم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ لاکھوں مسلمانوں نے اس جنازے میں شرکت کی۔ بعد ازاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قریب قبر مبارک بنی۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

تالیفات: دوران تدریس اور مدارس سے تعطیلات کے دوران ہمیشہ ہی تصنیفات کا سلسلہ جاری رہا۔ بڑی مفید علمی کتابیں ان کے قلم کا شاہکار ہیں اور بحمد اللہ تقریباً سب ہی طبع ہوچکی ہیں اور عوام وخواص میں بے حد مقبول ہیں۔

① تفسیر انوار البیان: بڑی جامع اور نو جلدوں میں مفصل تفسیر ہے۔ اس کی اردو بہت سلیس ہے۔ انگریزی ترجمہ بھی منظر عام پر آچکا ہے۔ بنگلہ اور دوسری زبانوں میں ان کے تراجم جلد چھپ جائیں گے۔

② علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی "تبییض الصحیفہ" اور علامہ ابن حجر مکی کی "الخیرات الحسان" کے حواشی بھی لکھے۔

③ مقدمہ بذل المجہود کی تکمیل کی سعادت حاصل کی۔

④ مجانی الاثمار فی شرح معانی الآثار: بڑا علمی کارنامہ ہے۔

⑤ زادالطالبین: مدارس میں عرصہ دراز سے زیر تعلیم ہے۔

⑥ مسنون دعائیں اور تحفہ خواتین ہر سال لاکھوں کی تعداد میں چھپتی ہیں۔

⑦ آخر میں سیرت النبی ﷺ پر کتاب لکھ رہے تھے چار پانچ سو صفحات ہی لکھے تھے کہ اجل موعود آپہنچی۔ الحمد للہ طبع ہوچکی ہے۔

⑧ ان کے علاوہ ۸۰ کے قریب کتابیں ہیں جو حضرت کا علمی فیضان ہے۔ الغرض خواتین بچوں، بڑوں کے اعمال میں ترقی عقائد کی اصلاح اور سنت نبوی ﷺ کی اشاعت کے لیے ''البلاغ''، ''بینات''، ''الخیر''، ''ضرب مومن''، ''الاسلام'' ودیگر رسائل وجرائد میں بہت ہی مفید مضامین لکھے اور تحقیقی، علمی کتابیں تحریر فرمائیں۔ قارئین سے مولانا کے علو درجات کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔

OOOOOOOOO

چند بنیادی باتیں

حدیث کے لغوی معنی:

حدیث کا لغوی معنی، بات، گفتگو، وغیرہ ہے۔

حدیث کا اصطلاحی معنی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل یا تقریر کو کہتے ہیں۔ نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول وفعل اور تقریر کو اور تابعی کے قول وفعل کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ (۱) تقریر سے مراد کسی واقعہ کا سامنے ہونے یا علم میں آنے کے بعد خاموش رہنا۔ خاموشی بھی تائید ہے۔

موضوع:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے ہی بحث کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، وغیرہ کیسے تھا؟

غرض وغایت:

یہ اگر چہ دو لفظ ہیں مگر عقلاء کے نزدیک مصداق میں ایک ہی ہیں وہ یہ ہے وہ دعائیں اور فضیلتیں حاصل کرنا، جو پڑھنے، پڑھانے پر وارد ہوتی ہیں۔ مثلاً نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدً اسَمِعَ مَقَالَتِی فَوَعْهَا وَاَدَّاهَا وَکَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (۲) اَللّٰهُمَّ اَرْحَمْ خُلَفَائِی قِیْلَ وَمَنْ خُلَفَائُكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه قَالَ الَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِی اَوکَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فضیلت:

جہاں تک علم حدیث کے شرف وفضل کا تعلق ہے وہ لا تعداد آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (۴) مثلاً قرآن میں آتا ہے۔ وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کو سمجھاتے رہیے کیونکہ سمجھانا ایمان

والوں کو نفع دے گا۔حدیث میں آتا ہے۔نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعٰهَا وَاَدَّاهَا ۔اللہ تعالیٰ سرسبز وشاداب رکھے ایسے شخص کو جس نے میری بات سنی پھر اس کی حفاظت کی اور اسے ایسے شخص تک پہنچادیا جس نے اسے نہیں سنا تھا۔دوسری حدیث میں آتا ہے اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِيْ قِيْلَ وَمَنْ خُلَفَائُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِيْنَ يَرْوُونَ اَحَادِيْثِي ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اللہ میرے خلفاء پر رحم فرمائے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ لوگ ہیں جو میری احادیث کو روایت کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیتے ہیں۔''

(۱) تدریب الراوی ۱/۴۳، منہج النقد ص ۲۷۔۲۸۔ فتح الباقی فی شرح الفیہ العراقی۔
(۲) تقریر بخاری۔ (۳) مشکوٰۃ۔ (۴) کرمانی شرح بخاری۔تفصیل کے لیے علامہ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) کی کتاب ''جامع البیان العلم وفضلہ'' کو دیکھا جا سکتا ہے۔

[بحوالہ: روضۃ الطالبین]

☆☆......❀❀❀......☆☆

درسِ حدیث کے آداب
(طلبہ کے لیے)

① دورانِ سبق باوضو رہیے اور دوزانو بیٹھیے۔
② جناب رسالت مآب ﷺ کے نام نامی پر ﷺ پڑھنا اپنی عادت بنا لیجیے۔
③ دورانِ سبق توجہ استاذ صاحب کی تقریر یا کتاب پر رکھیے۔
④ سبق سے پہلے ممکن ہو اور اساتذہ کی اجازت بھی ہو تو خوشبو ضرور لگایئے۔
⑤ سلسلہ تعلیم میں یہ آپ کی پہلی کتاب ہے جو فن حدیث سے متعلق ہے اور آپ کو پڑھنے کی سعادت مل رہی ہے اس پر اللہ کا شکر بار بار ادا کیجیے۔ جو شکر کرتا ہے اللہ کی طرف سے اس کی اس نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ آج کے شکر کی بدولت آپ کو حدیث شریف کی دیگر کتب پڑھنے کا موقعہ ملے گا۔
⑥ حدیث نبوی ﷺ کی کتابیں پورے آداب سے ہاتھ میں رکھیے یا تپائی پر رکھیے، انہیں پیٹھ نہ کیجیے۔
⑦ قرآن کریم کے علاوہ کوئی کتاب ان پر نہ رکھیئے۔
⑧ مسواک کا التزام رکھیے، اس تصور کے ساتھ کہ جس مبارک منہ سے یہ الفاظ نکلے ہیں وہاں مسواک کا اہتمام بہت تھا۔

☆☆……۞۞۞……☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زَادُ الطَّالِبِیْنَ

علم حاصل کرنے والوں کا توشہ

تشریح: توشہ اس ضروری سامان کو کہتے ہیں جو مسافر اپنے ساتھ رکھتا ہے یہ کتاب علم اور آخرت کے طالبین کے لیے زندگی کے سفر میں ایک ضروری دستاویز ہے جس پر عمل کر کے اس سفر حیات کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے اس لیے اس کا نام **زاد الطالبین** رکھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

اَلْحَمْدُ	لِلّٰہِ
تمام تعریفیں	(خاص) اللہ کے لیے ہیں

تشریح: خطبہ میں اللہ کی تعریف اور بِسْمِ اللّٰہ شروع میں لا کر مصنفؒ نے قرآن پاک کے طرز کی تقلید کی ہے کیونکہ قرآن بھی بِسْمِ اللّٰہ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع ہوتا ہے۔

لغات: اَلْحَمْدُ. حَمَدَ (س) حَمْدًا بمعنی تعریف، تعریف کیا ہوا، فضیلت کی بناء پر تعریف کرنا۔ قرآن کریم میں ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ . لِلّٰہِ .(س) اِلٰهًا بمعنی متحیر ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔

((............❀❀❀ ....))

اَلَّذِیْ شَرَّفَنَا عَلٰی سَائِرِ الْاُمَمِ بِرِسَالَةِ مَّنِ اخْتَصَّهٗ مِنْ بَیْنِ الْاَنَامِ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ وَجَوَاهِرِ الْحِکَمِ .

اَلَّذِیْ	شَرَّفَنَا	عَلٰی سَائِرِ الْاُمَمِ
جس نے	ہمیں عزت بخشی	ساری امتوں پر
بِرِسَالَةِ	مَّنِ اخْتَصَّهٗ	مِنْ بَیْنِ الْاَنَامِ
ایسی رسالت کے ساتھ	جس کو خاص کر دیا (اللہ نے)	تمام مخلوق کے درمیان میں سے
بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ	وَجَوَاهِرِ الْحِکَمِ	
جامع کلمات کے ساتھ	اور حکمت کے موتیوں کے ساتھ	

تشریح: شَرَّفَنَا

خطبہ کی اس عبارت میں امتِ محمدیہ ﷺ پر خصوصی انعام کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے نبی ﷺ کے ساتھ وابستہ فرما دیا جو اللہ کے مخصوص بندے ہیں اور ایسی

باتیں بیان فرماتے ہیں، جن میں جملوں کے الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کا ہر قول حکمت اور دانائی کا موتی ہے۔

لغات: شَرَّفَنَا : (تفصیل) بمعنی تعظیم کرنا۔ شَرَّف بزرگی (ک) شرافۃ صاحب عزت ہونا۔ شرف (س) شرفاً بلند ہونا۔ سَائِرِ: سَرَّ (س) سارا باقی رہنا۔ (ف) کچھ باقی چھوڑنا۔ اَلْاُمَم: جمع امت کی ہے۔ بمعنی جماعت۔ قَالَ تَعَالٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ. رِسَالَۃَ: بمعنی خط، پیغام۔ جمع رسائل اور رسالات آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔ اِخْتَصَّہٗ: (افتعال) اِخْتِصَاصًا خاص کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ خص (ن) خَصًّا. خاص کرنا۔ اَلْاَنَام: بالقصر وبالمد بمعنی مخلوق۔ قَالَ تَعَالٰی وَالْاَرْضَ وَضَعَھَا لِلْاَنَامِ۔ جَوَامِعْ: جمع ہے جَامِعٌ اسم فاعل کی وہ کلام جو لفظ کے اعتبار سے کم اور معنی کے اعتبار سے بہت ہوں۔ جمع (ف) جَمْعًا بمعنی جمع کرنا۔ اَلْکَلِمِ جمع ہے اَلْکَلِمَۃُ کی، وہ بامعنی لفظ جو انسان بولے کَلِمْ (ن۔ض) کَلِمًا بمعنی زخمی کرنا۔ لغوی معنی ہے زخمی کرنا اور اصطلاحی معنی ہے کلام کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ۔ جَوَاھِرِ: جمع ہے جوہرۃ بمعنی قیمتی پتھر۔ اَلْحِکَم: جمع ہے حکمۃ کی بمعنی عدل، بُردباری علم حکم (کَ) حکمۃ بمعنی دانا ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ۔

ترکیب: اَلْحَمْدُ، مبتدا، ل جار، اَللّٰہ موصوف، اَلَّذِیْ اسم موصول، شَرَّفَ فعل ماضی، اس میں ھو ضمیر فاعل، نَا مفعول، عَلٰی جار، سَائِرِ، مضاف اَلْاُمَمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول فعل شَرَّفَ کے، بَا جار، رِسَالَۃَ مضاف، مَنْ اسم موصول، اِخْتَصَّ فعل ماضی، اس میں ھُوَ ضمیر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول، مِنْ جار بَیْن مضاف، اَلْاَنَامِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول فعل اِخْتَصَّ کا، با جار، جَوَامِعِ مضاف صفت مقدم، اَلْکَلِمِ مضاف الیہ موصوف موخر، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، جواھر مضاف، اَلْحِکَم مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی فعل اِخْتَصَّ کا، اِخْتَصَّ فعل اپنے فاعل، مفعول اور دونوں متعلقوں سے مل کر صلہ، موصول

صلہ مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی فعل شَرَّفَ کا، شَرَّفَ فعل اپنے فاعل مفعول اور اپنے دونوں متعلقوں سے مل کر صلہ، اَلَّذِیْ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق خَاصّ محذوف کے، خَاصّ اسم فاعل، اس میں ھُوَ ضمیر فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

صَلّٰی	اللّٰہُ تَعَالٰی	عَلَیْہِ
رحمت بھیجے	اللہ تعالیٰ	آپ ﷺ پر
وَعَلٰی اٰلِہٖ	وَصَحْبِہٖ	
اور آپ ﷺ کی آل پر	اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ پر	
وَبَارَكَ	وَسَلَّمَ	
اور برکت نازل کرے	اور سلام بھیجے	

تشریح: حمد کے بعد صلوۃ وسلام کا تذکرہ ہے۔ اس میں آل سے مراد آپ ﷺ کے اہل وعیال اور صَحْبِہٖ سے مراد آپ ﷺ کے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

لغات: صَلّٰی: اچھی تعریف کرنا۔ مرادی معنی رحمت بھیجنا، درود بھیجنا۔ صلی صلوۃ نماز پڑھنا۔ صلی (س) صلی آگ میں جلنا۔ تَعَالٰی: بلند ہونا۔ علا (ن) علوا کہا جاتا ہے علا النھار دن چڑھنا۔ علی (س) علاء بلند ہونا۔ علی فلان فی المکارم درجہ میں بلند ہونا۔ اٰلِہٖ: اہل وعیال اس کا استعمال صرف اشراف میں ہوتا ہے۔ خواہ شرافت دینی ہو یا دنیوی۔ قَالَ تَعَالٰی اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا۔ وَصَحْبِہٖ: صاحب کی جمع ہے بمعنی ساتھی۔ ایک ساتھ زندگی گزارنے والے۔ صَحِبَ (ف) صَحْبَۃً: ساتھ ہونا دوستی کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی قَالَ لَہٗ صَاحِبُہٗ۔ بَارَكَ: برکت کی دعا کرنا۔ بارك اللہ لك فیك برکت دینا۔ برك (ن) برو کا اونٹ کا بیٹھنا۔ وَسَلَّمَ: سلم علیہ السلام علیکم کہنا۔ سَلِمَ (س) سلامۃ بمعنی نجات پانا، بچالینا۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلٰکِنَّ اللّٰہَ سَلَّمَ۔ السلام اللہ کا نام ہے۔

(ترکیب) صَلّٰی فعل، لفظ اَللّٰہ ذوالحال، تَعَالٰی فعل اس میں ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، عَلٰی جار،ہٖ ضمیر مجرور معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، عَلٰی اعادت جار برائے عطف، آل مضاف ہٖ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر ضمیر مجرور کا معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق صَلّٰی کا، صَلّٰی فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، بَارَکَ فعل، اس میں ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف اول، واؤ عاطفہ، سَلَّمَ فعل ھُوَ مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مظروف۔

((............✿✿✿............))

مَا نَطَقَ بِمَدْحِهٖ اللِّسَانُ وَنَسَخَ الْقَلَمُ

مَا	نَطَقَ	اللِّسَانُ
جب تک	بولے	زبان
بِمَدْحِهٖ	وَنَسَخَ	الْقَلَمُ
آپ کی تعریف میں	اور لکھیں	قلم

تشریح: مَا نَطَقَ: کا مقصد یہ ہے کہ قیامت تک بلکہ اس کے بعد بھی آپ کی تعریف ہوتی رہے گی۔ اس انداز کلام کا مقصد دعا ہے کہ ہماری طرف سے آپ ﷺ پر اس وقت یعنی قیامت تک صلوۃ وسلام ہوتا رہے گا۔

لغات: نَطَقَ: نطق (ض) نطقا. نطوقًا. ومنطقًا. بولنا قَالَ تَعَالٰی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اَللِّسَانُ: جمع السنة، لسانات، لسن وغیرہ آتی ہے۔ بمعنی زبان۔ مذکر ومونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ قَالَ تَعَالٰی هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۔بِمَدْحِهٖ: مدح (ف) تعریف کرنا۔ مَدَحْتُ اللُّؤْلُؤَ: میں نے موتی کی تعریف کی۔ نَسَخَ: جس سے لکھا جائے، قلم کا اطلاق تراشنے کے بعد ہوتا ہے۔ تراشنے سے پہلے اس کو برعنه قصبه کہا جاتا ہے۔ اقلام، قلام۔ قَالَ تَعَالٰی وَعَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔

(ترکیب) مَا ظرفیہ بمعنی مادام (جب تک) نَطَقَ فعل، اَللِّسَانُ فاعل، بَا جار، مَدْحِ مضاف، ضمیرہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل متعلق سے مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، نَسَخَ فعل، اَلْقَلَمُ فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔ حرف ظرف اپنے بعد والے جملہ سے مل کر ظرف ہوا تینوں افعال معطوفہ مظروفہ کا، تینوں افعال اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ دعائیہ ہوا۔

((..........۞۞۞..........))

تمہید

اَمَّا بَعْدُ فَهٰذَا كِتَابٌ وَجِيْزٌ مُنْتَخَبٌ مِنْ كَلَامِ الشَّفِيْعِ الْعَزِيْزِ

اَمَّا بَعْد	فَهٰذَا	كِتَابٌ
بہرحال	پس یہ	کتاب
وَجِيْزٌ	مُنْتَخَبٌ	مِنْ كَلَامِ الشَّفِيْعِ الْعَزِيْزِ
مختصر ہے	چنی ہوئی ہے	عزت والے سفارش کرنے والے کے کلام سے

تشریح: اَمَّا بَعْدُ (حمد وصلوۃ کے بعد) العزیز اس سے مراد حضرت رسول اکرم ﷺ ہیں کیونکہ دنیا میں اور آخرت میں سب سے بڑی عزت آپ کی ہے اور سفارش بھی آپ کی قبول ہوگی۔

لغات: بَعْدُ ظرف زمان ہے اضافت لازمی ہے۔ قَالَ تعالی لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔ وَجِيْزٌ: بروزن قتیل مختصر کلام۔ وجز (ض ک) وجزا الکلام مختصر کرنا۔ کم سخن ہونا۔ مُنْتَخَبٌ: چنا ہوا، انتخب الشیء چننا، نخب (ن) نخبا فلان الشیء کھینچنا، عمدہ حصہ لینا۔ اَلشَّفِيْعُ: سفارش کرنے والا شفع (ف) شفاعۃ مشفع له منه اليه سفارش کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى مَنْ ذَالَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ ۔ اَلْعَزِيْزُ: عزت والا، شریف، قوی، بادشاہ اللہ کے ناموں میں سے ہے جمع اعزاز۔ واعزاء آتی ہے عزا۔ عزا۔ عزۃ غالب ہونا (ن) عزا قوی کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۔

(ترکیب) اَمَّا کلمہ شرط بمعنی مھما، بَعْدُ مضاف، اَلْحَمْدُ محذوف معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، الصلٰوۃ محذوف معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف مل کر ظرف یکن فعل محذوف کا، یکن فعل تام اس میں ھو ضمیر فاعل، فعل فاعل ظرف مل کر شرط، فا جزائیہ، ھٰذَا اسم اشارہ مبتدا، کِتَابٌ موصوف، وَجِیْزٌ صفت اول، مُنْتَخَبٌ اسم مفعول اس میں ھُوَ ضمیر نائب فاعل، مِنْ جار، کَلَامِ مضاف، اَلشَّفِیْعِ موصوف، محذوف اَلرَّسُوْلُ کی صفت اول، اَلْعَزِیْزُ صفت ثانی، موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اسم مفعول کے، اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صفت ثانی، کِتَابٌ موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مشار الیہ، خبر، مبتدا خبر مل کر جزاء، شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

اِقْتَبَسْتُهٗ مِنَ الْكِتَابِ اللَّامِعِ الصَّبِيْحِ الْمَعْرُوْفِ بِمِشْكٰوةِ الْمَصَابِيْحِ.

اِقْتَبَسْتُهٗ	مِنَ الْكِتَابِ اللَّامِعِ
چُنا ہے اس کو میں نے	روشن کتاب سے
الصَّبِيْحِ الْمَعْرُوْفِ	بِمِشْكٰوةِ الْمَصَابِيْحِ
جو خوبصورت مشہور ہے	مشکوۃ المصابیح کے نام سے

تشریح: اِقْتَبَسْتُهٗ اس جملے میں مصنفؒ نے اس کتاب کا ماخذ بتایا ہے کہ اس کتاب میں ساری احادیث مشکوٰۃ سے لی گئی ہیں۔

لغات: اِقْتَبَسْتُهٗ: حاصل کرنا، سیکھنا قبس (ض) قبسا منه النار شعلہ حاصل کرنا۔ اَللَّامِعِ: روشن چمک دار ہونا۔ لمع (ف) لمعا ولمعانا ولموعا. البرق بجلی کا چمکنا، روشن ہونا۔ اَلصَّبِيْحِ: خوبصورت، جمع صباح صبح (س) صحبا چمک دار ہونا۔ صبح (ک) صباحته الوجه چہرے کا روشن اور خوبصورت ہونا۔ اَلْمَعْرُوْفِ: اسم مفعول مشہور۔ خیر۔

احسان۔ رزق ہر وہ چیز جو شریعت میں بہتر ہو، عرف (ض) عرفته عرفانا پہچاننا، عرف (ن) عرافته على القوم. چودھری ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ۔ اَلْمِشْكٰوةِ: طاق۔ چراغ دان۔ قَالَ تَعَالٰی كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۔ اَلْمَصَابِيْحِ: مصباح کی جمع ہے، بمعنی چراغ۔

(ترکیب) اِقْتَبَسْتُ فعل اس میں اَنَا ضمیر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول، مِنْ جار اَلْكِتَابِ موصوف، اَلْ بمعنی اَلَّذِیْ اسم موصول، لَامِعٍ اسم فاعل اس میں هُوَ فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر صفت اول، اَلصَّبِيْحِ صفت ثانی، اَلْ بمعنی اَلَّذِیْ اسم موصول، معروف اسم مفعول، اس میں هُوَ ضمیر نائب فاعل، بَا جار مِشْكٰوةِ مضاف، اَلْمَصَابِيْحِ مضاف الیہ، مضاف مصاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اسم مفعول کے، اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صفت ثالث، اَلْكِتَاب کی، موصوف اپنی تینوں صفتوں سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

وَسَمَّيْتُهٗ زَادَ الطَّالِبِيْنَ مِنْ كَلَامِ رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَلْفَاظُهٗ قَصِيْرَةٌ وَمَعَانِيْهِ كَثِيْرَةٌ.

وَسَمَّيْتُهٗ	زَادَ الطَّالِبِيْنَ مِنْ كَلَامِ
اور رکھا ہے اس کا نام میں نے	زادالطالبین من کلام
رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ	اَلْفَاظُهٗ قَصِيْرَةٌ
رسول رب العلمین	اس کے الفاظ تھوڑے ہیں
وَمَعَانِيْهِ كَثِيْرَةٌ	
اور اس کے مطالب زیادہ ہیں	

تشریح: وَسَمَّيْتُهٗ اس جملے میں کتاب کا نام اور تعریف بیان کی ہے مقصد یہ ہے

کہ اس میں جامع کلمات والی احادیث لی گئی ہیں۔

لغات: سَمَّیْتُہٗ: سما(ن) سموابلند ہونا۔ سموت الیہ بصری اس کی طرف میں نے نگاہ اٹھائی۔ اگر مصدر سموا ہو تو بمعنی نام رکھا۔ قَالَ تَعَالٰی سَمَّیْتُمُوْھَا اَنْتُمْ وَآبَاءُ کُمْ۔ زَادُ: سفر کے لیے تیار کیا ہوا کھانا جمع ازود ۔ وازواد آتی ہے۔ زاد(ن) زودا توشہ لینا۔ قَالَ تَعَالٰی فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی. اَلطَّالِبِیْنَ: طالب کی جمع ہے۔ بمعنی شاگرد جمع طلباء طلب (ن) طلبا۔ الشیء ڈھونڈھنا علم حاصل کرنے والا۔ قَالَ تَعَالٰی ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ. رَسُوْلِ: بھیجا ہوا۔ جمع رسل ۔ قَالَ تَعَالٰی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ رَبِّ: سردار مالک، پرورش کرنے والا۔ اللہ کے ناموں میں سے ہے جمع ارباب۔ ربوب۔ رب (ن) ربا۔ القوم سردار ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ اَلْعَالَمِیْنَ: جمع عالم، ساری مخلوق ماسوی اللہ۔ قَالَ تَعَالٰی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ اَلْفَاظُہٗ :احد لفظ۔ لفظ (ض۔س) لفظ الشیء وَبا الشیء من فمہ منہ سے پھینکنا۔ قَالَ تَعَالٰی مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ۔ قَصِیْرَۃٌ۔ چھوٹا چھوٹے قد کا ہونا۔ جمع قصار ۔قصرات۔ قصائر آتی ہے۔ قصر (ک) قصرا وقصارہ چھوٹا ہونا۔ مَعَانِیْہِ: کلام کا مضمون۔ معنی الکلمہ جمع معان اس سے انسان کے صفاتِ محمودہ بھی مراد لیے جاتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے۔ فلان حسن المعانی۔ کَثِیْرَۃٌ : بہت۔ کثر (ک) کثرۃ ۔ و کثارۃ بہت ہونا(ن) کثر الرجل کثرت میں غالب آنا۔ قَالَ تَعَالٰی لَکُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ کَثِیْرَۃٌ .

ترکیب: واو مستانفہ سَمَّیْتُ فعل بافاعل، ضمیرہ مفعول اول، زَادُ مضاف اَلطَّالِبِیْنَ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، مِنْ جار، کَلَامِ مضاف، لفظ رَسُوْلِ مضاف الیہ مضاف، لفظ رَبِّ مضاف الیہ مضاف، اَلْعٰلَمِیْنَ مضاف الیہ، سب مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق الماخوذ محذوف کے جو صفت ہے، موصوف صفت مل کر مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اَلْفَاظُ مضاف، ضمیر ہٗ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، قَصِیْرَۃٌ

خبر،مبتدا خبر مل کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ،مَعَانِیْ مضاف،ضمیرہ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا،کَثِیْرَۃٌ خبر،مبتدا خبر مل کر معطوف،معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ معطوفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

یَتَنَضَّرُ بِهٖ مَنْ قَرَأَهٗ وَحَفِظَهٗ وَيَبْتَهِجُ بِهٖ مَنْ دَرَسَهٗ وَسَمِعَهٗ.

یَتَنَظَّرُ	بِهٖ	مَنْ
تروتازہ رہے	اس کے ذریعے سے	جو
قَرَأَهٗ	وَحَفِظَهٗ	وَيَبْتَهِجُ
پڑھے اس کو	اور جو یاد کرے اس کو	اور خوش رہے
بِهٖ	مَنْ دَرَاسَهٗ	وَسَمِعَهٗ
اس کے ذریعے سے	جو سیکھے اس کو	اور (جو) سنے اس کو

تشریح: یَتَنَضَّرُ اس جملے میں لطیف اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس میں آپ ﷺ نے حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کو تروتازگی کی دعا دی ہے۔

لغات: یَتَنَضَّرُ: تروتازہ ہونا۔نضر (ن۔س۔ک) نضرۃ۔نضورا، تروتازہ ہونا۔قَالَ تَعَالٰی وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔قَرَأَهٗ:(ف۔ن) قرءوقراءۃ پڑھنا۔قَالَ تَعَالٰی فقرء ہ علیھم۔حَفِظَهٗ:(س) حفاظت کرنا،زبانی یاد کرنا،اسی سے حفیظ بھی ہے جو اللہ کے ناموں میں سے ہے۔قَالَ تَعَالٰی حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَهُ اللّٰهُ۔ یَبْتَهِجُ خوش ہوتا ہے۔بھج (ف)بَهْجًا خوش کرنا (س)بھجًا خوش ہونا (ک)بھاجتہ وبھجانا خوبصورت ہونا۔قَالَ تَعَالٰی حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۔دَرَسَهٗ: درس(ن) دروسا مٹنا۔ودراسا باہم پڑھنا مدرسہ طلبہ کے تعلیم حاصل کرنے کی جگہ۔قَالَ تَعَالٰی وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۔

ترکیب: یَتَنَضَّرُ فعل،بِ جار،ضمیرہ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل کے،مَنْ

اسم موصول، قَرَأَ فعل اس میں هُوَ ضمیر فاعل، ضمیر ہٗ مفعول، فعل اپنے فاعل ومفعول سے مل کر معطوف علیہ، وَ عاطفہ، حَفِظَ فعل اس میں هُوَ فاعل، ضمیر ہٗ مفعول، فعل فاعل اور مفعول مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر فاعل، فعل فاعل اور متعلق مل کر معطوف علیہ، وَ عاطفہ، يَبْتَهِجُ فعل، بَا جار، ضمیر ہٖ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، مَنْ اسم موصول، دَرَسَ فعل اس میں هُوَ ضمیر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول، فعل فاعل مفعول مل کر معطوف علیہ، وَ عاطفہ، سَمِعَ فعل اس میں هُوَ ضمیر فاعل، ضمیر ہٗ مفعول، فعل فاعل مفعول مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر فاعل، فعل فاعل اور متعلق مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

وَرَتَّبْتُهٗ عَلَى الْبَابَيْنِ يَعُمُّ نَفْعُهُمَا فِي الدَّارَيْنِ وَاللّٰهَ اَسْئَلُ اَنْ يَّجْعَلَهٗ خَالِصًا لِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسَبَبًا لِدُخُوْلِ دَارِ النَّعِيْمِ فَاِنَّهٗ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ.

وَرَتَّبْتُهٗ	**عَلَى الْبَابَيْنِ**	**يَعُمُّ**
اور جوڑا ہے اس کو میں نے	دو بابوں پر	عام ہو
نَفْعُهُمَا	**فِي الدَّارَيْنِ**	**وَاللّٰهَ**
ان دونوں (بابوں) کا فائدہ	دونوں گھروں (دنیا اور آخرت) میں	اور اللہ ہی سے
اَسْئَلُ	**اَنْ يَّجْعَلَهٗ**	**خَالِصًا**
سوال کرتا ہوں میں	یہ کہ کردے اس کو	خالص
لِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ	**وَسَبَبًا**	**لِدُخُوْلِ دَارِ النَّعِيْمِ**
اپنی عزت والی ذات کے لیے	اور (بنادے) ذریعہ	نعمت کے گھر (جنت) میں داخل ہونے کا
فَاِنَّهٗ	**وَاسِعُ**	**الْمَغْفِرَةِ**
پس بے شک وہ	کشادہ	بخشش والا ہے

لغات: وَرَتَّبْتُهٗ:رتب (ن)رتبا ورتوبا قائم وثابت ہونا رتب فی الصلوۃ ۔وہ نماز میں سیدھا کھڑا ہوا۔ اَلْبَابَیْنِ: یہ تثنیہ ہے باب کا معنی دروازہ۔مراد کتاب کا باب ہے۔جمع ابواب ہے۔قَالَ تَعَالٰی فَفَتَحْنَا اَبْوَابَ السَّمَاءِ ۔یَعُمُّ:عم (ن) عموماً عام ہونا العائم سب کو شامل ہونے والے اسی سے ہے عام لوگ جمع عوام۔نَفْعَهَا:نفع

(ف) نفع دینا اسی سے النافع ہے جو اللہ کے ناموں میں سے ہے۔قَالَ تَعَالٰی اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا۔اَلدَّارَیْنِ:دار کی تثنیہ ہے گھر۔رہنے کی جگہ جمع دُوَر دِیارٌ۔اَدْوُرٌ۔ دَوْرَات۔دَوْرَانَ۔ قَالَ تَعَالٰی اُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔اَسَالُ:سال(ف)سوالا. وسالة طلب کرنا۔ درخواست کرنا۔سائل، مانگنے والا جمع سائلون آتی ہے۔یَجْعَلَهٗ: جعل جعلا بنانا، پیدا کرنا جعله حاکما اس نے حاکم مقرر کیا۔قَالَ تَعَالٰی اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔خَالِصًا:بے کھوٹ۔صاف رنگ۔جمع خلص ہے۔خلص (ن) خلوصا خالص ہونا۔قَالَ تَعَالٰی لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا۔اَلْوَجْهُ: چہرہ۔سامنے کا حصہ۔جمع اوجه. ووجوه.اجوه آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰی وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاظِرَةٌ ۔اَلْكَرِیْمُ: صاحب کرم درگزر کرنے والا۔اللہ کے ناموں میں سے ہے۔ کرم (ن) کرما کرم میں غالب ہونا تکریما تعظیم کرنا۔قَالَ تَعَالٰی رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ ۔سَبَبًا: راستہ۔ ذریعہ۔رسی ،جمع سبائب۔دخول: دخل(ن)دخول اندر آنا۔داخل ہونا۔قَالَ تَعَالٰی فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ۔اَلنَّعِیْمِ : آرام۔نعم(ف۔س) نعمته خوش حال ہونا۔ دار النعیم سے مراد جنت ہے۔قَالَ تَعَالٰی یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ۔وَاسِعُ: کشادہ ہونا۔ وسع (ف۔س۔ک)واسعة .ووسعا کشادہ ہونا، کشادہ کرنا۔قَالَ تَعَالٰی اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔اَلْمَغْفِرَةِ:معافی۔ بخشش غفر (ض) غفرا وغفرانا معاف کرنا۔چھپانا۔قَالَ تَعَالٰی اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔

ترکیب: رَتَّبْتُ فعل با فاعل،ضمیر ہ مفعول،عَلٰی جار،اَلْبَابَیْنِ مجرور، جار

مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل، مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ یَعُمُّ فعل، نَفْعُ مضاف، هُمَا مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فِیْ جار، اَلدَّارَیْنِ مجرور، جار مجرور متعلق ہوا یَعُمُّ فعل کے، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ وَاؤ استنافیہ، لفظ اللّٰہ مفعول اول مقدم، اَسْئَلُ فعل، اس میں اَنَا ضمیر فاعل، ان مصدریہ ناصب، یَجْعَلُ فعل کے اس میں هُوَ ضمیر فاعل، ضمیرہٗ مفعول اول، خَالِصًا صیغہ صفت، لَامْ جار، وَجْهِ مضاف، ضمیر ہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، اَلْکَرِیْمِ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق صیغہ صفت کے، صیغہ صفت اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، سَبَبًا موصوف، لَامْ جار، دُخُوْلِ مضاف، دَارِ مضاف الیہ مضاف، اَلنَّعِیْمِ مضاف الیہ، سب مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، جو صفت ہے موصوف صفت مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول ثانی یَجْعَلُ کا، یَجْعَلُ فعل اپنے فاعل، اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مصدر مفعول ثانی ہوا اَسْئَلُ کا، اَسْئَلُ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ.	وَاِنَّهٗ
بڑے فضل والا ہے۔	اور بے شک وہ

تشریح: وَرُتْبَتُهٗ۔ اس آخری جملے میں مصنفؒ نے اس عظیم عمل کو خالصۃً رضائے الٰہی اور جنت میں داخلے کا ذریعہ بننے کی دعاء کی ہے آخری جملہ۔

وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ وَاِنَّهٗ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ.

قرآن کریم کے انداز کلام سے مناسبت رکھتا ہے اسی طرح کے جملوں سے قرآن مجید میں بھی اکثر و بیشتر آیت کے آخر میں اللہ کی تعریف ہے۔

لغات: اَلْفَضْلِ: فضل (ن۔س) فضلا باقی رہنا۔ زائد ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ۔ اَلْعَظِیْمِ: زیادتی۔ احسان۔ بڑا ہونا صفتِ عظیم ہے۔ العظم ہڈی کو کہتے ہیں ذو الفضل العظیم بڑے فضل والا۔

ترکیب :فَا تعلیلہ ،اِنَّ حرف تحقیق مشبہ بالفعل ضمیرہٗ اسم، وَاسِعُ مضاف، اَلْمَغْفِرَةِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کرخبر،اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ،اِنَّ حرف تحقیق ،ضمیرہٗ اسم،ذُو مضاف،اَلْفَضْلِ موصوف،اَلْعَظِیْمِ صفت،موصوف صفت مل کر مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کرخبر،اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر معطوف،معطوف علیہ معطوف سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ ہوا۔

○○○○

اَلْبَابُ الْاَوَّلُ

[پہلا باب]

فِیْ جَوَامِعِ الْکَلِمِ وَمَنَابِعِ الْحِکَمِ وَالْمَوَاعِظِ الْحَسَنَۃِ

جامع کلمات، حکمت کے سرچشموں اور اچھی نصیحتوں میں

ملاحظہ: اس باب میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جن کے الفاظ کے بہت کم اور معانی و مطالب زیادہ ہیں۔ یہ آنحضرت کی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت تھی کہ آپ بعض اوقات اس طرح کلام فرماتے تھے کہ جیسے کوزے میں دریا ہو۔

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

اَلْبَابُ الْاَوَّلُ

[پہلا باب]

فِیْ جَوَامِعِ الْکَلِمِ وَمَنَابِعِ الْحِکَمِ وَالْمَوَاعِظِ الْحَسَنَةِ

((..........۞۞۞ ....))

وَالْمَوَاعِظِ الْحَسَنَةِ	وَمَنَابِعِ الْحِکَمِ	فِیْ جَوَامِعِ الْکَلِمِ
اور اچھی نصیحتوں میں	اور حکمت کے سرچشموں میں	جامع کلمات میں

لغات: مَنَابِعِ: جمع منبع کی، نبع (س۔ک) نبعا و نبوعا و نبعانا چشمہ سے پانی نکلنا۔ اَلْمَوَاعِظِ: جمع ہے موعظة کی، بمعنی وعظ، نصیحت، وعظ (ض) وعظا و عظة نصیحت کرنا، ایسی بات کہنا جس سے دل نرم ہو جائے۔ قَالَ تَعَالٰی قُلْ اِنَّمَا اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَةٍ۔ اَلْحَسَنَةِ: نیکی، بھلائی حسن کا مؤنث ہے، جمع، حسان، حسنات اور حسن، مذکر کی جمع حسان آتی ہے، حسن (ک۔ن) حسنا خوب صورت۔ اچھا ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی وَالْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةِ۔

ترکیب: اَلْبَابُ موصوف، اَلْاَوَّلُ صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، فِیْ جار، جَوَامِعِ مضاف، اَلْکَلِمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنَابِعِ مضاف، اَلْحِکَمِ مضاف الیہ دونوں مل کر معطوف اول، وَاؤ عاطفہ، اَلْمَوَاعِظِ موصوف، اَلْحَسَنَةِ صفت، موصوف مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ محذوف کے، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل، ھُوَ ضمیر اس کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((..........۞۞۞..........))

(۱) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے

قَالَ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

++++++++++

قَالَ	النَّبِیُّ	صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
فرمایا	نبی (کریم)	صلی اللہ علیہ وسلم نے
اِنَّمَا	الْاَعْمَالُ	بِالنِّیَّاتِ
بے شک	تمام کاموں کا دارومدار	نیتوں پر ہے

شانِ وُرود:

قرآن مجید کی آیتوں کے پس منظر کو شان نزول اور احادیث کے بیان کی اصل وجہ (پس منظر) کو شان ورود کہتے ہیں، مَوَاھِبُ اللَّدُنیہ میں ہے کہ ایک صاحب نے ایک عورت سے نکاح کے لیے ہجرت کی، پھر اس عورت سے نکاح کرلیا، جس کا نام قیلہ بنت ام قیس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپؐ نے جو ارشاد فرمایا وہ اس حدیث میں ہے۔

فضیلت:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث ''ثلثِ علم'' ہے۔ کیونکہ اعمال کا تعلق۔

❶ دل سے

❷ زبان سے

❸ اعضاء سے ہے۔

اور اس حدیث کا تعلق تینوں قسم کے اعمال کے ساتھ ہے۔ اس لیے اس حدیث کو ''ثُلُثِ اعمال'' کہا جاتا ہے یہ حدیث کتاب کے شروع میں اس لیے لائی گئی تاکہ پڑھنے اور پڑھانے والوں (دونوں) کی نیت درست ہو۔ مقصود یہ ہے کہ قابلِ قبول عمل وہ ہے جس میں نیت صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو ورنہ بڑے سے بڑا عمل مردود ہے۔

اَلْاَعْمَالُ:

مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں عمل وہ ہے جس میں مشقت ہو اور فعل وہ ہے جس میں مشقت نہ ہو۔

لغات: اَعْمَالُ

عمل کی جمع ہے ۔بمعنی کام(س) کام کرنا ۔ قَالَ تَعَالٰی لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ. اَلنِّيَاتِ: نیت کی جمع ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

❶ نیت کے ذریعے عبادت کو عادت سے جدا کرنا جیسے کہ نماز کی حالت میں کھڑا ہے یا سجدہ کر رہا ہے۔ اگر اس کی نیت ہے تو نماز ،ورنہ کچھ نہیں۔

❷ نیت کے ذریعے ایک عبادت کو دوسری عبادت سے جدا کرنا جیسا کہ ظہر اور عصر کی نماز میں فرق کرنا۔

❸ نیت کے ذریعے ایک معبود کی عبادت سے دوسرے معبود کی عبادت کو جدا کرنا جیسے کوئی نماز پڑھے نیت کو متحضر رکھے، اللہ کے لیے پڑھ رہا ہے یا لوگوں کے لیے پڑھ رہا ہے۔

حدیث کا مطلب

قابل قبول عمل صحیح نیت والا ہے۔ ورنہ عمل فاسد اور مردود ہوگا۔

لغات: اَلنِّيَاتِ: نیۃ کی جمع ہے دل کا ارادہ نَوٰی،یَنْوِی،نِيَّةً بتشدید الیاء و تخفیف الیاء معنی قصد کرنا۔ارادہ کرنا۔

ترکیب: قَالَ فعل ،اَلنَّبِیُّ فاعل ،صَلّٰی فعل ،لفظ اَللّٰه فاعل ،عَلٰی جار ،ضمیر ہٖ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے صَلّٰی کے. صَلّٰی فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ معطوف علیہا ہوا ،واؤ عاطفہ، سَلَّمَ فعل ،ھُوَ ضمیر فاعل ،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ معطوفہ، معطوف علیہا اپنے معطوفہ جملہ سے مل کر جملہ دعائیہ انشائیہ معترضہ ہوا۔ اِنَّمَا کلمہ حصر، اَلْاَعْمَالُ مبتدا، بَا جار، اَلنِّيَاتِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مُعْتَبَرَۃٌ محذوف کے، مُعْتَبَرَۃٌ صیغہ اسم مفعول، ھِیَ ضمیر نائب فاعل صیغہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور

متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہا۔

((............❀❀❀............))

وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّانَوٰی فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُه اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِه فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی دُنْیَا یُصِیْبُهَا اَوْاِمْرَاَةٍ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَاهَاجَرَ اِلَیْهِ

++++++++++

وَاِنَّمَا	لِامْرِئٍ مَّانَوٰی	فَمَنْ کَانَتْ
اور بے شک	ہر آدمی کے لیے ہے جو وہ نیت کرے	جو ہو
هِجْرَتُه	اِلَی اللّٰهِ	وَرَسُوْلِه
اس کی ہجرت	اللہ کے لیے	اور اس کے رسول کے لیے
فَهِجْرَتُهٗ	اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِه	وَمَنْ کَانَتْ
پس اس کی ہجرت	اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے	اور جو شخص کہ ہو
هِجْرَتُهٗ	اِلَی دُنْیَا	یُصِیْبُهَا
اس کی ہجرت	دنیا کی طرف	کہ اسے پالے
اَوْاِمْرَاَةٍ	یَتَزَوَّجُهَا	فَهِجْرَتُهٗ
یا عورت کی طرف	کہ اس سے نکاح کرے	پس اس کی ہجرت ہے
اِلٰی	مَاهَاجَرَ اِلَیْهِ	
اسی طرف	جس طرف وہ ہجرت کرے	[بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث میں عورت کا تذکرہ کیوں ہے جب کہ اعمال میں رضائے الٰہی کے علاوہ کسی بھی چیز کی نیت درست نہیں ہے اس کے کئی جوابات ہیں۔

① اس حدیث پاک میں عورت کا تذکرہ شانِ ورود کی وجہ سے ہے۔

② مہاجرین مدینہ کو مواخات کی وجہ سے مدینہ میں مال اور عورت ملنے کے دو

مواقع تھے اس لیے خاص طور پر تذکرہ کیا گیا۔

③ عورت کا فتنہ بہت بڑا ہے اس لیے خاص تنبیہ کی گئی۔

لغات: اِمْرِئٍ: معنی مرد، اس کی ضد امرأة آتی ہے بمعنی عورت۔ هِجْرَتُ: ترک وطن (ن) ہجر اور ہجرانا، اصطلاح میں ہجرت کے دو معنی آتے ہیں، ترکِ وطن، دوسرا ترکِ معصیت، یہاں پر اول معنی مراد ہے۔ قَالَ تَعَالٰى مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ دُنْيَا: موجودہ زندگی، دَنَا، يَدْنُو دُنُوًّا، (ن) کسی چیز کا قریب ہونا۔
قَالَ تَعَالٰى خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ يُصِيْبُهَا: اصاب يصيب اصابته (باب افعال) الشیء، لینا، حاصل کرنا، پالینا، پہنچنا صاب (ض) يصيب صيبا، نشانہ پر لگنا، درست ہونا۔ قَالَ تَعَالٰى اَوْ يُصِيْبُهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ يَتَزَوَّجُهَا: نکاح کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى زَوَّجْنَا كَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ۔

ترکیب: واؤ حرف عطف، اِنَّمَا کلمہ حصر، ل حرف جار، اِمْرِئٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے، ہو ضمیر مستتر اس کا فاعل، صیغہ اسم فاعلؔ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، مَا موصولہ، نَوٰى فعل، هُوَ ضمیر راجع بسوئے اِمْرِئٍ فاعل، نَوٰى فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصولؔ صلہ مل کر مبتدا مؤخر، مبتدا مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر اجمال، ف تفصیلیہ، مَنْ موصولہ، كَانَتْ فعل از افعال ناقصہ، هِجْرَتُ مضاف، هٗ ضمیر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر اسم ہوا كَانَتْ کا، اِلٰى حرف جار، لفظ اَللّٰهِ معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، رَسُوْلِ مضاف، ہ ضمیر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور ہوا جار کا، جار اپنے مجرور سے مل کر مقصودۃٌ مقدر کے متعلق ہوا، مقصودۃٌ صیغہ اسم مفعول، اپنے نائب فاعل هی اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی کانت کی، کانت اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا متضمن معنی شرط، ف جزائیہ، هِجْرَتُ مضاف، هٗ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، اِلٰى جار، لفظ اللّٰه معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، رسول مضاف، ہ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل

کر معطوف ،معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَقْبُوْلَةٌ مقدر کے،مَقْبُوْلَةٌ صیغہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل ھِیَ اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی،مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر خبر قائم مقام جزا،شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف اول۔

واوٗ حرف عطف،مَنْ موصولہ،کَانَتْ فعل ناقص،ھِجْرَتُ مضاف،ہٗ ضمیر مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر اسم ہوا کَانَتْ کا،اِلٰی حرف جار دُنیا موصوف،یُصِیْبُ فعل،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،ھَا ضمیر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت،موصوف صفت مل کر معطوف علیہ،اَوْ حرف عطف،اِمْرَأَةٍ موصوف،یَتَزَوَّجُ فعل،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ھَا مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت،موصوف صفت مل کر معطوف،معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَقْصُوْدَةً مقدر کے،مَقْصُوْدَةً صیغہ اسم مفعول،ھِیَ ضمیر نائب فاعل،اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی کَانَتْ کی،کَانَت اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ،موصول صلہ مل کر مبتدا متضمن معنی شرط۔فَ جزائیہ،ھِجْرَتُ مضاف،ہٗ ضمیر مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، اِلٰی حرف جار،مَا موصولہ،ھَاجَرَ فعل،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل اِلٰی حرف جار،ہٖ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ھَاجَرَ کے،ھَاجَرَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ،موصول صلہ مل کر مجرور ہوئے ، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنَةٌ کے،کَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل،ھِیَ ضمیر فاعل،اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی،مبتدا اپنی خبر سے مل کر جمہ اسمیہ خبر یہ بن کر خبر قائم مقام جزا،شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف،معطوف اپنے مطوف علیہ سے مل کر تفصیل،اجمال تفصیل مل کر معطوف ثانی،معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مقولہ (مفعول بہ) ہوا قَالَ فعل کا،قَالَ فعل اپنے فاعل اور مقولہ سے مل کر جمہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

اَلْجُمْلَةُ الْاِسْمِيَّةُ

(جملہ اسمیہ)

اس باب میں وہ احادیث مذکور ہیں جو جملہ اسمیہ بنتی ہیں۔اس جملے کا پہلا حصہ اسم ہوتا ہے اس لیے اسے جملہ اسمیہ کہتے ہیں۔اس میں دوٹکڑے ہوتے ہیں، پہلے کا نام مبتدا اور دوسرے کا نام خبر۔دونوں مرفوع ہوتے ہیں۔اس جملہ کے معنی میں (ہے، ہیں، ہو یا ہوں) آتا ہے ان الفاظ کی عربی نہیں ہوتی۔جملہ کی خاصیت کی وجہ سے اس میں یہ معنی پائے جاتے ہیں۔

فائدہ: رفع ایک نوع ہے اس کے تین افراد ہیں۔ ① رفع ضمہ کے ساتھ جیسے جَاءَنِیْ رَجُلٌ ② رفع الف کے ساتھ جیسے جَاءَنِیْ رَجُلَانِ ③ رفع واو کے ساتھ جیسے جَاءَنِیْ اَخُوْكَ

۲۔ دین ہی میں انسانیت کی خیر خواہی ہے

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ ۔

++++++++++

اَلدِّیْنُ	النَّصِیْحَۃُ
دین (سراسر)	خیر خواہی ہے۔ [مسلم]

تشریح: اس حدیث میں دین کے سارے اعمال خواہ اپنی ذات کے متعلق ہوں جیسے نماز، روزہ وغیرہ یا دوسرے کے متعلق جیسے سلام، عیادت، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت، غرض تمام امور دنیاوآخرت میں دین پر چلنے میں پوری انسانیت کے لیے بھلائی ہے۔

لغات: اَلدِّیْنُ: بمعنی ملت ومذہب جمع ادیان آتی ہے۔ اَلنَّصِیْحَۃُ: اسم مصدر ہے، خیر خواہی کرنا جمع نصائح آتی ہے۔ خالص کے معنی میں بھی آتا ہے، توبتہ نصوحا خالص توبہ۔ قَالَ تَعَالٰی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۔

ترکیب: اَلْجُمْلَۃُ موصوف، اَلْاِسْمِیَّۃُ صفت، موصوف صفت مل کر خبر ھٰذِہٖ مبتداء محذوف کی، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اَلدِّیْنُ مبتدا، اَلنَّصِیْحَۃُ خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۳۔ مجلس کی باتیں راز ہیں

اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَۃِ

++++++++++

اَلْمَجَالِسُ	بِالْاَمَانَۃِ
مجلسیں	امانت کے ساتھ ہیں [ابوداؤد]

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں مجلس کا ایک ادب بتایا ہے کہ جس مجلس میں کوئی بات ہو وہ

مجلس سے باہر نہ کی جائے۔ اگر کسی کو نقصان پہنچانے کا مشورہ ہو تو بتانے میں کوئی حرج نہیں۔

لغات: اَلْمَجَالِسُ: جمع مجلس کی ہے، بیٹھنے کی جگہ جلس (ض) جلوسا و مجلسا، بیٹھنا۔ قَالَ النَّبِیُّ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ. اَلْاَمَانَةِ: جمع امانات آتی ہے، بمعنی محفوظ کرنا، فریضہ خداوندی، امن (س۔ض) محفوظ ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ .

ترکیب: اَلْمَجَالِسُ مبتدا، بِ حرف جار، اَلْاَمَانَةِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے قَائِمَةٌ اسم فاعل کے، قَائِمَةٌ اسم فاعل اپنے فاعل ھِیَ اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۴۔ ہر عبادت کے بعد دعا کرنا نہ بھولیے!

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

++++++++++

اَلدُّعَاءُ	مُخُّ الْعِبَادَةِ
دعاء	عبادت کا مغز ہے [ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں ترغیب ہے کہ ہر عبادت خواہ وہ مالی ہو یا بدنی ہو یا قولی اس کے بعد دعاء ضرور کرنی چاہیے۔

لغات: اَلدُّعَاءُ: یہ دعاء کا مصدر ہے، دعا،یدعو (ن) دعاء و دعوی پکارنا، مدد طلب کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ۔ مُخٌّ: ہڈی کا گودا، جمع مخاخ مخمه آتی ہے۔

ترکیب: اَلدُّعَاءُ مبتدا، مُخُّ مضاف، اَلْعِبَادَةِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملیہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۵۔حیاء ایمان کا حصہ ہے

اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ

++++++++++

اَلْحَیَاءُ	شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ
شرمیلاپن	ایمان کا حصہ ہے

[بخاری ومسلم]

تشریح: اس خاص صفت کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں جیسے بد نظری، چوری، گالی گلوچ اور بُری بات کرنے سے بچ جاتا ہے۔

لغات: اَلْحَیَاءُ: شرم، حیا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً ۔ شُعْبَةٌ: فرقہ، شاخ، پانی بہنے کی جگہ، مرادفرقہ وشاخ ہے، جمع شعب وشعاب آتی ہے۔

ترکیب: اَلْحَیَاءُ مبتدا، شُعْبَةٌ موصوف، مِنْ حرف جار، اَلْاِیْمَانِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنَةٌ مقدر کے، کَائِنَةٌ اسم فاعل اپنے فاعل ھِیَ اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

٦۔روزِ قیامت نیکوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو۔۔۔۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔

++++++++++

اَلْمَرْءُ	مَعَ	مَنْ
آدمی	(اس کے) ساتھ ہوگا	جس سے
اَحَبَّ		
محبت کرتا ہوگا		

[اخرجه البخاری فی کتاب الادب]

تشریح: شان ورود۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ایک آدمی کسی سے محبت رکھتا ہے مگر اس جیسے اعمال نہیں کرتا (جنت میں وہ دونوں کہاں ہوں گے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: انسان ''قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہوگا۔''

لغات: اَلْمَرْءُ: مرد، ضد اِمْرَاَةٌ ہے۔قَالَ تَعَالٰی یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ۔احب: باب افعال سے بمعنی محبت کرنا۔قَالَ تَعَالٰی اِنِّی لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔

ترکیب: اَلْمَرْءُ مبتدا، مَعَ مضاف، مَنْ موصولہ، اَحَبَّ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا کَائِنٌ محذوف کا، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل ہو ضمیر مستتر اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۷۔ ہر نشہ گناہوں کی جڑ ہے

اَلْخَمْرُ جُمَّاعُ الْاِثْمِ

++++++++++

اَلْخَمْرُ	جُمَّاعُ الْاِثْمِ
شراب	بہت سے گناہوں کی جڑ ہے

[مشکوۃ]

تشریح: آپ ﷺ کے اس ارشاد پاک میں خاص پیغام یہ ہے کہ شراب اور ہر نشے میں بے حیائی ہے اور بے حیائی سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پرواہ ختم ہو جاتی ہے۔اس لیے ہر گناہ کا راستہ کھل جاتا ہے۔

لغات: اَلْخَمْرُ: انگوری شراب اور ہر نشہ آور چیز جو عقل کو ڈھانپ لے، خمر (ن) خمرا، چھپانا، دوپٹہ کو بھی خمار کہتے ہیں اس سے سر کو چھپایا جاتا ہے۔قَالَ تَعَالٰی یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمرِ۔ جُمَّاعُ: مبالغہ ہے بہت جمع کرنے والا، جمع (ف) جمعا، اکٹھا کرنا۔قَالَ تَعَالٰی وَجَمَعَ فَاَوْعٰی۔ اَلْاِثْمِ: بمعنی گناہ، اثم(س) اثما، اثما واثاما، گناہ کرنا۔

ترکیب: اَلْخَمْرُ مبتداء، جُمَّاعُ مضاف، اَلْاِثْمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۸۔ ہر دینی ودنیاوی کام پورے وقار اور ستھرائی سے کیا جائے!

اَلاِنَاۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالعُجْلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ -

++++++++++

اَلاِنَاۃُ	مِنَ اللّٰہِ
بُردباری	اللہ کی طرف سے ہے
وَالعُجْلَۃُ	مِنَ الشَّیْطَانِ
اور جلد بازی	شیطان کی طرف سے ہے [ترمذی]

تشریح: حضور ﷺ کی اس حدیث سے دنیاوی اور دینی کاموں کو مشورہ کے ساتھ اور غور وفکر سے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور جلدی (یعنی مُباح کاموں کے انجام کو سوچے بغیر کرنا) شیطان کا حصہ ہے۔

لغات: اَلْاِنَاۃُ: بردباری، وقار، انتظار، انی، یانی (س۔ض) انیا بمعنی دیر کرنا۔ اَلْعُجْلَۃُ: جلدی کرنا عجل (س) عجلا جلدی کرنا۔قَالَ تَعَالٰی لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ۔ شَیْطَانَ: جمع شیاطین بمعنی سرکش ہونا، دیو، شطن (ن) مخالفت کرنا۔قَالَ تَعَالٰی اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ۔

ترکیب: اَلْاِنَاۃُ مبتدا، مِنْ حرف جار، لفظ اَللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنَۃٌ مقدر کے، کَائِنَۃٌ صیغہ اسم فاعل، ھِیَ ضمیر مستتر فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوکر معطوف علیہ ہوا، واوٌ عاطفہ، اَلْعُجْلَۃُ مبتدا، مِنْ جار، اَلشَّیْطٰنِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا کَائِنَۃٌ کے، کَائِنَۃٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل ھِیَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوکر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ معطوفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۹۔مؤمن کی یہ شان ہے کہ وہ شریف ہوتا ہے

اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ

++++++++++

اَلْمُؤْمِنُ	غِرٌّ	کَرِیْمٌ
مومن	بھولا بھالا	شریف ہوتا ہے

[احمد وترمذی]

تشریح: ارشاد پاک میں غِرٌّ کے معنی ''بھولا بھالا'' یعنی مومن کی نرم مزاجی کی وجہ سے یا اس کے حسنِ ظن کی وجہ سے لوگ اسے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور مومن کے سامنے آخرت کے فضائل ہوتے ہیں اس لیے معاف رکھتا ہے اور بدلا نہیں لیتا تو لوگ سمجھتے ہیں یہ ہمارے دھوکے میں آ گیا حالانکہ مؤمن اپنی شرافت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا اور صبر کرتا ہے۔

لغات: غو: نا تجربہ کار جوان، بھولا بھالا، جمع اغرار آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَغَرَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغُرُوْرِ۔ کَرِیْمٌ: صاحب کرم، اللہ کے ناموں میں سے ہے، کرم(ك) کرما وکرامۃ۔ قَالَ تَعَالٰی فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ۔

ترکیب: اَلْمُؤْمِنُ مبتدا، غِرٌّ خبر اول، کَرِیْمٌ خبر ثانی، مبتدا اپنی دونوں خبروں

سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔

((............ ۞۞۞ ....))

۱۰۔ کمینگی اور مکاری فساق کی عادت ہے

وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيْمٌ۔

++++++++++

لَئِيْمٌ	خَبٌّ	وَالْفَاجِرُ
کمینہ ہوتا ہے	چال باز	اور گناہ کرنے والا

[احمد وترمذی]

تشریح: خَبٌّ مکار اور دھوکہ باز کو کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فاسق وفاجر دھوکہ دینے والا ہوتا ہے، آخرت کی فکر سے غافل ہوتا ہے، ایسا آدمی کمینہ شمار کیا جاتا ہے۔ جس کی ہر بات میں دھوکے کا گمان ہوتا ہے۔

لغات: فَاجِرٌ: حد سے تجاوز کرنے والا اور خوب گناہ کرنے والا۔ جمع فجار آتی ہے، فجر (ن) تجاوز کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كُفَّارًا۔ خَبٌّ: بالفتح بمعنی مکار، دغا باز، دھوکہ دینے والا، جمع خبوب، خب (س) خبا وخبا مکار ہونا۔ لَئِيْمٌ: کمینہ، ذلیل، جمع لئام لوما، لوم (ک) کمینہ ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔

ترکیب: واؤ حرف عطف اَلْفَاجِرُ مبتدا، خَبٌّ خبر اول، لَئِيْمٌ خبر ثانی، مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ معطوفہ ہوا۔

((............ ۞۞۞ ....))

۱۱۔ظلم نہ کیجئے! قیامت کے دن ذلت نہ ہو

اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

++++++++++

یَوْمِ الْقِیَامَةِ	ظُلُمَاتٌ	اَلظُّلْمُ
قیامت کے دن	تاریکیوں کی شکل میں ہوگی	بے انصافی

|متفق علیہ|

تشریح: اس حدیث میں دوسروں پر زیادتی کرنے والوں کا انجام ہے کہ ظالم قیامت کے دن کی مشکلات میں پھنس کر بے یار و مددگار اندھیروں میں بھٹک رہا ہوگا اور پریشان ہوگا۔اور ظلم سے حاصل کی ہوئی چیز اس کے کام نہ آئے گی۔

لغات: اَلظُّلْمُ: بے موقع رکھنا، بے انصافی، جمع ظلمات (ض) بے موقع رکھنا(س) رات کا تاریک ہونا۔قَالَ تَعَالٰی فَنَادٰی فِی الظُّلُمَاتِ ۔یَوْمٍ: دن جمع ایام جمع الجمع اياويم۔قَالَ تَعَالٰی مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنَ۔اَلْقِيَامَةِ: موت کے بعد اٹھنا ،قام يقوم (ن)قوما وقیاما، کھڑا ہونا۔قَالَ تَعَالٰی لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔

ترکیب: اَلظُّلْمُ مبتدا، ظُلُمَاتٌ موصوف، يَوْمَ مضاف ،اَلْقِيَامَةِ مضاف اليہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا کَائِنَةٌ مقدر کا، کَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل، هِيَ ضمیر مستتر فاعل، کَائِنَةٌ اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر صفت ہوئی موصوف کی، موصوف صفت مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۴۔ تکبر کا علاج سلام میں پہل کرنا

اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِئٌ مِنَ الْكِبَرِ -

++++++++++

اَلْبَادِئُ	بِالسَّلَامِ	بَرِئٌ	مِنَ الْكِبَرِ
پہل کرنے والا	سلام میں	دور ہے	تکبر سے

[بیهقی]

تشریح: ❶ اس فرمانِ رسول ﷺ میں سلام میں پہل کرنے کی ترغیب ہے۔

❷ تکبر سے نجات کا پروانہ پہلے سلام کرنا ہے کیونکہ تکبر بہت سی روحانی وجسمانی بیماریوں کا مجموعہ ہے۔

لغات: اَلْبَادِئُ: اسم فاعل، پہلے کرنے والا، بدا (ف) بدء، شروع کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ۔ بَرِئٌ: (ک۔س۔ف) بروا، براء بری کرنا، نجات پانا۔ قَالَ تَعَالٰی فَاِنِّیْ بَرِئٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ اَلْكِبَرُ: غرور، بڑا گناہ کبر (ن۔س۔ک) کبرا و کبرا، کبرا عمر میں بڑا ہونا، مرتبہ میں بڑا ہونا، دشوار ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ۔

ترکیب: اَلْبَادِئُ صیغہ اسم فاعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، بِ حرف جار، اَلسَّلَامِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اسم فاعل کے، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا، بَرِئٌ صیغہ صفت مشبہ، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ حرف جار، اَلْكِبَرِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے صیغہ صفت کے، صیغہ صفت اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہوکر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۳۔دنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ

++++++++++

اَلدُّنْيَا	سِجْنُ الْمُؤْمِنِ	وَجَنَّةُ الْكَافِرِ
دنیا	مؤمن کا قید خانہ ہے	اور کافر کی جنت ہے [مسلم]

تشریح: مؤمن کیونکہ ہر قول اور فعل سے پہلے سوچتا ہے کہ یہ کام نیکی ہے یا برائی؟ کروں یا نہ کروں؟ اس وجہ سے مؤمن کے لیے جنت کی نعمتوں کے لحاظ سے دنیا قید خانہ ہی ہے۔ اور کافر اپنے کو جسم کے تمام اعضاء استعمال کرنے میں آزاد سمجھتا ہے۔ اس لیے آخرت کی تکالیف کے لحاظ سے یہ دنیا اس کی جنت ہے۔

لغات: سِجْنُ :قید خانہ جمع سجون ہے،سجن(ن) سجنا قید کرنا۔قَالَ تعالٰی اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ۔جَنَّةٌ:باغ جمع جنات،جنان ہے علماء اہل لغت نے لکھا ہے کہ جس کلمہ میں ج.ن کا مادہ ہو اس میں چھپنے کا معنی ہوگا۔مثلاً جنین ماں کے پیٹ کا بچہ۔جنون: دیوانہ،جن۔جن کو بھی جن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ چھپے ہوئے ہیں۔قَالَ تعالٰی فِیْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ۔ کافر:اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا،جمع کافرون ہے کفار،کفر(ن) کفراچھپانا۔ قَالَ تعالٰی وَلَا تکُوْنُوْا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ .

ترکیب:اَلدُّنْيَا مبتدا،سِجْنُ مضاف،اَلْمُؤْمِنِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر خبر اول معطوف علیہ،واؤ حرف عطف،جَنَّةُ مضاف،اَلْکَافِرِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر خبر ثانی معطوف،مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۴۔ مسواک کے دنیاوی واخروی فوائد

اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ وَمَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ .

++++++++++

اَلسِّوَاكُ	مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ
مسواک	منہ کو پاک کرنے والی ہے
وَمَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ	
اورخوشی کا ذریعہ ہے پروردگار کی	[النسائی]

تشریح: اس فرمانِ رسول ﷺ میں مسواک کے دو فائدے بتائے ہیں۔

❶ ایک ظاہری: یعنی منہ صاف ہوتا ہے اور منہ کی صفائی کے طبی وروحانی فوائد بے شمار ہیں۔ یہ ایک ظاہری فائدہ ہے سنت رسول کا۔

❷ دوسرا باطنی: یعنی مسواک کی سنت ادا کرنے سے اللہ خوش ہوتے ہیں اور رب راضی ہو تو سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

معلوم ہوا اسلام پر عمل سے دنیاوی، دینی تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

لغات: اَلسِّوَاكُ، دانت صاف کرنے کی لکڑی، جمع مساویك ہے، ساك (ن) سوكا بمعنی ملنا، رگڑنا۔ مَطْهَرَةٌ: صفائی کا آلہ یا صفائی حاصل کرنے کی جگہ، جمع مطاهر ہے، طهر(ف) طهر او طهر، پاک کرنا (ن۔ف) طهر وطهارة پاک کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ اَلْفَمِ: منہ، اصل میں فوه ہے جمع افواه آتی ہے، فاه(ن) فوها بمعنی منہ سے بولنا۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ۔ مَرْضَاةٌ: خوشنودی حاصل کرنے کی جگہ، رضی(س) رضی، راضی ہونا، خوش ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی تَبْتَغِىْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِكَ .

ترکیب: اَلسِّوَاكُ مبتدا، مَطْهَرَةٌ مصدر میمی بمعنی اسم فاعل، ضمیر مستتر اس کا فاعل، لَ جار، اَلْفَمِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق مَطْهَرَةٌ کے، مَطْهَرَةٌ اپنے فاعل اور

متعلق سے مل کر خبر اول معطوف علیہ، واوٗ عاطفہ، مَرْضَاۃٌ مصدر میمی بمعنی اسم فاعل، ھِیَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، لِ حرف جار، اَلرَّبِّ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق مَرْضَاۃٌ کے، مَرْضَاۃ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ثانی معطوف، مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۱۵۔ دوسروں کو دینے والا، لینے والوں سے بہتر ہے

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی .

++++++++++

اَلْیَدُ الْعُلْیَا	خَیْرٌ
اوپر والا (دینے والا) ہاتھ	بہتر ہے
مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی	
نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے	[بخاری]

تشریح: شریعتِ مطہرہ میں سوال کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن صرف جان بچانے کے لیے بقدرِ ضرورت جائز ہے اس لیے کوشش ہونی چاہیے کہ ہر مسلمان دینے والا بنے اور دوسروں سے لینے کی نیت نہ رکھے۔

لغات: اَلْیَدُ: ہاتھ، اصل میں یدی ہے جمع ایادی اور ایدی ہے، قَالَ تَعَالٰی یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ اَلْعُلْیَا: ہر بلند جگہ، یہ الاعلی اسم تفضیل کی مونث ہے علیَ (ن) علوا علی (س) علاء بلند ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا، السفلٰی: یہ اسفل کی مونث ہے بمعنی پست تر، سفل (ن۔س۔ک) سفولا، پست ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا السُّفْلٰی.

ترکیب: اَلْیَدُ موصوف، اَلْعُلْیَا صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، خَیْرٌ صیغہ اسم تفضیل، ضمیر مستتر اس کا فاعل، مِّنْ حرف جار، اَلْیَدِ موصوف، السُّفْلٰی صفت،

موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق خَیْرٌ کے، خَیْرٌ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۶۔ زنا سے بھی بدتر ایک عام گناہ!

اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا ۔

++++++++++

اَلْغِیْبَۃُ	اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا
پیٹھ پیچھے برائی کرنا	زنا سے (بھی) زیادہ بھاری ہے

(بیهقی)

تشریح: اس گناہ کے اتنا بھاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زنا میں ندامت اور توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے اور غیبت میں جب تک صاحب معاملہ سے معافی نہ مانگے یہ گناہ معاف نہیں ہوتا کیونکہ حقوق العباد سے متعلق ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے اور لوگ اس گناہ کو ہلکا سمجھتے ہیں۔

لغات: اَلْغِیْبَۃُ: پیٹھ پیچھے برائی کرنا، غاب(ض) غیبة واغتابه غیبت کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا. اَشَدُّ بشد(ض) شدة، سخت ہونا. قَالَ تَعَالٰی وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. اَلزِّنَا زنی(ض) زنی، وزناء زنا کرنا، قال تعالی ولا تقربوا الزنا.

ترکیب: اَلْغِیْبَۃُ مبتدا، اَشَدُّ صیغہ اسم تفضیل، ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، من حرف جار، اَلزِّنَا مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اَشَدُّ کے، اَشَدُّ صیغہ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

............✿✿✿............))

۱۷۔ظاہری وباطنی پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ

++++++++++

اَلطُّهُوْرُ	شَطْرُ الْإِيْمَانِ
پاکیزگی	ایمان کا حصہ ہے [مسلم]

تشریح: اس حدیث میں طہارت سے نجاست حکمی اور حقیقی سے پاک ہونا مراد ہے۔ جب یہ حاصل ہو جائے تو ظاہری پاکی حاصل ہو جاتی ہے اور اسی کے ذریعے سے نماز، حج اور تلاوت وغیرہ دوسرے اعمال جائز ہوتے ہیں اس لیے ایمان کا حصہ ہے۔ پھر باطنی پاکیزگی یعنی گناہوں سے سچی توبہ کا اہتمام بھی ہو جائے تو زہے قسمت۔

لغات: شَطْرُ: جزء، نصف، جانب، دوری سب معنی میں استعمال ہوتا ہے۔جمع اشطر، شطور، شطر(ن) شطورا دو برابر حصہ میں کرنا۔قَالَ تَعَالٰی فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.

ترکیب: اَلطُّهُوْرُ مبتدا، شَطْرُ مضاف، اَلْإِيْمَانِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۸۔ہر مسلمان کے لیے قرآن کریم کی دو حیثیتیں

اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ .

++++++++++

اَلْقُرْاٰنُ	حُجَّةٌ	
قرآن	دلیل ہے	
لَّكَ	اَوْ عَلَيْكَ	
تیرے (فائدے کے) لیے	یا تیرے خلاف	[مسلم]

تشریح: ارشاد نبوی علیہ السلام کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں اور آگے پہنچانے والوں کے حق میں گواہی دے گا، انہوں نے میری قدر کی اور پیٹھ پیچھے ڈالنے والوں کے خلاف گواہی دے گا۔ کہ انہوں نے مجھے چھوڑے رکھا اور میری قدر نہیں کی۔

لغات: اَلْقُرْآنُ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہوئی کتاب، قرن (ض) باندھنا، ملانا، جمع کرنا، قَالَ تَعَالٰی اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ حُجَّةٌ، بمعنی دلیل، جمع براہان جمع الجمع حججج، حجاج، حج (ن) حجاہ، دلیل میں غالب ہونا۔

ترکیب: اَلْقُرْآنُ مبتدا، حُجَّةٌ مصدر بمعنی اسم فاعل، هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، ل جار، كَ مجرور، جار مجرور مل کر معطوف علیہ، اَوْ حرف عطف، عَلٰی حرف جار، كَ مجرور، جار مجرور مل کر معطوف ہوا، معطوف، معطوف علیہ مل کر متعلق ہوا حُجَّةٌ کے، حُجَّةٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۹۔ ہر گانے، بجانے کا آلہ شیطان کی طرف منسوب ہے

اَلْجَرْسُ مَزَامِيْرُ الشَّيْطٰنِ .

++++++++++

اَلْجَرْسُ	مَزَامِيْرُ الشَّيْطٰنِ
تمام گھنٹیاں	شیطان کی بانسریاں ہیں

[مسلم]

ترجمہ: اس ارشاد عالی میں ایک گناہ کبیرہ ہر بجنے والی چیز جو دل کو اپنی طرف مائل کر کے ذکر و عبادت سے روک دے اسے شیطان کی بانسری قرار دیا گیا ہے۔ اس ارشاد گرامی کے ضمن میں سارے گانے اور ساز آ گئے ان سے بچنا چاہیے۔

لغات: اَلْجَرْسُ: گھنٹہ، جمع اجراس، مزامیر، مزمار کی جمع ہے بمعنی بانسری، ذمر (ض۔ن) ذمر، زمیرا بانسری بجانا۔

ترکیب: اَلْجَرْسُ مبتدا، مَزَامِیْرُ مضاف، اَلشَّیْطَانِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۰۔ فاسقہ عورتیں شیطان کا جال ہیں

اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّیْطٰنِ ۔

++++++++++

اَلنِّسَاءُ	حَبَائِلُ الشَّیْطٰنِ
عورتیں	شیطان کے جال ہیں

[مشکوۃ]

تشریح: تجربہ شاہد ہے کہ فاسقہ عورت بے پردگی، آواز کے غلط استعمال اور غیر محرموں کے سامنے اپنے ناز و اداء کے ذریعہ بہت سے مردوں کو راہ راست سے ہٹا دیتی ہے۔ اس وجہ سے اسے شیطان کا جال قرار دیا گیا ہے۔

لغات: حَبَائِلُ: یہ جمع ہے حبالۃ کی بمعنی جال، پھندا، حبل (ن) حبلا رسی سے باندھنا، قَالَ تَعَالٰی حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ۔

ترکیب: اَلنِّسَاءُ مبتدا، حَبَائِلُ مضاف، اَلشَّیْطٰنِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۱۔صبر و شکر کی برکات

اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصَّابِرِ

++++++++++

اَلطَّاعِمُ	الشَّاكِرُ
کھانے والا	شکر گزار
كَالصَّائِمِ	الصَّابِرِ
برابر ہے اس روزہ دار کے	جو صبر کرنے والا ہو۔

[ترمذی]

تشریح: سب مسلمانوں کو اس حدیث پاک میں کھانے پینے کے بعد شکر کی ترغیب دی گئی ہے، کہ اس کے ساتھ صبر اور روزہ والوں میں شمار ہوتا ہے۔ بلا شبہ روزہ اور صبر بڑی اہم عبادات ہیں لیکن کھانا کھا کر شکر ادا کرنے کی برکت سے ان کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

لغات: اَلطَّاعِمُ طعم(س) طعما وطعاما، بمعنی کھانا کھانا قَالَ تَعَالٰی فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ، الشاکر شکر (ن) شکرا شکرانا، قدردانی کرنا، احسان کا اعتراف کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ، الصائم صام (ن) صوما روزہ رکھنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ۔ اَلصَّابِرِ صبر(ض) صبرا صبرا اور برداشت کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَالصَّابِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ.

ترکیب: اَلطَّاعِمُ موصوف، اَلشَّاكِرُ صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، كَ حرف جار، لِصَائِمِ موصوف، اَلصَّابِرِ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنٌ کے، كَائِنٌ اسم فاعل، هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، كَائِنٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر مبتدا، خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۲۔اخراجات میں میانہ روی ،معیشت کا نصف حل

اَلْاِقْتِصَادُ فِيْ النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ ۔

++++++++++

اَلْاِقْتِصَادُ	اَلْمَعِيْشَةِ	فِيْ اَلنَّفَقَةِ
میانہ روی	(زندگی کی) گزران ہے	خرچ کرنے میں
نِصْفُ		
آدھی		

[بیہقی]

تشریح: اس ارشادِ عالی سے پتا چلا کہ مسلمان نہ مال میں بخل کرے، نہ فضول خرچی بلکہ دونوں کے درمیان رہے۔یہی عمل اللہ کو پسند ہے اس ارشاد مبارک میں زندگی گزارنے کا بہت بڑا ڈھنگ ارشاد فرمادیا۔کہ آمدن کے مطابق گزراوقات کی جائے۔

لغات: اَلْاِقْتِصَادُ:قصد (ض) قصدا و اقتصد،میانہ روی اختیار کرنا قَالَ تعَالٰی وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ۔النفقۃ:خرچ جمع نفقات۔قَالَ تعَالٰی وَلَا يُنفِقُوْنَ نَفْقَةً صَغِيْرَةً۔ نِصْفُ:کسی چیز کا آدھا،جمع انصاف،نصف(ن۔ض)نصفا آدھا لینا،قَالَ تعَالٰی وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ۔المعيشة:زندگی کا ذریعہ عاش،یعیش(ض)عیشا، معاشا، معیشا،زندہ رہنا۔قَالَ تعَالٰی بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا.

ترکیب: اَلْاِقْتِصَادُ مصدر،فِيْ جار،اَلنَّفَقَةِ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق اَلْكَائِنُ محذوف کے،اَلْكَائِنُ صیغہ اسم فاعل،اپنے فاعل هُوَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر صفت ،موصوف صفت مل کر مبتدا،نِصْفُ مضاف ،اَلْمَعِيْشَةِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۳۔مخلوقِ خدا سے محبت، سمجھدار لوگوں کا کام ہے

وَالتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ .

++++++++++

وَالتَّوَدُّدُ	اِلَی النَّاسِ
اور محبت کرنا	لوگوں سے
نِصْفُ	الْعَقْلِ
آدھی	عقل مندی ہے

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن سے بھی جائز تعلقات ہوں ان سے حسنِ سلوک رکھنے سے دنیاوی اور دینی کام درست ہوتے ہیں۔اس لیے یہ بڑی سمجھ داری کا کام ہے تعلقات خراب کر کے اپنے دشمنوں میں اضافہ اور دوستوں میں کمی نہ کرنی چاہیے۔

لغات: اَلتَّوَدُّدُ: دوستی کرنا، ود(س) ودا، وودا محبت کرنا، قَالَ تَعَالٰی تُوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ. اَلنَّاسِ: اسم ہے واحد انسان ہے تصغیر نویس ہے، ناس، ینوس (ن) نوسا. قَالَ تَعَالٰی یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا ۔اَلْعَقْلِ: وہ نور جس سے غیر حسی چیزیں معلوم کی جاتی ہیں۔جمع عقول، عقل(ض) عقلا، سمجھدار ہونا، قَالَ تَعَالٰی مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ.

ترکیب: واؤ استنافیہ، اَلتَّوَدُّدُ مصدر موصوف، اِلٰی حرف جار، اَلنَّاسِ مجرور، جار مجرور مل کر بترکیب سابق صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا، نِصْفُ مضاف، اَلْعَقْلِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۲۴۔ گناہوں سے توبہ معصوم بنادیتی ہے

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ.

++++++++++

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ	كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ
گناہ سے توبہ کرنے والا	(اس کے برابر ہے) کہ نہ ہو کوئی گناہ اس کے ذمے

[ابن ماجہ]

تشریح: اس حدیث میں پکی اور سچی توبہ کی فضیلت بتائی ہے کہ اس طرح تائب ہونے والے کا دل ایسے صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ آج ہی معصوم پیدا ہوا ہے۔

لغات: اَلتَّائِبُ: اسم فاعل توبہ کرنے والا، تاب(ن) توبا، و توبة، متوجہ ہونا، قَالَ تَعَالٰی اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ. اَلذَّنْبِ: گناہ، جمع ذنوب، جمع الجمع ذنوبات، قَالَ تَعَالٰی بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ.

ترکیب: اَلتَّائِبُ: صیغہ اسم فاعل، هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، مِنْ حرف جار، اَلذَّنْبِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اَلتَّائِبُ کے، اَلتَّائِبُ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا، كَ حرف جار، مَنْ موصولہ، لَا نفی جنس، ذَنْبَ اس کا اسم، لَ جار، هٗ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَوْجُوْدٌ کے، مَوْجُوْدٌ صیغہ اسم مفعول، هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، مَوْجُوْدٌ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر لائے نفی جنس کی خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا جار مجرور مل کر متعلق ہوا كَائِنٌ کے، كَائِنٌ اپنے فاعل ضمیر مستتر هُوَ اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۵۔کون عقل مند، کون بے وقوف؟

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ

++++++++++

اَلْكَيِّسُ	مَنْ
عقل مند (وہ ہے)	جو
دَانَ	نَفْسَهٗ
دبا کر رکھے	اپنے نفس (کی خواہش) کو
وَعَمِلَ	لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ
اور (نیک) کام کرے	مرنے کے بعد کے لیے
وَالْعَاجِزُ	مَنِ
اور بے وقوف (وہ ہے)	جو
اتَّبَعَ	نَفْسَهٗ هَوَاهَا
پیچھے لگائے	اپنے نفس کو اس کی خواہش کے
وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ	
اور (جنت کی) امید رکھے اللہ پر	[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں آخرت ہی کو عقل مندی اور بے وقوفی کا معیار بتایا گیا ہے کیونکہ خواہشات کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ وہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ نہ ہی خواہش کے بندے کو حقیقی خوشی مل سکتی ہے۔ ایک خواہش پوری ہوگی تو دوسری تیار ہوگی، اس لیے حقیقی بھلائی اسے نظر انداز کر کے آخرت کی فکر میں ہے۔

(۲) تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ: اس جملے میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب ہم ہر کام دنیا کے لیے کرتے ہیں۔ امید بھی تو ہمیں دنیا کی ہی رکھنی چاہیے اور ہم اس کے نتائج میں اُمید آخرت کی رکھتے ہیں یہ بہت بڑی بے وقوفی ہے۔ گندم بوئیں اور امید جو کی رکھیں یہ سمجھ داری نہیں ہے۔

لغات: اَلْكَيِّسُ عقل مند، ہوشیار جمع اکیاس ہے کاس (ض) کیسا، و کیاسة بمعنی چالاک ہونا، دان: (ض) دینا بمعنی ذلیل ہونا، تابع بنانا۔ نَفْسَهٗ: مصدر بمعنی روح، خون، بدن، مراد دل ہے۔ قَالَ تَعَالٰى يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. الموت: زندگی کی ضد ہے۔ قَالَ تَعَالٰى اَلَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ. وَالْعَاجِزُ: نہ قدرت رکھنے والا، عجز (ض. س) عجزا، عجوزا، عاجز ہونا، قَالَ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِىْ اٰيَاتِنَا مُعَاجِزِيْنَ. اِتَّبَعَ تبع (س) تبعا، پیچھے چلنا، ھویٰ: خواہش، عشق خواہ خیر میں ہو یا شر میں، قَالَ تَعَالٰى وَاتَّبَعَ هَوَاهُ. تَمَنّٰى: ارادہ کرنا (ن) آزمائش کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى۔

ترکیب: اَلْكَيِّسُ مبتدا، مَنْ موصولہ، دَانَ فعل، هُوَ ضمیر اس کا فاعل، نَفْسَ مضاف، ضمیر هٗ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ ہوا فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہا، واؤ عطف، عَمِلَ فعل هُوَ ضمیر فاعل، لِ حرف جار، مَا موصولہ، بَعْدَ مضاف، اَلْمَوْتِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ (ظرف) ہوا فعل مقدر يَكُوْنُ تامہ کا، يَكُوْنُ فعل اپنے فاعل ہوا اور مفعول فیہ سے مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے عَمِلَ کے، عَمِلَ فعل اپنے فاعل هُوَ ضمیر اور متعلق سے مل کر جملہ معطوفہ، دونوں جملے مل کر صلہ ہوئے موصول کا، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، واؤ عاطفہ یا استنافیہ، اَلْعَاجِزُ مبتدا مَنْ موصولہ، اِتَّبَعَ فعل، هُوَ ضمیر فاعل، نَفْسَ مضاف ضمیر هٗ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول

اول، هُوَ مضاف، هَا مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، تَمَنّٰی فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، عَلٰی حرف جار، لفظ اللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ، دونوں جملے مل کر صلہ ہوئے موصول کے، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ یا مستانفہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۲۶۔ محبت کے لائق صاحب ایمان ہے

اَلْمؤْمِنُ مَاْلَفٌ وَلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَا یَاْلَفُ وَلَا یُوْلَفُ .

++++++++++

اَلْمؤْمِنُ	مَاْلَفٌ
مومن	محبت کی جگہ ہے
وَلَا	خَیْرَ
اور نہیں ہے	بھلائی
فِیْمَنْ	لَا یَاْلَفُ
اس میں جو	محبت نہیں کرتا
وَلَا یُوْلَفُ	
اور محبت نہیں کیا جاتا	[بیہقی]

تشریح: ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مؤمن کی شان ہے کہ وہ دوسروں سے سچی محبت رکھتا ہے اور ایسا معاملہ رکھتا ہے کہ لوگ اس سے محبت رکھیں اور حقیقی محبت اللہ والوں کو ہی ملتی ہے اس حدیث میں خودغرضی سے منع کیا گیا ہے، محبت سے مراد وہ جائز محبت ہے، جس کی اللہ اور اس کے ﷺ نے اجازت دی ہے۔ یا حکم دیا ہے۔

لغات: مَاْلَفٌ:اسم ظرف ہے،دوستی کی جگہ،جمع مآلف ،الف(س) الفا،مانوس ہونا،محبت کرنا۔

ترکیب: اَلْمُؤْمِنُ مبتدا،مَاْلَفٌ خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔وَاؤ استنافیہ،لا حرف نفی جنس،خَیْرَ اس کا اسم،فِی حرف جار،مَنْ موصولہ،لَا یَاْلَفُ فعل نفی مضارع معلوم،ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہا،وَاؤ عاطفہ،لَا یُؤْلَفُ فعل نفی مضارع مجہول،ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف،معطوف معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوکر صلہ ہوئے موصول کا،موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا،جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ کے،کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل ھُوَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی لائے نفی جنس کی،لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ مستانفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۷۔گانا بجانا دل میں منافقت پیدا کرتا ہے

اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ .

++++++++++

اَلْغِنَاءُ	یُنْبِتُ
گانا	اُگاتا ہے
اَلنِّفَاقَ	فِی الْقَلْبِ
نفاق کو	دل میں
کَمَا	یُنْبِتُ الْمَاءُ
جیسا کہ	پانی اُگاتا ہے
اَلزَّرْعَ	
کھیتی کو	

[بیهقی]

تشریح: آپ ﷺ کے اس پاک اصول زندگی میں گانے بجانے کا ایک بہت بڑا نقصان

یہ بتایا گیا ہے کہ اس بدعملی کی وجہ سے انسان ایمان خالص کی دولت سے محروم رہتا ہے مثال دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی اور کھیتی کے الفاظ استعمال کیے، تا کہ ہر آدمی سمجھ جائے۔

لغات: اَلْغِنَاءُ: گانا جمع اغانی، غنی (س) غنی، مال دار ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ. غنی (تفعیل) تغنیة، ترنم سے گیت گانا۔ ینبت نبت (ن) نباو نباتا، بمعنی سبزہ زار ہونا، قَالَ تَعَالٰی یُنْبِتُ لَکُمْ بِهِ الزَّرْعَ. النفاق: مصدر ہے مجرد میں باب نصر سے اور مزید میں باب مفاعلہ سے ہے، کہ زبان سے اسلام ظاہر کرنا اور دل میں کفر رکھنا۔ اَلْقَلْبُ دل، جمع قلوب، قلب (ض) قلبا الٹ پلٹ کرنا، قَالَ تَعَالٰی وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ. الزرع: کھیتی، جمع زروع، زرع، (ف) زرعا. بیج ڈالنا، قَالَ تَعَالٰی کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ۔

ترکیب: اَلْغِنَاءُ مبتدا، یُنْبِتُ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَلنِّفَاقَ مفعول بہ، فِیْ حرف جار، اَلْقَلْبِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول، کَ حرف جار، مَا مصدریہ، یُنْبِتُ فعل، اَلْمَاءُ فاعل، اَلزَّرْعَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ثانی، فعل اپنے فاعل، مفعول اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((..........۞۞۞..........))

۲۸۔ قیامت کے دن متقی اور سچا تاجر نجات پائے گا

اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ

++++++++++

اَلتُّجَّارُ	یُحْشَرُوْنَ
تاجر لوگ	جمع کیے جائیں گے
یَوْمَ الْقِیٰمَةِ	فُجَّارًا
قیامت کے دن	گناہ گار (ہونے کی حالت میں)

اِلَّا	مَنِ
مگر	جو
اتَّقٰی	وَبَرَّ
ڈرے (اللہ سے)	اورنیکی (کا راستہ) اختیار کرے
وَصَدَقَ	
اور سچ بولے	[ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں تاجروں کے لیے چند اصول بتائے ہیں۔

❶ تقوٰی۔ اللہ سے ڈرے یعنی تجارت میں ملاوٹ، جھوٹی قسم، نمازوں کو چھوڑنا نیز ہر گناہ سے بچے۔

❷ نیکی کا راستہ: تجارت میں معاملات کی صفائی، اسلامی اصولوں کے مطابق لین دین کرنا وغیرہ۔

❸ سچائی: اپنے مال کی اچھائی برائی واضح بیان کردے، اس میں جھوٹی قسموں سے بچنا بھی آ گیا۔

لغات: اَلتُّجَّارُ: جمع تَاجِرٌ کی، سوداگر، تجر (ن) تجارۃ تجارت کرنا، قَالَ تَعَالٰی عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ یُحْشَرُوْنَ، حشر (ض) حشرا۔ بمعنی جمع کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَھَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ۔ اِتَّقٰی: پرہیز کرنا، وقی (ض) وقایہ، حفاظت کرنا، قَالَ تَعَالٰی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۔ بَرَّ: (س۔ض) سچ بولنا، قَالَ تَعَالٰی کِرَامٍۢ بَرَرَۃٍ۔ صَدَقَ: (ن) صدقا، صدقا، سچ بولنا، قَالَ تَعَالٰی قُلْ صَدَقَ اللّٰہُ۔

ترکیب: اَلتُّجَّارُ مبتدا، یُحْشَرُوْنَ فعل، وَاؤ ضمیر بارز ذوالحال، یَوْمَ مضاف، اَلْقِیٰمَۃِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فُجَّارًا مستثنٰی منہ، اِلَّا حرف استثناء، مَنْ موصولہ، اتَّقٰی فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، بَرَّ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، دونوں مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ، وَاؤ عاطفہ

صَدَقَ فعل هُوَ ضمیر فاعل، دونوں مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ، معطوف علیہا اپنے دونوں معطوف جملوں سے مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر مستثنیٰ، مستثنیٰ مستثنیٰ منہ مل کر حال ہوا ذوالحال کا، حال ذوالحال مل کر نائب فاعل ہوا، یُحْشَرُوْنَ کا، یُحْشَرُوْنَ اپنے نائب فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اَلتُّجَّارُ مبتدا، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۹۔ امانت دار تاجر نبیوں اور شہیدوں کے ساتھ

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ .

++++++++++

اَلتَّاجِرُ	الصَّدُوْقُ
تاجر	سچا
اَلْاَمِیْنُ	مَعَ النَّبِیّٖنَ
امانت دار (قیامت کے دن)	نبیوں کے ساتھ (ہوگا)
وَالصِّدِّیْقِیْنَ	وَالشُّهَدَاءِ
اور سچوں کے ساتھ (ہوگا)	اور شہیدوں کے ساتھ (ہوگا) [ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں اسلامی اصولوں یعنی سچائی اور امانت داری کے ساتھ تجارت کرنے والوں کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ قیامت کے دن ان کا حشر انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایمان دار تاجر پوری دنیا میں اسلام کی شان کا ذریعہ ہے۔ اور اس کی دیانت کی وجہ سے کفار کے قلوب اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

لغات: اَلشُّهَدَاءِ: شہید شهد (س) شهودا، حاضر ہونا، گواہ ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ .

ترکیب: اَلتَّاجِرُ موصوف، الصَّدُوْقُ صفت اول، اَلْاَمِیْنُ صفت ثانی، موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مبتدا، مَعَ مضاف، اَلنَّبِیّٖنَ معطوف علیہ، وَاؤ

عاطفہ، اَلصِّدِّیْقِیْنَ معطوف اول، وَاوٗ عاطفہ، اَلشُّھَدَآءِ معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مضاف الیہ ہوا مَعَ مضاف کا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا کَائِنٌ مقدر کا، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل، ھُوَ ضمیر اس کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی، التاجر مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۳۰۔منافق کی تین نشانیاں

آیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ۔

++++++++++

آیَۃُ الْمُنَافِقِ	ثَلٰثٌ	اِذَا
منافق کی نشانیاں	تین ہیں	جب
حَدَّثَ	کَذَبَ	وَاِذَا
بات کرے	تو جھوٹ بولے	اور جب
وَعَدَ	اَخْلَفَ	وَاِذَا
وعدہ کرے	تو خلاف کرے	اور جب
اؤْتُمِنَ	خَانَ	
امانت رکھوائی جائے	تو خیانت کرے	[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں ہر مسلمان کو اپنا جائزہ لینے کی ہدایت دی گئی ہے۔ کہ یہ تین گناہ اس میں نہ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ یہ (یعنی جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور امانتوں میں خیانت کرنا) منافق کی نشانیاں ہیں اور قرآن کریم میں ہے کہ منافق جہنم میں جائیں گے۔

لغات: حَدَّثَ بات کی حدث (ن) حدوثا کسی امر کا واقع ہونا، الحدث نئی چیز وضو یا غسل کی حاجت ہونا، بدعت، پائخانہ (ج) احداث احداث الدهر مصیبتیں۔ کَذَبَ: جھوٹ بولا (ض) کَذِبًا، کِذْبًا، کِذبَةً، وَعَدَ: (ض) وعدًا، وَعْدَةً، مَوْعدًا وعدہ کرنا۔ اَخْلَفَ: وعدہ خلافی کی خلف (س) خلفا بائیں ہتھا ہونا، بھینگا ہونا، بے وقوف ہونا۔ خَلُوف فم الصائم روزہ دار کے منہ کی بو خلفه (ن) جانشین ہونا۔ اُوْتُمِنَ: (افتعال) میں بنایا گیا امن (ک) امانۃ، امانت دار ہونا (ض) اَمْنا اعتبار کرنا (س،ہ) اَمْنا اَمَنَا مطمئن ہونا۔ خَانَ: (ن) خونا، خیانۃ امانت میں خیانت کرنا۔

ترکیب: آیَةُ مضاف، اَلْمُنَافِقِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، ثَلٰثٌ مبدل منہ، اِذَا کلمہ شرط، حَدَّثَ فعل، هُوَ ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، کَذَبَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، اِذَا کلمہ شرط، وَعَدَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اَخْلَفَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوفہ، وَاؤ حرف عطف، اِذَا حرف شرط، اُوْتُمِنَ فعل، ضمیر هُوَ نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، خَانَ فعل، هُوَ ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ جملہ معطوف علیہا اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہو کر بدل ہوا. مبدل منہ کا، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۳۱۔شرک، والدین کی نافرمانی، قتل ناحق اور جھوٹی قسم کبیرہ گناہ ہیں

اَلْكَبَائِرُ اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغُمُوْسُ .

++++++++++

اَلْكَبَائِرُ	اَلْإِشْرَاكُ
بڑے گناہ	شرک کرنا
بِاللّٰهِ	وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ
اللہ کے ساتھ	اور والدین کی نافرمانی کرنا
وَقَتْلُ النَّفْسِ	وَالْيَمِيْنُ الْغُمُوْسُ
اور کسی جان کو مار ڈالنا	اور جھوٹی قسم کھانا ہے

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں چار بڑے گناہ گنوائے گئے ہیں۔

1. شرک: قرآن کریم میں اسے ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے۔
2. والدین کی نافرمانی: یہ بہت ہی محتاط اور محترم رشتہ ہے ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہاتھ اور زبان سے ان کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ جان و مال سے ان کی مدد کریں۔ جب وہ بلائیں تو ہم حاضر ہو جائیں۔
3. وقتل النفس: کسی کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن قاتل کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ ''یہ اللہ کی رحمت سے دور ہے۔''
4. یمین الغموس: غموس کے معنی ڈھانپ لینا اس کا مقصود یہ ہے کہ جھوٹی قسم اتنا بڑا گناہ ہے کہ انسان اس کے بوجھ تلے دب جاتا ہے۔ اللہ ہمیں ان گناہوں سے

بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

لغات: اَلْاِشْرَاكُ: شریک بنانا، شریک کرنا، قَالَ تَعَالٰی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ. عُقُوْقٌ: عق(ن) عقوقا، نافرمانی کرنا، عق الولدوالده۔لڑکے نے اپنے باپ کی نافرمانی کی۔قتل: (ن) قتلا، مار ڈالنا، قَالَ تَعَالٰی فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ. يَمِيْنٌ: قسم جمع ایمن، ایمان، اَلْغَمُوْسُ: جان بوجھ کر قسم کھانا، جمع غمس، (ض) غمسا، ڈبونا، اس میں آدمی گناہ میں ڈوب جاتا ہے۔

ترکیب: اَلْكَبَائِرُ مبتدا، اَلْاِشْرَاكُ مصدر موصوف، بَا حرف جار، لفظ اَللّٰه مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اَلْكَائِنُ کے ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، عُقُوْقُ مضاف، اَلْوَالِدَيْنِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف اول وَاؤ عاطفہ، قَتْلُ مضاف، اَلنَّفْسِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی، وَاؤ عاطفہ، اَلْيَمِيْنُ موصوف، اَلْغَمُوْسُ صفت، موصوف صفت مل کر معطوف ثالث، معطوف الیہ اپنے تینوں معطوفوں سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۳۲۔ نیکی اور گناہ کی آسان پہچان

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ

++++++++++

اَلْبِرُّ	حُسْنُ
(بڑی) نیکی	اچھے
اَلْخُلُقِ	وَالْاِثْمُ
اخلاق ہیں	اور گناہ (وہ ہے)
مَا	حَاكَ
جو	کھٹکے

فِیْ صَدْرِكَ	وَكَرِهْتَ
تیرے دل میں	اور بُرا سمجھے تو
اَنْ	يَّطَّلِعَ
یہ کہ	پتا چلے
عَلَيْهِ النَّاسُ	
لوگوں کو اس بارے میں	[مسلم]

تشریح: اس حدیث میں مختصر الفاظ میں اخلاق حسنہ کو اعلیٰ درجے کی نیکی قرار دیا ہے۔ گناہ کی تعریف کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کے جائز ہونے میں ذرا بھی شک ہو وہ اختیار نہیں کرنا چاہیے وہی کام کریں جو شبہ سے پاک ہو۔ یہی مومن کی شان ہے۔

لغات: اَلْخُلُقِ: بمعنی طبیعت، عادت، سیرت، قَالَ تَعَالٰی اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ حاك: (ن) حوکا، حیاکا، شک اور تردد میں ڈالنا۔ صدر: ہر چیز کا سامنے سے اوپر کا حصہ، صدر (ض۔ن) صدرًا آگے بڑھانا۔ قَالَ تَعَالٰی اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. كَرِهْتَ: (س) کرھا، کرھا بھی ناپسند کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ. يَطَّلِعَ: جاننا، (ف۔ن۔س) طلوعا، جاننا پہاڑ پر چڑھنا، اطلع (افتعال) واقف ہونا، قَالَ تَعَالٰی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ۔

ترکیب: اَلْبِرُّ مبتدا، حُسْنُ مضاف، اَلْخُلُقِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، اَلْاِثْمُ مبتدا، مَا موصولہ، حَاكَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فِیْ جار، صَدْرِ مضاف، كَ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، كَرِهْتَ فعل بافاعل، اَنْ حرف ناصبہ مصدریہ، يَطَّلِعَ فعل مضارع، عَلٰی جار، ضمیر ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، اَلنَّاسُ فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مفعول بہ ہوا فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہا مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی اَلْاِثْمُ مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف، معطوف

عایہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۳۳۔مخلوق سے حسن سلوک محبت الٰہی کے حصول کا ذریعہ

اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عَيَالِهٖ

++++++++++

اَلْخَلْقُ	عَيَالُ اللّٰهِ
ساری مخلوق	اللہ کا کنبہ ہے
فَاَحَبُّ الْخَلْقِ	اِلَى اللّٰهِ
پس مخلوق میں سب سے پسندیدہ	اللہ کو وہ ہے
مَنْ	اَحْسَنَ
جو	اچھا سلوک کرے
اِلٰى عَيَالِهٖ	
اس کے کنبے کے ساتھ	

[بیہقی]

تشریح: یہ حدیث سبق دے رہی ہے کہ پوری دنیا کو ایک خاندان کی طرح رہنا چاہیے اور آپس میں بھرپور محبت والی زندگی گزارنی چاہیے۔

لغات: عَيَالُ: جن کا نان نفقہ آدمی پر واجب ہو۔عال(ن) عولا،وعیالا،اہل وعیال کے معاش کی کفالت کرنا۔

ترکیب: اَلْخَلْقُ مبتدا،عَيَالُ مضاف،لفظ اللّٰه مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا،فا تفریعیہ، اَحَبُّ صیغہ اسم تفضیل مضاف،اَلْخَلْقِ مضاف الیہ،اِلٰى حرف جار،لفظ اللّٰه مجرور،جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اَحَبُّ کے،اَحَبُّ اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتدا، مَنْ موصولہ، اَحْسَنَ فعل،هُوَ ضمیر مستتر فاعل،اِلٰى حرف جار،عَيَالِ مضاف،ہ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوئے جار کا،جار مجرور مل کر متعلق فعل کے،فعل اپنے فاعل اور

متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۳۴۔ وہ مومن ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

++++++++++

اَلْمُسْلِمُ	مَنْ
مسلمان وہ ہے	جو (ایسا ہو کہ)
سَلِمَ	الْمُسْلِمُوْنَ
محفوظ رہیں	مسلمان
مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ	
اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے	

تشریح: یہ بہت ہی جامع حدیث ہے اس میں ہاتھ اور زبان کا نام لے کر مسلمان کو یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ مسلمان ہر انسان کو اپنی ہر تکلیف سے بچائے رکھے۔ یہ اس کی کی شان ہے۔

ترکیب: اَلْمُسْلِمُ مبتدا، مَنْ موصولہ، سَلِمَ فعل، اَلْمُسْلِمُوْنَ فاعل، مِنْ جار، لِسَانِ مضاف، ضمیر ہٖ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، يَدِ مضاف ہٖ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور جار کا، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۳۵۔لوگوں کو اپنی ہر تکلیف سے محفوظ رکھنا ایمان کی نشانی ہے

وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ

++++++++++

وَالْمُؤْمِنُ	مَنْ
اور مومن وہ ہے	کہ جس سے
اَمِنَهُ	النَّاسُ
محفوظ رہیں	لوگ
عَلٰى دِمَائِهِمْ	وَاَمْوَالِهِمْ
اپنے خونوں پر	اور اپنے مالوں پر [ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں مؤمن کامل کی علامت ہے کہ وہ اپنے اعمال اور اخلاق میں لوگوں کے ساتھ ایسے رہے کہ لوگوں کو یقین ہو کہ ہماری جان اور مال کو اس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

لغات: دِمَائِهِمْ، دم کی جمع ہے بمعنی خون اصل میں دَمْوٌ ہے، لام کلمہ حذف کر کے دم بنایا گیا، جمع دماء۔ قَالَ تَعَالٰى وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ اَمْوَالِهِمْ. مال کی جمع ہے بمعنی دولت، قَالَ تعالٰى وَاَمْدَدْنَاكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ.

ترکیب: واؤ مستانفہ، اَلْمُؤْمِنُ مبتدا، مَنْ موصولہ، اَمِنَ فعل ضمیرہٗ مفعول بہ النَّاسُ فاعل، عَلٰى حرف جار، دِمَاءِ مضاف، هِمْ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَمْوَالِ مضاف، هِمْ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا، موصول صلہ مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا............

((............✿✿✿............))

۳۶۔ حقیقی جہاد نفس کی مخالفت ہے

وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ .

++++++++++

مَنْ	وَالْمُجَاهِدُ
جو	اور (حقیقی) مجاہد وہ ہے
نَفْسَهُ	جَاهَدَ
اپنے نفس کو	مجبور کرے
	فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ
[مشکوٰۃ]	اللہ کی فرمانبرداری میں

تشریح: حقیقت میں جہاد اللہ کی راہ میں لڑنے کو کہتے ہیں۔ لیکن سب سے پہلے انسان کا واسطہ اپنے نفس سے پڑتا ہے۔ جو اس سے جہاد میں کامیاب ہو گیا یعنی اس نے اپنے آپ کو دل نہ چاہتے ہوئے بھی اللہ کی فرمانبرداری پر مجبور کر لیا۔ یہ شخص کامیاب ہے اور حقیقی مجاہد ہے۔

لغات: مُجَاهِدُ: پوری طاقت صرف کرنا۔ جهد (ف) جهدا، بہت کوشش کرنا، قَالَ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا . طَاعَةَ. فرمانبردار ہونا، طَاعَ (ن) طَوْعًا، فرمانبردار ہونا۔ قَالَ تَعَالٰى طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ.

ترکیب: وَاوْ استنافیہ، اَلْمُجَاهِدُ مبتدا، مَنْ موصولہ، جَاهَدَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، نَفْسَ مضاف، هٗ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فِيْ حرف جار، طَاعَةِ مضاف، لفظ اَللّٰه مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جملہ مستانفہ ہوا۔

۳۷۔حقیقی ہجرت گناہوں سے بچنا ہے

وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ .

++++++++++

وَالْمُهَاجِرُ	مَنْ
اور (حقیقی) مہاجر وہ ہے	جو
هَجَرَ	اَلْخَطَايَا
چھوڑ دے	غلطیوں کو
وَالذُّنُوبَ	
اور گناہوں کو	[مشکوٰۃ]

تشریح: اپنے دین کی حفاظت کے لیے کسی دوسری جگہ چلے جانے اور گھر بار چھوڑنے کا نام ہجرت ہے۔اس حدیث پاک میں حقیقی ہجرت گناہوں کو چھوڑنا قرار دیا گیا ہے کیونکہ اللہ کے حکموں کی پیروی کے لیے گناہوں کو چھوڑنا ضروری ہے جو ہجرت کی طرح نفس کو بہت شاق گزرتا ہے ترکِ گناہ والی ہجرت سے ہمیشہ واسطہ رہتا ہے۔

لغات: اَلْخَطَايَا: یہ جمع ہے،الخطیئۃ کی بمعنی گناہ،خَطِئَ (س) خَطَأً غلطی کرنا،قَالَ تَعَالٰی یَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ.

ترکیب: وَاؤ استینافیہ،اَلْمُهَاجِرُ مبتدا،مَنْ موصولہ،هَجَرَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل،اَلْخَطَايَا معطوف علیہ،وَاؤ عاطفہ ،اَلذُّنُوبَ معطوف،معطوف معطوف علیہ مل کر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ،موصول صلہ مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جملہ مستانفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۳۸۔ایک قانونی ضابطہ

اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ .

++++++++++

اَلْبَيِّنَةُ	عَلَى الْمُدَّعِيْ
گواہ (پیش کرنا)	دعوی کرنے والے پر ہے
وَالْيَمِيْنُ	عَلَى الْمُدَّعٰى
اور قسم کھانا	دعوی کیے جانے
عَلَيْهِ	
والے پر ہے	

[ترمذی]

تشریح: یعنی مدعی اپنے دعوی کے ثبوت کے لیے دو گواہ پیش کرے اور مدعی علیہ اگر انکار کرے تو قسم کھائے۔ یہ حدیث قانونی ضابطہ ہے۔جس سے معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

لغات: اَلْبَيِّنَةُ: دلیل، حجت، جمع بَيِّنَاتٌ، بَانَ (ض) بَيَانًا وَتِبْيَانًا ظاہر ہونا۔

ترکیب: اَلْبَيِّنَةُ مبتدا، عَلٰى حرف جار، اَلْمُدَّعِيْ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے، ثَابِتٌ اسم فاعل ، هِيَ ضمیر مستتر فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، اَلْيَمِيْنُ مبتدا، عَلٰى حرف جار، اَلْمُدَّعٰى صیغہ اسم مفعول، ضمیر مستتر هُوَ نائب فاعل، عَلٰى حرف جار، ہ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اسم مفعول کے، اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے، ثَابِتٌ اسم فاعل هِيَ ضمیر مستتر فاعل، اسم اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

۳۹۔ مومن آئینہ بن جائے!

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَنْہُ ضَیْعَتَہٗ وَیَحُوْطُ مِنْ وَّرَائِہٖ.

++++++++++

اَلْمُؤْمِنُ	مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ
مومن	مومن کا آئینہ ہے
وَالْمُؤْمِنُ	اَخُو الْمُؤْمِنِ
اور مومن	مومن کا بھائی ہے
یَکُفُّ	عَنْہُ
روکتا ہے	اس سے
ضَیْعَتَہٗ	وَیَحُوْطُ
اس کے نقصان کو	اور حفاظت کرتا ہے
مِنْ وَّرَائِہٖ	
(اس کی) اس کے پیچھے سے	[ابوداؤد]

تشریح: اس حدیث میں مومن کی مثال آئینہ سے اس لیے دی گئی کہ آئینہ دیکھ کر انسان اپنے چہرے کے عیوب کو سمجھتا ہے اور دور کرتا ہے۔ اس لیے مومن کو چاہیے اپنے مسلمان بھائی کے عیوب ظاہر نہ کرے اور اسے آئینہ کی طرح علیحدگی میں بتائے۔

دوسرا مطلب:

① انسان عمل کا آئینہ بن جائے کہ اسے دیکھ کر لوگ اپنے آپ کو ٹھیک کر لیں۔

② دوسری صفت یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے سامنے اور بعد میں بھی اس کے جان، مال اور اس کی عزت کی حفاظت کا ذریعہ بنے۔

لغات: مِرْاٰۃٌ: آئینہ،جمع مراء ومریا ہے۔رای(ف) رویۃ،دیکھنا۔اَخُوْ: جمع اخ، بھائی، ساتھی،دوست ۔قَالَ تَعَالٰی فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا.یکف: کف(ن) کفا،کفایۃ بمعنی روکنا۔قَالَ تَعَالٰی عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَکُفَّ.ضَیْعَۃٌ:جائیداد ضاع (ض) ضَیْعًا،ضائع ہونا۔تلف ہونا۔قَالَ تَعَالٰی وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ. یَحُوْطُ:حاط(ن) حوطا ،حفاظت کرنا،نگہبانی کرنا،گھیر لینا۔قَالَ تَعَالٰی وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ.

ترکیب: اَلْمُؤْمِنُ مبتدا،مَرْاٰۃُ مضاف،اَلْمُؤْمِنِ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہا،وَاؤ عاطفہ،اَلْمُؤْمِنُ مبتدا،اَخُوْ مضاف،اَلْمُؤْمِنِ مضاف الیہ دونوں مل کرخبر اول، یَکُفُّ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،عَنْ جار،ہٖ ضمیر مجرور یہ دونوں مل کرمتعلق ہوئے فعل کے ضَیْعَتَہٗ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کرمفعول،فعل اپنے فاعل مفعول اورمتعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوکرمعطوف علیہا،وَاؤ عاطفہ،یَحُوْطُ فعل ھُوَ ضمیر فاعل مِنْ جار وَرَاءِ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کرمجرور ہوا جار کا جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل کا فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوکر معطوف جملہ معطوف علیہا اور معطوف مل کر خبر ثانی ،اَلْمُؤْمِنُ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ خبر یہ معطوفہ ہوکرمعطوف،معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۴۰۔ مومنین ایک جسم کی طرح ہیں

اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ .

++++++++++

اَلْمُؤْمِنُوْنَ	كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ
سب مومن	ایک آدمی کی طرح ہیں
اِنِ اشْتَكٰى	عَيْنُهٗ
اگر بیمار ہو	اس کی آنکھ
اِشْتَكٰى	كُلُّهٗ
تو بیمار ہو	اس کا پورا (جسم)
وَاِنِ	اِشْتَكٰى
اور اگر	بیمار ہو
رَأْسُهٗ	اِشْتَكٰى
اس کا سر	تو بیمار ہو
كُلُّهٗ	
اس کا پورا (جسم)	

[مسلم]

تشریح: اس حدیث شریف میں فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا ہے آسان مثال دے کر سمجھا دیا کہ اعضائے جسم کی طرح سارے مومنوں کا ایک دوسرے کے ساتھ دلی تعلق ہونا چاہیے اور ہر خطے کا مومن پوری دنیا کے مومنوں کی خوشی کے ساتھ خوشی اور غمی کے ساتھ غمی محسوس کرے۔

لغات: اِشْتَكٰى: بیمار ہونا، اشکی باب افعال، اشکاء، شکایت قبول کرنا، شکوا، الم پہنچانا۔ عینہ: آنکھ جمع عیون ہے۔

ترکیب: اَلْمُؤْمِنُوْنَ مبتدا ،كَ حرف جار، رَجُلٍ موصوف ،وَاحِدٍ صفت موصوف صفت مل کر مجرور دونوں مل کر متعلق ہوئے کَائِنُوْنَ کے ، کَائِنُوْنَ صیغہ اسم فاعل هُمْ ضمیر مستتر فاعل ۔ کَائِنُوْنَ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی ، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مُبَیَّنٌ، اِنْ حرف شرط ،اِشْتَکٰی فعل ،عَیْنُ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ۔ دونوں مل کر فاعل ،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ،اِشْتَکٰی فعل ،کُلُّ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کر فاعل ،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ،شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہا ہوا، وَاؤ عاطفہ ،اِنْ حرف شرط ،اِشْتَکٰی فعل ،رَأسُهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل ،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط اِشْتَکٰی فعل کُلُّ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کر فاعل فعل فاعل مل کر جزا ،شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہو کر بیان ،مبین اپنے بیان سے مل کر جملہ بیانیہ ہوا۔

((............⚙⚙⚙............))

۴۱۔سفر کامیابی اور تکلیف کا سبب

اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ نَوْمَهٗ وَطَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ فَاِذَا قَضٰى اَحَدُكُمْ نَهْمَتَهٗ مِنْ وَّجْهِهٖ فَلْيُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ .

++++++++++

اَلسَّفَرُ	قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ
سفر	عذاب کا ایک ٹکڑا ہے
يَمْنَعُ	اَحَدَكُمْ
روکتا ہے وہ	تم میں سے ہر ایک کو
نَوْمَهٗ	وَطَعَامَهٗ
اس کے سونے سے	اور کھانے سے
وَشَرَابَهٗ	فَاِذَا
اور پینے سے	پس جب

قَضٰی	اَحَدُکُمْ
پوری کرے	تم میں سے کوئی ایک
نَهْمَتَهٗ	مِنْ وَّجْهِهٖ
اپنی ضرورت کو	اس (سفر کی) طرف سے
فَلْیُعَجِّلْ	اِلٰی اَهْلِهٖ
پس چاہیے کہ (آنے میں) جلدی کرے وہ	اپنے گھر والوں کی طرف

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں ایک انسانی ضرورت یعنی (سفر) کے متعلق ضروری ہدایات ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ اشد ضرورت پر سفر کیا جائے، بے ضرورت نہ کہیں ٹھہرا جائے کیونکہ اس سے عبادات اور جانی، مالی نقصانات ہوتے ہیں۔ مہربان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد شفقت پر مبنی ہے۔

لغات: اَلسَّفَرُ: مسافت طے کرنا، جمع اسفار، سفر (ن) سفورا سفر کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ۔ قِطْعَةٌ: جمع قطع ٹکڑا، قطع ٹکڑا قطع (ف) قطعا، کاٹنا جدا کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ. یَمْنَعُ: منع (ف) منعا روکنا محروم کرنا، قَالَ تَعَالٰی وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۔ نَوْمَهٗ: نام، نوما، ونیاما، سونا، قَالَ تَعَالٰی لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ. قَضٰی: (ض) پورا کرنا، فارغ ہونا، قَالَ تَعَالٰی فَاِذَا قَضٰی اَمْرًا. نَهْمَتَهٗ: حاجت ضرورت، نهم (س) نهما و نهامة مریض ہونا۔ وجه: جمع اوجه، ووجوه، اجوه وجه، (ض) وجها منہ پر مارنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَکُمْ. فَلْیُعَجِّلْ: عجل (باب تفعیل) جلدی کرنا، عجل (س) عجلا وعجلة، جلدی کرنا، قَالَ تَعَالٰی فَعَجَّلَ لَکُمْ هٰذِهٖ۔

ترکیب: اَلسَّفَرُ مبتدا، قِطْعَةٌ موصوف، مِنْ حرف جار، اَلْعَذَابِ مجرور، دونوں مل کر متعلق کَائِنَةٌ کے کَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل هِیَ ضمیر مستتر اور متعلق

سے مل کر صفت ہوئی موصوف کی موصوف صفت مل کر خبر اول ،یَمْنَعُ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَحْدَ مضاف، کُمْ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول اول،نَوْمَ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف علیہ،وَاؤ عاطفہ طَعَام مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف اول، وَاؤ عاطفہ شَرَابَہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مفعول ثانی، یَمْنَعُ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ثانی ،مبتدا اَلسَّفَرُ اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

فاء تفریعیہ ،اِذَا کلمہ شرط ،قَضٰی فعل ،اَحَدُ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر فاعل، نَھْمَتَ مضاف ،ہٗ ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول،مِنْ حرف جار، وَجْھِی مضاف، ہٖ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوئے جار کے، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے قَضٰی کے، قَضٰی فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ،فَاء جزائیہ لِیُعَجِّلْ فعل امر ،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ،اِلٰی حرف جار، اَھْلِ مضاف ہٖ ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور ہوئے جار کے، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

نَوْعٌ اٰخَرُ مِّنْهَا.

اسی (جملہ اسمیہ کی) دوسری قسم

ملاحظہ: اس فصل میں وہ احادیث طیبہ ہیں جن کی ابتداء میں معرف بالام نہیں ہے بلکہ معرفہ کی دوسری اقسام ہیں تاہم وہ جملہ اسمیہ ہیں۔

فائدہ نمبر ①: معرفہ کی سات اقسام ہیں۔ ❶ مضمرات جیسے ھُوَ، ھِیَ وغیرہ۔ ❷ اسماء اشارات جیسے ھٰذَا، ذٰلِكَ. ❸ اسماء موصولات جیسے اَلَّذِیْ وغیرہ۔ ❹ اَعلام جیسے اِبْرَاھِیْمَ ❺ معرف بالام جیسے اَلرَّجُلُ۔ ❻ کوئی اسم جو گزشتہ اقسام میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہوتو وہ بھی معرفہ بن جاتا ہے جیسے مَطْلُ الْغَنِیِّ میں مَطْلُ، الْغَنِیِّ معرف بالام کی طرف مضاف ہے، اس لیے مطل بھی معرفہ بن جائے گا۔ ❼ معرفہ بالنداء جیسے یَا رَجُلُ۔

فائدہ نمبر ②: شارح جامیؒ فرماتے ہیں۔ بعض محققین نے یہ کیا ہے کہ نکرہ کے ساتھ مبتداء کی خبر رہنے کے صحیح ہونے کا دارومدار فائدہ پر رکھا ہے۔ پس افادہ نکرہ سے حاصل ہوگا تو حق یہ ہے کہ وہ بھی مبتدا ہوگا پس اس بناء پر جائز ہے۔

کَوْکَبٌ اِنْقَضَّ السَّاعَةَ (ستارہ ابھی ٹوٹا ہے) کہا جائے گا اس مثال میں کوکبٌ نکرہ ہے اور مبتدا ہے اس لیے کہ اس سے فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی مخاطب کو پہلے سے ستارہ ٹوٹنے کا علم نہیں تھا، متکلم کے کہنے سے اسے علم ہوا۔

رَجُلٌ قَائِمٌ کہا جائے تو یہ جائز نہیں کہ رجل نکرہ مبتداء ہو اس لیے کہ اس سے مخاطب کو فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مخاطب کو قیامِ رجل کا پہلے سے علم حاصل ہے۔

۴۲۔ گھر لوٹنے تک اللہ کی راہ کا مسافر

قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ .

++++++++++

کَغَزْوَةٍ	قَفْلَةٌ
مثل جہاد کرنے کے ہے۔ [ابو داؤد]	(جہاد سے) واپس لوٹنا

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد سے بغیر لڑائی کے مزید تیاری کے لیے واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ مذکورہ الفاظ بیان فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی نیک کام (مثلاً تعلیم، جہاد، تبلیغ وغیرہ) سے واپسی ہو اور اسی کام کے لیے واپس جانے کا ارادہ ہو تو یہ واپسی بھی ثواب کا باعث ہے۔

لغات: شان وُرود قَفْلَ: (ن۔ض) قفلا، وقفولا بمعنی سفر سے لوٹنا۔ غَزْوَةٍ: غزا (ن) غزوۃ، غزوا بمعنی جہاد کے لیے نکلنا، اس کی جمع غزوات آتی ہے۔

ترکیب: نَوْعٌ موصوف، آخَرُ اسم تفضیل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ حرف جار، هَا مجرور، دونوں مل کر متعلق ہوئے آخَرُ اسم تفضیل کے، آخَرُ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صفت ہوئی موصوف کی، موصوف صفت مل کر خبر ہوئی مبتدا محذوف هٰذَا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ترکیب: قَفْلَةٌ نکرہ مخصوصہ مبتدا، كَ حرف جار، غَزْوَةٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنَةٌ کے، كَائِنَةٌ اپنے فاعل ضمیر مستتر هِيَ اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............⚙⚙⚙............))

۴۳۔ادائیگی قرض کی فکر کیجیے!

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ .

++++++++++

مَطْلُ الْغَنِيِّ	ظُلْمٌ
مال دار کا ٹالنا	ظلم ہے

[رواه الشيخان]

تشریح: اس بات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ہمیں مال دے رکھا ہو تو قرض ادا کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔جان بوجھ کر قرض خواہ کو پریشان کرنا ظلم قرار دیا گیا ہے۔شریعت میں ایسے آدمی کی گواہی بھی معتبر نہیں۔

لغات: مَطْلُ: (ن) مطلاً ٹال مٹول کرنا۔اَلْغَنِيُّ: مال دار

ترکیب: مَطْلُ مضاف، اَلْغَنِيِّ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، ظُلْمٌ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۴۴۔قوم کی سرداری چاہیے تو خدمت کیجیے

سَيِّدُ الْقَوْمِ فِي السَّفَرِ خَادِمُهُمْ .

++++++++++

سَيِّدُ الْقَوْمِ	فِي السَّفَرِ
قوم کا سردار	سفر میں
خَادِمُهُمْ	
ان کا خادم ہوتا ہے	

[بیهقی]

تشریح: اس حدیث سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔

① جب کئی آدمی سفر کریں تو ان میں سے ایک کو سردار یعنی امیر بنالیں۔

② لوگوں کے کام آنا (سفر میں یا حضر میں) یہ حقیقی سرداری ہے۔
③ جذبۂ خدمت انسان کو مخلوق میں بلند کر دیتا ہے۔

لغات: سَیِّدُ: بمعنی سردار، جمع سادات ہے۔ خَادِمُهُمْ: (ض۔ن) خدمت کرنا، جمع خدام آتی ہے۔

ترکیب: سَیِّدُ مضاف، اَلْقَوْمِ مضاف الیہ، دونوں مل کر ذوالحال، فِیْ حرف جار، اَلسَّفَرِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل ہو ضمیر مستتر فاعل، کَائِنًا اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر حال، ذوالحال حال مل کر مبتدا، خَادِمُ مضاف، هُمْ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۴۵۔ محبت کی خاصیت

حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ.

++++++++++

حُبُّكَ	الشَّیْءَ
تیرا محبت کرنا	کسی چیز سے
یُعْمِیْ	وَیُصِمُّ
تجھے اندھا	اور بہرا کر دے گا (ابوداؤد)

تعریفِ محبت: اپنی پسندیدہ چیز کی طرف طبیعت کا مائل ہونا۔

تشریح: اس حدیث میں انسان کی فطرت بتائی گئی ہے کہ حقیقی محبت یعنی محبوب چیز کی کوئی برائی بتائے تو یہ اسے نہ تو دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے۔ اور اس کی بُرائی کا سننا اسے اچھا نہیں لگتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو گی تو ہر محبت میں نفع ہی نفع ہے اور ہر نقصان سے بچاؤ ہے۔ ورنہ نقصان ہی نقصان ہے۔

لغات: يُعْمِيْ (افعال) بمعنی اندھا کرنا، عَمِيَ (س) عَمْيٌ اندھا ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاَعْمٰی اَبْصَارُهُمْ. يُصِمّ (افعال) بمعنی بہرا ہونا، صَمَّ (س) صُمًّا بہرا ہونا۔

ترکیب: حُبُّ مصدر مضاف، كَ ضمیر فاعل مضاف الیہ، اَلشَّيْءَ مفعول بہ، مصدر اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتدا، يُعْمِيْ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، يُصِمُّ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۴۶۔ علم کی تلاش فرض ہے

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ.

++++++++++

طَلَبُ الْعِلْمِ	فَرِيْضَةٌ
علم (دین) کا حاصل کرنا	ضروری ہے
عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ	
ہر مسلمان پر	

[بیہقی وابن ماجہ]

تشریح: اس حدیث پاک میں ضروری بات یہ ہے کہ ہر مسلمان اتنا علم ضرور حاصل کرے کہ اس کا ہر عقیدہ اور ہر عمل شکوک وشبہات سے پاک ہو۔ اور اس کا نفس بُری عادتوں (حسد اور تکبر وغیرہ) سے بچا رہے۔ نیز فرائض کا علم حاصل کرنا فرض ...... اور واجبات کا علم حاصل کرنا۔ واجب اور مستحبات کا علم حاصل کرنا مستحب ہے۔

لغات: طَلَبُ (ن) تلاش کرنا۔ فَرِيْضَةٌ: (ض) فرض یعنی لازم ہے۔

ترکیب: طَلَبُ مصدر مضاف، اَلْعِلْمِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، فَرِيْضَةٌ بمعنی مَفْرُوْضَةٌ اسم مفعول، هِيَ ضمیر مستتر نائب فاعل، عَلٰی حرف جار، كُلِّ مضاف،

مُسْلِمٍ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَفْرُوْضَۃٌ کے، مَفْرُوْضَۃٌ اسم مفعول نائب فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۴۷۔ تھوڑا مال بھی نفع بخش ہے اگر یادِ الٰہی میں ہو

مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى .

++++++++++

مَا	قَلَّ
(دنیا کا سامان) جو	کم ہو
وَكَفٰى	خَيْرٌ
اور کافی ہو	(وہ) بہتر ہے
مِّمَّا	كَثُرَ
اس سے جو	زیادہ ہو
وَاَلْهٰى	

اور (اللہ کے ذکر سے) غافل کر دے [رواہ ونعیم]

تشریح: اس حدیث پاک میں مال کی حرص سے بچنے اور تھوڑے مال پر صبر کی تلقین ہے اور وضاحت کی گئی ہے کہ دنیا اور جو اس میں ہے اس وقت تک انسان کے لیے مفید ہے جب تک کہ وہ اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔

لغات: قَلَّ: (ض) کم ہونا۔ قَالَ تعَالٰی قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ. اَلْهٰى: بمعنی غافل کرنا، قَالَ تَعَالٰی اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ.

ترکیب: مَا موصولہ، قَلَّ فعل، هُوَ ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، كَفٰى فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، دونوں مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر صلہ ہوئے موصول کا، موصول صلہ مل کر مبتدا، خَيْرٌ صیغہ اسم تفضیل، هُوَ ضمیر مستتر

فاعل، مِنْ حرف جار، مَا موصولہ کَثُرَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَلْهٰی فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے خَيْرٌ کے، خَيْرٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۴۸۔ سچے خواب کون سے؟

اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ .

++++++++++

اَصْدَقُ	اَلرُّؤْيَا
سب سے سچے	خواب
بِالْاَسْحَارِ	
سحری کے وقت کے ہیں	[ترمذی]

خواب کی تین قسمیں ہیں۔

① خیالی ② بشاراتِ الٰہی ③ شیطانی اثرات

تشریح: اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سحری کے وقت خواب دیکھنے کو سچا خواب قرار دیا گیا ہے کیونکہ:

❶ اس وقت دل و دماغ سکون میں ہوتا ہے۔

❷ اس وقت فرشتے اترتے ہیں۔

❸ اللہ کے ہاں قبولیت کا وقت ہے۔

لغات: اَلرُّؤْيَا: یہ جمع رؤیٰ کی ہے بمعنی خواب، قَالَ تَعَالٰی اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُؤْيَایَ.
اسحار: جمع سحر، صبح صادق سے پہلے کا وقت ہے، اگر باب تفعیل سے ہو بمعنی سحری کھانا، حدیث میں ہے۔ سَحَّرُوْا فَاِنَّ السُّحُوْرَ بَرَكَةٌ.

ترکیب: اَصْدَقُ مضاف، اَلرُّؤْيَا مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، بَا حرف

جار، اَلْاَسْحَارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل ،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۴۹۔رزقِ حلال کا حصول فرض ہے

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ .

++++++++++

طَلَبُ	كَسْبِ الْحَلَالِ
حاصل کرنا	حلال (روزی) کا
فَرِيْضَةٌ	بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ
لازم ہے	(دوسرے) فرائض کے بعد [بیھقی]

تشریح: اس حدیث پاک میں ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اقرار توحید کے ساتھ ساتھ رزق حلال کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے بلکہ یہ ایک ایسا فرض ہے جو دوسرے فرائض کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔

لغات: كَسْبِ: بمعنی کمانا، کسب (ض) کسبا قَالَ تَعَالٰى وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ.
الحلال: اس کی ضد حرام آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰى اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو.

ترکیب: طَلَبُ مضاف، كَسْبِ مضاف الیہ مضاف، اَلْحَلَالِ مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، فَرِيْضَةٌ موصوف ،بعد مضاف، اَلْفَرِيْضَةِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا کَائِنَةٌ محذوف کا، کَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل، ھِیَ ضمیر مستتر فاعل، کَائِنَةٌ اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، فَرِيْضَةٌ موصوف اپنی صفت سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

۵۰۔ تعلیم قرآن بہترین عمل ہے

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ .

++++++++++

خَيْرُكُمْ	مَنْ
تم میں سب سے بہتر	وہ ہے جو
تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ	وَعَلَّمَهٗ
قرآن سیکھے	اور اسے (دوسروں) کو سکھائے

[بخاری]

تشریح: اس حدیث میں معلم اور متعلم کی اتنی بڑی فضیلت اس لیے آئی ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن سے خاص تعلق ہے۔

لغات: خَیْرٌ: اصل میں اخیر ہے، ہمزہ کو تخفیف کی وجہ سے حذف کر دیا۔ تَعَلَّمَ: باب تفعل سے بمعنی سیکھنا، اور باب تفعیل سے علم بمعنی سیکھنا، قَالَ تَعَالٰی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ۔

ترکیب: خَیْرُ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا مَنْ موصولہ، تَعَلَّمَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَلْقُرْآنَ مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطف، عَلَّمَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ، معطوف معطوف علیہا مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۵۱۔دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ .

++++++++++

حُبُّ الدُّنْیَا	رَأْسُ
دنیا کی محبت	جڑ ہے
کُلِّ	خَطِیْئَۃٍ
ہر	گناہ کی

[بیھقی]

تشریح: جتنا انسان دنیا کی محبت کو اختیار کرتا ہے۔انسان اتنا ہی اللہ اور اس کے دین سے دور ہوتا ہے،اور جتنی آخرت کی محبت بڑھتی جائے گی انسان اتنا ہی نیکی کی طرف بڑھتا جائے گا۔

لغات:اَلدُّنْیَا:عالم،موجودہ زندگی کو کہتے ہیں۔دنا(ن) دنوا بمعنی،قریب ہونا دنیا بھی آخرت سے قریب ہے۔قَالَ تعَالٰی بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا.

ترکیب:حُبُّ مضاف،اَلدُّنْیَا مضاف الیہ،دونوں مل کر مبتدا،رَأْسُ مضاف کُلِّ مضاف الیہ مضاف،خَطِیْئَۃٍ مضاف الیہ،سب مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۵۲۔ہیشگی کی برکات

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا وَاِنْ قَلَّ .

++++++++++

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ	اِلَی اللّٰہِ
کاموں میں سب سے پسندیدہ	اللہ کے نزدیک
اَدْوَمُھَا وَاِنْ قَلَّ	
ہیشگی والا ہے اگرچہ کم ہو	

[بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں اللہ کے نزدیک چھوٹے بڑے اعمال کی پسندیدگی کا طریقہ بتایا گیا ہے، وہ یہ کہ جو عمل شروع کیا جائے وہ ہمیشہ رہے اور کبھی ناغہ نہ ہو۔

لغات: اَعْمَالِ: عمل کی جمع ہے بمعنی کام، قَالَ تعَالٰی اَشْتَاتاً لِّيُرَوْ اَعْمَالَهُمْ. اَدْوَمُهَا: دام(ن) دوما. دواما ہمیشہ رہنا۔ قَالَ تعَالٰی مَا دَامَتِ السَّمٰوٰاتِ.

ترکیب: اَحَبُّ صیغہ اسم تفضیل مضاف، اَلْاَعْمَالِ مضاف الیہ، اِلٰی حرف جار، لفظ اَللّٰهِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے، صیغہ اسم تفضیل اَحَبُّ کے، اَحَبُّ اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتدا، اَدْوَمُ صیغہ اسم تفضیل مضاف، هَا ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ وَاؤ مبالغہ اِنْ وصلیہ شرطیہ، قَلَّ فعل ماضی هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، جزا محذوف ہے (ف) واؤ مبالغہ اور ان وصلیہ کی صورت میں دو ترکیبیں مستعمل ہیں نمبر ا۔ اس جملہ شرطیہ کی جزا محذوف ہو اور پہلی کلام قرینہ ہو، تقدیر عبارت یوں ہوگی، وَاِنْ قَلَّ العمل فهُوَ اَحَبُّ مَا دِيْمَ عليه (مرقاۃ ص ۱۰۰)۔ نمبر ۲۔

جزا الحذف کی ترکیب: فا جزائیہ هُوَ ضمیر مبتدا، اَحَبُّ مضاف ما موصولہ دِيْمَ فعل مجہول هُوَ ضمیر نائب فاعل علی جار، ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا دیم فعل کے ساتھ فعل نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جزا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

وَاِنْ قَلَّ اپنے معطوف علیہ سے مل کر شرط ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ احب الاعمال الی الله ادومها ان لم يقل وان قل (البناية شرح هداية بحث تسميه ص ۹۴ طبع جديد مكتبه (امداديه ملتان).

((............۞۞۞............))

۵۳۔ بھوکے کو کھلانا

اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ تُشْبِعَ كَبِدًا جَائِعًا

++++++++++

اَفْضَلُ	الصَّدَقَةِ
بہترین	صدقہ
اَنْ	تُشْبِعَ
یہ ہے کہ	سیر کرائے تو
كَبِدًا جَائِعًا	
کسی بھوکے جگر کو	

[بیهقی]

تشریح: اس حدیثِ پاک میں کسی بھی جاندار کو کھلانے کی ترغیب اس انداز سے دی گئی ہے کہ تمام صدقات میں یہ بہترین صدقہ ہے۔

لغات: صَدَقَة: اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے جو مال دیا جائے، جمع صدقات، قَالَ تَعَالٰی اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ. تُشْبِعَ: شبع (س) شبعا و شبعا، شکم سیر ہونا (باب افعال) کسی کا پیٹ بھرنا۔ كَبِدًا: بمعنی جگر و کلیجہ، جمع اکباد، کبود آتی ہے، یہاں مراد پیٹ ہے، جَائِعًا: جاع (ن) جوعا بمعنی بھوکا ہونا، جمع جیعان آتی ہے۔

ترکیب: اَفْضَلُ اسم تفضیل مضاف، اَلصَّدَقَةِ مضاف الیہ دونوں مل کر مبتدا، اِنْ مصدریہ، تُشْبِعَ فعل مضارع، اَنْتَ ضمیر مستتر فاعل، كَبِدًا موصوف، جَائِعًا صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بتاویل مصدر ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۵۴۔ دو بڑے لالچی

مَنْهُوْمَانِ لَايَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا .

++++++++++

مَنْهُوْمَانِ	لَايَشْبَعَانِ
دو حریص	سیر نہیں ہوتے
مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ	لَا يَشْبَعُ
(ایک) علم کا حریص	نہیں سیر ہوتا ہے
مِنْهُ	وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا
اس (علم) سے	(اور دوسرا) دنیا کا حریص
لَا يَشْبَعُ	مِنْهَا
نہیں سیر ہوتا ہے	اس (دنیا) سے

[بیهقی]

تشریح: علم دین ایک نور ہے، اسے حاصل کرنے کے بعد مزید کی مبارک حرص بڑھتی رہتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی طلب ایک ظلمت ہے، اور ظلمت کی کوئی انتہا نہیں اس لیے یہ منحوس حرص بھی بڑھتی ہے۔ دنیا میں علم کے حریصوں کی مثالیں بھی بے شمار ہیں۔ اور دنیا کے حریصوں کی مثالوں سے بھی تاریخ بھری پڑی ہے۔

لغات: مَنْهُوْمَان نهم (س) نہما۔ بمعنی حریص ہونا۔

ترکیب: مَنْهُوْمَانِ (نکرہ مخصوصہ) مبتدا، لَا يَشْبَعَانِ فعل مضارع، ضمیر بارز اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مفسر مَنْهُوْمٌ صیغہ اسم مفعول، هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، فِيْ حرف جار، اَلْعِلْمِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا مَنْهُوْمٌ کے، مَنْهُوْمٌ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا، لَا يَشْبَعُ فعل مضارع، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ حرف جار، ہ ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے لَا يَشْبَعُ کے، لَا يَشْبَعُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو

کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہوا، اَحَدُھَا مبتدا، محذوف کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ (وھکذا الجملۃ الثانیۃ) معطوف، اپنے معطوف علیہ سے مل کر تفسیر، مفسر تفسیر مل کر جملہ تفسیریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۵۵۔ سچی بات حکام کے سامنے

اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ .

++++++++++

اَفْضَلُ	الْجِهَادِ
سب سے بہتر	جہاد (اس کا ہے)
مَنْ	قَالَ
جو	کہے
كَلِمَةَ حَقٍ	عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ
سچی بات	ظالم بادشاہ کے سامنے [ترمذی]

تشریح: ظالم بادشاہ کو سب سے برا وہ محسوس ہوتا ہے جو اسے ظلم سے روکے، اس لیے حق بات کرنے میں اپنی جان کو قربان کر دینے کا خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔ اس ارشاد میں کلمہ حق ظالم کے سامنے کہنے کو سب سے بہترین جہاد قرار دیا گیا ہے۔

لغات: جَائِرٍ بجار (ن) جورا بمعنی ظلم کرنا۔ مَنْ: بمعنی الَّذِیْ

ترکیب: اَفْضَلُ صیغہ اسم تفضیل مضاف، اَلْجِهَادُ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، مَنْ موصولہ، قَالَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، كَلِمَةِ مضاف حَقٍّ مضاف الیہ، دونوں مل کر مقولہ، عِنْدَ مضاف، سُلْطَان موصوف، جَائِرٍ صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ فعل اپنے فاعل اور مقولہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر

خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۵۶۔ ایک صبح یا ایک شام خدا کے نام

لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا .

++++++++++

لَغَدْوَةٌ	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
البتہ صبح کے وقت جانا	اللہ کی راہ میں
اَوْرَوْحَةٌ	خَيْرٌ
یا شام کے وقت جانا (اللہ کی راہ میں)	بہتر ہے
مِّنَ الدُّنْيَا	وَمَا فِيْهَا
دنیا سے	اور اس کی تمام چیزوں سے

[بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں غَدْوَةٌ اَوْرَوْحَةٌ پر تنوین یہ بتاتی ہے کہ صبح اور شام کا تھوڑا سا وقت بھی تعلیم، تبلیغ اور جہاد وغیرہ میں صرف کر دینا دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

لغات: غَدْوَةٌ غدا (ن) غدوا۔ بمعنی صبح کو جانا رَوْحَةٌ: یہ غدوۃ کا مقابل ہے راح (ن) رواحا۔ بمعنی شام کے وقت جانا۔

ترکیب: لَ ابتدائیہ، غَدْوَةٌ موصوف، فِيْ حرف جار، سَبِيْلِ مضاف، لفظ اللّٰه مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنَةٌ مقدر کے، كَائِنَةٌ اپنے فاعل هِيَ اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر معطوف علیہ، اَوْ عاطفہ رَوْحَةٌ معطوف، مطعوف معطوف علیہ مل کر مبتدا، خَيْرٌ صیغہ اسم تفضیل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ حرف جار، اَلدُّنْيَا معطوف علیہ، وَاوْ عاطفہ، مَا موصولہ، فِيْ حرف جار، هَا

مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَبَتَ مقدر کے، ثَبَتَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اسم تفضیل خَیْرٌ کے، اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا اَلْغَدْوَۃُ کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............ ❁❁❁ ....))

۵۷۔ فقیہ کا مقام ومرتبہ

فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ ۔

++++++++++

فَقِیْہٌ وَاحِدٌ	اَشَدُّ
ایک فقیہ	زیادہ سخت ہے
عَلَی الشَّیْطَانِ	مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ
شیطان پر	ہزار (بے علم) عبادت گزاروں سے

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں فقیہ سے وہ عالم مراد ہے جس کا دل اور دماغ علم سے منور ہو۔ وہ خود بھی گناہ سے بچتا ہے اور دوسروں کو بھی شیطان کے وار سے بچاتا ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک ہزار عبادت گزار جو شیطان کے داؤ پیچ کو نہیں جانتے ان کا بہکانہ شیطان کے لیے آسان ہوتا ہے۔ لیکن ایک عالم کو راہ حق سے دور کرنا مشکل ہوتا ہے۔

لغات: فَقِیْہٌ: فقه (س. ك) فها و فقاهته بمعنی سمجھ دار ہونا۔ علم فقہ کا جاننے والا الجمع فقها آتا ہے۔

ترکیب: فَقِیْہٌ موصوف، وَاحِدٌ صفت، دونوں مل کر مبتدا، اَشَدُّ اسم تفضیل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، عَلٰی حرف جار، اَلشَّیْطَانِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول ہوا،

اَشَدُّ کا، مِنْ حرف جار، اَلْفِ ممیز مضاف، عَابِدٍ تمیز مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر اَشَدُّ کا متعلق ثانی، اَشَدُّ اسم تفضیل اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۵۸۔ استغفار سے نامۂ اعمال وزنی

طُوْبٰی لِمَنْ وُجِدَ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا.

++++++++++

طُوْبٰی	لِمَنْ
خوش خبری ہے	اس (شخص) کے لیے کہ
وُجِدَ	فِیْ صَحِیْفَتِہٖ
پائی جائے	اس کے نامۂ اعمال میں
اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا	
معافی کی طلب بہت زیادہ	[ابن ماجه]

تشریح: اس حدیث میں استغفار (گناہوں سے معافی مانگنے) والے کے لیے خوش خبری دی گئی ہے۔

قبولیت استغفار کے شرائط:

❶ اس گناہ سے دور ہو جائے۔

❷ گناہوں پر دلی ندامت ہو۔

❸ آئندہ یہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ ہو۔

اس طرح استغفار کرنے والے کو دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں مل جاتی ہیں۔

لغات :طُوْبٰی:طاب(ض) طیبا بمعنی اچھا ہونا۔یہ طوبی اطیب کا مؤنث ہے۔
صَحِیْفَۃُ :لکھا ہوا کاغذ یہاں مرادنامۂ اعمال ہے،جمع صحائف صحف آتی ہے۔
قَالَ تَعَالٰی صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی۔

ترکیب: طُوْبٰی مبتدا،لَ حرف جار،مَنْ موصولہ ،وُجِدَ فعل مجہول ھُوَ مستتر نائب فاعل ،فِیْ حرف جار صَحِیْفَۃِ مضاف ہٖ ضمیر مضاف، الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے،اِسْتِغْفَارًا موصوف ،کَثِیْرًا صفت،دونوں مل کر مفعول بہ،فعل اپنے نائب فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور ہوئے جار کے،جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنَۃٌ مقدر کے،کَائِنَۃٌ اپنے فاعل ھِیَ اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی ،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۵۹۔باپ کی خوشی میں رب کی خوشی

رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ وَسُخْطُ الرَّبِّ فِیْ سُخْطِ الْوَالِدِ .

++++++++++

رِضَی الرَّبِّ	فِیْ رِضَی الْوَالِدِ
رب کی خوشی	والد کی خوشی میں ہے
وَسُخْطُ الرَّبِّ	فِیْ سُخْطِ الْوَالِدِ
اور رب کی ناراضگی	والد کی ناراضگی میں ہے [ترمذی]

تشریح: یہ حدیث ہمیں بتا رہی ہے کہ وہ اعمال جن سے اللہ راضی اور خوش ہوتے ہیں ،وہ ہمارے لیے مفید اور مؤثر نہیں ہوتے جب تک والد کی ناراضگی دور نہ ہو۔کیونکہ اللہ نے اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق کا تذکرہ کیا ہے اور والدہ کا حق تو والد سے بھی زیادہ ہے اس لیے والدین کو خوش رکھنا چاہیے تا کہ رب کی رضا

حاصل ہو جائے۔

لغات: رِضَی رَضیِ(س) رضی .ورضی بمعنی خوش ہونا۔سُخْطٌ: (س) سخطا ناراض ہونا۔اکثر بڑوں کی ناراضگی کے وقت بولا جاتا ہے۔

ترکیب: رِضَی مضاف،اَلرَّبِّ مضاف الیہ،دونوں مل کر مبتدا،فِیْ حرف جار،رِضَی مضاف،اَلْوَالِدِ مصاف الیہ دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ مقدر کے کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل ھُوَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا،وَاؤ عاطفہ،سُخْطُ مضاف،اَلرَّبِّ مضاف الیہ دونوں مل کر مبتدافِیْ جار، سُخْطُ مضاف،اَلْوَالِدِ مضاف الیہ دونوں مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ مقدر کے کَائِنٌ اپنے فاعل ھُوَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف،معطوف معطوف عایہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۶۰۔بڑے بھائی کا ادب

حَقُّ كَبِيْرِ الْاِخْوَةِ عَلٰى صَغِيْرِهِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ .

++++++++++

حَقُّ كَبِيْرِ الْاِخْوَةِ	عَلٰى صَغِيْرِهِمْ
بڑے بھائی کا حق	چھوٹوں پر (ایسا ہے جیسا کہ)
حَقُّ الْوَالِدِ	عَلٰى وَلَدِهٖ
باپ کا حق	اس کے بیٹے پر ہے [بیہقی]

تشریح: اس حدیث پاک میں بڑے بھائی کو تلقین ہے کہ وہ چھوٹے بہن بھائیوں کی تعلیم وتربیت اولاد کی طرح کرے اور چھوٹوں کو یہ تلقین ہے کہ وہ بڑے بھائی کا ادب اپنے باپ کی طرح کرے۔

لغات: اَلْاِخْوَةِ: جمع ہے اخ کی بمعنی بھائی۔قَالَ تَعَالٰی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔

ترکیب: حَقُّ مضاف، كَبِيْرِ مضاف الیہ مضاف، اَلْاِخْوَةِ مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف اول کا، دونوں مل کر ذوالحال، عَلٰی حرف جار، صَغِيْرِ مضاف هم ضمیر مضاف الیہ مضاف، مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنًا مقدر کے، كَائِنًا اسم فاعل اپنے فاعل هُوَ ضمیر اور متعلق سے مل کر حال، ذوالحال حال مل کر مبتدا، حَقُّ مضاف اَلْوَالِدِ مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر ذوالحال عَلٰی حرف جار، وُلد مضاف ہٖ ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنًا مقدر کے، كَائِنًا اسم فاعل اپنے فاعل هُوَ اور متعلق سے مل کر حال، ذوالحال حال مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۶۱۔ بہترین گناہ گار

كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ .

++++++++++

كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ	خَطَّاءٌ
آدم کا ہر بیٹا	غلطی کرنے والا ہے
وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ	التَّوَّابُوْنَ
اور بہترین غلطی کرنے والے (وہ ہیں جو)	توبہ کرنے والے ہیں [ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں گناہ گاروں کے لیے بشارت ہے کہ وہ پکی اور سچی توبہ کر کے بہترین انسان بن سکتے ہیں۔

لغات: خَطَّاءٌ: مبالغہ کا صیغہ ہے، معنی غلطی کرنے والا۔ خطی (س) خطا و اخطاء معنی غلطی کرنا۔ اَلتَّوَّابُوْنَ: یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ تاب(ن) توبا و توبۃً گناہ چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔

ترکیب: کُلُّ مضاف، بَنِیْ مضاف الیہ مضاف، آدَمَ مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا، مضاف اول کا، دونوں مل کر مبتدا، خَطَّاءٌ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، خَیْرُ مضاف اَلْخَطَّائِیْنَ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، اَلتَّوَّابُوْنَ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۶۲۔ گناہوں سے عملِ صالح کی برکت ختم ہو جاتی ہے

كَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَاءُ وَكَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهْرُ .

++++++++++

كَمْ مِّنْ صَائِمٍ	لَيْسَ
کتنے ہی روزے دار (ایسے ہیں کہ)	نہیں ہے
لَهٗ	مِنْ صِيَامِهٖ
ان کے لیے (کوئی فائدہ)	ان کے روزے سے
اِلَّا الظَّمَاءُ	وَكَمْ مِّنْ قَائِمٍ
مگر پیاسا رہنا	اور کتنے ہی (راتوں کو) کھڑے ہونے والے
لَيْسَ	لَهٗ
نہیں ہے	ان کا (فائدہ)
مِنْ قِيَامِهٖ	اِلَّا السَّهْرُ
ان کے کھڑے ہونے سے	مگر صرف جاگنا (دارمی)

تشریح: روزہ کا پورا فائدہ اس وقت ہے کہ جب اس میں ریاکاری اور دیگر گناہوں سے بھی بچتا رہے۔ ورنہ روزے کی برکات سے محرومی کی وجہ سے بس پیاسا ہی رہتا ہے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح کسی بھی رات میں عبادت کے لیے جاگنے کا فائدہ جب

ہی حاصل ہوگا جب کہ اس رات میں گناہوں سے بھی بچے۔ اور ریاکاری سے بھی بچے۔

لغات: اَلظَّمَاءُ : ظَمِیَ (س) ظَمْاءً سخت پیاسا ہونا۔ اَلسَّهْرُ : سَهِرَ (س) سَهْرًا۔ بمعنی ساری رات جاگنا۔

ترکیب: کَمْ ممیّز مضاف، مِنْ زائدہ، صَائِمٍ تمیز مضاف الیہ، ممیّز تمیز مل کر مبتدا، لَیْسَ فعل از افعال ناقصہ، لَ جارہ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول ہوا کَائِنًا مقدر کا، مِنْ حرف جار، صِیَامِ مضاف، ہِ ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی کَائِنًا صیغہ اسم فاعل، کائنا اسم فاعل اپنے فاعل ھُوَ ضمیر مستتر اور دونوں متعلقوں سے مل کر خبر ہوئی لَیْسَ کی، اِلَّا حرف استثناء لغو، اَلظَّمَاءُ لیس کا اسم، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واوَ حرف عطف، کم ممیّز مضاف، من زائدہ قائم تمیز مضاف الیہ الخ معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۶۳۔ اسلامی اعمال کا حسن

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ .

++++++++++

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ	تَرْكُهٗ
آدمی کے اسلام کی خوبی سے ہے	چھوڑ دینا اس کا
مَالَا يَعْنِيْهِ	
بے فائدہ چیزوں کو	[ترمذی۔ احمد وغیرھما]

تشریح: لایعنی کی تعریف

جس چیز کی طرف دینی یا دنیاوی ضرورت نہ ہو۔ اس کام میں لگ جانا اسے لایعنی کہتے ہیں۔ اس فرمان نبی علیہ السلام کا خاص مقصود یہ ہے کہ انسان کو اپنی صلاحیتیں ان

فضول چیزوں میں ضائع نہ کرنی چاہئیں، اس حدیث پاک کے ذریعہ یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اسلام کی ہر عبادت میں حسن جب پیدا ہوگا۔ جب مسلمان لا یعنی (فضول گفتگو۔ فضول خرچی۔ وقت کا ضیاع اور) دیگر بے ضرورت چیزوں سے دور رہے۔

لغات: تَرْكُهٗ تَرَكَ (ن) تَرْكًا معنی چھوڑنا۔ قَالَ تعَالٰی وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔ یعنی جو فائدہ نہ دے اور غیر مفید ہو۔ يَعْنِيهِ عَنِيَ يَعْنٰی عَنًّی مفید ہونا عَنِيَ يَعْنٰی عَنَاءً تھکنا۔

ترکیب: مِنْ حرف جار، حُسْنِ مضاف، اِسْلَام مضاف الیہ مضاف، اَلْمَرْءِ مضاف الیہ، مصاف الیہ مضاف اپنے مصاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا، حُسْنِ مضاف کا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوا ثَابِتٌ کے، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل هُوَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، تَرْكُ مصدر مضاف، ہٗ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، مَا موصولہ، لَا يَعْنِيْ مضارع منفی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، ہٖ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہوا مصدر کا، مصدر مضاف اپنے فاعل ضمیر اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتدا مؤخر، مبتدا مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۶۴۔ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے

اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ.

++++++++++

اَلَا	كُلُّكُمْ	رَاعٍ
آگاہ رہو	تم سب	نگران ہو
وَكُلُّكُمْ	مَسْئُوْلٌ	عَنْ رَعِيَّتِهٖ
اور تم سب	پوچھے جاؤ گے	اپنی نگرانی کے متعلق

[رواہ الشیخان]

تشریح: اس حدیث میں مسلمانوں کو ایک خاص ذمہ داری دی گئی ہے وہ یہ کہ خود بھی اپنے اعمال کی حفاظت کریں اور اللہ کی نافرمانی سے بچیں اور جہاں تک ممکن ہو اپنے متعلقین کے اعمال کی نگرانی کرتے رہیں۔ ہر انسان اپنے درجات کے لحاظ سے نگہبان ہے کوئی ملک کا کوئی گھر کا یا ادارے کا کوئی صرف اپنی جان کا۔

لغات: رَاعٍ: صیغہ اسم فاعل معنی چرواہا، اس کی جمع رعاۃ، رعیان آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا۔

ترکیب: اَلَا حرف تنبیہ، کُلُّ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، رَاعٍ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ، معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، کُلُّ مضاف کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، مَسْئُوْلٌ صیغہ اسم مفعول، ھُوَ ضمیر مستتر اس کا نائب فاعل، عَنْ جار، رَعِیَّتْ مضاف، ہ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہوا مَسْئُوْلٌ کے، مَسْئُوْلٌ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۶۵۔ سب سے پسندیدہ جگہ مساجد

اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا .

++++++++++

اَحَبُّ الْبِلَادِ	اِلَى اللّٰهِ
شہروں میں سب سے پسندیدہ (جگہیں)	اللہ کے نزدیک
مَسَاجِدُهَا	
ان کی مسجدیں ہیں	[مسلم]

تشریح: مسجدیں دین کے قلعے ہیں۔ مسجد والوں پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے، جو مسجد میں آئے وہ اللہ کا مہمان ہے، مسجدوں کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے، ان ہی وجوہ سے

مساجد بہترین جگہ ہیں۔اس لیے مساجد میں حاضری زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے۔

لغات: اَلْبِلَادِ: یہ جمع ہے بلد کی معنی شہر۔مَسَاجِدُهَا: مسجد اسم ظرف کا صیغہ ہے (ن) بمعنی سجدہ کرنے کی جگہ۔

ترکیب: اَحَبُّ صیغہ اسم تفضیل مضاف، اَلْبِلَادِ مضاف الیہ، اِلٰی حرف جار، لفظ اَللّٰہِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اَحَبُّ صیغہ اسم تفضیل کے، اَحَبُّ اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتدا، مَسَاجِدُ مضاف ھَا ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۶۔بازار سب سے نہ پسندیدہ مقامات ہیں

وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰہِ اَسْوَاقُھَا .

++++++++++

اِلَی اللّٰہِ	وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ
اللہ کے نزدیک	شہروں کی سب سے بدترین (جگہ)
	اَسْوَاقُھَا
[مسلم]	اس کے بازار ہیں

تشریح: بازاروں میں شیطان کا تسلط ہوتا ہے۔حرص، طمع، جھوٹ اور خدا کی یاد سے دور کرنے والی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں۔اس لیے یہ بدترین جگہ ہے۔صرف بامر مجبوری بازار جانا اور جلد واپس آجانا چاہیے۔اس بُری جگہ کے شر سے بچنے کے لیے عورتوں کے لیے پردہ اور مردوں کے لیے نظر کی حفاظت ضروری ہے۔

لغات: اَبْغَضُ: بغض (ن.ك.س) بغاضة بمعنی نفرت کرنا، دشمنی کرنا۔اَسْوَاقُھَا: یہ جمع ہے سوق کی معنی بازار۔

ترکیب: وَاوٗ عاطفہ، اَبْغَضُ صیغہ اسم تفضیل مضاف، اَلْبِلَادِ مضاف الیہ، اِلٰی

حرف جار، لفظ اَللّٰہِ مجرور، دونوں مل کر متعلق ہوئے اَبْغَضُ کے، اَبْغَضُ صیغہ اسم تفضیل اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتدا، اَسْوَاقُ مضاف ھَا ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

٦٧۔ بُرے ہم نشین سے، اکیلا اچھا

اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ .

++++++++++

اَلْوَحْدَةُ	خَيْرٌ
اکیلے رہنا	بہتر ہے
مِنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ	
بُرے ہم نشین سے	[بیہقی]

تشریح: اس حدیث میں برے آدمی کی صحبت سے بچنے کی تلقین ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان اکیلا رہے۔ تاکہ کسی کے برے اعمال اور رذیل اخلاق کا اثر اس پر نہ پڑے۔ کسی نیک آدمی کی صحبت میسر آجائے تو بڑی غنیمت ہے۔

لغات: اَلسُّوْءِ بمعنی شر و فساد۔ رجل سوء بدکار آدمی۔

ترکیب: اَلْوَحْدَةُ مبتدا، خَيْرٌ صیغہ اسم تفضیل، ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، مِنْ حرف جار، جَلِيْسِ مضاف، اَلسُّوْءِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے خَيْرٌ اسم تفضیل کے، خیر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا۔

((............❁❁❁............))

۶۸۔اچھے ہم نشین، اکیلے رہنے سے بہتر

وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنَ الْوَحْدَةِ .

وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ	خَيْرٌ
اوراچھا ہم نشین	بہتر ہے
مِنَ الْوَحْدَةِ	
اکیلے رہنے سے	[بیہقی]

تشریح: اکیلے رہنے میں شیطانی خیالات گناہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔اس لیے بہتر ہے کہ ہم کسی اچھے انسان کی صحبت حاصل کریں۔تا کہ اس کی اچھی عادات کے اثرات ہمارے دل ودماغ پر پڑیں۔اورہم اچھے انسان بن جائیں۔

لغات:اَلصَّالِحُ: صَلُحَ، نیک ہونا۔صَلَاحًا وصُلُوْحًا وَصَلَاحِيَةً.قَالَ تَعَالٰی وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ۔

ترکیب: وَاوْ عاطفہ،اَلْجَلِيْسُ موصوف،اَلصَّالِحُ صفت،دونوں مل کر مبتدا خَيْرٌ اسم تفضیل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،مِنْ حرف جار،اَلْوَحْدَةِ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق خَيْرٌ کے،خَيْرٌ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر ماقبل کے لیے معطوف،معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۶۹۔بات اچھی کریں ورنہ خاموش رہیں!

وَإِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ إِمْلَاءِ الشَّرِّ.

++++++++++

وَإِمْلَاءُ الْخَيْرِ	خَيْرٌ
اوراچھی بات بولنا(لکھوانا)	بہتر ہے
مِنَ السُّكُوْتِ	وَالسُّكُوْتُ

خاموش رہنے سے	اور خاموش رہنا
خَيْرٌ	مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ
بہتر ہے	بُری بات بولنے (لکھوانے) سے

[بیھقی]

تشریح: اس حدیث پاک میں دو نصیحتیں ہیں۔

ا۔ ہمارے لیے چپ رہنے سے بہتر ہے کہ ہم اچھی بات کریں، جس میں علم وعمل کا فائدہ ہو۔

۲۔ بری بات کرنے سے بہتر ہے کہ ہم خاموش رہیں۔ جس سے ہمارے اور دوسروں کے علم وعمل میں نقصان نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ زبان کا استعمال بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔

لغات: اِمْلَا: مصدر بمعنی بول کر لکھوانا۔ اس کی جمع امال اور امالی. اَلشَّرِّ: شر (س.ن) شرا بمعنی شرارت کرنا، برائی، جمع اشرار اور اشر آتی ہے۔ قَالَ تعَالٰی وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔

ترکیب: وَاؤ استینافیہ، اِمْلَاءِ مضاف، اَلْخَيْرِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، خَيْرٌ صیغہ اسم تفضیل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ جار، اَلسُّكُوْتِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے خَيْرٌ کے، خَيْرٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا۔

وَاؤ عاطفہ، اَلسُّكُوْتُ مبتدا، خَيْرٌ صیغہ اسم تفضیل، ھو ضمیر مستتر فاعل، مِنْ جار، اِمْلَاءِ مصاف، اَلشَّرِّ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے خَيْرٌ کے، خَيْرٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۷۰۔ موت مومن کے لیے تحفہ ہے

تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ.

++++++++++

تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ	الْمَوْتُ
مؤمن کا تحفہ	موت ہے

[بیھقی]

تشریح: مؤمن کی موت، جنت میں جانے اور اللہ سے ملاقات کا ذریعہ ہوتی ہے۔اس لیے یہ مومن کے لیے تحفہ ثابت ہوتی ہے۔بخلاف کفار وفجار کے،ان کے لیے موت عذاب الٰہی میں جانے کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لیے۔ان کے لیے موت مصائب اور مشکلات کا پیغام ہے۔

لغات: تُحْفَةٌ: ہر وہ چیز جو کسی کے سامنے عاجزانہ اور مہربانی کے طور پر پیش کی جائے۔اس کی جمع تُحَفٌ آتی ہے۔

ترکیب: تُحْفَةُ مضاف، اَلْمُؤْمِنِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، اَلْمَوْتُ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۷۱۔ اجتماعیت پر اللہ کی مدد آتی ہے

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ .

++++++++++

يَدُ اللّٰهِ	عَلَى الْجَمَاعَةِ
اللہ کا ہاتھ	جماعت پر ہے

[ترمذی]

تشریح: اللہ کے ہاتھ سے مراد اللہ کی مدد ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو

کام کئی مسلمان مشورے سے مل کر سنت طریقے کے مطابق کرتے ہیں تو اس میں اللہ کی مدد شاملِ حال ہو جاتی ہے۔

لغات: یَدٌ: بمعنی ہاتھ، ہتھیلی، نعمت، مرتبہ، قدرت، مراد، مدد اور رحمت ہے۔ اس کی جمع ایادی اور ایدی آتی ہے۔ قَالَ تعَالٰی یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ. تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ۔

ترکیب: یَدُ مضاف، لفظ اَللّٰہِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبتدا، عَلٰی جار اَلْجَمَاعَةِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنَةٌ کے، کَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل، ھِیَ ضمیر مستتر فاعل کَائِنَةٌ اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............))

۷۲۔ نیکی کا حکم برائی سے روکنا یا ذکرِ الٰہی

كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهٗ اِلَّا اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهْيٌ عَنْ مُّنْكَرٍ اَوْ ذِكْرُ اللّٰهِ .

++++++++++

كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ	عَلَيْهِ
آدم کے بیٹے کی ہر بات	اس پر (وبال ہے)
لَا	لَهٗ
نہیں ہے	اس کے (فائدہ) کے لیے (نفع دینے والی)
اِلَّا	اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ
مگر	بھلائی کا حکم کرنا
اَوْ نَهْيٌ عَنْ مُّنْكَرٍ	اَوْ ذِكْرُ اللّٰهِ
یا کسی برائی سے روکنا	یا اللہ کو یاد کرنا

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں زبان کی حفاظت کی ترغیب ہے، ہماری کوشش ہونی چاہیے، کہ ہمارے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات، نیکی کا حکم ہو اور برائی سے روکنا ہو یا اللہ کی یاد ہو اس کے علاوہ جائز کلام بھی بقدر ضرورت ہو۔

لغات: معروف: ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کی اچھائی عقل یا شریعت سے معلوم ہو اس کا مقابل منکر آتا ہے۔قَالَ تَعَالٰی یَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

ترکیب: کُلُّ مضاف، کَلَامِ مضاف الیہ مضاف،اِبْنِ مضاف الیہ مضاف، آدَمَ مضاف الیہ، مضاف اپنے تینوں مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، عَلٰی حرف جار، ہٖ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا وَاقِعٌ کے، وَاقِعٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل هُوَ ضمیر مستتر اور اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ، لَا عاطفہ، لَ جار ہٖ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا، ثَابِتٌ کے، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل هُوَ ضمیر مستتر اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مستثنٰی منہ، اِلَّا حرف استثناء، اَمْرٌ مصدر، بِمَعْرُوْفٍ جار مجرور مل کر متعلق مصدر، اَمْرٌ مصدر اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ، اَوْ عاطفہ، نَهْيٌ مصدر، عَنْ منکر، جار مجرور مل کر متعلق مصدر، نَهْيٌ مصدر اپنے متعلق سے مل کر، معطوف اول، اَوْ عاطفہ ذکر مضاف لفظ، اَللّٰه مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مستثنٰی، مستثنٰی منہ اپنے مستثنٰی سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۴۳۔ ذکر کرنے اور نہ کرنے والے کی مثال

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ

++++++++++

مَثَلُ	الَّذِیْ	یَذْكُرُ
مثال اس کی	جو	یاد کرتا ہے

رَبَّهٗ	وَالَّذِیْ	لَا
اللہ کو	اور (مثال) اس کی جو	نہیں
یَذْکُرُ	مَثَلُ	الْحَیِّ
یاد کرتا ہے	مثال ہے	زندہ
وَالْمَیِّتِ		
اور مردہ کی		[بخاری ومسلم]

تشریح: اس فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دل کی کیفیت کا بیان ہے کہ ذکر کرنے والے کا دل زندہ اور ذکر سے غفلت دل کی موت ہے۔ ذکر کرنے والا اپنی زندگی کی وجہ سے دنیا اور آخرت کے منافع حاصل کرتا ہے۔ اور ذکر نہ کرنے والا محروم ہوتا ہے۔

لغات: اَلْحَیِّ: باب افعال سے بمعنی زندہ کرنا، یہ اسم ہے تو معنی ہوا زندہ۔ قَالَ تَعَالٰی اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ. اَلْمَیِّت بمَاتَ (ن) مَوْتًا وَمَوَاتًا، یہ اَلْحَیُّ کی ضد ہے معنی موت۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ۔

ترکیب: مِثْلُ مضاف، اَلَّذِیْ موصول، یَذْکُرُ فعل ضمیر مستتر فاعل، رَبَّ مضاف، ہٗ ضمیر مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَلَّذِیْ موصول، لَا یَذْکُرُ فعل مضارع منفی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مصاف الیہ ہوا، مِثْلُ مصاف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، مِثْلُ مضاف اَلْحَیِّ معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَلْمَیِّتِ معطوف، دونوں مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۷۴۔غیر نافع علم کی مثال

مَثَلُ الْعِلْمِ لَا يُنْفَعَ بِهٖ كَمَثَلِ كَنْزٍ لَا يُنْفَقُ مِنْهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

++++++++++

مَثَلُ الْعِلْمِ	لَا يُنْفَعَ بِهٖ
ایسے علم کی مثال	جس سے نفع نہ اٹھایا جائے
كَمَثَلِ كَنْزٍ	لَا يُنْفَقُ
اس خزانے کی طرح ہے	کہ نہ خرچ کیا جائے
مِنْهُ	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اس سے	اللہ کی راہ میں

[احمد و دارمی]

تشریح: جب اللہ اپنے بندے کو علم دین نصیب فرمائے تو اسے چاہیے کہ وہ طالبینِ علم میں اس علم کو عام کرے اور ایسے بخیل مالدار کی طرح نہ ہو جائے جو اپنا مال اس فانی دنیا میں ہی لگا دے اور صدقہ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ نہ کرے۔اس حدیث پاک کا خاص سبق یہ ہے کہ عالم اپنے علم پر عمل کر کے خود بھی نفع حاصل کرے اور دوسروں کو بھی علم سکھائے۔

لغات: كَنْزٍ :بمعنی خزانہ،ذخیرہ کی ہوئی چیز،جمع كَنْزٌ وَكُنُوْزٌ آتی ہے،كَنَزَ(ض) كَنْزًا۔قَالَ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ ۔

ترکیب: مَثَلُ مضاف،اَلْعِلْمِ موصوف،لَا يُنْتَفَعُ فعل مضارع مجہول،هُوَ ضمیر نائب فاعل،بَا جار،ہ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت،موصوف صفت مل کر مضاف الیہ ہوا مثل مضاف کا،مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، كَ جار،مثل مضاف،كَنْزٍ موصوف،لَا يُنْفَقُ فعل مضارع منفی مجہول هُوَ ضمیر نائب فاعل،مِنْ جار،ہ ضمیر مجرور،جار مجرور مل

کر متعلق اول ہوا فعل کا فِیْ جار، سَبِیْلِ مضاف، لفظ اَللّٰہ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی، فعل اپنے نائب فاعل اور دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مضاف الیہ ہوا مِثْل مضاف کا، مضاف، مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا کَائِنٌ مقدر کا کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((..........۞۞۞..........))

۵۷۔ سب سے اچھا ذکر اور بہترین دعاء؟

اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

++++++++++

اَفْضَلُ	الذِّكْرِ
سب سے بہتر	یاد (الٰہی)
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ
لا الٰہ الا اللہ ہے	اور سب سے بہترین دعا
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ	
الحمد للہ ہے۔	[ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں کلمہ توحید کو تمام ذکروں سے بہتر ذکر اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (حمد) کو تمام دعاؤں سے بہتر دعا قرار دیا گیا ہے۔ حمد بہترین دعاء اس لیے ہے کہ کسی کریم کی ثناء کا مقصد حقیقت میں سوال ہی ہوتا ہے۔ حدیث کا خاص پیغام یہ ہے کہ ہماری زبان ہمیشہ کلمہ توحید کے ذریعے اللہ کو یاد کرتی رہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے ذریعے شکر کی وجہ سے اللہ کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا رہے۔

ترکیب: اَفْضَلُ مضاف، اَلذِّكْرِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، لَآ

نفی جنس، اِلٰـہَ نکرہ مفرد مبنی بر فتحہ موصوف، اِلَّا بمعنی غَیْـرَ مضاف اَللّٰـہُ مضاف الیہ محلا، مجرور، مضاف مضاف الیہ مل کر صفت، موصوف صفت مل کر اسم ہوا لائے نفی جنس کا اس کی خبر مَـوْجُـوْدٌ محذوف لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ اَفْضَلُ مضاف اَلدُّعَاءِ مضاف الیہ دونوں مل کر مبتدا اَلْحَمْدُ مبتدا، لَ حرف جار، لفظ اَللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ثابتٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف ہوا، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔ اگر اَلْـحَمْدُ لِلّٰہِ کو کلمہ کی تاویل میں لیا جائے تو یہ مجموعہ جز بن جائے گا۔

((............✿✿✿............))

۷۶۔ سب سے پہلے جنت میں بلائے جانے والے

اَوَّلُ مَنْ یُّدْعٰی اِلَی الْـجَـنَّةِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الَّذِیْنَ یَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

++++++++++

اَوَّلُ	مَنْ یُّدْعٰی
سب سے پہلے	جو بلائے جائیں گے
اِلَی الْجَنَّةِ	یَوْمَ الْقِیٰمَةِ
جنت کی طرف	قیامت کے دن (وہ ہوں گے)
الَّذِیْنَ	یَحْمَدُوْنَ
جو	تعریف کرتے ہیں
اللّٰهَ	فِی السَّرَّآءِ
اللہ کی	خوشی

وَالضَّرَّآءِ

اور غمی (ہر حال) میں [بیہقی]

تشریح: یہ حدیث پاک ہمیں سبق دے رہی ہے کہ ہر خوشی اور غمی میں اللہ کی تعریف کرنی چاہیے اور اللہ پر شکوہ نہ کرنا چاہیے۔ غمی میں تعریف اس لیے کہ اللہ نے بڑے غم سے بچا رکھا ہے اور خوشی میں تعریف اس لیے کہ اس ذاتِ عالی کا شکریہ ادا ہو سکے۔

لغات: یَحْمَدُوْنَ: حَمِد(س) حَمْدًا معنی تعریف کرنا۔ السَّرَّآءِ: بمعنی خوشی، سَرَّ(ن) سُرُوْرًا بمعنی خوش کرنا۔ اَلضَّرَّآءِ: معنی سختی، قحط جانی و مالی نقصان، ضَرَّ(ن) بمعنی نقصان دینا۔ قَالَ تَعَالٰی وَالصَّابِرِیْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ۔

ترکیب: اَوَّلُ مضاف، مَنْ موصولہ، یُدْعٰی فعل مضارع مجہول ھُوَ ضمیر مستتر، راجع بسوئے من نائب فاعل، اِلَی جار، اَلْجَنَّۃِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، یَوْمَ مضاف اَلْقِیٰمَۃِ مضاف الیہ دونوں مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے نائب فاعل متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہوا اَوَّل مضاف کا مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، اَلَّذِیْنَ موصول، یَحْمَدُوْنَ فعل مضارع وَاؤ ضمیر بارز فاعل، لفظ اَللّٰہ مفعول بہ، فِیْ جار اَلسَّرَّآءِ معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَلضَّرَّآءِ معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل کے، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

نَوْعٌ اٰخَرُ مِّنْهَا

اسی (جملہ اسمیہ کی) ایک اور قسم (وہ جملہ اسمیہ جس پر لائے نفی جنس داخل ہو۔)
ملاحظہ: اس باب میں آپ وہ احادیث پڑھیں گے جو جملہ اسمیہ ہی ہیں۔ لیکن ان پر لائے نفی جنس داخل ہو کر مبتداء کو منصوب بنا رہا ہے۔ اب ہم مبتداء کو لائے نفی جنس کا اسم اور خبر کو لائے نفی جنس کی خبر کہیں گے۔ نتیجتاً یہ بھی جملہ اسمیہ ہو گا اس لا، کے معنی ہیں (کوئی نہیں ہے) یہ لا مختلف قسموں پر مشتمل ہے یہاں کچھ احادیث میں نفی کمال کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اور کچھ میں نفی جنس کے لیے۔
فائدہ ①: اسم لاء کے منصوب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ❶ جب اسم لاء کے ساتھ متصل ہو ❷ نکرہ ہو ❸ مضاف ہو یا مشابہ بالمضاف ہو۔
نکرہ مضاف کی مثال: لَا غُلَامَ رَجُلٍ ظَرِيْفٌ فِيْهَا
مشابہ بالمضاف کی مثال: لَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا لَّكَ
مشابہ بالمضاف وہ ہے جو انضمام (ملانے) مابعد مضاف کی طرح ہو۔ یعنی جس طرح مضاف کا معنی بغیر مضاف الیہ کے پورا نہیں ہوتا اسی طرح مشابہ بالمضاف میں جب تک بعد میں ایک کلمہ ذکر نہ کیا جائے تو اس جملے کا معنی مکمل نہیں ہوتا۔
فائدہ نمبر ②: اگر اسم لاء کے ساتھ متصل بھی ہو، نکرہ بھی ہو، لیکن مضاف یا مشابہ بالمضاف نہ ہو بلکہ مفرد ہو تو لا کا اسم مبنی بر فتحہ ہو گا جیسے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہاں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان تمام میں لاء کا اسم مبنی بر فتحہ ہے۔
فائدہ نمبر ③: نصب ایک نوع ہے اس کے چار افراد ہیں۔ ❶ نصب فتح کے ساتھ جیسے رَاَيْتُ سَعِيْدًا ❷ نصب کسرہ کے ساتھ جیسے رَاَيْتُ مُسْلِمَاتٍ ❸ نصب الف کے ساتھ جیسے رَاَيْتُ اَخَاكَ ❹ نصب یاء کے ساتھ جیسے رَاَيْتُ مُسْلِمَيْنِ وَ مُسْلِمِيْنَ۔

۷۷۔امانت داری اور وفائے وعدہ

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ۔

++++++++++

لَا	اِیْمَانَ	لِمَنْ	
کوئی نہیں ہے	(مکمل) ایمان	اس شخص کا	
لَا	اَمَانَةَ	لَهٗ	
کہ نہ ہو	امانت داری	جس میں	[بیہقی]
وَلَا	دِیْنَ	لِمَنْ	
اور کوئی نہیں ہے	(مکمل) دین	اس شخص کا	
لَّا	عَهْدَ	لَهٗ	
کہ نہ ہو	وعدہ (پورا کرنا)	اس میں	[بیہقی]

تشریح: اس حدیث میں مسلمانوں کے لیے دوضروری صفات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جن کے بغیر ایمان کی مٹھاس نہیں ملتی۔

ا۔امانت کو اس کے اہل تک پہنچانا۔اس کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔تاجر، ملازم، کاشت کار، طالب علم، علماء سب کو اپنا اپنا کام بروقت صحیح طور پر ادا کرنا امانت داری ہے۔

۲۔وعدہ پورا کرنا۔خواہ وہ اللہ اور بندے کے درمیان ہو اور خواہ انسان کا وعدہ انسان سے ہو، بہر حال، وعدہ پورا کرنا چاہیے ورنہ ایمان مکمل نہیں ہوگا۔

لغات: عَهْدَ: بمعنی وعدہ، وصیت وغیرہ جمع عهود آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰی اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔

ترکیب: لَا حرف نفی جنس، اِیْمَانَ نکرہ مفرد مبنی برفتحہ، لَا کا اسم، لَ حرف جار، مَنْ موصولہ، لَا حرف نفی، امانة لا کا اسم، ل جار، ہٗ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتَةٌ کے ثَابِتَةٌ صیغہ اسم فاعل ہی ضمیر مستتر فاعل، ثَابِتَةٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل

کر لا کی خبر لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر لائے اوّل کی خبر، لَا اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ معطوف علیہا۔

ترکیب: ولا دین لمن لا عهد له ۔حدیث کا یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے ترکیب یکساں ہے۔

((............✿✿✿............))

۷۸۔ تجربہ اور بُردباری

لَا حَلِيْمَ اِلَّا ذُوْعُثْرَةٍ وَلَا حَكِيْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرِبَةٍ ۔

++++++++++

لَا	حَلِيْمَ
نہیں ہے	کوئی (کامل) بُردبار
اِلَّا	ذُوْعُثْرَةٍ
مگر	پھسلنے والا [احمد و ترمذی]
وَلَا	حَكِيْمَ
اور نہیں ہے	کوئی (کامل) حکیم
اِلَّا	ذُوْ تَجْرِبَةٍ
مگر	تجربے والا [احمد و ترمذی]

تشریح: مفہومِ حدیث یہ ہے کہ بردباری کا پتہ جب چلتا ہے جب کہ کوئی انسان غلطی کرے، جس کی وجہ سے نقصان ہو یا لوگ اسے ستائیں تو یہ دونوں چیزوں کو برداشت کرے۔ اور حکیم وہ ہے جو علمِ طب جاننے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار بھی ہو۔

لغات: حَلِيْمَ: معنی بردبار۔ قَالَ تَعَالٰى لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ۔

ترکیب: لَا حرف نفی جنس، حلیم لا کا اسم الا حرف استثناء لغو، ذو مضاف عشرۃ مضاف، الیہ، دونوں مل کر لا کی خبر، لا حرف نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا۔

ترکیب: و لا حکیم الا ذو تجربۃ ۔ یہ جملہ اپنے سے پہلے جملہ پر معطوف ہے ترکیب ایک سی ہے۔

((............❁❁❁............))

۷۹۔ گناہوں سے پرہیز

لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ وَلَا وَرْعَ كَالْكَفِّ -

++++++++++

لَا	عَقْلَ
نہیں ہے	عقل (کامل)
كَالتَّدْبِيْرِ	وَلَا
تدبیر کی طرح	اور نہیں ہے
وَرْعَ	كَالْكَفِّ
پرہیزگاری (گناہ سے)	رُک جانے کی طرح [بیهقی]

تشریح: تدبیر کی تعریف:

تدبیر کہتے ہیں ہر کام کے انجام پر نظر رکھنا اور اس کے لیے سامان مہیا کرنا۔ حدیث شریف سے مفہوم ہو رہا ہے کہ عقل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر کام کو انجام کے لحاظ سے سوچے اور پرہیزگاری کا تقاضا ہے کہ سب سے پہلے گناہوں کو چھوڑے تاکہ دوسری عبادات میں حُسن پیدا ہو۔

لغات: كَالتَّدْبِيْرِ: غور کرنا، انتظام کرنا، وَرْعَ ورع (س) ورعا، پرہیزگار ہونا، الْكَفِّ: باز رکھنا، مراد شبہات سے باز رہنا۔

ترکیب: لا حرف نفی، عَقلَ لا کا اسم، ك جار، اَلتَّدْبِیْرِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثَابِتٌ کے، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔

ترکیب: وَلاوَرْعَ کالْکَفِّ: پہلے جملے پر معطوف ہے ترکیب بھی وہی ہے۔

((............❁❁❁............))

۸۰۔اچھا اخلاق ہی عزت کا معیار ہے

وَلَا حَسْبَ کَحُسْنِ الْخُلُقِ -

++++++++++

وَلَا	حَسْبَ
اور کامل نہیں ہے	خاندانی شرافت
کَحُسْنِ الْخُلُقِ	
برابر اچھے اخلاق کے	[بیھقی]

تشریح: بعض لوگ برادری پر فخر کرتے ہیں اور باپ دادا کے کارنامے گنواتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی شرافت نہیں۔عزت کی چیز یہ ہے کہ انسان خود اچھے اخلاق کا مالک ہو۔

لغات: حَسْبٌ: مصدر۔حَسُبَ (ك) حَسْبًا بمعنی خاندانی شرافت، حُسْنٌ: (ن.ك) اِحْسَنًا: بمعنی خوب صورت ہونا، صفت حسن اور جمع حِسَانٍ آتی ہے۔ اَلْخُلُقِ: بمعنی عادت، طبیعت۔

ترکیب: وَلَا حَسْبَ کَحُسْنِ الْخُلُقِ ۔ پہلے جملہ پر معطوف ہے ترکیب بھی وہی ہے۔

((............❁❁❁............))

۸۱۔ جہاں خالق ومخلوق کی محبتوں میں تصادم ہو

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ۔

++++++++++

لَا	طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ
نہیں ہے (جائز)	مخلوق کی فرماں برداری
فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ	
خالق کی نافرمانی میں	[رواه في شرح السنة]

تشریح: زندگی میں بے شمار ایسے مواقع آتے ہیں جہاں ایک طرف حکمِ الٰہی اور دوسری طرف انسانوں کے بنائے ہوئے رسوم ورواج اور ایک طرف دنیا اور ایک طرف آخرت، یہ امتحان ہوتا ہے جس میں کامیابی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں کی خاطر خالق کی نافرمانی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی حاکم فرمانِ الٰہی کے خلاف حکم کرے تو اس کی اطاعت بھی نہ کرنی چاہیے۔

لغات: طاعة: طوعا بمعنی فرماں برداری صفت طائع جمع طوع اور طائعون آتی ہے۔ قَالَ تعَالٰی طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔

ترکیب: لَا حرف نفی جنس، طَاعَةَ لا کا اسم، لِ حرف جار، مَخْلُوْقٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول ہوا ثَابِتَةٌ محذوف کا، فِيْ حرف جار، مَعْصِيَةِ مضاف، اَلْخَالِقِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی، ثَابِتَةٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (هِيَ ضمیر مستتر) اور دونوں متعلقوں سے مل کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۸۲۔رہبانیت اور اسلام

لَا صَرُوْرَةَ فِی الْاِسْلَامِ -

++++++++++

لَا	صَرُوْرَةَ
نہیں ہے	رہبانیت
فِی الْاِسْلَامِ	
اسلام میں	[ابوداؤد]

تشریح: رہبانیت کی تعریف:

رہبانیت کے معنی ہیں طاقت کے باوجود نکاح نہ کرنا۔ مذہب عیسائیت میں نکاح اور دیگر معاملات دنیوی کو چھوڑ کر جنگل میں پڑے رہنا اور عبادت کرنا ثواب سمجھا جاتا تھا۔ جس میں نہ حقوق العباد کی پرواہ ہوتی تھی اور نہ ہی انسانیت کے دوسرے تقاضوں کو پورا کیا جاتا تھا۔ اسلام میں اس سے منع کردیا گیا۔

لغات: صَرُوْرَةَ: نکاح نہ کرنا، حج پر نہ جانا۔ رہبانیت اختیار کرنا۔

ترکیب: لَا حرف نفی جنس، صَرُوْرَةَ، نکرہ مفرد مبنی برفتحہ لا کا اسم، فِیْ حرف جار، اَلْاِسْلَامِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنَةٌ کے کَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (هِیَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، لَا اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۸۳۔تقویٰ ہو تو دولت نقصان نہیں دیتی

لَا بَأْسَ بِالْغِنٰی لِمَنِ اتَّقَی اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ -

++++++++++

لَا بَأْسَ	بِالْغِنٰی
کوئی حرج نہیں ہے	دولت مند ہونے میں

لِمَنِ اتَّقَی اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ
اس شخص کے لیے جوڈرے اللہ زبردست بزرگ سے (احمد)

تشریح: معلوم ہوا نفسِ مال کوئی بری چیز نہیں بلکہ اس کا غلط استعمال برا ہے۔ جو شخص اس کے استعمال کرنے میں اللہ سے ڈرے۔ یعنی غلط جگہ استعمال نہ کرے۔ اس شخص کے مال رکھنے میں کوئی حرج اور نقصان نہیں ہے۔

لغات: اَلْغِنٰی: (س) غِنَاءٌ اور اِغْنِیَانًا بمعنی مال دار ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاللّٰهُ غَنِیٌّ. وقاته :معنی حفاظت کرنا۔ عَزَّ: (ض) عِزًّا وَعِزَّةً بمعنی عزیز ہونا۔ قوی ہونا۔ جَلَّ: (ض) جَلَالًا وَجَلَالَةً بمعنی بڑے مرتبے والا ہونا۔

ترکیب: لَا حرف نفی جنس، بَأسَ نکرہ مفرد مبنی بر فتحہ، اسم بَا جار، اَلْغِنٰی مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول ہوا ثَابِتٌ مقدر کا، لِ جار، مَنْ موصول، اِتَّقٰی فعل ماضی ہو ضمیر مستتر فاعل، لفظ اَللّٰه ذو الحال، عَزّہ فعل ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ وَاؤ عاطفہ جَلَّ فعل ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر حال، حال ذو الحال مل کر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا جار مجرور مل کر ثَابِتٌ کا متعلق ثانی، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور دونوں متعلقوں سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

اَلْجُمْلَةُ الْاِسْمِيَّةُ الَّتِيْ دَخَلَتْ عَلَيْهَا حَرْفُ اِنَّ

ترجمہ: جملہ اسمیہ کی وہ قسم جس پر حرف انَّ داخل ہو۔

ملاحظہ: اِنَّ حروف مشبہ بفعل میں سے ہے۔ احادیث طیبہ کی ان مثالوں میں اِنَّ مبتدا پر داخل ہو کر اسے منصوب بنا رہا ہے اور خبر بدستور مرفوع رہے گی۔ اب ہم مبتدا کو اِنَّ کا اسم اور خبر کو اِنَّ کی خبر کہیں گے۔ نتیجتاً یہ بھی جملہ اسمیہ ہوگا۔ اِنَّ کے معنی ہیں (بے شک، بلاشبہ، یقیناً)۔

فائدہ: جار مجرور کو نحویوں کی اصطلاح میں ظرف بھی کہتے ہیں۔ اب اگر انّ کی خبر ظرف ہو اور اسم نکرہ ہو تو انّ کی خبر کو اس کے اسم پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے: اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا اگر ان کا اسم معرفہ ہو اور خبر ظرف ہو تو خبر کو اسم پر مقدم کرنا جائز ہے جیسے: اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ۔

پہلی مثال میں مِنَ الْبَيَانِ خبر مقدم ہے دوسری مثال میں اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابهم اور تیسری میں اِنَّ عَلَيْنَا۔ حِسَابَهُم۔

۸۴۔ بعض جادو اثر بیان

اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا .

++++++++++

اِنَّ	مِنَ الْبَيَانِ
بلاشبہ	بعض بیان
لَسِحْرًا	
جادو (کا اثر) رکھتے ہیں	[بخاری]

تشریح: بیان کے معنی ہیں کھولنا اور ظاہر کرنا۔ اسی وجہ سے یہ لفظ فصیح گفتگو اور تقریر پر بولا جاتا ہے۔ جس طرح جادو انسان کے حالات کو بدل دیتا ہے اسی طرح بعض بیان انسانی حالات کو بدلنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

لغات: اَلْبَیَانِ: وہ گفتگو جو مافی الضمیر کو ظاہر کرے، بَانَ (ض) بَیَانًا وَتِبْیَانًا، ظاہر کرنا۔ لَسِحْرًا: وہ چیز جس کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو، جادو، دھوکہ، حیلہ، فساد مراد جادو ہے۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ۔

ترکیب: اَلْجُمْلَةُ موصوف، اَلْاِسْمِیَّةُ صفت اول، اَلَّتِیْ موصول، دَخَلَتْ فعل عَلٰی حرف جار، هَا مجرور، دونوں مل کر متعلق فعل دَخَلَتْ کے، حرف مضاف، لفظ اِنَّ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر صفت ثانی، موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر خبر ہوئی مبتدا محذوف هٰذِهٖ کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مِنْ جار، اَلْبَیَان مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنٌ کے، كَائِنٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، ل تاکید، سحرًا اِنَّ کا اسم مؤخر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

۸۵۔ بعض شعر اچھے ہوتے ہیں

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً .

++++++++++

اِنَّ	مِنَ الشِّعْرِ
بے شک	بعض شعر
حِكْمَةً	
پُرحکمت ہوتے ہیں	[بخاری]

تشریح: قرآن مجید میں شعر گوئی کو مبالغہ آرائی قرار دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہر شعر برا نہیں ہوتا۔ بعض شعر حکمت اور دانائی پر مبنی پر ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض صحابہؓ جیسے حضرت حسانؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نعتیہ اور کفار کی مذمت میں اشعار کہا کرتے تھے۔

لغات: حِكْمَةٌ: انصاف، بردباری علم اس کی جمع حِكَمٌ آتی ہے۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مِنَ الشِّعْرِ جار مجرور ثابت کے متعلق ہو کر خبر مقدم، حِكْمَةً اسم موخر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۸۶۔ بعض علم نادانی!

اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا .

++++++++++

اِنَّ	مِنَ الْعِلْمِ
یقیناً	بعض علم
جَهْلًا	
جہالت ہیں	[ابوداؤد]

تشریح: اس حدیث پاک کے دو مطلب ہیں۔

1. پہلا یہ کہ اس سے مراد ایسا علم ہے جو بذاتِ خود فائدہ مند نہ ہو جیسے نجوم کا علم۔
2. دوسرا یہ کہ علم دین حاصل کرے جو فائدہ مند ہو سکتا ہے لیکن سیکھنے والا اس پر عمل نہ کرے اور علم کے مقصد کو نہ پہچانے، بلکہ فخر و نمائش کا ذریعہ بنائے ایسا علم جہالت کی طرح ہے۔

لغات: جَهْلًا: (س) ناواقف ہونا، جاہل ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مِنَ الْعِلْمِ جار مجرور ثابت کے متعلق ہو کر اِنَّ کی خبر مقدم، جَهْلًا اسم موخر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............ ۞۞۞ ....))

۸۷۔ وبالِ جان باتیں

اِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عَيَالًا .

++++++++++

اِنَّ	مِنَ الْقَوْلِ
بے شک	بعض باتیں
عَيَالًا	
وبال ہیں	[ابو داؤد]

تشریح: جھوٹ، چغلی، دھوکہ بازی کی بات کرنے کا وبال ہوتا ہے۔ اس لیے ہر لفظ سوچ، سمجھ کر بولنا چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت میں وبال کا ذریعہ نہ بن رہا ہو۔

لغات: عَيَالًا: وہ لوگ جن کا نان نفقہ واجب ہو، عال، يعيل عيلا محتاج ہونا۔

ترکیب: اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، مِنَ الْقَوْلِ جار مجرور متعلق ہو کر خبر مقدم، عَيَالًا اسم موخر اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............ ۞۞۞ ....))

۸۸۔ریا کاری شرک ہے

اِنَّ یَسِیْرَ الرِّیَاءِ شِرْكٌ.

++++++++++

اِنَّ	یَسِیْرَ
بے شک	تھوڑا سا
الرِّیَاءِ	شِرْكٌ
دکھلاوا (بھی)	شرک ہے [ابن ماجه]

تشریح: جو کام اللہ کے لیے کرنا چاہیے وہ لوگوں کی رضا (ریاء) کے لیے کرنا شرک ہے۔اس سے بچنے کے لیے یہ تدبیریں لکھی جاتی ہیں۔

❶ ہر عمل کرتے وقت اس کے فضائل پر نگاہ رکھیں تاکہ اخلاص پیدا ہو۔

❷ ہر عمل کو اللہ کی توفیق سمجھیں اور اپنا کمال ہرگز تصور نہ کریں۔

❸ عمل کے مردود ہونے سے ڈرتے رہیں اور قبول ہونے کی دعاء کرتے رہیں۔

لغات: یَسِیْرًا :تھوڑا،نرم،کم،یسر (ن.ك.ض) یسرا ویسرا کم ہونا۔اَلرِّیَاءِ: دکھاوا کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اَلَّذِیْنَ هُمْ یُرَآؤُوْنَ .شِرْكٌ :بمعنی شریک،حصہ،اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرنا،اس جگہ شرک خفی مراد ہے۔قَالَ تَعَالٰی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل یَسِیْرَ مضاف اَلرِّیَاءِ مضاف الیہ، دونوں مل کر اِنَّ کا اسم شِرْكٌ خبر اِنَّ حرف تاکید اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۸۹۔اچھے نصیب والے

اِنَّ السَّعِیْدَ لِمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ

++++++++++

اِنَّ	السَّعِیْدَ
بے شک	اچھے نصیب اس کے ہیں
لِمَنْ	جُنِّبَ الْفِتَنَ
جو	بچالیا گیا فتنوں سے [ابو داؤد]

تشریح: فتنوں سے مراد آفات اور وہ چیزیں جو دین سے دور کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔یہ فتنوں کا دور ہے، بے پردگی، گانا بجانا اور تصاویر اور تحریروں کے ذریعہ ایسے فتنے جنم لے رہے ہیں جن سے بچاؤ بظاہر بہت ہی مشکل ہے۔علماء حقہ کی سرپرستی میں زندگی گزارنا، ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ فتنوں سے بچ کر ابدی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے۔

لغات: جُنِّبَ: دور کیا۔جُنِّبَ دور کیا گیا،جُنُبُ الشَّیْءِ کسی سے کوئی چیز دور کرنا۔
الفتن: جمع۔واحد فتنة. آزمائش، گمراہی وکفر، رسوائی، رنج، عذاب، مرض، مال و اولاد،
فتن (ضرَب) فتنةً و مَفْتُوْناً فلاناً گمراہ کرنا، آزمائش کرنا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل اَلسَّعِیْدَ اس کا اسم، ل برائے تاکید، مَنْ موصولہ جُنِّبَ فعل مجہول، هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل اَلْفِتَنَ مفعول بہ، فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۹۰۔ مشورہ دیانت داری سے دیا جائے

اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ .

++++++++++

مُؤْتَمَنٌ	اِنَّ الْمُسْتَشَارَ
امانت دار ہے۔ [ترمذی]	بے شک مشورہ کیا جانے والا

تشریح: اگر کسی کو مشورہ دیا جائے تو پوری امانت داری سے دیا جائے۔

لغات: اَلْمُسْتَشَارَ: صیغہ اسم مفعول باب استفعال بمعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ، اَلْمُسْتَشَارَ اس کا اسم، مُؤْتَمَنٌ اس کی خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............ ....))

۹۱۔ بزدلی اور بخیلی کا ایک اہم سبب

اِنَّ الْوَلَدَ مُبْخِلَةٌ مُجْبِنَةٌ

++++++++++

مُجْبِنَةٌ	مُبْخِلَةٌ	اِنَّ الْوَلَدَ
اور بزدلی کا ذریعہ ہے۔	بخل کا ذریعہ ہے	بے شک اولاد

[ابن ماجه]

تشریح: یعنی اولاد کی وجہ سے نہ انسان اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرسکتا ہے اور نہ ہی جہاد وغیرہ میں حصہ لے سکتا ہے۔

لغات: مُبْخِلَةٌ: بخیل بنانے والی، بخل (س. ك) بُخْلًا وَ بَخْلًا، بمعنی کنجوس ہونا بخیل ہونا۔ مُجْبِنَةٌ: بزدل بنانے والی، جَبُنَ (ك) جُبْنًا ، وَجَبَانَةً، بزدل ہونا، صفت جَبَانٌ آتی ہے۔

ترکیب :اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ،اَلْوَلَدَ اس کا اسم ،مَبْخِلَةٌ اس کی خبر ،مَجْبِنَةٌ اس کی دوسری خبر۔اِنَّ اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((..........✿✿✿..........))

۹۲۔سچ اطمینانِ قلب کا ذریعہ ہے

اِنَّ الصِّدْقَ طَمَانِيْنَةٌ .

++++++++++

اِنَّ الصِّدْقَ	طَمَانِيْنَةٌ
بے شک سچائی	اطمینان ہے

تشریح: سچ بولنے سے انسان کو حقیقی سکون ملتا ہے۔ [ترمذی]

لغات طَمَانِيْنَةَ اِطْمَئَنَّ ،اِطْمِيْنَانًا،وَطَمَانِيْنَةً ۔مطمئن ہونا۔

ترکیب :اِنَّ حرف مشبہ ،اَلصِّدْقَ اس کا اسم ،طَمَانِيْنَةٌ اس کی خبر ،اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((..........✿✿✿..........))

۹۳۔جھوٹ بے سکونی کا ذریعہ

وَاِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ .

++++++++++

وَاِنَّ الْكِذْبَ	رِيْبَةٌ
اور بے شک جھوٹ	بے اطمینانی ہے۔

[احمد وترمذی]

تشریح: جھوٹ بول کر انسان کبھی حقیقی اطمینان سے نہیں رہ سکتا۔

((..........✿✿✿..........))

۹۴۔اللہ کو کیا پسند ہے؟

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ

++++++++++

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی	جَمِیْلٌ	یُحِبُّ الْجَمَالَ
بے شک اللہ	خوبصورت ہے اور	خوبصورتی کو پسند کرتا ہے

[مسلم]

تشریح: اللہ تعالیٰ اچھے کام اور ہر نیک عمل میں صفائی کو پسند کرتے ہیں۔ نیک اعمال اور پاکیزگی رکھی جائے یہ سوچ کر کہ اللہ کو یہ پسند ہے۔

لغات: رِیْبَۃٌ: شک، بے قراری، جمع ریب آتی ہے، راب(ض) ریبا بمعنی شک میں ڈالنا۔ قَالَ تَعَالٰی لَا رَیْبَ فِیْہِ. جَمِیْلٌ بجمل (ک) بمعنی خوب صورت ہونا یُحِبُّ: (س۔ک) محبوب ہونا (ض) پسند کرنا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بفعل، اَلْکِذْبَ اس کا اسم، رِیْبَۃٌ اس کی خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَللّٰہُ ذوالحال، تَعَالٰی فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر حال، حال ذوالحال مل کر اِنَّ کا اسم۔ جَمِیْلٌ خبر اول، یُحِبُّ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَلْجَمَالَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ثانی، اِنَّ اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۹۵۔ بردباری ہو، تیزی نہ ہو

اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ شِرَّۃً وَلِکُلِّ شِرَّۃٍ فَتْرَۃٌ.

++++++++++

اِنَّ	لِکُلِّ شَیْءٍ شِرَّۃً	وَلِکُلِّ شِرَّۃٍ فَتْرَۃٌ

بے شک ہر چیز کے لیے تیزی اور ہر تیزی کے لیے کمزوری ہے

[ترمذی]

تشریح: ہر کام کو سکون اور اطمینان سے کرنا چاہیے۔ جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ حدیثِ معروف گزر چکی ہے کہ: ''جلدی شیطان کی طرف سے ہے۔''

لغات بِشِرَّةٌ: بمعنی برائی، تیزی، چستی۔شرة مکروه ۔فَتْرَةٌ: بمعنی کمزوری، اس کی جمع فترات آتی ہے، فَتَرَ (ن) فُتُوْرًا ضعیف ہونا کمزور ہونا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لَ جار کُلُ مضاف، شَیْءٍ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنٌ مقدر کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، شِرَّةً اِنَّ کا اسم، اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، ل جارہ، کُلُ مضاف، شِرَّةٍ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنَةٌ مقدر کے، کَائِنَةٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا، فَتْرَةٌ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............ ❁❁❁ ....))

۹۶۔روزی موت کی طرح بندے کی تلاش میں

اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ اَجَلُهُ.

++++++++++

اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ اَجَلُهُ

بے شک رزق البتہ تلاش کرتا ہے بندے کو جیسا کہ تلاش کرتی ہے موت اس کو

[ابو نعیم]

تشریح: لکھا ہوا رزق انسان کو مل کر رہتا ہے، ایسے ہی موت بھی اسے مل کر رہتی ہے۔

لغات: لَیَطْلُبُ طَلَبَ(ن) طَلَبًا بمعنی تلاش کرنا،طلب کرنا،اَجَلُهٗ: بمعنی وقت، موت۔قَالَ تَعَالٰی اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ۔اس کی جمع اٰجَالٌ آتی ہے۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ،الرِزْقَ اِنَّ کا اسم،ل تاکید، یَطْلُبُ فعل مضارع ،ضمیر مستتر فاعل، اَلْعَبْدَ مفعول بہ،ك جار، ما مصدریہ، یَطْلُبُ فعل مضارع ہ ضمیر مفعول بہ،اَجَلَ مضاف ،ہ ضمیر مضاف الیہ،دونوں مل کر فاعل لَیُطْلَبُ ثانی کے لیے، یَطْلُبُ اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق لَیَطْلُبُ اول کے،لَیَطْلُبُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر،اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۹۷۔شیطان کا انسان میں قبضہ

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ .

++++++++++

مَجْرَی الدَّمِ	یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ	اِنَّ الشَّیْطَانَ
خون کے چلنے کی طرح	چلتا ہے انسان کے جسم میں	بے شک شیطان

[بخاری ومسلم]

تشریح: جب انسان کو غصہ آتا ہے تو شیطان اس پر پوری طرح قابض ہو جاتا ہے اور اس سے اپنی مرضی سے کام لیتا ہے۔

لغات: یَجْرِیْ جَرٰی(ض) جَرْیًا وَجِرْیَانًا، بمعنی چلنا،اسی سے مجری اسم ظرف بھی ہے بمعنی بہنے کی جگہ۔قَالَ تَعَالٰی وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبُحْرِ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ،اَلشَّیْطٰنَ اسم اِنَّ، یَجْرِیْ فعل مضارع ،هُوَ

ضمیر مستتر فاعل، مِنْ جار، اَلْاِنْسَانِ مجرور، دونوں مل کر متعلق فعل، مَجْرِیْ صیغہ ظرف مضاف، اَلدَّمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

((............***............))

۹۸۔ اس امت کا عظیم فتنہ مال ہے

اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ اُمَّتِیْ الْمَالُ .

++++++++++

اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ	فِتْنَةً	وَفِتْنَةُ اُمَّتِیْ	اَلْمَالُ
بے شک ہر امت کی	ایک آزمائش ہے	اور میری امت کی آزمائش	مال ہے

[ترمذی]

تشریح: کسی امت کی آزمائش اس کو حکومت دے کر کی جاتی ہے اور کسی سے چھین کر اور ہماری آزمائش مال سے ہے کہ ہم اسے صرف اپنے لیے ہی خرچ کرتے ہیں یا اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔

لغات: فِتْنَةٌ: آزمائش، امتحان۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ل جار، كُلِّ مضاف، اُمَّةٍ مضاف الیہ، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق كَائِنَةٌ مقدر کے، كَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هِیَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، فِتْنَةً اسم، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہا، واو عاطفہ، فِتْنَةُ مضاف، اُمَّةِ مضاف الیہ، مضاف یَ ضمیر مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف فِتْنَةُ کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، اَلْمَالُ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر معطوف ہوا۔ معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

۹۹۔جلد قبول ہونے والی دعاء

اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَةً دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ .

++++++++++

اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ	اِجَابَةً	دَعْوَةُ غَائِبٍ
بے شک سب سے تیز دعا	قبولیت کے لحاظ سے	غائب کی دعا ہے جو

لِغَائِبٍ
غائب کے لیے ہو [ترمذی]

تشریح: اللہ تعالیٰ دعا تو ضرور قبول کرتے ہیں مگر وہ دعا جلدی قبول ہوتی ہے جو کسی دوسرے کے لیے کی گئی ہو۔(اس کی عدم موجودگی میں) کیونکہ اس میں اخلاص اور ہمدردی ہے اور دوسروں کی خیر خواہی سے اللہ راضی ہوتے ہیں۔

لغات: اِجَابَةً: جواب دینا، کہا جاتا ہے، اَجَابَ الدُّعَاءِ دعاء قبول کی، جَابَ(ن) جَوْبًا. قَالَ تَعَالٰی اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَسْرَعَ مضاف، اَلدُّعَاءِ مضاف الیہ، دونوں مل کر ممیّز، اِجَابَةً تمیز، ممیّز تمیز مل کر اسم، دَعْوَةُ مضاف، غَائِبٍ موصوف، ل جار، غَائِبٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنٍ محذوف کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر مضاف الیہ، دَعْوَةُ کا، مضاف، مضاف الیہ مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۰۰۔گناہوں کے سبب رزق کی تنگی

اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ .

++++++++++

اِنَّ الرَّجُلَ	لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ	بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ

بے شک آدمی محروم کر دیا جاتا ہے روزی سے اس گناہ کی وجہ سے جس تک وہ پہنچتا ہے

[ابن ماجه]

تشریح: کثرتِ گناہ کرنے سے ترکِ گناہ کی توفیق نہیں ملتی جس کی وجہ سے اسے حلال روزی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔اسی وجہ سے استغفار کرنا روزی بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ [ریاض الصالحین]

لغات:اَلرِّزْقُ: بمعنی روزی،اس کی جمع اَرْزَاقٌ آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰی وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ۔

ترکیب:اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،اَلرَّجُلَ اِنَّ کا اسم،ل تاکید ،یُحْرَمُ فعل مضارع مجہول،ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل،اَلرِّزْقَ مفعول بہ،بَا جار،اَلذَّنْبِ ذوالحال،یُصِیْبُ فعل مضارع معروف،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،ہٗ مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال،حال ذوالحال مل کر مجرور،جار مجرور مل کر متعلق ہوئے یُحْرَمُ کے،یُحْرَمُ اپنے نائب فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر،اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۰۱۔لکھا ہوا رزق ہر حال میں ملے گا

اِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا .

++++++++++

اِنَّ نَفْسًا	لَّنْ تَمُوْتَ	حَتّٰی تَسْتَكْمِلَ
بے شک کوئی جاندار	ہرگز نہیں مرے گا	حتیٰ کے پورا کرلے

رِزْقَهَا
اپنی روزی کو [رواه فی شرح السنة]

تشریح: یعنی جس کی قسمت میں جتنا رزق لکھا ہے جب تک اسے وہ مل نہیں جاتا

وہ مر نہیں سکتا۔ اس لیے روزی کی طلب میں آخرت کو نہ بھولنا چاہیے۔

لغات: تَمُوْتَ: مردار، مَاتَ، یَمُوْتُ، مَوْتًا۔ بمعنی مرنا۔ قَالَ تَعَالٰی کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ تَسْتَکْمِلَ: پورا کرنا، کَمَلَ (ن. ك. س) کَمَالًا وَکُمُوْلًا، پورا ہونا اور کامل ہونا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، نَفْسًا اِنَّ کا اسم، لَنْ تَمُوْتَ فعل مضارع منفی مؤکد بلن، ھِیَ ضمیر مستتر فاعل، حَتّٰی جار، تَسْتَکْمِلَ فعل مضارع معروف، ھِیَ ضمیر مستتر فاعل، رِزْقَ مضاف، ھَا مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بواسطہ اَنْ مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل لَنْ تَمُوْتَ کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۱۰۲۔ صدقے کے دو عظیم فائدے

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِیءُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِیْتَةَ السُّوْءِ.

++++++++++

اِنَّ الصَّدَقَةَ	لَتُطْفِیءُ	غَضَبَ الرَّبِّ
بے شک صدقہ	البتہ ٹھنڈا کرتا ہے	پروردگار کے غصے کو

وَتَدْفَعُ مِیْتَةَ السُّوْءِ

اور دور کرتا ہے بُری موت کو [ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں صدقہ کے دو فائدے بتائے، جب انسان اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو اللہ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں اور جب کوئی انسان توبہ کے ساتھ صدقہ بھی کرتا ہے تو اللہ کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ اسے اچھی موت عطا فرماتے ہیں اور یہ بہت بڑا انعام ہے کہ مرتے وقت ایمانی حالت اچھی ہو جائے۔

لغات: لَتُطْفِیءُ اِطْفَاءَ النَّارِ آگ بجھانا، طفا(س) طَفُوءُ النَّارِ، آگ کا بجھنا۔
تَدْفَعُ (واحد مذکر حاضر) دُور کرنا

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلصَّدَقَةَ اِنَّ کا اسم، ل تاکید، تُطْفِیءُ فعل مضارع ھِیَ ضمیر مستتر فاعل، غَضَبَ مضاف، اَلرَّبِّ مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ تَرْفَعُ فعل، ھِیَ ضمیر مستتر فاعل، مَیْتَةَ مضاف، اَلسُّوْءِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف، معطوف علیہ مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۰۳۔ معیارِ فضیلت

اِنَّکَ لَسْتَ بِخَیْرٍ مِنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا اَنْ تَفْضُلَهٗ بِتَقْوٰی .

++++++++++

اِنَّکَ لَسْتَ	بِخَیْرٍ مِنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ
بے شک نہیں ہے تو	بہتر سرخ ہونے کی وجہ سے اور سیاہ ہونے کی وجہ سے
اِلَّا اَنْ تَفْضُلَهٗ	بِتَقْوٰی
مگر یہ کہ بڑھ جائے تو	پرہیزگاری میں [رواہ احمد]

تشریح: اللہ تعالیٰ کے ہاں حسب ونسب کی وجہ سے کسی بھی انسان کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ سب سے بڑی فضیلت کا معیار تقویٰ کو حاصل ہے، اسی کی وجہ سے اللہ کے ہاں بلند مقام ملتا ہے۔ یہ تقویٰ ہی سارے دین کی اساس ہے۔

اس حدیث پاک میں

احمر اور اسود سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی بھی رنگ ونسل سے تعلق رکھتا ہو، وہ اعمال ہی سے اللہ کا محبوب بنتا ہے۔

لغات:اَحْمَرَ: جس کا رنگ سرخ ہو،جمع اَحَامِرُ آتی ہے،مؤنث حَمْرَاءُ آتی ہے۔ اَسْوَدَ:(س) کالا ہونا ،مونث سَوْدَاءُ آتی ہے۔تَفْضُلَهٗ:فضل(س.ن) فَضْلًا،باقی رہنا،بہتر ہونا۔قَالَ تعَالٰی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ.بِتَقْوٰی:اللہ کا خوف اوراس کےفرمان کے مطابق عمل،پرہیزگاری۔فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،كَ ضمیر منصوب اسم،لَسْتَ فعل،اذا فعال ناقصہ ضمیر بارز اس کا اسم،ب جار،خَیْرٍ صیغہ اسم تفضیل،مِنْ جار،اَحْمَرَ معطوف الیہ،وَاؤ عاطفہ، لا زائدہ برائے تاکید،اَسْوَدَ معطوف،معطوف الیہ معطوف مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق خَیْرٍ اسم تفصیل کے،اسم تفضیل اپنے متعلق سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کَائِنًا محذوف کے،کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر،لَسْتَ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر مستثنیٰ منہ،اِلَّا حرف استثناء،ان تفضیل فعل مضارع معروف،اَنْتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل،ہٗ ضمیر مفعول بہ بَا جار،تَقْوٰی مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل کے،فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر مستثنیٰ،مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر خبر ہوئی اِنَّ کی،اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((..........❁❁❁..........))

۱۰۴۔اللہ دل کی کیفیت اور عمل دیکھتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ.

++++++++++

اِنَّ اللّٰهَ	لَا يَنْظُرُ	اِلٰى صُوَرِكُمْ اِلٰى صُوَرِكُمْ
بے شک اللہ	نہیں دیکھتا	تمہاری شکلوں کو
وَاَمْوَالِكُمْ	وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ	وَاَعْمَالِكُمْ

اور نہ تمہارے مالوں کو بلکہ وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور تمہارے کاموں کو

[مسلم]

تشریح: مقام ومرتبہ اور بخشش کے لیے اللہ ہماری شکل وصورت اور مال نہیں دیکھتے بلکہ وہ ہمارے دلوں کے خلوص اور نیک وصالح اعمال کو محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

لغات: صُوَرِ: جمع صُوْرَةٌ بمعنی شکلیں۔قُلُوْبِکُمْ: الٹ پلٹ کرنا، یہاں مراد دل ہے اس کی مفرد قلب آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰی فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اَللّٰهَ اِنَّ کا اسم، لَا یَنْظُرُ فعل مضارع منفی، اِلٰی جار، صُوَرِ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَمْوَالِ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا، وَاؤ زائدہ، لٰکِنْ استدراکیہ، یَنْظُرُ فعل مضارع، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلٰی جار، قُلُوْبِ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، اَعْمَالِ مضاف، کُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور ہوئے جار کے، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ استدراکیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۰۵۔خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے۔

اِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰی اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ.

++++++++++

اِنَّ	مِنَ الْمَعْرُوْفِ	اَنْ تَلْقٰی
بے شک	نیکی سے ہے	یہ کہ ملے تو
اَخَاكَ	بِوَجْهٍ طَلْقٍ	

اپنے بھائی سے	کھلے چہرے کے ساتھ	[احمد و ترمذی]

تشریح: اپنے بھائی سے خوش اخلاقی سے ملنا بھی ایک نیکی ہے۔ اس لیے خندہ پیشانی اور دل کی صفائی کے ساتھ ملنا چاہیے۔

لغات: طَلْقٍ وَطَلَقٍ طلق، بتثلیث الطاء، بمعنی کشادہ، خوش خرم، طَلُقَ (ک) ہنس مکھ ہونا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مِنْ جار، اَلْمَعْرُوْفِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنٌ کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، اَنْ ناصبہ مصدریہ، تَلْقٰی فعل مضارع، انت ضمیر فاعل، اخا مضاف، ك مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ دونوں مل کر مفعول بہ، با جار، وجہ موصوف، طلق صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر اسم، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۰۶۔ اللہ کا پسندیدہ انسان

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰہِ مَنْ بَدَاَ بِالسَّلَامِ

++++++++++

اِنَّ	اَوْلٰی
بے شک	سب سے پسندیدہ
النَّاسِ	بِاللّٰہِ
لوگوں میں	اللہ کو وہ ہے
مَنْ	بَدَاَ
جو	پہل کرے
بِالسَّلَامِ	

سلام کرنے میں (ترمذی)

تشریح: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو سلام کرنا یہ اللہ کا پسندیدہ عمل ہے۔ پہلے سلام کرنے سے تکبر ختم ہوتا ہے۔اور عاجزی کی دولت ملتی ہے۔

لغات:اَوْلٰی:زیادہ حق دار،زیادہ قریب۔قَالَ تَعَالٰی اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔

ترکیب:اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،اَوْلٰی صیغہ اسم تفضیل مضاف، النّاس مضاف الیہ، بَا جار،لفظ اللّٰہ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق ہوئے اسم تفضیل کے،اسم تفضیل اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر انّ کا اسم،مَنْ موصولہ بَدَأَ فعل ماضی،ھو ضمیر مستتر فاعل، با جار،اسلام مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ،موصول صلہ مل کر خبر ہوئی ۔اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۰۷۔سود سے مال کم ہوتا ہے

اِنَّ الرِّبٰوا وَاِنْ کَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تُصِیْرُ اِلٰی قَلٍّ .

++++++++++

اِنَّ	الرِّبٰوا	وَاِنْ
بے شک	سُود	اگرچہ
کَثُرَ	فَاِنَّ	عَاقِبَتَهٗ
زیادہ ہو	پس بے شک	اس کا انجام
تُصِیْرُ	اِلٰی قَلٍّ	
ہوگا	کمی کی طرف	[رواہ ابن ماجہ]

تشریح: بے شک سُود کا گناہ اس کے ظاہری اور فانی فائدے سے زیادہ ہے، اللہ صدقات کی وجہ سے مال کو بڑھاتا ہے اور سود کی وجہ سے مال کم کردیتا ہے۔سود

دیکھنے میں زیادہ معلوم ہوتا ہے لیکن انجام کے لحاظ سے وہ مال کم ہو جاتا ہے۔اس کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔

① مصائب کا آنا ② مال سے برکت کا اٹھنا

③ چند اشخاص کے پاس مال کا جمع ہونا اور پورے معاشرے کا پریشان ہونا۔

لغات:اَلرِّبٰو:زیادتی ،سود،رِبَا یَرْبُوْ،رباء،وربوا،مال زیادہ ہونا۔قَالَ تَعَالٰی لَا تَاْكُلُوْا الرِّبٰو. قَلٌّ: (ض) قلا،قلا،قلة،کم ہونا۔عَاقِبَۃٌ:ہر چیز کا آخر،جمع عَوَاقِبُ، عَقَبَ (ن۔ض)ایڑی مارنا،پیچھے آنا۔

ترکیب:اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل،اَلرِّبٰوا اِنَّ کا اسم،قَلِیْلٌ محذوف اس کی خبر،اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا،وَاؤ مبالغہ،اِنْ وصلیہ شرطیہ،کَثُرَ فعل،هُوَ ضمیر مستتر فاعل،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط۔اس کی جزا فَهُوَ قَلِیْلٌ محذوف ہے،شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا،فَا، تعلیلیہ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،عاقبت مضاف،ۃٗ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر اِنَّ کا اسم،تُصِیْرُ فعل مضارع،هِیَ ضمیر مستتر فاعل،اِلٰی جار،قُلٍّ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معللہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۰۸۔غصہ ایمان کو خراب کر دیتا ہے

اِنَّ الْغَضَبَ لَیُفْسِدُ الْاِیْمَانَ كَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسْلَ .

++++++++++

اِنَّ	الْغَضَبَ	لَیُفْسِدُ
بے شک	غصہ	البتہ خراب کرتا ہے
الْاِیْمَانَ	كَمَا	یُفْسِدُ

ایمان کو	جیسا کہ	خراب کرتا ہے
الصَّبِرُ	الْعَسْلَ	
ایلوا	شہد کو	[بیھقی]

تشریح: غصہ شیطان کی طرف سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصے پر قابو پانا درگذر ہے اور اس سے ہمارے ایمان کو تقویت ملتی ہے۔ جب انسان کو غصہ آتا ہے تو وہ گالی دیتا ہے۔ حد سے بڑھ جاتا ہے۔ رشتہ داری کی پرواہ نہیں کرتا ہے جس سے اس کا ایمان اسی طرح خراب ہو جاتا ہے جیسے ایلوا شہد کو کڑوا کر دیتا ہے۔

لغات: اَلصَّبِرُ: بمعنی ایلوا جمع صبور آتی ہے۔ اَلْعَسْلَ: بمعنی شہد جمع اَعْسَالٌ، عسل عُسُوْل، عَسْلَان آتی ہے، عَسَلَ (ن.ض) عَسْلًا. قَالَ تعَالٰی وَاَنْهٰارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْغَضَبَ اِنَّ کا اسم، ل تاکید، یُفْسِدُ فعل، هو ضمیر فاعل، اَلْاِیْمَانَ مفعول بہ، ك جار، ما مصدریہ، یُفْسِدُ فعل مضارع، اَلصَّبِرُ اس کا فاعل، اَلْعَسْلَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے یُفْسِدُ کے، یُفْسِدُ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ کی، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۰۹۔ سچ جنت کی طرف لے جاتا ہے

اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَهْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ .

++++++++++

اِنَّ	الصِّدْقَ	بِرٌّ
بے شک	سچ بولنا	نیکی ہے
وَاِنَّ	الْبِرَّ	یَهْدِیْ

اور بے شک | نیکی | لے جاتی ہے

اِلَی الْجَنَّۃِ

جنت کی طرف [مسلم]

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ''جب آدمی سچا ہوتا ہے تو نیکی کرتا ہے اور جب نیکی کرتا ہے تو اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے، جب اسے ایمان نصیب ہوتا ہے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرماتے ہیں۔''

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلصِّدْقَ اِنَّ کا اسم، بِرٌّ خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْبِرَّ اِنَّ کا اسم، یَھْدِی فعل مضارع معروف، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلٰی حرف جار، اَلْجَنَّۃِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا۔ معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۱۱۰۔ جھوٹ جہنم کا راستہ دکھاتا ہے

وَاِنَّ الْکِذْبَ فُجُوْرٌ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلَی النَّارِ .

++++++++++

وَاِنَّ | الْکِذْبَ | فُجُوْرٌ

اور بے شک | جھوٹ بولنا | گناہ ہے

وَاِنَّ | الْفُجُوْرَ | یَھْدِیْ

اور بے شک | گناہ | لے جاتا ہے

اِلَی النَّارِ

جہنم کی طرف [مسلم]

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی جھوٹ

بولتا ہے تو گناہ کرتا ہے جس سے اس کے ایمان میں کمی آتی ہے اور جہنم اس کا مقدر ہوتی ہے۔اسی طرح اس حدیث میں بھی جھوٹ بولنے کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔

لغات: فُجُوْرَ: بمعنی جھوٹ بولنا، فَجَرَ(ن) فَجْرًا جھوٹ بولنا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْکِذْبَ اِنَّ کا اسم، فُجُوْرٌ خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہا، وَاؤ عاطفہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْفُجُوْرَ اِنَّ کا اسم، یَھْدِیْ فعل مضارع معروف، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلٰی حرف جار، اَلنَّارِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جملہ معطوفہ ہوا۔(الخ)

((............✿✿✿............))

۱۱۱۔سات بڑے گناہ

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّھَاتِ وَ وَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعَ وَھَاتِ وَکَرِہَ لَکُمْ قِیْلَ وَقَالَ وَکَثْرَۃَ السُّؤَالِ وَاِضَاعَۃَ الْمَالِ ۔

++++++++++

اِنَّ	اللّٰہَ	حَرَّمَ
بے شک	اللہ نے	حرام کیا ہے
عَلَیْکُمْ	عُقُوْقَ الْاُمَّھَاتِ	وَ وَأْدَ الْبَنَاتِ
تم پر	ماؤں کی نافرمانی کرنا	اور لڑکیوں کو زندہ قبر میں ڈالنا
وَمَنْعَ	وَھَاتِ	وَکَرِہَ
اور روک کے رکھنا	اور مانگنا	اور ناپسند کیا ہے
لَکُمْ	قِیْلَ وَقَالَ	وَکَثْرَۃَ السُّؤَالِ
تمہارے لیے	ٹال مٹول کرنا	اور زیادہ سوال کرنا
وَاِضَاعَۃَ الْمَالِ		

اور مال کو ضائع کرنا [بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیثِ مبارکہ میں چند کبیرہ گناہ گنوائے گئے ہیں۔

① ماں کی نافرمانی کرنا گناہ ہے ماں کے ہم پر بہت سے احسانات ہیں کیونکہ ماں نرم دل ہوتی ہے اور اولاد نافرمان ہوتو غم بھی زیادہ کرتی ہے۔قرآن کریم میں والدہ کے احسانات خاص طور پر مذکور ہیں۔

② اسلام سے پہلے عرب والے بیٹیوں کو زندہ قبر میں ڈالتے تھے اس کے وجود کو وہ اپنی توہین کا ذریعہ سمجھتے تھے کہ داماد ہمارے گھر آئے اور ہماری بیٹی اس کے گھر جائے ،لیکن ماں ، بیٹی ،بہن اور بیوی کی حیثیت سے اسلام نے عورت کو معاشرے میں بلند مقام عطا کیا ہے۔

③ یہ گناہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے اپنے آپ کو روک کے رکھے بلکہ جتنا خرچ کرسکتا ہو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔

④ اور مانگنے سے بھی منع کیا ہے۔معروف حدیث ہے کہ:''اوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے۔''یعنی ہماری اتنی آمدنی ضرور ہونی چاہیے کہ کسی سے مانگنا نہ پڑے، نہ ہو سکے تو صبر کا دامن نہ چھوڑیں۔

⑤ اللہ نے ٹال مٹول کرنے والے کو ناپسند فرمایا ہے یعنی اگر ہم کوئی کام کرنے کا عدہ کریں یا مقروض ہوں اور قرض کا وقت آجائے ، جلد ہی بروقت ادا کردیں اس بں ٹال مٹول نہیں کرنا چاہیے۔

⑥ زیادہ سوالات کرنے سے بھی روکا گیا ہے کیونکہ جب کوئی کسی کو لاجواب کرنے کے لیے سوال کرتا ہے تو وہ اللہ کے احکامات سے دور ہو جاتا ہے۔

⑦ مال کو فضول خرچی کے ذریعہ ضائع نہیں کرنا چاہیے دنیا کی عیش وعشرت کے لیے مال ضائع کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔یہ اللہ کی نعمت ہے اسے ضائع ہونے سے بچا لر دنیا اور آخرت کے فوائد حاصل کرنے چاہئیں۔

لغات: عُقُوْق بعق(ن) عُقُوْقًا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ اَلْاُمَّھَاتِ: جمع الاُمّ ہے بمعنی مائیں۔ قَالَ تَعَالٰی حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھَاتُکُمْ. وَأْدٌ واد(ض) وَاْدًا، زندہ درگور کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاِذَ الْمَوْءُ دَةُ سُئِلَتْ. مَنْعَ(س) مَنْعًا محروم کرنا، روکنا۔ وَھَاتِ: اسم فعل بمعنی اِعْطِ بمعنی لاؤ۔ قَالَ تَعَالٰی قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ۔ اِضَاعَةَ: ضائع کرنا، ضَاعَ(ض) ضَیْعًا بمعنی تلف ہونا۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اَللّٰہَ اسم، حَرَّمَ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، عَلٰی جار، کُمْ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، عُقُوْقُ مضاف، الامھات مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، وَاد مضاف، البنات مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف اول، وَاؤ عاطفہ، مَنْعَ مصدر مضاف، اس کا مضاف الیہ محذوف ما علیکم اعطاء ہ، ما موصولہ، علی جار، کُمْ مجرور، دونوں مل کر متعلق ہوئے واجبٌ محذوف کے، واجب صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، اعطاء مصدر مضاف، ہٗ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا مؤخر، خبر مقدم مبتدا مؤخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہوا منع کا، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی، واو عاطفہ، ھَاتَ مضاف الیہ، قول محذوف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثالث، معطوف الیہ اپنے تینوں معطوفوں سے مل کر مفعول بہ ہوا حَرَّمَ کا، حرّم فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واو عاطفہ، کرہٗ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، لَکُمْ جار مجرور، متعلق فعل قیل، بتاویل لفظ مضاف الیہ ہوا، قول محذوف کا، دونوں مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ قال بترکیب سابق معطوف اول واوَ عاطفہ کَثْرَةَ السُّؤَالِ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی، واوَ عاطفہ اِضَاعَةَ الْمَالِ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثالث، معطوف علیہ اپنے معطوفات سے مل کر مفعول بہ ہوا کرہٗ فعل کا، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ

معطوف مل کر اِنَّ کی خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............ ۞۞۞ ....))

۱۱۲۔ اللہ کے ہاں ایک پسندیدہ عمل

اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ

++++++++++

اِنَّ	اَحَبَّ الْاَعْمَالِ	اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی
بے شک	اعمال میں سب سے زیادہ پسندیدہ	اللہ کو
اَلْحُبُّ	فِی اللّٰہِ	وَالْبُغْضُ
محبت کرنا	اللہ کے لیے	اور دشمنی رکھنا
فِی اللّٰہِ		
اللہ کے لیے		

[احمد وابو داؤد:

تشریح: اللہ کو تمام اعمال میں زیادہ پسند یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی محبت کرے تو اللہ کے لیے اور دشمنی رکھے تو وہ بھی اللہ کے لیے کافروں سے دشمنی صرف اللہ کے لئے ہے۔

لغات: اَلْاَعْمَالِ: عمل کی جمع ہے۔ بمعنی کام۔ قَالَ تَعَالٰی لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَحَبَّ اسم تفضیل مضاف، الاعمال مضاف الیہ، الٰی جار، لفظ اللّٰہ ذوالحال، تعالٰی فعل ماضی مثبت بتقدیر قَدْ ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اَحَبَّ کے، اَحَبَّ صیغہ اسم تفضیل اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر ان کا اسم، اَلْحُبُّ مصدر ذوالحال، فِی جار، لفظ اللّٰہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق

سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر معطوف علیہ، وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ بترکیب سابق معطوف، معطوف الیہ معطوف مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۱۳۔عالم، طالب علم اور ذکرِ الٰہی

اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ مَلْعُوْنٌ مَافِیْھَا اِلَّا ذِکْرَ اللّٰہِ وَمَا وَالَاہُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ .

++++++++++

اَلَا	اِنَّ	الدُّنْیَا
آگاہ رہو	بے شک	دنیا
مَلْعُوْنَۃٌ	مَلْعُوْنٌ	مَافِیْھَا
رحمت سے دور ہے	رحمت سے دور ہے	جو اس میں ہے
اِلَّا	ذِکْرَ اللّٰہِ	وَمَا
مگر	اللہ کی یاد	اور جو
وَالَاہُ	وَعَالِمٌ	اَوْ
اس سے قریب ہو	اور علم والا	یا
مُتَعَلِّمٌ		
علم حاصل کرنے والا		[ترمذی]

تشریح: جب کوئی شخص دنیا ہی میں مصروف رہے تو وہ اللہ کی رحمت سے دور رہتا ہے اور جو اللہ کو یاد رکھے ان پر اللہ کی خاص رحمت ہوتی ہے۔ عالم اور طالب علم ان اشخاص میں سے ہیں کہ تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے ان پر رحمت خداوندی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔

لغات: مَلْعُوْنَةٌ: اسم مفعول، لعن (ف) لعنا، لعنت کرنا، رسوا کرنا، گالی دینا، خیر سے دور کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی مَلْعُوْنِیْنَ۔ وَاِلَاهُ، والی، ولاء و مولاة بمعنی آپس میں دوستی کرنا، مدد کرنا۔

ترکیب: اَلَا حرف تنبیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلدُّنْیَا اِنَّ کا اسم، مَلْعُوْنَةٌ صیغہ اسم مفعول ھِیَ ضمیر مستتر نائب فاعل، اسم مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر اول، ملعون صیغہ اسم مفعول، ما موصولہ، فی جار، ھا مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثبت فعل محذوف کے، ثبت فعل، ھو ضمیر مستتر اس کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر نائب فاعل ہوا مَلْعُوْنٌ کا، مَلْعُوْنٌ صیغہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مستثنیٰ منہ، اِلَّا حرف استثناء، ذکر مضاف، لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، ما موصولہ وَالٰی فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر معطوف اول، واؤ عاطفہ عَالِمٌ معطوف ثانی، اَوْ عاطفہ، متعلم معطوف ثالث، معطوف الیہ اپنے تینوں معطوفوں سے مل کر مستثنیٰ مفرغ، مستثنیٰ منہ مستثنیٰ مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۱۱۴۔ سات قسم کے صدقاتِ جاریہ

اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَّالِهٖ فِيْ صِحَّتِهٖ وَحَيٰوتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ .

++++++++++

اِنَّ	مِمَّا	يَلْحَقُ
بے شک	جو	ملے گا
الْمُؤْمِنَ	مِنْ عَمَلِهٖ	وَحَسَنَاتِهٖ
مومن کو	اس کے کاموں سے	اور اس کی نیکیوں میں سے
بَعْدَ مَوْتِهٖ	عِلْمًا	عَلَّمَهٗ
اس کے مرنے کے بعد	وہ علم (دین) ہے	جو اس نے سیکھا
وَنَشَرَهٗ	وَوَلَدًا صَالِحًا	تَرَكَهٗ
اور اس نے آگے پھیلایا	اور نیک اولاد ہے	جس کو اس نے چھوڑا
اَوْ	مُصْحَفًا	وَرَّثَهٗ
یا	قرآن ہے	جو وارثوں کے لیے چھوڑا
اَوْ	مَسْجِدًا	بَنَاهُ
یا	مسجد ہے	جو اس نے بنائی
اَوْ بَيْتًا	لِابْنِ السَّبِيْلِ	بَنَاهُ
یا گھر ہے	جو اس نے مسافروں کے لیے	بنایا
اَوْ نَهْرًا	اَجْرَاهُ	اَوْ
یا کوئی نہر ہے	جو جاری کی	یا
صَدَقَةً	اَخْرَجَهَا	مِنْ مَّالِهٖ
صدقہ ہے	جو اس نے نکالا	اپنے مال میں سے
فِیْ صِحَّتِهٖ	وَحَيٰوتِهٖ	تَلْحَقُهٗ
اپنی تندرستی	اور زندگی کی حالت میں	ملے گا اسے
مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ		
اس کے مرنے کے بعد		

[ابن ماجه]

تشریح: اس حدیث پاک میں ایسی سات چیزوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جو

مرنے کے بعد درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتی ہیں۔اس حدیث کا ہر ہر لفظ دعوت دے رہا ہے یہ مذکورہ صدقاتِ جاریہ کے کام ہمیں زیادہ سے زیادہ کرنے چاہیے۔تاکہ مرنے کے بعد محرومی نہ رہے۔اور ہمیں کسی کے ثواب کے پہنچانے کا انتظار کرنا پڑے۔

لغات:یَلْحَقُ لحق(س) لحقا ولحاقا،ملنا،لاحق ہونا،حَسَنَاتِہٖ:واحد حسنۃ ضد سیئۃ،نَشَرَہٗ: نشر (ض.ن) نشرًا،کھولنا،پھیلانا،مُصْحَفًا:بمعنی قرآن مجید،جمع مصاحف ہے،وَرَّثَہٗ، توریثا،وارث بنانا،ورث(ح)ورثا،وارث ہونا۔بَنَاہٗ، بناء وبنیانا،تعمیر کرنا،مکان بنانا۔قَالَ تَعَالٰی وَالسَّمَاءَ وَمَا بَنٰھَا.نَھْرًا:بمعنی ندی،نہر جمع انہار،انہر،نہر،نہور آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰی تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ۔

ترکیب:اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،مِنْ جار،مَاموصولہ،یَلْحَقُ فعل مضارع،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،اَلْمُؤْمِنَ مفعول بہ،مِنْ جار،عمل مضاف،ہٗ مضاف الیہ،دونوں مل کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ،حسنات مضاف،ہٗ مضاف الیہ،دونوں مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہوئے یَلْحَقُ کے،بعد مضاف، موت مضاف الیہ مضاف،ہٗ مضاف الیہ،مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا بَعْدَ کا،بَعْدَ اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ،فعل یَلْحَقُ اپنے فاعل(ھو)مفعول بہ(المؤمن)متعلق(من عملہ وحسانتہ)اور مفعول فیہ (بعد موتہ) سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ،موصول(ما)صلہ مل کر مجرور،جار مجرور مل کر متعلق ہوا کَائِنٌ محذوف کے،کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل(ھُوَ ضمیر مستتر)اور متعلق سے مل کر خبر مقدم،علمًا موصوف،علم فعل،ھو ضمیر مستتر فاعل،ہٗ ضمیر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہا،واؤ عاطفہ نَشَرَ فعل،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،ہٗ مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوفہ،دونوں جملے مل کر صفت ہوئی علمًا موصوف کی،موصوف صفت مل کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ ولدًا موصوف،صالحًا صفت اول،تَرَکَ فعل ھو ضمیر مستتر راجع بسوئے مومن اس کا فاعل،ہٗ ضمیر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ

سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ثانی ،موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر معطوف اول ،اَوْ عاطفہ، مصحفًا موصوف ،وَرَّثَ فعل ،ھو ضمیر مستتر فاعل ،ہٗ مفعول بہ ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف ثانی ،او عاطفہ، مسجدا موصوف ،بنا فعل ،ھو ضمیر مستتر فاعل ،ہ مفعول بہ ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف ثالث ،او عاطفہ، بیتا موصوف ،ل جار ،ابن مضاف ،السبیل مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ، جار مجرور مل کر متعلق مقدم بنا فعل ،ھو ضمیر فاعل ہ مفعول بہ ،فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف رابع ،او عاطفہ ،نَهْرًا موصوف ،اَجْرَ ا فعل ،ھو ضمیر مستتر فاعل ،ہ مفعول بہ ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف خامس ،او عاطفہ، صدقته موصوف ،اخرج فعل ،ھو ضمیر مستتر فاعل ،ھا مفعول بہ ، مِنْ جار ،مال مضاف ،ہ مضاف الیہ ،دونوں مل کر مجرور ، جار مجرور مل کر متعلق اول فعل ،فی جار، صحت مضاف ،ہ مضاف الیہ دونوں مل کر معطوف علیہ ،واو عاطفہ، حیوۃ مضاف ،ہ مضاف الیہ ،دونوں مل کر معطوف ، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور ، جار مجرور مل کر اخرج کا متعلق ثانی ،فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ،موصوف صفت مل کر معطوف سادس ،معطوف علیہ اپنے تمام معطوفوں سے مل کر اِنَّ کا اسم موخر ،اِنَّ اپنی خبر مقدم اور اسم موخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔ تلحق فعل مضارع معروف ، ھی ضمیر مستتر راجع بسوئے اعمال مذکورہ فاعل ،ہ ضمیر مفعول بہ ،من جار ، بعد مضاف ، مَوْتَ مضاف الیہ مضاف ،ہ مضاف الیہ ،مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا بعد کا ،بعد اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور ، جار مجرور مل کر متعلق فعل ،فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ مستانفہ ہوا۔

۱۱۵۔اللہ جس سے چاہیں اپنے دین کا کام لے لیں

إِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ .

++++++++++

إِنَّ	اللّٰهَ	لَيُؤَيِّدُ
بے شک	اللہ	ضرور قوت دے گا
هٰذَا الدِّيْنَ	بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ	
اس دین کو	گنہگار آدمی کے ذریعے سے	[بخاری]

تشریح: اپنے دین اور شعائر اسلام کی حفاظت اللہ جس سے مرضی کروا سکتے ہیں۔ (وہ جو چاہیں تو پرندوں کے ذریعے اپنے گھر کی حفاظت کروائیں) اسی طرح بعض اوقات بے دین لوگوں سے بھی اللہ اپنے دین کی سربلندی کے لیے کام کرواتے ہیں۔اس لیے مبلغین اور معلمین کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ

❶ میرا شمار بے دین لوگوں میں تو نہیں۔

❷ اللہ کے دین کی حفاظت میری تعلیم وتبلیغ کی محتاج نہیں ہے۔

لغات: لَيُؤَيِّدُ: ایدہ، تائیدا، قوی کرنا، ثابت کرنا۔

ترکیب: إِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اللّٰه إِنَّ کا اسم، ل تاکید یؤیّدُ فعل مضارع معروف، ھو ضمیر مستتر فاعل، ھذا اسم اشارہ، الدّیْن مشارٌ الیہ، اسم اشارہ مشارٌ الیہ مل کر مفعول بہ، با جار، الرّجل موصوف، الْفَاجِرَ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، إِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۱۶۔مساجد پر فخر قیامت کی نشانی ہے

اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ .

++++++++++

اِنَّ	مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ	اَنْ
بے شک	قیامت کے دن کی نشانیوں میں سے ہے	یہ کہ
يَّتَبَاهَى	النَّاسُ	فِي الْمَسَاجِدِ
فخر کریں گے	لوگ	مسجدوں کے بارے میں

[ابو داؤد]

تشریح: اس حدیث پاک میں مساجد پر فخر کو قیامت کی نشانی بتایا گیا ہے۔یعنی لوگ اپنی نماز و دیگر عبادات کی درستگی کی طرف نظر نہیں کریں گے۔ بلکہ مساجد کی زیب و زینت کی طرف توجہ ہوگی اور دوسری مسجدوں کو گھٹیا سمجھیں گے۔مسجد نبویؐ حضرت عمرؓ کے دور تک بالکل سادہ رہی اور سادگی ہی مسجدوں میں مقصود ہے۔

لغات: اَشْرَاطِ: جمع شرط کی،علامت، ہر چیز کا اول،اَلسَّاعَةِ: کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے،مثلاً وقت، گھڑی، گھنٹہ مراد یہاں قیامت ہے۔قَالَ تَعَالٰى اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔جمع ساعات آتی ہے۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مِنْ جار، اَشْرَاطِ مضاف، السَّاعَةِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے كَائِنٌ محذوف کے، كَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، ان ناصبہ مصدریہ، يَتَبَاهى فعل مضارع معروف، اَلنَّاسُ فاعل، فی جار، المَسَاجِدُ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مصدر ہو کر انّ کا اسم موخر، اِنَّ اپنی خبر مقدم اور اسم مؤخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

اِنَّمَا . (صرف)

یہاں سے وہ احادیث طیبہ شروع ہیں جن کے شروع میں اِنَّ کے بعد ما (کافہ) ہے اس کے معنی ہیں، صرف یا سوائے اس کے نہیں۔
اس صورت میں اِنَّ مبتدا اور خبر میں کوئی عمل نہ کر سکے گا۔ اس وقت اِنَّمَا جملہ پر بھی داخل ہوسکتا ہے۔ جیسے اِنَّمَا یَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوْهُ۔
یعنی فضیلت والے ہی پہچانتے ہیں جیسا کہ فارسی میں کہتے ہیں۔
قدر زر زرگر بداند قدر گوہر گوہری
فائدہ: اِنَّمَا. اِنَّ کے آخر میں ما کافہ لاحق ہے۔ کَافّہ، کَفٌّ سے مشتق ہے اور کَفٌّ کا معنی روکنا ہے اور جس وقت یہ ما اِنَّ کے آخر میں ہوتا ہے، اس کو عمل سے روک دیتا ہے۔ (دوسرے الفاظ سے یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس وقت یہ مُلْغٰی عَنِ الْعَمَل ہوتا ہے)

۱۱۷۔جہالت کا علاج

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعَیِّ السُّؤَالُ .

++++++++++

السُّؤَالُ	شِفَاءُالْعَیِّ	اِنَّمَا
پوچھنا ہے [رواہ ابو داؤد]	نادان کی تسلی	سوائے اس کے نہیں کہ

تشریح: جو دین کی بات آدمی کو سمجھ نہ آئے یا کسی مسئلہ کی تحقیق مقصود ہو تو اسے اپنی تسلی کے لیے اہل علم سے پوچھ لینا چاہیے گویا نادانی بیماری ہے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے سوال کر لینا اس کی دواء ہے۔

لغات:شِفَاءُ:صحت یابی،شَفَا(ض) شِفَاءً صحت دینا۔قَالَ تَعَالٰی فِیْهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ.
اَلْعَیِّ: گفتگو میں عاجز تھکنے والا،اس کی جمع اَعْیَاء آتی ہے،عَیِیَ(س) عَیًا۔

ترکیب:اِنَّمَا اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،ما کافہ عن العمل شفاء مضاف، العی مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، السؤال خبر،مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۱۸۔اعمال کا انجام بخیر ہونا چاہیے!

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ .

++++++++++

بِالْخَوَاتِیْمِ	الْاَعْمَالُ	اِنَّمَا
انجاموں کے ساتھ ہے [بخاری ومسلم]	اعمال کا دارومدار	بے شک

تشریح: اس ارشادِ مبارک کے دو مفہوم ہیں۔

❶ ہم دنیا میں جیسے کام کریں گے ہمیں آخرت میں اس کا ویسا ہی صلہ ملے گا۔ اس لیے خاتمہ زندگی تک نیک اعمال کرنے چاہئیں۔

❷ کوئی فرض عمل یعنی نماز، روزہ، حج، وغیرہ شروع کر دیا جائے تو آخر تک اس کی حدود و قیود کا خیال کر کے اس عمل کو پورا کرنا چاہیے۔ درمیان میں چھوڑ دینے سے تھوڑے عمل کا ثواب بھی نہ ملے گا۔ کیونکہ اعمال خاتمہ تک ٹھیک ہونے چاہییں۔ آخری لمحات تک نیک کام کی خواہش رکھنی چاہیے۔

لغات: خَوَاتِيْم: جمع، خاتمہ کی بمعنی انجام، نتیجہ، خَتَمَ (ض) خَتْمًا، ختم کرنا، مہر لگانا۔ قَالَ تَعَالٰی خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مَا کافہ عَنِ العمل، الاعمال مبتدا، با جارہ، اَلْخَوَاتِيْمِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق معبرۃ محذوف کے، معبرۃ صیغہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل (ہی ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۱۹۔ قبر جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا

اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ .

++++++++++

اِنَّمَا الْقَبْرُ	رَوْضَةٌ	مِنْ رِيَاضِ
قبر صرف	ایک باغیچہ ہے	باغوں میں سے
الْجَنَّةِ	اَوْ حُفْرَةٌ	مِّنْ حُفَرِ
جنت کے	یا ایک گڑھا ہے	گڑھوں میں سے
النَّارِ		
جہنم کے		

[ترمذی]

تشریح: اگر انسان دنیا میں نیک کام کرے گا تو اسے مرنے کے بعد قبر میں آرام رہے گا یعنی اس کے لیے قبر کشادہ ہو جائے گی اور وہاں اتنی راحت ملے گی، گویا وہ

جنت کا باغ ہے۔ جو انسان دنیا میں بُرے کام اور گناہ کرے گا تو مرنے کے بعد اس پر قبر تنگ ہو جائے گی اور وہاں اتنی تکلیفیں آئیں گی کہ، گویا قبر جہنم کا گڑھا ہے۔

لغات: اَلْقَبْرُ: جمع قُبُوْرٌ آتی ہے، جس جگہ آدمی کو دفن کیا جائے، قَبَرَ (ن. ض) قَبْرًا. قَالَ تَعَالٰی حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرُ. رَوْضَةٌ: بمعنی باغ جمع رَوْضٌ، رِيَاضٌ، رَوْضَاتٌ آتی ہے۔ حُفْرَةٌ: بمعنی گڑھا جمع حُفَرٌ۔

ترکیب: اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ما کافه عن العمل، القبر مبتدا، روضته موصوف، مِنْ جار، ریاض مضاف، الجَنَّة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کائنة محذوف کے، کائنَةٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھی ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر معطوف علیہ، او حرف عاطفہ، حفرةٌ موصوف، مِنْ جار، حفر مضاف، النّار مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کائنةٌ کے، کائنةٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھی ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

الجُملةُ الفعلية

جملہ فعلیہ

ملاحظہ: یہاں سے وہ احادیثِ طیبہ شروع ہیں جن کے شروع میں فعل ہے۔
ترکیب مکمل ہوکر یہ احادیث جملہ فعلیہ ہوں گی۔
اسی سلسلہ میں آگے فعل مجہول سے شروع ہونے والی احادیث بھی آئیں گی۔ان جملوں میں فاعل مرفوع اور مفعول منصوب ہوگا۔

فائدہ: فعل کی دو قسمیں ہیں۔ا۔فعل معروف اور فعل مجہول،فعل معروف کے بعد جو اسم مرفوع ہوتا ہے اس کو فاعل کہتے ہیں جیسے: کَتَبَ سَعِیْدٌ
اور فعل مجہول کے بعد جو اسم مرفوع ہوتا ہو تو اس کو مفعول مالم یُسَمّٰی فاعلہ یا نائب فاعل کہتے ہیں جیسے: ضُرِبَ سَعِیْدٌ۔

۱۱۹۔ فقر و فاقہ کفر تک لے جا سکتا ہے

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا .

++++++++++

كَادَ	الْفَقْرُ	اَنْ
قریب ہے	تنگدستی	یہ کہ
يَّكُوْنَ	كُفْرًا	
ہو جائے	کفر	[بیہقی]

تشریح: اس ارشاد گرامی سے سبق ملتا ہے کہ ہمیں رزق حلال کی کوشش کرنی چاہیے اور اللہ سے یہ دعا بھی مانگنی چاہیے کہ اے اللہ! ''ہمیں تنگدستی یعنی مفلسی سے محفوظ رکھنا'' کیونکہ مفلسی کی وجہ سے ایمانی کمزوری کے بسبب انسان کفر اور بہت سے برے کام کرتا ہے۔اسی لیے مال کا ہونا بھی ایمان کے لیے تقویت کا ذریعہ ہے۔بشرطیکہ دل میں اس کی محبت نہ آئے۔

لغات: كَادَ: یہ افعال مقاربہ میں سے ہے یہ مثل کان فعل ناقص کے عمل کرتے ہیں مگر اس کی خبر فعل مضارع ہوتی ہے۔قَالَ تَعَالٰى وَمَا كَادُوْ يَفْعَلُوْنَ. اَلْفَقْرُ: محتاجی، مفلسی، فَقُرَ (ك) فَقَارَةً، محتاج ہونا،اس کی جمع فُقَرَاءُ آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰى اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ۔

ترکیب: كَادَ فعل از افعال مقاربہ، اَلْفَقْرُ كَادَ کا اسم، اَنْ ناصبہ مصدریہ، یکون فعل ناقص، ہو ضمیر مستتر اس کا اسم، کفرًا خبر، يَكُوْنَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر خبر كَادَ کی، كَادَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۲۰۔ ہر انسان کا آخری اعمال کے مطابق معاملہ ہوگا

يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَامَاتَ عَلَيْهِ .

++++++++++

يُبْعَثُ	كُلُّ	عَبْدٍ
(قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا	ہر	آدمی (اسی دین)
عَلٰى	مَامَاتَ	عَلَيْهِ
پر	کہ وہ مرا ہے	جس پر [مسلم]

تشریح: اگر آدمی مسلمان ہے اور اس کا ایمان مضبوط ہے تو اسے ایمان کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اگر وہ کافر ہے اور اسے کفر کی حالت میں موت آئی ہے تو حالتِ کفر پر اٹھایا جائے گا۔ اس لیے ہر وقت اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ جب موت کا وقت آئے تو ہم ایمان پر ہوں اور آخرت ٹھیک ہو جائے۔

لغات: يُبْعَثُ، بَعَثَ (ف) بَعْثًا، دوبارہ زندہ کرنا، اسی سے قیامت کو يَوْمُ الْبُعْثِ کہتے ہیں۔ قَالَ تَعَالٰى يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔

ترکیب: يُبْعَثُ فعل مضارع مجہول، كُلُّ مضاف، عَبْدٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل، عَلٰى جار، ما موصولہ، مات فعل ماضی، ھو ضمیر مستتر فاعل، عَلٰى جار، ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے مَاتَ کے، مَاتَ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر متعلق ہوئے يُبْعَثُ کے يُبْعَثُ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............ ۞۞۞ ....))

اَلْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّةِ

جملہ فعلیہ

ملاحظہ: احادیث کے مطالعہ سے آپ محسوس کریں گے کہ ان جملوں کے شروع میں فعل مجہول ہے اس لیے یہ جملہ فعلیہ ہیں۔ان میں فعل کے ساتھ نائب فاعل ظاہر ہوگا یا ضمیر جو نائب فاعل کا کام دے گی۔

۱۲۱۔ سنی سنائی بات نہ کی جائے

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ .

++++++++++

كَفٰى	بِالْمَرْءِ	كَذِبًا
کافی ہے	آدمی کے	جھوٹا ہونے کے لیے
اَنْ	يُّحَدِّثَ	بِكُلِّ
یہ کہ	بات کرے	ہر وہ
مَا	سَمِعَ	
جو	سنے	[مسلم]

تشریح: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بلا سوچے سمجھے (بغیر تحقیق) ہر بات کو دوسروں کے سامنے بیان کردے، یہ بری بات ہے۔ دوسروں سے بات کرنے میں احتیاط لازم ہے کسی نے بے تحقیق بات کی اور جھوٹی ثابت ہوئی تو بات کرنے والے کو اچھا نہیں سمجھا جائے گا۔

لغات: بِالْمَرْءِ: بمعنی آدمی ضد امْرَاۃٌ آتی ہے بمعنی عورت۔
صیغے: كَفٰى : (واحد مذکر، ماضی) يُحَدِّثُ (واحد مذکر، مضارع)

ترکیب: كَفٰى فعل ماضی معروف، با زائدہ جار، اَلْمَرْءِ ممیز، كَذِبًا تمیز، ممیز تمیز مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، اَنْ ناصبہ مصدریہ، يُحَدِّثُ فعل مضارع معروف، ھو ضمیر مستتر فاعل، با جار، كُلُّ مضاف، ما موصولہ، سمع فعل ماضی، ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر صلہ ہوا موصول کا، موصول اپنے صلہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا، كُلُّ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے فعل يُحَدِّث کے، يُحَدِّثُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر فاعل ہوا، كَفٰى اپنے فاعل اور

متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۱۲۲۔حقوق العباد کی اہمیت

یُغْفَرُ لِلشَّهِیْدِ کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الدَّیْنَ .

++++++++++

یُغْفَرُ	لِلشَّهِیْدِ	کُلُّ شَیْءٍ
بخش دیے جائیں گے	شہید کے	سب کچھ (گناہ)
اِلَّا	الدَّیْنَ	
مگر	قرض	[مسلم]

تشریح: جب آدمی شہید ہوتا ہے تو اللہ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔سوائے قرض کے (کیونکہ قرض حقوق العباد میں سے ہے)اور یہ اس وقت تک معاف نہیں ہوسکتا جب تک اسے ادا نہ کیا جائے یا قرض خواہ اسے معاف نہ کردے یا مرنے والے کے رشتے دار قرض خواہ کا قرض ادا نہ کردیں۔

لغات: اَلدَّیْنَ: بمعنی قرض جمع دُیُوْنٌ،اَدْیُنٌ آتی ہے،دَانَ(ض) دَیْنًا قرض دینا،قرض دینے والے کو دَائِنٌ اور جس کو دیا جائے اس کو مَدْیُوْنٌ کہتے ہیں۔قَالَ تَعَالٰی یُوْصِیْنَ بِهَآ اَوْ دَیْنٍ۔

ترکیب: یُغْفَرُ فعل مضارع مجہول،ل جار،اَلشَّهِیْدِ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،کُلُّ مضاف،شَیْءٍ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر مستثنیٰ منہ،اِلَّا حرف استثناء،اَلدَّیْنَ مستثنیٰ،مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ مل کر نائب فاعل،فعل مجہول اپنے متعلق اور نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

۱۲۳۔ مال کا غلام، اللہ کی رحمت سے دُور

لُعِنَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ.

++++++++++

لُعِنَ	عَبْدُ الدِّيْنَارِ
رحمت سے دور ہے	دینار کا بندہ
وَلُعِنَ	عَبْدُ الدِّرْهَمِ
اور رحمت سے دور ہے	درہم کا بندہ [ترمذی]

تشریح: مال کی غلامی کا یہ مطلب ہے کہ اسے حاصل کرنے اور خرچ کرنے میں احکامِ الٰہی کی پرواہ نہ کی جائے، اسی لیے صاحب مال جو اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے وہ اللہ کی رحمت سے دور ہیں حالانکہ اللہ ہی مال کی کشادگی اور تنگی کے مختار ہیں۔ عبد کے معنی ہی غلام کے ہیں مال کمانے میں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانے گا اور اس کی پیروی کرے گا وہ اللہ کا بندہ اور غلام ہے اور جو اپنے مال ودولت کے پیچھے اللہ کے حکم توڑے گا وہ اس مال کا غلام بن جائے گا۔ اس طرح مال ودولت اسے لعنت کا مستحق بنا دے گا۔

لغات: لُعِنَ بلعن (ف) لَعْنًا، لعنت کرنا، خیر سے دور کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. اَلدِّيْنَارِ: سونے کا سکہ، جمع دنانیر آتی ہے۔ اَلدِّرْهَمِ: چاندی کا سکہ جمع دراہم آتی ہے۔

ترکیب: لُعِنَ فعل ماضی مجہول، عَبْدُ مضاف، الدِّيْنَار مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، لُعِنَ فعل ماضی مجہول، عَبْدُ مضاف، اَلدِّرْهَمِ مضاف الیہ، دونوں مل کر نائب فاعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر

معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۲۴۔ جنت اور دوزخ کے پردے کیا ہیں

حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ .

++++++++++

حُجِبَتِ	النَّارُ	بِالشَّهَوَاتِ
چھپائی گئی ہے	جہنم	خواہشات کے ساتھ
وَحُجِبَتِ	الْجَنَّةُ	بِالْمَكَارِهِ
اور چھپائی گئی ہے	جنت	مشقتوں کے ساتھ

[رواہ البخاری ومسلم]

تشریح: احکام الٰہی کے خلاف دل کی بات ماننے میں جہنم پوشیدہ ہے یعنی انسان کا دل جو کہے وہی کام کرے تو اس سے جہنم کے پردے اٹھ جائیں گے اور اگر ہم صرف دل کی ہی بات نہ مانیں بلکہ اللہ کے حکم کو مانیں اور اللہ کے حکم کو پورا کرنے میں جو مشقت برداشت کریں گے تو ان مشقتوں کے پردے میں جنت چھپی ہوئی ہے۔

لغات: حُجِبَتْ حجبه (ن) حُجْبًا، وَحِجَابًا، چھپانا، حائل ہونا، اسی سے حَاجِبٌ ہے بمعنی دربان، اس کی جمع حَوَاجِبُ اور حَوَاجِيْبُ آتی ہے، اَلشَّهَوَاتِ شَهْوَةٌ کی جمع ہے، بمعنی خواہش شَهَا (ن.س) شَهْوَةً خواہش کرنا، رغبتِ شدید کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ. اَلْمَكَارِهِ: یہ جمع ہے اَلْمُكْرَه کی، مُكْرَهٌ ناپسندیدہ، كَرِهَ (س) كُرْهًا، كَرَاهَةً ناپسند کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔

ترکیب: حُجِبَتْ فعل ماضی مجہول، اَلنَّارُ نائب فاعل، با جار، اَلشَّهَوَاتِ مجرور، دونوں مل کر متعلق فعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ

خبر یہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، حُجِبَتْ فعل مجہول، اَلْجَنَّۃَ نائب فاعل، با جار، اَلْمَکَارِہِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل مجہول، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف۔ (الخ)

((............❀❀❀............))

۱۲۵۔ دو چیزیں دن بدن جوان ہوتی ہیں

یَھْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَیَشُبُّ مِنْہُ اِثْنَانِ اَلْحِرْصُ عَلَی الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَی الْعُمُرِ ۔

++++++++++

یَھْرَمُ	ابْنُ آدَمَ	وَیَشُبُّ
بوڑھا ہوتا ہے	آدم کا بیٹا	اور جوان ہوتی ہیں
مِنْہُ	اِثْنَانِ	اَلْحِرْصُ
اس کی	دو چیزیں	حرص
عَلَی الْمَالِ	وَالْحِرْصُ	عَلَی الْعُمُرِ
مال پر	اور حرص	عمر پر

[رواہ البخاری ومسلم]

تشریح: جیسے آدمی کی عمر بڑھتی ہے اس کی حرص اور آرزو بھی بڑھتی ہے، آپ صلی اللہ عایہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''ابن آدم کو اگر دولت سے بھرا ہوا جنگل بھی مل جائے تو یہ چاہے گا اور ہو۔'' اسی طرح انسان چاہتا ہے لمبی عمر ہو تا کہ اپنی نفسانی خواہشات پوری کر لے یہ خلا صرف قبر کی مٹی سے ہی پر ہو گا۔ حرص ناشکری اور بے صبری کا نتیجہ ہے اس سے توبہ کرنی چاہیے۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والے ہیں۔

لغات: یَھْرَمُ ھَرِمَ (س) ھَرْمًا، ھرما، کمزور ہونا، بہت بوڑھا ہونا۔ یَشُبُّ شَبَّ (ض) شَبَابًا، جوان ہونا، شَابٌ جوان اس کی جمع شُبَّان آتی ہے۔

ترکیب: یَھْرَمُ فعل مضارع معروف، ابن مضاف، آدم مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، یَشُبُّ فعل مضارع معروف، مِنْ جار، ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، اثنان مبدل منہ، اَلْحِرْصُ مصدر ذوالحال، عَلٰی جار، الْمَالِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کائنًا محذوف، کائنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَلْحِرْصُ عَلَی الْعمرِ بترکیب سابق معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر فاعل، فعل اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف۔ (الخ)

((............❀❀❀............))

۱۲۶۔ فقہاء طلب کے بغیر علم نہ سکھائیں!

نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِیْهُ فِی الدِّیْنِ اِنْ اُحْتِیْجَ اِلَیْهِ نَفَعَ وَ اِنِ اسْتُغْنِیَ عَنْهُ اَغْنٰی نَفْسَهٗ .

++++++++++

نِعْمَ	الرَّجُلُ	الْفَقِیْهُ
بہت اچھا ہے	وہ آدمی	جو سمجھ رکھنے والا ہو
فِی الدِّیْنِ	اِنْ	اُحْتِیْجَ
دین میں	اگر کوئی	(سائل) ضرورت لے جائے
اِلَیْهِ	نَفَعَ	وَ
اس کی طرف	تو وہ فائدہ دے	اور
اِنِ اسْتُغْنِیَ	عَنْهُ	اَغْنٰی
اگر لاپروائی کی جائے	اس کی طرف	تو بے پرواہ رکھے
نَفْسَهٗ		

اپنے آپ کو [رواہ رذین]

تشریح: اس حدیث میں مسئلہ پوچھنے کے دو آداب بتائے گئے ہیں۔

ا۔اگر کوئی شخص اہلِ علم سے کسی مسئلے کا حل دریافت کرے تو اسے واضح طور پر بیان کرنا چاہیے۔

۲۔اگر کوئی مسئلے کا حل نہ چاہے تو اہل علم کو بھی خاموش رہنا چاہیے۔بلا طلب کسی کو کچھ نہ بتائے۔(البتہ طلب پیدا کرنے کے لیے تبلیغ کرسکتا ہے کیونکہ تعلیم اور تبلیغ کے آداب مختلف ہیں۔)

لغات: اَلْفَقِيْهُ: بہت سمجھ دار اس کی جمع فُقَهَاءُ اتی ہے۔اُحْتِيْجَ محتاج ہونا،حَاجَ(ن) حَوْجًا، محتاج ہونا۔اسْتَغْنٰی: بے نیاز ہونا،اکتفاء کرنا،غَنِيَ (س) غِنًى۔اَغْنٰی: اَغْنَاءً (مالدار کردینا)

صرفی تحقیق

اُحْتِيْجَ:	ماضی مجہول واحد مذکر غائب	باب افتعال	ثلاثی مزید فیہ باہمزہ وصل
اِسْتَغْنٰی:	ماضی معروف واحد مذکر غائب	باب استفعال	ثلاثی مزید فیہ باہمزہ وصل
اَغْنٰی:	ماضی معروف واحد مذکر غائب	باب افعال	ثلاثی مزید فیہ بے ہمزہ وصل
اَلْمُحْتَكِرُ:	اسم فاعل واحد مذکر	باب افتعال	ثلاثی مزید فیہ باہمزہ وصل
اَرْخَصَ:	فعل ماضی واحد مذکر	باب افعال	ثلاثی مزید فیہ بے ہمزہ وصل
اَلْاَسْعَارَ:	اسم مصدر واحد مذکر	باب فتح یفتح	ثلاثی مجرد
اَغْلَاهَا:	ماضی معروف واحد مذکر غائب	باب افعال	ثلاثی مزید فیہ بے ہمزہ وصل

ترکیب: نِعْمَ فعل مدح،الرَّجُلُ فاعل،اَلْفَقِيْهُ صفت مشبہ،ھو ضمیر مستتر فاعل،فی جار،الدِّیْنِ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق ہوئے صفت مشبہ کے،صفت اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مخصوص بالمدح،فعل مدح اپنے فاعل اور مخصوص بالمدح

سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

اِنْ حرف شرط، احتیج فعل ماضی مجہول، ہو ضمیر مستتر فاعل الی جار ہ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل مجہول اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، نفع فعل ماضی ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ معطوف علیہاو او عاطفہ ان شرطیہ، استغنی فعل ماضی مجہول ھو ضمیر غائب فاعل عن جار، ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل مجہول اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اغنی فعل ماضی معروف ھو ضمیر مستتر فاعل، نفس مضاف، ہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ معطوفہ، جملہ معطوفہ علیہا اور جملہ معطوفہ مل کر بیان ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۲۷۔صرف نیک عمل قبر میں ساتھ جائے گا

يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلٰثَةٌ فَيَرْجِعُ اِثْنَانِ وَيَبْقٰى مَعَهٗ وَاحِدٌ يَتْبَعُهٗ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَعَمَلُهٗ فَيَرْجِعُ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ وَيَبْقٰى عَمَلُهٗ .

++++++++++

يَتْبَعُ	الْمَيِّتَ	ثَلٰثَةٌ
پیچھے جاتی ہیں	مرنے والے کے	تین (چیزیں)
فَيَرْجِعُ	اِثْنَانِ	وَيَبْقٰى
پس لوٹ آتی ہیں	دو (چیزیں)	اور رہتا ہے
مَعَهٗ	وَاحِدٌ	يَتْبَعُهٗ
اس کے ساتھ	ایک	پیچھے جاتے ہیں
اَهْلُهٗ	وَمَالُهٗ	وَعَمَلُهٗ

اس کے گھر والے | اور اس کا مال | اور اس کے کام

فَیَرْجِعُ | اَھْلُہٗ | وَمَالُہٗ

پس لوٹ آتے ہیں | اس کے گھر والے | اور اس کا مال

وَیَبْقٰی | عَمَلُہٗ

اور باقی رہتے ہیں | اس کے کام | [بخاری ومسلم]

تشریح: مرنے والے کے رشتے دار اور مال یہیں رہ جاتے ہیں صرف اس کے اچھے اور برے اعمال ساتھ جاتے ہیں یا جو مال ہم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے۔ وہ اجر کی شکل میں آگے جائے گا۔

لغات: یَتْبَعُ (س) تَبْعًا، ساتھ چلنا دوسرے معنی پیچھے چلنا، صفت تَبْعٌ جمع اتباع ہے۔ قَالَ تَعَالٰی صَدَقَۃٌ یَّتْبَعُھَا اَذًی۔

ترکیب: یَتْبَعُ فعل مضارع، اَلْمَیِّتُ مفعول بہ، ثَلٰثَۃٌ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہا، ف عاطفہ، یَرْجِعُ فعل، اِثْنَانِ فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ معطوف، واؤ عاطفہ، یَبْقٰی فعل مضارع، مَعَ مضاف، ہ مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول فیہ، وَاحِدٌ فاعل، فعل فاعل اور مفعول فیہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوفہ ہوئے، جملہ معطوف علیہا اپنے دونوں معطوف جملوں سے مل کر مبیّن، یَتْبَعُ فعل مضارع، ہ ضمیر مفعول بہ، اَھْلُہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ مَالُہٗ مضاف، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف اول، واو عاطفہ، عملہ مضاف، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر فاعل یَتْبَعُ کا، یَتْبَعُ اپنے مفعول اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہا، ف عاطفہ یَرْجِعُ فعل مضارع اَھْلُہٗ مضاف، مضاف علیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَالُہٗ مضاف، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف الیہ معطوف مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوفہ، واؤ عاطفہ یَبْقٰی فعل مضارع، عَمَلُہٗ مضاف،

مضاف الیہ ۂ ضمیر، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوفہ، جملہ معطوف علیہا اپنے دونوں معطوف جملوں سے مل کر پہلے جملے کا بیان ہوا۔ مبین بیان مل کر جملہ بیانیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۲۸۔ سب سے بڑی خیانت

كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ .

++++++++++

كَبُرَتْ	خِيَانَةً	اَنْ
بہت بڑی ہے	خیانت کے لحاظ سے	یہ بات کہ
تُحَدِّثَ	اَخَاكَ	حَدِيْثًا
بات کرے تو	اپنے بھائی سے	ایسی بات کہ
هُوَ	لَكَ	مُصَدِّقٌ
وہ	تجھے	سچا جاننے والا ہو
وَاَنْتَ	بِهٖ	كَاذِبٌ
اور تو	اس سے	جھوٹ بولنے والا ہو

[رواہ ابو داؤد]

تشریح: خیانت کی بہت سی قسمیں ہیں مگر سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ کوئی اپنے مسلمان بھائی سے جھوٹی بات کرتا ہے حالانکہ وہ مسلمان اسے سچا سمجھتا ہے اور اس کی باتوں کو بے خطر قبول کر لیتا ہے۔

لغات: كَبُرَتْ: كَبُرَ(ك) كِبَرًا وَ كُبْرًا، مرتبہ میں بڑا ہونا۔ قَالَ تَعَالٰى كَبُرَ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ. خِيَانَةً: خَانَ(ن) خَوْنًا وَّخِيَانَةً، امانت میں خیانت کرنا۔

ترکیب: کَبُرَتْ فعل ماضی معروف،ضمیر ھی مستتر مبھم ممیّز،خِیَانَۃً تمیز،ممیّز اور تمیز مل کر مفسر،اَنْ ناصبہ مصدریہ،تُحَدِّثَ فعل مضارع معروف،انت ضمیر مستتر فاعل،اَخَا مضاف،ك مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کر ذوالحال،ھو مبتدا،لك جار مجرور مل کر متعلق مقدم ہوا مُصَدِّقٌ کا،مُصَدِّقٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہا،واؤ عاطفہ،اَنْتَ ضمیر منفصل مبتدا،بہ جار مجرور مل کر متعلق مقدم ہوا کَاذِبٌ کا، کَاذِبٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ، جملہ معطوفہ اور معطوف علیہا مل کر حال،ذوالحال (اخاك) اور حال مل کر مفعول اول ، حَدِیْثًا مفعول ثانی،فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر تفسیر،مفسر اور تفسیر مل کر فاعل، کَبُرَتْ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

۱۲۹۔ذخیرہ اندوز بُرا ہے

بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ اَرْخَصَ اللّٰهُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاهَا فَرِحَ.

++++++++++

بِئْسَ	الْعَبْدُ	الْمُحْتَكِرُ
برا ہے	ایسا بندہ جو	ذخیرہ جمع کرنے والا ہو
اِنْ	اَرْخَصَ	اللّٰهُ
اگر	کم کردے	اللہ
الْاَسْعَارَ	حَزِنَ	وَاِنْ
بھاؤ کو	تو وہ غمگین ہو	اور اگر

اَغْلَاهَا　　　　　فَرِحَ

بڑھادے　　　　　تو وہ خوش ہو　　　　　[بیہقی]

تشریح: جو لوگ چند دن کے لیے مال جمع کرتے ہیں اس نیت سے کہ ہمیں اس سے نفع ہوگا یہ تجارت ہے جو جائز ہے لیکن ذخیرہ اندوزی کرلے اور اس مال کا بھاؤ بہت زیادہ ہونے کا انتظار کرے، پھر اگر بھاؤ کم ہو جائے اور نفع کم لگے وہ افسردہ ہو جائے اور اگر بھاؤ زیادہ ہو جائے تو وہ خوش ہو، یہ درست نہیں ہے۔

لغات: بِئْسَ: افعال ذم میں سے ہے۔قَالَ تَعَالٰی بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا. اَلْمُحْتَكِرُ باب افتعال سے ہے، مہنگا بیچنے کے لیے روکنے والا۔ ارخص: بھاؤ سستا، رَخُصَ (ک) رُخْصًا سستا ہونا، اَلْاَسْعَارُ: جمع ہے سَعْرٌ کی بمعنی بھاؤ نرخ۔ اَغْلَاهَا. غَلَا غَلَاءً. السعرُ بھاؤ بڑھ جانا۔ (صفت غالٍ)

ملاحظہ: اس حدیث کی صرفی تحقیق حدیث نمبر ۱۲۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ترکیب: بِئْسَ فعل ذم، اَلْعَبْدُ فاعل، اَلْمُحْتَكِرُ مخصوص بالذم، فعل اپنے فاعل اور مخصوص بالذم سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، اِنْ حرف شرط، اَرْخَصَ فعل ماضی، لفظ اَللّٰه فاعل، اَلْاَسْعَارَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، حَزِنَ فعل ماضی، ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ معطوف علیہا، وان اغلاھا فرح بترکیب سابق جملہ فعلیہ شرطیہ معطوفہ ہوا، جملہ معطوفہ اور معطوف علیہا مل کر جملہ اولیٰ کا بیان ہوا۔

((............ ❀❀❀ ....))

نَوْعٌ اٰخَرٌ مِّنَ الْجُمْلَةِ الْفِعْلِيَّةِ وَهُوَ مَافِى اَوَّلِهٖ لَاالنَّافِيَةُ.

جملہ فعلیہ کی ایک اور قسم جس کے شروع میں لائے نافیہ ہے۔

ملاحظہ: آئندہ باب میں مذکورہ احادیث کے ابتداء میں لائے نافیہ ہے جو مضارع معروف پر اور کبھی مجہول پر داخل ہے۔ معنی میں نفی کا فائدہ دے گا، لفظوں میں کوئی عمل نہ کرے گا۔

فائدہ: لا کی چھ قسمیں ہیں: ❶ لا نافیہ ❷ لا نہیہ ❸ لا عاطفہ ❹ لا نفی جنس ❺ لا مشبہ بلیس ❻ لا زائدہ

۱۳۰۔چغل خور جنت میں نہ جائے گا

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ .

++++++++++

لَا	يَدْخُلُ	الْجَنَّةَ	قَتَّاتٌ
نہیں	داخل ہوگا	جنت میں	چغل خور

[بخاری ومسلم]

تشریح: وہ آدمی جنت میں نہیں جاسکتا جو کسی کی چغلیاں کرے یا ایک دوسرے کے درمیان بدگمانی ڈال کر انہیں لڑائے۔اس لیے ہمیں ایسی بات سے بچنا چاہیے کیونکہ ایک تو اس سے فساد ہوتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اللہ ناراض ہوتے ہیں جس کی وجہ سے جنت سے محرومی ہوسکتی ہے۔

لغات: قَتَّاتٌ: چغل خور، قَتَّ(ن) قَتًّا، جھوٹ بولنا۔

ترکیب: نَوْعٌ موصوف، آخر صیغہ اسم تفضیل ، مِنْ جار، اَلْجُمْلَةٌ موصوف، الفعلية صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے آخَرُ اسم تفضیل کے، آخَرُ صیغہ اسم تفضیل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر خبر ہوئی ،مبتدا محذوف هٰذَا کی ،مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ترکیب: واؤ مستانفہ ھو مبتدا، ماموصولہ،فی جار، اوّل مضاف، ضمیر ہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق يَكُوْنُ فعل ناقص محذوف کے اس میں ھو ضمیر اس کا اسم ، لاموصوف النافية صفت ،موصوف صفت مل کر خبر فعل ناقص اپنے اسم وخبر اور متعلق سے مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ترکیب: لَا يَدْخُلُ فعل مضارع منفی معروف ،اَلْجَنَّةَ مفعول فیہ، قَتَّاتٌ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

۱۳۱۔قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہ جائے گا

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ .

++++++++++

لَا	يَدْخُلُ	الْجَنَّةَ	قَاطِعٌ
نہیں	داخل ہوگا	جنت میں	رشتوں کوتوڑنے والا

[بخاری ومسلم]

تشریح: ارشاد نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا آدمی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جو اپنے رشتے داروں سے قطع تعلق کرے۔صلہ رحمی سے دینی ودنیاوی فوائد وابستہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے بڑے احکامات سے ہیں لہٰذا قطع تعلقی ہرگز اچھی عادت نہیں ہے۔

لغات: قَاطِعٌ قطع (ف) قطعا، جدا کرنا، کاٹنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا۔

ترکیب: پہلے جملہ کی طرح ہے۔

((............۞۞۞............))

۱۳۲۔مؤمن باربار دھوکہ نہیں کھاتا

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ .

++++++++++

لَا	يُلْدَغُ	الْمُؤْمِنُ	مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ
نہیں	ڈسا جاتا	مومن	ایک سوراخ سے
مَرَّتَيْنِ			
دومرتبہ			

[بخاری ومسلم]

تشریح: جب مومن آدمی کوکسی دوسرے آدمی سے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو صاحب ایمان اس سے محتاط ہو جاتا ہے اور وہ آدمی اسے دوبارہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔تو گویا مومن دھوکا نہیں دیتا اور نہ ہی دھوکے باز کے چکروں میں پھنستا ہے۔

لغات:یُلْدَغُ لَدَغَ(ف)لَدْغًا،ڈسنا۔جُحْرٍ:سوراخ،بل جمع اَجْحَار، جُحْرَةٌ، جَحَرَ(ف) جُحْرا بمعنی سوراخ میں داخل ہونا۔

ترکیب:لَا یُلْدَغُ فعل مضارع مجہول،اَلْمُؤْمِنُ نائب فاعل،مِنْ حرف جار، جُحْرٍ موصوف،وَاحِدٍ صفت،موصوف صفت مل کرممیز مَرَّتَیْنِ تمیز،ممیزتمیزمل کرمجرورہوا من جارکا،جارمجرورمل کرمتعلق ہوافعل کا،فعل اپنے نائب فاعل اورمتعلق سے مل کرجملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۳۳۔پڑوسی کومطمئن رکھیے

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّایَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ .

++++++++++

لَا	یَدْخُلُ	الْجَنَّةَ
نہیں	داخل ہوگا	جنت میں
مَنْ	لَّایَأْمَنُ	جَارُهُ
وہ جوکہ	نامحفوظ ہو	اس کاپڑوسی
بَوَائِقَهُ		
اس کی شرارتوں سے		

[رواہ مسلم]

تشریح:ایساشخص جس سے اس کے پڑوسی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ وہ کسی بھی وقت ان کونقصان پہنچاسکتا ہے یعنی اسے ہروقت اس شخص سے پریشانی لگتی ہوتوایسا شخص جنت میں نہ جائے گا۔

لغات:جَارٌ:پڑوسی،پناہ دینے والا،جمع جِیْرَانٌ آتی ہے۔بَوَائِقَهُ مصیبت،شرفسادکا۔

ترکیب:لَا یَدْخُلُ فعل مضارع معروف،الجَنَّةَ مفعول فیہ، مَنْ موصولہ لَا

یَأْمَنُ فعل مضارع معروف، جار مضاف، ہ مضاف الیہ، دونوں مل کر فاعل، بَوَائِقَ مضاف، ہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ موصول صلہ مل کر فاعل ہوا لَا یَدْخُلُ کا، لَا یَدْخُلُ فعل اپنے مفعول فیہ اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۳۴۔ جنت میں جانا ہے تو حرام سے بچیے

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِّيَ بِالْحَرَامِ .

++++++++++

لَا	يَدْخُلُ	الْجَنَّةَ	جَسَدٌ
نہیں	داخل ہوگا	جنت میں	ایسا جسم
غُذِّيَ	بِالْحَرَامِ		
جو پرورش پایا گیا ہو	حرام (مال) سے		[بیہقی]

تشریح: اس حدیث میں ہمارے لیے رزقِ حلال کی اہمیت پائی گئی ہے کہ ہمیں رزقِ حلال ہی کے لیے محنت کرنی چاہیے اور حرام روزی سے بچنا چاہیے کیونکہ حرام روزی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

لغات: غُذِّيَ بَغَذَىٰ (ن) غُذْوًا، خوراک دینا، جَسَدٌ: بدن انسانی، جمع اَجْسَادٌ۔

ترکیب: لَا يَدْخُلُ فعل مضارع، اَلْجَنَّةَ مفعول فیہ، جَسَدٌ موصوف، غُذِّيَ فعل مجہول، ھو ضمیر مستتر نائب فاعل، با جار، الحرام مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر فاعل، فعل اپنے مفعول فیہ اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۳۵۔ ہر خواہش سنتِ رسول ﷺ کے تابع ہو

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ .

++++++++++

لَا	يُؤْمِنُ	اَحَدُكُمْ
نہیں	مومن ہوسکتا	تم میں سے کوئی ایک بھی
حَتّٰى	يَكُوْنَ	هَوَاهُ
یہاں تک کہ	ہوجائے	اس کی خواہش
تَبْعًا	لِّمَا	جِئْتُ بِهٖ
پیچھے اس کے	جو	میں لے کر آیا ہوں میں

[النووی فی اربعینه]

تشریح: اس حدیثِ پاک میں ایمان کے مکمل ہونے کی نشانی ہے کہ انسان کو آپ ﷺ کی سنت اتنی محبوب ہوجائے اس کی ہر خواہش سنتِ نبوی ﷺ کے تابع ہو اور جس چیز کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے، دل چاہے، نہ چاہے، اس پر عمل کرنے کو ضروری سمجھے، اگر خلافِ سنت اعمال کی خواہش ہی دل سے نکل جائے تو یہ سب سے بڑی سعادت ہے۔

لغات: هَوًا: یہ مصدر ہے بمعنی خواہش اور عشق، خیر کا ہو یا شر کا۔

ترکیب: لَا يُؤْمِنُ فعل مضارع، اَحَدُكُمْ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، حَتّٰى جار، يَكُوْنَ فعل مضارع ناقص منصوب بتقدیر اَنْ، هَوَاهُ مضاف مضاف الیہ مل کر اسم۔ تَبْعًا صیغہ صفت، ل جار، ما موصولہ جِئْتُ فعل با فاعل، بہ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا تَبْعًا کے، تَبْعًا صیغہ اسم صفت اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، یکون فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر (بوجہ ان مقدر) ہو کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے لَا

یُؤْمِنُ کے، لَا یُؤْمِنُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۳۶۔ کسی کو خوفزدہ نہ کیجیے!

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُّرَوِّعَ مُسْلِمًا ۔

++++++++++

لَا	یَحِلُّ	لِمُسْلِمٍ	اَنْ
نہیں ہے	حلال	کسی مسلمان کے لیے	یہ کہ
یُّرَوِّعَ	مُسْلِمًا		
ڈرائے	کسی مسلمان کو		[ابو داؤد]

تشریح: محسنِ کائنات ﷺ کی اس حدیث پاک میں اپنے قول اور اپنے فعل یا ہتھیار وغیرہ سے کسی مسلمان کو خوف زدہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ایک مسلمان کو جب صرف ڈرانا منع ہے تو حقیقت میں تکلیف پہنچانا کس طرح جائز ہو گا؟ بعض لوگ جھوٹ بول کر (اپریل فول کی طرح) لوگوں کو خوف زدہ کرتے ہیں یہ حرام ہے۔

لغات: یُرَوِّعَ: ڈرانا، گھبرا دینا، رَاعَ (ن) رَوْعًا۔

ترکیب: لَا یَحِلُّ فعل مضارع منفی، ل جار، مُسْلِمٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، ان ناصبہ مصدریہ، یُرَوِّعَ فعل مضارع معروف، ھو ضمیر مستتر فاعل، مُسْلِمًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر فاعل ہوا لَا یَحِلُّ کا، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۳۷۔ کتا اور تصویریں گھر میں نہ رکھیے!

لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيْرُ .

++++++++++

لَا	تَدْخُلُ	الْمَلٰئِكَةُ
نہیں	جاتے ہیں	(رحمت کے) فرشتے
بَيْتًا	فِيْهِ	كَلْبٌ
ایسے گھر میں	کہ جس میں	کتا ہو
وَلَا	تَصَاوِيْرُ	
اور نہ (اس گھر میں کہ جس میں)	تصویریں ہوں	

[بخاری ومسلم]

تشریح: نبی مکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق گھر میں ہمیں کتا اور تصویر رکھنے سے منع کیا گیا ہے، کتا، مال کی حفاظت کے لیے گھر سے باہر رکھنا جائز ہے اور تصاویر اشد ضروریات (شناختی کارڈ، پاسپورٹ) وغیرہ کے لئے جائز ہیں، بے ضرورت تصاویر بنانا اور بنوانا اور شوقیہ کتا رکھنا حرام ہیں۔

لغات: مَلٰئِكَةُ: جمع ہے مَلَكٌ بمعنی فرشتہ اس کی جمع اَمْلَاك، مَلَائِك بھی آتی ہے۔ كَلْبٌ: کتا جمع كِلَابٌ، اَكْلُبٌ آتی ہے۔ تَصَاوِيْرُ: جمع تصویر، بت، مجسمے صَوَّرَ تصویر بنانا، مُصَوِّرٌ تصویر بنانے والا۔

ترکیب: لَا تَدْخُلُ فعل مضارع معروف، الْمَلٰئِكَةُ فاعل، بَيْتًا موصوف، فی جار، ہ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثبت فعل محذوف کے، كَلْبٌ معطوف علیہ، واو عاطفہ، لَا زائد برائے تاکید نفی، تَصَاوِيْرُ معطوف، معطوف الیہ معطوف مل کر فاعل ثَبَتَ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۳۸۔محبت رسول ﷺ کا معیار

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ .

++++++++++

لَا	يُؤْمِنُ	اَحَدُكُمْ
نہیں	(کامل) مومن ہوسکتا	تم میں سے کوئی ایک
حَتّٰى	اَكُوْنَ	اَحَبَّ
یہاں تک کہ	ہوجاؤں میں	زیادہ پسندیدہ
اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ	وَوَلَدِهٖ	وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ
اس کواس کے باپ سے	اوراس کی اولاد سے	اورتمام لوگوں سے

[رواہ البخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ نے ایمان کامل کا معیار بتایا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کا طریقہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوجائے تب ایمان مکمل ہوتا ہے اور محبوبیت کا معیار یہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت سنتِ رسول ﷺ نہ چھڑا سکے۔

لغات: لَا يُؤْمِنُ: یہاں پر مراد کامل ایمان ہے۔

ترکیب: لَا يُؤْمِنُ فعل مضارع معروف، اَحَدُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، حَتّٰى جار، اَكُوْنَ فعل مضارع ناقص منصوب بتقدیر اَنْ، اَنَا ضمیر مستتر اس کا اسم، اَحَبَّ صیغہ اسم تفضیل، ھو ضمیر مستتر فاعل، الیہ جار مجرور مل کر متعلق اَحَبَّ، مِنْ جار، وَالِدِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوفِ علیہ، واؤ عاطفہ، وَلَدِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوفِ اول، واؤ عاطفہ، اَلنَّاسِ مؤکد، اَجْمَعِيْنَ تاکید، مؤکد تاکید مل کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی ہوئے اَحَبَّ کے، اَحَبَّ صیغہ اسم تفضیل اپنے فاعل ھو ضمیر مستتر اور دونوں متعلقوں

سے مل کر خبر فعل ناقص اَکُوْنَ کی، اَکُوْنَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتقدیر اَنْ مصدر کی تاویل ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق لَا يُؤْمِنُ کے، لَا يُؤْمِنُ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((..........❀❀❀..........))

۱۳۹۔ کسی مسلمان سے تعلقات نہ توڑیے

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ .

++++++++++

لَا	يَحِلُّ	لِمُسْلِمٍ	اَنْ
نہیں ہے	حلال	کسی مسلمان کے لیے	یہ کہ
يَّهْجُرَ	اَخَاهُ	فَوْقَ ثَلٰثٍ	فَمَنْ
چھوڑے (بولنا)	اپنے (مسلمان) بھائی سے	تین دن سے اوپر	پس جو شخص
هَجَرَ	فَوْقَ ثَلٰثٍ	فَمَاتَ	دَخَلَ النَّارَ
چھوڑے (کسی مسلمان سے)	تین دن سے اوپر	پس جب وہ مر جائے	تو داخل ہوگا جہنم میں

[رواہ احمد وابوداؤد]

تشریح: اس حدیث پاک میں صرف اپنی خواہش نفس اور دنیاوی ضرورت سے ترک تعلقات سے منع کیا گیا ہے۔ کسی بھی مسلمان سے گفتگو چھوڑنا بغیر شرعی ضرورت کے جائز نہیں ہے۔ البتہ کہیں دین اسلام کی محبت کے معاملے میں کوئی ٹکرائے تو اہل علم سے دریافت کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں تعلقات برقرار رکھنا درست نہیں ہوتا۔

لغات: يَهْجُرُ هَجَرَ (ن) هِجْرَانًا قطع تعلق کرنا، چھوڑنا۔ اَخٌ: بمعنی بھائی۔

ترکیب: لَا يَحِلُّ فعل مضارع معروف، ل جار، مُسْلِمٍ مجرور، جار مجرور مل کر

متعلق فعل اَنْ ناصبہ مصدر یہ، یَھْجُرُ فعل مضارع ھو ضمیر مستتر فاعل، اخاہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فَوْقَ مضاف، ثَلٰثٍ مضاف الیہ۔ دونوں مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر بتاویل مصدر فاعل ہوا لَا یَحِلُّ کا، لَا یَحِلُّ اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۴۰۔بغیر اجازت کسی کی چیز استعمال نہ کی جائے

اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِیءٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہٗ .

++++++++++

اَلَا	لَا	یَحِلُّ	مَالُ امْرِیءٍ
آگاہ رہو	نہیں ہے	حلال	کسی انسان کا مال
اِلَّا	بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْہٗ		
مگر	اس کے دل کی خوشی کے ساتھ		[بیھقی]

تشریح: یہ شرعی ضابطہ ہے کہ ہر انسان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہم کسی کی چیز بغیر پوچھے استعمال تو نہیں کر رہے؟ جب صرف استعمال بغیر اجازت نہیں کر سکتے تو کسی کا مال یا استعمال کی چیز بغیر اجازت لینا کب جائز ہو گا۔

لغات: اِمْرِیءٍ :بغیر تاء تانیث کے بمعنی مرد اور تاء تانیث کے ساتھ بمعنی عورت۔ طِیْبِ: طاب(ن) طیبا بمعنی خوش گوار ہونا۔ طیب اس مال کو بھی کہتے ہیں جو بہترین ہو۔

ترکیب: اَلَا حرف تنبیہ، لَا یَحِلُّ فعل مضارع، مَالُ مضاف، اَمْرِیءٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، اِلَّا حرف استثناء لغو، ب جار، طِیْبِ مصدر مضاف، نَفْسٍ مضاف الیہ، مِنْ جار، ہ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق مصدر، مصدر اپنے متعلق اور مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

۱۴۱۔ بد بخت سے نرمی چھن جاتی ہے

لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ .

++++++++++

لَا	تُنْزَعُ	الرَّحْمَةُ
نہیں	چھینی جاتی	رحمت
اِلَّا	مِنْ شَقِيٍّ	
مگر	بد بخت کے (دل) سے	(احمد ترمذی)

تشریح: اس ارشاد مبارک سے سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہر ایک کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے اور ہمیں چاہیے کہ ہر ایک سے درگزر کا معاملہ کریں کیونکہ جو اللہ کی مخلوق پر رحم کرے گا اللہ اس پر رحم کرے گا۔

لغات: تُنْزَعُ ، نَزَعَ (ض) نَزْعًا ۔نکالنا، اکھڑنا۔ شَقِيٍّ، شقی (س) شقا و شقاء و شقاوة، بد بخت ہونا۔

ترکیب: لَا تُنْزَعُ فعل مضارع مجہول، الرَّحْمَة نائب فاعل، اِلَّا حرف استثناء لغو، مِنْ جار، شَقِيٍّ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۴۲۔ جہاں کتا اور گھنٹی ہو وہاں فرشتے نہیں جاتے

لَا تَصْحَبُ الْمَلٰئِكَةُ رُفْقَةً فِيهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ .

++++++++++

لَا	تَصْحَبُ	الْمَلٰئِكَةُ	رُفْقَةً
نہیں	ساتھ رہتے	فرشتے	ایسی جماعت کے

فِيهَا	كَلْبٌ	وَلَا		جَرَسٌ
جس میں	کتا ہو	اور نہ (اس میں جس میں)		گھنٹی ہو

[رواہ مسلم]

تشریح: اس حدیث میں گھنٹی اور کتے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ گھنٹی سے مراد گانے کے آلات بھی ہیں۔ ہمیں ان سے بچنا چاہیے کیونکہ ایسے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ کسی محفل میں یہ چیزیں ہوں اور ہم روک نہ سکیں تو وہاں سے چلے جانا چاہیے۔ تا کہ شمولیت کے گناہ سے بچت ہو جائے۔

لغات: تَصْحَبُ صحب (س) صحبتہ ساتھی ہونا، ایک ساتھ زندگی بسر کرنا۔ رُفْقَةٌ: جمع رفاق، ارفاق، رفق آتی ہے، معنی ساتھیوں کی جماعت، قافلہ۔

ترکیب: لَا تَصْحَبُ فعل مضارع، المَلٰئِكَةُ فاعل، رُفْقَةٌ موصوف، فِي جار هَا مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے فعل محذوف ثبت کے، كَلْبٌ معطوف علیہ، واؤ عاطفہ لا زائد برائے تاکید، جَرَسٌ معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر فاعل، ثبت فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت، موموصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

صِيَغُ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ
(امر اور نہی کے صیغے)

ملاحظہ: ان احادیث کا بیان شروع ہے جن کا پہلا صیغہ امر کا ہے یا نہی کا۔ ان صیغوں میں فاعل کی ضمیر ساتھ لگی ہوگی یا اس صیغے میں پوشیدہ ہوگی اس ترکیب میں انہیں فعل با فاعل کہیں گے اور مفعول کو ساتھ ملا کر جملہ فعلیہ انشائیہ مکمل ہو جائے گا۔

فائدہ①: فعل امر اور نہی مجزوم ہوتے ہیں اور جزم کا آنا تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔ ❶ جزم بالسکون جیسے: لَا تَضْرِبْ ❷ جزم محذوف حرف علت جیسے لَا تَرْمِ یہ اصل میں تَرْمِيْ ہے لانہیہ کے داخل ہونے سے یا حرف علت کو حذف کر دیا۔ ❸ جزم باسقاط نون اعرابی جیسے لَا تَضْرِبَا۔

فائدہ②: دو صیغوں (ماضی اور مضارع اور ملحقات مضارع میں) ضمیر مستتر جائز الاستتار ہوتی ہے۔ ❶ واحد مذکر غائب۔ ❷ واحدہ مؤنثہ غائبہ یعنی کبھی ان دو صیغوں کا فاعل یا نائب فاعل ضمیر مستتر ہوگی جیسے زَيْدٌ يَضْرِبُ. هِنْدٌ تَضْرِبُ کبھی ان کا فاعل اسم ظاہر ہوگا اس وقت ان میں ضمیر مستتر نہیں مانی جائے گی جیسے: ضَرَبَ زَيْدٌ. ضَرَبَتْ هِنْدٌ۔

۱۴۳۔ میرا پیغام پہنچا دو جہاں تک ہو سکے

بَلِّغُوْا عَنِّی وَلَوْ اٰیَةً ۔

++++++++++

بَلِّغُوْا	عَنِّی	وَلَوْ
پہنچاؤ	میری طرف سے	اگرچہ
اٰیَةً		

ایک آیت ہی ہو [بخاری]

تشریح: اس پیغامِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود خاص نصیحت کے مطابق ہمیں چاہیے کہ ہم جو دین کی بات سنیں اسے فوراً آگے پہنچانے کی فکر کریں یہ نہ سوچیں کہ ہم ایک ہی بات جانتے ہیں ہوسکتا ہے سننے والوں میں سے کوئی کسی ایک بات پر عمل کرے اور ہماری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

لغات: بَلِّغُوْا بلغة، تبلیغا، بمعنی تبلیغ کرنا، بَلَغَ (ن) بلوغا بمعنی پہنچنا۔ قَالَ تَعَالٰی یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ. اٰیَةً : بمعنی علامت، من الکتاب آیت۔

ترکیب: بَلِّغُوْا فعل امر حاضر، ضمیر بارز اس کا فاعل، عَنْ جار ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، واؤ مبالغہ، لَوْ شرطیہ وصلیہ، اٰیَةً خبر، فعل محذوف کانت کی، کانت فعل ناقص ھی ضمیر مستتر اس کا اسم، کانت اپنے اسم اور خبر سے مل کر شرط، اس کی جزا ماقبل کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے یعنی ولو کانت اٰیَةً فَبَلِّغُوْا عَنِّی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۴۴۔ ہر شخص کے مقام و مرتبے کا لحاظ رکھا جائے

اَنْزِلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ .

++++++++++

اَنْزِلُوْا	النَّاسَ	مَنَازِلَهُمْ
اتارو	لوگوں کو	ان کے مرتبے پر [ابوداؤد]

تشریح: ہدایت دی جا رہی ہے کہ ہر ایک سے ویسا ہی سلوک کرو جیسا اس کا مرتبہ ہو۔ جو شخص اپنی قوم میں بڑا اور عہدہ دار ہو اسے اسی طرح عزت دینی چاہیے۔

لغات: اَنْزِلُوْا اَنْزَلَ (افعال) اِنْزَالًا بمعنی اتارنا، اَنْزَلَ الضَّيْفَ، مہمان کا اتارنا، نَزَلَ (ض) نُزُوْلًا، اترنا، مَنَازِلَهُمْ: جمع منزل اترنے کی جگہ، مکان۔

ترکیب: اَنْزِلُوْا فعل امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلنَّاسُ مفعول بہ، مَنَازِلَ مضاف، هُمْ مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۴۵۔ جائز سفارش پر اجر ملتا ہے

اِشْفَعُوْا فَلْتُوْجَرُوْا .

++++++++++

اِشْفَعُوْا	فَلْتُوْجَرُوْا	
سفارش کرو	تاکہ تم بدلہ دیے جاؤ	[بخاری و مسلم]

تشریح: سفارش کرنا اگر جائز ہو تو اس پر ثواب کی امید بھی کرنی چاہیے کہ ہمیں قیامت کے دن اللہ سے بہت ثواب ملے گا۔ برے اور ناجائز کام میں سفارش اس کام کے گناہ میں شریک ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

لغات:اِشْفَعُوْا شَفَعَ(ف) شَفَاعَةً لِفُعَلانٍ فِيهِ اِلٰى زَيْدٍ ۔سفارش کرنا، فَلْتُوْجَرُوْا اَجَرَ (ن.ض) عَلٰى كَذَا ،بدلہ دینا،مزدوری دینا۔

ترکیب:اِشْفَعُوا فعل امر حاضر،ضمیر بارز فاعل،فعل اپنے فاعل سے مل کر امر ف جوابیہ،لَتُوْجَرُوا امر مجہول ضمیر بارز نائب فاعل،فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر جواب امر،امر اپنے جواب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۴۶۔استقامت ایمان کے لیے ضروری ہے

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ .

++++++++++

قُلْ	اٰمَنْتُ	بِاللّٰهِ
کہہ دے	میں ایمان لایا	اللہ پر
ثُمَّ	اسْتَقِمْ	
پھر	اس پر جمارہ!	[مسلم]

تشریح: ہمارے نبی علیہ السلام کی نصیحت ہے کہ جب اللہ پر ایمان لے آؤ تو اللہ کے احکامات کو بھی پورا کرو،اوران کا انکار مت کرو۔کوئی مشکل آ جائے تو ثابت قدم رہو۔ رسوم ورواج تمہیں ڈگمگا نہ دیں۔

لغات:اِسْتَقِمْ:بمعنی سیدھا ہونا،درست ہونا۔قَالَ تَعَالٰى ،اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔

ترکیب:قُلْ امر حاضر،انت ضمیر مستتر فاعل،آمَنْتُ فعل،ضمیر بارز فاعل،با جار،لفظ اللّٰـه مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر مقولہ،قـل اپنے فاعل اور مقولہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف علیہا،ثُمَّ عاطفہ، اسْتَقِمْ امر حاضر،انت ضمیر مستتر فاعل،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ

فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

۱۴۷۔شفاف زندگی سیکھو!

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَایُرِیْبُکَ .

++++++++++

دَعْ	مَا	یُرِیْبُکَ
چھوڑ دے	جو	تجھے شک میں ڈالے
اِلٰی	مَا	لَایُرِیْبُکَ
اس کی طرف	جو	تجھے شک میں نہ ڈالے

[احمد و ترمذی]

تشریح: جس میں ذرہ برابر ناجائز ہونے کا شک بھی ہو وہ کام نہ کرو اور وہ کام کرو جس کے جواز میں کوئی شک نہ ہو۔ مثلاً حقوق العباد کو لیجئے اور جس چیز کے متعلق دل میں کھٹکا ہو کہ یہ ہماری ہے یا کسی اور کی، اسے چھوڑ یئے، لہٰذا ہمیں مشکوک چیز کو چھوڑ کر مضبوط چیز (جس سے دل میں کھٹکا نہ لگے) اپنانا چاہیے۔ اسی طرح حقوق اللہ (عبادات) میں جس کام کے شرعی الثبوت ہونے میں شک ہو چھوڑ دیجئے اور جو یقینی ہو اسے اختیار کر لیجئے۔

لغات: دَعْ وَدَعَ(ف) وَدْعًا، چھوڑنا۔ یُرِیْبُکَ : شک میں ڈالنا، تہمت لگانا۔

ترکیب: دَعْ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، ما موصولہ، یُرِیْبُ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، ك ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ، الی جار، ما موصول، لَا یُرِیْبُ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، ك ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا دَعْ فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

۱۴۸۔ ہم جہاں بھی ہیں ہمیں اللہ دیکھ رہا ہے

اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ .

++++++++++

اِتَّقِ	اللّٰهَ	حَيْثُ مَا كُنْتَ
ڈر تو	اللہ سے	تو جہاں کہیں ہو

[ترمذی]

تشریح: ارشاد نبوی ﷺ میں ہمارے لیے ہدایت ہے کہ ہم جہاں بھی ہوں ہمیں ہر وقت اللہ سے ڈرنا چاہیے اور ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ مجھے میرا اللہ دیکھ رہا ہے، کہیں میں ایسا کام تو نہیں کر رہا جس سے اللہ ناراض ہو جائے۔

لغات: ان الفاظ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

ترکیب: اِتَّقِ امر حاضر، انت ضمیر فاعل، اللہ مفعول بہ، حَيْثُ مضاف، ما موصولہ، كُنْتَ فعل، ضمیر بارز فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہوا، حَيْثُ مضاف کا، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۴۹۔ نیکی برائی کے اثر کو زائل کر دیتی ہے

وَاتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا .

++++++++++

وَاتَّبِعِ	السَّيِّئَةَ	الْحَسَنَةَ
اور پیچھے لا	برائی کے	نیکی کو

تَمْحُهَا

وہ اسے (برائی کے اثر کو) مٹا دے گی

[ترمذی وغیرہ]

تشریح: امام الانبیاء علیہ السلام کے اس ارشاد کا خاص پیغام یہ ہے کہ جب ہم سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس سے دل پر دھبہ لگ جاتا ہے، توبہ کے بعد اگر کوئی صدقہ خیرات یا کوئی اچھا کام کریں تو اس سے دل کا دھبہ دور ہو جاتا ہے اور اس گناہ یا بُرے کام کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

لغات: تَمْحُهَا مَحَا (ن) مَحْوًا اَلشَّیْءَ مٹانا۔

ترکیب: واؤ استینافیہ، اِتَّبِعِ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، اَلسَّیِّئَةَ مفعول اول، الحَسَنَةَ موصوف (الف لام عہد ذہنی حکماً نکرہ)، تمح فعل مضارع، ھی ضمیر مستتر فاعل، ھا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول ثانی فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۱۵۰۔ اچھے اخلاق کا اہتمام

وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ .

++++++++++

بِخُلُقٍ حَسَنٍ	النَّاسَ	وَخَالِقِ
اچھے اخلاق کے ساتھ	لوگوں سے	اور پیش آؤ

[ترمذی]

تشریح: اس حدیثِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہمیں لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے اور اسے نیکی سمجھنا چاہیے اور حقوق العباد کی ادائیگی کے احکامات ہی اصل اخلاق ہیں۔

لغات: خَالِقِ: (ن) پیدا کرنا، مُخَالَقَةٌ: خوش خوئی کے ساتھ زندگی گزارنا۔

ترکیب: واؤ استینافیہ، خَالِقِ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، النَّاسَ مفعول بہ، ب جار، خُـلُقٍ موصوف، حَسَـنٍ صفت، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۵۱۔ دوستی ایمان کی ترقی کے لیے ہو

لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا .

++++++++++

لَا	تُصَاحِبْ	اِلَّا	مُؤْمِنًا
نہ	ساتھی بنا	مگر	ایمان والے کو

[ترمذی]

تشریح: ارشاد مبارک میں تعلقات اور محبت کا معیار بتایا گیا ہے کہ: ہمیں ایسے دوست بنانے چاہئیں جن کا ایمان مضبوط ہو کیونکہ کامل الایمان کا ساتھی بننے سے ہمارا ایمان بھی مضبوط ہوگا اور اگر ہم کسی ایسے شخص کو (جس کا ایمان مضبوط نہیں ہے) اپنا دوست بنالیں گے تو ہمارا ایمان بھی ناقص ہو جائے گا۔ البتہ دعوت دینے کی نیت سے یہ دوستی فائدہ مند ہو سکتی ہے، اس میں ایمانی ترقی کے راستے کھلتے ہیں۔ لیکن علم نہ ہو تو بحث سے بچیں۔

لغات: تُـصَـاحِـبْ: صَـاحَـبَ، مُصَـاحَبَةً، صَحِبَ (س) صُحْبَةً، دوستی کرنا، ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

ترکیب: لَا تُـصَـاحِـبْ نہی حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، اِلَّا حرف استثناء لغو، مُؤْمِنًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا۔

((............۞۞۞............))

۱۵۲۔ نیک لوگوں کو کھانا کھلانے میں بہت بڑا اجر ہے

وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ .

++++++++++

وَلَا	يَأْكُلْ	طَعَامَكَ
اور نہ	کھائے	تمہارے کھانے کو
اِلَّا	تَقِيٌّ	
مگر	پرہیزگار	[ترمذی وغیرہ]

تشریح: سبق ملتا ہے کہ اگر کھلانا چاہیں تو ہمیں نیک اور نمازی، پرہیزگار لوگوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔ تاکہ ان کی نیکیوں کے ثواب میں ہم بھی شریک ہو جائیں۔

لغات: تَقِيٌّ: پرہیزگار، مُتَّقِی، جمع اَتْقِيَاء آتی ہے۔

ترکیب: واؤ عاطفہ، لَا يَأْكُلْ نہی غائب، طَعَامَكَ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، اِلَّا حرف استثناء لغو، تَقِيٌّ فاعل، فعل اپنے مفعول بہ اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔

((............ ❁❁❁ ....))

۱۵۳۔ امانتیں باحفاظت واپس کر دیجئے!

اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ .

++++++++++

اَدِّ	الْاَمَانَةَ	اِلٰى	مَنِ ائْتَمَنَكَ
ادا کر	امانت	اسے	جس نے تیرے پاس امانت رکھی

[ترمذی]

تشریح: ارشاد عالی میں ایک صحابیؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ (جس نے تمہارے پاس اپنی کوئی چیز امانت رکھوائی) اسے میلی نظر سے مت دیکھو۔

بلکہ اس کی صحیح حفاظت کرو اور اسے ایسے ہی جس طرح اس نے تیرے پاس اپنی چیز رکھوائی تو اس کو اس کی پوری چیز دو، یعنی امانت میں خیانت نہ کرو۔

لغات: اَدَّ اَدّٰی، تَادِیَۃً، اَلشَّیْءَ ادا کرنا، پہنچانا، اِئْتَمَنَکَ، اَمَّنَ، اِئْتَمَنَ فُلَانًا عَلٰی کَذَا۔ کسی کو کسی چیز کا امین بنانا۔

ترکیب: اَدِّ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، اَلْاَمَانَۃَ مفعول بہ، اِلٰی جار، مَنْ موصول، ائتَمَنَ فعل ماضی، ھو ضمیر مستتر فاعل، کَ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا۔

((............✿✿✿............))

۱۵۴۔ کوئی تجھ سے خیانت کرے اس سے بھی خیانت نہ کر

وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ .

++++++++++

وَلَا	تَخُنْ	مَنْ	خَانَكَ
اور نہ	خیانت کر	جو	تجھ سے خیانت کرے

[ترمذی]

تشریح، پیغامِ حدیث: اگر کوئی تمہارے ساتھ برا سلوک کرے، تو اس سے اچھا سلوک کرو تا کہ وہ تجھ سے رہنمائی حاصل کرے اور اچھا ہو جائے۔ اگر تم اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو جیسا کہ اس نے تمہارے ساتھ کیا تو اس میں اور تجھ میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

لغات: تَخُنْ بَخَانَہٗ (ن) خِیَانَۃً امانت میں خیانت کرنا۔

ترکیب: واؤ عاطفہ، لَاتَخُنْ نہی حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، مَنْ موصول،

خَانَ فعل ماضی، ھو ضمیر مستتر فاعل، کَ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ، فعل (لَاتَخُنْ) اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہوکر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۵۵۔ اذان تم میں سے بہتر آدمی پڑھے

لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ.

++++++++++

لِيُؤَذِّنْ	لَكُمْ	خِيَارُكُمْ
چاہیے کہ اذان دے	تمہارے لیے	تم میں سب سے بہتر

[ابو داؤد]

تشریح: اسلام کے اہم ارکان میں نماز بھی ہے۔ اس کے اوقات کی ذمہ داری موذنوں پر ہے اس وجہ سے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ بہترین لوگ اذان دیں تا کہ غلطی نہ کریں۔ اور اذان بروقت پڑھیں۔

لغات: لِيُؤَذِّنْ: اَذَّنَ، تَاْذِيْنًا، اَذَّنَ الصَّلٰوةَ، اذان دینا۔

ترکیب: لِيُؤَذِّنْ امر غائب، لَكُمْ جار مجرور مل کر متعلق فعل، خِيَارُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا۔

((............۞۞۞............))

۱۵۶۔ سب سے اچھا پڑھنے والا نماز پڑھائے!

وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّائُكُمْ.

++++++++++

وَلْيَؤُمَّكُمْ	قُرَّائُكُمْ
اور چاہیے کہ امامت کرائیں	تم میں سب سے بہتر پڑھنے والے

[ابو داؤد]

تشریح: امام کے بارے میں فرمایا کہ تم میں سے جو دین کے اعتبار سے بہتر ہو وہ نماز پڑھائے اس سے مراد وہ شخص ہے جو تجوید کے قواعد اور دینی مسائل سے واقف ہو۔

لغات: لِيَؤُمَّكُمْ اَمَّ(ن) اَمًّا بِالْقَوْمِ ، امام بننا، امامت کرنا۔ قُرَّائُكُمْ: جمع اَلْقَارِئُ پڑھنے والا، عبادت گزار۔

ترکیب: واؤ عاطفہ، لِيَؤُمَّ امر غائب، كُمْ ضمیر مفعول بہ، قُرَّائُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف۔ (الخ)

((............✿✿✿............))

۱۵۷۔ سلام کے بغیر گھر آنے کی اجازت نہ دو!

لَا تَأْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ .

++++++++++

لَا	تَأْذَنُوْا	لِمَنْ	لَمْ
نہ	اجازت دو	اس شخص کو جو	نہ
يَبْدَأْ	بِالسَّلَامِ		
پہل کرے	سلام کے ساتھ		[بیہقی]

تشریح: اس حدیث کا مطلب ہے جب تمہارے پاس کوئی آئے اور بغیر سلام کے اندر آنے کی کوشش کرے تو اس سے کہو کہ واپس جا کر سلام کرو پھر اندر داخل ہو۔ خصوصاً اپنے سے چھوٹوں کو اسی طرح سمجھاؤ۔ بڑوں کو تعلیم دینے کے لیے اور راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

لغات: ان الفاظ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

ترکیب: لَا تَأْذَنُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز اس کا فاعل، ل جار، مَنْ موصول، لَمْ يَبْدَأْ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، با جار، السَّلَامِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل

کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل (لَا تَـأْخُذُوْا) فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۵۸۔ سفید بال مسلم کا نور ہے، انہیں نہ اکھاڑو

لَا تَنْتِفُوْا الشَّيْبَ فَإِنَّهٗ نُوْرُ الْمُسْلِمِ .

++++++++++

لَا	تَنْتِفُوْا	الشَّيْبَ
نہ	اکھاڑو	سفید بالوں کو
فَإِنَّهٗ	نُوْرُ الْمُسْلِمِ	
پس بے شک وہ	مسلمان کا نور ہیں	[ابو داؤد]

تشریح: سفید بال بڑھاپے کی نشانی ہیں، بڑھاپا انسان کا وقار ہے، اسی وقار کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں سے رک جاتا ہے اور بڑھاپے میں انسان توبہ واستغفار کی طرف مائل ہوتا ہے۔

لغات: لَا تَـنْـتِفُوْا: نَتَفَ (ض) نَتْفًا وَنَتَّفَ الشَّعْرَ ، بال اکھاڑنا۔ اَلشَّيْبَ: بمعنی سفید بال، شـاب (ض) شَيْبًـا وَشَيْبَةً (ض) بوڑھا ہونا، سفید بال والا ہونا۔ قَـالَ تَـعَـالٰی وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا۔

ترکیب: لَا تَـنْـتِـفُـوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلشَّـيْـبَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ فـــا تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ہ ضمیر اِنّ کا اسم، نُوْرُ مضاف، اَلْـمُسْلِمِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر اِنّ کی خبر، اِنّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معللہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۵۹۔محبتِ الٰہی ،دنیا سے بے رغبتی میں ملتی ہے

اِزْهَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبُّكَ اللّٰهُ.

++++++++++

اِزْهَدْ	فِی الدُّنْیَا	یُحِبُّكَ اللّٰهُ
بے رغبت ہو جا	دنیا کے بارے میں	اللہ تجھ سے محبت کرے گا

[ترمذی ابن ماجه]

تشریح: حقیقی زاہد اس شخص کو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا جس کے پاس مال موجود ہی نہ ہو بلکہ حقیقی زاہد وہ ہے جو ساری لذتوں کے ہوتے ہوئے اس سے دور ہی رہے اور حقیقی محبت کا محور صرف ذات باری تعالیٰ کو رکھے۔دنیا سے دل نہ لگائے۔

لغات:اِزْهَدْ زَهِدَ (س.ف) زُهْدًا،زَهَادَةً فِی الشَّیْءِ وَعَنْهُ ،بے رغبتی کر کے چھوڑ دینا۔

ترکیب:اِزْهَدْ امر حاضر،انت ضمیر مستتر فاعل ،فی جار،اَلدُّنْیَا مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر امر،یُحِبُّ فعل مضارع،ك ضمیر مفعول بہ،لفظ اللّٰه فاعل،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب امر،امر اپنے جواب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۶۰۔اپنی ضروریات میں لوگوں کی جیب پر نظر نہ رکھیے!

وَازْهَدْ فِیْمَا عِنْدَ النَّاسِ یُحِبُّكَ النَّاسُ.

++++++++++

وَازْهَدْ	فِیْمَا	عِنْدَ النَّاسِ	یُحِبُّكَ النَّاسُ
اور بے رغبت ہو جا	جو	لوگوں کے پاس ہے	لوگ تجھ سے محبت کریں گے

[ترمذی ابن ماجه]

تشریح: اپنی ضروریات میں صرف ذاتِ الٰہی پر نظر رہنی چاہیے جو شخص اپنے فاقہ کولوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے تو اس کا فاقہ بند نہ ہوگا کیونکہ آج ضرورت کے لیے بھیک مانگی، وہ احتیاج ختم ہوگی تو کل اس سے اہم ضرورت پیش آئے گی۔ اگر اللہ سے مانگنے کی عادت ہوگی تو چھوٹی بڑی ہر ضرورت پوری ہوگی۔

لغات: اَلنَّاسُ: بمعنی لوگ، یہ اسم جنس ہے کبھی اس کی جمع انسان بھی آتی ہے۔

ترکیب: واؤ عاطفہ، اِزْهَدْ امر حاضر، انت ضمیر مستتر فاعل، فی جار، ما موصولہ، عِنْدَ مضاف، النَّاسِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا ثبت فعل محذوف کا، ثبت فعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر امر، یُحِبُّ فعل، كَ ضمیر مفعول بہ، النَّاسُ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جواب امر، امر اور جواب امر مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۶۱۔ زندگی ایک سفر ہے۔ مسافروں کی طرح گزاریئے!

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ .

++++++++++

كُنْ	فِي الدُّنْيَا	كَاَنَّكَ
ہو جا	دنیا کے بارے میں	گویا کہ تو
غَرِيْبٌ	اَوْ	عَابِرُ سَبِيْلٍ
پردیسی ہے	یا	راہ چلنے والا مسافر ہے

[بخاری]

تشریح: حدیث مبارکہ سے سبق ملتا ہے کہ جس طرح سفر میں مسافر کسی فضول چیز

میں مشغول نہیں ہوتا۔اسی طرح مسلمان کو چاہیے کہ دنیا کی چیزوں کو جمع نہ کرے، بلکہ بقدر ضرورت ساتھ رکھے اور آخرت میں کام دینے والی چیزوں میں لگا رہے۔

لغات:غَرِیْبٌ: بمعنی مسافر، جمع غُرَبَاءُ آتی ہے، غَرَبَ(ن) غُربَةً وَغُربًا، غُرَابَةً پردیسی ہونا۔ عَابِرٌ: (اسم فاعل) گزرنے والا، جمع عُبَّارٌ، عَبْرَةٌ آتی ہے، عَبَرَ(ن) عَبْرًا، عُبُوْرًا. اَلسَّبِیْلَ: گزرنا، راستہ گزرنا۔

ترکیب: کُنْ امر حاضر، انت ضمیر مستتر اس کا اسم، فی جار، اَلدُّنْیَا مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا فعل ناقص کے، کان حرف مشبہ بالفعل، كَ ضمیر اسم، غَرِیْبٌ معطوف علیہ، اَوْ عاطفہ، عَابِرُ مضاف سَبِیْلٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر خبر ہوئی کَاَنَّ کی، کَاَنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی کُنْ کی، کُنْ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............٭٭٭............))

۱۶۲۔جائیداد بنانے میں آخرت نہ بھول جاؤ!

لَا تَتَّخِذُوْا الضَّیْعَةَ فَتَرْغَبُوْا فِی الدُّنْیَا .

++++++++++

لَا تَتَّخِذُوْا	الضَّیْعَةَ	فَتَرْغَبُوْا
نہ بناؤ	جائیداد	پس شوق کرنے لگو گے
فِی الدُّنْیَا		
دنیا میں		

[ترمذی]

تشریح: جائیداد بنانا منع نہیں ہے لیکن اس شخص کے لیے منع ہے جو حصول جائیداد میں اتنا مشغول ہو جائے کہ آخرت کی فکر نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ لیکن جو مشغولیت آخرت کی تیاری میں معاون ہو وہ بابرکت ہے۔

لغات: اَلضَّیْعَةَ: بمعنی جائیداد۔

ترکیب: لَا تَتَّخِذُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلضَّیْعَةَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر نہی، ف جوابیہ، تَرْغَبُوْا فعل مضارع، ضمیر بارز فاعل، فِی الدُّنْیَا جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جواب نہی، نہی جواب نہی مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۶۳۔ مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے اجرت دے دو!

اُعْطُوْا الْاَجِیْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ یَّجِفَّ عَرَقُهٗ.

++++++++++

اُعْطُوْا	الْاَجِیْرَ	اَجْرَهٗ	قَبْلَ
دو	مزدور کو	اس کی مزدوری	پہلے
اَنْ	یَّجِفَّ	عَرَقُهٗ	
اس کے کہ	خشک ہو جائے	اس کا پسینہ	[رواہ ابن ماجه]

تشریح: ارشادِ عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی ضرورت کے لیے آدمی کسی سے کچھ کام لے تو اس کام کے ختم ہونے پر اس کی مزدوری اس کو دے دے، اور اس کی مزدوری ادا کرنے میں ٹال، مٹول نہ کرے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دینا شریعت کے خلاف ہے۔

لغات: اَجِیْرَ: بمعنی نوکر، مزدور جمع اَجَرَاءُ آتی ہے۔ اِسْتَاجَرُ مزدوری پر کسی کو لینا۔ یَجِفُّ جَفَّ (ض) جَفَافًا وَجُفُوْفًا خشک ہونا صفت جَافٌ آتی ہے۔ عَرَقُهٗ: بمعنی پسینہ عَرِقَ (س) عَرَقًا پسینہ آنا۔

ترکیب: اُعْطُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلْاَجِیْرَ مفعول اول، اَجْرَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول ثانی، قَبْلَ ظرف مضاف، اَنْ ناصبہ مصدریہ، یَجِفَّ فعل مضارع، عَرَقُهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ

خبر یہ بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل دونوں مفعولوں اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۱۶۴۔ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ

خَالِفُوْا الْمُشْرِكِيْنَ اَوْفِرُوْا اللُّحٰی وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ

++++++++++

خَالِفُوْا	الْمُشْرِكِيْنَ	اَوْفِرُوْا
الٹا چلو	شرک کرنے والوں کے	بڑھاؤ
اللُّحٰی	وَاحْفُوا	الشَّوَارِبَ
ڈاڑھی کو	اور کٹواؤ	مونچھوں کو

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیثِ پاک میں دو چیزوں کا حکم دیا ہے۔

❶ مشرکین کی مخالفت قرآن کریم اور احادیث میں مسلمانوں کی صفات پیدا کرنے کا حکم ہے تو اس کے ساتھ اللہ کے نافرمانوں کی مخالفت کا بھی حکم ہے یعنی ہمارے سارے کام اللہ کے باغیوں کے خلاف ہونے چاہیں۔

❷ دوسرا حکم ڈاڑھی کے بڑھانے اور مونچھوں کے کٹوانے کا ہے کیونکہ ڈاڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا مشرکین کا فعل ہے دیگر احادیث کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور مونچھیں کترنا مسنون عمل ہے۔

لغات: اَوْفِرُوْا: زیادہ کرنا، بڑھانا وَفَرَ (ض) وَفْرًا لَهُ الْمَال، زیادہ کرنا۔ اللُّحٰی: جمع اللِّحْيَة، ڈاڑھی۔ قَالَ تَعَالٰی لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ. اِحْفُوْا: اَحْفٰی، اِحْفَاءً، شَارِبَهٗ، مونچھ کترنے میں مبالغہ کرنا حَفِيَ (س) حَفًا زیادہ چلنے سے پاؤں کا تھکنا۔

ترکیب: خَالِفُوا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، الْمُشْرِكِيْنَ مفعول بہ، فعل اپنے

فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ اَوْفُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَللُّحٰی مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، اِحْفُوا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، الشَّوَارِبَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفہ ہوا، جملہ معطوف علیہا اور جملہ معطوفہ مل کر جملہ معطوفہ ہوکر پہلے جملہ کا بیان ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۶۵۔ مبلغین کے لیے ایک نصیحت

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا .

++++++++++

بَشِّرُوْا	وَلَا تُنَفِّرُوْا	وَيَسِّرُوْا
خوش خبریاں سناؤ (لوگوں کو)	اور نفرت نہ دلاؤ	اور آسانی کا معاملہ کرو
وَلَا تُعَسِّرُوْا		
اور تنگی نہ کرو		

[بخاری مسلم]

تشریح: اس حدیث میں ہر مسلمان کے لیے ایک خاص پیغام ہے کہ جب وہ لوگوں کو دین کی دعوت دے تو اعمال پر ملنے والے اجر وثواب کی خوش خبریاں سنائے اور نفرت کا ذریعہ نہ بنے، دین کو آسان طریقے سے پیش کرے، مشکل کاموں کو بعد میں بتائے۔ پہلے آسان آسان کام سامنے رکھے۔

لغات: بَشِّرُوْا بَشَّرَهٗ، تَبْشِيْرًا، خوش خبری دینا، خوش کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَبَشَّرْنَاهُ بِاِسْحَاقَ، بشر (ض. س) اَلْبَشَرُ وُاسْتَبْشَرَ، خوش ہونا، تُنَفِّرُوْا نَفَّرَهٗ، نَفِيْرًا، نفرت دلانا نَفَرَ (ض) نَفْرًا من كذا، نفرت کرنا، ناپسند کرنا، يَسِّرُوْا يَسَّرَهٗ بفلان، آسان کرنا، يَسِرَ (ك. س) يُسْرًا، ويسرا الامر، آسان ہونا، اسی سے يَسِيْرٌ آتا ہے، بمعنی آسان۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا. تُعَسِّرُوْا عسر الامر، دشوار کرنا، تنگ کرنا عسر (س. ك) عُسْرًا دشوار ہونا۔

ترکیب: بَشِّرُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، لَا تُنَفِّرُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔ واؤ استینافیہ، یَسِّرُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، لَا تُعَسِّرُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۶۶۔ بھوکوں کو کھلانا، مریض کی عیادت اور قیدی چھڑوانا

اَطْعِمُوْا الْجَائِعَ وَعُوْدُو الْمَرِيْضَ وَفُكُّو الْعَانِيَ .

++++++++++

اَطْعِمُوْا	الْجَائِعَ	وَعُوْدُو الْمَرِيْضَ
کھانا کھلاؤ	بھوکے کو	اور بیمار کی بیمار پرسی کرو

وَفُكُّو الْعَانِيَ

اور چھڑواؤ قیدی کو [بخاری]

تشریح: اس حدیث میں محسنِ انسانیت ﷺ نے انسانی حقوق بیان کیے۔

❶ بھوکوں کو کھانا کھلانا: اس سے صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

❷ بیمار پرسی کرنا: اس سے بندہ اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق ہوتا ہے۔

❸ قیدیوں کو چھڑوانا: اس سے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

لغات: اَلْجَائِعَ: بمعنی بھوکا، جمع جیعان آتی ہے، عُوْدُوْا عَادَ(ن) عودا، عیدۃ المریض، بیمار پرسی کرنا۔

ترکیب: اَطْعِمُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلْجَائِعَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، وَعُوْدُوْا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا

العَانِیَ دونوں جملے بترکیب سابق پہلے جملے پر معطوف ہیں۔

((............❁❁❁............))

۱۶۷۔مرغ کوگالی نہ دو!

لَا تَسُبُّوا الدِّيْكَ فَإِنَّه يُوْقِظُ لِلصَّلٰوةِ .

++++++++++

لَا	تَسُبُّوا	الدِّيْكَ	فَإِنَّه
نہ	بُرا کہو	مرغ کو	پس بے شک وہ
يُوْقِظُ	لِلصَّلٰوةِ		
جگاتا ہے	نماز کے لیے		[رواہ ابوداؤد]

تشریح: کسی کو برا کہنا تو ویسے ہی درست نہیں لیکن خاص طور پر مرغ کے متعلق اس لیے حکم دیا کہ اس کی صفت ہے کہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔ جب اچھی عادت والے اوراذان دینے والے حیوان کو برا نہیں کہہ سکتے تو انسان کی اہانت کیسے جائز ہوگی اور حقیقی مؤذن کو برا کیسے کہہ سکتے ہیں۔ پھر موذن بھی نماز کے لیے بیدار کرتا ہے اسے برا، بھلا کہنا کیسے درست ہوگا؟

لغات: تَسُبُّوا: تَسُبُّ(ن) سُبًّا سخت گالی دینا، اَلدِّيْكَ : مرغ جمع دُيُوْكٌ، اَدْيَاكٌ دِيَكَةٌ آتی ہے، يُوْقِظُ: اَيْقَظَ اِيْقَاظًا بمعنی بیدار کرنا۔

ترکیب: لَا تَسُبُّوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، الدِّيْكَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معللہ، ف تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ہ ضمیر اِنَّ کا اسم، يُوْقِظُ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، لِلصَّلٰوةِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معللہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۱۶۸۔ غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کیا جائے

لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ .

++++++++++

لَا	يَقْضِيَنَّ	حَكَمٌ	بَيْنَ اثْنَيْنِ
نہ	ہرگز فیصلہ کرے	کوئی فیصلہ کرنے والا	دو کے درمیان
وَهُوَ	غَضْبَانُ		
اس حال میں کہ وہ	غصے میں ہو		[بخاری و مسلم]

تشریح: آقائے کائنات ﷺ کی اس حدیث پاک میں فیصلہ کرنے والوں کے لیے خاص ہدایت ہے کہ جب ان کا دماغ بھوک، پیاس، بیماری یا غصہ یا کسی بھی وجہ سے حاضر نہ ہو تو وہ فیصلہ نہ کریں، یعنی دلی اطمینان کے ساتھ ،سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ تاکہ کوئی اپنے حق سے محروم نہ رہ جائے، اور کسی کو ناحق تکلیف نہ ہو۔

لغات: يَقْضِيَنَّ قَضٰی (ض) قَضَاءً، وقَضِيَّةً قَضٰی بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ ،فیصلہ کرنا، اسی سے قَاضِيْ اسم فاعل ہے، قاضی القضاۃ چیف جسٹس کو کہتے ہیں۔ غَضْبَانُ غصہ ہونے والا، غضب ناک ہونا، غضب (س) غضبا علیه غصہ ہونا۔

ترکیب: لَا يَقْضِيَنَّ امر نہی غائب مؤکد با نون ثقیلہ، حَكَمٌ ذوالحال، واؤ حالیہ، ھو مبتدا، غَضْبَانُ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال، ذوالحال اور حال مل کر فاعل بَيْنَ مضاف، اثنین مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۶۹۔مومن عیش پرست نہیں ہوتا

اِیَّاكَ وَالتَّنَعُّمِ فَإِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ .

++++++++++

اِیَّاكَ	وَالتَّنَعُّمِ	فَإِنَّ	عِبَادَ اللّٰهِ
بچوتم	عیش پرستی سے	پس بے شک	اللہ کے(نیک)بندے

لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ

نہیں ہوتے عیش پرست [رواه احمد]

تشریح: اس حدیث پاک میں راحت طلبی اورتن آسانی اورفیشن پرستی کی مذمت ہے کیونکہ مسلمان جفاکش، محنتی اور مسافرانہ زندگی بسر کرنے والا ہوتا ہے وہ اپنی خواہشات اور عیش پرستی میں نہیں پڑتا، بلکہ سادگی اور قناعت کے ساتھ آخرت کی تیاری میں مشغول رہتا ہے۔

لغات:اَلتَّنَعُّمُ:نازنعمت کی زندگی بسرکرنا۔نَعَمَ(ن۔س۔ف)نِعْمَةُ الرَّجُلِ خوش حال ہونا۔

ترکیب:اِیَّاكَ ضمیر منصوب منفصل مفعول بہ،تقدیر عبارت اِتَّقِ نفسك اِتّق امر حاضر،انت ضمیر مستتر فاعل، نفسك مضاف مضاف الیہ مل کرمعطوف علیہ، وَالتَّنَعُّم معطوف،معطوف علیہ معطوف مل کرمفعول بہ،فعل اپنے فاعل اورمفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکرمعلّل،ف تعلیلیہ،اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،عِبَادَ اللّٰهِ مضاف مضاف الیہ مل کراِنّ کا اسم،لَيْسُوْا فعل ناقص ضمیر بارز اس کا اسم،با جارہ زائدہ،الْمُتَنَعِّمِيْنَ خبر،لیسوا اپنے اسم اورخبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکرخبر،اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوکر تعلیل۔معلّل تعلیل مل کر جملہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

((..........✿✿✿..........))

۱۷۰۔ سجدے کے آداب

اِعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطُ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ

++++++++++

اِعْتَدِلُوْا	فِی السُّجُوْدِ	وَلَا
ٹھہرا کرو	سجدے میں	اور نہ
يَبْسُطُ	اَحَدُكُمْ	ذِرَاعَيْهِ
پھیلائے	تم میں سے کوئی آدمی	اپنے بازوؤں کو
اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ		
(سجدے میں) کتے کے پھیلانے کی طرح		[بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں دو حکم ہیں۔

❶ سجدہ اطمینان سے ادا کرنا، اس میں مرد، عورت برابر ہیں۔

❷ دونوں ہاتھوں کو سجدے میں نہ پھیلانا، یہ حکم مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں، مجموعی طور پر یہ حکم ہے کہ سجدے کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔

لغات: يَبْسُطُ بَسَطَ(ن) بَسْطًا بمعنی پھیلانا، بچھانا۔ ذِرَاعَيْهِ: تثنیہ ہے ذِرَاعْ کی، بمعنی بازو۔ قَالَ تَعَالٰی كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ، جمع اَذْرُعْ، ذِرْعَانْ آتی ہے، ذَرَعَ(ف) ذَرْعًا الثوبَ ہاتھ سے ناپا۔

ترکیب: اِعْتَدِلُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، فِی السُّجُوْدِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واو عاطفہ، لا يَبْسُطُ نہی غائب، اَحَدُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، ذِرَاعَيْهِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، اِنْبِسَاطِ الْكَلْبِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔ جملہ معطوف علیہا اور جملہ معطوفہ مل کر جملہ معطوفہ انشائیہ ہوا۔

۱۷۱۔مُردوں کو گالی نہ دو، وہ اپنے انجام تک پہنچ چکے

لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا .

++++++++++

لَا	تَسُبُّوا	الْاَمْوَاتَ	فَاِنَّهُمْ
نہ	برا کہو	مُردوں کو	پس بے شک انہوں نے
قَدْ	اَفْضَوْا	اِلٰى مَا	قَدَّمُوْا
تحقیق	پالیا	وہ جو	آگے بھیجا

[بخاری]

تشریح: خاتم الانبیاء علیہ السلام کے ارشادگرامی سے معلوم ہوا کہ مُردے کی غیبت کرنا بھی حرام ہے کیونکہ مردہ اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ اللہ کے ہاں پہنچ چکا ہے۔

جب ہر مردے کا یہ حکم ہے تو پھر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین، عالم دین (جنہوں نے دین پھیلایا) ان کی برائی کیسے جائز ہوگی؟

لغات: اَلْاَمْوَاتَ: مَيِّتٌ کی جمع ہے بمعنی مردہ، جمع اَمْوَاتٌ، مَوْتٰى، مَيِّتُوْنَ وغیرہ آتی ہے۔قَالَ تَعَالٰى اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ. مَاتَ(ن) مَوْتًا بمعنی مرنا۔اَفْضَوْا: (افعال) اِفْضَاءٌ بمعنی پہنچنا۔

ترکیب: لَا تَسُبُّوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلْاَمْوَاتَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معلل، ف تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، هُمْ، ضمیر اِنَّ کا اسم، قَدْ اَفْضَوْا ماضی قریب، ضمیر بارز فاعل، اِلٰى جار، ما موصول، قَدَّمُوْا فعل ماضی، ضمیر بارز فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر خبر۔اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر تعلیل، معلّل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

۱۷۲۔ بچوں کو نماز کا حکم اور سلانے کا ایک ادب

مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَیْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشَرِ سِنِیْنَ وَفَرِّقُوْا بَیْنَهُمْ فِی الْمَضَاجِعِ .

++++++++++

مُرُوْا	اَوْلَادَکُمْ	بِالصَّلٰوةِ
حکم کرو	اپنی اولادوں کو	نماز کا
وَهُمْ	اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ	وَاضْرِبُوْهُمْ
اس حال میں کہ وہ	سات سال کے بچے ہوں	اور ماروان کو
عَلَیْهَا	وَهُمْ	اَبْنَاءُ عَشَرِ سِنِیْنَ
اس (نماز چھوڑنے) پر	اس حال میں کہ وہ	دس سال کے بچے ہوں
وَفَرِّقُوْا	بَیْنَهُمْ فِی الْمَضَاجِعِ	
اور جدائی کردو	ان کو بستروں میں	[ابو داؤد]

تشریح: ہمارے نبی محترم ﷺ ہمیں بچوں کے متعلق ہدایات دے رہے ہیں کہ والدین اپنی اولاد کی نماز کا بچپن ہی سے خیال رکھیں۔

❶ جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دیں اس عمر تک ان کو نماز، وضو وغیرہ سکھائیں۔ تاکہ دس برس تک مکمل نماز و طریقہ نماز سیکھ لیں۔

❷ دس سال کی عمر میں بھی نماز کے عادی نہ ہوں تو ان کو مارنا بھی جائز ہے۔

❸ جب بچے دس سال کے ہو جائیں تو انہیں اکٹھے سونے کی اجازت نہیں، اس سے برائیاں پھیلتی ہیں اور بچوں میں گندی عادات آ جاتی ہیں۔

لغات: اَبْنَاءُ: ابن کی جمع ہے بمعنی بیٹا، بنون بھی جمع آئی ہے۔ اَلْمَضَاجِعِ: مضجع کی جمع ہے بمعنی خواب گاہ، سونے کی جگہ ضجع (ف) ضجعا و ضجع، پہلو کے بل لیٹنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ۔

ترکیب: مُرُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَوْلَادَکُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر ذوالحال، واو حالیہ، هُمْ مبتدا، اَبْنَاءُ سَبْعَ سِنِيْنَ مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر حال، ذوالحال حال مل کر مفعول بہ، بِالصَّلٰوةِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، اَضْرِبُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، هُمْ ذوالحال، واؤ حالیہ، اَبْنَاءُ عَشَرَ سِنِيْنَ مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر حال، ذوالحال حال مل کر مفعول بہ علیہا، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف اول، واؤ عاطفہ، فَرِّقُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، بَيْنَهُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر مفول فیہ، فِي الْمَضَاجِعِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۷۳۔ قرآنِ کریم کی حفاظت کرو، یہ جلد بھولنے والا ہے

تَعَاهَدُوْا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْاِبِلِ عُقُلِهَا.

++++++++++

تَعَاهَدُوْا	الْقُرْآنَ	فَوَالَّذِيْ
حفاظت کرو	قرآن کی	پس قسم ہے اس ذات کی
نَفْسِيْ بِيَدِهٖ	لَهُوَ	اَشَدُّ تَفَصِّيًا
جس کے قبضے میں میری جان ہے	البتہ وہ (قرآن کریم)	زیادہ جلد نکلنے والا ہے
مِنَ الْاِبِلِ	عُقُلِهَا	
اونٹ سے	اس کی رسی میں سے	[بخاری ومسلم]

تشریح: آنحضرت ﷺ کی اس حدیث پاک میں قرآن کریم کی حفاظت کا حکم

ہے کہ (جب) جتنا بھی قرآن پاک یاد ہو جائے اسے یاد رکھنا فرض ہے۔آپ ﷺ نے حدیث مذکور میں سرکش اونٹ کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھایا ہے کہ قرآن پاک دماغوں سے نکلنے میں سرکش اونٹ سے زیادہ تیز ہے، اس لیے اس کو حفظ کے بعد یاد کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔حفاظ قرآن کے لیے یہ خاص نصیحت ہے۔

لغات: تَعَاهَدُ تَعَاهَدَ، تعَهَّدَ، بمعنی حفاظت کرنا، عَهِدَ(س) عَهْداً حفاظت کرنا۔ عُقُلِهَا: عقل (ن.ض) عَقَلًا البَعِيْرَ فانك،ثان ،ملا کر رسی سے باندھنا، عقلہ وہ چیز جس سے باندھا جائے، مراد وہ رسی جس سے اونٹ کی رانوں کو باندھا جائے۔

ترکیب: تَعَاهَدُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلْقُرْآنَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلّل ، ف تعلیلیہ ، واؤ قسمیہ جارہ اَلَّذِيْ اسم موصول، نَفْسِيْ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، ب جار، يَدِہٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثبت فعل محذوف کے، ثبت فعل اپنے فاعل (هو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار کا، جار مجرور مل کر متعلق اُقْسِمُ فعل محذوف کے، اقسم فعل اپنے فاعل (انا ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر قسم، ل تاکید هو مبتدا، اشد صیغہ اسم تفضیل، مِنَ الإبِلِ جار مجرور مل کر اس کے متعلق، هُوَ ضمیر مستتر ممیز، تَفَصِّيًا مصدر، عُقُلِهَا مضاف مضاف الیہ مل کر منصوب بنزع الخافض ای من عُقُلِهَا جار مجرور متعلق تَفَصِّيًا کے، مصدر اپنے متعلق سے مل کر تمیز، ممیز تمیز مل کر اَشَدَّ کا فاعل، صیغہ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جواب قسم، قسم اور جواب قسم مل کر جملہ قسمیہ ہو کر تعلیل۔ معلّل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۷۴۔قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو!

لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا .

++++++++++

لَا	تَجْلِسُوْا	عَلَى الْقُبُوْرِ
نہ	بیٹھو	قبروں پر
وَلَا	تُصَلُّوْا	اِلَيْهَا
اور نہ	نماز پڑھو	ان کی طرف [مسلم]

تشریح: ہمارے محبوب نبی ﷺ کی اس حدیث میں قبر کا ادب بتایا ہے کہ اس پر بیٹھنا جائز نہیں اور دوسرا ادب یہ بتایا کہ اس کی طرف نماز پڑھنا بھی جائز نہیں (تا کہ شرک کا شبہ بھی نہ ہو) سجدہ تو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، نہ عبادت کے لیے اور نہ ادب کے لیے۔

لغات: اَلْقُبُوْر: جمع ہے قبر کی جس میں مردے کو رکھا جاتا ہے۔قَالَ تعَالٰی اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ۔

ترکیب: لَا تَجْلِسُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، عَلَى الْقُبُوْرِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہا، واؤ عاطفہ، لَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا بترکیب سابق جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف۔ معطوف علیہا اپنے معطوف سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۱۷۵۔مظلوم کی بددعا سے بچو، جلد قبول ہونے والی ہے

اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ

++++++++++

اِتَّقِ	دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ	فَاِنَّهٗ
ڈر	مظلوم کی (بد) دعا سے	پس بے شک (بات یہ ہے کہ)

لَیۡسَ	بِـھَا	وَ
نہیں ہے	اس کی (بددعا) کے	اور
بَیۡنَ اللّٰہِ	حِجَابٌ	
اللہ کے درمیان	کوئی پردہ	[بخاری ومسلم]

تشریح: (یہ حکم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اس وقت دیا کہ جب ان کو یمن کا گورنر بنایا گیا) اس حدیث سے معلوم ہوا ہمارے ہاتھ اور زبان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مظلوم آدمی ہمارے حق میں بددعا کرے اور فوراً قبول ہو جائے۔

لغات: حِجَابٌ: بمعنی پردہ جمع حُجُب ہے حَجَبَ (ن) حِجَابًا چھپانا، حائل ہونا۔

ترکیب: اِتَّقِ امر حاضر، ضمیر مستتر فاعل، دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر فعلیہ انشائیہ ہو کر معلل، ف تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ہ ضمیر اِنَّ کا اسم، لَیْسَ فعل ناقص، بَیْنَہَا مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، بَیْنَ اللّٰہِ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول فیہ ہوا ثابتًا محذوف کا، ثابتًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور مفعول فیہ سے مل کر لَیْسَ کی خبر مقدم حجاب اسم مؤخر، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل اور تعلیل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۱۷۶۔ ان چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو!

اِتَّقُوا اللّٰهَ فِیْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوْهَا صَالِحَةً .

++++++++++

اِتَّقُوا	اللّٰهَ	فِیْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ
ڈروتم	اللہ سے	ان بے زبان جانوروں کے بارے میں
فَارْكَبُوْهَا	صَالِحَةً	وَاتْرُكُوْهَا
پس سواری کروتم ان پر	اچھی حالت میں	اور چھوڑو ان کو
صَالِحَةً		
اچھی حالت میں		[ابو داؤد]

تشریح: اس حدیث میں آپ ﷺ نے جانوروں کے دو حقوق ارشاد فرمائے۔

❶ جانور پر سواری اس وقت کرنا چاہیے جب وہ سواری کے قابل ہو، شکم سیر ہو اور تھکا ہوا نہ ہو۔ اس کے آرام کا خیال رکھو!

❷ دوسرا حق یہ ارشاد فرمایا کہ جب وہ تھک جائے اور بھوکا ہو تو اسے کھانے اور آرام کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ آزادی اس کا بھی حق ہے۔

ملاحظہ: جب جانوروں کے حقوق کا اتنا لحاظ ہے تو آپ ﷺ کی نگاہ میں انسانیت کے حقوق کا کیا عالم ہوگا۔

لغات: اَلْبَهَائِمُ: جمع اَلْبَهِيْمَةُ بمعنی جانور چوپائے۔ اَلْمُعْجَمَةُ مُعْجَمٌ کی مؤنث ہے، بمعنی گونگا، کھل کر بیان نہ کرنے والا، عَجُمَ(ك) عُجْمَةٌ بمعنی لکنت ہونا۔

ترکیب: اِتَّقُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، لفظ اللّٰه مفعول بہ، فی جار، هٰذِهِ اسم اشارہ، البهائم موصوف، المُعْجَمَةِ صفت، موصوف صفت مل کر مشار الیہ، اسم اشارہ اور مشار الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور

متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر مفسر یہ، اُرْکَبُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، ھَا ضمیر ذو الحال، صَالِحَۃً حال، حال ذو الحال مل کر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ اُتْرُکُوْھَا صَالِحَۃً بترکیب سابق جملہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ اور معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہو کر تفسیر، مفسر اور تفسیر مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ تفسیر یہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۷۷۔ غیر محرم کے ساتھ ہر طرح کی خلوت اور سفر سے پرہیز کریں

لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَۃٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ اِمْرَأَۃٌ اِلَّا وَمَعَھَا مَحْرَمٌ

++++++++++

لَا	یَخْلُوَنَّ	رَجُلٌ
نہ	الگ بیٹھے	کوئی مرد
بِامْرَأَۃٍ	وَلَا تُسَافِرَنَّ	اِمْرَأَۃٌ
کسی (غیر محرمہ) عورت کے ساتھ	اور ہرگز سفر نہ کرے	کوئی عورت
اِلَّا	وَمَعَھَا	مَحْرَمٌ
مگر	اس حال میں کہ اس کے ساتھ	کوئی محرم ہو

[بخاری و مسلم]

تشریح: اللہ کے پیغمبرؐ نے اس حدیث پاک میں دو حکم ارشاد فرمائے۔

❶ مردوں کو حکم ہے کہ کسی بھی غیر محرمہ عورت کے ساتھ الگ نہ بیٹھیں۔ ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح درمیان میں تیسرا شیطان ضرور ہوتا ہے جو انہیں برائی (زنا، غلط خیالوں یا کم از کم بدنظری) میں مشغول کرتا ہے۔

❷ دوسری ہدایت مسلمان خواتین کو ہے کہ وہ بغیر محرم کے سفر نہ کیا کریں۔ آپ ﷺ کی ان دونوں ہدایات پر عمل کرنے سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اور عمل نہ کرنے

سے بے شمار دنیاوی اور دینی نقصانات ہوتے ہیں۔ طالبینِ علم سے گزارش ہے کہ ابھی سے ہر غیر محرم رشتہ دار خواتین سے پردے کا اہتمام کریں ورنہ بعد میں پردے پر عمل اور مسائل بتانا مشکل ہوگا۔

لغات: يَخْلُوَنَّ بخلا (ن) خُلُوًّا و خَلًا تنہائی اختیار کرنا۔ مَحْرَمٌ: جمع مَحَارِمُ، وہ رشتہ دار جس سے کبھی بھی نکاح درست نہ ہو۔

ترکیب: لَا يَخْلُوَنَّ نہی غائب بانون تاکید ثقیلہ، رَجُلٌ فاعل، بِامْرَأَةٍ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہ، وَلَا تُسَافِرَنَّ نہی غائب بانون تاکید ثقیلہ، اِمْرَأَةٌ ذوالحال، اِلَّا حرف استثناء لغو، واؤ حالیہ، مَعَهَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ثَابِتٌ محذوف کا، ثَابِتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، مَحْرَمٌ مبتدا موخر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر حال، حال ذوالحال مل کر فاعل لَا تُسَافِرَنَّ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۷۸۔ جانوروں کی پیٹھ کو ممبر نہ بناؤ!

لَا تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ.

++++++++++

لَا	تَتَّخِذُوْا	ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ	مَنَابِرَ
نہ	بناؤ	اپنے جانوروں کی پشتوں کو	منبر

[ابوداؤد]

تشریح: اس حدیث پاک میں جانوروں کی پیٹھ پر بیٹھ کر خطاب کرنے اور سودا سلف لینے کے لیے باتیں کرنے سے منع کیا۔ ہاں سوار ہوکر چلتے چلتے بات کرنے کا اور حکم ہے، کھڑے کرکے باتیں شروع کر دینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے جانوروں کو ناجائز تکلیف ہوتی ہے اگر چہ آپ ﷺ نے اونٹنی پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا لیکن وہ

اونٹنی بجا طور پر آپ ﷺ کے خطاب فرمانے پر خوش ہو گی۔ جیسا کہ ساری مخلوقات آپ ﷺ سے محبت کرتی ہے۔

لغات: ظُهُوْرَ: جمع ہے ظَهْر کی بمعنی پیٹھ، دَوَابٌ: جمع دابة کی بمعنی رینگنے والے جانور، سواری کے جانور کو بھی کہتے ہیں، دب (ض) دبا و دبیبا ہاتھ پاؤں کے بل چلنا۔ مَنَابِرَ: جمع مِنبرٌ بمعنی بلند جگہ۔

ترکیب: لَا تَتَّخِذُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول اول، مَنَابِر مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۷۹۔ جاندار کو نشانہ نہ بناؤ!

لَا تَتَّخِذُوْا شَيْئًا فِيْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا .

++++++++++

لَا تَتَّخِذُوْا	شَيْئًا	فِيْهِ
نہ بناؤ	کسی چیز کو	جس میں
اَلرُّوْحُ	غَرَضًا	
جان ہو	نشانہ	[مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں اس بات سے منع فرمایا گیا کہ کسی بھی جاندار انسان یا حیوان کو محض شوق پورا کرنے کے لیے مارا جائے اور اسے ستانے کے لیے نشانہ بنایا جائے۔

لغات: اَلرُّوْحُ: بمعنی جان، نفس اس کی جمع اَرْوَاحٌ آئی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ۔ غَرَضَ: بمعنی حاجت، مطلوب جمع اَغْرَاضٌ آتی ہے، یہاں نشان بنانا مراد ہے۔

ترکیب: لَا تَتَّخِذُوْا نہی حاضر، ضمیر بارز فاعل، شَیْئاً موصوف، فِیْهِ جار مجرور، متعلق کَائِناً محذوف کے، الرُّوْحُ کائنا کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول اوّل، غَـرَضًـا مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۱۸۰۔ بغیر اجازت دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھو!

لَا تَجْلِسْ بَیْنَ رَجُلَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا .

++++++++++

لَا	تَجْلِسْ	بَیْنَ رَجُلَیْنِ
مت	بیٹھ	دو آدمیوں کے درمیان
اِلَّا	بِاِذْنِهِمَا	
مگر	ان کی اجازت کے ساتھ	[ابو داؤد]

تشریح: اس حدیث پاک کا خاص پیغام یہ ہے کہ جب دو آدمی بیٹھے ہوں تو تیسرے کو درمیان میں بغیر اجازت نہ بیٹھنا چاہیے۔ یہ ممانعت کئی وجوہ سے ہے۔

❶ یہ تہذیب کے بھی خلاف ہے۔

❷ دو آدمیوں کی باتوں میں دخل اندازی بھی ہے۔

❸ درمیان میں بیٹھنے والے کا اپنا نقصان بھی ہے کہ ان دونوں بیٹھنے والوں کے دلوں میں کدورت آجاتی ہے جس سے تعلقات خراب ہوتے ہیں۔

لغات: تَجْلِسُ بجلس (ض) بمعنی بیٹھنا۔ رَجُلَیْنِ رَجُلٌ کی تثنیہ ہے بمعنی دو آدمی۔

ترکیب: لَا تَـجْلِسْ نہی حاضر، ضمیر مستتر فاعل، بَیْنَ مضاف، رَجُلَیْنِ مضاف الیہ، دونوں مل کر مفعول فیہ، اِلَّا حرف استثنا لغو، با جار، اِذْنِهِمَا مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ

فعلیہ انشائیہ ہوا۔

۱۸۱۔صدقہ مصائب کے لیے ڈھال ہے

بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا .

++++++++++

بَادِرُوْا	بِالصَّدَقَةِ	فَإِنَّ
جلدی کرو	خیرات کرنے میں	پس بے شک
الْبَلَاءَ	لَا يَتَخَطَّاهَا	
مصیبت	نہیں بڑھتی ہے اس سے آگے	[مشکوٰۃ]

تشریح: آنحضرت ﷺ کی اس حدیث پاک میں (توفیق ہونے پر) جلد صدقہ کرنے کی ترغیب دی ہے، اس کے دو فائدے بتائے ہیں کہ صدقہ کی برکت سے آنے والی بیماریاں، مصائب اور مشکلات ٹل جاتی ہیں۔

۲۔صدقہ سے ستر بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ [کنز]

لغات: بَادِرُوْا بَادَرَ، مُبَادَرَةً، دِيْدَارُ اِلَى الشَّيْءِ ،جلدی کرنا۔يَتَخَطَّاهَا: تَخَطّٰى، تَخَطِّيًا، بمعنی تجاوز کرنا، پھاندنا۔

ترکیب: بَادِرُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، بِالصَّدَقَةِ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلل، ف تعلیلیہ، ان حرف مشبہ بالفعل، البَلَاءَ اِنَّ کا اسم، لَا يَتَخَطّٰ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، ھَا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر اِنَّ کی خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل مل کر جملہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

((..........❀❀❀..........))

۱۸۲۔اپنے بھائی کی تکلیف پر خوش نہ ہوں!

لَا تَظْهَرِ الشَّمَاتَةَ لِاَخِيْكَ فَيَرْحَمُهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ.

++++++++++

لَا تَظْهَرِ	الشَّمَاتَةَ لِاَخِيْكَ	فَيَرْحَمُهُ اللّٰهُ
نہ خوش ہو	اپنے بھائی کی تکلیف پر	پس مہربان ہوگا اللہ اس پر
وَيَبْتَلِيْكَ		
اور تجھے (اس تکلیف میں) مبتلا کردے گا		[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں دوسروں کی تکالیف پر خوش ہونے سے منع فرمایا اور اس کا نقصان یہ بتایا کہ اس طرح یہی تکلیف خوش ہونے والے کو لگ جاتی ہے۔ ہمیں سبق یہ ملا کہ ہم دوسروں کی تکالیف دور کرنے میں ان کے کام آئیں اور مسلمانوں کی پردہ پوشی کریں اور جب کسی کو تکلیف میں دیکھیں تو اپنے لیے اور تکلیف زدہ انسان کے لیے رو رو کر دعا مانگیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ہم پر اور ان پر مہربان ہو جائیں گے اور آپس میں ایک دوسرے کا احترام پیدا ہوگا۔

لغات: اَلشَّمَاتَةَ: شَمِتَ (س) شَمَاتَةً، شَمَاتًا بفُلَانٍ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا۔ وَيَبْتَلِيْكَ: ابتلی افعال ابتلا، آزمائش کرنا، مصیبت میں ڈالنا، بَلَا (ن) آزمانا، تجربہ کرنا امتحان لینا۔

ترکیب: لَا تَظْهَرِ نہی حاضر، ضمیر مستتر فاعل، الشَّمَاتَةِ مفعول بہ، ل جار، اَخِيْكَ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلل، ف تعلیلیہ، يَرْحَم فعل مضارع ہ ضمیر مفعول بہ، لفظ اللہ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، يَبْتَلِي فعل مضارع ہو ضمیر مستتر فاعل، ك ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف

علیہ معطوف مل کر تعلیل معلل اور تعلیل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۸۳۔ایک کھجور بھی ہو سکے تو صدقہ کرو!

اِتَّقُو ا النَّارَ وَلَو بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ .

++++++++++

تَّقُو ا النَّارَ	وَلَو	بِشِقِّ تَمْرَةٍ
بچو (جہنم کی) آگ سے	اگرچہ	ایک کھجور کے ٹکڑے کے (صدقہ
مَنْ لَّمْ يَجِدْ	فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ	کرنے کے) ساتھ ہو
ں جو شخص (ایک کھجور بھی) نہ پائے	پس اچھی بات کے ساتھ	[بخاری]

تشریح: اس حدیث پاک میں توجہ دلائی گئی ہے کہ صدقہ اتنا ضروری ہے کہ ایک کھجور کا ٹکڑا بھی ہو تو اسے بھی صدقہ کر کے ثواب کی امید رکھو اور آگے بتایا کہ اگر اتنا ی نہ ہو سکے تو خوش اخلاقی اور اچھی بات کے ذریعے سے جہنم کی آگ سے بچا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ بھی بڑی نیکی ہے اگر اخلاص ہو۔

نات: بِشِقِّ بِکَسْرِ الشِّینِ بمعنی جانب، کنارہ، ہر چیز کا آدھا حصہ، جمع شُقُوْقٌ ہے، قَّ (ن) شَقًّا توڑنا، پھاڑنا۔

ترکیب: اِتَّقُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلنَّارَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول ل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ واؤ مبالغہ، لَوْ وصلیہ شرطیہ، ب جار، بِشِقِّ تَمْرَةٍ مضاف ضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوئے کان محذوف کے، کان اپنے عل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اس کی جزا اِتَّقُوا النَّارَ ینہ ماقبل کی بنا پر محذوف ہے۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہ، ف اطفہ، من موصولہ، صلہ متضمن معنی شرط، لَمْ يَجِدْ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے عل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر شرط، ف جزائیہ، ب جار، كَلِمَةٍ

موصوف، طَیِّبَۃٍ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اِتَّقُوا محذوف کے، اِتَّقُوا فعل با فاعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۸۴۔ اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو!

جَاهِدُوْا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ.

++++++++++

جَاهِدُوْا	الْمُشْرِكِيْنَ	بِاَمْوَالِكُمْ
جہاد کرو	مشرکین سے	اپنے مالوں
وَاَنْفُسِكُمْ	وَاَلْسِنَتِكُمْ	
اور اپنی جانوں	اور اپنی زبانوں کے ساتھ	[ابو داؤد

تشریح: جہاد کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا دین سربلند ہو اور کفر نیچا ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے کوشش کرنے کے بڑے فضائل ہیں۔

❶ جہاد کی صف میں کھڑے ہونا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔

❷ جہاد بہترین اعمال میں سے ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

اس سے معلوم ہوا کہ شرک، بدعت اور رسومات کو مٹانے کی کوشش کرنا اور سنت رسول ﷺ کو خود اپنانا اور لوگوں تک پہنچانا بہترین عمل ہے۔ خواہ تلوار سے ہو، زبان سے ہو، تعلیم سے ہو یا دعوت و تبلیغ سے ہو۔

لغات: اَنْفُسِكُمْ: جمع نفس کی بمعنی جان، اَلْسِنَتِكُمْ: جمع لسان بمعنی زبان۔

ترکیب: جَاهِدُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، اَلْمُشْرِكِيْنَ مفعول بہ، با جار اَمْوَالِكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَنْفُسِكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف اول، واو عاطفہ، السنتکم مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی

معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۱۸۵۔ پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جان لو

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ.

++++++++++

اِغْتَنِمْ	خَمْسًا	قَبْلَ خَمْسٍ
غنیمت جان لے	پانچ کو	پانچ سے پہلے
شَبَابَكَ	قَبْلَ هَرَمِكَ	وَصِحَّتَكَ
اپنی جوانی کو	اپنے بڑھاپے سے پہلے	اور اپنی تندرستی کو
قَبْلَ سُقْمِكَ	وَغِنَاكَ	قَبْلَ فَقْرِكَ
اپنی بیماری سے پہلے	اور اپنی خوش حالی کو	اپنی تنگدستی سے پہلے
وَفَرَاغَكَ	قَبْلَ شُغْلِكَ	وَحَيٰوتَكَ
اور اپنی فرصت کو	اپنے مصروف ہونے سے پہلے	اور اپنی زندگی کو
قَبْلَ مَوْتِكَ		
اپنے مرنے سے پہلے		

[رواه الترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں پانچ عظیم نعمتوں کی اہمیت بتائی گئی ہے۔

❶ جوانی: کیونکہ بڑھاپے میں کمزوری کی وجہ سے بہت سے اعمالِ خیر نہیں ہو سکتے۔

❷ تندرستی: کیونکہ بیماری بہت سی نعمتوں سے محروم کر دیتی ہے۔

❸ تنگدستی: سے انسان کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

❹ فراغت: کیونکہ زیادہ مشغولیت کی وجہ سے بہت سے اعمال رہ جاتے ہیں۔

❺ زندگی: بہت بڑی قیمتی چیز ہے موت آنے پر زندگی کے سارے فوائد سے محرومی ہو جاتی ہے۔ان پانچوں نعمتوں کو چند دنوں کا مہمان سمجھ کر خوب قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اور آخرت کی تیاری میں لگانا چاہیے۔

لغات: اِغْتَنِمْ: غنیمت سمجھنا غَنِمَ(س) غَنَمًا ،سبقت حاصل کرنا۔قَالَ تَعَالٰی وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَا غَنِمْ مَنْ. شَبَابَ: جوانی ،شَبَّ(ض) شَبَابًا ،جوان ہونا،هَرَمَ: بمعنی انتہائی بوڑھا ہونا هَرِمَ(س) هَرَمًا بہت بوڑھا ہونا، کمزور ہونا۔سُقْمِ سَقِمَ(س. ك) سُقْمًا، سَقَامَةً بمعنی بیمار ہونا اس کی جمع سقام اور سقما آئی ہے۔قَالَ تَعَالٰی اِنِّی سَقِيْمٌ۔

ترکیب: اِغْتَنِمْ امر حاضر، ضمیر مستتر فاعل، خَمْسًا مبدل منہ اول، شَبَابَكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، صِحَّتِكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف اول واؤ عاطفہ، غِنَاكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثانی، واؤ عاطفہ، فِرَاغَكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف ثالث، واؤ عاطفہ، حَيٰوتَكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف رابع، معطوف علیہ اپنے چاروں معطوفات سے مل کر بدل، مبدل منہ اول، اپنے بدل سے مل کر مفعول بہ، قبل مضاف خَمْسٍ مضاف الیہ، دونوں مل کر مبدل منہ ثانی، قبل مضاف، هَرَمَ مضاف الیہ مضاف، كَ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، قبل سُقْمِكَ بترکیب سابق معطوف اول، واؤ عاطفہ، قبل فَقْرِكَ معطوف ثانی، واؤ عاطفہ، قَبْلَ شُغْلِكَ معطوف ثالث، واؤ عاطفہ، قبل مَوْتِكَ معطوف رابع، معطوف علیہ اپنے چاروں معطوفات سے مل کر بدل، مبدل منہ ثانی اپنے بدل سے مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

لَيْسَ النَّاقِصَة

ملاحظہ: لیس افعال ناقصہ میں سے ہے۔ مبتدا اور خبر پر داخل ہو کر مبتداء کو مرفوع اور خبر کو منصوب کر دیتا ہے۔ آنے والی احادیث میں اس ضابطہ نحو کی مشق ہے۔ اس کے معنی ہیں (نہیں ہے)۔

فائدہ: لَيْسَ یہ اصل میں لَيِسَ تھا تو لَيْسَ کا وزن فَعِلَ ہے اور فَعِلَ میں فَعْلَ پڑھنا جائز ہے جیسے عَلِمَ میں عَلْمَ پڑھنا جائز ہے۔ اس کی صرف ماضی کی گردان کلام عرب میں مستعمل ہے۔

گردان لَيْسَ لَيْسَا لَيْسُوا . لَيْسَتْ لَيْسَتَا لَسْنَ . لَسْتَ لَسْتُمَا لَسْتُمْ . لَسْتِ لَسْتُمَا لَسْتُنَّ . لَسْتُ لَسْنَا .

۱۸۶۔ پہلوان اور بہادر وہ جو غصے پہ قابو پائے

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ .

++++++++++

لَيْسَ	الشَّدِيْدُ	بِالصُّرْعَةِ
نہیں ہے	پہلوان	پچھاڑنے کے ساتھ
اِنَّمَا	الشَّدِيْدُ	الَّذِیْ
بے شک	پہلوان	وہ ہے جو
يَمْلِكُ	نَفْسَهٗ	عِنْدَ الْغَضَبِ
قابو میں رکھے	اپنے آپ کو	غصے کے وقت

[بخاری و مسلم]

تشریح: رہبرِ انسانیت ﷺ کے اس فرمان میں غصہ پی جانے کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ بہادر اور پہلوان دوسروں کو پچھاڑنے والا نہیں بلکہ حقیقی بہادر وہ ہے کہ اسے غصہ آئے تو پی جائے، اللہ کے بندوں میں قطع تعلقی، لڑائی، جھگڑا، گالم گلوچ اور فتنہ فساد نہ کرے۔

لغات: اَلشَّدِيْدُ: بہادر، قوی، بلند۔ قَالَ تَعَالٰی اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۔ جمع اشِدَّاءُ، شُدُوْدٌ آئی ہے، شد (ن۔ض) شدا مضبوط کرنا۔ اَلصُّرْعَةِ: جو دوسرے کو پچھاڑ دے، صرع (ف) صَرْعًا، صُرْعًا، بمعنی پچھاڑ دینا۔

ترکیب: لَيْسَ موصوف، اَلنَّاقِصۃ صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہوا فعل محذوف اِقْرَا کا۔ اِقْرَا امر حاضر اپنے فاعل ضمیر مستتر اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

ترکیب: لَيْسَ فعل ناقص، اَلشَّدِيْدُ لَيْسَ کا اسم، بَا جار، اَلصُّرْعَةِ مجرور جار

مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے۔ کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ہُ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اِنَّمَا کلمہ، حَصرَ الشَّدِیْدُ مبتدا، اَلَّذِیْ موصول، یَمْلِكُ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، نَفْسَہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، عِنْدَ الْغَضَبِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہوا۔

((............ ۞۞۞ ....))

۱۸۷۔ عورت اور غلام کو بہکا کر خاوند اور آقا سے جدا نہ کر

لَیْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ اِمْرَأَةً عَلٰی زَوْجِهَا اَوْ عَبْدًا عَلٰی سَیِّدِهٖ .

++++++++++

لَیْسَ	مِنَّا	مَنْ
نہیں ہے	ہم میں سے	جو
خَبَّبَ	اِمْرَأَةً	عَلٰی زَوْجِهَا
ابھارے	کسی عورت کو	اس کے شوہر کے خلاف
اَوْ	عَبْدًا	عَلٰی سَیِّدِهٖ
یا	کسی غلام کو	اس کے آقا کے خلاف

[ابو داؤد]

تشریح: اس حدیث شریف میں میاں، بیوی، غلام اور آقا کے درمیان ناچاقی کروانے والے کی بدبختی کا اعلان ہے کہ اس قسم کا فتنہ پرداز آدمی مسلمانوں کی جماعت سے نکل جاتا ہے کیونکہ اسلام تعلقات جوڑنے کے راستے بتاتا ہے یہی مومن کی شان ہے۔

لغات: خَبَّبَ: دھوکا دینا، خراب کرنا، بگاڑنا۔ خَبَّبَ عَلٰی فُلَانٍ صَدِیْقَهٗ اس نے فلاں کے دوست کو بگاڑ دیا۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، مِنَّا جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم، مَنْ موصول، خَبَّبَ فعل ماضی، (ھُوَ ضمیر مستتر فاعل)، اِمْرَأَۃً معطوف علیہ، او حرف عطف، عبدًا معطوف، دونوں مل کر مفعول بہ، عَلٰی جار، زَوْجِھَا مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر معطوف علیہ، او عطف، عَلٰی جار، سَیِّدِہٖ مضاف مصاف الیہ دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر لَیْسَ کا اسم، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۱۸۸۔چھوٹوں پہ شفقت اور بڑوں کی عزت کرو

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَیَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ .

++++++++++

لَیْسَ	مِنَّا	مَنْ
نہیں ہے	ہم میں سے	جو
لَمْ یَرْحَمْ	صَغِیْرَنَا	وَلَمْ
رحم نہ کرے	ہمارے چھوٹوں پر	اور نہ
یُوَقِّرْ	کَبِیْرَنَا	وَیَأْمُرْ
عزت کرے	ہمارے بڑوں کی	اور نہ حکم کرے
بِالْمَعْرُوْفِ	وَیَنْہَ	عَنِ الْمُنْکَرِ
نیکی کا	اور نہ روکے	برائی سے [ترمذی]

تشریح: ہمارے آقا علیہ السلام نے اس ارشاد میں چار اہم کام بتائے ہیں۔

❶ چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا۔

❷ بڑوں کا احترام کرنا۔اس میں والدین،اساتذہ وغیرہ سب آ گئے۔

❸ لوگوں میں نیکی کی باتیں پھیلانا۔

❹ برائی سے خود بچنا اور دوسروں کو بچانا۔یہ چار کام دنیاوی اور دینی فوائد کی جڑیں ہیں۔پہلے دو سے آپس کے تعلقات درست ہوتے ہیں اور دوسرے دو سے اسلام کے ساتھ انسان کا رشتہ جڑا رہتا ہے۔

لغات:یُوَقِّرْ وقر (ض)وقرا،قارۃ ،صاحب وقار ہونا،فلاں وقر شیخہ ،فلاں نے اپنے استاد کی تعظیم کی۔

ترکیب:لَیْسَ فعل ناقص،مِنَّا جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًامحذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر)اور متعلق سے مل کر خبر مقدم،مَنْ موصول،لَمْ یَرْحَمْ فعل مضارع مجزوم،ہٗ ضمیر مستتر فاعل،صَغِیْرَنَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ،واو عاطفہ،لَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا بترکیب سابق معطوف اول،واؤ عاطفہ،یأمرْ فعل مضارع مجزوم،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،بِالْمَعْرُوْفِ جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ثانی،واؤ عاطفہ،یَنْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ بترکیب سابق معطوف ثالث،معطوف علیہ اپنے تینوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہو کر صلہ،موصول صلہ مل کر لَیْسَ کا اسم،لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۸۹۔ پڑوسی کا خیال نہ رکھنے والا مومن نہیں ہے

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ .

++++++++++

لَيْسَ	الْمُؤْمِنُ	بِالَّذِيْ
نہیں ہے	(کامل) مؤمن	وہ جو
يَشْبَعُ	وَجَارُهُ	جَائِعٌ
سیر ہوکر کھائے (اس حال میں کہ)	اس کا پڑوسی	بھوکا ہو
اِلٰى جَنْبِهٖ		
اس کے پہلو میں		[بیهقی]

تشریح: اس حدیث پاک میں آنحضرت ﷺ کی ہر مومن کو یہ نصیحت ہے کہ اگر وہ کامل ایمان چاہتا ہے تو پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھیں، جب وہ کھائے تو یہ سوچے کہیں میرا پڑوسی بھوکا تو نہیں۔ پڑوسی کا اطلاق اپنے ہم سبق، اپنے دوست ودیگر ساتھیوں اور قریبی مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے۔

لغات: يَشْبَعُ (س) شَبْعًا، شَبْعًا مِنَ الطَّعَامِ . شکم سیر ہونا۔ جنبه: جانب، پہلو، اس کی جمع اجناب اور جنوب آئی ہے۔ قَالَ تعَالٰی فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ۔

ترکیب: لَيْسَ فعل ناقص، اَلْمُؤْمِنُ لَيْسَ کا اسم، با زائدہ، اَلَّذِيْ اسم موصول، يَشْبَعُ فعل مضارع، هُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، واؤ حالیہ، جارہ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، جَائِعٌ صیغہ اسم فاعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلٰی جار، جَنْبِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اسم فاعل کے، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہوکر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر حال، دونوں مل کر يَشْبَعُ کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ، موصول صلہ مل کر لَيْسَ کی خبر، لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

۱۹۰۔مومن کی چار صفات

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ .

++++++++++

لَيْسَ	الْمُؤْمِنُ	بِالطَّعَّانِ
نہیں ہے	(کامل)مؤمن	جوعیب لگائے
وَلَا	بِاللَّعَّانِ	وَلَا
اور نہ	وہ جولعنت کرے	اور نہ وہ
الفَاحِشِ	وَلَا	الْبَذِيِّ
جوحد سے گزرنے والا ہو	اور نہ	وہ جو بے ہودہ بات کرے

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث میں مؤمن کی چار نشانیاں بتائی گئی ہیں۔

❶ مؤمن طعان نہیں ہوتا کہ لعنت ملامت اور دوسروں کی عیب جوئی کرنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔

❷ مؤمن لعان نہیں ہوتا۔اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت کی امید کرتا ہے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بھی۔

❸ مؤمن باتیں کرنے والا نہیں ہوتا اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے۔

❹ مؤمن بے ہودہ بات کرنے والا نہیں ہوتا یعنی ہر وہ بات جس میں دینی نفع نہ ہو اس سے بچتا ہے۔اس حدیث پاک میں خاص طور پر زبان کی حفاظت کا حکم ہے کیونکہ یہ چاروں گناہ جن سے بچنے کی ترغیب ہے زبان ہی سے صادر ہوتے ہیں۔

لغات:اَلطَّعَّانَ:مبالغہ کا صیغہ ہے،بہت زیادہ طعنہ دینے والا،طَعَنَ(ن.ف)طعنا نیزہ مارنا،فی الرجل عیب لگانا طَعَنَ عَلَيْهِ طعنہ مارنا۔لَعَّانَ:یہ بھی صیغہ مبالغہ کا ہے،بہت زیادہ لعنت کرنے والا،لَعَنَ (ف) لَعْنًا فُلَانًا لعنت کرنا،گالی دینا۔اَلْفَاحِشَ:حد سے گزرنے والا،فَحُشَ(ك)فُحْشًا ،بڑا ہونا(ضَ)۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، اَلْمُؤْمِنُ لَیْسَ کا اسم، با زائدہ، اَلطَّعَّانَ معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، لا زائدہ برائے تاکید، با زائدہ برائے تاکید، اللَّعَّانَ معطوف اول، واؤ عاطفہ، اَلْفَاحِشِ معطوف ثانی، واؤ عاطفہ، لا زائدہ، اَلْبَذِیِّ معطوف ثالث، معطوف علیہ اپنے تینوں معطوفات سے مل کر خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۹۱۔ اصل صلہ رحمی کیا ہے

لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحْمُهٗ وَصَلَهَا.

++++++++++

لَیْسَ	الْوَاصِلُ	بِالْمُكَافِئِ
نہیں ہے (با کمال)	رشتہ جوڑنے والا	جو برابری کا معاملہ کرے
وَلٰكِنَّ	الْوَاصِلَ الَّذِیْ	اِذَا
لیکن	رشتہ جوڑنے والا وہ ہے کہ	جب
قُطِعَتْ رَحْمُهٗ	وَصَلَهَا	
اس سے رشتہ توڑا جائے	تو وہ اسے جوڑے	[بخاری]

تشریح: اس حدیث پاک میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ جو تمہارے ساتھ احسان کرے اس کے احسان کا بدلہ دینا یہ کوئی خاص کمال نہیں ہے۔ انسانی عظمت اس میں یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ برائی کرے یہ مسلمان ان کے ساتھ اچھائی کرے۔ جو اس سے رشتہ توڑے۔ یہ اس سے رشتہ جوڑے۔

لغات: اَلْوَاصِلُ: جوڑنے والا، وَصَلَ (ض) وَصْلًا، وَصْلَةً بمعنی جوڑنا، صلہ رحمی کرنا، نرمی کرنا۔ اَلْمُكَافِئُ: كَافَأَ، مُكَافَأَةً، احسان کا بدلہ احسان سے یا اس سے زیادہ اچھی طرح دینا۔ رَحْمُهٗ: قرابت، رشتہ دار، جمع ارحام۔ قَالَ تَعَالٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، اَلْوَاصِلُ لَیْسَ کا اسم، با زائدہ، اَلْمُکَافِئُ خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ واؤ استینافیہ، لٰکِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلْوَاصِلُ لٰکِنَّ کا اسم، اَلَّذِیْ اسم موصول، اذا حرف شرط، قُطِعَتْ فعل ماضی مجہول، رَحِمُہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، وَصَلَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ھا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر لٰکِنَّ کی خبر، لٰکِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۱۹۲۔ حقیقی مالداری دل کا غنی ہونا ہے

لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرْضِ وَلٰکِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ .

++++++++++

لَیْسَ	الْغِنٰی	عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرْضِ
نہیں ہے (حقیقی)	امیری	سامان کی زیادتی سے
وَلٰکِنَّ	الْغِنٰی	غِنَی النَّفْسِ
اور لیکن	امیری ہے	دل کی مالداری سے

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث میں دل کا اطمینان، صبر اور قناعت کی فضیلت بتائی ہے کہ مال کم ہو یا زیادہ ہو دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں پر خوش رہنا چاہیے۔ اسے ''غنائے قلب'' کہا جاتا ہے، اور اس حدیث میں اسی کو حقیقی مالداری قرار دیا گیا ہے۔

لغات: عَرْضٌ: متاع، سامان، اسباب جمع عروض آتی ہے۔ اَلنَّفْسُ: روح، دل، جمع نُفُوْس اور اَنْفُسٌ آتی ہے۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، اَلْغِنٰی لَیْسَ کا اسم، عَنْ جار، کَثْرَۃِ الْعَرْضِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کـائـنـاً محذوف کے، کـائـنـاً صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر۔لَیْسَ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا، واؤ استینافیہ۔لٰـکِنَّ حرف مشبہ بالفعل، الـغِـنٰی لٰکِنَّ کا اسم، غِـنَـی النَّفْـسِ مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، لٰکِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مستانفہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۹۳۔صُلح کے لیے خلافِ واقعہ بات کرنے والا جھوٹا نہیں

لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَیَقُوْلُ خَیْرًا وَیُنْمِیْ خَیْرًا ۔

++++++++++

لَیْسَ	الْکَذَّابُ	الَّذِیْ
نہیں ہے	جھوٹا وہ	جو کہ
یُصْلِحُ	بَیْنَ النَّاسِ	وَیَقُوْلُ
صلح کرائے	لوگوں کے درمیان	اور کہے
خَیْرًا	وَیُنْمِیْ خَیْرًا	

بھلی بات اور اچھی بات منسوب کرے (دوسروں کی طرف) [بخاری ومسلم]

تشریح: اس ارشاد حبیب ﷺ میں دو آدمیوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے خلافِ واقعہ بات کہنے کی بھی اجازت دی گئی ہے اور حدیث پاک کے دوسرے حصے میں صلح جوئی کے لیے بھلائی کی بات کرنے کی ترغیب دی گئی ہے یعنی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جھوٹ سے بچے، لیکن بالفرض ''اِصْلَاحُ بَیْـنَ الـنَّـاسِ'' کی غرض سے کوئی خلافِ واقعہ بات بھی کرے تو پکڑ سے محفوظ رہے گا۔

لغات: یَنْمِیْ نمی (ض) نمیا، 'الشیئ'' بلند کرنا، منسوب کرنا، مراد دوسرا معنی ہے الحدیث الی فلان، کسی کی طرف منسوب کرنا۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، الکَذَّابُ لَیْسَ کا اسم، الَّذِیْ موصول، یُصْلِحُ فعل مضارع، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، بَیْنَ النَّاسِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، یَقُوْلُ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، خَیْرًا مقولہ (مفعول بہ) فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اول، واو عاطفہ، یَنْمِیْ خَیْرًا بترکیب سابق معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر لَیْسَ کی خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۱۹۴۔ دعا ایک پسندیدہ عمل ہے

لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ .

++++++++++

لَیْسَ	شَیْءٌ	اَکْرَمَ
نہیں ہے	کوئی چیز	زیادہ پسندیدہ
عَلَی اللّٰہِ	مِنَ الدُّعَاءِ	
اللہ کو	دعاء سے	[ترمذی]

تشریح: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمانِ مکرم میں اللہ سے مانگنے کی ترغیب دی ہے کہ جب بھی تمہیں دنیاوی واخروی ضرورت پڑے تو دعا کا دامن کبھی نہ چھوڑیں اللہ کے نزدیک تمام عبادات میں پسندیدہ چیز دعاء ہے۔

ترکیب: لَیْسَ فعل ناقص، شَیْءٌ لَیْسَ کا اسم، اَکْرَمَ صیغہ اسم تفضیل، ھُوَ ضمیر مستتر

فاعل ،عَلَی اللّٰہِ جارمجرورمل کرمتعلق اول اسم تفضیل ،مِنَ الدُّعَاءِ جارمجرورمل کر متعلق ثانی ،اَکْرَمَ اسم تفضیل اپنے فاعل اوردونوں متعلقوں سے مل کرخبر،لَیْسَ اپنے اسم اورخبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

۱۹۵۔میت پرآواز سے رونا اورنوحہ کرنامنع ہے

لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ .

++++++++++

لَیْسَ	مِنَّا	مَنْ
نہیں ہے	ہم میں سے	جو
ضَرَبَ	الْخُدُوْدَ	وَشَقَّ
پیٹے (غم میں)	(اپنے)رخساروں کو	اور پھاڑے
الْجُیُوْبَ	وَدَعَا	بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ
گریبانوں کو	اور پکارے	جاہلیت کی پکار

[بخاری ومسلم]

تشریح: مصائب اورمشکلات زندگی کا حصہ ہیں۔ان پراظہارغم کی بھی اجازت ہے۔لیکن بے صبری کے ساتھ رخساروں کو پیٹنا،گریبانوں کو پھاڑنا یافوت شدہ کے لیے جاہلانہ باتیں کرنے سے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے منع فرمایااوران چیزوں کو جاہلیت قراردیا ہے۔

لغات:اَلْخُدُوْدَ:جمع خَدٌّ بمعنی رخسار،اَلْجُیُوْبَ:جمع ہے جَیْبٌ کی بمعنی گریبان، جَابَ(ض) جَیْبًا القَمِیْصَ ،گریبان بنانا،شَقَّ:(ن)شَقًّا بمعنی پھاڑنا،جداجداکرنا۔

ترکیب:لَیْسَ فعل ناقص،مِنَّا جارمجرورمل کرمتعلق کائنًا،صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیرمستتر)اورمتعلق سے مل کرخبرمقدم،مَنْ موصول،ضَرَبَ فعل ماضی ،ہٗ

ضمیر مستتر فاعل، الـخُدُوْدَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ، واو عاطفہ، شَـقَّ الْـجُـيُـوْبَ بترکیب سابق معطوف اول، واؤ عاطفہ، دُعَـاءِ فعل ماضی، ضمیر مستتر فاعل، بـا جار، دَعْـوَى الْـجَـاهِلِيَّةِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر لَيْسَ کا اسم، لَيْسَ اپنی خبر مقدم اور اسم سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۹۶۔ مشاہدہ اور خبر میں فرق ہے

لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ .

++++++++++

كَالْمُعَايَنَةِ	الْخَبَرُ	لَيْسَ
برابر دیکھی ہوئی کے	سنی ہوئی بات	نہیں ہے

[احمد]

تشریح: اس حدیث پاک میں ایک نفسیاتی نقطہ کی طرف اشارہ ہے کہ انسان آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز سے جتنا متاثر ہوتا ہے اتنا سنی ہوئی سے نہیں ہوتا اور دوسرا یہ معلوم ہوا سنی ہوئی بات اور دیکھی ہوئی بات میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے معاملات میں دونوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔

لغات: اَلْمُعَايَنَةِ عَايَنَ، مُعَايَنَةً بمعنی خود دیکھنا مشاہدہ کرنا۔

ترکیب: لَيْسَ فعل ناقص، اَلْخَبَرُ لَيْسَ کا اسم، كَ جار، الْـمُعَايَنَةِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق كَـائِـنًـا محذوف کے، كَـائِـنًـا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوا۔

الشَرط وَالجَزاءُ

ملاحظہ: اب ہم ان احادیث کا مطالعہ کریں گے جن کا پہلا حصہ شرط اور دوسرا حصہ جزاء ہے۔ دوسرے حصے (جزاء) پر کبھی فاء لانا ضروری ہو گا کبھی نہیں اب پہلے ان احادیث کا بیان ہے جن میں جزاء پر ف نہیں آتا۔ ان احادیث طیبہ کے شروع میں حرف شرط مَنْ کا استعمال عام ہے۔

دخول فاء علی الجزاء تین قسم پر ہے۔

❶ منع ❷ جائز ❸ واجب

❶ منع: اگر جزاء فعل ماضی متصرف بغیر قد کے ہو تو دخول فاء منع ہے جیسے اِنْ تَضْرِبْنِیْ ضَرَبْتُكَ

❷ جائز...... اگر جزاء فعل مضارع مثبت ہو اور بغیر سین اور سوف کے ہو یا مضارع منفی بَلَا ہو تو دخول فاء جائز ہے جیسے: اِنْ تَضْرِبْنِی اَضْرِبْكَ فَاَضْرِبْكَ اِنْ تَضْرِبْنِیْ لَا اَضْرِبْكَ فَلَا اَضْرِبْكَ۔

❸ واجب اگر جزاء فعل ماضی غیر متصرف ہو تو دخول فاء واجب ہے جیسے اِنْ جَاءَ زَیْدٌ فَلَیْسَ یُكْرِمُكَ۔ اگر جزاء فعل ماضی متصرف بِقَدْ ہو تو پھر بھی دخول فاء واجب ہے۔ پھر قد دو قسم پر ہے۔ ا۔ لفظی ۲۔ تقدیری۔

مثال لفظی: اِنْ سَرَقَ فَقَدْ سَرَقَ

مثال تقدیری: اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ یہ اصل فَقَدْ صَدَقَتْ تھا۔

اگر جزاء فعل مضارع ہو اور مثبت ہو سین اور سَوْفَ بھی داخل ہو تو اور منفی بَلَمْ یا بَلَنْ ہو پھر بھی دخول فاء واجب ہے جیسے اِنْ تَضْرِبْنِیْ فَسَیَضْرِبُكَ، فَسَوْفَ یَضْرِبُكَ فَلَنْ یَّضْرِبُكَ۔

۱۹۷۔تواضع بلندی کا ذریعہ اور تکبر ذلت کا ذریعہ ہے

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ

++++++++++

مَنْ	تَوَاضَعَ لِلّٰهِ	رَفَعَهُ اللّٰهُ
جو	اللہ، کے لیے عاجزی اختیار کرے	تو اسے اللہ بلند کر دیتا ہے
وَمَنْ	تَكَبَّرَ	وَضَعَهُ اللّٰهُ
اور جو	بڑا سمجھے اپنے کو	تو اسے اللہ نیچا کر دیتا ہے

[رواه البيهقى]

تشریح: آقائے نامدار ﷺ کے اس فرمان عالی میں عاجزی کا سبق دیا گیا ہے اور یہ خوش خبری سنائی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس عمل پر بلندیاں نصیب فرماتے ہیں اور حدیث شریف کے دوسرے حصہ میں تکبر کی مذمت بیان کی گئی ہے اور یہ وعید ہے کہ تکبر والے کو ذلیل اور رسوا کیا جاتا ہے (اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)۔

تکبر اور صغر

تکبر کی تعریف یہ ہے کہ کوئی انسان اپنے اوصاف سے زیادہ کا دعویٰ کرے اور صغر یہ ہے کہ اپنے اصل مقام سے بھی اپنے آپ کو نیچے گرا دے اور ان دونوں حالتوں کے درمیان رہنے کو تواضع اور عاجزی کہتے ہیں۔

لغات: تَوَاضَعَ: بمعنی ذلیل ہونا، عاجز ہونا، وَضَعَ (ض) وَضْعًا، رکھنا، گھٹانا، تواضع خود سے چھوٹا بننا۔ رَفَعَ: رَفَعَ (ف) رَفْعًا اٹھانا، رَفُعَ (ك) رِفْعَةً، رِفَاعَةً عالی مرتبہ ہونا۔

ترکیب: اَلشَّرْط معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَلْجَزَاء معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول بہ اِقْرَأْ فعل محذوف کا، اِقْرَأْ فعل اپنے فاعل (انت ضمیر مستتر) اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا۔

ترکیب: مَنْ کلمہ شرط، تَوَاضَعَ فعل ماضی، ضمیر مستتر فاعل، لِلّٰهِ جار مجرور مل کر متعلق

ہوافعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، رفع فعل ماضی، ہ ضمیر مفعول بہ، لفظ اللّٰہُ فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہو کر معطوف، معطوف اور معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوئے۔

((............۞۞۞............))

۱۹۸۔ نعمت ملنے پر اللہ کے ساتھ بندوں کا بھی شکریہ ادا کریں!

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ

++++++++++

مَنْ	لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ	لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ
جو	لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا	وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا

[احمد و ترمذی]

تشریح: اس حدیثِ نبی ﷺ میں یہ ہدایت دی گئی ہے جو ہمارے ساتھ احسان کرے ہم اس کا شکریہ ادا کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کی ناشکری کو اللہ کی ناشکری قرار دیا ہے۔ جیسے والدین پالنے کا ذریعہ، استاد علم کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح کوئی بھی جو ذریعۂ نعمت بنے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

ترکیب: مَنْ کلمہ شرط، لَمْ يَشْكُرْ فعل، ضمیر مستتر فاعل، النَّاسَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، لَمْ يَشْكُرِ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، لفظ اَللّٰهَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۱۹۹۔نہ مانگنے والے سے اللہ ناراض ہوتے ہیں!

مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ .

++++++++++

مَنْ	لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ	يَغْضَبْ عَلَيْهِ
جو	اللہ سے نہ مانگے	اللہ اس پر ناراض ہوں گے

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں دعا کرنے کا خاص طور پر حکم دیا گیا ہے دنیا والوں سے ہم مانگتے ہیں تو وہ ناراض ہوتے ہیں لیکن اللہ وہ ہیں جو نہ مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں۔

ترکیب: مَنْ کلمہ شرط، لَمْ يَسْئَلِ فعل مضارع، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، لفظ اللّٰهَ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، يَغْضَبْ فعل مضارع، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، عَلَيْهِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۰۰۔لٹیرے اپنے ایمان کی فکر کریں

مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا.

++++++++++

مَنِ انْتَهَبَ	نُهْبَةً	فَلَيْسَ
جو شخص لوٹے	کسی مال کو	پس نہیں ہے وہ
مِنَّا		
ہم میں سے		

[ترمذی]

تشریح: اس ارشاد رسالت مآب ﷺ میں دوسروں کا مال لوٹنے کی وعید ہے اور بتایا

گیا ہے کہ یہ جرم اتنا برا ہے کہ اسے کرنے والا مسلمان نہیں رہتا۔

لغات: اِنْتَهَبَ: مالِ غنیمت کو لینا، نَهِبَ (ف. ن. س) نَهْبًا الغَنِيمَةَ ، مالِ غنیمت لوٹنا، اسی سے نُهْبَةً آ رہا ہے، ہر وہ چیز جو لوٹی جائے۔

ترکیب: مَنِ کلمہ شرط، انْتَهَبَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، نُهْبَةً مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، ف جزائیہ لَيْسَ فعل ناقص، هُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم، مِنَّا جار مجرور مل کر متعلق کائنًا محذوف کے، كائنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۰۱۔ نیکی کی راہ بتانے والا نیکی میں شریک ہے

مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ .

++++++++++

مَنْ	دَلَّ	عَلٰى خَيْرٍ
جو	رہنمائی کرے	کسی بھلائی پر
فَلَهٗ	مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ	
پس اس کے لیے	اس کے کرنے والے کی طرح ثواب ہے	[مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں اس بات کی وضاحت ہے کہ دوسروں کو نیک عمل اور بھلائی کی بات بتانے والا ان کے عمل میں پورا پورا شریک رہتا ہے۔ ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بھلائی کی بات بتانا صدقہ ہے۔'' ہمیں چاہیے جتنا دین سیکھیں اسے لوگوں تک پہنچائیں۔ تاکہ فریضہ تبلیغ بھی ادا ہو اور بہت سے اعمال کے اجر کا ایک ذریعہ بھی بن جائے۔ صدقہ جاریہ بھی ہو۔

لغات: دَلَّ يَدُلُّ (ن) دَلَالَةً اِلَى الشَّيْءِ وَعَلَيْهِ ، رہنمائی کرنا راستہ دکھانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم، متضمن معنی شرط، دَلَّ فعل ماضی، هُو ضمیر مستتر فاعل، عَلٰی خَیْرٍ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ف جزائیہ، لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق ثَابِتٌ محذوف کے، مِثْلُ مضاف، اَجْرِ مضاف الیہ، فَاعِلِ مضاف الیہ مضاف، ہٖ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر ثَابِتٌ کا فاعل، ثَابِتٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۰۲۔ جو مسلمان پہ ہتھیار اٹھائے؟

مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا .

++++++++++

مَنْ	حَمَلَ	عَلَيْنَا
جو	اٹھائے	ہم پر
السِّلَاحَ	فَلَيْسَ	مِنَّا
ہتھیار	پس نہیں ہے وہ	ہم میں سے [بخاری]

تشریح: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان پر اسلحہ اٹھانا (خواہ وہ مذاق ہی کیوں نہ ہو) یہ نا جائز ہے اور وہ شخص جو کسی مسلمان پر اسلحہ اٹھائے وہ اسلامی برادری سے نکل جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقے سے دور ہو جاتا ہے۔

لغات: اَلسِّلَاحَ: مذکر و مونث دونوں استعمال ہوتا ہے۔ بمعنی ہتھیار جمع اَسْلِحَةٌ، سلح، سلحان آتی ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم، متضمن معنی شرط، حَمَلَ فعل ماضی، هُو ضمیر مستتر فاعل، عَلَيْنَا جار مجرور مل کر متعلق فعل، اَلسِّلَاحَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق

اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط ،ف جزائیہ،لَیْسَ فعل ناقص ،هُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم ،مِنَّا جار مجرور مل کر متعلق کائناً محذوف کے، کائناً صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر لَیْسَ کی خبر،لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء،شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۰۳۔خاموشی نجات کا ذریعہ ہے

مَنْ صَمَتَ نَجَا

++++++++++

مَنْ	صَمَتَ	نَجَا
جو	خاموش رہا	اس نے نجات پائی

[احمد وترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں خاموشی کی فضیلت بتائی گئی ہے۔مقصود حدیث کا یہ ہے کہ جس گفتگو کے ثواب ہونے میں شک ہو۔اس سے خاموشی بہتر ہے۔معلوم ہوا زیادہ باتیں کرنا نقصان سے خالی نہیں۔

لغات:صَمَتَ یَصْمُتُ(ن) صمتا ،خاموش رہنا،چپ رہنا۔

ترکیب:مَنْ صَمَتَ نَجَا،ترکیب ظاہر ہے۔

((............❀❀❀............))

۲۰۴۔مجاہد کی مدد جہاد میں شرکت کا ذریعہ ہے

مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا .

++++++++++

مَنْ	جَهَّزَ	غَازِيًا
جس نے	سامان دیا	کسی مجاہد کو
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	فَقَدْ	غَزَا
اللہ کی راہ میں	پس تحقیق	اس نے جہاد کیا
وَمَنْ	خَلَفَ	غَازِيًا
اور جو شخص	نگران رہا	کسی مجاہد کا
فِيْ اَهْلِهٖ	فَقَدْ	غَزَا
اسکے گھر کے بارے میں	پس تحقیق	اس نے جہاد کیا

[بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں ترغیب دی گئی ہے کہ خود جہاد یا کوئی نیک عمل نہ کر سکیں تو نیکی کے کام میں دوسروں کی مدد کر دینا بھی اس نیکی کر لینے کے برابر ہے۔ نیکی پر تعاون بھی اس عمل کے کرنے کا درجہ رکھتا ہے۔

لغات: جَهَّزَ: تیار کرنا، جَهْزَةً، سامان دیا، تیار کیا۔ غَزَا بغزَا (ن) غَزْوًا طلب کرنا، قصد کرنا، دشمنوں سے جہاد کا ارادہ کرنا۔ خَلَفَ بخَلَفَ (ن) نیابت، خلافۃ جانشین ہونا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، جَهَّزَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، غَازِيًا مفعول بہ، فِيْ جار، سَبِيْلِ اللّٰهِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، فا جزائیہ، قَدْ غَزَا فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط

اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا بترکیب سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۰۵۔ جو نرمی سے محروم ہے وہ ہر بھلائی سے محروم ہے

مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ .

++++++++++

مَنْ	يُحْرَمُ	الرِّفْقَ
جو شخص	محروم رہے	نرمی سے
يُحْرَمُ	الْخَيْرَ	
محروم رہے گا	ہر بھلائی سے	[مسلم]

تشریح: آقائے مدنی ؐ کے اس قولِ مبارک میں معاملات میں نرمی اور دوسروں پر شفقت اور مہربانی کو بہت بڑی بھلائی اور خیر قرار دیا گیا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سختی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

لغات: رِفُقَ رَفُقَ (ن. س. ك) رِفْقًا بِهٖ، لَهٗ، عَلَيْهِ نرمی کرنا۔

ترکیب: مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ ترکیب حسب سابق واضح ہے۔

((............✿✿✿............))

۲۰۶۔ دیہات کے رہنے والوں میں سختی ہے

مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ اَتَى السُّلْطَانَ افْتُتِنَ .

++++++++++

مَنْ	سَكَنَ	الْبَادِيَةَ

جو شخص	رہا	جنگل میں
جَفَا	وَمَنِ اتَّبَعَ	الصَّيْدَ
وہ سخت دل ہوا	اور جو پیچھے چلا	شکار کے
غَفَلَ	وَمَنْ	اَتٰی
وہ بے خبر ہوا	جو شخص	آیا
السُّلْطَانَ	اُفْتُتِنَ	
بادشاہ کے پاس	وہ فتنے میں پڑ گیا	[احمد وترمذی]

تشریح: اس حدیث میں تین چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۔ دیہات میں رہنا دل کے سخت ہونے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ وہاں علماء اور صلحاء کی صحبت نہ ہونے کی وجہ سے علم ومعرفت سے محرومی ہوتی ہے۔

۲۔ شکار کرنا اگر چہ جائز ہے لیکن دور تک شکار کے پیچھے جانا ذکرِ الٰہی سے غفلت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۳۔ بادشاہ کے پاس آنا جانا دین سے دُور ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اِلَّا یہ کہ بادشاہ: **امر بالمعروف ونهى عن المنكر** والا ہوتو اس کے پاس حاضری ایمان کی ترقی کا ذریعہ ہوتی ہے۔

لغات: اَلْبَادِيَةَ: جنگل، صحرا: جمع بادیات بوادی آتی ہے۔ جَفَا: جفا (ن) جَفْوًا، وجَفَاءً سختی سے پیش آنا، سخت دل ہونا۔ اَلصَّيْدَ: شکار جمع صُيُودٌ، صَادَ (ض) صَيْدًا، شکار کرنا۔ اُفْتُتِنَ: باب افتعال، فتنہ میں مبتلا ہونا یا کرنا، فَتَنَ (ض) فَتَنَهُ فُلَانًا، گمراہ کرنا۔

ترکیب: مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا ترکیب واضح ہے۔ واؤ عاطفہ، مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اتَّبَعَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل۔ الصَّيْدَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، غَفَلَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل

مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف اول، وَاؤ عاطفہ، مَنْ اسم جازم متضمن معنیٰ شرط، اَتَی فعل، ھُوَ ضمیر فاعل السُّلْطَانَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اُفْتُتِنَ فعل ماضی مجہول، ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۰۷۔ دکھاوے کی ہر عبادت شرک بن جاتی ہے

مَنْ صَلّٰی یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ.

++++++++++

مَنْ	صَلّٰی	یُرَائِی
جس نے	نماز پڑھی	دکھلاوے کے لیے
فَقَدْ	اَشْرَکَ	وَمَنْ
پس تحقیق	اس نے شرک کیا	اور جس نے
صَامَ	یُرَائِیْ	فَقَدْ
روزہ رکھا	دکھلاوے کے لیے	پس تحقیق
اَشْرَکَ	وَمَنْ	تَصَدَّقَ
اس نے شرک کیا	اور جس نے	صدقہ کیا
یُرَائِیْ	فَقَدْ	اَشْرَکَ
دکھلاوے کے لیے	پس تحقیق	اس نے شرک کیا

[رواہ احمد]

تشریح: اس حدیثِ رسول ﷺ میں دکھلاوے والی نماز، روزہ اور صدقہ کو شرک قرار دیا ہے، بطور مثال صرف تین اعمال بتائے ہیں ورنہ ہر نیک عمل میں دکھلاوا شرک کا ذریعہ ہے۔

لغات: یُرَائِیْ رِیاء، مراءۃ، ریاکاری کرنا، خلاف حقیقت دکھانا، رَای (ف) رُؤْیَۃً بمعنی دیکھنا۔ اَشْرَکَ: باب افعال اِشْرَاکًا، اَشْرَکَ فِیْ اَمْرِہٖ، کام میں شریک بنانا، اسی سے شرک بھی ہے۔ شرک کرنے والا، شَرِکَ (س) شِرْکًا وشِرْکَۃً بمعنی شریک ہونا۔

ترکیب: مَنْ متضمن معنی شرط، صَلّٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، یُرَائِیْ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر صَلّٰی کا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، قد حرف تحقیق، اَشْرَکَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہو کر معطوف اول، واؤ عاطفہ، مَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((.........۞۞۞.........))

۲۰۸۔ کسی قوم کی مشابہت ان میں شامل کردے گی

وَمَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ.

++++++++++

وَمَنْ	تَشَبَّہَ	بقَوْم
اور جس شخص نے	مشابہت اختیار کی	کسی قوم کی
فَھُوَ	مِنْھُمْ	

پس وہ　　　　انہیں میں سے ہے　　　　[ابو داؤد]

تشریح: اس حدیث پاک میں یہ خاص پیغام ہے کہ ہم فاسق اور فاجر لوگوں کی مشابہت اختیار کریں گے تو انہیں کا گناہ ملے گا اور نیک لوگوں جیسی عادات اختیار کریں گے تو انہیں کا اجر ملے گا۔ شریعت یہ چاہتی ہے کہ آدمی ہر کام میں صالح لوگوں کا دامن پکڑے تاکہ اس کا حشر انہیں لوگوں کے ساتھ ہو۔

لغات: تَشَبَّہَ: مشابہ ہونا، مشابہت اختیار کرنا۔

ترکیب: واؤ استینافیہ، مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، تَشَبَّہَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، بـا جار، قَوْمٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فا جزائیہ ھو مبتدا، مِنْھُمْ جار مجرور مل کر متعلق کَائِنٌ کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ مستانفہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۰۹۔ سنت رسول ﷺ کی مخالفت سے ایمان کو خطرہ

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ.

++++++++++

مَنْ	رَغِبَ	عَنْ سُنَّتِيْ
جو شخص	منہ موڑے	میرے طریقے سے
فَلَيْسَ	مِنِّيْ	
پس نہیں ہے	وہ مجھ سے	[بخاری]

تشریح: اس حدیث پاک میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری کو مسلمانوں کی برادری سے باہر نکلنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ جو سنت کو پسند نہیں

کرتا وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں کرتا جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ کرے اللہ اسے دور کر دیتے ہیں۔

لغات: رَغِبَ رَغِبَ(س) رَغْبًا، رَغْبَۃً عَنْہُ، اعراض کرنا، فِیْہِ چاہنا۔ سُنَّتِیْ: خصلت، عادت، طبیعت، جمع سُنَنٌ آتی ہے۔

ترکیب: مَنْ شرطیہ، رَغِبَ فعل ھُوَ ضمیر فاعل عَنْ جار، سُنَّتِیْ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، لَیْسَ فعل ناقص ضمیر اس کا اسم، مِنِّیْ جار مجرور کَائِنًا کے متعلق ہو کر لَیْسَ کی خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۱۰۔ حج کی ادائیگی میں جلدی کرنی چاہیے

مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْیُعَجِّلْ .

++++++++++

مَنْ	اَرَادَ	الْحَجَّ
جو شخص	چاہے	حج کرنا

فَلْیُعَجِّلْ

پس چاہیے کہ جلدی کرے [ابو داؤد]

تشریح: اس حدیث میں تنبیہ ہے کہ جن لوگوں پر حج فرض ہو جائے اس کی ادائیگی میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔ جان بوجھ کر حج میں ٹال مٹول کرنے والا فاسق، فاجر ہوتا ہے۔

لغات: فَلْیُعَجِّلْ: جلدی کرنا، سبقت کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَرَادَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَلْحَجَّ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط، فا جزائیہ، لِیُعَجِّلْ امر غائب، ہو ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۱۱۔دھوکہ باز ایمانی صفات سے محروم ہو جاتا ہے

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا .

++++++++++

مِنَّا	فَلَيْسَ	غَشَّنَا	مَنْ
ہم میں سے	پس نہیں ہے وہ	دھوکا کرے ہم (مسلمانوں) سے	جو شخص

[مسلم]

تشریح: اس حدیث میں عام مسلمانوں کو اور خاص کر تاجروں کو ہدایت ہے کہ وہ ملاوٹ کر کے یا گھٹیا مال دے کر یا جھوٹ بول کر معاملات میں دھوکا نہ کریں۔ ورنہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں مسلمانوں کی برادری سے باہر ہو جائیں گے۔

لغات: غَشَّنَا: غَشَّ (ن) غِشًّا دھوکہ دینا، خلاف مصلحت مزین کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، غَشَّ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، نَا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، لَيْسَ فعل ناقص، ھُوَ ضمیر مستتر لَيْسَ کا اسم، مِنَّا جار، مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر لَيْسَ کی خبر، لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۱۲۔مصیبت زدہ کوصرف تسلی دینے پر اتنا بڑا اجر ہے

مَنْ عَزّٰی ثُكْلٰی كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ

++++++++++

مَنْ	عَزّٰی	ثُكْلٰی
جو شخص	تسلی دے	کسی فوت شدہ بچے کی ماں کو
كُسِيَ	بُرْدًا	فِي الْجَنَّةِ
پہنایا جائے گا اسے	دھاری دار کپڑا	جنت میں [ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں جس عورت کا بچہ فوت ہو جائے اسے بالمشافہہ یا ٹیلی فون یا خط، کسی بھی ذریعہ سے تسلی دے دی جائے تو اس پر جنت میں دھاری دار لباس کا وعدہ ہے۔

لغات: عَزّٰی تَعْزِیَةً تعزیت کرنا، تسلی دینا، عَزِّی (س) عَزَاءً مصیبت پر صبر کرنا۔ ثُكْلٰی: صیغہ مونث کا ہے، وہ عورت جس کا بچہ مرجائے یا گم ہو جائے، جمع ثَوَاكِلُ، ثُكَالٰی آتی ہے، ثَكِلَ (س) ثکلا گم کرنا۔ كُسِيَ: كَسًا (ن) كِسْوًا، کپڑے پہنانا، كَسِيَ (س) كَسًا آتا ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، عَزّٰی فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، ثُكْلٰی مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، كُسِيَ فعل ماضی مجہول، هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، بُرْدًا مفعول بہ، فِي الْجَنَّةِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۱۳۔ ایک دفعہ درود پاک، دس رحمتوں کا ثواب

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا.

++++++++++

مَنْ	صَلّٰی	عَلَیَّ
جو شخص	درود بھیجے	مجھ پر
وَاحِدَةً	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	عَشْرًا
ایک مرتبہ	رحمت بھیجیں گے اللہ اس پر	دس مرتبہ [مسلم]

تشریح: اس حدیث میں درود پاک کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ ایک دفعہ درود بھیجنے والا اللہ کی دس رحمتوں کا مستحق ہو جاتا ہے اور جمعہ والے دن اس عمل کا ثواب اور بڑھ جاتا ہے۔

ترکیب: من اسم جازم متضمن معنی شرط، صَلّٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، علی جار مجرور مل کر متعلق فعل، وَاحِدَةً صفت، صَلٰوةً محذوف کی، صَلٰوةً اپنی صفت سے مل کر مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، صَلَّی فعل ماضی، لفظ اَللّٰہُ فاعل، عَلَیْہِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، عَشْرًا صفت، صَلٰوةً محذوف کی، صَلٰوةً موصوف اپنی صفت سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۱۴۔ ہمسایہ ملکوں کے معاہدوں کی پابندی

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ یَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ.

++++++++++

مَنْ	قَتَلَ	مُعَاهِدًا
جو شخص	قتل کرے	معاہدہ والے کو

لَمْ	يَرِحْ	رَائِحَةَ الْجَنَّةِ
نہیں	سونگھے گا	جنت کی بو [بخاری]

تشریح: اس حدیث پاک میں بتایا ہے کہ ایک قوم کا دوسری قوم سے آپس میں جنگ نہ کرنے کا عہد کر لینا اور اسے پورا کرنا دینی دنیاوی بے شمار فوائد رکھتا ہے اور اس کی خلاف ورزی سے امیر کی مخالفت، وعدہ کی خلاف ورزی، دوسرے مسلمانوں کی جانوں کو خطرہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چالیس سال کے فاصلہ سے آنی والی جنت کی خوشبو سے محرومی ہو جاتی ہے۔

لغات: مُعَاهِدًا عَاهَدَهٗ، مُعَاهَدَةً، مُعَاهَدَةً کرنا، عہد (س) عَهْدَ الشَّیْءُ حفاظت کرنا۔ یَرِحْ رَاحَ (ض) رِیْحًا الشَّیْءَ بو محسوس کرنا، خوشبو پانا، اسی سے رائحۃ آتا ہے۔ بمعنی بو، جمع رَوَائِحُ اور رَائِحَاتٌ آتی ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، قَتَلَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مُعَاهِدًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، لَمْ یَرِحْ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، رَائِحَةَ الْجَنَّةَ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۱۵۔ جس سے بھلائی کا ارادہ ہو اللہ اسے دین کی سمجھ دیتے ہیں

مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ .

++++++++++

مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ	خَیْرًا	یُّفَقِّهْهُ
جس شخص کے بارے میں چاہے اللہ	بھلائی کرنا	سمجھ دیتا ہے اللہ اس کو

فِي الدِّيْنِ

دین میں [بخاری]

تشریح: اس حدیث میں علم دین کا حاصل کرنا، اسے سمجھنا بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے کہ جسے یہ نعمت مل گئی کہ اس کے سامنے احکامِ شریعت اور معرفت کے راستے کھل گئے۔ تو اسے اللہ نے بہت بڑی بھلائی سے نواز دیا۔ اس لیے طلباء اور علماء کو اس نعمت پر اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

لغات: یُفَقِّهْهُ وَ افقَهَهُ، فَقَّهَ فُلَانًا سمجھانا، فقیہ بنانا، سمجھ عطا کرنا، فَقِهَ (س) فِقْهًا، وَتَفَقَّهَ، سمجھنا، علم فقہ حاصل کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، یُرِدِ فعل مضارع، لفظ اللّٰهُ فاعل، بِهٖ جار مجرور مل کر متعلق فعل، خَيْرًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط، یَفْقِهُ فعل مضارع، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، هٗ ضمیر مفعول بہ، فِي الدِّيْنِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

۲۱۶۔ مسجد بنانے کا اجر وثواب

مَنْ بَنٰی لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ .

++++++++++

مَنْ	بَنٰی لِلّٰهِ	مَسْجِدًا
جو شخص	بنائے اللہ کے لیے	چھوٹی سی مسجد
بَنَى اللّٰهُ	لَهٗ	بَيْتًا
بنائے گا اللہ	اس کے لیے	محل (گھر)
فِي الْجَنَّةِ		
جنت میں		[بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں مسجد کی تعمیر و ترقی میں رضائے الٰہی کے لیے کوشش کرنے کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ اس کے بدلے اللہ جنت میں محل تعمیر کرادیتے ہیں۔

لغات: بَنَی یبنی (ض) بَنْیًا وبِناءً، بُنْیَانًا، اَلْبُنْتُ تعمیر کرنا۔ بَیْتًا: گھر جمع بُیُوْتٌ آتی ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، بَنٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، لِلّٰهِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، مَسْجِدًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، بَنٰی فعل، لفظ اَللّٰهُ فاعل، لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق فعل، بَیْتًا مفعول بہ، فِی الْجَنَّةِ جار مجرور مل کر متعلق ثانی، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلقین سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۱۷۔ شکریہ ادا کرنے کا اسلامی طریقہ

مَنْ صُنِعَ اِلَیْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَیْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِی الثَّنَاءِ.

++++++++++

مَنْ	صُنِعَ	اِلَیْهِ
جو شخص کہ	کی گئی	اس کی طرف
مَعْرُوْفٌ	فَقَالَ	لِفَاعِلِهٖ
کوئی نیکی	پس کہا اس نے	اس (نیکی) کرنے والے کو

جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا	فَقَدْ	اَبْلَغَ
جزاک اللہ خیرا	پس تحقیق	انتہاء کردی
فِی الثَّنَاءِ		
اس نے تعریف کرنے میں		[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں شکریہ کے طور پر جَزَاكَ اللّٰهُ کہنے کی فضیلت بتائی گئی ہے اور ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ جو شخص ہمارے ساتھ احسان کرے ہمیں اس کا بدلہ دینے کی فکر رہنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ پہلی فرصت میں جَزَاكَ اللّٰهُ کہہ کر اس احسان کا بدلہ بارگاہ خداوندی سے ملنے کی دعاء کرنی چاہیے۔ اس عمل کی بہت بڑی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ اس میں بندہ اپنے محسن کے لیے اللہ کے خزانے سے احسان کا بدلہ ملنے کی دعاء کرتا ہے۔

لغات: صُنِعَ صَنَعَ (ف) صُنْعًا الشَّیْءَ بنانا۔ اَبْلَغَ: کامل طور پر پہنچانا، بَلَغَ (ن) بُلُوْغًا پہنچنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، صُنِعَ فعل ماضی مجہول، اِلَيْهِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، مَعْرُوْفٌ نائب فاعل، فعل اپنے متعلق اور نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، ف عاطفہ، قَالَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، ل جار، فَاعِلِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، جَزَا فعل ماضی، كَ ضمیر مفعول اول، لفظ اَللّٰهُ فاعل، خَيْرًا مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مفرد ہو کر مقولہ، قَالَ فعل اپنے فاعل، متعلق اور مقولہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر شرط، فَا جزائیہ، قَدْ حرف تحقیق، اَبْلَغَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فِی الثَّنَاءِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۲۱۸۔دوغلی پالیسی پر وعید

مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانٌ مِنْ نَّارٍ.

++++++++++

مَنْ	كَانَ	ذَا وَجْهَيْنِ
جو شخص	ہو	دوغلا
فِي الدُّنْيَا	كَانَ	لَهٗ
دنیا میں	ہوگی	اس کے لیے
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	لِسَانٌ	مِنْ نَّارٍ
قیامت کے دن	زبان	آگ کی

[دارمی]

تشریح: اس حدیث پاک کے دو مصداق بتائے گئے ہیں۔

۱۔ یہ وعید منافق کے لیے ہے یعنی جو شخص بظاہر اسلام کا دعوی کرے مگر دل میں اسلام کو برا سمجھے۔

۲۔ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو دو کے درمیان لڑائی کروانے کے لیے یا غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لیے مختلف باتیں بنا تا ہے، بہر حال اپنی اپنی جگہ پر دونوں عادتیں ہی بری ہیں۔ نہ نفاق ہونا چاہیے اور نہ ہی فساد کے لیے ایک دوسرے کی باتیں بتانا چاہئیں۔

لغات: وَجْهَيْنِ وَجْهٌ کا تثنیہ ہے بمعنی منہ مراد یہاں پر دوغلہ آدمی ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، كَانَ فعل ناقص، هُوَ ضمیر مستتر كَانَ کا اسم، ذَا وَجْهَيْنِ مضاف مضاف الیہ مل کر كَانَ کی خبر، فِي الدُّنْيَا جار مجرور مل کر متعلق فعل، كَانَ اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، کان فعل ماضی، لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق فعل، يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، لِسَانٌ موصوف، مِنْ نَّارٍ جار مجرور مل کر متعلق ہوا كَائِنٌ محذوف کے، كَائِنَانِ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر

کَانَ کا فاعل، کَانَ اپنے فاعل، متعلق مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۱۹۔ دوسروں کے عیب چھپایئے ایک زندگی کا ثواب پایئے

مَنْ رَای عَوْرَةً فَسَتَرَهَا كَانَ كَمَنْ اَحْيٰى مَوْءُوْدَةً .

++++++++++

مَنْ	رَای	عَوْرَةً
جس نے	دیکھا	کسی (مسلمان کے) عیب کو
فَسَتَرَهَا	كَانَ	كَمَنْ
پس اسے چھپالیا	ہوگا وہ	اس شخص کی طرح
اَحْيٰى	مَوْءُوْدَةً	
جو بچالے	زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو	[ترمذی]

تشریح: اسلام سے پہلے لڑکیوں کو زندہ ہی دفن کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے لڑکی کو دفن ہونے سے بچانے کا بہت بڑا ثواب بتایا ہے تو کسی کے عیب چھپا لینے پر بھی وہی اجر اور انعام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہم کسی کی عیب جوئی نہ کریں اگر کسی کا کوئی عیب معلوم ہو تو اسے چھپائیں۔

تا کہ اس کے بدلہ میں اللہ پاک ہماری غلطیوں کو چھپا کر قیامت کے دن کی ذلت سے بچالیں۔

لغات: عَوْرَةً: ہر وہ کام جس سے آدمی شرم کرے، شرم گاہ کو بھی کہتے ہیں، جمع عَوْرَاتٌ آتی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی لَمْ يَظْهَرِ عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَآءِ. سَتَرَ (ن.ض) سَتْرًا بمعنی ڈھانکنا، چھپانا مَوْءُوْدَةً: وَئَدَ (ض) وَئْدًا بمعنی زندہ درگور کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاِذَ الْمَوْءُ دَةُ سُئِلَتْ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، رَأیٰ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، عورۃ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، فَا عاطفہ، سَتَرَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ھَا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر شرط، کَانَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ك جار، مَن موصول، اَحْیٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مَوْؤُدَۃً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۲۰۔ حفاظت زبان اور عذر قبول کرنے کا انعام

مَنْ خَزَنَ لِسَانَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ اِلَى اللّٰهِ قَبَّلَ اللّٰهُ عُذْرَهٗ

++++++++++

مَنْ	خَزَنَ	لِسَانَهٗ
جس نے	روک لیا (برائی سے)	اپنی زبان کو
سَتَرَ	اَللّٰهُ	عَوْرَتَهٗ
چھپائے گا	اللہ	اس کے عیبوں کو
وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ	كَفَّ اللّٰهُ عَنْه عَذَابَهٗ	يَوْمَ الْقِيَامَةِ
اور جس نے روکا اپنے غصے کو	روکے گا اللہ تعالیٰ اس سے اپنے عذاب کو	قیامت کے دن
وَمَنِ اعْتَذَرَ	اِلَى اللّٰهِ	قَبَّلَ
اور جس نے معافی مانگی	اللہ سے	قبول کرلیں گے

اَللّٰهُ	عُذْرَهٗ	
اللہ	اس کی معافی کو	[رواه البيهقى]

تشریح: اس حدیث پاک میں بھی گذشتہ حدیث کی تصدیق ہے کہ جو شخص کسی کا عیب چھپائے اور زبان عیب گوئی سے بچائے تو اس عمل کا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپا لیتے ہیں اور جو شخص اپنا حق معاف کر دے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔اور بعض اوقات خوش ہو کر گناہوں کی جگہ پر نیکیاں لکھوا دیتے ہیں۔

لغات: خَزَنَ بخَزَنَ(ن) خَزْنًا. اَلِلّسَانَ :زبان کا روکنا،اَلْمَالَ : مال کو جمع کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط ، خزن فعل ،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ،لسانه مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط ،ستر فعل ،لفظ الله فاعل ،عَوْرَته مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزا،شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ مَنْ شرطیہ كَفَّ فعل ضمیر فاعل غَضَبَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر شرط كَفَّ فعل اَللّٰهَ فاعل عَنْهُ جار مجرور متعلق فعل يَوْمَ الْقِيَامَةِ مضاف مضاف الیہ مفعول فیہ فعل فاعل متعلق مفعول فیہ مفعول بہ مل کر جزا شرط اور جزا مل کر معطوف اول ،واؤ عاطفہ،مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط ،اعتذر فعل ماضی ،ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ،اِلٰی جار ،لفظ اللّٰه مجرور ،جار مجرور مل کر متعلق فعل ،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط ،قبل فعل ،لفظ اللّٰه فاعل ،عذره مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزا،شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف ثانی معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۲۲۔کوئی مسئلہ پوچھے تو ضرور بتانا چاہیے

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهٗ ثُمَّ كَتَمَهٗ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ .

++++++++++

مَنْ	سُئِلَ	عَنْ عِلْمٍ
جو شخص کہ	پوچھا گیا	ایسی (دینی) سمجھ کے متعلق
عَلِمَهٗ	ثُمَّ	كَتَمَهٗ
جسے وہ جانتا ہے	پھر	اسے چھپایا
اُلْجِمَ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	بِلِجَامٍ
(تو) وہ پہنایا جائے گا	قیامت کے دن	لگام
مِّنْ نَّارٍ		
آگ کی		

[احمد وترمذی]

تشریح: اس ارشاد مبارک میں دو چیزیں قابل توجہ ہیں۔(۱) ایک بڑی وعید ہے۔ان لوگوں کے لیے جنہیں اللہ علم دین کی دولت سے نوازیں اور وہ طالبین کی طلب پر اپنے علم کو چھپائیں یا دنیاوی غرض سے غلط مسائل بتائیں کیونکہ:

""علم کا چھپانا ہلاکت ہے،عمل کا پھیلانا نجات ہے""۔

(۲)۔کیونکہ منہ کے ذریعے اس نے اشاعت اسلام کرنی تھی وہ نہ کی اس لیے منہ کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔اس لیے جو دین سیکھیں آگے سکھائیں۔

لغات: كَتَمَهٗ: كَتَمَ(ن) كَتْمًا ،كِتْمَانًا ،پوشیدہ رکھنا،چھپانا۔قَالَ تَعَالٰى وَيَكْتُمُوْنَ مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. اُلْجِمَ اِلْجَامًا اَلدَّابَّةَ ،لگام لگانا بِلِجَامٍ بمعنی لگام جمع لُجُمٌ آتی ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، سُئِلَ فعل ماضی مجہول هُوَ ضمیر مستتر

نائب فاعل عَنْ جار عِلْمٍ موصوف عَلِمَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ عاطفہ کَتَمَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر شرط، اُلْجِمَ فعل مجہول هُوَ ضمیر نائب فاعل یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ بَاجار لِجَامٍ موصوف مِنْ جار نَارٍ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا کَائِنٌ کے کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۲۳۔بغیر تحقیق مسائل نہ بتایئے

مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُهٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاهُ وَمَنْ اَشَارَ عَلٰی اَخِیْهِ بِاَمْرٍ یَّعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَیْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ .

++++++++++

مَنْ	اُفْتِیَ	بِغَیْرِ
جس شخص کو	فتوی دیا گیا	بغیر
عِلْمٍ	کَانَ	اِثْمُهٗ
سمجھ کے	ہوگا	اس کا گناہ
عَلٰی	مَنْ اَفْتَاهُ	وَمَنْ

اس (شخص) پر	جس نے اسے فتوی دیا	اور جس شخص نے
اَشَارَ	عَلٰی اَخِیْهِ	بِاَمْرٍ
مشورہ دیا	اپنے (مسلمان) بھائی کو	ایسے کام کا
یَعْلَمُ	اَنَّ	الرُّشْدَ
جو وہ جانتا ہے	یہ کہ	درستگی
فِیْ غَیْرِهٖ	فَقَدْ	خَانَهٗ
اس کے علاوہ میں ہے	پس تحقیق	اس نے اس کے ساتھ خیانت کی

[ابو داؤد]

تشریح: یہ حدیث گزشتہ مضمونِ حدیث سے ہی متعلقہ ہے۔ یعنی مفتی کو چاہیے مسائل بتانے میں اپنی اٹکل سے کام نہ لے۔ تاکہ غلط مسائل بتانے کی وجہ سے اس پر دوسروں کے اعمال کا بوجھ نہ پڑے۔

اس حدیث پاک کے دوسرے حصے میں یہ ہدایت ہے کہ مشورہ درست اور شریعت کے مطابق دینا چاہیے۔ اگر اپنے فائدے کو ملحوظ رکھا یا مشورہ طلب کرنے والے کے نقصان کو ملحوظ نہ رکھا تو یہ خیانت شمار ہوگی اس لیے اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

اُفْتِیَ افتاء بمعنی فتوی دینا، فَتِیَ (س) جوان ہونا، اِثْمُ: گناہ، جرم، جمع اٰثَامْ آتی ہے، اِثِمَ (س) اِثْمًا، گناہ کرنا، اَلرُّشْدَ: بمعنی ہدایت، بھلائی، رَشَدَ (ن) رُشْدًا ہدایت پانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اُفْتِیَ فعل مجہول، ھُوَ ضمیر اس کا نائب فاعل، بَا جار غَیْرِ عِلْمٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر شرط کَانَ تامہ فعل، اِثْمُهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، عَلٰی حرف جار مَنْ موصولہ، اَفْتَا فعل، ھُوَ ضمیر فاعل، ہٗ مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور

مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا، واؤ استنافیہ، مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط اَشَارَ فعل، ماضی هُوَ ضمیر اس کا فاعل، عَلٰی جار، اَخِيْهِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے بِ جار اَمْرٍ موصوف یَعْلَمُ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَنَّ حرف مشبہ بالفعل، الرُّشْدَ اس کا اسم، فِیْ جار غَيْرِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق كَائِنٌ کے، كَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر اَنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ بتاویل مفرد ہو کر مفعول بہ یَعْلَمُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صفت ہوئی اَمْرٍ موصوف کی، موصوف اپنی صفت سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی اَشَارَ کے، اَشَارَ اپنے فاعل متعلقین سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط فا جزائیہ، قَدْ حرف تحقیق، خَانَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۲۴۔ بدعتی کی تعظیم نہ کیجیے

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ .

++++++++++

مَنْ	وَقَّرَ	صَاحِبَ بِدْعَةٍ
جس شخص نے	عزت کی	کسی بدعت والے کی
فَقَدْ	اَعَانَ	عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ
پس تحقیق	مدد کی اس نے	اسلام کے گرانے پر

[رواه البيهقي]

تشریح: اس حدیث پاک میں بدعت کرنے والے کی تعظیم سے روکا گیا ہے،

کیونکہ بدعت سنت کے مخالف چیز ہے جہاں بدعت ہوتی ہے ضرور کوئی نہ کوئی سنت رہ جاتی ہے اور سنت کی محبت اور اس پر عمل کو دین اسلام کی جڑ اور بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اس بناء پر بدعتی کی تعظیم کرنے والا، اسلام کو گرانے والا شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ بدعتی سنت کو چھوڑنے اور بدعت کو رواج دینے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

لغات: وَقَّرَ: باب تفعیل سے ہے تعظیم کرنا۔ بِدْعَةٍ: نئی چیز، جمع بِدَعٌ، بَدَعَ (ف) بِدْعًا، ایجاد کرنا، بغیر نمونہ کے کوئی چیز بنانا۔ هَدْمِ: هَدَمَ (ض) هَدْمًا بمعنی ڈھانا، توڑنا، گرانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، وَقَّرَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، صَاحِبَ بِدْعَةٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ قَدْ حرف تحقیق، اَعَانَ فعل هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل عَلٰی جار، هَدْمِ الْاِسْلَامِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۲۲۵۔ بدعت دربار الٰہی میں مردود ہے

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ .

++++++++++

مَنْ	اَحْدَثَ	فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا
جس شخص نے	نئی بات نکالی	ہمارے اس (دین کے) کام میں
مَالَیْسَ مِنْهُ	فَهُوَرَدٌّ	
جو اس (دین) میں نہیں ہے	پس وہ دھتکاری ہوئی ہے	[بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں بدعت (دین میں نئی نئی باتیں اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے) ایک حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں

ہے۔ بدعتی آدمی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو عملی طور پر غلط راستے پر سمجھتا ہے۔ اسی لیے سنت کو چھوڑ کر نیا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتا ہے۔

لغات: اَحْدَثَ: پیدا کرنا، ایجاد کرنا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ فَلَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ. اَحْدَثَ الرَّجُلُ: پاخانہ کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَحْدَثَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل، فِیْ جار، اَمْرِنَا مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، ھٰذَا اسم اشارہ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، مَا موصول لَیْسَ فعل ناقص، ھُوَ ضمیر اس کا اسم، مِنْہُ جار مجرور مل کر متعلق ہوا کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لَیْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ شرط فَا جزائیہ ھُوَ مبتدا، رَدٌّ بمعنی مَرْدُوْدٌ خبر مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

۲۲۶۔ لباس سے دھوکا نہ دیجیے!

مَنْ تَحَلّٰی بِمَا لَمْ یُعْطَ کَانَ کَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ .

++++++++++

مَنْ	تَحَلّٰی	بِمَا
جس شخص نے	آراستہ کیا (اپنے آپ کو)	ایسی چیز کے ساتھ
لَمْ یُعْطَ	کَانَ	کَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ
جو (اسے) نہیں دی گئی	ہو گا وہ	دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کی طرح

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں ایسے لباس سے منع کیا گیا ہے کہ:

جس سے لوگوں کے سامنے عالم، صالح یا پیر ظاہر ہوتا ہو اور حقیقت میں نہ ہو۔ بعض لوگ صرف دکھلاوے کے لیے تکلف کر کے امراء کے لباس پہنتے ہیں۔ اور غیروں کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ تاکہ ہم وہ محسوس نہ ہوں جو حقیقت میں ہیں۔ ایسے لوگ بھی اس وعید میں آ جاتے ہیں۔ حدیث پاک کا خاص پیغام یہ ہے کہ مشابہت صرف آپ ﷺ سے ہو منافقت نہ ہو۔ ظاہر باطن ایک ہو۔

لغات: تَحَلّٰی: بمعنی آراستہ ہونا، زیور پہننا، اَلْحِلِیُّ جمع حِلْیٌ حُلّی آتی ہے۔ لَابِسَ: لَبِسَ (س) لُبْسًا بمعنی پہننا۔ زُوْرٍ: باطل، جھوٹ۔

ترکیب: من اسم جازم متضمن معنی شرط، تَحَلّٰی فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل بَا حرف جار، مَا موصول، لَمْ یُعْطَ فعل مجہول، ھُوَ ضمیر اس کا نائب فاعل فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط کَانَ فعل تامہ ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، کَ جار، لَابِسِ مضاف، ثَوْبَیْ مضاف الیہ، مضاف، زُوْرٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۲۷۔ زبان اور شرم گاہ کی حفاظت

مَنْ یَّضْمَنْ لِیْ مَا بَیْنَ لِحْیَیْهِ وَمَا بَیْنَ فَخِذَیْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ.

+++++++++

مَنْ	یَّضْمَنْ	لِیْ
جو شخص	ضمانت دے	مجھے
مَا	بَیْنَلِحْیَیْهِ	وَمَا
اس کی جو	اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے	اور اس کی جو

بَیْنَ فَخِذَیْہِ	اَضْمَنُ	لَہُ الْجَنَّۃَ
اس کی دورانوں کے درمیان ہے	ضمانت دیتا ہوں میں	اسے جنت کی

[بخاری]

تشریح: اس حدیث شریف میں

❶ زبان کو غیبت، چغلی اور لایعنی باتوں سے بچانے کی ترغیب ہے۔

❷ شرم گاہ کو زنا اور حرام کاری سے بچانے کی ترغیب ہے۔

❸ ان دونوں اعمال پر آپ ﷺ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں اور یہ ضمانت آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے دی کیونکہ سورۃ نجم میں ارشاد ہے کہ:

''آپ ﷺ وحی کے بغیر کوئی بات نہیں کرتے''۔ اس مبارک ارشاد میں ان دونوں باتوں کی ترغیب دی گئی ہے۔ کہ زبان غیبت، جھوٹ اور نافرمانی والی بات کرنے سے بچے اور شرم گاہ بے حیائی سے بچے۔ بے پردگی اور نگاہوں کو نامحرم سے نہ بچانا آخر کار فحاشی اور زنا میں مبتلاء کر دیتا ہے۔

لغات: یَضْمَنُ ضَمِنَ (س) ضَمْنًا وَضَمَانًا بمعنی ضامن ہونا، ضَمْنًا بِشَیْءٍ بِہٖ کفیل ہونا، ضامن ہونا۔ لِحْیَیْہِ لِلحْیَۃُ ڈاڑھی لِحْیَانِ، دونوں جبڑے، مراد زبان ہے۔ بَیْنَ رِجْلَیْہِ: مراد شرم گاہ ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، یَضْمَنْ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، لِیْ جار مجرور مل کر متعلق فعل، مَا موصول بَیْنَ مضاف لِحْیَیْہِ مضاف مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا ثَبَتَ فعل محذوف کے، ثَبَتَ اپنے فاعل (ضمیر ھُوَ مستتر) اور مفعول فیہ سے مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَا بَیْنَ فَخِذَیْہِ بترکیب سابق معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، اَضْمَنْ فعل اَنَا ضمیر

مستتر فاعل لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق فعل اَلْجَنَّةَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۲۸۔ایک سنت پر سو شہیدوں کا ثواب

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ

++++++++++

مَنْ	تَمَسَّكَ	بِسُنَّتِيْ
جس شخص نے	مضبوطی سے پکڑا	میری سنت کو
عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ	فَلَهٗ	اَجْرُ
میری امت کے بگاڑ کے وقت	پس اس کے لیے	اجر ہے
مِائَةِ	شَهِيْدٍ	
سو	شہیدوں کا	[بیہقی]

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانے کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے خاص کر اس دور میں جب کہ دین پر چلنے والوں کو طعنہ زنی اور برادری کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، شہید ایک دفعہ جان دیتا ہے اور سنت پر چلنے والے کا دل مذاق کرکے بار بار زخمی کیا جاتا ہے، اس وجہ سے اسے سو شہیدوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔

لغات: تَمَسَّكَ تَمَاسَكَ وَاَمْتَسَكَ بِهٖ چمٹنا مَسَكَ (ن۔ض) متعلق ہونا، چمٹنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، تَمَسَّكَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل بَا جار سُنَّتِيْ مضاف مضاف الیہ دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، عِنْدَ مضاف فَسَادَ مضاف الیہ مضاف، اُمَّتِ مضاف الیہ مضاف، یْ ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور متعلق مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو

کرشرط،فَا جزائیہ،لَهٗ جار مجرور مل کرمتعلق ہوئے کَـائِنٌ محذوف کے، کَـائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هُـوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کرشبہ جملہ ہوکرخبر مقدم،اَجْــرُ مضاف ،مِـائَةِ مضاف الیہ مضاف شَہِیْـدٍ مضاف الیہ،مضاف مضاف الیہ مل کرمبتداء مؤخر،خبر مقدم اپنے مبتدا سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوکر جزاء،شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۲۲۹۔توحیدورسالت ﷺ کی گواہی

مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَاَنَّ مُـحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ

++++++++++

مَنْ	شَهِدَ	اَنْ
جس نے	گواہی دی	یہ کہ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	وَاَنَّ	مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ
نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے	اور بے شک	محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں
حَرَّمَ اللّٰهُ	عَلَيْهِ النَّارَ	
اللہ نے حرام کردی	اس پر (جہنم) کی آگ	[مسلم]

تشریح: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار اور پھر اس پر استقامت اور فرمانبرداری اگر کسی کو نصیب ہو جائے اور اس حال میں موت آجائے تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

یہ کلمہ اسے جنت میں لے جائے گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی طرح سمجھا ہے کہ کلمے کو پڑھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ہر حکم کو ماننے اور اس کی ہر روکی ہوئی چیز سے رک جائے۔

لغات: شَہِدَ (س) شَهَادَةً بمعنی گواہی دینا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، شَهِدَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَنَّ مخففہ، من المثقلہ اس کا اسم، ہٗ ضمیر شان محذوف لَا نفی جنس، اِلٰہَ موصوف، اِلَّا بمعنی غیر مضاف، لفظ اللّٰہ محلا مجرور، مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر صفت، موصوف صفت مل کر لَا کا اسم، اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف، لَا نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر خبر اِنَّ کی، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل، مُحَمَّدًا اَنَّ کا اسم، رَسُوْلُ اللّٰہِ مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، اَنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر معطوف، معطوف علیہ اور معطوف مل کر شَہِدَ کا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر شرط، حَرَّمَ فعل، لفظ اَللّٰہُ فاعل عَلَیْہِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، اَلنَّارَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۳۰۔چار اعمال ایمان مکمل کرنے والے

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ ......

++++++++++

مَنْ	اَحَبَّ	لِلّٰہِ
جس نے	دوستی کی	اللہ کے لیے
وَاَبْغَضَ	لِلّٰہِ	وَاَعْطٰی
اور ناراضگی کی	اللہ کے لیے	اور دیا
لِلّٰہِ	وَمَنَعَ	لِلّٰہِ
اللہ کے لیے	اور روکا	اللہ کے لیے

فَقَدِ	اسْتَكْمَلَ	الْإِيْمَانَ
پس تحقیق	پورا کرلیا اس نے	ایمان

[ابو داؤد]

تشریح: اس حدیث میں چار اعمال ایمان کی تکمیل کا ذریعہ بتائے گئے ہیں۔

❶. اَلْحُبُّ لِلّٰہِ:

یعنی جس سے بھی دوستی ہو اپنی خواہش اور نام ونمود کے لیے نہ ہو بلکہ دینی ضرورت اور اللہ کے حکم کی وجہ سے ہو۔

❷. اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ:

یعنی جس سے غصہ ہو اس کی بنیاد بھی اللہ کا حکم ہو۔

❸. اَعْطٰی لِلّٰہِ:

جو خرچ کرے وہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔

❹. مَنَعَ لِلّٰہِ:

یعنی کہیں خرچ سے رکے تو اللہ کے حکم کی وجہ سے رکے۔ جیسے گانے بجانے اور رسوم ورواج پر خرچ کرنے سے رکنا اس حدیث میں بار بار لِلّٰہِ اس لیے فرمایا کہ ان چار اعمال میں اپنی خواہش اور نفسانیت کا دخل ضرور آ جاتا ہے اس لیے ان میں اخلاص بہت ضروری ہے۔ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح بھی ہے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد اپنا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرے۔

لغات: اِسْتَكْمَلَ ا كْمَلَ، كَمُلَ شَیْءٌ - بمعنی پورا کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَحَبَّ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، لِلّٰہِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَبْغَضَ لِلّٰہِ بترکیب سابق جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف اول، وَاؤ عاطفہ، اَعْطٰی لِلّٰہِ بترکیب سابق معطوف ثانی، واؤ عاطفہ، مَنَعَ لِلّٰہِ بترکیب سابق

معطوف ثالث، معطوف علیہ اپنے تینوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوکر شرط، ف جزائیہ قَدْ حرف تحقیق، اِسْتَکْمَلَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل اَلْاِیْمَانَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۳۱۔روز قیامت سایہ چاہتے ہیں تو مقروض کو مہلت دیں

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ

++++++++++

مَنْ	اَنْظَرَ	مُعْسِرًا
جس شخص نے	مہلت دی	کسی تنگ دست کو
اَوْ	وَضَعَ	عَنْهُ
یا	کم کردیا	اس سے (قرض کو)
اَظَلَّهُ اللّٰهُ	فِیْ ظِلِّهٖ	
سایہ (میں جگہ) دے گا اللہ	اپنے سائے میں	
(قیامت کے دن) اسے		[رواہ مسلم]

تشریح: اس روایت میں مقروض کو مہلت دینے کی یہ فضیلت بتائی گئی ہے کہ اللہ پاک اسے قیامت کے دن اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے اس حدیث میں انسانی بھلائی کا بہت بڑا پہلو موجود ہے۔

لغات: اَنْظَرَ اِنْظَارُ الدَّیْنِ قرض کی ادائیگی میں مہلت دینا۔قَالَ تَعَالٰی اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ. مُعْسِرًا: اسم فاعل بمعنی تنگ دست ہونا۔وَضَعَ (ف) وَضْعًا بمعنی رکھنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَنْظَرَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مُعْسِرًا مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف

علیہ، اَوْ عاطفہ، وَضَعَ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل عَنْہُ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف سے مل کر شرط اَظَلَّ فعل ماضی، ہٗ ضمیر مفعول بہ لفظ اللّٰہُ فاعل فِیْ جار ظِلِّ مضاف ہٖ ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............ ✿✿✿............))

۲۳۲۔حدیث نبوی ﷺ کے بیان میں احتیاط

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ

++++++++++

مَنْ	کَذَبَ	عَلَیَّ
جس شخص نے	جھوٹ بولا	مجھ پر
مُتَعَمِّدًا	فَلْیَتَبَوَّأْ	مَقْعَدَہٗ
جان بوجھ کر	پس چاہیے کہ بنالے وہ	اپنا ٹھکانہ
مِنَ النَّارِ		
جہنم میں		

[بخاری و مسلم]

تشریح: حدیث رسول ﷺ کے بیان میں احتیاط کا حکم ہے کہ جان بوجھ کر کمی بیشی نہیں کرنی چاہیے ایسا کرنے والا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

لغات: تبوّأ: بمعنی ٹھہرنے کی جگہ۔ مَقْعَدَہٗ (ن) مَقْعَدًا بمعنی بیٹھنا، پاخانہ کرنے کا برتن۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، کَذَبَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، مُتَعَمِّدًا حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، عَلَیَّ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ لِیَتَبَوَّأْ امر غائب، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مَقْعَدَہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، مِنَ النَّارِ جار

مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۳۳۔ طالب علم راہ خدا میں ہے جب تک گھر نہ آئے

مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ .

++++++++++

مَنْ	خَرَجَ	فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ
جو	نکلا	علم کی تلاش میں
فَهُوَ	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	حَتّٰى يَرْجِعَ
پس وہ	اللہ کی راہ میں ہے	واپس لوٹنے تک

[ترمذی]

تشریح: اس ارشاد عالی میں علم کی تلاش میں گھر سے نکلنے کی فضیلت ہے کہ جب تک وہ گھر واپس نہیں آ جاتا وہ اللہ کی راہ میں رہتا ہے بشرطیکہ یہ نیت ہو کہ اس علم کے ذریعے سے میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے کیونکہ مجاہد اور طالب علم دونوں کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے اور اللہ کا دین پھیل جائے۔

لغات: يَرْجِعُ: (ض) رُجُوْعًا، بمعنی لوٹنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، خَرَجَ فعل، هُوَ ضمیر فاعل فِيْ جار، طَلَبِ الْعِلْمِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، هُوَ مبتدا فِيْ جار، سَبِيْلِ اللّٰهِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول كَائِنٌ کے، حَتّٰى جار يَرْجِعُ مضارع منصوب بتقدیر اَنْ، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی كَائِنٌ کے كَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے

فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور دونوں متعلقوں سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۳۴۔ موذن کے لیے جہنم سے آزادی کا پروانہ

مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِیْنَ مُحْتَسِبًا کُتِبَ لَهٗ بَرَآءَةٌ مِّنَ النَّارِ .

++++++++++

مَنْ	اَذَّنَ	سَبْعَ سِنِیْنَ
جس نے	اذان دی	سات سال تک
مُحْتَسِبًا	کُتِبَ	لَهٗ
ثواب کی امید رکھتے ہوئے	لکھ دی جائے گی	اس کے لیے
بَرَآءَةٌ	مِّنَ النَّارِ	
نجات	آگ سے	[ترمذی]

تشریح: اس فرمان رسول ﷺ میں اذان دینے والے کی فضیلت ہے کہ سات سال تک اذان دینا جہنم سے آزادی کا ذریعہ بن جاتا ہے کیونکہ موذن اللہ کا منادی ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذان دینے کا حکم فرمایا ہے۔

لغات: اَذَّنَ اَذَّنَ، تَاذِیْنًا، اذان دینا، تَاَذَّنَ، قسم کھانا۔ قَالَ تَعَالٰی ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ. مُحْتَسِبًا: بمعنی گمان کرنا، شمار کرنا، اللہ سے ثواب کی امید رکھنا، حَسِبَ (س.ح) حَسْبًا وَحُسْبَانًا گمان کرنا۔ بَرَاءَةٌ: مصدر بری کا ہے فرمان، پروانہ۔ قَالَ تعالٰی بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَذَّنَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، مُحْتَسِبًا حال، ذوالحال حال مل کر فاعل سَبْعَ سِنِیْنَ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، کُتِبَ فعل مجہول، لَهٗ

جار مجرور مل کر متعلق فعل بَرَاءَةٌ مصدر مِنَ النَّارِ جار مجرور مل کر متعلق مصدر کے، مصدر متعلق سے مل کر نائب فاعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۳۵۔ تارکِ جمعہ منافق ہے

مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضُرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِيْ كِتَابٍ لَّا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ .

++++++++++

مَنْ	تَرَكَ	الْجُمُعَةَ
جس نے	چھوڑا	جمعہ کو
مِنْ غَيْرِ ضُرُوْرَةٍ	كُتِبَ	مُنَافِقًا
بغیر (شرعی) ضرورت کے	لکھ دیا جائے گا	منافق
فِيْ كِتَابٍ	لَّا يُمْحٰى	وَلَا يُبَدَّلُ
ایسی کتاب میں	جو نہ مٹائی جائے	اور نہ تبدیل کی جائے

[رواہ الشافعی]

تشریح: اس حدیث میں جمعہ کی فضیلت اور جان بوجھ کر جمعہ چھوڑنے والے کے منافق ہونے کی دلیل ہے کہ اللہ کی کتاب میں یعنی اپنے نامۂ اعمال میں منافق لکھا جاتا ہے۔ جُمُعَہ: اسلام کی آمد سے پہلے ہی بابرکت شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے اور زیادہ فضیلت دی۔ اس کا نام جمعہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس دن لوگ مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ اور یہ بہت سی برکات کا جامع ہے۔

لغات: يُمْحٰى مَحَا (ن.س) مَحْوًا بمعنی مٹانا۔ قَالَ تَعَالٰى يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، تَرَكَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل

اَلْجُمُعَةَ مفعول بہ مِنْ جار غیر ضُرُوْرَةٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، کُتِبَ فعل ماضی مجہول ھُوَ ضمیر مستتر ممیز، مُنَافِقًا تمیز، ممیز تمیز مل کر نائب فاعل، فِيْ جار، كِتَابٍ موصوف، لَا يُمْحٰى فعل مضارع مجہول ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، لَا يُبَدَّلُ بترکیبِ سابق جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............))

۲۳۶۔ جہاد کا ارادہ بھی نہ رکھنا نفاق کی علامت ہے

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُوْ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ .

++++++++++

مَنْ	مَاتَ	وَلَمْ
جو شخص	مرا	اور نہیں
يَغْزُوْ	وَلَمْ	يُحَدِّثْ
جہاد کیا اس نے	اور نہ	بات کی
بِهٖ	نَفْسَهٗ	مَاتَ
اس کے بارے میں	اپنے جی میں	مراوہ
عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ		
نفاق کے ایک حصہ پر		[مسلم]

تشریح: نبی آخر الزماں ﷺ کی اس حدیث پاک میں بڑی وعید ہے اس شخص کے لیے کہ جس نے نہ جہاد کیا اور نہ ہی منافقوں کی طرح جہاد میں جانے کا سوچا، تو وہ منافق لکھا جاتا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ ہر مسلمان کے دل میں ''جذبۂ جہاد'' ہونا چاہیے۔

ملاحظہ: اس سے مسئلہ معلوم ہوا کہ کوئی آدمی نیک کام کا پکّا ارادہ کرے اور موت آنے کی وجہ سے نہ کر سکے تو اس کا پورا ثواب ہی اسے ملتا ہے۔

لغات: شُعْبَۃٌ: فرقہ، شاخ، کسی چیز کا گروہ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، مَاتَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، وَاؤ حالیہ لَمْ یَغْزُ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل فعل فاعل مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، لَمْ یُحَدِّثْ فعل ھُوَ ضمیر فاعل، بہ جار مجرور مل کر متعلق فعل، نَفْسَہٗ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، مَاتَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل عَلٰی جار، شُعْبَۃٍ موصوف، مِنْ نِفَاقٍ جار مجرور مل کر متعلق کائنۃً محذوف کے، کائنۃ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھی ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۲۳۷۔ روزے کا حقیقی مقصد

مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ .

++++++++++

یَدَعْ	لَمْ	مَنْ
چھوڑے	نہ	جو

قَوْلَ الزُّوْرِ	وَالْعَمَلَ بِهٖ	فَلَيْسَ
جھوٹ کہنا	اور اس پر عمل کرنا	پس نہیں ہے
لِلّٰهِ	حَاجَةٌ	فِيْ اَنْ يَّدَعَ
اللہ کو	کوئی ضرورت	اس بارے میں یہ کہ چھوڑے وہ
طَعَامَهٗ	وَشَرَابَهٗ	
اپنے کھانے کو	اور اپنے پینے کو	[بخاری]

تشریح: اس حدیث پاک میں روزہ دار کو یہ تنبیہ ہے کہ وہ اگر روزہ تو رکھے اور جھوٹ نہ چھوڑے اور دوسرے گناہ کرنا نہ چھوڑے تو اسے صرف کھانا، پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ روزہ کی ساری برکات کھانا، پینا چھوڑنے کے ساتھ ساتھ گناہوں کو چھوڑنے سے حاصل ہوتی ہیں اور جو ایسا نہیں کرتا تو وہ تقویٰ جیسی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ جو روزہ کی اصل غرض و غایت ہے۔

لغات: يَدَعُ وَدَعَ (ف) وَدْعًا الشئ بمعنی چھوڑنا۔ اَلزُّوْرِ: بمعنی جھوٹ، باطل۔

ترکیب: مَنْ اسم جام متضمن معنی شرط، لَمْ يَدَعْ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، قَوْلَ الزُّوْرِ مضاف، مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واو عاطفہ اَلْعَمَلَ مصدر۔ اس میں هُوَ ضمیر مستتر فاعل، بہ جار مجرور مل کر متعلق مصدر کے، مصدر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، لَيْسَ فعل ناقص، لِلّٰهِ جار مجرور مل کر متعلق كَائِنَةٌ کے، كَائِنَةٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (هِيَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر خبر مقدم حَاجَةٌ موصوف، فِيْ جار، اَنْ مصدریہ، يَدَعَ فعل مضارع هُوَ ضمیر مستتر فاعل، طَعَامَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، شَرَابَهٗ مضاف مصاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق كَائِنَةٌ محذوف کے

کائنۃً صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھی ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت موصوف (حَاجَۃٌ) صفت مل کر لَیْسَ کا اسم، لَیْسَ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۳۸۔ناموری کے لیے لباس پہننا

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُھْرَۃٍ فِي الدُّنْیَا اَلْبَسَہُ اللّٰہُ ثَوْبَ مَذَلَّۃٍ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

++++++++++

مَنْ	لَبِسَ	ثَوْبَ شُھْرَۃٍ
جس نے	پہنا	ناموری کا کپڑا
فِي الدُّنْیَا	اَلْبَسَہُ	اللّٰہُ
دنیا میں	پہنائے گا اُسے	اللہ
ثَوْبَ مَذَلَّۃٍ	یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ	
ذلت کا کپڑا	قیامت کے دن	[رواہ احمد وغیرہ]

تشریح: اس حدیث پاک میں اپنی ناموری اور بڑائی کے لیے اور لوگوں میں اپنی تعریف کی غرض سے اچھا لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے۔ باقی رہا صفائی اور جائز ضرورت کے لیے اپنی آرائش کرنا حرام نہیں۔ بشرطیکہ شرعی حدود میں ہو اور اللہ کے دشمنوں سے مشابہت نہ ہو۔

لغات: شُھْرَۃٍ: بمعنی شہرت، ناموری، شَھَرَ (ف) شَھْرًا مشہور کرنا۔ مَذَلَّۃٍ بَذَلَّ (ض) ذَلًّا، مُذَلَّۃً بمعنی ذلیل ہونا، صفت کے لیے ذَلِیْلٌ آتا ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، لَبِسَ فعل ھو ضمیر فاعل، ثَوْبَ شُھْرَۃٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فِي الدُّنْیَا جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط، اَلْبَسَ

فعل ہ ضمیر مفعول بہ اول لفظ اللّٰہ فاعل، ثَوْبَ مَذَلَّةٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ ثانی، یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل، مفعولین اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۳۹۔ تعلیم دین سے مقصود صرف رضائے الٰہی ہو

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِي بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِي بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يُصَرِّفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ .

++++++++++

مَنْ	طَلَبَ	الْعِلْمَ
جس شخص نے	حاصل کیا	علم
لِيُجَارِي	بِهِ	الْعُلَمَاءَ
تاکہ مقابلہ کرے	اس کے ذریعے	علماء سے
اَوْ	لِيُمَارِي	بِهِ
یا	جھگڑا کرے	اس کے ذریعے
السُّفَهَاءَ	اَوْ	يُصَرِّفَ
بے وقوف لوگوں سے	یا	متوجہ کرے
بِهِ	وُجُوْهَ النَّاسِ	اِلَيْهِ
اس کے ذریعے	لوگوں کو	اپنی طرف
اَدْخَلَهُ	اللّٰهُ	النَّارَ
داخل کرے گا اُسے	اللہ	آگ میں

[ترمذی]

تشریح: اس فرمان رسالت ﷺ میں علم حاصل کرنے کی غلط نیتوں سے بچنے کی تاکید ہے۔

❶ علماء کو لاجواب کرنے کے لیے علم حاصل کرنا جیسا کہ بعض لوگ ایک آدھ حدیث پڑھ کر اہلِ علم سے بحث کرتے ہیں۔

❷ جن لوگوں کو دین کی پوری سمجھ نہ ہو انہیں لاجواب کرنے کے لیے علم حاصل کرنا۔

❸ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کہ میں عالم ہوں میری عزت کی جائے (اس نیت سے علم حاصل کرنا۔) ان نیتوں کی بناء پر حصولِ علم جہنم کا ذریعہ ہے۔

لغات: لِيُجَارِيَ: جَارَاهُ، مُجَارَاةً، کسی کے ساتھ چلنے میں مقابلہ کرنا، یہاں مراد مطلقا مقابلہ ہے، جَرٰی (ض) جَرْيًا، بمعنی جاری ہونا۔ لِيُجَارِيَ بمُجَارَاةً بمعنی جھگڑا کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَلَا تُجَارِ فِيْهِمْ. مَرٰی (ض) مَرْيًا حَقَّهٗ، حق کا انکار کرنا: اَلسُّفَهَاءُ بسَفِهَ (س) سَفَهًا جاہل ہونا، بےوقوف ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ۔ يُصَرِّفُ بصَرَفَ (ف) صَرْفًا بمعنی پھرنا۔ قَالَ تَعَالٰی صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، طَلَبَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، العِلْمَ مفعول بہ، ل جار، يُجَارِيَ فعل مضارع منصوب بتقدیر اَنْ هو ضمیر مستتر فاعل، بہ جار مجرور مل کر متعلق فعل، العُلَمَاءَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، اَوْ عاطفہ، ل زائدہ، يُمَارِيَ به السفهاء بترکیب سابق جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف اوّل، اَوْ عاطفہ، يُصَرِّفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ بترکیب سابق جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ معطوفین سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق

سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، اَدْخَلَ فعل ہ ضمیر مفعول بہ، لفظ اللّٰہ فاعل النَّارَ مفعول فیہ، فعل اپنے مفعول بہ فاعل مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۴۰۔دنیاوی اغراض سے حصولِ علم کا انجام

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرْضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .

++++++++++

مَنْ	تَعَلَّمَ	عِلْمًا
جس شخص نے	سیکھا	ایسا علم
مِمَّا	يُبْتَغٰى بِهٖ	وَجْهُ اللّٰهِ
جس سے	حاصل کی جاتی ہے	اللہ کی رضا
لَا يَتَعَلَّمُهٗ	اِلَّا	لِيُصِيْبَ
نہیں سیکھتا ہے اسے	مگر	تا کہ حاصل کرے
بِهٖ	عَرْضًا مِّنَ الدُّنْيَا	لَمْ يَجِدْ
اس کے ذریعے	دنیا کا سامان	نہیں پائے گا وہ
عَرْفَ الْجَنَّةِ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	
جنت کی خوشبو (بھی)	قیامت کے دن	[ابوداؤد]

تشریح: اس حدیث پاک میں علم دین کے حصول میں نیت کے درست کرنے کا فرمان ہے۔ دینی علوم کے علاوہ دوسرے علوم مثلاً ڈاکٹری اور انجینئری وغیرہ دنیا کی غرض سے سیکھے جاسکتے ہیں لیکن علم دین کی غرض صرف رضائے الٰہی ہونی چاہیے۔

لغات: یُبْتَغٰی اِبْتَغٰی، تَبَغَی الشَّیْ ٔ بمعنی طلب کرنا، یُصِیْبُ اصاب من الشی بمعنی لینا۔ اَلْعَرَضَ: متاع، سامان، جمع اَعْرَاضٌ . عَرْفٌ: (س) بمعنی بو۔ مگر اس کا اکثر استعمال خوشبو میں ہوتا ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، تَعَلَّمَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، لَا یَتَعَلَّمَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول بہ، اِلَّا حرف استثناء لغو، لِ تعلیلیہ جارہ یُصِیْبَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، بہٖ جار مجرور متعلق فعل، عَرْضًا موصوف، مِنَ الدُّنْیَا جار مجرور مل کر متعلق، کَائِنًا محذوف کے کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق لَا یَتَعَلَّمُ کے، لَا یَتَعَلَّمُ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، عِلْمًا موصوف مِنْ جار، مَا موصول، یُبْتَغٰی فعل مضارع مجہول، بہٖ جار مجرور متعلق فعل، وَجْہُ اللّٰہِ مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، لَمْ یَجِدْ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، عَرَفَ الْجَنَّۃَ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۲۴۱۔ نجومیوں کے پاس جانے کی نحوست

مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسْئَلَهٗ عَنْ شَیْئٍ لَمْ یُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوۃُ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً.

++++++++++

مَنْ	اَتٰی	عَرَّافًا
جو شخص	آیا	کسی کاہن کے پاس
فَسْئَلَهٗ	عَنْ شَیْئٍ	لَمْ یُقْبَلْ
پس اس سے پوچھا	کسی چیز کے متعلق	نہیں قبول کی جائیں گی
لَهٗ	صَلٰوۃُ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً	
اس سے	چالیس (دنوں اور) راتوں کی نمازیں	[مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں نجومیوں کے ہاں آئندہ حالات کے علم کے لیے جانے سے منع کیا گیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ایسے آدمی کی چالیس دن رات کی نمازیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ علم غیب صرف اللہ کا خاصہ ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس لیے نجوم کا کاروبار کرنا یا ان کے پاس جانا حرام ہے۔

لغات: عَرَّافًا: بمعنی نجومی، غیب کی خبریں بتانے والا، عرف (ض) عرفة، عرفانا بمعنی پہنچانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَتٰی فعل ماضی ھُوَ ضمیر مستتر فاعل عَرَّافًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ سَئَلَ فعل ماضی ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ہ ضمیر مفعول بہ، عَنْ شَیْئٍ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر شرط، لَمْ یُقْبَلْ فعل مجہول، لہ جار مجرور مل کر متعلق فعل، صَلٰوۃُ مضاف، اَرْبَعِیْنَ ممیز، لَیْلَۃً تمیز، ممیز تمیز مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل، فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

۲۴۲۔انسانیت کے حقوق، انسانوں پر

مَنِ اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَمَنْ سَأَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ وَمَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ وَمَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَاتُكَافِئُوْهُ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى تَرَوْا اَنْ قَدْ كَافَئْتُمُوْهُ

++++++++++

مَنْ	اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللّٰهِ	فَاَعِيْذُوْهُ
جو شخص	اللہ کے لیے تم سے پناہ چاہے	پس تم اسے پناہ دے دو
وَمَنْ سَأَلَ	بِاللّٰهِ	فَاَعْطُوْهُ
اور جو مانگے	اللہ کے نام سے	پس تم اسے دے دو
وَمَنْ	دَعَاكُمْ	فَاَجِيْبُوْهُ
اور جو	تمہاری دعوت کرے	پس قبول کرلو
وَمَنْ	صَنَعَ	اِلَيْكُمْ
اور جو	کرے	تمہاری طرف
مَعْرُوْفًا	فَكَافِئُوْهُ	فَاِنْ
کوئی نیکی	پس تم اس کا بدلہ دو	پس اگر
لَّمْ تَجِدُوْا	مَاتُكَافِئُوْهُ	فَادْعُوْا
نہ پاؤ	جس سے تم بدلہ دو	پس دعا کرو
لَهٗ	حَتّٰى	تَرَوْا
اس کے لیے	یہاں تک کہ	جان لو تم
اَنْ	قَدْ	كَافَئْتُمُوْهُ
یہ کہ	تحقیق	تم نے بدلہ دے دیا ہے اس کو

[احمد]

تشریح: اس حدیث پاک میں مسلمانوں کے آپس کے چار حقوق بیان کیے گئے ہیں۔

❶ جو خدا کے لیے پناہ مانگے اسے پناہ دو۔

❷ جو اللہ کے لیے مانگے اسے دے دو بشرطیکہ گدا گر نہ ہو۔

❸ جو کوئی تمہاری دعوت کرے اس کو تم قبول کرو۔

❹ احسان کا بدلہ دو، اگر نہ دے سکو تو دعا کے ذریعے سے بدلہ دو اور اتنی دعا کرو کہ اس کا بدلہ ادا ہو جائے۔ کم از کم ''جزاك الله'' تو ضرور کہہ دینا چاہیے۔ یہ چاروں صفات ایک مومن کامل کی ہیں جو ہر مسلمان میں ہونی چاہیے۔

لغات: اِسْتَعَاذَ: تَعَوَّذَ: بمعنی پناہ لینا۔ قَالَ تَعَالٰی وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. فَاَعِيْذُوْهُ: اجابه، جواب دینا۔ فَكَافِئُوْهُ: بدلہ دینا، مقابلہ کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اسْتَعَاذَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْكُمْ جار مجرور مل کر متعلق اول فعل کا بِاللّٰهِ جار مجرور مل کر متعلق ثانی، فعل اپنے فاعل اور متعلقین سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، اَعِيْذُوْا امر حاضر ضمیر بارز فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ سَاَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ بترکیب سابق جملہ معطوف اوّل، واؤ عاطفہ، مَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ بترکیب سابق جملہ معطوف ثانی، واؤ عاطفہ مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، صَنَعَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اِلَيْكُمْ جار مجرور مل کر متعلق فعل، مَعْرُوْفًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، كَافِئُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ثالث، فَا عاطفہ، اِنْ حرف شرط، لَمْ تَجِدُوْا فعل جحد ضمیر بارز فاعل، مَا موصولہ، تُكَافِئُوْا فعل مضارع ضمیر بارز فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر

شرط، فا جزائیہ اُدْعُوْا امر حاضر ضمیر بارز فاعل، لَہٗ جار مجرور مل کر متعلق فعل، حَتّٰی جارہ تَرَوْا فعل معلوم ضمیر بارز فاعل اَنْ مخففہ من المثقلہ اس کا اسم، کُم محذوف قَدْ حرف تحقیق کا فَتُمُوْ فعل ماضی ضمیر بارز فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر قائم مقام مفعولین کے، تَرَوْا اپنے فاعل اور مفعولین سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ بتاویل مصدر ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی فعل (اُدْعُوْ) اپنے فاعل اور متعلقین سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف رابع، معطوف علیہ اپنے چاروں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۴۳۔ نہی عن المنکر ہر مسلمان پر لازم ہے

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۔

++++++++++

مَنْ	رَاٰی	مِنْکُمْ
جو	دیکھے	تم میں سے
مُنْکَرًا	فَلْیُغَیِّرْہُ	بِیَدِہٖ
کوئی برائی	پس چاہیے کہ بدل دے اسے (نیکی میں)	اپنے ہاتھ سے
فَاِنْ لَّمْ	یَسْتَطِعْ	فَبِلِسَانِہٖ
پس اگر نہ	طاقت رکھے	پس اسے اپنی زبان سے (روک دے)
فَاِنْ لَّمْ	یَسْتَطِعْ	فَبِقَلْبِہٖ
پس اگر نہ	نہ کر سکے	پس برا جانے اسے اپنے دل میں

وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ

اور یہ سب سے کمزور ایمان (کادرجہ) ہے [مسلم]

تشریح: ہادی عالم ﷺ اس حدیث پاک میں ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد فرماتے ہیں کہ جہاں بھی اللہ کی نافرمانی ہو اگر طاقت ہو تو اسے اپنے ہاتھ سے نیکی میں بدل دے اور اگر طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے غلط کام کی مخالفت کریں اور لوگوں کو نیکی کا راستہ بتائیں اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے اس گناہ کو برا سمجھے اور یہ (صرف دل سے برا سمجھنا) ایمان کا آخری حصہ ہے۔ اسے آسان لفظوں میں یوں سمجھیے کہ بُرائی سامنے ہو اور دل میں بھی بُرا نہ سمجھے تو دل ایمان سے خالی ہے۔

ملاحظہ: برائی کو ہاتھ سے یا زبان سے روکنے میں فتنہ اور فساد کا خوف ہو تو یہ امر مستحب ہو جاتا ہے۔ نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا احسن انداز سے ہونا چاہیے۔ یہ کام، جان، مال اور وقت لگا کر سیکھنے کا ہے۔

لغات: فَلْیُغَیِّرْہُ غَیَّرَہٗ، غارہ ،بدل دینا، تغیر کر دینا۔ اَضْعَفُ: اسم التفضیل بمعنی کمزور جمع ضعاف و اضعفاء۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، رَاٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْکُمْ جار مجرور مل کر متعلق فعل مُنْکَرًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَا جزائیہ، لِیُغَیِّرْ امر غائب، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ہٗ ضمیر مفعول بہ، بَ جار، یَدِہٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، فَ عاطفہ، اِنْ حرف شرط، لَمْ یَسْتَطِعْ فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، بِ جار، لِسَانِہٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل محذوف لِیُغَیِّرْ کے، فعل اپنے فاعل ھو ضمیر مستتر مفعول بہ (ضمیر محذوف ہ) اور متعلق سے مل کر جملہ

فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف اول، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ بترکیب سابق جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف ثانی، معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا، واؤ استنافیہ، ذٰلِکَ مبتدا، اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ مستانفہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۴۴۔ قرض کی ادائیگی کی نیت ہوتو اللہ مدد فرماتے ہیں

مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَاءَ ھَا اَدَّی اللّٰہُ عَنْہُ وَمَنْ اَخَذَ یُرِیْدُ اِتْلَافَھَا اَتْلَفَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ .

++++++++++

مَنْ	اَخَذَ	اَمْوَالَ النَّاسِ
جس نے	لیا	لوگوں کا مال
یُرِیْدُ	اَدَاءَ ھَا	اَدَّی اللّٰہُ
چاہتا ہے	اسے دینا	ادا کردے گا اللہ
عَنْہُ	وَمَنْ	اَخَذَ
اس کی طرف سے	اور جس نے	لیا
یُرِیْدُ	اِتْلَافَھَا	اَتْلَفَہُ اللّٰہُ
چاہتا ہے	اس کا ضائع کردینا	ضائع کردے گا اللہ
عَلَیْہِ		
اس پر		

[بخاری]

تشریح: اس ارشاد نبوی ﷺ میں مقروض کے لیے ہدایات ہیں کہ قرض ادا کرنے کی نیت رکھو، ادائیگی کی نیت کرنے والے کی اللہ مدد کرتا ہے اور جو قرض ادا نہ کرنا چاہے اس کا مال ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے ایک انسان کو پریشان کرنے کا

ارادہ کیا اس کی بدنیتی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کا مال ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے دو نقصان ہوئے۔ قرض ادا نہ کر سکا اس میں آخرت کا نقصان بھی ہے، دوسرا یہ کہ اس کا مال ضائع ہوگیا۔

لغات: اَدّٰی: (ض) اَدَّیَا اَلشَّیْءَ بمعنی ادا کرنا، پہنچانا اَتْلَفَهٗ تَلِفَ (س) تَلْفًا بمعنی ہلاک ہونا، برباد ہونا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَخَذَ فعل ماضی هُوَ ضمیر مستتر ذوالحال، يُرِيْدُ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، اَدَاءَهَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، اَمْوَالَ النَّاسِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط اَدّٰی فعل ماضی لفظ اللّٰہ فاعل، عَنْهُ جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، وَاؤ عاطفہ، مَنْ اَخَذَ يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ بترکیب سابق شرطیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۴۵۔ ایک دن فرض روزہ چھوڑنے کا نقصان

مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلُّهٗ وَاِنْ صَامَهٗ .

++++++++++

مَنْ،	اَفْطَرَ	يَوْمًا
جس شخص نے	روزہ نہ رکھا	ایک دن کا
مِنْ رَمَضَانَ	مِنْ غَيْرِ	رُخْصَةٍ
(ماہ) رمضان سے	بغیر (شرعی)	کسی رخصت کے

وَلَا مَرَضٍ　　لَمْ يَقْضِ　　عَنْهُ
اور بغیر کسی مرض کے　　نہیں بدل ہوسکتا　　اس کا
صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ　　وَإِنْ صَامَهٗ
پوری عمر روزہ رکھنا　　اگرچہ (پوری عمر) رکھ لے　　[رواہ احمدؒ]

تشریح: حبیبِ خدا ﷺ کے اس قول میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے رمضان کا روزہ چھوڑ دینا اتنا بڑا نقصان ہے کہ پوری عمر روزہ رکھنے سے بھی وہ نقصان پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے جان بوجھ کر روزہ نہ چھوڑیں۔ اس میں ہمیں دینی کاموں کو اپنے اوقات پر کرنے کا سبق بھی دیا جا رہا ہے۔ اسی طرح نماز، زکوٰۃ اور حج کو اپنے اوقات سے مؤخر نہ کرنا چاہیے۔

لغات: اَفْطَرَ: الصَّائم، روزے دار کا کھانا اور پینا، فَطَرَ (ن. ض) فَطْرُ الشَّیْءُ، پھاڑنا، فَطَّرَ، تَفَطُّرُ وَاِنْفَطَرَ بمعنی پھٹنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَفْطَرَ فعل ماضی، ھُوَ ضمیر فاعل، یَوْمًا موصوف، مِنْ رَمَضَانَ جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول فیہ، مِنْ جار غَیْرُ رُخْصَةٍ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، لَا زائدہ، مَرَضٍ معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، لَمْ یَقْضِ فعل معلوم، عَنْهُ جار مجرور مل کر متعلق فعل کے، صَوْمُ الدَّهْرِ مضاف مضاف الیہ مل کر موکد، کُلِّهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر تاکید، موکد تاکید مل کر فاعل، فعل اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ، واؤ مبالغہ، اِنْ حرف شرط، صَامَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اس کی جزاء لَمْ یَقْضِ عَنْهُ محذوف ہے، شرط جزاء مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

۲۴۶۔مجاہد کو سامان جہاد دینے اور روزہ افطار کرانے کا اجر

مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ

++++++++++

مَنْ	فَطَّرَ	صَائِمًا
جس نے	روزہ کھلوایا	کسی روزہ دار کا
اَوْ	جَهَّزَ	غَازِيًا
یا	سامان دیا	کسی مجاہد کو
فَلَهٗ	مِثْلُ اَجْرِهٖ	
پس اس کو	ثواب ہے اس کے برابر	[بیهقی]

تشریح: ایک خاص اصول اس فرمان سے معلوم ہوا کہ نیکی پر مدد کرنے والے کو اس نیکی کا ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ ایک گھونٹ لسی یا ایک کھجور سے روزہ کھلوا دے تو روزہ رکھنے کا ثواب مل جاتا ہے یا کسی مجاہد کو سامان دے تو جہاد کا ثواب مل جاتا ہے۔

اس لیے جہاں تک ممکن ہو نیکی کے کام میں دوسروں کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ طالب علم کی مدد کرے تو علم کا ثواب ملتا ہے۔

لغات: جَهَّزَ بَجَهَّزَهٗ، بمعنی تیار کرنا، مہیا کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، فَطَّرَ فعل ماضی، هُوَ ضمیر مستتر فاعل صَائِمًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرف عطف، جَهَّزَ غَازِيًا بترکیب سابق جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر شرط، فَ جزائیہ لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق فعل محذوف ثَبَتَ کے، ثَبَتَ فعل مِثْلُ مضاف، اَجْرِهٖ مضاف الیہ مضاف، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

۲۴۷۔امیر واستاد کی اطاعت میں نجات

مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ
وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَعْصِی الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ

++++++++++

مَنْ	اَطَاعَنِیْ	فَقَدْ
جس شخص نے	میری بات مانی	پس تحقیق
اَطَاعَ اللّٰہَ	وَمَنْ	عَصَانِیْ
اس نے اللہ کی بات مانی	اور جس نے	میری نافرمانی کی
فَقَدْ	عَصَی اللّٰہَ	وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ
پس تحقیق	اس نے اللہ کی نافرمانی کی	اور جو امیر کی بات مانے
فَقَدْ	اَطَاعَنِیْ	وَمَنْ
پس تحقیق	اس نے میری بات مانی	اور جس نے
یَعْصِی الْاَمِیْرَ	فَقَدْ	عَصَانِیْ
نافرمانی کی امیر کی	پس تحقیق	اس نے میری نافرمانی کی

[بخاری ومسلم]

تشریح: اس ارشاد گرامی میں حضور اکرم ﷺ نے اپنی اطاعت کو اللہ کی اطاعت اور نافرمانی کو اللہ کی نافرمانی قرار دیا ہے اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ اپنے امیر، استاد یا شرعی مرشد کی اطاعت کرنا اللہ کے نبی کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی اللہ کے نبی ﷺ کی نافرمانی ہے بشرطیکہ یہ حضرات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کی روشنی میں حکم دیں ورنہ اطاعت ضروری نہیں ہے۔ بلکہ نافرمانی ضروری ہے۔

لغات: عَصَانِیْ: بمعنی نافرمانی کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَطَاعَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، ن

وقایہ ی متکلم مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط،ف جزائیہ،قَدْ حرف تحقیق،اَطَاعَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر،فاعل لفظ اللّٰہ مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء،شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوکر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ،مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہوکر معطوف اول،واؤ عاطفہ،وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہوکر معطوف ثانی،واؤ عاطفہ، وَمَنْ یَّعْصِی الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ بترکیب سابق جملہ شرطیہ ہوکر معطوف ثالث،معطوف علیہ اپنے معطوفات سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۴۸۔ناحق زمین دبا لینے کا انجام

مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَیْئًا بِغَیْرِ حَقِّہٖ خُسِفَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ ۔

++++++++++

مَنْ	اَخَذَ	مِنَ الْاَرْضِ
جس شخص نے	لیا	زمین کا
شَیْئًا	بِغَیْرِ حَقِّہٖ	خُسِفَ
کچھ حصہ	بغیر اپنے حق کے	دھنسا دیا جائے گا
بِہٖ	یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ	اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ
اس کے بدلے میں	قیامت کے دن	سات زمینوں تک

[بخاری]

تشریح: اس حدیث میں اس شخص کے لیے وعید ہے جو زمین کا کوئی حصہ ناحق لے۔تو قیامت کے دن سات زمینوں کی مٹی سزا کے طور پر اس کے سر پر رکھی جائے

گی یا طوق بنا کر گلے میں ڈال دی جائے گی۔ اس لیے کسی کی کوئی چیز بھی ناحق نہ لینی چاہیے۔

لغات: خَسَفَ (ض) خَسْفٌ فــي الاَرْضِ ، بمعنی زمین میں دھنسانا۔ اَرْضِيْــنَ: اَرْضُوْنَ، اُرُوْضٌ، اراض، جمع الارض بمعنی زمین۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَخَذَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنَ الْاَرْضِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، شَيْئًا موصوف، بِ جار، غَيْرِ مضاف، حَقِّهٖ مضاف الیہ مضاف دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کَائِنًا محذوف کے، کَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل، متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، خُسِفَ فعل ماضی مجہول، بِ برائے تعدیہ، ہٖ ضمیر نائب فاعل، يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، اِلٰى جار، سَبْعِ اَرْضِيْنَ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((..........۞۞۞..........))

۲۴۹۔ زیارتِ رسول اللہ ﷺ حقیقت ہی ہوتی ہے

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّيْطٰنِ لَا يَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ.

++++++++++

مَنْ	رَاٰنِیْ	فِی الْمَنَامِ
جس شخص نے	دیکھا مجھے	خواب میں
فَقَدْ	رَاٰنِیْ	فَاِنَّ
پس تحقیق	دیکھا اس نے مجھ ہی کو	پس بے شک

الشَّیْطٰنِ	لَا	یَتَمَثَّلُ
شیطان	نہیں	صورت بنا سکتا

فِیْ صُوْرَتِیْ
میری صورت جیسی [بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کو حقیقی زیارت قرار دیا کیونکہ شیطان اوروں کی شکلیں بنا کر آ سکتا ہے۔ لیکن خواب میں آپ ﷺ کی شکل بنا کر نہیں آ سکتا کیونکہ شیطان سراسر گمراہی اور آپ ﷺ ہدایت کا پرچم اٹھائے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے ایسے ہی شیطان آپ ﷺ کی صورت نہیں بنا سکتا۔ اور آپ کی زیارت، درود شریف کثرت سے پڑھنے والوں کو ہوتی ہے۔

لغات: یَتَمَثَّل: مَثَّل، تَمْثِیْلًا الشَّیْءَ لِفُلَان، ہو بہو تصویر ہونا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، رَاٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل، نِیْ مفعول بہ، فِی الْمَنَامِ جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزاء قَدْ حرف تحقیق، رَاٰی فعل، ھُوَ ضمیر مستتر فاعل نی مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معلل، فَ تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، اَلشَّیْطٰن اِنَّ کا اسم، لَا یَتَمَثَّلُ فعل مضارع معروف ھُوَ ضمیر مستتر فاعل فِیْ حرف جار، صُوْرَتِیْ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل اور تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

((............ ....))

۲۵۰۔جھوٹا دعوٰی گناہ کبیرہ ہے

مَنِ ادَّعٰی مَا لَيْسَ لَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

++++++++++

مَنِ ادَّعٰی	مَا لَيْسَ	لَهٗ
جس نے دعوٰی کیا (ایسی چیز کا)	جو نہیں ہے	اس کی
فَلَيْسَ	مِنَّا	وَلْيَتَبَوَّأْ
پس نہیں ہے وہ	ہم میں سے	پس چاہیے کہ وہ بنالے
مَقْعَدَهٗ	مِنَ النَّارِ	
اپنا ٹھکانہ	آگ کو	[مسلم]

تشریح: اس حدیث شریف میں کسی کی چیز پر جھوٹا دعوٰی کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جھوٹا دعوٰی کرنے والا اپنے آپ کو جہنم میں سمجھ لے۔

اس سے معلوم ہوا عدالتوں میں جھوٹے دعوے سے زمین، مکان اور دیگر اشیاء کا حصول ناجائز ہے۔عدالت کے فیصلے کے باوجود یہ چیز اس کے لیے حرام ہے۔

لغات: وَلْيَتَبَوَّأْ تبوأ المكان وبه ، اقامت کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَدَّعٰی فعل ماضی هُوَ ضمیر مستتر فاعل مَا موصولہ، لَيْسَ فعل ناقص هُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم، لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق كَائِنًا محذوف کے، كَائِنًا صیغہ اسم فاعل، اپنے فاعل (هُوَ ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، ف جزائیہ، لَيْسَ فعل ناقص هُوَ ضمیر اس کا اسم مِنَّا جار مجرور مل کر متعلق كَائِنًا کے، كَائِنًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، لَيْسَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و اؤ عاطفہ، لِيَتَبَوَّأْ امر غائب هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مَقْعَدَهٗ مضاف مضاف

الیہ مل کر مفعول بہ، من النار جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جزاء، شرط اور جزاء مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۲۵۱۔روزہ اور قیامِ لیل کی فضیلت

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ
وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ
وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

++++++++++

مَنْ	صَامَ	رَمَضَانَ
جس نے	روزہ رکھا	رمضان کا
اِيْمَانًا	وَّاِحْتِسَابًا	غُفِرَ
ایمان کی حالت میں	اور ثواب کی امید سے	معاف کیے جائیں گے
لَهٗ	مَا	تَقَدَّمَ
اس کے	جو	ہو چکے ہیں
مِنْ ذَنْبِهٖ	وَمَنْ	قَامَ
اس کے گناہ	اور جو شخص	کھڑا رہا (تراویح کے لیے)
رَمَضَانَ	اِيْمَانًا	وَّاِحْتِسَابًا
رمضان میں	ایمان کی حالت میں	اور ثواب کی امید سے
غُفِرَ	لَهٗ	مَا
بخش دیے جائیں گے	اس کے	جو

تَقَدَّمَ	مِنْ ذَنْبِهٖ	وَمَنْ
ہو چکے	اس (رمضان سے پہلے) اس کے گناہ	اور جو شخص
قَامَ	لَيْلَةَ الْقَدْرِ	اِيْمَانًا
کھڑا رہا	قدر کی رات میں	ایمان کی حالت میں
وَّاحْتِسَابًا	غُفِرَ	لَهٗ
اور ثواب کی امید سے	بخش دیے جائیں گے	اس کے
مَا	تَقَدَّمَ	مِنْ ذَنْبِهٖ
جو	ہو چکے (اس عمل سے) پہلے	اس کے گناہ

[رواه البخاری ومسلم]

تشریح:: اس حدیث پاک میں ایمان اور احتساب کے ساتھ روزہ اور تراویح کے اہتمام کو سارے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

ملاحظہ:

۱۔ اِيْمَانًا: کا مفہوم: ہر عمل کرتے وقت حکم الٰہی کا تصور رہے اور یہ سوچے کہ یہ عمل نہ کروں گا تو اللہ ناراض ہوں گے۔

۲۔ اِحْتِسَابًا: کا مفہوم: نیک کام کرتے وقت اس عمل پر جس اجر کا وعدہ ہے اس کے ملنے کی امید دل میں ہو اور صرف رضائے الٰہی مقصود ہو۔

۳۔ سارے گناہ معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور کبیرہ کی معافی کے لیے آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ اور سچی توبہ کرنا ضروری ہے۔

لغات: قَامَ (ن) قَوْمًا وقیاما بمعنی کھڑا ہونا، یہاں پر مراد تراویح پڑھنا آتا ہے۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، صَامَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، رَمَضَانَ مفعول فیہ، اِيْمَانًا معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اِحْتِسَابًا معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول لہ، فعل اپنے فاعل مفعول فیہ اور مفعول لہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر

شرط، غُفِرَ فعل ماضی مجہول، لَهٗ جار مجرور متعلق فعل، مَا موصول، تَقَدَّمَ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، مِنْ جار، ذَنْبِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ، بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف اول، واؤ عاطفہ، مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف ثانی، معطوف علیہ دونوں معطوفوں سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۲۵۲۔ مسجد میں بدبو والی چیز نہ لائیں اور نہ مسجد میں کھائیں!

مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرُبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ .

++++++++++

مَنْ	اَكَلَ	مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ
جو شخص	کھائے	اس بدبودار درخت سے
فَلَا يَقْرُبَنَّ	مَسْجِدَنَا	فَاِنَّ
پس ہرگز نزدیک نہ آئے	ہماری مسجد کے	پس بے شک
الْمَلٰٓئِكَةَ	تَتَاَذّٰى	مِمَّا
فرشتے	تکلیف محسوس کرتے ہیں اس سے	جس سے کہ
يَتَاَذّٰى مِنْهُ	الْاِنْسُ	
تکلیف محسوس کرتے ہیں	انسان	[بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں ہر بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کو منع کیا گیا ہے۔(مثال کے طور پر پیاز یا لہسن) اور دوسرا حکم یہ معلوم ہوا کہ مسجدوں میں اور جہاں اللہ اور پیارے رسول اللہ ﷺ کی بات ہوتی ہو وہاں ہر وقت فرشتے رہتے ہیں۔ ان فرشتوں کا ادب ضروری ہے۔اور آداب کی رعائت رکھ کر مسجد میں رہنے والے کے لیے فرشتے دعائیں کرتے ہیں ان کا ادب ضروری ہے۔

الشجرۃ المنتنۃ: سے مراد لہسن اور پیاز ہیں۔ جب کہ یہ حکم ہر بدبودار چیز کو شامل ہے۔ان دو چیزوں کے نام بطور مثال دیئے گئے ہیں۔

لغات: اَلْمُنْتِنَۃِ: اسم فاعل عن فعل نَتَنَ (ض۔س) متناوَنَتُنَ (ک) نَتَانَۃً بمعنی بدبودار ہونا۔تَتَاَذّٰی: تکلیف پہنچنا،اَذٰی (س) تکلیف پانا۔قَالَ تَعَالٰی قُلْ ھُوَ اَذًی۔اَلْاِنْسُ: بمعنی آدمی،اَنِسَ (س۔ک۔ض) انسابہ،الیہ بمعنی مانوس ہونا،محبت کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، اَکَلَ فعل ھُوَ ضمیر مستتر فاعل،مِنْ جار ھٰذِہِ اسم اشارہ ،اَلشَّجَرَۃِ موصوف ،اَلْمُنْتِنَۃِ صفت ،دونوں مل کر مشار الیہ ،اسم اشارہ مشارالیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ،لَا یَقْرَبَنَّ نہی غائب،مؤکد بانون ثقیلہ ھُوَ ضمیر مستتر فاعل مَسْجِدَنَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معلل ،فَ تعلیلیہ ،اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ،اَلْمَلٰئِکَۃَ اِنَّ کا اسم ،تَتَاَذّٰی فعل مضارع ھِیَ ضمیر مستتر فاعل مِنْ جار مَا موصول ،یَتَاَذّٰی فعل مضارع ،مِنْہُ جار مجرور مل کر متعلق فعل، اَلْاِنْسُ فاعل ،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر،اِنَّ اپنے اسم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل ،معلل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۲۵۳۔عدالت ایک اہم ذمہ داری

مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ .

++++++++++

مَنْ	جُعِلَ	قَاضِيًا
جو شخص	بنایا گیا	فیصلہ کرنے والا
بَيْنَ النَّاسِ	فَقَدْ	ذُبِحَ
لوگوں کے درمیان	پس تحقیق	ذبح کر دیا گیا وہ
بِغَيْرِ	سِكِّيْنٍ	
بغیر	چھری کے	[احمد وترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں لوگوں کے درمیان قاضی (جج) بننے کو سخت ترین عمل بتایا ہے کہ روحانی طور پر ایسا شخص فیصلہ کرنے میں اتنا پریشان ہوتا ہے گویا وہ ذبح کر دیا گیا۔علماء صلحاء اسی وجہ سے ہمیشہ اس عہدہ سے دور رہے۔کیونکہ اس میں ناانصافی سے اپنا اور دوسروں کا دین خطرے میں پڑ جاتا ہے۔بہر حال جہاں شرعی ضرورت ہو اور انسان اپنے میں صلاحیت بھی پاتا ہو تو قاضی بننے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ انصاف کرنے والا بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

لغات:قَاضِيًا قَضٰى (ض) قَضَاءً فیصلہ کرنا،حاجت پوری کرنا جمع قُضَاة قَاضِيُ الْقُضَاةِ قاضیوں کا رئیس (چیف جسٹس) سِكِّيْنٌ:بروزن، يحريف،بمعنی چھری جمع سَكَاكِيْنُ۔

ترکیب:مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، جُعِلَ فعل ماضی مجہول هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل ،قَاضِيًا مفعول بہ،بَيْنَ النَّاسِ مضاف مضاف مل کر مفعول فیہ،فعل اپنے نائب فاعل مفعول بہ اور فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط،فَ جزائیہ،قَدْ حرف تحقیق،ذُبِحَ فعل ماضی مجہول هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل،بَ جار،غَيْرِ سِكِّيْنٍ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل

کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۵۴۔ غیر اللہ کی قسم کھانا

مَنْ حَلَفَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ .

++++++++++

مَنْ	حَلَفَ	لِغَيْرِ اللّٰهِ
جس نے	قسم اٹھائی	اللہ کے علاوہ کی
فَقَدْ	اَشْرَكَ	
پس تحقیق	اس نے شرک کیا	[ترمذی]

تشریح: اس ارشاد گرامی میں غیر اللہ یعنی ماں، باپ، اولاد یا اور کسی چیز کی قسم کھانا شرک قرار دیا ہے۔ کیونکہ قسم کے لائق، عظمت اور جلالت والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ اگر چہ قرآن پاک میں اللہ نے بعض چیزوں کی قسمیں کھائیں وہ اللہ کا اپنا اختیار ہے کسی چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے جس کی چاہیں قسم کھائیں۔

لغات: حَلَفَ (ض) حَلْفًا و حَلَفًا بمعنی قسم کھانا جمع احلاف۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، حَلَفَ، فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل، بَا جار غَيْرِ مضاف، لفظ اللّٰهِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط، فَا جزائیہ، قَدْ تحقیقیہ، اَشْرَكَ فعل، هو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جزاء، شرط و جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۵۵۔ مہمان اور پڑوسی سے حسنِ سلوک

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ.

++++++++++

مَنْ	كَانَ	يُؤْمِنُ
جو شخص	کہ	وہ ایمان لائے
بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	فَلْيُكْرِمْ
اللہ پر	اور قیامت کے دن پر	پس چاہیے کہ وہ عزت کرے
ضَيْفَهُ	وَمَنْ كَانَ	يُؤْمِنُ
اپنے مہمان کی	اور جو شخص کہ	وہ ایمان لائے
بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	فَلَا يُؤْذِ
اللہ پر	اور قیامت کے دن پر	پس چاہیے کہ وہ تکلیف نہ پہنچائے
جَارَهٗ	وَمَنْ كَانَ	يُؤْمِنُ
اپنے پڑوسی کو	اور جو	ایمان لائے
بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	فَلْيَقُلْ
اللہ پر	اور قیامت کے دن پر	پس چاہیے کہ وہ کہے
خَيْرًا	اَوْ	لِيَصْمُتْ
بھلی بات	یا	خاموش رہے

[رواہ البخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں ہم سے چند امور مطلوب ہیں۔

۱۔ مہمان کے آنے پر خوشی کا اظہار کریں اور اپنی حیثیت کے مطابق تین دن تک کچھ تکلف بھی کریں اس سے زیادہ مہمانی کرنے سے مزید صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

۲۔ پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا یہ عظیم عمل ہے کم ازکم یہ کہ اپنے ہاتھ اور زبان کی تکلیف سے انہیں محفوظ رکھے۔احادیث میں اسے بھی صدقہ قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ بھلی بات کرے،نہ کرسکتا ہوتو خاموش رہے۔یہ تینوں کام (مہمان نوازی، پڑوسی سے حسن سلوک اور بھلی بات کرنا) حقوق العباد کے متعلقات ہیں۔

لغات: فَلْيُكْرِمْ إِكْرَامًا، اَكْرَمَهٗ بمعنی عزت کرنا،تعظیم کرنا،تكَرُّمٌ تکلف،اکرام کرنا۔ لِيَصْمُتْ :صَمَتَ (ن) صَمْتًا و صُمُوتًا بمعنی خاموش رہنا،صَمَّتَ،اَصْمَتَ خاموش رہنا،خاموش کرنا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، كَانَ فعل ناقص ھو ضمیر مستتر اس کا اسم يُؤْمِنُ فعل مضارع ھو ضمیر مستتر فاعل بَا جار لفظ اَللّٰه معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَلْيَوْمِ الْاٰخِرِ موصوف صفت مل کر معطوف ،معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوکر خبر، كَانَ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہوکر شرط،فَ جزائیہ،لِيُكْرِمْ امر غائب،ھو ضمیر مستتر فاعل ضَيْفَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر جزا،شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوکر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ ،بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہوکر معطوف اول ،واؤ عاطفہ،مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہوکر معطوف ثانی ،معطوف علیہ اپنے معطوفین سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

۲۵۶۔ فجر و عشاء با جماعت پڑھنے کی فضیلت

مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ .

++++++++++

مَنْ	صَلَّى	الْعِشَاءَ
جس نے	پڑھی	عشاء (کی نماز)
فِيْ جَمَاعَةٍ	فَكَأَنَّمَا	قَامَ
جماعت میں	پس گویا کہ	وہ کھڑا رہا
نِصْفَ اللَّيْلِ	وَمَنْ	صَلَّى الصُّبْحَ
آدھی رات	اور جس نے	پڑھی فجر (کی نماز)
فِيْ جَمَاعَةٍ	فَكَأَنَّمَا	صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ
جماعت کے ساتھ	پس گویا کہ وہ (کھڑا رہا)	نماز میں پوری رات

[مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک سے دو سبق مفہوم ہو رہے ہیں۔

۱۔ فجر اور عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت بتائی گئی ہے۔

۲۔ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے سے رات کے نصف اول کا ثواب ملتا ہے اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے سے رات کے نصف ثانی کا بھی ثواب مل جاتا ہے۔ گویا فجر اور عشاء جماعت سے ادا کریں تو ساری رات نفل نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

لغات: اَلْعِشَاءَ بکسر العین، عشاء کی نماز، اور عَشَاءَ، بفتح العین رات کا کھانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، صَلَّى فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، اَلْعِشَاءَ مفعول بہ، فِيْ جَمَاعَةٍ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق

سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط،ف جزائیہ، کَاَنَّمَا (کَاَنَّ حرف مشبہ بالفعل،ما کافہ عن العمل) قَامَ فعل ہو ضمیر مستتر فاعل نِصْفُ اللَّيْلِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ،فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا،شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ،مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ ترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۵۷۔کامیابی نسب پر نہیں اعمال پر ہے

مَنْ بَطَّاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ.

++++++++++

مَنْ	بَطَّاَ	بِهٖ
جو شخص کہ	پیچھے رکھا	اس کو
عَمَلُهٗ	لَمْ يُسْرِعْ	بِهٖ
اس کے عمل نے	نہیں آگے لے جائے گا	اس کو
نَسَبُهٗ		
اس کا نسب		[مسلم]

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو آدمی حسب ونسب والا ہے مگر عمل میں کوتاہی کرتا ہو تو یہ ناکام ہے،اور جس کے نسب (ذات، برادری) کی وجہ سے لوگ اسے چھوٹا سمجھتے ہوں،لیکن اس کے اعمال مقبول ہوں،تو وہ اللہ کو محبوب ہوگا۔معلوم ہوا کہ قیامت کے دن صرف اعمال کی بناء پر کامیابی اور ناکامی کے فیصلے ہوں گے۔تاریخ اسلام ایسے حقائق سے بھری پڑی ہے کہ کتنے ہی دنیاوی لحاظ سے کم حیثیت لوگ اعمال کی وجہ سے بلند مراتب حاصل کر گئے۔

لغات:بَطَّأَ:بمعنی دیر کرنا،مؤخر کرنا۔بَطُؤَ:(ک) بَطَاءً،بطاء دیر کرنا۔یَسْرَعُ:بمعنی جلدی کرنا،فِی الْمَشْيِءَ،جلدی چلنا۔

ترکیب:مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، بَطَّأَ فعل ماضی،بَ جار،ہ ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق فعل،عملہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط،لَمْ یُسْرِعْ فعل،بِہٖ جار مجرور مل کر متعلق فعل،نَسَبُہٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء،شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۵۸۔پرہیز گاری سے حج کرنا گناہوں کے دھلنے کا ذریعہ

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ .

++++++++++

مَنْ	حَجَّ	لِلّٰهِ
جس نے	حج کیا	اللہ کی (رضامندی کے لیے)
فَلَمْ يَرْفُثْ	وَلَمْ يَفْسُقْ	رَجَعَ
پس نہ گیا وہ اپنی بیوی کے پاس	اور نہ اس نے کوئی بُرا کام کیا	لوٹے گا (وہ حج سے)
كَيَوْمٍ	وَّلَدَتْهُ	اُمُّهٗ
اس دن کی طرح (کہ جس دن گناہوں سے پاک)	جنا اس کو	اس کی ماں نے

[بخاری ومسلم]

تشریح:اس حدیث پاک میں حج کی یہ فضیلت بتائی گئی ہے کہ جسے یہ عمل نصیب ہو اور وہ اس عمل کی اور خاص طور پر احرام کی پابندیوں کا پورا پورا خیال رکھے

(جماع، بال کٹوانا، خوشبو لگانا، اور کوئی بُرا کام کرنا) ان سے بچے تو اس کا انعام یہ ہے کہ وہ جب حج سے واپس آئے گا تو وہ اس دن کی طرح گناہوں سے پاک، صاف ہو جائے گا جس دن یہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور گناہوں سے بالکل صاف اور پاک تھا۔ یہ انعام ہے حج کی پابندیوں کا لحاظ کرتے ہوئے حج کرنے کا۔ اس کے برخلاف جو گناہ کرے اور احتیاط نہ کرے ان بے ادبیوں کا انجام بہت بُرا ہے۔

لغات: رَفَثَ: (ن۔س۔ض) رَفَثًا فِي الْكَلَامِ: گندی بات کرنا۔ اسی سے رفث آتا ہے بمعنی جماع کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ۔ فَسَقَ: (ن۔ض۔ک) فِسْقًا وفُسُوْقًا۔ بمعنی بدکاری کرنا، اسی سے فاسق آتا ہے۔ اس کی جمع فَسَقَةٌ فُسَّاقٌ آتی ہے۔ وَلَدَ: (ض) وِلَادَةً بمعنی پیدا کرنا۔ جننا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، حَجَّ فعل ھو ضمیر مستتر فاعل، لِلّٰهِ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، فَ عاطفہ، لَمْ يَرْفُثْ فعل ھو ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، لَمْ يَفْسُقْ بترکیب:: سابق معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ اول اپنے معطوف سے مل کر جملہ معطوفہ ہو کر شرط، رَجَعَ فعل ھو ضمیر مستتر ذوالحال، كَ جار، يَوْمِ موصوف، وَلَدَتْ فعل، ہ ضمیر مفعول بہ، اُمُّهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل فعل مفعول بہ اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق طَاهِرًا محذوف کے، طَاهِرًا صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال حال مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۲۵۹۔شہادت کی سچی تمنا بھی فائدہ مند ہے

مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَّاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ .

++++++++++

مَنْ	سَأَلَ	اللّٰهَ
جس نے	مانگا	اللہ سے
الشَّهَادَةَ	بِصِدْقٍ	بَلَّغَهُ
شہادت کو	سچے دل سے	پہنچادے گا اسے
اللّٰهُ	مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ	وَإِنْ
اللہ	شہیدوں کے مرتبے پر	اور اگر چہ
مَّاتَ	عَلٰى فِرَاشِهٖ	
مرے وہ	اپنے بستر پر	[مسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں صرف شہادت کی نیت اور سچی خواہش کی وجہ سے اللہ پاک ثواب نصیب فرماتے ہیں۔حالانکہ حقیقی شہید وہ ہے جو راہ خدا میں لڑتے لڑتے جان دے دے۔اس سے معلوم ہوا جن نیک اعمال کی طاقت نہ ہو فضائل کے استحضار کے ساتھ ان کی آرزو رکھنا اور کوشش کرنا بھی بڑا کارِ ثواب ہے۔

لغات: فِرَاشِهٖ: بمعنی بچھونا، بستر، اس کی جمع اَفْرِشَة، فرش وغیرہ آتی ہے۔(ن۔ض) فَرْشًا بچھانا۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، سَأَلَ فعل ھو ضمیر فاعل، لفظ اللّٰهَ مفعول اول، اَلشَّهَادَةَ مفعول ثانی ،بِصِدْقٍ جار مجرور متعلق فعل،فعل اپنے فاعل، مفعولین اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط،بَلَّغَ فعل ہ ضمیر مفعول بہ،اللّٰه فاعل،مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ،فعل اپنے فاعل،مفعول بہ

اور فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔ واؤ مبالغہ، اِنْ وصلیہ شرطیہ، مَّاتَ فعل، ہو ضمیر مستتر فاعل، عَلٰی جار، فِرَاشِہٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اس کی جزا بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ، قرینۃ ماقبل کی وجہ سے محذوف ہے۔ شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۶۰۔ جہاد کی تیاری بھی جہاد کے ثواب میں شمولیت ہے

مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِیْمَانًا م بِاللّٰهِ وَتَصْدِیْقًا بِوَعْدِهٖ فَاِنَّ شِبْعَهٗ وَرِیَّهٗ وَرَوْثَهٗ وَبَوْلَهٗ فِیْ مِیْزَانِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ .

++++++++++

مَنِ	احْتَبَسَ	فَرَسًا
جس شخص نے	(پالنے کے لیے) روکے رکھا	کوئی گھوڑا
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	اِیْمَانًا م بِاللّٰهِ	وَتَصْدِیْقًا بِوَعْدِهٖ
اللہ کے راستے میں (جانے یا بھیجنے کے لیے	اللہ پر یقین رکھتے ہوئے	اور اس کے وعدے کو سچا جانتے ہوئے
فَاِنَّ	شِبْعَهٗ	وَرِیَّهٗ
پس بے شک	اس کا سیر کر کے کھلانا	اور اس کا پلانا
وَرَوْثَهٗ	وَبَوْلَهٗ	فِیْ مِیْزَانِهٖ
اور اس کا لید کرنا	اور اس کا پیشاب کرنا	اس (پالنے والے کے ترازو میں ہوگا)
یَوْمَ الْقِیٰمَةِ		
قیامت کے دن		[بخاری]

تشریح: اس حدیث پاک میں رضائے الٰہی کے لیے جہاد کی غرض سے گھوڑا

پالنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔حتیٰ کہ اس گھوڑے کا کھانا پینا بھی نامۂ اعمال میں لکھا جائیگا۔معلوم ہوا کسی نیک کام کے جو متعلقات (تیاری میں جو کام بھی کیے جائیں) وہ بھی ثواب سے خالی نہیں۔جیسے علم کے لیے قلم،کتاب،جاگنا،کھانا،پینا،مدرسہ آنا جانا وغیرہ ایسے ہی نماز،روزہ ودیگر امور شرعیہ کی ادائیگی میں ہر کوشش قابلِ قدر اور باعث اجروثواب ہے۔

لغات:اِحْتَبَسَ:بمعنی قید کرنا،روکنا،لازم اور متعدی دونوں آتا ہے،حَبَسَ(ض) حَبْسًا بمعنی قید کرنا،روکنا۔شِبْعَهٗ:اتنا کھانا جس سے پیٹ بھر جائے۔شَبِعَ(س)شِبْعًا بمعنی آسودہ ہونا وَرِيَّهٗ:رَوِيَ(س) رِيًّا،سیراب ہونا،وَرَوْثَهٗ:بمعنی لید جمع اَرْوَاث. رَاثَ(ن)وَرَثًا الْفَرَسِ گھوڑے کا لید کرنا۔

ترکیب:مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط،اِحْتَبَسَ فعل ماضی،ھو ضمیر مستتر ذوالحال،اِیْمَانًا مصدر بمعنی اسم فاعل،ھو ضمیر مستتر فاعل،با جار،لفظ اللّٰہِ مجرور،جار مجرور مل کر متعلق اِیْمَانًا کے،متعلق اور متعلق مل کر شبہ جملہ ہوکر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ تَصْدِیْقًا بِوَعْدِہٖ بترکیب:: سابق شبہ جملہ ہوکر معطوف،معطوف علیہ معطوف مل کر حال ذوالحال حال مل کر فاعل،فَرَسًا مفعول بہ،فِیْ جار،سَبِیْلِ اللّٰہِ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر شرط،فَ جزائیہ،اِنَّ حرف مشبہ بالفعل،شِبْعَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ،رِیَّهٗ معطوف اول،واؤ عاطفہ،رَوْثَهٗ معطوف ثانی واؤ عاطفہ بَوْلَهٗ معطوف ثالث،معطوف علیہ اپنے معطوفات سے مل کر اِنَّ کا اسم،فِیْ جار مِیْزَانِہٖ مضاف مضاف علیہ مل کر مجرور،جار مجرور مل کر متعلق کَائِنٌ محذوف کے،کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل،ھو ضمیر مستتر اس کا فاعل،یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ،کائن اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شبہ جملہ ہوکر خبر،اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر جزا،شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

۲۶۱۔ بالوں کی حفاظت کیجیے

مَنْ كَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ .

++++++++++

مَنْ كَانَ لَهٗ	شَعْرٌ	فَلْيُكْرِمْهُ
جس شخص کے	بال ہوں	پس چاہیے کہ انہیں اچھی طرح رکھے

[رواہ ابوداؤد]

تشریح: اس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے (بال اور ان کی طرح دوسری آنکھ، کان وغیرہ جتنی نعمتیں) اللہ نے دے رکھی ہیں۔ان کو صاف ستھرا رکھنا، ضائع ہونے سے بچانا اللہ کا حکم ہے، مثلاً جب بال ہوں تو ان کو میلا ہونے سے، جوؤں سے بچانا اور صفائی کے لیے تیل، کنگھی استعمال کرنا ضروری ہے۔

ملاحظہ: اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ان کاموں (یعنی بال وغیرہ سنوارنے) میں وقت کو ضائع کیا جائے۔ بلکہ ہر کام اپنی حدود میں ہی اچھا لگتا ہے۔

لغات: شَعْرٌ: بال، جمع اشعار۔

ترکیب: مَنْ اسم جازم متضمن معنی شرط، كَانَ فعل تام، لَهٗ جار مجرور متعلق فعل، شَعْرٌ فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ لِيُكْرِمَ امر غائب ھو ضمیر مستتر فاعل، ہ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

نَوْعٌ اٰخَرُ مِّنْهُ

(جملہ شرطیہ) کی دوسری قسم

اس سے پہلے باب کی احادیث طیبہ میں حرف شرط مَنْ کا استعمال تھا۔
اس باب میں حرف شرط اِذَا مستعمل ہے۔
اس کے علاوہ قواعد کی تفصیل جملہ شرطیہ (نوع اول) کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔
ضرورت پر ملاحظہ کر لی جائے۔

۲۶۲۔ ایمان کی نشانی

اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَ تْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ

++++++++++

اِذَا	سَرَّتْكَ	حَسَنَتُكَ	وَسَاءَ تْكَ
جب	بھلی لگے تجھے	تیری نیکی	اور بُری لگے تجھے
سَيِّئَتُكَ	فَاَنْتَ	مُؤْمِنٌ	
تیری برائی	پس تو	ایمان والا ہے	[رواه احمدؒ]

تشریح: صحابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا جو اس حدیث میں ہے کہ

''تم اپنے دل کی کیفیت دیکھو کہ اگر یہ نیکی کرنے پر خوش ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے'' یہ ایمان کی نشانی ہے اس پر شکر کریں......اسی طرح۔

کوئی گناہ ہو جائے تو دل دکھتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے ان دونوں باتوں کا پیدا ہونا ایمان کی حالت ہے۔ ایسا نہیں ہے تو ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔

مثال۔ جیسے بیمار آدمی کو بعض اوقات ذائقوں کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ میٹھی چیز کڑوی لگتی ہے اسی طرح دل بھی بیمار ہوتا ہے تو نیکی پر خوشی نہیں ہوتی اور برائی پر غمی نہیں ہوتی اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔ اللہ پاک ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

لغات: سَرَّتْكَ مَسَرَّةً (ن) سُرُوْرًا وَسُرًّا بمعنی خوش کرنا۔ حَسَنَتُكَ: بمعنی نیکی۔ جمع حَسَنَاتٌ۔ سَاءَ تْكَ مَسَاءً (ن) سَوَاء برابر ہونا۔ سَيِّئَتُكَ: بمعنی برائی، گناہ۔ جمع سَيِّئَاتٌ۔

ترکیب: نَوْعٌ موصوف، آخِرٌ اسم تفضیل ہو ضمیر مستتر فاعل، اسم تفضیل اپنے فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت اول، مِنْهُ جار مجرور مل کر متعلق کَائِنٌ محذوف کے، کَائِنٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل (ھو ضمیر مستتر) اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت ثانی، موصوف

دونوں صفتوں سے مل کر خبر ہذا مبتدا محذوف کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہوا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، سَرَّتْ فعل، کَ ضمیر مفعول بہ، حَسَنَتُکَ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، سَاءَ تْکَ سَیِّئَتُکَ بترکیب:: سابق جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اَنْتَ مبتدا، مُؤْمِنٌ خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۶۳۔ جس کا کام، اسی کو ساجھے

اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ .

++++++++++

اِذَا	وُسِّدَ	الْاَمْرُ
جب	سپرد کر دیا جائے	(کوئی دین کا) کام
اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ	فَانْتَظِرِ	السَّاعَةَ
نااہل کو	پس انتظار کر	قیامت کا [بخاری]

تشریح: اس حدیث پاک میں یہ خاص بات بتائی گئی کہ دین کی اقامت کا کوئی کام جیسے امامت، تدریس، افتاء، یا مسلمانوں کی حکومت نا اہل کو دے دی جائیں، یہ قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔

لغات: تُوَسَّدُ الْاَمْرُ: کسی کے ذمہ کوئی کام لگانا۔ اَلسَّاعَةُ: مراد یہاں سے قیامت ہے۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، وُسِّدَ فعل ماضی مجہول، اَلْاَمْرُ نائب فاعل، اِلٰی جار، غَیْرِ مضاف، اَهْلِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اِنْتَظِرِ امر حاضر، اَنْتَ ضمیر مستتر فاعل، اَلسَّاعَةَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل

اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✪✪✪............))

۲۶۴۔ مجلس کا ایک ادب

اِذَا کُنْتُمْ ثَلٰثَۃً فَلَا یَتَنَاجٰی اِثْنَانِ دُوْنَ الْاٰخِرِ حَتّٰی تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ مِنْ اَجَلِ اَنْ یَّحْزُنَہٗ .

++++++++++

اِذَا	کُنْتُمْ	ثَلٰثَۃً
جب	ہو تم	تین
فَلَا	یَتَنَاجٰی	اِثْنَانِ
پس نہ	کان میں بات کریں	دو
دُوْنَ الْاٰخِرِ	حَتّٰی تَخْتَلِطُوْا	بِالنَّاسِ
دوسرے کو چھوڑ کے	یہاں تک کہ مل جاؤ تم	لوگوں کو
مِنْ اَجَلِ	اَنْ یَّحْزُنَہٗ	
اس ڈر سے (کہ تمہارے اس عمل سے)	وہ غمگین ہوگا	

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث میں مجلس کا ایک ادب بتایا گیا ہے کہ جہاں تین ہوں وہاں دو کو الگ ہو کر کان میں باتیں نہیں کرنی چاہئیں، اس عمل پر تیسرا یہ سمجھے گا کہ میرے خلاف باتیں ہو رہی ہیں اور اس کا دل دکھے گا۔ اگر اس کی طرف سے بات کرنے کی اجازت ہو تو جائز ہے۔

> لغات: یَتَنَاجٰی الْقَوْمَ، سر گوشی کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَلَا تَتَنَاجَوْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَان. تَخْتَلِطُوْا: ملنا خَلَطَ (ض) خَلْطَۃً، خَلَطَ ملانا. یَحْزُنَہٗ بَحَزِنَ (س) حُزْنًا لَہٗ عَلَیْہِ غمگین ہونا، جمع حُزَنَاءُ آتی ہے۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، کُنْتُمْ فعل ناقص ضمیر بارز اس کا اسم، ثَلٰثَۃً خبر، فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، لَا یَتَنَاجٰی فعل

مضارع ،اِثْنَانِ فاعل،دُوْنَ الْاٰخِرِ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، حَتّٰی جار، تَخْتَلِطُوْا فعل مضارع، ضمیر بارز فاعل، با جار، النَّاسِ مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اول، مِنْ جار، اَجَلِ مضاف، اَنْ مصدر یہ، یَّحْزُنَ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، ہ ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار، مجرور مل کر متعلق ثانی ،فعل (تَخْتَلِطُوْا) اپنے فاعل اور متعلقین سے مل کر جملہ خبر بتقدیر،اَنْ مفرد ہو کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق لَا یَتَنَاجٰی کے فعل اپنے فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ معنی انشائیہ ہو کر جزا،شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۲۶۵۔موت کی طرف انسان خود چلتا ہے

اِذَا قَضَی اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ یَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهٗ اِلَیْهَا حَاجَةً.

++++++++++

اِذَا	قَضَی	اللّٰهُ
جب	فیصلہ کردے	اللہ
لِعَبْدٍ	اَنْ یَّمُوْتَ	بِاَرْضٍ
کسی بندے کے متعلق	یہ کہ وہ مرے گا	اس زمین میں
جَعَلَ	لَهٗ	اِلَیْهَا
بنادیتے ہیں (اللہ)	اس کے لیے	(اس زمین کی طرف)
حَاجَةً		
کوئی ضرورت		[ترمذی]

تشریح: انسان کی موت کا وقت لکھا ہوا ہے جس جگہ مرنا ہے وہ جگہ بھی لکھی ہوئی ہے اللہ کا قانون ہے کہ موت کے مقررہ وقت پر ،مقررہ جگہ میں انسان پہنچ جاتا ہے۔

جس طرح کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ان کے ایک دوست بیٹھے تھے عزرائیل علیہ السلام اس کی روح قبض کرنے وہاں آئے اور اس کی طرف غور سے دیکھا وہ دوست کہنے لگا اے سلیمان علیہ السلام! مجھے ان سے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے فلاں جگہ پہنچا دو! حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہنچا دیا اور عزرائیل علیہ السلام بھی وہاں پہنچ گئے۔ اس طرح وقت مقررہ پر موت کی مقرر جگہ میں وہ آدمی خود ہی پہنچ گیا۔

''معارف القرآن''

لغات: بِاَرْضٍ: بمعنی زمین، جمع اَرْضُوْنَ آئی ہے۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، قَضٰی فعل، اللّٰہُ فاعل، لِعَبْدٍ جار مجرور متعلق فعل، اَنْ مصدریہ، یَمُوْتَ فعل مضارع، ھو ضمیر مستتر فاعل، بِاَرْضٍ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، جَعَلَ فعل، ھو ضمیر مستتر فاعل، لَہٗ جار مجرور متعلق اول فعل، اِلَیْھَا جار مجرور مل کر متعلق ثانی، حَاجَۃً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل متعلقین اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۶۶۔ پڑوسی کی ضرورت کا احساس

اِذَا طَبَخْتَ مَرِقَةً فَاَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ .

++++++++++

اِذَا	طَبَخْتَ	مَرِقَةً
جب	تو پکائے	کچھ شوربہ
فَاَكْثِرْ	مَاءَهَا	وَتَعَاهَدْ
پس تو زیادہ کردے	اس کا پانی	اور خیال رکھ تو

جِيْرَانَكَ

اپنے پڑوسی (کی بھوک کا بھی) [رواہ مسلم:

تشریح: آپ ﷺ کے اس قول میں پڑوسی کی اہمیت کئی انداز میں بیان کی گئی ہے۔

۱۔ معلوم رکھنا چاہیے کہ پڑوسی بھوکا تو نہیں؟

۲۔ ضرورت پڑنے پر اپنے کھانے کا کچھ حصہ اس کے گھر پہنچاؤ۔

۳۔ سالن کم ہو تو پڑوسی کی خاطر شوربہ بڑھانے کے لیے پانی ڈالنے سے بھی گریز نہ کرو۔ یہ اس اسلام کی ہدایات ہیں جس نے سب سے زیادہ انسانی حقوق مہیا کیے ہیں۔

لغات: طَبَخَ: (ف۔ن) طَبْخًا پکانا، اسی سے مَطْبَخٌ آتا ہے، باروچی خانہ۔ مَرِقَةٌ: شوربا، مَرَقَ (ن۔ض) مَرِقَ الْقِدْرُ، شوربا زیادہ کرنا۔ تَعَاهَدَ: ایک دوسرے سے معاہدہ کرنا، عہد کی تجدید کرنا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، طَبَخْتَ فعل ضمیر بارز فاعل، مَرِقَةً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اَكْثِرْ امر حاضر ضمیر مستتر فاعل، مَاءَ هَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، تَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ بترکیب:: سابق معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۲۶۷۔ ہر اچھا کام دائیں طرف سے

اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّاْتُمْ فَابْدَؤُا بِمَيَامِنِكُمْ.

++++++++++

اِذَا	لَبِسْتُمْ	وَاِذَا
جب	تم پہنو	اور جب

تَوَضَّأْتُمْ	فَابْدَؤُا	بِمَيَامِنِكُمْ
تم وضو کرو	پس شروع کرو	اپنے دائیں سے

(رواہ احمدؒ)

تشریح: اس قول مبارک میں وضو اور لباس کا ایک ادب بتایا ہے کہ ان اعمال میں دائیں طرف کا خیال رہے۔ یاد رکھئے۔

۱۔ جو کام شرافت کے نہیں ہیں یعنی بیت الخلاء جانا، مسجد سے نکلنا، کپڑے اور جوتے اتارنا یہ بائیں طرف سے کیے جائیں۔

۲۔ جو کام شرافت کے ہیں، مثلاً کھانا، پینا، پہننا، وضو اور لباس وغیرہ ان کو دائیں طرف سے شروع کیا جائے۔ یہ مسنون عمل ہے۔ اس میں بے شمار دینی ودنیاوی فوائد چھپے ہوئے ہیں۔

لغات: تَوَضَّأْتُمْ بِالْمَاءِ، وضو کرنا، وَضُوَ(ك) وَضُوْءً ا، پاکیزہ ہونا۔ مَيَامِنِ: جمع میمنة کی بمعنی داہنی جانب۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، لَبِسْتُمْ فعل، ضمیر بارز فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اِذَا کلمہ شرط، تَوَضَّأْتُمْ فعل، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اِبْدَؤُا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، بِ جار، مَيَامِنِ مضاف كُمْ مضاف الیہ دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۶۸۔ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال

اِذَا تَوَضَّاتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ .

++++++++++

اِذَا	تَوَضَّاتَ	فَخَلِّلْ
جب	تو وضو کرے	پس خلال کر
اَصَابِعَ يَدَيْكَ	وَرِجْلَيْكَ	
تو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کا	اور اپنے پاؤں (کی انگلیوں) کا	[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں وضو کا ایک ادب ہے کہ ہاتھ، پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا جائے۔

ہاتھ کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ:

دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اوپر کی طرف کھینچیں۔

پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ:

بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی کے نیچے کی طرف سے داخل کر کے اوپر کی طرف خلال کرے۔اور بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔

ملاحظہ: ہاتھ کی انگلیوں کا خلال ہاتھ دھونے کے بعد اور پاؤں کی انگلیوں کا پاؤں دھونے کے بعد کریں۔

لغات: فَخَلِّلْ: امر کا صیغہ ہے۔ خَلَّلَ الْاَسْنَانِ خلال کرنا، خَلَّ(ن) خَلًّا بمعنی سوراخ کرنا۔ اَصَابِعَ: جمع ہے اِصْبَعٌ کی بمعنی انگلی۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، تَوَضَّاْتَ فعل، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر شرط، فَ جزائیہ، خَلِّلْ امر حاضر، ضمیر مستتر فاعل، اَصَابِعَ مضاف، يَدَيْكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، رِجْلَيْكَ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ

معطوف مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۶۹۔ کھانا جوتے اتار کر کھائیں!

إِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ فَإِنَّهٗ أَرْوَحُ لِأَقْدَامِكُمْ .

++++++++++

إِذَا	وُضِعَ الطَّعَامُ	فَاخْلَعُوْا
جب	کھانا رکھا جائے	پس اتار لو
نِعَالَكُمْ	فَإِنَّهٗ	أَرْوَحُ
اپنے جوتے	پس بے شک یہ (جوتے اتارنا)	آرام دینے والا ہے
لِأَقْدَامِكُمْ		
تمہارے پاؤں کو		[دارمی]

تشریح: اس حدیث پاک میں کھانے کا ادب ارشاد فرمایا کہ جوتے اتار کر کھانا کھانے میں راحت اور آرام ہے۔ اس حکم میں آپ ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ شفقت اور محبت بھی جھلک رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ہر بات ہی شفقت پر مبنی ہے۔

لغات: فَاخْلَعُوْا بخَلَعَ (ف) خلعا الشیء، اتارنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ.
نِعَالَ: جمع نَعْل کی بمعنی جوتا، چپل۔ أَرْوَحُ رَاحَ (ف) رَاحَةً بمعنی آرام پہنچنا، راحت بخشنا۔

ترکیب: إِذَا کلمہ شرط، وُضِعَ فعل مجہول، اَلطَّعَامُ نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اِخْلَعُوْا امر حاضر ضمیر بارز فاعل، نِعَالَكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معلل، فَ تعلیلیہ، إِنَّ حرف

مشبہ بالفعل، ہٗ ضمیر اس کا اسم، اَرْوَحُ اسم تفضیل، ھو ضمیر مستتر فاعل، لِ جار، اَقْدَامِکُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق اَرْوَحُ کے، اَرْوَحُ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۲۷۰۔ حیاء برائی سے بچنے کا ذریعہ

اِذَا لَمْ تَسْتَحِیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ .

++++++++++

اِذَا	لَمْ تَسْتَحِیْ	فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ
جب	تو بے شرم ہو جائے	تو کر جو چاہے (بخاری)

تشریح: اس حدیث کے مفہوم میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ آپؐ کے اس قول میں حیاء کی ترغیب ہے اس طرح کہ بے حیائی بہت سے گناہوں (بدکاری، بدنظری وغیرہ) کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

۲۔ یہ دھمکی ہے کہ اگر حیاء نہیں ہے تو جو مرضی کرو آخر پکڑے جاؤ گے۔

لغات: اِسْتَحْیَا: اِسْتَحْیَا مِنْہُ، شرم کرنا، باز ہونا، حَیَّاکَ اللّٰہُ بمعنی سلام کرنا۔ فَاصْنَعْ: صَنَعَ (ف) صُنْعًا وَصَنْعًا اَلشَّیْءَ بنانا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، لَمْ تَسْتَحِیْ فعل مضارع، ضمیر مستتر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، اِصْنَعْ امر حاضر، ضمیر مستتر فاعل، مَا موصول شِئْتَ فعل، ضمیر بارز فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............⊛⊛⊛............))

۱۷۱۔دائیں ہاتھ سے کھانا اور اسی سے پینا

اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِيْنِهٖ وَاِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ .

++++++++++

اِذَا	اَكَلَ	اَحَدُكُمْ
جب	کھائے	تم میں سے کوئی ایک
فَلْيَأْكُلْ	بِيَمِيْنِهٖ	وَاِذَا
پس چاہیے کہ کھائے وہ	اپنے دائیں ہاتھ سے	اور جب
شَرِبَ	فَلْيَشْرَبْ	بِيَمِيْنِهٖ
پیئے (تم میں سے کوئی)	پس چاہیے کہ پیئے	اپنے دائیں ہاتھ سے

[مسلم]

تشریح: اس حدیث میں دائیں ہاتھ سے کھانے اور پینے کی تاکید ہے۔ایک شخص کو آپ ﷺ نے یہ حکم دیا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔اس نے جھوٹا عذر کیا اور اس کام سے نہ رکا تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔(ریاض الصالحین)

بِيَمِيْنِهٖ اَلْيَمِيْنُ ، داہنا ہاتھ،جمع اَيْمَنَ،اَيْمَانٌ،اَيَامِنُ،اَيَامِيْنٌ ۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط،اَكَلَ فعل،اَحَدُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل،فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط،فَ جزائیہ،لِيَأْكُلْ امر غائب،هُوَ ضمیر مستتر فاعل،بِ جار،يَمِيْنِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور،جار مجرور مل کر متعلق فعل،فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر جزا۔شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ،واؤ عاطفہ،اِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ۔ترکیب:: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معطوف،معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۷۲۔ تحیۃ المسجد

اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ

++++++++++

اِذَا	دَخَلَ	اَحَدُكُمْ
جب	داخل ہو	تم میں سے کوئی
الْمَسْجِدَ	فَلْيَرْكَعْ	رَكْعَتَيْنِ
مسجد میں	پس چاہیے کہ وہ پڑھے	دو رکعتیں
قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ		
بیٹھنے سے پہلے		

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس حدیث میں تحیۃ المسجد کا حکم ہے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہوں تو دو رکعت نماز پڑھ لیں، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو اس کی بڑی فضیلت ہے۔

لغات: فَلْيَرْكَعْ: (امر غائب) رَكَعَ (ف) رَكْعًا وَرُكُوْعًا بمعنی سر جھکانا، رکوع کرنا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، دَخَلَ فعل، اَحَدُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، الْمَسْجِدَ مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، ف جزائیہ، لْيَرْكَعْ امر غائب ضمیر مستتر فاعل، رَكْعَتَيْنِ مفعول بہ، قَبْلَ مضاف، اَنْ ناصبہ مصدریہ، يَّجْلِسَ فعل، هُوَ ضمیر مستتر فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر جزاء۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

((............✿✿✿............))

۲۷۳۔ جب جوتے پہنیں اور اتاریں تو

اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَأْ بِالْیُمْنٰی وَاِذَا نَزَعَ فَلْیَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِتَکُنِ الْیُمْنٰی اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ .

++++++++++

اِذَا انْتَعَلَ	اَحَدُکُمْ	فَلْیَبْدَأْ
جب جوتا پہنے	تم میں سے کوئی ایک	تو شروع کرے
بِالْیُمْنٰی	وَاِذَا	نَزَعَ
دائیں طرف سے	اور جب	اتارے
فَلْیَبْدَأْ	بِالشِّمَالِ	لِتَکُنِ الْیُمْنٰی
پس شروع کرے	بائیں طرف سے	تاکہ ہوجائے دایاں
اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ	وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ	
پہلا، پہننے کی حالت میں	اور آخری، اتارنے کی حالت میں	[بخاری و مسلم]

تشریح: اس فرمان میں حکم ہے کہ جوتا پہنے تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنے۔ اتارے تو دائیں کو بعد میں اتارے، اس طرح دایاں اول اور آخر میں ہوجائے گا۔ اور یہ عمل بہت فضیلت والا ہے۔ طب نبوی ﷺ میں ہے کہ یہ عمل تلی کے مرض سے شفاء کا ذریعہ ہے۔

لغات: اِنْتَعَلَ نَعِلَ (س)، نَعْلًا، جوتا پہننا۔ نَزَعَ نَزَعَ (ف) نزعا بمعنی نکالنا۔ بِالشِّمَالِ: بایاں ہاتھ جمع اشمل، شمل۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، اِنْتَعَلَ فعل، اَحَدُکُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر شرط، فَ جزائیہ، لِیَبْدَأْ امر غائب ضمیر مستتر، بِ جار، الْیَمِیْنِی مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ ہوکر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوکر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اِذَا نَزَعَ فَلْیَبْدَاءْ بِالشِّمَالِ بترکیب: سابق جملہ فعلیہ شرطیہ ہوکر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ معطوفہ

ہو کر معلل ،لِتَکُنِ امر غائب فعل ناقص ،الیُمْنٰی اس کا اسم ،اَوَّلَھُمَا مضاف مضاف الیہ مل کر ذوالحال ،تُنْعَلُ فعل مضارع مجہول ،ھِیَ ضمیر مستتر نائب فاعل ،فعل نائب فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال ، ذوالحال حال مل کر معطوف علیہ ، واؤ عاطفہ ، آخِرَھُمَا تُنْزَعُ بترکیب: سابق مطعوف ،معطوف علیہ معطوف مل کر خبر ،فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر تعلیل ،معلل اور تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

((............۞۞۞............))

۲۷۴۔ سفر سے واپسی کا ادب

اِذَا اَطَالَ اَحَدُکُمُ الْغَیْبَۃَ فَلَا یَطْرُقْ اَھْلَہٗ لَیْلًا .

++++++++++

اِذَا	اَطَالَ	اَحَدُکُمُ
جب	لمبی کرے	تم میں سے کوئی
الْغَیْبَۃَ	فَلَا یَطْرُقْ	اَھْلَہٗ
غیر حاضری کو	پس نہ آئے	اپنے گھر والوں کے پاس
لَیْلًا		
رات کو		[بخاری ومسلم]

تشریح: اس حدیث پاک میں سفر کا ایک ادب بتایا ہے۔کافی دنوں کے بعد گھر آنا ہو تو رات آنے سے پہلے پہلے پہنچنا چاہیے۔اس میں کئی فوائد ہیں۔

۱۔ کسی کی نیند خراب نہ ہو۔

۲۔ اہل خانہ ڈر نہ جائیں۔

لغات: اَلْغَیْبَۃَ غَابَ (ض) غَیْبًا غیبۃً ،غائب ہونا، جدا ہونا، دور ہونا، یَطْرُقُ: طَرَقَ(ن) طَرْقًا وطُرُوْقًا الْقَوْمَ ،رات میں آنا ،طَارِقٌ رات میں آنے والا ،جمع اَطْرَاقٌ آتی ہے۔اَھْلَہٗ: بمعنی کنبہ،خاندان، بیوی۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، اَطَالَ فعل ماضی، اَحَدُکُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، الْغَیْبَةَ مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، لَا یَطْرُقْ نہی غائب ھو ضمیر مستتر فاعل، اَھْلَهٗ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، لَیْلًا مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔

((............❀❀❀............))

۲۷۵۔ تیمارداری کا ادب

اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِيْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَّيَطِيْبُ بِنَفْسِهٖ.

++++++++++

اِذَا	دَخَلْتُمْ	عَلَى الْمَرِيْضِ
جب	جاؤ تم	مریض کے پاس
فَنَفِّسُوْا	لَهٗ	فِيْ اَجَلِهٖ
پس غم دور کرو	اس کا	اس کی موت کے بارے میں
فَاِنَّ	ذٰلِكَ	لَا يَرُدُّ
پس بے شک	یہ (عمل)	نہیں ٹال سکے گا (مریض سے)
شَيْئًا	وَّيَطِيْبُ	بِنَفْسِهٖ
کسی چیز کو	اور خوش ہوگا	مریض اپنے دل میں

[ترمذی]

تشریح: اس حدیث پاک میں عیادت مریض کا ایک خاص ادب بتایا ہے کہ مریض کو تسلی دینی چاہیے کہ اس مرض سے تم جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اس کا اس طرح کہنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ مریض دل میں خوش ہوگا اور یہ ضابطہ ہے کہ روحانی خوشی یا غمی کا جسمانی صحت پر اثر پڑتا ہے۔ یہ عمل بیماری کے ہلکا ہونے کا ذریعہ بھی

بن سکتا ہے۔آپ ﷺ نے یہ نفسانی علاج تجویز فرما دیا ہے۔

لغات: فَنَفِّسُوْا نَفَّسَ، مُتَنَفِّسًا عَنْهُ الْكُرْبَةُ غم دور کرنا،غم سے رہائی دینا، نَفَّسَهٗ فِي الْاَمْرِ ترغیب دینا، اَجَلٌ: مدت، وقت، موت جمع اٰجَالٌ آتی ہے۔ يَطِيْبُ طَابَ(ض) طِيْبًا بمعنی اچھا ہونا، طَابَتِ النَّفْسُ، دل خوش ہونا۔

ترکیب: اِذَا کلمہ شرط، دَخَلْتُمْ فعل، ضمیر بارز فاعل، عَلَى الْمَرِيْضِ جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، فَ جزائیہ، نَفِّسُوْا امر حاضر، ضمیر بارز فاعل، لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق اول، فِيْ جار، اَجَلِهٖ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی، فعل اپنے فاعل اور متعلقین سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر معلل، فَ تعلیلیہ، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، ذٰلِكَ اِنَّ کا اسم، لَا يَرُدُّ فعل مضارع، ہو ضمیر مستتر فاعل، شَيْئًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، يَطِيْبُ فعل، ہو ضمیر مستتر فاعل، ب جار نَفْسِهٖ مضاف، مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف معطوف علیہ معطوف مل کر خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

((............❁❁❁............))

ذِكْرُ بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ
کچھ پیشین گوئیوں کا بیان

الَّتِیْ اَخْبَرَ النَّبِیُّ بِهَا وَظَهَرَتْ بَعْدَ وَفَاتِهٖ
جن کے متعلق نبی ﷺ نے خبر دی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ظاہر ہوئیں
صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ
اللہ کی رحمتیں آپ ﷺ پر نازل ہوں
اور اس کا سلام آپ ﷺ پر ہو

۲۷۶۔ ہر دور میں ایک جماعت دین کی مکمل پابند رہے گی

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَهُوَ سَيِّدُ الصَّادِقِيْنَ لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ.

++++++++++

قَالَ النَّبِيُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	وَهُوَ سَيِّدُ الصَّادِقِيْنَ
فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	اس حال میں آپ سارے سچوں کے سردار ہیں
لَا يَزَالُ	مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ	قَائِمَةٌ
ہمیشہ رہے گی	میری امت میں سے ایک جماعت	جو (لیکر) کھڑی رہنے والی ہوگی
بِاَمْرِ اللّٰهِ	لَا يَضُرُّهُمْ	مَنْ
اللہ کے حکم کو	نہیں نقصان پہنچائے گا ان کو	جو
خَذَلَهُمْ	وَلَا	مَنْ خَالَفَهُمْ
ان کی مدد نہ کرے	اور نہ (نقصان پہنچا سکے گا وہ)	جو ان کی مخالفت کرے
حَتّٰى	يَاْتِيَ	اَمْرُ اللّٰهِ
یہاں تک کہ	آ جائے گا	اللہ کا حکم (قیامت)
وَهُمْ	عَلٰى ذٰلِكَ	
اور وہ	اسی حال میں ہوں گے	[بخاری و مسلم]

تشریح: قیامت تک روئے زمین پر ایسے لوگ ضرور آباد رہیں گے۔ جو بے خوف ملامت و مخالفت، دین اسلام کی اصل شکل لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔ اللہ پاک ان کے خاص مددگار رہوں گے۔ (اللہ ہمیں بھی ان میں سے بنا دے) آمین

اس حدیث میں

امر اللّٰہ (اوّل) سے مراد اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے اور

امر اللّٰه (ثانی) سے مراد قیامت کا دن ہے۔

لغات: سَیِّد: بمعنی سردار جمع اَسْیَادٌ، سِیَادَةٌ، سَیَایِدٌ آتی ہے، سَادَ(ن) سِیَادَةً قَوْمَهٗ، سردار ہونا، اَمْر: مراد دین کا معاملہ، جمع امور ہے۔ یَضُرُّهُمْ: ضَرَّ(ن) ضَرٌّ نقصان پہنچانا۔ خَذَلَهُمْ: خَذَلَ (ن) خَذْلًا و خُذْلَانًا، مدد چھوڑنا، مدد نہ کرنا۔

((...........۞۞۞...........))

۲۷۷۔ لوگ من گھڑت احادیث سے گمراہ کریں گے

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَاؤُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاهُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یُفْتِنُوْنَکُمْ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ	یَکُوْنُ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	ہوں گے
فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ	دَجَّالُوْنَ	کَذَّابُوْنَ
آخری زمانے میں	دجال	بڑے جھوٹے
یَاْتُوْنَکُمْ	مِنَ الْاَحَادِیْثِ	بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ
لے کر آئیں گے تمہارے پاس	ایسی حدیثیں	جو تم نے نہیں سنی ہوں گی
وَلَا	اٰبَاؤُکُمْ	فَاِیَّاکُمْ
اور نہ ہی	تمہارے باپ دادانے (سنی ہوں گی)	پس تم ان سے بچو
وَاِیَّاهُمْ	لَا یُضِلُّوْنَکُمْ	وَلَا یُفْتِنُوْنَکُمْ
اور ان کو (اپنے سے) بچاؤ	وہ تمہیں گمراہ نہ کریں	اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں

[رواہ مسلم]

تشریح: اس پیغام رسالت ﷺ میں دجالون، کی وعید میں ہر وہ شخص شامل ہے۔ جو صرف خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے ایسی باتیں

کریں جو حقیقت میں دین اسلام، سنت رسول ﷺ کے خلاف ہوں لیکن ان جھوٹی باتوں کو دین کا لبادہ پہنا دیا جائے۔ پھر نبی رحمت ﷺ نے ہمیں اپنے آپ کو ایسے لوگوں کی مجالس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے کہ ہمارا ایمان بچا رہے۔ اس لیے علم دین کا حصول ضروری ہے جس سے سنت اور بدعت کا فرق واضح ہوتا رہے۔

لغات: دَجَّالُوْنَ: جمع ہے دجال کی، بہت زیادہ جھوٹا، دجاجلہ بھی جمع آتی ہے، دَجَلَ (ن) دجلا، جھوٹ بولنا۔ یَضِلُّوْنَکُمْ: گمراہ کرنا۔ یُفْتِنُوْنَکُمْ: فَتَنَ (ض) فتنہ، گمراہ کرنا، آزمائش کرنا، فتنہ میں ڈالنا۔

((............ ❁❁❁ ....))

۲۷۸۔ سب سے بہترین زمانہ پھر دوسرے اور تیسرے درجے کا زمانہ

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَجِیْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ یَمِیْنَہٗ وَیَمِیْنُہٗ شَھَادَتَہٗ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ	خَیْرُ النَّاسِ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	بہترین لوگ
قَرْنِیْ	ثُمَّ الَّذِیْنَ	یَلُوْنَھُمْ
میرے زمانے کے ہیں (صحابہ کرامؓ)	پھر وہ لوگ جو	ان سے ملتے ہیں (تابعینؒ)
ثُمَّ الَّذِیْنَ	یَلُوْنَھُمْ	ثُمَّ یَجِیْءُ
پھر وہ لوگ جو	ان کے بعد آئیں گے (تبع تابعینؒ)	پھر آئے گی
قَوْمٌ	تَسْبِقُ	شَھَادَۃُ اَحَدِھِمْ
ایک قوم	بڑھ جائے گی	ان میں سے کسی ایک کی گواہی
یَمِیْنَہٗ	وَیَمِیْنُہٗ	شَھَادَتَہٗ
اس کی قسم سے آگے	اور اس کی قسم	اس کی گواہی سے آگے

[بخاری و مسلم]

تشریح: اس ارشادِ گرامی میں پہلے تین زمانوں یعنی آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ (۲) تابعین (جنہوں نے ایمان کی حالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی) ان کا زمانہ (۳) تبع تابعین (جنہوں نے ایمان کی حالت میں تابعین کو دیکھا) کا زمانہ۔ ان تینوں زمانوں کے لوگوں کو ان کے علم اور عمل کی وجہ سے بہترین قرار دیا۔

پھر بعد میں آنے والے لوگوں میں ایک برائی کا تذکرہ فرمایا۔ وہ یہ کہ جھوٹی گواہی اور قسم میں اتنی زیادتی ہو جائے گی کہ گواہی دینے والا کبھی گواہی پہلے، قسم بعد میں اور کبھی قسم پہلے اور گواہی بعد میں دے گا۔ یہ جھوٹی گواہیوں اور قسموں کا زمانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچوں میں شمار فرمائے۔

لغات: قَرْنِیْ: بمعنی صدی، سوسال، زمانہ کا ایک وقت، چھوٹی پہاڑی، پہاڑ کی چوٹی، جمع قرون ہے، قَرَنَ (ن) قرنا بمعنی ملانا۔ یَلُوْنَھُمْ: وَلِیَ (ض۔حسب) ولیا فُلَانًا قریب ہونا، متصل ہونا۔ تَسْبِقُ: سَبَقَ (ن. ض) سبقًا اِلَیْہِ، آگے بڑھنا، عَلَیْہِ، غالب ہونا۔ یَمِیْنٌ: قسم، جمع اَیْمُنٌ، اَیْمَانٌ آئی ہے۔

((............❁❁❁............))

۲۷۹۔ سود عام ہو جائے گا

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ لَیَأْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اٰکِلُ الرِّبٰوا فَاِنْ لَّمْ یَاْکُلْہُ اَصَابَہٗ مِنْ بُخَارِہٖ

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ	لَیَأْتِیَنَّ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	ضرور آئے گا
عَلَی النَّاسِ	زَمَانٌ	لَا یَبْقٰی
لوگوں پر	ایسا زمانہ	کہ نہیں باقی رہے گا

اَحَدٌ	اِلَّا	اٰكِلُ الرِّبٰوا
(ہر) ایک آدمی	مگر	سود کھانے والا ہوگا
فَاِنْ لَّمْ يَاْكُلْهُ	اَصَابَهٗ	مِنْ بُخَارِهٖ

پس اگر (کوئی) نہ کھائے اسے (سود کو تو) پہنچ جائے گا اس تک (سود) کا بھاپ

(رواہ احمد وابوداؤد)

ملاحظہ: آنے والے زمانے میں سودی لین دین اتنا عام ہوگا کہ بچنے والا دور رہنا چاہے تو بھی اس کا اثر پہنچ جائے گا۔

لغات: اَلرِّبٰوا: بمعنی سود رَبَا (ن) رِبَاءُ الْمَالِ، زیادہ ہونا، بڑھنا۔ قَالَ تَعَالٰى وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ. قَالَ تَعَالٰى لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا. بُخَارِهٖ: بھاپ مگر یہاں مراد اثر ہے جمع اَبْخِرَةٌ ہے۔ بَخَرَ (ف) بَخْرًا بھاپ نکلنا (س) سے بَخَرَا الْفَمِ گندہ دہن ہونا۔

((............✿✿✿............))

۲۸۰۔ دین غریبوں سے زندہ رہے گا

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِنَّ الدِّيْنَ بَدَاَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَاَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِيُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	اِنَّ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	بے شک
اَلدِّيْنَ	بَدَاَ	غَرِيْبًا
دین (اسلام کی)	ابتداء ہوئی ہے	اجنبیت کی حالت میں
وَسَيَعُوْدُ	كَمَا	بَدَاَ
اور عنقریب لوٹ آئے گا وہ	جیسا کہ (اس کی)	ابتداء ہوئی
فَطُوْبٰى	لِلْغُرَبَاءِ	وَهُمُ الَّذِيْنَ

پس خوش خبری ہے	غریب لوگوں کے لیے	یہ وہ لوگ ہوں گے جو
يُصْلِحُوْنَ	مَا	اَفْسَدَ النَّاسُ
درست کریں گے	اس (چیز کو) جو	خرابی کر ڈالیں گے لوگ (دین میں)
مِنْ بَعْدِيْ	مِنْ سُنَّتِيْ	
میرے بعد	میری سنت میں	[ترمذی]

تشریح: واقعی آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ جس طرح ابتداء اسلام میں غرباء نے علم سیکھا اور غریب لوگوں نے قربانی دے کر شجر اسلام کو پانی دیا۔ اسی طرح مالدار طبقہ آج بھی کثرت سے دور ہے اس کی نسبت کم مال والے متوسط گھرانے دین اسلام کے قریب آ رہے ہیں اور سنت رسول ﷺ کو مضبوطی سے پکڑ کر سو سو شہیدوں کا ثواب حاصل کر رہے ہیں۔

لغات: غَرِیْبًا: مسافر، وطن سے دور مراد یہاں غیر مانوس ہونا ہے۔ جمع غرباء ہے۔ بَدَأَ: (ف) بَدَأَ بمعنی شروع کرنا۔ فَطُوْبٰی رشک، سعادت، یہ مؤنث ہے مذکر اطیب ہے۔

((............❀❀❀............))

۲۸۱۔ دین اسلام پر حملہ آور لوگوں کا مقابلہ ہوتا رہے گا

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِيُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	يَحْمِلُ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	اٹھائیں گے
هٰذَا الْعِلْمَ	مِنْ كُلِّ خَلْفٍ	عُدُوْلُهٗ
اس علم (دین) کو	ہر بعد میں آنے والے	معتبر لوگ
يَنْفُوْنَ	عَنْهُ	تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ

دور کریں گے وہ اس (دین) سے حد سے تجاوز کرنے والوں کی ردو بدل کو

وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ

اور جھوٹ بولنے والوں کے غلط منسوب کرنے کو اور جاہلوں کے غلط مطلب لینے کو [رواہ البیھقی]

تشریح: آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر زمانے میں دین اسلام میں ردو بدل کی کوشش ہوئی، اور ہو رہی ہے۔ لیکن بوریہ نشینوں کا ایک گروہ ہے، جس نے علم حاصل کر کے اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز دین اسلام کی بقاء اور حفاظت کو سمجھا ہوا ہے۔

لغات: خَلْفٌ: جانشین، بعد کے زمانہ کی چیز خَلَفَ (ف) خِلَافَةً خلیفہ ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ۔ عُدُوْلٌ: جمع عادل کی، عدل کرنے والا، معتبر ثقہ، عَدَلَ (ض) عَدْلًا وعَدَالَةً، انصاف کرنا۔ يَنْفُوْنَ: نَفٰی (ض) نَفْيًا عَنْهُ، ہٹانا، علیحدہ کرنا۔ اَلْغَالِيْنَ: غَلَا (ف) غُلُوًّا، حد سے تجاوز کرنا غلو کرنا مراد وہ مُبْطِلِيْنَ ہیں جو قرآن وحدیث کے غلط مطلب بیان کرتے ہیں۔ اِنْتِحَالِ: القول، دوسرے کی بات کو اپنی طرف منسوب کرنا۔ اَلْمُبْطِلِيْنَ: (اسم فاعل) ضائع کرنا، باطل کرنا، اَبْطَلَ، اِبْطَالًا، لغو کام کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۔

((............❁❁❁............))

۲۸۲۔ بے مقصد قتل وقتال زیادہ ہو جائے گا

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَذْھَبُ الدُّنْیَا حَتّٰی یَاْتِیَ عَلَی النَّاسِ یَوْمٌ لَا یَدْرِیْ الْقَاتِلُ فِیْمَ قَتَلَ وَلَا الْمَقْتُوْلُ فِیْمَ قُتِلَ فَقِیْلَ کَیْفَ یَکُوْنُ ذٰلِكَ؟ قَالَ الْھَرَجُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ.

++++++++++

قَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ	وَالَّذِیْ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	قسم ہے اس ذات کی
نَفْسِیْ بِیَدِہٖ	لَا تَذْھَبُ الدُّنْیَا	حَتّٰی
جس کے قبضے میں میری جان ہے	نہیں ختم ہوگی دنیا	یہاں تک کہ
یَاْتِیَ	عَلَی النَّاسِ	یَوْمٌ
آئے گا	لوگوں پر	ایسا دن کہ
لَا یَدْرِیْ	الْقَاتِلُ	فِیْمَ
نہیں جانے گا	مارنے والا	کہ کس جرم میں
قَتَلَ	وَلَا الْمَقْتُوْلُ	فِیْمَ
اس نے مارا	اور نہ ہی مارا جانے والا	کس جرم میں
قُتِلَ	فَقِیْلَ	کَیْفَ
(اسے) مارا گیا	پس کہا گیا (آپؐ سے سوال کیا گیا کہ)	کیسے
یَکُوْنُ ذٰلِكَ؟	قَالَ	الْھَرَجُ
ہو جائے گا یہ (حال)؟	تو (آپؐ نے) فرمایا	قتل عام کی وجہ سے
الْقَاتِلُ	وَالْمَقْتُوْلُ	فِی النَّارِ
مارنے والا	اور مارا جانے والا	دونوں جہنم میں ہوں گے

[مسلم]

تشریح: جو آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ آج ہو رہا ہے کہ معمولی بات پر انسان قتل کر دیا جاتا ہے، کرائے کے قاتل بے شمار لوگوں کو صرف چند ٹکے کی خاطر مار ڈالتے ہیں، مرنے والے کو اپنے مرنے کی وجہ کا علم نہیں اور مارنے والے کو بھی اصل بات کا علم نہیں ہوتا بلکہ دولت کا لالچ اسے یہ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

قاتل اور مقتول دونوں جہنمی اس وجہ سے ہیں کہ قاتل نے تو ناجائز مار کر جرم کر لیا لیکن قتل عام ہونے کی وجہ سے مقتول کا ارادہ بھی اپنے قاتل کو مارنے کا ہوگا لیکن پھر ظاہر ہے جس کا بس چلے گا وہی پہلے مارے گا۔ آنحضرت ﷺ نے ایسے فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔

لغات: يَدْرِیْ: دِرٰی (ض) دِرَايَةً ، جاننا۔ اَلْهَرْجُ: فتنہ، فساد، قتل، آشوب۔

((............))

۲۸۳۔ اوقات میں برکت نہ ہوگی۔ علم اٹھ جائے گا۔

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرَجُ قَالُوْا وَمَا الْهَرَجُ قَالَ الْقَتْلُ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	قریب قریب گزرے کا زمانہ
وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ	وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ	وَيُلْقَى الشُّحُّ
اور علم اٹھالیا جائے گا	اور فتنے ظاہر ہوں گے	اور بخل ڈال دیا جائے گا
وَيَكْثُرُ الْهَرَجُ	قَالُوْا	وَمَا الْهَرَجُ
اور حرج زیادہ ہوگا	سوال کرتے ہوئے کہا ان (صحابہ کرامؓ) نے	اور حرج کیا ہے
قَالَ الْقَتْلُ		
تو آپ ﷺ نے فرمایا قتل		[بخاری و مسلم]

تشریح :یَتَقَارَبُ الزَّمَانُ کے کئی مفہوم ہیں (۱) عمریں کم ہوں گی (۲) برکت اوقات سے نکل جائے گی ۔(۳) حکومتیں جلد جلد بدلیں گی ۔

یقبضُ العلم ۔اہل علم اور جہلاء میں لوگ فرق نہ کریں گے ۔بخل بڑھے گا اور صدقات کم ہوں گے ۔

لغات: یَتَقَارَبُ: قریب ہونا قَرُبَ (س،ک) قُرْبًا قریب ہونا ۔یُقْبَضُ قَبَضَ (ض) قَبْضًا بمعنی اٹھا لینا، پکڑنا ۔یُلْقِی: اَلْقَی الشَّیْءَ ڈال دینا، فِیْهِ الشَّیْءَ رکھنا ۔قَالَ تَعَالٰی وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ. لَقِیَ(س) لِقَاءً ملاقات کرنا ۔اَلشُّحُّ: (ن ۔ض) شُحًّا بِهٖ عَلَیْهِ بخل کرنا، شَحِیْحٌ بخیل ۔

((..........۞۞۞..........))

۲۸۴ ۔انسان فتنے سے بچنے کے لیے موت کی تمنا کرے گا

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْیَا حَتّٰی یَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَی الْقَبْرِ فَیَتَمَرَّغُ عَلَیْهِ وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ مَکَانَ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ وَلَیْسَ بِهِ الدِّیْنُ اِلَّا الْبَلَاءَ

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	وَالَّذِیْ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	قسم ہے اس ذات کی (کہ)
نَفْسِیْ بِیَدِهٖ	لَا تَذْهَبُ الدُّنْیَا	حَتّٰی
جس کے قبضے میں میری جان ہے	نہیں (ختم ہو) گی دنیا	یہاں تک کہ
یَمُرَّ الرَّجُلُ	عَلَی الْقَبْرِ	فَیَتَمَرَّغُ
گزرے گا ایک آدمی	قبر پر	پس لوٹ پوٹ ہوگا وہ
عَلَیْهِ	وَیَقُوْلُ	یٰلَیْتَنِیْ
اس پر	اور کہے گا	کاش

كُنْتُ	مَكَانَ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ	وَلَيْسَ
میں ہوتا	اس قبر والے کی جگہ (پر)	اور نہیں ہوگا یہ
بِهِ الدِّيْنُ	اِلَّا الْبَلَاءَ	
دین کی وجہ سے	(ہاں) مگر مصیبت کی وجہ سے	[رواہ مسلم]

ملاحظہ: یعنی اس طرح کی حرکت فتنے سے تنگ آ کر کرے گا حقیقی طور پر مرنا نہیں چاہے گا۔

لغات: فَيَتَمَرَّغُ يَتَمَرَّغُ فِي التُّرَابِ مٹی میں لوٹنا، مَرِغَ (س) مَرْغًا عِرْضُهٗ، عزت پر دھبہ لگنا۔ اَلْبَلَاءُ: غم جو جسم کو گھلا دے، آزمائش خواہ خیر سے ہو یا شر سے ہو، بَلَا (ن) بَلْوًا وَبَلَاءَ الرَّجُلِ آزمانا، تجربہ کرنا، امتحان لینا۔

((............❀❀❀............))

۲۸۵۔ اسلام کا نام اور قرآن کے صرف الفاظ رہ جائیں گے

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشَكُ اَنْ يَّاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاؤُهُمْ شَرٌّ مِنْ تَحْتِ اَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ .

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	يُوْشَكُ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	قریب ہے
اَنْ	يَّاْتِيَ	عَلَى النَّاسِ
یہ کہ	آئے	لوگوں پر
زَمَانٌ	لَا يَبْقٰى	مِنَ الْاِسْلَامِ
ایسا زمانہ	نہیں باقی رہے گا	اسلام سے

اِلَّا	اِسْمُهٗ	وَلَا
مگر	اس کا نام	اور نہیں
يَبْقٰى	مِنَ الْقُرْاٰنِ	اِلَّا
باقی رہے گا	قرآن سے	مگر
رَسْمُهٗ	مَسَاجِدُهُمْ	عَامِرَةٌ
اس کے نقش	ان کی مسجدیں	(آبادی کے لحاظ سے) بلند ہوں گی
وَهِيَ خَرَابٌ	مِنَ الْهُدٰى	عُلَمَاؤُهُمْ
حالانکہ وہ ویران ہوں گی	(نماز اور) ہدایت کی باتوں سے	ان کے علماء
شَرٌّ	مِنْ تَحْتِ اَدِيْمِ السَّمَآءِ	مِنْ عِنْدِهِمْ
بدتر ہوں گے	آسمان کے نیچے آباد حصے سے	ان ہی کے پاس سے
تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ	وَفِيْهِمْ	تَعُوْدُ
نکلے گا فتنہ	اور انہیں میں	لوٹ آئے گا

[بیهقی]

تشریح: آپ ﷺ کی سچی باتیں ظاہر ہو رہی ہیں۔

۱۔ اسلام کتب میں موجود ہے لیکن زندگیوں میں بہت کم نظر آ رہا ہے۔

۲۔ قرآن کریم کی ادائیگی پر کچھ توجہ ہے لیکن اصل پیغامِ انقلاب سے غفلت ہے۔

۳۔ آج ایسے ہی ہے کہ قالین، قمقمے اور نامعلوم کن کن ذرائع سے مساجد سجی ہوئی ہیں لیکن بہت کم ایسی مساجد ہیں جن میں ہدایت کی بات غالب ہوتی ہو۔

۴۔ علماء سوء مساجد میں امت کو توڑنے کی باتیں کر رہے ہیں اور علماء ظالموں کو روکنے کی بجائے ظالم کا ساتھ دیتے ہیں۔ (صرف اپنی امامت اور عزت کی بقاء کے لیے۔ نعوذ باللہ۔)

لغات:یُوْشَكُ :جلدی چلنا،قریب ہونا،اس کی خبر میں اکثر اَنْ آتا ہے۔رَسْمُهٗ: گھر کے مٹے ہوئے نشانات،جمع رُسُوْم.عَامِرَةٌ: بمعنی آباد،مراد یہاں پر بلند عالیشان اور مزین ہونا ہے، عَمَرَ(ن) عُمْرًا آباد ہونا جمع عَوَامِر ہے۔ قَالَ تعَالٰی مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ۔خَرَابٌ بخَرِبَ(س)خَرْبًا وَخَرَابًا اَلْبَیْتُ ویران ہونا،اجاڑ ہونا۔قَالَ تعَالٰی وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا.اَدِیْم:پکا ہوا چمڑا۔اَدِیْمٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ،زمین آسمان کا ظاہر حصہ جمع اَدَمٌ،اُدُمٌ، اٰدَامٌ ہے۔

((............❀❀❀............))

۲۸۶۔منافقت عام ہو جائے گی

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ اِخْوَانُ الْعَلَانِیَةِ وَاَعْدَاءُ السَّرِیْرَةِ فَقِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ یَکُوْنُ ذٰلِكَ؟ قَالَ ذٰلِكَ بِرَغْبَةِ بَعْضِهِمْ اِلٰی بَعْضٍ وَرَهْبَةِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	یَکُوْنُ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	(پیدا) ہوں گی
فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ	اَقْوَامٌ	اِخْوَانُ الْعَلَانِیَةِ
آخری زمانے میں	ایسی قومیں	دوست ہوں گی وہ ظاہری طور پر
وَاَعْدَاءُ السَّرِیْرَةِ	فَقِیْلَ	یَارَسُوْلَ اللّٰهِ
اور دشمن ہوں گی وہ باطنی طور پر	پس کہا گیا	اے اللہ کے رسول ﷺ !
وَکَیْفَ یَکُوْنُ ذٰلِكَ؟	قَالَ	ذٰلِكَ بِرَغْبَةِ بَعْضِهِمْ اِلٰی بَعْضٍ
اور یہ کیسے ہوگا؟	آپ ﷺ نے فرمایا کہ	یہ بعض کے بعض سے لالچ کی وجہ سے

وَرَهْبَةِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ
اور بعض کے بعض سے خوف زدہ (ہونے کی وجہ سے) [رواہ احمدؒ]

تشریح: یعنی لالچ اور خوف منافقت کو عام کر دے گا۔ اور اللہ پر توکل اور بھروسہ اٹھ جائیگا۔ دوستی کی بنیاد اخلاص پر نہیں بلکہ دولت کی غرض پر ہوگی اور دشمنی کی بنیاد اللہ کی نافرمانی نہیں، بلکہ دنیا کے نقصان سے بچنے کے لیے دشمنی ہوگی۔

لغات: اِخْوَانٌ: جمع اَخٌ کی بمعنی بھائی اَخَا (ن) اِخْوَةٌ، دوست بنا، بھائی ہونا۔ اَلْعَلَانِيَةَ: کھلم کھلا، ظاہر، عَلَنَ (ن۔ض۔ک۔س) عَلْنًا وَعَلَانِيَةً ظاہر ہونا۔ اَعْدَاءُ: جمع عَدُوٌّ کی بمعنی دشمن، عَدَا (ن) عَدْوًا عَلَيْهِ، ظلم کرنا، دشمنی کرنا۔ اَلسَّرِيْرَةَ: بھید، راز، هُوَ طَيِّبُ السَّرِيْرَةِ وہ باطن کا بہت اچھا ہے۔ جمع سَرَائِرُ. رَهْبَةً رَهِبَ (س) رَهْبَةً وَرَهَبًا بمعنی خوف کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى لَاَ اَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ۔

((............✿✿✿............))

۲۸۷۔ نیک لوگ اٹھ جائیں گے، بے کار رہ جائیں گے

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ اَلْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَتَبْقٰى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيْرِ اَوِ التَّمَرِ لَا يُبَالِيْهُمُ اللّٰهُ بَالَةً.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِيُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	يَذْهَبُ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	گزر جائیں گے
الصَّالِحُوْنَ	اَلْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ	وَتَبْقٰى حُفَالَةٌ
نیک لوگ	ایک ایک ہوکر	اور رہ جائیں گے بھوسے (کی طرح گھٹیا لوگ)
كَحُفَالَةِ الشَّعِيْرِ	اَوِ التَّمَرِ	لَا يُبَالِيْهُمُ اللّٰهُ
جیسے بھوسی گندم کی	یا کھجور کی	نہیں پرواہ کرے گا اللہ ان کی

بَالَةً

کچھ بھی [بخاری]

ملاحظہ: یعنی نیک لوگ اوران کی برکات سے محرومی ہو جائے گی تو اللہ پاک کی نگاہ شفقت اٹھ جائے گی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عمل جاری رکھیں تا کہ برائی ختم ہو اور نیکی ترقی کرے۔

لغات: حُفَالَةٌ: گھٹیا چیز، بھوسی، حُفَالَةُ الطَّعَامِ. اَلشَّعِیْرُ: جو، واحد شَعْرَةٌ. یُبَالِیْھِمْ: بالی، بالاۃ وبَلَاءً وَبَالَةً وبالْاَمْرِ پروا کرنا۔

((............❀❀❀............))

۲۸۸۔ کمینہ ابن کمینہ سب سے نیک بخت سمجھا جائے گا

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَکُوْنَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِالدُّنْیَا لُکَعَ ابْنُ لُکَعٍ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	نہیں قیامت قائم ہوگی
حَتّٰی	یَکُوْنَ	اَسْعَدُ النَّاسِ بِالدُّنْیَا
یہاں تک کہ	ہوگا	لوگوں میں سب سے نیک بخت
لُکَعَ ابْنُ لُکَعٍ		دنیا کے اعتبار سے
کمینہ جو بیٹا (بھی) کمینے کا ہوگا		[ترمذی]

تشریح: یعنی ایسا آدمی جو خود کمینہ اور گھٹیا ہوگا اور کمینے کا بیٹا ہوگا یعنی خاندانی گھٹیا لوگ، قابل لوگوں کی جگہ لے لیں گے اور لوگ ان کے شر کی وجہ سے انہیں سلام کریں گے۔ اور کہیں گے وہ بڑا خوش قسمت ہے۔

لغات: لُکَعْ: بمعنی حرامی، کمینہ، معرفہ کی صورت میں غیر منصرف ہوتا ہے، لَکِعَ (س) الکعًا ولُکَاعَۃً کمینہ ہونا۔

((............ ❁❁❁ ....))

۲۸۹۔ دین پر ثابت قدمی مشکل ہو جائے گی

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِیْھِمْ عَلٰی دِیْنِہٖ کَالْقَابِضِ عَلَی الْجَمْرِ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	یَأْتِیْ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	آئے گا
عَلَی النَّاسِ	زَمَانٌ	اَلصَّابِرُ فِیْھِمْ عَلٰی دِیْنِہٖ
لوگوں پر	ایسا زمانہ	ان میں سے اپنے دین پر پابندی کرنے والا (ایسا ہوگا جیسے)

کَالْقَابِضِ عَلَی الْجَمْرِ

کوئی مٹھی میں لیے ہوئے ہوا نگارے [ترمذی]

تشریح: یعنی دین پر عمل کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ آج دیکھیں! پردہ کرنا، داڑھی رکھنا، رسوم سے بچنا کس قدر مشکل ہے۔ جو دین پہ چلنا چاہے معاشرہ اور برادری والے، اس کا جینا محال کردیں گے۔ اللہ پاک ایسے لوگوں کی قدر افزائی فرماتے ہیں۔

لغات: اَلْقَابِضُ: قَبَضَ (ض) قَبْضًا بِیَدِہِ الشَّیْءَ وَعَلَی الشَّیْءِ، کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنا۔ اَلْجَمْرُ: جمع جَمْرَۃٌ کی بمعنی چنگاری۔

((............ ❁❁❁ ....))

۲۹۰۔ کافر متحد اور مسلمان متفرق ہو جائیں گے

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشَكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعٰى الْاٰكِلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ و قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَّلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزَعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمْ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمْ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِيُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	يُوْشَكُ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	قریب ہے کہ (دشمنوں کی)
اَلْاُمَمُ	اَنْ تَدَاعٰى	عَلَيْكُمْ
جماعتیں	بلائیں گی ایک دوسرے کو	تمہارے خلاف
كَمَا	تَدَاعٰى	الْاٰكِلَةُ
جیسا کہ	بلاتی ہے	کھانے والی (جماعت)
اِلٰى قَصْعَتِهَا	فَقَالَ	قَائِلٌ
اپنے پیالے کی طرف	پس کہا	کہنے والے ایک (صحابی) نے (یہ واقعہ)
وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ	قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ	كَثِيْرٌ
ہماری کمی کی وجہ سے ہوگا	فرمایا بلکہ تم اس دن	بہت زیادہ ہوگے
وَّلٰكِنَّكُمْ	غُثَاءٌ	كَغُثَاءِ السَّيْلِ
اور لیکن تم	جھاگ ہوو گے	سیلاب کے (پانی پر) جھاگ کی طرح
وَلَيَنْزَعَنَّ اللّٰهُ	مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمْ	الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ
اور نکال دے گا اللہ	تمہارے دشمنوں کے دلوں سے	تمہارے رعب کو

وَلَيَقْذِفَنَّ	فِيْ قُلُوْبِكُمْ	الْوَهْنَ
اور ڈال دے گا	تمہارے دلوں میں	وہن (کمزوری) کو
قَالَ	قَائِلٌ	يَارَسُوْلَ اللّٰهِ
کہا	ایک کہنے والے نے	اے اللہ کے رسول ﷺ
مَاالْوَهْنُ	قَالَ	حُبُّ الدُّنْيَا
وہن کیا ہے؟	آپ ﷺ نے فرمایا	دنیا کی محبت

وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ

اور موت سے نفرت [رواه ابوداؤد]

تشریح: مسلمانوں کی اعمال میں سستی، جہاد سے غفلت اور دین اسلام سے دوری کی وجہ سے کافروں کو یہ جرأت ہوگی کہ وہ ایک دوسرے ملک اور اس کی حکومت کو بلا بلا کر مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو جائیں گے اور ایسے دعوت دیں گے جس طرح کھانے پر بے تکلف بلایا جاتا ہے۔ آج کفر کی بڑی طاقتیں ہر محاذ (خواہ تہذیب کا ہو جنگ کا ہو۔ یا میڈیا کا ہو) پر مسلمانوں کے خلاف ایک ہیں۔

لغات: تَدَاعٰی: باب تفاعل سے بمعنی ایک دوسرے کو بلانا، تدعو الشيئ، دعوٰی کرنا۔ قَصْعَةٌ: بمعنی پیالہ جمع قُصَعٌ، قِصَاعٌ، قَصْعَاتٌ. غُثَاءٌ: جھاگ، کوڑا، کوڑا کرکٹ، غثا (ن) غُثُوًّا. اَلسَّيْلُ: بہنے والا سیلاب، جمع سُيُوْلٌ .لَيَقْذِفَنَّ: قَذَفَ (ض) قَذْفًا بمعنی ڈالنا، پھینکنا۔ قَالَ تَعَالٰى فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ .اَلْوَهْنُ: بمعنی کمزوری سستی، وَهْنٌ (ض۔س۔ک) کمزور ہونا۔ قَالَ تَعَالٰى فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

صیغے:

يُوْشَكُ	(واحد مذکر غائب)	اٰكِلَةٌ	واحد مؤنث اسم فاعل
لَيُنْزِعَنَّ	واحد مذکر غائب	لَيَقْذِفَنَّ	واحد مذکر غائب

۲۹۱۔زبانوں کوذریعۂ معاش بنایا جائے گا

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَخْرُجَ قَوْمٌ یَاْکُلُوْنَ بِاَلْسِنَتِھِمْ کَمَا تَاْکُلُ الْبَقَرَةُ بِاَلْسِنَتِھَا۔

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	نہیں قائم ہوگی قیامت
حَتّٰی	یَخْرُجَ	قَوْمٌ
حتی کہ	نکلے گی	ایک قوم
یَاْکُلُوْنَ	بِاَلْسِنَتِھِمْ	کَمَا
جو کھاتے ہوں گے	اپنی زبانوں (کوذریعہ معاش بنانے) کے ساتھ	جیسا کہ
تَاْکُلُ	الْبَقَرَةُ	بِاَلْسِنَتِھَا
کھاتی ہے	گائے	اپنی زبانوں کے ساتھ

[رواہ احمد]

تشریح: قرب قیامت میں یہ ہو رہا ہے۔کہ بغیر کسی محنت کے صرف چرب لسانی سے مالداروں کی تعریف کر کے، یا عدالت میں جھوٹے مقدمات لڑ کر، یا جھوٹی گواہیاں دے کر صرف زبان کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے اور گائے اور دوسرے جانوروں کی طرح حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں ہے۔

لغات: اَلْبَقَرَةُ: بمعنی گائے، جمع اَلْبَقَرَاتٌ۔

((............✪✪✪............))

۲۹۲۔حلال وحرام کی تمیز اٹھ جائے گی

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْہُ مِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِّنَ الْحَرَامِ ۔

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	یَاْتِیْ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ	آئے گا
عَلَی النَّاسِ	زَمَانٌ	لَا یُبَالِی الْمَرْءُ
لوگوں پر	ایک ایسا زمانہ	نہیں پرواہ کرے گا آدمی
مَا	اَخَذَ	مِنْہُ
جو	لیا ہے اس نے	اس کے بارے میں (کہ)
مِنَ الْحَلَالِ	اَمْ مِّنَ الْحَرَامِ	
حلال (مال) سے ہے	یا حرام (مال) سے ہے	[رواه البخاری]

تشریح: یعنی حرص اور بے صبری اور اپنی دنیا بنانے کی فکر اتنی غالب ہو جائے گی کہ بہت لوگ اپنی کمائی میں فکر حلال وحرام چھوڑ دیں گے۔

لغات: یُبَالِیْ بَالٰی مُبَالَاۃً، پرواہ کرنا، بَالٰی، مقابلہ پر فخر کرنا۔

((............❁❁❁............))

۲۹۳۔لائق امامت نمازی نہ ملے گا

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یَّتَدَافَعَ اَھْلُ الْمَسْجِدِ لَا یَجِدُوْنَ اِمَامًا یُّصَلِّیْ بِھِمْ

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ	اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یَّتَدَافَعَ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	قیامت کی نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ ایک دوسرے کے ذمہ ڈالیں گے

اَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا یَجِدُوْنَ اِمَامًا
مسجد والے (امامت کو کیونکہ) نہیں پائیں گے (اپنے میں سے) کسی امام کو
یُصَلِّیْ بِهِمْ
جوان کو (صحیح) نماز پڑھائے [احمد و ابو داؤد]

تشریح: یعنی دینی علم کی اتنی کمی ہو جائے گی کہ نماز جو اہم ترین عبادت اور اولین فریضہ ہے اس کی طرف بے توجہی کا یہ عالم ہوگا کہ چند آدمی نماز کے وقت میں اکٹھے ہو جائیں گے تو درست نماز پڑھانے کی صلاحیت بھی کسی میں نہ ہوگی۔ اس لیے حصول علم بہت ضروری قرار دیا گیا۔

لغات: اَشْرَاطِ: شرط کی جمع ہے، علامت، ہر چیز کا اول۔ یَتَدَافَعُ: ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالنا، یَتَدَافَعُ الْقَوْمُ، ایک دوسرے کو ہٹانا۔

((............❀❀❀............))

۲۹۴۔ کچھ لوگ عشق رسالت ﷺ رکھنے والے بھی ہوں گے

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَكُوْنُوْنَ بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْرَاٰنِیْ بِاَهْلِهٖ وَمَالِهٖ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ
اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک
مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَكُوْنُوْنَ
میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے ایسے لوگ ہیں جو ہوں گے
بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ
میری بعد پسند کرے گا ان میں سے ہر ایک

لَوْرَانِیْ	بِاَهْلِهٖ	وَمَالِهٖ
دیکھ لے مجھے وہ	اپنے اہل	اور اپنے سارے مال کے بدلے میں

تشریح: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کلی فضیلت اور ان کا مرتبہ تو پوری امت میں اعلیٰ وافضل متعین ہے۔ لیکن ان کے بعد آنے والے لوگوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنے ہر عزیز رشتہ دار اور مال و دولت سے زیادہ عزیز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے نورانی طریقہ کو رکھیں گے اور دین اسلام پر خرچ کرنا تو ہوگا ہی بلکہ صرف آپ کی زیارت کے لیے بھی وہ سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔

لغات: بِاَهْلِهٖ: یہ لفظ بچے اور کبھی بیوی اور کبھی دونوں پر بولا جاتا ہے۔

((............✿✿✿............))

۲۹۵۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجر میں شمولیت

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَوْمٌ لَهُمْ مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِهِمْ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقَاتِلُوْنَ اَهْلَ الْفِتَنِ.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	اَنَّهٗ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	بے شک یہ (بات) ہے کہ
سَیَکُوْنُ	فِیْ اٰخِرِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ	قَوْمٌ
عنقریب ہوگی	اس امت کے آخر میں	ایک ایسی قوم
لَهُمْ	مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِهِمْ	یَاْمُرُوْنَ
کہ ان کے لیے	ان سے پہلے لوگوں کی طرح ثواب ہوگا	اور حکم کرتے ہوں گے
بِالْمَعْرُوْفِ	وَیَنْهَوْنَ	عَنِ الْمُنْکَرِ
نیکی کا	اور روکتے ہوں گے وہ	برائی سے

وَيُقَاتِلُوْنَ　　اَهْلَ الْفِتَنِ

اور لڑیں گے وہ　　دین سے دور کرنے والوں سے　　[رواہ البیہقی]

تشریح: جب دین زندگیوں سے نکل رہا ہو۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مسنون اعمال کو رواج دے کر بے دینی کو ختم کرنا ایسا عمل ہے کہ اس امت کے آخری لوگ اپنی اس دینی محنت کی وجہ سے اعمال پر پہلے لوگوں یعنی صحابہ اکرامؓ جیسے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

ملاحظہ: اس سے صحابہ اکرامؓ کی شان میں کمی نہیں آتی اور نہ ہی ان کی برابری ثابت ہوتی ہے بلکہ آج عمل کرنے والے لوگوں کا ثواب بھی پہلے انہیں کو ملے گا۔

لغات: اَلْفِتَنُ: جمع اَلْفِتْنَةُ بمعنی آزمائش گمراہی، رسوائی ۔ قَالَ تَعَالٰی وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۔

((............❁❁❁............))

۲۹۶۔ مال ہی نفع کا ذریعہ ہوگا

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَاْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيْهِ اِلَّا الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ .

++++++++++

وَقَالَ النَّبِيُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	لَيَاْتِيَنَّ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	ضرور آئے گا
عَلَى النَّاسِ	زَمَانٌ	لَا يَنْفَعُ
لوگوں پر	ایسا زمانہ کہ	نہیں نفع دے گا
فِيْهِ	اِلَّا	الدِّيْنَارُ
اس میں	مگر	دینار

وَالدِّرْھَمُ

اور درہم [رواہ احمد]

تشریح: یعنی ایسا وقت آ جائے گا کہ مال جمع کرنے کو ہی ہر پریشانی سے نجات کا ذریعہ سمجھا جائے گا۔ اور لوگ بھی مال والے کی عزت کریں گے۔

حالانکہ حقیقی عزت اور پریشانیوں کا حل اللہ کی نافرمانی سے پکی توبہ میں ہے اور اچھے اعمال میں ہے۔

اس حدیث میں مال کی تاریخ کی وجہ یہ ہے کہ مال اگر موجود ہو اور اس کے حقوق کی ادائیگی کا لحاظ رکھا جائے تو وہ انسان کے لیے دنیا و آخرت میں نفع بخش ہو سکتا ہے۔

لغات: اَلدِّیْنَارِ وَالدِّرْھَمِ: یہ دونوں سکے کا نام ہے، الدینار سونے کا اور درہم چاندی کا ہوتا ہے۔

((............❀❀❀............))

۲۹۷۔ عورتیں لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ صِنْفَانِ مِنْ اَھْلِ النَّارِ لَمْ اَرَھُمَا قَوْمٌ مَّعَھُمْ سِیَاطٌ کَاَذْنَابِ الْبَقَرِ یَضْرِبُوْنَ بِھَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ مُّمِیْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رَءُوْسُھُنَّ کَاَسْنِمَۃِ الْبُخْتِ الْمَائِلَۃِ لَا یَدْخُلْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یَجِدْنَ رِیْحَھَا وَاِنَّ رِیْحَھَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَّسِیْرَۃِ کَذَا وَکَذَا.

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ	صِنْفَانِ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	دو قسمیں ہیں
مِنْ اَھْلِ النَّارِ	لَمْ اَرَھُمَا	قَوْمٌ
جہنم والوں کی	میں نے ان کو نہیں دیکھا	ایک قسم ایسی قوم ہے کہ

مَّعَهُمْ سِيَاطٌ	كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ	يَضْرِبُوْنَ
ان کے ہاتھوں میں کوڑے ہوں گے	گائے کی دم کی طرح	مار رہے ہوں گے
بِهَا النَّاسَ	وَنِسَاءٌ	كَاسِيَاتٌ
ان سے وہ لوگوں کو	اور (دوسری قسم) ایسی عورتیں	جو (بظاہر) کپڑے پہنے ہوں گی (پھر بھی)
عَارِيَاتٌ	مُّمِيْلَاتٌ	مَائِلَاتٌ
ننگی ہوں گی (لوگوں کو اپنی طرف)	مائل کرنے والی ہوں گی	(خود لوگوں کی طرف) متوجہ ہوں گی
رَءُوْسُهُنَّ	كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ	لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ
ان کے سر (کے بال)	بختی اونٹ کے کوہانوں کی طرح جھکے ہوئے ہوں گے	(ایسی عورتیں) نہیں داخل ہوں گی جنت میں
وَلَا	يَجِدْنَ	رِيْحَهَا
اور نہ ہی	پائیں گی	اس کی خوشبو
وَاِنَّ	رِيْحَهَا	لَتُوْجَدُ
اور بے شک	اس کی خوشبو	البتہ پائی جاتی ہے

مِنْ مَّسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا

اتنی اور اتنی مسافت سے [مسلم]

تشریح: یعنی عورتوں کا لباس اتنا چست یا باریک ہوگا کہ لباس پہننے کی غرض (شرعی ستر) بھی پوری نہ ہوگی۔ اور ان کی ادائیں اور چال، ڈھال ایسی ہوگی کہ لوگ ان کی طرف توجہ کریں۔ اس کی سزا یہ ہے کہ جنت میں جانا تو کجا، جنت کی خوشبو، جو بہت دور سے آجاتی ہے وہ بھی نہ سونگھ سکیں گی۔

لغات: سِیَاطٌ: جمع سَوْطٌ بمعنی کوڑا، چابک، پانی جمع ہونے کی جگہ، سَاطَ (ن) سوط کوڑے مارنا۔ کَاَذْنَابِ: جمع الذَّنْبُ مِنَ الْحَیَوَانِ، دم۔ اَذْنَابُ النَّاسِ، معمولی لوگ کَاسِیَاتٌ: جمع کاسیة کَسٰی(س) کَسَا بمعنی پہننا (ن) پہنانا۔ عَارِیَاتٌ: عُرًی(س) عریةٌ مِنْ شَبَابِہٖ، ننگا ہونا۔ مُمِیْلَاتٌ: امال، اِمَالَةُ الشَّیْءِ، جھکانا۔ قَالَ تَعَالٰی اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا۔ رَءُ وْسُهُنَّ، جمع راس کی، بمعنی سر، اروٗس رؤس اور آراس بھی جمع آئی ہے۔ اَسْنِمَةٌ: جمع سنام بمعنی کوہان۔ فُلَانٌ سِنَامُ قَوْمِهٖ، فلاں اپنی قوم میں بڑا ہے۔ الْبُخْتِ: بمعنی گردن والا اونٹ، مضبوط، عموماً ایسے اونٹ خراسان میں ہوتے ہیں۔ رِیْحٌ: بومہک، اچھی خبر جمع اَرْیَاحٌ، رِیَاحٌ، رِیْحٌ آتا ہے۔ الْمَسِیْرَةِ: سارَ، مسافت کے لیے آتا ہے۔

((..........۞۞۞..........))

۲۹۸۔ علم اٹھ جائے گا اور جاہل امام بن جائیں گے

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا یَّنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰکِنْ یَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُ وْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ	اِنَّ اللّٰهَ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	بے شک اللہ تعالیٰ
لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ	اِنْتِزَاعًا	یَّنْتَزِعُهٗ
نہیں اٹھائے گا علم کو	اس طرح اٹھانا کہ	چھین لے اس کو
مِنَ الْعِبَادِ	وَلٰکِنْ	یَّقْبِضُ الْعِلْمَ
بندوں (کے سینوں) سے	اور لیکن	وہ اٹھائے گا علم کو

بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ	حَتّٰى	اِذَا
علماء کی روح (نکال) لینے کے ساتھ	یہاں تک کہ	جب
لَمْ يُبْقِ	عَالِمًا	اِتَّخَذَ النَّاسُ
نہیں باقی رہے گا	کوئی عالم	تو لوگ بنالیں گے
رُءُوْسًا	جُهَّالًا	فَسُئِلُوْا
اپنا سردار	جاہلوں کو	پس ان سے (مسائل) پوچھے جائیں گے
فَاَفْتَوا	بِغَيْرِ عِلْمٍ	فَضَلُّوا
پس وہ فتوی دیں گے	بغیر علم کے	وہ خود بھی گمراہ ہوں گے
وَاَضَلُّوا		

اور (دوسروں کو بھی) گمراہ کریں گے۔ [بخاری و مسلم]

تشریح: اس دنیا میں اللہ کی سب سے بڑی دولت (علم دین) کے حامل لوگ آہستہ آہستہ اٹھ جائیں گے۔ ان کی جگہ نام کے علماء ہوں گے ان سے عام گمراہی پھیلے گی۔

لغات: يَقْبِضُ قَبَضَ (ض) قَبْضًا بِيَدِهِ الشَّيْءَ، کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنا۔ اِنْتِزَاعًا: الشیء، اکھڑنا، نکالنا، کھینچنا، نَزَعَ (ف) نِزَاعًا الشَّيْءَ مِنْ مَكَانِهٖ، اکھڑنا، نکالنا۔ اَلْعِبَادِ: جمع عَبْدٌ کی بمعنی بندہ، عَبَدَ (ن) عِبَادَةً، عبادت کرنا، پرستش کرنا، عَبُدَ (ک) عُبُوْدَةً غلام ہونا۔ فَاَفْتَوْا: اَفْتٰى، اِفْتَاءٌ، فتوی دینا۔

((............❁❁❁............))

۲۹۹۔علم اٹھ جائیگا۔شرعی مسئلہ بتانے والا بھی نہ ہوگا

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ فَإِنِّيْ اِمْرَءٌ مَّقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ سَيَنْقَبِضُ وَيَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِيْ فَرِيْضَةٍ لَّا يَجِدَانِ اَحَدًا يَّفْصِلُ بَيْنَهُمَا .

++++++++++

وَقَالَ النَّبِيُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ
اور فرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	علم سیکھو
وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ	تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ	وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ
اور اسے لوگوں کو سکھاؤ	فرائض (کا علم) سیکھو	اور اسے لوگوں کو سکھاؤ
تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ	وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ	
قرآن سیکھو	اور اسے لوگوں کو سکھاؤ	
فَإِنِّيْ اِمْرَءٌ	مَّقْبُوْضٌ	وَالْعِلْمُ سَيَنْقَبِضُ
پس بے شک میں ایسا آدمی ہوں	جو اٹھالیا جاؤں گا	اور علم عنقریب اٹھالیا جائے گا
وَيَظْهَرُ الْفِتَنُ	حَتّٰى	يَخْتَلِفَ
اور فتنے ظاہر ہوں گے	یہاں تک کہ	اختلاف کریں گے
اِثْنَانِ	فِيْ فَرِيْضَةٍ	لَّا يَجِدَانِ
دو آدمی	کسی ایک فرض کے بارے میں	نہیں پائیں گے وہ
اَحَدًا	يَّفْصِلُ	بَيْنَهُمَا
کسی ایک (عالم) کو	(جو) فیصلہ کرے	ان دونوں کے درمیان

(درامی)

تشریح: علم دین کے حصول میں سستی اور اس کی اہمیت نہ ہونے کی وجہ سے

جہالت کا دور دورہ ہوگا۔ عالم نہ ملنے کیوجہ سے لوگ جاھلوں سے مسائل پوچھیں گے۔
غلط مسائل بتانے کی وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

لغات :تَعَلَّمُوْا۔سیکھنا،الامر ،مضبوط کرنا،اَلْفَرَائِضَ ، جمع ،الفریضَة، بمعنی فرض ،زکوۃ، حصہ،علم ،میراث،اِمْرَا'' بمعنی ،مرد،جمع ،رجال،من غیر لفظه ، مَقْبُوْض'' ، قَبَضَ (ض)قَبْضًا ، پکڑنا ،اٹھالینا،قَبَضَهُ اللّٰهُ ،وفات،دینا ، سَيَنْقَبِضُ ، القبض، الشی ، ملنا،سمیٹنا، اَلْفِتَنُ،جمع ،الفتنة ،کی بمعنی اختلاف آراء جنگ وجدال،

((............❀❀❀............))

۳۰۰۔فتنہ پرور قاری گانے کی طرز پر قرآن پڑھیں گے

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِقْرَؤُ الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتٰبَيْنِ وَسَيَجِيْئُ بَعْدِیْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَانُهُمْ

++++++++++

وَقَالَ النَّبِیُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	اِقْرَؤُ الْقُرْاٰنَ
اورفرمایا نبی	صلی اللہ علیہ وسلم نے	قرآن پڑھو
بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ	وَاَصْوَاتِهَا	وَاِيَّاكُمْ
عرب کے لہجے میں	اورانکی آوازوں میں	اور بچو تم
وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ	وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتٰبَيْنِ	وَسَيَجِيْئُ
عشق والوں کے لہجے سے	اوراہل کتاب کے لہجے سے	اورعنقریب آئے گی
بَعْدِیْ	قَوْمٌ	يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ
میرے بعد	ایسی قوم کہ	طرز سے پڑھیں گے وہ قرآن کو

تَرْجِيْعَ الْغِنَاء	وَالنَّوْحِ	لَا يُجَاوِزُ
گانے کی طرح	اورمیت پررونے والیوں کی طرح	نہیں آگے جائے گا وہ (پڑھنا)
حَنَاجِرَهُمْ	مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ	وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ
انکے گلوں سے	انکے دل دین سے دور ہوں گے	اوران لوگوں کے دل بھی
يُعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ		(دین سے دور ہوں گے)

جن کو اچھا لگے گا ان (کا پڑھنے کا) حال۔ (بيهقى)

تشریح: اس ارشاد مبارک میں تجوید کا حکم ہے (۱) بلا تکلف عربی لہجہ میں قرآن کریم پڑھا جائے۔ (۲) جس طرح قوالیوں میں بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں اس طرح گانے کی طرز نہ لگائی جائے۔

لغات: لُحُوْنُ: ۔جمع ہے لَحْن" کی بمعنی لہجہ آواز، لِلَّحْنُ مِنَ الْاَصْوَاتِ، موزوں آواز کو کہتے ہیں جمع اَلْحَان" آتی ہے، لَحَن" فِي الْقُرْاٰن ،خوش آوازی سے پڑھنا۔ اهل الكتٰبين تورات وانجیل والے، یہود اور نصاری يُرَجِّعُوْنَ: تَرْجِيْعًافِيْ صَوْتِهٖ اپنی آواز کو حلق میں گھمانا، رَجَعَ (ض) رُجُوْعًا ، واپس آنا، لوٹنا، رجع عند المصيبة انا لله وانا اليه راجعون کہنا، الغناء: بمعنی النَغْمَة، گانا، النَّوْحُ: عورتوں کی جماعت جو اکٹھا ہو کر روئے، نسئا نوح، اِسْتَنَاحَتِ الْمَرْاَةُ ،عورت نے نوحہ کیا حنا جر: جمع حَنْجَرَةٌ کی بمعنی حلق۔

((............ ❁❁❁ ....))

اَلْبَابُ الثَّانِیْ

دوسرا باب

فِی الْوَاقِعَاتِ وَالْقَصَصِ

واقعات اور کہانیوں (کے بیان) میں

وَفِیْهِ اَرْبَعُوْنَ قِصَّةً

اور اس میں چالیس کہانیاں ہیں

الباب الثانی میں مذکور احادیث کی عبارت اور لفظی ترجمہ کے بعد تشریح کا انداز یہ ہوگا کہ (ترجمہ میں) تشریح طلب جملے کے آخر میں نمبر دیا جائے گا پھر نمبر دے کر تشریح کے عنوان کے تحت اس کی وضاحت کی جائے گی۔

(قارئین نوٹ فرمالیں)

ا۔اسلام۔ایمان،احسان اور علاماتِ قیامت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ اِذْطَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَايُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُالسَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِى فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ (٢) اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَامُحَمَّدُ (٣) اَخْبِرْنِىْ (٤) عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُوْتِى الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجَبْنَا لَهٗ يَسْاَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنْ اِمَارَاتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَالْاَمَةُ رَبَّتَهَا (٥) وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ (٦) الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رُعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِى الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِىْ يَاعُمَرُ اَتَدْرِىْ مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ.

++++++++++

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ	قَالَ	بَيْنَمَا
عمر بن خطاب ﷺ	کہتے ہیں	اس دوران کہ
نَحْنُ	عِنْدَ رَسُوْلِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ	اِذْطَلَعَ
ہم	ایک دن حضور ﷺ کے پاس تھے۔	اچانک آیا

عَلَيْنَا	رَجُلٌ	شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ
ہمارے پاس	ایک آدمی	جو بہت زیادہ سفید کپڑوں والا
شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ	لَايُرٰى	عَلَيْهِ
بہت زیادہ سیاہ بالوں والا تھا	نہیں نظر آرہی تھی	اس پر
اَثَرُ السَّفَرِ	وَلَا	يَعْرِفُهٗ
سفر کی کوئی نشانی	اور نہیں	پہچان رہا تھا اس کو
مِنَّا	اَحَدٌ	حَتّٰی
ہم میں سے	کوئی ایک (بھی)	یہاں تک کہ
جَلَسَ	اِلَى النَّبِيِّ	فَاَسْنَدَ
وہ بیٹھ گیا	نبی ﷺ کے پاس	پس ملا دیئے
رُكْبَتَيْهِ (۲)	اِلٰى رُكْبَتَيْهِ	وَوَضَعَ
اس نے اپنے دونوں گھٹنے	آپ ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ	اور رکھ لیے
كَفَّيْهِ	عَلٰى فَخِذَيْهِ	وَقَالَ
اپنے دونوں ہاتھ	اپنی رانوں پر	اور کہا
يَامُحَمَّدُ (۳)	اَخْبِرْنِيْ (۴)	عَنِ الْاِسْلَامِ
اے محمد ﷺ	بتائیے مجھے	اسلام کے بارے میں
قَالَ	اَلْاِسْلَامُ	اَنْ تَشْهَدَ
آپ ﷺ نے فرمایا	اسلام	یہ ہے کہ گواہی دے تو (اس بات کی)
اَنْ لَّا	اِلٰهَ	اِلَّا اللّٰهُ
یہ کہ نہیں ہے	کوئی معبود	سوائے اللہ کے
وَاَنَّ	مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ	وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ
اور بے شک	محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں	اور تو نماز قائم کرے

وَتُؤْتِی الزَّکٰوةَ	وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ	وَتَحُجَّ الْبَیْتَ
اور تو زکوٰۃ دے	اور تو رمضان کے روزے رکھے	اور بیت اللہ کا حج کرے
اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْهِ سَبِیْلاً	قَالَ	صَدَقْتَ
جبکہ طاقت ہو تجھے اس (بیت اللہ) تک پہنچنے کی	(اس مسافر نے) کہا	سچ فرمایا آپ ﷺ نے
فَعَجِبْنَا	لَهٗ	یَسْأَلُهٗ
تو تعجب ہوا ہمیں	اس پر کہ (یہ شخص)	سوال بھی کرتا ہے
وَیُصَدِّقُهٗ	قَالَ	فَاَخْبِرْنِیْ
اور آپ کی تصدیق بھی کرتا ہے	اس (مسافر) نے کہا	مجھے بتایئے
عَنِ الْاِیْمَانِ	قَالَ	اَنْ تُؤْمِنَ
ایمان کے متعلق	آپ نے فرمایا (ایمان)	یہ ہے کہ یقین کرے تو
بِاللّٰهِ	وَمَلٰٓئِکَتِهٖ	وَکُتُبِهٖ
اللہ پر	اور اس کے فرشتوں پر	اور اس کی کتابوں پر
وَرُسُلِهٖ	وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	وَتُؤْمِنَ
اور اس کے رسولوں پر	اور قیامت کے دن پر	اور یقین رکھے تو
...رِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ	قَالَ	صَدَقْتَ
اچھی اور بری تقدیر (کے اللہ کی طرف سے ہونے) پر	اس (مسافر) نے کہا	آپ ﷺ نے سچ فرمایا
قَالَ	فَاَخْبِرْنِیْ	عَنِ الْاِحْسَانِ
(اس مسافر نے) کہا	پس مجھے بتایئے	احسان کے متعلق
قَالَ	اَنْ	تَعْبُدَاللّٰهَ
آپ ﷺ نے فرمایا	یہ کہ	بندگی کرے تو اللہ کی

كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ

گویا کہ تو اس (اللہ کو) دیکھ رہا ہے پس اگر (ایسا)

لَّمْ تكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ

ممکن نہ ہو کہ تو اسے دیکھ رہا ہے (تو یہ خیال کر) پس بے شک وہ (اللہ)

يَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ

تجھے دیکھ رہا ہے اس (مسافر) نے کہا مجھے بتایئے

عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ

قیامت کے متعلق آپ نے فرمایا پوچھا جانے والا اس کے متعلق زیادہ نہیں جانتا ہے

مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ

پوچھنے والے سے (اس مسافر نے) کہا پس بتا دیجئے مجھے

عَنْ اِمَارَاتِهَا قَالَ اَنْ

(قیامت کی) نشانیوں کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا (ایک) یہ ہے کہ

تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا (۵) وَاَنْ تَرَى

جنے گی باندی اپنے آقا کو (اور دوسری) یہ کہ دیکھے گا تو

الْحُفَاةَ (٦) الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رُعَاءَ الشَّاءِ

ننگے پیر ننگے بدن فقیر بکریوں کو چرانے والے

يَتَطَاوَلُوْنَ فِى الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ

اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں فخر کریں گے کہا (حضرت عمرؓ نے) کہ پھر وہ (مسافر)

انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا

چلا گیا پس میں (آپ کی خدمت) ٹھہرا رہا تھوڑی دیر

ثُمَّ قَالَ لِیْ	یَاعُمَرُ	اَتَدْرِیْ
پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا	اے عمر رضی اللہ عنہ!	کیا تو جانتا ہے (اس مسافر)
مَنِ السَّائِلُ	قُلْتُ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ	قَالَ
سوال کرنے والے کے متعلق	میں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں	آپ ﷺ نے فرمایا
فَاِنَّہٗ	جِبْرَئِیْلُ	اَتَاکُمْ
پس بے شک وہ (مسافر حضرت)	جبرائیل علیہ السلام تھے	آئے تھے تمہارے پاس
یُعَلِّمُکُمْ	دِیْنَکُمْ	
سکھا رہے تھے تمہیں	تمہارا دین	(رواہ مسلم)

تشریح:

۱۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی اصل شکل میں اور اکثر حضرت دحیہ کلبی صحابی رسول ﷺ کی شکل میں آتے تھے۔

۲۔ راوی کے اس اندازِ بیان سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قریب تر ہونا بتایا جا رہا ہے۔

۳۔ یہاں فرشتے نے یا محمد کہا ہے لہٰذا انسانوں کے لیے حجت نہیں ہے قرآن کریم سورہ حجرات میں اس طرح خطاب منع کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے صحابہؓ یارسول اللہ وغیرہ الفاظ کہتے تھے۔

۴۔ حدیث میں موجود حضرت جبرئیل کے ان تینوں سوالات میں تطبیق یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کرتا ہے اور ظاہری اعمال نماز وغیرہ شروع کر دیتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ ایمانیات میں پختہ ہوتا رہتا ہے پھر وقت آتا ہے کہ اس کے قول وعمل سے یہ گواہی ملتی ہے کہ اسے درجہ احسان حاصل ہے۔

ظاہر ہے اسلام سے ایمان پھر احسان تک ترقی ہو جاتی ہے اور ہر ترقی کے بعد زوال شروع ہوتا ہے اس لیے آخر میں قیامت کا تذکرہ کر دیا گیا۔

۵۔ جننے والی ماں سے نوکرانی کا سلوک کیا جائے گا۔

۶۔ گھٹیا لوگ عیش کریں گے، اہل علم وعمل اور قابل لوگوں کی اہانت ہوگی۔

لغات: طَلَعَ: (ن) طُلُوْعًا، مَطْلَعًا، مِطْلَعًا الْكَوْكَبُ، ستارہ وغیرہ کا نکلنا۔ فَاَسْنَدَ: اَسْنَدَ اِلَی الشَّیْءِ ٹیک لگانا، سَنَدَ (ن) سُنُوْدًا وَاِسْتَنَدَ وَتَسَانَدَ اِلَیْهِ، بھروسہ کرنا۔ رُكْبَتَيْهِ: بمعنی گھٹنہ جمع رُكَب، رُكْبَات، رُكُبَات آتی ہے۔ كَفَّيْهِ: بمعنی ہتھیلی جمع اَكُفّ، كُفُوْف، كُفّ آتی ہے۔ فَخِذٌ: بمعنی ران جمع اَفْخَاذ آتی ہے۔ سَبِيْل: اصل معنی راستہ، مراد توشہ اور سواری کا ہونا۔ اِمَارَات: جمع ہے اِمَارَة کی بمعنی علامت نشان۔ وَلَدَتْ: (ض) وِلَادَةً بمعنی جننا۔ اَلْاَمَةُ: بمعنی باندی جمع اِمَاءٌ. رَبَّتَهَا رَبَّ کی مونث بمعنی مالکہ اَلْحُفَاةُ: جمع حَافٍ کی بمعنی ننگے پاؤں چلنے والا، حَفِيَ (س) حَفًا ننگے پاؤں چلنا۔ اَلْعُرَاةُ: جمع عَارٍ کی عَرٰی (س) عُرْيَةً، ننگا ہونا۔ اَلْعَالَةَ: جمع عَائِلٌ کی بمعنی فقیر، محتاج، جمع عُيَّلٌ عِيْلٌ آتی ہے۔ رُعَاءَ: جمع ہے رَاعِي کی، رَاعِي الشَّاةِ، چرواہا۔ اَلشَّاءِ بشاة کی جمع بمعنی بکری اس کی جمع شِيَاهٍ، اَشْوَاه بھی آتی ہے۔ يَتَطَاوَلُوْنَ: فخر کرنا، تکبر کرنا، ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا۔ اَلْبُنْيَانُ: عمارت۔ قَالَ تَعَالٰی كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ. فَلَبِثْتُ: (س) لَبْثًا وَلُبْثًا بِالْمَكَانِ ٹھہرنا اقامت کرنا۔ مَلِيًّا: کچھ دیر۔

((............❀❀❀............))

۲۔وضو میں اعضاء کو کامل طور پر دھونے کی اہمیت

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنُ عَمْرٍو (رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا) قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّکَّةَ اِلَی الْمَدِیْنَةِ (۱) حَتّٰی اِذَا
کُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِیْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّأُوْا وَهُمْ عُجَّالٌ
فَانْتَهَیْنَا اِلَیْهِمْ وَاَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ لَمْ یَمَسَّهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ (۲) مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ (۳).

++++++++++

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنُ عَمْرٍو	(رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا)	قَالَ
حضرت عبداللہ بن عمر	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	(انہوں نے) کہا
رَجَعْنَا	مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ	صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
واپس آئے ہم	اللہ کے پیغمبر	صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
مِنْ مَّکَّةَ	اِلَی الْمَدِیْنَةِ (۱)	حَتّٰی
مکہ سے	مدینہ کی طرف	یہاں تک کہ
اِذَا کُنَّا	بِمَاءٍ	بِالطَّرِیْقِ
جب (ہم پہنچے) تھے	پانی تک	راستے میں (تو)
تَعَجَّلَ	قَوْمٌ	عِنْدَ الْعَصْرِ
جلدی کی	کچھ لوگوں نے	عصر کے وقت
فَتَوَضَّأُوْا	وَهُمْ	عُجَّالٌ
پس انہوں نے وضو کیا	اس حال میں کہ وہ	جلدی جلدی کر رہے تھے
فَانْتَهَیْنَا اِلَیْهِمْ	وَاَعْقَابُهُمْ	تَلُوْحُ
پس ہم ان کے پاس پہنچے	اور ان کی ایڑیاں	خشک تھیں
لَمْ یَمَسَّهَا الْمَاءُ	فَقَالَ	رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
نہیں چھوا تھا ان کو پانی نے	پس فرمایا	اللہ کے رسول ﷺ نے

وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ (۲) مِنَ النَّارِ
ہلاکت ہے ایڑیوں کے لیے (جہنم کی) آگ سے
اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ (۳)
پورا کرو وضو (تاکہ آگ سے بچ جاؤ) (رواہ مسلم)

تشریح: ا۔ کسی غزوہ سے واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا۔
۲۔ وَیْلٌ سے مراد جہنم کا پہاڑ اور عذاب شدید ہے۔
۳۔ اَسْبِغُوا اس جملے میں وضوء کے فرائض، سنن اور مستحباب سب کچھ آ گیا۔
۴۔ اعقاب کو خاص طور پر اس لیے ذکر کر دیا ہے کہ یہ جگہ یعنی ایڑیاں جب تک خوب مَل مَل کر نہ دھوئی جائیں صحیح طور پر نہیں دُھل سکتیں۔

لغات: تَعَجَّلَ فِی الْاَمْرِ: جلدی کرنا۔ عُجَّالٌ عَاجِلٌ کی جمع ہے، جلد باز عَجِلَ (س) عَجْلًا جلدی کرنا۔ فَانْتَهَيْنَا اِلٰی مَوْضِعِ كَذَا پہنچنا۔ اَعْقَابُهُمْ عَقَبٌ کی جمع ہے بمعنی ایڑی، بیٹا، پوتا، مراد اول معنی ہے۔ تَلُوْحُ لَاحَ (ن) لَوْحًا اَلشَّیْءَ ظاہر کرنا، اَبْرَقَ چمکنا۔ وَيْلٌ: برائی، شر، ہلاکت، جہنم کی ایک وادی۔ قَالَ تَعَالٰی وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ. اَسْبِغُوْا: اَسْبَغَ، اِسْبَاغًا کامل کرنا پورا کرنا۔

((............❁❁❁............))

۳۔ نماز کے ذریعے گناہوں کی معافی

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ (۱) وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّی الصَّلٰوةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ (۲) كَمَا تَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ.

++++++++++

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

خَرَجَ	زَمَنَ الشِّتَاءِ (۱)	وَالْوَرَقُ
نکلے	سردی کے موسم میں (جب کہ)	پتے
يَتَهَافَتُ	فَاَخَذَ	بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ
جھڑ رہے تھے	پس پکڑا	آپ ﷺ نے درخت کی دو ٹہنیوں کو
قَالَ	فَجَعَلَ	ذٰلِكَ الْوَرَقُ
(حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے) کہا	پس شروع ہو گئے	یہ پتے
يَتَهَافَتُ قَالَ	فَقَالَ	يَا اَبَا ذَرٍّ
جھڑنے (ابوذر رضی اللہ عنہ نے) کہا کہ	نبی کریم ﷺ نے فرمایا	اے ابوذر رضی اللہ عنہ!
قُلْتُ	لَبَّيْكَ	يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
میں نے عرض کیا	حاضر ہوں	اے اللہ کے رسول ﷺ
قَالَ	اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ	لَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ
آپ ﷺ نے فرمایا	بے شک مسلمان بندہ	جب وہ نماز پڑھتا ہے (اور)
يُرِيْدُبِهَا	وَجْهَ اللّٰهِ	فَتَهَافَتُ
چاہتا ہے اس (نماز پڑھنے کے) ذریعے سے	اللہ کی خوشی تو (اس کی برکت سے)	جھڑ جاتے ہیں
عَنْهُ	ذُنُوْبُهٗ (۲)	كَمَا
اس سے	اس کے گناہ	جیسے کہ
تَهَافَتُ	هٰذَا الْوَرَقُ	عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ
جھڑ گئے ہیں	یہ پتے	اس درخت سے

(رواہ احمد)

تشریح:

۱۔ اس سے راوی کا مقصد ہے کہ یہ بات مجھے خوب یاد ہے حتی کہ جس موسم میں یہ بات بتائی گئی وہ بھی یاد ہے۔ جو میں کہہ رہا ہوں یہ درست ہے۔

۲۔ اس میں صغیرہ گناہوں کی معافی کا وعدہ ہے۔کبیرہ گناہ تو صرف توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔لیکن کسی پر خاص مہربانی کی وجہ سے کبیرہ کی معافی بھی ہوجائے تو اور بات ہے۔

لغات: اَلشِّتَاءُ: سردی کا موسم، شَتَا (ن) شَتْوًا جاڑے میں قیام کرنا۔قَالَ تَعَالٰی رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ. يَتَهَافَتُ: على الشيء لگاتار گرنا۔(اکثر علامت کا استعمال شر میں ہوتا ہے۔ غُصْنٌ: شاخ، ڈالی، جمع غُصُوْن، اِغْصَانٌ آتی ہے۔وَجْهٌ: اصلی معنی تو چہرہ ہے مراد خوش نودی ہے۔

((............ ❁❁❁............))

۴۔جنت میں رفاقتِ رسول ﷺ کا نسخہ

وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَاٰتِيْتُهٗ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ (۱) فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ (۲) قَالَ اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ (۳).

++++++++++

وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
حضرت ربیعہ بن کعب	رضی اللہ عنہ	سے روایت ہے کہ
كُنْتُ اَبِيْتُ	مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ
میں رات کو رہتا تھا	اللہ کے رسول	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
فَاٰتِيْتُهٗ	بِوَضُوْئِهٖ	وَحَاجَتِهٖ (۱)
پس میں پیش کرتا تھا	آپ ﷺ کو وضو کا (پانی)	اور دوسری ضرورت کی چیزیں
فَقَالَ لِيْ	سَلْ	فَقُلْتُ
پس آپ ﷺ نے مجھے فرمایا	مانگ	پس میں نے عرض کیا
اَسْئَلُكَ	مُرَافَقَتَكَ	فِي الْجَنَّةِ (۲)
میں مانگتا ہوں	آپ ﷺ کا ساتھ	جنت میں

قَالَ	اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ	قُلْتُ
انہوں نے کہا	کچھ اس کے علاوہ بھی (مانگ)	میں نے عرض کیا
هُوَ ذَاكَ	قَالَ	
وہی ایک خواہش ہے بس	تو آپ ﷺ نے فرمایا	(اگر جنت میں میرا ساتھ چاہتا ہے)
فَاَعِنِّیْ	عَلٰی نَفْسِكَ	بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ (۳)
تو میری مدد کر	اپنی ذات پر	سجدوں کی کثرت کے ساتھ

(ترمذی)

تشریح:

۱۔ اس سے مراد مسواک و مصلّٰی وغیرہ ہے۔

۲۔ واقعی سچے عاشق رسول ﷺ کی یہ سب سے بڑی خواہش ہونی چاہیے۔

۳۔ لیجیے! اس صحابی ؓ کی برکت سے پوری امت کو یہ نسخہ مل گیا کہ نمازوں کی کثرت رکھیں، آپ ﷺ کی شفاعت ملے گی اور جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہوگی۔

لغات: اَبِيْتُ بَاتَ (ض۔س) بَيْتًا وبَيَاتًا وبَيْتُوْتَةً فِي الْمَكَانِ، شب باشی کرنا۔ بِوَضُوْئِه: بفتح الواؤ وضو کا پانی بضم الواؤ، طہارت۔ مُرَافَقَةٌ رفقه، ساتھی ہونا۔

((............❀❀❀............))

۵۔نماز کے لیے صف بندی کا اہتمام

وَعَنِ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ لَيُسَوِّىْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّىْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ (۱) ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا (۲) فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُّكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ (۳) .

++++++++++

وَعَنِ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
نعمان بن بشیر	رضی اللہ عنہ سے	روایت ہے انہوں نے کہا
كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	لَيُسَوِّىْ
اللہ کے رسول	صلی اللہ علیہ وسلم	سیدھا کرتے تھے
صُفُوْفَنَا	حَتّٰى	كَاَنَّمَا يُسَوِّىْ
ہماری صفوں کو	گویا کہ	(آپ ﷺ) سیدھا کریں گے
بِهَا	الْقِدَاحَ	حَتّٰى
اس کے ذریعے	تیروں کو	یہاں تک کہ
رَاٰى	اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا	عَنْهُ (۱)
دیکھ لیا آپ ﷺ نے	کہ سمجھ گئے ہیں ہم	اس (صفیں درست کرنے) کو
ثُمَّ	خَرَجَ يَوْمًا (۲)	فَقَامَ
پھر	ایک دن نکلے (حضور ﷺ)	اور (نماز پڑھانے کے لیے) کھڑے ہوئے
حَتّٰى	كَادَ	اَنْ يُّكَبِّرَ
یہاں تک کہ	قریب تھے	آپ ﷺ تکبیر کہنے کے
فَرَاٰى	رَجُلًا	بَادِيًا
پس دیکھا	آپ ﷺ نے ایک آدمی کو	آگے نکلا ہوا ہے

صَدْرُهٗ	مِنَ الصَّفِّ	فَقَالَ
اس کا سینہ	صف سے	پس آپ ﷺ نے فرمایا
عِبَادَ اللّٰهِ	لَتُسَوُّنَّ	صُفُوْفَكُمْ
اللہ کے بندو!	تم ضرور سیدھا کرو	اپنی صفوں کو
اَوْ	لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ	بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ (۳)
یا	مخالفت پیدا کردیں گے اللہ	تمہارے چہروں کے درمیان
	(دلوں میں پھوٹ پڑ جائے گی)	(رواہ مسلم)

تشریح:

۱۔ یعنی ہمیں صفیں سیدھی رکھنے کا مسلسل فرماتے رہے حتی کہ ہماری عادت بن گئی۔

۲۔ نماز پڑھانے کے لیے جب حجرہ شریفہ سے باہر آتے تو صحابہ کرامؓ صفیں درست کر لیتے۔

۳۔ دلوں میں اختلاف ڈل جائے گا اور نمازیوں میں باہمی اُلفت نہ رہے گی۔

لغات: لَيُسَوِّيْ الشيء: درست کرنا، سیدھا کرنا، سَوِيَ (س) سَوَى الرَّجُلِ، درست کام والا ہونا۔ اَلْقِدَاحَ: جمع ہے قدح کی اس تیر کو کہتے ہیں جو بغیر پر اور دھار کے ہو اس کی جمع اقدح، اقداح اور قدحان بھی آئی ہے۔ بَادِيًا بَدَا (ن)، بَدَا ظاہر ہونا، صفت کا صیغہ بَادٍ آئی ہے۔ لَيُخَالِفَنَّ بِحَوْلِهَا اِلٰى اَدْبَارِكُمْ اَلْمُرَادِ بِالْوُجُوْهِ الذَّوَاتِ اَوْ قُلُوْب۔

((............✿✿✿............))

۶۔چار اعمال پر جنت کی خوش خبری

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَیَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَیْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلُ مَاقَالَ یَااَیُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ (۱) وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ (۲) وَصِلُوا الْاَرْحَامَ (۳) وَصَلُّوا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ (۴) تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ .

++++++++++

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ	رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
حضرت عبداللہ بن سلام ﷛	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	انہوں نے کہا
لَمَّا	قَدِمَ النَّبِیُّ	صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةِ
جس وقت	تشریف لائے	آپ ﷺ مدینے میں
جِئْتُ	فَلَمَّا	تَبَیَّنْتُ
تو میں (آپ کی زیارت کے لیے آپ کی خدمت میں) آیا	پس جس وقت	خوب دیکھ لیا میں نے
وَجْهَهٗ	عَرَفْتُ	اَنَّ
آپ ﷺ کے چہرے کو	میں نے پہچان لیا کہ	بے شک
وَجْهَهٗ	لَیْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ	فَكَانَ اَوَّلُ
آپ ﷺ کا چہرہ	جھوٹا چہرہ نہیں ہے	پس پہلی وہ بات
مَاقَالَ	یَااَیُّهَا النَّاسُ	اَفْشُوا السَّلَامَ (۱)
جو آپ ﷺ نے فرمائی تھی (وہ یہ تھی کہ)	اے لوگو!	سلام کو پھیلاؤ

وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ (۲) وَصِلُوا الْاَرْحَامَ (۳) وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ

اور کھانا کھلاؤ اور رشتہ داری کو جوڑو اور راتوں کو نماز پڑھو

وَالنَّاسُ نِيَامٌ (۴) تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

(جس وقت) لوگ سو رہے ہوں داخل ہو جاؤ گے تم جنت میں

(ان چار کاموں کے کرنے کے بعد)

بِسَلَامٍ

سلامتی کے ساتھ (رواه الترمذی وابن ماجه والدارمی)

تشریح:

۱۔ باہمی محبت بڑھانے کا یہ مجرب نسخہ ہے۔

۲۔ صدقہ سے مال میں برکات پیدا ہوتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی رضاء کا ذریعہ ہے۔

۳۔ رشتہ داری کو توڑ سے بچانا ان سے حسن سلوک کرنا محبوب عمل ہے۔

۴۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مانگنے والوں کے لیے عنایات کے اعلان ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور بندگانِ الٰہی راز و نیاز سے اپنی راتوں کو روشن کرنے کے لیے نماز تہجد کا اہتمام کرتے ہیں۔

لغات: تَبَيَّنَتُ تَبَيَّنَ الشَّيْءُ واضح ہونا، ظاہر ہونا، اَفْشُوْا اِفْشَاء، اِفْشَاءُ الشَّيْءِ، پھیلانا، فَشَا (ن) فشو ، فَشْوًا، سِرَّةً، ظاہر کر دینا۔ وَصِلُوْا: وَصَلَ (ض) وَصْلًا، جوڑنا، ملانا، جمع کرنا۔ اَلْاَرْحَامَ: اَلرَّحْمُ والرَّحِمُ بچہ دانی، قرابت، رشتہ داری۔ نِيَامٌ: سونے والا، لیٹنے والا، نَامَ، يَنَامُ سونا، مرنا۔

((............❀❀❀............))

۷۔ جو رب کے ہاں بھیجا وہی باقی ہے

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تعالٰی عَنْھَا اِنَّھُمْ ذَبَحُوْا شَاۃً فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَابَقِیَ مِنْھَا قَالَتْ مَابَقِیَ مِنْھَا اِلَّا کَتِفُھَا قَالَ بَقِیَ کُلُّھَا غَیْرَ کَتِفِھَا.

++++++++++

وَعَنْ عَائِشَةَ	رَضِیَ اللّٰہُ تعالٰی عَنْھَا	اِنَّھُمْ
(حضرت) عائشہ	رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ	انہوں (آپؐ کے گھر والوں) نے
ذَبَحُوْا	شَاۃً	فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ
ذبح کیا	ایک بکری کو	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا
مَابَقِیَ	مِنْھَا	قَالَتْ
کچھ باقی ہے؟	اس (بکری) میں سے	(حضرت عائشہؓ نے) کہا
مَابَقِیَ	مِنْھَا	اِلَّا کَتِفُھَا
نہیں ہے باقی	اس (بکری) میں سے	مگر اس کا کندھا
قَالَ	بَقِیَ	کُلُّھَا
آپ ﷺ نے فرمایا	باقی ہے	سب کا سب (اللہ کے پاس)
غَیْرَ کَتِفِھَا		
سوائے اس کے کندھے کے	(کیونکہ وہ خود کھالیا گیا ہے)	(رواہ الترمذی)

تشریح: فضائل کی کتابیں صدقات کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ پورا پورا گھر رب کی راہ میں خرچ کرنے میں یہی جذبہ کارفرما ہے جو اس حدیث سے مترشح ہو رہا ہے کہ جو رب کی راہ میں دیا یا خیرات کردیا وہ خزانہ آخرت میں جمع ہو رہا ہے۔

لغات: کَتِفِھَا: شانہ، کندھا، جمع کَتِفَۃٌ، اَکْتَافٌ۔

((............❀❀❀............))

۸۔ ہر مرنے والا آرام پالیتا ہے یا آرام دے دیتا ہے

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّهٗ كَانَ یُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مُرَّ عَلَیْهِ بِجِنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِیْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْمُسْتَرِیْحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ فَقَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ یَسْتَرِیْحُ مِنْ نُصُبِ الدُّنْیَا (۱) وَاَذَاهَا اِلٰی رَحْمَةِ اللّٰهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ یَسْتَرِیْحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَّابُ (۲) .

++++++++++

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ	رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ	اَنَّهٗ
حضرت ابوقتادہ	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	بے شک وہ
كَانَ یُحَدِّثُ	اَنَّ	رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ
بیان کرتے تھے	یہ کہ	اللہ کے رسول ﷺ
مُرَّ عَلَیْهِ	بِجِنَازَةٍ	فَقَالَ
کے پاس سے گزرا	ایک جنازہ	پس آپ ﷺ نے فرمایا
مُسْتَرِیْحٌ	اَوْ	مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ
(اس جنازہ والا) آرام پانے والا ہے	یا	اس سے آرام پایا گیا
فَقَالُوْا	یَارَسُوْلَ اللّٰهِ	مَاالْمُسْتَرِیْحُ
پس انہوں نے کہا	اے اللہ کے رسول ﷺ	مستریح
وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ	فَقَالَ	الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ
اور مستراح منہ کیا ہے	پس آپ ﷺ نے فرمایا	مومن بندہ
یَسْتَرِیْحُ	مِنْ نُصُبِ الدُّنْیَا (۱)	وَاَذَاهَا
آرام پاتا ہے	دنیا کی مشکلات سے	اوراس کی تکلیفوں سے

اِلٰی رَحْمَةِ اللّٰهِ	وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ	يَسْتَرِيْحُ
اللہ کی رحمت کی طرف	اور بدکار آدمی	آرام پاتے ہیں
مِنْهُ الْعِبَادُ	وَالْبِلَادُ	وَالشَّجَرُ
اس سے بندے	اور شہر	اور درخت
وَالدَّوَّابُ (۲)		
اور جانور		

(رواہ البخاری ومسلم)

تشریح:

۱۔ مؤمن اعمال کی تکلیف اور لوگوں کی تکالیف سے نجات پا جاتا ہے اور رحمت الٰہی کی آسائشوں میں پہنچ کر جنت کے مزے لوٹتا ہے۔

۲۔ فاسق کی وجہ سے رحمت الٰہی کا نزول رُکا رہتا ہے جس کی وجہ سے دنیا کی ہر چیز تکلیف میں ہوتی ہے اس کے مرنے کے بعد ہر چیز اسکے شر اور نحوست سے آرام میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ اس کے برے اعمال رحمت سے دوری کا ذریعہ ہیں۔

لغات: اَلْمُسْتَرِيْحُ اِسْتَرَاحَ، اِسْتِرَاحَةً آرام پانا، اِلَيْهِ سکون پانا، اسم فاعل مُسْتَرِيْحٌ اور اسم مفعول مُسْتَرَاحٌ ہے۔ اَذَاهَا: (س) اَذَی و اَذَاةً تکلیف پانا۔ اَلدَّوَّابُ: اَلدَّابَّةُ کی جمع ہے، بمعنی ہر رینگنے والا جانور۔

((............❁❁❁............))

۹۔روزہ دار کا رزق جنت میں

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يَتَغَدّٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغِدَاءَ يَا بِلَالُ قَالَ اِنِّيْ صَائِمٌ (۱) يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَاْكُلُ رِزْقَنَا وَفَضْلُ رِزْقِ بِلَالٍ فِي الْجَنَّةِ اَشَعَرْتَ يَا بِلَالُ اِنَّ الصَّائِمَ لَيُسَبِّحُ عِظَامُهُ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ مَا اُكِلَ عِنْدَهُ (۲).

++++++++++

وَعَنْ بُرَيْدَةَ	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
حضرت بریدہ	رضی اللہ عنہ	روایت کرتے ہیں کہ
دَخَلَ	بِلَالٌ	عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ
حاضر ہوئے	بلال رضی اللہ عنہ	اللہ کے رسول ﷺ کے پاس
وَهُوَ	يَتَغَدّٰى	فَقَالَ
جب کہ آپ ﷺ	صبح کا کھانا کھا رہے تھے	پس فرمایا
رَسُوْلُ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	الْغِدَاءَ
اللہ کے رسول	صلی اللہ علیہ وسلم نے	(ہمارے ساتھ) کھانا کھاؤ
يَا بِلَالُ	قَالَ اِنِّيْ صَائِمٌ (۱)	يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
اے بلال	تو (حضرت بلال) نے عرض کیا میں روزہ دار ہوں	اے اللہ کے رسول ﷺ
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ	نَاْكُلُ رِزْقَنَا	
پس آپ ﷺ نے فرمایا	ہم اپنی روزی (اسی دنیا) میں کھا رہے ہیں	
وَفَضْلُ	رِزْقُ بِلَالٍ	فِي الْجَنَّةِ
اور باقی ہے (روزہ کی وجہ سے)	بلال کی روزی	جنت میں

اَشَعَرْتَ	یَا بِلَالُ	اِنَّ الصَّائِمَ
کیا تو جانتا ہے	اے بلال	بے شک روزہ دار کی
لِيُسَبِّحُ عِظَامُهٗ	وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ	مَا اُكِلَ عِنْدَهٗ (۲)
ہڈیاں البتہ تسبیح کرتی ہیں	اور اس کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں فرشتے	جب تک کہ کھانا کھائے کوئی اس کے پاس

(رواه البيهقی)

تشریح:

۱۔ ظاہر ہے یہ نفلی روزہ تھا اگر فرض ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رکھتے۔

۲۔ روزہ دار افطار تک ایک عبادت میں مصروف رہتا ہے اس لیے اس کے اعضاء کو تسبیح پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے جماعت کی نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے نمازی کو پڑھنے کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

لغات: تَغَدّٰی یَتَغَدّٰی(س) غَدًا صبح کا کھانا کھانا، اس کے مقابل میں عشاء آتا ہے شام کا کھانا۔ فَضَلَ: (س۔ک) فَضْلًا، صاحب فضل ہونا، صاحب فضیلت ہونا۔ اَشَعَرْتَ: شَعَرَ (ن۔ک) شَعْرًا و شُعُوْرًا له به۔ جاننا، سمجھنا، محسوس کرنا، عِظَام: جمع عَظْمٌ بمعنی ہڈی۔

((............❀❀❀............))

۱۰۔ بات کرنے کا ایک ادب

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فِيْ دَيْنٍ كَانَ عَلٰى اَبِيْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا (۱) فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا اَنَا كَاَنَّهٗ كَرِهَهَا

++++++++++

وَعَنْ جَابِرٍ	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
حضرت جابر	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	کہتے ہیں کہ

اَتَیۡتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فِیۡ دَیۡنٍ
میں آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قرض (کی ادائیگی) کے بارے میں
کَانَ عَلٰی اَبِیۡ فَدَقَقۡتُ الۡبَابَ فَقَالَ
جو میرے باپ پر تھا پس میں نے دروازہ کھٹکھٹایا پس آپ ﷺ نے فرمایا
مَنۡ ذَا (۱) فَقُلۡتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا، اَنَا
کون ہے؟ پس میں نے عرض کیا ''میں'' پس آپ ﷺ نے فرمایا میں، میں
کَاَنَّہٗ کَرِھَھَا
گویا کہ آپ نے
اسے ناپسند کیا (۲) (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح:

۱۔ معلوم ہوا غیب کا علم صرف اللہ کا خاصہ ہے۔ کیونکہ آپؐ نے دروازے پر آنے والے سے پوچھا کون؟

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخاطب سے بات کرنے کا انداز ایسا ہونا چاہیے کہ وہ متکلم کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لے۔

لغات: فَدَقَقۡتُ دَقَّ (ن) دقا، الباب، کھٹکٹانا۔

((............❀❀❀............))

۱۱۔ طلباء علم کی وجہ سے رزق میں وسعت ہوتی ہے

وَعَنۡ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ کَانَ اَخَوَانِ عَلٰی عَھۡدِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ فَکَانَ اَحَدُھُمَا یَاۡتِیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ (۱) وَالۡاٰخِرُ یَحۡتَرِفُ فَشَکَا الۡمُحۡتَرِفُ اَخَاہُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَعَلَّکَ تُرۡزَقُ بِہٖ (۲)

++++++++++

وَعَنۡ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ
حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

كَانَ اَخَوَانِ	عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ	فَكَانَ
دو بھائی تھے	رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں	پس تھا
اَحَدُهُمَا	يَاْتِي	النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۱)
ان میں سے ایک	آتا	نبی ﷺ کے پاس (دین سیکھنے کے لیے)
وَالْاٰخِرُ	يَحْتَرِفُ	فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ
اور دوسرا (بھائی)	کمائی کرتا تھا	پس شکایت کی اس کمانے والے نے
اَخَاهُ	النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	فَقَالَ
اپنے بھائی کی	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو	پس آپ ﷺ نے فرمایا
لَعَلَّكَ	تُرْزَقُ بِهٖ (۲)	
شاید	رزق دیا جاتا ہے تجھے اس کے ذریعے سے	

(رواہ الترمذی)

تشریح:

۱۔ علم کے حصول کے لیے یہ صاحب دنیاوی کاموں کو چھوڑے ہوئے تھے۔ اور یکسوئی سے پڑھتے تھے۔ اور دوسرا بھائی کام کرتا تھا۔

۲۔ علم کی برکات میں سے یہ بھی ہے کہ طلب علم میں مصروف لوگوں کی خدمت سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

لغات: يَحْتَرِفُ اِحْتَرَفَ پیشہ اختیار کرنا، تلاش کرنا، حیلہ کرنا، کمائی کرنا۔

((............✿✿✿............))

۱۲۔ دوسرے مسلمان کے احترام میں اپنی جگہ چھوڑ دے

وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَھُوَ فِی الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ (۱) فَقَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ فِی الْمَکَانِ سَعَۃً فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰہُ اَخُوْہُ اِنْ یَّتَزَحْزَحَ لَہٗ (۲) ۔

++++++++++

وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ	رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ	قَالَ
حضرت واثلہ بن خطاب	رضی اللہ عنہ نے	روایت کرتے ہوئے کہا
دَخَلَ	رَجُلٌ	اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ
حاضر ہوا	ایک آدمی	رسول اللہ ﷺ کے پاس
وَھُوَ فِی الْمَسْجِدِ	قَاعِدٌ	فَتَزَحْزَحَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ (۱)
جب کہ آپ ﷺ مسجد میں	بیٹھے ہوئے تھے	پس آپ ﷺ اپنی جگہ سے ہٹ گئے اس کے (ادب) کے لیے
فَقَالَ الرَّجُلُ	یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ	اِنَّ
پس کہا اس آدمی نے	اے اللہ کے رسول ﷺ	بے شک
فِی الْمَکَانِ	سَعَۃً	فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ
جگہ میں	کشادگی ہے	پس آپ ﷺ نے (جواب میں) فرمایا
اِنَّ	لِلْمُسْلِمِ	لَحَقًّا
بے شک	ہر مسلمان کے لیے	البتہ یہ ضروری حق ہے کہ
اِذَا رَاٰہُ	اَخُوْہُ	اِنْ
جب دیکھے اس کو	اس کا (مسلمان) بھائی	یہ کہ
یَّتَزَحْزَحَ	لَہٗ (۲)	
اپنی جگہ سے ہٹ جائے	اس (کے ادب) کے لیے	(رواہ البیہقی)

تشریح:

۱۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب انسانوں سے بزرگ ہو کر بھی دوسروں کا ادب فرماتے تھے۔ ہمارے لیے اس میں بہت بڑی نصیحت ہے۔

۲۔ مسلمان کا احترام کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی، بلکہ عمل کر کے بھی دکھایا ہے۔

فَتَزَحْزَحَ: دور ہونا، ہٹنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ. سَعَةً: وَسَعَ (ض۔ح) سَعَةً وُسْعَةً الْمَكَانِ، کشادہ ہونا، گنجائش ہونا۔ قَالَ تَعَالٰی لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ۔

((............❀❀❀............))

۱۴۳۔ کھانے کے تین آداب

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلْمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ(۱) وَكَانَتْ يَدِیْ تَطِيْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ (۲)

++++++++++

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلْمَةَ	رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
عمر بن ابی سلمہ	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	انہوں نے کہا کہ
كُنْتُ غُلَامًا	فِیْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ(۱)	وَكَانَتْ يَدِیْ
میں بچہ تھا	اللہ کے رسول کی گود (پرورش) میں	اور میرا ہاتھ
تَطِيْشُ	فِی الصَّحْفَةِ	فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
گھوم رہا تھا	پیالے میں	پس مجھ سے کہا اللہ کے پیغمبر ﷺ نے
سَمِّ اللّٰهَ	وَكُلْ	بِيَمِيْنِكَ
(کھانے کے شروع میں) نام لے اللہ کا	اور کھا	اپنے دائیں ہاتھ سے

وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ (۲)

اور کھا (اس سے) جو تیرے سامنے ہے (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح:

۱۔ چھوٹے بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلوں میں بلکہ کھانے میں بھی شریک ہوتے تھے۔ اور آپؐ انہیں پیار کے ساتھ ساتھ آداب بھی سکھاتے تھے۔

۲۔ تین آداب کا تذکرہ ہے۔ (۱) اللہ کا نام لے کر شروع کرنا (۲) کھانے والے کا اپنے سامنے سے کھانا (۳) دائیں ہاتھ سے کھانا۔

لغات: غُلَامًا: نوجوان، غلام، مزدور، جمع غِلْمَانٌ غِلْمَةٌ۔ حِجْرِ: الحجر، الحجر گود، عقل، گھوڑی، الحجر، پتھر۔ قَالَ تَعَالٰی حَرَثٌ حِجْرٌ. تَطِيْشُ: طاش (ض) طِيْشَ، گردش کرنا، عقل زائل ہونا۔ صَحْفَةِ: بڑا پیالہ جمع صِحَافٌ. قَالَ تَعَالٰی يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَاَكْوَابٍ. سَمِّ: سَمّٰى يُسَمِّيْ، تَسْمِيَتَه، بسم اللہ کہنا۔ يَلِيْكَ: ولی، ولی، وَلْيًا فلانا، قریب ہونا متصل ہونا۔

((……………❁❁❁……………))

۱۴۔ بسم اللہ نہ پڑھنے والے کے ساتھ شیطان کھاتا ہے

وَعَنْ اُمَيَّةَ بْنِ مَخْشِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَأْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهٖ اِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ (۱) اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ مَعَهٗ فَلَمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ اسْتَقَاءَ مَا فِيْ بَطْنِهٖ (۲)

++++++++++

وَعَنْ اُمَيَّةَ بْنِ مَخْشِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا

كَانَ رَجُلٌ يَأْكُلُ	فَلَمْ يُسَمِّ	حَتّٰى
ایک آدمی کھا رہا تھا	پس اس نے اللہ کا نام نہیں لیا تھا	یہاں تک کہ
لَمْ يَبْقَ	مِنْ طَعَامِهٖ	اِلَّا لُقْمَةٌ
باقی نہیں رہا	اس کے کھانے سے	مگر ایک لقمہ
فَلَمَّا	رَفَعَهَا	اِلٰى فِيْهِ
پس جس وقت	اس نے اپنے (آخری) لقمہ کو اٹھایا	اپنے منہ کی طرف
قَالَ	بِسْمِ اللّٰهِ (۱)	اَوَّلَهٗ
تو اس نے کہا	نام لیتا ہوں میں اللہ کا	(کھانے کے) شروع میں
وَاٰخِرَهٗ	فَضَحِكَ النَّبِيُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ
اور (کھانے کے) آخر میں	پس ہنسے نبی	صلی اللہ علیہ وسلم
ثُمَّ	قَالَ	مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ
پھر	آپ ﷺ نے فرمایا	برابر کھاتا رہا شیطان
مَعَهٗ	فَلَمَّا	ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ
اس کے ساتھ	پس جس وقت	اس نے اللہ کے نام کو یاد کیا
اسْتَقَاءَ	مَا	فِيْ بَطْنِهٖ (۲)
قے کر ڈالا	جو	اس کے پیٹ میں تھا

(رواه ابو داؤد)

تشریح:

۱۔ بسم اللہ کھانے کے شروع میں نہ پڑھ سکیں تو ہمیں حدیث میں مذکورہ دعاء جب بھی یاد آئے پڑھنے کی ہدایت ہے۔

۲۔ شیطان کے ساتھ کھانے کی نحوست سے برکات ختم ہو جاتی ہیں لیکن اللہ کا نام شروع میں لینے کی وجہ سے برکات کا نزول ہوتا ہے۔ اور شیطان ساتھ نہیں کھاتا۔

اس حدیثِ مبارکہ میں شیطان کی قئے حقیقی معنیٰ پر محمول ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ کھانے کی برکات جو شیطان کی وجہ سے رُکی ہوئیں تھیں وہ اس دعا کے پڑھنے سے لوٹ آئیں۔

لغات: لُقْمَةٌ بالضم لُقْمَة یعنی جتنی چیز ایک بار میں نگل سکے جمع لُقَمٌ، اَلْقَمَه لَقَمَه، الطعامَ لقمہ بنانا۔فیہ: منہ، جمع افواہ۔اِسْتِقَاءَ: بہ تکلف قے کرنا، قاء (ض) قَيْئًا اَكَلَهٗ قے کرنا۔

((............⊛⊛⊛............))

۱۵۔ ہر مسلمان کو ثواب کا شوق ہونا چاہیے

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلَّ ثَلٰثَةٍ عَلٰى بَعِيْرٍ فَكَانَ اَبُوْ لُبَابَةَ ﷺ وَعَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ زَمِيْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (١) قَالَ فَكَانَتْ اِذَا جَاءَتْ عُقْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَا نَحْنُ نَمْشِيْ عَنْكَ (٢) قَالَ مَا اَنْتُمَا بِاَقْوٰى مِنِّيْ وَمَا اَنَا بِاَغْنٰى عَنِ الْاَجْرِ مِنْكُمَا.

++++++++++

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
حضرت عبداللہ بن مسعود	رضی اللہ عنہ سے	روایت ہے کہ
كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ	كُلُّ ثَلٰثَةٍ	عَلٰى بَعِيْرٍ
ہم غزوۂ بدر والے دن تھے	ہر تین آدمی	ایک اونٹ پر
فَكَانَ اَبُوْ لُبَابَةَ ﷺ	وَعَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ	زَمِيْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (١)
پس ابولبابہ ﷺ	اور علی بن ابو طالب ﷺ	رسول اللہ کے ساتھ سوار تھے
قَالَ فَكَانَتْ	اِذَا جَاءَتْ	عُقْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ
اس وقت انہوں نے کہا	جب آتی تھی	نبی کریم ﷺ کی باری

قَالَا	نَحْنُ نَمْشِیْ	عَنْكَ (۲)
وہ دونوں کہتے	ہم چلتے ہیں	آپ ﷺ کی طرف سے تو
قَالَ	مَا اَنْتُمَا	بِاَقْوٰی
آپ ؐ نے فرمایا	نہیں ہو تم	زیادہ طاقت ور
مِنِّی	وَمَا	اَنَا
مجھ سے	اور نہیں ہوں	میں
بِاَغْنٰی	عَنِ الْاَجْرِ مِنْكُمَا	
بے پرواہ	تمہاری نسبت ثواب سے	(رواہ فی شرح السنة)

تشریح:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام صحابہؓ سے ملے جلے رہتے تھے، امتیازی شان کی نہ خواہش تھی، نہ پیدا ہونے دیتے تھے۔

۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنی باری کا کام برابر کرتے تھے۔ تاکہ انصاف برقرار رہے۔

۳۔ یعنی تمہاری طرح میں بھی عمل کی زندگی گزار کر اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے دنیا میں موجود ہوں۔ اور ہر عمل میں آگے بڑھنے کا شوق رکھتا ہوں۔

لغات: یَوْمٌ: بمعنی دن، وقت، جمع ایام۔ بَعِیْرٌ: وہ اونٹ جس کی عمر چار سال یا نو سال ہو، جمع بُعْرَانٌ آتی ہے۔ زَمِیْلِیْ: سواری پر پیچھے بیٹھنے والا، ساتھی، ہم جماعت، جمع زُمَلَاءُ۔ عُقْبَةُ: باری، جمع عُقَبٌ، عَاقِبٌ آتی ہے۔

((............۞۞۞............))

۱۶۔ گناہوں سے بچاؤ کا نسخہ

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ (۱) فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ (۲) وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ .

++++++++++

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
عقبہ بن عامر	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ	کہا
لَقِيْتُ	رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ	فَقُلْتُ
میں ملا	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے	میں نے کہا
مَا النَّجَاةُ (۱)	فَقَالَ	اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ (۲)
نجات کس چیز میں ہے	تو آپ نے فرمایا	قابو میں رکھ اپنی زبان
وَلْيَسَعْكَ	بَيْتُكَ	وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ
اور چاہیے کہ کافی ہو جائے	تیرے لیے تیرا گھر	اور اپنے گناہوں پر رویا کر

(رواہ احمد والترمذی)

تشریح:

۱۔ بزرگوں سے نصیحت کروانی چاہیے۔ اس سے علم حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ زبان کی حفاظت۔ لایعنی۔ غیبت۔ بدگوئی غرض بے شمار فتنوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

۳۔ گھر میں یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی بندگی کرے۔ باہر اشد ضرورت کے بغیر نہ نکلے۔

۴۔ گناہوں کو یاد کر کے رونا۔ ندامت کے آنسو بہانا درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

لغات: اَمْلِكْ: (ض) مِلْكًا، مَلْكًا ومِلْكًا الشَّيْءَ، مالک ہونا۔ اِبْكِ بَكٰى (ض) بكاء، رونا۔ خَطِيْئَتِكَ: بمعنی گناہ جمع خَطَايَا، خَطِيءَ، (س) خَطَاءً بمعنی غلطی کرنا۔

((..........۞۞۞..........))

۱۷۔معوذتین کے ذریعہ دم کی تاثیر

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُصَلِّيْ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ فَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ بِنَعْلِهٖ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ مَا تَدَعُ مُصَلِّيًا وَّلَا غَيْرَهٗ اَوْ (قَالَ) نَبِيًّا وَّغَيْرَهٗ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَّمَاءٍ فَجَعَلَهٗ فِيْ اِنَاءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهٗ عَلٰى اِصْبَعِهٖ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَيَمْسَحُهَا وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ .

++++++++++

وَعَنْ عَلِيٍّ	رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ	قَالَ
اور حضرت علی	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ	انہوں نے بیان کیا کہ
بَيْنَا	رَسُوْلُ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اس دوران کہ ہم	اللہ کے پیغمبر	صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے
ذَاتَ لَيْلَةٍ	يُصَلِّيْ	فَوَضَعَ
ایک رات	آپ نماز پڑھ رہے تھے	پس رکھا
يَدَهٗ	عَلَى الْاَرْضِ	فَلَدَغَتْهُ
آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ	زمین پر	پس ڈس لیا اس ہاتھ کو
عَقْرَبٌ	فَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ	بِنَعْلِهٖ
ایک بچھو نے	پس لیا اللہ کے پیغمبر ﷺ نے	اپنا جوتا
فَقَتَلَهَا	فَلَمَّا انْصَرَفَ	قَالَ
اور اسے مار ڈالا	پس جب آپ ﷺ فارغ ہوئے	تو فرمایا
لَعَنَ اللّٰهُ	الْعَقْرَبَ	مَا تَدَعُ
لعنت کرے اللہ	بچھو پر	کہ نہیں چھوڑتا ہے

مُصَلِّيًا	وَّلَا	غَيْرَهٗ
کسی نمازی کو	اور نہ ہی	غیر (نمازی) کو
اَوْ (قَالَ)	نَبِيًّا	وَّغَيْرَهٗ
یا (یوں فرمایا کہ نہیں چھوڑتا وہ کسی)	نبی کو	اور (نہ) کسی دوسرے کو
ثُمَّ دَعَا	بِمِلْحٍ وَّمَاءٍ	فَجَعَلَهٗ
پھر آپ ﷺ نے منگوایا	کچھ نمک اور پانی	پس ڈال دیا اسے
فِيْ اِنَاءٍ	ثُمَّ جَعَلَ	يَصُبُّهٗ
ایک برتن میں	پھر شروع ہوئے	آپ ڈال رہے تھے
عَلٰى اِصْبَعِهٖ	حَيْثُ لَدَغَتْهُ	وَيَمْسَحُهَا
اسے اپنی انگلی پر	جہاں سے اس (بچھو) نے ڈسا تھا	اور اس جگہ پر ہاتھ پھیر رہے تھے

وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ

اور معوذتین (قل اعوذ برب الفلق ـ قل اعوذ برب الناس) پڑھ رہے تھے (رواه البيهقى)

تشریح: کسی ایذاء و تکلیف دینے والے جانور کو مار ڈالنا جائز ہے۔ یہ عمل آپ ﷺ کے فعل سے ثابت ہو گیا۔ اور دوسری خاص بات یہ کہ قرآن کریم کی آیات سے دم کرنا جائز ہے۔ جس تعویذ کی عبارت میں شرکیہ الفاظ ہوں یا بے معنیٰ الفاظ ہوں ان سے تعویز درست نہیں ہے۔

لغات: فَلَدَغَتْهُ لَدَغَ (ف) لَدْغًا وَتَلْدَاغًا بمعنی ڈسنا۔ عَقْرَبٌ: بچھو جمع عَقَارِبُ، گھڑی کی سوئی کو بھی کہتے ہیں۔ فَنَاوَلَهَا مُنَاوَلَةً بمعنی دینا، مگر یہاں مراد لینا ہے۔ نَعْلٌ: جوتا، ہر وہ چیز جس سے قدم کی حفاظت کی جائے۔ مِلْحٌ: نمک، جمع مِلَاحٌ. قَالَ تَعَالٰى هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ۔ يَصُبُّهٗ: صَبَّ (ن) صَبًّا الماء، پانی بہانا، انڈیلنا۔ يَمْسَحُهَا مسح (ف) مَسْحًا يَدَهٗ، ہاتھ پھیرنا۔ يُعَوِّذُهَا: پناہ میں دینا، تعَوَّذَ، اس نے پناہ لی۔

((............❀❀❀............))

۱۸۔ احکامات ظاہر پر لگتے ہیں

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِلٰى اُنَاسٍ مِّنْ جُهَيْنَةَ فَاَتَيْتُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَذَهَبْتُ اَطْعَنُهٗ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُهٗ فَقَتَلْتُهٗ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَقَتَلْتَهٗ وَقَدْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ.....؟

++++++++++

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ	قَالَ	بَعَثَنَا
اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے	انہوں نے کہا کہ	ہمیں بھیجا
رَسُوْلُ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	اِلٰى اُنَاسٍ مِّنْ جُهَيْنَةَ
اللہ کے پیغمبر	صلی اللہ علیہ وسلم نے	(قبیلہ) جہینہ کے لوگوں کی طرف (جہاد کے لیے)
فَاَتَيْتُ	عَلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ	فَذَهَبْتُ اَطْعَنُهٗ
پس میں پہنچا	ان میں سے ایک آدمی کے پاس	پس میں اسے نیزہ مارنے ہی لگا
فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	فَطَعَنْتُهٗ	فَقَتَلْتُهٗ
کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا	پس میں نے اسے نیزہ مار دیا	اور اسے جان سے مار ڈالا
فَجِئْتُ	اِلَى النَّبِيِّ ﷺ	فَاَخْبَرْتُهٗ
پس میں آیا	نبی کریم ﷺ کے پاس	اور میں نے وہ واقعہ بیان کیا
فَقَالَ	اَقَتَلْتَهٗ	وَقَدْ شَهِدَ
پس آپ ﷺ نے فرمایا	آپ نے اسے مار ڈالا؟	جب کہ اس نے گواہی دی
اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	قُلْتُ	يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
لا الہ الا اللہ کی	میں نے کہا	اے اللہ کے پیغمبر ﷺ

اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ
بے شک کیا اس نے یہ (قتل سے) بچنے کے لیے تو آپ ﷺ نے فرمایا
فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ....؟
کیوں نہیں چیر ڈالا تو نے اس کا دل؟ (مشکوٰۃ)

تشریح: ملا علی قاریؒ نے امام نوویؒ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث پاک سے یہ اصول معلوم ہوا کہ احکامات تو ظاہر کے مطابق لگتے ہیں۔ باقی اس کے دل میں کیا حقیقت ہے؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

لغات: اَطْعَنُهٗ: (ن۔ف) طَعْنًا نیزہ مارنا۔ فَهَلَّا: کلمہ تحضیض وتندیم ہے مرکب ہے (هل اور لا سے) حکم۔ اگر ماضی پر داخل ہو تو ترک فعل پر ملامت کے لیے اور اگر مضارع پر داخل ہو تو برانگیختہ کرنے کے لیے آتا ہے۔ شَقَقْتَ: شَقًّا (ن) شَقًّا وَمُشَقَّةً، دشوار ہونا۔

((............❀❀❀............))

۱۹۔ بردباری اور اخلاقِ عظیم کا ایک واقعہ

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَ اِشْتَرُوْا لَهٗ بَعِيْرًا فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ قَالُوْا لَا نَجِدُ اِلَّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ قَالَ اِشْتَرُوْهُ فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَاِنَّ خَيْرَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً

++++++++++

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ
حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا
اَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ
کہ ایک (یہودی) آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے قرض مانگا
فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ
پس (قرض مانگنے میں) اس نے آپ ﷺ پر سختی کی (یہ دیکھ کر) ارادہ کیا

اَصْحَابُهٗ	فَقَالَ	دَعُوْهُ
آپ کے صحابہؓ نے (اسے مارنے یا دھمکانے کا)	تو آپ ﷺ نے فرمایا	اسے چھوڑے رکھو
فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ	مَقَالًا	وَ
پس یقیناً حق والے کے لیے	بولنا (جائز) ہوتا ہے	اور
اِشْتَرُوْا	لَهٗ	بَعِيْرًا
خرید دو	اس (کے قرض کی ادائیگی) کے لیے	ایک اونٹ
فَاَعْطُوْهُ	اِيَّاهُ	قَالُوْا
پس دے دو وہ	اسے	(صحابہ کرامؓ نے) عرض کیا (اپنے پاس)
لَا نَجِدُ	اِلَّا	اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ
نہیں پاتے ہیں ہم	مگر	اس (کے اونٹ) سے زیادہ عمر کا
قَالَ	اِشْتَرُوْهُ	فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ
آپ ﷺ نے فرمایا	(کوئی بات نہیں) اسی کو خرید لو	اور دے دو وہ اسے
فَاِنَّ	خَيْرَكُمْ	اَحْسَنُكُمْ
پس بے شک	تم میں بہتر وہ ہے	(جو) تم میں سے اچھا ہے
قَضَاءً		
(حقوق کی) ادائیگی کے لحاظ سے		(رواھما بخاری)

تشریح: اس حدیث سے کئی امور مستفاد ہوتے ہیں۔

(۱)۔آپ ﷺ کے عظیم اخلاق۔(۲) اشد ضرورت میں ادائیگی کی نیت سے ادھار لینا جائز ہے۔(۳) قرض خواہ قرض مانگنے میں قاضی کے ذریعہ سختی بھی کرسکتا ہے۔(۴) قرض بہتر طریقہ سے یعنی بروقت ادا کرنا چاہیے۔ ہوسکے تو قرض کی ادائیگی کے ساتھ کچھ مزید بھی دے دے۔ یہ اعلیٰ اخلاق کی علامت ہے۔ اس حدیث

مبارکہ سے غصہ پی جانے اور برداشت کا سبق ملتا ہے۔

لغات: تَقَاضٰی اَلدَّیْنَ ،قرض وصول کرنے کی باتیں کرنا، قَضٰی (ض) قَضَاءَ حَاجَةٍ ضرورت پوری کرنا۔ فَاَغْلَظَ: فِی الْقَوْلِ، سخت کلامی سے پیش آنا، غَلَظَ (ن۔ض۔ک) غَلَظًا وَغِلْظَةً موٹا، سخت ہونا۔ هَمَّ: (م) هَمًّا بِالشَّیْءِ ارادہ کرنا۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا. مَقَالًا: قَالَ یَقُوْلُ کہنا، بولنا۔

((............ ❀❀❀ ....))

۲۰۔ کیا نابینا سے بھی پردہ ہے؟

وَعَنْ اُمِّ سَلْمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّهَا کَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَمَیْمُوْنَةُ اِذَا اَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَیْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَیْسَ هُوْ اَعْمٰی ؟ لَا یُبْصِرُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ اَفَعَمْیَا وَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ .

++++++++++

وَعَنْ اُمِّ سَلْمَةَ	رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا	اَنَّهَا کَانَتْ عِنْدَ
حضرت ام سلمہ	رضی اللہ عنہا سے روایت ہے	کہ وہ تھیں
رَسُوْلِ اللّٰهِ	صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ	وَمَیْمُوْنَةُ
اللہ کے رسول	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس	اور (ان کے ساتھ حضرت) میمونہؓ (بھی) تھیں
اِذَا	اَقْبَلَ	ابْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ
جب	اچانک سامنے آگئے	ابن ام مکتومؓ
فَدَخَلَ عَلَیْهِ	فَقَالَ	رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
پس وہ آئے آپ کے پاس	پس فرمایا	اللہ کے پیغمبر ﷺ نے

اِحْتَجِبَا	مِنْهُ	فَقُلْتُ
پردہ کرو تم دونوں	اس سے	پس میں نے کہا
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	اَلَيْسَ	هُوَ اَعْمٰى ؟
اے اللہ کے رسول	کیا نہیں ہے	وہ نابینا؟
لَا يُبْصِرُنَا	فَقَالَ	رَسُوْلُ اللّٰهِ
(جو) ہمیں دیکھتا نہیں	پس فرمایا	اللہ کے پیغمبر
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	اَفَعَمْيَا وَانِ اَنْتُمَا	اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ
صلی اللہ علیہ وسلم نے	کیا تم دونوں بھی نابینی ہو؟	کیا تم دونوں اسے نہیں دیکھ رہیں؟

(رواہ احمد والترمذی وابو داؤد)

تشریح: اس واقعہ سے کئی اسباق ملے۔ (۱) عہد رسالت ﷺ میں پردہ کی پابندی۔ (۲) عورتوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ غیر محرم مرد کو دیکھیں۔ فتنے کا ڈر ہو یا نہ ہو۔

لغات: اَقْبَلَ: متوجہ ہونا، سامنے کرنا۔ اِحْتَجِبَا: چھپنا، پردہ کرنا۔ عَمْيَاوَانِ: عُمْيَاء مفرد ہے عَمِيَ (س) عَمًى، اندھا ہونا۔

((............✿✿✿............))

۲۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی فراست

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ كَانَتِ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا اِبْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ اِحْدٰهُمَا فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ وَقَالَتِ الْاُخْرٰى اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ فَتَحَاكَمَتَا اِلٰى دَاؤُدَ فَقَضٰى بِهٖ لِلْكُبْرٰى فَخَرَجَتَا عَلٰى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاؤُدَ فَاَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ ائْتُوْنِىْ بِالسِّكِّيْنِ اَشُقُّهٗ بَيْنَكُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرٰى لَا تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضٰى لِلصُّغْرٰى .

++++++++++

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ	رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ	عَنِ النَّبِیِّ ﷺ
(حضرت) ابوہریرۃ	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ	(وہ) نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ
قَالَ	كَانَتِ امْرَأَتَانِ	مَعَهُمَا
آپ ﷺ نے فرمایا	کہ دو عورتیں تھیں	ان دونوں کے ساتھ
اِبْنَاهُمَا	جَاءَ	الذِّئْبُ
ان کے بیٹے تھے	آیا	بھیڑیا
فَذَهَبَ	بِابْنِ اِحْدٰهُمَا	فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا
پس لے گیا	ان میں سے کسی ایک کے بیٹے کو	پس کہا اس کی دوسری ساتھی نے
اِنَّمَا	ذَهَبَ	بِابْنِكَ
بے شک	لے گیا وہ (بھیڑیا)	تیرے بیٹے کو
وَقَالَتِ الْاُخْرٰى	اِنَّمَا ذَهَبَ	بِابْنِكَ
اور دوسری نے کہا	بے شک لے گیا وہ (بھیڑیا)	تیرے بیٹے کو
فَتَحَاكَمَتَا	اِلٰى دَاؤُدَ	فَقَضٰى بِهٖ
پس وہ دونوں فیصلہ لے کر گئیں	(حضرت) داؤد علیہما السلام کے پاس	پس فیصلہ کر دیا اس (لڑکے) کا

لِلْكُبْرٰى	فَخَرَجَتَا	عَلٰى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ
بڑی کے حق میں	پس وہ دونوں نکلیں	(اور پہنچیں) سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے پاس
فَاَخْبَرَتَاهُ	فَقَالَ	ائْتُوْنِىْ بِالسِّكِّيْنِ
پس انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا	پس انہوں نے فرمایا	کہ لاؤ میرے پاس چھری (تاکہ)
اَشُقَّهٗ	بَيْنَكُمَا	فَقَالَتِ الصُّغْرٰى
کاٹ (کر آدھا آدھا) کردوں اس کو	تمہارے درمیان	پس چھوٹی نے کہا
لَا تَفْعَلْ	يَرْحَمُكَ اللّٰهُ	هُوَ ابْنُهَا
ایسا نہ کر	اللہ تیرے اوپر رحم کرے	یہ بیٹا تو اسی (بڑی) کا ہے
فَقَضٰى	لِلصُّغْرٰى	

پس فیصلہ فرمایا آپ نے اس (لڑکے) کا چھوٹی کے لیے (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح: اس واقعے میں کچھ معلومات ہوتی ہیں۔ (۱) حضرت سلیمان علیہ السلام بچپن میں ہی گھریلو ماحول کی وجہ سے دینی سمجھ رکھتے تھے۔ (۲) فیصلہ کرنے والے کو نفسیات کا ماہر بھی ہونا چاہیے۔ کیونکہ بعض فیصلے دلائل سے مشکل ہو جاتے ہیں۔

لغات: اَلذِّئْبُ: بھیڑیا، جمع ذِئَاب، ذُؤْبَان، ذَئِبَ (س) ذَأَبًا۔ خباثت میں بھیڑیے کی طرح ہونا۔ صَاحِبَتُهَا: صاحب کی مونث ہے بمعنی ساتھی، سہیلی جمع صَاحِبَات اور صَوَاحِب آتی ہے۔ فَتَحَاكَمَتَا: الی الحاکم، مقدمہ لے جانا، اَلسِّكِّيْن: چھری، جمع سکاکین، السَّكِيْنَة اطمینان، وقار۔ قَالَ تَعَالٰى وَاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا۔

((............❀❀❀............))

۲۲۔ مقام ومرتبہ کے لحاظ کا عملی نمونہ

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَمْشِيْ اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ مَعَهٗ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِرْكَبْ وَتَاَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا ! اَنْتَ اَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ اِلَّا اَنْ تَجْعَلَهٗ لِيْ قَالَ جَعَلْتُهٗ لَكَ فَرَكِبَ .

++++++++++

وَعَنْ بُرَيْدَةَ	رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ	قَالَ
(حضرت) بریدہ	رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے	روایت ہے انہوں نے کہا
بَيْنَمَا	رَسُوْلُ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ
اس دوران کہ	رسول اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم
يَمْشِيْ	اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ	مَعَهٗ حِمَارٌ
پیدل چل رہے تھے	اچانک ایک آدمی آپ کے پاس آیا	اس کے ساتھ (اس کا) ایک گدھا تھا
فَقَالَ	يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	اِرْكَبْ
اس نے عرض کیا	اے اللہ کے رسول ﷺ	(میرے ساتھ) سوار ہو جایئے
وَتَاَخَّرَ الرَّجُلُ	فَقَالَ	رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
اور وہ آدمی پیچھے ہٹ گیا	پس فرمایا	رسول اللہ ﷺ نے
لَا ! اَنْتَ	اَحَقُّ	بِصَدْرِ دَابَّتِكَ
نہیں! (بلکہ) آپ	زیادہ حق دار ہیں	اپنی سواری کے اگلے حصے کے
اِلَّا	اَنْ	تَجْعَلَهٗ
مگر	یہ کہ	(آپ) خاص کر دیں اپنے حصے کو
لِيْ	قَالَ	جَعَلْتُهٗ لَكَ
میرے لیے	اس نے عرض کیا	میں نے اس کو آپ کے لیے خاص کر دیا

فَرَكِبَ
پھر آپؐ سوار ہو گئے

(رواہ الترمذی)

تشریح: چند اسباق جو اس واقعہ سے ملے۔ (۱) حقوق کی رعائت کی اعلیٰ تعلیم۔ (۲) شاگرد ہو یا مرید یا عقیدت مند، بہر حال ان کے حقوق کا لحاظ ضروری ہے۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال انکساری کہ آپ ﷺ نے سواری کے پیچھے بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہ فرمائی۔

لغات: تَاَخَّرَ: پیچھے ہونا۔ صَدْرٌ: سینہ، سامنے کا حصہ، جمع صُدُوْرٌ. تَجْعَلُهُ: جَعَلَ۔ (ف) جَعْلًا بنانا، یہاں مراد صراحت کے ساتھ اجازت دینا۔

((............❁❁❁............))

۲۳۔ مزاحِ نبوی ﷺ کا ایک عجیب واقعہ

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَقَالَ اِنِّيْ حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ؟

++++++++++

وَعَنْ اَنَسٍ	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ	اَنَّ
اور (حضرت) انس	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ	بلاشبہ
رَجُلًا	اِسْتَحْمَلَ	رَسُوْلَ اللّٰهِ
ایک آدمی نے	سواری مانگی	اللہ کے پیغمبر

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	فَقَالَ	اِنِّیْ
صلی اللہ علیہ وسلم سے	تو آپ ؐ نے فرمایا	یقیناً میں
حَامِلُكَ	عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ	فَقَالَ
سوار کراؤں گا تجھے	ایک اونٹنی کے بچے پر	پس کہنے لگا وہ آدمی
مَا اَصْنَعُ	بِوَلَدِ النَّاقَةِ	فَقَالَ
کیا کروں گا میں	اونٹنی کے بچے کا؟	پس فرمایا
رَسُوْلُ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	وَهَلْ
اللہ کے پیغمبر	صلی اللہ علیہ وسلم نے	کیا
تَلِدُ الْاِبِلَ	اِلَّا النُّوْقُ؟	
جنتی ہے اونٹ کو	سوائے اونٹنی کے؟	(رواہ الترمذی و ابو داؤد)

تشریح: واقعہ کے چند اسباق (۱) کسی کی دل شکنی مقصود نہ ہو تو مزاح جائز ہے۔ (۲) اہل علم کو بھی اپنی وضع برقرار رکھتے ہوئے لوگوں سے ہنسی، دل لگی کرنی چاہیے۔ (۳) ہمیشہ مزاح کی حالت میں رہنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ سے کبھی کبھی مزاح کا عمل ملتا ہے۔

لغات: اِسْتَحْمَلَ: اٹھانے کے لیے درخواست کرنا (مراد سواری مانگنا)۔ حَامِلٌ: حَمَلَ (ض) حَمْلاً اٹھانا، لادنا۔ اَلنُّوْقُ: جمع نَاقَةٌ کی نیز اس کی جمع نَاق، اَنْوُقٌ، نَاقَاتٌ، وغیرہ بھی آتی ہے۔

((............❁❁❁............))

۲۴۔ حقیقی نماز، اندازِ گفتگو اور امیدوں کی وابستگی

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ عِظْنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِكَ فَصَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ وَلَا تُكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْذِرُ مِنْہُ غَدًا وَاَجْمِعِ الْاَیَاسَ ! مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ .

++++++++++

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبِ الْاَنْصَارِیْ	رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ	قَالَ
حضرت ابوایوب انصاری	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	انہوں نے کہا
جَاءَ	رَجُلٌ	اِلَی النَّبِیِّ ﷺ
(کہ) آیا	ایک آدمی	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
فَقَالَ	عِظْنِیْ	وَاَوْجِزْ
اور اس نے کہا	مجھے نصیحت فرمایئے	اور مختصر (نصیحت) فرمایئے
فَقَالَ	اِذَا	قُمْتَ
پس آپؐ نے فرمایا	جب	تو کھڑا ہو
فِیْ صَلٰوتِكَ	فَصَلِّ صَلٰوۃَ	مُوَدِّعٍ
اپنی نماز میں	تو ایسی نماز پڑھ	(زندگی کو) الوداع کرنے والے کی (یعنی زندگی کی آخری نماز)
وَلَا تُكَلِّمْ بِكَلَامٍ	تَعْذِرْ	مِنْہُ
اور ایسی بات نہ کر کہ	معافی مانگنی پڑے	اس (کی وجہ) سے تجھے
غَدًا	وَاَجْمِعِ الْاَیَاسَ !	مِمَّا
کل کو	اور ناامید ہو جا!	اس سے جو
فِیْ اَیْدِی النَّاسِ		
لوگوں کے ہاتھوں میں ہے		

(رواہ احمد)

تشریح: حدیث پاک کے چند اسباق یہ ہیں۔

۱۔ اپنے لیے نصیحت کروالینا یا وعظ سن کر یا کتاب پڑھ کر نصیحت حاصل کرنا اچھی بات ہے۔

۲۔ نصیحت مختصر مگر جامع ہو کہ سننے والے اکتا نہ جائیں۔

۳۔ ہر نماز زندگی کی آخری نماز سمجھ کر خشوع وخضوع سے پڑھنی چاہیے۔

۴۔ ہر بات سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ کل کو بندوں میں یا اللہ کے سامنے معذرت کرنی پڑے۔

۵۔ دوسروں کے مال ومتاع پر نظر رکھنا، دل کی مفلسی ہے اس لیے تقدیر پر راضی رہنا اور محنت کرنا چاہیے۔

لغات: عِظْ وَعَظَ(ض) وَعْظًا، وَعِظَةً ، نصیحت کرنا۔ وَدَّعَ تَوْدِیْعًا ، رخصت کرنا، چھوڑنا، اپنی زندگی سے رخصت ہونا۔ صَلٰوۃَ مُوْدِعٍ: یعنی زندگی کی آخری نماز۔ عَذَرَ: (ض) عُذْرًا ،الزام سے بری کرنا،معذرت کرنا۔ اَلْاِیَاسُ: ناامیدی،یَئِسَ(ض) اِیَاسًا مِنْہُ ناامید ہونا۔

((............ ❀❀❀............))

۲۵۔حکمتِ نبوی ﷺ کا ایک واقعہ

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ فِی الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَامَ یَبُوْلُ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مَہْ مَہْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تُزْرِمُوْہُ دَعُوْہُ فَتَرَکُوْہُ حَتّٰی بَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ دَعَاہُ فَقَالَ لَہٗ اِنَّ ھٰذِہِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ بِشَیْءٍ مِنْ ھٰذَا الْبَوْلِ وَالْقَذْرِ وَاِنَّمَا ھِیَ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃِ وَقِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ اَوْ کَمَا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَرَ رَجُلًا مِّنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءٍ فَشَنَّهٗ عَلَيْهِ .

++++++++++

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ
اس دوران کہ ہم مسجد میں
مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اچانک ایک دیہاتی آیا
فَقَامَ يَبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ
اور کھڑا ہوا (اس حال میں کہ) پیشاب کر رہا تھا مسجد میں
فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَهْ مَهْ
پس اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ ؓ نے کہا رک جا! رک جا!
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ
پس اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اس کو مت روکو اسے چھوڑے رکھو
فَتَرَكُوْهُ حَتّٰى بَالَ
پس (صحابہ نے) اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس نے پیشاب کیا
ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ
پھر بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے

دَعَاهُ   فَقَالَ لَهٗ   اِنَّ

اسے بلایا   پس اسے فرمایا   بے شک

هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ   لَا تَصْلُحُ   بِشَیْءٍ مِنْ

یہ مسجدیں   نہیں ہیں لائق   ذرا بھی

هٰذَا الْبَوْلِ   وَالْقَذَرِ   وَاِنَّمَا هِیَ

اس پیشاب کے   اور گندگی کے   بے شک یہ (مسجدیں)

لِذِكْرِ اللّٰهِ   وَالصَّلٰوةِ   وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ

اللہ کی یاد کے لیے   اور نماز کے لیے   اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں

اَوْ   كَمَا   قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

یا   جیسا کہ   اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا

وَاَمَرَ رَجُلًا   مِّنَ الْقَوْمِ   فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءٍ

اور (اس کے بعد) آپ ﷺ   نے قوم کے ایک آدمی کو حکم دیا   پس وہ پانی کا ایک ڈول لے کر آیا

فَشَنَّهٗ عَلَيْهِ

اور اسے اس (پیشاب) پر بہادیا   (رواہ البخاری ومسلم)

تشریح: واقعہ ہذا سے ماخوذ چند مسائل

۱۔ برائی سے روکنے کے لیے حکمت عملی کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

۲۔ آپ ﷺ کے اس عمل میں کئی حکمتیں ہیں۔ (ا) دیہاتی کو فوراً روکتے وہ بھاگتا، مسجد زیادہ خراب ہوتی۔ (ب) بعد میں اسے سمجھانے کا موقع مل گیا اور وہ مان گئے۔

۳۔ اس واقعہ میں مسجد کے آداب کا علم ہوا کہ اسے پاک وصاف رکھا جائے۔

۴۔ زیادہ پانی بہادینے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

لغات: اَعْرَابِیٌ: دیہاتی، بدو، اس کی جمع اَعْرَاب آتی ہے۔ بَالَ: (ن) بَوْلًا، پیشاب کرنا۔ مَهْ: اسم فعل رک جا، ٹھہر جا۔ تَزْرِمُوْهُ: (ض) زَرْمًا کَائِنًا مطلب یہ ہے کہ اس کو پیشاب سے نہ روکو۔ اَلْقَذْرِ: میل کچیل، گندگی، پاخانہ، جمع اَقْذَار آتی ہے۔ دَلْوٌ: ڈول مذکر ومونث دونوں استعمال ہوتا ہے۔ جمع دَلَاءٌ، اَدَلٌّ، دلی، دلی آتی ہے۔ فَشَنَّهُ: شَنَّ (ن) شَنًّا بہانا۔

((............۞۞۞............))

۲۶۔ دربارِ نبوت میں ایک نومسلم وفد کی آمد

وَعَنْ طَلَقِ بْنِ عَلِيٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا وَفْدًا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَاَخْبَرْنَاهُ اَنَّ بِاَرْضِنَا بِيْعَةً لَّنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طُهُوْرِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّاَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهٗ لَنَا فِيْ اَدَاوَةٍ وَاَمَرَنَا فَقَالَ اُخْرُجُوْا فَاِذَا اَتَيْتُمْ اَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوْا بِيْعَتَكُمْ وَانْضِحُوْا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوْهَا مَسْجِدًا قُلْنَا اِنَّ الْبَلَدَ بَعِيْدٌ وَالْحِرُّ شَدِيْدٌ وَالْمَاءُ يَنْشَفُ فَقَالَ مُدُّوْهُ فَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُهٗ اِلَّا طَيِّبًا .

++++++++++

وَعَنْ طَلَقِ بْنِ عَلِيٍ	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
حضرت طلق بن علی	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	انہوں نے کہا کہ
خَرَجْنَا	وَفْدًا	اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ
ہم نکلے	جماعت کی شکل میں	اللہ کے پیغمبر
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	فَبَايَعْنَاهُ	وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف	پس ہم نے آپ سے بیعت کی	اور ہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی
وَاَخْبَرْنَاهُ	اَنَّ	بِاَرْضِنَا بِيْعَةً لَّنَا
اور ہم نے آپ ؐ کو یہ خبر دی کہ	بے شک	ہماری زمین میں ہمارا ایک گرجا ہے

فَاسْتَوْهَبْنَاهُ	مِنْ فَضْلِ طُهُوْرِهٖ	فَدَعَا بِمَاءٍ
پھر ہم نے آپ سے مانگا	آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی	پس آپ نے پانی منگوایا
فَتَوَضَّاءَ	وَتَمَضْمَضَ	ثُمَّ صَبَّهٗ
پھر وضو کیا	اور کلی کی	اور پھر اسے ڈال دیا
لَنَا	فِيْ اَدَاوَةٍ	وَاَمَرَنَا
ہمارے لیے	ایک برتن میں	پھر ہمیں حکم دیا
فَقَالَ	اُخْرُجُوْا	فَاِذَا اَتَيْتُمْ
اور فرمایا	جاؤ!	جب پہنچ جاؤ
اَرْضَكُمْ	فَاكْسِرُوْا	بِيْعَتَكُمْ
اپنی زمین میں	پس توڑ دو!	اپنے گرجا کو
وَانْضِحُوْا	مَكَانَهَا	بِهٰذَا الْمَاءِ
اور چھڑک دو!	اس (گرجا) کی جگہ	اس پانی کو
وَاتَّخِذُوْهَا مَسْجِدًا	قُلْنَا	اِنَّ الْبَلَدَ بَعِيْدٌ
اور وہاں مسجد بنالو!	ہم نے کہا	بے شک (ہمارا) شہر بہت دور ہے
وَالْحِرُّ شَدِيْدٌ	وَالْمَاءُ يَنْشَفُ	فَقَالَ
اور گرمی بہت زیادہ ہے	اور (یہ) پانی خشک ہو جائے گا	تو آپؐ نے فرمایا
مُدُّوْهُ	فَاِنَّهٗ	لَا يَزِيْدُهٗ
بڑھاتے رہو اسے (پانی سے)	پس بے شک وہ (مزید پانی ڈالنا)	نہیں زیادہ کرے گا

اِلَّا طَيِّبًا

مگر (اس کی) پاکیزگی کو (رواہ النسائی)

تشریح: متن حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ جماعت کی شکل میں آنے والے سابقہ عیسائی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد گرجا گرا کر وہاں سے پرانے اثرات ختم کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برکت والا پانی مانگ رہے تھے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ برکت والے (دم کیے ہوئے یا زمزم والے) پانی میں اگر اور ملا دیا جائے تو برکت میں کمی نہیں آتی۔

لغات: وَفْدٌ: جمع وَافد کی، جمع ہو کر چند لوگ کسی کے پاس جائیں اس کی جمع وُفُوْدُ اور اَوْفَادُ بھی آئی ہے، وَفَدَ(ض) وفدا اِلَيْهِ عَلَيْهِ، قاصد بن کر آنا۔ بَايَعْنَاهُ: بیعت کرنا۔ فَضْلِ: زائد، باقی ماندہ۔ بِيْعَةٌ: گرجا گھر یعنی عیسائیوں کا عبادت گھر جمع بِيَعٌ، بِيْعَاة، بیعات آئی ہے۔ قَالَ تَعَالٰی صَوَامِعُ وَبِيَعٌ۔ اِسْتَوْهَبْنَاهُ: طلب کرنا، کی درخواست کرنا۔ اَدَوَاةَ: وضو کا چھوٹا برتن، جمع ادوی آئی ہے۔ نَضَحُوْا: نَضَحَ (ف) نَضْحًا چھڑکنا، پانی ڈالنا۔ يَنْشَفُ: نَشَفَ(س۔ف) نَشْفًا خشک ہونا، پانی کا جذب ہونا۔ مَدَّةً: مد(ن) مُدًّا، بڑھانا، زیادہ کرنا۔

((............✿✿✿............))

۲۷۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے توسط سے ایک قیمتی دعا

وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِيْ مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اِنْ اَضْحٰى وَهِيَ جَالِسَةٌ قَالَ مَازَلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِيْ فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مِرَارٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ الْيَوْمَ لَوَزَنَتْهُنَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ.

++++++++++

وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا	اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ
حضرت جویریہ	رضی اللہ عنہا سے روایت ہے	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
خَرَجَ	مِنْ عِنْدِهَا	بُكْرَةً
(ایک دن) نکلے	ان کے قریب سے	صبح سویرے

حِیْنَ صَلَّی الصُّبْحَ	وَهِیَ	فِیْ مَسْجِدِهَا
جب کہ آپ نے صبح کی نماز پڑھی	اور وہ (حضرت جویریہؓ)	اپنے (گھر کی) مسجد میں تھیں
ثُمَّ	رَجَعَ	بَعْدَ اِنْ اَضْحٰی
پھر	آپ لوٹے	چاشت کے وقت کے بعد
وَهِیَ	جَالِسَةٌ	قَالَ مَازَلْتِ
(اس وقت بھی) وہ (حضرت جویریہؓ)	اسی طرح بیٹھی تھیں	آپ نے (دریافت کرتے ہوئے) فرمایا پہلے کی طرح
عَلَی الْحَالِ	اَلَّتِیْ	فَارَقْتُكِ عَلَیْهَا
اسی حال پر ہے تو	جس پر	میں نے تجھے صبح چھوڑا تھا؟
قَالَتْ	نَعَمْ	قَالَ النَّبِیُّ ﷺ
تو میں نے کہا	جی ہاں (اس وقت سے میں اسی حال میں بیٹھی ہوں)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
لَقَدْ	قُلْتُ	بَعْدَكِ
البتہ تحقیق	میں نے کہے ہیں	تیرے (قریب سے گزرنے کے) بعد
اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ	ثَلٰثَ مِرَارٍ	لَوْ وُزِنَتْ
چار کلمات	تین مرتبہ	اگر وزن کیا جائے (ان کلمات کا)
بِمَا	قُلْتِ الْیَوْمَ	لَوَزَنَتْهُنَّ
ان کے ساتھ	(جو) تو نے پڑھے ہیں آج (تو یہ میرے کلمات)	تو ان پر بھاری ہو جائیں گے (وہ کلمات یہ ہیں)
سُبْحَانَ اللّٰهِ	وَبِحَمْدِهٖ	عَدَدَ خَلْقِهٖ
پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی	اور اس کی تعریف کے ساتھ	برابر اس کی مخلوق

وَرِضَا نَفْسِهٖ | وَزِنَةَ عَرْشِهٖ | وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ
اور برابر اس کی خوشی کے | اور اس کے عرش کے وزن کے برابر | اور اس کے کلمات کی تعداد کے برابر

(النسائی)

تشریح: اس حدیث پاک میں چند کلمات کو پڑھ لینے کا ثواب بہت بڑے وظیفے سے زائد ثواب کے حصول کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسنون اوراد ہی پڑھنے چاہئیں۔

لغات: بُكْرَةً: بمعنی صبح ۔قَالَ تَعَالٰی بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا. مَسْجِدِهَا: عبادت خانہ، جمع مساجد، سَجَدَ (ن) سُجُوْدٌ، عبادت کے لیے اپنی پیشانی زمین پر رکھنا۔ اَضْحٰی: بمعنی چاشت کا وقت، افعال ناقصہ میں سے ہے لیکن یہاں پر فعل تام استعمال ہوا ہے۔ وُزِنَتْ: (ض) وَزْنًا، بمعنی تولنا۔ مِدَادَ: مثال وطریقہ، یہاں پر تعداد کے مطابق مراد ہے۔

((............❀❀❀............))

۲۸۔مقام شہادت اور حقوق العباد

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنِّیْ خَطَايَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَلَمَّا اَدْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ نَعَمْ اِلَّا الدَّيْنَ كَذٰلِكَ قَالَ جِبْرَئِيْلُ.

++++++++++

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ | رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ | قَالَ
اور حضرت ابی قتادہ | رضی اللہ عنہ سے روایت ہے | وہ کہتے ہیں

قَالَ رَجُلٌ | يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ | اَرَاَيْتَ
ایک آدمی نے کہا | اے اللہ کے رسول ﷺ! | کیا خیال ہے آپ ﷺ کا

اِنْ قُتِلْتُ | فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | صَابِرًا مُحْتَسِبًا

اگر میں مارا جاؤں	اللہ کی راہ میں (جنگ کرکے)	بہادری میں اور ثواب کی امید کرتے ہوئے
مُقْبِلًا	غَيْرَ مُدْبِرٍ	يُكَفِّرُ اللّٰهُ
آگے بڑھتے ہوئے	نہ کہ پیچھے ہٹتے ہوئے	(کیا) ختم کردے گا اللہ
عَنِّيْ خَطَايَایَ	فَقَالَ	رَسُوْلُ اللّٰهِ
(مجھ سے) میرے گناہوں کو	پس فرمایا	اللہ کے رسول
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	نَعَمْ	فَلَمَّا
صلی اللہ علیہ وسلم نے	جی ہاں	پس جب
اَدْبَرَ	نَادَاهُ	فَقَالَ
اس نے پیٹھ پھیری	تو آپ ﷺ نے اسے بلایا	پس آپ ﷺ نے فرمایا
نَعَمْ	اِلَّا الدَّيْنَ	كَذٰلِكَ قَالَ
جی ہاں (اس طرح شہادت سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں)	مگر قرض (معاف نہیں ہوتا)	اسی طرح کہا ہے
جِبْرَئِيْلُ		
جبرئیل علیہ السلام نے	(اللہ کی طرف سے)	(رواہ مسلم)

تشریح: یہ واقعہ بڑی وضاحت کے ساتھ حقوق العباد کی اہمیت بتا رہا ہے۔ کہ شہادت ہر گناہ سے پاک کرنے کے باوجود حقوق العباد میں مؤثر نہیں۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ اللہ پاک صاحب حق کو ہی توفیق دے دیں کہ وہ اپنا حق خود معاف کردے۔

لغات: صَابِرًا: صَبَرَ (ض) صَبْرًا، بہادری، دلیری کرنا۔ مُحْتَسِبًا: ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس کام کو کرنا۔ مُقْبِلًا: اَقْبَلَ لَهٗ، متوجہ ہونا، آنا۔ مُدْبِرًا: اَدْبَرَ عَنْهُ، پشت پھیرنا، دَبَّرَ وَتَدَبَّرَ الْاَمْرِ، انجام سوچنا۔ قَالَ تَعَالٰى كَاَنَّهَا جَانٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا. يُكَفِّرُ اللّٰهُ: لَهُ الذَّنْبَ، گناہ کا معاف کرنا۔ اَلدَّيْنَ: قرض، جمع دیون، ادین قَالَ تَعَالٰى تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٌ۔

((............۞۞۞............))

۲۹۔کامیاب زندگی کے رہنما اصول

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فَذَکَرَالْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اَوْصِنِیْ قَالَ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْکَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرٌ لَّکَ فِی السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَّکَ فِی الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْکَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّہٗ مُطَّرِدَۃٌ لِلشَّیْطَانِ وَعَوْنٌ لَّکَ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِکَ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ اِیَّاکَ وَکَثْرَۃَ الضِّحْکِ فَاِنَّہٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیَذْھَبُ بِنُوْرِ الْوَجْہِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لَا تَخَفْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لِیَحْجزَکَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَّفْسِکَ۔

++++++++++

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ	رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ	قَالَ
اور حضرت ابوذر	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	انہوں نے کہا
دَخَلْتُ	عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
کہ میں حاضر ہوا	اللہ کے رسول	ﷺ کے پاس (اس کے بعد)
فَذَکَرَالْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ	اِلٰی اَنْ	قَالَ
ایک لمبی حدیث ذکر کی	یہاں تک کہ	انہوں نے کہا (کہ)
قُلْتُ	یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
میں نے (سوال کرتے ہوئے حضور سے) کہا	اے اللہ کے رسول	صلی اللہ علیہ وسلم
اَوْصِنِیْ	قَالَ	اُوْصِیْکَ
مجھے وصیت فرمایئے	تو آپ ﷺ نے فرمایا	میں وصیت کرتا ہوں تجھے

بِتَقْوَى اللّٰهِ	فَإِنَّهُ	اَزْيَنُ
اللہ سے ڈرنے کی	پس بے شک وہ (اللہ سے ڈرنا)	خوبصورت کرے گا
لِاَمْرِكَ كُلِّهِ	قُلْتُ	زِدْنِي
تیرے ہر عمل کو	میں نے کہا	میرے لیے اور زیادہ (وصیت) فرمایئے
قَالَ	عَلَيْكَ	بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ
آپ نے فرمایا	لازم ہے تجھ پر	قرآن پاک کا پڑھنا
وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ	فَإِنَّهُ	ذِكْرٌ لَّكَ
اور اللہ کو یاد کرنا	پس بے شک یہ (عمل)	تیری یاد کا ذریعہ ہوگا
فِي السَّمَاءِ	وَنُوْرٌ لَّكَ فِي الْاَرْضِ	قُلْتُ
آسمانوں میں	اور تیرے لیے روشنی کا (ذریعہ) ہوگا زمین میں	(پھر) میں نے عرض کیا
زِدْنِي	قَالَ	عَلَيْكَ
میرے لیے اور زیادہ (وصیت) فرمایئے	آپؐ نے فرمایا	لازم ہے تیرے اوپر
بِطُوْلِ الصَّمْتِ	فَإِنَّهُ	مُطْرِدَةٌ لِلشَّيْطَانِ
لمبی خاموشی	پس بے شک یہ (عمل)	شیطان کو بھگانے والا
وَعَوْنٌ	لَّكَ	عَلٰى اَمْرِ دِيْنِكَ
اور مددگار ہوگا	تیرے لیے	تیرے دین کے معاملات میں
قُلْتُ	زِدْنِي	قَالَ
میں نے عرض کیا	میرے لیے اور زیادہ (وصیت) فرمایئے	تو آپؐ نے فرمایا

اِیَّاکَ	وَ کَثْرَۃَ الضِّحْکِ	فَاِنَّہٗ
بچ تو	زیادہ ہنسنے سے	پس بے شک یہ (عمل)
یُمِیْتُ	الْقَلْبَ	وَیَذْھَبُ
ماردیتا ہے	دل کو	اور لے جاتا ہے
بِنُوْرِ الْوَجْہِ	قُلْتُ	زِدْنِیْ
چہرے کے نور کو	میں نے عرض کیا	میرے لیے اور زیادہ (وصیت) فرمایئے
قَالَ	قُلِ الْحَقَّ	وَاِنْ
تو آپ نے فرمایا	سچ بات کہو	اگرچہ
کَانَ مُرًّا	قُلْتُ	زِدْنِیْ
کڑوی ہو	میں نے عرض کیا	میرے لیے اور زیادہ (وصیت فرمایئے)
قَالَ	لَا تَخَفْ	فِی اللّٰہِ
آپؐ نے فرمایا	نہ ڈر	اللہ کے بارے میں
لَوْمَۃَ لَائِمٍ	قُلْتُ	زِدْنِیْ
کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے	میں نے عرض کیا	میرے لیے اور زیادہ (وصیت فرمایئے)
قَالَ	لِیَحْجِزَکَ	عَنِ النَّاسِ
تو آپؐ نے فرمایا	چاہیے کہ روکے رکھے تجھے	لوگوں سے
مَا تَعْلَمُ	مِنْ نَفْسِکَ	
جو تو جانتا ہے	اپنے (عیبوں کے) بارے میں	(مشکوٰۃ)

تشریح: مذکورہ حدیث میں صحابی رسولؐ نے آپ سے بہت اچھے سوالات کیے ہیں جو ہمارے لیے بھی پوری زندگی کے رہنما اصول ہیں۔

(۱)۔تقویٰ: خوفِ خدا سے ہر نیکی آسان، ہر برائی مشکل ہو جاتی ہے۔

(۲)۔ ذِکْرُ اللّٰهِ: ہروقت اللہ کی یاد۔اگرچہ ذکر کے ضمن میں

(۳)۔تلاوَتِ قُرآن: بھی آ گئی ہے۔تاہم خاص طور پر اس کا ذکر علیحدہ کر دیا گیا۔کیونکہ یہ سب سے بڑا ذکر ہے۔

(۴)۔ طُول الصَّمَتِ: خاموشی وہ نعمت ہے جس سے بندے کو اللہ کی نعمتوں میں غور وفکر اور اپنے گناہوں کو یاد کرنے کی دولت ملتی ہے۔

(۵)۔اِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضِحْكِ: زیادہ ہنسنا بڑی بیماری ہے جس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔اور فکرآخرت سے غفلت ہو جاتی ہے۔

(۶)۔ اپنے عیوب پر نظر رکھنے سے استغفار کی توفیق ملتی رہتی ہے جو بہت سی کامیابیوں اور عنایاتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

لغات: اَوْصِنِیْ: اَوْصٰی ،وصیت کرنا،اَوْصٰی اِلَیْهِ وصیت کرنے والا مقرر کرنا۔اَلصَّمْتُ: صَمَتَ (ن) صُمْتًا وَصَمَاتًا ،خاموش رہنا۔مُطْرِدَةٌ: طَرَدَ (ن) طَرْدًا، ہٹانا،دور کرنا۔قَالَ تَعَالٰی مَنْ يَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ. عَوْنٌ: مدد کرنا، مددگار، خادم جمع اَعْوَانٌ.لَوْمَةَ: لَامَ(ن) لَوْمًا ، ملامت کرنا لَائِمٍ ملامت کرنے والا۔لِيَحْجزَ حَجَزَ(ن۔ض) حِجْزًا منع کرنا،حَجزَ عَلَیْهِ الْمَالَ، مال کوروک لینا۔

((............✿✿✿............))

۳۰۔غیبت کی تعریف اور ایک اشکال کا جواب

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَاالْغِيْبَةُ ؟ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ اَفَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ كَانَ

فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ .

++++++++++

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ	رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ	اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ
اور (حضرت) ابو ہریرۃ	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	کہ رسول اللہ ﷺ نے
قَالَ	اَتَدْرُوْنَ	مَا الْغِیْبَةُ ؟
فرمایا	کیا تم جانتے ہو	کہ غیبت کیا ہے؟
قَالُوْا	اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ	اَعْلَمُ
(صحابہؓ) نے کہا	اللہ اور اس کے رسولؐ ہی	زیادہ جانتے ہیں
قَالَ	ذِکْرُكَ	اَخَاكَ
تو آپ نے فرمایا (غیبت ہے)	یاد کرنا تیرا	اپنے بھائی کو
بِمَا	یَکْرَهُ	قِیْلَ
ایسے (الفاظ) کے ساتھ	جو وہ ناپسند سمجھے	کہا گیا (اے اللہ کے رسول)
اَفَرَاَیْتَ	اِنْ کَانَ	فِیْ اَخِیْ
کیا خیال ہے آپ کا	اگر ہو وہ (ناپسند عمل)	میرے بھائی میں
مَا اَقُوْلُ	قَالَ	اِنْ کَانَ
جو میں کہہ رہا ہوں؟	تو آپؐ نے فرمایا	اگر تو ہو وہ (عیب)
فِیْهِ	مَا تَقُوْلُ	فَقَدِ
اس میں	جو تو کہتا ہے	پس تحقیق
اغْتَبْتَهٗ	وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ	فِیْهِ
تو نے اس کی غیبت کی	اور اگر نہ ہو وہ	اس میں
مَا تَقُوْلُ	فَقَدْ	بَهَتَّهٗ
جو تو کہتا ہے	پس تحقیق	تو نے اس پر بہتان باندھا

(رواہ مسلم)

تشریح: چند فوائد جو حدیث پاک سے معلوم ہوئے۔

(۱)۔ غیبت کی تعریف یہ کہ کسی بھی انسان کے متعلق کوئی بھی ایسا لفظ اس کی پیٹھ پیچھے بولا جائے، جو اسے ناپسند ہو۔

(۲)۔ اگر وہ نقص اس میں نہ ہوتو پھر وہ بہتان ہو جائے گا۔

ایک تیسرا ناپسندیدہ بلکہ حرام عمل جو عام طور پر غیبت کی قباحت سے بچنے کے لیے کیا جاتا ہے وہ ہے کسی کے سامنے اس کی برائی کرنا۔

یہ گذشتہ دونوں گناہوں سے بھی خطرناک ہے۔ کیونکہ اس طرح کسی کے سامنے اس کی برائی کرنا صاف دل شکنی ہے۔ اور ایذاء مسلم ہے۔ جو کہ حرام ہے۔

لغات: اَتَدْرُوْنَ: دَرٰی (ض) دِرَایَةً بمعنی جاننا۔ اَلْغِیْبَةُ اِغْتَابَةً، اِغْتِبَابًا، غیبت کرنا۔ بَهَتَّهٗ: بَهَتَ (ف) بَهْتًا وَبُهْتَانًا تہمت لگانا۔ قَالَ تعَالٰی هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ۔

((............ ....))

۳۱۔ صرف خود نیک ہونا کافی نہیں

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَةَ کَذَا وَکَذَا بِاَهْلِهَا قَالَ یَا رَبِّ اِنَّ فِیْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِكَ طَرْفَةَ عَیْنٍ قَالَ اِقْلِبْهَا عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَةً قَطُّ

++++++++++

وَعَنْ جَابِرٍ	رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
اور حضرت جابر	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	انہوں نے کہا
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ	اَوْحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ	اِلٰی جِبْرَئِیْلَ
کہ اللہ کے رسول نے بیان کیا کہ	اللہ نے حکم دیا	جبرائیل علیہ السلام کو
اَنْ	اقْلِبْ	مَدِیْنَةَ
یہ کہ	الٹ دے	ایک شہر کو

كَذَا	وَكَذَا	بِاَهْلِهَا
اس طرح	اور اس طرح	اس میں بسنے والوں کے سمیت
قَالَ	يَا رَبِّ	اِنَّ
پس (جبرئیل) نے عرض کیا	اے میرے پروردگار	بے شک
فِيْهِمْ	عَبْدَكَ فُلَانًا	لَمْ يَعْصِكَ
ان (بستی والوں) میں	آپ کا ایک فلاں بندہ ہے	اس نے آپ کی نافرمانی نہیں کی
طَرْفَةَ عَيْنٍ	قَالَ	اِقْلِبْهَا
آنکھ جھپکنے کے برابر (بھی)	تو (اللہ نے) فرمایا	الٹ دے اس بستی کو
عَلَيْهِ	وَعَلَيْهِمْ	فَاِنَّ
اس (بندے) کے اوپر	اور ان لوگوں پر	پس بے شک
وَجْهَهٗ	لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ	سَاعَةً قَطُّ
اس کا چہرہ	نہیں بدلا میرے متعلق	ایک گھڑی بھی

(رواہ البیہقی)

تشریح: بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو صرف اپنی عبادت پر اکتفاء کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ حدیث بالا میں ایسے ہی ایک عبادت گذار کا حشر بتایا گیا ہے جس کے دل میں ایک لمحہ بھر بھی مخلوقِ خدا کی اپنے رب سے دوری اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا ذرا غم نہیں ہوا۔ اور اپنی نجات کے لیے بہت سی عبادت کرتا رہا۔

لغات: اَوْحٰی: ایحاءُ اللّٰہِ اِلَیْہ، وحی بھیجنا، اِلٰی فُلَانٍ، اشارہ کرنا، چپکے سے بات کہنا۔ اَقْلِبْ: قَلَبَ (ض) قَلْبًا الشَّیْءَ، پب ۔ ینًا (س) الٹے ہونٹوں والا۔ یَعْصِكَ: عَصٰی، یَعْصِیْ (ض) عَصْیًا نافرمانی کرنا، مخالفت کرنا صفت عاص۔ قَالَ تَعَالٰی لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ. طَرْفَةً: آنکھ کا جھپکنا طرفة ملیح بات کرنا۔ لَمْ یَتَمَعَّرْ: وجہ، چہرہ کا رنگ متغیر ہونا، مَعِرَ (س) مِعْرا الشِّعْرِ، بال گر جانا۔

۳۲۔ زہدِ نبوی ﷺ کا ایک واقعہ

وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نَامَ عَلٰی حَصِیْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِیْ جَسَدِہٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍؓ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَکَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَھَا ۔

++++++++++

وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ	رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ	اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ
حضرت ابن مسعود	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	کہ بے شک اللہ کے رسول
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ	نَامَ	عَلٰی حَصِیْرٍ
صلی اللہ علیہ وسلم	سوئے (ہوئے تھے)	ایک چٹائی پر
فَقَامَ	وَقَدْ	اَثَّرَ
پس آپ (سوکر) کھڑے ہوئے	اور تحقیق (چٹائی کے)	نشانات تھے
فِیْ جَسَدِہٖ	فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍؓ	یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ
آپ ﷺ کے جسم پر	پس ابن مسعودؓ نے کہا	اے اللہ کے رسول ﷺ
لَوْ	اَمَرْتَنَا	اَنْ نَبْسُطَ
اگر	آپ ہمیں حکم کریں	یہ کہ (نرم بستر) بچھا دیا کریں ہم
لَکَ	وَنَعْمَلَ	فَقَالَ
آپ کے لیے	اور (اس کا انتظام) ہم کریں	تو آپؐ نے فرمایا
مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا	وَمَا اَنَا وَالدُّنْیَا	اِلَّا کَرَاکِبٍ
کیا کام ہے مجھے دنیا سے	اور نہیں ہے میرا اور دنیا کا (تعلق)	مگر اس سوار کی طرح
اِسْتَظَلَّ	تَحْتَ شَجَرَۃٍ	ثُمَّ
جو سایہ حاصل کرے	ایک درخت کے نیچے	پھر

رَاحَ	وَتَرَكَهَا
شام کے وقت چلا جائے	اور اسے چھوڑ دے

(رواہ الترمذی و ابن ماجه)

لغات: حَصِيْرٌ: چٹائی، بوریا جمع حُصُرٌ حَصْرَاءُ حَصْرَةٌ آتی ہے۔ اَثَرَ: فیہ اثر کرنا۔ اِسْتَظَلَّ: سایہ حاصل کرنا، ظَلَّ (س) ظِلَالَةً: سایہ والا ہونا۔ رَاحَ: (ن) رَوَاحًا شام کے وقت جانا یا مطلق جانا، رَوْحَةً۔ ایک شام۔

((............❀❀❀............))

۳۴۳۔ غلاموں اور ماتحتوں پر ظلم کا انجام

وَعَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِّىْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِىْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ اَللّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ فَقَالَ اَمَا اِنَّكَ لَوْلَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ (قَالَ) لَمَسَّتْكَ النَّارُ.

++++++++++

وَعَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ	رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
حضرت ابو مسعود	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	وہ کہتے ہیں
كُنْتُ اَضْرِبُ	غُلَامًا لِّىْ	فَسَمِعْتُ
میں مار رہا تھا	اپنے غلام کو	تو میں نے سنی
مِنْ خَلْفِىْ	صَوْتًا	اِعْلَمْ
اپنے پیچھے سے	ایک آواز (کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا)	خوب جان لو
اَبَا مَسْعُوْدٍ	اَللّٰهُ اَقْدَرُ	عَلَيْكَ
اے ابو مسعودؓ!	اللہ زیادہ طاقت رکھتا ہے	تجھ پر
مِنْكَ	عَلَيْهِ	فَالْتَفَتُّ
جتنی تو رکھتا ہے	اس (غلام) پر	پس میں پیچھے متوجہ ہوا
فَاِذَا	هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تو اچانک (میں نے دیکھا)	وہ اللہ کے رسول	صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
فَقُلْتُ	يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ
پس میں نے کہا	اے اللہ کے رسول (میرا یہ غلام)	اللہ کے لیے آزاد ہے
فَقَالَ	اَمَا	اِنَّكَ لَوْلَمْ تَفْعَلْ
پس آپؐ نے فرمایا	یاد رکھو!	اگر تو اسے آزاد نہ کرتا
لَلَفَحَتْكَ	النَّارُ	اَوْ
تو جھلسا دیتی تجھے	جہنم کی آگ	یا
(قَالَ)	لَمَسَّتْكَ النَّارُ	
(آپ نے فرمایا)	لگ جاتی تجھے جہنم کی آگ	(رواہ مسلم)

لغات: اَقْدَرُ: بہت قدرت رکھنے والا، قدر (ن۔ض۔س) قَدْرًا، و قُدْرًا۔

((............❀❀❀............))

۳۴۔ ہر نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ ہے

وَعَنِ ابْنِ عَبَاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهُ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَواجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ .

++++++++++

وَعَنِ ابْنِ عَبَاسٍ	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا	قَالَ
حضرت ابن عباس	رضی اللہ عنہما سے روایت ہے	انہوں نے کہا
كُنْتُ	خَلْفَ	رَسُوْلِ اللّٰهِ
کہ میں (سواری پر)	پیچھے تھا	اللہ کے رسول

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	يَوْمًا	فَقَالَ
صلی اللہ علیہ وسلم کے	ایک دن	پس آپ نے فرمایا
يَا غُلَامُ	اِحْفَظِ اللّٰهُ	يَحْفَظْكَ
اے لڑکے	اللہ (کے حکموں) کی حفاظت کرو	وہ تمہاری حفاظت کرے گا
اِحْفَظِ اللّٰهَ	تَجِدْهُ	تُجَاهَكَ
اللہ کو یاد کر	پائے گا تو اسے	ہر مشکل میں اپنے سامنے
وَإِذَا سَأَلْتَ	فَاسْئَلِ اللّٰهَ	وَإِذَا اسْتَعَنْتَ
اور جب تو مانگے	اللہ ہی سے مانگ	اور جب تو مدد چاہے
فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ	وَاعْلَمْ	اَنَّ الْاُمَّةَ
تو اللہ سے مدد لے	اور خوب جان لے کہ	بے شک ساری مخلوق
لَوِ اجْتَمَعَتْ	عَلٰى	اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ
اگر جمع ہو جائے	اس (بات) پر کہ	وہ تجھے کچھ نفع پہنچائیں
لَمْ يَنْفَعُوْكَ	اِلَّا بِشَيْءٍ	قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ
نہیں نفع پہنچا سکتے وہ تجھے	مگر وہ جو	اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا
وَلَوِ اجْتَمَعُوْا	عَلٰى	اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ
اور اگر جمع ہو جائیں وہ	اس پر کہ	وہ تجھے نقصان پہنچائیں کچھ
لَمْ يَضُرُّوْكَ	اِلَّا بِشَيْءٍ	قَدْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكَ
نہیں نقصان پہنچا سکتے وہ تجھے	مگر وہ جو	تحقیق اللہ نے لکھ دیا ہے تیرے اوپر
رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ	وَجُفَّتِ الصُّحُفُ	
قلم اٹھا لیے گئے	اور صحیفے خشک ہو گئے	(رواہ احمد والترمذی)

لغات: تُجَاهَكَ: بمعنی سامنے، مقابل عرب کہتے ہیں۔ اَلْاَقْلَامُ: جمع القلم کی، قلم کا اطلاق نب بنانے کے بعد ہوتا ہے، نب بننے سے پہلے اس کو قَصْبَةٌ اور مَرَاعَةٌ کہتے ہیں۔ جُفَّتِ: جَفَّ (ض) جَفَافًا، جُفُوْفًا خشک ہونا۔ اَلصُّحُفِ: جمع ہے اَلصَّحِيْفَة کی، اس کی دوسری جمع الصحائف بھی آتی ہے لکھا ہوا کاغذ، قَالَ تَعَالٰى صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى. يَا غُلَامُ: غلام کے دو معنی آتے ہیں۔ ایک حقیقی معنی ہیں۔ یعنی غلام، دوسرا چھوٹے بچے کو بھی کہتے ہیں۔ مراد یہاں پر معنی ثانی ہے۔

۳۵۔ سُرخ چڑیا اور چیونٹیوں کی بستی

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَاَيْنَا حُمْرَةً مَّعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتِ الْحُمْرَةُ فَجَعَلَتْ تَفْرِشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا رُدُّوْا! وَلَدَهَا اِلَيْهَا وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا قَالَ مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ؟ فَقُلْنَا نَحْنُ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ.

++++++++++

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ	بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ	عَنْ اَبِيْهِ
اورعبدالرحمٰن	بن عبداللہؓ	اپنے باپ سے
قَالَ	كُنَّا	مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ
(روایت کرتے ہیں)	کہ تھے ہم	اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ
فِيْ سَفَرٍ	فَانْطَلَقَ	لِحَاجَتِهٖ
ایک سفر میں	پس آپؐ تشریف لے گئے	اپنی ضرورت کے لیے
فَرَاَيْنَا	حُمْرَةً	مَّعَهَا
پس (آپ کے بعد) دیکھا ہم نے	ایک سرخ چڑیا کو	اس کے ساتھ
فَرْخَانِ	فَاَخَذْنَا	فَرْخَيْهَا
دو بچے تھے	پس ہم نے پکڑا	چڑیا کے دونوں بچوں کو
فَجَاءَتِ	الْحُمْرَةُ	فَجَعَلَتْ تَفْرِشُ
پس آئی وہ	چڑیا	اور اپنے پر پھیلانے شروع کیے
فَجَاءَ النَّبِيُّ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	فَقَالَ
پس (اس دوران) نبی کریم	صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے	پس آپ ﷺ نے فرمایا

مَنْ فَجَعَ	هٰذِهٖ	بِوَلَدِهَا
کس نے تکلیف پہنچائی ہے	اس (چڑیا) کو؟	اس کے بچوں کی وجہ سے
رُدُّوْا !	وَلَدَهَا	اِلَيْهَا
لوٹادو!	اس کے بچے	اس کی طرف
وَرَاٰى	قَرْيَةَ نَمْلٍ	قَدْ حَرَّقْنَاهَا
اور دیکھا آپؐ نے	چیونٹیوں کی ایک بستی کو	جسے ہم نے جلادیا تھا
قَالَ	مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ ؟	فَقُلْنَا
آپ نے فرمایا	کس نے جلایا ہے انہیں؟	پس ہم نے کہا
نَحْنُ	قَالَ	اِنَّهٗ
ہم نے (جلایا ہے)	آپ نے فرمایا	بے شک بات یہ
لَا يَنْبَغِيْ	اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ	اِلَّا رَبُّ النَّارِ
مناسب نہیں ہے	تکلیف دے (کوئی) آگ کے ساتھ	مگر آگ والا (اللہ)

تشریح: یہ فرمان مبارک ہے اس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا جو جن وانس سے لے کر جانوروں تک کے حقوق لے کر مبعوث ہوئے۔

عرب جانوروں کو ناجائز تکلیف دیتے تھے اس مبارک فرمان نے مسلمانوں نے جانوروں کے خیال رکھنے کو ضروری سمجھا۔

لغات: حُـمْرَةٌ: ایک سرخ رنگ کی چڑیا کا نام ہے جمع حُـمُرٌ آتی ہے۔ فَرْخَانِ: تثنیہ ہے فَرْخٌ کا بمعنی پرندہ کا بچہ اس کی جمع فراخ اور افراخ افرختہ اور فروخ آتی ہے۔ تَفْرُشُ: فَرَشَ وَاَفْرَشَ فُلَانًا بِسَاطًا ، کسی کے لیے بچھونا بچھانا۔ فَجَعَ: (ف) فَجْعًا، مصیبت زدہ بنانا، رنج پہنچانا۔

صرفی تحقیق

اَنْطَلَقَ (واحد مذکر غائب) باب انفعال۔ ثلاثی مزید فیہ با ہمزہ وصل

فَرَأَیْنَا (جمع متکلم، مضارع) باب فتح یفتح۔ ثلاثی مجرد۔
فَرْخَانِ تثنیہ ہے (واحد فَرْخٌ) رُدُّوْا (جمع مذکر حاضر) باب نصر ینصر (ثلاثی مجرد)

((............✿✿✿............))

۳۶۔ فضیلت علم، ایک دلچسپ واقعہ

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوْ (قَالَ) الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ.

++++++++++

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو	رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ	اَنَّ
حضرت عبداللہ بن عمرو	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	بے شک
رَسُوْلَ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	مَرَّ
اللہ کے پیغمبر	صلی اللہ علیہ وسلم	گزرے
بِمَجْلِسَيْنِ	فِيْ مَسْجِدِهٖ	فَقَالَ
دومجلسوں کے پاس سے	اپنی مسجد میں	پس آپ ﷺ نے فرمایا
كِلَاهُمَا	عَلٰى خَيْرٍ	وَاَحَدُهُمَا
دونوں مجلسیں	بھلائی پر ہیں	اوران میں سے ایک
اَفْضَلُ	مِنْ صَاحِبِهٖ	اَمَّا هٰؤُلَاءِ
زیادہ بہتر ہے	دوسری سے	بہر حال یہ لوگ (یہ ایک ذکر کرنے والا گروہ)

فَیَدْعُوْنَ اللّٰہَ	وَیَرْغَبُوْنَ اِلَیْہِ	فَاِنْ
تو اللہ کو پکار رہے ہیں	اور اس کی طرف رغبت کر رہے ہیں	پس اگر
شَاءَ	اَعْطَاھُمْ	وَاِنْ شَاءَ
چاہے اللہ	تو انہیں دے دے	اور اگر چاہے
مَنَعَھُمْ	وَاَمَّا	ھٰؤُلَاءِ
تو نہ دے	اور بہر حال	یہ لوگ
فَیَتَعَلَّمُوْنَ	الْفِقْہَ	اَوْ
وہ علم حاصل کر رہے تھے	دین کی سمجھ کا	یا
(قَالَ)	العِلْمَ	وَیُعَلِّمُوْنَ الْجَاھِلَ
(آپ ﷺ نے فرمایا)	کہ وہ علم (حاصل کر رہے تھے)	وہ سکھا رہے تھے بے علم کو
فَھُمْ	اَفْضَلُ	وَاِنَّمَا
پس وہ ان (پہلی مجلس والوں) سے	زیادہ بہتر ہیں	اور بلاشبہ
بُعِثْتُ	مُعَلِّمًا	ثُمَّ
میں بھیجا گیا ہوں	استاد بنا کر	پھر
جَلَسَ	فِیْھِمْ	
آپ ﷺ بیٹھ گئے	انہی (دوسری مجلس والوں) میں	

تشریح: اس مبارک فرمان میں آپ ﷺ نے اپنے عمل اور اپنے قول سے عالم کی فضیلت کا اظہار فرمایا ہے۔ بلاشبہ علمِ دین کا حصول اور اس کی اشاعت کرنے والا ہزاروں عابدوں سے بہتر ہے۔

لغات: مَجْلِسَیْنِ: تثنیہ ہے مجلس کی بمعنی بیٹھنے کی جگہ، کچہری۔ بُعِثْتُ: (ف) بعثا بمعنی بھیجنا۔ قَالَ تَعَالٰی فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا ۔

((............✿✿✿............))

۳۷۔ ماتحتوں کو سزا دیتے وقت میزانِ قیامت نہ بھولئے

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ جَآءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُنِيْ وَيَعْصُوْنَنِيْ وَاَشْتِمُهُمْ وَاَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ اَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوْكَ وَعِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَّا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ دُوْنَ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَّكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلَ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اَمَا تَقْرَاُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا اَجِدُ لِيْ وَهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِّنْ مُفَارَقَتِهِمْ اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ كُلُّهُمْ اَحْرَارٌ .

++++++++++

وَعَنْ عَائِشَةَ	رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا	قَالَتْ
اور حضرت عائشہ	رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ	انہوں نے کہا
جَآءَ	رَجُلٌ	فَقَعَدَ
کہ آیا	ایک آدمی	پس وہ بیٹھ گیا
بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ	فَقَالَ
اللہ کے پیغمبر	صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے	پس کہا اس نے

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ	اِنَّ	لِیْ
اے اللہ کے رسول!	بے شک	میرے
مَمْلُوْکِیْنَ	یُکَذِّبُوْنَنِیْ	وَیَخُوْنُنِیْ
غلام ہیں	وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں	اور مجھ سے خیانت کرتے ہیں
وَیَعْصُوْنَنِیْ	وَاَشْتِمُھُمْ	وَاَضْرِبُھُمْ
اور میری نافرمانی کرتے ہیں	اور سزا میں ان کو بُرا بھلا کہتا ہوں	اور میں ان کو مارتا ہوں
فَکَیْفَ	اَنَا	مِنْھُمْ
پس کیسے (ہوں آخرت کو)	میں	ان کے متعلق
فَقَالَ	رَسُوْلُ اللّٰہِ	صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
پس فرمایا	اللہ کے پیغمبر	صلی اللہ علیہ وسلم نے
اِذَا	کَانَ	یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ
جب	ہوگا	قیامت کا دن
یُحْسَبُ	مَا	خَانُوْکَ
تو حساب لیا جائے گا	جو	تجھ سے انہوں نے خیانت کی
وَعَصَوْکَ	وَکَذَّبُوْکَ	وَعِقَابُکَ اِیَّاھُمْ
اور جو تیری نافرمانی کی (ہوگی)	اور تجھ سے جو جھوٹ بولے	اور (جو) سزا دی ہوگی تو نے ان کو
فَاِنْ کَانَ	عِقَابُکَ اِیَّاھُمْ	بِقَدْرِ ذُنُوْبِھِمْ
پس اگر ہوگا	تیرا سزا دینا ان کو	ان کے گناہوں کے برابر
کَانَ کَفَافًا	لَّا لَکَ	وَلَا عَلَیْکَ
ہوگی (معاملات میں) برابری	نہ فائدہ ہوگا تیرے لیے	اور نہ نقصان ہوگا تجھے
وَاِنْ کَانَ	عِقَابُکَ اِیَّاھُمْ	دُوْنَ ذُنُوْبِھِمْ
اور اگر ہوگا	تیرا سزا دینا ان کو	ان کے گناہوں سے کم

كَانَ فَضْلًا لَّكَ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ
ہوگی فضیلت تیرے لیے اور اگر ہوگا تیرا سزا دینا ان کو
فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ
ان کے گناہوں سے زیادہ تو بدلہ لیا جائے گا ان کے لیے
مِنْكَ الْفَضْلَ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ
تجھ سے زیادتی کا پھر وہ آدمی دور چلا گیا اور شروع ہو گیا وہ
يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ
چیخنا اور رونا پس فرمایا اس سے اللہ کے پیغمبر
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى
صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہیں پڑھا تم نے اللہ کا کلام
وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ
اور ہم رکھیں گے انصاف کا ترازو قیامت کے دن
فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ
پس نہیں ظلم ہوگا کسی جان پر کچھ بھی اگرچہ ہوگی
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا
ایک رائی کے دانہ کے برابر نیکی ہم آئیں گے اس کے ساتھ
وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ
اور کافی ہیں ہم حساب کے لیے پھر اس آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ
مَا اَجِدُ لِيْ وَهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِّنْ مُفَارَقَتِهِمْ
نہیں پاتا ہوں میں اپنے اور ان کے لیے کوئی بھلائی ان کی جدائی کے (سوا)
اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ كُلُّهُمْ اَحْرَارٌ
میں آپ کو گواہ بناتا ہوں بے شک وہ سارے کے سارے آزاد ہیں

تشریح: اس ارشاد پاک کے ذریعہ ملازمین اور غلاموں کے حقوق اور آقا کی ذمہ داریوں اور احتیاط کو وضاحت سے بتایا گیا ہے۔کہ ہر ایک حساب کے دن کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے معاملات مخلوقِ خدا سے صاف رکھے۔

لغات: مَمْلُوْكِيْنَ: بمعنی غلام، جمع مَمَالِيْكُ ۔يَخُوْنُوْنَنِيْ: خَانَ (ن) خونا وخيانة ومخانة، امانت میں خیانت کرنا۔يَعْصُوْنَنِيْ عصى (ض) عِصْيًا ومَعْصِيَةً، نافرمانی کرنا، مخالفت کرنا۔اَشْتِمُهُمْ: شَتَمَ (ن۔ض) شَتْمًا، گالی دینا۔كَفَافًا: حاجت کے مطابق گزرنے کے لائق ہونا۔ اُقْتُصَّ: مِنْ فُلَان، قصاص لینا، روایت نقل کرنا۔ فَتَنَحّٰى: تَنَحّٰى، زائل ہونا جھکنا، کنارے ہوجانا۔يَهْتِفُ: هَتَفَ (ض) هَتْفًا وهتافا، چلا کر بلانا، آواز کرنا۔اَلْمَوَازِيْنَ: جمع میزان کی ہے بمعنی ترازو، وَزَنَ (ض) وزنا، وزنة وزن کرنا، تولنا۔اَلْقِسْطَ: عدل، انصاف۔مِثْقَالَ: وزن، مقدار، جمع مثاقیل۔ خَرْدَلٍ: واحد خَرْدَلَةٌ آتی ہے بمعنی رائی۔

((............❀❀❀............))

۳۸۔ ہر کام سنتِ نبوی ﷺ کے تابع ہونا چاہیے

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ جَآءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخِرُ اَمَا اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخِرُ اَمَا اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخِرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِم فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّي لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ

وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ .

++++++++++

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ

اور (حضرت) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا

جَآءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ

آئے تین آدمی نبی ﷺ کی بیویوں کے پاس

یَسْاَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ

پوچھنے لگے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی کے بارے میں

فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ

پس جب انہیں خبر دی گئی اس (عبادت) کے بارے میں گویا انہوں نے

تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ

اسے کم خیال کیا پھر انہوں نے کہا کہاں ہیں ہم؟

مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور تحقیق بخش دیئے اللہ نے

مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ

جو اگلے ہو چکے ان کے گناہ اور جو پچھلے ہوں گے

فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا

پھر کہا ان میں سے ایک نے بہر حال میں نماز پڑھوں گا ساری رات

وَقَالَ الْاٰخِرُ اَمَا اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ

اور کہا (ان میں سے) دوسرے نے بہر حال میں روزہ رکھوں گا سارا دن ہمیشہ اور نہیں چھوڑوں گا

وَقَالَ الْاٰخِرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا

اور کہا (ان میں سے) تیسرے نے میں چھوڑ دوں گا عورتوں کو پھر نہیں نکاح کروں گا کبھی بھی

فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْھِم
پھر (اس دوران) آ گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف
فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا
پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم ہو وہ جنھوں نے کہا ایسے اور ایسے
اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّی لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ
قسم ہے خدا کی بے شک میں (تمہاری بنسبت) زیادہ ڈرنے والا ہوں اللہ سے اور زیادہ پرہیز گار ہوں تم سے
لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ
اس (اللہ کی خوشی) کے لیے لیکن میں روزہ (بھی) رکھتا ہوں
وَاُفْطِرَ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ
اور کبھی چھوڑ بھی دیتا ہوں اور (کبھی راتوں کو) نماز پڑھتا ہوں اور (کبھی) سو (بھی) جاتا ہوں
وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ
اور میں نکاح (بھی) کرتا ہوں عورتوں سے پس جو منہ موڑے میری سنت سے
فَلَیْسَ مِنِّیْ
پس نہیں ہے وہ مجھ سے

تشریح: حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تلازم میں یہ فرمان پاک نہایت اہم ہے۔ اس واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعمال کا ذکر فرما کر رہبانیت اور آج کل کے جاہل صوفیوں کے باطل خیالات کی تردید کی ہے۔ کہ عبادت وہ ہے جو سنت سے ثابت ہو۔

لغات: رَهْطٌ: آدمی کی قوم اور قبیلہ میں تین سے دس تک کا گروہ جس میں کوئی عورت نہ ہو اس لفظ کا کوئی واحد نہیں ہے۔ تَقَالُّوْهَا: تَقَالُ الشَّیْءِ، کم سمجھنا، قَلَّ (ض) قَلًّا وقِلًّا قِلَّةً، کم ہونا۔ اِعْتِزَالُ عَنْهُ، الگ ہونا، جدا ہونا، لَاَخْشَاكُمْ: بہت ڈرنے والا، خَشِیَ (س) خَشْیَةً، ڈرنا۔ اَتْقَاكُمْ اَتْقٰی، بہت بچنے والا، وَقٰی (ض) وِقَایَةً، بچانا، حفاظت کرنا۔ اَرْقُدُ: رَقَدَ (ن) رَقْدًا، رُقُوْدًا، رِقَادًا سونا، مَرْقَدٌ، سونے کی جگہ، رَغِبَ: رَغِبَ (س) رَغْبَةً عَنْهُ، اعراض کرنا۔

((............✿✿✿............))

۳۹۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اثر انگیز وصیتیں

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ کَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ کَانَ عَبْدًا حَبْشِیًّا فَاِنَّهٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرَی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَکُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .

++++++++++

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	کہتے ہیں

صَلّٰی بِنَا	رَسُوْلُ اللّٰهِ	صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ
کہ ہمیں نماز پڑھائی	اللہ کے پیغمبر	صلی اللہ علیہ وسلم نے

ذَاتَ يَوْمٍ	ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا	بِوَجْهِهٖ
ایک دن	پھر متوجہ ہوئے ہماری طرف	اپنے چہرے کے ساتھ
فَوَعَظَنَا	مَوْعِظَةً	ذَرَفَتْ
پھر ہمیں نصیحت کی	ایسی واضح نصیحت	کہ بہہ پڑیں
مِنْهَا الْعُيُوْنُ	وَوَجِلَتْ	مِنْهَا الْقُلُوْبُ
اس سے (ہماری) آنکھیں	اور خوف زدہ ہو گئے	اس سے دل
فَقَالَ رَجُلٌ	يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ
پھر ایک آدمی نے کہا	اے اللہ کے رسول!	صلی اللہ علیہ وسلم
كَأَنَّ هٰذِهٖ	مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ	فَاَوْصِنَا
گویا یہ	الوداعی نصیحت ہے	پس ہمیں وصیت فرمایئے
فَقَالَ	اُوْصِيْكُمْ	بِتَقْوَى
پھر آپ ﷺ نے فرمایا	میں وصیت کرتا ہوں تمہیں	ڈرنے کی
اللّٰهِ	وَالسَّمْعِ	وَالطَّاعَةِ
اللہ سے	اور سننے کی	اور (امیر کی بات) ماننے کی
وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا	فَاِنَّهٗ	مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِیْ
اگر چہ ہو وہ (امیر) حبشی غلام	بات یہ ہے کہ	جو زندہ رہے گا تم میں سے میرے بعد
فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا	فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِیْ	وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ
پس دیکھے گا وہ (آپس میں) زیادہ اختلاف	لازم ہے تم پر میری سنت	اور خلفاء راشدینؓ جو ہدایت والے ہیں ان کی سنت
تَمَسَّكُوْا	بِهَا	وَعَضُّوْا
پکڑ لو مضبوط	(ان کی) سنت کو	اور دبا لو
عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ	وَاِيَّاكُمْ	وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ

اسے دانتوں کے ساتھ   اور بچو تم   نئے نئے کاموں سے

فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ   وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

پس بے شک ہر نئی بات بدعت ہے   اور ہر بدعت گمراہی ہے

تشریح: اس حدیث شریف میں چند امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۔ تقویٰ: یہ پورے دین کی بنیاد ہے

۲۔ اطاعتِ امیر: دینی اور دنیاوی امور میں امیر کی اطاعت کامیابی کا ذریعہ ہے۔ استاد کی فرمانبرداری پر امیر کی اطاعت کا ثواب ملتا ہے۔

۳۔ فتنوں کے زمانے میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کے لیے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کا حکم ہے۔

۴۔ ہر بدعت خواہ حسنہ ہو یا سیئہ بہر حال گمراہی ہے۔

لغات: ذَرَفَتْ: (ض) ذَرْفًا، ذَرِيْفًا الدَّمْعَ، بہنا۔ وَجِلَ: (س) وَجَلًا بمعنی ڈرنا۔ قَالَ تَعَالٰى لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ. مُوَدِّعٍ: اسم فاعل وَدَّعَ تَوْدِيْعًا، رخصت کرنا۔ تَمَسَّكُوْا: مضبوطی سے پکڑنا۔ عَضُّوْا: (س) عَضًّا، دانت سے پکڑنا، دانت سے کاٹنا۔ اَلنَّوَاجِذُ: جمع ہے نَاجِذٌ کی بمعنی داڑھ، نَجَذَ (ض) نَجْذًا ڈاڑھوں سے کاٹنا۔ مُحْدَثَاتٌ: جمع ہے مُحْدَثَةٌ کی بمعنی نئی بات حَدَثَ (ن) حُدُوْثًا، نو پیدا ہونا۔

((............۞۞۞............))

۴۰۔ اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا حق اللہ پر

وَعَنْ مَعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ عَلٰى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ اِلَّا مُؤَخَّرَةَ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مَعَاذُ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ

اَنَّ لَّا یُعَذِّبَ مَنْ لَّا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَیَتَّکِلُوْا ۔

++++++++++

وَعَنْ مُعَاذٍ	رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ	قَالَ
حضرت معاذ	رضی اللہ عنہ سے روایت ہے	کہتے ہیں
کُنْتُ رِدْفَ النَّبِیِّ	صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ	عَلٰی حِمَارٍ
کہ میں بیٹھا تھا (نبی کی سواری) کے پیچھے	صلی اللہ علیہ وسلم	ایک گدھے پر کہ
لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ	اِلَّا مُؤَخَّرَةَ الرَّحْلِ	فَقَالَ
نہیں تھی میرے اور ان کے درمیان	مگر ایک کجاوے کی لکڑی	پس آپ ﷺ نے فرمایا
یَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِیْ	مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰی عِبَادِهٖ	وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰهِ
اے معاذ کیا تو جانتا ہے	اللہ کے حقوق بندوں پر کیا ہیں	اور بندوں کے حقوق اللہ پر کیا ہیں؟
قُلْتُ	اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ	قَالَ
میں نے کہا	اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں	آپ ﷺ نے فرمایا
فَاِنَّ	حَقَّ اللّٰهِ	عَلَی الْعِبَادِ
پس بے شک	اللہ کے حقوق	بندوں پر
اَنْ یَّعْبُدُوْهُ	وَلَا یُشْرِکُوْا	بِهٖ شَیْئًا
یہ ہیں کہ بندگی کریں اس کی	اور نہ شریک کریں	کسی کو اس کے ساتھ
وَحَقُّ الْعِبَادِ	عَلَی اللّٰهِ	اَنَّ لَّا یُعَذِّبَ
اور بندوں کے حقوق	اللہ پر (یہ ہیں)	کہ نہ عذاب دے
مَنْ	لَّا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا	قُلْتُ
جو	اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے	میں نے کہا
یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	اَفَلَا اُبَشِّرُ	بِهٖ
اے اللہ کے رسول	کیا میں نہ خوش خبری دوں	اس کی

النَّاسَ	قَالَ	لَا تُبَشِّرْهُمْ
لوگوں کو	آپ ﷺ نے فرمایا	نہ خوش خبری دو تم انہیں
فَيَتَّكِلُوْا		

وہ اسی پر بھروسہ کرلیں گے (اور اعمال سے غافل ہوجائیں گے)

تشریح: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا انداز بیان ظاہر کر رہا ہے کہ آپ ﷺ کے قرب میں انہیں ایک خاص مقام حاصل تھا۔

ا۔ اور انہیں یہ حدیث بہت ہی قریب سے سننے کا شرف حاصل ہے۔ اس حدیث سے یہ اسباق ملے۔

۲۔ شرک بڑی روحانی بیماری ہے۔ اس سے بچنا ہم پر لازم ہے۔

۳۔ توحید کے اقرار اور صرف اللہ کی بندگی پر نجات ہو سکتی ہے۔

لغات: رِدْفٌ: پیچھے سوار ہونے والا۔ مُؤَخَّرَةٌ: الرحل، کجاوہ کا پچھلا حصہ۔ لَا يُشْرِكُوْا: اَشْرَكَهُ فِيْ اَمْرِهٖ، کام میں شریک ہونا۔ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ شریک ٹھہرانا، شرک کرنا۔ اُبَشِّرُ: بَشَّرَهُ، خوش کرنا، خوش خبری دینا۔ قَالَ تَعَالٰى فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحَاقَ. فَيَتَّكِلُوْا: اِتَّكَلَ عَلَى اللّٰهِ، بھروسہ کرنا، مطیع وفرمانبردار ہونا۔ اِتَّكَلَ فِيْ اَمْرِهٖ عَلٰى فُلَانٍ، اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا، وَكَلَ (ض) وَكْلًا، سپرد کرنا۔ قَالَ تَعَالٰى حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

((............ ❀❀❀ ....))

آج بروز اتوار ۲ شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ کو بعد نماز عشاء اس خدمت سے فراغت ملی۔ بارگاہ خداوندی کے دربار میں قبولیت کی دست بستہ درخواست ہے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

والسلام محمد اسلم زاہد

کتاب "زادالطالبین" سے متعلق

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے دس سالہ سوالات

ملاحظہ: اختصار کی غرض سے سوالات میں تکرار ختم کیا گیا ہے۔

الورقة الثانية فی الحديث ١٤٢٤ھ

السوال الاول (الف) ...... من حسن اسلام المرء ترکه مالا يعنيه. ان السعيد لمن جنب الفتن. ولا ورع كالكف. المؤمن مراة المؤمن و المؤمن أخو المؤمن يكف عنه ضيعته و يحوطه من ورائه.

(١) احادیث مذکورہ کا ترجمہ مطلب کے ساتھ تحریر کیجئے (٢) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تشریح کیجئے۔

(ب) الكيس من دان نفسه، وعمل لما بعد الموت. والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله. الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة. ان الدين بدأ غريبا وسيعود كما بدأ فطوبى للغرباء، وهم الذين يصلحون ما أفسد الناس من بعدي من سنتي.

(١) احادیث کا ترجمہ اور مطلب واضح کر کے لکھیے (٢) اور خط کشیدہ کلمات کے معانی بتائیے۔

السوال الثاني (الف) ...... وقال النبي صلى الله عليه وسلم: يوشك الامم ان تداعى عليكم كما تداعى الا كلة الى قصعتها، فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذ: قال: بل انتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل، ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم، وليقذفنّ في قلوبكم الوهن، قال قائل: يارسول الله، ما الوهن؟ قال حبّ الدنيا وكراهية الموت.

(حدیث بالا کا ترجمہ کر کے مطلب بیان کریں (٢) اور خط کشیدہ کلمات کے صیغے تحریر کریں۔

(ب) ...... وقال النبي صلى الله عليه وسلم: صنفان من اهل النار لم ارهما: قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤسهن كاسنمة البخت المائلة، لايدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وان ريحها لتوجد من مسيرة كذا و كذا.

(١) حدیث پر اعراب لگائیں۔ (٢) حدیث شریف کا ترجمہ کر کے واضح تشریح کیجیے۔

الورقة في الحديث (ضمنی ١٤٢٤ھ)

السوال الاول (الف) الوحدة خير من جليس السوء، والجليس الصالح خير من الوحدة، واملاء الخير خير من السكوت، والسكوت خير من املاء الشر، اول من يدعى الى الجنة يوم القيمة الذين يحمدون الله في السراء والضراء.

احادیث مذکورہ پر اعراب لگا کر ترجمہ اور مطلب بیان کریں؟

......(ب) انك لست بخير من احمر ولا اسود الا ان تفضله بتقوى، ان الله لا ينظر الى

صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔

اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجیے اور یہ بتلائیے کہ "احمر اور اسود" سے کیا مراد ہے؟

....السؤال الثانی (الف)

السفر قطعة من العذاب یمنع احدکم نومه وطعامه وشرابه فاذا قضی احدکم نهمتة من وجهه فلیعجل الی اهله۔

حدیث کا ترجمہ اور مطلب بیان کیجئے؟

(ب)قال النبی ﷺ وهو سید الصادقین لایزال من امتی امة قائمة بامر الله لایضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتی یاتی امر الله وهم علی ذلک۔

حدیث کا با محاورہ ترجمہ کر کے امرُ اللّٰہ (اول) اور امرُ اللّٰہ (دوم) کی مراد واضح کیجیے؟

الورقة الثانية فی الحدیث ۱٤۲۳ھ

... السوال الاول (الف) الاثم ماحاک فی صدرک وکرهت ان یطلع علیه الناس' حبک الشی یعمی ویصم' من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه' لاصرورة فی الاسلام' ان من القول عیالا۔

(۱)احادیث مذکورہ کا ترجمہ وتشریح کیجئے (۲)خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق کیجیے۔

(ب)لاتظهر الشماتة لاخیک فیرحمه الله ویبتلیک' لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی' لیس منامن ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاهلیة۔

(۱)احادیث مذکورہ کا ترجمہ وتشریح ذکر کریں (۲)خط کشیدہ الفاظ کے معانی لکھیں۔

... السوال الثانی (الف) قال النبی صلی الله علیه وسلم لیاتین علی الناس زمان لایبقی احد الااکل الربوا فان لم یاکله اصابه من بخاره ' وقال النبی صلی الله علیه وسلم یتقارب الزمان ویقبض العلم وتظهر الفتن ویلقی الشح ویکثر الهرج قالوا ومالهرج قال القتل۔

(۱)احادیث پر اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجیے؟ خط کشیدہ عبارات کا مطلب واضح کیجئے۔

ملاحظہ: اس سوال کا (جز ب) ۱۴۱۹ھ کے سوال ثانی (جز ب) کے عنوان کے تحت آرہا ہے۔

الورقة الثانية فی الحدیث ۱٤۲۲ھ

السوال الاول (الف) نوٹ: یہ سوال ۱۴۲۴ھ (السوال الثانی جز ب میں) جو گزر چکا۔

..... ب . عن ابی قتادةؓ انه کان یحدث ان رسول الله ﷺ مرعلیه بجنازة فقال مستریح اومستراح منه فقالوا یارسول الله ﷺ ماالمستریح والمستراح منه فقال العبد المؤمن یستریح من نصب الدنیا واذاها الیٰ رحمة الله والعبد الفاجر یستریح منه العباد والبلاد والشجر والدواب. ترجمہ اور مطلب، تلخیص اور پوری حدیث پر اعراب لگائیں۔

السوال الثانی (الف)(۱) درج ذیل حدیث پر اعراب لگائیں (۲)اور سلیس ترجمہ (۳)اورتشریح لکھیں۔

عن ام سلمةؓ انها کانت عندرسول الله ﷺ ومیمونةؓ اذاقبل ابن ام مکتومؓ فدخل علیه فقال

رسول الله ﷺ احتجبامنه فقلت یارسول الله الیس هواعمیٰ لایبصرنا فقال رسول الله ﷺ افعمیاوان انتما الستما تبصرانه .

(ب) ذیل کی حدیث میں خط کشیدہ الفاظ کی صرفی تحقیق کریں اور حدیث کا ترجمہ اور مطلب لکھیں؟

عن عبدالرحمن بن عبدالله عن ابیہؓ قال کنامع رسول الله ﷺ فی سفر فانطلق لحاجته فرأینا حمرة معها فرخان فاخذنا فرخیها فجاء ت الحمره فجعلت تفرش فجاء النبی ﷺ فقال من فجع هذه بولدها ردوا ولدها الیهاوراٰی قریة نمل قدحرقناها فقال من حرق هذه فقلنا نحن قال انه لاینبغی ان یعذب بالنار رالارب النار.

الورقة الثانية فی الحدیث ۱۴۲۱ھ

...... السوال الاول (الف) القرآن حجة لک اوعلیک' رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد' لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق' ان لکل امة فتنة وفتنة امتی المال.

(۱) احادیث مبارکہ پر اعراب لگا کر ترجمہ وتشریح کیجیے (۲) آخری حدیث کی نحوی ترکیب کیجیے۔

...... (ب) مطل الغنی ظلم' السکوت خیر من املاء الشر' لاحسب کحسن الخلق' انزلو الناس منازلهم' لاتنزع الرحمة الامن شقی' ان السعید لمن جنب الفتن.

(۱) احادیث مذکورہ پر اعراب لگا کر سلیس ترجمہ کریں (۲) احادیث کی مختصر تشریح ذکر کریں (۳) آخری حدیث کی ترکیب کریں؟

... السوال الثانی (الف) المؤمن غرّ کریم والفاجر خبّ لئیم ' الجرس مزامیر الشیطان' ان المستشار مؤتمن 'ان الولد مبخلة ومجبنة ان لکل شئ شرة ولکل شرة فترة .

(۱) احادیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ اور تشریح کریں (۲) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق ذکر کریں؟

نوٹ: اس سوال کا جزء ب ۱۴۲۳ھ کے سوال ثانی کے جزء الف کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے ملاحظہ کرلیا جائے۔

الورقة الثانية فی الحدیث ۱۴۲۰ھ

... السوال الاول (الف) لاخیر فیمن لایالف ولایولف' الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنی علی الله، لاحلیم الاذوعثرة' ولاورع کالکف.

ترجمہ' مطلب' اور ترکیب لکھیں؟ پوری عبارت پر اعراب لگائیں۔

...... (ب) لاتتخذوا شیئا فیه الروح غرضا' لاتظهر الشماتة لاخیک فیرحمه الله ویبتلیک' لیس المومن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش البذی' من عزی ثکلی کسی بردافی الجنة

ترجمہ' مطلب اور ترکیب لکھیں' پوری عبارت پر اعراب لگائیں۔

... السوال الثانی (الف) ان الله لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العبادولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذالم یبق عالما اتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا.

ترجمہ اور مطلب لکھیں اور پوری حدیث پر اعراب لگائیں۔
ملاحظہ: اس سوال کا (جزء ب) ۱۴۲۲ھ کے سوال اوّل کے (جزء ب) کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیا جائے۔

الورقة الثانية فی الحديث ١٤١٩ھ

...... السوال الاول (الف) ان يسير الرياء شرک 'ان المستشا مؤتمن' ان السعيد لمن جنب الفتن 'ان لكل امة فتنة و فتنة امتی المال'

(۱) احادیث مذکورہ کا سلیس ترجمہ (۲) مختصر تشریح مطلوب ہے (۳) نیز خط کشیدہ الفاظ پر اعراب لگائیں۔
ب جز کے لیے ۱۴۱۷ھ کا (جزء ب) ملاحظہ فرمائیں۔

...... السوال الثانی (الف) قال النبیﷺ انه سيكون فی اخر هذه الامة قوم لهم مثل أجر أولهم يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكرو يقاتلون أهل الفتن 'وقال النبی ﷺ لياتين على الناس زمان لاينفع فيه الاالدنيارو الد رهم.

حدیث کا ترجمہ و تشریح کر کے بتائیں کہ حدیث بالا میں مال کی تعریف کیوں کی گئی جبکہ دیگر احادیث میں کثرت سے مال کی مذمت مذکور ہے۔

...... (ب) عن عبدالله بن عمروؓ قال رجعنا مع رسول اللهﷺ من مكة الى المدينة حتى اذا كنا بماء فی الطريق تعجل قوم عندالعصر فتوضاواوهم عجال فانتهينا اليهم واعقابهم تلوح فقال رسول الله ﷺ ويل للاعقاب من النار أسبغوا الوضوء .

(۱) حدیث کا ترجمہ و تشریح کریں (۲) صرف عقب کے لیے عذاب کا ذکر کیوں ہے (۳) اسباغ وضو سے کیا مراد ہے؟ (۴) نیز خط کشیدہ الفاظ کے ابواب ذکر کریں۔ (۵) حدیث پر اعراب لگائیں۔

الورقة الثانية فی الحديث ١٤١٨ھ

...... السوال الاول (الف) المجالس بالأمانة 'الحياء شعبة من الايمان 'القرآن حجة لک اوعليک' الاقتصاد فی النفقة نصف المعيشة' مطل الغنی ظلم' من حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه ،

(۱) مندرجہ بالا احادیث کا سلیس ترجمہ کریں (۲) مختصر تشریح لکھیں (۳) خط کشیدہ الفاظ کی ترکیب لکھیں۔

...... (ب) لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق ' لايلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين ' لاتسبوا لأموات فانهم قد أفضوا الى ماقدموا 'لاتجلس بين رجلين الا باذنهما' من تواضع لله رفعه الله'

احادیث مندرجہ بالا کا ترجمہ لکھیں اور مختصر تشریح بھی کریں۔

...... السوال الثانی (الف) قال النبیﷺ يذهب الصالحون الأول فالأول وتبقى حفالة كحفالة الشعير أوالتمرلايباليهم الله بالة،قال النبی ﷺ: لاتقوم الساعة حتى يكون أسعد

الناس لكع ابن لكع'

احادیث کا سلیس ترجمہ اور مختصر تشریح کریں کہ مطلب واضح ہو جائے۔

...... (ب)عن عائشة رضی الله عنها أنهم ذبحوا شاة فقال النبی ﷺ مابقی منها؟قالت: مابقی منها الا كتفها 'قال' بقی كلها غير كتفها' عن جابرؓ قال اتيت النبی ﷺ فی دين كان علی ابی فدققت الباب' فقال من ذا؟فقلت: أنا فقال أنا أنا كأنه كرهها.

مندرجہ بالا احادیث کا سلیس ترجمہ مختصر تشریح کے ساتھ لکھیں۔

الورقة الثانية فی الحديث ١٤١٧هـ

ملاحظہ:اس سوال کا (جزءالف)۱۴۲۱ھ کے سوال اول کے (جزءالف) کے عنوان کے تحت لکھا جا چکا ہے۔

...... السوال الاول (ب)

ليؤذن لكم خياركم 'لأتاذنوا لمن لم يبدأ بالسلام'لاتنتفوا الشيب فانه نورا لمسلم 'ازهد فی الدنيا يحبک الله وازهد فيما عندالناس يحبک الناس

احادیث مذکورہ کا سلیس ترجمہ کر کے خط کشیدہ الفاظ پر اعراب لگائیں۔

ملاحظہ:سوال ثانی کے (جزءالف) کے لیے۱۴۲۰ھ کا سوال ثانی (جزءالف) دیکھ لیں۔

(ب)وقال النبی ﷺ خير الناس قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يجيیء قوم تسبق شهادة احدهم يمينه ويمينه شهادته

(۱) حدیث بالا کا مطلب خیز ترجمہ کیجیے (۲) خط کشیدہ عبارت کا مطلب واضح کیجیے۔

الورقة الثانية فی الحديث ١٤١٦هـ

...... السوال الاول(الف) ان الصدقة لتطفئی غضب الرب وتدفع ميتة السوء'ان اولی الناس بالله من بدأ بالسلام' كفی بالمرء كذبا ان يحدث بكل ماسمع

(۱)احادیث بالا کا ترجمہ کرنے کے بعد (۲)مقصد واضح کیجیے (۳)خط کشیدہ الفاظ کے صیغے بتائیے۔

(ب)نعم الرجل الفقيه فی الدين ان احتيج اليه نفع وان استغنی عنه اغنی نفسه، بئس العبد المحتكران ارخص الله الاسعار حزن وان اغلاها فرح.

(۱) مذکورہ احادیث کا مطلب خیز ترجمہ کیجیے؟ (۲) اعراب لگا کر (۳) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق کیجیے۔

...... السوال الثانی (الف) من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فان الملائكة تتاذی مما يتأذی منه الانس

(۱) حدیث مبارکہ پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے (۲) ''الشجرة المنتنة '' سے کیا مراد ہے؟

اس سوال کا (جزء ب) ۱۴۱۷ھ کے سوال ثانی (جزء ب) کے ذیل میں لکھا جا چکا ہے۔

☆☆......❀❀❀......☆☆

حدیثِ دردِ دل

(مجلہ "المآثر" اور ماہنامہ ضیاء الاسلام (والاسلام) کے اداریوں کا مجموعہ)

مؤلف
مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڑھ، یوپی

مرتب
مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

ناشر
مکتبہ ضیاء الکتب
مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)
Pin : 276121, Mobile : 9235327676

حدیثِ دردِ دل

(مجلّہ ''المآثر'' اور ماہنامہ ضیاءالاسلام (والااسلام) کے اداریوں کا مجموعہ)

مولف

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

(صدرالمدرسین مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڈھ، یوپی)

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب

مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی)

پن کوڈ: 276121 (موبائل: 9235327576)

تفصیلات

نام کتاب............ حدیث درد دل (اداریوں کا مجموعہ)

مولف .... مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

مرتب .... ضیاء الحق خیر آبادی

باہتمام .... // // //

صفحات 584

قیمت 300/روپئے

سنہ طباعت............ مارچ ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

مجلّہ ''الماٰثر'' مئو کے اداریئے

ماہنامہ ’’الاسلام وضیاء الاسلام‘‘ کے اداریئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدائے دل

’’میری عین خواہش اور دعا یہی رہی ہے کہ تم لوگ سچے طالب علم بن کر حصول علم میں کوشاں رہو، علم صرف ذہانت وذکاوت ہی سے نہیں ملتا ممکن ہے دنیا کا علم اسی طرح حاصل ہوتا ہو لیکن جس کو میں علم کہتا ہوں اس کا حساب وکتاب اور ہے، یہ ضرور ہے کہ ذہانت ممدومعاون ہے، اس سے راہِ علم میں سلوک کی سہولت ہوتی ہے، تاہم اس کی حیثیت اَساسی اور بنیادی نہیں ہے، دین کا علم زیادہ تر خلوص نیت، عزم وعمل اور مسلسل محنت وکاوش سے حاصل ہوتا ہے، ہم نے بہت سے ذہین دیکھے ہیں جو درمیان میں گر پڑ کے ختم ہوگئے، وہ نہ تو اپنے علم سے خود فائدہ اٹھا سکے، اور نہ ہی دوسروں کو کچھ دے سکے، اور بہت سے غبی، کند ذہن جن کو حصول علم کے زمانہ میں اساتذہ کے نزدیک بالکل وقعت حاصل نہ تھی، وہ اپنے اپنے دور کے شمس العلماء بنے۔

آج ضرورت بہت زیادہ ذہین علماء کی نہیں، ایسوں کی ضرورت ہے جن کے پاس علم کے ساتھ فراست ایمانی بھی ہو، اور یہ فراست حاصل ہوگی تصحیح نیت سے۔ میرے عزیزو! مجھے اس وقت سخت تکلیف ہوتی ہے جب میں سنتا ہوں کہ عربی پڑھنے والا طالب علم کسی سرکاری ملازمت کے لئے جدوجہد کررہا ہے، یا وہاں چلا گیا ہے، میرے نزدیک یہ چیز غلط نہیں ہے، بلکہ میں اس کو محمود سمجھوں اگر یہ اس نیت سے کیا جائے کہ سرکاری اداروں میں ہمیں دین کی خدمت کے جو مواقع میسر ہوں گے ان سے دریغ نہ کریں گے، بلکہ سچے دین کی سچی خدمت میں مصروفِ کار رہیں گے۔ پھر یہی کام ذخیرۂ آخرت بن جائے گا مگر تم جاننے والوں کے احوال کو پرکھو، جانچو، دیکھو کتنوں کی نیت یہ رہتی ہے اور کتنے اس قسم کا اقدام کرتے ہیں، تو کیا ایک مسلمان ذی علم کے سامنے حصولِ زر کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے، کیا وہ اسی لئے علم دین حاصل کررہا ہے کہ اس کے عوض میں معمولی متاع دنیا خریدے گا، اگر یہی ہے تو پھر اس میں اور علمائے یہود میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے، جن کی مذمت قرآن میں تم پڑھ چکے ہو۔ اِشتروا بآیات اللہ ثمناً قلیلاً

درحقیقت یہ اس دور کا ایک بڑا المیہ ہے کہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں زمانے کی باگ ڈور ہونی چاہئے تھی وہ مذہب کی قبا تار تار کرکے اس کی دھجیاں فروخت کررہے ہیں۔

فوا أسفاہ دل جلتا ہے، طبیعت سلگتی ہے لیکن کون جانے دل کا حال!

میرے عزیزو! یہ سچ ہے کہ معاش کا بحران انسان کو بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار رہا ہے، ہر شخص پیٹ کا نعرہ لگا رہا ہے، معاشرہ حصولِ معاش کی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان اس طرح پس رہا ہے کہ اس کو اپنے دین وایمان کا ہوش ہی باقی نہ رہا، یہ مسئلہ اگر صرف ان تک محدود ہوتا جو خدا کی لامحدود قوت پر ایمان نہیں رکھتے تو چنداں قابل تعجب نہ ہوتا کہ ان کا دستورِ فطرت یہی ہے، لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اس آتش سوزاں میں وہ لوگ بھی دھڑ ادھڑ اپنا خرمن ایمان ویقین پھینک پھینک کر جلا رہے ہیں جن کو خدا کی عظیم قوتوں پر بھروسہ کا دعویٰ ہے۔ اس مصیبت کو کس سے کہوں کہ گھر کا سرمایہ لٹ رہا ہے، تجوریوں پر ڈاکہ پڑ رہا ہے، جائیداد برباد ہو رہی ہے اور ہم برتنوں، سوئی دھاگوں کی حفاظت کی فکر کر رہے ہیں، یہ کس درجہ غم واندوہ کی بات ہے، یہ تو یقین ہے کہ جو اللہ طوفان کے ہیجان خیز تھپیڑوں میں سے ایک شیر خوار بچے کو نکال لے جانے والا ہے وہ اپنے ملت ومذہب کو بچالے گا، مگر سوچو ہمارا تمہارا کیا حشر ہوگا، کس کو ہم منہ دکھا سکیں گے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حصول علم سے نیت وعزم محض خدمت دین ہونی چاہئے یقین کا سرمایہ ساتھ رکھو، حطامِ دنیا تو جوتیوں میں آکر پڑا رہے گا، تم لوگ جس علاقے کے رہنے والے ہو جہاں تک میرا اندازہ ہے اس میں خالص مجاہد قسم کے علماء کی حاجت ہے اور تم لوگ ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہو، اس لئے ہر قسم کی دنیاوی آلائش سے پاک ہو کر تحصیل علم کی ضرورت ہے، میری بڑی تمنا یہ ہے کہ میں اپنے شاگردوں کو دین پر قربان ہوتا ہوا دیکھوں، اس سلسلے میں ہر طرح کی مدد وتعاون کے لئے تیار ہوں، انشاء اللہ آخر دم تک تم لوگ مجھے اپنا رفیق پاؤ گے۔

عزیزانِ من! کیا بتاؤں امیدوں کے سہارا آج کے نوجوان طلباء ہی ہیں، لیکن جگر کٹ کر ٹکڑے ہو جاتا ہے جب ان کا رُخ دین مصطفیٰ سے پھرا ہوا دیکھتا ہوں، امید ہے کہ تم لوگ میرے درد کو سمجھو گے۔'' (حدیث دوستاں ص: ۲۴۴)

ہر انسان کا عموماً اور ہر مسلمان کا خصوصاً فرضِ اولین ہے کہ وہ اپنے مالک ومعبود اور خالق ومربی کی رضا اور خوشنودی کے لئے کوشاں رہے، عشاق اپنے محبوب کے لئے جان کی بازی لگا دینا آسان سمجھتے ہیں، خدا کی رضا کے لئے اگر جان کی بازی لگائی جائے تو عین مناسب ہے کہ ہر مسلمان نے کلمۂ توحید پڑھ کر خدا سے عہد وفا باندھا ہے کہ خدایا! ہم آپ کی اطاعت کریں گے، اور طالب علم نے تو مدرسہ میں داخل ہو کر اور وراثت نبوی کو حاصل کرنے کی نیت کر کے اس عہد وپیمان کی تجدید کی ہے، اسے تو ہر وقت اپنا یہ عہد وپیمان مستحضر رکھنا چاہئے، اس کی کوتاہی عجب نہیں کہ ناقابل معافی جرم بن جائے، ہر وقت دیکھ

بھال رکھنی ضروری ہے، ہمارے مورثِ اعلیٰ سید الموجودات سرور کائنات فخر بنی آدم سیدنا ومولانا حضرت محمد رسول اللہ فداہ ابی وامی وروحی وقلبی علیہ الف الف تحیۃ وصلوۃ ہیں، آپ ہمارے روحانی باپ ہیں، جن کا ترکہ حاصل کرنا ہے، پھر

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو پھر پسر قابل میراثِ پدر کیونکر ہو

اگر ان سے ہماری نسبت اور ہمارا رشتہ منقطع ہوگیا تو یقیناً ہم ترکہ پانے سے محروم رہیں گے۔ دیکھو وارث اور مورث کے دین میں تباین ہو، یا وارث نے مورث کو قتل کردیا ہو تو وہ اپنے حق سے محروم کردیا جاتا ہے، بس یوں ہی سمجھ لو کہ حضرت رسول مقبول ﷺ کا دین اور طریقہ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی کا حصول ہے، اگر ہم نے اپنا مذہب نافرمانی بنالیا یا کم ازکم فرمانبرداری کی لگن سے ہم خالی ہوگئے تو طریقہ بدل گیا، یا اگر ہم نے آپ کی سنتوں اور طریقوں کو ترک کرنا اپنا دستور بنالیا یا کم ازکم ان کا اہتمام باقی نہیں رکھا تو ہم ....معاذ اللہ سو بار اللہ کی پناہ! أعاذنا اللہ منہ وسائر المسلمین ....آپ کی لائی ہوئی شریعت کے قاتل ثابت ہوں گے، سوچو کیسی محرومی کی بات ہے، کیا اس کے بعد بھی آپ کا ترکہ ہمیں ملے گا۔

دیکھو یہ سطریں لکھتے ہوئے میرا دل کانپ گیا، بے اختیار آنکھیں ڈبڈبا گئیں، کیا ہم نے اپنے آپ کو اس سطح پر اتارلیا ہے، جہاں ہم کو اس طرح خطاب کیا جائے؟ اللہ سے توفیق مانگو، استعاذہ کرو، اللھم نسألک علماً نافعاً ورزقاً طیباً وعملاً متقبلاً ونعوذبک من علم لا ینفع وقلبٍ لایخشع ومن دعوۃٍ لا یستجاب لھا (اے اللہ! ہم آپ سے سوال کرتے ہیں علم نافع کا، رزق پاکیزہ کا، عمل مقبول کا اور ہم آپ کی پناہ میں آتے ہیں ایسے علم سے جو نافع نہ ہو، ایسے قلب سے جو خشوع سے خالی ہو، اور ایسی دعا سے جو قبولیت سے محروم ہو) (حدیث دوستاں ص: ۳۰۷)

اخلاص وللہیت اور دردوسوز میں ڈوبے ہوئے یہ کلمات وحروف آپ نے ملاحظہ فرمالئے! یہ اس استاذ ومربی کی صدائے دردِ دل ہے، جو اپنے تلامذہ ومتعلقین کے بارے میں چاہتا ہے کہ وہ اللہ کے مخلص بندے، رسول کے سچے امتی، شریعت الٰہی کے علمبردار اور دین متین کے صحیح حامل وپاسدار بنیں، اسی کے لئے اس نے اپنی زندگی تج دی، اسی محنت وکوشش میں وہ جوانی سے کہولت اور اب بڑھاپے کی سرحد کی داخل ہورہا ہے۔ جس کے دل میں یہ تڑپ اور تقاضا ہمہ وقت موج زن رہتا ہے کہ ''اہل ایمان اپنے نفس، اپنی طبیعت اور

اپنے گردوپیش کے مختلف تقاضوں کو فنا کر کے، ان سے منہ موڑ کر محض اللہ ورسول کی اطاعت ووابستگی کے لئے یکسو ہو جائیں۔ زندگی کا مرکز ومحور صرف وہ ہو جس کی دعوت اللہ کے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، اس کے خلاف جتنی راہیں ہیں، سب سے قطعی اجتناب کیا جائے۔"

یہ ہیں میرے محسن ومشفق اور باکمال استاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی، جنھوں نے انشاوتحریر، وعظ وتقریراور درس وتدریس کے ذریعہ اللہ ورسول کے پیغام کو عام کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کردی۔ میں تقریباً ۲۰؍سال سے مسلسل مولانا کے ساتھ..... سفر وحضر میں..... رہا ہوں، اس لئے پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات لکھ رہا ہوں۔ میں نے ہدایۃ النحو سے جلالین شریف تک تمام کتابیں مولانا ہی سے پڑھی ہیں، میں نے دیکھا کہ تعلیم کے ساتھ تربیتی پہلو پر بھی مولانا کی نظر بہت زیادہ رہتی تھی، اس انداز سے تربیت فرماتے کہ اللہ ورسول اور شعائر دین کی محبت وعظمت قلب ودماغ میں راسخ ہو جائے، کبھی کبھی اسباق میں کسی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام اور بزرگان دین کا ذکر خیر نکل آتا تو اس وقت آپ کی محویت قابل دید ہوتی، پوری گھنٹی تذکیر وموعظت میں تمام ہو جاتی، اس وقت آپ فرماتے کہ میں تم لوگوں کو دین پڑھا رہوں، چنانچہ شوق علم کے ساتھ عملی پہلو بھی اطمینان بخش تھا، دوسروں کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے اس سے بے حد نفع پہونچا، ان کے فیض صحبت سے مزاج میں دینداری، عبادات پر استقامت، اللہ کی ذات پر یقین وتوکل کی کیفیت، اخلاق حسنہ کا حصول، گرچہ ناتمام ہی سہی! یک گونہ حاصل ہو گیا، مولانا کے عمل کو دیکھ کر دنیا کی بے حقیقتی ایک بدیہی چیز بن گئی، ان کے نزدیک دنیا کی کوئی وقعت نہیں تھی، چنانچہ بڑے سے بڑا دنیاوی نقصان ہو جائے یا کوئی کام حسب منشاء نہ ہو سکا تو اس کا کوئی اثر طبیعت پر نہیں دیکھا، فرماتے کہ اللہ کی مرضی یہی تھی، اور دنیا اتنی اہم شئے نہیں ہے کہ اس کے لئے دل دماغ کو اتنا مشغول کر دیا جائے کہ انسان اسی کا ہو کر رہ جائے، اس اندازِ تربیت کی وجہ سے تعلیم کا عملی پہلو کبھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا۔

مولانا کی تحریر وتقریر سے مجھے جو دینی نفع ہوا، اس کی وجہ سے زمانۂ طالب علمی ہی سے میرے دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ مولانا کے پیغام کو عام کرنے کے لئے جو بھی ممکنہ کوشش وکاوش مجھ سے ہوسکے گی اس سے دریغ نہ کروں گا، تاکہ متلاشیانِ حق اس کی روشنی میں بآسانی اپنی منزلوں تک رسائی حاصل کریں، اور اپنے افعال وکردار کو سنت وشریعت کے سانچے ڈھال سکیں۔ اگر اس سے کسی ایک شخص کی دینی زندگی سنور گئی تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت وکاوش ٹھکانے لگ گئی۔ چنانچہ میں نے اسی قت سے آپ کی ایک ایک تحریر کو حرزِ جاں بنا کر رکھا، اور اپنی تمام چیزوں سے زیادہ اس کی حفاظت کی، اور جب بتوفیق الٰہی اس کی اشاعت کے مواقع میسر آئے تو اب یہ تمام تحریریں شائع ہوکر منظر عام پر آ گئیں۔

اب تک تقریباً ۲۵ ر کتابیں اور رسائل منظر عام پر آ چکے ہیں، اور اس سلسلے کی یہ آخری کڑی ہے، اب میرے پاس قدیم تحریروں کا کوئی ذخیرہ موجود نہیں، ایک دو کتابیں زیر تالیف ہیں، جب ان کی تکمیل ہوجائے گی تو وہ منظر عام پر آئیں گی، انشاءاللہ

یہ کتاب مولانا کے ان اداریوں کا انتخاب ہے، جو مجلّہ ''المآثر'' مئو، ماہنامہ انوار العلوم جہانا گنج اور ماہنامہ الاسلام وضیاء الاسلام شیخو پور کے لئے لکھے گئے۔ جو اداریے کسی خاص موضوع پر لکھے گئے تھے وہ کتابی شکل میں پہلے شائع ہوگئے ہیں، جیسے مدارس سے متعلق اداریے ''مدارس اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں'' میں۔ وفیات سے متعلق اداریے ''کھوئے ہوؤں کی جستجو۔۔۔'' میں۔ اس کے علاوہ بعض اداریے الگ سے رسائل کی صورت میں شائع ہوئے، جیسے ''اہل حق واہل باطل کی شناخت'' ''مالی معاملات کی کمزوریاں'' اور ''فتنوں کی طغیانی'' وغیرہ۔

خدا کرے دیگر تحریروں کی طرح اس کا نفع بھی عام اور تام ہو۔

ضیاءالحق خیرآبادی

۲۴ ر ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

۱۷ ر فروری ۲۰۱۲ء جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

میں طبعاً مدرّس اور معلّم ہوں، مطالعۂ کتب میرا شوق ہے، طلبہ کو پڑھانا میرا ذوق ہے، اطاعت وسپردگی میری طبیعت ہے، ذکرِ الٰہی میری غذا ہے، فکرِ آخرت میری سوچ ہے۔ طبیعت اسی رنگ میں ڈھلی ہوئی ہے، اس دائرے میں قرطاس وقلم کا کوئی خانہ نہیں ہے، سچ پوچھئے تو تحریر وانشاء سے مجھے مناسبت کم ہے، یا شاید نہیں ہے، نہ لکھوں تو لکھنے کا کوئی تقاضا نہیں ہوتا۔ لکھتا ہوں تو طبیعت میں روانی نہیں ہوتی، بس وہ جذبۂ اطاعت ہے جس کے دباؤ میں کچھ لکھ لیتا ہوں، کوئی وقتی شدید تقاضا ہوا، یا دوستوں اور بزرگوں میں سے کسی کا حکم ہوا، یا کسی اپنے طالب علم کی فرمائش ہوئی، تو قلم کو جنبش ہوتی ہے، لیکن ان تقاضوں، ان احکام اوران فرمائشوں کے نتیجے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کی مقدار اتنی ہوگئی ہے کہ جاننے والوں اور پڑھنے والوں کو غلط فہمی ہوجاتی ہے کہ یہ خاکسار بھی شاید مرتب ومصنف اور انشاء پرداز ہے۔ درحقیقت اس غلط فہمی کا بڑا سبب عزیز محترم مولانا حافظ ضیاء الحق خیرآبادی سلّمہٗ کی محبت اور کوشش وکاوش ہے، کہ میں اپنی تحریروں کو جہاں تہاں چھوڑ کر بے پروا ہوجاتا تھا، جب سے عزیز موصوف کی رفاقت ہوئی ہے، انھوں نے میرے حرف حرف کو جمع اور محفوظ کرنے کا اہتمام کیا، اوراس طرح مضامین کی اشاعت وطباعت کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔

اس اشاعت وطباعت کا آغاز مجلّہ ''المآثر'' سے شروع ہوا۔ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب علیہ الرحمہ کی وفات (رمضان ۱۴۱۲ھ) کے بعد ان کی یادگار میں ان کے صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت مولانا رشید احمد الاعظمی مدظلہ کے حکم سے سہ

ماہی ''المآثر'' کا اجرا ہوا، اور اس کی تحریر کا شعبہ اس خاکسار کے سپرد ہوا۔ ہر تین ماہ پر اس کے لئے مضمون کا شدید تقاضا ہوتا اور میں مجبوراً لکھتا، یہ سلسلہ چلتا رہا۔ میرے دوست مولانا عبد الرب صاحب اعظمی مدظلہ نے اپنے مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج سے ایک ماہانہ رسالہ ''انوار العلوم'' کے نام سے جاری کیا، اس کے لئے بھی اداریہ لکھنے کی ذمہ داری اس خاکسار کے سپرد کی، مگر اس کی عمر کم تھی، سال بھر نکلا اور بند ہوگیا۔ اس کے بند ہونے کے بعد میرے بعض احباب کا تقاضا ہوا، خاص طور سے عزیز موصوف مولانا ضیاء الحق صاحب کا، کہ ''انوار العلوم'' کے طرز پر ایک ماہنامہ نکالنا چاہئے، جس میں عام فہم دینی واصلاحی مضامین ہوں، المآثر کا علمی معیار خاصا بلند ہے، اس سے اہل علم ہی استفادہ کرسکتے ہیں، عامۃ الناس کے ذوق اور فہم کی چیزیں اس میں نہیں ہوتیں، اس لئے انوار العلوم کے معیار کے ایک رسالہ کی اشاعت ہونے چاہئے، اس کے لئے نگاہیں مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور پر جمیں۔ یہاں سے ابتداءً ''الاسلام'' کے نام سے پھر گورنمنٹ کی منظوری کے بعد ''ضیاء الاسلام'' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ کا اجرا ہوا، اس رسالہ نے اور اس کے مدیر مولانا حافظ ضیاء الحق خیرآبادی سلّمہٗ نے تحریر کے ایک گونگے کو قلم کی زبان عطا کی۔ ان رسالوں میں میرے مضامین مسلسل نکلتے رہے، جن کے مجموعوں سے مدیر موصوف نے دسیوں کتابیں بنائیں۔

اب خیال ہوا کہ ان جرائد وصحائف کے اداریوں کو اکٹھا کردیا جائے، تو اچھا خاصا مجموعہ تیار ہوجائے گا، چنانچہ عزیز موصوف اداریوں کے جمع وتدوین میں لگ گئے، اور اس سلسلے کی اب تک کی تحریروں کو انھوں نے یکجا کردیا، انھوں نے نظر ثانی کے لئے میرے حوالے کیا۔ میں نے ازسرنو انھیں جب مسلسل پڑھا تو ذہن میں یہ خیال جما کہ یہ مضامین اگرچہ مختلف اوقات میں مختلف تقاضوں اور مختلف پس منظر میں لکھے گئے ہیں، مگر روح سب کی ایک ہے۔ اور وہ ہے، اس بات کی تڑپ کہ اہل ایمان اپنے نفس، اپنی طبیعت اور اپنے گردوپیش کے مختلف تقاضوں کو فنا کرکے، ان سے منہ موڑ کر محض اللہ ورسول کی اطاعت ووابستگی کے لئے یکسو ہوجائیں۔ زندگی کا مرکز ومحور صرف وہ ہو جس کی دعوت اللہ کے آخری

پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، اس کے خلاف جتنی راہیں ہیں، سب سے قطعی اجتناب کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: **لا یومن أحدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئتُ بہ** ۔ آدمی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوگا جب تک اس کے ارادے اور اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے مطابق نہ ہوجائے۔

ان اداریوں کی دعوت اسی حدیث کی تعمیل ہے، مختلف انداز سے، اسی موضوع پر دل کے تاثرات قلم سے ٹپک ٹپک کر کاغذ کے سینے پر ثبت ہوئے۔ میں سوچتا رہا کہ اس مجموعے کا نام ''حدیث درد دل'' ہونا مناسب ہے۔ خدا کرے یہ درد دل عام ہو، اور اللہ تعالیٰ اس کے واسطے سے قلوب واحوال میں خوش گوار تبدیلی پیدا فرمائیں۔

اعجاز احمد اعظمی

۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

۱۰؍فروری ۲۰۱۲ء جمعہ

☆☆☆☆☆

مجلّہ

﴿الماآثر مئو﴾

کے

اداریئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلّہ المآثر کا

پہلا اداریہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدالمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

اب سے تقریباً ایک صدی قبل غیر منقسم ہندوستان کے ایک چھوٹے سے صنعتی قصبہ مئو کے اُفق پر علم وفضل کا ایک ہلال نمودار ہوا، جو باوجود بے سروسانی اور قصبہ کی علمی تنگ دامانی کے چرخِ کمال پر بڑھتا رہا، چڑھتا رہا، یہاں تک کہ تھوڑی ہی مدت میں وہ آسمانِ علم کا بدرِ کامل بن کر چمکنے لگا۔ کچھ لوگوں نے اسے پہچانا اور بہت سے لوگ اس کے رتبہ سے واقف نہ ہوسکے، لیکن اس کی عظمت سب کے قلوب پر چھائی رہی، سب کو اس کی دستگاہِ علم کی بلندی کا اعتراف رہا۔ اس نے اپنی زندگی کا تقریباً تمامتر حصہ مئو میں گذارا، مگر اس کی شہرت کا آوازہ عرب وعجم میں گونجا، وہ خود نہایت خاموش تھا، مگر اس کا چرچا شہر درشہر تھا، اس نے خود کو ہمیشہ چھپا اور دبا کر رکھا، مگر خدا نے اسے ظاہر کیا اور ابھارا۔ اُسے متعدد علوم میں مہارتِ تامّہ حاصل تھی، مگر خصوصیت سے علم حدیث اور اس کی ذیلی شاخ فن اسماء الرجال میں اسے جو حذاقت ومہارت حاصل تھی اس کی دورِ حاضر میں نظیر نہ تھی، وہ حدیث رسول کا سچا اور مخلص خادم تھا، اسے رسول کی ذات سے عشق تھا، والہانہ لگاؤ تھا، اس لئے حدیثِ رسول اس کے لئے سرمایۂ زندگی اور آبِ حیات تھی، اس کے دن حدیثی ذخائر کی جستجو میں صرف ہوتے، اور اس کی راتیں ان کے مطالعہ وتحقیق میں بسر ہوتیں۔ اس کا حافظہ زبردست تھا، اس نے آبِ

زمزم پیتے وقت فیضانِ الٰہی سے حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ جیسے علم کی درخواست کی تھی، اس کی ذکاوت بے مثال تھی، اس کی دقّتِ نظر عجیب تھی، اس کا مطالعہ وسیع تھا اور عمیق بھی! ان خصوصیات نے اسے علم و تحقیق بالخصوص علومِ حدیث کی ایک زندہ علامت بنادیا تھا، وہ علماء وفضلاء کا مرجع تھا، تحقیق کی الجھی ہوئی گتھیاں اس کے یہاں سلجھتی تھیں، حدیث وقرآن کی مشکلات کا تشفی بخش حل اس کے پاس تھا۔ علم رجال کے مخفی خزانوں پر اس کی دسترس تھی، فقاہت اس کی طبیعت تھی، وہ سراپا علم تھا۔

یہ بدرِ تاباں! نہیں! آسمانِ فضل وکمال کا آفتابِ درخشاں ۹۲ر سال تک مئو کے افق پر چمکتا رہا، اور دنیائے علم کو روشنی اور حرارت بخشتا رہا، آخر میں اس کا جسم انتہائی نحیف ونزار ہوگیا تھا، قُویٰ جواب دے گئے تھے، بینائی نے نظریں چرالی تھیں، مگر دل ودماغ بالکل تازہ دم اور نشیط تھے، حالت یہ ہے کہ بسترِ علالت پر جسمِ بیمار پڑا ہوا ہے، آنکھیں بند ہیں اور حدیث کے ایک مشہور ذخیرہ ''مُصَنَّف اَبِیْ شَیْبَہ'' کی تحقیق جاری ہے، ایک ایک لفظ پر غور ہورہا ہے، غلطیوں کی نشاندہی کی جارہی ہے، حواشی املا ہورہے ہیں، اسی دوران خالق کائنات کی طرف سے بلاوا آگیا، کتابِ دنیا بند کردی گئی، آخرت کا دروازہ کھول دیا گیا، زندگی بھر کی کاوش وکوشش کا صلہ ملنے کا وقت آگیا۔ کچھ عرصہ تک یہ آفتاب موت وحیات کی کشمکش میں جھلملاتا رہا، بالآخر ۱۰ر رمضان المبارک کی شام کو جب دنیا کو روشنی بخشنے والا آفتاب غروب ہورہا تھا اور رمضان المبارک کا مقدس مہینہ عشرۂ مغفرت میں داخل ہورہا تھا، ٹھیک اسی وقت علم وفضل کا یہ آفتاب دنیا کے افق سے غروب ہوکر حق تعالیٰ کی آغوشِ رحمت میں جاپہونچا۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

یہ عظیم ہستی مئو اور اس کے اطراف میں ''**بڑے مولانا**'' کے نام سے معروف تھی اور علماء وفضلاء اسے ''**محدث جلیل، فاضل اَجل، ابوالمآثر حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی**'' کے نام سے جانتے تھے۔

حضرت محدث اعظمیؒ دنیا سے تشریف لے گئے، وہ اپنی بے لوث خدمات کا صلہ

بارگاہِ خداوندی سے اور اپنی محبت و عشق کی داد و تحسین بارگاہِ رسالت سے پا رہے ہوں گے، محدثین کبار کی ارواحِ مقدسہ نے ان کا استقبال کیا ہوگا، جس طرح ان کے جنازے میں لاکھوں روزہ داروں کا ہجوم تھا، کیا عجب کہ عالم ارواح میں بھی لاکھوں ارواحِ طیبہ اور نفوسِ قدسیہ نے ان کو خوش آمدید کہا ہو۔

جانے والا اس دنیا کو......رنج و محن سے بھری دنیا کو......خیر باد کہہ کر چلا گیا، لیکن وہ اپنے بعد والوں کو علم کا بے بہا خزانہ دے گیا۔ حضرت محدث اعظمی کے علمی کارناموں کو بہت سے لوگ شاید تفصیلاً نہ جانتے ہوں گے، کیونکہ وہ خاموش اور بے نیاز طبیعت کے مالک تھے، وہ علم و فضل کی نمائش کے فن سے واقف نہ تھے، وہ نام و نمود اور تمنائے ستائش سے ہمیشہ دور رہے، وہ ابتداء ہی سے فقیرانہ زندگی کے عادی تھے اور اخیر تک اسی حالت پر قائم رہے۔ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ علم کے کیسے ''جبل عظیم'' کے سامنے موجود ہے، لیکن ان کی تحریرات، ان کے مضامین، ان کی حدیثی تحقیقات کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے وہ ہماری صدی کے آدمی نہ ہوں، وہ حافظ شمس الدین ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے دور کے آدمی تھے، ان کے حافظے کی گہرائی اور مطالعہ کی وسعت کو دیکھ کر اگلے محدثین یاد آجاتے ہیں۔ وہ اس دور میں اسلام کی حجتِ بالغہ تھے، ١١ر رمضان ١٤١٢ھ کو روزہ دار مسلمانوں نے محض ایک شخصیت کو نہیں دفن کیا، بلکہ پوری ایک امت کو دفن کیا، اور علم و تحقیق کے مکمل کتب خانہ کو تہِ خاک چھپایا۔

مولانا کے وصال کے بعد دلوں میں یہ بات بہت شدت کے ساتھ آئی کہ انھوں نے جن علمی ذخائر کو اپنی میراث چھوڑا ہے، ان کی حفاظت کی جائے، ان کی اشاعت کی جائے، کیونکہ ان کی اشاعت عین دین کی اشاعت ہے، ان کا تعارف کرایا جائے، گوکہ آج کی دنیا، دنیاداری کی دوڑ میں اتنا آگے بڑھتی جارہی ہے، کہ خالص اُخروی چیزوں کی قیمت اس کے آگے گرتی جارہی ہے، دنیا کی چمک دمک نے نگاہوں کو خیرہ کررکھا ہے، آخرت فراموش ہوتی جارہی ہے، لیکن غفلت و خدافراموشی کے اس سنّاٹے میں آج بھی اللہ کے فضل

سے ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سینے فکر آخرت سے معمور اور جن کی نگاہیں علمی ذخائر کی جستجو میں مشغول ہیں۔ انھیں شوق ہے کہ قرآن وسنت کا علم انھیں حاصل ہو، ایسے لوگوں کے حق میں ناانصافی ہوگی اگر ان علمی خزانوں کو عام نہ کیا جائے۔

اسی جذبے کے تحت قصد ہوا کہ حضرت محدث کبیر کی وہ علمی یادگاریں، جو اَب دستیاب نہیں ہیں، انھیں جدید اُسلوب کے مطابق تحقیقات وتعلیقات کے ساتھ مزیّن کر کے دوبارہ علم وتحقیق کے قدردانوں کے ہاتھوں میں پہونچایا جائے، چنانچہ یہ کام شروع ہو چکا ہے۔

اسی دوران یہ بھی خیال ہوا کہ ایک علمی ودینی مجلّہ حضرت اقدسؒ کی یادگار میں جاری کیا جائے، جس میں مختلف دینی موضوعات پر تحقیقی مقالات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حضرت کی کتابوں کا تعارف بھی پیش کیا جائے، اور ان کے وہ قدیم مطبوعہ مقالات ومضامین جو اَب کہیں نظر نہیں آتے، یا ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں، انھیں بھی منظر عام پر لایا جائے، نیز اکابر اور بزرگوں کے احوال وحکایات کی روشنی عام جائے، تاکہ دلوں سے آخرت فراموشی کی سیاہی دور کی جاسکے۔

غرض ایک ایسا دلآویز اور روح پرور علمی وروحانی مرقع تیار کیا جائے، جو اہل علم وتحقیق کے ذوق بلند کو مزید بلندی بخشے، اور اس کی ضمانت حضرت اعظمی کے علمی نوادرات وتحقیقات ہیں، اور محبت ومعرفت کے شیدائیوں کی آسودگی وسیرابی کا سامان مہیا کرے، نیز مسلمانوں میں صحیح علمی ودینی ذوق بیدار کرے، اور اگر کسی طرف سے مسلک حق اور مذہب اہل حق پر آنچ آنے کا اندیشہ ہو تو اسے دور کرنے اور قلوب کو مطمئن کرنے کا فریضہ بھی انجام دے۔

دلوں میں خیالات آئے، احباب سے مشورے ہوئے، اہل علم نے ہمت افزائی کی، گو علم کے اس کساد بازاری کے دور میں بالخصوص ہمارے ملک میں جہاں اردو پڑھنے والوں ہی کی تعداد کتنی ہے؟ پھر ان میں سے دین اور علم دین سے دلچسپی رکھنے والے کتنی محدود

اور مختصر گنتی میں ہیں؟ نیز یہاں وسائل و ذرائع بھی ناپید ہونے کے درجے میں ہیں، آخر مجلّہ چھاپیں کیسے؟ اور جیسے تیسے چھاپ لیا تو پڑھے گا کون؟ یہ سوالات ایسے ہیں جو ہمت کو پست کردیں، پاؤں ڈگمگادیں، حوصلوں کو توڑ کر رکھ دیں، تاہم بنامِ خدا امید وبیم کے ساتھ اس کام کا آغاز کیا جاتا ہے۔

مجلّہ ''المآثر'' کا پہلا شمارہ ہم ناظرین کے ہاتھوں میں پیش کرکے خدا کے حضور دست بدعا ہیں کہ الٰہ العالمین! دلوں کو سچا خلوص، نگاہوں کو صحیح نظر، دماغوں کو متوازن فکر، ہاتھوں کو محتاط قلم اور پاؤں کو جادۂ استقامت عطا فرمانے والے آپ ہیں۔ ہم کمزوروں اور ناتوانوں نے آپ کی قوت وتوانائی کے اعتماد پر قلم کا سفر شروع کردیا ہے، حقیقی منزل تک پہونچانے والے اور جدوجہد کو قبول کرنے والے آپ ہیں، آپ سے امیدوار ہیں، اور آپ سے امید رکھنے والا ناکام نہیں ہوتا۔

(جلد نمبر۱، شمارہ نمبر۱، محرم، صفر، ربیع الاوّل ۱۴۱۳ھ/جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تازیانۂ عبرت

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالمرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

بابری مسجد کی شہادت ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک قیامت صغریٰ تھی، جس کے بعد قتل وخون کا ایک سیلاب اہل اسلام کے سروں سے گزر گیا۔ اس حادثۂ کبریٰ سے مسلمانوں کے دلوں کو جیسی چوٹ لگی ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ اس سے پہلے باوجودیکہ ہندوستان میں سینکڑوں فسادات ہوچکے تھے، اور باوجودیکہ مسلمانوں کے ساتھ ناروا امتیازی سلوک ہوتے چلے آرہے تھے، لیکن بہرحال آزاد ہندوستان میں یہ احساس باقی تھا کہ جیسا شہری ایک ہندو ہے، ویسا ہی مسلمان بھی ہے۔ اکثریت اور اقلیت کا فرق تو فطری ہے، مگر مسلمان اپنے کو بے بس اور دوسروں کے رحم وکرم پر نہیں سمجھتا تھا، مگر بابری مسجد کیا شہید ہوئی کہ دلوں کی دنیا زیروزبر ہوگئی، اس ایک مسجد کی شہادت نے احساسات تک بدل ڈالے ہیں۔ اب اقلیت واکثریت کا فرق وامتیاز جارحانہ علامتوں کے ساتھ نمایاں ہونے لگا ہے، ہندوستان کی سرزمین روز بروز فرزندانِ توحید پر بظاہر تنگ ہوتی جارہی ہے، حسّاس اور باشعور افراد مسلمانوں کے مستقبل کو سوچ سوچ کر ہراساں ہیں۔ ان حالات میں حکومت کا کیا فرض ہے؟ مسلمان اس سے اپنے حقوق کا مطالبہ کس طرح کریں؟ اس سلسلے میں اخبارات کی دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے۔

لیکن یہ بات بار بار دل میں آتی رہی، بہت سے لوگوں کے دلوں میں آتی رہی، اور بجاطور پر لوگ سوچتے رہے کہ حالات کی اس اُلٹ پلٹ میں، اور کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن اتنا

ضرور ہوگا، کہ مسلم معاشرہ میں، افراد میں، خاندانوں میں، آبادیوں میں، شہروں میں، دیہاتوں میں، دینی احساس بیدار ہوگا۔ باہر فرقہ پرستی اور مذہب کے نام پر جارحیت کا عفریت منہ پھاڑے ہوئے کھڑا ہے، تو کم ازکم اندرونی طور پر مسلمان اپنی ذاتی رنجشیں اور عداوتیں بھلا کر محبت واُخُوّت کی فضا بنانے کی کوشش کریں گے۔ بین الاقوامی احوال ایسے ہیں کہ کوئی اسلامی ملک بھی بجز ہمدردی کے چند بول کے کوئی عملی قدم اٹھانے سے مجبور ہے۔ اب تو بجز غیبی نصرتِ الٰہی کے اور کوئی سہارا نہیں ہے۔ اب یہ امید بجا تھی کہ مسلمان خلوصِ قلب کے ساتھ اللہ کے حضور رُجوع کریں گے، اسلام کے بنیادی فرائض واحکام کی بجاآوری میں مستعد ہوں گے، ایک مسجد کھوئی ہے، تو اس کے عوض میں بہت سی وہ مسجدیں جو عین مسلمانوں کی آبادیوں کے درمیان رہ کر نمازیوں کو ترس رہی ہیں، آباد ہوں گی، کسب مال میں حلال وحرام کے درمیان رہ کر امتیازی نشان کھینچ دیا جائے گا، حرام کے دروازے بند کردئے جائیں گے، اور حلال پر اکتفا کیا جائے گا۔ مختلف نجی اور اجتماعی تقریبات میں اسرافِ بے جا سے احتراز کیا جائے گا۔ مسلمان عرصہ سے ٹولیوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے باہم ایک دوسرے سے الجھے ہوئے ہیں، اب کم ازکم ایک دوسرے کا گریبان چھوڑ کر اپنے اپنے گریبان کی فکر کریں گے، چند فروعی عقائد ومسائل کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے کو ملت اسلام سے کاٹنے کے بجائے، ایک دوسرے سے گلے ملنے میں پہل کریں گے، اگر دینی علوم میں کمال واستحکام نہیں پیدا کرتے تو محنت وکوشش کرکے دنیوی علوم میں ہی میں مرتبہ بلند حاصل کریں گے۔

مگر کیا ایسا ہوا؟ یا اس کا کوئی حصہ نمایاں ہوا؟ اس سوال کا جواب بڑا دردناک ہے، جی نہیں چاہتا کہ ان مسائل کو چھیڑا جائے، کہ اپنا ہی زخم ہے، اور اپنا ہی درد ہے، لیکن احتساب بھی ایک فریضہ ہے، تکلیف دہ سہی، ناخوشگوار سہی، مگر ہے ضروری۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حوادث وآفات کے بعد ہمارا معاشرہ زوال اور گراوٹ کی طرف کچھ اور تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہے، باہمی نزاع اور اختلاف ہی نہیں، دنگے فساد،

آپسی خونریزی، معمولی معمولی باتوں پر جان لینے اور دینے کا مزاج اس میں تیزی سے ترقی کررہا ہے، کہ اس کی زد میں مسلمانوں کی چھوٹی بڑی بیشتر آبادیاں آتی چلی جارہی ہیں، جس جگہ جایئے بجائے اس کے کہ لوگ صلح وآشتی کی باتیں کریں، ہمہ وقت جنگ وجدل اور ایک ودسرے کی ایذارسانی کی بلا میں مبتلا ہیں، سنجیدہ حضرات دم بخود ہیں کہ کسی کو کوئی سمجھائے تو کیونکر سمجھائے؟ نفسانیت کے آگے کوئی کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہے، معاشرہ کی سب سے زیادہ تباہی ان باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے ہے، دو آدمی کسی معمولی بات پر لڑ جاتے ہیں، پھر پارٹیاں سجنے لگتی ہیں، ہر پارٹی خود کو مضبوط اور طاقتور بنانے کے لئے اپنے اور فریق مخالف دونوں کے مشترکہ دشمن کا سہارا لیتی ہے، وہ دشمن کب چاہے گا کہ یہ لوگ باہم صلح وآشتی کے ساتھ رہیں، فتنہ کی آگ بجھتی دیکھتا ہے تو ایک لکڑی پھینک دیتا ہے، جو مال اپنی اور ملت کی فلاح وبہبود میں خرچ ہوتا، وہ مقدمات کی پیروی، ناجائز رشوتوں اور بالکل غلط قسم کی دعوتوں میں خرچ ہوتا ہے۔

اسلام کے بنیادی فرائض کا یہ حال ہے کہ مسجدوں میں چند لوگ نماز ادا کررہے ہیں، اور ٹھیک اسی وقت اسی مسجد کے آس پاس بلکہ سامنے بہت سے لوگ بیٹھے گپیں ہانک رہے ہیں، لڑ رہے ہیں، جھگڑ رہے ہیں بلکہ بعض ستم ظریف تو ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ بھی بجارہے ہیں، جس آبادی میں آپ جائیں یہ مکروہ منظر دیکھ سکتے ہیں۔ نماز کا ادا کرنا تو ایک طرف رہا، جماعت اور مسجد کا احترام بھی قلوب سے رخصت ہو چکا ہے، خود نہیں پڑھتے تو شرمندہ ہوتے، سرنگوں رہتے، شور وشغب نہ کرتے، مگر یہاں تو معاملہ برعکس ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **کل امتی معافی الا المجاھرین** (بخاری شریف) ساری امت درگذر کی مستحق ہے، سوائے ان کے جو علی الاعلان مبتلائے معصیت ہوتے ہیں۔ غور کیجئے، علانیہ فسق وفجور کا ارتکاب کرنے والے بلکہ اس پر فخر کرنے والے، ہمارے معاشرے میں کس بہتات کے ساتھ ہیں، بلکہ اب تو یوں ہوتا ہے کہ ملک میں کوئی عظیم طوفان کھڑا ہوتا ہے، یا دنیا میں کہیں کوئی ہنگامہ برپا ہوتا ہے جیسا کہ ابھی ماضی قریب میں ہوا تھا، یا کوئی کھیل

کو دہو رہا ہوتا ہے، اور ان کی خبریں ریڈیو ایسے وقت میں نشر کر رہا ہوتا ہے، جب نماز کا وقت ہوتا ہے، تو ایک بڑی تعداد نماز سے غافل ہو کر ریڈیو پر ٹوٹ پڑتی ہے، جبکہ یہی خبریں وہ دوسرے ذرائع اور دوسرے اوقات میں حاصل کر سکتے ہیں، لیکن دین و دنیا دونوں کو پس پشت ڈال کر ریڈیو کو قبلۂ مقصود بنا لیتے ہیں۔

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اسی پر دوسرے معاملات کو بھی قیاس کر لیجئے، ہم کو کہاں ہونا تھا اور ہم کہاں ہیں؟ اب سے پلٹنے کی ضرورت ہے، کتاب وسنت کا علم حاصل کریں، اور اللہ و رسول کو خوشنودی کو قبلۂ توجہ بنائیں، خدا کو راضی کرنے کے لئے ساری دنیا ناراض ہو جائے تو پروا نہیں، اور خدا کو ناراض کر کے ساری دنیا راضی رہے تو بجز ضرر کے نفع کچھ نہیں۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

(جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۴، شوال تا ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ/ اپریل تا جون ۱۹۹۳ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذوقِ انفرادیت کا ضرر

امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی (المتوفی: ۲۵۵ھ) اپنی مشہور تصنیف سنن دارمی میں جسے بعض علماء صحاحِ ستّہ میں بجائے ابن ماجہ کے شمار کرتے ہیں، اپنی سند سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ایک اثر نقل کرتے ہیں:

"قال معاذ یفتح القرآن علی الناس حتیٰ یقرأ المرأة والصبی والرجل فیقول الرجل: قد قرأت القرآن فلم اتبع، واللہ لاقومن بہ فیھم لعلی اتبع، فیقوم بہ فیھم فلایتبع فیقول: قد قرأت القرآن فلم اتبع وقد قمت بہ فیھم فلم اتبع لاحتظرن فی بیتی مسجداً لعلی اتبع فیحتظر فی بیتہ مسجداً فلایتبع، فیقول: قد قرأت القرآن فلم اتبع وقد قمت بہ فیھم فلم اتبع وقد احتظرت فی بیتی مسجداً فلم اتبع واللہ لاٰتینھم بحدیثٍ لایجدونہ فی کتاب اللہ ولم یسمعوہ عن رسول اللہ لعلی اتبع قال معاذ فإیاکم وماجاء بہ فإن ماجاء بہ ضلالۃ (سنن دارمی، ج:۱، ص:۶۷، باب تغیر الزمان وماحدث فیہ)

اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ایک زمانے میں قرآن کا پڑھنا اور اس کا علم عام ہوجائے گا، عورت، مرد اور بچے سب اس کو پڑھیں گے۔ ایسے وقت میں آدمی سوچے گا کہ میں نے قرآن کا علم حاصل کیا، مگر میں مقتدا نہ بن سکا، اچھا لاؤ میں لوگوں کے درمیان اس کا نماز وغیرہ میں خوب اہتمام کروں، شاید اس سے لوگ میری مقتدائیت تسلیم کرلیں، پھر وہ خوب اس کا اہتمام کرے گا، مگر تب بھی اس کی پیروی نہ کی جائے گی، تب وہ کہنے لگے گا کہ

میں نے قرآن پڑھا مگر مقتدا نہ بن سکا، اس کا زبردست اہتمام کیا، یعنی نمازوں میں پڑھا، لوگوں میں اس کی اہمیت ظاہر کی، تب بھی لوگوں نے مجھے نہیں مانا، اچھا اب گھر میں مسجد بنا کر بیٹھ رہتا ہوں، شاید اس سے لوگوں کے نزدیک میری اہمیت ہو، پھر وہ گھر میں مسجد بنا کر خلوت نشینی اختیار کرے گا، مگر اس کے باوجود بھی اسے کوئی نہیں پوچھے گا، وہ کہے گا: میں نے قرآن پڑھا، تب کسی نے نہیں پوچھا، میں نے قرآن کا اہتمام کیا، تب بھی لوگ میرے پیچھے نہ چلے، میں اپنے گھر میں مسجد بنا کر بیٹھ گیا، تب بھی کسی نے نہ پوچھا، اچھا اب اللہ کی قسم ایسی باتیں لاؤں گا جن کا پتہ نہ اللہ کی کتاب میں ہوگا، اور نہ انھوں نے اللہ کے رسول سے وہ باتیں سنی ہوں گی، شاید تب لوگ میری پیروی کریں۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ خبردار جو بات وہ لایا ہے، اس سے دور ہی رہو، کیونکہ وہ سراسر گمراہی ہے۔

جس دور میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی، اس وقت ایسے لوگ مسلمانوں میں نہ تھے، وہ زمانہ خیر کا تھا، حضراتِ صحابہ کا وجود شمعِ ہدایت بن کر جگمگا رہا تھا، اخلاص وللّٰہیت کی دولت فراواں سے ان کے قلوب مالا مال تھے، اللہ کا خوف طبیعتوں میں راسخ تھا، احکامِ الٰہی کی عظمت کے سامنے نفس کی خواہشات پامال تھیں، مگر جوں جوں زمانہ پیچھے ہٹتا گیا خلوص وللّٰہیت کا سرمایہ کم ہوتا گیا۔ خوفِ خدا کی جگہ ہوائے نفس کا غلبہ ہوتا گیا، پھر ایسے لوگوں کی بتدریج کثرت ہونے لگی جن کی نشاندہی حضرت معاذ بن جبلؓ نے کی ہے، اور پندرہویں صدی کے اس بعید تر دور میں ستم ظریفوں کی یہی ٹولی خود کو اسلام کی محافظ وترجمان قرار دینے پر تلی ہوئی ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنے اس ارشاد میں جس انسانی کمزوری پر انگلی رکھی ہے، وہ بہت اہم ہے۔ بکثرت لوگوں میں بالخصوص وہ لوگ جن کو ذہانت وذکاوت اور ہمت وحوصلہ کی وافر مقدار قدرت کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اور انھوں نے نفس کا تزکیہ نہیں کیا ہے، ایسے افراد میں خودنمائی اور عوام الناس کی مقتدائیت اور اپنی انفرادیت کے اظہار کا زبردست جذبہ ہوتا ہے، لیکن اس کا ظہور اس کے اصلی رنگ وروپ میں نہیں ہوتا، کیونکہ اس

صورت میں ان کی کوئی حیثیت باقی نہ رہے گی اور مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔ یہ کمزوری کبھی علم وفضل کے لباس میں نمایاں ہوتی ہے، کبھی تدین وتقویٰ کے رنگ میں ظہور کرتی ہے، کبھی اصلاح ورہبری کا لباس پہن کر آتی ہے، ایسے لوگ بظاہر نہایت دردمند، قوم کے بہی خواہ، دین وملت کے لئے مضطرب اور اسلام اور اہل اسلام کی ہمدردی میں بے قرار نظر آتے ہیں، اور اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور نیک نیتی کا راگ الاپتے ہیں، مگر یہ سب کچھ ظاہری نمائش سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا، اندرون طبیعت میں صرف ایک جذبہ ہوتا ہے کہ کسی طرح لوگوں کی مقتدائیت حاصل ہوجائے، یا کم از کم لوگوں میں ان کی انفرادیت کا سکہ بیٹھ جائے، عوام وخواص میں شہرت حاصل ہوجائے، تعریفیں ہوں، سب پر چھاجائیں، ہر ایک ان کے پیچھے چلنے پر مجبور ہو، باطن میں یہ نیت شعوری یا غیر شعوری طور پر تہ نشین ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس نیت کا اعلان کر کے میدان میں اترے تو کون اس کی بات پوچھے گا؟ اس لئے وہ دینی رنگ میں تدبیریں اختیار کرتا ہے، پھر اگر ان تدبیروں میں انفرادیت نہیں پاتا تو بالکل اجنبی راہ اختیار کرنے پر تل جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب قرآن کا علم سب میں عام ہوجائے گا تو اس میں کیا انفرادیت باقی رہ جائے گی۔ پس وہ اسی میں انفرادیت کی ایک راہ نکالے گا، کہ زیادہ سے زیادہ نماز وغیرہ کا اہتمام کرے گا، بار بار اس کا نام لے گا، اس سے اپنا گہرا تعلق ظاہر کرے گا، لوگوں میں قرآن کی دہائی دے گا، دردمندی کا اظہار کرتے ہوئے قرآن کو سب سے زیادہ مظلوم کتاب قرار دے کر اس کی دادرسی کرنا چاہے گا، مگر جب اس کے باوجود لوگوں کا التفات نہیں پاتا تو کچھ اور تدبیر اختیار کرتا ہے، مثلاً یہ کہ اپنے گھر میں عبادت گاہ بنا کر خلوت نشین ہوجاتا ہے کہ شاید اس طرح اس کی بزرگی اور زہد وتقویٰ کا چرچا ہو، مگر محسوس کرتا ہے کہ اس راہ سے بھی خاطر خواہ شہرت نہیں حاصل ہورہی ہے، تو پھر بالکل نئی راہ نکالنے کو سوچنے لگتا ہے، ایسی راہ جس کا قرآن وسنت میں پتہ نہ ہو۔ اس کا دعویٰ یہ ہوتا ہے، اور بڑی بلند آہنگی سے ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ پیش کررہا ہے وہی دین ہے، اسلاف نے جو کچھ اس کو نہیں ذکر کیا، تو یہ ان کا قصورِ فہم تھا، ان کی سادگی تھی، ان کی سادہ لوحی

تھی وغیرہ وغیرہ۔

جن لوگوں کو اللہ کی طرف سے دین کی صحیح بصیرت عطا ہوئی ہے، اور انھیں معرفتِ الٰہی کا نور نصیب ہوا ہے وہ اپنی فراستِ ایمانی سے دل کے اس مخفی چور کو بھانپ لیتے ہیں، مگر چور نے جو دینی رنگ کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اس کو دیکھ کر وہ ہچکچاتے ہیں، عام نگاہیں صرف یہی لبادہ دیکھتی ہیں، اگر ان کی حقیقت واضح کی جائے تو ناواقف لوگ بھڑک اٹھیں گے۔ اسی گومگو میں عرصہ تک وہ پڑے رہتے ہیں اور گمراہی عام ہوتی رہتی ہے۔

انفرادیت کے اس جذبے اور لوگوں سے اپنی پیروی کرانے کی ہوس نے نہ جانے کتنی قیامتیں برپا کی ہیں، ہم کسی فرد یا تحریک کے بارے میں قطعیت اور بالکل یقین کے رنگ میں تو اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے، تاہم زمانہ ''صیرفیٔ کائنات'' ہے، ایک عرصہ تک تجربہ کرتے رہنے سے، سرد و گرم احوال میں دیکھتے اور پرکھتے رہنے سے، نیز نوائب و حوادث کے الٹ پھیر میں، دلوں کی نیتیں زبان و عمل میں ظہور کرنے لگتی ہیں، اور بالآخر زمانہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ کون سی تحریک اور کون سا فرد کس نیت کو لے کر کھڑا ہوا تھا۔

ہمارا دین عقلی اور قیاسی تیر تکّوں کی بنیاد پر نہیں ہے، اس کی بنیاد تعامل و توارث اور طبقۃً بعد طبقۃٍ نقل و روایات پر ہے، اور امت کا سوادِ اعظم جس کی تعبیر جمہور علماءِ امت سے کی جاتی ہے، وہ کبھی کسی مسئلہ پر قطعی ضلالت پر مجتمع نہیں ہوسکتا۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **إن امتی لاتجتمع علیٰ ضلالة فإذا رأیتم اختلافاً فعلیکم بالسواد الاعظم** (کتاب الفتن) میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی، لہٰذا تم جب باہمی اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کا اتباع کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کے مسلک کی پیروی اور ان کی راہ کو اختیار کرنا فرمانِ رسول کی تعمیل ہے، جو لوگ اپنی انفرادی رائے پر زور دیتے ہیں یا کسی مختلف فیہ مسئلہ میں کسی ایک رائے کو قطعی طور پر حق و صواب قرار دے کر دوسری جانب کو بالکل غلط اور گمراہی قرار دیدیتے ہیں، یہ لوگ جمہور کے طریقے سے انحراف کر کے رسول اللہ ﷺ کے حکم

کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان لوگوں کا سب سے پہلا وار جمہور امت پر پڑتا ہے، کہ ان کی رگ کاٹ دی جائے تو انفرادیت کا راستہ صاف ہو جائے۔

ہم اس دور میں عرصہ سے یہ تماشا دیکھ رہے ہیں کہ جو کوئی حوصلہ منداور ذہین ہوا، اس کے پیٹ میں پہلے یہی درد اٹھتا ہے کہ لوگ اس کی پیروی کیوں نہیں کرتے، پھر وہ الٹے سیدھے نظریات وضع کرتا ہے، اوران پر ایسا اصرار کرتا ہے کہ جیسے اگر انھیں نہ تسلیم کیا جائے تو اسلام کی عمارت ہی منہدم ہوکر رہ جائے گی، ایسے لوگوں سے ہمیشہ چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے، ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی

اے بسا ابلیسؑ آدم روئے است

مگر عمومی طور پر سطحیت بڑھ گئی ہے، جہاں کوئی نیا نعرہ لگتا ہے، ایک بھیڑ جمع ہو جاتی ہے۔

ابن ماجہ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ (آٹے کی طرح) چھن جائیں گے، اور صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے، جو بھوسی کے مانند ہوں گے۔ ان کے عہد اوران کی امانتیں فاسد ہوکر رہ جائیں گی، اور آپس میں وہ اس طرح گتھ جائیں گے، جیسے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم گتھ جاتی ہیں، فرمایا کہ اس وقت تم لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جب ایسا ہو تو یا رسول اللہ ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

تاخذون ماتعرفون وتدعون ماتنكرون وتقبلون علىٰ خاصتكم وتذرون أمر عوامكم (کتاب الفتن)

جو تمہاری جانی پہچانی چیزیں ہیں، انھیں لے لو اور اجنبی و نامانوس باتوں کو چھوڑ دو، اور اپنے خاص لوگوں پر توجہ دو، اور عوام کے معاملہ کو ترک کردو، یعنی ان کا زیادہ اہتمام نہ کرو۔

دین کی فکر کرنے والوں کے لئے اس حدیث میں بصیرت کا بڑا سامان ہے، دین کا معاملہ بہت اہم ہے، آخرت میں اور دنیا میں مدار کار اسی پر ہے، آج رنگ رنگ کے اہل قلم

پیدا ہو گئے ہیں، الگ الگ ڈفلیاں بج رہی ہیں، جس کے منہ میں اللہ نے زبان دے دی ہے اور الفاظ پر اسے قدرت ہے، ہر ایک نیا نیا جلوہ لے کر آتا ہے۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ ایسی بات کہو اور لکھو، جو پہلے سے نہ جانی ہو، تا کہ وہ بات اسی کی طرف منسوب ہو، اور اس کے واسطے سے اس کی شہرت ہو، کچھ لوگ اس کا ساتھ دیں، ایسے حالات میں سلامتی کی راہ وہی ہے جس کی رہنمائی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی کہ دین کے باب میں اسلاف کرام سے جو باتیں معروف اور جانی پہچانی چلی آتی ہیں، بس انھیں پر اکتفا کیا جائے، اور جو نئی نئی چیزیں تحقیقات کے خوشنما نام سے آ رہی ہیں، ان کی طرف قطعاً التفات نہ کیا جائے، اور ہمیشہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ قدم، جمہور علماء کی راہ سے منحرف نہ ہونے پائے۔ جو لوگ قرآن کی تفسیر و تاویل میں، احادیث کے ردّ و قبول کے معیار میں اور فقہی مسائل میں نئی نئی باتیں کرتے ہیں، ان کی نئی باتیں انھیں کے حوالے کر دینی چاہیے۔ ہمارے سامنے ان نئی باتوں کی ایک طویل فہرست ہے، کبھی موقع ہوا تو انھیں ذکر کریں گے، بعض ایسی چیزوں پر احتساب اس شمارے میں آپ پڑھیں گے۔ ہم نے اس وقت صرف اشارات کئے ہیں، دین کی سمجھ رکھنے والوں کے لئے یہ بات بہت کافی ہے۔

(جلد نمبر۲، شمارہ نمبر۴، شوال تا ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ/اپریل تا جون ۱۹۹۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احتسابِ نفس

یہ دنیا جسے آدمی لطف وکیف میں ہوتا ہے، تو عالم رنگ وبو کہتا ہے، اور جب غم واندوہ کے احوال سے دوچار ہوتا ہے، تو عالم فانی وناپائیدار کہتا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا کا رنگ ہمہ آن متغیر ہوتا رہتا ہے، یہ تغیر دو طرح کا ہوتا ہے، کبھی خوبی سے خرابی کی جانب اور کبھی خرابی سے خوبی کی جانب، آدمی ان تغیرات کو بالخصوص جب کوئی خرابی رونما ہوتی ہے تو طبعی اسباب وعوامل کی طرف منسوب کرکے مطمئن ہوجاتا ہے، اور خود کو سارے تماشے سے الگ کرلیتا ہے، گویا خود اس کی ذات اور اس کے اعمال وافعال کا ان تغیرات میں کوئی دخل نہیں ہے، سمجھتا ہے کہ حالات کی رفتار یہی ہے اور اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نتائج کچھ اس صورت میں نکلنے لگتے ہیں اور حالات ایسے پیدا ہونے لگتے ہیں کہ منطق منھ دیکھتی رہ جاتی ہے، اسباب طبعی ہکابکا رہ جاتے ہیں، ذہانتیں گنگ ہوجاتی ہیں۔ عام احوال وحوادث میں بھی اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور حکومتوں کے عزل ونصب کے خصوصی حالات میں بھی اس کا تماشا ہوتا رہتا ہے، لیکن انسان بڑا خود فراموش ہے، وہ ان باتوں کی بھی ایسی توجیہ کرلیتا ہے، کہ اپنی ذات اور اپنے کردار پر کوئی آنچ نہ آئے، لیکن قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ ان تغیرات وانقلابات میں انسانی نیتوں، ارادوں، اور انسانی افعال واعمال کا بڑا دخل ہوتا ہے، یہ سب کچھ صرف اتفاقاً نہیں ہوجاتا بلکہ ان کے پیچھے آدمی کے اپنے احوال کی بنیاد پر حق تعالیٰ کے تصرفات کا کرشمہ ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورہ روم)

لوگوں کے اعمال کی وجہ سے خشکی وتری میں فساد پھوٹ پڑا، اس لئے تا کہ کچھ اعمال کا بدلہ انھیں چکھادے، شاید وہ باز آجائیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۔ اللہ کسی قوم کی اچھی حالت کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتے جب تک لوگ خود ہی اپنے حالات کو بدل نہ ڈالیں۔(سورہ رعد)

اس سے معلوم ہوا کہ احوال کے اُلٹ پھیر اور حکومتوں کے عزل ونصب میں انسانوں کے کاموں کا بڑا دخل ہے، مگر کوئی شخص اپنے اوپر اس ذمہ داری کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ زبانی طور پر قبول کرنا نہیں بلکہ اس طرح ذمہ داری قبول کرنا کہ اس کے بعد اپنے احوال واعمال کی اصلاح وترمیم کے لئے آدمی مستعد ہوجائے اور بالآخر سدھار پیدا کرلے، اس کے لئے کوئی آمادہ نہیں ہے۔ دیکھا یہی جاتا ہے کہ ایک حکومت آئی، لوگ اس کی شکایت لے کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر دوسری حکومت آئی، اور اس کے ظلم کا ڈنڈا چلنے لگا تو لوگوں کی زبانوں اور تبصروں کا رُخ ادھر پھر گیا، اب جہاں دیکھئے اسی کا چرچا ہے، بالخصوص ہمارے ملک میں تو لوگوں کا یہی مشغلہ بن گیا ہے، گھنٹوں لوگ حکومتوں، پارٹیوں، اور دوسروں کے ظلم وستم اور مکائد ودسائس کا تذکرہ اور ان پر تبصرہ کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگ جو خود اپنی نجی زندگی میں انھیں برائیوں میں ملوث ہوتے ہیں، جن کی وہ دوسروں پر تہمت رکھتے ہیں، لیکن مجال نہیں کہ اک ذرا بھی حرکت اپنی اصلاح کے لئے ہو، یا معمولی سی تنقیدی نظر اپنے اوپر پڑے، اس طرح حالات میں اور بھی بگاڑ ہوتا چلا جاتا ہے۔ حدیث قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

إن الله تعالىٰ يقول : أنا الله لا إله إلا أنا مالك الملوك وملك الملوك قلوب الملوك في يدي وإن العباد إذا أطاعوني حولت قلوب الملوك بالرحمة والرافة وإن العباد إذا عصوني حولت قلوبهم بالسخطة والنقمة فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك

ولکن اشغلوا أنفسکم بالذکر والتضرع کی أکفیکم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں ہی بادشاہوں کا مالک ہوں، میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے قبضۂ قدرت میں ہیں، بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دلوں میں رحمت وشفقت ڈال دیتا ہوں، اور جب وہ میری نافرمانی کرتے ہیں، تو میں ان کے قلوب میں شدید غصہ اور انتقامی کیفیت پیدا کر دیتا ہوں، تو وہ انھیں مبتلائے عذاب کر دیتے ہیں، لہٰذا اے لوگو! تم بادشاہوں پر بددعا کرنے میں اپنے آپ کو نہ لگاؤ، بلکہ مجھ سے دعا وتضرع میں لگ جاؤ، پھر میں تمہارا بہتر انتظام کر دوں گا۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الامارۃ)

اس حدیث کو بار بار پڑھنا چاہیے، جب بددعا کرنے کی ممانعت ہے، تو فضول تبصروں اور لغو تنقیدوں کی اجازت بھلا کب ہوسکتی ہے، جو کام کرنے کا ہے اسے کرنا چاہیے۔

(جلد نمبر۴، شمارہ نمبر۱، محرم، صفر، ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ / جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۵ء)

(ماہنامہ ضیاء الاسلام: جنوری ۲۰۱۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جماعت اہل حدیث کا تازہ کارنامہ

جماعت اہل حدیث! کیا شے ہے جماعت اہل حدیث؟ سنت وشریعت کی خادم! لیکن چڑ چڑی، ضدی اور بے لگام! خدمت کا انداز نرالا رکھتی ہے، اور لاریب کہ یہ اندازِ خدمت دوسروں پر بالا ہے۔ یہ پھلجڑیاں چھوڑتی ہے، پٹاخے پھوڑتی ہے، ہوائی فائر کرتی ہے، راہ گیروں کو چونکا دیتی ہے، انھیں اغل بغل سے ہوشیار کر دیتی ہے، تھوڑی دیر کیلئے آتش بازی کی وجہ سے راستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے، مگر پھر مسافر اپنا راستہ لیتا ہے اور یہ دوسری طرف پٹاخے پھوڑنے میں مشغول ہو جاتی ہے، اور مسافر ہوشیار اور چوکنا رہنے لگتا ہے۔

اس جماعت کا وجود اور تشخص، احناف کے منہ پر پھلجڑیاں چھوڑنے سے ہوا، اس نے ایک شوشہ نکالا، کہ احناف کا طریقۂ عبادت سنت کے مطابق نہیں ہے، نمازوں میں یہ رفع یدین نہیں کرتے، آمین بالجہر کے یہ قائل نہیں ہیں، قرأۃ خلف الامام پر یہ عامل نہیں ہیں، وغیرہ۔ چار فقہی مسالکِ فکر صدیوں سے چلے آرہے تھے، ان میں مسائل ودلائل کا اختلاف تھا مگر کوئی یہ کہنے کی جرأت نہیں کرتا تھا کہ فلاں مکتبِ فکر طریقۂ رسول کے خلاف ہے، یہ پٹاخہ ہندوستان میں چھوڑا گیا کہ احناف کا طرزِ عمل خلافِ سنت ہے، اور اس پر مزید ایک رَدّا یہ رکھا گیا کہ تقلید شرک ہے، اس رَدّے نے چاروں مذاہبِ فقہیہ کو چونکا دیا۔

احناف ایک عرصہ سے اپنے مسلک کو رسول اللہ ﷺ کی عین تابعداری سمجھ کر مطمئن تھے، اس اطمینان سے ان میں ایک طرح کا ٹھہراؤ محسوس ہونے لگا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے ان پر جمود طاری ہو گیا ہو، حالانکہ حقیقت یہ نہ تھی، تاہم جب سنت کی اس خدمت گزار جماعت نے ہنگامہ بپا کیا تو احناف چونکے، ان میں نئی حرکت پیدا ہوئی۔ انھوں نے دلائل کتاب وسنت کے ذخیروں کو از سرِ نو کھنگالنا شروع کیا، انھیں محسوس ہوا کہ حنفی مسلک مضبوط بنیادوں

پر کھڑا ہے، البتہ وہ بنیادیں لوگوں پر ظاہر نہ تھیں، ان کے شور و ہنگامہ کے بعد محققین نے ان دلائل و براہین کو نمایاں کیا، جن سے لوگ غافل تھے، اس ضمن میں علوم و معارف کا ایک نیا دبستاں کھل گیا، محدثین کی ایک گراں فوج سامنے آ کھڑی ہوئی، اس سے دنیا کو ایک زبردست علمی فائدہ پہونچا، احناف کو شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ جماعت اہل حدیث کی ایک بے محل چھیڑ اور بے وقت کی چیخ و پکار سے علم و تحقیق اور ہدایت کا ایک نیا باب مفتوح ہوا۔

یہ قافلہ تو آگے نکل گیا، پٹاخوں کی دھائیں دھائیں کم ہونے لگی، قریب تھا کہ اس کا تشخص ختم ہو جائے، کہ اچانک آواز آئی کہ وادی نجد میں دولت و ثروت کا خزانہ زمین کی تہوں سے نکل آیا ہے، یہ ادھر متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ وہاں ان کے حریف بھی کچھ کچھ پہونچ رہے ہیں، پھر تو پھلجڑیوں کا طوفان اٹھنے لگا، اتنا دھواں اٹھایا کہ فضا مکدر ہو گئی۔ کبھی عقائد کا مسئلہ، کبھی طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ، کبھی تراویح کا مسئلہ! لیکن اسی دوران نجد کے فرزند اکبر خادم الحرمین الشریفین الملک فہد کے عظیم الشان پریس سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دیوبندی کا ترجمہ قرآن مع فوائد عثمانی کے چھپ کر تقسیم ہونے لگا، اس سے اس ٹولہ کا اضطراب بڑھ گیا، پھر بہت دُند مچائی۔ وہی تفسیر جو آج سے نہیں، عرصۂ دراز سے پڑھی پڑھائی جا رہی ہے، جماعت اہل حدیث کے علماء بھی اس کے مطالعہ سے محروم نہیں ہیں، اور اس میں کوئی خرابی نظر نہ آتی تھی، جب وہ مدینہ منوہ کے شاہی پریس سے چھپ کر نکلی، اور لکھوکھا کی تعداد میں تقسیم ہونے لگی تو اس میں شرک و بدعت کے کیڑے نظر آنے لگے، بلکہ گمراہیوں کے شعلے لپکنے لگے، ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ اس کی تقسیم بند ہو جائے، اعتراضات کی جھڑی لگا دی، علماء دیوبند چونکے، جن چیزوں کو کبھی قابل اعتراض نہیں سمجھا گیا تھا، جب انھیں پر تعصب کی چاند ماری ہونے لگی، تو علماء کو تنبہ ہوا، اور سلف کے حوالوں سے ثابت کر دیا کہ جو کچھ اس ترجمۂ و تفسیر میں ہے، وہ عین حق ہے، اس جماعت کی پھلجڑی بجھ گئی، لیکن پرانا قابل اتباع علم زندہ ہو گیا اور ہدایت کی راہ خس و خاشاک سے پاک ہو گئی، جماعت اہل حدیث کا ایک بار اور شکریہ!

ادھر تقریباً تین چوتھائی صدی سے تبلیغی جماعت ایک خاص انداز سے مسلمانوں کی دینی خدمت میں مشغول ہے، اسے خدمت کرتے ہوئے لمبا عرصہ گزر گیا، اس کا دائرۂ کار بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اس کا حلقۂ اثر اب عرب وعجم کو محیط ہونے لگا ہے، عرب علماء وعوام نے اس کی خدمت کو پسند کیا، عرب ممالک کے قافلے سرگرم سفر نظر آنے لگے، ہندوستان میں بھی کثیر تعداد میں ان کی جماعتیں آنے لگیں، یہ خالص عوامی طرز کی خدمت ہے، جو سادگی کے ساتھ انجام پاتی ہے اس کے ذریعہ بے شمار ایسے لوگ جو خدا کے آستانہ سے نہ صرف محروم بلکہ باغی اور مجرم تھے، یکا یک اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر سجدہ ریز ہونے لگے، جنھیں اسلام کی ابتدائی چیزوں کی خبر نہیں تھی وہ اس میں لگ کر دین وایمان کے نمونے بن گئے، ایمان کی ایک تازہ بہار چمنستان اسلام میں خیمہ زن ہونے لگی، تبلیغی جماعت میں اسلام کے نام لیوا سبھی جماعتوں کے صالح افراد شامل ہونے لگے، حتیٰ کہ اہلحدیث طبقہ کی بھی خاصی تعداد اس قافلہ میں شریک ہوگئی۔ اس کا نتیجہ غیر ارادی طور پر یہ نکلا کہ پٹاخے داغنے والی سب جماعتیں سکڑنے لگیں، کیونکہ تبلیغی جماعت کا طریقۂ کار مثبت اور مفید ہے، اور مفید بھی ایسا کہ لگے ہاتھوں فائدہ دکھائی دینے لگتا ہے، مسجدیں نمازیوں سے بھرنے لگتی ہیں، چہروں پر اسلام کا نور جھلکنے لگتا ہے، پھر تبلیغی جماعت کے بڑے بڑے اجتماعات بھی ہوتے ہیں، جن میں شریک ہونے والے ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں گنے جاتے ہیں، اس کا اثر اس ''خادم سنت'' طبقہ پر پڑا، اس کے پیٹ میں حسب معمول مروڑ اٹھنے لگا اور لوگ اس کے باعث بل کھانے لگے، اور نتیجہ میں جو ''خدمت'' اس کے بطن سے خارج ہوئی، اسے ایک اشتہار کے ذریعے مشتہر کیا، کہنے کو تو وہ ایک عربی کالم کی تحریر کا ترجمہ ہے، لیکن اردو سے عربی میں ترجمہ کر کے ناقص بلکہ غلط معلومات فراہم کرنے والی یہی جماعت ہے، ورنہ بے چارہ عرب عالم اردو تقریروں اور تحریروں کو کیا سمجھے، یہ بالکل وہی کارنامہ ہے جو بریلی کے مولوی احمد رضا خان نے ۱۳۲۴ھ میں عرب جا کر انجام دیا تھا۔ اب تقریباً ایک صدی کے بعد ۱۴۱۶ھ میں طبقۂ اہلحدیث نے اس کی تجدید کی ہے، اشتہار کے تیور ملاحظہ ہوں۔

(۱) تبلیغی جماعت کی دعوت ''شیطانی دعوت''. جی ہاں! فرقۂ اہلحدیث کے نزدیک نماز روزہ اور کلمۂ وایمان کی دعوت شیطانی دعوت ہے، پھر جانے ایمانی دعوت کسے کہیں گے۔

(۲) ''تبلیغی جماعت والوں کو مسجد میں نہ آنے دو'' ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا﴾ کا کوئی نیا مصداق ہونا چاہئے، تجدد کا تازہ ترین شوق!

(۳) ''تبلیغی نصاب، منکر وموضوع احادیث سے بھرپور ہے'' جی ہاں! جو حدیث آپ کے مطلب کی نہ ہو، وہ سب بے تکلف منکر وموضوع ہے، تبلیغی نصاب کی حدیثیں شاید آپ کا ساتھ نہیں دیتیں، اس لئے اس میں جو کچھ ہے سب منکر وموضوع ہے۔

(۴) ''تبلیغی جماعت کی توحید مشرکین سے بڑھ کر نہیں ہے، یہ لوگ توحید اُلوہیت وعبادات میں فقیر ومعدوم ومفلس ہیں، بلکہ مشرک ہیں'' چلئے چھٹی ہوئی، تبلیغی جماعت اسلام سے خارج کردی گئی، اب کس کی مجال ہے کہ اس میں داخل کرے۔

(۵) ''تبلیغی جماعت والوں کا کسب وکمال خبیث ہے، اور شرک وبدعت وعقائد فاسدہ میں ملوث تبلیغی جماعت کے مشائخ بھی خبیث ہیں''۔

جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

(۶) تبلیغی جماعت والوں کا لٹریچر بھی بدعت وضلالت اور شرک کی دعوت پر مشتمل ہے، واقعی سچ ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا ۔۔۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

آپ یہ نہ سوچئے کہ یہ دین کی خدمت نہیں ہے، اس سے بڑی خدمت کیا ہوگی، کہ خدمت گاروں کو گھونسہ لگا کر جگاتے رہا جائے، کہیں یہ لوگ سو نہ جائیں۔

شکریہ جماعت اہلحدیث کا! بار بار شکریہ!!

(ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ/ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۵ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک بری خصلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہود اور منافقین کی ایک بری خصلت کا ذکر فرما کر اس پر عذاب الیم کی وعید سنائی ہے۔ یہ خصلت چونکہ خاص طور پر یہود اور منافقین میں پائی جاتی تھی، اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے آیا ہے، ورنہ درحقیقت یہ خصلت ہی محل وعید ہے، اور مسلمانوں کو بھی بڑے اہتمام سے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ اللہ کا یہی حکم ہے، اور اسی کے مطابق ہر مسلمان کی دعا ہے کہ جس قوم پر اللہ کا غضب ہوا ہے، اس راستے سے اللہ تعالیٰ ہم کو بچائے ہی رکھیں، تو جو آیت یہود اور منافقین کو ان کی کسی عادت بد پر دھمکی سنا رہی ہو، مسلمان یہ کہہ کر مطمئن نہیں ہو سکتے کہ یہ بات ہم کو نہیں کہی گئی ہے۔ قرآن جو اہل تقویٰ کے لئے نسخۂ ہدایت ہے اس کی کسی آیت سے مسلمان صرف اس لئے کیوں کر صرف نظر کر سکتا ہے کہ اس میں فلاں قوم کا ذکر ہے، وہ آیت ملاحظہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے۔ لَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَاتَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (سورہ آل عمران، ۱۸۱) جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کام پر خوش ہوتے ہیں اور جو کام نہیں کیا ہے اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو، سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کرو کہ وہ عذاب سے بچاؤ میں رہیں گے، اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کی تشریح میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”یہود غلط مسئلے بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر علیہ السلام کی صفات و بشارات جان بوجھ کر چھپاتے پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا، اور امید رکھتے

ہیں کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ بڑے عالم اور دین دار حق پرست ہیں۔ دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا، گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے، اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے کہ دیکھو کیسے جان بچائی، جب حضور جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کرکے چاہتے کہ آپ سے اپنی تعریف کرائیں، ان سب کو بتلا دیا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتیں، اول تو ایسے لوگ دنیا میں فضیحت ہوتے ہیں، اور کسی وجہ سے یہاں بچ گئے تو وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے۔ (**تنبیہ**) اس آیت میں گو تذکرہ یہود یا منافقین کا ہے، لیکن مسلمانوں کو بھی سنانا ہے کہ برا کام کرکے خوش نہ ہوں، بھلا کرکے اترائیں نہیں، اور جو اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں بلکہ کرنے کے بعد بھی مدح سرائی کی ہوس نہ رکھیں"

اس اس آیت پر اور اس کے مضمون پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے اور ہم اسلام کے نام لیواؤں کو دیکھنا چاہئے کہ ہمارے افراد میں اور ہمارے اجتماعی معاشرہ میں یہ مرض پھیلا ہوا تو نہیں ہے؟ انفرادی طور پر ہمارا یہ حال دیکھنے میں آرہا ہے کہ آدمی گناہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑتا ہے، کسی نے کسی کو ستایا، اس کا مال دبایا، کسی کی زمین غصب کی، کاروبار میں کسی کو دھوکہ دیا، قرض لیا اور ادا کرنے میں ٹال مٹول کیا، یا بالکل ہی ادا نہیں کیا، نماز کو ترک کیا، روزہ سے جان بچائی، زکوٰۃ کا مال ہضم کرلیا، یہ سب وہ گناہ ہیں، جن کے گناہِ کبیرہ ہونے میں کسی مسلمان کو تردد نہیں ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان پر شرمندگی تو کیا ہوتی؟ ان کے کرنے پر آدمی جھینپتا تو کیا؟ الٹے ان پر فخر کیا جاتا ہے، اپنی چالاکی اور عقلمندی کی شہادت انھیں سمجھا جاتا ہے، اور یہ بات کوئی اکا دکا واقعات کی صورت میں نہیں ظاہر ہوتی، بلکہ اس کا عام چلن ہے۔

اور اجتماعیت کا حال دیکھئے تو اور بھی دگرگوں ہے۔ آج کل اجتماعیت نام ہے تنظیموں کا، جماعتوں کا، انجمنوں کا، اداروں کا، مکاتب فکر کا، یہاں سیاسی پارٹیوں اور بے

دینی کے جتھوں کا ذکر نہیں ہے، ان اداروں اور جماعتوں کا ذکر ہے، جو مسلمانوں کی خدمت کیلئے ان کی صحیح رہنمائی کیلئے قائم ہوئی ہیں، ان کی تحریریں پڑھیے، ان کی تقریریں سنئے، کیا ان میں یہ مرض نظر نہیں آتا؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ الٹا سیدھا جو کام ان سے وجود میں آتا ہے چاہے وہ مسلمانوں کے حق میں مضر ہی ہو، خواہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی ہی ہوتی ہو، لیکن ان پر تحریراً وتقریراً خوشی بلکہ فخر کا اظہار کیا جاتا ہے اور جو کام نہیں کیا ہے، امیدوار رہتے ہیں کہ ان پر ان کی مدح وستائش ہوگی، بلکہ اب تو اس کا بھی انتظار نہیں ہوتا کہ دوسرے ہمارے کئے کاموں پر ہماری مدح سرائی کریں۔ بھلا اس کا انتظار کون کرے۔ ہمارا اجتماعی معاشرہ اس سے ترقی کر کے خود ہی اپنی مدح وستائش کا راگ الاپتا ہے، اور نام اس خودستائی کا ''تعارف'' رکھا جاتا ہے، اور یہ تاویل کی جاتی ہے زمانہ تشہیر وپروپیگنڈے کا ہے، اس کے بغیر کام اور نام دب جاتا ہے، ممکن ہے یہ تاویل کسی حد تک درست ہو، لیکن غور کرنے والے غور کریں کہ کہیں یہ یہود ومنافقین کی پیروی تو نہیں ہے؟ بالخصوص اس وقت جب کہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے، کہ بہت سے ادارے، بہت سی انجمنیں ان خوبیوں سے خالی ہوتی ہیں، ان کا اندرونی نظام خود ان کے کارکنوں کیلئے باعث مصیبت بنا ہوتا ہے، وہ خود تفرق وانتشار کا شکار ہوتی ہیں۔ ان کی بے عملی اور ناکارگی کی شکایتیں عام ہوتی ہیں، لیکن جب تعارف شائع ہوگا تو اس طرح شائع ہوگا کہ جیسے دین کی اور مسلمانوں کی خدمت ان کے علاوہ کسی اور جانب سے ہوتی ہی نہیں، کتنے مکاتب فکر ہیں، جو اپنی ظاہری وباطنی غلطیوں کے باوجود خود کو معصوم ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں، یہ صورت حال خودستائی اور اپنی مدح سرائی کی بہت تشویشناک ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ هُوَ أَعْلَمُ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (النجم، ۳۲) تم کو وہ خوب جانتا ہے جب بنا نکالا تم کو زمین سے، اور جب تم بچے تھے ماں کے پیٹ میں، سو مت بیان کرو اپنی خوبیاں، وہ خوب جانتا ہے، اس کو جو بچ کر نکلا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی اگر تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو، اور اپنے کو بہت بزرگ نہ

بناؤ وہ سب کی بزرگی اور پاکیزگی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے ہستی کے اس دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا، آدمی کو چاہئے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے جس کی ابتدا مٹی سے تھی پھر بطن مادر کی تاریکیوں میں ناپاک خون سے پرورش پاتا رہا، اس کے بعد کتنی جسمانی و روحانی کمزوریوں سے دوچار رہوا، آخر میں اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہونچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں، جو واقعی متقی ہوتے ہیں، وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب بھی پوری طرح کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کے حد سے باہر ہے، کچھ نہ کچھ آلودگی سب کو ہو جاتی ہے **الا من عصمہ اللہ** (فوائد عثمانی)

یہ بات جس طرح ایک فرد کے حق میں صحیح اور قابل غور ہے، اسی طرح اجتماعی اداروں کے اوپر بھی منطبق اور ان کیلئے لائق توجہ ہے۔ **واللہ ولی التوفیق**

(رجب تا رمضان ۱۴۱۶ھ / جنوری تا مارچ ۱۹۹۶ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف ہمارا قیمتی سرمایہ

ادھر چند برسوں میں اہل اسلام کے درمیان سے علم و فضل اور زُہد و تقویٰ کے لحاظ سے ممتاز، اتنی بڑی بڑی شخصیتیں مسلسل اٹھتی چلی گئی ہیں کہ کم از کم ہندوستان کے دینی بلکہ انسانی حلقوں میں ایک ناقابل تدارک خلاء محسوس ہونے لگا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے گناہوں کی تاریکی اور دھوئیں میں یہ نورانی ہستیاں گھٹن اور وحشت محسوس کرنے لگی تھیں، اس پر حق تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے ایک بڑی تعداد کو اپنی آغوشِ رحمت میں بلا لیا۔

یہ تو حقیقت ہے کہ انسان دنیا میں مسافرانہ وارد ہوا ہے، اس کا سفر برابر طے ہو رہا ہے، ہر روز ایک انسانی قافلہ شب و روز کی راہ قطع کرتا ہوا عدم کی منزل میں گم ہو جاتا ہے، تاہم ہر روز ایک نیا قافلہ اس دنیا میں وارد ہو کر جانے والوں کی جگہ پُر کر لیتا ہے، لیکن انھیں جانے والوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا جانا دنیا کو بہت محسوس ہوتا ہے، وہ رحمت و برکت کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ ان کے سائے میں ایک عالم راحت پاتا ہے، ان کے وجود سے دلوں میں روشنی محسوس ہوتی ہے، ان کی صحبت میں سکون واطمینان کی چادر سی تنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب چلے جاتے ہیں تو بے شمار انسان بے سایہ اور بے سہارا لگنے لگتے ہیں، پھر دنیا کے ستائے ہوئے لوگ، مصیبت کے مارے ہوئے لوگ، علم و عمل کے پیاسے لوگ، گزر جانے والوں کا بدل تلاش کرتے ہیں اور نہیں پاتے، تو انھیں دہری مصیبت کا احساس ہونے لگتا ہے۔

ہم کئی سال سے جن شخصیتوں کو کھوتے چلے جا رہے ہیں، وہ اسی شان کی تھیں جس

کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ہر شخصیت ایسی ہی تھی کہ آج ان کا بدل تلاش کرنے سے نہیں ملتا۔ یہاں ان سطروں میں ہم ان بزرگانِ رفتہ کا ماتم نہیں کرنا چاہتے، بلکہ اس پر غور کرنا چاہتے ہیں، اور اپنے اخوان واحباب کو دعوتِ فکر دینا چاہتے ہیں کہ گزر جانے والی نسل میں وہ کیا خاص بات تھی جس کی وجہ سے وہ ساری انسانیت کے لئے پناہ گاہ بن گئے تھے، اور ان کے سائے میں ہر آنے والا سکون اور خنکی محسوس کرتا تھا، اور موجودہ نسل سے وہ کیا چیز گم گئی ہے کہ اس کے پاس سوزش، تکلیف، پیاس اور بے اطمینانی کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔

لوگوں کے رُجحانات بدلے ہوئے ہیں، ہوا کا رُخ کچھ اور ہے، اس سے ہٹ کر گفتگو کرنا اپنے آپ کو موردِ طعن بنانا ہے، لیکن جو بات کہنے کی ہے اسے ’’حلقۂ یاراں‘‘ میں لانا ضروری ہے، شاید دلوں کی آنکھ کھلے، شاید کسی کو نفع ہو۔

جب ہم ان بزرگوں کی زندگی اور ان کی سیرت وشمائل پر غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ جن کمالات کی وجہ سے انھیں دنیا نے اپنے دل میں جگہ دی ان کا اصل منبع اور سرچشمہ وہی چیز ہے جسے آج کل اسلام میں شجرِ ممنوعہ قرار دیا جارہا ہے، وہ کیا ہے؟ وہ تصوف ہے۔ یہ سارے حضراتِ اکابر تصوف کے ذوق آشنا ہی نہیں عملاً اس کوچہ کے رہ نورد اور اس طریق کے سالک تھے، اسی تصوف نے ان کی زندگیوں میں اس درجہ حلاوت، کیف اور چاشنی بھر دی تھی کہ جو بھی ان کی صحبت میں پہونچ گیا وہ ان میں جذب ہوکر رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔ ان کو جو حکم ہے وہ یہی ہے کہ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کریں۔ اور اسی اخلاص میں آدمی ترقی کرتا ہے تو اسے مرتبۂ احسان حاصل ہوتا ہے، جو عبادت اور دین کا اصل جوہر ہے، اس کو حاصل ہونے کے بعد آدمی کا رُواں رُواں صدا دینے لگتا ہے کہ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ بے شک میری نماز، میری قربانی بلکہ میری زندگی اور موت محض اللہ کے لئے ہے جو سارے عالم کا پروردگار ہے۔

اسی اخلاص اور احسان کو حاصل کرنے کا طریقہ اور اس تک پہونچنے کا راستہ

تصوف کے نام سے معروف ہے۔ اب خواہ کوئی اس نام سے بھڑکے یا اسے غیر اسلامی چیز قرار دے، مگر یہ حقیقت ہے کہ اس راہ کو اپنائے بغیر اخلاص اور احسان کے نام اور اس کی علمی تشریحات کی معرفت تو ہوسکتی ہے، لیکن آدمی کا دل ودماغ اور اس کا ریشہ ریشہ اس کی حلاوت سے سرشار ہوجائے، اس کا حصول مشائخ کی صحبت اور تصوف کی عملی مشق کے بغیر بہت دشوار ہے۔ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے آدمی خواہ اس سے صرفِ نظر کرے، مگر اس کے بغیر اسے اپنی زندگی میں خلاء ضرور محسوس ہوتا ہے، بشرطیکہ حس ماؤف نہ ہوچکی ہو۔ آج دنیا میں انسان اپنے کو بہت سی لایعنی مشغولیات میں مبتلا کرکے حقائق سے فرار اختیار کرتا ہے مگر مرض اور بڑھاپا تمام لایعنی مشغلوں کو چھڑا دیتا ہے۔ اس وقت بہت سے لوگوں کو اپنی کمی کا احساس ہونے لگتا ہے، اور اصحاب توفیق اس پر پہلے ہی متنبہ ہوجاتے ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور ومعروف صاحب علم وتدریس حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کا اعتراف اور ان کی آپ بیتی ملاحظہ کرلینی چاہئے۔ یہ صرف انھیں کے دل کی آواز نہیں ہے، بلکہ غور کریں گے تو بکثرت اصحاب علم وفضل کے دل کی گہرائیوں سے یہ صدا نکلتی ہوئی محسوس ہوگی، یہ اور بات ہے کہ امام غزالی نے اس صدا پر لبیک کہی اور بہت سے حضرات اسے نظر انداز کردیتے ہیں۔ امام غزالی کی تحریر کا یہ اقتباس ہم حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کی مایہ ناز کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' حصہ اول سے نقل کرتے ہیں۔ امام صاحب علوم وفنون کی کئی بے برگ وگیاہ وادیوں کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

> ''اب صرف تصوف باقی رہ گیا ہے، میں ہمہ تن تصوف کی طرف متوجہ ہوا، تصوف علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ میرے لئے علم کا معاملہ آسان تھا، میں نے ابوطالب مکی کی ''قوت القلوب'' اور حارث محاسبی کی تصنیفات، اور حضرت جنید وشبلی وبایزید بسطامی وغیرہ کے ملفوظات پڑھے اور علم کے راستے سے جو کچھ حاصل کیا جاتا تھا، وہ میں نے حاصل کرلیا، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ اصلی حقائق تک تعلیم کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ ذوق وحال اور حالات کی تبدیلی سے پہونچا جاسکتا ہے، جو علوم میرا سرمایہ تھے خواہ شرعی

ہوں یا عقلی، ان سے مجھے وجودِ باری، نبوت اور معاد پر ایمان راسخ حاصل ہو چکا تھا، لیکن یہ بھی کسی دلیل محض سے نہیں بلکہ ان اسباب وقرائن اور تجربوں کی بنا پر جن کی تفصیل مشکل ہے، مجھ پر یہ اچھی طرح واضح ہو چکا تھا کہ سعادتِ اُخروی کی صورت صرف یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جائے، اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ دارِ فانی سے بے رغبتی، آخرت کی طرف میلان وکشش اور پوری یکسوئی کے ساتھ توجہ الی اللہ کے ذریعہ قلب کا علاقہ دنیا سے ٹوٹ جائے، لیکن یہ جاہ ومال سے اعراض اور موانع وعلائق سے فرار کے بغیر ممکن نہیں۔ میں نے اپنے حالات پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں سرتاپا دُنیوی علائق میں غرق ہوں۔ میرا سب سے افضل عمل تدریس وتعلیم کا معلوم ہوتا تھا، لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم کی طرف ہے جو نہ اہم ہیں اور نہ آخرت کے سلسلے میں کچھ فائدہ پہونچانے والے ہیں۔ میں نے اپنی تدریس کی نیت کو دیکھا تو وہ بھی خالص لوجہ اللہ نہ تھی، بلکہ اس کا باعث ومحرک بھی محض طلب جاہ وحصول شہرت تھا، تب مجھے یقین ہو گیا کہ میں ہلاکت کے غار کے کنارے کھڑا ہوں، اگر میں نے اصلاح حال کے لئے کوشش نہ کی تو میرے لئے سخت خطرہ ہے۔‘‘

اس کے بعد امام غزالیؒ اپنی اندرونی کش مکش، ایمان ونفس کی آویزش، پھر اس کی وجہ سے اپنے مبتلائے امراض ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد بغداد سے نکلنے، تدریس کو چھوڑنے، لوگوں کے افسوس کنے کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے اپنے دس سالہ مجاہدات کا اجمالاً ذکر کرنے کے بعد انھوں نے بطور خلاصہ کے تحریر فرمایا ہے کہ:

’’ان تنہائیوں میں مجھے جو کچھ انکشافات ہوئے، اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا، اس کی تفصیل اور استقصاء تو ممکن نہیں، لیکن ناظرین کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ

تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔ اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت واخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں۔ ان کے ظاہری وباطنی حرکات وسکنات مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ ہیں، اور نورِ نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔'' (المنقذ من الضلال)

یہ عاقل ترین عالم کی شہادت ہے اور بلاشبہہ صحیح اور قابل اعتماد ہے، جو لوگ تصوف کے منکر ہیں ان سے تو کچھ نہیں کہنا ہے، لیکن جو حضرات اس کے قائل ومعترف ہیں انھیں عملاً اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، وہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے جو صرف دنیا اور دنیاوی متاع واسباب کے لئے بسر ہو، زندگی تو وہی ہے جو صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہو اور اس کی رضا جوئی کی عملی مشق کا نام تصوف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے لوگوں نے غیر مخلصانہ طریق پر تصوف میں قدم رکھا، اور انھوں نے اپنے اعمال وکردار سے اس پاک طریقہ کو بدنام کیا، لیکن کیا کچھ غلط افراد کی ناکردنی کے باعث اس ضروری عمل کو چھوڑ دیا جائے، ہرگز نہیں۔ تصوف انسان کو کہاں سے کہاں تک پہونچاتا ہے، اس کا بیان ایک بڑے صاحب علم وعقل اور زبردست دنیوی وجاہت کے مالک نواب صدر یار جنگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی علیہ الرحمہ کی زبانی سنئے! وہ اپنے زمانے کے مشہور شیخ طریقت حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہونچے تو ان کا کیا تاثر تھا، اسے ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ تصوف آدمی کو کن بلندیوں تک پہونچادیا کرتا ہے، بشرطیکہ اس کو اخلاص وصدق کے ساتھ اختیار کیا جائے۔ فرماتے ہیں:

حضرت کی خدمت میں پہونچ کر دو زبردست خیالات میرے دل میں طاری ہوئے، جن کے سبب یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ میں نے حضرت کا مرتبہ پہچان لیا، لیکن یہ جانا کہ ہم میں اور ان میں سوائے ظاہری مشابہت کے اور کوئی مشابہت نہیں، ہمارے خیالات سے ان کے خیالات الگ، ہمارے ارادوں سے ان کے ارادے جدا،

ہمارے مشاغل سے ان کے مشاغل علیحدہ، ان کی امیدیں اور، خوشیاں اور، خوف اور مقصود اور۔ آگ لکڑی کو جلاتی ہے ہم بھی دیکھتے ہیں اور ان کے بھی پیش نظر ہے، لیکن ہم کیا سمجھتے ہیں، ان کے ذہن میں کیا آتا ہے۔

اول خیال تو یہ تھا کہ مرادآباد دُنیا میں ہے، اور گاؤں نہیں قصبہ ہے، لیکن حضرت کی مسجد میں ایک دوسرا عالم نظر آتا تھا، دنیاوی معاملات کا کوسوں پتہ نہ تھا، خود حضرت کی گفتار و کردار اور وہاں کے اہل قیام کے احوال سے (عام اس سے کہ وہ چند گھنٹوں کے لئے آئے ہوئے ہیں یا دو چار برس سے رہتے ہیں) یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو تعلقاتِ دنیوی سے کنارہ کر آئے ہیں، حیدرآباد کے امیر وکبیر نواب خورشید جاہ بہادر جو ۵۲/لاکھ کے معافی دار ہیں، میرے پہونچنے سے صرف ایک روز پہلے وہاں آئے تھے، مگر ان کا ذکر نہ تھا اور نہ کوئی وقعت ان کی کسی کے ذہن میں معلوم ہوتی تھی، حالانکہ کانپور اور بلہوران کے تذکروں کی صداؤں سے گونج رہے تھے، اور ہر ایک سوسائٹی (خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ) ان کے تذکروں کو اپنے جلسوں کا دلچسپ مبحث بنائے ہوئے تھی، پھر یہ کس کا اثر تھا؟ آیا مرادآباد کے پانی کا؟ ہرگز نہیں، وہاں کی خاک کا؟ ہرگز نہیں۔ وہاں کے در و دیوار کا؟ ہرگز نہیں۔ حضرت کے ہاتھ پاؤں کا؟ ہرگز نہیں۔ حضرت کے بالوں کا؟ ہرگز نہیں۔ البتہ اس کیفیت کا اثر تھا جو حضرت کے قلب میں تھی۔ وہ کیفیت کیا تھی؟ اس سے کون واقف ہے اور کوئی کیا جانے؟ مریض کا بدن بخار سے جلتا ہے، مگر وہ سوائے اثر کے مؤثر کو نہیں جانتا۔ سبب کو تشخیص کرنا طبیب کا کام ہے، ہم بدن پر ہاتھ رکھ کر گرمی محسوس کر سکتے ہیں، مریض کو اپنا جسم گرم اور منہ کا مزہ تلخ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ جاننا کہ یہ غلبۂ صفراء کا نتیجہ ہے، طبیب کا کام ہے۔

دوسرا خیال یہ تھا کہ خود میرا ذہن مجھ کو ذلیل سمجھتا تھا، اور ہر چند حیرت سے غور کرتا تھا لیکن کوئی وقعت اپنی میرے ذہن میں نہیں آتی تھی، دنیاوی جلسوں میں لفٹنٹ کے دربار دیکھے، رؤسا کے مجمع دیکھے، اہل علم کی مجلسیں دیکھیں، مگر کہیں اپنے نفس کو اتنا بے حقیقت نہیں پایا، اپنے اعمالِ ذمیمہ پر خود نفس ملامت کرتا تھا اور اپنی بے مائیگی پر خود

☆☆☆☆☆☆☆

نفریں کن تھا، ہر شخص سے خواہ وہ کوئی ہو، اپنے تئیں کم وقعت تصور کرتا تھا، غرض کہ ایک عجیب حال تھا کہ پورا بیان میں آنا مشکل ہے۔ وہاں سے آنے پر یہ خیالات ایسے رہے جیسے کہ کسی دلچسپ خواب کا صبح کو خیال اور لطف ہوتا ہے، رفتہ رفتہ یہ کیفیت زائل ہوگئی اور چند لمحے کے بعد پھر نفس امارہ أنا و لا غیری اور ''ہمچو ما دیگرے نیست'' کے پھندے میں جا پھنسا، یہ خیال میرے نزدیک محض نئے اور نرالے تھے جو مدت العمر میں کسی اور جگہ کبھی نہیں پیدا ہوئے، اس سے قیاس چاہتا ہے کہ وہ جگہ بھی کچھ اور جگہوں سے نرالی تھی،،، اللہ بس باقی ہوس۔'' (تذکرۂ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی)

غور کیجئے! یہ نرالی جگہ، یہ نرالی کیفیت اور خیال! کس چیز کا اثر ہے، حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے قلب پر وہ کیفیت کہاں سے طاری ہوئی، اس کا سرچشمہ بجز تصوف کے اور کیا ہے؟ ان کو تصوف ہی نے مرصع کیا تھا، اور اس چیز کو ان کی زندگی سے نکال دیجئے تو دیکھئے کیا بچتا ہے۔

تصوف ہمارا بہت قیمتی سرمایہ ہے، ایک لازوال دولت ہے، اس راہ سے بندہ اپنے رب سے واصل ہوتا ہے، تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، وہ شریعت کے آدمی میں رچ بس جانے کا ایک بے بدل ذریعہ ہے۔ اس کے بنیادی ارکان پانچ ہیں، (۱) صحبت شیخ، (۲) علم شریعت، (۳) ذکر کی کثرت، (۴) فکر کا التزام، (۵) اور امراضِ نفسانی کا علاج۔ ان میں کون سی چیز قابل اعتراض ہے، اور کون سی بات شریعت کے باہر ہے؟

اس سرمایہ کی حفاظت حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس اللہ اسرارھما کے اخلاف کی ذمہ داری ہے۔

(رجب تا رمضان ۱۴۱۸ھ / نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء، جنوری ۱۹۹۸ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تنقید کا دوہرا معیار

کسی شہر میں کوئی رئیس تھے، ان کا تکیۂ کلام تھا ’’جو ہے سو ہے‘‘ ہر گفتگو میں یہی مہمل جملہ ان کی زبان سے ادا ہوتا رہتا تھا، ایک مرتبہ انھوں نے کسی سے فرمائش کی، کہ تم بازار جاؤ ’’جو ہے سو ہے‘‘ وہاں سے ’’جو ہے سو ہے‘‘ فلاں سامان ’’جو ہے سو ہے‘‘ لیتے آؤ، ’’جو ہے سو ہے‘‘۔ وہ شخص چلا گیا، کچھ دیر کے بعد وہ خالی ہاتھ واپس آیا، رئیس نے خالی ہاتھ دیکھا تو ان کی پیشانی شکن آلود ہوگئی، انھوں نے وجہ پوچھی تو یہ کہتا ہے، میں بازار ا گیا ’’جو ہے سو ہے‘‘، مگر آج ’’جو ہے سو ہے‘‘ بازار ’’جو ہے سو ہے‘‘ بند ہے، ’’جو ہے سو ہے‘‘۔ یہ سن کر وہ رئیس آگ بگولہ ہوگئے، اسے مارنے کو دوڑے، کہتے جا رہے تھے کہ میں کہوں ’’جو ہے سو ہے‘‘ تم مت کہو ’’جو ہے سو ہے‘‘۔

یہی حال ہمارے درمیان پائی جانی والی بعض جماعتوں کا ہے، کہ جس کام کو وہ خود نہایت بلند آہنگی اور جرأت کے ساتھ کر رہی ہیں، اگر جواب کے طور پر انھیں کے حق میں وہی کام کوئی دوسرا کردے، تو ان کا مزاج بگڑ جاتا ہے، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ جس طرز عمل کو انھوں نے اپنے لئے اختیار کیا ہے، دوسروں کو بھی اس کے استعمال کی اجازت دیں۔ مثلاً ایک جماعت ہے جو ’’عمل بالحدیث‘‘ کا دعویٰ کرتی ہے، دعویٰ تو بہت اچھا ہے، اور ہر مسلمان اس کو اپنی سعادت سمجھتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں پر عمل کرے۔ کوئی شخص جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا ہو، اس کے بارے میں یہ سوچا نہیں جا سکتا کہ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ارشاد آئے اور وہ اسے رد کردے، لیکن اس جماعت کے تیور ایسے ہیں، جیسے دوسرے لوگ عمل بالحدیث سے تہی مایہ ہیں۔ چنانچہ ان کا یہ تیور ان کی تحریروں اور تقریروں سے ظاہر

ہوتا ہے، وہ صراحۃً اپنے علاوہ دوسروں کو عمل بالحدیث سے منحرف قرار دیتے ہیں، عمل بالحدیث کے دعویٰ کا سہارا لے کر وہ جس پر چاہتے ہیں تنقید کا تیشہ چلا دیتے ہیں، حتیٰ کہ اگر وہ اپنے زعم میں محسوس کرتے ہیں کہ بعض صحابہ نے ان کی معمول بہ حدیث پر عمل نہیں ہے، تو ان کے حق میں بھی بے تکلف زبان اور قلم کو حرکت دینے لگتے ہیں۔ جرح وتنقید اور تجہیل و تضلیل کا عمل ان کے ہاں خوب رائج ہے، دوسروں کے حق میں یہ سب رَوا ہی نہیں، معمول و دستور ہے، لیکن یہی حق وہ دوسروں کو دینے کے لئے تیار نہیں ہیں، اور اگر کسی نے ان کے حق میں ذرا بھی زبانِ تنقید کھولی تو اس جماعت کے چھوٹے بڑے سب بوکھلا جاتے ہیں، پھر جواب بنے یا نہ بنے، بات معقول ہو یا نا معقول، جوابی کاروائی ضروری ہو جاتی ہے، گویا وہ زبانِ حال سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم جس کی گردن پر چاہیں چھری رکھ دیں، لیکن ہمیں چاقو کی نوک بھی برداشت نہیں، اس سلسلے میں یہ جماعت بڑی حساس ہے، یہ جماعت کسی کی تقلید نہیں کرتی، لیکن بعض علماء کو ذہنی طور پر اپنا پیشوا تسلیم کرتی ہے۔ یہ اگر امام ابوحنیفہؒ کو کچھ کہے تو کسی کو مجالِ جواب نہیں، لیکن اگر کسی نے علامہ ابن تیمیہ یا شیخ ناصر الدین البانی کو کچھ کہہ دیا تو پوری مشنری حرکت میں آجاتی ہے، حالانکہ یہ لوگ ان کے مقلد نہیں ہیں، مگر نہ جانے ان کے بارے میں اتنے حساس کیوں ہیں؟ اگر امام ابوحنیفہ کی تغلیط یہ لوگ کر سکتے ہیں، تو دوسروں کو بھی حق دیں کہ وہ ان کے اور ان کے ذہنی مقتداؤں کی تغلیط کر سکیں۔ الماٰثر کے پچھلے دو ایک شماروں میں ان کے تنقیدی حملوں کا قدرے جواب چکایا گیا تو انھیں سخت ناگوار گزرا ہے، بہت برہم ہوئے ہیں، اب اُدھر سے حملوں کی شدت بڑھ رہی ہے، لیکن ہم مطمئن ہیں ہمیں اور بھی کام ہیں، ان کے پاس وہی پُرانے حربے ہیں جن کی جھنکار سننے کے ہم عادی ہیں۔ البتہ یہ بات زیب نہیں دیتی کہ جو طرزِ عمل وہ دوسروں کے حق میں رَوا رکھتے ہیں، اس کی اجازت وہ دوسروں کو نہیں دیتے، یہ بات کیا حدیث کے خلاف نہیں ہے؟

جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان لوگوں کے حملوں کا کوئی جواب نہ دیا جائے، کیونکہ یہ حملے ان کا تکیۂ کلام ہیں، کہاں تک ان کا تعاقب کیا جائے گا، اسی لئے باوجودیکہ ہمارے حلقوں

میں بھی زبان وقلم کی کمی نہیں ہے، لیکن عموماً لوگ خاموش رہتے ہیں، اور جواب میں الجھنے کو کارِلایعنی خیال کرتے ہیں، اور واقعی بات یہی ہے۔ تاہم چند باتیں پیش نظر ہوتی ہیں، اس لئے کسی قدر جوابی کارروائی پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

اوّل: یہ کہ ان کی بے محابا تنقیدات سے فقہی احکام میں غلو اور تشدد پیدا ہوتا ہے، مثلاً ناواقفوں کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ بہت سے فقہی احکام میں احناف بالکل خلافِ سنت ہیں، حالانکہ وہ مسائل کتاب وسنت کی قوی بنیادوں پر قائم ہیں، اب انھیں قطعی خلافِ سنت قرار دے کر دوسرے کسی طرزِ عمل میں سنت وشریعت کو منحصر کردینا، یہی تشدد اور غلو ہے۔ جس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے۔

دوسرے: یہ کہ اگر حملہ آور کو روکا نہ جائے تو بے جا طور پر اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ تشکیک میں مبتلا ہونے لگتے ہیں، چنانچہ ان کے شوروغل کی وجہ سے بسا اوقات دیکھا گیا ہے، جو احناف ان سے ناواقف ہوتے ہیں وہ اپنے مسلک کی طرف سے شک وشبہ کے شکار ہونے لگتے ہیں، تو اس لئے کہ وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہمارا جواب دوسروں کے پاس ہے ہی نہیں، اور اس لئے کہ اپنے لوگ شک وشبہ میں نہ مبتلا ہوں، جواب دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

تیسرے: یہ کہ ان کی تنقیدوں کے ضربات سے بہت سے ائمہ متقدمین، مشائخ اور بزرگان دین کی آبرو مجروح ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں پچھلوں کا رشتہ اگلوں سے ٹوٹنے لگتا ہے، جو ان کے لئے خسارہ کا باعث ہے، یہ ضرورت بھی مجبور کرتی ہے کہ انھیں سمجھایا جائے، اور ان کی خدمت میں عرض کیا جائے، ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت　　　دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

اور اگر اس کا لحاظ نہیں کیا گیا تو یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ تُرکی بہ تُرکی جواب دینے والے موجود ہیں۔ سعدی علیہ الرحمہ کی یہ نصیحت بہت برمحل ہے ؎

ہر بیشہ گماں مبر کی خالی ست　　　شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

ہر جھاڑی کو یہ نہ سمجھو کہ خالی ہے، ممکن ہے وہاں کوئی چیتا سویا ہوا ہو۔

اور یہ جو عرض کیا گیا کہ ان تنقید کی ضربوں سے مشائخ اور بزرگان دین کی آبرو مجروح ہوتی ہے، تو یہ واقعہ ہے، کچھ عرصہ پہلے تک تو فقہاء کرام ان کی نوازشوں اور عنایات کے مورد تھے، مگر اب دائرہ وسیع ہو گیا ہے، جو لوگ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی آبرو تھے، جنھوں نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی، اور جو اس ملک میں دین کے تحفظ وبقاء کے جلی عنوان تھے۔

اب ان کی عزت وآبرو بھی تار تار ہو رہی ہے۔کون نہیں جانتا کہ ہندوستان میں ایک زمانہ میں حکومت کی سطح پر دین اسلام کے خاتمہ کا اعلان ایک ایسے بادشاہ کی طرف سے کرایا جا رہا تھا، جس کے آباء واجداد مسلمان تھے، لیکن اسے باور کرا دیا گیا تھا کہ دین محمدی پر ہزار سال بیت چکے ہیں، اس لئے اس کی عمر پوری ہو چکی ہے، اب بادشاہ سلامت ایک دوسرے دین کی داغ بیل ڈالیں، چنانچہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے ’’دین الٰہی‘‘ کے نام سے ایک نئے دین کا ’’معجون مرکب‘‘ تیار کیا۔اس وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہندوستان سے دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے ایک بندے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کو کھڑا کیا، انھوں نے کمالِ عزیمت کے ساتھ اکبری فتنہ کا خاتمہ کیا، اللہ تعالیٰ نے انھیں جو قوتِ ایمانی، عزیمتِ روحانی اور رسوخِ علم نیز عالی ہمتی عطا فرمائی تھی، اور اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی جو خاص توفیق شامل تھی، اس کی برکت سے انھوں نے وقت کے سب سے بڑے بادشاہ کے جگائے ہوئے فتنہ کو موت کی نیند سلا دیا، ان کی دینی خدمات کو قبول عام حاصل ہو چکا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ پر جس کی ذرا بھی نگاہ ہوگی، وہ مجدد صاحب کی عظمت کے اعتراف پر مجبور ہوگا، یہ انھیں کی مساعیٔ مشکورہ اور دعا ہائے سحر گاہی کی برکت ہے کہ جس تخت سے دین اسلام کے خاتمہ کا اعلان کیا جا رہا تھا، ایک ہی پشت کے بعد اس پر شاہجہاں جیسا بادشاہ آتا ہے، جس نے ملک کو اسلامی آثار سے جگمگا دیا، اور اس کے معاً بعد اورنگ زیب عالمگیر جیسا دیندار اور خدا ترس بادشاہ اسی

تخت پر آتا ہے جس کے علم اور بزرگی کا شہرہ عام ہے۔

مگر یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ مذکورہ بالا حلقے میں اس جیسے عظیم بزرگ کی کھال بھی محفوظ نہیں رہی، کیا ان کے حصے میں یہی بات رہ گئی ہے کہ جن بزرگوں نے سب کچھ قربان کر کے رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی حفاظت کی ہے، ان کے گوشت اور کھال کو زاغ وزغن کے قبضے میں دے دیا جائے، اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ رینگے۔ ان کا قصور کیا تھا کہ ان کی خدمات پر پانی پھیرنے کی سعی کی جا رہی ہے؟ قصور یہ ہے کہ یہ بزرگ اور ان کے سلسلے کے دوسرے بزرگ تصوف کے علمبردار تھے، ان کی زندگی کا سب سے جلی عنوان تصوف تھا، اور تصوف اس حلقہ میں قطعاً گردن زدنی ہے۔ تصوف کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی قابل قبول نہیں اور تصوف نہ ہو تو شاید ہر گناہ قابل عفو ہے۔

تصوف! جس کے بغیر کل تک کسی دینی شخصیت یا دینی خدمت کی تکمیل نہیں ہوتی تھی۔ تصوف! جس کی خانقاہ میں مجاہدین اسلام کی پرورش ہوئی ہے۔ تصوف! جس کو ہندوستان کے خدامِ دین کی زندگی سے نکال لیجئے تو کچھ نہیں بچتا۔ تصوف! جس نے اللہ کے بے شمار بندوں کو دین وایمان کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا حوصلہ بخشا تھا۔ چودھویں صدی ہجری کے وسط تک کسی بزرگ، کسی عالم دین کا نام لیجئے، تصوف اس کی زندگی میں جگمگا رہا ہوگا، حتیٰ کہ جماعت مذکور کے ابتدائی پیشوا میاں نذیر حسین صاحب اور نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی وغیرہ بھی اس میکدہ کے مے گساروں میں تھے۔ ہندوستان کا مشہور خانوادہ جس کو یہ لوگ قبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بلکہ اس خانوادہ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں، یعنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد واحفاد، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید، ان سب حضرات کی تربیت تصوف ہی کے زیر اثر ہوئی تھی، اب وہی تصوف ایک ناقابل معافی جرم بن چکا ہے، نہ جانے اس کے باوجود شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور شاہ محمد اسماعیل شہید کو یہ لوگ ابھی تک کیوں اپنا پیشوا تسلیم کئے جا رہے ہیں، حالانکہ ان کے پورے وجود پر تصوف چھایا ہوا ہے۔

غلط کار لوگ ہر جگہ داخل ہو جاتے ہیں اور غلطیاں ہر جگہ رہ جاتی ہیں، ان غلطیوں پر روک ٹوک کرنا عین تقاضائے ایمان ہے، اور غلط کاروں کو متنبہ کر دینا، ان کی نشاندہی کرنا بالکل ضروری ہے، لیکن سرے سے تصوف وسلوک کا انکار کر دینا، یہ کیا ہے؟ یہ تو مسلمانوں کو ان تابناک ماضی سے کاٹ کر رکھ دینا ہے، معتمد علماء ومشائخ سے بدگمان کر دینا ہے، آزادروی کی نئی راہ کھول دینی ہے جس پر چل کر آدمی اباحیت اور الحاد ودہریت کے گڈھے میں گر جائے، چنانچہ اس کا تجربہ ہے۔

کاش یہ لوگ بزرگوں کی کھال نہ نوچتے، بلکہ اپنی کھال پر نظر رکھتے کہ کہاں کہاں داغ دھبہ لگا ہوا ہے، اسے صاف کرتے، اپنا احتساب کرتے تو بہتر ہوتا۔

ہندوستان ہی میں نہیں، دنیا کے ہر ملک اور ہر خطے میں صوفیہ اور مشائخ کی روشن خدمات ہیں، انھوں نے جان پر کھیل کر دین کی خدمت کا فریضہ انجام دیا ہے، ان کے ذریعے سے جس قدر اسلام کی اشاعت ہوئی ہے، کوئی دوسرا ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ ابھی چند سال پہلے جب روس کی حکومت پارہ پارہ ہوئی تھی، تو اچانک کئی اسلامی ریاستیں نکل کھڑی ہوئیں، دنیا کو حیرت ہوئی کہ ستّر سال کمیونزم کے آہنی پنجے میں دبے رہنے کے باوجود مسلمان اب بھی اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس وقت دارالمصنفین اعظم گڈھ میں ڈربن یونیورسٹی (افریقہ) کے پروفیسر حبیب الحق صاحب تشریف لائے تھے، انھوں نے خود ان ممالک اور ریاستوں میں جا کر ان کا مشاہدہ کیا تھا، انھوں نے جدید وقدیم تعلیم یافتہ حضرات کے مجمع میں ..... اور ان میں وہ بھی تھے جو کسی طرح تصوف کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ..... بڑی قوت سے کہا کہ ان ممالک میں اسلام کی حفاظت کی خدمت ان لوگوں نے انجام دی، جنھیں آج کچھ لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے، انھوں نے کہا وہاں خطرناک سے خطرناک حالات میں جن لوگوں نے اسلام کو سینوں سے لگائے رکھا، وہ تاریک جنگلوں اور دشوارگزار بیابانوں اور گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر ماؤں کی گود سے شب کے سنّاٹے میں ننھے منے بچوں کو لے جاتے اور دنیا کی نگاہوں سے بچ کر انھیں قرآن کی تعلیم دیتے، یہ صوفیہ

تھے! صرف صوفیہ تھے!!

اب لوگوں کے منہ میں زبان ہے، ہاتھ میں قلم ہے، دولت کی فراوانی ہے، پریس کی بہتات ہے، طباعت کی سہولت ہے، کوئی کسی کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں، زبان روکنے والا نہیں، جس کا جو جی چاہے بولے، لکھے، شائع کرائے، لیکن کیا اس کا کوئی حساب کتاب نہیں، ڈرنا چاہئے کہ کل کہیں ایسا نہ ہو کہ ان خادمانِ دین کا ہاتھ ہو اور خردہ گیروں کا دامن ہو، اور دربارِ خداوندی میں پیشی ہو۔ اس وقت بڑی دشواری ہوگی، اللہ تعالیٰ اسلاف کے حق میں بد گوئی اور الزام تراشی سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائے۔ وباللہ التوفیق

(محرم، صفر، ربیع الاوّل ۱۴۱۷ھ / جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۹۶ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے لگام سلفیت

ایک زمانے میں ہندوستان کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا اور کھلا ہوا فتنہ ''رافضیت'' کا تھا۔ علماءِ اہل سنت بالخصوص حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت سیّد احمد شہید، مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اس فرقہ پر ضرب لگائی تو مسلمان اس سے چوکنے ہوگئے اور بہت کچھ اپنے آپ کو اس سے بچالیا، ورنہ اس فرقہ نے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی پر کفر و نفاق کی تہمت رکھ کر مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف کرنے کی اپنی والی کوشش کر ڈالی تھی، اور اس کے ساتھ بہت سے کفریہ اور شرکیہ کلمات اور عقائد مسلمانوں کے معاشرہ میں رائج کردیئے تھے۔

اس فرقہ کا زور گھٹ رہا تھا کہ بریلویت اور رضاخانیت کا طوفان اٹھا، اس فرقہ نے کفر کے فتوؤں کی تلوار ہاتھ میں لے لی، اور اپنے خیال و نظریہ سے جس کو بھی علیٰحدہ پایا، اس پر یہ تلوار چلادی۔ مسلمانوں کی کوئی جماعت اور کوئی شخصیت بجز رضاخانیت اور رضاخانیوں کے ایسی نہیں بچی جو ان کے کفریہ فتووں سے گھائل نہ ہوئی ہو، اب بھی یہ فرقہ اپنے اس ''عمل خاص'' میں مصروف ہے، مگر اب تلوار کی کاٹ وہ نہیں رہی، جو پہلے تھی۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو اس فتنہ سے ذرا مہلت مل رہی تھی کہ تکفیر و تضلیل کا ایک دوسرا طوفان اٹھنے لگا، اس طوفان کو اٹھانے والے ہیں تو ہندوستانی اور پاکستانی غیر مقلدین! مگر سہارا لینے کی کوشش کی ہے وادیٔ نجد سے! اس کی اُٹھان بھی ٹھیک اسی شان سے ہوئی ہے جس شان سے رضاخانیت کا فتنہ اٹھا تھا، یعنی جیسے احمد رضا خان بریلوی نے ہندوستان کے

علماء حق کی اردو عبارتوں میں قطع وبرید کی اور جو جی چاہا ترجمہ کیا، اوراسی ترجمہ کو پیش کر کے علماء حرمین سے کفر کا فتویٰ حاصل کیا، ٹھیک اسی کی تقلید اس فتنہ کے بانیوں نے کی۔ انھوں نے بھی علماء حق (علماء دیوبند) کے احوال واقوال اور عبارتوں کو جیسے تیسے پیش کیا، اور سعودی علماء سے فتوے لکھوائے، احمد رضا خان بریلوی نے جو مجموعہ مرتب کیا تھا اس کا نام ''حسام الحرمین'' ہے، اوران بانیان فتنہ نے جو مجموعہ اکٹھا کیا، وہ ''**الديوبندية - تعريفها وعقائدها**'' یہ فتاویٰ کیا ہیں؟ تکفیر کی بے حجابانہ چلتی ہوئی تلواریں ہیں، ان کی زد میں موجودہ فرقۂ غیر مقلدین کے علاوہ بیشتر اگلے پچھلے مسلمانوں کی گردنیں ہیں، یہ اندھی اور بے شعور تلواریں ہیں جن کا عقل وفہم اور ''تاویل الاحادیث'' سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان تلواروں سے اورتو اور خود غیر مقلدین کے صف اول کے ائمہ کی گردنیں کٹی پڑی دکھائی دیتی ہیں، لیکن یہ فرقہ اب بھی ان کی مدح سرائی کرنے سے نہیں شرماتا، مثلاً شیخ الکل فی الکل مولانا سیّد نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب وحید الزماں حیدرآبادی وغیرہ، کیوں کہ جن بنیادوں پر علماء دیوبند کی تکفیر کی گئی ہے، وہ بنیادیں ان حضرات کے یہاں بھی پائی جاتی ہیں، دیکھئے: **وقفة مع اللامذهبية**'' مصنفہ مولانا ابوبکر غازی پوری۔

(اس کے ضروری حصوں کی تلخیص ''المآثر'' ج:۴، ش:۴ میں شائع ہو چکی ہے، اسے بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)

اس کتاب میں فرقۂ غیر مقلدین کے علاوہ تمام مسلمانوں بالخصوص علماء دیوبند اور ان سے تعلق رکھنے والوں کو ملت اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے، اس لئے نہیں کہ وہ کفریہ عقائد میں مبتلا ہیں، بلکہ اس لئے کہ وہ اہل اللہ اور مشائخ کے حق میں کرامات اور خوارق کے قائل ہیں، اوراس سلسلے میں جو واقعات ان کی طرف منسوب ہیں، انھیں سچ مانتے ہیں، مثلاً یہ کہ ان کے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہوتی ہے، تھوڑے وقت میں ان سے زیادہ کام ہو جاتا ہے، قلیل مدت میں طویل مسافت طے کر لیتے ہیں، بغیر اسباب ظاہری کے ان سے بعض امور صادر ہو جایا کرتے ہیں، اور بہت علوم جو عام انسانوں پر نہیں کھلتے منجانب اللہ ان پر کھل جاتے ہیں، اور یہ سب ان کے اختیار سے نہیں ہوتا، محض اللہ کے کرم وبخشش

سے ہوتا ہے! لیکن اسی قصور پر وہ ملت اسلام سے خارج ہیں، اور اس لئے ان پر کفر کا فتویٰ ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو قبروں میں زندہ سمجھتے ہیں، اور روضۂ اطہر نبوی ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو جائز بلکہ باعث اجر وثواب سمجھتے ہیں، اور ان کا جرم یہ بھی ہے وہ دلائل الخیرات (درود شریف کی ایک کتاب) اور قصیدہ بردہ (عربی میں ایک مشہور نعت نبوی) پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا ایک گناہ یہ بھی ہے کہ ان کی دعاؤں اور توجہات سے مریضوں کو شفا مل جاتی ہے، نیز ان کا سب سے بڑا گناہ بلکہ کفر یہ ہے کہ وہ تصوف کے قائل، بلکہ اس پر عمل پیرا ہیں، یہ بالکل ناقابل معافی گناہ ہے، اور تصوف خواہ کہیں نظر آئے، اس پر تکفیر کی تلوار چمک کر رہتی ہے، غرض یہی بنیادیں ہیں جن کو بھیانک بنا بنا کر پیش کیا گیا ہے، اور مسلمانوں کی تکفیر کی گئی ہے۔

صوفیہ اور مشائخ کے اعلیٰ حلقوں میں ایک علمی مسئلہ ''وحدت الوجود'' کا زیر بحث رہتا ہے، یہ ایک دقیق اور عمیق علمی مسئلہ ہے، اور جتنا دقیق ہے اتنا ہی مختلف فیہ بھی ہے اور نازک بھی، جو لوگ اس کی حقیقت نہیں سمجھتے، وہ اس کے موافق ہوں یا مخالف، بہر حال اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ جو لوگ اس کے قائل ہوئے اور انھوں نے اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا، ان سے بہت سی گمراہیاں پھیلیں، لیکن بے سوچے سمجھے جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی وہ بھی کچھ کم بے راہ نہیں ہوئے، اور آج پوچھئے کہ کتنے لوگوں نے اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، اور کتنے اس سے واقف ہیں، اور کتنے لوگ اس کے عوارض ولوازم کو جانتے ہیں، عام طور پر اہل علم بھی اور دوسرے تمام مسلمان بھی ''وحدت الوجود'' کے مسئلہ سے یکسو ہو کر اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، یہ مسئلہ نہ مدارِ ایمان واسلام اور نہ اس کا علم عام ہے، مگر ''الدیوبندیۃ'' کے غیر مقلد مصنف نے ضروری سمجھا کہ اخص الخواص کے دائرہ کے اس غامض علمی مسئلہ کو عامۃ الناس اور اہل علم کے سر تھوپ کر ان کی تکفیر کرلے، وحدت الوجود کے بارے میں بقول مصنف ''الدیوبندیۃ'' کبار علماء سنت کا فتویٰ ہے یہ ہے کہ ھٰؤلاء اکفر من النصاریٰ (الدیوبندیۃ، ص:۴۷) یہ لوگ عیسائیوں سے

بدتر کافر ہیں، اور چونکہ ان کے نزدیک یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ تمام علماء دیوبند اوران سے تعلق رکھنے والے، بلکہ ان سے پہلے کے بیشتر صوفیہ ومشائخ وحدت الوجود کے قائل ہیں، اس لئے بیک حملہ یہ سب نصاریٰ سے بڑھ کر کافر ہیں۔

اگر کوئی شخص اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پر نظر رکھتا ہو،تو ہمیں شمار کرکے بتائے کہ دنیا میں کتنے مسلمان اس تکفیری فتویٰ سے بچتے ہیں، واللہ! ان کی تکفیر کا دھواں تو رضاخانیت سے غلیظ اور وسیع ہوگیا ہے، اور لطف یہ ہے کہ عقل وفہم کے یہ مساکین سرے سے وحدت الوجود کے مسئلے کو سمجھتے ہی نہیں، اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ تو وہ لوگ ہیں جنھیں ظواہر الفاظ کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا،قرآن میں **الرحمن علی العرش استویٰ**، کا لفظ آگیا،تو فرماتے ہیں کہ **ھل یکون الاستواء إلا الجلوس** (الدیوبندیہ،ص:۲۴۶) لیجئے، استواء جلوس وقعود میں منحصر ہوگیا،یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے، گویا وہ آدمیوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔تاویل خواہ کتنی ہی ضروری ہو،لیکن ان کے نزدیک جائز نہیں،خواہ تاویل نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ماننا پڑے، اسے محدود تسلیم کرنا پڑے، جیسا کہ استواء کو جلوس کے معنی میں لینے سے یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں،لیکن یہ گوارا ہے مگر تاویل گوارا نہیں، چنانچہ ان کے عقائد میں اس طرح کے خرافات بہت ہیں، خیر یہ ایک الگ موضوع ہے، کہنا یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان تو رضاخانیت ہی کے تکفیری حملوں سے نالاں تھے،اب یہ اس سے بڑا فتنہ پیدا ہوا ہے۔

مصنف الدیوبندیہ نے ہر مسئلہ کے تحت ''**رای کبار علماء السنة فی ھٰذہ المسألة**'' کے تحت کچھ علماء کی رائیں نقل کی ہیں اورانھیں کو کبار علماء السنۃ قرار دے کر ان کے فتووں کو وحی الٰہی کے طور پر علماء دیوبند کے خلاف پیش کیا گیا ہے، یہ کس قد وقامت کے لوگ ہیں؟ اوران کا مبلغ علم وفہم کیا ہے؟ اسے ایک مثال سے سمجھ لیجئے:

الدیوبندیہ میں کسی مسعود الدین عثمانی کی کتاب ''توحید خالص'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ مدرسۂ دیوبند کی بنیاد نبی کریم ﷺ نے رکھی ہے،

اورآپ کبھی کبھی اپنے خلفاء اور اصحاب کے ساتھ مدرسہ کا حساب دیکھنے تشریف لاتے تھے۔(الدیوبندیۃ،ص:۹۶)

مسعودالدین عثمانی خواہ کوئی ہوں ،لیکن جوصورت واقعہ انھوں نے بیان کی ہے وہ سفید جھوٹ ہے، بنیادرکھنے کی بات تو یہ ہے کہ نودرہ کی عمارت کی بنیاد جب رکھی جانی تھی تو ایک بزرگ مولانا رفیع الدین صاحب علیہ الرحمہ نے رسول اللہ ﷺ کوخواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور چھڑی سے نشان بنایا کہ یہاں سے بنیاد کھودیئے۔(تاریخ دارالعلوم دیوبند، ج:۱،ص:۱۸۵)اوردوسراواقعہ خودصاحب الدیوبندیہ نے لکھاہے کہ حالت ذکرمیں ایک بزرگ کوایک خاص استغراقی حالت طاری ہوئی ، اوراس حالت میں مکشوف ہواکہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ،اورحضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم کے حسابات پیش کئے ، یہ دونوں واقعے خواب اور کشف کے ہیں ،اور یہ دونوں چیزیں ازقبیل مبشرات ہیں ،جن کے حق ہونے میں کسی طرح اہل حق کوکلام نہیں ہوسکتا ،مگر ملاحظہ فرمایئے ، اس پر ایک صاحب کس طرح برافروختہ ہوئے ہیں:

’’اس خرافاتی حکایت میں رسول اللہ ﷺ اورآپ کے خلفاء اوراصحاب پر زبردست افتراء ہے،اورحدیث متواتر ہے کہ:**من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار** (جوبالقصد مجھ پرجھوٹ بولے وہ اپناٹھکانہ جہنم میں بنالے)توجولوگ رسول اللہ ﷺ اورآپ کے خلفاء واصحاب پرافتراء کرتے ہیں وہ اس سے بچ نہیں سکتے ، کہ اس وعیدشدید کابڑاحصہ ان پرصادق آکر رہے،اوران لوگوں پربھی، جواس خرافی واقعہ کوسچ جانیں،وہ بھی اس زبردست جھوٹ کی سزاسے بچ نہیں سکتے۔‘‘(حمودتویجری،ص:۹۸)

نہ حقیقت واقعہ کی تحقیق اور نہ خواب ومکاشفہ کی شرعی حیثیت پرنظر! بس بے دلیل افتراءعلی الرسول کی تہمت بے جا!اس بہتان طرازی کی بھی کچھ سزاہوگی یانہیں؟

ایک صاحب دوقدم اورآگے نظرآتے ہیں،فرماتے ہیں:

پڑھواے لوگواورحیرت کرو! رسول اللہ ﷺ اس مدرسہ کی بنیادکیسے رکھ سکتے ہیں، جو

آپ کی سنت سے جنگ کرتا ہو اور آپ کی سیرت وطریقے کو پھینک رہا ہو، یہ مدرسہ عقائد میں ماتریدی اور مذہب کے اعتبار سے حنفی ہے، اور اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور دین میں انتشار پر رکھی گئی ہے۔(۱) اس سے یہ رسول اللہ ﷺ راضی ہیں، نہ خلفائے راشدین خوش ہیں، نہ خود امام ابوحنیفہ! (تقی الدین ہلالی) ص: ۹۸

اللہ اکبر! دین ومذہب کا فیصلہ ہلالی صاحب کے ہاتھ میں ہے، ماتریدی ہونا کفر ہے، حنفی ہونا شرک ہے، یا اللہ جانے کیا ہے؟ اور ہلالی صاحب یہ تو بتائیں کہ اس مدرسہ سے نہ رسول اللہ ﷺ راضی ہیں، نہ خلفائے راشدین، نہ صحابہ، نہ امام ابوحنیفہ! یہ غیب کا علم اور قطعی علم انھیں کہاں سے حاصل ہوا؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے انھیں بتایا ہے؟ یا ان پر وحی نازل ہوئی ہے؟ یا رسول اللہ ﷺ پر افتراء ہے؟ بتائیں کہ کیا ہے؟ بلا شبہ یہ افتراء ہے، جھوٹ ہے، بہتان ہے، جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین اور صحابہ اور امام ابوحنیفہ پر باندھا گیا ہے، ولکن لا یشعرون۔

نہ جانے علم سنت کی یہ کون سی قسم ہے، کہ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل یہ صاحب جو ہانک دیں وہ وحی قطعی! اور کوئی غریب خواب دیکھے یا اسے کشف ہو تو وہ افتراء! یہ تو جنون ہے، پھر بھی یہ صاحب علماء کبار سنت میں شامل ہیں۔

مات کھا گئی رضاخانیت کی گستاخی، غیر مقلدیت کی بے باکی سے! گھٹنے ٹیک دیئے بریلویوں نے غیر مقلدوں کے سامنے! لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر چڑھاؤ کے لئے اتار ہے، علماء ومشائخ کی کھال سے الجھنے والے بہت دنوں تک اپنے گریبانوں کو بچائے نہیں رکھ سکتے، کسی زمانہ میں معتزلہ نے حکومت کا سہارا پاکر اہل سنت کو بہت تنگ کیا تھا، لیکن آخر ان کی دھجیاں بکھر گئیں۔ ایک دور میں فیضی اور ابوالفضل وغیرہ نے دربار اکبری کی بیساکھی لے کر مسلمانوں کو رگیدنا شروع کیا تھا، مگر ان کے تمام پُرزے اڑ گئے، اب ان زر پرست مولویوں نے سعودی حکومت اور علماء کو فریب دے کر تمام مسلمانوں پر کفر وشرک کی تلوار برسانی شروع کی ہے، لیکن یہ فریب کی کرسی عارضی چیز ہے، اس کا سہارا ناپائیدار ہے، نہ

جانے کب یہ کرسی نیچے سے کھسک جائے۔

خیر خواہی کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے خیالات کو معصوم نہ سمجھیں، اپنی عقل کو عقلِ کل نہ قرار دیں، اور حق کو اپنے ہی محدود حلقے میں منحصر نہ کریں، اپنے حق میں بھی غلطی کا امکان باقی رکھیں، دوسروں کے اقوال واحوال ومقاصد کو سمجھیں، آیاتِ الٰہی اور احادیث نبوی کو کھلونا نہ بنائیں اور بے محابا کفر کے فتوے نہ صادر کریں، اور خدا کی گرفت سے ڈریں۔ واللہ الموفق

(رجب تا رمضان ۱۴۱۷ھ/جنوری تا مارچ ۱۹۹۷ء)

☆☆☆☆☆

(۱) کاش ہلالی صاحب جانتے کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کن حالات میں اور کن جذبات سے رکھی گئی ہے، تو وہ اتنے بڑے جھوٹ کے گناہ سے بچ جاتے، یا ممکن ہے کہ اس شخص سے سچ بولنے کی قدرت سلب ہوگئی ہو، ان تحریریں جو ''الدیوبندیہ'' میں نقل کی گئی ہیں ان کے پڑھنے سے ایسا ہی احساس ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أمر بالمعروف ونھی عن المنکر

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درجہ دین اسلام میں ''مدارِ اعظم'' کا ہے، یہ اتنی اہم چیز ہے کہ اسی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو بھیجا ہے، اگر اس کی بساط لپیٹ کر رکھ دی جائے، اور اس کے علم وعمل کا رواج بند ہوجائے تو کارِ نبوت معطل ہوکر رہ جائے، دین ودیانت میں اضمحلال پیدا ہوجائے، خرابیاں عام ہوجائیں، گمرہی پھیل جائے، جہل کا غلبہ ہوجائے، فساد کا دائرہ وسیع ہوجائے، بربادی بے انتہا ہوجائے، آبادیوں کا حال ابتر ہوجائے، بندگانِ خدا ہلاکت کے غار میں گرجائیں، اور انھیں بجز روزِ قیامت کے احساس بھی نہ ہو۔

وہ چیز جس کا ہمیں اندیشہ تھا، وہ ہوگئی إنا للہ وإنا إلیہ راجعون ،اس ''مدارِ اعظم'' کا علم مٹ گیا، اس کی حقیقت فنا ہوگئی، اس کے نشانات تک باقی نہ رہے، قلوب پر مداہنت کا غلبہ ہوگیا ہے، اور خالق کا فکر وخیال دلوں سے محو ہوگیا ہے، لوگ بہائم کی طرح خواہشات وشہوات کے پیچھے چھوٹ پڑے ہیں، اور اب بساط زمین پر ایسے مومن صادق کا وجود نادر ہوگیا ہے، جسے اللہ کی راہ میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہ ہو۔

(احیاء العلوم، ج:۲،ص:۳۰۶)

یہ ماتم امام غزالیؒ نے اپنے دور کا کیا ہے، اگر وہ ہمارے اس دور کو دیکھتے تو نہ جانے کیا فرماتے؟ اب تو رنگ ہی اور ہے، منکرات کا وہ عموم ہے کہ وہی معروف بن گئے ہیں۔ ان منکرات پر نکیر کون کرے؟ کسے یارا ہے کہ انھیں ٹوک سکے؟ حال یہ ہے کہ منکر پر نکیر کرنے والا خود مورد لعن وطعن بن جاتا ہے، امام غزالی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد

نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: یاتی علی الناس زمانٌ لأن تكون جيفة حمار أحب إليهم من مومن يامرهم وينهاهم (احیاء العلوم، ج:۲، ص:۳۱۱) ایک ایسا وقت بھی آئے گا، لوگ اس مومن کے مقابلے میں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو، مردار کو پسند کریں گے۔

کون یہ کہہ سکتا ہے کہ آج یہ بات صادق نہیں آرہی ہے، اب منکرات پر نکیر تو درکنار، ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، اگر کوئی اتفاق سے ٹوک دے، تو ان لوگوں کی بھی پیشانیوں پر بل آجاتا ہے جو معروف اور منکر کو سمجھتے ہیں، گویا جس کے جو جی میں آئے کرتا جائے، تنظیم بنا کر، یا انفرادی طور پر بس اتنی شرط ہے کہ بظاہر وہ کام مثبت رنگ کا ہو، خواہ قرآن وسنت سے میل نہ کھاتا ہو، خواہ وہ غیروں کی نقالی میں ہو، خواہ اس سے دینی احکام پر زد پڑتی ہو، لیکن اسے کوئی نہ ٹوکے، کیونکہ فرض کرلیا گیا ہے کہ ٹوکنا تخریب ہے، احتساب کی اجازت کوئی نہیں دیتا، ہر شخص اور ہر جماعت اپنی رائے پر نازاں ہے۔

لیکن یہ کیا کوئی اچھا حال ہے؟ اس کا جواب قرآن کریم میں تلاش کیجئے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَتَرٰى كَثِيراً مِنهُم يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (سورہ مائدہ:٦٢/٦٣) اور تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر دوڑتے ہیں، بہت برے کام ہیں جو کر رہے ہیں، کیوں نہیں منع کرتے، ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کے کہنے سے اور حرام کھانے سے، بہت ہی برے عمل ہیں جو کر رہے ہیں۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں کہ:

> ”جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے، تو اس کے عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہو جاتے ہیں، اور اس کے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں، بنی اسرائیل کا حال یہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیوی لذات وشہوات میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کی

عظمت وجلال اور اس کے قوانین واحکام کو بھلا بیٹھے، اور جو مشائخ اور علماء کہلاتے تھے انھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کردیا، کیونکہ حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے، مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا تھا، اسی سکوت اور مداہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔

سورہ مائدہ ہی میں کچھ دور آگے چل کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ، كَانُوْا لَايَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَاكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (سورہ مائدہ: ٧٨/٧٩) ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل کے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بن مریم کی، یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے، اور حد سے گزر گئے تھے، آپس میں منع نہ کرتے تھے برے کام سے جو وہ کررہے تھے، کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

"یوں تو تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے، لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیان وتمرد میں حد سے گزر گئے کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرائم سے باز آتا تھا، اور نہ غیر مجرم، مجرم کو روکتا تھا، بلکہ سب شیر وشکر ہوکر بے تکلف ایک دوسرے کے ہم پیالہ وہم نوالہ بنے ہوئے تھے، منکرات وفواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترشروئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا، تب خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی۔"

امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابوداؤد علیہم الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"بنی اسرائیل جب معاصی میں پڑے، تو اوّلاً ان کے علماء نے منع کیا، مگر وہ نہیں مانے، لیکن اس کے باوجود وہ علماء ان کے ساتھ ان کی مجالس میں بیٹھتے رہے، ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے رہے، پس اللہ نے ایک دوسرے کے قلوب کو باہم ٹکرادیا، اس کے بعد ان

پر حضرت داوٗداور عیسیٰ بن مریم کے واسطے سے لعنت کی، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول علیہ السلام جب یہ فرمارہے تھے تو ٹیک لگائے ہوئے تھے، اتنا فرماکر سیدھے بیٹھ گئے، اور فرمایانہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہاں تک کہ تم ان کوروکو۔‘‘(مشکوۃ شریف، تفسیر ابن کثیر)

یہ ایک آئینہ ہے جس میں ہم اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں، کیا بنی اسرائیل کا حال جو قرآن کریم اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے، ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے، اور کیا قلوب پر مداہنت خلق کا غلبہ نہیں ہے، کہیں اپنی آن اور جاہ کا خیال ہے، کہیں اپنی جماعت اور پارٹی کی حمایت کا مسئلہ ہے، کہیں اپنی قوم اور برادری کا خوف ہے، حد تو یہ ہے کہ اب نہی عن المنکر کو تخریب اور جارحیت سمجھا جانے لگا ہے اور طرح طرح کے بے بنیاد شبہات والزامات کا اسے مورد قرار دیا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ پہلے حکام کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، پھر انھوں نے جانا بند کردیا، ان سے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے رہتے، تو ان کے دلوں پر اثر ہوتا، تو انھوں نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر ان سے بات کروں، تو کہیں میرے سلسلے میں وہ نہ سمجھ جائیں، جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں (یعنی میری نیت کچھ اور ہو، وہ اسے کسی اور نیت وغرض پر محمول کرلیں) اور اگر خاموش رہوں تو اندیشہ ہے کہ گنہگار ہو جاؤں گا۔(احیاء العلوم، ج:۲،ص:۳۱۱)

اور یہ بالکل امر واقعہ ہے کہ کوئی شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کسی نیت سے انجام دیتا ہے، اور لوگ اسے دوسرے مقاصد پر محمول کرنے لگتے ہیں، اور انھیں اس کا خیال شاید نہیں ہوتا کہ یہ بدگمانی گناہ کے دائرے میں آجاتی ہے۔

پہلے جو بات ’’سلطانیٔ افراد‘‘ کے دور میں تھی، اب وہی بات ’’سلطانیٔ جمہور‘‘ کے دور میں بھی ہے، تاہم اس دور میں عزلت نشینی اختیار کرکے آدمی اپنی ذمہ داریوں کو کم کرسکتا

تھا، مگر آج نشر واشاعت اور پریس کے بے انتہا پھیلاؤ کی وجہ سے کسی کی عزلت نشینی اس کی ذمہ داریوں کو ہلکا نہیں کرسکتی، وہ برائی کی جگہوں پر حاضر نہیں ہوگا، وہ منکرات کی مجلسوں سے دور رہے گا، مگر یہ جگہیں اور یہ مجلسیں خود اس کے گھر پہونچ جائیں گی، پھر اگر وہ بولے تو ''سطانِ جمہور'' اسے نہ جانے کن مقاصد پر محمول کرلے، اور اگر نہ بولے تو عند اللہ گنہگار ہوگا۔

بہرکیف! ایک بڑی ذمہ داری کی چیز ہے، اس سے صرف نظر کرنا خطرناک ہے، اور اسے اختیار کرنا لوگوں کے طعن کا نشانہ بننا ہے، لیکن یہاں پر سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ایک ارشاد ضرور یاد رکھنا چاہیے، انھوں نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے منبر پر ارشاد فرمایا کہ: **واعلموا أن الامر بالمعروف والنهي عن المنكر لايقطع رزقاً ولايقرب أجلاً**۔ خوب سمجھ لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہ رزق بند ہوگا، اور نہ موت قریب آجائے گی۔

نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عصر کے بعد تقریر فرمائی، اور قیامت تک آنے والی بہت سی باتوں کا تذکرہ فرمایا، اس میں یہ بھی فرمایا کہ: **ولا يمنعن أحداً منكم هيبة الناس أن يقول بحق إذا علمه وفي رواية إن رأى منكراً أن يغيره فبكىٰ ابوسعيد وقال قد رأيناه فمنعتناه هيبة الناس أن نتكلم فيه** (مشکوۃ شریف، ج:۲، ص:۴۳۷)

مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی ہیبت اور لوگوں کا دباؤ تمہیں حق بات کے کہنے سے رکاوٹ بن جائے، جبکہ وہ اس حق بات کو جانتا ہو، پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رو پڑے، اور فرمایا کہ ہم نے تو اسے دیکھ لیا، چنانچہ لوگوں کی ہیبت نے ہمیں حق بات کہنے سے روک دیا۔ **ألّٰهم وفقنا لما تحب وترضىٰ من القول والعمل والفعل والنية والهدىٰ إنك علىٰ كل شئ قدير**۔

(جلد نمبر:۷، شمارہ نمبر: ا محرم تا ربیع الاول ۱۴۱۹ھ/مئی تا جولائی ۱۹۹۸ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۲/ربیع الاوّل کے ہنگامے

ان حروف کا لکھنے والا ایک ضرورت سے ہندوستان کے معروف شہر بمبئ گیا ہوا تھا، ۱۲/ربیع الاول کو بمبئ کے مشہور محلّہ مدن پورہ، مولانا آزاد روڈ کے ایک مکان پر ٹھہرا ہوا تھا، اس نے دیکھا کہ یہاں مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے پیغمبر ﷺ کی ولادت پر عید منا رہا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ۱۲/ربیع الاول کو ہوئی تھی، اس تاریخ میں آپ کی ولادت کا ہونا کوئی تحقیقی اور قطعی بات نہیں ہے، بہت سے محققین نے اس سے اختلاف کیا ہے، لیکن یہاں ہندوستان میں اسی مشکوک اور غیر یقینی تاریخ کو یقینی اور قطعی بنا کر ایک عجیب وغریب عید منائی جاتی ہے، اور اسے نام ''عید میلاد النبی'' کا دیا جاتا ہے۔ یہ عید ہندوستان و پاکستان کے کے بیشتر شہروں میں منائی جاتی ہے، اور اسے ایک خاص انتہا پسند اور جارحیت زدہ فرقہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ بہت سی جگہوں پر اس عید میلاد النبی کے تماشے سڑک پر نظر آئے، لیکن بمبئ میں جو نقشہ دیکھا، وہ اور کہیں نظر نہ آیا، اس عید میں جو چیز قدر مشترک ہے وہ تو ہر جگہ ایک ہی ہے، یعنی جھنڈوں کے ساتھ سڑکوں پر جلوس نکالنا، لاؤڈ اسپیکر لگا کر نعت خوانی کرنا، شوروغل کرنا، بلند وبانگ نعرے لگانا، سڑکوں کو جام کرنا، راہ چلتے لوگوں کو پریشانی میں ڈالنا، امن وسکون کے ماحول کو پُر خطر اور مخدوش بنانا وغیرہ، لیکن بمبئ میں رنگ ہی کچھ اور تھا۔

بمبئ میں عید میلاد النبی کا جلوس سڑکوں پر نکالا گیا تھا، اور ٹرک ایک دو نہیں سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں رہے ہوں گے۔ ۳/بجے دن سے مولانا آزاد روڈ پر یہ جلوس شروع ہوا، تو دس بجے رات تک مسلسل یہ جلوس چلتا رہا، یکے بعد دیگرے ٹرک نکلتے

رہے، ہر ٹرک الگ الگ انداز سے سجایا گیا تھا، کوئی پھولوں سے آراستہ تھا، کسی کو پھلوں سے سجایا گیا تھا، کسی پر بڑے بڑے بینر لگے ہوئے تھے، الگ الگ جماعتوں، انجمنوں، برادریوں، پیشہ وروں اور محلوں کے الگ الگ ٹرک تھے، ہر ٹرک پر اوباش اور لاخیرے قسم کے نوجوان اور لڑکے ہڑ بونگ مچا رہے تھے، سڑک پر اِترا اِترا کر ناچ رہے تھے، تھرک رہے تھے، ڈھول تاشے بجا رہے تھے، نماز کا وقت ہے، مسجدوں میں نمازیں ہو رہی ہیں، اور یہ عاشقان رسول نعرے لگا رہے ہیں، ''علی کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''خواجہ کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' ''آدھی روٹی کھائیں گے، اسلام کو بچائیں گے'' ''چوبیس نمبر ہائے ہائے'' انھیں نعروں کے شور وغل میں اسلام کو بچانے والے نمازوں کو برباد کر رہے تھے، نمازیوں کو پریشان کر رہے تھے، مسجدوں کی بے حرمتی کر رہے تھے، ٹریفک جام، راہ رَو پریشان، پولیس کا عملہ دم بخود، عام لوگ سراسیمہ، اور اسلام کے یہ نام لیوا بہادر اچھل اچھل کر ''نہیں چھوڑیں گے، نہیں چھوڑیں گے'' کے نعرے گونجا رہے تھے۔

ایک شخص بیٹھا سوچ رہا تھا کہ قرآن سے، احادیث رسول سے، تاریخ کے مطالعہ سے، اور اپنے اساتذہ کے ذریعے واسطہ در واسطہ رسول اللہ ﷺ سے، مذہب اسلام کی جو حقیقت اور صورت سمجھ میں آتی ہے وہ اس موجودہ تصویر سے کتنی مختلف ہے۔

دین اسلام ایک سنجیدہ اور دانشمندانہ مذہب ہے، جس میں اللہ کی عبادت کا وہ عمدہ ترین طریقہ ہے جس سے بہتر تو کیا، اس کے برابر بھی سوچا نہیں جا سکتا، اس میں معاملات کی دیانت اور صفائی ہے، اس میں اخلاق کی بلندی ہے، اس کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کی ذات سے بجز اذن الٰہی کے کسی کو ذرا بھی ایذاء نہ پہونچے، اس مذہب میں لہو ولعب، خرافات، گانے بجانے، ناچنے تھرکنے، اچھلنے کودنے، اور لغویات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر کسی کھیل کی اسلام نے اجازت دی ہے، تو اس میں بھی سنجیدگی اور مقصدیت کے پہلو کو برقرار رکھا ہے، اسلام ہر محل اور ہر زمان میں ایک نافع، بابرکت اور دل آویز دستورِ حیات ہے۔

سوچنے والا سوچ جا رہا تھا کہ یہ اسلام جو بمبئی کی سڑکوں پر نظر آ رہا ہے، یہ اسلام تو

نہ قرآن کے تیس پاروں میں نظر آتا ہے، نہ حدیث کے ذخیروں میں ملتا ہے، نہ ائمہ کرام کی مدون کردہ فقہ میں ملتا ہے، نہ تاریخ اسلام کے صفحات میں ملتا ہے، یہ کون سا اسلام ہے جس کو یہ جیالے بچانے چلے ہیں، نہ جانے علی کا، غوث کا، اور خواجہ کا کون سا دامن ہے جسے یہ بہادر نہیں چھوڑیں گے۔ علی کا دامن ان کے ہاتھ میں ہوتا، تو یہ دن کو میدان جہاد میں صف آرا ہوتے، اور رات کو مصلوں پر مصروفِ مناجات ہوتے۔ غوث اور خواجہ کا دامن ہاتھ میں ہوتا، تو یہ مسجدوں اور خانقاہوں میں نظر آتے، لیکن یہ تو سڑک پر اچھل کود رہے ہیں، راستہ بند کئے ہوئے ہیں، عوام الناس کو تنگی میں ڈال رہے ہیں، وہ اسلام جسے رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا ہے، جس کی تکمیل آپ کی حیات مبارکہ میں ہی کردی گئی تھی، جس میں اب کسی اضافہ وترمیم کی گنجائش ہے، اس کے دائرے میں یہ جلوس، جلوس کے یہ نعرے، یہ ہڑبونگ، اور ہڑبونگ کے یہ وحشت ناک تماشے تو قطعاً نہیں ہیں۔

پھر اسے کیا کہا جائے، یہ اسلام تو ہے نہیں، اور اگر کسی کو اصرار ہو کہ یہ اسلام ہے، تو یقیناً نیا اسلام ہے، وہ اسلام نہیں ہے جس کی تعلیم حضور اکرم ﷺ نے دی ہے، جس کو مان کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم علم وعمل اور تقویٰ وتدین کی بلندیوں سے سرفراز ہوئے تھے، جس کے پیرو تابعین، ائمہ اور تمام علمائے دین تھے، جس پر عمل پیرا ہونے والے حضرت سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی تھے۔ (علیہم الرحمہ)

☆☆☆☆☆

ہر مسلمان جانتا ہے کہ کبریائی اور بڑائی اللہ ہی کے لئے ہے، وہی سب کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے، ساری کائنات کا بلاشرکت غیرے اکیلا مالک ومدبر ہے، وہی خالق ہے، وہی صاحب تصرف ہے، اسی کا حکم پورے نظام عالم میں نافذ ہے، اس کے ساتھ کسی تصرف میں کوئی شریک نہیں ہے، معبود وہی ہے، باقی سب محتاج اور غلام ہیں، وہ موت وحیات کا مالک ہے۔ تمام امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس کے اذن کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا، اور ہر مسلمان یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا حاصل کرنے کا

واحد ذریعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قدم بہ قدم پیروی کی جائے، اگر کسی نے ان کا راستہ ذرا بھی چھوڑا، تو وہ جہاں بھی پہونچے، مگر اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کو نہیں پہونچ سکتا، معیار وہی ہیں، انھیں کی پیروی کرنے سے مرتبہ ملا، جس کو ملا۔ یہ بزرگانِ دین اور مشائخ کبار جن کی ولایت کی دنیا معترف ہے، انھیں یہ ولایت حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چل کر ہی ملی ہے، ان کا اصل کمال اتباع واطاعت ہی میں مضمر ہے۔

لیکن اب دیکھئے کہ رسول اللہ اور اولیاء کرام ہی کا نام لے لے کر امت کن خرافات میں مبتلا ہوگئی ہے، دین کی اصل حقیقت رسوم ومظاہر میں گم ہوگئی ہے، فرائض سے کوئی واسطہ نہیں۔

سنتوں کا نور زندگیوں سے غائب ہے، حرام وحلال کی تمیز باقی نہیں رہی، مگر بزرگوں کا نام بیچ میں لاکر لوگوں نے توحید کی جگہ شرک کو، سنت کی جگہ بدعت کو جاری کر رکھا ہے، عید میلاد النبی ہو، یا گیارہویں شریف، شب معراج ہو یا یوم عاشورا، خواجہ اجمیری کی زیارت ہو یا کچھوچھہ کا مزار، اوراس کے علاوہ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے مزارات، ہر موقع اور ہر جگہ پر دیکھ لیجئے کہ انھیں بزرگوں کا نام لے لے کر اور انھیں کی عقیدت ومحبت کا نعرہ لگا لگا کر کن کن خرافات کے مرتکب اسی اسلام کے نام لیوا ہوتے ہیں، جس کو جناب نبی کریم ﷺ لائے تھے، جس اسلام نے شرک کو اور شرک کے آثار کو یکسر ختم کر دیا تھا، اب اسی اسلام کا دم بھرنے والے گلے گلے تک شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں، لیکن پھر بھی مسلمان ہیں۔

پھر اتنے ہی پر بس نہیں، اسلام جو ایک نہایت سنجیدہ دین تھا، اس کے ماننے والے اسی کے نام پر خرافات کو ایجاد کر کے سڑک پر لے آئے، بازار میں لے آئے، ڈھول اور طبل کے ساتھ لے آئے، دنیا سمجھتی ہے کہ یہی اسلام ہے، حالانکہ اسے اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے ہی مسلمان ہوتے ہیں، اور مسلمان یہی سب کرتے ہیں، حالانکہ یہ اعمال مسلمانوں کے نہیں ہیں۔

یہ شور یہ ہنگامے شرعی اعتبار سے تو غلط در غلط ہیں ہی، خاص ہندوستان کے ماحول

ومزاج کے اعتبار سے ان کی صورت حال مزید سنگین ہے، ان مجمعوں میں کیسے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں، کبھی کبھی یہ لاخیرے اوراوباش نوجوان وہ حرکتیں کرجاتے ہیں جن کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے، کوئی شرارت کردی، اور فساد پھوٹ پڑا، پھر جان ومال اور جائدادواملاک کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔

یہ تجربہ بار بار ہوا ہے، اور ہوتا ہے، مگر آنکھیں نہیں کھلتیں، کاش اس پر وہ لوگ بھی غور کرتے، جو خود کو علماء کی صف میں رکھتے ہیں، اور وہ ان خرافات کی سرپرستی کرتے ہیں، انھیں عظمتِ رسول اور عقیدتِ اولیاء کی سند عطا فرماتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں، یہ نہ رسول کی تعظیم ہے اور اولیاء کی عقیدت ہے، بلکہ یہ صرف نفس کی خواہشات کے کرشمے ہیں۔

شرکت وبدعات کی ان خرافات نے امت کو بے حد وحساب مصائب میں مبتلا کررکھا ہے، ان کا احتساب اخلاص کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ یہ تمام علماء کی ذمہ داری ہے، جس کا جتنا دائرہ ہو، اس میں جدوجہد کرنا اس کا فریضہ ہے۔ أللھم وفقنا لماتحب وترضیٰ من القول والعمل والفعل والنیة والھدیٰ إنک علیٰ کل شئ قدیر۔

(جلد نمبر: ۷، شمارہ نمبر: ۲۔ ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ/ اگست تا اکتوبر ۱۹۹۸ء)

ماہنامہ ضیاء الاسلام فروری ۲۰۱۰ء

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب

امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل البخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں سیّدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ایک حدیث قدسی نقل کی ہے:

قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إن الله تعالیٰ قال: من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی تو میری جانب سے اس کو اعلان جنگ ہے۔

یہ حدیث اور اس کی تعلیم تمام انسانوں کے لئے بالعموم اور اہل اسلام کے لئے بالخصوص بہت ہی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے، اور رہائی کی سینکڑوں تدبیریں کرتا ہے، دعائیں کرتا ہے، دوسروں سے بھی دعائیں کراتا ہے، مگر مصیبت برقرار رہتی ہے، اسے خبر نہیں ہوتی ہے، کہ یہ بلا اس کے سر پر کیوں مسلط ہوئی ہے، مصائب بتا کر نہیں آتے کہ ان کا تسلط فلاں معصیت اور فلاں جرم کی بنا پر ہے، اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں اللہ کے کسی ولی کی عداوت ہوتی ہے، اس کی غیبت اور آبروریزی کرتا ہے، اسے ستاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ خدا کے اعلانِ جنگ کے خطرہ میں گرفتار ہوتا ہے، اور جس کی لڑائی خدا سے ہو، اس کو کون سی تدبیر بچا سکتی ہے۔
أعاذنا الله منه

اگر کوئی فرد کسی ایک ولی سے عداوت میں مبتلا ہوتا ہے، تو خدا کا قہر اس ایک فرد کی جانب متوجہ ہوتا ہے، اور اگر کوئی جماعت، کوئی معاشرہ، کوئی گروہ کسی ایک یا چند اولیاء اللہ

سے بغض رکھتا ہے، تو وہ پوری جماعت، پورا معاشرہ اور پورا گروہ اس قہر وحرب کی زَد میں آجاتا ہے۔ مولانا روم نے اسی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ہیچ قومے را خدا رُسوا نہ کرد تا دلِ صاحب دلے نالد بدرد

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رُسوا نہیں کرتے، جب تک کسی صاحب دل کا دل اس سے نہیں دکھتا۔

تاریخ کے اَوراق اور انسانی تجربات اس حدیث کی صداقت کی گواہی سے لبریز ہیں، جب اور جہاں کسی اللہ کے ولی کا دل دکھایا گیا ہے، قہر خداوندی کے شرارے وہاں برسے ہیں، جب تک یہ نہیں ہوتا قومیں کفر وشرک کے باوجود ایک مدت تک باقی رہتی ہیں، جو قومیں انبیاء کرام سے ٹکرائیں ان کا حشر کیا ہوا؟ قرآن کریم میں ان کے احوال پڑھ لیجئے، انبیاء کرام یقینی طور اللہ کے ولی ہیں، انبیاء کے علاوہ دوسرے اولیاء کی ولایت گو اس درجہ کی یقینی نہ ہو، لیکن انبیاء کرام کے بتائے ہوئے علامات سے انھیں پہچانا جاسکتا ہے۔

انسان ہلاکتوں سے بچنے کی حتی الامکان احتیاطی تدابیر اختیار کرتا ہے، اپنے جانی اور مالی نقصان سے ہر شخص ڈرتا ہے، کون چاہتا ہے کہ اسے کسی طرح کا ضرر لاحق ہو، پھر جہاں اور تدبیریں کی جاتی ہیں، امراض اور وباؤں کے لئے پیشگی ٹیکے لگواتے ہیں، وہیں اس کا اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا کہ اللہ کے ولیوں کی عداوت اور ان کی ایذا رسانی سے خود کو لوگ بچائیں، عجیب بدقسمتی ہے کہ ایک شخص اپنی ہستی کو مٹا کر، اپنی شخصیت کو مٹا کر، اللہ ورسول کی تعلیمات پر خود کو قربان کرکے ''حیاۃ طیبہ'' حاصل کرتا ہے، اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اور دوسرے افراد اس کا مذاق اُڑا کر، اس کی تذلیل کرکے، اس سے عداوت کرکے اللہ کے قہر وغضب میں مبتلا ہوتے ہیں، حالانکہ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ تباہ ہوجاتے ہیں، عجیب عجیب لاینحل مصیبتوں، ذلتوں اور بلاؤں میں ڈوبے جاتے ہیں، ایک کو دیکھ کر دوسرے کو عبرت حاصل کرنی چاہئے، مگر جیسے بھیڑوں کا ریوڑ ہو کہ ایک کنوئیں میں گرتی ہے، تو دوسرے کا قدم رکتا نہیں، وہ اسی میں جا پڑتی ہیں۔

ہاں سوال ہے کہ اللہ کا ولی کون ہے؟ تو شریعت اسلامیہ نے کسی بھی مسئلہ کو

ناصاف نہیں چھوڑا ہے، ہر ایک کے حدود وعلامات مقرر فرمادیئے ہیں، آدمی ذرا تامل کرے تو بات بالکل واضح نظر آتی ہے۔

صاحب فتح الباری علامہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح کے ذیل میں ولی کی تعریف یہ ہے کی ہے: المراد بولی اللہ العالم باللہ المواظب علی طاعته المخلص فی عبادته۔ اللہ کا ولی وہ ہے، جو اللہ کی معرفت رکھتا ہو ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتا ہو، اوراس کی عبادت میں مخلص ہو۔ یہ اللہ کے ولی کی تعریف بھی ہے، اوراس کے علامات کا بیان بھی ہے، جسے اللہ کی معرفت حاصل ہوگی، وہ ہر حال میں اللہ سے راضی ہوگا، اور ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے گا، اسے دیکھ کر، اس کی صحبت میں بیٹھ کر اللہ یاد آئے گا، اللہ کی اطاعت کا ظاہراً بھی پابند ہوگا اور باطناً بھی، اور یہی اس کا حال اور مزاج ہوگا، اس کا دلی جذبہ اور رُجحان اللہ کی اطاعت ہی کا ہوگا اور پھر اس کی عبادت کا منشاء کوئی غرضِ دنیاوی یا لذتِ نفسانی نہ ہوگا، بلکہ محض اللہ کے لئے وہ عبادت کرتا ہوگا، جس کے یہ احوال ہوں، ظن غالب یہ ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہوگا، اس کی عداوت ضرور مہلک ہوگی۔ یہ تعریف تو حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ذکر کی ہے، لیکن آیئے، حدیث کے باقی الفاظ کا بھی مطالعہ کرلیں، کہ زبان رسالتمآب ﷺ کے واسطے سے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کی کیا شان بتائی ہے۔ فرماتے ہیں: وماتقرب إلی عبدی بشیٔ أحب إلی مما افترضته علیه ومازال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتیٰ أحببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها وإن سألنی لأعطیته ولئن استعاذنی لأعیذنه۔ اور بندہ جن چیزوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں میرے نزدیک محبوب ترین اعمال وہ فرائض ہیں جنھیں میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ اور بندہ نوافل کے واسطے سے برابر درجاتِ قرب میں ترقی کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ (ایک وقت وہ آتا ہے کہ) میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس

سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے تو میں اسے ضرور بالضرور دوں گا، اور اگر کسی چیز سے میری پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔

خیال کیجئے! فرائض ونوافل کی پابندی کرنے والا کہاں تک پہونچتا ہے، وہ اللہ کی محبوبیت کے کس مقام پر فائز ہوتا ہے، کہ سننا، دیکھنا، پکڑنا، چلنا بظاہر اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں سے ہو رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ اُن سب کی نسبت اپنی طرف فرمارہے ہیں، ظاہر ہے کہ جہاں شرف ومحبوبیت کی یہ کیفیت ہو، وہاں اگر اس سے کوئی دشمنی کرے گا، تو وہ دشمنی اس بندے سے کاہے کو ہوگی، اللہ ہی سے ہوگی، اور اللہ کا دشمن جسے اللہ تعالیٰ جنگ کی دھمکی دے رہے ہوں، بچ کر کہاں جاسکتا ہے۔

لیکن ابھی معاملہ اسی پر ختم نہیں ہے، اس محبوبیت ومقبولیت کی مزید معراج دیکھئے، فرماتے ہیں: **وما ترددت عن شئ أنا فاعله ترددی عن نفس المومن یکره الموت وأنا أکره مساء ته**، اور جن کاموں کو مجھے کرنا ہوتا ہے، ان میں سے کسی میں مجھے وہ تردد نہیں ہوتا، جو مومن کی موت کے سلسلے میں ہوتا ہے، مومن موت کو ناگوار سمجھتا ہو اور مجھے اس کی ناگواری، گوارا نہیں ہوتی۔

خیال فرمایئے! ایک بندۂ مومن جو ولایت کے مذکورہ احوال سے متصف ہو، اس کی پسند وناپسند کا اللہ کو کس درجہ لحاظ ہے۔

یہاں حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ شیخ ابوالفضل بن عطاء کے حوالے سے ایک ضروری تنبیہ تحریر فرماتے ہیں، اللہ نے جو فرائض مقرر فرمائے ہیں، ان میں وہ فرائض ظاہرہ بھی ہیں، جن کا کرنا فرض ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ، اور وہ بھی داخل ہیں جن کا ترک فرض ہے، جیسے زنا اور قتل وغیرہ، اسی طرح وہ فرائض بھی اس میں داخل ہیں جن کا تعلق باطن اور قلب سے ہے، فعلاً بھی اور ترکاً بھی، مثلاً اللہ کی معرفت، اس کی محبت، اس پر توکل، اس کا خوف وغیرہ

بہر حال جن کے یہ احوال واوصاف ہوں، ان سے دشمنی کرنا خطرناک ہے،

احتیاط تو اس میں ہے کہ کسی بندۂ مومن کی عداوت اپنے دل میں نہ رکھے، لیکن جن مومنین کے کچھ خصوصی احوال ہوں، ان کی دشمنی اور ایذا رسانی سے بہت بچنا چاہئے ورنہ قدرت کا انتقام ایسی راہوں سے آئے گا جس کا وہم وگمان بھی آدمی کو نہ ہوگا۔

فالحذر الحذر من معاودة اوليائه تعالیٰ. أللٰهم إنا نسالک حبک وحب من يحبک وحب عمل يقربنا إلیٰ حبک يا أرحم الراحمين۔

(جلد نمبر: ۷، شمارہ نمبر: ۳۔ رجب تا رمضان ۱۴۱۹ھ / نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء، جنوری ۱۹۹۹ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے شعائر کا احترام

محدثِ جلیل حضرت اقدس مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی نور اللہ مرقدہٗ اپنی حیاۃ طیبہ کے آخری دور میں ایک مسجد کے سنگ بنیاد کی تنصیب کے سلسلے میں اُترا ری، خیر آباد میں تشریف لائے۔ سنگ بنیاد کے بعد کسی نے نصیحت کی درخواست کی تو حضرت نے ایک مختصر سی بات ارشاد فرمائی، جس وقت ارشاد فرما رہے تھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کے اندرون میں غیر معمولی طاقت بھری ہوئی ہے۔ آواز خاصی زوردار تھی، نہایت قوت سے ارشاد فرمایا کہ:

”پہلے لوگوں میں دین اور دینی شعائر و امور کا بڑا احترام تھا، مسجد میں اذان ہوتی تھی، تو جو لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے وہ مسجد کے قریب سے گزرتے بھی نہ تھے۔ باتیں کرنا اور شور کرنا تو درکنار! نماز کا احترام اتنا تھا ان کے دلوں میں۔ لیکن اب یہ حال ہو گیا ہے کہ مسجد میں اذان ہو رہی ہے اور، کوئی اور نہیں مسلمان ہی مسجد کے قریب بیٹھا شور و شغب کرتا ہے۔ نہ احترام ہے، نہ خوف ہے، جرأت بہت بڑھ گئی ہے لوگ ڈھیٹ ہو گئے ہیں۔ یہ چیز مسلمانوں کی دنیا اور آخرت دونوں کیلئے مضر ہے، دنیا میں تو ایک سے بڑھ کر ایک پریشانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں انفراداً بھی اور اجتماعاً بھی، اور آخرت کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں علماء سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اس جرأت اور ڈھیٹ پنے کو دور کرنے کی کوشش کریں اور دلوں میں جذبۂ احترام پیدا کرنے کا اہتمام کریں“

الفاظ تو پورے یاد نہیں رہے مگر مفہوم یہی تھا جو اوپر لکھا گیا۔ یہ باتیں حضرت نے بڑی دلسوزی سے فرمائی تھیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ بات بالکل صحیح ہے، اور اس کی روک تھام

بہت ضروری ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے ملفوظات میں ایک واقعہ مذکور ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے زمانے میں ایک عورت کا جو کچھ پڑھی لکھی نہیں تھی انتقال ہورہا تھا۔ وہ نزع کی حالت میں کچھ بول رہی تھی، جو گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، ایک آدمی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں آیا کہ اور واقعہ بیان کرکے تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب فوراً وہاں گئے، تو عورت کہہ رہی تھی ''ھٰذان رجلان یقولان لی ادخلی الجنة'' یہ دو آدمی مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ جنت میں چلو، داخل ہوجاؤ۔ حضرت شاہ صاحب نے حیرت سے یہ بشارتی کلمات سنے اور پوچھا کہ یہ کوئی بزرگ خاتون ہیں؟ انھیں تو دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل رہی ہے، لوگوں نے کہا کہ نہیں یہ کوئی نیک خاتون کیا ہوتی، یہ تو بہت تیز مزاج اور تندخو عورت تھی، بات بات پر لوگوں سے لڑ جاتی، بالخصوص جب اذان ہوتی تو یہ کسی کو کچھ نہ بولنے دیتی اور نہ کچھ کرنے دیتی اور اگر درمیان اذان کوئی عورت بول پڑتی تو یہ اذان کے ختم ہونے پر اس سے بہت لڑتی کہ تم اذان کے وقت کیوں بولی! حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا شاید یہی اس کا جذبۂ احترام تھا، جس کی وجہ سے خود اس کی زبان پر بشارت کے کلمات جاری ہوئے اور وہ بھی عربی زبان میں جو اہل جنت کی زبان ہے۔

سچ ہے، ''وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللہِ فَإِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (سورہ حج) اور جو کوئی اللہ کے شعائر کی عظمت کرتا ہے، تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کا ثمرہ ہے۔

لیکن اب یہ سارا حال قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔ اب عام مسلمانوں کو نہ نماز کا احترام رہا، نہ اذان کا، نہ مسجد کا، نہ علماء و مشائخ کا، بلکہ اللہ و رسول کا احترام بھی دلوں سے رُخصت ہوتا جارہا ہے۔

چند ہفتے پہلے ایک ضرورت سے مسلمانوں کے ایک بڑے گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوا، جہاں خدا کے فضل سے عربی اور حفظ کے دو دو مدرسے چلتے ہیں۔ علماء و حفاظ کی بھی ایک معقول تعداد وہاں ہے، دن بھر وہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک مسجد کے قریب ایک

صاحب کے یہاں قیام تھا، عصر کی نماز سے پہلے مسجد کے قریب لاؤڈ اسپیکر سے شور وغل سنائی دیا، معلوم ہوا کہ کرکٹ کا میچ ہو رہا ہے، باہر نکلا تو ایک ٹھٹ کا ٹھٹ اِدھر اُدھر بیٹھا تماشا میں مصروف تھا، اذان ہونے لگی میں نے سمجھا کہ اسلام کے یہ نام لیوا کچھ دیر کے لئے کھیل روک دیں گے، لاؤڈ اسپیکر کا شور بند ہو جائے گا۔ مگر ؂

غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

کھیل بدستور جاری رہا، تماشا دیکھنے والوں کی تعداد بڑھتی رہی، لاؤڈ اسپیکر کا ہنگامہ برقرار رہا۔ اسی شور وہنگامہ میں نماز ہوئی، ذہن ودماغ مختل ہو گیا، بہت صدمہ ہوا۔ سخت افسوس ہوا کہ اب ہم لوگ اتنے گر گئے ہیں اتنے جری ہو گئے ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ کھیل کے اس ہنگامے میں بعض دیندار شکل وصورت کے لوگ بھی نماز اور اذان سے بے نیاز محو تماشا تھے۔ إنا للہ و انا إلیه راجعون

کتنے افسوس کی بات ہے پہلے اگر مسجد کے پاس غیر مسلم باجا بجاتے ہوئے گزرتا، تو مسلمان آمادۂ فساد ہو جاتے کہ اس نے مسجد کا احترام نہیں کیا۔ اور اب حال یہ ہے کہ مسلمان ہی مسجد کی ہر بے حرمتی کا کام کر ڈالتا ہے اور اس کو احساس نہیں ہوتا اور اس پر یہ فریاد ہوتی ہے کہ مسلمان مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آخر ہم غور کریں کہ ہم کس چیز میں اپنے آپ کو گھیر رہے ہیں۔

(محرم تا ربیع الاول ۱۴۲۰ھ / مئی تا جولائی ۱۹۹۹ئی / ماہنامہ ضیاء الاسلام اپریل ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احتساب سے گرانی

مجلّہ ’’المآثر‘‘ کا جب آغاز ہوا تھا، تو اس میں کتابوں کے تعارف وتبصرہ کا کوئی باب نہ تھا، اور ارادہ یہی تھا کہ اس عنوان سے یہ مجلّہ خالی رہے گا، اس وقت مصلحت پیش نظر تھی کہ کتابوں کے تعارف وتبصرے کے لئے ضروری ہے کہ زیر تبصرہ کتاب یا رسالہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے، اس پر اپنی رائے قائم کی جائے، اور پھر اس کے کھرے اور کھوٹے کو واضح کیا جائے، اور یہاں مدیر کا یہ حال ہے کہ وہ ایک مدرسہ کا مدرس ہے، تدریس کی مشغولیت تحریر سے کس قدر مانع ہے، وہ اہل تجربہ پر مخفی نہیں ہے، ایسی حالت میں ہر کتاب پڑھنا اور پھر اس پر تبصرہ کرنا ایک مشکل امر تھا، اس لئے خیال ہوا تھا کہ یہ باب سرے سے منعقد ہی نہ ہو تو بہتر ہے، ایک عرصہ تک اس پر عمل رہا، لیکن بعض حضرات، مجلّات وجرائد کے عام دستور کو پیش نظر رکھ کر کتابیں بھیج دیا کرتے تھے، ان سے معذرت کرنی پڑتی تھی، پھر ایسا بھی ہوا کہ بعض اہم کتابوں پر تبصرے شائع بھی ہوئے، اس نظیر کے سامنے آجانے کے بعد معذرت مشکل ہوگئی، لیکن ہمارے لئے یہ ایک دشوار کام ہوگیا، کیونکہ اس کے لئے ہر کتاب پڑھنی ضروری ہے، اور اس کا موقع ملتا نہیں۔ اس لئے تبصرے میں تاخیر ہونے لگی، اور اصحاب تصنیف کو شکایتیں ہونے لگیں، اسی خیال سے زیر نظر شمارہ میں اعلان تحریر کردیا گیا کہ اب یہ باب پھر بند کیا جاتا ہے، یہ اعلان اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ ابھی پچھلا شمارہ چھپ کر نہیں آیا تھا، اس کے کچھ دنوں کے بعد پچھلا شمارہ چھپ کر آیا، اس میں ایک کتاب پر تبصرہ مدیر کے قلم سے آیا ہے۔ یہ تبصرہ مدیر نے اپنی دانست میں دیانت داری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر لکھا ہے، لیکن مصنف کی منشاء اور ان کی غرض کے خلاف ہے، تبصرہ نگار

نے پوری کتاب محنت کر کے پڑھی ہے، متعدد بار پڑھی، اس نے کوشش کی کہ تبصرہ مصنف کی منشاء کے مطابق ہو، جس کتاب کا ترجمہ کیا گیا ہے، اور اس کی تلخیص کی گئی ہے، وہ دوسری جگہ سے حاصل کی، مگر اب اس کو کیا کہئے کہ تبصرہ نگار اس کوشش میں کامیاب نہ ہوا کہ اسے مصنف کی خواہش پر ڈھال سکے، پس جیسا اس نے پایا بغیر کسی مداہنت کے اسے پیش کر دیا، اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ مصنف اپنے اغلاط پر متنبہ ہو کر خوش ہوں گے، اور کھلے دل سے اس کا اعتراف کریں گے، یا اگر مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو سمجھائیں گے، لیکن افسوس ایسا نہ ہوا، اس تبصرہ سے مصنف کو رنج ہوا، اس رنج نے غصہ کی شکل اختیار کی، پھر وہ غصہ کاغذ کے صفحات پر بکھر گیا، ان کا خط آیا، جس میں غصے کے شرارے بہت تیز ہیں، تبصرہ نگار کو اس خط سے کوئی تکلیف اور رنج نہیں ہے، مصنف مجھ سے ہر اعتبار سے بڑے ہیں، انھیں حق ہے کہ وہ اپنے چھوٹے پر خفا ہوں، اسے جھڑکیاں سنائیں اور پلائیں، تاہم جی چاہتا ہے کہ ان سے عرض کروں کہ:

> ”محترم! یہ آپ کی شانِ بلند کے منافی ہے کہ کسی نے آپ کو لقمہ دے دیا، تو آپ اسے برداشت نہ کریں، آخر حافظ سے غلطی ہوتی ہے، پیچھے سے اس کا شاگرد بھی اسے لقمہ دیتا ہے، تو وہ بشاشت سے قبول کرتا ہے، اسے اپنی توہین نہیں سمجھتا، یہاں بھی ایک چھوٹے نے تصحیح کرنی چاہی ہے، تو آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں، یہ تو اس لئے ہوا کہ آپ نے ترجمہ و تلخیص کی ناہمواریوں پر توجہ نہیں فرمائی تھی، اب انشاء اللہ آپ خود بھی اس راہ پر ہوشیار ہو کر چلیں گے، اور دوسرے بھی، جو اس میدان میں بے سوچے سمجھے کود پڑتے ہیں، انھیں سوچنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا۔“

بہر حال تبصرہ نگار تو یہی کرے گا، جو اس نے کیا ہے، لیکن اب جو غصہ کے طوفان کی زد میں وہ آیا ہے تو اس سے یہ رائے مزید پختہ ہوگئی ہے کہ یہ باب ہی بند رہے تو مناسب ہے۔

قومیں اور افراد جب اقبال مند ہوتے ہیں، تو وہ اپنا احتساب خود کرتے ہیں، وہ اپنے خیالات اور اعمال کو مستند سمجھ کر مطمئن نہیں ہوجاتے، بلکہ ہر وقت جائزہ لیتے رہتے ہیں ، اور جو کچھ اس میں شریعت اور عقل کی میزان پر پورا اترتا ہے، اسے باقی رکھتے ہیں، اور باقی کو حذف کرکے توبہ واستغفار کرتے ہیں، اور اگر ازخود اپنی کوئی خرابی سمجھ میں نہیں آتی، اور دوسرا کوئی اس پر متنبہ کردیتا ہے، تو اسے شکر گزاری کے ساتھ قبول کرتے ہیں اور احسان مند ہوتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث اور صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ جنھیں ان کے علوم کی وسعت وگہرائی کی وجہ سے شاہ عبدالعزیز ثانی کہا جاتا تھا، ان کے تلمیذ ارشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے بار بار بیان کیا ہے، جب کوئی انھیں ان کی کسی غلطی پر تنبیہ کردیتا تھا، تو نہایت شکر گزاری سے بار بار اس کا اعتراف کرتے تھے، اور غالباً اسی کا اثر تھا کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے ...... جو کہ نہایت کثیر التصانیف بزرگ ہیں...... اپنے یہاں ایک مستقل سلسلہ ’’ترجیح الراجح‘‘ کا قائم کررکھا تھا، اور کہیں سے کوئی بھی کسی چیز پر گرفت کرتا تھا، تو اسے بغور ملاحظہ فرماتے اور اس کی رائے کو درست پاتے تو بے تکلف اس کا اعتراف کرکے اپنے سابق قول سے رجوع فرمالیتے۔ حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی علیہ الرحمہ نے بھی رجوع واعتراف کے نام سے ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جس میں اپنی متعدد رایوں سے برملا رجوع کیا، اہل حق کا ہمیشہ یہی شعار رہا ہے، غلطی کے اعتراف سے آدمی کو بلندی ملتی ہے۔

اور قومیں جب زوال سے دوچار ہوتی ہیں، تو انھیں اپنی غلطی ہی ہنر معلوم ہونے لگتی ہے، انھیں بسا اوقات خیال ہی نہیں رہتا کہ ہم سے بھی کوئی غلطی ہوسکتی ہے، جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو قومیں ٹھٹھرتی چلی جاتی ہیں، ترقی کی راہیں یکسر مسدود ہوجاتی ہیں، اور اس کا نقطۂ عروج یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کی روک ٹوک اور تنبیہ کو توہین وتذلیل سمجھا جانے لگتا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ

جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (سورۃ البقرۃ:۲۰۶) اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو، تو اس کا غرور گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے، اس کو جہنم کافی ہے، اور بلاشبہ وہ برا ٹھکانہ ہے۔

یہ حال تو ایک فسادی کا ہے، چرب زبان منافق کا ہے، لیکن ہر شخص کو غور کرنا چاہئے کہ یہ مذموم صفت، جسے اللہ تعالیٰ نے اتنے اہتمام سے ذکر فرمایا ہے، کہیں وہ میری شخصیت کو داغ دار تو نہیں بنا رہی ہے، اگر آدمی اپنا احتساب خود کرے تو برابر آگے بڑھتا رہے گا، اور دوسروں کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ ہمارے ملک میں مسلمانوں کی یہ نفسیاتی کمزوری عام ہے کہ جب کوئی حادثہ ہم پر گزرتا ہے، جس میں ہم جانی مالی نقصان میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کے اسباب ہم اپنے سے باہر دوسری قوموں اور دوسرے افراد میں تلاش کرتے ہیں، اور اپنے کو ایک طرف الگ رکھ دیتے ہیں، حالانکہ غلطی ہمارے اندر بھی ہوتی ہے، اسی پر نگاہ رکھیں، ہر لحاظ سے ہمارے لئے بہتر ہوگا۔

اس موقع پر مسلمان اخبارات اور جرائد کا رول بھی وہی ہوتا ہے، جو عام لوگوں کا رُجحان ہوتا ہے، یعنی یہ بھی چیخ و پکار کو دوسروں کی ہی غلطیاں دکھاتے رہتے ہیں اور قوم کو معصوم قرار دیتے ہیں، اس طرح کی غلطی کی اصلاح کا خیال ہی نہیں ہوتا، حوصلہ مندی کی بات یہ ہے کہ اپنی غلطی پر نظر رکھی جائے، اور اس سے بلند تر بات یہ ہے کہ دوسروں کے ٹوکنے پر اعترافِ قصور کر لیا جائے۔

(رجب تا رمضان ۱۴۲۰ھ / نومبر، دسمبر ۱۹۹۹ء، جنوری ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ فقہی سیمینار؟

زمانے کے فیشن کے لحاظ سے اور یورپین قوم کی تقلید میں اس دور میں اہل اسلام نے بلکہ اہل علم نے بہت سی وہ چیزیں قبول کرلی ہیں، اور انھیں رواج دے دیا ہے، جنھیں اسلام کی فطرت اور اسلامی تعلیمات سے مناسبت نہیں ہے، لیکن مصلحت، جدید دور کے تقاضے، وقت کی مجبوری اور نہ جانے کیا کیا نام لے کر انھیں اسلام سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، انشورنس، بینک کا نظام، لڑکیوں کی اقامتی درسگاہیں وغیرہ، یہ چیزیں اسلام کے مزاج سے میل نہیں کھاتیں، مگر ان کے لئے مصلحتوں کا انبار لگایا جاتا ہے، تاکہ کوئی ٹوک نہ سکے، کچھ یہی حال آج کل کے سیمیناروں اور کانفرنسوں کا معلوم ہوتا ہے، چاہے وہ فقہ پر سیمینار ہو یا حدیث وقرآن پر، یہ ہے تو انگریزوں کی تقلید! مگر اسے جوڑ دیا جاتا ہے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی مجلس علم کے ساتھ! حالانکہ کہاں ان کی مجلس درس، اور ان کے شاگردوں کی مسلسل ان کی خدمت میں حاضری اور بحث وتحقیق؟ اور کہاں یہ دوتین روز کے لئے چند متفرق لوگوں کا اجتماع؟ جن کے ذوق الگ، اور جن کے مبلغ علم کا کچھ پتہ نہیں، اجتماع سے پہلے اپنی اپنی رائیں لکھ کر لے آئے، مختلف مجلسوں میں باتیں کی، اور بس پھر ختم!

حقیقت یہی ہے کہ یہ سب نئے زمانے کی پیداوار ہیں، ان کے فوائد کم اور نقصان زیادہ ہیں، ہر طرح کے لوگ ان سیمیناروں میں اکٹھا کر لئے جاتے ہیں، ایسے لوگ جن پر مصالح زمانہ کا غلبہ ہوتا ہے، وہ دلائل سے تعرض کرنے کے بجائے جذبات ومصالح کی رعایت ضروری سمجھتے ہیں، کچھ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں، جو دلائل کی خبر رکھتے ہیں، مگر یہ

کھچڑی جیسا مجمع کس حد تک صحیح نتیجے تک پہونچتا ہے، یہ قطعاً مشکوک ہے، اور اس پر طرہ یہ کہ سوالنامہ اس طرح مرتب کیا جاتا ہے کہ اس میں مفروضہ مصائب و مشکلات کو اہتمام سے ذکر کرکے جواب دینے والوں کے لئے ایک راہ متعین کردی جاتی ہے، اس کے بعد اگر دلائل اس کے خلاف بھی ہوں، بہت سی مصلحتیں اس کے منافی بھی ہوں تب بھی جواب دینے والا ادھر متوجہ نہیں ہوتا، یا اس کی الٹی سیدھی تاویلیں کرتا ہے۔

۱۱؍تا ۱۴؍فروری ۲۰۰۰ء بارہواں فقہی سیمینار منعقد ہوا، اس میں ایک سوال حالت نشہ میں طلاق کے متعلق تھا، عام طور پر صحابہ کرام اور ائمہ عظام علیہم الرضوان والرحمۃ اس بات کے قائل ہیں کہ شراب یا کسی بھی حرام نشہ آور چیز کو اگر کسی نے اپنی خواہش و مرضی سے استعمال کیا، اور اس سے نشہ پیدا ہوا تو اس حالت کی دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے، صحابہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق نہیں پڑتی۔ چاروں ائمہ میں سے ہر ایک اس کا قائل ہے کہ پڑجاتی ہے، امام شافعیؒ اور امام احمد سے ایک ایک قول اس کے خلاف کا بھی ہے، لیکن امام شافعی کا قول راجح طلاق پڑجانے کا ہے۔ چند دوسرے ائمہ جن کی فقہ مدوّن نہیں ہے، مثلاً امام لیث بن سعد اور اسحاق بن راہو یہ سے منقول ہے کہ نشہ والی طلاق نہیں پڑتی، مگر ان کے علاوہ تمام صحابہ وائمہ طلاق پڑجانے ہی کے قائل ہیں، عموماً اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، اور قرآن کریم کی آیت جو تحریم شراب سے متعلق ہے، اس کے ساتھ بھی مناسبت اسی کو ہے کہ طلاق پڑجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت شدیدہ کو بیان کرنے کے بعد اس کی حکمت بھی قرآن کریم میں ارشاد فرمائی ہے: إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلوٰةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ۔شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کی وجہ سے عداوت اور کینہ ڈال دے، اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، تو کیا اس سے تم باز آتے ہو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شراب پی کر بھی آدمی مکلّف ہوتا ہے، اس کے تصرفات و اعمال کو عداوت و بغض کا سبب قرار

دیا گیا ہے، اور یہ کہ اس سے ذکر الٰہی اور نماز سے رکاوٹ ہوتی ہے، اس سے باز رہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ پورے طور پر مکلّف ہے، پھر اس میں طلاق کیوں واقع نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ عداوت وبغضاء کی بہت سی صورتوں میں نمایاں ترین صورت میاں بیوی کے درمیان تفریق ہے، اگر اس حالت میں طلاق واقع نہ ہو تو شراب عداوت وبغضاء کا سبب کہاں ہوئی؟ اس خاص مسئلہ میں تو بے اثر ثابت ہوئی۔

خیر یہ تو ایک علمی بحث ہے، مجھے عرض کرنا ہے کہ ایک ایسا مسئلہ جس میں عموماً تمام صحابہ کرام کا اتفاق ہے، اکثر ائمہ متفق ہیں اور اسی فتویٰ دیا جاتا رہا ہے۔ سوالنامہ جب مرتب کیا گیا تو مفتی کا ذہن پوری قوت کے ساتھ بنایا گیا کہ وہ خواہی نخواہی عدم وقوع کا فیصلہ کرے، نشہ کی حالت میں طلاق کا ایسا بھیانک منظر بنایا گیا، جیسے اگر اس حالت کی طلاق کو نافذ مان لیا جائے تو مرد تو کم عورتیں اور اس کے معصوم بچے سخت مصیبتوں کا شکار ہوں گے، پس مسلم معاشرے کو مصائب سے بچانے کے لئے مان لینا چاہئے کہ نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق نہیں پڑتی۔

سمجھ میں نہین آتا کہ اگر یہ فتویٰ دے بھی دیا جائے، تو عورت اور اس کے معصوم بچے مصائب سے کیوں کر بچ جائیں گے؟ کیا اس فیصلے سے شراب نوشی کی حوصلہ افزائی نہیں ہوگی؟ کہ صاحب پیتے رہو، بکتے رہو، نشہ کی حالت میں عورت کے ہاتھ سے نکل جانے کا ندیشہ تھا، اب وہ بھی نہیں رہا۔ شوہر طلاق طلاق کہتا رہے، اور نشہ کا عذر کر کے بیوی کو نشۂ شراب کا نشانہ بناتا رہے، کیا شراب نوشی کے عادی شخص کے ساتھ بندھے رہنا عورت کے لئے بڑی مصیبت نہیں ہے، ہم تو دیکھتے ہیں کہ شراب کا عادی نشہ کی حالت میں اپنی بیوی اور اپنے بچوں کے لئے مستقل مصیبت ہوتا ہے، اس کی شکایت تو اتنی عام ہے، نشہ کی حالت کی طلاق اس کے مقابلہ میں کالعدم ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ شراب کی عادت چھڑانے کی تدبیر کی جاتی، لیکن ہوا یہ کہ اس کی جڑ اور راسخ ہوگئی، پھر غور کرنے کی بات ہے کہ نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق کو تو آپ نے نہیں مانا، تو اگر وہ اس حالت میں کسی کو گالی دے، کسی کو

تہمت لگائے، کسی سے مار پیٹ کرے، کسی کو قتل کردے اور شراب کے نشہ میں یہ سب کچھ ہوتا ہے، طلاق دینے سے زیادہ ہوتا ہے، تو اس فساد کا انسداد کیسے ہوگا؟ کیا یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ نشہ کی حالت میں وہ ہوش وخرد سے محروم تھا، لہٰذا اس کے ان تصرفات کو نافذ قرار نہ دیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ معاشرہ کا فساد طلاق سے نہیں، شراب نوشی سے ہے، طلاق کی نفی مت کیجئے، شراب نوشی سے نہی کیجئے۔

ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس طرح کی مجلسوں سے اخبار والوں کو بڑی دلچسپی ہوتی ہے، وہ آدھی بات سنتے ہیں اور لے بھاگتے ہیں، چنانچہ اچانک اخبار میں یہ بات آئی کہ "نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، علماء کا فیصلہ" فوراً ہر طرف اس کی گونج پھیل گئی، حالانکہ صورتحال یہ نہیں تھی، بہت سے علماء کو اس سے اختلاف تھا، چنانچہ دوسرے دن اس اختلاف کی بھی خبر آئی، مگر اس کا چرچا مغلوب رہا، اور پہلی خبر خوب گرم رہی، کیونکہ وہ لوگوں کے نفس اور تقاضے کے مطابق تھی، اور حقیقت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ سیمینار کے ذمہ داروں کا رجحان عدم وقوع طلاق ہی کا ہے، اس لئے اس رجحان کو خوب آب وتاب حاصل رہی اور جس مسئلہ پر اب تک فتویٰ رہا ہے، اور جس کے قائل چند حضرات کو چھوڑ کر باقی تمام حضرات صحابہ وائمہ وعلماء کرام رہے ہے، اسے کچھ دھندلا کر دیا گیا۔

پھر ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ علماء کے درمیان مسائل میں علمی طور پر اختلاف تو ہوتا ہی رہتا ہے، بحثیں چلتی ہیں، لیکن عوام کے سامنے ایک صاف ستھرا، منقح فتویٰ لایا جاتا ہے، عوام کو ان اختلافات سے دور رکھنا چاہئے، ورنہ وہ دلائل تو سمجھیں گے نہیں، جو مسئلہ نفس کے مطابق ہوگا، اسے اختیار کرکے دوسرے کو غلط کہنا شروع کہہ دیں، اس طرح کے علمی اختلافات کو عوامی بنانے کا انجام اباحیت اور خواہش پرستی کے سوا کچھ نہیں، یہ معاشرہ کا بگاڑ کیا کچھ کم ہے؟ ابھی چند سال پہلے انشورنس کے مسئلے میں اسی طرح کی بے اعتدالی ہو چکی ہے۔

ان سیمیناروں کا حاصل اس کے علاوہ کیا ہے کہ کچھ علماء کو ایک خاص رجحان کے

تحت کچھ مطالعہ کی توفیق ہو جاتی ہے، عمومی کوئی فائدہ تو سمجھ میں نہیں آتا۔ ان سیمیناروں نے جو فیصلے صادر کئے ہیں، وہ وہی ہیں جن پر پہلے سے علماء فتویٰ دیتے چلے آئے ہیں، اور جو مسائل مختلف فیہ رہے ہیں، ان میں بس عوام کے سامنے اختلاف آجاتا ہے کہ فلاں فلاں لوگ اس جانب کے قائل ہیں، اور فلاں فلاں لوگ دوسری جانب کے؟ سوال یہ ہے کہ اس اختلاف کو سامنے لانے کا کیا حاصل؟ کوئی فیصلہ تو سیمینار کر نہیں پاتا، ہاں اختلاف کو سامنے لاکر عوام کو اباحیت کا راستہ دکھا دیتا ہے، کہ جو پہلو آسان اور نفس کے مطابق ہو، اسے اختیار کرلیں، خواہ وہ دلائل کے لحاظ سے مرجوح ہو، خواہ اس کے قائلین اس درجہ کے نہ ہوں جس درجے کے دوسرے لوگ ہیں۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ عام مسلمانوں پر سے دین کی گرفت ڈھیلی ہو رہی ہے، بلکہ یہ بھی خیال پیدا ہو رہا ہے کہ لوگ دین کو خوامخواہ مشکل بنا رہے ہیں، ورنہ اس میں نفس کی خواہشات کی بھی بہت گنجائش ہے، اور یہ کہ علماء نے دین کو مشکل کر دیا ہے، ورنہ وہ تو ہمارے نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہتمام کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس کا انجام یہ ہے کہ علماء متقدمین پر سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے، دین کی عظمت گرتی جا رہی ہے، کاش اس پر بھی غور کیا جاتا مسلمانوں کو مصائب و مشکلات کے نرغے سے بچانے اور معاشرے میں آسانیاں پیدا کرنے کے نتیجہ میں اگر دین اسلام ہی خواہشات نفس اور مسخ و ترمیم کے نرغے میں گھر جائے تو فرضِ اولین ہے کہ دین کی حفاظت کی جائے، اور معاشرہ کی اصلاح اس کے مطابق کی جائے، نہ کہ دین کی اصلاح معاشرے کے مطابق، کتنی افسوسناک بات ہے کہ ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

اور جو شخص بھی دلائل سے بے اعتنائی کر کے رفتارِ زمانہ کے تقاضوں کی رعایت کا اہتمام کرے گا، وہ ضرور قرآن کے بدلنے کے جرم میں ملوث ہوگا۔ **أعاذنا اللہ منہا**

(شوال تا ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ / فروری تا مارچ ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقاضائے بندگی

دنیا کے مختلف مذاہب اور نظریات انسانی زندگی پر کس نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں ،اوراس کا کیا محور ومقصد متعین کرتے ہیں،اور پھراس کی بنیاد پرانسانی زندگی کوکن کن راہوں پرگزارتے ہیں،یاگزارنا چاہتے ہیں؟ یہ تلاش وتحقیق کا ایک وسیع میدان ہے۔ہم مسلمانوں کوجودین ومذہب خالق کائنات جل مجدہ کی جانب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقدس واسطہ سے ملا ہے، ہمارا مرکز نگاہ وہی ہے، ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اسلام نے انسانی زندگی کا کیا مقصدوموضوع متعین کیا ہے؟ اوراس نے زندگی کے کن کن مرحلوں میں کیا کیاہدایات جاری کی ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشادفرمایا:قُلْ إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (سورۃ الانعام:)تم کہہ دوکہ بلاشبہ میری نماز،میری قربانی، میری زندگی اورمیری موت سب اللہ کے لئے ہے،جوتمام عالم کارب ہے۔

اس آیت پرسرسری طور سے بھی گذرنے والا بداہۃً سمجھ لے گا کہ انسان کی زندگی اوراس کی موت،سب کامحورومقصد اللہ کی ذات ہونی چاہئے۔وہ جوکچھ کرے اللہ ہی کے لئے کرے،کوئی اورغرض اس کے پیش نظرنہ ہو۔یہ مقصد اگرنگاہوں کے سامنے رہے تو گناہوں اورنافرمانیوں کی نجاستیں خود بخود دور ہوجائیں گی، کیونکہ کوئی گناہ اللہ کے لئے کیا جائے، ممکن ہے ہی نہیں! جس نے اپنی زندگی اللہ کی ذات سے وابستہ کردی، وہ نافرمانیوں کی آلودگی سے صاف بچ نکلا۔اس سے اگرکبھی کوئی قصور ہوگا تو معافی تلافی کے بغیراسے چین نہ ہوگا۔

یہ وہ مقصد زندگی ہے جو ہر لمحہ انسانیت کو ترقی دیتا رہتا ہے۔اس کی صرف عبادتیں ہی وجہ خوشنودئ پروردگار نہیں رہتیں، بلکہ اس کی زندگی کا ہر لمحہ سراپا عبادت بن جاتا ہے، اور جب یہی مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے تو اس کا ہر عمل بے روح ہو جاتا ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک وہ شخص جس نے اپنی عقیدت ومحبت کو اللہ کی بارگاہ میں اُستوار کیا ہو، وہ اس سے غافل ہوکر دوسری چیزوں میں الجھ جائے۔انسان اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے فانی ہے، لیکن جب اس کی نسبت ذات، حی وقیوم کے ساتھ درست ہو جاتی ہے تو بقاء ودَوام کی شان اس کے اندر بھی آجاتی ہے، اسی نسبت کو قائم کرنے اور اُستوار رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمائی، اپنے پیغمبر کو بھیجا، کہ وہ کتاب کی تشریح وتبیین کر کے ایک صاف ستھری شریعت پر لوگوں کو چلنا سکھائیں، یہی شریعت صراطِ مستقیم ہے اور اسی پر چل کر انسان نجاتِ ابدی کا مستحق ہوتا ہے۔اس کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ انسان محض اپنی عبادت کو سنوارے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی عادات وحاجات اور ضروریات وتقاضوں کو بھی اسی دائرے میں رکھے جو شریعت نے متعین کیا ہے۔انسان اپنی زندگی کے ہر رُخ سے معلوم ہو کہ خود مختار نہیں ہے بلکہ کسی کا غلام ہے، کسی کی بندگی ہی اس کی زندگی اور اس کی روح ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً (الفرقان) رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ زمین پر تواضع سے چلتے ہیں، اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلامتی کی بات کہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے ! رحمٰن کے خاص بندوں کی جو پہلی قابل تعریف صفت حق تعالیٰ نے ذکر کی ہے وہ از قبیل عادات ہی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاں عبادات میں آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہے، وہیں عادات وضروریات میں بھی اسے اسی طریقہ کی پابندی کرنی ہے، جو حق تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ ہم پر ظاہر کیا ہے۔

مسلمان تو اسے سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ کہیں بھی، کسی مرحلہ میں بھی آزادانہ چال چل سکتا ہے، اسے تو ہر قدم پر اپنے مالک ومولیٰ کی مرضی دیکھنی ہے، اور حقیقت میں یہی

غلامی و پابندی، اصل آزادی ہے، آدمی اپنے نفس کی خواہشات کا پابند ہو، اپنے معاشرے کے رسوم وقیود میں گرفتار ہو، کسی اپنے ہی جیسے انسان کی غلامی میں مبتلا ہو، شیطان کی گرفت میں جکڑا ہوا ہو، یہ واقعی غلامی ہے، ذلت ہے، انسانیت کی توہین ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی غلامی ہو، شریعت کے احکام کی پابندی ہو، ہر لحظہ اسے اپنے مالک و مولیٰ کے چشم وابرو کا انتظار ہو، یہ حقیقی آزادی ہے۔ آدمی اپنے گمانِ باطل کی بنیاد پر اس حقیقی آزادی سے گھبراتا ہے اور جو سرتاسر قید وبند ہے، اسے پسند کرتا ہے، لیکن اسے جلد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ غلامی کیا ہے؟ اور آزادی کیا ہے؟

انسانی زندگی کے طبعی حاجات وضروریات کا دائرہ اچھا خاصا وسیع ہے، لیکن کوئی ضرورت وحاجت ایسی نہیں ہے جس کی تکمیل یا اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ورہنمائی موجود نہ ہو، اور اس سے فائدہ اٹھا کر آدمی اسے خوشنودیٔ پروردگار کا سامان نہ بنالے، لیکن اس حاجت وضرورت کو برتنے والا جب اللہ کی ہدایت سے بے نیاز ہوکر اپنی خواہش کے مطابق برتتا ہے تو بسا اوقات اس کے اوپر وبالِ جان ثابت ہوتی ہے۔

انسانی ضروریات میں ایک اہم ضرورت جس کی شاخیں ذیل درذیل ہیں، جس ایک حاجت کی تکمیل سے بہت سی حاجتیں سر اٹھاتی ہیں اور آدمی کو اپنی زندگی ان حاجات کی تکمیل میں جھونک دینی پڑتی ہے، بلکہ ہمارے دور میں تو انسان نے انھیں حاجات وضروریات کی تکمیل کو اپنی زندگی کا موضوع اور مقصد قرار دے لیا ہے۔ یہ وہ حاجت ہے جس کا عنوان ''نکاح'' ہے، نکاح انسانی زندگی کی ایک بنیادی اور طبعی ضرورت ہے، جس کی تکمیل بہر حال ضروری ہے، بقائے نسل انسانی کا انحصار اسی پر ہے۔ شریعت نے اس ضرورت کی تکمیل کا نہ صرف یہ کہ انتظام کیا ہے بلکہ ایسا انتظام کیا ہے اس کو عبادت بنا دیا ہے، اگر آدمی نکاح کے امور میں اس طریقہ کے مطابق مشغول ہو، جسے شریعت نے متعین کیا ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا یہ عمل نفل عبادات نماز اور روزے وغیرہ میں مشغول ہونے سے زیادہ افضل ہے، اور ایسا شخص شاید اس عابد وزاہد سے زیادہ اللہ کی خوشنودی سے

سرفراز ہوگا جو ہمہ دم نوافل میں اپنے آپ کو لگائے رہتا ہے۔

لیکن افراد ہوں یا قومیں، جب زوال کا شکار ہوتی ہیں تو وہی راہیں جو انھیں منزل کی کامیابی تک پہونچاتی ہیں، ان کے لئے منزل سے دوری کا سبب بن جاتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان راہوں کا رُخ بدل گیا ہے، نہیں! ان کا استعمال غلط ہو جاتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے شادی اور نکاح کو ایک ہمہ گیر اور بنیادی ضرورت تسلیم کر کے اس کی تکمیل کا نہایت سادگی کے ساتھ انتظام کیا ہے، جس سے نہ کسی پر کوئی نا روا دباؤ پڑے اور نہ یہ کہ سرے سے اظہار خوشی و مسرت سے ممانعت ہو۔ نکاح کے معاملات بہر حال انسان کی زندگی میں ایک خوش گوار مرحلہ ہے، جس پر خوشی کا اظہار بجا ہے، وہ خود بھی خوش ہو اور دوسروں کو بھی اپنی اس خوشی میں شریک کرے۔ شریعت نے ان دونوں پہلوؤں کی رعایت کی ہے، سادگی تو یہ ہے کہ سیّدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نکاح کرتے ہیں اور اس طرح نکاح کرتے ہیں کہ ان کے اور سب کے مرکزِ عقیدت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ نہ کوئی دھوم دھام، نہ بارات کا ہنگامہ، نہ کسی طرح کا سوانگ، بس ایک ضرورت تھی اسے پورا کر لیا، اور لطف یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے متعلق کچھ آثار دیکھ کر خود ہی سوال کیا تب بتایا، مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم ہونے پر یہ تک نہیں فرمایا کہ کم از کم مجھے تو بتا دیتے، میں نکاح کا خطبہ پڑھتا، ایجاب و قبول کراتا وغیرہ، کچھ نہیں فرمایا۔ آپ کی اس خاموشی نے اس بات کو متعین کر دیا کہ سادگی ہو تو ایسی ہو، مگر ساتھ ہی ساتھ اس پہلو کی رعایت بھی فرمائی، کہ یہ ایک خوشی کا موقعہ تھا، اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنا چاہئے تھا، تو فرمایا ولیمہ کر لینا چاہئے تھا، خواہ ایک بکری ذبح کر کے اس پر دعوت کر دیتے۔

اس واقعہ سے نکاح کا سادگی کے ساتھ انجام پانا اور اس کے باوجود قدرے اہتمام کرنا دونوں کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہی معیار ہے سادگی کا بھی اور اہتمام کا بھی! یعنی ابتداءً سادگی کے ساتھ رشتہ کر لینا، پھر جب بیوی شوہر کے گھر آ جائے تو ولیمہ کر لینا۔ اس میں دعوت کا اہتمام کر لیا جائے تو مضائقہ نہیں ہے، بہتر ہے۔

لیکن اب تقریبِ نکاح کے جو احوال سامنے آتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شریعتِ اسلام کے علاوہ کوئی نئی شریعت وجود میں آ گئی ہے، جس کی پابندی اسی طرح کی جاتی ہے جیسی شریعتِ اسلامی کی پابندی کرنی چاہئے۔ اور یہ سب کچھ اس خدائی ہدایت نامے کے تحت نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، جس پر سب مسلمانوں کا ایمان ہے، اس کے تحت نہیں بلکہ رسم ورواج کے اور جذبۂ نمود ونمائش کے تحت انجام دیا جاتا ہے۔ اب تو زبانوں پر نکاح کا سادہ اور مقدس لفظ بھی نہیں آتا، اسے شادی سے، بارات سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور شادی کا تصور آتے ہی دماغ میں وہ تمام خرافات اور فضولیات گردش کرنے لگتے ہیں جن کو لوگوں نے اس کے ساتھ جوڑ رکھا ہے۔ نسبت کے طے کرنے سے شروع ہوکر دولہن کے شوہر کے گھر آنے تک خرافات ولغویات کا ایک طوفان ہوتا ہے، جس میں دونوں خاندان اور ان کے متعلقین زیر وزبر ہوتے رہتے ہیں۔ نکاح کے باب میں شریعت نے ایک دعوتِ ولیمہ کی ہدایت کی ہے، مگر اب تو نہ جانے کتنی دعوتیں بطور ایجادِ بندہ کے رائج کر لی گئی ہیں۔ نسبت طے کرنے کا ہنگامہ لڑکی والوں کے یہاں بھی بپا ہوتا ہے اور لڑکے والوں کے وہاں بھی، اِدھر سے ایک فوج چڑھائی کرکے لڑکی والوں کے یہاں آجاتی ہے اور دعوت کا جشن ہوتا ہے، اور لڑکی والوں کے یہاں سے ایک لشکر لڑکے والوں کے گھر پہونچتا ہے، بسا اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ اس میں دعوتِ ولیمہ سے بڑھ کر اخراجات ہوتے ہیں، اس سے ایک دوسرے پر اپنی دھاک جمائی جاتی ہے۔ نسبت طے ہوگئی، پھر بارات کی دھوم دھام ہے، جہیز کی فرمائشیں ہیں، لین دین کا ہنگامہ ہے، دعوت کا طوفان ہے، اور نہ جانے کیا کیا ہے؟ ہم گوشہ نشینوں کو سب کی خبر کہاں؟ مگر یہ سننے میں آتا ہے کہ اتنے لاکھ خرچ ہوئے، اتنے سامان لائے گئے، اتنے لوگوں نے دعوت کھائی، وغیرہ۔ یہ وہ دعوت ہے جس کا شریعت اسلامی کی کتابوں میں کوئی ذکر نہیں، علماء اسلام اسے جانتے ہی نہیں، اسے صرف وہ جانتے ہیں جو علم دین سے مَس نہیں رکھتے۔ لڑکی والوں کے یہاں فوج کی فوج چڑھا کر لے جانا، یا لڑکی والوں کا اپنے جذبۂ نمائش کے لئے بے جا اہتمام کرنا احکامِ شریعت کے کس خانے میں

ڈالا جائے؟ علماء حیران ہیں۔ نمود و نمائش کی تو ہر دعوت ممنوع ہے، اور یہ تو وہ دعوت ہے جس کا ذکر ہی سرے سے نہیں ملتا۔ اتنی بات کافی تھی کہ دولہا کے ساتھ چند لوگ لڑکی والوں کے گھر آجاتے، ان کی ضیافت وہاں ہوجاتی، نکاح ہوجاتا، اس کے بعد دولہن کو رخصت کرا کے لوگ لے آتے، پھر یہاں ولیمہ ہوجاتا، جس کو چاہتے بلا کر شریک کر لیتے، لیکن کس کس بات پر رویا جائے۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بارات رنگ رلیوں کے ساتھ ہنگامہ مچاتی چل رہی ہے، لاؤڈ اسپیکر پر نظم خوانی ہورہی ہے، پٹاخے چھوٹ رہے ہیں، چند قدم کے فاصلے پر بارات جانی ہے، لیکن اس کے لئے گاڑیاں سج رہی ہیں، خاصا چکر کاٹ کر بارات جارہی ہے، کسی مسجد سے اذان کی آواز آرہی ہے، مگر بارات چل رہی ہے، آیا کرے اذان کی آواز، بارات کی صدا کچھ اور ہوتی ہے، بڑا دردناک منظر ہوتا ہے، مؤذن کی آواز دب جاتی ہے، جس کی آواز تو آواز قد بھی قیامت کے دن بلند ہوگا، اس کی آواز دب جاتی ہے اور نظم خوانیوں کی، آتش بازیوں کی آواز غالب رہتی ہے۔

اور جذبۂ اسلامی کا حال یہ ہے کہ ایک صاحب جو ماشاء اللہ صورت سے دیندار تھے، نماز بھی پڑھتے تھے۔ ان کے یہاں شادی طے پائی اور تمام رسوم وخرافات کے ساتھ ہونی طے پائی۔ ان کے ایک رشتہ دار نے اس لئے کہ شاید کچھ اصلاح ہوجائے، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کی کتاب ''اصلاح الرسوم'' انھیں دی کہ اس کا مطالعہ کرلیں، اس کتاب میں شادی بیاہ کی رسموں کا شریعت کی روشنی میں جائزہ لے کر اصلاح کی صورت بتائی گئی ہے، انھوں نے اُلٹ پلٹ کر ایک نظر کتب پر ڈالی اور یہ کہتے ہوئے واپس کردی کہ ابھی شادی بیاہ کی مشغولیت ہے، بعد میں پڑھوں گا۔ اس طرح لوگوں نے اپنے خودساختہ رسوم کو پکڑ رکھا ہے، کہ اس کی اصلاح کے سلسلے میں کچھ پڑھنا بھی گوارا نہیں ہے۔

مسلمانو! ہمارا دین ایک مکمل دین ہے، اس میں نہ اضافہ کی گنجائش ہے اور نہ کمی کرنے کی اجازت ہے، اس کے دائرے میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے لئے ہے، اور اس

دائرے سے باہر نکلئے تو محض دنیا ہے، جو ہمارے مقصود وموضوع کے خلاف ہے، اللہ کی خوشنودی اسی دائرے میں ہے جسے شریعت نے متعین کردیا ہے،اس کے باہر کوئی چیز قابل قبول نہیں ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامَ ، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے نزدیک دین محض اسلام ہے۔اس کے علاوہ کوئی بھی دین لائق اعتنا نہیں ہے۔ فرمایا: وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (آل عمران:۸۵) جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا، وہ ہرگز قبول نہ ہوگا، اور ایسا شخص آخرت میں خائب وخاسر ہوگا۔پس اے اللہ پر اور دین اسلام پر ایمان رکھنے والو! اس ایک دین کے علاوہ کسی اور طریقے کی طرف نظر نہ اٹھاؤ، اسی میں عزت ہے، اسی میں بلندی ہے۔نکاح کی تقریب میں بھی اسی دین کی ہدایات کو سامنے رکھو اور دل کی خوشی اور انشراح کے ساتھ انھیں ہدایات پر کاربند رہو۔نکاح میں برکت بھی ہوگی اور دنیا وآخرت میں سرخروئی بھی ہوگی۔ **انشاء اللہ**

(ج:۹،ش:۲،ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ/اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظلم وطغیان کا جواب

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ: وَلَا تُجَادِلُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ (یعنی اہل کتاب سے اسی طریقے پر جھگڑو جو بہتر ہو، مگر ان میں جو بے انصاف ہیں) إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا پر علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: أي حادوا عن الطريق وعموا عن واضح المحجة وعاندوا وكابروا فحينئذٍ ينتقل من الجدال إلى الجلاد ، (ج:۴،ص:۶۶۲) یعنی وہ لوگ جو جادۂ حق سے انحراف کریں ، اور واضح دلائل کے ہوتے ہوئے اندھے بن جائیں، اور عناد ومکابرہ میں گرفتار ہوجائیں، ان کے حق میں جدال احسن سے جلاد (ضرب وقتل) کی طرف منتقل ہوا جاسکتا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ”مشرکوں کا دین جڑ سے غلط ہے، اور اہل کتاب کا دین اصل سے سچا تھا، تو ان سے اس طرح مت جھگڑو کہ جڑ سے ان کی بات کاٹنے لگو، بلکہ نرمی ، متانت ، خیر خواہی اور صبر وتحمل سے واجبی بات سمجھاؤ، البتہ جو ان میں صریح بے انصافی عناد اور ہٹ دھرمی پر تل جائے، اس کے ساتھ مناسب سختی کا برتاؤ کرسکتے ہو، آگے چل کر ایسوں کو سزا دینی ہے۔ (ص:۵۲۱، العنکبوت)

یہ آیت تمام اہل ایمان کو ہدایت کرتی ہے کہ کسی مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں کے ساتھ، خواہ ان کا اختلاف قطعی طور پر حق وصداقت کے خلاف ہو، بحث ومناظرہ اور گفتگو اور جدال کا وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو بہتر ہو، جس میں مخاطب کی دل آزاری نہ ہو، لب ولہجہ سخت نہ ہو، بات ایسی ہو جو دل میں اتر جائے ، لیکن یہ ہدایت اسی وقت تک ہے جب تک مخاطب کی جانب سے ضد وعناد، ہٹ دھرمی اور بے جا بحث وجدال کا ظہور نہ ہو، وہ خود بھی شرافت کا دامن کسی درجہ میں تھامے ہوئے ہو، لیکن اگر وہ بے انصافی کی راہ اختیار کرتا

ہے، ضد اور تشدد کا معاملہ کرتا ہے، تو پھر اس کے ساتھ نرم رویہ کی ہدایت نہیں ہے، کیونکہ بعض طبیعتیں اس حد تک حق سے منحرف ہوجاتی ہیں کہ ان پر نرم کلام اور نرم معاملہ کا کوئی اثر پڑتا ہی نہیں، تو ایسے لوگوں کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنا، بسا اوقات ضروری ہوجاتا ہے۔ ان سے ترک تعلق، ان کی زجر وتوبیخ اور علانیہ ان کی باصرار تردید، یہ سب سختی کے مظاہر ہیں۔ ایسا دو وجہ سے کرنا ضروری ہوتا ہے، اول اس لئے کہ شاید اس سختی کے خوف کی وجہ سے وہ راہِ حق کی طرف پلٹ جائیں۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ صحیح راہ پر ہیں، لیکن انھیں علم میں رسوخ نہیں ہے، ان کے بارے میں اندیشہ ہوتا ہے کہ ان بے انصافوں سے کہیں متاثر نہ ہوجائیں، تو جب ان کے ساتھ سخت لب ولہجہ اختیار کیا جاتا ہے اور ان کی تادیب کی جاتی ہے، تو عوام الناس کو ان کی قباحت وشناعت خوب واضح ہوجاتی ہے، اور وہ ان سے پرہیز کرتے ہیں، ورنہ اگر ان باطل پسندوں سے خوشامدانہ برتاؤ رکھا گیا تو اسی راہ سے وہ حق پرستوں کے طبقات پر حملہ آور ہوں گے، جو لوگ انسانوں کی نفسیات اور حق وباطل کی معرکہ آرائی پر نگاہ رکھتے ہیں انھیں یہ بات بخوبی معلوم ہے۔

قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے) یہاں اللہ تعالیٰ نے جہاد اور سختی کا حکم جیسے کفار کے حق میں دیا ہے، ویسے ہی منافقین کے حق میں بھی دیا ہے، حالانکہ منافقین وہ ہیں جو اپنے متعلق ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں، اور مسلمانوں کے معاشرہ میں گھلے ملے رہتے ہیں، لیکن ان کے بارے میں جہاد اور سختی کا حکم دیا گیا ہے، تو اگر آج بھی کوئی فرد یا فرقہ جادۂ حق سے انحراف کرتا ہے اور بے انصافی کی راہ چلتا ہے، اور اس کے اندر نفاق کے خصائل وآثار موجود ہیں، تو ان سے بحث وگفتگو میں نرم لہجہ کی پابندی ضروری نہیں، وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کے حکم سے تو ان پر سختی متعین ہوجاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها، إذا

أوتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر. (متفق عليه، مشكوٰة شريف، باب الكبائر وعلامات النفاق)

چار باتیں جس میں ہوں گی وہ خالص منافق ہے، اور جس میں ان میں کوئی ایک بات ہوگی، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ا۔امانت میں خیانت کرتا ہو۔۲۔ بات کرتا ہوتو جھوٹ بولتا ہو۔۳۔معاہدہ کر کے دھوکا دیتا ہو۔۴۔ جھگڑے میں راہ حق سے انحراف کرجاتا ہو۔ ظاہر ہے کہ جس فرد میں یا جس فرقہ میں بہ حیثیت مجموعی ان چار باتوں یا ان میں سے چند یا ایک بات کا غلبہ ہو، بلاشبہ وہ سخت برتاؤ کا مستحق ہوگا۔

کافروں کا ذکر نہیں، اہل اسلام میں جتنے فرقے ایسے پیدا ہوئے، جو راہِ حق سے ذرا بھی منحرف ہوئے، ان میں مجموعی حیثیت سے ان چاروں خصلتوں یا ان میں سے کسی ایک کا غلبہ رہا ہے، خواہ وہ پاکدامنی کے کتنے ہی لمبے چوڑے دعوے کرتے ہوں۔

موجودہ دور میں اسلام کے اندر جتنے فرقے سر اٹھا رہے ہیں، اور ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے اسلام کا سر نیچا ہو رہا ہے، ان میں نمایاں ترین نام اس فرقہ کا ہے، جو خود کو ”اہل حدیث“ اور ”سلفی“ کہتا اور کہلواتا ہے، لیکن اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ نہ ”سلفی“ ہے، نہ ”اہل حدیث“! سلفی تو اس لئے نہیں کہ ان کی سیرت و کردار کو سلف صالح سے کوئی نسبت نہیں ہے، جیسے بریلوی اپنے آپ کو ”اہل سنت والجماعت“ کے عنوان سے سجاتے ہیں، حالانکہ وہ درحقیقت ”بدعت“ کے علمبردار ہیں، ایسے ہی یہ لوگ سلف کے طرز و انداز سے باغی ہیں، مگر خود کو ”سلفی“ کہتے ہیں، اور ”اہل حدیث“ قدیم اصطلاح میں صرف ان حضرات کو کہا جاتا تھا جو علم حدیث کے ماہر ہوا کرتے تھے، اگر ان کی اولاد علم حدیث سے تعلق نہیں رکھتی تو اس کا شمار اہل حدیث میں نہیں ہوتا تھا، لیکن اس دور کے اہل حدیث کو علم حدیث سے خواہ بالکل مس نہ ہو، نہ ان کو نہ ان کی اولاد کو، مگر یہ نسل درنسل ”اہل حدیث“ کا سرنامہ لگائے رہتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ ان کی شناخت عدم تقلید ہے، اس لئے یہ غیر مقلد ہیں، اور عدم تقلید

کے لوازم میں ائمہ وعلماء کی بے احترامی اوران کی شان میں گستاخی ہے، چنانچہ اس فرقہ کا یہی امتیاز ہے، اپنے اس امتیاز کو باقی رکھنے کے لئے انھیں جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے، خیانت بھی کرنی پڑتی ہے، دھوکا بھی دینا پڑتا ہے، اور اپنی زبان وقلم سے نکلی ہوئی بات کو ثابت کرنے کے لئے فجور کا بھی مرتکب ہونا پڑتا ہے۔(ان کی چیزوں کی تفصیل دیکھنی ہوتو رسالہ زمزم (دوماہی) مرتبہ: مولانا محمد ابوبکر غازی پوری، محلّہ سیّدواڑہ، غازی پور کے شمارے اور مولانا کی دوسری کتابیں جو غیر مقلدین کے رد میں لکھی گئی ہیں، ملاحظہ فرمائیں)

مجلّہ المآثر نے غیر مقلدوں کے سلسلے میں کبھی مداہنت کا معاملہ روا نہیں رکھا ہے، جب جیسی ضرورت ہوئی، ان کا تعاقب کیا گیا ہے، تاہم غیر مقلدوں کی جارحیت اوران کے لب ولہجہ سے اگر ہماری تحریروں کا موازنہ کیا جائے تو ہماری تحریریں پاسنگ کی حیثیت نہیں رکھتیں، ان کا سا دلخراش لہجہ، ان کی سی دل آزار باتیں اوران کی سی پینترا بازیاں اگر ہم کوشش بھی کریں تو کبھی ہم اس میں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ تاہم ہمارے بعض اکابر کو ہمارا اتنا لب ولہجہ بھی پسند نہیں آتا، بعض بزرگوں نے فرمائش بھی کی کہ غیر مقلدوں کے مقابلے میں یہ لب ولہجہ نہ اختیار کیا جائے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس فرقہ کی جارحیت اتنی بڑھی ہوئی ہے، اوراس کی آفات چارسو اتنی پھیل گئی ہیں کہ ہر طرف فریاد مچی ہوئی ہے۔ ہندوستان کے جس گوشے میں جانے کا اتفاق ہوا ہے ہر جگہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلفی فرقہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کا مقدس فریضہ انجام دے رہا ہے۔ ۱۴۱۷ھ میں اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت بخشی، تو وہاں فیجی کے لوگوں سے ملاقات ہوئی، وہ بھی فریاد کناں تھے کہ غیر مقلدوں نے بڑا افساد برپا کررکھا ہے، بس وہ شعر یاد آیا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑے ہیں زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

جو جہاں ہے وہیں مصیبت میں ہے، کیا عرب کیا عجم، کیا سعودی عرب کیا خلیجی ممالک، کیا ہندوستان کیا پاکستان، کیا نیپال کیا برطانیہ، کیا امریکہ کیا افریقہ، ہر جگہ یہ فتنہ

سرگرم عمل ہے، اب ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ نرم لب ولہجہ اختیار کریں تو ان کے طغیان میں اور اضافہ ہوگا۔

ہمارے ایک بزرگ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی دامت برکاتہم جو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمہ کے عالی مرتبہ فرزند ہیں، اپنے والد گرامی کی حیات میں ایک عرصہ تک ماہنامہ الفرقان کے مدیر رہے ہیں، پھر علاج کے سلسلے میں لندن تشریف لے گئے، اور اب وہاں کے شہری ہیں۔ مولانا کا قلم ابتداء ہی سے نہایت سنجیدہ اور باوقار رہا ہے، الفرقان کی ادارت کے دور میں بھی ان کا شائستہ لب ولہجہ اور باوقار اُسلوب بہت ہی دل آویز اور مؤثر ہوتا تھا۔ میری طالب علمی کا دور تھا، اور میں بہت پابندی سے ان کی تحریریں پڑھتا تھا، ادھر جب سے وہ لندن میں مقیم ہیں، اسلام دشمن تمام طاقتیں اور ان کی ہر قسم کی سازشیں، جو اسلام کے حق میں مسلسل ہوتی رہتی ہیں، ان کے سامنے بے نقاب ہیں، باہر کے ان دشمنوں کے مخالفانہ عزائم اور اقدامات کی وجہ سے اندرونی فتنوں اور فتنہ پردازوں کے حق میں ان کے اسلوب اور لب ولہجہ میں مزید نرمی پیدا ہوگئی ہے، ایسی نرمی جیسی خاندانی جھگڑوں میں بیرونی شماتت کی وجہ سے خاندان کا بزرگ کسی فتنہ پرور، سنگدل آدمی کے سامنے عاجزانہ گفتگو کر لیتا ہے، اس کے پاؤں پر ٹوپی رکھ دیتا ہے، بلکہ اس کے پاؤں پکڑ لیتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنا مخالفانہ رویہ ترک کردے، تاکہ خود بھی عافیت سے رہے، اور خاندان کی عزت بھی برباد نہ ہو، مگر وہ کبھی اتنا سنگدل ہوتا ہے کہ اس سے بھی نہیں پسیجتا، اپنی ترنگ میں رہتا ہے، اور اس بزرگ خاندان کے اس طرز عمل کو اور نرم کلامی کو اپنی خوشامد قرار دے کر اور سرکش ہوجاتا ہے۔

ایسا ہی کچھ حال یہاں بھی محسوس ہوتا ہے، مولانا موصوف کی غیر مقلدین کے متعلق متعدد تحریریں آچکی ہیں، اور سب کا انداز واسلوب وہی دلسوزی سے سمجھانے کا ہے۔ اگر آدمی کا دل پتھر نہ ہو تو ضرور اپنی حرکتوں پر شرمائے گا، مگر کیا ان کی تحریروں سے غیر مقلدوں کو کچھ احساس ہوا، ان میں کچھ نرمی آئی؟ ابھی کچھ دنوں پہلے ایک غیر مقلد سلفی کا ایک خط بعض

رسالوں میں شائع ہوا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ کسی غیر مسلم کو مسلمان بنانا اتنا اہم نہیں ہے، جتنا ایک سلفی کو اہل حدیث بنانا اہم ہے، اور فقہ کی کتابیں اتنی نجس ہیں کہ اگر ان پر پیشاب کردیا جائے تو وہ پیشاب مزید نجس ہوجائے گا۔ آپ بتایئے، اس ذہنیت کے لوگ کسی نرم کلامی کے مستحق ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ مخالفین اسلام کے آلۂ کار ہیں، انھیں کی گندی ذہنیت مخالفین کو وہ ہتھیار فراہم کرتی ہے، جن سے وہ مذہب اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی بھی ان کی شوریدہ سری کے ہاتھوں بے بسی محسوس کررہے ہیں، ان کا ایک طویل مضمون ''أَللّٰهُمَّ إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کے عنوان سے ترجمان دارالعلوم، شمارہ جون، جولائی ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا ہے۔ لب ولہجہ اس میں بھی ان کا وہی ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے، لیکن ان کا اندرونی دردوکرب اتنا بڑھا ہوا، اور اس کا اظہار اس میں اتنی شدت سے ہے کہ لہجہ کی یہ نرمی، اسلوب کا یہ وقار سراسر تکلف معلوم ہوتا ہے۔ اب وہ بھی فریاد کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پارہے ہیں، پورا مضمون پڑھنے کے لائق ہے، اس مضمون میں انھوں نے غیر مقلدوں کی طرف سے شائع ہونے والی زہریلی کتاب ''الديوبندية'' کا احتساب کیا ہے، گو مولانا اپنے مضمون کو احتساب کہنے پر شاید راضی نہ ہوں، اور اسے افہام وتفہیم ہی کہنا پسند کریں، تاہم وہ نقد واحتساب ہی ہے، بلکہ ظلم کے خلاف ایک دل جلی فریاد ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے، اس سے میری بات کی تصدیق ہوجائے گی، کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''کتاب کیا ہے؟ ایک عبرت گاہ ہے، ایک مرقع ہمارے اخلاق وکردار کے فساد وانحطاط کا، ایک تماشہ گروہی بغض وعناد اور جذبات رقابت کا۔'' (ص:۱۸)

مولانا نے اس عبارت میں ہمارے کا لفظ لکھ کر اپنی بات کی شدت کو کم کردیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر یہ لفظ محض تکلف ہے، آپ ابتداء سے اب تک کی تاریخ ملاحظہ فرمالیجئے۔ غیر مقلدین مسلسل نشتر زنی کرتے ہیں، تب علماء دیوبند میں سے کوئی ایک جواب ترکی بہ ترکی کے لئے اٹھتا ہے، اور اپنے ہی لوگوں کی مسلسل روک تھام سے گھبرا اٹھتا

ہے۔ اللہ جزائے خیر دے مولانا ابوبکر غازیپوری کو، ادھر کچھ دنوں سے اس میدان میں اترے ہوئے ہیں، وہ تو غیر مقلدوں نے آج کل اتنا تنگ کررکھا ہے کہ علماء دیوبند کے حلقے میں ان کی مخالفت زیادہ نہیں ہورہی ہے، ورنہ یہی حضرات ان کے قلم کو روک دیتے، اس نرمی اور مداہنت کا اثر یہ ہے کہ اہل تقلید کے عوام پریشانی میں مبتلا ہیں۔

الماآثر محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۲۱ھ کے شمارے میں اداریہ کے اندر غیر مقلدین کے ایک تازہ ستم کا بیان کیا گیا ہے، اس پر مولانا سنبھلی مدظلہ نے مدیر کو ایک خط لکھا ہے، اس کا بھی اقتباس ملاحظہ ہو!

"الماآثر کا ٹائٹل اب بہت دیدہ زیب ہوگیا ہے، لفافے سے نکال کر نظر پڑتے ہی دل خوش ہوگیا، مگر اداریہ بہت رنج دہ اور المناک تھا، سمجھ میں نہیں آتا خود کو اہل حدیث کہلانے پر یہ اصرار کرکے (۱) یہ ایسی ناکردنیوں کو کیسے روا رکھ رہے ہیں۔ الفرقان میں آپ نے میرا وہ مضمون پڑھا ہوگا، جو ارون شوری کی کتاب "فتووں کی دنیا" پر لکھا تھا، اس کے مقدمے میں شوری نے ان سب مسلک والوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے، جن کے فتاویٰ سے اس نے بحث کی ہے، ان سب میں اہل حدیث حضرات کی خصوصیت انگریزی کے الفاظ SELF RIGHTEOUS میں کی ہے، جس کو ہماری زبان میں "برخود غلط" کہا جاتا ہے، پس افسوس کہ روز بروز اس کی تصدیق ہر سابق دن سے زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ **فالی اللہ المشتکیٰ**

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین کا ایک بڑا طبقہ جو تقریباً اس پورے فرقہ کو محیط ہے، قرآن کی آیت **إلا الذين ظلموا** (ظالموں) کے زمرے میں اور علامات نفاق والی حدیث کے دائرے میں آتا ہے، دینی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے جواب میں مداہنت اور نرمی نہ کی جائے، بلکہ صاف صاف ان کی کجرویوں کو بیان کردیا جائے، تاکہ عامۃ المسلمین کو دھوکا نہ ہو۔ (شوال تا ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ/فروری تا اپریل ۲۰۰۱ء)

---

(۱) یہ اہل حدیث کہلانے پر اصرار کرنے والے ٹھیک ان رضاخانیوں کے نقش قدم پر ہیں، جو خود کو اہل سنت کہلانے پر اصرار کرتے ہیں۔ (مدیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پریشانی اور اس کا علاج

ہمارا یہ دور، جس کے لیل ونہار کی گردش میں انسانی زندگی الٹ پلٹ رہی ہے، کہا جاتا ہے کہ مادی ترقیات کا دور ہے۔ انسان نے اپنی عقل وفکر کو، محنت وکاوش کو اور طلب وجستجو کو جب مادہ میں کھپایا، تو حیرت ناک چیزیں وجود میں آئیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں یہ ترقیات آسمان تک پہونچی چلی جارہی ہیں۔ ہر روز صبح جب آنکھ کھلتی ہے، تو کوئی نئی چیز دنیا کے بازار میں دکھائی دیتی ہے۔ ان سارے اسباب ووسائل کو دنیا اس لیے ایجاد کرتی جارہی ہے کہ انسانی زندگی آسان ہوجائے۔ گھوڑے اور بیل گاڑی پر جب سفر ہوتا تھا، تو منزل تک پہونچنے میں مدت لگ جاتی تھی۔ اب موٹریں، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز ہیں۔ سارا عالم گھر آنگن بن گیا ہے۔ پہلے تھوڑے فاصلے پر خبر پہونچانی ہوتی، تو بڑا وقت لگتا تھا۔ اب دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک ایک منٹ میں کوئی بھی خبر پہونچا دیجئے۔ علاج معالجہ کی وہ سہولتیں ہیں کہ پچھلے زمانہ والوں نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوں، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انسان کی زندگی آسان سے آسان تر ہوتی، راحتیں اس کے قدموں پر لوٹتیں، سکون کی چادر انسانیت کے سر پر تنی رہتی، جب سہولت وراحت کے یہ اسباب فراواں ہیں، تو اسی حساب سے آرام وآسائش کا پھیلاؤ بھی ہوتا۔ ہر شخص خوش ہوتا، رات کو میٹھی نیند سوتا، دن میں بے محنت ومشقت کے روزی حاصل کرتا، کسی کو کوئی دکھ نہ ہوتا۔ لیکن کیا ایسا ہوا؟ کوئی اللہ کا بندہ جواب دے کہ ہاں ایسا ہوا۔ آپ یہ سوال لکھ کر لاکھوں انسانوں کے پاس بھیجئے، سب جگہ سے ایک ہی جواب آئے گا کہ نہیں ان اسباب نے تو زندگی اور مشکل کردی ہے۔ تیز رفتار سواریاں بہت دوڑ رہی ہیں، مگر ہر روز نہ جانے کتنی انسانی جانیں اس تیز رفتاری کی زد میں

آ کر دم توڑ دیتی ہیں، سڑک پر ہمہ دم خطرہ ہے۔ پھر کثیف اور امراض کو پیدا کرنے والے دھوئیں اور گیس نے وہ قیامت ڈھا رکھی ہے، کہ آدمی اپنا گھر بند کر لے تب بھی چھٹی نہیں ہے، ہر نئی ایجاد نیا خطرہ لاتی ہے، ہر علاج نئی بیماری کو جنم دیتا ہے، اور موت کا ہنگامہ ہمہ وقت گرم ہی رہتا ہے، سڑکوں پر سے لاشیں اٹھائی جا رہی ہیں، ریل کی پٹریوں پر سے کٹے پھٹے مردہ جسم اٹھائے جا رہے ہیں، شفا خانوں سے ماتم کرتے ہوئے لوگ نکلتے ہیں، اور جنگوں میں، خانہ جنگیوں میں اور فسادات میں تو موت کا وہ رقص ہے کہ ہر تماشائی بسمل بنا ہوا ہے، گھر سے باہر نکلئے تو اطمئنان نہیں، گھر کے اندر رہئے تو راحت نہیں، اضطراب صد اضطراب ہے، بے چینی ہی بے چینی۔

آخر اسباب کے یہ الٹے نتائج کیوں نکل رہے ہیں۔ ہر انسان دوسرے انسان سے پوچھتا ہے، میں آسائش کا یہ سامان لایا، تو میرا بچہ اندھا کیوں ہو گیا؟ میرا بیٹا دولت کما کر لایا تو اس کے دوست نے اس کو گولی کیوں ماردی؟ میں نے اپنی بیوی کے علاج میں پیسہ پانی کی طرح بہایا تو اسے کینسر کیوں ہو گیا؟ میں نے اپنا مکان بنایا تو میرے پڑوسی نے مجھ پر مقدمہ کیوں قائم کر دیا؟ ہر طرف سوالات ہیں۔ لوگ جواب بھی دے رہے ہیں، مگر کوئی جواب تسلی نہیں بخشتا، کسی سے گتھی نہیں سلجھتی، ایک سوال کے بعد دوسرا سوال سر ابھارتا ہے، آخر کیوں؟ آخر کیوں؟

انسان جواب دیتا ہے، اپنی اسی عقل سے جواب دیتا ہے، جو مادیت کی سنگین خول میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس سوال کا جواب انسان نہیں دے سکتا ہے، وہ دے سکتا ہے جو انسان کا بھی خالق ہے، اور ساری کائنات کا بھی خالق ہے۔ اس سے پوچھئے، وہ بیماری بھی بتائے گا، دوا بھی بتائے گا، اور دوا میں اثر بھی پیدا کرے گا۔

قرآن کریم کا تیرہواں پارہ کھولئے، اس میں ایک سورہ ہے سورۂ رعد، اس کے چوتھے رکوع کی تلاوت کیجئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۝ الَّذِينَ

آمَنُوا وَ تَطمَئِنُّ قُلُوبُھُم بِذِکرِ اللہِ اَلا بِذِکرِ اللہِ تَطمَئِنُّ الْقُلُوبُ اَلَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّالِحاتِ طُوبیٰ لَھُم وَ حُسنُ مَآب﴾ یہ انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی، تم کہہ دو کہ اللہ جس کو چاہتا ہے راہ سے ہٹاتا ہے، اور جو اس کی طرف دل سے متوجہ ہوتا ہے اسے اپنی راہ دکھاتا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے، اور ان کے قلوب اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں، خوب سن لو کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیا ان کے لیے بشارت ہے اور بہترین ٹھکانا ہے۔

ان آیات میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔ مادہ نے دنیا والوں کو باور کرایا ہے کہ انسان کی زندگی لے دے کر بس اتنی ہی ہے، جتنے دن اس دنیا میں وہ جی لیتا ہے، ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد سے اس کی زندگی کے دن شروع ہوتے ہیں، اور آخری سانس پر اس کی زندگی کا اختتام ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل غلط ہے، انسان کا قلب اس کا انکار کرتا ہے۔ انسان اسی غلط نظریہ کی بنیاد پر اس زندگی کو بنانے اور سنوارنے کی کوشش کرتا ہے، مگر ناکام رہتا ہے۔ پیغمبروں نے اس غلط نظریہ کی تردید کی۔ انسانیت کو انھوں نے خاک کی پستی سے اٹھا کر رب کائنات کے حضور میں پہونچانا چاہا، اور بتایا کہ اس زندگی کے کاموں کی مکافات اور اس کی جزا کے لیے ایک دوسری دنیا ہے، وہ آخرت ہے۔ لیکن چونکہ وہ آنکھوں کے سامنے نہیں ہے، اس لیے انسان تردد میں مبتلا رہتا ہے، وہ پیغمبروں سے مطالبہ کرتا ہے کہ اگر واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں، اور آخرت برحق ہے، اور آپ کی بتائی ہوئی راہ حق ہے تو کوئی نشانی ایسی دکھایئے کہ ہم یقین کرنے پر مجبور ہو جائیں، ارشاد ہوا کہ نشانیاں تو بہت ہیں، مگر اللہ کی توفیق اسی کو ملتی ہے جو دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور جو کوئی انحراف کرتا ہے، تو اللہ تعالی جسے چاہتے ہیں گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں، یعنی ہدایت وضلالت کا سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ اگر کوئی اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو اسے اللہ تعالی محروم نہیں کرتے، پھر ارشاد فرمایا کہ یہ متوجہ ہونے والے وہ ہیں، جو ایمان لائے، اور ان کے قلوب کو

اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل ہوتا ہے، اس کے بعد ایک اصولی بات جو کہ لازوال ہے، بتائی کہ دلوں کا اطمینان تو اللہ کی یاد ہی میں ہے۔

یہی وہ بنیادی نکتہ ہے، جسے مادیت نے کھو دیا ہے۔ پس اسے راستہ نہیں مل رہا ہے، آدمی اسباب پر اسباب ایجاد کیے چلا جا رہا ہے، مگر اپنے پیدا کرنے والے کو بھول کر، اس کی نافرمانی کر کے، اس کے احکام سے روگردانی کر کے، نتیجہ یہ ہے کہ اسباب راحت سب موجود ہیں۔ مگر راحت نام کی، اطمینان نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یاد وہ ہے، جو انسان کے پورے وجود پر چھا جائے۔ زمان ومکان کے کسی مرحلے میں اس پر فراموشی نہ طاری ہو، زندگی کا ہر عمل اسی یاد کے زیر اثر ہو، زبان اس کے ذکر سے تروتازہ ہو، قلب اس کے دھیان سے معمور ہو، ہر کام جذبۂ اطاعت کے نور سے منور ہو۔ غرض یہ کہ آدمی کا مرنا جینا سب اسی سے وابستہ ہو۔ تب وہ حال ہوتا ہے کہ اسباب موجود ہوں یا معدوم، ذرائع ووسائل پاس ہوں یا دور، جب وہ خالق اسباب کے قریب اپنے کو دیکھتا ہے تو اطمینان وسکون کی پھوار اس پر مسلسل پڑتی رہتی ہے، پھر تو وہ کیفیت ہوتی ہے، جس کو جگر مرادآبادی نے اپنے شاعرانہ انداز میں کہا ہے، مگر وہ ایک حقیقت ہے محض شاعری نہیں ہے، کہتے ہیں

میرا کمال عشق بس اتنا ہے اے جگرؔ وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

آج انسانیت دکھی ہے، کیونکہ اس کا دل اپنے مرکز سے منحرف ہے، جہاں اطمینان ہے وہاں وہ جانے سے گھبراتی ہے۔ اور جہاں اضطراب ہے، دکھ ہے پریشانی ہے، وہاں کے لیے وہ بھاگتی پھرتی ہے۔ اسباب کی دنیا ایک اندھیری دنیا ہے، اس کا ماضی بھی اندھیرا ہے، اور مستقبل تو بالکل ہی معدوم ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے، اور ہر شخص کو اس کا تجربہ ہے کہ آدمی ایک مقصد کے لیے اسباب فراہم کرتا ہے، اسباب مہیا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر آدمی یقین کر لیتا ہے، کہ اب مقصد ہاتھ میں آیا ہی ہے کہ اچانک نتیجہ اس کے برخلاف نکلتا ہے اور انسان مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے آج کا انسان ہر دم ایک اضطراب میں رہتا ہے، ذہنی ٹینشن اتنا بڑھا ہوا ہے کہ کسی آن اطمینان نہیں۔ اس ٹینشن کا حملہ دل پر ہوتا ہے، دماغ پر ہوتا

ہے۔ اوراس زمانے میں یہ دونوں کمزوری کا شکار ہیں، کب ہارٹ فیل ہوجائے، کب دماغ پر فالج گر جائے، کچھ ٹھکانا نہیں۔ جو کچھ نہیں حاصل ہوا یا جو کچھ کھو دیا، اس پر صدمہ ورنج، اور آئندہ کیا ہوگا اس کی تشویش اور اندیشہ، بس انھیں دونوں تکلیفوں میں انسان الٹتا پلٹتا رہتا ہے، یہی ''ٹینشن'' ہے، جو انسان کو اوراس کی زندگی کو کھائے جارہا ہے۔

اور جو آدمی اللہ سے، اللہ کے ذکر سے، اللہ کی اطاعت سے وابستہ ہے۔ اسے کوئی ''ٹینشن'' نہیں ہے۔ نہ اسے ماضی پر حسرت ہے، نہ مستقبل کا اندیشہ ہے، نہ اسے حال کی پریشانی ہے۔ اس کی نگاہ ماضی وحال ومستقبل سے بلند ہوتی ہے۔ اسے اللہ سے وابستگی ہوتی ہے۔ جو زمان ومکان پر حکمراں ہے، اس کی قدرت لامحدود ہے، پس جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حوالے کردیتا ہے۔ اس کی شہادت قرآن کریم میں خود اللہ ہی نے دی ہے۔ فرماتے ہیں ﴿الا اِنّ اَولیاءَ اللهِ لاَ خَوفٌ عَلَیهِم وَلاَ هُم یَحزَنونَ. الّذِینَ آمَنُوا وَ کانُوا یَتّقُونَ. لَهُمُ البُشریٰ فِی الحَیاۃِ الدُّنیا وَفِی الآخِرَۃِ لا تَبدِیلَ لِکَلِمَاتِ اللهِ ذٰلِکَ هُوَ الفَوزُ العَظِیم﴾ (سورہ یونس ۶۲ تا ۶۴) سنو! بلاشبہ جو اللہ کے ولی ہیں ان پر نہ کوئی اندیشہ ہے، اور نہ انھیں رنج ہوتا ہے، جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے دنیا وآخرت دونوں زندگیوں میں بشارت ہی بشارت ہے، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

بیشک خدا کی بات بدل نہیں سکتی ہے۔ اس نے جہاں سکون واطمینان رکھا ہے، وہیں ملے گا، دوسری جگہ اس کی تلاش فضول ہے۔ انسان مادی اسباب ووسائل میں مرنا کھپنا چھوڑ دے، وسائل کو بس انھیں کے درجے میں حاصل کرے اور برتے، اور زندگی کا محور ومرکز اور نصب العین رب اسباب کو بنائے، تو انسانی زندگی کی تمام چولیں ٹھیک ٹھیک اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جائیں گی۔ ورنہ انسان ایک پہلو کو ابھارے گا تو دوسرا دبے گا۔

لیکن یہ بات جو بڑی کامیابی ہے، بغیر قصد وارادہ کے حاصل ہونے کی نہیں ہے، اور نہ یہ ہوگا کہ آدمی اس کی مخالف سمت دوڑتا رہے، اور یہ کامیابی اسے لپٹ جائے۔ اس

کے لئے تو دل سے متوجہ ہونا پڑے گا۔ اس کے تقاضوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔ ہر چیز کو اس کے خزانے سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اللہ کا ذکر بھی وہیں سے حاصل ہوگا، جہاں یہ خزانہ موجود ہوگا۔ ذکر کا خزانہ ذاکرین کے قلوب ہیں جو اللہ کے ذکر سے لبریز ہیں۔ جن میں ہر خیال اور ہر ارادہ اللہ کی یاد کے تابع ہو کر آتا ہے، ان کی صحبت میں غفلت کے بیماروں کا علاج ہوتا ہے۔ مادیت کے اس انہماک کے دور میں ایسے لوگ کمیاب ہو گئے ہیں، تاہم نایاب نہیں ہیں۔ آپ تلاش کرتے رہئے، دل میں سچائی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کسی خزانے تک رسائی آسان فرمادیں گے، ملاحظہ ہو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارس میں ایک آگ کے پجاری کے گھر پیدا ہوتے ہیں۔ اسی عقیدے اور عبادت پر جوان ہوتے ہیں۔ مگر دل میں تڑپ تھی، ہدایت کی، خدا طلبی کی، کیسے پھرتے پھراتے عین اس وقت مدینہ طیبہ پہونچائے گئے، جب کہ وہاں نبی کریم ﷺ کی آمد آمد کا غلغلہ تھا۔ اور بالآخر وہ آستانۂ نبوت پر حاضر ہو کر شرف صحابیت سے اور بے کراں بشارتوں سے نوازے گئے۔ آج بھی اگر کوئی صدق دل کے ساتھ تلاش کرے، تو اسے ذکر کا بھی خزانہ ملے گا، اور سکون قلب اور اطمینان روح کا بھی مرکز ملے گا، مگر مشکل یہ ہے کہ آدمی کو مادی اسباب سے اتنی محبت ہے، اور مستقبل کے اتنے اندیشے ہیں، اور انھیں مادی اسباب سے مستقبل کے بننے اور بگڑنے کا ایسا عقیدہ رچا اور بسا ہوا ہے کہ گھبراتا تو ضرور ہے، مگر نکلنے کی ہمت نہیں پڑتی، ہمتوں کی پستی کا یہ عالم ہے کہ مال وزر کا نقصان تو درکنار، اس کی کمی کے اندیشے سے انسان کا دل لرزتا رہتا ہے۔ اگر اسے دنیا اور اسباب دنیا کا تحفظ دیدیا جائے، تو ذاکرین کی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کے تحفظ کے سلسلے میں ذرا بھی شک ہوگا، تو قدم نہیں اٹھائے گا۔ حالانکہ اس دربار کا رنگ یہ ہے کہ:

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد　　　آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

آدھی جان اگر وہ لیتے ہیں، تو سیکڑوں جان عطا فرماتے ہیں۔ جو کچھ تمھارے وہم وخیال میں نہیں ہوتا وہ بھی بخشتے ہیں۔

یہاں گھاٹے کا سودا نہیں ہے، نفع ہی نفع ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ﴾ اللہ تعالی نے اہل ایمان سے ان کی جان کو اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے۔ اور اس کا عوض جنت ہے۔

جنت اور اللہ کی رضا وخوشنودی کے مقابلے میں جان و مال کی کیا حقیقت ہے؟ اتنی قربانی دے کر اگر جنت کی دائمی راحت حاصل ہو جائے تو سودا نہایت سستا ہے۔ اور بہت ہی نفع بخش ہے۔

اطمینان وراحت کا خزانہ تو ذکر اللہ ہی میں ہے جس خوش نصیب کی اس تک رسائی ہو جائے۔

(ربیع الثانی تا جمادی الثانی ١٤٢٢ھ/اگست تا اکتوبر ٢٠٠١ء/ماہنامہ ضیاء الاسلام مئی ٢٠٠٤ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتنوں کی ہمہ گیری اور اس سے بچنے کی تدبیر

مشہور محدث امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں جو مسلم شریف کے نام سے معروف ہے، اور صحاح ستہ (حدیث کی چھ صحیح کتابوں) میں ایک ہے، اور بخاری شریف کے بعد اسی کا درجہ کا ہے، ایک مفصل حدیث نقل کی ہے، جو ہمارے موجودہ حالات میں بہت ہی قابل غور ہے، اور اس کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا، اور انھیں عمل میں لانے کا اہتمام کرنا بہت ہی ضروری ہے، اس حدیث کے راوی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ بہت ہی خاص خاص باتیں بتایا کرتے تھے، اور اسی لیے وہ آپ کے ''صاحب سر'' (رازوں سے باخبر) کہے جاتے تھے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے قول وعمل کا بہت لحاظ رکھتے تھے، یہی حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے فتنوں کا تذکرہ سنا ہے، کچھ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے سنا ہے، آپ نے فرمایا کہ شاید تم وہ فتنہ سمجھ رہے ہو، جو آدمی کو اس کے اہل وعیال اور پڑوس کے سلسلے میں پیش آتا ہے، انھوں نے کہا جی! ہم یہی سمجھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے کی لغزشوں اور خطاؤں کا کفارہ تو نماز، روزہ اور صدقہ سے ہو جاتا ہے، لیکن کسی نے آپ سے اس فتنہ کا تذکرہ سنا ہے؟ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا چلے گا۔ اس پر سب لوگ خاموش رہے، میں نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے، فرمایا: ہاں تم نے سنا ہوگا، اللہ تمھارے باپ کو مبارک کرے! حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ فتنے قلوب پر لگاتار اس طرح آئیں گے جیسے چٹائی ایک ایک تنکے سے بنی جاتی ہے، تو جس قلب میں یہ فتنے جذب ہو گئے، اس

میں سیاہ نقطے پڑ جاتے ہیں، اور جس قلب نے انھیں اجنبی سمجھ کر جھٹک دیا، اس میں ایک روشن نقطہ بن جاتا ہے، اس طرح ایک قلب تو بالکل سنگ مرمر کی طرح سفید اور روشن ہو جاتا ہے، جس میں رہتی دنیا تک کوئی فتنہ اثر نہیں کرسکتا، اور دوسرا قلب کالا، راکھ میں اٹا ہوا الٹے پیالے کی طرح ہو جاتا ہے، جو نہ معروف سے مانوس ہوتا، اور نہ منکر سے اسے وحشت ہوتی، وہ صرف اسی چیز کو جانتا ہے، جسے اس کی نفسانیت نے جذب کیا ہے''۔

حدیث میں بعض اجزاء اور بھی ہیں، لیکن ہم نے اپنے موضوع سے متعلق جو حصہ تھا، اسے نقل کیا ہے، یہاں حدیث کے چند الفاظ کی وضاحت ضروری ہے، تاکہ قارئین کے سامنے وہ بات واضح رہے، جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے۔

اس میں ایک لفظ ''فتنہ'' ہے، اس کی جمع ''فتن'' ہے، اردو محاورہ میں فتنہ کا معنی لڑائی جھگڑا اور اختلاف و انتشار ہے، لیکن عربی میں ''فتنہ'' کا معنیٰ امتحان اور آزمائش کے ہیں، خواہ وہ امتحان اپنے نتیجہ کے اعتبار سے خیر ہو، یا شر، لیکن زیادہ تر اس کا استعمال اس آزمائش اور امتحان کے لیے ہوتا ہے، جس سے شر کا ظہور ہوتا ہو، چنانچہ فتنہ کا اطلاق کفر پر، دوراز کار تاویلات پر، ذلت و رسوائی پر، مصیبت اور عذاب پر، لڑائی جھگڑے پر، اچھائی سے برائی کی طرف پلٹنے پر اور کسی چیز کی محبت میں غلو پر ہوتا ہے۔

اہل و مال کا فتنہ یہ ہے کہ ان کی محبت میں پڑ کر آدمی دینی احکام میں کوتاہی کرنے لگتا ہے، یہی حال پڑوس کا بھی ہوتا ہے، کبھی پڑوس کی محبت میں اور کبھی اس کی عداوت میں آدمی حد سے تجاوز کر جاتا ہے، اور غلطیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، ان غلطیوں کا کفارہ روزمرہ کی عبادات ہو جاتی ہیں، یہ فتنے تو ہمہ دم آدمی کے ساتھ ہیں، ان کی اصلاح و مغفرت کا سامان بھی منجانب اللہ مہیا ہیں، اگر آدمی نماز روزے اور عبادات کا پابند ہے، تو یہ روزمرہ کی خطائیں، خود بخود دھلتی رہتی ہیں۔

لیکن ایک فتنہ وہ ہے، جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ **تموجُ موجَ البحرِ**، سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا آئے گا، یعنی جس طرح سمندر کی موجیں باہم ٹکراتی ہیں، ایک

دوسرے کے پیچھے اس طرح سر اٹھاتی ہیں، جیسے ہر ایک دوسرے کے تعاقب میں ہے، اسی طرح یہ فتنے یکے بعد دیگرے آئیں گے، باہم گتھم گتھا ہوں گے، لڑائی جھگڑے کی کثرت ہوگی، کوئی کسی کی رعایت کو تیار نہ ہوگا، پاس ولحاظ اٹھ جائے گا، لوگ جانوروں سے بدتر ہو جائیں گے، ان فتنوں کی کیفیت کیا ہوگی، فرماتے ہیں کہ تُعْرَضُ الفِتَنُ عَلَى القُلوبِ کالحَصِيرِ عُوداً عُوداً جس طرح چٹائی بنی جاتی ہے، تو ایک تنکے کو دوسرے تنکے سے جوڑتے چلے جاتے ہیں، اسی طرح قلوب فتنوں کی آماجگاہ بن جائیں گے، ایک فتنہ آئے گا اور معاً اس کے بعد دوسرا فتنہ آئے گا، اگر قلب ہر فتنہ سے متاثر ہوتا گیا، اور اس میں ملوث ہوتا رہا تو وہ سیاہ ہوتا رہے گا، اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ بالکل کالا ہو کر رہ جائے گا، جیسے راکھ میں اٹا ہوا ہو اور اوندھے پیالے کی طرح ہو جائے گا کہ اس میں نہ علم ٹھہرے گا، نہ معرفت۔ خیر کی ہر بات اس سے باہر ٹپک جائے گی، پھر نہ اسے نیکی اور خیر کی کوئی پہچان ہوگی، نہ اس سے مانوس ہوگا، اور نہ برائی سے اسے کوئی وحشت اور تنفر باقی رہے گا، یعنی بھلائی سے دور اور برائی میں ڈوبا ہوا ہوگا، وہ بس اسی بات کو قبول کرے گا، جو اس کی خواہش نفس کے مطابق ہو۔

اور اگر قلب ایسا ہے کہ اس نے ان فتنوں کو رد کر دیا، ان سے نہ متاثر ہوا، اور نہ ان میں ملوث ہوا، بلکہ علم و معرفت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اطاعت الٰہی میں سرگرم رہا، تو وہ قلب ایسا ہوگا، جیسے سنگ مرمر جو چکنا بھی ہوتا ہے، اور سفید بھی کہ اس پر کوئی گندگی اثر نہیں کرتی، اسی طرح یہ دل صاف اور روشن ہوتا ہے، اور پتھر کی طرح مضبوط ہوتا ہے، اس پر کوئی فتنہ اثر نہیں کر سکے گا۔

اس حدیث پر غور کریں، اور جن حالات سے مسلمان گزر رہے ہیں، ان پر غور کریں، تو یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں معلوم ہوتی ہے۔ آج ہمارے سامنے واقعی وہی منظر ہے کہ فتنہ موجیں مار رہا ہے، اس پوری کائنات انسانی میں ہر طرف جو چیز بکھری ہوئی پڑی ہے، بلکہ سب پر گھیرا ڈالے ہوئے ہے، وہ فتنہ ہی ہے، گھر گھر بلکہ ہر ہر فرد کو یہ فتنہ عام ہے، ایک فتنہ تھمتا نہیں کہ دوسرا فتنہ سامنے آجاتا ہے، یہ فتنے باہر سے اٹھتے ہیں اور دلوں کے

اندر جذب ہوتے ہیں، اور دل کے اندر سے اٹھتے ہیں اور باہر پھیلتے جاتے ہیں۔

فتنوں کے عموم وشیوع کا یہ حال ہے کہ ایک بات کہیں سے اٹھتی ہے، اور ذرائع ابلاغ کی قوت ووسعت اس کو چند لمحوں میں ساری دنیا میں پہنچادیتی ہے، اور جگہ جگہ فتنے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، مثلاً:

ڈیڑھ دو سال پہلے امریکہ کی ایک بلند وبالا عمارت پر حملہ ہوا، کس نے حملہ کیا، اس بات کی آج تک تحقیق نہ ہوسکی، ادھر یہ حملہ ہورہا ہے، عمارت تباہ ہورہی ہے، اور ساری دنیا کو یہ بات معلوم ہوگئی، سب تھرا گئے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ سب کی ٹکٹکی ادھر ہی لگ گئی، اور نزلہ گرا ایک غریب، اور بے کس ملک پر، کیونکہ وہ مسلمان تھا، اور مسلمان رہنا چاہتا تھا، مہینوں ساری دنیا کی نگاہیں اسی پر لگی رہیں، قلوب الٹتے پلٹتے رہے، لوگ شور مچاتے رہے کہ غلط ہورہا ہے، مگر سمندر بن کر جو فتنہ موج ماررہا ہو، وہاں کوئی آواز کب سنائی دے سکتی ہے؟ اس فتنہ کا اثر ساری دنیا پر پڑا، کتنے لوگوں کے ایمان ڈگمگائے، خدا اور رسول پر جنکو یقین تھا، وہ شک میں مبتلا ہونے لگے، مایوسی وشکستگی کی بدلیاں فضائے قلوب پر چھاگئیں، لوگ ایسا محسوس کرنے لگے کہ افغانستان اور طالبان نہیں، خود اسلام ختم ہوجائے گا، یہ فتنہ تھمتا تو کیا؟ فتنہ پرور ہی ذرا تھک گیا، تو دوسرے چند ممالک کو دھمکیاں دے کر ہراساں کرنے لگا، اور اپنے سدھائے ہوئے کتے اسرائیل کی پیٹھ ٹھونک دی، اس نے فلسطینیوں پر ہلہ بول دیا، اور ظلم ودرندگی کی وہ خونچکاں داستان مرتب کی کہ اگلے پچھلے سب ظالم شرماجائیں۔

اُدھر یہ سب ہوہی رہا تھا کہ ہندوستان میں بابری مسجد کو عنوان بنا کر گودھرا میں فتنہ کی ایک چنگاری پھینکی گئی، اور وہ آن واحد میں شعلہ بن کر احمد آباد اور اس کے مضافات میں مسلم آبادیوں کو تہس نہس کرگئی۔ اللہ جانے اس کی چنگاریاں کہاں کہاں اڑ کر پہنچی ہیں، ان مسلسل فتنوں کی وجہ سے قلوب کی حالت بگڑگئی ہے، ظلم وستم کی ہر چیرہ دستی کے بعد یہ گمان ہوتا ہے کہ اب قلوب اللہ کی طرف پلٹیں گے، اب لوگ اللہ کو راضی کرنے کی تگ ودو کریں گے، مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ معاملہ برعکس ہورہا ہے، قلوب میں اللہ سے بغاوت کا جذبہ کچھ اور بڑھ جاتا ہے،

برائیوں کی طرف جھکاؤ زیادہ ہو جاتا ہے، اصلاحِ حال کے بجائے خرابی کی صورت پھیل جاتی ہے، ایک فتنہ باہر موج مار رہا ہے اور ایک فتنہ قلوب میں گھسا ہوا ہے، قلوب کا فتنہ یہ ہے کہ اس میں خیر کی صلاحیت نہ رہے، اگر اس کے سامنے کوئی خیر کی بات لائی بھی جاتی ہے، تو شر و فساد کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اس قلب کی مثال الٹے پیالہ جیسی ہو جاتی ہے، جس میں کوئی خیر کی بات نہ ٹھہرتی ہے اور نہ جمتی، بس اس کی خواہش نفس کی وجہ سے جو چیز چمٹ جاتی ہے، وہی رہتی ہے اور اس کے مناسب کوئی چیز مل جاتی ہے، تو وہ بھی چمٹ جاتی ہے۔

یہ دونوں طرح کے فتنے اس دور میں موجیں مار رہے ہیں، معاشرہ بھی فاسد ہے، اور قلوب بھی فاسد ہیں، قلب کا صلاح یہ ہے کہ وہ ان فتنوں کو رد کر دے، ان کا کوئی اثر قبول نہ کرے، وہ سنگ مرمر کی طرح سخت مضبوط اور چکنا ہو جائے کہ برائیاں اس سے ٹکرائیں تو، مگر اچٹ کر ناکام واپس ہو جائیں، قلب میں اگر اتنی صلاحیت پیدا ہو جائے، تو اسے کوئی فتنہ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

ایسے قلوب ہر زمانے میں کم رہے ہیں، اور ہمارے دور میں تو بہت کم ہیں، لیکن اللہ کی زمین خالی نہیں ہے، اچھے لوگ اور اچھے قلوب مل جاتے ہیں، گو مشکل سے ملتے ہیں اور کم ملتے ہیں، یہ قلوب فتنوں سے محفوظ رہتے ہیں، اور فتنوں سے پناہ انھیں حضرات کے زیر سایہ مل سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **بَدَأَ الإسلامُ غريباً و سَيعودُ كما بَدَأَ غَريباً فَطُوبىٰ لِلْغُرَباءِ** (مسلم شریف) اسلام کا جب آغاز ہوا تھا تو یہ لوگوں کے درمیان اجنبی تھا، یعنی لوگوں کا ماحول و معاشرہ، ان کے احوال و کوائف بالکل جداگانہ تھے، اسی ماحول میں چند لوگوں نے اسلام قبول کیا، اس کے احکام و تعلیمات کو اپنی زندگی کا شعار بنایا، تو یہ لوگ سارے ماحول سے کٹے ہوئے اجنبی سے محسوس ہوئے، وہ خود اپنے کو اس ماحول میں اجنبی سمجھ رہے تھے، اور دنیا والے بھی انھیں اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، پھر آہستہ آہستہ اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا گیا، لوگوں میں اس کا تعارف بڑھتا گیا، یہاں تک کہ لوگ مانوس ہو گئے، اجنبیت دور ہو گئی، اب یہ ایک معروف و مسلم حقیقت بن کر لوگوں کی نگاہوں

اور دلوں میں جاگزیں ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ مذہب دوبارہ اجنبی بن جائے گا۔ اسلام کے خلاف ایک ایسا ماحول برپا اور ایک ایسی تہذیب مسلط ہوجائے گی کہ اس ماحول میں اسلام پر عمل کرنے والا محض اجنبی بن کر رہ جائے گا۔ اب یہاں اہل اسلام کے سامنے دو راہیں ہیں، ایک یہ کہ اپنی اجنبیت سے گھبرا کر، اس سے وحشت زدہ ہوکر اپنی مخصوص شناخت اور اپنی خاص وضع کو خیر باد کہہ کر عام ماحول و معاشرہ میں گھل مل جائیں، اسلام کے آثار و اعمال کو اپنے اوپر سے کھرچ کر پھینک دیں، تاکہ دیکھنے والا، برتنے والا جان ہی نہ سکے کہ یہ بھی مسلمان ہیں۔

دوسری راہ یہ ہے کہ اسلام کے تقاضوں پر، اس کی تعلیمات پر، اس کی شناخت اور وضع پر باصرار ڈٹ جائیں، اور اس سلسلے میں کسی دباؤ کی پرواہ نہ کریں، دنیا مخالف سمت دوڑ رہی ہے، مگر یہ اپنی سمت جارہے ہیں، دیکھنے والے دیوانہ اور سنکی کہہ رہے ہیں، ساری خلقت تو اُدھر جارہی ہے، تم ادھر کہاں جارہے ہو؟ یہ طعنے سنتے رہیں، تحمل کرتے رہیں، الجھنے سے گریز کرتے رہیں، مگر اپنی راہ پر لگے رہیں۔

اس آخری دور میں، اور اجنبیت کے اس ماحول میں یہ دو راہیں ہیں۔ پہلی راہ دنیاوی اعتبار سے آسان ہے، اس راہ میں آدمی خود کو چلتی بھیڑ میں گم کر دیتا ہے، اور دنیا کے اعتبار سے اس بھیڑ کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، اس میں یہ بھی حصہ دار بنتا ہے، اس میں بظاہر دنیا کا فائدہ ہے، زندگی کی سہولت ہے، جہاں جائے گا، کہیں اجنبیت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا، لیکن اس سہولت کے لیے، اس کو ایک بہت بڑی قربانی دینی پڑتی ہے، اور وہ بھی ناروا، وہ قربانی آخرت کی قربانی ہوتی ہے، جس طریق پر اسلام نے چلنے کی تلقین کی ہے، جب اسے چھوڑا تو آخرت کی راہ چھوڑی، جنت کی راہ چھوڑی،، ایمان میں اضمحلال پیدا ہوا، عبادات میں زوال آیا، طاعات سے برکنار ہوا، کفر والحاد کی موجودہ طوفانی ہوا میں بھی خطرناک راہ اختیار کرنے والے زیادہ ہیں، دنیا مقصود و معہود بنی ہوئی ہے، اس راہ میں آخرت کی تباہی تو ہے ہی، مسلمانوں کی دنیا بھی کچھ زیادہ بامراد نظر نہیں آتی، کیونکہ جب

کہیں سود و زیاں کا معاملہ پڑتا ہے، تو کفر کی طاقتیں، انھیں مسلمان کہہ کر، ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتی ہیں، جو مسلمانوں کے حق میں ان کے منصوبے میں داخل ہوتا ہے، متعدد فسادات میں کمزور ایمان والوں نے اپنی شناخت چھوڑی، کفر کی شناخت اختیار کی، مگر نتیجہ وہی رہا کہ سب کے ساتھ وہ بھی ہلاک کردیے گئے، دنیا بھی گئی، آخرت بھی گئی!! ﴿خَسِرَ الدُّنیا و الآخِـرَةَ و ذٰلِكَ هُوَالْخُسرانُ الْمُبِیْنُ﴾

دوسری راہ دنیاوی اعتبار سے بہت مشکل ہے، لوگوں کے طنز و طعن ہیں، کوئی ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اپنے گھر میں بھی آدمی اجنبی بن جاتا ہے، وہ حال ہوجاتا ہے کہ بات کرے تو کوئی سننے کو تیار نہ ہو، رشتہ چاہے تو کوئی رشتہ کرنے پر آمادہ نہ ہو، دین پر عمل کرنے کا جذبہ، اسے اس کے ماحول سے کاٹ کر رکھ دیتا ہے، اس سے سب خفا ہوتے ہیں، اور وہ سب سے علیحدہ ہوجاتا ہے، یہ حالت انسان کے لیے بہت سنگین ہوتی ہے، بڑے مضبوط ارادے اور بلند حوصلہ کا مالک ہوتا ہے وہ آدمی، جو ان سب مشکلات کو برداشت کر کے خالص ایمان و اسلام پر باقی رہے، یہ شخص ایسا ہے، جیسے ہاتھ پر انگارہ رکھے ہوئے ہو: ؎

ہم حوادث میں رہے کوہ و بیاباں کی طرح
اور ہوں گے ترے سانچے میں جو ڈھل جاتے ہیں

مگر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انھیں افراد کی وجہ سے دین کا تحفظ ہوتا ہے، فتنے رفع ہوتے ہیں، اور آخرت میں تو ان کا وہ عالم ہوگا کہ سو سو شہیدوں کا ثواب حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا انھیں حاصل ہوگی، مولانا محمد علی جوہرؒ نے بہت خوب کہا ہے کہ: ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

فتنوں کے اس دور میں ایسے ہی قلوب کامیاب ہیں، انھیں تلاش کر کے ان کی پناہ میں رہنا چاہیے۔

(محرم تا ربیع الاول ۱۴۲۳ھ/ مئی تا جولائی ۲۰۰۲ء/ ماہنامہ ضیاء الاسلام جولائی ۲۰۰۴ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احتساب میں مجلّہ المآثر کا رویہ

قلب و دماغ اور قلم و زبان سب اپنے پروردگار، اپنے خالق و مالک، اپنے محسن و داتا کے سامنے سراپا شکر و سپاس بن کر سجدہ ریز ہیں، اور ان کی حمد و ثنا کا نغمہ گنگناتے ہیں کہ آج سے دس سال قبل چند ناتوانوں اور ناتجربہ کار افراد نے محدث الھند علامہ جلیل، فقیہ وقت، ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہ کی رحلت کے بعد سوچا، باہم مشورے کئے کہ ایک علمی مجلّہ حضرت اقدس کی یادگاری میں جاری کیا جائے، اس میں حضرت کے علوم و معارف کا تعارف کرایا جائے، علم و تحقیق کے وہ خزانے، جو ابھی اہلِ علم کے ہاتھوں میں نہیں پہنچے ہیں، انھیں پہنچانے کا انتظام کیا جائے، حضرت کے سوانحِ زندگی، نہ جاننے والوں کے لیے علم کی روشنی میں لائے جائیں، وقفہ وقفہ سے تلاش و تحقیق کی یہ وادی طے کی جائے گی، تو ایک طویل اور دشوار گزر راہ منزل بمنزل لپٹتی رہے گی، علم و معرفت کا نور پھیلتا رہے گا، مآثر و معارف کے خزانے بھرتے رہیں گے، اور گوہر نقاب مستوری کو الٹ الٹ کر نکلتے رہیں گے۔

امید و بیم کی کشمکش کے درمیان یہ مشورہ فیصلہ بنا، اور پہلا سہ ماہی مجلّہ ''المآثر'' کے عنوان سے محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۱۳ھ میں طباعت کے مرحلوں سے گزار کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچا دیا گیا، ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ اہلِ علم اور ارباب تحقیق اسے کس نگاہ سے دیکھیں گے، کس طرح اسے جانچیں اور پرکھیں گے؛ مگر یہ سوچ کر قدرے اطمینان ہوتا تھا کہ اس کی نسبت ایک ایسے صاحبِ علم کے ساتھ ہے، جو علم و تحقیق کا ایک سمندر نہیں بلکہ مجمع البحار تھا، جس کے سامنے معاصر اساطین علم کی گردنیں خم رہی ہیں، اس نسبت کی وجہ سے قبولیت و

پسندیدگی کا ظن غالب تھا، چنانچہ یہ ظن غالب سچا ثابت ہوا، لوگ نوآموز اور گمنام افراد کی اس جرأت پر چونکے تو ضرور! بہت سے حضرات حیرت میں پڑے کہ علمی صحافت کے پردے پر یہ نئی تصویریں دکھائی دے رہی ہیں، لیکن محدث جلیل علیہ الرحمۃ کی برکت تھی کہ یہ نئی تصویریں بھی قبولیت پا گئیں، مجلّہ پسند کیا گیا، چوٹی کے اہلِ علم نے اس سے دلچسپی لی، اور دیکھتے ہی دیکھتے اقلیم علم میں اس نے اپنی شناخت بنالی۔

ادارہ المآثر نے ابتدا میں اس مجلّہ علمیہ کے سلسلے میں جو منصوبہ طے کیا تھا، اور سفر کی جو راہیں اور منزلیں طے کی تھیں، کوشش یہی رہی کہ انھیں راستوں پر یہ علمی سفر طے ہوتا رہے، اور متعین منزلوں کو پالینے کی جدوجہد جاری رہے۔

اس سلسلے میں پہلا منصوبہ تو یہ تھا کہ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے گرانقدر علمی کارناموں کا ذرا تفصیلی تعارف پیش کر دیا جائے، لوگ بلکہ بہت سے اہل علم حضرات بھی بس اتنا جانتے تھے کہ حضرت اس دور کے عظیم محدث، فن اسماء الرجال کے ماہر اور حدیث کے درجات ومراتب کے معتبر نقاد ہیں، لیکن ان کے وہ کارنامے کیا ہیں؟ ان کی تفصیل کیا ہے؟ جس کی بنیاد پر قلوب میں منجانب اللہ یہ بات جمی ہے، اس سے بہت کم لوگ واقف تھے۔ خود یہ راقم سطور، جس کے کاندھوں پر مجلّہ کی ادارت تحریر کا بار ڈالا گیا، اس کا قدم بھی اجمال سے نکل کر تفصیل کے میدان میں نہیں آیا تھا، مجلّہ کے آغاز کے وقت سے حضرت کی کتابوں کا از سرنو تفصیلی مطالعہ شروع کیا، تو علم وتحقیق اور نقد ونظر کی ایک وسیع جولانگاہ نگاہوں کے سامنے آئی، تلاش علم کا ایک نیا میدان ملا، قلم کو حضرت اقدس کی تحریروں کے سہارے چلنے کا راستہ ملا، چنانچہ یکے بعد دیگرے حضرت کے علمی وتحقیقی معارف کی ایک روشن اور دلآویز جلوہ گاہ یہ مجلّہ بنا، جو کتابیں حضرت کی تحقیق وتعلیق سے پہلی مرتبہ مخطوطات کی الماریوں سے نکل کر مزین ہوئیں، ان کے نوادرات بطور نمونے کے قارئین کے سامنے پیش کیے گئے: مسند حمیدی، کتاب الزہد والرقائق، المطالب العالیہ، کشف الاستار، مصنف عبدالرزاق وغیرہ۔ ان کے علاوہ حضرت کے وہ انتقادات جو اکابر اہلِ علم کی کتابوں پر جستہ جستہ تحریر ہوئے ہیں،

جن سے حضرت کی نگاہ کی وسعت اور گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے، ان کے کچھ نمونے مرتب کیے، یہ انتقادات ''استدراکات علمیہ'' اور ''استدراکات محدث کبیرؒ'' کے عنوان سے تقریباچودہ قسطوں میں شائع کیے گئے، عالم عرب کے مشہور عالم شیخ ناصرالدین کی غلطیوں کو حضرت محدث اعظمیؒ نے چار اجزاء میں تحریر فرمایا، اس کی تلخیص چار قسطوں میں پیش کی گئی۔

خود حضرت کی خدمات وکمالات کا تعارف بھی متعدد حضرات کے قلم سے شائع کیا گیا، حضرت اقدس کی نایاب ونادر اور وقیع علمی تحریریں جو کبھی مجلّات وجرائد میں شائع ہوئی تھیں، انھیں ازسرنو شائع کیا گیا، ان کی تعداد ۲۰؍ سے کم نہیں ہے، حضرت اقدس کے گراں قدر فتاویٰ پہلے مرتبہ شائع ہوئے، اسی طرح حضرت اقدس کے مواعظ جو گاہے گاہے آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے، انھیں ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے نقل کرکے ناظرین کے استفادے کے لیے پیش کیا گیا۔

وہ حضرات جو اخلاص ودیانت کے پیکر رہے، جن کی زندگیوں کو سامنے رکھ کر تعمیر سیرت کی جاسکتی ہے، جن کے سوانحِ زندگی بعد والوں کے لیے چراغِ راہ ثابت ہوسکتے ہیں، ان کے تذکرے لکھے گئے، دس سال میں ایسے تقریباً پندرہ سولہ حضرات پر مضامین مرتب کیے گئے۔

حضرت محدث کبیر علیہ الرحمۃ کی زندگی کا ایک نمایاں مجاہدانہ کارنامہ یہ رہا ہے کہ غلط افکار ونظریات نے جہاں سر اٹھایا ہے، اور مذہب اسلام پر ان کی وجہ سے دھبہ لگنے کا اندیشہ ہوا ہے، یا دھبہ لگا ہے، تو حضرت نے ان غلط نظریات کا متین علمی احتساب کیا ہے، اور حقائق کی روشنی میں غلط کاروں کی ہر غلطی کو واضح کردیا ہے، اور علم وتحقیق کے نام سے جو گمراہیاں اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی، سب کا قلع قمع کردیا۔ مجلّہ ''المآثر'' نے ابتداء ہی سے اپنے مشن میں یہ بات شامل رکھی ہے کہ کہیں سے کوئی غلطی، غلط نظریہ، غلط تحقیق اسلام کے قلعے میں دراندازی کرنا چاہے گی، تو اس پر بند لگانے کی جدوجہد کی جائے گی، چنانچہ دس سال کے اس عرصہ میں گاہے گاہے، حسب ضرورت یہ خدمت بھی انجام دی

گئی ہے، اس عرصہ میں غیر مقلدیت نے مختلف عنوانوں کو بالخصوص تین طلاق کے مسئلہ کو علم و تحقیق کی درسگاہ سے نکال کر عوامی اسٹیج پر اور اخباروں اچھال دیا تھا، جس سے نہ صرف مذاہب اربعہ (حنفیت، شافعیت، مالکیت اور حنبلیت) پر حرف آتا تھا، بلکہ خود اسلام کی شبیہ بگڑ رہی تھی، مجلّہ المآثر نے اس موضوع پر خود حضرت محدث کبیر علیہ الرحمۃ کی گرانقدر تحریر شائع کر کے اس کا دفاع کیا۔

کچھ عرصہ سے مولانا قاضی مجاہد الاسلام کی سربراہی میں ایک تنظیم فقہ اکیڈمی نے فقہی سیمناروں کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے، بعض اعتبارات سے یہ سلسلہ مفید اور نتیجہ خیز محسوس ہو رہا تھا، لیکن بھانپنے والوں نے شروع ہی میں بھانپ لیا تھا کہ علمی میدانوں میں یورپ سے درآمد کردہ یہ نیا طریقۂ عمل شاید آگے چل کر فتنوں کا باعث بن جائے، چنانچہ پانچویں فقہی سمینار میں، جو اعظم گڈھ میں ہوا تھا، یہ اندیشہ کھل کر سامنے آ گیا، اس میں لائف انشورنس کے متعلق ایک ایسا فیصلہ کیا گیا، جو اسلام کی تعلیمات اور اس کی روح کے منافی تھا، اور اس کے لیے ایسا طریقۂ کار اختیار کیا گیا، جو خود سمینار کے دستور کے خلاف تھا۔ اس راہ سے اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کے معاشرے میں جوا اور سود کی نجاست پھیل جائے گی۔ المآثر نے اس کا احتساب کیا، اور اس موضوع پر اکابر علماء کے مضامین مسلسل شائع کیے، اس کا اثر یہ ہوا کہ فقہی سمینار کے مذکورہ فیصلہ کی بنیاد پر انشورنس کے ادارے جو تیزی کے ساتھ مسلمانوں کے معاشرے میں گھسنے لگے تھے، اور مسلمانوں میں یہ ناجائز وباشدت سے پھیلنے لگی تھی، اس کے سامنے ایک مضبوط بند قائم ہو گیا، فللہِ الحمد۔

اس احتساب کے دائرے میں خود سمینار اور اس کے لیے مرتب کیے جانے سوالات بھی آئے، سمینار کی کاروائی میں جو نامناسب طرزِ عمل اختیار کیا جا رہا تھا، اس پر بھی ٹوکا گیا، بعض حضرات جو صلح کل کی طرف رجحان رکھتے ہیں، انھیں المآثر کے اس طرزِ عمل سے گرانی ہوئی، انھوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ان کے خیال میں مسلمانوں اور دین کی خدمت کے لیے جو بھی قدم اٹھایا جائے، اسے گوارا کرنا چاہیے، اس میں اگر کچھ غلطیاں

ہو رہی ہوں، تو بھی خاموش رہنا چاہئے؛ لیکن ظاہر ہے کہ اگر اسے قاعدہ بنالیا جائے، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک بڑا حصہ معطل ہو کر رہ جائے گا، اس لیے ادارہ نے ان ناگواریوں کو دیکھا، سنا اور سہہ لیا، مگر اپنے طرزِ عمل میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ جو چیز غلط ہے، اس کی غلطی کو واضح کر دینا، اختلاف نہیں ہے، نزاع نہیں ہے، اختلاف اور نزاع کی نسبت حق کی جانب نہیں ہو سکتی، ہاں اگر دلیل سے یہ بات واضح کر دی جائے کہ جو کچھ کہا گیا ہے، وہی غلط ہے، تو البتہ اس پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی جائے گی، لیکن صرف اتنا کہہ دینا کہ ادارہ جارحیت کے راستے پر جا رہا ہے، لوگوں سے نزاع کر رہا ہے، کافی نہیں ہے۔ المآثر نے جو آواز اٹھائی، اگر وہ درست ہے، تو اختلاف اور نزاع کی نسبت اس کی طرف نہیں ہو سکتی، جو لوگ غلطی کر رہے ہیں، ان کی طرف ہو گی، حق اختلاف نہیں کرتا، وہ ایک سچا راستہ بتاتا ہے، جو لوگ اس سے منحرف ہوتے ہیں، وہ اختلاف کے شکار ہوتے ہیں، اللہ کے پیغمروں نے قوم کی رسمِ عبادت اور رواجِ زندگی کے خلاف حق و صداقت کا راستہ دکھایا، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ انھوں نے اپنی قوم سے اختلاف کیا، باہم پھوٹ ڈال دی، خاندانوں میں تفرقہ پیدا کر دیا، گو کہ ان کی قومیں یہی راگ الاپتی رہیں، مگر ان کا کہنا غلط تھا، قوموں نے اختلاف کیا، پیغمبروں سے نزاع کیا، کیونکہ انھوں نے حق سے انحراف کیا۔ آج بھی یہی قاعدہ ہے، غلطی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، اگر وہ واقعۃً غلطی ہے، تو اس پر ٹوکنے والا نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہا ہے، اس پر اختلاف کا الزام نہیں رکھا جا سکتا، یہ اگر نہ تسلیم کیا جائے تو حق و باطل کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، اور ''صلح کل'' کا جذبہ رکھنے والے حضرات غیر شعوری طور پر اس غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [سورۃ الحج: ٦٧] (ہر امت کے لیے ہم نے ایک طریقۂ عبادت بنایا تھا، جس کے مطابق وہ عبادت کرتی تھی تو یہ لوگ تم سے اس معاملہ میں نزاع نہ کریں، اور تم اپنے رب کی طرف دعوت دیتے

رہو، بلاشبہ تم یقیناً سیدھی ہدایت پر ہو)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے تحریف شدہ رسوم جاہلیت کے خلاف جو شریعت حقہ کا نظام عبادت پیش کیا وہ اختلاف اور نزاع نہیں ہے، قرآن حکم دیتا ہے کہ تحریف شدہ طریقۂ عبادت کو اختیار کرنے والے رسول سے نزاع نہ کریں، کیونکہ رسول ٹھیک ٹھیک حق وہدایت پر گامزن ہیں، اب جو ان سے منحرف ہوگا، وہی نزاع کا مرتکب ہوگا۔ اہل حق کے بارے میں یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ انھوں نے نزاع کیا، وہ اختلاف کے مرتکب ہوئے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر کا حق پر ہونا بالیقین ہے، ان سے اختلاف کرنے والا یقیناً نزاع کا مرتکب ہے، لیکن جو لوگ پیغمبر نہیں ہیں، وہ معصوم نہیں ہیں، ان کی رائے کا صحیح ہونا یقینی نہیں ہے، اس لیے ان کی طرف نزاع کی نسبت درست ہوسکتی ہے، کیونکہ ان کے حق کا ہونا قطعی نہیں ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حق کا معیار آج بھی موجود ہے، اگر اس معیار پر کوئی بات اترتی ہے، تو حق کہنا ہی پڑے گا، اجتہادی امور میں بے شک یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید حق دوسری طرف ہو، لیکن جہاں قرآن کی نص قطعی ہو، اس کی دلالت واضح ہو، یا مسئلہ امت کے درمیان متفق علیہ ہو، یا حضرات صحابہؓ وتابعین یا حضرات ائمہ اربعہ کا کسی مسئلہ پر اجماع ہو، تو اس کا حق ہونا بالکل واضح ہے، تین طلاق کا مسئلہ، بیس رکعت تراویح کا مسئلہ ایسا ہے جس کے حق ہونے پر چاروں ائمہ مذاہب متفق ہیں؛ جوا اور سود کی حرمت پر قرآن کی نص قطعی واضح الدلالت ہے۔ المآثر نے جب کسی پر احتساب کیا، دلائل کی روشنی میں کیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ جذبات سے مغلوبیت نہ ہو، لیکن اپنی پاکئ داماں کی حکایت پر اصرار نہیں ہے، بسم اللہ اگر کوئی دلائل کی رہنمائی میں المآثر کی غلطی کو واضح کرے گا، تو اسے قبول کرنے میں تامل نہ ہوگا، مگر خیال یہ رہے کہ ادارہ المآثر کی اپنی الگ کوئی راہ نہیں ہے، اس نے اکابر علماء کی قدم بہ قدم پیروی کی ہے، حدیث میں حضرات محدثین کی اور فقہ میں علماء احناف کی، ان کی راہ سے انحراف نہیں ہے، اور جن کا احتساب کیا ہے، آپ دیکھیں گے کہ

احتساب اسی وقت ہوا ہے، جب انھوں نے اکابر علماء حق سے ہٹ کر اپنی نئی راہ نکالی ہے، اور اس پر اصرار کیا ہے، ہم تو متبع ہیں۔ بحمد اللہ۔ مبتدع نہیں ہیں۔ الماثر نے جو راہ اختیار کی ہے، وہ بصیرت کے ساتھ اختیار کی ہے اور اس دعاء التجاء کے ساتھ کی ہے کہ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقاً وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ (اے اللہ ہماری نگاہوں میں حق کو حق دکھایئے اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرمایئے، اور باطل کو باطل دکھایئے اور اس سے بچنے کی توفیق دیجئے)۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، اس کی حمد وثنا کرتے ہیں کہ دس سال تک اس ذات پاک نے ہمیں دین حق کی خدمت کی توفیق بخشی، اور اس کی مہربان ذات سے امید رکھتے ہیں کہ وہ پروردگار ہمیں مزید خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے گا۔ اے اللہ آپ ہماری غلطیوں کو معاف فرمائیں، قدم کو غلط راہ پر چلنے سے اور قلم کو جادۂ حق سے بھٹکنے سے محفوظ رکھئے، آپ کی خوشنودی اور رضا مندی کے جویا اپنے غلاموں پر حق وہدایت کی راہ ہمیشہ کھلی رکھئے، اور اسی پر چلنے کی توفیق اور ہمت وقوت دیجئے آمین۔

رَبَّنَا لاَ تُوَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَانَا رَبَّنَا وَ لاَ تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْراً کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لاَ تُحَمِّلْنَا مَا لاَ طَاقَۃَلَنَا وَ اعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلاَنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ.

اے اللہ جو کچھ اب تک لکھا گیا، آپ جانتے ہیں کہ اس میں کتنا حصہ لائق اجر ہے، اور کتنا حصہ قابل مواخذہ، قابل مواخذہ حصہ سے درگزر فرمایئے اور جس پر کچھ اجر مرتب ہو سکتا ہو، اس اجر کو ہمارے پیش رو عالم ومقتدا جو ہمارے گمان میں آپ کے مخلص بندے تھے، جن کی یادگار میں یہ تحریریں لکھی جاتی رہی ہیں، ان کے اعمالنامہ میں درج فرمادیں۔

آمین یا رب العالمین

(ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ/اگست تا اکتوبر ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتنوں کی یورش اور مسلمانوں کے لائحۂ عمل

موجودہ دور میں دُنیا جن حالات سے گذر رہی ہے، ہمہ دم ایک آفت کا اسے سامنا ہے، دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی آگ لگے، ساری کائنات اس میں سلگنے لگتی ہے۔ ایک عجیب وغریب بے یقینی اور بے چینی کی فضا مسلّط ہے، ہر طرف خوف ودہشت کا سایہ ہے، ایک انجانا خوف سب کو بے چین کیئے ہوئے ہے۔

کوئی الجھن نہیں لیکن کسی الجھن میں رہتا ہے
عجب دھڑکا سا ہر دم دل کی ہر دھڑکن میں رہتا ہے

افراد ہوں یا حکومتیں، سب کا یہی حال ہے، ہر فرد اور ہر ادارہ خائف ولرزاں ہے، اور اسی خوف ودہشت کے ماحول میں وہ الٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے جس سے امن وامان مزید تہ وبالا ہوجاتا ہے۔ ایک فرد کسی دوسرے فرد سے کسی وہمی خوف میں مبتلا ہوتا ہے، تو وہ اس خوف کو دور کرنے کے لئے وہ تدبیریں اختیار کرتا ہے جس سے بجائے گھٹنے کے خوف اور بڑھ اور پھیل جائے، حکومتیں، حکومتوں سے ڈرتی ہیں، تو جنگ کا ماحول پیدا کر کے امن عالم کو تباہ کردیتی ہیں۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ دنیا کی ایک بڑی طاقت، جو قتل وخون اور گستاخی وبدتمیزی کا ''سرخ انقلاب'' لے کر دنیا کو بے گناہوں کے خون سے لالہ زار بناتی ہوئی اٹھی تھی، اس کی مضبوط حکومت چند جھٹکوں کے بعد منہدم ہوگئی، اور اس کے ملبے سے کئی ایسی حکومتیں اٹھ کھڑی ہوئیں جو اسلام کی نام لیوا، اور خدائے واحد کی پرستار ہیں۔ کفروشرک کے پرستاروں کی نیندیں حرام ہوگئیں، حالانکہ ان سے کسی کو واقعی کوئی خطرہ نہیں تھا، مگر باطل نے

دنیا کے اِس سرے سے اُس سرے تک دہشت پھیلا دی کہ اسلام زندہ ہورہا ہے، مسلمان بیدار ہورہے ہیں، کہیں یہ بیداری کفر کے لئے پیغامِ موت نہ ثابت ہو، ہنگامے شروع ہوگئے، مگر ان کے عزائم کے برخلاف افغانستان میں ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہوگئی، وہ حکومت کیا تھی؟ دنیا کے لئے امن وامان کا ایک پیغام تھی، حیوانیت ودرندگی سے انسانیت وملکوتیت کی طرف ایک سفر تھا، اچھے انسانوں کا ایک مجمع تیار ہوگیا تھا، مگر کفر کو کب گوارا تھا، ایک جھوٹا الزام لگا کر اس چھوٹے سے کمزور ملک پر جس کا جسم پہلے ہی سالہا سال کی لڑائیوں سے زخمی ولہولہان تھا، اتنے بم برسائے کہ وہ حکومت روپوش ہوگئی، لیکن ان بم برسانے والوں کو ابھی تسکین نہیں ہوئی، عراق کے خلاف الزام واتہام کے تیروں کا رخ پھیر دیا، مگر جب وہ سب الزام ناکام ہوگئے، اس کی بے گناہی ثابت ہوگئی تو ارشاد ہوا کہ کچھ ہو ہم تم پر بم برسائیں گے، دنیا ہانکتی پکارتی رہ گئی، اوراس نے بم برسانا شروع کردیا۔ اس وقت سارا عراق دھواں ہورہا ہے، فوجی نہیں عام شہری مر رہے ہیں، جل رہے ہیں، مگر ایک دیوانہ ہے کہ انھیں بے گناہی کی سزا دئے جارہا ہے۔

قدرتِ الٰہی کا حلم ہے، اس کی طرف سے استدراج ہے، مہلت ہے، کہ ایک کمزور جسم پر ایک طاقت والا اچھل کود رہا ہے اور سارا عالم دم بخود ہے، ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی ہے، کیا ہوگا؟ ہر شخص کی زبان پر یہ سوال ہے، انسانی زندگی تلخ ہورہی ہے، امن وامان کو آگ لگی ہوئی ہے، اور خونخوار دہشت گرد کہہ رہا ہے، کہ میں دنیا سے دہشت گردی کا خاتمہ کررہا ہوں، امن کی بنیادیں مستحکم کررہا ہوں۔ العیاذ باللہ

اسے شاید خود نہیں سمجھ میں آرہا ہے کہ میں کیوں آگ برسا رہا ہوں اور جس پر آگ برس رہی ہے، وہ بھی شاید نہیں جانتا کہ کس گناہ کی سزا مجھے دی جارہی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں، حضور کا یہ ارشاد امام مسلم نے اپنی کتاب **الصحیح** میں درج کیا ہے، فرماتے ہیں:

والذی نفسی بیدہ، لاتذھب الدنیا حتیٰ یاتی علی الناس یوم

لایدری القاتل فیم قَتَلَ؟ ولاالمقتول فیم قُتِلَ۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی، جب تک لوگوں پر وہ دن نہ آجائے کہ قاتل کو پتہ نہ ہو کہ اس نے کیوں قتل کیا، اور مقتول معلوم نہ ہو کہ وہ کیوں قتل کیا گیا؟

آثار ایسے نظر آرہے ہیں کہ فتنوں کی لہریں دم بدم بڑھتی ہی جائیں گی، وہ وقت قریب سے قریب تر آتا جارہا ہے، جب دنیا کی یہ بساط لپیٹ دی جائے گی، فرشتۂ قیامت منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور کب صور پھونک دی جائے؟ یہ وقت جوں جوں قریب ہوتا جائے گا قتل وخونریزی کے عفریت کا ننگا ناچ بڑھتا جائے گا۔

امام مسلم علیہ الرحمہ ہی نے اپنی کتاب **الجامع الصحیح** میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: **لاتقوم الساعة إلا علیٰ شرار الخلق**۔ قیامت جب قائم ہوگی تو بدترین مخلوق پر قائم ہوگی۔

ان ہی امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد نقل کیا ہے کہ: **لاتقوم الساعة حتیٰ لایقال فی الارض الله الله** ۔ قیامت اسی وقت آئے گی، جب زمین پر اللہ اللہ کہا جانا بند ہوجائے گا۔ ایک اور روایت میں ہے: **لاتقوم الساعة علیٰ أحدٍ یقول الله الله**۔ قیامت اس شخص پر آ ہی نہیں سکتی جو اللہ اللہ کہتا ہوگا۔

بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ **شرار الخلق** بڑھتے رہیں گے، اور ان پر قیامت کا قہر ٹوٹے گا، لیکن احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی امید کی کرن ایک بار اور چمکے گی۔

امام مسلم علیہ الرحمہ نے حضرت حذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

ہم لوگ ایک روز کچھ مذاکرے کررہے تھے، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور فرمایا کہ کس تذکرے میں تم لوگ ہو؟ لوگوں نے کہا کہ ہم قیامت کا ذکر کررہے ہیں، فرمایا کہ جب تک دس نشانیاں نہ دیکھ لو قیامت نہیں آئے گی، پھر آپ نے (۱) دھویں کا

، (۲) دجال کا، (۳) دابة الارض کا، (۴) سورج کا پچھّم سے طلوع ہونے کا، (۵) عیسیٰ بن مریم کے نزول کا، (٦) اور یاجوج ماجوج کا ذکر کیا، نیز تین خسف (زمین دھنسنے) کا تذکرہ کیا، (۷) ایک مشرق میں، (۸) ایک مغرب میں، (۹) اور ایک جزیرۂ عرب میں ، (۱۰) اور آخر میں ایک آگ کا ذکر کیا جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانکتی چلی جائے گی، اور ایک روایت میں ہوا کا ذکر ہے، جو لوگوں کو سمندر میں ڈال دے گی۔

یہ سب چیزیں اپنے اپنے وقت پر ہو کر رہیں گی، کیا عجب ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جس دھوئیں کو بتا رہے ہیں، اس کا ایک حصہ یہ دھواں بھی ہو، جو بمباریوں کے نتیجے میں دنیا میں پھیل رہا ہے، جو کچھ بھی ہو قیامت کی نشانیاں یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتی جارہی ہیں، لیکن امید کی کرن یہ ہے کہ ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہونا باقی ہے، ان کے نزول سے پہلے ایک امام عادل کی حکومت قائم ہو چکی ہوگی، جس کا لقب مہدی ہوگا، حضرت مہدی کا ظہور انتہائی ظلم وجور اور جبر وتشدد کے دور میں ہوگا۔

حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کے کتاب الفتن کے باب أشراط الساعة کی دوسری فصل میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

ذکر رسول اللہ ﷺ بلاءً یصیب هذه الامة حتیٰ لا یجد الرجل ملجأ إلیه من الظلم فیبعث الله رجلاً من عترتی واهل بیتی فیملأ به الارض قسطاً وعدلا کما ملئت ظلماً وجوراً یرضی عنه ساکن السماء وساکن الارض۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مصیبت کا تذکرہ فرمایا جو اس امت پر آئے گی، وہ مصیبت اتنی زبردست ہوگی کہ آدمی ظلم وستم سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں پائے گا، تب اللہ تعالیٰ میری اولاد میں اور میرے اہل بیت میں ایک مرد (مجاہد) کو کھڑا کریں گے، جس کے واسطے سے روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، جس طرح کہ وہ ظلم وجور سے بھر چکی تھی، اس سے آسمان والے بھی خوش ہوں گے اور زمین والے بھی۔

یہی امید کی وہ کرن ہے، جو ابھی باقی ہے، اسی مردِ مجاہد کے دور میں پھر ایک آفت آئے گی، جو دنیا کی آفات میں ایک عظیم ترین بلکہ سب سے بڑی آفت ہوگی، اور وہ ہے دجال کا آنا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: **سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: مابین خلق آدم الیٰ قیام الساعة أمر اکبر من الدجال (رواہ مسلم)** ۔میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ حضرت آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت آنے تک کوئی واقعہ اور حادثہ دجّال کے فتنہ سے بڑا اور سخت نہ ہوگا۔

اس فتنہ عظیمہ کے قلع قمع کے لئے آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام انھیں حضرت مہدی کے دور میں نازل ہوں گے، یہ دَور اگرچہ ایک زبردست فتنے اور مصیبت کا دور ہوگا، مگر اس کی بیخ کنی کے لئے ایک زبردست آسمانی طاقت بھی دنیا میں موجود ہوگی۔ دنیا کے حالات جس تیز روی کے ساتھ الٹ پلٹ رہے ہیں اور ظلم وجور کی حکمرانی جس طرح بڑھتی جارہی ہے، اور اربابِ حکومت کو حوصلہ نہیں ہوتا کہ اس ظلم وجور کے خلاف زبان کھول سکیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روئے زمین پر ظلم وتشدد سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ باقی نہیں رہ گئی ہے، لحظہ بہ لحظہ انتظار بڑھ رہا ہے، کہ وہ ''مہدیٔ برحق'' نظامِ عدل کو قائم کرے۔

روشنی کی اس کرن کے انتظار میں دورِ حاضر کے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم پیغام ہے، جسے ہر وقت، ہر صاحب ایمان کو مستحضر رکھنا چاہئے۔ وہ پیغام یہ ہے کہ ہر ایمان والا، اپنے ایمان کی اور اعمالِ صالحہ کی بغایت اہتمام حفاظت کرے، اور اسے اگلی نسل تک منتقل کرنے کی اپنے امکان بھر سعی کرے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ جن دنوں حضرت مہدی کا ظہور ہوگا، معلوم ہے حالات کے لحاظ سے ہمارے موجودہ دور سے بہتر نہ ہوگا، بلکہ کچھ بدتر ہی ہوگا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی حق کی آواز بلند کرتا ہے تو عموماً اس کی مخالفت ہی ہوتی ہے، بالخصوص اربابِ حکومت تو کسی آوازۂ حق کو برداشت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، ابھی چند دنوں پہلے

طالبان کی ایک حق نواز اور حق پرست طاقت ابھری تھی، لیکن کس نے ان کا ساتھ دیا؟ ایک طاغوت نے انھیں جب نشانہ بنایا تو تمام حکومتیں اسے شاباشی دیتی رہیں، یا خاموش تماشائی بنی رہیں، بالآخر وہ بکھر کر رہ گئی۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے کچھ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت مہدی کا جب ظہور ہوگا تو ان کا ساتھ دینے والے بھی کم ہی ہوں گے، بجز ان کے جو خاص ایمانی طاقت اور اعمالِ صالحہ کے جذبے سے سرشار ہوں گے، جو دنیا بھر میں چھائی ہوئی مادی اور دنیاوی تہذیب وے متاثر نہ ہوں گے، جو مغربیت کی آندھیوں سے محفوظ ہوں گے۔ ایسے ہی لوگ اس مردِ مجاہد کے ساتھ ہوں گے، ان کے پاس مادی ساز وسامان کی بہتات نہ ہوگی اور نہ بڑی فوج ہوگی۔ اسی لئے دنیا کی سب سے بڑی روحانی طاقت ان کی مدد کے لئے نزول کرے گی ،کون نہیں جانتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا کی ایک عجیب وغریب ہستی ہیں، جو بغیر باپ کے خاص قدرتِ الٰہی سے پیدا ہوئے اور جب تک زمین پر رہے، جبریل امینؑ ان کی حفاظت کرتے رہے، پھر آسمان پر اٹھالئے گئے اور اب تک وہیں ہیں، اتنے عرصے میں ان کی قوت کہاں سے کہاں تک پہونچی ہوگی۔ یہ پیغمبرانہ اور ملکوتی قوت جب زمین پر اترے گی تو ظاہر ہے کہ برائیاں سمٹیں گی۔ تو آج کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنا ایمان اتنا مضبوط کریں، اور اعمالِ صالحہ کا وہ آہنی حصار بنائیں کہ دنیا کا کوئی فتنہ انھیں اور ان کی نسل کو متاثر نہ کرسکے، تاکہ جب وہ مردِ مجاہد اپنے کام کا آغاز کرے، تو یہ نسل بجائے ان کی موافقت کرنے اور بجائے ان کی مدد کرنے کے مخالف کیمپ میں نہ جا بیٹھے۔ اللہ جانے کب وہ دور آجائے، اور کب ہماری یہ ایمانی کاوش درجۂ اعتبار پاکر خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوجائے۔

اللھم انصر الاسلام والمسلمین واجعلھم دُعاۃً الیٰ سبیل الحق والیقین،

آمین یارب العالمین

(محرم تا ربیع الاول ۱۴۲۴ھ / مئی تا جولائی ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مال رحمت بھی ہے اور فتنہ بھی!

امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجا تھا کہ وہاں سے جزیہ وصول کر کے لائیں، حضرت ابوعبیدہؓ بڑی مقدار میں مال وہاں سے لے کر مدینہ آئے۔ حضرات انصار نے ان کی آمد کو سنا، فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تمہیں ابوعبیدہ کی آمد کی اطلاع ملی ہے، اور یہ کہ وہ کچھ لائے ہیں، اسی لئے تم لوگ آئے ہو، عرض کیا بے شک یہی بات ہے، آپ نے فرمایا: مبارک ہو اور تم کو خوشی حاصل ہو، اس کے لئے پُر امید رہو۔ واللہ میں تمہارے اوپر فقر و تنگدستی کا اندیشہ نہیں رکھتا، مگر مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ تمہارے اوپر دنیا اس طرح پھیلا دی جائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا دی گئی، تو تم لوگ آپس میں اس میں مسابقت کرو گے، اور وہ تمھیں اسی طرح غافل کر دے گی جس طرح اگلوں کو غافل کر دیا تھا۔ (کتاب الرقاق، باب:۷)

اور امام ترمذی علیہ الرحمہ نے حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے، اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (کتاب الزہد)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حدیثوں میں اور ان کے علاوہ متعدد مقامات پر مال کی آزمائش اور مال کے فتنے سے اپنی امت کو خبردار کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اور

آخرت سے غافل کرنے اور اللہ کے احکام کے مقابلے میں بغاوت کرنے کا سب سے مؤثر محرّک عموماً مال ہی ہوتا ہے۔آدمی مال کی تحصیل میں بھی اور مال حاصل ہوجانے کے بعداس کے استعمال میں بھی غفلت کا شکار ہوجاتا ہے۔یہ نہیں کہ مال کی تحصیل سے،اوراس کے کمانے سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہو۔نہیں یہ تو ایک امرِ مباح ہے،منع جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ مال کی محبت میں ایسا انہماک ہوجائے کہ آدمی اللہ سے،اللہ کے احکام سے،اللہ تعالیٰ کے دین سے،فکرآخرت سے غافل ہوجائے،لیکن مال کی محبت اوراس کی رغبت میں عموماً یہی ہوتا ہے،آپ خوداپنی ذات میں دیکھ لیں،اپنے گردوپیش پرنظرڈالیں،آپ کو ہر جگہ.....إلا ماشاء الله. ....یہی دکھائی دے گا کہ مال گھر میں بڑھااورطبیعتوں کا انداز بدلا، ملنے جلنے والوں کا حلقہ بدلا،زندگی کا معیار بدلا،سوچنے کا پیمانہ بدلا،سب سے اول اس کا حملہ آدمی کے دین ہی پر ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:**ما ذئبان جائعان اُرسِلا فی غنمٍ بافسد لها من حرص المرء علی المال والشرف لدینهٖ(ترمذی ودارمی)** دوبھوکے بھیڑیئے،جوبکریوں کے گلّے میں بھیج دئے گئے ہوں،ان بکریوں کواتنا نہیں برباد کرسکتے، جتنا کہ آدمی کی حرصِ مال اورحرصِ جاہ اس کے دین کو برباد کرتی ہے۔

تو مال اس وقت سخت برا اورآفت ہے جب وہ دین کو برباد کردے،اوریہی زیادہ تر ہوتا ہے،اس لئے اس سلسلے میں اتنے سخت ارشادات ہیں۔حُبِّ مال کے لئے حُبِّ جاہ لازم ہے۔آدمی کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے تواسے شدید خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس سے مرعوب رہیں،اس کے سامنے خادمانہ طورپرحاضررہیں،اس کے سامنے جبینِ نیاز ٹیکے رہیں ،اورجب یہ بات پیدا ہوتی ہے توبندہ بنے رہنے پرراضی نہیں ہوتا ہے،اس میں خدائی اور کبریائی کے نازوانداز آجاتے ہیں،اب وہ خدا کے احکام کا پابند نہیں ہوتا،بلکہ لوگوں کواپنے احکام کا پابند بنانے کی کوشش کرتا ہے،بندگی سے یہ بغاوت اور کبریائی حدود میں اس کی سرکشی بالآخراس کے دین کو کھاجاتی ہے۔

فراوانیٔ مال و دولت کی یہ فتنہ سامانیاں ایسی نہیں ہیں کہ ان کی نشاندہی کی جائے، یہ معاشرہ کا ناسور ہے، جن کے پاس مال کی بہتات ہے، وہ اپنا احتساب خود کرلیں کہ یہ مال انھیں کن وادیوں میں پہونچاتا ہے۔ مال کا اگر صحیح استعمال ہو، صحیح طریقے سے حاصل کیا جائے اور صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے، نیت بھی درست ہو، تو یہ مال جنت تک پہونچنے کا، اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کا ایک بہترین راستہ ہے۔ جائز ذرائع سے مال کمایا جائے، حرام کے دروازے اپنے اوپر بند کردئے جائیں، کسب مال میں خیانت نہ کی جائے، جھوٹ اور جھوٹی قسموں سے بچا جائے، جن چیزوں کی خرید و فروخت کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے، اور جن ذرائع کو غلط قرار دیا ہے، ان سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، پھر کسب مال میں انہماک کی وجہ سے نماز و تلاوت اور ذکرِ الٰہی سے غفلت نہ برتی جائے، تو آدمی کے ہاتھ میں آنے والا مال بابرکت ہوگا، اس سے قلبی اطمینان حاصل ہوگا، اللہ کی طرف سے اس کی مدد ہوگی، دل میں اچھے ارادے اور اچھی نیتیں پیدا ہوں گی، ''عمل صالح'' کا جذبہ بیدار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا مِنَ ٱلطَّيِّبَاتِ وَٱعْمَلُوا صَـٰلِحًا إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ( ) یعنی اے رسولو! حلال اور پاک روزی کھاؤ، اور نیک اعمال کرو، میں تمہارے اعمال سے واقف ہوں۔

اس آیت کریمہ میں ''عمل صالح'' کے حکم کو اللہ تعالیٰ نے حلال و پاکیزہ روزی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال روزی، اعمالِ صالحہ کا سبب بنتی ہے، بلکہ وہ مدارِ کار ہے، وہ نہ ہو تو ''اعمالِ صالحہ'' بھی گھٹ کر بلکہ مٹ کر رہ جائیں گے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرمادیجئے کہ میں مستجاب الدعوات ہو جاؤں، یعنی جو دعا کروں قبول ہو جایا کرے۔ آپؐ نے فرمایا سعد! اپنا کھانا حلال اور پاک بنالو، مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، بندہ اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اور جس شخص کا گوشت حرام مال سے بنا ہو، اس

کے لئے جہنم کی آگ ہی مناسب ہے۔

تو مسلمانوں کے معاشرہ کی اصلاح کا مدارِ کار حلال اور جائز آمدنی پر ہے، اس چیز کی بے احتیاطی نے اعمالِ خیر کی صلاحیت برباد کردی ہے، نیکیوں کا حوصلہ چھین لیا ہے، توفیقِ نیک سلب ہوکر رہ گئی ہے۔

پھر اس کے بعد مال کے خرچ کا ایک مسئلہ ہے، جس طرح ایک مسلمان مال کی کمائی میں احکام وہدایات کا پابند ہے، ٹھیک اسی طرح مال کے خرچ کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے احکام وہدایات کا پابند ہے، اسے اختیار نہیں ہے کہ جس طرح چاہے اللہ کی دی ہوئی اس امانت میں تصرف کرے۔ اس کے خرچ کے کچھ مواقع تو خالص عبادت ہیں، مثلاً پورے حساب اور اہتمام سے زکوٰۃ نکالی جائے اور مستحقین کو دی جائے، صدقہ فطر ادا کیا جائے، نفلی صدقات وعطیات کا نظام رکھا جائے، فرض ہو تو حج میں مال خرچ کیا جائے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کی جائے، صدقہ جاریہ کا انتظام کیا جائے، مال خرچ کرنے کے یہ وہ مواقع ہیں جو انسان کو بلندی کی معراج پر پہونچاتے ہیں، یہ بندہ خدا کا خاص بندہ بن کر رہتا ہے۔

کچھ مواقع مال خرچ کرنے کے وہ ہیں جن کا تعلق انسانی زندگی اور باہمی تعلق اور خاندانی اشتراک کی ضرورت سے ہے، جیسے خود آدمی کا اپنا کھانا پینا، کپڑا پہننا، مکان بنانا، دوا علاج، اپنے اہل وعیال کی خبر گیری وغیرہ۔ یہ سب چیزیں ضرورت کا درجہ رکھتی ہیں، عبادت نہیں، ان میں نیت درست ہو تو، شریعت کے احکام اور اعتدال ومیانہ روی کا اہتمام ہو تو مال یہاں بھی ثواب کا ذریعہ ہے۔

لیکن ضرورت کے ان مواقع پر خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت یہ ہے کہ: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ O ۔ (کھاؤ اور پیو، مگر اسراف مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے)

اسراف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مقررہ حد سے آگے نکل جائے، مثلاً یہ بھی ہے کہ حلال سے تجاوز کرکے حرام تک پہونچ جائے، یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی ضرورت سے زائد

کھاتا پیتا رہے۔

سلف صالحین نے اس بات کو بھی اسراف میں داخل کیا ہے کہ آدمی ہر وقت کھانے پینے کے دھندے میں مشغول رہے، یا اس کو دوسرے اہم کاموں سے مقدم جانے، جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس کا مقصد زندگی یہی کھانا پینا ہے۔

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے اس کو بھی اسراف میں داخل فرمایا ہے کہ جب کسی چیز کو جی چاہے، اس کو ضرور ہی پورا کرے: إن من الاسراف أن تاكل ما اشتهيت۔ (ابن ماجہ) یہ بھی اسراف ہے کہ جس چیز کا جی چاہے، اسے کھا ہی لو۔

امام بیہقی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ دن میں دو مرتبہ انھوں نے کھانا کھایا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہارا شغل صرف کھانا ہی رہ جائے۔ (یہ دونوں حدیثیں معارف القرآن ج:۳، ص:۵۴۶ سے لی گئی ہیں)

اسراف حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ، اسراف کرنے والوں سے اللہ کو محبت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز باعثِ ناپسندیدگیٔ خداوندی ہو، وہ حرام ہی ہوگی۔

اسراف ہی کے قریب قریب ایک اور چیز ہے، جسے ''تبذیر'' کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْراً اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْراً، (بنی اسرائیل: ۲۶/۲۷) اور بے جامت اڑاؤ، بے شک مال کو بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

''تبذیر'' یہ ہے کہ گناہوں میں اور لغویات میں مال خرچ کیا جائے، یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کردے جو آگے چل کر حقوق واجبہ کو ضائع کردے، یا ارتکاب حرام کا سبب بن جائے۔

ہمارے معاشرے میں اسراف اور تبذیر کا طوفان کھڑا ہے، اللہ نے جن کو دولت

سے نوازا ہے، ان کے مال کا عمومی مصرف وہ خود غور کریں کہ کیا چیز ہے؟ گناہ کی چیزیں اس مال سے خریدی جارہی ہیں، جہاں کوئی موقع خرچ کرنے کا نہیں ہے، یا ہے تو ایک محدود اندازے سے خرچ کرنا کافی ہوتا ہے، وہاں کس طرح بے تحاشا مال خرچ ہورہا ہے، نکاح، ختنہ، عقیقہ، فضول دعوتیں، تفریحات، پکنک، گھروں کی زینت اور اللہ جانے کتنی کتنی بلائیں ہیں، جن میں مال بے تحاشا پھونکا اور بہایا جارہا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی مواقعِ خیر پر خرچ کرنے سے محروم ہوجاتا ہے، شادی بیاہ میں لاکھوں لاکھ خرچ کرنے سے زکوٰۃ دینے کی سعادت سے ہٹادیا جاتا ہے، فضول تفریحات اور پکنکوں میں پیسے برباد کرنے والے، صدقاتِ نافلہ کا ثواب کیونکر حاصل کرسکتے ہیں؟ غلط مقدمات لڑنے والے، دوسروں کی ہلاکت کی سازشیں کرنے والے حج وزیارت کی سعادت کب پاسکتے ہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ ایک برائی دوسری برائی کو جنم دیتی ہے، اور مال سے پھیلنے والی برائیاں تو جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں، جو پورے معاشرے کو خاکستر بنادیتی ہیں، یہ مال اس لئے نہیں ہے کہ اس سے برائیاں پھیلائی جائیں، بلکہ اس لئے ہے کہ اس کی زکوٰۃ نکال کر اپنے لئے بھی، اپنی آخرت کے لئے بھی اور اپنے معاشرے کے غریب وکمزور افراد کے لئے نفع وبہبودی کا سامان کیا جائے۔ اگر باقاعدہ ہر صاحب ثروت زکوٰۃ ہی نکالتا رہے اور صحیح مصرف میں پہونچانے کا اہتمام کرتا رہے، تو مسلمانوں کے درمیان سے کتنے مصائب کا خاتمہ ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دیں۔

(رجب تا رمضان ۱۴۲۲ھ / نومبر، دسمبر ۲۰۰۱ء، جنوری ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفرِ حج کے برکات اور اس کے تقاضے

زائرینِ حرم کے قافلے لوٹ لوٹ کر اپنے گھروں کو واپس آچکے ہیں، بڑی خوش نصیب ہیں وہ آنکھیں جنھوں نے خداوند عالم کی تجلی گاہِ خاص کا جلوہ دیکھا، بہت خوش بخت ہیں وہ قدم جو کعبۃ اللہ شریف کے طواف میں دوڑے، اور صفا و مروہ کے درمیان سعی میں کوشاں رہے، زندگی کا بڑا قیمتی تھا وہ لمحہ جو میدانِ عرفات میں نصیب ہوا، اور ندامت کے چند قطرے وہاں کی خاک میں جذب ہو گئے، بڑی روشن تھی وہ رات جو مزدلفہ میں گزری، کتنی مبارک تھی وہ صبح جس میں وقوف مزدلفہ نصیب ہوا اور دعاؤں کو اذنِ قبول ملا، پھر منیٰ کی وہ سرگرمیاں مبارک صد مبارک! کبھی رمیِ جمرات ہے، کبھی قربانیوں کا اہتمام ہے، ابھی طوافِ زیارت کے لیے حرم کو روانگی ہے، پھر معاً واپسی ہے، کبھی سر منڈانے کی عبادت ہے: غرض اللہ کی راہ میں وہ دیوانگی ہے کہ رحمت الٰہی ٹوٹ ٹوٹ کر برسی، یہ ملتزم ہے جہاں لپٹ لپٹ کر حاجی دعا کر رہا ہے، یہ حجر اسود ہے جس تک پہنچنے کی بیتابی آدمی کو بے قرار رکھتی ہے مگر موقع نہیں مل پاتا، عاشقوں کا ہجوم ہی کچھ اتنا ہے کہ یہ بے تابی حسرت بن کر دل میں رہ جائے، یہ حطیم ہے، اس میں دو رکعت نماز حاصلِ زندگی ہے، یہ مقامِ ابراہیم ہے کاش یہاں دو رکعت پڑھنے کی فرصت میسر آجائے، یہ آبِ زمزم ہے، خوب پیجیے، پیٹ بھر کر پیجیے، جس مقصد کے لیے پیجیے وہی حاصل ہو، بیمار ہوں تو شفا حاصل ہو، بھوکے ہوں تو آسودگی حاصل ہو، پیاس کی بے قراری ہو تو سیرابی ملے، نیت کر لیجیے کہ آخرت کی پیاس سے سیرابی ہو، انشاء اللہ وہ بھی یہیں حاصل ہو جائے گی۔ پھر یہ طیبہ پاک کی سرزمین ہے، آرامگاہِ رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)، مدینہ پاک کی سرزمین! اسلام کے عہدِ اولین کی یادگاروں کی امین! یہاں وہ خزانہ مدفون ہے،

جس کی قیمت سارا عالم نہیں ہوسکتا، یہاں کا ہر ذرہ آفتاب سے بڑھ کر روشن ہے، یہ مسجدِ نبوی ہے، یہ محراب نبی ہے، یہ منبرِ رسول ہے، یہ روضۂ اطہر ہے، یہ صفہ ہے، یہ بابِ جبرئیل ہے، یہ بابِ رحمت ہے، یہ جنت البقیع ہے، اس میں صدہا لعل و گہر چھپے ہوئے ہیں، یہ احد پہاڑی ہے، جس کو خون شہداء کے طفیل حیات جاوداں ملی، اس کا دل اہلِ ایمان کی محبت میں دھڑکتا ہے، یہ غزوۂ خندق کے آثار و علائم ہیں، جہاں پہونچ کر سورۂ احزاب کی آیات بے ساختہ یاد آجاتی ہیں، یہ مسجدِ قبا ہے، جس نے پہلے پہل رسول اکرم ﷺ کے دستِ مبارک سے شرف تعمیر پایا تھا۔

اور کیا کیا ہے؟ عقیدتوں کی سوغات ہے، محبتوں کے تحفے ہیں، اشکہائے ندامت کی بارش ہے، دل کی بیتابیاں ہیں، ان کے جلوے ہر طرف بکھرے پڑے ہیں، تنگی داماں کی شکایت رہ جاتی ہے، ورنہ ادھر سے بخشش وعطا میں کوئی کمی نہیں ہے، حجاج کرام یہ ساری تجلیاں، یہ تمام سوغاتیں دامنِ دل میں سمیٹ کر لائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسافرانِ حرم کے حج وعمرہ کو قبول فرمائیں، اگر کسی نے حج اس کے شرائط و آداب کے ساتھ کیا، اس کی ظاہری و باطنی پابندیوں کو بجالایا، تو وہ اس طرح لوٹتا ہے، جیسے آج ہی وہ ماں کے شکم سے وجود میں آیا ہو، اس پر کسی گناہ کا اثر باقی نہیں رہتا، کتنے مبارک ہیں وہ بندے جو رحمت ومغفرت کے دریا میں غوطہ زن ہو کر اس طرح نکلے ہیں کہ ان کے اوپر میل کچیل کا کوئی دھبہ موجود نہیں، یہ دعا مانگیں تو ان کی دعا قبول، یہ کسی کی سفارش کریں تو ان کی سفارش منظور!

حجاج بیت اللہ زندگی کا ایک نیا دور لے کر لوٹے ہیں، اللہ نے بڑا احسان کیا کہ پچھلے گناہوں کو دھو کر صاف کر دیا، اب اس صفائی ستھرائی کی حفاظت اور اس کے بقاء کی ضرورت ہے، زندگی میں جو تبدیلی اللہ کی جانب سے آچکی ہے، اسی محور پر باقی زندگی گزارنے کا اہتمام چاہئے۔ ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ جب کوئی حج کا ارادہ کرتا تو اسی وقت سے اس کے اوپر دینداری کی ظاہری علامات طلوع ہونے لگتی تھیں، چہرے پر ڈاڑھی نہیں ہے تو چھوڑ دی جاتی تھی، نمازوں کا اہتمام شروع ہوجاتا تھا، رشتہ داروں اور تعلق

والوں سے معافی تلافی کا سلسلہ چل پڑتا تھا، اور جب واپسی ہوتی تھی، تو وہ نہیں رہتے تھے جو پہلے تھے، مگر دیکھتے ہی دیکھتے رنگ بدل گیا، اب تو حج سے پہلے اور حج کے بعد کی زندگی میں بسا اوقات کوئی فرق نہیں ہوتا، اگر یہ ہوتا کہ حج سے پہلے بھی دیندار اور متقی تھے، اور حج کے بعد بھی یہ وصف قائم اور باقی رہا، تو کیا بات تھی! مگر ہوتا یہ ہے کہ نہ حج کے پہلے دینداری اور تقویٰ کا اثر ہے اور نہ حج کے بعد اس کی جھلک!

اے حضرات! یہ دنیا اور دنیا کی زندگی اس لیے نہیں ہے کہ آدمی اپنا دل دماغ اسی دنیا میں کھپا دے، اس کی سوچ کا محور بس یہ ہو کہ دنیاوی تقاضوں کو کیونکر عیش و راحت سے پورا کیا جائے، یہ تو انسان کا بڑا گھٹیا مقصد ہے، بلکہ تنگ نظری ہے گو کہ اس دور میں اسی قسم کے لوگ عقلمند کہے جاتے ہیں، لیکن خالقِ کائنات جل ذکرہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِھَا وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴾ (سورۂ یونس: ۷/۸) وہ لوگ جو ہمارے پاس آئے اور ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، اور وہ دنیاوی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہو بیٹھتے ہیں، اور نیز وہ لوگ جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، بلاشبہ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے افعال کے عوض جہنم ہے۔

یعنی دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی اور خدا کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہ رہی، اسی چندروزہ حیات کو مقصود و معبود بنا لیا، سارا کچھ کرنا دھرنا، خوشی و غم اور تگ و دو اسی زندگی کے لیے وقف ہو کر رہ گئی، اس کا آخری انجام یقیناً وہی ہے، جس سے اللہ نے ڈرایا ہے، یہ وصف ہے تو کفار و مشرکین کا، لیکن ہم مسلمانوں کو بھی اس پر غور کرنا چاہئے کہ یہ وصف اور یہ حال ہمارے اندر کتنا پایا جاتا ہے، عقیدے کی حد تک بلاشبہ ہر مسلمان کا دل صاف ہے کہ آخرت کی پیشی ہونی ہے، مگر یہ عقیدہ ہمارے روزمرہ کے حالات و معمولات میں کتنا مؤثر ہے؟ ہمارے طرزِ فکر اور کفار و مشرکین کے طرزِ فکر میں کتنا فرق ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ آخرت ہماری نگاہوں سے اوجھل سی معلوم ہوتی ہے، اور دنیاوی

مقصد پر ہی آدمی ٹوٹا پڑا ہوا ہے، غیروں کی نقالی میں ہم نے اپنی پونجی گنوادی ہے، ایک ایمان والا کسی کافر کی نقالی کرے، اُدھر رجحان رکھے، یہ بڑی بدنصیبی کی بات ہے، اللہ کو ماننے والا دنیوی خرافات کو مطمح نظر بنالے! ترقیٔ معکوس ہے، یہود و نصاریٰ اور کفار ومشرکین، غضب الٰہی کے شکار ہیں، صحیح راہ سے کوسوں دور ہیں، ان کا طریقہ اختیار کرنے والا، ان کی معاشرت کو پسند کرنے والا، اللہ کو کیونکر راضی کرسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ و لا تَرۡکَنُوا اِلَی الَّذِینَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ و ما لَکُمۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ اَوۡلِیاءَ ثُمَّ لا تُنۡصَرُوۡنَ ﴾ (سورۂ ھود:۱۱۳)اورمت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں، پھرتم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمھارا اس کے علاوہ مددگار، پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

یعنی جو لوگ ظالم ہیں، اور ظالم کون؟ اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے نکل جانے والا، فرماتے ہیں کہ ظالموں کی طرف تمھارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو، ان کی موالات، مصاحبت، تعظیم وتکریم، مدح وثنا، ظاہری تشبہ، اشتراک عمل، ہر بات سے حسب مقدور محترز رہو، مبادا آگ کی لپٹ تم کو لگ نہ جائے، پھر نہ خدا کے سوا تم کو کوئی مددگار ملے گا، اور نہ خدا کی طرف سے کچھ مدد پہونچے گی۔

کفار کی طرف دل کا میلان بغایت خطرناک ہے، اس سے اس طرح بچنا چاہیے، جیسے آدمی سانپ بچھو سے بچتا ہے، کسی کو معلوم ہو جائے کہ فلاں چیز کھانے سے یقینی طور پر کینسر ہو جاتا ہے، تو اس کے پاس کبھی نہ جائے گا، لیکن ہم ایمان رکھتے ہوئے، انھیں راستوں میں گھستے ہیں، جن کی انتہا جہنم پر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَ اِنۡ کادوا لَیَفۡتِنونَكَ مِنَ الَّذی اَوۡحینا اِلَیكَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَینا غَیۡرَہٗ و اِذاً لاتَّخذُوكَ خلیلاً۔ و لَوۡ لا اَنۡ ثَبَّتۡناكَ لَقَدۡ کِدۡتَ تَرۡکَنُ اِلَیۡھِمۡ شَیۡئاً قلیلاً۔ اِذاً لَاَذَقۡناكَ ضِعۡفَ الۡحَیوٰةِ و ضِعۡفَ الۡمَماتِ ثُمَّ لا تَجِدُ لَكَ عَلَیۡنا نَصِیۡراً ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:۷۳-۷۴-۷۵)ان کفار کا مقصد یہ ہے کہ ہم جو کچھ بذریعہ وحی تمھارے پاس علوم واحکام بھیج رہے ہیں، ان سے تمھیں ہٹادیں، اس کے لیے یہ سازشیں کرتے ہیں، ورغلاتے ہیں، دنیا کے سبز باغ دکھاتے ہیں، تاکہ تم اس کا کچھ حصہ ترک کردو، یا بدل

دو، اگر تم ایسا کرلو گے، تو وہ تمھیں اپنا خالص دوست بنالیں گے، لیکن بات یہ ہے کہ ہم نے تمھیں سنبھال رکھا ہے، عصمت کی پختگی تمھیں عطا کررکھی ہے، پہاڑ جیسا ثبات واستقلال بخش کررکھا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو تم ذرا سا ہی سہی ان کی ترغیبات وتحریضات سے متاثر ہوجاؤ گے، اور اگر ایسا ہوتا تو ہم زندگی اور موت کا دوگنا عذاب تم پر مسلط کردیتے، اور ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔

اندازہ کیجئے، کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کی طرف خفیف میلان پر کتنا شدید مؤاخذہ ہورہا ہے، اگر یہ وعید شدید اہلِ ایمان کے سامنے ہو، تو ان کا ہلکے سے ہلکا تشبہ بھی آدمی کو برداشت نہ ہو۔

نظریات وعقائد ہوں، یا ظاہری اعمال واوصاف کسی میں بھی اسلامی طریقہ چھوڑ کر غیروں کی نقالی، سب اس وعید کے دائرے میں آتی ہے، شعائرِ اسلامی کا استخفاف اور ان کی توہین ہو، فرائض وواجبات کا ترک ہو، اسلامی شکل وصورت سے ہٹ کر یہود ونصاریٰ یا کفار کی صورت اختیار کرنی ہو، ڈاڑھی منڈانی، مونچھیں بڑھانی، ننگے سر رہنا، انگریزی معاشرت کو ترجیح دینا، یہ سب اسی وعید کے تحت داخل ہیں، یہ تمام اموراس کی علامت ہیں کہ دل میں اسلامی طور طریقے کی عظمت واہمیت نہیں ہے، اس کے مقابلے میں غیراسلامی طور طریقوں کی عظمت ومحبت ہے۔

محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نوراللہ مرقدہ نے اعیان الحجاج میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے، بہت ہی اہم اور قابلِ غور! فرماتے ہیں:

”دوشخصوں کی وضع قطع اور لباس وپوشاک میں اس وقت تک مشابہت پیدا نہیں ہوتی، جب تک دونوں کے دل باہم مشابہ نہیں ہوتے“ (ج:۱،ص:۳۹)

ہمارا دین، دین حنیف ہے، دین حنیف کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک طریقہ ومذہب سے جدا، محض اللہ کے حکم پر مبنی، جس میں نفس کی خواہش، ماحول کے رجحان، اور خاندانی روایات کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں منحصر ہے، اس اسوۂ

حسنہ سے خروج، دائرۂ ظلم میں انسان کو پہنچا دے گا۔ زندگی کے ہر مرحلہ میں مومن کو اس کی جستجو ہونی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ کیا ہے، اپنے آپ کو اسی پر مضبوطی سے ڈال دے، خواہ اس کی وجہ سے دنیا میں اجنبی بن کر رہ جائے، دنیا والے اسے اجنبیت سے دیکھیں گے، لیکن فرشتے اسے پہچانیں گے، رسول اکرم ﷺ کی بشارت اس کے حق میں صادق آئے گی، فرمایا کہ بَدَأَ الإسلامُ غَرِيباً و سَيَعودُ غريباً كما بَدَأَ فَطُوبىٰ لِلْغُرباءِ اسلام کا جب آغاز ہوا تھا تو اس وقت کے ماحول میں اجنبی تھا، اسے پہچاننے والے کم تھے، اور پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ اجنبی بن کر رہ جائے گا، نہ اسلام کو لوگ پہچانیں گے، نہ اس پر عمل کرنے والوں کو، تو ان اجنبیوں کے لیے خوش خبری ہے۔

گھبراہٹ اور مایوسی کی بات بالکل نہیں ہے کہ اسلام پر عمل کرنے کی وجہ سے آدمی اجنبی سا ہو کر رہ جائے، بلکہ یہ خوشی اور سعادت کی بات ہے، اس کے لیے بشارت ہے۔

تو جو چیز اللہ نے اور اللہ کے رسول نے ہمارے لیے پسند کی ہے، جو عقیدہ پسند کیا ہے، جو عمل منتخب کیا ہے، جو سیرت تجویز کی ہے، جو صورت ہمیں عطا کی ہے، اس پر ہم رہیں، نہ چہرہ مہرہ بدلیں، نہ لباس غیروں جیسا پہنیں، نہ غیروں کی طرح ترکِ نماز کریں، نہ دنیا اور متاعِ دنیا کو کفار و مشرکین کی طرح اہمیت دیں، نہ مخلوق کو کارساز سمجھیں، بس اللہ سے لو لگائے رکھیں، ہر کام کے بناؤ اور بگاڑ کی جگہ وہی ہے، اللہ پر پختہ ایمان رکھیں، بالیقین توکل کریں، اور اپنی زندگی کو اس آیت کے سانچے میں ڈھل لیں ﴿قُلْ اِنَّ صَلاتِی وَ نُسُکِی و مَحْیَایَ و مَماتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعالَمِینَ لا شَرِیکَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنا اَوَّلُ الْمُسْلِمِینَ﴾ تم کہہ دو کہ بے شک میری نماز، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور میں پہلا فرمانبردار ہوں۔

رضائے الٰہی تک پہونچانے والی راہ یہی ہے۔ فَتُوبُوا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعاً اَیُّها المومنونَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ۔ (شوال تا ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ رفروری تا مارچ ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆ (ضیاء الاسلام: جنوری ۲۰۰۸ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہود کی گستاخیاں اور شعائر اللہ کا احترام

حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم کی پہلی سورہ میں، جو کہ جامع ترین سورہ ہے، یعنی سورۂ فاتحہ میں ایک دعا اپنے بندوں کو تلقین فرمائی ہے اور نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قرأت متعین کر کے حکم دے دیا ہے، کہ اس دعا کو بار بار، دن اور رات میں کئی بار دربارِ الٰہی میں پیش کیا کرو۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں کے لئے یہ دعا کتنی اہم اور بیش قیمت ہے۔ گویا زندگی اور موت کی عمدگی کا مدار اسی ایک بات پر ہے، یہ بات حاصل ہے تو زندگی، زندگی ہے، اور موت بھی زندگی ہے، اور اگر نہیں ہے تو زندگی موت سے بدتر ہے۔ وہ دعا یہ ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ (ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت دیجئے، ان لوگوں کے راستے کی، جن پر آپ نے انعام فرمایا، ان لوگوں کی راہ نہیں جن پر غضب کیا گیا، اور نہ ان لوگوں کی راہ جو بھٹک گئے)

''صراطِ مستقیم'' انبیاء وصدیقین، شہداء اور صالحین کا راستہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ (سورہ نساء: ۶۹) جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ ان لوگوں کی معیت میں ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، یہ لوگ بہترین رفیق ہیں۔

اور احادیث کریمہ میں صراحت ہے کہ **مغضوب علیھم** (جن پر غضب نازل ہوا) یہود ہیں، اور گمراہوں کا ٹولہ نصاریٰ کا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر یہود کے

اوپر غضب کا تذکرہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (البقرة:۹۰) بری ہے وہ چیز، جس کے عوض انھوں نے اپنے آپ کو بیچا، کہ انھوں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب کا محض اس ضد کی وجہ سے انکار کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کیوں اتارے، پس وہ غضب بالائے غضب حاصل کر لائے، اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

اس آیت میں یہود ہی کا تذکرہ ہے، انھیں ہی غضب بالائے غضب کا مورد قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح سورہ مائدہ میں یہود کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے: قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ (المائدة:٦٠) تم کہو، کیا میں تم کو وہ بات بتلاؤں، جس کی سزا اللہ کے نزدیک سخت ترین ہے، وہی جس پر اللہ نے لعنت کی، اور اس پر غضب نازل کیا، اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور بعضوں کو سوّر بنا دیا، اور جس نے شیطان کی عبادت کی، یہی درجہ میں بدتر اور سیدھی راہ سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کی خاص امتیازی بدبختی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے بدعملی اور گستاخی میں مبتلا تھے، اور اسی وجہ سے ان پر خصوصی غضب اترا، ان کی شرارتوں اور بے ادبیوں کا نقطۂ عروج یہ تھا کہ وہ رسولوں کی شان میں سخت گستاخیاں کرتے تھے، چنانچہ قرآن کریم میں ان کی شرارتوں کا ذکر ہے کہ ان کے ہاتھ انبیاء کے قتل میں ملوث ہیں، ان کے دامن پر صالحین کے خون کے دھبے ہیں، اور آخری حد یہ ہے کہ وہ خدا کی بارگاہِ عالی میں بھی زبان درازیاں کیا کرتے تھے۔ ایک وقت وہ تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ فلاں قوم سے جنگ کرو اور ''ارضِ مقدسہ'' کو حاصل کرو، تو چند لوگوں کے علاوہ قوم نے جواب دیا: يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا

قَاعِدُوْنَ (سورمائدہ:۲۴) (اے موسیٰ جب تک وہ لوگ اس میں ہیں، ہم ساری عمر ہرگز اس میں نہیں داخل ہوں گے، پس تمہیں جاؤ اور تمہارا رب جائے، اور تم دونوں جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔) یہ بے ادبی اس اولوالعزم نبی کے ساتھ وہ کرر ہے ہیں، جوان کو مصر سے نجات دلاکر بغیر کسی جانی و مالی نقصان کے نکال لایا تھا۔

یہ گستاخانہ کلام نبی کی بھی توہین ہے اور خدا کی بھی۔ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللهِ مَغْلُوْلَةٌ (المائدۃ:۶۴) یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھ گیا ہے۔دوسری جگہ فرمایا:﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَاقَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَق وَ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔(آل عمران:۱۸۱) بے شک اللہ نے ان لوگوں کی بات سنی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں، اب ہم لکھ رکھیں گے ان کی بات، اور وہ خون بھی جو انھوں نے انبیاء کے ناحق کئے تھے، اور کہیں گے کہ جلتی آگ کا عذاب چکھو۔

ان آیات کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی شان میں، رسول کی شان میں، دین کے باب میں، دینی شعائر کے سلسلے میں گستاخی اور بے ادبی کتنی سنگین غلطی ہے، دین سارا کا سارا احترام وادب ہے، اور بے ادبی تمامتر بے دینی ہے۔قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں ان امور کو تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جوملت قرآن کریم پر ایمان رکھتی ہے، رسول اللہ ﷺ کو جان سے زیادہ مانتی ہے، اللہ ورسول کی وفاداری کا دم بھرتی ہے، وہ اپنا دامن ان بےادبیوں، گستاخیوں سے بچائے رکھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جو غضب یہود پر نازل ہوا تھا، اس کے چھینٹے ادھر بھی آجائیں، اس سے بچانے کا اللہ تعالیٰ نے اتنا اہتمام فرمایا ہے کہ ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت میں اپنے بندوں کی زبان سے یہ دعا دہرائی ہے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

اسی کے ساتھ حق تعالیٰ نے خصوصی کرم یہ فرمایا کہ قرآن کریم میں ادب واحترام کا سلیقہ خود سکھایا، کہ اللہ ورسول کا احترام کیونکر کیا جائے؟ اس کے حدود کیا ہیں؟ آداب

کیا ہیں؟ اللہ و رسول کا ادب کرنا ہے، ان کے ساتھ اور کیا کیا چیزیں ہیں جن کی تعظیم اور جن کا احترام ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ O یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ O اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ O (الحجرات: ۱/۲/۳)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سنتا اور جانتا ہے۔ اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اور ان سے اس طرح تڑک کر نہ بولو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے تڑک کر بولتے ہو، کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں، اور تم کو خبر بھی نہ ہو، جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کے واسطے جانچ لیا ہے، ان کے لئے معافی ہے اور بڑا ثواب ہے۔

یعنی جس معاملے میں اللہ و رسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو، اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو، بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو، جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں، خاموشی سے کان لگا کر سنو، ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرأت نہ کرو، اپنی اغراض و آراء اور خواہشات کو ان کے احکام پر مقدم نہ رکھو، اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو، اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو، حضورؐ کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلافِ ادب ہے، آپ سے خطاب کرنا ہو تو نرم آواز سے تعظیم و احترام کے لہجے میں ادب و شائستگی کے ساتھ کرو، آپ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہئے، مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ کو تکدر پیش آئے، تو حضورؐ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے، ایسی صورت میں تمام اعمال

ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔

جو لوگ نبی کی مجلس میں تواضع اور ادب و تعظیم کے ساتھ بولتے اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کی تخم ریزی کے لئے پرکھ لیا ہے، اور مانجھ کر خالص تقویٰ وطہارت کے واسطے تیار کر دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ، چار چیزیں اعظم شعائر اللہ میں سے ہیں: قرآن، پیغمبر، کعبہ، نماز، ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (سورہ حج: ۳۲) جو کوئی اللہ کے نام لگی چیزوں کا ادب رکھے، سو وہ دل کی پرہیز گاری کی بات ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلافِ ادب ہے تو آپ کے ارشادات واحکام سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کی بے ادبی ہوگی، اور کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ (فوائد عثمانی)

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ادب واحترام وہ بنیادی وصف ہے جس پر ایمان واسلام کی عمارت مستحکم ہوتی ہے، بے ادبی کرنے والا اپنے کیئے ہوئے اعمال میں آگ لگا دیتا ہے، اس سے وہ غریب نفع کیا اٹھائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں ارشاد فرمایا: وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (سورہ حج: ۳۲) جو کوئی اللہ کے نام لگی چیزوں کا ادب رکھے، سو وہ دل کی پرہیز گاری کی بات ہے۔

اس پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمہ تفسیری حاشیہ لکھتے ہیں کہ:

”شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں ہے، جس کے دل میں پرہیز گاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا، وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرے گا، یہ ادب کرنا شرک نہیں، بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اس کی طرف منسوب ہو جائے۔“

آج ایک ٹولہ ہے جو اللہ ورسول کے نام لگی چیزوں کی صرف اس لئے بے ادبی کرتا

ہے کہ، کہ اسے ادب کا معاملہ برتنے میں شرک کا وہم ہوتا ہے، حالانکہ وہ شرک نہیں ہے۔

الحذر! الحذر!! کبھی بھی ان چیزوں کے متعلق کوئی نازیبا بات نہیں کرنی چاہئے، اور نہ کوئی نازیبا رویہ اختیار کرنا چاہئے، جن کا خصوصی تعلق اللہ ورسول سے ہے، دین اسلام سے ہے، جو ہمارے دین و مذہب کی علامت ہیں۔ آج داڑھی کا مذاق اڑانا فیشن ہے، علماء وحفاظ کے ساتھ بے ادبی کا معاملہ کرنا روشن خیالی ہے، فقہی وشرعی مسائل کی توہین تو وہ لوگ بھی کرنے لگ جاتے ہیں جو بظاہر دیندار کہلاتے ہیں، کتنے غیبی حقائق ایسے ہیں کہ ان پر یقین رکھنا مدارِ ایمان ہے، لیکن مسلمانوں میں کتنے ایسے ملیں گے جو تذبذب کے شکار ہیں، اور اس تذبذب کا اظہار زبان سے بصورت بے ادبی کرتے رہتے ہیں۔

ایک جگہ دو آدمی آپس میں الجھے ہوئے تھے، باہم دست وگریبان تھے، گالیاں بک رہے تھے، ایک صاحب نے انھیں اس سے باز رکھنا چاہا، مگر غصہ کا بھوت اتنی جلدی کہاں اترتا ہے، پھر سمجھانے والے نے کہا کہ اللہ کا خوف کرو، لکھنے والا تمہاری گالیوں کو لکھ رہا ہے، تو دونوں اس کے سر ہوگئے کہ کیا آپ نے دیکھا ہے کہ کوئی لکھ رہا ہے، پھر نوبت غیبی حقائق کے مذاق تک پہونچ گئی۔

اس طرح کے واقعات روزمرہ پیش آتے رہتے ہیں، آدمی نڈر ہوگیا ہے، جو چاہتا ہے بک دیتا ہے، حالانکہ گستاخیوں کا انجام کبھی کبھی فوری طور پر بھی ظاہر کردیا جاتا ہے، ویسے عام دستورِ الٰہی یہ ہے کہ حق تعالیٰ حلم اور ستاری سے کام لیتے ہیں، تاکہ آدمی کو توبہ کا موقع رہے، مگر کبھی کبھی موقع پر پکڑ آجاتی ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ (الرعد:۱۳) اور بھیجتا ہے کڑکتی بجلیاں، پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے اور یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں، حالانکہ وہ سخت قوت والا ہے۔

اس آیت کے سببِ نزول کے تحت علامہ ابن کثیرؒ نے مسند ابویعلیٰ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک متکبر

فرعون کے پاس بلانے کے لئے ایک صاحب کو بھیجا، انھوں نے اس سے کہا کہ آپ کو اللہ کے رسول بلا رہے ہیں، اس نے کہا کہ اللہ کا رسول کون؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ کیا وہ سونے کا ہے، آیا چاندی کا ہے؟ یا تانبے کا ہے؟ وہ صاحب لوٹ گئے، آپ نے پھر بھیجا، اس نے اب بھی یہی گستاخانہ جواب دیا، آپ نے تیسری مرتبہ انھیں بھیجا، وہ اب بھی یہی گستاخی کرنے لگا، اتنے میں اس کے سر کے اوپر بادل آیا، اور ایک بجلی کڑکی اور اس کی کھوپڑی اُڑا لے گئی، وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

بہت زیادہ ڈرنے کی بات ہے، اللہ ورسول کے مقابلے میں جرأت بڑا سنگین جرم ہے، کتنے لوگوں نے اللہ کی، رسول کی، قرآن کی، نماز کی، روزے کی، کعبہ کی، علماء کی، داڑھی کی توہین کی، اور ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئے، اللہ کے غضب کو دعوت دینا اپنے سے عداوت ہے۔

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ کھانا کھا رہے تھے، آپؐ نے اسے بھی شریک کرلیا، اس نے بایاں ہاتھ کھانے کی طرف بڑھایا، آپؐ نے ٹوکا اور دائیں ہاتھ سے کھانے کی تلقین کی، اس نے تکبر کی راہ اختیار کی اور اپنی بات پر اَڑ گیا، اور کہا میرا دایاں ہاتھ نہیں اٹھتا، اپنی بات کی پچ میں جھوٹ بولا، آپؐ نے فرمایا: **لا رفعھا اللہ**، اللہ کرے نہ اٹھے۔ وہ ہاتھ اس کا وہیں سوکھ گیا۔

مساجد بھی اللہ کے شعائر میں ہیں، ان کا ادب واحترام بھی ضروری ہے۔ مسجد میں شور وشغب کرنا، اسے گھر کی طرح بنالینا سخت توہین کی بات ہے۔ مسجدیں اس لئے نہیں ہیں کہ ان میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کی جائیں، انھیں پنچایت گھر بنالیا جائے، مسجدیں اس لئے ہیں کہ ان میں نماز ادا کی جائے، ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے، تلاوتِ قرآن کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو آدمی مسجد میں داخل ہو وہ اس میں بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ دو رکعت تحیۃ المسجد مستحب ہے، اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک واجب ہے۔ مسجد کے اندر تو دور کی بات ہے، مسجد کے قریب بھی شور وشغب نہ کیا جائے، مگر اب جرأت کا یہ عالم ہے کہ مسجد کے قریب مسلمانوں کے گھر ہیں، انھیں نماز پڑھنے

کی توفیق تو ہوتی نہیں ، البتہ اپنے گھروں میں پوری قوت سے ٹیپ ریکارڈ یا ٹی۔ وی چلادیتے ہیں، جس کے شور سے مسجدیں گونجتی ہیں اور نمازیوں کو سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے، ٹیپ ریکارڈ بجاتے ہوئے مسجد کے پاس سے بے تکلف اس طرح گزرتے ہیں جیسے انھیں اس کا احساس ہی نہ ہو کہ یہاں کوئی قابل احترام چیز بھی ہے۔ حدتو یہ کہ عین مسجد کے زیر سایہ ہمارے نوجوان کھیل کود کے مقابلے رکھ دیتے ہیں اور لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کرتے رہتے ہیں، اور یہ سلسلہ کئی کئی روز تک چلتا رہتا ہے، مسجد میں اذان ہوتی ہے، مگر کھیل کے متوالوں کے کانوں سے اچٹ کر چلی جاتی ہے، کھیلنے والے کھیل میں محو ہیں، دیکھنے والے لذتِ نفس میں غرق ہیں، اور ع

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

سب کھلاڑی ہو گئے یا تماش بیں ہو گئے ، اور جو نمازی ہیں وہ پریشان ہیں، ابھی چند دنوں پہلے خبر ملی کہ ایک صاحب کے یہاں شادی کی دعوت بڑے دھوم دھام سے تھی۔ یہ دعوتیں کیا ہوتی ہیں، منکرات کا ہجوم ہوتا ہے، اتفاق یہ ہوا کہ عین کھانے کے وقت بارش شروع ہوگئی، لوگ پلیٹیں لے کر مسجد میں بھاگے، پھر مسجد میں دسترخوان لگ گیا اور مسجد، مسجد نہ رہی ڈائننگ ہال بن گئی، إنا لله وإنا إليه راجعون ! جن لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں جانے کی توفیق نہیں ہوتی وہ کھانے کے لئے مسجد میں پہونچ گئے۔ ع

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

(جلد نمبر:۱۲، شمارہ نمبر:۲، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ/اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو غلط ہے اسے غلط ہی کہئے

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین امابعد

صاحب مشکوٰۃ شریف نے امام ترمذی، امام ابو داؤد، مسند احمد اور ابن ماجہ کے حوالے سے ایک مشہور حدیث نقل کی ہے، اس کے راوی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، اوراس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوکر آپ نے ایک بلیغ اور مؤثر وعظ فرمایا جس سے آنکھیں ابل پڑیں اور قلوب لرز گئے، ایک شخص نے اس کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ وعظ تو ایسا ہے، جیسے رخصت کرنے والا کسی کو رخصت کررہا ہو، آپ ہمیں کچھ ہدایت فرمادیجئے، آپ نے ارشاد فرمایا:

اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبداً حبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدث بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ (باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

میں تمھیں اللہ کے تقوی اور سننے اور ماننے کی تاکید کرتا ہوں، اگرچہ تمہارا امیر حبشی غلام ہوا کیونکہ جو میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا، تو تم کو میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے، اسے مضبوطی سے تھام لو، اور دانتوں سے پکڑ لو، اور نئے نئے ایجاد کردہ امور سے دور رہو کیونکہ یہ نئی چیزیں بدعت ہے اور یہ بدعت گمراہی ہے۔

ہمارا دور رسول اللہ ﷺ کے صدیوں بعد کا دور ہے، اس میں اختلافات کی وسعت اور پھیلاؤ کا کیا کہنا، ایک سے بڑھ کر ایک نئی چیزیں سامنے آرہی ہیں، کچھ دین کے نام پر دین کا لبادہ اوڑھ کر، بظاہر دین معلوم ہوتی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دین سے ان کا تعلق نہیں ہے، ایسے امور جو بظاہر دین کے رنگ میں ہیں، اور دین ہی کے نام پر انھیں نجام دیا جاتا ہے، مگر ان کی حیثیت دین میں اضافہ کی ہے، شریعت کی اصطلاح میں انھیں بدعت کہا جاتا ہے، نفس انسانی نے اپنے خواہشات……کی بنیاد پر ہر زمانے میں بدعات ایجاد کرنے کی جرأت کی ہے، لیکن اس وقت ہم جن نئے امور کا جائزہ لینا چاہتے ہیں وہ بدعات سے کچھ مختلف رنگ کے ہیں، ان کا تعلق دین میں، دینی احکام میں اور دینی افکار وعقائد میں سستی، اضمحلال، اور علم دین میں رسوخ نہ ہونے سے ہے، دینی احکام اور دینی عقائد نفس پر گراں گزرتے ہیں، اس لئے آدمی ان سے صرف نظر کرتا ہے، پھر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس پر طعن کیا جائے گا کہ یہ دین سے برگشتہ ہو رہا ہے، جب کہ وہ چاہتا ہے کہ دین سے اس کا گہرا اور پختہ تعلق تسلیم کیا جائے، اس لئے وہ حیلوں اور بہانوں سے کام لیتا ہے، اور ان حیلوں کو دینی دلائل وشواہد سے دین کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔

اس طرح کے نئے امور میں کچھ تو صریح اور قطعی گناہ ہیں، مثلاً مسلمانوں کا معاشرہ جو رسول اللہ ﷺ نے تیار کیا تھا وہ فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کے نور سے معمور تھا، نمازوں میں خشوع وخضوع کی فراوانی تھی، ہر عبادت میں اس کی اصل روح اخلاص وانابت موجود تھی، پھر نفوس انسانی کی ناپختگی نے کچھ کچھ چیزوں کو گراں سمجھ کر چھوڑنے اور ردوبدل کرنے کا سلسہ شرع کیا، مسلمانوں کے پختہ دیندار طبقہ نے اس ترک اور ردوبدل کا مقابلہ کیا، لیکن آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ عبادت کے اہتمام کی جگہ گناہوں کے رواج نے لے لی، شریعت کے آداب کو چھوڑ کر لوگ مکروہات میں گرنے لگے، نماز، جس کے چھوڑنے کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، ہمارے زمانے تک آتے آتے اس کا ترک، اس کے عمل سے آگے نکل گیا، مالدار طبقے سے زکوٰۃ کا اہتمام نکلا اور نام ونمود اور لہو

لعب اور گناہوں کے مواقع پر خرچ کرنا کا بے محابا جذبہ پیدا ہوگیا، سفرحج پر دوسرے گناہوں کے سفر کو ترجیح دی جانے لگی، روزہ کا نما بھولا، اور کھانے میں لذائذ وتنعمّات کا اتنا اضافہ ہوا کہ اس کا شمار مشکل ہے، جیسے انسان کھانے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے، اور جی رہا ہے، ایثار وہمدردی کی جگہ خودغرضی اور بے مروتی نے لے لی ہے، ان امور میں گناہوں کے کاموں کا بے تحاشا اضافہ ہوا ہے، اور یہ گناہ مسلمانوں کے معاشرہ اور دستور زندگی میں قطعاً نئے امور ہیں، جن میں اسلام کا نام لینے والے مبتلا ہیں۔

اس طرح کے گناہوں میں خیریت یہ ہے کہ انھیں گناہ ہی سمجھا جاتا ہے، انھیں نا جائز ہی قرار دیا جاتا ہے، ان کے جائز سمجھنے کا رجحان نہیں پایا جاتا، بلکہ ٹوکے جانے پر ایک طرح کی ندامت کا احساس ہوتا ہے، لیکن سائنس کی ہمہ گیر ترقی کے اس دور میں بعض ایسی چیزیں آگئی ہیں اور آتی جارہی ہیں، جن کا مثبت یا منفی تعلق شریعت اسلامی سے مشتبہ معلوم ہوتا ہے، یا ان کے عموم وشیوع اور کثرت استعمال کی وجہ سے مشتبہ بنادیا گیا ہے، یہ چیزیں وقتاً فوقتاً زیر بحث آتی رہتی ہیں، اس قسم کی چیزیں ابتداتو جب سامنے آتی ہیں، تو مخلص اور علم وتحقیق والے اصحاب رسوخ غور وفکر کرکے ان کا ایک حکم متعین کرتے ہیں، پھر ان کی اور نئی نئی شکلیں نکلتی ہیں، اور انکا عموم مزید بڑھتا ہے، تو مزید سوالات اٹھنے لگتے ہیں، مثلاً لاؤڈ اسپیکر ایجاد ہوا، تو سوال پیدا ہوا کہ اسے نماز اور خطبے میں استعمال کیا جاسلتا ہے یانہیں؟ پھر جن چیزوں پر اقتدا صحیح ہونے کا مدار ہے، غور کیا گیا کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے اس میں خلل تو نہیں ہوتا، پھر حضرات علماء اس نتیجہ پر پہونچے کہ نماز میں اس کا استعمال جائز ہے، مقتدی یا امام کی نماز اس سے فاسد نہ ہوگی، تاہم اس کے استعمال کے مقابلہ میں استعمال نہ کرنا ہی مناسب ہے، اسی طرح ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر ایجاد ہوئے، تو ان کے احکام دریافت کئے گئے، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز جاری ہوئے تو ان پر نماز پڑھنے کا مسئلہ پیدا ہوا، جسے بحمد اللہ حل کرلیا گیا، اس کے بعد ایجادات میں برق رفتاری آگئی، طرح طرح کی چیزیں ایجاد ہونے لگیں، جن سے بظاہر سمجھا گیا کہ انسان کی زندگی سہولیات سے مالا مال ہوگی، اور کچھ

سہولتیں ہوئیں بھی، مگر نقصانات اور مشکلات کا تناسب بھی اتنا زیادہ رہا کہ بے ساختہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ **و اثمھا اکبر من نفعھما**، ان کا گناہ فائدہ سے بڑھا ہوا ہے۔

ان ایجادات میں کچھ چیزیں تو ایسی ہیں جن کے استعمال میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، جیسے نوع بنوع کی سواریاں، بعض گھریلو سامان جیسے بجلی سے چلنے والے پنکھے، کولر فریج، فون وغیرہ وعلی ہذا القیاس۔

کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے ناجائز اور حرام ہونے میں کلام نہیں، جیسے فلمیں اور گانے بجانے کے آلات۔

کچھ ایجادات ایسی ہیں کہ بذات خود ان کی حرمت وحلت کا فیصلہ مشکل ہے، ان کی حلت وحرمت کا دارو مدار ان کے استعمال پر ہے، اگر وہ صحیح مصرف میں استعمال ہوتے ہیں، تو وہ صحیح ہیں، ورنہ غلط، اس کی مثال میں ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر کو پیش کیا جا سکتا ہے، کہ اگر ریڈیو کو صرف خبریں یا مفید پروگرام سننے کے لئے استعمال کیا جائے، تو مضائقہ نہیں، اور گانے بجانے اور لہو ولعب کے پروگراموں کے لئے استعمال کیا جائے تو ناجائز اور حرام۔

ٹیپ ریکارڈر میں اگر قرآن کریم کی تلاوت، دینی مواعظ ومجالس اور مفید چیزیں محفوظ کی جائیں تو درست، اور اگر اس میں گانے بجانے ضبط کئے جائیں، تو غلط۔

اسی طرح کی چیزوں میں بعض ایجادات نے خاصی پیچیدگی پیدا کر دی ہے، ان میں استعمال کو مدار حکم بنائیں، تو اس کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، اور اگر سرے سے انھیں ناجائز کہہ دیا جائے تو بہت سے فوائد سے محرومی ہوتی ہے، اس قسم کی مثال میں ٹیلی ویژن، وی سی. آر، انٹرنیٹ، اور سی ڈی کو پیش کیا جسکتا ہے، موجودہ احوال میں ان امور کی شرعی حیثیت اور دینی تعلیمات کے لئے ان کے استعمال پر خوب بحثیں ہو رہی ہیں، عام لوگ تو ان چیزوں کو دور حاضر کی زندگی کے لئے لازم قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک کسی خوشحال، تعلیم یافتہ اور با عزت گھرانے اور معاشرے کا تصور ہی ٹیلیویژن کے بغیر نہیں ہو سکتا، کوئی جلسہ، کمیٹی، فنکشن، کوئی اجتماعی پروگرام، بغیر ویڈیو کیسٹ اور سی. ڈی. کے مکمل ہوتا ہی نہیں، انٹر

نیٹ، تو ایک ایسی ایجاد ہے کہ موجودہ دور کی انسانی ضرورت کا ایک خاصا حصہ اسی کے متعلق ہوکر رہ گیا ہے، ان چیزوں کا استعمال صرف دنیا دار گھرانوں اور معاشروں میں محدود نہیں رہ گیا ہے، جو گھرانے دیندار کہلاتے ہیں اور جن پروگراموں کو دین و مذہب کے عنوان سے برپا کیا جاتا ہے، ان میں یہ چیزیں داخل ہوچکی ہیں، بھلا جو چیزیں انسان کی ضرورت بن گئی ہیں، انھیں ناجائز اور مکروہ کہنے کی ہمت کیسے کی جاسکتی ہے، اور اگر کوئی اپنی صلاحیت اور رسوخ فی العلم کی وجہ اس سلسلہ میں کچھ کہہ دے، تو اس کو درجنوں مثالیں دے کر خاموش کردیا جائے گا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ معاملہ اتنا ڈھیلا ڈھالا نہیں ہے، کہ جس چیز پر ضرورت کا لیبل چسپاں کردیا جائے، اور آدمی کی ہوسنا کیاں جنھیں ضروریات زندگی میں شامل کردیں، انھیں دین خداوندی قبول کرہی لے، مذہب اسلام کا ایک خاص عقیدہ اور نظریہ ہے، اس کا ایک پاکیزہ طریقۂ کار ہے، جو چیزیں اس کے موافق ہوں گی، انھیں تو قبول کیا جاسکتا ہے، اور جو اموراس کی ضد ہیں، انھیں کسی رنگ میں پیش کیا جائے، وہ رد ہی کی جائیں گی۔

لوگوں میں ایک دستور سا ہو گیا ہے، کہ ضروریات زندگی کا نعرہ لگا کر غلط چیزوں کے حق میں اسلام سے تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں، کبھی یہ غیرت دلائی جاتی ہے کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، اسے زندگی کی ہر دور کا ساتھ دینا چاہئے، پس جو کچھ دنیا میں وجود میں آجائے، دین اسلام اسے جھٹ سند قبولیت دیدے، ورنہ زندگی کی دوڑ میں اسلام پیچھے رہ جائے گا، کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں ملک میں علماء دین نے عملاً اسے گوار کرلیا ہے، دین ملت کے ماہرین کے گھروں میں یہ چیزیں ضرورت بن کر داخل ہوچکی ہے، پس تم کب تک اسے ناجائز کہہ کر زمانہ سے بے خبری کا ثبوت دیتے رہوگے؟

ہاں یہ بھی ایک بڑا عجیب نعرہ ہے کہ دین و مذہب اور احکام شریعت کی خبر رکھنے والے عصر حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہیں، یہ نعرہ لگانے والے شاید بے خبر ہیں کہ علماء عصر حاضر کے کسی تقاضے سے بے خبر نہیں ہیں، مگر وہ اس دین کے اسرار و مزاج سے بھی باخبر ہیں،

جوآخری پیغام الٰہی بن کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے، وہ عصر حاضر کے تقاضوں اور شریعت اسلامی کا موازنہ کرتے ہیں، پھر وہ تقاضے، جو شریعت سے برگشتہ کرنے پر تلے ہوئے ہوتے ہیں، انھیں وہ رد کر کے شریعت کے احکام کی بقاء وتحفظ کو عزیز رکھتے ہیں اور یہ علماء کی بڑی ذمہ داری ہے کہ دین کا علم صحیح پیش کر دیں، اور عصر حاضر کے جو تقاضے اپنی تکمیل میں اس سے ٹکراتے ہوں، انھیں بے تکلف رد کر دیں، اور اس میں کسی لعن وطعن کی پروا نہ کریں، ورنہ یہ تقاضے دین اسلام کی جڑیں اکھاڑ دینے میں کسر نہ چھوڑیں گے۔

درحقیقت عصر حاضر کے جن تقاضوں کی دہائی دی جاتی ہے، وہ عصر حاضر کے تقاضے نہیں، بلکہ نفسانیت، حب مال وجاہ اور شہوت بطن وفرج کی لامحدود ہوسناکیاں ہیں، اور آج پوری دنیا انھیں سفلی اور ردی جذبات ورذائل میں جوجھ رہی ہے، نام چاہے، جتنا خوبصورت دیا جائے، مگر عصر حاضر کے جن تقاضوں سے دین اسلام کو مرعوب کیا جاتا ہے، ان کی تہ میں اصل جذبہ اور محرک یہی گھٹیا جذبے اور داعیئے ملیں گے، اس لئے علماء کو خوب غور کر لینا چاہئے کہ جن چیزوں میں گنجائش نکالنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، ان میں بہتیرے ایسی چیزیں ہیں کہ اگر انھیں سند جواز دیکر یا ہلکی سی گنجائش دے کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے، تو زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ ایک ایسا ماحول ومعاشرہ وجود میں آجائے گا، جس کو اسلام سے کوئی مناسبت نہ ہوگی۔ بس جو گناہ ہے، اسے گناہ ہی قرار دیا جائے، کرنے والا اسے گناہ سمجھ کر کرے، تو خود کو گنہگار سمجھے گا، اور شاید کبھی اسے احساس ہو، تو توبہ کی توفیق اسے ہو جائے گی۔ اور اگر اس گناہ کو سند جواز دے دی گئی، تو آدمی زندگی بھر گناہ گار ہوتا رہے گا۔ اور اسے کبھی توبہ نصیب نہ ہوگی۔

شریعت اسلامی میں جاندار کی تصویریں ناجائز ہیں، یہ اجماعی مسئلہ ہے اب ہر وہ چیز جس میں تصویر کے بغیر چارہ نہ ہو، خواہ وہ ٹیلی ویژن ہو، سی ڈی ہو، وی سی آر ہو، اس کے جواز کے گنجائش نہ نکالی جائے، ورنہ آج کا بنایا ہوا سوراخ کل کو دہانہ بن کر رہے گا۔ لوگ ان امور میں مبتلا ہیں، تو ناجائز سمجھ کر مبتلا ہوں، ناجائز کو جائز نہ سمجھیں، مبتلا تو لوگ ترک نماز میں

بھی ہیں، اور اگر حساب لگائیں گے تو میں مبالغہ نہیں کرتا کم از کم ہمارے ملک میں نوے فی صد سے زائد مسلمان نماز سے محروم ہیں، تو کیا ترک نماز کو جواز کی سند دے دی جائے گی؟

بے شک یہ صحیح ہے کہ ان ذرائع ابلاغ کی وجہ سے اسلام پر بے تحاشا اعتراض کئے جاتے ہیں، لیکن ان کا جواب دینے کے لئے ان فاسد اور ناجائز ذرائع پر آنا چاہیے، یہ خیال غلط ہے، ہم جواب دینے کے دنیاوی اور دنیا والوں کے اصولوں کے پابند نہیں ہے، ہم کو قرآن وحدیث میں جو طریقہ بتایا گیا ہے، اس کا پابند ہونا چاہیے، غلط طریقوں سے جو جواب دئے جائیں گے، ان سے اسلام کی شبیہ ہرگز درست نہ ہوگی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سے ٹیلی ویژن پر قرآن کے نام سے ایک چینل آیا ہے، اس وقت سے مسلمانوں میں جہالت اور توہم پرستی اور بڑھتی جارہی ہے ظاہر ہے کہ اس سے اسلام کی شبیہ اور بگڑے گی، کیونکہ اس چینل پر جو کچھ دکھایا جاتا ہے، اسی کو دیکھنے والے دین سمجھتے ہیں۔ بس اللہ جانے کن کن خرافات کو دین کے نام سے تقدس کا لباس عطا کردیا جائے گا۔ یہی حال انٹرنٹ اور مصوری سی ڈیوں کا ہے، ان کا نقصان فائدہ سے بہت زیادہ ہے، بلکہ ریڈیو ٹیپ ریکارڈر اور...... تصویری سی ڈیوں کا بھی یہی حال ہے کہ ان مشاغل میں میرا تجربہ یہی ہے دینی اعمال میں سستی عام ہوجاتی ہے، آدمی ذہن اور نظریہ کے اعتبار سے اسلام سے وابستہ ہوتا ہے مگر عملی زندگی خالی ہوجاتی ہے، خوب تجربہ ہے کہ جو لوگ ٹیپ ریکارڈ سے قرآن کی تلاوت سنتے ہیں، انھیں خود تلاوت کی توفیق نہیں ہوتی ہے، جو لوگ ٹیپ سے تقریریں اور مواعظ سنتے ہیں انھیں علماء اور بزرگوں کی خدمت اور صحبت میں جانے کا موقع نہیں ملتا، اور اگر کبھی گئے تو وہ کچھ فائدہ نہیں حاصل کرتا ہے۔

اسلام ایک عملی اور روحانی مذہب ہے، جس میں بقدر ضرورت دنیاوی اور جسمانی تقاضوں کے پورا کرنے کی اجازت ہے مگر ہوسنا کیوں کی اجازت نہیں ہے، یہاں تو دنیا کی مقصودیت کی نفی ہے، یہاں بڑا اہتمام جسم کا نہیں روح کا ہے، دنیا کا نہیں آخرت کا ہے، زندگی کا نہیں موت کا ہے، اور جن امور کا اوپر تذکرہ ہے، جس کا جی چاہے، ان لوگوں کا جائزہ

لے کے جوان مشاغل میں مبتلا ہیں، دیکھئے کہ ان کی عملی اور روحانی زندگی کیسی ہے؟

آپ کہہ سکتے ہیں کہ جسمانی، مادی اور دنیاوی تقاضوں کی تکمیل کا مزاج عام ہو چکا ہے؟ اسے تم کتنا روک سکتے ہو؟ میں عرض کروں گا کہ ہم اس کے ذمہ دار نہیں، رکاوٹ کھڑی کرنے کے ذمہ دار ہیں، غلط کو غلط کہہ دینا رکاوٹ کو کھڑا کر دینا ہے۔ اب اگر کوئی اسے گرا کر آگے بڑھ جائے تو وہ ظالم ہے۔ پس یہ نہیں ہو سکتا کہ غلط کو صحیح کہہ کہ ہم رکاوٹ کو منہدم کر دیں۔ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ علم اور عمل پیش کر دیں، جس سے دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی ترجیح، روحانی ترقی اور جسم و مادیت کی بے وقعتی سامنے آجائے۔ اس کے بعد جس کا جی چاہے آخرت کی طرف جائے، اور جس کا جی چاہے دنیا میں لت پت رہے **یھلک من هلک عن بينة ويحيى من حی عن بينة** (سورہ انفال) (جو ہلاک ہو، دلیل کے ظاہر ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جو زندہ رہے، دلیل سے زندہ رہے۔)

یہ طریقہ غلط ہے کہ گناہوں کے عموم وشیوع سے متاثر ہو کر، دنیا والوں کے لعن وطعن سے ڈر کر عصر حاضر کے تقاضوں کی دہائی سن کر ہم اسلامی مزاج وخصوصیات سے صرف نظر کر لیں، شریعت کے احکام میں کتر بیونت شروع کر دیں، دین کی محکم اور مستحکم دیواروں میں سوراخ پیدا کرنے لگ جائیں۔

(ماہنامہ ضیاء الاسلام: ستمبر ۲۰۰۵ء) (بشکریہ مجلّہ "المآثر")

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصویر سازی کا ذوق

اللہ تعالی نے انسان کو سادہ اور مفرد نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ جذبات اور خواہشوں کا ایک مجمع اسے بنایا ہے، جسم کے تقاضے اور اس کی چاہتیں الگ ہیں، اور بہت ہیں، نفس کی لذتیں اور خواہشیں جداگانہ ہیں، روح اور قلب کی حاجات وضروریات کچھ اور ہیں، پھر انسان کے باہر خاندان، سماج، جگہ، موسم اور زمانے کے تقاضے علٰحدہ ہیں، اور انسان میں صلاحیت رکھی گئی ہے، اور اختیار بھی ملا ہوا ہے کہ اپنی سمجھ اور اپنے ارادے سے ان تقاضوں اور خواہشوں میں کسی کو اختیار کرے، کسی کو ترک کرے۔

تو کیا ان تقاضوں، لذتوں، خواہشوں کے ترک واخذ میں آدمی خود مختار ہے، جسے چاہے پکڑے اور جسے چاہے چھوڑے، یا کسی دستور اور قانون کا پابند ہے، اگر ہر انسان کو اس بات میں خود مختار بنادیا جائے تو لازم ہے کہ ان تقاضوں اور لذتوں کی تکمیل میں آدمی کا آدمی سے تصادم ہو، اور اس ٹکراؤ میں دنیا کا امن چین غارت ہو، اس لیے بہر حال یہ لازم ہے کہ اس سلسلے میں کوئی قانون اور دستور ہو، ہم اہل اسلام کے لیے بات نہایت واضح ہے کہ اس کام کے لیے شریعت اسلامیہ ایک نہایت واضح اور معتدل دستور العمل ہے، اس کو کما حقہ بجا لایا جائے، تو تمام تقاضے، تمام ضروریات، تمام خواہشیں، اور تمام لذتیں اپنے اپنے جائز مقام پر جائز اور پر امن طریقے پر حاصل ہوں گی، اور انسانی زندگی کا اعتدال وتوازن برقرار رہے گا۔

انسان کے ذوق ووجدان پر جو بہت سی خواہشیں مسلط ہیں، جن میں اسے لذت کا احساس ہوتا ہے، ان میں ایک بڑی طاقتور خواہش اور لذت اپنی ذات، اپنے کام اور اپنے

ماضی کے احوال کی یادگار کو باقی رکھنا ہے پھر اس کے حصول کے لیے جہاں وہ بہت سے طریقوں کو کام میں لاتا ہے، ان طریقوں میں سے ایک طریقہ تصویر سازی کا بھی ہے، تصویروں کے ذریعے آدمی اپنی ذات اپنے کام، اپنے متعلقات اور اپنے ماضی کے حالات کی یادگار محفوظ کرنا چاہتا ہے، ہر آدمی کو اپنی ان چیزوں سے محبت ہوتی ہے، مگر زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے، اس سے تعلق رکھنے والی یہ چیزیں ماضی کے اندھیروں میں گم ہوتی چلی جاتی ہیں، حافظہ کسی قدر یاد رکھتا ہے، مگر اس کے نقوش بھی دھندلا جاتے ہیں، انسان چاہتا ہے کہ یہ چیزیں محفوظ رہیں، تاکہ جب چاہے وہ انھیں دیکھ سکے، دوسروں کو دکھا سکے، خود لذت یاب ہو اور دوسروں کو بھی اس میں شریک کرے، یہ سوچ کر اس نے ان چیزوں کو مجسمے کی صورت میں، تصویری نقوش کی صورت میں محفوظ کرنے کی کوشش کی، قدیم زمانے سے ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی یادگاروں کو محسوس صورتوں میں باقی رکھنے کا اہتمام کرتا ہے۔

تو کیا یہ جذبہ اور یہ ذوق جو انسان کے اندر رکھا گیا ہے، علی الاطلاق اس ذوق کی تسکین کا ہر سامان درست ہے، اس باب میں جب شریعت الٰہی سے فتوی لیا گیا، تو معلوم ہوا کہ اس ذوق کی تسکین کی اس حد تک اجازت ہے، جب تک انسان کو دنیا میں جس مقصد سے بھیجا اور پیدا کیا گیا ہے، اس مقصد کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اور جہاں سے اس مقصد کو نقصان پہنچنا شروع ہو، وہاں سے ممانعت اور حرمت کی حد شروع ہو جاتی ہے۔

انسان کی پیدائش کا مقصد خود پیدا کرنے والے نے بہت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** (سورہ ذاریات) میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، جب تک اس ذوق تصویر سازی اور جذبۂ یادگاری کا ٹکراؤ عبادت الٰہی سے نہیں ہوتا، اس کی اجازت دی جاسکتی ہے اور جہاں اس نے اس مقصد عبادت میں خلل ڈالا، وہیں اس پر حرمت کا حکم لگے گا، اور اس سے روک دیا جائے گا۔

تاریخ انسانی پر غور کریں گے، تو یہ عجیب وغریب انکشاف ہوگا کہ تصویر سازی کا

ذوق توحید الٰہی اور عبادت الٰہی سے براہ راست متصادم ہے، واقعہ یہ ہے کہ تصویر سازی کا آغاز توحید الٰہی کے ٹھیک برعکس ہوا ہے، اس لیے بے تکلف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ ذوق، اور اس ذوق کی تسکین کا سامان منشاء الٰہی کے عین خلاف ہے، اور آدمی پر فرض ہے کہ مجاہدہ کر کے اس ذوق کا رخ تصویر سازی اور یادگار بازی سے ہٹا کر حق تعالیٰ کے ساتھ وابستگی میں لگائے، اس کی وجہ سے وہ گھاٹے میں نہ رہے گا، کیونکہ تصویریں کچھ دیر قائم رہتی ہیں، پھر وہ بھی فنا ہوجاتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے جو دوام حاصل ہوگا، اور جو بقاء نصیب ہوگا، اس کو کبھی زوال وفنا سے سابقہ نہ پڑے گا۔

اب تاریخ انسانی کا وہ انکشاف ملاحظہ فرمایئے، جسے میں نے عجیب وغریب کہا ہے، اور جو منشاء الٰہی کے ٹھیک برعکس ہے۔

یہ معلوم ہے کہ انسانی وجود کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا ہے، نسل انسانی کے پہلے مرکزی بزرگ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، پھر دوسری مرکزی شخصیت حضرت نوح علیہ السلام کی ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے انسانوں میں عبادت الٰہی کا طریقہ چلا اور وحدانیت کا عقیدہ قائم ہوا، اور عرصہ دراز تک برقرار رہا جب نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا، تو اس طریقہ میں انحراف آچکا تھا، اور توحید کے مقابلے میں شرک پھیل چکا تھا، اللہ کے بجائے غیر اللہ کی عبادت ہونے لگی تھی، نوح علیہ السلام نے اس کے خلاف سخت جدوجہد کی اور ساڑھے نوسوسال تک کی، مگر مشرکین ٹس سے مس نہ ہوئے بالآخر طوفان عظیم میں غرق ہوئے، تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام میں دس قرن کا فاصلہ ہے، یعنی ایک ہزار سال!

توحید سے شرک کی طرف یہ انحراف کیونکر ہوا؟ اس کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم میں سورۂ نوح کی تلاوت کیجئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وقال نوح رب انهم عصونی واتبعوا من لم یزده ماله وولده الا خسارا. وقالوا لاتذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا وقد اضلوا کثیرا. (سورہ نوح) نوح نے عرض کیا اے میرے

پروردگار، انھوں نے میری بات نہ مانی، اور ایسی چیز کے پیچھے چل پڑے ہیں، جس میں انھیں مال اور اولاد کا گھاٹا ہی گھاٹا ہے، اور انھوں نے کہا کہ تم لوگ ہرگز ود کو نہ چھوڑنا، نہ سواع کو نہ یغوث و یعوق کو اور نہ نسر کو، اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔

جلیل القدر مفسر قرآن، صحابی رسول، حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ نام جو حضرت نوح علیہ السلام نے گنائے ہیں، یہ ان کی قوم کے نیک اور برگزیدہ لوگ تھے، جن سے لوگوں کو بہت محبت و عقیدت تھی، جب ان حضرات کا انتقال ہوگیا، اور قوم ان کی صحبت و مجلس سے محروم ہوگئی، قوم کو ان کی جدائی کا غم تھا، شیطان نے بعض لوگوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جہاں یہ حضرات بیٹھتے تھے، وہاں ان کے مجسمے بنا کر رکھ دئے جائیں، تو ان کی صورت دیکھ کر تسکین رہا کرے گی، چنانچہ ایسا کر دیا گیا، اور ان مجسموں کو انہیں کے نام کے ساتھ موسوم کر دیا گیا، اس وقت وہ صرف سامان تسکین تھے، ان کی پوجا نہیں ہوتی تھی لیکن اس نسل کے بعد جب دوسری نسل آئی، تو اس نے تسکین و تسلی کے حصول سے ترقی کر کے عبادت شروع کر دی، اس طرح خدا پرستی سے انحراف شروع ہو کر بت پرستی کی نوبت آ گئی۔ (بخاری شریف تفسیر سورۂ نوح)

یہ تصویر سازی کی ابتدائی حالت ہے، اب یہ تصویریں خواہ جس مقصد کے لیے استعمال ہوں، اپنے ابتدائی تصور سے الگ نہیں ہوسکتیں، ان میں شرک کی نجاست اور آلودگی کی بدبو ضرور رہے گی، خواہ انھیں کتنا ہی خوبصورت اور پاک بنانے کی سعی کی جائے، اس لیے واقعہ یہ ہے کہ تصویر سازی ایمان کے خلاف ہے، غیرت ایمانی کے خلاف ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان والا اس سے دور ہی رہے، کیونکہ اس میں کفر و شرک کی بدبو موجود ہے۔

اس غیرت کا اظہار رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں دیکھئے بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک کپڑا پردے کا تھا، جسے انھوں نے حجرے کے ایک کنارے پر لٹکا رکھا تھا، نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اسے ہٹاؤ۔ اس کی تصویریں میرے سامنے نماز میں آتی رہتی

ہیں۔ (بخاری شریف باب التصاویر) اور مسلم شریف میں خود ام المؤمنین سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک پردہ تھا، جس میں ایک پرندے کی تصویر تھی، جو کوئی اندر آتا تو سامنے وہی تصویر پڑتی، مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے ہٹاؤ۔ میں جب گھر میں داخل ہوتا ہوں، تو یہ نظر کے سامنے پڑتی ہے، اور مجھے دنیا یاد آتی ہے (مسلم شریف کتاب اللباس)

رسول اللہ ﷺ کو دنیا کا یاد آنا بھی گوارا نہ تھا، غیرت ایمانی نے اس تصویر کو ہٹوا دیا۔ اندازہ کیجئے پیغمبر علیہ السلام کے نزدیک تصویر کی کیا حیثیت ہے؟

لوگ کہتے ہیں۔ تصویروں کی کثرت وشیوع کے دور میں کہتے ہیں۔ کہ اب تصویریں پرستش کے لیے نہیں ہوتیں، جی! تسلیم لیکن ابتدائی آلودگی اب بھی اس سے لپٹی ہوئی ہے، اسے دیکھ کر کیا بت پرستی یاد نہیں آتی اور کیا اس کی تحریک نہیں ہوتی؟ کیا آج بھی بت پرستی اور تصویر پرستی بڑے پیمانے پر جاری نہیں ہے، کم ازکم ہندوستان جیسے ملک میں بجز ہاں کے کوئی جواب ہی نہیں ہوسکتا، ہندوؤں کے ادنی ادنی تیوہاروں پر قسم قسم کی مورتیاں، مجسمے، تصویریں ہر کوچہ وبازار میں دکھائی دیتی ہیں، اوران کی پوجا ہوتی رہتی ہے، تو غیرت ایمانی کا تقاضا ہے کہ تصویروں کا قصہ سرے سے ختم ہوجائے۔

پھر ہمیں تو حکم ہے **ما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا** (سورہ حشر) رسول جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو، اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ۔

قرآن کے اس حکم کی روشنی میں ہم یہ دیکھیں رسول اللہ ﷺ نے تصویر کے باب میں ہمیں کیا حکم دیا ہے اور کس سے منع کیا ہے، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جس کی اجازت دی ہے، وہ لے لیں، اور جس سے منع کیا ہے اس سے ہم باز آجائیں اپنی رائے سے کوئی علت اور مین میخ نہ نکالیں۔

تصویروں کے سلسلے میں محدثین نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بکثرت نقل کیے، حدیث کے تمام مجموعوں میں تصویروں کے متعلق حدیثیں موجود ہیں، اور مختلف صحابہ سے منقول ہیں۔

صحاح ستہ میں ایک سرسری نگاہ میں متعدد صحابہ سے روایتیں منقول ہیں، ۱-حضرت ابوطلحہ انصاری، ۲-حضرت عبداللہ بن عباس، ۳-حضرت علی مرتضی، ۴-ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، ۵-حضرت ابوہریرہ، ۶-حضرت عبداللہ بن عمر، ۷-حضرت عبداللہ بن مسعود، ۸-ام المؤمنین حضرت میمونہ، ۹-حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہم۔

ان سب حضرات کی روایتوں میں تصویر کی ممانعت، تصویر سازی کی حرمت اور اس پر لعنت، اور قیامت کے دن سخت عذاب کا تذکرہ موجود ہے، ہاں غیر ذی روح مثلاً درخت وغیرہ کی تصویر کی اجازت کا اشارہ ملتا ہے، اس لیے تصویر جو اس وقت زیر بحث ہے، وہ غیر ذی روح کی نہیں، جاندار اور روح والی چیزوں پر گفتگو ہو رہی ہے۔

تمام احادیث کے نقل کرنے کی گنجائش اداریے میں نہیں ہے، لیکن سمجھ لینا چاہیئے کہ ان سب روایتوں کا قدرِ مشترک جو کہ حرمت ہے، ''متواتر'' ہے، اس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس میں تاویل کا دروازہ بھی نہیں کھلتا، کیونکہ حدیثیں مجمل نہیں، متشابہ نہیں، محکم ہیں، اور محکمات میں تاویل وتخصیص کی گنجائش نہیں ہوتی، صرف مجبوری کے حالات میں بقدر ضرورت اختیار واستعمال کی اجازت ملتی ہے۔

۱- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے، کہ قیامت کے دن اللہ کے دربار میں سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا (بخاری شریف کتاب اللباس باب التفاسیر)

۲- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن انھیں عذاب ہوگا، اور ان سے کہا جائے گا کہ جس کو تم نے پیدا کیا ہے، اس کو زندہ کرو (حوالہ بالا)

۳- حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تصویر بنانے والے پر لعنت کی ہے (حوالہ بالا)

۴- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو تصویر بناتے دیکھا تو فرمایا کہ میں

نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا، جو میری تخلیق جیسی تخلیق کرنا چاہتا ہے، اچھا تو وہ ایک دانہ پیدا کرے ایک ذرہ پیدا کرے (بخاری شریف کتاب اللباس باب نقض الصور)

۵- حضرت سعید بن ابی الحسن فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، اتنے میں ان کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت! میری معیشت کا مدار میرے ہاتھ کی کاری گری پر ہے، میں تصویریں بناتا ہوں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں تم کو بجز اس بات کے اور کچھ نہ بتاؤں گا، جو میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنی ہے آپ فرماتے تھے کہ جس نے کوئی تصویر بنائی، تو اللہ تعالی اسے مبتلائے عذاب کریں گے، جب تک وہ اس میں روح نہ پھونک دے، اور اس کے بس میں نہیں ہے کہ روح پھونک سکے، یہ سن کر اس نے ایک گہری سانس کھینچی، اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ارے بھائی اگر تم بنانا ہی چاہتے ہو تو درخت وغیرہ کی تصویر بناؤ، جس میں روح نہیں ہوتی (بخاری شریف کتاب البیوع باب بیع التصویر)

٦- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا، جو اللہ تعالی کے ساتھ عمل تخلیق میں مشابہت اختیار کرتے ہیں (بخاری شریف کتاب اللباس باب ماوطی في التصاویر)

۷- حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں کتا ہو یا تصویر ہو۔ (بخاری شریف کتاب اللباس باب التصاویر)

تصویر کی تحریم اور ممانعت کے باب میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، سب کا قدر مشترک مضمون وہی ہے، جو مذکورہ بالا احادیث میں گزرا، ان احادیث میں تصویر سازی کی حرمت بھی بیان کی گئی ہے، قیامت میں اس کا کیا انجام ہوگا، وہ بھی بیان کیا گیا، کہ ایسا شخص سخت مبتلائے عذاب ہوگا، اور اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی بنائی ہوئی تصویر میں روح پھونکے، پھر دنیا میں بھی تصویر رکھنے کی نحوست بیان کی گئی کہ فرشتے تصویروں سے اتنی نفرت

کرتے ہیں کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں داخل نہیں ہوتے، پھر دنیا و آخرت کی اس وعید شدید کی علت بھی بیان کی گئی کہ مصور در حقیقت اللہ تعالی کے ساتھ عمل تخلیق میں مشابہت اختیار کرنا چاہتا ہے، یہ ایک بدترین گستاخی ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ وعیدیں ذی روح کی تصویر کے متعلق ہیں۔ بے روح اشیاء کی تصویر بنائی جاسکتی ہے۔

اتنی صاف وصریح اور واضح وعیدوں کے ساتھ کس کی ہمت ہے کہ وہ بال کی کھال نکالتا پھرے کہ تصویر ہاتھ سے بنائی گئی ہے، یا کیمرے سے کھینچی گئی ہے، یا اسے ویڈیو کی سائنس نے ذروں کی شکل میں تیار کیا ہے، اور وہ اسکرین پر چند لمحوں کے لیے آتی ہے، پھر غائب ہو جاتی ہے، وہ بہر صورت تصویر ہی تو ہے، اس کی کسی شکل کو جواز کا پروانہ تھمانا ساری شکلوں کے جواز کے لیے بہانہ بن جائے گا۔

تصویر جو آنکھوں سے نظر آئی، وہ تصویر ہے، اسے جس صورت میں بھی محفوظ کیا گیا ہو، تصویر سازی ہے خلق الٰہی کے ساتھ تشبہ کی گستاخی ہے، بت پرستی کی نجاست میں آلودہ ہے، فحاشی، بے حیائی، بے دینی، اور فضول لہولعب کا دروازہ ہے، اس کو کسی تاویل سے جائز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

تعمق (بال کی کھال نکالنے) کی اجازت تو عبادات میں نہیں ہے، معاصی میں کیونکر ہوگی۔ ہمارے زمانے میں یہود ونصاری کی تقلید وپیروی میں انجمن، کمیٹی، کانفرنس، سیمینار، کی بہت سی بلائیں مسلمانوں کے ماحول ومعاشرے میں آئیں تو اپنے لوازم بد کے ساتھ آئیں، اور ان میں ایک بڑا لازمہ تصویر سازی ہے جہاں کوئی فنکشن ہوتا ہے، تصویر ساز لوگ بلا لیے جاتے ہیں اور اب تصویروں کے ایسے ایسے آلات آگئے ہیں کہ ان سے بچنا مشکل ہے، کوئی کیمرے کی آنکھ چمکا رہا ہے، کوئی سانپ کے سر کی طرح ایک خاص قسم کا آلہ مجمع کی طرف جمائے ہوئے ہے کوئی بڑی سی مشین اٹھائے ہوئے دائیں بائیں گھما رہا ہے، اور یہ سب ایک ہی کام کر رہے ہیں، **یضاھئون خلق اللہ** اللہ کے عمل خلق میں شرکت ومشابہت کی گستاخی کر رہے ہیں، لوگ خوش ہیں کہ یادگار قائم ہو رہی ہے، ہم ٹی وی میں جلوہ

گر ہوں گے، اخبار کی زینت بنیں گے۔ اب یہ گناہ نہیں ہے، آرٹ ہے، فن ہے، پہلے ناچنے گانے والوں کی تصویریں آتی تھیں، اب اللہ والے بھی اس دوڑ میں شریک ہو رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گناہ تو گناہ ہی رہے گا، خواہ وہ کتنا ہی پھیل جائے، اللہ کا اور رسول کا کلام بدل نہیں سکتا، خواہ دنیا کی دنیا بدل جائے، گناہ میں ابتلائے عام ہو جائے، تو وہ کارِ ثواب نہیں بن جائے گا، مسلمانوں کی اکثریت نماز نہیں پڑھتی، تو نماز کا نہ پڑھنا معصیت سے خارج نہ ہوگا، یہ کہئے کہ گناہ بہت بڑھ گیا، یہ مت کہیے کہ ؎ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا، یہ شاعری ہے، حقیقت نہیں ہے، کفر کتنا ہی بڑھ جائے، ایمان نہیں ہوگا، قرآن کا یہ ارشاد ہر وقت دھیان میں رہنا چاہیے۔ **قل لایستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرة الخبیث فاتقوا اللہ یا اولی الالباب لعلکم تفلحون** (سورہ مائدہ) تم کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت تمھیں خوش نما لگنے لگ جائے، پس اے عقل والو! اللہ سے ڈرو، تاکہ تم فلاح کو پہنچو۔

پھر اس پہلو سے بھی سوچیے کہ یہ تصویر سازی کوئی دینی ضرورت ہے؟ اس کا تو سوال ہی نہیں، جو چیز دین کے لیے تباہی کا باعث ہو، وہ دینی ضرورت کیونکر بن سکتی ہے؟ ہاں جبری واضطراری ضرورت ہو تو بکراہت گوارا کرنے کی گنجائش ہے، جیسے حکومتوں کے قوانین کی ستم رانیوں کی وجہ سے آدمی کو تصویر کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے۔

تو ان تصویروں کی دنیاوی کوئی ضرورت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر یہ تصویریں نہ بنائی گئیں، تو دنیا کی کون سی ضرورت اٹکی رہ جاتی ہے؟ بس خیال ہی خیال ہے، یہ درحقیقت نفس پرستی ہے، دل ودماغ کی عیاشی ہے، بیمار طبیعتوں کی لذت جوئی ہے، اخلاق وانسانیت کے لیے ناسور ہے، اس کا تعلق نہ دین کی ضرورت سے ہے اور نہ دنیا کی معتد بہ ضرورت سے، ہائے! انسان کس لیے آیا تھا اور کیا کرنے لگ گیا۔

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے   کس لیے آئے تھے ہم اور کیا کر چلے

میں حضرات علماء کرام کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس قسم کے اجتماعات اور مجالس میں شرکت سے احتیاط کریں، جن میں تصویر سازی ہوتی ہو، خواہ مجلس نکاح ہو، خواہ وہ سیمینار اور کانفرنس ہوں، دنیا کی شہرت عارضی ہے، اللہ کی ناراضگی اہم ہے، اللہ کو راضی کرنے کی فکر چاہئے اور رضائے الٰہی ہماری تاویلوں، مصلحتوں، استحسانوں میں نہیں ہے، اللہ ورسول کے ارشادات میں ہے، حلال بھی واضح ہے حرام بھی واضح ہے ان کے درمیان مشتبہات ہیں، دین کی حفاظت اس میں ہے کہ آدمی مشتبہات سے بھی اجتناب کرے، اور جو چیز حرام وناجائز ہیں، ان کی طرف تو رخ بھی نہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **الحلال بیّن والحرام بیّن وبینھما امور مشتبھة فمن ترک ماشبه علیه من الاثم کان لما استبان اترک، ومن اجترأ ما یشک فیه من الاثم اوشک ان یواقع ما استبان والمعاصی حمی اللہ، من یرتع حول الحمی یوشک ان یواقعه** (بخاری شریف کتاب البیوع)

حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، (جن میں حرام وحلال دونوں کے پہلو ہیں) تو جو کوئی مشتبہ چیز جس میں گناہ ہونے کا شبہ ہے، چھوڑ دیتا ہے، وہ واضح حرام کو تو ضرور ہی ترک کرے گا، اور جو کوئی اس کام پر جرأت کرے گا جس میں گناہ ہونے کا شک ہے، وہ قریب ہے کہ کھلے ہوئے حرام میں پڑ جائے، معاصی اللہ تعالی کی سرحدیں ہیں، جو سرحد کے آس پاس چکر لگائے گا اندیشہ ہے کہ اس میں پڑ جائے گا۔

تصویر سازی کا حرام ہونا بیّن ہے، اگر اس کا کوئی فرد مشتبہ بھی ہو، تب بھی اس سے بھاگنا چاہیے، ورنہ کھلے حرام میں پڑ کر رہے گا۔

مسئلہ صرف دنیا کا نہیں ہے، اصل مسئلہ آخرت کا ہے، اگر آخرت کی صلاح کے لیے دنیا کا کچھ نقصان بھی اٹھانا پڑے، تو گوارا ہے، چہ جائیکہ یہاں دنیا کا کوئی خاص قابل

ذکر نقصان بھی نہیں ہے، اور یہ رجحان تو بہت ہی پر خطر ہے کہ دنیاوی نا قابل اعتبار مصلحتوں کا سہارا لے کر ان باتوں کو جواز کی سند دی جائے، جنھیں اللہ کے رسول نے صراحت کے ساتھ حرام کہا ہے، اور اس کا حرام ہونا تواتر کے ساتھ ہمیں معلوم ہے۔

لیکن ہمارے دور میں یہ مصیبت بھی عام ہوتی جا رہی ہے کہ نام بدل بدل کر حرام کو بے تکلف حلال کہا جا رہا ہے، **فالی اللہ المشتکی وھو المستعان وھو حسبی ونعم الوکیل**

(بشکریہ مجلّہ المآثر مئو)

☆☆☆☆☆

نوٹ

کتاب کے فائنل پروف نکل چکے تھے، کہ المآثر کے ایک اہم اداریئے پر نظر پڑی، جو ایک ایسے شمارہ میں تھا جس میں اداریئے کے دو جز تھے، پہلا جز وفیات سے متعلق تھا جو "کھوئے ہوؤں کی جستجو۔۔۔" میں شائع ہو چکا ہے، جب اس دوسرے جز پر نظر پڑی تو اس کی شمولیت ضروری سمجھ میں آئی، اب اس کی جگہ پر دینے میں صفحات کی ترتیب گڑبڑ ہوتی، اس لئے اسے اخیر میں دیا جا رہا ہے، اسے ملاحظہ فرمائیں صفحہ: ۵۸۳ پر۔ بعنوان (منیٰ کا حادثہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ انوار العلوم جہانا گنج کا
پہلا اداریہ

ماہنامہ انوار العلوم جہانا گنج تقریباً ڈیڑھ سال نکلا، اس کے اکثر اداریئے مدارس اور تعلیم کے موضوع پر تھے، جو مؤلف کی کتاب ’’مدارس اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں‘‘ میں شائع ہو چکے ہیں۔ (مرتب)

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین. أمابعد!

تقریباً اٹھارہ سال پہلے کی بات ہے، میں الہ آباد میں تھا۔ میرے دوست مولانا عبدالرب صاحب اعظمی ناظم مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج بھی وہیں تھے۔ ایک روز مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مسجد میں فجر کی نماز کے بعد ہم لوگوں نے دیکھا کہ لوگ ایک طرف بڑھ رہے ہیں اور کسی صاحب سے مصافحہ اور معانقہ کر رہے ہیں، لوگوں کے بڑھنے، مصافحہ کرنے اور معانقہ کرنے میں بے انتہا خلوص وعقیدت اور ادب ونیاز مندی کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔ جن سے مصافحہ ہو رہا تھا وہ ایک مسکین صورت بزرگ تھے، خشوع وخضوع کا نور چہرے سے پھوٹا پڑ رہا تھا، وہ خود جھکے جا رہے تھے، معمر تھے، داڑھی سفید ہو چکی تھی، دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی (وفات: ۲۳؍ربیع الآخر ۱۴۱۸ھ (۲۸؍اگست ۱۹۹۷ء) ہیں۔ اس

وقت ان کی شہرت عام نہیں ہوئی تھی، ان کے بعض تلامذہ کے واسطے سے ان کا نام سن رکھا تھا، دل نے عقیدت کی حلاوت محسوس کی، ملاقات ہوئی، ہلکا سا تعارف ہوا، ایسا محسوس ہوا کہ وہ بھی پہلے سے کچھ واقف ہیں۔ مسجد سے باہر نکل کر کچھ دور آئے اور اور لوگوں کے ہجوم کے درمیان سے کچھ موقع ملا تو میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئے، اور بہت آہستہ آہستہ فرمانے لگے کہ اس دور میں اللہ کے دین کی خدمت کرنے کی بہت ضرورت ہے، اللہ نے جس کو جو صلاحیت دی ہو، دین کی خدمت میں اسے جھونک دے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے تقریر کی، تدریس کی، تحریر کی، اور دوسری بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے، آپ اپنی سب صلاحیتوں کو دین کی خدمت میں لگا دیجئے، اتنا فرما کر فوراً لوگوں کے مجمع میں پہونچ گئے، اور مجھے اتنا بھی موقع نہیں ملا کہ اپنی عدم صلاحیت اور بے لیاقتی کا اظہار کرسکوں۔

حضرت مولانا کی یہ بات دل میں گڑ گئی، صلاحیت ولیاقت تو نہ اس وقت تھی اور نہ اب ہے، لیکن ان کی بات سے حوصلہ پیدا ہوا کہ اگر کوئی کام ہوسکتا ہو، تو اس کا رُخ پھیر کر دین ہی کی طرف لگا دیا جائے، اسی میں اپنی سعادت، خوش بختی ہے۔ تدریس کا ٹوٹا پھوٹا سلسلہ تو جاری ہی تھا، وعظ وتقریر پر طبیعت بمشکل آمادہ ہوتی تھی، اس کے لئے خود کو تیار کیا، لیکن تحریر وتالیف کا تو کوئی تصور نہ تھا، نہ مزاج وطبیعت کو اس سے مناسبت تھی، اور نہ کبھی اس کی طرف التفات ہوا تھا، کبھی کبھار کسی ضرورت یا مجبوری کے تحت قلم سے کام لے لیا ہو تو اس کی حیثیت ایک استثنائی شے کی ہے، تاہم بزرگوں کی بات خالی نہیں جاتی ۱۴۱۲ھ میں محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہٗ کی یادگار میں مجلّہ ''المآثر'' کا آغاز ہوا، تو قلم کے سفر کا باقاعدہ آغاز ہوا، اب جلد جلد کچھ کچھ لکھنے کی نوبت آنے لگی۔ مجلّہ ''المآثر'' کا علمی وتحقیقی معیار ایسا ہے کہ وہ صرف خواص اور اہل حضرات کی دسترس میں آسکتا ہے، بہت سے دوستوں، عزیزوں اور کرم فرماؤں کی خواہش ہوئی، اور یہ خواہش دلوں سے زبانوں پر آئی، کہ کوئی رسالہ ایسا بھی نکلنا چاہئے جو عام فہم ہو، جس سے خاص وعام سب مستفید ہوسکیں، اس میں متنوع موضوعات ہوں۔ غیر معیاری نہ ہو، لیکن معیار بہت بلند نہ ہو۔

آج کل قلم کی بہتات ہے، ذہن وفکر، علم وعمل، دین ودیانت خواہ کچھ ہواور کیسی ہی ہو، قلم ہاتھ میں آجاتا ہےتو ہر شخص کواپنے ذہنی وساوس اور خیالات پریشاں کوپیش کرنے کا شوق ہوتا ہے، اس کی وجہ سے صحیح علم معدوم ہوتا جارہا ہے، اب قلم کے راستے سے جہل پھیل رہاہے، بہت سی کتابیں، بہت سے رسالے صحیح علوم کے حامل بھی شائع ہورہے ہیں، لیکن غلط باتوں کے طوفان میں بس وہ چند دیواریں ہیں جوان طوفانوں کا راستہ روکنے کے لئے کافی نہیں۔ضرورت ہے کہ اس طرح کی کتابیں اوراس طرح کے رسالے کثرت سے شائع کئے جائیں اورانھیں بہت سے ہاتھوں میں پہونچایا جائے، بہت سی نگاہوں سے گزارا جائے، شاید کسی دل میں بات اتر جائے۔باطل پوری قوت سےاورناز سے اتراتا ہوا چل رہا ہے، حق کی طاقت کے سامنے باطل کوٹھہرنے کی تاب نہیں ہے، لیکن اہل حق کی کمزوری اور ان کی قلت سے باطل کو بڑھنے کا حوصلہ مل رہاہے، اندھیرا گھٹاٹوپ ہےاور چراغ اس میں کم جل رہے ہیں۔اس لئے وہ بھی کجلا جاتے ہیں۔

مولانا عبدالرب صاحب اعظمی نے اس ضرورت کومحسوس کیا، اللہ تعالیٰ نے انھیں بلند ہمت عطافرمائی ہے، دورِظلمات میں آندھیوں کی زدمیں چراغ جلانا بڑے حوصلہ کی بات ہے، اوریہ حوصلہ مولانا کواللہ تعالیٰ نے بخشا ہے۔مولانا نے ہمت کی اوراپنے مدرسہ سے اسی کے نام پر ماہنامہ ''انوارالعلوم'' جاری کرنے کا فیصلہ کیا، اور مجھے مکلّف بنایا کہ میں ان کا تعاون کروں۔مولانا عبدالرب صاحب کا حکم میں نے قبول کیا، یہ کام میرے حوصلہ سے بڑھا ہوا ہے، تاہم جب ارادہ کرلیا گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ مدد فرمائیں گے۔

اس رسالہ کوملک کے مشہورو ممتاز صاحب علم وصاحب قلم حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری مدظلہ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے، ان کی نگرانی ورہنمائی کے تصور ہی سے حوصلوں میں توانائی آتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سائے کوہم پر باقی وقائم رکھے۔

رسالہ میں چندعنوانات مستقل ہوں گے، جن کے تحت مضامین شائع کئے جائیں

گے۔ان شاء اللہ

۱----- **ملحوظات:** (اداریہ) جس میں مختلف اور متنوع موضوعات پر ادارہ کی طرف سے اظہار خیال ہوگا۔

۲----- **انوار القرآن یا انوار السنة:** ان دونوں عنوانوں میں سے کسی ایک یا دونوں کے لئے ہر ماہ چند صفحات مخصوص ہوں گے، اہل حضرات سے درخواست ہے کہ ان دونوں موضوعات پر اپنے رشحات قلم ارسال فرمائیں۔

۳----- علمی و دینی واصلاحی مقالات۔

۴----- گاہے گاہے باز خواں........: اس موضوع کے تحت اکابر سلف کے اقوال وتحریرات کی تلخیص، ان کے واقعات وحکایات اور ان کے مضامین کے ترجمے پیش کئے جائیں گے۔

۵----- استفسار و جواب: اس عنوان کے تحت فتاویٰ، قارئین کے علمی و دینی سوالات کے جواب، اشکالات کے حل پیش کئے جائیں گے، ان سارے موضوعات میں اہل علم کو حصہ لینے کی دعوت ہے۔

۶----- جدید مطبوعات پر تبصرے۔

ان کے علاوہ حسب ضرورت دوسرے دینی موضوعات پر بھی مفید مضامین شائع کئے جائیں گے۔رمضان المبارک کے مقدس مہینے سے اس کا اجراء ہورہا ہے، اور اتفاق یہ ہے کہ ۱۹۹۶ء کا پہلا مہینہ جنوری ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اس رسالہ سے مفید دینی خدمت انجام پائے، ہمارے عزائم میں برکت ہو، رسالہ استقلال ودوام کے ساتھ نکلتا رہے، اور خالق کے حضور شرف قبول پائے۔آمین یارب العالمین

☆☆☆☆☆

ماہنامہ

﴿الاسلام وضیاء الاسلام﴾

کے

اداریئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حق تعالیٰ سے مایوس نہ ہوں!

شبلی کالج اعظم گڈھ میں ''وندے ماترم'' کے نام پر ہنگامہ ہوگیا۔ توڑ پھوڑ، مار پیٹ کا بازار گرم ہوگیا۔ حکام نے کرفیو نافذ کردیا، اعظم گڈھ اور مضافات میں ایسے واقعات رونما ہوتے رہے کہ کسی راہ چلتے مسافر کو مسلمان دیکھ کر لفنگوں نے حملہ کردیا، سامان چھین لیا۔ ہندوستان آزاد ہونے اور تقسیم کے بعد فرقہ وارانہ فسادات ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت بن گئے ہیں، اور یہ کوئی اتفاقی اور ناگہانی واقعات نہیں ہیں، بلکہ یہاں اکثریتی طبقہ کی ذہنی تربیت اسی انداز پر کی جارہی ہے، شرک وکفر سے کسی خیر کی توقع نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ادھر سے جو کچھ ہو، نہ باعث حیرت ہے اور نہ کوئی غیر متوقع بات!

اس ملک میں آہستہ آہستہ جن سنگھی اور بی۔ جے۔ پی کی ذہنیت عام ہوتی گئی، اور اب جبکہ مرکز میں بھی اور صوبوں میں بھی اس کی حکومت قائم ہوگئی ہے، تو ایک خاص رفتار کے ساتھ مرحلہ وار، اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے والی چیزیں لائی جارہی ہیں۔ ''وندے ماترم'' ایک شرکیہ ترانہ ہے، جس کا پڑھنا کسی مسلمان کو گوارا نہیں، ایک سیکولر حکومت میں کسی کے مذہب کو دوسروں پر لادنا صریح ظلم ہے، لیکن حکومت وسیاست شاید اب اسی کا نام ہے کہ مذہب واخلاق کی تمام قدریں پامال کردی جائیں۔ خیر یہ تو حکومت وسیاست کی بات ہے، یہ میری گفتگو کا موضوع نہیں، مجھے اس وقت جو کچھ عرض کرنا ہے، اپنے بھائیوں کے متعلق عرض کرنا ہے، جو اسلام کے نام لیوا ہیں، اللہ تعالیٰ کو رب مانتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، حضرت محمد ﷺ کو اپنا ہادی اور پیشوا مانتے ہیں، اسی کی پاداش میں دوسروں کی نگاہوں میں کانٹا بنے ہوئے ہیں، ان ہنگاموں اور فسادات اور

ناموافق حالات میں جب عام مسلمانوں کے احوال کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو کئی چیزیں ایسی سامنے آتی ہیں جو ایک مسلمان کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہوتیں۔ اس سلسلے میں ایک بات عرض کرنی ہے۔

جب کہیں فساد ہوتا ہے یا کوئی مصیبت آتی ہے، تو عام طور پر مسلمانوں میں ایک طرح کی مایوسی اور بزدلی کا احساس پایا جانے لگتا ہے۔ اخبار اور ریڈیو افواہیں پھیلاتے ہیں، عوام کی زبانیں اس میں اضافہ کرتی ہیں، اور پھر ایسی بھیانک صورت حال لوگوں کے پیش نظر ہوجاتی ہے کہ خود بخود ہراس بڑھ جاتا ہے، مایوسی کا سایا گھنا ہوجاتا ہے اور مسلمان بے بس محسوس ہونے لگتا ہے، جیسے اس کا سہارا کوئی نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے عموماً بزدلی بڑھ جاتی ہے، کہیں آنے جانے میں اس طرح خوف محسوس ہونے لگتا ہے جیسے موت تعاقب میں ہے، اِکا دُکا ایسے واقعات بھی سننے میں آجاتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ہجوم میں یا محض کسی وہم میں مبتلا ہوکر مسلمان اپنے کو غیر مسلم ظاہر کرنے لگتا ہے۔ شکل وصورت تو مسلمانوں کی بکثرت ہندؤں جیسی دکھائی دیتی ہی ہے، بعض کمزور افراد ہاتھ میں دھاگا باندھ کر خود کو چھپاتے ہیں۔ کوئی نام بدل دیتا ہے، اس طرح کی مثالیں بکثرت تو نہیں، لیکن سننے میں آتی ہی رہتی ہیں۔

یہ سخت بزدلی اور نامردی ہے، مسلمانوں کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اس کے والی و وَلی اللہ تعالیٰ ہیں، مسلمان اگر اپنے دل میں اللہ کا ڈر رکھے، ان کے نبی کی پیروی دل سے کرے تو اس کا کوئی طاقت کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ ہر آن اسے اس کا دھیان رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہیں، تمام طاقت کا سر چشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کی معیّت کے بعد کسی بھی مخلوق کا کچھ ڈر نہیں، مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے سامنے غزوہ احد میں مسلمانوں کو ایک شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، کیفیت مایوسی ہی کی تھی، کفار کا سالارِ لشکر نعرہ پر نعرہ لگا رہا تھا کہ **لنا العُزیٰ و لا عُزیٰ لکم** (ہمارے لئے عزیٰ ہے اور تمہارے لئے عزیٰ نہیں) عزیٰ کفار کا ایک بت تھا، شاید عزت وغلبہ کا بت رہا ہو، اس کے جواب میں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ کہو: اللّٰہ مولانا ولا مولیٰ لکم (اللہ ہمارا والی وکارساز ہے اور تمہارا کوئی والی وکارساز نہیں)

اللہ تعالیٰ مشکل سے مشکل حالات میں مدد فرماتے ہیں، مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں وعدہ نہیں کیا ہے کہ تم پر کوئی مشکل نہیں پڑے گی، مگر صبر وتقویٰ کے بعد نصرت وفتح کا وعدہ ہے۔ اور یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ اللہ ورسول کے نام پر کسی کو دکھ پہونچایا جائے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے نہ جانے کتنے عروج سے سرفراز فرمائیں گے۔ اس لئے خوف وہراس کو برطرف کر کے مردانہ وار صبر واستقلال سے، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کر کے دل کو مضبوط رکھنا چاہئے، کسی بے گناہ پر ظلم نہ کرے، افواہیں نہ پھیلائے، بے صبری کا کوئی کام نہ کرے، آپس کے انتشار وافتراق کو ختم کرے۔ پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کس طرح بڑھ بڑھ کر آتی ہے، ایسا تو نہ بن جائے جیسے اس کا خدا کوئی ہے ہی نہیں۔ مرحوم آغا حشر کاشمیری نے کہا تھا

حق پرستوں کی اگر کی تو نے دل جوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

لیکن اب تو مصیبت کے حالات میں مسلمان اپنے آپ کو خود ایسا سمجھنے لگتا ہے، جیسے اس کا خدا کوئی نہیں، یہ صرف مایوسی نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ بدگمانی بھی ہے، جو سخت بے ادبی ہے اور خدا کی جناب میں انجام کے لحاظ سے گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائیں، ہمارے دلوں کو مضبوط بنائیں، اور اپنے اوپر سچا اعتماد وتوکل نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

(ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ، فروری ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصائب کا اصل سرچشمہ؟

نادر شاہ نے دلی میں قتل عام کا حکم دیدیا تھا، ہر گلی کوچے میں انسانی لاشیں بکھری پڑی تھیں، کسی کو پناہ نہ ملتی تھی، ہر ایک گردن پر خونخوار تلوار کھنچی ہوئی تھی، سب سراسیمہ تھے، سب حیران تھے کہ یہ کیا ہوا؟ اس سوال کا جواب ملنے سے پہلے گردن پر تلوار چل چکی ہوتی۔ جب نادر شاہ کی خون آشام تلوار آسودہ ہوچکی تو اس نے یہ سلسلہ بند کرایا، اب بچے کھچے لوگوں کے حواس بجا ہونے شروع ہوئے، تو کسی نے کسی بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت! یہ سب کیا ہوا؟ انھوں نے ایک جملے میں جواب دیا، وہ جملہ تاریخی جملہ بن گیا، واقعیت اور صداقت پر مبنی! اپنے اندر درس وموعظت کی ایک دنیا لئے ہوئے، انھوں نے کہا:

شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت

نہ نادر کچھ ہے نہ نادر کا حکم کوئی چیز ہے، نادر کیا ہے؟ جیسے سب انسان ہیں قوانینِ قدرت میں جکڑا ہوا وہ بھی ایک انسان ہے، لیکن ہماری بداعمالیاں ہیں جنھوں نے پروردگار عالم کو ناراض کیا، وہی بداعمالیاں نادر کی صورت میں مجسم ہوکر ہم پر قہر وعذاب کا کوڑا بن کر برس گئی ہیں۔

انسان آفات ومصائب کا سرچشمہ اپنی ذات سے، اپنے احوال واعمال سے باہر تلاش کرتا ہے اور اسے اپنی ذات سے باہر مصائب کا چشمہ ابلتا ہوا دکھائی دے جاتا ہے، وہ اسی خارجی سرچشمہ پر، اس کے روکنے پر، اس کے پاٹنے پر اپنی کوشش صرف کرنے لگتا ہے، لیکن ایک سوراخ بند کرتا ہے تو دوسرے سوراخ سے دھواں نکلنے لگتا ہے، ایک طرف دباتا ہے تو دوسری طرف ابھار پیدا ہوتا ہے۔

یہ ایک طرفہ محنت کامیاب نہیں ہوتی تو وہ مایوس ہونے لگتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے

کہ اس نے جہاں اپنی ذات ومعاشرہ سے باہر آفات ومشکلات کو ڈھونڈھا ہے اس سے زیادہ خود اپنے اندر تلاش کرنا چاہئے، باہر کی دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے وہ بہت کچھ اندر کی دنیا کا ایک پرتو اور ظہور ہے۔ ایک شخص جسمانی طور پر تندرست ہو، توانا ہو، بدن میں پہلوانوں جیسی طاقت بھری ہو، چہرہ بارعب ہو، بازو بھرے بھرے ہوں، تو دیکھنے والا خود مرعوب ہوجاتا ہے، اگر اس کی نیت حملہ کرنے کی ہوگی تو وہ سو مرتبہ سوچے گا، کہیں یہ مجھے دبا نہ لے، میں اس کے مقابلہ میں ٹھہرسکوں گا؟ وغیرہ۔ لیکن اگر کوئی شخص دبلا پتلا مریل ہو، کھانا اس سے کھایا نہ جاتا ہو، چلنے میں پاؤں لڑکھڑاتے ہوں، ہڈیاں نمایاں ہوں، تو ہر کس وناکس بے خطر اس پر حملہ کرسکتا ہے، کسی پر اس کا رعب قائم نہیں ہوگا۔

اسی طرح آج اس ملک میں عموماً اور مسلمانوں کے حق میں خصوصاً جو گورنمنٹ کا کردار اور طرزِ عمل ظاہر ہورہا ہے، مسلمانوں پر دینی، اقتصادی اور تعلیمی ہر اعتبار سے حلقہ کیا جارہا ہے، ہم یہ کہہ کر مطمئن ہوجاتے ہیں، دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں کہ یہ گورنمنٹ بہت بری ہے، اس کے عزائم خطرناک ہیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ ملک کی اور صوبہ یوپی کی موجودہ حکومت نہایت منحوس اور بے برکت ہے، اس حکومت کے آنے کے بعد سے ملک کو مسلسل زمینی وآسمانی آفات ومصائب کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ کبھی قحط ہے، کبھی سیلاب ہے، کبھی زلزلہ ہے، کہیں آگ لگتی ہے، تو کہیں طوفان آتا ہے، پھر اخبارات میں، جلسوں میں، تقریروں میں، کانفرنسوں میں حکومت کے خلاف بہت لکھا جاتا ہے، بہت کچھ اسے برا بھلا کہا جاتا ہے، تجویزیں پاس ہوتی ہیں، نعرے لگتے ہیں، اہل حکومت کو عرضداشتیں پیش کی جاتی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اکثر تو ایسا ہی دیکھنے میں آیا کہ مسئلہ حل ہونے کے بجائے کچھ اور سنگین بن گیا۔

یہاں ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ جو لوگ مصائب وآفات کا شکار ہورہے ہیں وہ اپنی اندرونی طاقت کا بھی جائزہ لیں، کہیں خود ان کی اپنی کمزوریاں تو نہیں ہیں جن کی وجہ سے شکاریوں کو حوصلہ ملا ہے کہ جیسے چاہیں مار لیں، کہیں ایسا تو نہیں، حکومت کے جس ظلم

و بے انصافی کے خلاف لوگ نعرے لگا رہے ہیں اسی طرح کے ظلم اور بے انصافیوں کا جنون خود ان کے اندر بھی پھیلا ہوا ہو، وہ ہمارے دین و مذہب پر باہر سے حملہ انداز ہوں، لیکن ہم خود اپنے اپنے طور پر دین و مذہب کے احکام سے منحرف ہوتے جا رہے ہوں، حکومت ہمارے مدارس اور مساجد کو نشانہ بنا رہی ہے، لیکن دیکھیں تو سہی خود اہل مساجد اور اہل مدارس کا، مساجد کے ساتھ، نمازوں کے ساتھ، مساجد کے انتظام کے ساتھ، مدارس کے ساتھ، تعلیم کے ساتھ، طلبہ کے ساتھ، اساتذہ کے ساتھ، باہم کیسا معاملہ ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں یہیں کمزوری ہو، یہیں بیماری ہو، یہیں پر کوئی مہلک مرض ہو، جس کا سہارا پا کر باہری دشمن حملہ کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

آیئے اس سوال کو ہم اپنے ہادی و رہبر، پیشوائے اعظم، سیّد الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جناب میں پیش کریں اور جو جواب وہاں سے ملے وہ ہمارے حرزِ جان ہونا چاہیئے۔ دیکھئے رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں:

إن الله تعالىٰ يقول: أنا الله لا إله إلا أنا مالك الملوك وملك الملوك، قلوب الملوك في يدي وإن العباد إذا أطاعوني حوّلت قلوب ملوكهم عليهم بالرحمة والرافة، وإن العباد إذا عصوني حوّلت قلوبهم بالسخطة والنقمة، فأعذبهم سوء العذاب، فلاتشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك ولكن اشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع كي أكفيكم ملوككم (رواه ابونعيم في الحلية) [مشکوٰۃ شریف: کتاب الامارۃ والقضاء]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں، تو ان کے بادشاہوں کے قلوب کو رحمت و مہربانی کے جذبے کے ساتھ ان پر متوجہ کرتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو غصہ اور انتقام کے جذبے کے ساتھ ان کے اوپر بدل دیتا ہوں، تو وہ انھیں سخت عذاب کا مزا چکھاتے ہیں، تو اے لوگو! اپنے آپ کو بادشاہوں کے کے برا بھلا کہنے اور ان پر

بددعا کرنے میں مشغول مت کرو، بلکہ ذکر اور دعا کے اندر اور گریہ وزاری میں خود کو مشغول کرو، تاکہ تمہارے بادشاہوں کے مقابلے میں مَیں تمہاری حمایت وکفایت کروں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ظلم وجبر کے مقابلے میں ظاہری تدابیر سے جو حد جواز میں ہوں، منع نہیں کرتا۔ دنیا میں اسباب کا سلسلہ مقاصد ونتائج کے ساتھ جڑا ہوا ہے، لیکن یہ اسباب دوہرے ہیں، انسان کو خارجی اسباب کے مقابلے میں داخلی اسباب پر توجہ زیادہ کرنی چاہیئے، ہم حکومت کی غلط پالیسیوں کے خلاف دم خم دکھائیں، مظاہرہ کریں، تجویزیں پاس کریں، اپنی یکجہتی اور اتحاد کا منظر پیش کریں، سب بجا، لیکن اس سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ زیادہ اہتمام اس بات کا کریں کہ جس کمزوری کو پاکر حکومت ہمارے دین وملت پر حملہ آور ہے، اس کمزوری کو ہم دفع کریں، شریعت کو اور احکام اسلام کو پہلے ہم اپنی ذات پر، اپنے خاندان پر، اپنے معاشرہ پر نافذ کریں، چاہے وہ ہمارے نفس، ہمارے اغراض اور ہمارے ظاہری مفاد کے کتنا ہی خلاف ہو۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں، اور اللہ کی رضا سب جانتے ہیں کہ نفس اور خواہش نفس کی پیروی کرنے میں نہیں ہے، وہ اس خدائی ہدایت کی پیروی کرنے میں ہے جس کو دے کر آخری ہادی (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

یہ دوطرفہ کوشش ومحنت ہی ہم کو کامیاب کرے گی، یک طرفہ محنت، جس میں اپنے نفس کو اور اپنے اغراض ومقاصد کو ہاتھ نہ لگانا پڑے، وہ کچھ زیادہ مفید نہیں ہے، اس صورت میں فساد کا ایک سوراخ بند ہوگا، تو دوسرے دس سوراخ کھلیں گے، کیونکہ سوراخ پیدا کرنے والا مادہ خود ہمارے اندر موجود ہے۔

یہ معاملہ ہر مسلمان کی ذمہ کا معاملہ ہے، اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں، اور انتشار نہ پیدا کریں، تب اللہ کی رحمت وعنایت متوجہ ہوگی۔

فعل اللہ ذٰلک وما ھو علیہ بعزیز

(ربیع الاول ۱۴۲۱ھ / جون ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا سلیقہ

امر بالمعروف (اچھی بات کی تلقین) اور نہی عن المنکر (بری بات سے ممانعت) ایک شرعی فریضہ ہے، اور ایسا فریضہ ہے کہ اسی سے دین و دیانت کی زندگی ہے، اگر اسے ترک کر دیا جائے تو شیطان پوری انسانیت پر ہلّہ بول دے گا، اور سب کو گمراہی کی دلدل میں پھنسا دے گا۔ اس کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے، لیکن موجودہ دور میں جبکہ دنیا کو قبلۂ مقصود بنالیا گیا ہے، دنیا ہی کے نفع ونقصان کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے اور اسی محور پر انسان کی زندگی گردش کررہی ہے، اس کے نتیجہ میں آخرت فراموش ہوگئی ہے، دینی احکام کی عظمت دل سے نکل گئی ہے، کافر تو کافر ہے، اپنے دل میں ایمان رکھنے والا بھی بڑی حد تک گناہوں پر بے باک اور جری ہوگیا ہے، اسی حالت میں اس کی جتنی ضرورت واہمیت ہے واضح ہے۔ قدم قدم پر متنبہ کرنے اور ٹوکنے کی ضرورت ہے، برائیوں کو اگر سلیقہ سے ٹوکا جائے تو وہ سمٹتی ہے اور اگر اسے ٹوکنا چھوڑ دیا جائے تو پھیلتی چلی جاتی ہے، ہر شخص اپنے دائرۂ اثر میں اس کا ذمہ دار ہے کہ بھلائیوں کو پھیلانے کی کوشش کرے اور برائیوں پر ٹوکے، مگر اس کے لئے خاص طریقہ ہے، خاص سلیقہ ہے، اور خاص شرطیں ہیں۔ شرطیں تو یہ ہیں کہ آدمی کو اچھے برے کا علم ہو، علم کے بغیر اس میدان میں قدم رکھنا خود ایک برائی ہے جس سے منع کرنا واجب ہے، اس لئے ضروری ہے کہ معروف اور منکر کا علم حاصل کرے، پھر جس درجہ کا معروف یا منکر ہو اسی درجہ کے مطابق اس کا حکم کرے یا اس سے منع کرے، نیز جس شخص کو وہ ٹوک رہا ہے اس کے درجے اور مرتبے کا علم بھی اور اس کا لحاظ بھی ضروری ہے، باپ کو فہمائش کرنے کا انداز اور ہوگا اور بیٹے کو ٹوکنے کا انداز اور ہوگا، اسی طرح ہر شخص اور ہر ماحول میں

فرق مراتب کا لحاظ شرط ہے۔سلیقہ یہ ہے کہ تنبیہ اور فہمائش کا انداز ہمدردی اور خیر خواہی کا ہو، خوامخواہ ذلیل کرنے اور زچ کرنے کا انداز نہ ہو، نہ کسی کے پیچھے پڑا جائے۔آدمی کا کام دلسوزی اور ہمدردی کے ساتھ نصیحت کرنا ہے، چاہے جتنی مرتبہ کرنی پڑے، اس نصیحت پر عمل کرادینا، اس کا اثر دل میں ڈالنا اللہ کا کام ہے۔

طریقہ یہ ہے کہ جس بات کا حکم دیتا ہے یا جس بات سے منع کرتا ہے، اس کا عمل اور اس کا حال اس کے قول کی تردید نہ کرتا ہو، آدمی جس چیز پر خود عمل کرتا ہے اس کا حکم کسی کو دے گا تو اس سے نصیحت کے قبول ہونے کی توقع زیادہ ہے اور خود اس کی ذلت نہ ہوگی۔اسی طرح جس بات سے منع کرتا ہے اس میں اس کا دامن آلودہ نہیں ہونا چاہئے ورنہ ملامت اور رسوائی کا نشانہ بن کر رہے گا۔آپ جس کو کسی اچھی بات کی تلقین کریں گے یا کسی برائی پر ٹوکیں گے تو اس کی نگاہِ احتساب آپ پر اٹھے گی.....اور یہ فطری بات ہے.....اگر وہ دیکھے گا کہ آپ کی زندگی اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے جس کی آپ تلقین کر رہے ہیں تو وہ مطمئن ہوجائے گا، پھر اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی لانے کا قصد کرے گا، اور اگر اس نے دیکھا کہ آپ تلقین تو ضرور کر رہے ہیں مگر آپ کا معیارِ عمل اس کے مطابق نہیں ہے تو وہ لاپروائی سے ٹال دے گا کہ پہلے آپ اپنے کو دیکھئے، یہ طریقہ کہ قول وعمل میں تضاد ہو خود ایک منکر (برائی) ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے ٹوکا ہے، فرماتے ہیں کہ: اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یہ خطاب علمائے یہود سے ہے۔فرماتے ہیں کہ تم اوروں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہو، حالانکہ تم کتاب اللہ کو پڑھتے ہو، کیا اتنا نہیں سمجھتے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے اور پوری خیر خواہی سے کرتا ہے، لیکن بیٹا دیکھتا ہے کہ باپ کا اس پر عمل نہیں ہے، تو وہ ذرا سا بھی متاثر نہیں ہوتا۔علماء عوام کو فہمائش کرتے ہیں، وعظوں میں بھی، تحریروں میں بھی، عام گفتگوؤں میں بھی، مگر جب کرنے کا موقع آتا ہے تو بسا اوقات بہت سے علم دین رکھنے والے اور اصطلاحاً عالم کہلانے

والے عملی اعتبار سے اسی سطح پر ہوتے ہیں جس پر ایک عام آدمی ہوتا ہے، بلکہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ اس سے بھی نیچے اتر جاتے ہیں، تو ایسے لوگ عوام الناس کی زبانوں کے کھلونا بن جاتے ہیں اور اس کا اثر جب عام ہوتا ہے تو پھر کسی کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے۔ خواص کو اور علماء و مشائخ کو اپنے طریقۂ زندگی کا اور اپنے کلام کا احتساب کرنا چاہئے اور عوام کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے لئے اللہ کا حکم جان کر دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ واللہ الموفق وھو المعین

(جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ / اگست ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان کا پیغام

روز و شب کی گردش اپنی ہمیشہ کی رفتار کے مطابق چلتے ہوئے پھر رمضان المبارک کے مقدس مہینہ تک آپہونچی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو اور اس مہینہ کے دن اور اس کی راتوں کو دوسرے دنوں اور راتوں سے ایک خاص امتیاز بخشا ہے۔ یہ نیکیوں کی سوداگری کا مہینہ ہے، اس ماہ میں ہر نیکی اور طاعت کا بھاؤ بڑھا دیا جاتا ہے، اور بڑھانے والا وہ ہے جس کے یہاں لامحدود خزانہ ہے، جس کے یہاں لیت ولعل نہیں ہے، جس کے یہاں بخل وامساک نہیں ہے، جس سے عہد شکنی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، جس کے یہاں سود وزیاں کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اس کے دربار سے جو وعدہ صادر ہوتا ہے وہ بڑھ چڑھ کر پورا ہوتا ہے، عالم قدس میں اس مہینہ کا خاص اہتمام ہے، اہل ایمان کی دائمی قیام گاہ ''جنت'' کو اس ماہ میں نیا رنگ وروغن بخشا جاتا ہے، یہ مہینہ ایمان وعمل کی باد بہاری کا مہینہ ہے، اس مہینہ میں صرف آنے والوں کا ہی اعزاز واکرام نہیں کیا جاتا، بلکہ منہ موڑنے والوں کو بھی پکار پکار کر بلایا جاتا ہے، کہ برائی کی طرف دوڑنے والے ٹھہرو، ذرا دیکھو تمہارے لئے کیا کیا انتظام ہے؟

اللہ اللہ! کیا شانِ کریمی ہے کہ جو آقا ہے، خالق ومالک ہے، قادر مطلق ہے، سب کچھ اختیار رکھتا ہے، سب سے بے نیاز ہے، وہ اپنے بندوں کو، غلاموں کو، بندیوں کو، باندیوں کو پکارتا ہے، بلاتا ہے، ان کو بلاتا ہے جو بے بس اور محتاج ہیں، لیکن مالک کی شانِ رحیمی نے ایک محدود اور مختصر سا اختیار بخش دیا ہے، تو اسی کے بل پر لگتے ہیں سرکشی کرنے، انھیں بھاگنے والے غلاموں کو اپنے لطف وکرم سے بلاتا ہے کہ آؤ میں تمہیں معاف کرنے کے لئے تیار ہوں۔

قربان ہونے اور مر مٹنے کا مقام ہے! کہاں ہیں بوجھ سے دبے ہوئے بندے؟ کہاں ہیں آفت کے مارے ہوئے غلام؟ کہاں ہیں روزی سے پریشان بھوکے؟ کہاں ہیں رحم وکرم کی آس لگائے ہوئے مساکین؟ کہاں ہیں زمانے کے ٹھکرائے ہوئے فقراء؟ آئیں ،آگے بڑھیں ،قریب ہوجائیں، ہاتھ بڑھائیں، دامن پھیلائیں، مانگتے جائیں اور پاتے جائیں، بخشش عام ہے، رحمت تمام ہے، محروم وہی ہے جو اس دریائے فیض کو بھی پاکر محروم رہے، بدقسمت وہی ہے جو رب عالی کی پکار پر بھی سوتا رہے اور اس کی آنکھ نہ کھلے۔

اے دنیاوی آفات میں مبتلا انسانو! تم اپنے مصائب کا علاج اور مشکلات کا حل کہاں ڈھونڈ رہے ہو؟ تمہارے معاملات کا سرا یہاں اس عالم میں نہیں ہے، ان کا سرا عالم غیب میں ہے، عالم غیب ہی کے اشارے پر یہاں سب کچھ ظاہر ہوتا ہے، یہاں کی تدبیریں کچھ نہیں ہیں اگر وہاں کا اشارہ صادر نہ ہو! اپنی جدوجہد کا رخ ادھر ہی پھیر دینے کی ضرورت ہے، عالم غیب تک رسائی اعمال غیب ہی سے ہوتی ہے، خواہ وہ ذکر وعبادت ہو یا حسن سلوک اور اخلاق حسنہ ہوں، یا دعاء ومناجات ہو۔ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (اسی کی جناب میں کلمۂ طیبہ پہونچتا ہے اور عمل صالح اس کو اوپر اٹھاتا ہے)

کلمۂ خبیثہ (کفر) اور اعمالِ بد تو پستی میں پھینک دئے جاتے ہیں، ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں جاتے ہیں۔ إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ، بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے، تاوقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے۔

تو ایمان والو! اصول یہی ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کلمہ طیبہ اور اعمال صالحہ عالم غیب کے حدود مملکت میں داخلہ پاتے ہیں، ہر الجھاؤ کے سلجھاؤ اور ہر مصیبت سے راحت اور ہر کلفت سے نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ آدمی کے قلب سے، زبان سے، ہاتھ پاؤں

سے، آنکھ کان سے اور جسم وجان سے اچھے اعمال کا صدور ہو۔ یہی اعمال آغوشِ رحمت میں پہونچ کر اس دنیا کے حالات کو درست کرائیں گے، اور اس کے لئے رمضان کا مبارک مہینہ بہت ہی سازگار ہے۔

روزہ کا اہتمام کریں، روزے کو مکروہات سے بچانے کا اہتمام کریں، یہ عبادت دن کی ہمہ وقت عبادت ہے، اس کو فضولیات اور گناہ کے کاموں میں مبتلا ہو کر برباد اور بے روح نہ بنائیں، دنیاوی کاموں کو گھٹا کر عبادت کے کاموں کو بڑھا دیں، قرآن کریم کی تلاوت، ذکر اللہ کی کثرت، مساجد میں حاضری اور تراویح کی پابندی کا اہتمام کریں۔ ہوسکتا ہے کہ یہی محنت سال بھر کی برکتوں کو سمیٹ کر آپ کے دامن میں ڈال دے، اور پھر پورے سال اس سے آپ مستفید ہوتے رہیں، یہ تجربہ ہے کہ اعمال خیر کے اعتبار سے جس کا رمضان بخیر وعافیت گزر گیا وہ پورے سال اس خیر وعافیت کا فائدہ پاتا رہتا ہے۔

(شعبان، رمضان ۱۴۲۱ھ/نومبر، دسمبر ۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان شریف اور قرآن شریف کی مناسبت

شب وروز سب اللہ کے ہیں، ماہ وسال سب اللہ کے ہیں، اوقات ولمحات سب اللہ کے ہیں، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ یہ سب اوقات برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے جس طرح فرشتوں میں، آدمیوں میں، زمینوں میں، آسمانوں میں انتخابات فرمائے ہیں، اسی طرح اللہ نے زمانوں میں بھی انتخاب فرمایا ہے۔ قدوسیوں کی سب سے عظیم القدر جماعت انبیاء علیہم السلام میں بھی حق تعالیٰ نے انتخاب کا عمل جاری فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَآتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَأَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (سورۃ البقرۃ:۲۵۳) یہ وہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض کے اوپر فوقیت بخشی ہے، بعض ان میں وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے، اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں سے سرفراز فرمایا، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل عطا کئے، اور ہم نے ان کی مدد روح القدس سے کی۔

ٹھیک اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی کتابیں نازل فرمائیں، ان میں سے چار کو دین وشریعت کے اجراء وقیام کے لئے منتخب فرمایا، پھر ان چار میں سے تین کو منسوخ فرما کر ایک آخری جامع کلام اپنے آخری پیغمبر خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر قیامت تک کے لئے اس کو زندہ جاوید، صحیح اور بلا ریب دستور العمل بنا دیا۔

قرآن مجید کلام اللہ ہے، کلام الٰہی کا تعلق ذاتِ الٰہی کے ساتھ صفت کا ہے، صفات ذات کا آئینہ ہوتی ہیں، وہ ذات سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہوتیں، صفات کے آئینے میں ذات کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، وللهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى، اللہ کے بہتر سے بہتر نام ہیں، یہ اسماء

صفاتِ الٰہی کے ترجمان ہیں، تو کلام الٰہی، اللہ تعالیٰ کے ذاتی اسماء وصفات میں ہے، جوحق تعالیٰ کے تمام ذاتی اور صفاتی کمالات کا جامع ہے، اور ظاہر ہے کہ کمالات خداوندی کی کوئی حد وانتہاء نہیں ہے، تو جو چیز ان کمالات کا آئینۂ جامع ہے، اس کے بھی کمال و جمال کی کوئی انتہاء نہ ہوگی، پس کلام الٰہی اس کائنات کی عظیم جلوہ گاہ ہے، جس کے واسطے سے حق تعالیٰ کی ذات عالی اور صفات جلالی و جمالی کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔

پھر جب اس آئینۂ جمال وجلال کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر نازل کرنے اور بندوں کو اس سے مشرف فرمانے کا ارادہ کیا، تو حق تعالیٰ نے تین انتخابات فرمائے، کس پر اتارا جائے ؟ کون اسے لیکر جائے ؟ اور اس کے لئے مناسب وقت کیا ہوگا؟ کس پر اتارا جائے ؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس ذات کا انتخاب کیا، جس کو انھوں نے خود سارے عالم کے لئے رحمت بنایا۔ بہترین قلب وطبیعت سے نوازا، خصوصی تہذیب وتربیت سے آراستہ کیا، ہر آلائش طبعی وبشری سے پاک رکھنے کا اہتمام فرمایا۔ پھر وہ شخصیت ایسی نکھر کر سامنے آئی کہ دنیا بول پڑی: ھٰذاھو الصادق الامین ، صدق وامانت انسانیت کا وہ عظیم ترین شرف ہے، جس سے بڑھ کر کوئی شرف عام انسانوں کو نہیں حاصل ہوسکتا۔ مکہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا انسان، خانۂ کعبہ کی دیواروں پر نگاہیں ڈالتا انسان، حراء پہاڑی کی کھوہ میں غور وفکر کرتا ہوا بے چین انسان، اس وقت بھی تمام عیوب اخلاقی وانسانی سے پاک تھا۔ جب ابھی اس کا منتخب ہونا خلائق پر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ چالیس سال تک یہ انسان بہترین تعلیم وتربیت سے گزرتا ہوا پختہ ہوتا رہا۔ اب اس پر رب عظیم کا کلام عظیم اترنا تھا۔ اسے کون لائے ؟ تو اللہ تعالیٰ نے پاک اور مقدس برگزیدہ جماعت، جس کے بارے میں وہ خود گواہی دے رہے ہیں کہ: لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۔ اللہ کے حکم سے ذرا بھی نافرمانی نہیں کرتے ، اور جو حکم پاتے ہیں ٹھیک وہی کرتے ہیں ۔ اس مقدس ترین جماعت میں وہ منتخب ہوا جو صاحب امانت بھی تھا، سب سے عظیم طاقت کا مالک بھی ، خداوند تعالیٰ کے قریب تر تھا، عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّۃٍ (سورۃ النجم: ۶/۵) اس وحی الٰہی کی تعلیم

ایک فرشتہ کرتا ہے، جو بڑا طاقتور ہے، خلقتہً طاقتور ہے۔ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ، مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ (سورة التكوير: ۱۹تا۲۱) یہ قرآن کلام (الٰہی) ہے، ایک معزز فرستادہ کا لایا ہوا ہے، جو قوت والا ہے، مالک عرش کے نزدیک رتبہ والا ہے، وہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے، وہ صاحب امانت ہے۔ یہ معزز فرشتہ روح امین ہے، جبرئیل امین ہے۔

کس پر اترے؟ وہ منتخب ہوا، کون اتارے؟ وہ منتخب ہوا۔ اب ماہ وسال کے وہ کون سے اوقات ہیں جن کو اس کلام عظیم سے مناسبت ہے، تاکہ اس کا انتخاب ہو، اللہ ہی پیدا کرتے ہیں، وہی انتخاب فرماتے ہیں، يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ، اللہ نے سال کے بارہ مہینوں پر نظر ڈالی، اور شعبان کے مہینے کو اپنے بندوں سے خاص مناسبت بخشی، بندوں کے سب سے بڑے راز داں ﷺ نے اس راز کو پایا، اور شعبان کو خصوصی عبادات ومعاملات کے لئے مختص فرمایا، چنانچہ بکثرت احادیث میں آیا ہے کہ آپ اس ماہ میں کثرت سے روزہ رکھتے، فرمایا: یہ رجب اور رمضان کے درمیان ایک ایسا مہینہ ہے، جس سے لوگ غافل ہیں، حالانکہ اس ماہ میں رب العالمین کے حضور بندوں کے اعمال پہونچائے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل جب وہاں لیجایا جائے، تو میں روزہ کی حالت میں ہوں (نسائی) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت کو شعبان کا روزہ بہت محبوب تھا (احمد وطبرانی) حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے؟ فرمایا شعبان، رمضان کے اظہارِ عظمت کے لئے۔ اس مضمون کی روایتیں بکثرت ہیں، علامہ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری نے اپنی جامع ترین کتاب " الترغیب والترھیب " کے کتاب الصوم میں ان میں سے اکثر کو جمع کردیا ہے، ہم نے اس مضمون میں یہ حدیثیں انھیں سے اخذ کی ہیں۔

ماہِ شعبان کی فضیلت کو بندوں سے مناسبت تھی، اس لئے سیّد العباد ﷺ نے اس کا اہتمام کیا، اس کے بعد جو مہینہ آیا اسے خود رب العباد جل جلالہ نے اپنے لئے انتخاب فرمایا۔

رمضان شریف کے بارے میں امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں مشہور تابعی حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ رمضان اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک نام ہے، تو شھر رمضان کا معنیٰ ''اللہ کا مہینہ'' ہے، انھوں نے ایک روایت نقل کی ہے: روی عن النبی ﷺ أنه قال: لاتقولوا جاء رمضان وذهب رمضان ولكن قولوا جاء شهر رمضان وذهب شهر رمضان فإن رمضان اسم من أسماء الله تعالیٰ (ج:۳،ص:۹۰) آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مت کہو کہ رمضان آیا، رمضان گیا، بلکہ یہ کہو رمضان کا مہینہ آیا، رمضان کا مہینہ گیا، کیونکہ رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ شعبان کے آغاز سے زمانہ کی برکتوں نے ترقی کی اور اس کا نقطۂ عروج ماہ رمضان ہوا، سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکاتیب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''ماہ مبارک رمضان جامع جمیع خیرات وبرکاتست، وہر خیر وبرکت مفاض از حضرت ذات ست تعالیٰ وتقدس ونتیجۂ شیونات اوسبحانہ، وہر شر ونقص کہ بوجود می آید منشا آن ذات وصفات محدثہ است، ما أصابك من حسنةٍ فمن الله وأصابك من سيئةٍ فمن نفسك، خود نص قاطع است، پس جمیع خیرات وبرکات ایں ماہ مبارک نتیجۂ آں کمالات ذاتیہ است کہ شانِ کلام جامع آنہا ست، وقرآن مجید حاصل تمام حقیقت آں شان جامع ست، پس ایں ماہ مبارک را با قرآن مجید مناسبت تمام ست کہ قرآن جامع جمیع کمالات ست، وایں ماہ جامع خیرات کہ نتائج وثمرات آں کمالاتند، ہمیں مناسبت باعث نزول قرآن دریں ماہ شد، شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ وشب قدر دریں ماہ خلاصۂ وزبدۂ ایں ماہ است، آں لب است وایں ماہ در رنگ قشر آں، پس ہر کہ دریں ماہ بجمعیت گزراند واز خیرات وبرکات بہرہ مند شود، تمام سال بجمعیت گزراند وبخیر وبرکت مملو ومحتوی باشد (مکتوب:۱۶۲، دفتر اول)

ترجمہ: رمضان کا بابرکت مہینہ تمام بھلائیوں اور برکتوں کا جامع ہے، اور جو بھی خیر

وبرکت اس میں ہے، سب کا فیضان حضرت ذات حق تعالیٰ وتقدس سے ہے، اور ذات ہی کے مختلف شیون کا ثمرہ ہے، کیونکہ شر ونقص کا جو کچھ وجود ہے، وہ مخلوق کی ذات سے وابستہ ہے، چنانچہ ارشاد ہے: **ما أصابک من حسنةٍ فمن الله وأصابک من سيئةٍ فمن نفسک**، جو کچھ تمہیں بھلائی پہونچے وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جو کچھ تمہیں برائی پہونچے وہ خود تمہاری ذات کی طرف سے ہے، یہ نص قطعی ہے، پس اس ماہ مبارک کی تمام بھلائیاں اور تمام برکتیں، اللہ تعالیٰ کے کمالات ذاتیہ کے ثمرات ہیں، اوران تمام کمالاتِ ذاتیہ کی جامع اس کے کلام کی شانِ عالی ہے ،اور قرآن مجید اس شان جامع کی تمام حقیقتوں کا جامع ہے، پس اس ماہ مبارک کو قرآن مجید کے ساتھ پوری مناسبت ہے، کیونکہ قرآن کریم تمام کمالات کا جامع ہے، اور یہ ماہ مبارک ان تمام بھلائیوں اور سعادتوں کا جامع ہے، جوان کمالات کے ثمرات ونتائج ہیں، اور یہی مناسبت ہوئی کہ اس ماہ مقدس میں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ**۔ پھراس ماہ کا خلاصہ اور حاصل شب قدر ہے، وہ مغز ہے اور یہ مہینہ اس مغز کیلئے گویا چھلکا ہے، پس جوکوئی اس ماہ کو جمعیت اور یکسوئی کے ساتھ گزارے گا اور اس ماہ کی خیرات وبرکات سے بہرہ مند ہوگا، وہ پورا سال جمعیت اور اطمینان کے ساتھ گزارے گا، اور خیر وبرکت سے بھراپُرا رہے گا۔

(مکتوب: ۱۶۲، دفتر اول)

حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ نے قرآن مجید اور رمضان شریف کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے، اسے بغور پڑھئے، جو کچھ قرآن وحدیث میں ان دونوں کے بارے میں ذکر آیا ہے، اس کا خلاصہ انھوں نے مختصر الفاظ میں ذکر کردیا ہے۔

(۱) پہلی بات یہ فرمائی کہ رمضان المبارک کا مہینہ انسانوں کے حق میں بلکہ کائنات کے حق میں تمام بھلائیوں اور برکتوں کا جامع ہے۔ امام بخاریؒ ومسلمؒ نے اپنی اپنی کتاب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إذا جاء**

رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب النار وصفدت الشیاطین، جب رمضان کا مہینہ آتا ہے، تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں، اور سرکش شیاطین کو بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ہر خیر کا مرکز جنت ہے، اور ہر شر کا مجمع جہنم ہے، اور تمام برائیوں کی بنیاد شیطان ہے، پس ماہ مبارک رمضان بنص حدیث تمام بھلائیوں اور برکتوں کا جامع ہے۔

(۲) دوسری بات یہ فرمائی کہ دنیا وآخرت میں جو بھلائی ہے، اور جو بھی برکت ہے، سب کا فیضان ذات الٰہی جل شانہ سے ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات شر و نقص سے پاک ہے، شر اور نقص کا منبع تو وہ ہے، جس میں عدم کی کیفیت پائی جاتی ہے، اور حق تعالیٰ ہر قسم کے عدم سے منزہ ہیں، پس جو کچھ خیر ہے انھیں کی طرف سے ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ما أصابک من حسنةٍ فمن الله وما أصابک من سیئةٍ فمن نفسک، جو کچھ تمہیں بھلائی پہونچے وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جو کچھ تمہیں برائی پہونچے وہ خود تمہاری ذات کی طرف سے ہے۔

(۳) تیسری بات یہ فرمائی کہ رمضان شریف کی تمام برکتیں اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کے ان تمام ذاتی کمالات کے ثمرات ہیں، جن کا جامع اللہ کا کلام ہے، کیونکہ متکلم کی تمام خوبیاں اس کے کلام میں جلوہ گر ہوتی ہیں، پس کلام اللہ ان تمام کمالات ذاتیہ کا جامع اور مظہر ہے۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ کلام الٰہی میں قرآن مجید کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ جمال وکمال کے تمام حقائق کا مرکز اور جامع ہے، کیونکہ یہ آخری کلام ہے، جو دنیا والوں کو دیا گیا ہے، پس ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کے تمام شئونات کمالیہ وجمالیہ کا جامع ہو۔ لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللهِ، اگر ہم اس قرآن کو پہاڑوں پر اتارتے، تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کی خشیت سے دب جاتے، شق ہوجاتے۔ یہ اس کی شانِ عظمت ہے۔ اور إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ أَقْوَمُ، اور بلاشبہ یہ قرآن اسی راہ کی رہنمائی کرتا ہے، جو بالکل درست ہے۔ یہ اس کی شانِ ہدایت ہے۔ اور ذٰلِکَ

الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ، یہ کتاب اس میں کوئی تر دد اور شک نہیں ، کہ اہل تقویٰ کے لئے دستور العمل ہے۔ یہ اس کی شانِ صداقت وحقانیت ہے۔

(۵) پھر یہ فرمایا کہ جب رمضان شریف برکات الٰہیہ کا مرکز ہے، اور قرآن کریم کی بھی یہی شان جامعیت ہے، تو دونوں میں بغایت مناسبت ہے، اس لئے اس کلام عظیم کو نازل کرنے کیلئے یہی مہینہ منتخب ہوا، اور یہ نزول لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف ہے، آسمانِ دنیا پر آ گیا تو گویا اس کے انوار سے دنیا جگمگا اٹھی ، پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت وہاں سے جبرئیل امین لاتے رہے۔

(٦) پھر پورے رمضان کا خلاصہ اور حاصل شب قدر ہے، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اور نزول قرآن کے لئے یہی رات متعین ہوئی ، إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ، ہم نے اسے شب قدر میں اتارا ہے۔

اتنی گونا گوں فضیلتوں اور عظمتوں کا تقاضا ہے کہ یہ پورا مہینہ روزے اور قرآن کے لئے وقف کر دیا جائے ، روزے کی برکت سے انسان بشری کمزوریوں سے اوپر اٹھ کر ملکوتیت کی پاک صفات سے آراستہ ہونے کی استعداد حاصل کر لے گا ، کیونکہ بشری کمزوریوں کی بنیاد کھانے پینے کی بھوک پیاس ، اور شہوت کی طرف میلان ہے، روزہ کی حالت میں یہ سب چیزیں اعتدال پر آ جاتی ہیں ، اور روزہ دار میں بارگاہِ خداوندی کی جانب پرواز کی صلاحیت ہو جاتی ہے، جب یہ صلاحیت پیدا ہوگئی ،تو اب قرآن مجید کی تلاوت اسے بارگاہِ خداوندی میں پہونچا دیتی ہے، اس لئے دن میں روزہ اور رات میں تراویح ،جس میں قرآن کی تلاوت اس کو بارگاہِ قدس تک بآسانی پہونچا دیتی ہے ، اور بندہ اپنے مقصود میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

⦿⦿⦿⦿⦿

قرآن وحدیث کی تصریح اور سیّدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی توضیح سے رمضان شریف اور قرآن شریف کی مناسبت خوب معلوم ہوگئی ۔ یہ مناسبت تو نزولِ قرآن کے سلسلے

میں بیان کی گئی، اب سنئے کہ اس مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ رمضان شریف کے اوقات کو جس طرح روزہ سے معمور رکھنا اور روشن کرنا ضروری ہے، اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت سے بھی ان ایام کو پیکر حسن و جمال بنانا ضروری ہے۔

قرآن کریم اور روزہ میں باہم جو تعلق اور مناسبت ہے اسے اس حدیث کی روشنی میں دیکھئے جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے، آپ نے فرمایا: **الصیام والقرآن یشفعان للعبد یوم القیامة**، روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن بندے کی شفاعت کریں گے۔ **یقول الصیام : اے رب ! منعته الطعام والشهوة فشفعني فيه**، روزہ کہے گا، اے میرے پروردگار! میں نے اسے کھانے اور شہوت سے روک دیا تھا، تو آپ اس کے حق میں میری شفاعت سن لیجئے۔ **ویقول القرآن منعته النوم باللیل فشفعنی فیه**، اور قرآن کہے گا کہ میں نے رات میں سونے سے روک دیا تھا، تو اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیے۔ **قال: فیشفعان**، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تب ان دونوں کی شفاعت مقبول ہوگی۔

گویا روزہ اور قرآن دونوں رفیق و ہمدم ہیں، جو کام ایک نے کیا وہی دوسرے نے بھی کیا، پس بندوں کو بھی چاہئے کہ ان دونوں کو ایک ساتھ رکھیں اور اس کا بہترین موقع رمضان کا مہینہ ہے، رمضان المبارک ہر خیر و برکت کا مرکز ہے، اور روزہ فرشتوں کی صف میں پہونچانے والا، روزِ قیامت کا بہترین شفاعت گزار! اور قرآن کریم کا کیا کہنا، تمام شیونات الٰہیہ اور صفاتِ کمالیہ کا آئینہ! بندہ ظاہر و باطن میں سراپا نور ہو جائے۔

رمضان شریف میں قرآن کریم کی تلاوت میں مشغولیت تین طرح سے ہوسکتی ہے۔ اول تراویح، دوسرے دور، تیسرے عام تلاوت۔ تراویح کی نماز کو تو اللہ تعالیٰ نے نفل قرار دیا ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول کریم ﷺ کا ایک بلیغ اور موثر خطبہ نقل کیا ہے، اس میں ایک جملہ یہ ہے: **شهر جعل الله صيامه فريضة وقيام ليله تطوعاً** (رواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ) یہ وہ مہینہ ہے جس کے روزے کو اللہ نے فرض کیا ہے، اور

جس کی رات کے قیام (تراویح) کو نفل بنایا ہے۔

نیز رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **من قام رمضان ایمانا و احتسابًا غفرله ماتقدم من ذنبه** (بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی ونسائی) جو کوئی رمضان میں ایمان کے تقاضے سے بہ نیت حصول ثواب عبادت کے لئے کھڑا ہو، اس کے پچھلے گناہ معاف۔

تراویح کی نماز کا موضوع تلاوت کلام الٰہی ہی ہے، چنانچہ قیام کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ اس میں کھڑا ہونا ہی اصل ہے، اور معلوم ہے کہ قیام کی حالت میں قرآن پاک کی تلاوت ہی متعین ہے، پس مناسب ہے، بلکہ ضروری ہے کہ دن اگر روزہ میں بسر ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے دن کا لمحہ لمحہ کامل عبادت بن گیا ہے، تو رات کے وقت میں جبکہ اس وقت میں روزہ نہیں ہے نماز اور تلاوت سے اسے معمور اور آباد رکھا جائے۔ حق تو یہ تھا کہ جس طرح رمضان شریف کے دن کی عبادت فرض ہے اسی طرح رات کی عبادت بھی فرض ہوتی، تاکہ چوبیس گھنٹے کے یہ دونوں حصے برابر ہوتے اور سال کا یہ ایک مہینہ تو ایسا ہوتا کہ نورانیت اور عبادت کی روحانیت میں روز وشب دونوں ایک جیسے ہوتے، مگر حق تعالیٰ نے بندوں کے ضعف پر نظر فرمائی اور رات کی عبادت کو بجائے فرض کے نفل قرار دیا، لیکن نفل کیسی؟

عام دنوں جیسی؟ نہیں، فرماتے ہیں: **من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن ادى فريضة فيما سواه** (حوالہ سابق) اس ماہ میں جو کوئی نفل عمل کیا جاتا ہے، وہ ایسا ہے جیسے اس کے علاوہ کسی ماہ میں فرض ادا کیا ہو۔ اور تراویح تو جس شان کی عبادت ہے، قریب تھا کہ فرض ہی ہوجاتی، چنانچہ بخاری شریف کی متعدد روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان شریف کی ایک رات مسجد میں تشریف لائے اور آپ نے نفل نماز پڑھی، آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھی نماز میں شامل ہوگئی، جب صبح ہوئی تو اس نماز کا شہرہ ہوا، اب دوسری رات اس سے زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن مزید چرچا عام ہوا، اور رات میں نمازیوں کا زیادہ ہجوم ہوا، جب چوتھی رات ہوئی تو آپ تشریف نہیں لائے، صحابہ صبح تک انتظار کرتے رہے اور ساری مسجد بھری رہی، باہر تک آدمی تھے، آپ فجر کی نماز کے لئے باہر

نکلے، نماز فجر کے بعد آپ نے لوگوں کو خطاب کیا اور فرمایا:

أما بعد ! فانه لم یخف علی مکانکم ولکنی خشیت أن تفرض علیکم فتعجزوا عنها ،تمہارا رات میں یہاں ہونا مجھ پر مخفی نہ تھا، لیکن میں ڈرا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کردی جائے ، اور اس کے بعد تم سے اس کی ادائیگی نہ ہوسکے، اس لئے میں باہر نہ آیا۔ (صلوٰۃ التراویح)

جس نماز کی یہ شان ہو، کون کہہ سکتا ہے کہ درجہ اور رتبہ کے اعتبار سے وہ عند اللہ فرض سے کم ہوگی ، مزید اگر تراویح کی نماز پر نظر عمیق ڈالی جائے ، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ سال بھر کی فرض وواجب نماز کی مثنیٰ ہے، یا یہ کہہ لیجئے کہ رمضان شریف کی برکت سے سال بھر کی نماز اس ماہ میں دوگنی کردی گئی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ رمضان میں روزہ کی فرضیت کے ساتھ تلاوت کی کثرت بھی مطلوب ہے، اور تلاوت کا اصل محل نماز ہے، تو ضروری ہوا کہ نماز میں بھی اضافہ کیا جائے ، ہم نے غور کیا کہ عام دنوں میں روزانہ کتنی رکعتیں فرض اور واجب ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ شب وروز میں بیس رکعتیں ہیں۔ دو رکعت فجر، چار رکعت ظہر، چار رکعت عصر، یہ دن کی نمازیں ہیں۔ اللہ کو وتر پسند ہیں، اس لئے مغرب میں تین رکعت فرض کر کے ان ساری نماز کو طاق بنادیا گیا، یہ کل تیرہ رکعتیں ہوئیں، رات میں عشاء کی چار رکعتیں فرض ہیں، اس کے ساتھ وتر ہونا فوت ہورہا تھا تو اس میں بطور وجوب کے تین رکعت کا اضافہ کردیا گیا، اب رات کی نماز بھی وتر ہوگئی ، اس طرح کل بیس رکعتیں ہوئیں ، پھر مناسب ہوا کہ یہی بیس رکعتیں رمضان شریف کی برکتیں حاصل کرنے کے لئے دہرادی جائیں ، چنانچہ تراویح کی نماز کا بیس رکعت ہونا غالباً اسی کی طرف اشارہ ہے، عام دنوں میں مسلمان بطور فرض وواجب کے بیس رکعت چوبیس گھنٹے میں پڑھتے ہیں، تو رمضان شریف میں جبکہ عبادت کا ذوق بڑھ جاتا ہے، یہ بیس رکعتیں دوبارہ پڑھ لی جائیں۔

میں نے عرض کیا تھا کہ نماز تراویح کا اصل موضوع قرآن کی تلاوت ہے، پس

امت کے تعامل نے تراویح کی بیس رکعتوں میں ایک قرآن پاک کی تکمیل کا معمول بنایا ،تا کہ ہر مسلمان کے حق میں ایک ختم کا اس ماہِ مبارک میں اہتمام وانتظام ہو جائے۔

سوال! قرآن پاک کی تلاوت تو صرف امام کرتا ہے تو اس کا تو ایک ختم ہوا۔ مقتدیوں کا کیونکر ہوگا؟ جواب! قربان جایئے حق تعالیٰ کی شانِ رحمت وحکمت کے، اور فدا ہویئے نبی کریم ﷺ کی شفقت ومہربانی پر! آپ نے امت کے لئے ہر خیر کا انتظام فرمادیا ہے،آپ جانتے تھے کہ آپ کی امت کا ہر فرد پڑھا لکھا نہ ہوگا اور نہ ہر ایک کا حوصلہ ہوگا کہ وہ کتاب اللہ حفظ کرے اور اسے تراویح کے اندر پورا پڑھے، پس عالم غیب کے راز داں نے حکم الٰہی کا اشارہ پا کر ایک ایسا قانون بنادیا کہ ہر پڑھا لکھا اور اَن پڑھ اس سے یکساں مستفید ہو۔

متعدد صحابۂ کرام مثلاً حضرت انس بن مالک، عبد اللہ بن عمر، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ مضمون منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **من کان له امام فقرأة الامام له قرأة** (نصب الرایہ مع الہدایہ، ج:۲،ص:۱۲) جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس مقتدی کی بھی قرأت ہے۔حدیث کا یہ مضمون بالکل صحیح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام جو کچھ پڑھتا ہے وہ مقتدی کا پڑھنا لکھا جاتا ہے، پس نماز تراویح میں جو لوگ امام کے پیچھے ہوتے ہیں ان کے نامۂ اعمال میں بھی قرآن کریم کی تلاوت درج کی جاتی ہے، نماز کے اندر قرآن کریم کی تلاوت بہت اہمیت رکھتی ہے، ثواب میں فرض کے برابر ہے، رمضان شریف خود پُر نور ہے، اس کے دن میں روزہ اور رات میں کلام الٰہی کی تلاوت نورٌ علیٰ نور کا سماں ہے۔

تلاوت کا دوسرا طریقہ دور کا ہے،اس طریقے کا آغاز سیّد الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہوا ہے، صاحب تفسیر مظہری نے علامہ بغوی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ داؤد بن ابی ہند کہتے ہیں کہ میں نے امام شعبی سے عرض کیا کہ قرآن کا نزول ماہِ مبارک رمضان میں ہوا ہے، تو کیا سال کے دوسرے اوقات میں اس کا نزول نہیں ہوتا تھا، فرمایا کیوں نہیں،

پورے سال ہوتا رہتا تھا، لیکن رمضان میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پورے سال میں جتنا اتر چکا ہوتا تھا، جبرئیل امین رمضان شریف میں اسے دوبارہ آپ کو سناتے تھے اور آپ انھیں سناتے تھے، پھر جو اللہ کو منظور ہوتا باقی رکھا جاتا، اور جو چاہتے اسے منسوخ کر دیا جاتا۔ (ج:۱،ص:۱۹۴)

رمضان شریف میں تلاوت کی ایک بہار یہ بھی ہے کہ دو حافظ اکٹھے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو سناتا ہے، پھر اپنی اپنی تراویح میں دونوں پڑھتے ہیں، اس کے بعد صاحب توفیق ہوتے ہیں تو تہجد میں بھی تلاوت کرتے ہیں۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ حفاظ ہوں یا ناظرہ خواں، ترتیب سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہین، اور کئی ختم پڑھتے ہیں، رمضان شریف میں اللہ کا فضل ہے، تلاوت کی خوب بہار ہوتی ہے، مردہ سے مردہ قلب اس ماہِ مبارک میں اچھا خاصا زندہ ہوجاتا ہے، حق تعالیٰ توفیقات سے نوازتے ہیں، دعائیں قبول کرتے ہیں، فرشتوں کو بھیجتے ہیں کہ وہ عبادت گزاروں کی خلوتیں میں پہونچیں، ان سے مصافحہ کریں، ان کے لئے دعائیں کریں۔ خوش نصیبی کا یہ مہینہ ہر مسلمان کے لئے مبارک ہو۔ **وفقنا اللہ سبحانہ للخیرات والبرکات فی ھٰذا الشھر المبارک ورزقنا اللہ سبحانہ النصیب الاعظم۔**

(ستمبر ۲۰۰۸ء)

◉◉◉◉◉

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بدنیتی کا خمیازہ

۲۶؍جنوری (۲۰۰۱ء) کو حکومت ہند فرضی اور وہمی دہشت گردوں سے لرزاں وترساں تھی، ان سے نمٹنے کے انتظامات چوکس کر دیئے گئے تھے، یہ سارا خوف فرضی تھا، لیکن جو واقعی خطرہ تھا اس سے سب کی آنکھیں بند تھیں، قدرتِ الٰہی نے زمین کو جھٹکا دیا اور بے شمار انسان، ہزاروں مکان اور اربوں کھربوں کا مال زمین کے اندر چلا گیا، اب ہمارا وزیر اعظم غل مچا رہا ہے کہ قدرتی آفات کا ہم مقابلہ کریں گے۔ اللہ جانے سب کچھ کھو کر کس کا مقابلہ وہ کرے گا۔ بی جے پی حکومت اور بی جے پی پارٹی سخت بدنیت ہے، اس کی بدنیتی اور بداعمالیوں کی سزا تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ملک کو اور ملک کے باشندوں کو مل رہی ہے، یہ پبلک کو تنبیہ ہے کہ ایسی بدنیت اور بدعمل پارٹی کو کیوں اپنے اوپر مسلط کیا۔ اب یہ حکومت باتیں بنا رہی ہے، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے، سب کچھ کھو کر کوئی پکارے کہ میں مقابلہ کروں گا، لڑوں گا تو اس کی دماغی حالت مشتبہ قرار پائے گی۔ یہ ایک قدتی تنبیہ ہے کہ ملک کی عوام اب سے سنبھل جائے اور بی جے پی اور اس پارٹی کو حلقۂ حکومت سے نکال باہر کرے، ورنہ حکمرانوں کی بدنیتی سارے ملک کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیتی ہے۔

خاص طور سے مسلمانوں کے لئے جو اللہ پر اور اس کی قدرت پر سچا ایمان رکھتے ہیں، ایک تازیانۂ عبرت ہے، وہ ریڈیو سن کر، ٹی وی دیکھ کر، اخبارات پڑھ کر چند جملے اظہار تاسف کے بول کر بے پرواہ نہ ہو جائیں بلکہ اپنے مالک ومولیٰ کی جانب رجوع کریں، اور ایک مزاج بنائیں اور ایک دھن پیدا کریں کہ وہ قادر مطلق جس کا ایک ادنیٰ سا اشارہ پاکر زمین جیسی مضبوط ترین مخلوق زیر وزبر ہو کر رہ گئی اور کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا، اس سے

ڈریں، اس کی نافرمانی سے بچیں، اس کی شریعت کو اپنا دستور العمل بنائیں، اس کے سامنے گریہ وزاری کریں، اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قہر وجلال گناہوں پر ہی برستا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد قوموں کا اور ان کے انبیاء کا تذکرہ کیا ہے، ہر جگہ ایک ہی مضمون ہے کہ جب لوگوں نے حد سے زیادہ سرکشی اور نافرمانی کی، تو عذاب کا کوڑا دنیا میں لگنے لگا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُھَا فِی الْبِلَادِ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوْا الصَّخْرَ بِالْوَادِ وَفِرْعَوْنَ ذِیْ الْاَوْتَادِ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ فَاَکْثَرُوْا فِیْھَا الْفَسَادَ فَصَبَّ عَلَیْھِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا، جو ارم میں تھے، بڑے ستونوں والے کہ ان جیسے لوگ شہروں میں نہیں پیدا ہوئے، اور ثمود کے ساتھ کیا کیا، جنھوں نے پہاڑیوں وادیوں میں چٹانیں تراش کر مکانات بنائے تھے، اور فرعوں کے ساتھ کیا کیا، جو بڑے لاؤلشکر والا تھا، یہ لوگ وہ تھے جنھوں نے اپنے اپنے ملکوں میں سر اٹھایا تھا اور ان میں بڑی خرابی پیدا کر رکھی تھی، پھر تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا، بلاشبہ تمہارا رب گھات میں ہے۔

سرکشوں اور شر پسندوں کے سلسلہ میں یہ ایک دائمی صداقت ہے، جس کو کبھی تاریخ جھٹلا نہیں سکتی، کہ جب شرارت بڑھتی ہے، ظلم کا پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے، قدرت کا قہر وغضب یکایک اترتا ہے اور آدمی تو آدمی ہے زمین کو تہ و بالا کر دیتا ہے، اور اسی پر بس نہیں ہے ہمیشہ کے لئے لعنت ان کے پیچھے لگ جاتی ہے، یہاں ڈوبتے ہیں تو جہنم میں نکلتے ہیں، اور وہاں کے ابدی عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بارے میں فرمایا ہے: مِمَّا خَطِیْئَاتِھِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْ نَاراً فَلَمْ یَجِدُوْا لَھُمْ مِنْ دُوْنِ اللہِ اَنْصَاراً۔

ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں پانی میں غرق کیا گیا، پھر وہ جہنم میں داخل کئے گئے، پھر

انھوں نے اللہ کے مقابلہ میں کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔

ایک ہی علاج ہے کہ ظلم سے باز آئیں، آپس کی نفرتوں اور عداوتوں کو متائیں، ایک دوسرے سے محبت کریں، قدرتی تازیانوں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ہمارا وزیر اعظم کہتا ہے کہ ''ہم عہد کریں کہ آئندہ ایسا حادثہ نہ ہوگا'' اگر اخبار نے وزیر اعظم کی طرف یہ بات صحیح منسوب کی ہے، تو انھیں عہد کرنا چاہیئے کہ وہ ملک کے باشندوں میں کسی کو دبانے اور کسی کو ابھارنے کا عمل بند کریں گے، سب کے حقوقِ شہریت یکساں ہیں، انھیں برقرار رکھیں گے۔ عبادت گاہوں کو توڑنا ایک ظالمانہ عمل ہے، ظلم کے ساتھ حکومت کی کشتی نہیں چلا کرتی، لیکن ہم جانتے ہیں کہ نہ وزیر اعظم میں یہ حوصلہ ہے اور نہ ان کی پارٹی میں اتنی وسعت ہے کہ اپنے علاوہ کسی کو برداشت کرلے، قدرتی عذاب ایک طرف اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ عبرت کا کوڑا بن کر برسا ہے، اور دوسری طرف کچھ لوگ اعلان کرتے پھر رہے ہیں کہ ابھی تو ایک ہی جگہ ظلم ہوا ہے (اجودھیا اور بابری مسجد) ابھی اور بھی ظلم وتشدد کے نشانے ہیں جن تک انھیں پہونچنا ہے، کاش ظالموں کی آنکھیں کھلتیں، بہر حال یہ حادثہ اکیسویں صدی کا شدید ترین حادثہ ہے، اس سے سب کو سبق حاصل کرنا چاہیئے، خواہ کسی مذہب کا ماننے والا ہو۔

بالخصوص وہ لوگ جنھیں اللہ پر ایمان رکھنے کا شرف حاصل ہے، وہ اجتماعی طور پر اپنے آپ میں تبدیلی پیدا کریں، وہ اللہ کی طرف رجوع کریں، اطاعت وعبادت سے اسے راضی کریں، ان کا اشارہ ہوگا تو ہر نقصان کی تلافی ہوگی، اور اس ایمان وانابت اور استغفار واطاعت کی حالت میں موت آئے گی تو آخرت کی زندگی جو اصل زندگی ہے سنور جائے گی، کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو خدا کی ناراضگی کا سبب ہو، نہ بڑے بول بولیں، نہ کسی کی مصیبت پر خوشی محسوس کریں، اللہ کا غضب جہاں اترتا ہے تہس نہس کردیتا ہے۔ رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم إنک أنت الأعز الأکرم أللھم إنا نعوذ بک من غضبک وعذابک یا ارحم الراحمین۔ (ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ/فروری ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حوادث ومصائب کا سرچشمہ

گجرات میں اس صدی کا عظیم ترین تباہ کُن زلزلہ آیا، ہزاروں عمارتیں زیر وزبر ہوگئیں، لاتعداد انسان اور حیوان لقمۂ اجل بن گئے، مال وزر کی بہت بڑی مقدار زیر زمین چلی گئی، ان سب کی گنتی اللہ ہی جانتا ہے، انسانوں کو انسانوں سے ہمدردی ہے، ساری دنیا کے انسان گجرات کی طرف امداد اور راحت کا سامان لیکر دوڑ پڑے، جس سے جو کچھ بن پڑتا ہے مدد کرنے کی کوشش کرتا ہے، انسانیت سے ہمدردی کا یہی تقاضا ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کی جائے، ان کے رنج وغم میں شریک ہوا جائے، اس طرح صدمہ ہلکا ہوجاتا ہے۔

ایک طرف یہ کام ہورہا ہے اور اچھا ہورہا ہے، گو کہ اس میں بدنیت افراد خرابیاں بھی پھیلا رہے ہیں، تاہم راحت رسانی کا کام ہورہا ہے، لیکن دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس زلزلہ کی توجیہات کی تلاش میں سرگرداں ہیں، زلزلہ کیوں آیا؟ کون کون سے علاقے زلزلے کی زد میں ہیں؟ کب کب زلزلہ آیا؟ کہاں کہاں آیا؟ بس یہی تحقیقات ہورہی ہیں اور ان تحقیقات کے نتائج اخبارات میں آتے رہتے ہیں۔ عجیب بات ہے، عذابِ الٰہی کا ایک جھٹکا ایک بہت بڑے خطے کو زیر وزبر کرگیا، اس سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے غافل انسان اس کی حقیقت اور ماہیت کی کھوج لگا رہا ہے، اور یہ کہہ کر مطمئن ہونے کی کوشش کررہا ہے کہ پہلے بھی بہت سے زلزلے آچکے ہیں اور زمین کے اندرونی حصے میں فلاں فلاں حرکتیں ہورہی ہیں، جن کے اثر سے وہ ہل جاتی ہے، پھٹ جاتی ہے، بس تحقیق ہوگئی اور کام ختم ہوگیا۔ انسان ان درمیانی مرحلوں میں کھوجاتا ہے، اور اس طرح کے حادثات سے جو سبق لینا چاہئے اس سے آنکھیں موند لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پچھلے انبیاء کا، ان کی قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: وَمَا اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَةٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الۡحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوۡا وَّقَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ۔اور ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ اس کے نہ ماننے پر وہاں کے باشندوں کی ہم نے سختی اور تکلیف میں گرفت کی تاکہ روئیں گڑگڑائیں، اور اپنی سرکشی سے باز آئیں، پھر ہم نے اس تکلیف اور عذاب کے بجائے اتنی بھلائی عطا کی، وہ راحت و آرام میں بہت بڑھ گئے اور کہنے کہ یہ دستور فطرت ہے، ہمارے باپ دادوں کو بھی مصیبت و راحت کا سامنا کرنا پڑا تھا، پھر ایسا ہوا کہ ہم نے انھیں ناگہانی طور پر پکڑا جس کا انھیں احساس تک نہ تھا۔

جاہلیت ہر زمانے میں یکساں رہی ہے، آج بھی جب ارادۂ الٰہی کوئی عبرت انگیز طمانچہ لگاتا ہے تو بجائے اس کے کہ اس سے سبق حاصل کیا جائے، غافل اور نادان انسان پچھلی تاریخ کریدنے لگتا ہے، اور یہ کہہ کر مطمئن ہونے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، پہلے بھی ایسا بارہا ہو چکا ہے، یہ تو فطرت کا دستور ہے، اس لئے گویا چونکنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم خواہ کچھ کرتے رہیں ایسا ہی ہونا ہے، اس میں خدا کے قہر وجلال کا دخل نہیں ہے، حالانکہ اگر وہ تلاش کرتا تو اسے معلوم ہوتا کہ پچھلے مصائب وشدائد بھی کسی نہ کسی نافرمانی اور سرکشی پر تازیانۂ عبرت ہی تھے، پھر انسان جب سبق لینے سے انکار کرتا ہے تو قدرت کی طرف سے اچانک کوئی ایسی پکڑ آجاتی ہے کہ پھر زندگی کی ذرا بھی مہلت نہیں ملتی، موجودہ حوادث میں عبرت آموزی کا پورا سامان موجود ہے، مگر انسانوں کا رخ اللہ کی طرف ہونے کے بجائے کسی اور ہی طرف معلوم ہوتا ہے، جو لوگ مصائب کا شکار ہوئے ہیں وہ تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، مال ومتاع کھو چکے، آس پاس کی آبادیوں والے جو بچ گئے وہ سبق نہیں لے رہے ہیں، تبصرے کررہے ہیں، اخبار پڑھ کر، ٹی وی دیکھ کر اپنے معلومات میں اضافہ کررہے ہیں اور جو اصل کام ہے اس سے غافل ہورہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَّاتِيَهُمْ بَاسُنَا بَيَاتاً وَّهُمْ نَائِمُونَ o أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَّاتِيَهُمْ بَاسُنَاضُحىً وَّهُمْ يَلْعَبُونَ o أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللهِ فَلَا يَامَنُ مَكْرَ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُونَ (کیا ان آبادیوں میں بسنے والے اس بات سے مطمئن ہوگئے کہ ہمارا عذاب ان پر رات میں اس حال میں آجائے کہ وہ سورہے ہوں، یا کیا انھیں اس بات کا اندیشہ نہیں ہے، کہ ہمارا عذاب ان پر دن دوپہر آجائے جبکہ وہ کھیل کود میں مصروف ہوں، کیا وہ اللہ کی غیبی تدبیروں سے مطمئن ہوگئے، اللہ کی غیبی تدبیروں سے وہی مطمئن ہوتا ہے جو خسارے میں مبتلا ہو)

انسانو! دیکھو تمہارا مالک وخالق کیا کہہ رہا ہے؟ اس کو سنو! یہی سچی بات ہے، اس کے علاوہ سب سخن سازی ہے، دل کا بہلاوا ہے، اگلی داستانوں کو مت دیکھو، یہ دیکھو کہ داستان بار بار کیوں دہرائی جارہی ہے؟ یہ سبب اپنے سے باہر مت تلاش کرو، اپنے اندر تلاش کرو، مصائب وآفات کا سرچشمہ تمہاری بداعتقادیاں اور بداعمالیاں ہیں، زمینی حادثات کے فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں اور آسمانی فیصلوں کی بنیاد انسانی اعمال وخیالات بنتے ہیں۔

اور یہ جو کچھ ہورہا ہے، یہ اتفاقات نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادوں کارفرمائیاں ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيباً مِنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاتِيَ وَعْدُاللهِ إِنَّ اللهَ لَايُخْلِفُ الْمِيعَادَ (اور ہمیشہ یونہی ہوتا رہتا ہے کہ ان کفار کو ان کی کرتوتوں کی وجہ ایک نہ ایک صدمہ پڑتا رہتا ہے، یا ان کی قریبی آبادیوں میں عذاب اترتا ہے، اور یہ ہوتا ہی رہے گا، یہاں تک کہ اللہ کے وعدے کا وقت آجائے، یعنی قیامت کا دن آجائے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے)

اللہ کے کلام کی صداقت آج بھی جگمگا رہی ہے، اس ملک نے اور اس کے باشندوں نے اعتدال وانصاف کی کوئی حد ایسی نہیں چھوڑی ہے جس کو پامال نہ کرڈالا ہو، اور کرتے ہی جارہے ہیں، پس اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف عذاب الٰہی کا کوڑا برس ہی جاتا ہے، مگر اس ملک نے اس سے کتنا سبق لیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَايَاتِيهِمْ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (بندوں کے حال پر افسوس ہے، جب بھی

ان کے پاس کوئی رسول آتا ہے، تو اس کے ساتھ مذاق کا معاملہ کرتے ہیں) رسول آئے تو ان کے ساتھ مذاق کا معاملہ کیا گیا، اب یہ قدرتی طمانچے پڑتے ہیں انسان سنجیدہ نہیں ہوتا، سطحی اور بے مطلب باتیں بناتا ہے۔

أَوْ تَحُلُّ قَرِيباً مِنْ دَارِهِمْ کے سلسلے میں مشہور عالم دین، مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

"آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جس قوم اور جس بستی کے قرب وجوار میں کوئی عذاب یا آفت ومصیبت آتی ہے تو اس میں اللہ جل شانہ کی یہ حکمت بھی مستور ہوتی ہے کہ آس پاس کی بستیوں کو تنبیہ ہو جائے اور وہ دوسروں سے عبرت حاصل کر کے اپنے اعمال درست کرلیں، تو یہ دوسروں کا عذاب ان کے لئے رحمت بن جائے، ورنہ پھر ایک دن ان کا بھی وہی انجام ہونا ہے جو دوسروں کا مشاہدہ میں آیا۔

آج ہمارے ملک میں، ہمارے قرب وجوار میں روز روز کسی جماعت، کسی بستی پر مختلف قسم کی آفتیں آتی رہتی ہیں، کہیں سیلاب کی تباہ کاری، کہیں ہوا کے طوفان، کہیں زلزلہ کا عذاب، کہیں کوئی اور آفت، قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق یہ صرف انھیں بستیوں اور قوموں کی سزا نہیں ہوتی، بلکہ قرب وجوار کے لوگوں کو بھی تنبیہ ہوتی ہے، پچھلے زمانہ میں اگرچہ علم وفن کی ٹیپ ٹاپ نہ تھی مگر لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف تھا، کسی جگہ اس طرح کا کوئی حادثہ پیش آجاتا تو خود وہ لوگ بھی اور اس کے قرب وجوار والے بھی سہم جاتے، اللہ کی طرف رجوع کرتے، اپنے گناہوں سے تائب ہوتے، استغفار، صدقہ وخیرات کو ذریعۂ نجات سمجھتے، اور آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا تھا کہ ان کی مصیبتیں بڑی آسانی سے ٹل جاتی تھیں، آج ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ مصیبت کے وقت بھی خدا ہی یاد نہیں آتا اور سب کچھ یاد آتا ہے، دنیا کے عام غیر مسلموں کی طرح ہماری نظریں بھی صرف مادی اسباب پر جم کر رہ جاتی ہیں، مسبب الاسباب کی طرف توجہ کی اس وقت بھی توفیق کم لوگوں کو ہوتی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس طرح کے مسلسل حوادث ہیں جن سے دنیا ہمیشہ دوچار رہتی ہے۔ (ج:۵،ص:۲۰۶)

بڑی ہی سخت بات ہے کہ اللہ کی طرف سے تنبیہ ہو، اور انسان پھر بھی ہوشیار نہ ہو،

سائنس دانوں نے زمین میں پلیٹیں تو دیکھ لیں جو سرک رہی ہیں، ان کے سرکنے کی مقدار کو بھی ناپ لیا، لیکن جو ذات ان پلیٹوں کو سرکا رہی ہے، پھر انھیں ٹکرا رہی ہے اس کو نہیں جانتے، اس سے آنکھیں بند کئے ہیں، سائنس کے مارے ہوئے لوگ آنکھیں بند کریں یا کھولیں، جن کی آنکھیں اللہ کی طرف کھلی ہوی ہیں، جنھیں ایمان نصیب ہے وہ کیوں زبردستی آنکھیں بند کرتے ہیں؟

ایمان والو! تمہارا ایمان واعتقاد اور تمہارے اعمال واحوال آسمانوں کے فیصلے بن جاتے ہیں، تمہاری درستگی ہو جائے تو دنیا کو عارضی ہی سہی مگر بہت راحت مل جائے گی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

(مارچ ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دخل در معقولات

کچھ دنوں پہلے اخبار ''راشٹریہ سہارا'' میں ایک مراسلہ نظر سے گذرا، جس میں کسی صاحب نے چرمِ قربانی کے سلسلہ میں علماء کرام کو للکارا ہے، کہ وہ قربانی کے بارے میں صحیح موقف سے آگاہ نہیں کرتے، سال بھر پہلے اسی اخبار میں سوال اٹھایا گیا تھا مگر علماء نے کوئی جواب نہیں دیا، اور بھی بہت کچھ ارشاد فرمایا گیا تھا۔ اللہ جانے اخبار میں مراسلہ شائع کر کے لوگ کیا تیر مار لیتے ہیں، یہ تو اپنی بے علمی کی نمائش ہے۔ چرم قربانی کا مسئلہ کوئی پیچیدہ اور لاینحل تو نہیں ہے کہ اس کو اخبارات میں موضوع بحث بنایا جائے۔ سیدھی سادی بات یہ تھی کہ اگر کسی صاحب کو کوئی مسئلہ معلوم نہیں ہے تو کسی معتبر عالم کے یہاں سوال لکھ کر بھیج دیں، وہاں سے جواب آجائے گا، اس کا یہ طریقہ سرے سے غلط ہے کہ اخبار میں مراسلہ چھاپ کر انتظار کیا جائے کہ علماء اس کا جواب دیں گے، جو لوگ تدریس وفتاویٰ کے کام میں مشغول ہیں ان کو ان مراسلات کے پڑھنے کا موقع ہی کب ملتا ہے، اور ان کے ذمہ یہ کب ہے کہ وہ اخبار ضرور ہی پڑھیں؟ اور جو کسی نے سوال اٹھایا ہو اس کا جواب ضرور دیں؟ ان سے براہ راست سوال کیجئے، وہ اگر نہ جواب دیں تب البتہ ایک بات ہے، ہر کام کا ایک طریقہ ہوتا ہے، اسی طریقہ سے اس کو کرنا چاہئے۔

اور یہ جو عرض کیا گیا کہ چرم قربانی کا مسئلہ کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں کہ اس کو اخبارات میں موضوع بنایا جائے، تو درحقیقت یہ ایک سیدھی بات ہے کہ چرم قربانی کا مالک وہی ہے جس نے قربانی کی ہے، اس کا صدقہ کرنا اس کے ذمے واجب نہیں ہے، اسے اختیار ہے، خود اپنے استعمال میں لائے یا کسی کو دیدے۔ ہاں اسے بیچ کر اس کی قیمت اپنے

مصرف میں نہیں لاسکتا ہے، قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، بالکل وہی مسئلہ ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے، لیکن اگر اسے بیچے گا تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا، دوسرے کو دیدیا تو اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، دوسرا اسے فروخت کرے یا اپنے پاس رکھے، اس کے حق میں وہ ہدیہ ہوگیا۔ بس اتنی سی بات ہے، مگر شاید یہ بات گراں گذرتی ہو کہ عموماً عربی مدارس والے بطور چندہ کے وصول کر لیتے ہیں اور وہ اسے فروخت کر کے مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرتے ہیں۔ شاید یہ بات کچھ لوگوں کے لئے باعث تکلیف ہو کہ اسے علماء مدارس کے واسطے کیوں لے لیتے ہیں، اگر یہ بات ہے تو انھیں سوچنا چاہئے کہ مدارس قوم کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، دینی تعلیم کا سارا انحصار انھیں مدارس پر ہے، اور انھیں سے مسلم قوم کی شناخت باقی ہے، یہ نہ رہیں تو ’’رام دھن‘‘ اور ’’عبداللہ‘‘ میں فرق مٹ جائے گا، تو اگر قربانی کی کھال ایک اچھے مصرف میں لگ جاتی ہے تو اس سے مطمئن ہونا چاہئے نہ کہ ناخوش!

ایک صاحب نے رائے دی کہ قربانی کی کھال فروخت کر کے اسے گجرات کے مصیبت زدگان کو بھیج دیا جائے۔ مصیبت زدوں کی مدد بہت اچھا کام ہے، لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ جب قربانی کا مالک اسے بیچے گا تو یہ رقم واجب التصدق ہو جائے گی، اسے کسی غیر مسلم کو نہیں دیا جاسکتا، تو چرم قربانی کی رقم بھیج کر کتنی احتیاط کریں گے، دوسرے یہ کہ ان ہنگامی مصیبت زدوں کے لئے تو ساری دنیا سے اتنی امداد آرہی ہے کہ انھیں از سر نو پورے طور سے آباد کیا جاسکتا ہے، حکومت سے کہئے کہ اس آنے والی امداد کا صحیح انتظام کرائے، وہاں تو ایسا سنا جاتا ہے کہ امداد تقسیم کرنے والے مالدار ہوتے جارہے ہیں اور جو مستحق ہیں ان کے آنسو بھی نہیں پُنچھ رہے ہیں۔ مدارس عربیہ کی امداد اور ان کے نظم ونسق کو چلانے کے لئے تو بس یہی محدود رقم زکوٰۃ کی، صدقہ وخیرات کی اور چرم قربانی کی ہوتی ہے، اس کو اُدھر بھیج کر کیا چاہتے ہیں کہ مدارس بند ہو جائیں، اور یہ عبادت والی رقمیں ایسے ہاتھوں میں منجمد ہو جائیں، جن کی غرض زراندوزی کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ایسی

باتیں ظاہر ہوتی ہیں تو افسوس ہوتا ہے، ان مدارس کی مدد کرو، خدانخواستہ اگر اس ملک میں یہ نہ رہے تو نہ آپ کے ایمان کی خیر ہے نہ جان کی!

☆☆☆☆☆

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

ایک بات سننے میں آئی ہے۔ معلوم ہوا کہ اخبار ''آوازِ ملک'' میں یہ بات اٹھائی گئی ہے کہ حجاج کرام کے لئے ہوائی جہاز کے کرائے میں حکومت جو رعایت دیتی ہے، یعنی ان کے لئے ہوائی جہاز کے اصل کرائے سے بہت کم، غالباً آدھے سے کچھ زیادہ کرایہ متعین کیا جاتا ہے، اور باقی کرایہ کی رقم گورنمنٹ اپنے خزانے سے ادا کرتی ہے، جس کو اصطلاح میں ''سبسڈی'' کہتے ہیں۔ غالباً سعودیہ عربیہ کے حوالے سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ یہ درست نہیں ہے، حاجی پر جو حج فرض ہوتا ہے، اپنی رقم پر فرض ہوتا ہے، اس میں گورنمنٹ کی دی ہوئی رقم کا دخل نہیں ہونا چاہئے، اور حج ایک عبادت کا سفر ہے، گورنمنٹ کا مال نہیں شامل کرنا چاہئے، معلوم نہیں اس کی آمدنی حرام ہے یا حلال؟ اس سوال کو معلوم کر کے بس یہ کیفیت ہے کہ ؂

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

ایک طرف تو یہی سوال اٹھا کر علماء کو للکارنے والے، علماء پر اتہام رکھتے ہیں کہ گورنمنٹ طرح طرح سے اپنے عوام کی مدد کرتی ہے، ان مولویوں کو خبر ہی نہیں ہوتی ورنہ حکومت کی مدد سے مدارس اور مقابر وغیرہ کے بہت سے کام ہو سکتے ہیں، وہاں انھیں خیال نہیں ہوتا کہ وہ رقم حلال ہے یا حرام، اور دوسری طرف ایک ایسی مدد جس کی عام طور پر بیشتر حجاج کو خبر بھی نہیں ہوتی، اس کے جائز و ناجائز ہونے کو آسمان پر اٹھا رہے ہیں۔

ایک حاجی کو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز کا کرایہ اتنا ہے، اسے عموماً خبر نہیں ہوتی کہ اصل کرایہ کتنا ہے اور اس میں سے کتنا گورنمنٹ ادا کرتی ہے، بات یہ ہے کہ

ہوائی جہاز کی سروس گورنمنٹ کا ایک ادارہ ہے، اور گورنمنٹ اپنے انتظام میں ملک کے اندر اکثر اور ملک کے باہر تو تمام تر وہی سفر کراتی ہے، اسے اختیار ہے کہ جس کے لئے جتنا چاہے مقرر کرے، طلبہ کے لئے ملک کے اندر ریلوے سفر کا کرایہ آدھا ہو جاتا ہے، گورنمنٹ اس متعلقہ ادارہ کی کمی کو اپنے کسی اور خزانے سے پورا کر لے تو اس کا کوئی تعلق سفر کرنے والے سے نہیں، سفر کرنے والے کے ذمہ جتنا کرایہ ہے حج کی فرضیت اس کے حساب سے ہوگی، وہی اس کا اصل کرایہ ہے، باقی دوسروں سے کیا لیا جاتا ہے اس کی کوئی ذمہ داری اس پر نہیں ہے، اس لئے عدم جواز کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی تاجر کا عام ریٹ مثلاً کوئی ہے، لیکن اس نے غرباء ومساکین کے لئے طے کر دیا ہے کہ ان سے نصف قیمت لی جائے، لیکن دکان کا حساب پورا کرنے کے لئے باقی رقم وہ اپنے کسی دوسرے فنڈ سے ادا کر دیتا ہے۔ یہی حال یہاں ہے کہ حجاج سے کرایہ کی ایک خاص رقم جو دوسروں کے کرایہ سے کم ہے، گورنمنٹ نے مقرر کر دی، اس کی وجہ سے جو کمی واقع ہو رہی ہے اس کو گورنمنٹ نے اپنے کسی فنڈ سے ادا کر دیا تو اس میں ہیرا پھیری کا جو بھی مسئلہ ہے اس کا تعلق گورنمنٹ سے ہے حاجی سے نہیں۔ اس طرح کے مسائل کو اخبار میں اچھالنے سے پہلے علماء سے تحقیق کرنی چاہئے، یہ بڑی بے دانشی کی بات ہے کہ تحقیق سے پہلے ہی چیلنج اور ملامت کا انداز اختیار کر لیا جائے، یہ قوم کے اور ملک کے حق میں بھلائی نہیں بلکہ مشکلات پیدا کرنا ہے۔

اخباری اہل قلم کی غیر ذمہ داری ملاحظہ ہو، آواز ملک کے اداریہ نگار نے بلند آہنگی کے ساتھ فتویٰ صادر کیا ہے کہ جن لوگوں نے سرکاری سبسڈی کے ماتحت حج کیا ہے، کسی کا حج گناہ سے خالی نہیں ہوا، غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کا حج ہی نہیں ہوا، اور دلیل کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا، اور اللہ کے واسطے لوگوں پر حج فرض ہے، جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اس کا مطلب اداریہ نگار نے یہ بتایا ہے کہ اپنی جائز اور حلال کمائی سے جس کے پاس اتنی رقم جمع ہو کہ وہ جا سکے اور آ سکے، اور اس درمیان اپنے گھر والوں کے خرچ کا انتظام کر سکے، بس اسی کے لئے حج جائز

ہے، قرض لے کر یا کسی حکومت وغیرہ کی مدد سے حج کرنے گیا تو اس کا یہ عمل غیر شرعی اور ناجائز ہے۔

قرآن کریم اور اسلام پر یہ فتویٰ کتنا بڑا ظلم ہے، بس کیا کہا جائے، قلم ہر ایک کے ہاتھ میں ہے، جس کا جو جی چاہے لکھ مارے۔ اس آیت میں حج کی فرضیت کا بیان ہے، جو شخص مذکورہ بالا استطاعت رکھتا ہے اس پر فرض ہے کہ حج کے لئے جائے، یہ بات نہیں ہے کہ جس کے پاس یہ قدرت و استطاعت ہو حج میں جانا اسی کے لئے جائز ہو اور اگر نہ ہو تو حج میں جانا جائز ہی نہیں۔ حج کا فرض ہونا دوسرا مسئلہ ہے، اور حج کا جائز ہونا دوسرا مسئلہ ہے، یہ تو اور اندھیر ہے کہ صرف اپنی ہی کمائی سے جانا جائز ہے، تب تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ثروت انسان کسی دوسرے کو اپنے ساتھ اپنے خرچ سے حج میں لے جانا چاہتا ہے یا بھیجتا ہے، تو یہ بھی جائز نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ وہ اپنی کمائی سے نہیں جارہا ہے، حالانکہ اگر کوئی یہ فتویٰ دے تو بالکل غلط ہے، ہاں جائز آمدنی والی بات معقول ہے۔

اداریہ نگار کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہئے، اس سے توبہ و معذرت کرنی چاہئے، سبسڈی کی حقیقت واضح کی جاچکی ہے۔ (اپریل ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ ضیاءالاسلام (والاسلام) کے اجراء کی داستان

رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ میں جامعہ عربیہ انوارالعلوم جہانا گنج، ضلع اعظم گڈھ سے ماہنامہ انوارالعلوم کا اجرا ہوا تھا، جو سال بھر تک پابندی سے نکلا، علماء ومشائخ نے بھی اور عام قارئین نے بھی بہت پسند کیا، مگر بارہ شمارہ نکلنے کے بعد وہ بند ہوگیا۔ دوبارہ اسے محرم ۱۴۲۰ھ میں شروع کیا گیا، ابھی پانچ شمارے نکلے تھے کہ وہ پھر التوا میں پڑ گیا، اس کے بعد اس کے مدیر محترم مولانا عبدالرب صاحب اعظمی سے اجازت لے کر اس کا نقش ثانی مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور اعظم گڈھ سے بنام ''الاسلام'' جاری کیا گیا، جس کے بحمد اللہ اٹھارہ شمارے منظر عام پر آ چکے ہیں، الحمد للہ یہ بھی مقبول خاص وعام ہو رہا ہے، اس کے ڈکلیریشن کی درخواست حکومت کے متعلقہ شعبے کو دی گئی، تو بجائے ''الاسلام'' کے ماہنامہ ''ضیاءالاسلام'' شیخوپور کی منظوری ملی۔ قارئین کے ہاتھوں میں ماہنامہ ''ضیاءالاسلام'' کا پہلا شمارہ حاضر ہے، جنوری سے جون تک چھ شمارے ''الاسلام'' کے اور جولائی سے دسمبر تک چھ شمارے ''ضیاءالاسلام'' کے، اس طرح بارہ شماروں کی ایک جلد ہو جائے گی ۲۰۰۲ء کے آغاز سے اس کی دوسری جلد شروع ہوگی جو بارہ شماروں پر مکمل ہوگی۔ اسی طرح انشاءاللہ سال بسال نظام رہے گا، قارئین دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو استقامت بخشیں۔ آمین

آئندہ ماہ سے رسالہ میں چند عنوانات مستقل ہوں گے، جن کے تحت مضامین شائع کئے جائیں گے۔ انشاءاللہ

(۱) آغاز سخن: جس میں مختلف اور متنوع موضوعات پر ادارہ کی جانب سے اظہار خیال ہوگا۔

(۲) ضیاء القرآن اور ضیاء السنۃ: ان دونوں عنوانوں میں سے کسی ایک یا دونوں کے

لئے چند صفحات مختص ہوں گے، اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ ان دونوں موضوعات پر اپنے رشحات قلم سے رسالہ کو نوازیں۔

(۳) علمی ودینی اوراصلاحی مقالات۔

(۴) قندمکرر: اس عنوان کے تحت اکابر سلف کے مضامین یا ان کے ترجمے یا ان کی تلخیص پیش کی جائے گی۔

(۵) ملفوظات: حضرات اکابر کے ملفوظات وحکایات جس سے ایمان میں تازگی پیدا ہو، اعمال کا شوق اوران کی رغبت بیدار ہو، انھیں نقل کیا جائے گا۔

(۶) استفسار وجواب: اس عنوان کے تحت فتاویٰ، قارئین کے علمی ودینی سوالات کے جواب اوراشکالات کے حل پیش کئے جائیں گے۔

(۷) جدید مطبوعات پر تبصرے

یہ ایک خالص دینی رسالہ ہے، جوایک دینی مدرسہ کا ترجمان ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں صحیح دینی علم پھیلے، معاشرہ کی اصلاح ہو، باطل نظریات وخیالات کا احتساب ہو، حق کی روشنی عام ہو، قرآن وسنت کا نور غالب ہو۔ ادارہ کے ذمہ داراللہ کے حضور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے جادۂ حق پر استقامت بخشیں، شرور وفتن سے محفوظ رکھیں، اسے مسلسل جاری رکھیں، تمام مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائیں، اسے دین کا سچا خدمت گار بنائیں، اوراپنے فضل وکرم سے اسے قبول فرمائیں۔

ایں دعا از من از جملہ جہاں آمین باد

حضرات قارئین بھی دعا فرمائیں، اوراس کی توسیع اشاعت کے لئے کوشش کریں۔　(جولائی ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتصادی بدحالی اور اس کا حل

کچھ دنوں پہلے کی بات ہے، ایک صنعتی جگہ میں کوئی غیر مسلم سرکاری عہدیدار آیا، وہ لوگوں کے احوال معلوم کر رہا تھا، جن کے درمیان وہ تھا، وہ سب مسلمان تھے، ان لوگوں نے اقتصادی بدحالی کی شکایت کی اور بتایا کہ معاشی کاروبار ٹھپ پڑا ہوا ہے، لوگ مالی مشکلات میں بہت زیادہ مبتلا ہیں، اس پر اس غیر مسلم نے جو کچھ کہا، اس کا خلاصہ یہ تھا:

"آپ لوگوں پر تو اس کاروباری پریشانی کا کوئی اثر نہیں، سنیما کی کھڑکیوں پر آپ لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے، کہیں مشاعرہ ہوتا ہے تو لاکھوں لاکھ کی رقمیں آپ لوگوں کے جیب سے نکلتی ہیں، ناچ گانا ہو تو آپ لوگ دور دور سے پہونچ جاتے ہیں، غرض فضول خرچی بلکہ گناہ کے کاموں میں آپ لوگ بہت آگے رہتے ہیں، پھر مالی مشکلات کی کیا شکایت ہے، ہم تو جب جانتے کہ آپ لوگ کاروباری اعتبار سے پریشان ہیں، جب آپ ان جگہوں میں نظر نہ آتے، روپئے احتیاط سے خرچ کرتے، لیکن کیا ایسا ہوتا ہے؟ ہم تو نہیں دیکھتے۔

یہ اس غیر مسلم کا مسلمانوں کے منہ پر غیرت کو للکارنے والا ایک زوردار طمانچہ ہے، لیکن کیا ہماری قوم کو حیا آئی؟ کیا انھیں غیرت آئی، انھوں نے اپنی زندگی کے پروگرام میں کوئی تبدیلی پیدا کی؟

بے شک لوگ کاروباری اعتبار سے پریشان ہیں، معاشی مسائل ایسے غیر یقینی احوال کے شکار ہیں کہ ہر شخص کو خواہ وہ بڑا تاجر ہو یا معمولی صنعت کار، مستقبل اندھیرا ہی نظر آتا ہے۔ ہر شخص کی زبان شکایت کے کلمات سے آلودہ ہے، کوئی حکومت کو برا بھلا کہہ رہا ہے کہ اس کی غلط پالیسیوں نے کاروبار کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے، بلاشبہہ یہ بھی

صحیح ہے کہ حکومت کی نیت وعمل دونوں غلط ہیں، تاہم کیا ہمارے تبصروں، کچھ لوگوں کے احتجاجوں اور ہڑتالوں سے یہ پالیسیاں صحیح ہو جائیں گی۔

ہر مسلمان جانتا ہے بلکہ کافر بھی جانتا ہے کہ روزی اور مالداری وغربت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی سے ہے۔ اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ، اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہیں روزی کشادہ کردیتے ہیں، اور جس کیلئے چاہیں تنگ کردیتے ہیں۔ اس مضمون کی متعدد آیات قرآن پاک میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اقتصادی پابندی کی منصوبہ بندی کرنے والوں کے سلسلے میں یہ بھی فرمایا کہ: وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَایَفْقَھُوْنَ، اور اللہ ہی کی ملکیت میں زمین وآسمان کے تمام خزانے ہیں لیکن منافقین نہیں سمجھتے۔

بے شک منافقین اس بات کو نہیں سمجھتے کہ زمین وآسمان کے تمام خزائن اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، ان کی حکمت ومصلحت جب تقاضا کرتی ہے، بندوں کے درمیان اسے تقسیم فرماتے ہیں: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَ نَا خَزَائِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدْرٍ مَّعْلُوْمٍ، اور ہر چیز کے خزانے ہمارے ہی پاس ہیں، اور ہمیں انھیں ایک متعین اور معلوم مقدار میں نازل کرتے ہیں۔ یہ بات منافقین کی سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جو لوگ ایمان ویقین کی سعادت رکھتے ہیں وہ بھی انجان بن جاتے ہیں، ان کے احوال وآثار سے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے اس موٹی اور بدیہی ایمانی بات کو وہ بھی نہیں جانتے۔

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے، جس کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جس چیز کا جو مالک ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ صاحب قدرت واختیار ہو، اس سے لڑکر، اس کو ناراض کرکے وہ چیز نہیں حاصل کی جاسکتی، اس کا ایک ہی راستہ متعین ہے کہ اسے راضی کیا جائے، کسی ڈھب سے اسے خوش کیا جائے، جبھی وہ چیز مل سکتی ہے، روزی اور کاروبار کو نہ کسی حکومت کی پالیسی نے ٹھپ کیا ہے، اور نہ کسی قوم نے، یہ تمام تر اسی مالک ومولیٰ کی مشیت ہے جس نے اعلان فرمایا ہے اور بار بار

اعلان فرمایا ہے کہ زمین وآسمان اور اس کے تمام خزائن اس کے ہاتھ میں ہیں، اسی مالک نے ارادہ فرمایا اور کاروبار مندا پڑ گیا، پھر جب وہی ارادہ کرے گا تو کاروبار کھلے گا۔

ایسے حالات میں کیا یہی کرنے کے کام ہیں کہ، اللہ کا نام لینے والے مشاعرے کرائیں اور ان پر اپنی جان اور مال خرچ کریں، شاعروں کے پیچھے دوڑیں، وہ شاعر جن کے پیچھے دوڑنے والوں کو اللہ تعالیٰ گمراہ قرار دے۔ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ، اور شاعر ان کے پیچھے وہی لوگ لگتے ہیں جو گمراہ ہیں۔ کیا یہی کام رہ گیا ہے کہ مشاعروں کی راہ میں مسلمان اپنی جیبیں خالی کریں، مسلمانوں کا سرمایہ دار اس میں بھاری چندے دے، اور کیا مسلمان نوجوانوں کے لئے یہ مشغلہ رہ گیا ہے کہ کاروبار مندا ہو گیا ہے، معاشی کام بند پڑا ہے، تو لاؤ کھیل کے میدان کو سجائیں، غول کے غول اچھل کود کریں، کرکٹ یا فٹ بال یا والی وال میں اپنے قیمتی اوقات کو اپنے دل ودماغ کو ضائع کریں، کچھ کھیلنے والے، ان سے زیادہ کھیل کو دیکھنے والے، صرف تھوری دیر تفریح کے لئے نہیں، تازگی طبع کے لئے نہیں، مستقل مشغلہ بنا کر کھیل کود میں اپنے معاشرہ کو تباہ کریں، سنیما گھروں کو رونق ان سے ہو، کیا یہی کام رہ گیا ہے، اور اگر یہ نہیں تو آپسی لڑائی جھگڑے، ایذا رسانیاں، بدخواہیاں وغیرہ کریں، کیا یہی وہ کام ہیں جن سے بند پڑا ہوا کاروبار کھل جائے گا، روزی کے بند دروازے وا ہو جائیں گے، تباہ ہوتی ہوئی معیشت آباد ہو جائے گی، کیا انھیں مشغلوں سے خَزَائِنُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ کا مالک خوش ہو جائے گا اور وہ خزانوں کو ہم پر انڈیل دے گا، کلا ثم کلا، کبھی نہیں! ہرگز نہیں!

تو اے مسلمانو! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟ کیا سربلندی کا راز اسی میں ہے؟ اگر نہیں تو خدارا بتاؤ کہ ہمارا یہ راستہ کن لوگوں کا راستہ ہے، کیا یہی نبی کا راستہ ہے، کیا اسی پر اللہ کے آخری پیغمبر نے ہم کو چلایا تھا؟ کیا نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں جب آفات کی یلغار ہوتی تھی، تو وہاں بھی یہی طریقے اختیار کئے جاتے تھے۔

کام یہ نہیں ہیں، کام یہ ہے کہ تباہی کے ان حالات میں آدمی سنجیدہ ہو جائے، اپنی

غلطیوں کا احتساب کرے، کاروبار میں آدمی ایمان داری اور دیانت کو اختیار کرے، حال یہ ہے کہ معاشی مشغلہ اختیار کرنے والا ہر طبقہ بے عنوانیوں کا شکار ہے۔ کوئی بھی تجارت اور کوئی بھی صنعت، کوئی کاروبار ایسا نہیں ہے جس میں مختلف قسم کی بددیانتیوں کا عمل دخل نہ ہو، کیا وہ سرمایہ دار طبقہ ہو، کیا وہ مزدور طبقہ ہو، اور کیا وہ ملازم پیشہ طبقہ ہو، جس کو جتنا اور جہاں موقع ملتا ہے، خوفِ خدا سے بے نیاز ہوکر اپنی ظاہری منفعت کو اختیار کرتا ہے، یہ کاروباری بددیانتی جب اجتماعی شکل اختیار کرلیتی ہے تو اللہ کا فیصلہ بدلتا ہے، گناہ کی کثرت اور اس پر توبہ وندامت کا نہ ہونا کاروبار کو فیل کردیتا ہے، یہ بددیانتی وہ ہے جس کی تلافی نفل نمازوں سے بھی نہیں ہوتی، لیکن آہ! کہ ہم نفل نماز کا نام کیا لیں، یہاں تو فرائض غفلت کی نذر ہیں، یہ اور ایک معصیت ہے، اور بڑی مصیبت ہے کہ اسلام کا نام لینے والا اپنے ہی ہاتھوں اسلام کی بنیاد کھودرہا ہے، مسجدیں شاندار بن گئی ہیں، مگر نمازی نہ رہے، بالخصوص فجر کی نماز سے تو وہ غفلت ہے کہ ہر مسجد روتی ہے، یہی وقت ہے جب اللہ تعالیٰ کی جناب سے روزی کے، صحت کے، مغفرت کے، فیصلے ہوتے ہیں اور یہ سب چیزیں خدا سے چاہنے والا خوابِ غفلت میں پڑا رہتا ہے، بھلا اس کا بھلا کیسے ہوگا؟

اس اقتصادی بدحالی اور کاروباری پریشانی کا علاج یہ ہے کہ ہر شخص اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرلے، بالخصوص وہ گناہ جس کا ضرر بندوں پر پڑتا ہے، جیسے بددیانتی، بے ایمانی، جھوٹ، جھوٹا وعدہ، ناجائز ملاوٹ، لین دین میں دھوکہ، قرض لے کر بے فکر ہوجانا، احسان کرکے جتلانا یا احسان لے کر نمک حرامی کرنا، ان سے سچی توبہ کرے، انھیں ترک کرے، بقدر امکان اس کی تلافی کرے، فرائض کی پابندی کرے، رات کے آخری حصے میں اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرے، حساب کرکے پائی پائی کی زکوٰۃ ادا کرے، پھر انشاء اللہ حالات بدلتے دیر نہیں لگے گی، ہاں گناہوں اور فضول خرچی میں مال برباد نہ کرے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے عافیت نصیب فرمائیں۔ (اگست ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الیکشن کا موسم

ہندوستان میں ایک بار پھر الیکشن کا ہنگامہ گرم ہونے والا ہے۔ یہ ہنگامہ آئے دن گرم ہوتا رہتا ہے، موسم پر بھی اور بے موسم بھی، یہ ہنگامہ جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو حکومتیں بنتی ہیں، ان کے بننے میں بھی بڑی کشمکش، آویزش اور ہنگامہ آرائی ہوتی ہے، کچھ مدت اس میں صرف ہوتی ہے، پھر کچھ دن حکومت کے درو بست کے درست کرنے میں صرف ہوتے ہیں، ان میں بھی چین کے دن کم ہی ملتے ہیں۔ پھر اچانک معلوم ہوتا ہے کہ الیکشن کا ناچ دوبارہ شروع ہونے والا ہے۔ انھیں طوفانی موجوں میں ہندوستانی عوام کی ناؤ، کاروباری ناؤ، سکون واطمینان کے انتظار کی ناؤ، آپسی تعلقات کے بناؤ کی ناؤ، تہ وبالا ہوتی رہتی ہے۔ پھر اسی ہنگامہ کی خبر گرم ہے، حکومت واقتدار کے لئے کچھ نئے کچھ پرانے ہتھیار بنائے اور تیز کئے جارہے ہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ اس تیز وتند طوفان کی تہ سے کیا چیز باہر آئے گی۔ کاش کوئی معقول، کوئی نیک نیت اور خلوص سے ملک کی اور عوام کی خدمت کرنے والی حکومت آتی ، گوکہ آثار ایسے نظر نہیں آتے ، نہ ارباب، حکومت کے احوال پُر امید ہیں اور نہ عوام کے حالات درست ہیں۔

حکومت کی بدنیتی کا حال تو سب کو معلوم ہے، اور اس کے آثار بھی ملک بھر میں نمایاں ہیں، حکومت جب خوش نیت ہوتی ہے تو رعایا آسودہ اور خوشحال ہوتی ہے، آسمان اور زمین کی برکتیں کھل جاتی ہیں، اور حکومت بدنیت ہوتی ہے تو عوام میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور بے چینی ہوتی ہے۔ زمینی آفات، آسمانی بلائیں سب گھیرتی ہیں، حکومت کی نیت کا اثر پورے ملک پر پڑتا ہے، زندگی کا ہر شعبہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔

’’اخلاق محسنی‘‘ فارسی کی ایک کتاب ہے، جو پہلے عام طور سے مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل تھی۔اس میں مصنف نے ایک سبق آموز واقعہ نقل کیا ہے: کوئی بادشاہ شکار کے لئے نکلا، جنگل میں اپنے ایک وزیر کے ہمراہ شکار کی تلاش میں دور تک نکلتا چلا گیا، پیاس لگی تو پانی کی تلاش میں ایک گاؤں کے کنارے پہونچ گئے، ایک بوڑھا کسان گنے کا رَس کولھو کے ذریعہ نکال رہا تھا، بادشاہ نے پانی مانگا، بوڑھا یہ تو نہ جان سکا کہ یہ کون لوگ ہیں لیکن چہرے بشرے سے تاڑ گیا کہ بڑے لوگ ہیں، اس نے اپنی حیثیت کے مطابق عزت واکرام سے بیٹھایا اور ایک گنّا کولھو میں لگایا، اور ایک بڑے پیالے میں اس کا رَس بھر کر حاضر خدمت کیا، بادشاہ نے دیکھا کہ ایک گنے سے اتنا زیادہ رَس نکلا ہے تو اس نے دل میں خیال کیا کہ میرے ملک میں کسان بہت خوشحال ہیں، خوشحالی کے لحاظ سے ان پر ٹیکس کم لگایا گیا ہے، اسے بڑھانا چاہئے، یہ سوچ رہا ہے اور رس پی رہا ہے۔اس کے بعد وہ بوڑھا پیالہ لے کر لوٹا کہ اب دوسرے ساتھی کے لئے رَس نکالے، اب کے اس نے کئی گنے کولھو میں لگائے تب پیالہ بھر کر رَس نکلا، اس نے پیالہ حاضر کیا، بادشاہ اسے بھی دیکھ رہا تھا، اسے تعجب ہوا، اس نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ پہلے ایک ہی گنے سے اتنا رس نکلا کہ پیالہ بھر گیا اور اب جانے کتنے گنے تم نے لگاڈالے تب پیالہ بھرا، کہنے لگا کہ وجہ تو اللہ ہی جانے، کھیت وہی، بیج وہی، گنا وہی، پھر اللہ ہی جانے اتنا فرق کیوں ہوا؟ مجھ کو ایسا لگتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کی نیت خراب ہوگئی ہے، بادشاہ کو ایک زوردار طمانچہ لگا، اس نے اپنا ارادہ تبدیل کرلیا، اور پھر اس سے ایک پیالہ رس مانگا، اب کے پھر وہی ایک گنا اور وہی پیالہ رس سے لبالب! بادشاہ نے پھر اپنا سوال دہرایا کہ اب کیا حال ہے؟ بولا حضور معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کی نیت درست ہوگئی ہے۔

یہ محض ایک قصہ نہیں ہے سراپا حقیقت اور پکی صداقت ہے، تمام آسمانی کتابیں، سارے جہاں کی تاریخ اس کی شاہد ہے، یہ واقعہ جیسے کل سچا تھا آج بھی سچا ہے، حکومتوں کے ارادے کہاں کہاں تک اثر انداز ہوتے ہیں، اس کا ایک نمونہ اس مثال میں موجود ہے،

اندازہ کرنے والے اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں۔

اب عام پبلک کی بات سنئے! ان کے حالات کا مشاہدہ کیجئے تو ہر شخص کا حال عجیب نظر آئے گا۔ خود غرضی، مفاد پرستی، جتنا بس چل سکے دوسروں کو دبانا، طاقت کے بقدر ظلم وغیرہ، ایک عجیب افراتفری کا عالم ہے، اس حالت میں کیا توقع خیر کی ہو سکتی ہے، اور کیا امید کی جا سکتی ہے کہ اس الیکشن کے طوفانِ بلا خیز سے کوئی اچھی حکومت ابھر سکتی ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے ظالم حکمراں نے شکایت کی، تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ دو یار ہم سفر تھے، ایک نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے سلطنت عطا فرمائے تو ایسا عدل وانصاف کروں اور جود وکرم کی وہ داد دُوں کہ کبھی کسی نے سنا بھی نہ ہو۔ دوسرا بولا کہ اگر میں بادشاہ ہو جاؤں تو ہر روز ایک آدمی کو قتل کیا کروں، اور ایسے ایسے ظلم ایجاد کروں کہ جو کسی کے خیال میں بھی نہ گزرے ہوں! خدا کی قدرت! کچھ مدت کے بعد وہ ظلم دوست آدمی صاحب تخت وتاج ہو گیا اور اپنے ارادہ ومنشا کے مطابق اس نے ایسے ایسے ظلم شروع کئے کہ تمام ملک میں شورِ قیامت برپا ہو گیا۔ اتفاقاً وہ عدل پسند یار بھی وہاں آنکلا، لوگوں نے اس کے روبرو واویلا کی کہ صاحب! بادشاہ آپ کا قدیم دوست ہے، کچھ تم ہی سمجھاؤ کہ جورِ بے حد سے باز آئے۔ اس نے تنہائی میں نصیحت کی کہ یار! کچھ تو خدا سے ڈر، کیوں خلقت کو تباہ کرتا ہے، اس نے جواب دیا! اے احمق! اگر اللہ کو لوگوں پر رحم کرنا منظور ہوتا تو مجھ کو دولت وسلطنت کیوں دیتا، تجھ ہی کو نہ بادشاہ بناتا، کیا تجھ کو یاد نہیں کہ میں نے اس سفر میں کیا کہا تھا؟

اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہت خود سے نہیں برپا ہوتی، خدا جس کو چاہتا ہے بادشاہت عطا فرماتا ہے، ارشاد ہے: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

تم کہہ دو کہ اے اللہ، اے ملک کے مالک آپ جسے چاہتے ہیں غلبہ عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہتے ہین ذلت کے گڈھے میں گرا دیتے ہیں، آپ ہی کے ہاتھ میں سب

خیر ہے، بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

جب یہ ہے تو اللہ کے بندے اپنے احوال واعمال جیسا بناتے ہیں، اسی طرح کی حکومت مسلط کی جاتی ہے، اگر بندے اس لائق ہوتے کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے تو اچھی حکومت لاتے۔

اگر واقعی اچھی حکومت درکا ہے تو رعایا میں ایمان داری، سچائی، باہمی ہمدردی، خیر خواہی کا چلن عام ہونا چاہئے ،ورنہ بدچلن رعایا بدچلن حاکم ہی کا انتظار کرے، بالخصوص مسلمان جن کو یہاں کی حکومت سے سب سے زیادہ شکایت ہے۔الیکشن کی تمام زورآزمائیوں کا یہ بارہا تجربہ کر چکے ہیں، نتیجہ ہمیشہ خلاف رہا، ہراگلا دن پچھلے دن سے مشکل آتا گیا ہے، ان کے پاس تو زندگی کا ایک مکمل اور پاکیزہ دستور العمل ہے، یہ اس دستور العمل کو سیکھتے اور اپنے اوپر اس کو نافذ کرنے کا حوصلہ رکھتے ،تو رنگ بدلتے دیر نہ لگتی ،مگر ہماری حالت نہایت افسوسناک ہے، ہم دنیا میں دو ہی چیز دیکھتے ہیں، اپنا ہنر اور دوسروں کا عیب! جوکوئی ہنر دیکھتا ہے تو اپنی ذات تک محدود رہتا ہے، اور اگر کوئی عیب تلاش کرنا شروع کرتا ہے تو دوسرے سے اس کی ابتدا کرتا ہے، اپنے کو ہمیشہ مستثنٰی کر لیتا ہے۔

ہم حکومت کو کیا مخاطب کریں کہ اس کے ایوانِ بلند تک ہماری ضعیف آواز کی رسائی کہاں؟ ہم غیر مسلموں سے کیا کہیں کہ ان کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز تک ہم سے میل نہیں کھاتا، ہم اپنے بھائیوں کو یعنی اسلام کے نام لیواؤں کو پکار سکتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ یہ تو اپنے دستور العمل (قرآن وحدیث) کا پاس ولحاظ رکھیں، علماء ومشائخ اس کے اولین ذمہ دار ہیں، پھر عوام پر لازم ہے کہ ان علماء ومشائخ سے اپنے اعمال وکردار کی اصلاح کرائیں، تاکہ خدا تعالیٰ راضی ہوں اور وہ اپنے اختیار سے حکومت میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا کریں۔ **وما ذٰلک علی اللہ بعزیز**

(ستمبر ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات کے بحران میں دستور العمل

ہمارے ملک کے حالات رفتہ رفتہ وہ رخ اختیار کرتے جارہے ہیں جس سے علماء کرام، مسلم سیاسی زعماء اور عام مسلمانوں میں بے چینی اور بے یقینی کی کیفیت بڑھتی جارہی ہے، ہم نے پہلے انھیں صفحات میں ذکر کیا تھا کہ موجودہ حکومت ملک کے حق میں عموماً اور مسلمانوں کے حق میں خصوصاً بدنیت ہے، اس کی بدنیتی کے مظاہر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے ہیں، یہی بدنیتی تھی جس نے اجودھیا کی ایک تاریخی مسجد کو منہدم کرایا، اور اس کے نتیجے میں ملک بھر میں فسادات کی ایک لہر چل پڑی، اور پھر اس کے بعد خدائی قہر کا کوڑا بھی خوب برسا، پھر جب سے مرکز میں موجودہ حکومت بنی ہے اس کی بدنیتی کا ظہور جلد جلد ہونے لگا ہے۔ اس حکومت کو..... حکومت ہی کیا.....اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کو دینی استقامت، مذہبی پختگی اور اسلامی تشخص بخشنے کا عمل ان مدارس دینیہ میں انجام پاتا ہے جن کے قیام و بناء کا آغاز اسی وقت ہوا تھا جب ہندوستان میں مسلمانوں کی مغلیہ حکومت کا چراغ جھلملا جھلملا کر ۱۸۵۷ء میں بجھ گیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، اس کے بعد مدارس کا سلسلہ چل نکلا، مدارس ہی کے طفیل ہندوستان میں مسلمان بچے رہے، اسلامی تشخص بچا رہا، ان مدارس سے اتنے طاقتور علماء اٹھے جو حکومتوں سے بے تکلف ٹکرا سکتے تھے، وہ انگریزی سامراجیت سے ٹکرائے، اور ایسا ٹکرائے کہ اسے پسپا ہونے پر مجبور کردیا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوگیا تو ہندوستان کے مسلمان ایک مرتبہ پھر لہولہان ہوگئے، اور اندیشہ ہو چلا تھا کہ پاکستان بننے کے انتقام میں یہاں کی اکثریت انھیں نگل جائے گی، لیکن یہ علماء ہی تھے جنھوں نے اللہ کی توفیق سے مسلمانوں کو، ان کے دینی وجود کو، ان کے اسلامی قانون و شریعت کو سنبھالا اور بچایا۔

یہ علماء، یہ شاہین کا جگر رکھنے والے علماء، عقاب کی نگاہ رکھنے والے علماء کہاں بنتے اور کہاں ڈھلتے ہیں؟ یہ مدارس ہی ہیں جہاں سے ہر ضرورت کے وقت ایک سے ایک جگر دار اور دور اندیش علماء پیدا ہوتے ہیں، دنیا چاہے انھیں کتنا ہی رجعت پسندی اور بنیاد پرستی کا طعنہ دے، مگر دین اسلام کی حفاظت میں جان لڑا دیتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ جب تک یہ مدارس ہیں اور جب تک یہ علماء ہیں، مسلمان کا جسم تو لہولہان ہوسکتا ہے، اس کا مال تہس نہس ہوسکتا ہے مگر اس کی روح فنا نہیں ہوسکتی ہے۔ حکومت نے بھی یہ سمجھا اور اس نے سازشوں کا رُخ ادھر پھیر دیا۔ ایک غُل مچا ہوا ہے کہ مدارس کے اندر صرف دینی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ تخریب کی مشق کرائی جاتی ہے، بغاوت کے لاوے پکائے جاتے ہیں، اللہ جانے کن کن تباہ کاریوں کا مرکز انھیں بتایا جاتا ہے، بے بنیاد الزام! بے حقیقت تہمت! لیکن اس زور وشور سے انھیں پھیلایا جاتا ہے جیسے یہی حقیقت ہو، پہلے تو ملک کے سرحدی مدارس کو خطرے کا نشان بتایا گیا، اب آگے بڑھ کر دارالعلوم دیوبند کو..... جو اس ملک میں جدوجہد آزادی کا بڑا مرکز رہ چکا ہے .....نشانہ بنایا جارہا ہے، یوم آزادی کے موقع پر اس سے کچھ دنوں پہلے سے خاص دیوبند میں اس کے خلاف سرگرمیوں کے آثار پائے جارہے تھے، پھر کچھ روز پہلے ٹرین میں ایک بم دھماکہ ہوا، جس میں دارالعلوم دیوبند کا ایک طالب علم شہید ہوگیا اور تین زخمی ہوئے، اور پھر الزام انھیں پر رکھا گیا کہ اس دھماکہ کے مجرم یہی تھے، حالانکہ بعد میں یہ بات غلط ثابت ہوئی لیکن جو بات آگ کی طرح پھیل جاتی ہے اس کو محو کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ان حالات سے مسلمان بہت وحشت زدہ اور کبیدہ خاطر ہیں، اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ قومی پیمانے پر انھیں ہراساں کرنے اور پھر مٹا دینے کا منصوبہ ہر وقت زیر غور رہتا ہے، بلکہ بروئے کار آتا رہتا ہے، لیکن مسلمانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ؎

دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تر ست

دشمن اگر مضبوط ہے تو نگہبان اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔

مسلمان وحشت میں مبتلا نہ ہوں، نہ کچھ خوف کریں، مسلمان بزدل نہیں ہوتا، اس

کا مرکز قلب اور مطمحِ نگاہ صرف اور صرف ایک ہے، یہ مشرک نہیں کہ کمزور خداؤں سے مایوس ہوجائے، یہ موحد ہے، اس کا ایمان اللہ پر ہے جس کے اشارے پر ساری کائنات ہے، مشرک تو عذابِ دائمی میں گرفتار ہے، شرک کی ظاہری اور عارضی چمک دمک سے نگاہیں اگر خیرہ ہوگئیں تو توحید اور ایمان کی سخت توہین ہے، مسلمانوں کو صرف اس کی ضرورت ہے کہ ان ناموافق حالات میں جبکہ بحالت موجودہ طاقت کے مجتمع کرنے اور اسے استعمال کرنے سے یکسر مجبوری ہے، شریعت اسلامی کے احکام معلوم کریں اور بغیر کسی تذبذب کے ان پر جم جائیں اور یقین کی قوت کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہوجائیں، پھر دیکھیں کہ ان کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتے اتر آئیں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰئِکَۃُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ اَوْلِیَاءُ کُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَاتَشْتَھِیْ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَاتَدَّعُوْنَ نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ. (سورہ حم السجدۃ: ۳۰،۳۱،۳۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اپنے اس قول پر مضبوط رہے، ان پر فرشتے مسلسل اُترتے ہیں کہ نہ کچھ اندیشہ کرو، نہ افسوس میں پڑو اور جنت کی خوش خبری حاصل کرو، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو، یہ سب سامان مہمانی ہے، مغفرت کرنے والے رحم وکرم کرنے والے کی جانب سے۔

یہ اللہ کا فرمان ہے، جو ہر قسم کے شک وشبہے سے پاک ہے، اور اگر مسلمان ہوکر مسلمان ہونے کی وجہ سے، اسلام پر ثابت قدم ہونے کی وجہ سے ستائے جاتے ہیں، مارے جاتے ہیں، لوٹے جاتے ہیں، تو کچھ غم نہیں، جس ذات کے نام پر ستائے جارہے ہیں، مارے جارہے ہیں، لوٹے جارہے ہیں، اس کو سب خبر ہے، ہر دشمن اس کی گرفت میں ہے،

اور مسلمان کی تو بڑی سعادت ہے اس کے پروردگار کے نام پر اور اس کی وجہ سے ستایا اور مارا جائے۔ مارے گئے تو شہید ہیں، جن کے بارے میں پروردگار کا حکم ہے کہ انھیں مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں انھیں روزی ملتی ہے، اور اس دنیا سے کہیں بڑھ کر انھیں بڑے بڑے انعام سے نوازا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں: فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَاباً مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران) پھر وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے، ان سے ان کی برائیاں دور کردوں گا، اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کی جناب سے بدلہ ہے، اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہے۔

ان آیات میں جو چند چیزیں اللہ نے ذکر فرمائی ہیں، یعنی (۱) ہجرت کرنی (۲) گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا جانا (۳) اللہ کی راہ میں ستایا جانا (۴) جہاد کرنا (۵) اور پھر شہید ہونا۔

مسلمان نہ مرنے سے گھبراتا ہے اور نہ ستائے جانے سے، بشرطیکہ وہ اللہ کے لئے ہو، کسی اور مقصد سے مارا جانا یا ستایا جانا اس کے لئے باعث ننگ ہے، مگر اللہ کے لئے یہ سب ہو تو صد رشک عبادت ہے۔

پس یہ حالات ایک مسلمان کے لئے مایوسی کا سبب نہیں ہیں، وہ اللہ سے امید کبھی نہیں توڑتا، اس کی قدرت میں ہے جب چاہے حالات کو پلٹ دے۔

پس اے مسلمانو! ☆ اللہ کی اطاعت کرو، ☆ رسول کی سنت پر چلو، ☆ نمازوں کی پابندی کرو، ☆ صرف اللہ سے مدد مانگو کسی اور آستانے پر مت جھکاؤ، ☆ بدعت سے اجتناب کرو، ☆ دل سے کینہ کپٹ کو دور کرو، ☆ حقوق کے ادا کرنے میں سبقت کرو، ☆ کسی کا حق نہ مارو، نہ ستاؤ، ☆ وراثت کو شرعی قانون کے مطابق تقسیم کرو، ☆ اپنی ظاہری

شکل وصورت کو شریعت کے مطابق رکھو۔ داڑھی بڑھاؤ، مونچھوں کو ترشواؤ، ☆ ہر ناجائز آمدنی سے پرہیز کرو، ☆ غلط خرچ سے خود کو بچاؤ، ☆ جھوٹ سے، تہمت تراشی سے، غیبت سے، آبروریزی سے اپنی مجلسوں کو پاک رکھو، ☆ مال بقدر نصاب ہو اور سال گزر جائے تو فوراً زکوٰۃ ادا کرو، ☆ حج کی استطاعت ہو جائے تو بلا تاخیر حج کرو، ☆ رمضان شریف کے روزے رکھو اور تراویح کا اہتمام کرو۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن سے کوئی نہیں روک سکتا، اتنا کر لو تو دیکھنا کیسا انقلاب آتا ہے، جس کی آج طاقت نہیں ہے، کل وہ کام آسان ہوگا، کوئی حکومت کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی، خیر وشر سب خدا کی قدرت میں ہے، ان کی بات مانو اور اطمینان سے ان پر توکل کرو: وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ، (سورۃ الطلاق: ۳) جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کو کافی ہے۔

قُلْ ھُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِہٖ وَعَلَیْہِ تَوَکَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ ھُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۔(سورۃ الملک) کہہ دو وہی رحمٰن ہے، اسی پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم نے توکل کیا، جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کھلی ہوئی غلطی اور گمراہی پر کون تھا۔

(اکتوبر ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طاقت کا نشہ اور اس کا انجام

طاقت کا نشہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ طاقت دی ہوئی خدا کی ہوتی ہے اور اتراتا اٹھلاتا آدمی ہے! کتنا نادان ہے وہ جو خود کو دانا کہتا ہے، کیا جو چیز اپنی ملکیت میں نہیں ہے اس پر بھی اترایا جاتا ہے؟ حکومت مل گئی تو یہ اتراتا ہے، دولت مل گئی تو دماغ نہیں ملتا، اسباب وآلات ہاتھ آگئے تو خدائی پر اتر آیا، اس سے عقل مند تو وہ ڈاکیہ ہے جس کے تھیلے میں بہت ساری رقم ہے، مگر اسے ذرا بھی غرور نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ میری ملکیت نہیں ہے، میرے پاس امانت ہے، اور تھوڑی دیر کے بعد اس کا حساب پیش کرنا ہے، مگر بادشاہ سلامت ہیں کہ ہاتھ سے نکلے جارہے ہیں، کہ حکومت مل گئی ہے۔ ایک صاحب کو مصر کی بادشاہت ملی تھی، وہ خدا بن بیٹھے۔ ایک صاحب عراق میں تخت وتاج کے مالک ہوئے، ان کے سر میں بھی خدئی کا سودا سمایا، اور اللہ جانے کتنے لوگوں پر طاقت وحکومت کا نشہ چڑھا اور خدائی تک پہونچے، لیکن ان سب خداؤں کا حشر کیا ہوا؟ پنپ سکی ان کی خدائی؟ ایک پانی میں ڈوبا، تو دوسرا کسی اور عذاب میں گرفتار ہوا۔

کسی زمانہ میں سپر پاور کی مالک ایک قوم تھی، اس کو جب خدا سے اور خدا کے عذاب سے ڈرایا گیا، تو اس قوم نے بڑے طنطنے سے جواب دیا: مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً۔ ہم سے زیادہ کس میں زور ہیں۔ اس نے غرور سے سر اونچا کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ وہ جو عاد تھے، وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ تفسیر موضح القرآن میں ہے کہ ''ان کے جسم بہت بڑے بڑے ہوتے تھے، بدن کی قوت پر غرور آیا، غرور کا دم بھرنا اللہ کے وہاں

وبال لاتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَھُمْ ھُوَ اَشَدُّ مِنْھُمْ قُوَّۃً۔ (سورہ حم السجدہ) کیا انھوں نے یہ نہیں دیکھا اللہ جس نے انھیں پیدا کیا ہے، وہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔

پھر جب اللہ کی طاقت ظاہر ہوئی، تو جو جہاں تھا وہیں بجھ گیا، ہوا کا ایک طوفان آیا اور درختوں جیسی لاشیں ہر طرف بکھرتی چلی گئیں۔ بعد کی قومیں اگلی قوموں کے حالات سے سبق نہیں لیتیں، طاقت کا نشہ پہلے خدا ہی سے انسان کو کاٹتا ہے، یہ نشہ آدمی کو، اسی آدمی کو جو اپنی پیدائش کے وقت اتنا کمزور تھا کہ ایک ہلکا جھٹکا برداشت نہیں کرسکتا تھا، خدا سے نڈر بنادیتا ہے، وہ اپنی طاقت کے نشے میں مظالم کا ڈھیر لگادیتا ہے۔

ابھی کتنے دنوں کی بات ہے، ایک صدی بھی نہیں بیتی ہے، ایک قوم نے اپنے ملک (روس) سے خدا کو باہر کردیا، بڑی گستاخیاں کی تھیں، مدارس بند کرادئے، مساجد کو ویران کردیا، خانقاہیں تباہ کردیں کہ ان میں خدا کا نام لیا جاتا ہے، مگر جن آنکھوں نے یہ گستاخیاں اور شوخ چشمیاں دیکھی تھیں، انھیں آنکھوں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ نشہ اتر گیا۔ پھر خدا کا نام لینے والے ایک نہیں متعدد ملک ابھر کر سامنے آگئے، وہ طاقت زوال کا شکار ہوگئی۔ اب ایک ہی صاحب (امریکہ) رہ گئے، جو مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً (ہم سے زیادہ کون طاقتور ہے) کے نشہ میں چور تھے، جس پر چاہا ہاتھ چلادیا، پاؤں سے روند دیا، کھانا پانی بند کردیا۔ باقی سب مارے خوف کے ''جی حضور'' ''جی حضور'' کا وظیفہ پڑھنا اپنی سعادت سمجھتے رہے۔ یہ صاحب ایک طرف اسرائیلی کتے کو غرانے اور کاٹنے کے لئے غذا مہیا کرتے رہے اور دوسری طرف مقابل والوں کو تھپک کر سلانے کی بھی کوشش کرتے رہے۔ ایک طرف ایک ملک کو اکسایا کہ ہاں شاباش! فلاں ملک کو ہڑپ لو، پھر اس کو ڈانٹا کہ کمبخت تو نے کیوں ایسا کیا، ہم تجھ پر بم ماریں گے، وغیرہ۔

کون جانتا تھا کہ یہ طاقتور ملک سرحد پر نہیں، اپنے عین قلب میں اتنی بڑی مار کھائے گا کہ اس کی کمر دہری ہوجائے گی، جس کی ہوشیاری اور خبرداری کا عالم یہ ہے کہ کوئی

کہیں کان کھجلائے ہم کو خبر ہو جاتی ہے، وہ اتنا بے خبر ہے کہ ٹھوکنے والے عین دل پر ٹھونکتے ہیں، آنکھوں کے سامنے آکر ٹھونکتے ہیں اور پتہ نہیں چلتا۔ کچھ تو یہ ملک سبق لیتا، دوسرے دیکھنے والے سبق لیتے، کہ یہ انہونی کہاں سے ہوگئی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ کی طرف سے جواب آ گیا ہو کہ اَوَلَمْ یَرَوْا أَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَھُمْ ھُوَ اَشَدُّ مِنْھُمْ قُوَّۃً۔(سورہ حم السجدہ) کیا انھوں نے یہ نہیں دیکھا اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے، ان سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔ نہیں دیکھا تھا تو اب دیکھو، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم دنیا میں دیکھنا چاہتی ہی نہیں، اتنا انہونا اور بھیانک واقعہ آنکھوں کی غلیظ ترین پٹی کو کھولنے کے لئے کافی ہے، مگر آہ! غافل انسان نے اور موٹی موٹی پٹیاں آنکھوں پر چڑھالی ہیں، وہ یہ ڈھونڈھ رہا ہے، کہ کس نے یہ ''دہشت گردی'' کی ہے، اور جب کوئی نہیں ملتا تو اتنا بڑا اور اتنا طاقتور ملک ایک ایسے فرد واحد پر الزام لگاتا ہے جو نہ کسی ملک کا بادشاہ ہے، نہ وہ اپنے ملک میں داخل ہوسکتا ہے، سب سے کٹا خانہ نشین کی حیثیت سے روپوش ہے۔ ایک ہاتھی پاگل ہوکر دوڑ رہا تھا، کیا بات ہے؟ مجھے ایک چیونٹی نے کاٹا ہے، اس کو ڈھونڈ رہا ہوں، ارے اسے تم اپنے سے باہر کہاں ڈھونڈ رہے ہو، تباہی کا تمام سامان تو تمہارے اندر بھرا پڑا ہے، کتنے شرم کی بات ہے، مگر وہ بڑا بے شرم ہے، جو ایک آدمی کو بے تحقیق مجرم قرار دے کر اس کی تلاش میں پاگل ہو رہا ہے اور اکیلا نہیں سب کو بلا رہا ہے، کہ آؤ میرے ساتھ مل کر اس اکیلے آدمی کو پکڑو، پھر شاید کسی نے شرم دلائی ہو، کچھ دنوں کے بعد اس نے دنیا بھر کی ''دہشت گردی'' ختم کرنے کا عنوان اختیار کیا ہے، کاش وہ یہ نہ کرتا، اپنے اندر کے فرعون کو ڈھونڈھتا، اسے سزا دیتا تو دنیا کو راحت مل جاتی، کاش اسے معلوم ہوتا کہ یہ انسان کی مار نہیں ہے، تم نے تو اس کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ یہ درحقیقت خدا کی مار ہے، اس سے تم کتنا لڑو گے، اب ایک چھوٹے سے ملک (افغانستان) پر غرانا بے کار ہے، اس سے الجھ کر کہیں تمہاری رہی سہی طاقت بھی نہ ختم ہو جائے، اسی سے وہ ملک بھی الجھا تھا جس کا شیرازہ بکھر گیا، اب تم بھی اسی سے الجھنے چلے ہو، کہیں تمہارے اپنے لالے نہ پڑ جائیں، بچو اس انجام سے جو ظالموں کا مقدر ہے۔

یہ گفتگو تو ان سے تھی جو طاقت کے نشہ میں سوجھ بوجھ سے محروم ہو گئے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی سوجھ بوجھ کا دعویٰ کریں۔ اب کچھ باتیں خود اپنوں سے بھی کر لی جائیں، یعنی اسلام کے نام لیواؤں سے! کاش کہ یہ حروف ونقوش ان لوگوں تک بھی پہونچتے جو مسلم ممالک کی سربراہی کر رہے ہیں، جن کے دلوں میں غیر اللہ کا خوف اتنا گھسا ہوا ہے کہ ان کے اشارے کے بغیر شاید وہ پلک بھی نہیں جھپکا سکتے کیا ہم کو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی تعلیم دی ہے کہ دنیا کی حقیر و بے مایہ طاقتوں سے اس درجہ خائف اور مرعوب ہو جاؤ کہ حق کی آواز تمہارے گلے میں پھنس کر رہ جائے؟ یہ تم کس سے ڈر رہے ہو، جو خدا سے بالکل نہیں ڈرتے، تمہارے پاس تو ایک ہی ہستی ہے جس سے ڈرنا برحق ہے، اگر تم اس کے مقابلے میں دوسرے سے ڈر گئے تو کیا یہ شرک نہ ہوگا۔ ایک بڑا ''دہشت گرد'' ہے، وہ کہتا ہے کہ یا تو تم میرا ساتھ دو، ورنہ تم خود دہشت گرد ہو، تو تم اس اعلان کو سنتے ہو اور جلدی سے سر ہلا دیتے ہو کہ ہاں ہم تمہارے ساتھ ہیں، چاہے اس کے لئے ہم کو اپنے ہی لوگوں کی گردن مروڑنی پڑے۔ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ ۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو، حالانکہ ڈرنا تو صرف اللہ سے چاہئے۔

ذرا دیکھو تو سہی، تم میں سے ایک شخص (اسامہ بن لادن) نے ڈرنے سے انکار کر دیا، تو یہ سپر پاور طاقتیں اس سے کس قدر خوف زدہ ہیں، خوف کے مارے اسے تلاش بھی نہیں کر پا رہی ہیں، تم نے ان طاقتوں سے خوف کیا تو اس شخص کو جلاوطن کر دیا، اور وہ نہیں ڈرا تو سب اس سے کانپ رہے ہیں، ایک چھوٹے سے غریب ملک نے بھی ان طاقتوں کا خوف نہیں کیا اور بے دھڑک اسے پناہ دیدی، تو اس سے بھی سب گھبرا رہے ہیں، اور وہ خود مطمئن ہے، خدا سے ڈرو تو سب تم سے ڈریں گے، اور اس کے مقابلے میں دوسروں سے ڈرو گے تو ہر طرح کا خوف تم کو اپنے نرغے میں لئے رہے گا۔

اور عام مسلمانوں سے بھی کہنے کو جی چاہ رہا ہے..... یہ سطریں لکھنے والا بھی عام مسلمانوں کا ایک فرد ہے، خود یہ بھی مخاطب ہے..... کہ تمہارا کوئی نہیں، نہ تم کسی کے ہو، صرف

اللہ تمہارا حامی وناصر ہے، اور تمہارا تعلق صرف اللہ سے ہے، تم تو سراپا اطاعت بن جاؤ، آپس کے اختلافات بھول کر ایک دوسرے کے ہمدرد بنو، آپسی دشمنی چھوڑو، غیر اللہ کا ڈر دل سے نکالو، ہر معاملے میں اوّل خدا کی جانب رجوع ہو، پھر اسباب کی طرف جاؤ۔ نماز پنجگانہ، ذکر وتلاوت، زکوٰۃ وصدقات، روزہ وحج کا اہتمام کرو، اللہ کی نافرمانی سے اس طرح دور بھاگو جیسے سانپ بچھو سے بھاگا جاتا ہے، پھر جو بھی دشمن آئے کچھ پرواہ نہیں، تم آپس میں دشمن نہ ہو، تو تمہارا دشمن دور ہی سے تھرائے گا۔ غیر اللہ کا ڈر دل سے نکل جائے گا، تو ہر مخلوق تم کو سلام کرے گی، اور اول خدا کی جانب حاجات میں رجوع کروگے تو اجابت وقبولیت خود بڑھ کر استقبال کرے گی، عبادات میں سرگرم رہوگے تو تمہاری روحانیت طاقتور ہوگی، اور اسباب کی ضرورت کم سے کم ہو جائے گی، مدد الٰہی کا مسلسل نزول ہوگا، اور مسلمان کی کامیابی نصرت الٰہی ہی سے ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی دائمی عیش وراحت سے ہمکنار ہوگی۔

اور یہ طاقتیں جن کا خوف دلوں میں سمایا ہوا ہے، ان کی کل زندگی یہیں تک ہے، ان کا سارا سرمایہ ''متاع الغرور'' (دھوکے کا سامان) ہی ہے، پھر جہاں آنکھ بند ہوئی اور وہ ایمان خالی رہے، بس ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (نہ موت آئے گی نہ زندگی) کا منظر ہوگا، اس وقت کوئی ایٹمی توانائی کام نہیں دے گی، نہ میزائلیں، نہ جنگی طیارے، نہ سمندری بیڑے، سب غرق ہو کر رہ جائیں گے، اور طاقت کے نشہ میں غرور سے بھرا ہوا سر ''ویل وثبور'' پکارتا رہے گا کہ ہائے موت آجاتی، میں مر جاتا، لیکن سب پکار بے کار ہوگی، کاش یہ بات دلوں میں اتر جاتی اور اسی زندگی میں اثر کر جاتی۔

(نومبر ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہِ رمضان کی برکتیں

ماہِ مبارک رمضان المقدس سایہ فگن ہے، نیکیوں کا موسم بہار! طاعتوں اور عبادتوں کا مرکز انوار! نزول قرآن کا مہینہ، برکت و رحمت اور مغفرت کا خزینہ! دن بھی روشن، رات بھی روشن، دن کے اوقات روزوں سے معمور، رات کی گھڑیاں تراویح و تہجد سے پُرنور! ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برأت!

ماننے والوں کو اللہ نے وہ نعمت عطا فرمائی کہ ایک رات کی محنت و عبادت پر ہزار راتیں قربان! یقین کرنے والا دل چاہیے، کرگزرنے والی دھن چاہیے، رحمت پروردگار آغوشِ کرم کھولے ہوئے ہے، عبادت کرنے والے عبادت کی سوغات لائیں، قرآن پڑھنے والے تلاوت کا تحفہ لائیں، یاد کرنے والے ذکر کا ہدیہ لائیں، گناہگار اشک و ندامت اور استغفار کی پونجی لائیں، قبولیت کی گھڑی ہے، یہ سال بھر کا جشن بہاراں ہے، ہر عبادت کی رونق بڑھی ہوئی، ہر طاعت کی قیمت چڑھی ہوئی۔ یَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ! اے طالبِ خیر آگے بڑھ! یَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ! اور اے طالب شر! ٹھہر۔

دیکھنے والے دیکھیں! پیغمبر ﷺ کی آنکھ سے دیکھیں، ان کی دی ہوئی خبر پر ایسا یقین کریں گویا وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پیغمبر صادق و مصدوق کی خبر ہے، نقل کرنے والے امام بخاری اور امام مسلم ہیں، اور ان کے علاوہ محدثین کی ایک بڑی جماعت سے فرماتے ہیں: إذا جاء رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب النار وصفدت الشياطين۔ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، آگ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

جنت کے دروازے کھلے تو رحمت کا دروازہ کھلا، اور آسمان سے موسلا دھار رحمتیں زمین پر برسیں، جہنم کے دروازے بند ہوئے تو عذاب کی لپک کم ہوئی، شیاطین جکڑے گئے تو گناہوں کی لپٹ ٹھنڈی ہوئی، ہر طرف فرشتوں کی دھوم دھام ہوئی۔

مبارک ہیں ایمان والے! ایمان کا تقاضا ہے کہ خواہشات اور ضروریات کو مرضی مولیٰ پر قربان کردیا جائے، ایمان والا بے تکلف قربان کرتا ہے، سنو اے ایمان والو! پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد سنو اور خود قربان ہوجاؤ، زندگی کی سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ آدمی اپنی زندگی کو ان کے فرمان والاشان پر نچھاور کردے۔

ہمارے پاس کیا ہے؟ جو فدا کریں تجھ پر   مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

ہائے! اوّل تو ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو اے پروردگار آپ پر قربان کریں، بس ایک جان ہی تو ہے، لیکن حسرت بالائے حسرت یہ ہے کہ وہ بھی اپنی نہیں آپ ہی کی دی ہوئی ہے، خیر یہ ہی سہی، قبول ہوجائے تو کرم ہی کرم ہے، وہ فرمان والاشان یہ ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ راوی ہیں، شعبان کا آخری دن ہے، اللہ کے آخری نبی منبر پر تشریف فرما ہیں، اور ارشاد فرما رہے ہیں:

''اے لوگو! تمہارے سروں پر ایک بابرکت اور عظیم الشان مہینہ سایہ ڈال چکا ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ نے اس کا روزہ فرض اور اس کی رات میں نماز کو نفل قرار دیا ہے، اگر کوئی اس میں نفل ادا کر کے اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے اس ماہِ مبارک کے علاوہ میں فرض ادا کرنے والا ہو، اور جو کوئی اس میں فرض ادا کرتا ہے ایسا ہے جیسے اس کے علاوہ کسی ماہ میں ستّر فرض ادا کیا ہو۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ غمخواری کا مہینہ ہے، یہ وہ مہینہ ہے کہ اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جس نے اس ماہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا اس کے گناہوں کی مغفرت ہے، اور اسے جہنم سے رہائی کی بشارت ہے، اور اس کے لئے وہی ثواب ہے جو روزہ دار کو ہے، مگر روزہ دار کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا۔

پوچھنے والوں نے پوچھ لیا کہ یارسول اللہ! ہر ایک کو اتنی وسعت کہاں کہ روزہ دار کو افطار کرائے؟ (اس سوال پر رحمت کا دامن پھیل گیا) ارشاد ہوا، یہ ثواب اس شخص کو بھی ملے گا جو ایک کھجور کھلا کر، ایک گھونٹ پانی یا لسّی پلا کر افطار کرادے۔ یہ مہینہ! اس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے نجات ہے۔ اس ماہ میں جس نے اپنے خادم کے کام میں تخفیف کردی، اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں کے بوجھ سے ہلکا کردیں گے اور جہنم سے آزاد فرمائیں گے۔

اس مہینہ میں چار کام کثرت سے کرو، دو کام وہ ہیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرلوگے، اور دو کام ایسے ہیں جن سے تم بے نیاز اور بے پرواہ نہیں ہوسکتے، وہ کام جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو، وہ یہ ہیں لاالٰہ إلا اللہ کی گواہی دو، اور اس سے مغفرت مانگو۔ اور وہ کام جن سے تم کو بے نیازی نہیں ہوسکتی، وہ یہ ہے کہ اللہ سے جنت کا سوال کرو اور جہنم سے اس کی پناہ چاہو۔ جس نے روزہ دار کو پانی پلایا، اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا پانی پلائیں گے کہ جنت میں داخل ہونے تک (میدان قیامت کی شدید گرمی میں) پیاس نہیں لگے گی۔ (ابن خزیمہ)

اس ارشاد گرامی میں فضائل بھی ہیں، بشارتیں بھی ہیں اور احکام بھی ہیں، ایمان والے ان فضائل کے لئے، ان بشارتوں کے لئے، اور ان احکام کے لئے سینہ کھول دیں اور شوق ورغبت سے انھیں قبول کریں، رمضان کا مہینہ پورے سال کا مرکزی مہینہ ہے، یہ ماہ مبارک، منبع انوار اور مرکز رحمت پروردگار رہا، تو پورا سال روشن اور تابناک رہے گا۔

مسلمانو! اسی ماہ مبارک میں سستی اور غفلت کو ترک کرو، طاعت وعبادت کے لئے مستعد رہو، شوق اور اہتمام سے تمام حقوق کی ادائیگی کے ساتھ روزے رکھو، تراویح میں شریک رہو، تلاوت قرآن کا التزام کرو، کثرت سے کلمۂ طیبہ کا ذکر اور مسلسل استغفار کرو، اللہ سے جنت مانگو، اور جہنم سے خدا کی پناہ میں آجاؤ، پھر دنیا بھی نور ہے، آخرت نور بھی ہے۔

خوب خیال رہے کہ جہاں یہ مہینہ نیکیوں کی قدر و قیمت کو بڑھاتا ہے، عبادتوں کا ثواب آسمان پر پہونچ جاتا ہے وہیں برائیوں کی قباحت کو بھی بڑھادیتا ہے، گناہوں کی سزا کو سخت کردیتا ہے۔ایک فرمان اور ملاحظہ ہو: **ما مر بالمسلمین شهر خیر لهم منه ولا بالمنافقین شهر شر لهم منه** (ابن خزیمہ بحوالہ ترغیب وترہیب) مسلمانوں کے حق میں رمضان سے بہتر کوئی مہینہ نہیں آیا، اومنافقین کے حق میں رمضان کے مہینہ سے بدتر کوئی مہینہ نہیں آیا۔ایمان والا، اس ماہ مبارک میں نیکیوں کا اہتمام کرتا ہے اوراس کی نیکیوں کا ثواب بڑھتا ہے، اس کے برخلاف منافق برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے اوراس پر گناہ کا بوجھ بڑھ چڑھ کرلدتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مبارک مہینہ میں برائیوں پر اقدام مومن کرتا ہی نہیں، برائی کی طرف وہی بڑھتا ہے جس کے دل میں ایمان کے بجائے نفاق ہو، پس ایمان ایمان والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ ونفاقکی تہمت سے بچائے رکھیں۔

روزہ کی برکت اورروزہ کا نور گناہوں سے اجتناب کے ساتھ ہے، اگر آدمی گناہوں میں ملوث رہا تو روزہ کا نور مٹ جائے گا، تراویح کی برکت جاتی رہے گی۔

(دسمبر ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طالبان ! رحمت یا زحمت؟

افغانستان جیسے کمزور اور بے سروسامان ملک پر دنیا کے سب سے بڑے سرمایہ دار اور اسلحہ بند ملک امریکہ نے ایک بہانہ بنا کر اس صدی کا بدترین حملہ کیا، طالبان نے جو افغانستان میں حکمراں تھے اپنے حوصلوں سے بڑھ کر مقابلہ کیا، اس بڑی طاقت کا اندازہ تھا کہ وہ چند دنوں میں افغانستان پر فتح کا پرچم لہرا دے گی، مگر مہینوں کی شدید بمباری کے بعد بھی اسے حوصلہ نہیں ہوا کہ اپنے کو فاتح کہہ سکے، وہ چار ماہ سے افغانستان پر مسلسل بم برسا رہا ہے، مگر ابھی تک اس کا مقصد حاصل نہیں ہوا، تاہم اس حملے نے، اور طالبان کی حکومت کے خاتمے نے دنیا کے سامنے اور بالخصوص مسلمانوں کے سامنے طالبان پر ایک سوالیہ نشان لگا دیا ہے کہ کیا طالبان آج کل کی اصطلاح میں ''دہشت گرد'' تھے۔

دنیائے اسلام کے عام مسلمانوں کا تاثر اور خیال تو یہ ہے کہ یہ لوگ ہرگز ''دہشت گرد'' نہ تھے، مسلم حکمرانوں کا جو بھی خیال ان کے متعلق ہو، ان کی ''سیاسی ذہانت'' کو سمجھنا ہم جیسے ملّانوں کے بس کی بات نہیں ہے، لیکن دنیا بھر کے مسلمان خواہ وہ علماء ہوں، یا انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کا سنجیدہ طبقہ یا اَن پڑھ عوام ہوں، سب کا تقریباً اتفاق ہے کہ اس دور میں طالبان اور ان کی حکومت، ایک بہترین انصاف پرور اور دینی و ایمانی قدروں کی محافظ تھی، جس نے صدیوں کے بعد افغانستان میں امن وامان کی عام فضا قائم کی، اور ایک مدت کے بعد دنیا کے سامنے اسلامی حکومت کا ایک بے لوث نمونہ پیش کیا، کفر کی حکومتیں چاہے انھیں کتنا ہی ''دہشت گرد'' اور فسادی کہیں، یہ تو کفر کی پرانی رِیت ہے۔ حضرت نوح

علیہ السلام کے دور سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک تمام قوموں نے ایمان والوں کو اپنی اپنی بولی میں ''دہشت گرد'' ہی کہا ہے، مگر انسانیت نوازی، عدل وانصاف، تقویٰ وللہیت اور پابندئ عہدو پیمان کی مثالیں ایمان والوں سے جس قدر وابستہ ہیں انھیں کوئی شمار نہیں کرسکتا، اور جن لوگوں نے انھیں ''دہشت گرد'' کہہ کر انھیں بدنام وذلیل کرنا چاہا، ان کی جھولی میں ظلم وجبر، مکروفریب، جھوٹ اور خیانت نیز بدعہدی وبے وفائی کی اتنی گندگی ہے کہ اس کے تعفن سے دنیا بھر بھر گئی ہے۔ طالبان نے تقریباً چھ سال نظام حکومت کو اسلامی طرز پر چلایا، پروپیگنڈوں اور جھوٹے ہتھکنڈوں کی بات اور ہے، لیکن کوئی افغانیوں سے پوچھے کہ باوجود غربت کے ان کے دلوں میں کتنا اطمینان وسکون تھا، ان کی نگاہوں میں کتنی پاکیزگی آگئی تھی۔

کفر نے اسلام کو کبھی برداشت نہیں کیا ہے، کیونکہ اسلام کی طاقت کبھی کفر سے نہیں ڈری، اور کفر نے اس کو ہمیشہ ڈرا کر رکھنا چاہا، اسلام کا کفر سے نڈر ہونا ہی کفر کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے۔ طالبان نے اسلام کو زندہ کیا تو کفر کی سب سے بڑی طاقت اپنے سینہ میں کینہ دبائے بیٹھی تھی، اسے ذرا موقع ملا اور اس کے دل کا کینہ آگ برسانے لگا۔

جب یہ حملہ ہوا تو ساری دنیا کے مسلمان اپنی اپنی بساط کے مطابق دعاؤں اور تدبیروں میں لگ گئے، ادھر چند صدیوں میں غالباً کسی حکومت کے لئے تمام دنیا کے مسلمانوں نے اتنی دعائیں، اتنی آہ وزاریاں نہیں کی ہوں گی جتنی اب کی گئی ہیں، ہر جگہ نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی گئی، اجتماعاً وانفراداً بہت اہتمام سے دعائیں کی گئیں، وہ لوگ جو عام حالات میں اللہ سے اور دین سے بیگانے معلوم ہوتے ہیں، وہ بھی اللہ سے دعا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

طالبان کیا اور کون ہیں؟

طالبان کیا اور کون ہیں؟ عام معنوں میں یہ سیاسی نہیں ہیں، وہ پہلے حکومت میں دخیل نہ تھے، وہ دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ ہیں، پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے، جب روس کے خلاف افغانستان جہاد کررہا تھا تو یہ مجاہدین کی صف میں شامل ہوگئے، یہ لوگ شوقِ

شہادت میں سرشار تھے، جب افغانستان روسیوں کے ناپاک قدموں سے پاک ہوگیا تو وہاں کے قبائلی اور سیاسی لوگ آپس میں خونریزی کرنے لگے، حکومت بنانے کی کشمکش شروع ہوگئی، جہاد کا مقصد پورا ہونے کے بعد طالبان اپنے مدرسوں میں لوٹ گئے تھے اور تعلیم و تعلم کے مشغلے میں لگ گئے تھے، لیکن انھوں نے دیکھا کہ اب خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے، آگ اور خون کی بارش ہورہی ہے، تو یہ علماء و مشائخ اور طلبہ دوبارہ میدان میں اترے، اور اس مقصد سے اترے کہ متحارب گروپوں کے درمیان صلح کرائیں۔

۱۹۹۷ء میں اللہ تعالیٰ نے اس ظلوم وجہول کو حج وزیارت کی سعادت بخشی، مدینہ طیبہ میں مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری علیہ الرحمہ کے دولت کدے پر بندہ حاضر تھا، معلوم ہوا کہ طالبان کے ایک اہم رکن حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لارہے ہیں، وہ تشریف لائے، نہایت متواضع، خاشع وخاضع، ’’نرم دمِ گفتگو‘‘ اور ’’گرم دمِ جستجو‘‘ کے ہو بہو مصداق! معلوم ہوا کہ طالبان کے مفتی اعظم ہیں، طالبان کے تمام مسائل اور نظام حکومت میں انھیں کا فتویٰ حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے، دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ طالبان کے بعض فیصلوں پر فقہی نقطۂ نظر سے حضرت مفتی صاحب نے علیہ الرحمہ نے اشکال کیا، انھوں نے جس ادب اور تواضع کے ساتھ کتابوں کے حوالے سے جواب دے کر مفتی صاحب کو مطمئن کیا، اس سے طبیعت بہت متاثر ہوئی، علم میں انتہائی راسخ اور ادب وتواضع میں بہت کامل! یہ دونوں صفتیں جہاں جمع ہوجائیں، وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اصطلاح میں ’’کبریت احمر‘‘ ہے۔ ان سے حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ لوگوں کو حکومت میں دخل نہیں دینا چاہئے تھا، انھوں نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کا بالکل ارادہ نہ تھا، لیکن ہم نے دیکھا کہ باہمی خونریزی بڑھتی جارہی ہے، تب ہم لوگ متحارب گروپوں سے ملے، بہت کوشش کی کہ باہم صلح وصفائی ہوکر ایک اچھی حکومت بن جائے، مگر کوئی اپنی جگہ سے ہٹنے کے لئے تیار نہ ہوا، اس سلسلے میں مختلف وقفوں کے درمیان ہم لوگ وفد بنا بنا کر گیارہ مرتبہ لڑنے والوں سے

ملے اور صلح وصفائی کی بہت کوشش کی، مگر جب ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور خونریزی بڑھتی ہی چلی گئی تو مجبوراً ہم نے حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

طالبان جس جماعت کا نام ہے، وہ اللہ والے برگزیدہ لوگ ہیں، انھوں نے ایک بہترین اسلامی حکومت قائم کی، اور دنیا اسلامی حکومت کے فوائد سے آشنا ہوئی، لیکن موجودہ کفر کی حکومتوں کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ کوئی اسلامی حکومت قائم ہو، اور ایسے صاحب ایمان برسر اقتدار آئیں جو ان سے مرعوب نہ ہوں، روس کی طاقت تو بکھر چکی تھی، اب امریکہ کی واحد طاقت ہے، جس کا رعب سب پر قائم ہے، ساری دنیا جانتی ہے اور دل سے مانتی ہے، زبان سے کہنے کی ہمت ہو یا نہ ہو، کہ امریکہ نے اپنی بڑائی کی دھونس جمانے کے لئے مکروفریب، جبر وتشدد، ظلم وستم اور زور زبردستی کا کوئی حربہ نہیں چھوڑا ہے، جسے بے دریغ استعمال نہ کیا ہو۔ ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ میں جو حادثہ ہوا، اس نے طالبان کے خلاف ایک موقع فراہم کردیا اور ساری دنیا کے منع کرنے کے باوجود اس نے جھوٹا الزام لگا کر نہایت بے دردی کے ساتھ افغانستان پر بم برسانا شروع کردیا۔

مسلمانوں کا ردعمل:

خیر یہ واقعہ تو ہو چکا، مگر مسلمانوں پر اس کا ردعمل یہ ہوا کہ ان میں ایک طرح کی مایوسی اور شکستگی سی طاری ہوگئی ہے، اور دلوں میں ایک خلش سی پیدا ہوگئی ہے کہ اتنی دعائیں ہوئیں لیکن کیا انھیں شرف قبولیت نہیں حاصل ہوا؟ کیا ان دعاؤں میں کوئی کمی تھی جو بارگاہِ الٰہی میں لائق قبول نہ بن سکیں؟ یا طالبان میں کوئی ایسی بڑی کمزوری تھی کہ ان کی طرف منسوب ہوکر دعاؤں کی طاقت گھٹ کر رہ گئی؟ یا ملأ اعلیٰ کی طرف سے امریکہ اور اس جیسی باطل قوتوں کو نصرت ملی ہوئی ہے؟ کہ ان مقابلے میں کی گئی دعائیں اپنا اثر کھودیتی ہیں؟ یہ سوالات مسلمانوں کے دلوں میں اٹھتے ہیں، کچھ لوگ زبان وقلم سے انھیں ظاہر کردیتے ہیں اور کچھ لوگ خاموش رہ جاتے ہیں، مگر خلش رہتی ہے۔

مذکورہ بالا ردعمل کا حل:

اس موضوع پر اس خاکسار نے جہاں تک غور کیا ہے، اپنی نارسائی ذہن وفکر کے باوجود یہ عرض کرسکتا ہے کہ جو کچھ ہوا، وہ ہمارے لئے انہونا اور اجنبی واقعہ نہیں ہے، یہ سب کچھ عین اس کے مطابق ہوا ہے جس کی خبر اجمالاً رسول اللہ ﷺ دے چکے ہیں، اور رہی یہ بات کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں، تو یہ خیال عجلت پسندی اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، دعا میں عجلت بازی سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ احادیث میں بکثرت قیامت کی آمد کا اور اس کی علامتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان علامات کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ قیامت کی آمد کا پہلا اعلان ہے، کیونکہ تکمیل نبوت کے بعد اب کسی اور نبی کا انتظار نہیں ہے۔ اب دنیا اپنی عمر کے آخری مرحلے میں داخل ہوگئی ہے، نبوت کے انوار وآثار جب تک باقی ہیں قیامت رکی ہوئی ہے، جوں جوں دنیا کی عمر کا کارواں آگے بڑھتا جائے گا اور زمانۂ نبوت سے دوری بڑھتی جائے گی، نور نبوت کے آثار مدھم پڑتے جائیں گے، نیکیاں سمٹیں گی، ان کی استعداد کمتر ہوتی جائے گی، برائیوں کا فروغ وشیوع ہمہ گیر ہوتا رہے گا، قیامت انھیں برائیوں پر قائم ہوگی۔ حدیث صحیح میں تذکرہ موجود ہے کہ جب تک زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی موجود ہے قیامت نہ آئے گی، تو جوں جوں دنیا کی عمر ڈھلتی جائے گی، برائیوں کا دنیا میں غلبہ ہوتا جائے گا، اب اس دنیا میں عمومی طور پر خیر وبرکت اور نیکی وسعادت کا وجود مشکل ہے۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا قانون اور اس کی سنت یہ ہے کہ ہر چیز میں تغیر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ ضُعْفاً وَّ شَیْبَۃً یَخْلُقُ مَایَشَاءُ وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (سورہ روم:۵۴)

اللہ ہی ہے جس نے تم کو اس حال میں پیدا کیا کہ تم کمزور تھے، پھر کمزوری کے بعد طاقت عطا فرمائی، پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپے کو مسلط کیا، جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا

ہے اور وہی ہے جاننے والا، قدرت والا۔

یہ قانون قدرت اگر غور کیا جائے تو صرف انسانوں کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ پوری کائنات اور پوری حیات دنیوی اس قدرتی قانون کے دائرۂ اثر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (سورۃ الکہف: ۴۵) ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کرو، جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے اتارا، اس سے زمین کی پیداوار ملی جلی نکلی، پھر آخر کار وہ چورا چورا ہوگئی، جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر اقتدار رکھتا ہے۔

اسی قانون الٰہی کے مطابق خود مجموعی کائنات کا بھی حال ہے، اس کا بھی ایک بچپن اور ضعف وناطاقتی کا زمانہ تھا، پھر قوت وشباب کا زمانہ آیا، اور اب جبکہ قیامت قریب ہے، اس کے ضعف اور بڑھاپے کا دور ہے، جس طرح بڑھاپے میں انسان صحت وقوت سے دور طرح طرح کی بیماریوں اور ناطاقتیوں میں گھر جاتا ہے، اسی طرح اس دنیا کا بھی اپنے بڑھاپے میں ہر طرح کی کمزوریوں اور بیماریوں یعنی برائیوں میں گھر جانا فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس کمزوری کے دور میں اگر کسی چیز اور طاقت کا ظہور ہوگا تو کسی خاص مصلحت سے ہوگا اور عارضی ہوگا۔ اب دنیا کی بساط لپٹنی والی ہے، جلد ہی وہ وقت آجائے گا کہ بھلائی اور برائی کا حساب ختم کر کے دونوں کو الگ الگ جنت اور جہنم میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اب اگر سعادت کا عام ظہور اور غلبہ ہوگا تو پیغمبرانہ طاقت سے ہوگا، اور وہ بھی ان کی زندگی ہی تک۔ چنانچہ جب دور اخیر میں ظلم اور شر کا انتہائی غلبہ ہوگا تو ایک طاقتور ہستی مہدی کی شکل میں ظاہر ہوگی، ان کے دورِ ظہور میں ہی اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور ملکوتی صفات والے پیغمبر سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اپنی مافوق الفطرت طاقت کے ساتھ تشریف لائیں گے، اور وہ ''دجال اکبر'' کو اپنی ملکوتی طاقت سے ختم کریں گے، اور پھر ایک طویل ہنگامہ کے بعد یاجوج ماجوج کا خاتمہ ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی تک خیر وسعادت کا دور رہے گا، ان کی وفات کے

بعد پھر بہت جلد اندھیرا چھا جائے گا، اور قیامت قریب سے قریب تر ہو جائے گی، تو دنیا کے اس ضعف اور بڑھاپے میں نیکی اور طاقت کی جو روشنی چمکے گی، وہ ایسی ہی ہو گی جیسے اندھیری رات میں جگنو چمکے، انفرادی طور پر نیکیاں ہوں گی لیکن اجتماعی اور حکومتی پیمانے پر نیکیوں کا اگر ظہور ہو گا تو بس ایسا کہ دیر تک ان کی بقاء مشکل ہو گی۔

ہمارے ملک کی حد تک اس کی مثال ملاحظہ ہو، تیرہویں صدی ہجری کے نصف اول میں امیر المومنین حضرت سیّد احمد شہید قدس سرہ نے جہاد کی تحریک برپا کی، اور اپنی روحانی تربیت سے ایسے مجاہدین تیار کئے جو قرون اولیٰ کے نمونے تھے، انھوں نے صوبہ سرحد اور افغانستان کے بعض علاقوں پر مشتمل اسلامی حکومت قائم کی، اور اسلامی حکومت کے برکات سے دنیا کو مستفید فرمایا، مگر پانچ چھ برس کے عرصے میں اس حکومت کا باقاعدہ نظام جو قائم ہوا تھا، بکھر گیا۔ اس تحریک کے اثرات دیر تک چلتے رہے، مسلمانوں میں ایک نئی دینی زندگی پیدا ہوئی، شرک و بدعت کے اثراتِ بد سے مسلمانوں کو نجات حاصل ہوئی، پھر اس بکھرے ہوئے نظام کو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ نے مرتب کرنا چاہا، اس کی تیاریاں مکمل کر لی گئی تھی، مگر مرتب ہونے سے پہلے ہی ان میں بکھراؤ پیدا ہو گیا، دوسرے ملکوں میں بھی خیر و سعادت کی تحریکیں چلیں۔ سوڈان میں مہدی سوڈانی کی تحریک چلی، طرابلس میں سنوسی مشائخ اٹھے، مصر میں حسن البنّا نے ایک دینی تحریک کی داغ بیل ڈالی، مگر یہ سب تحریکیں کچھ عرصہ چل کر یا تو ختم ہو گئیں یا بعض کے راستے بدل گئے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان کے اثرات باقی نہ رہے ہوں، اس طرح کی ہر تحریک نے عالم اسلام میں ایک نئی بیداری پیدا کی، انھیں تحریکات اور جد وجہد کی برکت سے مسلمانوں میں اسلام اپنی صحیح صورت میں باقی ہے۔ اس دورِ اخیر میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ نے ایک دینی تحریک کا آغاز کیا اور اپنی خاص بصیرت کے تحت انھوں نے اسے حکومت اور سیاست سے دور رکھ کر مسلمانوں کے معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا، یہ تحریک بہت کامیاب رہی اور اس کے اثرات بہت دوررَس ثابت ہوئے۔

بہرحال اندھیریوں میں مختلف چراغ جلتے رہے اور جلتے رہیں گے، اس سے یہ امت اپنی عمر کے آخری مرحلے تک صحیح راہ پر قائم رہے گی، اور جب دنیا کی آخری طاقتور ہستی حضرت مہدی کا ظہور ہوگا، نیز دنیا کے سب سے بڑے گمراہ کن دجال کا غلغلہ ہوگا، اور پھر اس کے ختم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا، تو ان چراغوں سے روشنی حاصل کرنے والے حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقدمۃ الجیش (ہراول دستہ) ثابت ہوں گے۔

اللہ کا انعام اس زمانہ میں یہ ہوا کہ افغانستان میں اس نے علماء ومشائخ کو توفیق بخشی اور انھیں اسلامی نظام اور اسلامی طرز حکومت کے احیاء کے لئے کھڑا کیا، انھوں نے تمام دنیا سے بے نیاز ہوکر بے خوفِ لومۃ لائم اس خداوندی نظام کو عملی صورت دی۔ یہ رات کی تاریکی میں جگنو کی روشنی سہی مگر اس نے پورے عالم کو متاثر کیا، دنیا کی طبعی عمر کے لحاظ سے اس طاقت کو ناطاقتی سے بدلنا تھا، بدل گئی، مگر جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ بہرحال کامیاب ہیں، کامیابی کا معیار دنیا کی کامیابی نہیں آخرت کی کامیابی ہے، یہ لوگ غازی بنے یا شہید ہوئے، انشاء اللہ اللہ کی رضا انھیں حاصل ہوئی۔

دنیا نے کامیابی کی جو صورت تجویز کر رکھی تھی وہ حاصل ہوئی یا نہیں ہوئی، اللہ نے جو تجویز کی تھی وہ تو بہرحال پوری ہوئی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (سورہ آل عمران: ۱۴۰)

اگر تم زخمی ہوئے تو تمہارے مخالفین بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں، اور ہم وقت کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں، اور اس لئے تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نظام جہاد وحکومت کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اہل ایمان اور منافقین ممتاز ہو جائیں، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ بعض ایمان والوں کو

شہادت کا درجہ عطا فرمائیں۔ یہ مقصد بحمد اللہ طالبان کو حاصل ہوا، اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ کون لوگ ایمان میں راسخ ہیں اور کون لوگ کفر کی طاقت سے خوفزدہ اور لرزہ براندام ہیں، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر اہل ایمان کو زخم یا شہادت سے دوچار ہونا پڑے تو یہ اس لئے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہیں یا اللہ تعالیٰ ان سے بے تعلق ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت سے تو ظالم محروم ہیں۔ پس اہل ایمان کو ظاہری اعتبار سے برباد کرنے والے یہ نہ سمجھیں، اور دوسرے تماشا دیکھنے والے بھی یہ خیال دل میں نہ لائیں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت رکھتے ہیں، حاشا و کلا خدا کو ان ظالموں سے قطعاً محبت نہیں ہے، یہ سزا و عذاب کے مستحق ہیں۔

سزا کہاں ہوگی؟

لیکن اہل ایمان اس عجلت میں نہ پڑیں کہ ظالموں کو اس دنیا میں ہی سزا مل جائے، سزا و جزا کی جگہ اصلاً یہ دنیا ہے ہی نہیں، یہ تو عمل اور امتحان کی جگہ ہے، سزا ملے گی اور ضرور ملے گی۔ شہداء اور مظلومین کو ثواب ملے گا اور ضرور ملے گا، مگر اس کی جگہ یہ دنیا نہیں آخرت ہے، اگر یہ فیصلہ مقدر اور متعین نہ ہو چکا ہوتا تو دنیا دیکھتی کہ سزا کا کوڑا یہیں برس رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ (سورہ شوریٰ: ۱۴) اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات متعین نہ ہو چکی ہوتی تو یقیناً ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یعنی عقوبت و سزا کا معاملہ قیامت کے اوپر موقوف نہ ہو چکا ہوتا تو یہیں عذاب آجاتا، اس لئے دنیا میں عذاب نہ آنے سے اہل ایمان کو متاثر نہ ہونا چاہئے، ان کے عذاب کا وقت مقرر ہے، اس وقت کھلی آنکھوں دیکھ لیں گے کہ ظلم کرنے والے کس درجہ عذاب شدید میں مبتلا ہیں۔ بس انتظار چاہئے۔

کیا دعائیں قبول نہیں ہوئیں؟

امریکہ کے حالیہ حملے کے وقت تمام عالم اسلام کے مسلمانوں نے بہت دعائیں کیں مگر تب بھی طالبان بکھر گئے، دعا رائیگاں گئی؟ یہ سوال بہتوں کو پریشان کئے ہوئے ہے، جواب یہ ہے کہ اہل ایمان کی دعا کبھی رائیگاں نہیں ہوتی، لیکن قبولیت کے لئے جلد بازی نہیں

کرنی چاہئے، انتظار چاہئے۔ اللہ تعالیٰ دعا ضرور قبول کرتے ہیں، لیکن اس کے ظہور کا وقت مقرر فرما دیتے ہیں، وقت پر اس کا ظہور ہوگا۔ ہندوستان میں بابری مسجد شہید کردی گئی، مسلمانوں نے بہت دعائیں کیں، مگر اسے شہید کردیا گیا، وہ دعائیں کیا رائیگاں ہوئیں نہیں، اس کے عوض اسی سرزمین پر کتنی عالیشان مسجدیں وجود میں آگئیں، کتنے لوگ نمازی بن گئے، دین کی طرف متوجہ ہوگئے، اور سزاو عذاب کی کیسی کیسی شکلیں خود اسی حیوٰۃ دنیا میں ظاہر ہوئیں اور اصل ظہور تو بروز قیامت ہوگا۔ طالبان اور امریکہ کے سلسلے میں کی گئی دعائیں اور بددعائیں رائیگاں نہیں گئیں، دیر سویر ان کے اثرات ظاہر ہوں گے، عجلت مت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو خطاب فرمایا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (سورہ احقاف: ۳۵) پس (اے پیغمبر) تم ایسا صبر کرو جیسا کہ عالی ہمت رسولوں نے کیا، اور ان کے حق میں (عذاب کی) جلدی نہ کرو، یہ جس دن اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، تو انھیں محسوس ہوگا جیسے دن کی ایک گھڑی دنیا میں ٹھہرے، پس بدکاروں کے علاوہ اور کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا۔

پس اے مسلمانو! جلد بازی کر کے اپنے ایمان کو خراب نہ کرو، ہمارے پیغمبر نے صبر کیا، ہم کو بھی صبر سے وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔ دیکھئے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعون کے ظلم وستم اور اس کی عداوت سے مجبور ہو کر جب بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ یونس:) فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوچکی ہے، سو تم ثابت قدم رہو، اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ دعا کی قبولیت کا اعلان اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمایا تھا، مگر اس کا ظہور چالیس سال کے بعد ہوا تو اگر ایک اولوالعزم پیغمبر کی دعا کا ظہور چالیس سال کے بعد ہو سکتا ہے، تو کسی اور کو اتنی عجلت کیوں ہو کہ آج دعا کی اور آج ہی اس کا ظہور ہو جائے، مایوس تو وہ ہو جس کا ایمان اللہ پر نہ ہو، یوم آخرت پر نہ ہو۔

غرض یہ کہ طالبان کا وجود اور ان کی حکومت ایک رحمت الٰہی تھی، اللہ نے جب تک چاہا اس کو اٹھالیا، ان میں سے جو شہید ہو گئے یا جو آئندہ شہید ہوں گے، زندگی تو دراصل انھیں کی زندگی ہے، اور موت بھی انھیں کی موت ہے، اللہ کے یہاں وہ سرخ رو ہیں، وہ ناکام نہیں ہیں۔

ہم مسلمانوں کے لئے کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ انھیں ناکام قرار دے کر اور اللہ کے فیصلوں پر معترض ہو کر اپنے ایمان کو خراب وتباہ کریں۔ طالبان تو بہر حال پندرہویں صدی کے انسان ہیں، جو کفر وضلالت اور ظلم وستم کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی صدی ہے، اللہ نے کتنے پیغمبر ایسے بھیجے، جو زندگی بھر لوگوں کو ہدایت کی دعوت دیتے رہے، مگر کوئی ماننے کو تیار نہ ہوا یا بہت کم لوگوں نے مانا، پھر کتنوں کو ظالموں نے شہید کر ڈالا تو یہ بزرگوار ناکام ہو گئے، انھیں ناکام وہی قرار دے سکتا ہے جس کی نگاہ سے آخرت کی زندگی جو اصل زندگی ہے، اوجھل ہو۔

اے لوگو! نیکی اور سعادت کا کام جتنا تم سے ہو سکے کرتے رہو، اور مشیت الٰہی پر اپنی تجویزوں کو بنیاد بنا کر اعتراض نہ نکالو اور نہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہو، اس دنیوی ''متاع غرور'' (دھوکے کے سامان) کو اپنی زندگی کا حاصل نہ قرار دو، ورنہ دائمی خسارہ میں مبتلا ہو گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (سورہ حج: ۱۱) بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت ایک کنارے پر ہو کر کرتے ہیں، پس اگر انھیں کوئی بھلی بات حاصل ہوتی ہے تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر وہ آزمائش میں پڑ گئے تو منہ کے بل پلٹ جاتے ہیں، یہ دنیا وآخرت دونوں کے خسارے میں پڑے۔ دیکھو یہ کھلا ہوا خسارہ ہے۔

تو ایک آزمائش کی وجہ سے اے ایمان والو! کیوں دنیا وآخرت کا خسارہ مول لیتے ہو۔

(جنوری ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعظم گڈھ کا حادثۂ کبریٰ

اعظم گڈھ شہر کے مشہور ڈاکٹر، امراض قلب کے بہترین معالج ڈاکٹر محمد سلیم صاحب کو ڈاکوؤں نے مع خاندان کے شہید کرڈالا، اس حادثہ پر حضرت مولانا نے ایک تفصیلی اداریہ تحریر فرمایا، جو ماہنامہ ضیاء السلام، اپریل ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا، اس کے دو حصے تھے، ایک ڈاکٹر صاحب کی شخصیت سے متعلق تھا، وہ مولانا کی کتاب ’’کھوئے ہوؤں کی جستجو۔۔۔‘‘ میں شائع ہو چکا ہے، دوسرا حصہ رضا بالقضاء اعتماد علی اللہ کے مضمون پر مشتمل تھا، اسے اس کتاب کا جز بنایا جارہا ہے۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

ان حادثوں کی وجہ سے دل میں خوف اور دہشت نہیں ہونی چاہئے، مومن بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتا، نہ مال کا نقصان اسے ڈرا سکتا ہے، نہ جان کی تباہی، جب ایک دن مرنا ضرور ہے اور مرنے کے بعد آدمی ضائع نہیں ہوتا بلکہ خدا کے حضور پہونچ جاتا ہے تو اس سے ڈرنا کمزوری کی بات ہے، اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے، اور اس کے ساتھ اپنے بچاؤ کی تدبیریں مناسب حد تک کرنی چاہئیں، یہ تدبیریں بدرجۂ اسباب ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے واسطے سے انسانوں کی اور مالوں کی حفاظت فرماتے ہیں، ظاہری تدبیریں تو یہ حکومتی انتظامات ہیں، جن کی ناکامی یا بدنیتی کا ہم آئے دن مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، اور اس کے علاوہ ظاہری تدبیریں جو شرعاً محمود ہوں، اختیار کی جائیں، لیکن ان سے پہلے وہ باطنی اور روحانی تدبیریں عمل میں لائی جائیں جن کے ذریعے ہم خود اور ہماری ملکیتیں اللہ کی حفاظت میں آجائیں۔

مال کے سلسلے میں اس کی آمد وخرچ پر نگاہ رکھی جائے، آمدنی پاک ہو، شرعی قانون اور دستور کے مطابق ہو، اور خرچ وہیں کیا جائے جہاں وہ مباح ہو، ناجائز امور سے پرہیز کیا

جائے، بالخصوص زکوٰۃ جو ایک شرعی فریضہ اور دین کی پانچ بنیادوں میں ایک اہم بنیاد ہے، اس کا پورا اہتمام کیا جائے، جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی جاتی ہے، وہ سرکاری طور پر یعنی اللہ کی سرکار میں محفوظ ہوجاتا ہے، اب اس میں نقصان کا اندیشہ بہت کم ہوجاتا ہے، حساب کرکے پائی پائی زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔ یہ مال اللہ کی ضمانت اور حفاظت میں آجاتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے: جس مال میں زکوٰۃ کا مال غلط طور سے شامل ہوجاتا ہے وہ مال معرض ہلاکت میں آجاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ صبح وشام قرآن وحدیث میں وارد شدہ دعاؤں کے پڑھنے کا اہتمام کیا جائے، کتنی بلائیں ان دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ دفع فرماتے ہیں، اللہ کا نام بہت بڑا اور بہت بابرکت ہے، اس نام کو ہم بھول جاتے ہیں، تو طرح طرح کی بلائیں اترتی رہتی ہیں۔

(۱) بِسْمِ اللهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْئٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ صبح وشام ۳/۳ بار پڑھ لیا جائے، تو انشاءاللہ ہر بلائے ناگہانی سے حفاظت ہوگی، یہ رسول اللہ ﷺ کی بشارت ہے۔

(۲) اوپر والی دعا کے ساتھ ۳/ مرتبہ یہ کلمات بھی شامل کرلئے جائیں: اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔

(۳) رات میں سونے سے پہلے آیت الکرسی ایک مرتبہ۔ آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ سے ختم سورۃ بقرہ تک، ایک مرتبہ سورہ طارق کی آخری آیتیں اِنَّهُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا سے آخر تک ۲۵/ مرتبہ پڑھ لیا جائے، تو چوروں، ڈاکوؤں اور شریر جن وانس سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۴) آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا

اِصْراً کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ۔

(۵) إِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْداً وَّأَكِيْدُ كَيْداً فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْداً

(۶) ذیل کی دعا صبح وشام اہتمام سے پڑھی جائے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۔اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِيْنِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي ۔اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَاٰمِنْ رَوْعَاتِي ۔اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ يَمِيْنِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي وَأَعُوْذُ بِعَظَمَتِکَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي۔

(۷) کوئی خطرہ پیش آئے تو پڑھیں: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔

ان دعاؤں اور وظائف کو عمل میں لائیں، انشاء اللہ بلاؤں سے حفاظت ہوگی۔

☆☆☆☆☆

گجرات کا انسانیت سوز فساد

رام مندر کا نام لے کر، رام مندر والوں نے پھر قتل وخوں ریزی کا ایک وحشتناک ہنگامہ برپا کیا۔ احمد آباد، سورت اور گجرات کا ایک بڑا حصہ آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا، مسلمان قصوروار ہے، اس لئے کہ وہ بتوں کی پوجا نہیں کرتا، اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود نہیں مانتا، وہ صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس قصور کی بنا پر اسے ہندوستان میں جینے کا حق نہیں ہے: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ (سورۃ البروج: ۹/۸) اور وہ ان سے صرف اس بات کا انتقام لے رہے تھے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے جو زبردست ہے، تعریف والا ہے، جس کی حکومت آسمانوں پر ہے اور زمین پر ہے، اور اللہ کے سامنے ہر چیز ہے۔

اخبارات میں تفصیلات آچکی ہیں، ظلم و بربریت کی چکی جو چلی ہے، اس نے انسانیت کو، رحم و مروت کے جذبات کو پیس کر رکھ دیا ہے، لیکن کیا ان مظالم کی وجہ سے مسلمان ختم ہوجائے گا، اسلام مٹ جائے گا، واللہ ایسا نہ ہوگا، یہ اہل اسلام کے لئے ایک آزمائشی دور ہے، کاش ان آزمائشوں کے نتیجے میں اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے، اسے راضی کرتے، واقعی وہ سب پر غلبہ رکھتا ہے، اور اس کی ذات لائق حمد ہے، آسمان و زمین سب اس کے حکم و ارشاد کے ماتحت ہیں، نہ یہاں کی حکومت، نہ یہاں کے باشندے، یہ یہاں کا قانون، کوئی درد کی دوا نہیں ہے، درد کی دوا خود ان کے پاس ہے، وہ ہے اللہ کی طرف پلٹنا۔ فَفِرُّوا إِلَى اللهِ، (سورۂ ذاریات:۵۰) اللہ کی طرف بھاگو۔ اس کے احکام و فرامین کا مجموعہ تمہارے پاس موجود ہے، نفسانی خواہشات اور مال و جاہ کی حرص و ہوس کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت پر جمع ہوجاؤ، اللہ کو راضی کرو، اسی کے حضور روؤ، گڑگڑاؤ، اور کسی کا خوف دل میں نہ لاؤ، وہی ہر درد کا علاج ہے۔

مسلمان اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ کے علاوہ نہ کسی کا خوف اس کے دل میں ہوتا ہے، اور نہ کسی سے امید رکھتا ہے، مشکل یہ ہے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری تو ہوتی نہیں، اور اپنی مرضی کے موافق اس سے مدد چاہتے ہیں، معاملہ دونوں طرف سے ہوتا ہے، اِدھر سے عبادت و اطاعت اور اُدھر سے نصرت و اجابت! حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّى فَإِنِّىْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَان فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۸۶)

اور جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے پوچھیں، تو میں قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، تو انھیں چاہئے کہ میری بات مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ راہ راست پر رہیں۔ (اپریل ۲۰۰۲ء [محرم ۱۴۲۳])

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کفر کی ایذا رسانی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَمِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا اللّٰہَ فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ۔ (سورہ آل عمران: ۱۸۶)

ترجمہ: ایسا ضرور ہوگا کہ تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں تمہاری آزمائش ہوگی، اور یہ بھی ضرور ہوگا کہ تم اگلی کتاب والوں اور مشرکوں کی طرف سے بہت بدگوئی سنو گے، اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری سے کام لو تو یہ ہمت کی بات ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

''یہ خطاب مسلمانوں سے ہے کہ آئندہ بھی جان و مال میں تمہاری آزمائش ہوگی، اور ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی، قتل کیا جانا، زخمی ہونا، قید و بند کی تکلیف اٹھانا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا، اقارب کا چھوٹنا، اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی، نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش اور دل آزار باتیں سننا پڑیں گی۔ ان سب کا علاج صبر و تقویٰ ہے، اگر صبر و استقلال اور پرہیزگاری سے ان سختیوں کا مقابلہ کرو گے، تو یہ بڑی ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہوگا، جس کی تاکید حق تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ (فوائد عثمانی، ص:۹۶، مطبوعہ شاہ فہد کمپلیکس، مدینہ منورہ)

کفر نے اسلام کو کبھی برداشت نہیں کیا ہے، شرک کو کبھی گوارا نہیں ہوا ہے کہ توحید کو فروغ ملے، شیطان نے ابتداء ہی سے آدم اور اولادِ آدم کے ساتھ لڑائی چھیڑ رکھی ہے،

کفر اور شرک کے مزاج میں جھوٹ اور منافقت کا خمیر ہے، اسے اسلام اور توحید کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہے، اس کیلئے سچ غریب کیا مدد کر سکے گا، جھوٹ ہی کے کندھے پر پروپیگنڈے کی مشین رکھی جاتی ہے، جس دور سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں پروپیگنڈہ ایک عالمگیر فن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، اسے آج کی اصطلاح میں ''میڈیا'' کہتے ہیں۔ بات چاہے کتنی ہی غلط اور بے بنیاد ہو مگر میڈیا اسے ذہن و دماغ میں اس طرح اتار دیتی ہے جیسے وہی بے بنیاد، دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہو، اور عمل خواہ کتنا ہی مخلصانہ اور عبادت کا ہو، میڈیا کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ اسے کائنات کا سب سے زیادہ ڈراور خطرناک ثابت کر دیتی ہے۔

اہل اسلام کو شروع ہی سے غلط سلط پروپیگنڈے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اور آج تو اس پروپیگنڈے نے میڈیا کی شکل اختیار کر کے وہ قیامت بپا کر رکھی ہے کہ ہر جھوٹ سچ اور ہر بھلائی برائی بن کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی مذکرہ بالا آیت میں مسلمانوں کو اسی بات پر متنبہ فرمایا ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِیْ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اَذًی کَثِیْراً ''تمہیں یہودیوں، عیسائیوں اور کفر و شرک کے دوسرے پیروکاروں سے تکلیف کی بہت سی باتیں سنائی دیں گی۔

آج میڈیا پوری طاقت سے چیخ رہی ہے، اور ہر چہار جانب سے پکار رہی ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں، رجعت پسند ہیں، بنیاد پرست ہیں، اسلام کے اصول و قوانین فرسودہ ہیں، دنیا کی ترقی سے مانع ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ میڈیا وہی ہے جو یہود و نصاریٰ اور ہنود کے قبضے میں ہے، مسلمان گھبرا گھبرا کر کہتا ہے کہ اس تہمت کا جواب دینا چاہئے، لیکن اہل اسلام کے پاس وہ وسائل نہیں ہیں، اور اگر وسائل بھی ہوں تو جھوٹ بولنے کا وہ حوصلہ کہاں سے لائیں، جو ان یہود و نصاریٰ کو حاصل ہے، مسلمان کے دل میں اگر ذرا بھی ایمان کی رمق ہے تو اس کا ضمیر گریبان گیر ہوتا ہے، ہرگز زبان سے یا قلم سے جھوٹی بات صادر نہ ہو، اور واقعہ یہ ہے کہ پروپیگنڈے کا جواب پروپیگنڈہ نہیں ہے، جھوٹ کی کاٹ جھوٹ نہیں

ہے، تہمت کا جواب تہمت نہیں ہے۔ اس کا جواب وہ ہے جو حق تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس پروپیگنڈہ، اس تہمت طرازی اور اس جھوٹ کا جواب دو چیزوں کا مجموعہ ہے: ایک صبر، دوسری تقویٰ۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ پروپیگنڈے کی شدت سے متاثر ہوکر آدمی گھبرا نہ جائے، نہ اپنے عقائد و نظریات سے بدظن ہو جائے، نہ ایمان و عمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے، نہ اپنے اسلام و ایمان سے شرمندگی محسوس کرنے لگ جائے۔ اور تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اعمال و عقائد کے تمام شعبوں میں وہی چیز اہتمام سے اختیار کرے جو اللہ کی پسندیدہ ہو، یعنی ظاہر و باطن ہر اعتبار سے شریعت کے احکام کا پابند ہو، یہ نہیں کہ میڈیا جھوٹ بول رہی ہے، تو ادھر سے بھی جھوٹ کو فروغ دیا جائے۔

صبر و تقویٰ! دونوں چیزیں ہیں بڑے ہمت اور حوصلہ کا کام، مگر مسلمان بڑا حوصلہ مند ہوتا ہے، ہم ہمتی، بے حوصلگی مومن کا کام نہیں، اس مجموعہ پر اللہ تعالیٰ کی نصرت و رحمت کا نزول ہوتا ہے، کاش اسے ہم سمجھتے۔

(جولائی ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عدیم الفرصتی کا بحران

آج کے دور کا انسان بڑا عدیم الفرصت ہے، یعنی اسے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ بہت سے ضروری کام وہ کر سکے، عموماً ہر شخص کو آپ اس کا شاکی پائیں گے کہ کیا کریں صاحب! فرصت نہیں۔ ہمارا ادارہ ایک دینی، اصلاحی، تربیتی رسالہ کا اہتمام کرتا ہے، یہ رسالہ بہت ضخیم نہیں ہوتا، کل ۴۸ رصفحات پر مشتمل! مگر بہت سے احباب شکایت کرتے ہیں کہ پڑھنے کا موقع نہیں ملتا، خیر یہ تو ایک رسالہ ہے، اس کا پڑھنا نہ فرض ہے نہ واجب! فرصت ہو، جب بھی نہ پڑھیں، تو بھی نہ کوئی ملامت، نہ گناہ! لیکن شکایت تو اس کی ہے کہ لوگوں کو پانچ وقت نماز پڑھنے کی فرصت نہیں ملتی، تلاوت قرآن کا موقع نہیں ملتا، ذکر واذکار کا وقت نہیں ملتا، پڑوسیوں کی خبر گیری کی فرصت نہیں ملتی، علماء ومشائخ کی صحبت میں کچھ وقت گزارنے، ان سے کچھ حاصل کرنے کا وقت نہیں ملتا، اور بھی بہت سے وہ کام ہیں جن کی دینی زندگی میں بہت اہمیت ہے، اور جن کی آخرت میں بڑی پوچھ ہے، اور وہاں ان کی قدر وقیمت بہت زیادہ ہے، ان کا موقع نہیں ملتا۔ آخر یہ عدیم الفرصت لوگ کس کام میں اتنا منہمک رہتے ہیں کہ اتنے ضروری اور مفید کاموں کے لئے انھیں وقت نہیں ملتا۔ ہمارے ایک دوست جو ڈاکٹر ہیں، ایک روز ان سے میں نے خیریت دریافت کی، تو فرمانے لگے کہ کیا کریں کام تو کچھ نہیں ہے، مگر مشغولیت بہت زیادہ ہے، میں چونک گیا کہ کام نہیں تو مشغولیت کیسی؟ وہ ہنسنے لگے کہ واقعی ایسا ہی ہے، دن بھر مصروف رہتا ہوں، مگر جب شام کو جائزہ لیتا ہوں تو دن بھر میں کوئی خاص کام ہوا ہو دکھائی نہیں دیتا۔

جی ہاں! کوئی کام نہیں، یا ہے تو بہت کم ہے، مگر مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ کیا مصروفیت ہے؟ آج کا آدمی دنیا کمانے میں، مال حاصل کرنے میں بہت مصروف ہے، مگر جتنے وقت میں مال حاصل کرنے کا کام ہوتا ہے، اگر آدمی اس کا منصفانہ حساب کرے تو وہ ۲۴ر گھنٹے میں بہت زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ تاجروں کی دوکانداری کے، ملازموں کی ملازمت کے، مزدوروں کی مزدوری کے اوقات متعین ہیں، کسی کی ڈیوٹی ۸ر گھنٹے کی ہے، کسی کی ۶ر گھنٹے کی ہے، کسی کو کسی گھنٹے کی پابندی نہیں ہے، مگر پھر بھی سارا وقت مصروف ہے، نماز کا وقت نہیں ملتا، تلاوت کا وقت نہیں ملتا، ذکر کا وقت نہیں ملتا، کسی دینی کتاب یا رسالہ کے مطالعہ کا وقت نہیں ملتا، پھر یہ عدیم الفرصت لوگ کیا کرتے ہیں؟ کوئی کاروبار ۲۴ر گھنٹے کا نہیں، کوئی ملازمت ۲۴ر گھنٹے کی نہیں، مگر حد یہ ہے کہ سونے جاگنے کے اوقات بھی غیر منضبط ہیں، کھانے پینے کے وقت میں گڑبڑ بہت ہے، آخر کیا بات ہے؟

کبھی آپ نے اس تضاد پر غور کیا، وقت بہت ہے، مگر فرصت بالکل نہیں ہے، اور یہ بھی نہیں ہے کہ دنیا اسی مسلسل مصروفیت کے سہارے چل رہی ہو، اگر اس مصروفیت کو کم کر دیا جائے یا چھین لیا جائے تو دنیا کی طبعی رفتار میں کوئی خلل آجائے گا، ایسا نہیں ہے، مصروف سے مصروف ترین انسان اچانک دنیا سے اٹھ جاتا ہے، اس کی مصروفیت ختم ہو جاتی ہے، وہ پوری فرصت کے ساتھ قبر میں لیٹ جاتا ہے اور دنیا چلتی رہتی ہے، اس کا گھر آباد رہتا ہے، دنیا کا نظام برقرار رہتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وقت سب کے لئے ایک بنایا ہے، سب کے حصے میں دن اور رات کے ۲۴ر گھنٹے آئے ہیں، ہاں عمروں میں فرق رکھا ہے، لیکن یہ فرق موت سے پہلے معلوم نہیں ہوتا، مسئلہ ان ۲۴ر گھنٹوں کے استعمال کا ہے، وقت نہیں ملتا، فرصت نہیں ملتی، وغیرہ یہ شکایتیں کیوں پیدا ہوتی ہیں، اس کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔

عموماً دیکھا جاتا ہے، آدمی لذت کا جویا ہے، وہ لذتوں کے پیچھے دوڑتا ہے، اسے وقت کے گزرنے کا احساس بہت کم ہوتا ہے، جب اسے نفس کی لذت حاصل ہوتی ہے۔

بہت دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ فرصت کی کمی کی شکایت کرتے ہیں، وہ اپنے اوقات کو ایسے کاموں، ایسی باتوں اور ایسی جگہوں میں بے تحاشا صرف کرتے ہیں جن میں ’’لذت نفس‘‘ کے علاوہ اور کوئی بات حاصل نہیں ہوتی، لایعنی باتیں، بلکہ گناہ کی باتیں، بے مقصد سیر وتفریح، بلکہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ فلاں جگہ اچھی چائے ملتی ہے، تو وہاں جارہے ہیں، فلاں جگہ پان اچھا ملتا ہے، تو وہاں چلے جارہے ہیں، گویا لذت نفس کی جستجو میں دوڑے پھرتے ہیں، پھر جن چیزوں میں نفس کی لذت نہیں ہے ان کے لئے فرصت کہاں سے آئے، وقت ملے تو کیسے ملے؟ آپ کہیں گے کہ یہ خصلت بچوں اور نوجوانوں کی ہے؟ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ بچہ اور نوجوان جن لذائذ نفس پر پختہ ہوگا، کیا ادھیڑ عمر میں یا بڑھاپے میں اس سے نجات مل جائے گی، کل کا نوجوان جن عادتوں میں پلا بڑھا ہے، آج کا ادھیڑ اور بوڑھا انھیں عادتوں میں محصور ہے۔ یہ ’’لذت نفس‘‘ انسان کے لئے دوست نہیں دشمن ہیں، یہ ہر کمال کے حصول میں رکاوٹ ہیں، ان میں آدمی مال بھی برباد کرتا ہے، اور وقت کو بھی تباہ کرتا ہے، اور نتیجے میں اللہ کو بھی ناراض کرتا ہے۔

ہمارے معاشرے سے تربیت نام کی چیز رخصت ہوگئی ہے، بچہ اگر کچھ کما کر لا رہا ہے تو پھر وہ آزاد ہے، جو چاہے کرے، کسی کو فکر نہیں کہ وہ کس راہ پر جارہا ہے، اور گھر میں مال کی بہتات ہے تو ناز برداریاں ہیں، کہاں کی تربیت اور کہاں کی روک ٹوک! پھر یہی بچے انھیں آزادیوں اور گناہوں کو لئے عمر کی پختگی کو پہونچتے ہیں تو یہ عادتیں بھی پختہ ہوجاتی ہیں، پھر دنیا کی ضروریات، تقاضے انھیں گھیر لیتے ہیں، تو وہ مجبوراً ’’کسب مال‘‘ میں لگتے ہیں، اور کسب مال کے دھندے سے کچھ فراغت ہوتی ہے تو پچھلی عادتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں، ان مشغولیتوں کے درمیان ظاہر ہے کہ طاعات وعبادات یا مطالعہ علم کی کہاں فرصت؟

ان بے معنی بلکہ گناہ کے مشاغل کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ وقت کی برکت ختم ہوجاتی ہے، کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، واقعہ یہی ہے کہ ایمان والے کا کام ظاہری وسعت وگنجائش سے نہیں بنتا، بلکہ اس راس المال (اصل سرمایہ) خدا کی طرف سے برکت ہے،

برکت مال میں بھی ہوتی ہے، وقت میں بھی ہوتی ہے، آل اولاد میں بھی ہوتی ہے، اعمال میں بھی ہوتی ہے، قلوب اور ارادوں میں بھی ہوتی ہے، اور جہاں برکت آتی ہے وہاں آدمی کو کامیابی بھی ملتی ہے، اور دل کا اطمینان وسکون بھی ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک دعا اپنی امت کو تعلیم فرمائی ہے، وہ دعا بہت سے مقاصد کو مشتمل ہے، اس کا ایک حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں: **اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ**۔ اے اللہ! آپ ہمارے لئے ہمارے کانوں میں، نگاہوں میں، ہمارے دلوں میں، ہماری بیویوں میں اور ہماری اولاد میں برکت عطا فرمایئے، اور آپ ہم پر رحمت ومغفرت والی توجہ فرمایئے، بلاشبہ آپ توجہ فرمانے والے، رحمت والے ہیں۔

اس دعا سے معلوم ہوا کہ برکت کان میں بھی ہوتی ہے، آنکھ میں ہوتی ہے، دل میں بھی ہوتی ہے، وہ یہ کہ یہ اعضاء آخر تک صحیح وسالم اور بعافیت رہیں، اور کام ہی کی باتیں کان میں اور کام ہی کی چیزیں نگاہ میں، اور اچھے صاف ستھرے خیالات اور ارادے دل میں رہیں۔ دل الجھنوں سے، تشویش سے، آج کی اصطلاح میں ''ٹینشن'' سے پاک رہے، یہ دل کی برکت ہے، پھر بیوی بچوں میں بھی برکت ہوتی ہے، وہ یہ کہ انھیں دیکھ کر، ان کے درمیان رہ کر آدمی روح کا سکون پائے، یہ مطیع وفرمانبردار ہوں، باادب اور محبت کرنے والے ہوں، جیسے یہ سب برکتیں ہیں، اسی طرح وقت میں بھی برکت ہوتی ہے، وقت بظاہر تھوڑا ہوتا ہے، مگر کام بہت ہوتا ہے، وقت کی بے برکتی یہ ہے کہ آپ اپنی کسی حاجت میں نکلے، دن بھر متعلقہ جگہوں کا چکر لگایا، مگر کام نہیں ہوا، کبھی وہ آدمی نہیں ملا، جس سے کام ہونا تھا، کبھی ملا تو وہ خود پریشانی میں تھا، کبھی اور کوئی مجبوری سامنے آگئی، اور برکت یہ ہے کہ آپ کو ضرورت پیش آئی اور گھر بیٹھے اس کا انتظام ہوگیا، یا حرکت وعمل کی ضرورت پڑی، مگر مختصر سی کاوش کے بعد وہ کام پورا ہوگیا، پھر سارا وقت دوسرے کاموں کے لئے بچ گیا۔ ایک جگہ ایک نیک آدمی تھا، مٹھائی بنا کر بیچتا تھا، وہی ذریعہ معاش تھا، وہ رات کے حصے میں اپنے گھر والوں کی مدد سے ایک خاص مقدار میں مٹھائی بنالیتا تھا، صبح وقت پر دکان کھولتا تھا، اور اسی

وقت خریدار آکر سب مٹھائی خرید لے جاتے تھے، باقی اس کا دن فارغ ہوتا تھا، جس کو وہ تلاوت وعبادت اور ذکر وفکر سے معمور رکھتا تھا۔

آج سے ۲۵؍سال پہلے کی بات ہے، میں حضرت مولانا قاری سیّد صدیق احمد صاحب باندوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر تھا، اس وقت مولانا کے پاس خلقت کا اتنا ہجوم نہ ہوتا تھا، جتنا بعد میں رہنے لگا تھا، ان کا مدرسہ خاصا وسعت اختیار کر چکا تھا، دیہات کا علاقہ، بجلی کا نظم معقول نہ تھا، بعض مدرسین بیٹھے تھے، وہ مولانا سے کہہ رہے تھے کہ ایک چھوٹا ساٹرانسفارمر مدرسے کے لئے لگ جاتا تو بجلی کی سہولت ہو جاتی، مولانا فرمارہے تھے، اس کے لئے کیا کیا کرنا ہوگا، کتنا دوڑنا پڑے گا، پھر بجلی کا محکمہ ہے، اللہ جانے اس کے قانونی اور غیر قانونی ضابطے کیا کیا ہوں؟ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک صاحب جو پتلون پہنے اپنی کسی ضرورت کے لئے حضرت کے پاس بیٹھے تھے، بول پڑے کہ مولانا جی! اس محکمے کا ذمہ دار میں ہی ہوں، ایک درخواست مجھے لکھ کر دیدی جائے، میں ٹرانسفارمر لگوادوں گا، مولانا بہت خوش ہوئے، ان کو دعائیں دیں، کاغذ لایا گیا، درخواست بھی انھیں نے لکھی، مولانا نے دستخط کئے، انھوں نے اسے جیب میں رکھ لیا، کہنے لگا چار پانچ روز میں ٹرانسفارمر لگ جائے گا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ وقت کی برکت یہ ہے؟ ورنہ اللہ جانے اس ایک کام کے لئے کتنا دوڑنا پڑتا اور کتنا وقت اور مال لگانا پڑتا۔

ہمارے یہاں وقت کی برکت کا ایک لمبا سلسلہ ہے، رسول اللہ ﷺ سے شروع ہو کر انھیں کے طفیل میں ان کے نائبین ووارثین تک ایک طویل تاریخ ہے، تھوڑے وقت میں ان حضرات نے بہت کام کئے، اور وقت کی تنگی یا عدیم الفرصتی کی شکایت نہیں کی۔

رسول اللہ ﷺ نے عالم انسانیت میں جو خوشگوار انقلاب برپا کیا، وہ کتنی مدت میں ہوا، صرف ۲۳؍سال کی مدت میں۔ آپ سیرت کی کتابیں پڑھ جایئے، حدیثوں کا مطالعہ کر لیجئے، کہیں آپ عدیم الفرصتی کی شکایت نہیں پائیں گے، فرصت کا تو یہ عالم ملے گا کہ نوافل میں گھنٹوں آپ کھڑے رہتے تھے، آپ کی سیرت کے تذکرے میں آپ کو ملے گا کہ آپ

سے جب کوئی مصافحہ کرتا تھا تو آپ اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں چھڑاتے تھے جب تک وہ خود نہ چھوڑتا، عدیم الفرصت آدمی ایسا کرسکتا ہے۔

آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے حالات میں بھی یہی برکت نظر آتی ہے، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون عدیم الفرصت ہوسکتا ہے، مگر فرصت کی فراوانی کا حال یہ ہے کہ زکوٰۃ کا اونٹ بھاگ گیا ہے، تو امیر المومنین خود اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ بدو کے یہاں رات میں ولادت کا مرحلہ ہے، اس کا خیمہ مدینہ سے باہر ہے تو آپ خود اپنی زوجہ مکرمہ کو لے کر اس کے پاس پہونچتے ہیں، اور جب تک بچہ بخیریت تولد نہیں ہوجاتا، وہاں سے ہٹتے نہیں، ایک عورت خالی ہانڈی آگ پر چڑھائے ہوئے ہے، آپ کو معلوم ہوتا ہے تو بیت المال سے کھانے پکانے کا سامان لے کر خود جاتے ہیں، خود آگ جلاتے ہیں، خود پکاتے ہیں، بچوں کو کھلاتے ہیں اور خوش ہوکر آتے ہیں، کس قدر فرصت تھی۔

اب آیئے، تاریخ کے صفحات کو سمیٹتے ہوئے دارالعلوم دیوبند تک آیئے! دارالعلوم دیوبند میں ایک بڑا جلسہ ہورہا ہے، علماء کرام کا مجمع ہے، عوام کی بھیڑ آرہی ہے، زبردست انتظام ہے، مگر منتظم اعلیٰ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب علیہ الرحمہ کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ دیکھتے ہیں کہ ہاتھ میں تسبیح لئے اطمینان سے ٹہل کر وظیفہ پڑھ رہے ہیں، جیسے ان کو اس انتظام سے کوئی تعلق ہی نہیں، حالانکہ تمام تر انتظام انھیں کا تھا، حضرت تھانوی نے عرض کیا، حضرت اتنا بڑا انتظام ہے، اور آپ اس درجہ اطمینان سے مصروف تسبیح وتہلیل ہیں، فرمایا میاں! یہ تو ایک مدرسہ اور ایک جلسہ ہے، ہم کو تو حکومت دیدو تو اسی طرح تسبیح پڑھتے ہوئے کام کرلیں گے۔ واقعی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت میں برکت ہمہ گیر ہوتی ہے۔

لیکن اس کی طرف کون آتا ہے، بظاہر اس میں لذت نفس نہیں ہے، اس لئے آدمی اس سے گھبراتا اور کتراتا ہے، حالانکہ جس حال اور جس مشغلہ میں وہ ہے، وہ سراسر رنج وکلفت کا حال ہے۔ إن فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الابصار۔ (ستمبر ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میڈیا اور پروپیگنڈے کی حقیقت

أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿لَن يَّضُرُّوْكُمْ﴾ ای الیھود یا معشر المسلمین بشئی ﴿اِلَّا اَذًی﴾ باللسان من سب و وعید ﴿وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ﴾ منھزمین ﴿ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ علیکم بل لکم النصر علیھم۔ (سورہ آل عمران: ۱۱۱، جلالین شریف)

ترجمہ: اے مسلمانوں کی جماعت یہود (تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سوائے) زبان سے (تکلیف پہونچانے کے) کہ کچھ گالی گلوج اور دھمکیاں دے لیں (اور اگر وہ تم سے لڑائی کریں تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی) تمہارے خلاف (مدد نہیں ہوگی) بلکہ تمہاری ہی مدد ان کے خلاف ہوگی۔

مسلمانوں میں تین چیزیں ہوں، جن کا تذکرہ اس رکوع کی پہلی آیت (۱) میں ہوا ہے یعنی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ، اگر یہ تینوں باتیں موجود ہوں تو خبر دی گئی ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ تم کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ ہاں اتنا ضرور ہوگا کہ ان کی زبان سے تمہیں تکلیف ہوگی، یہ تہمت تراشیاں کریں گے، برا بھلا کہیں گے، طرح طرح کی دھمکیاں دیں گے، اس سے تمہیں تکلیف ہوگی، ایک خوف کا ماحول بنا رہے گا۔ آج کی زبان میں ''دہشت گردی'' کریں گے۔

چنانچہ یہی بات آج بھی ہے، یہ قوم جھوٹے پروپیگنڈے پھیلانے میں سب سے طاق ہے، میڈیا اس کے ہاتھ میں ہے، ہمہ وقت کچھ نہ کچھ غلط سلط باتیں مسلمانوں کے خلاف ریڈیو، ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا میں پھیلتی رہتی ہیں، ہر روز ایک نئی بات، یا روزانہ مکرسہ کرر ایک ہی جھوٹی بات اتنی مرتبہ کہی جاتی ہے کہ وہ جھوٹ سچ بن کر رہے،

مسلمان بے چارہ کبھی صفائی دیتا ہے، کبھی اس جھوٹے پروپیگنڈے کے خلاف احتجاج کرتا ہے، قرارداد یں پاس کرتا ہے، مگر بات جوں کی توں رہتی ہے، پھر گھبرا کر علماء پر اور اپنے رہنماؤں پر خفا ہوتا ہے، کہ یہ لوگ کیوں نہیں ہمہ گیر قسم کا جواب دیتے کہ معاملہ بالکل صاف ہو جائے، پھر مزید ناراض ہو کر کہتا ہے کہ ان علماء نے سائنسی ترقی کی اہمیت کو نہیں سمجھا، یہ صرف اپنے مدرسوں میں بند رہتے ہیں، سائنسی طاقت ان کے ہاتھ میں ہوتی تو منہ توڑ جواب دیا جا سکتا تھا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں!

مسلمان اس آیت مبارکہ پر غور کریں اور انصاف سے اپنا، اپنے اعتقاد و یقین کا، اور اپنے کردار و گفتار کا جائزہ لیں، مسلمانوں کی سیاست اور ان کی زندگی کا اور اس کا محور اور ان کا مقصدِ زندگی تو آخرت کی سرخروئی اور کامیابی ہے اور ان کا اعتماد و انحصار اللہ کی ذات پر ہے، مسلمان پابند ہیں، آزاد نہیں ہیں، انھیں ہر عمل اور قول میں اللہ کے احکام کو پیش نظر رکھنا ہے اور ان پر عمل پیرا ہونا ہے، اس لئے مسلمان کسی بھی گناہ میں اس حد تک نہیں جا سکتا جہاں تک کافر پہونچتا ہے۔

جب یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تمام دنیاوی تدبیروں کا مکلّف نہیں بنایا ہے، تقویٰ و طہارت کے ساتھ کچھ کچھ تدبیریں ان کے لئے کافی ہیں، تدبیروں میں انہماک اور غلو ان کے حق میں مفید تو کیا مضر ثابت ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے خیر امت ہونے کی تین بنیادیں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہیں: ایک امر بالمعروف، دوسرے نہی عن المنکر، تیسرے ایمان باللہ، یہ تینوں چیزیں جس درجے میں مطلوب ہیں، انھیں حاصل کرنے کی مسلمان کوشش کرے، اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی مشنری ان کے خلاف زہر اگلتی، ان کی میڈیا فضا میں آگ برساتی رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان و قلم کی ایذا رسانی رہے گی، لیکن مسلمان اپنے طریق کار پر مضبوطی سے ثابت قدم رہیں تو ان باتوں کا کوئی خاص ضرر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی غیبی نصرت و طاقت سے ہر ایک کا جواب فراہم کر دیں گے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ مسلمان غلط پروپیگنڈوں سے مرعوب ہو کر ان چیزوں سے

بھاگ کھڑا ہوتا ہے، جو مطلوب اور ضروری ہیں، اور دنیاوی تدبیروں کو اتنی اہمیت دینے لگتا ہے، جیسے وہی کارساز ہوں، ہمارے ملک میں تو مسلمان بہت کچھ بے بس اور کافروں کی زیادتیوں کے شکار ہیں، گوکہ انفراداً اور اجتماعاً یہاں بھی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کے میدان میں بڑی وسعت ہے، لیکن اللہ کو ماننے والا ادھر سے روگردانی کر کے، اپنے نفسانی جذبات کی تکمیل میں منہمک رہتا ہے، اسی میں مال بھی پھونکتا ہے، اسی میں وقت بھی ضائع کرتا ہے۔

ابھی پچھلے دنوں ایک جگہ یہ راقم موجود تھا، دوسری جگہ جانے کے لئے ایک کرایہ کی گاڑی کی تلاش جاری تھی مگر مل نہیں رہی تھی۔ اتوار کا دن تھا، مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ اتنا مالدار شہر ہے، گھر گھر گاڑیاں ہیں پھر بھی نہیں مل پا رہی ہے، معلوم ہوا کہ آج اتوار ہے، مسلمانوں کے خوش عیش گھرانے، ان کے بچے اور نوجوان گاڑیاں بک کرا لیتے ہیں، اور ان میں بھر بھر کر دور دراز جگہ میں پکنک منانے جاتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ یہ سن کر دل کو بڑا دھکا لگا کہ ہمارے موجودہ حالات اس ملک میں کیا اس طرح کے بے جا اور بے تحاشا فضول بلکہ معصیت کے اخراجات کی اجازت دیتے ہیں؟ کیا انھیں لچھنوں پر اللہ کی نصرت وحمایت کی امید ہے؟

خیر یہ تو اپنے ملک کی بات ہے، جہاں سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے مسلمان مغلوب ہیں۔ رونا تو یہ ہے کہ جہاں مسلمان سیاسی اعتبار سے بالا دست ہیں، وہاں بھی خیر امت ہونے کے مذکورہ اوصاف ناپید ہیں، ان کا انتظام حکومتوں کو کرنا چاہیے، مگر دکھ کی بات ہے کہ وہ اللہ کی تعلیم کو نظر انداز کر کے کفار کے سامنے کاسۂ گدائی لئے نظر آتے ہیں، ڈرتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہم کو بڑا نقصان پہونچ جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے، ذرا مذکورہ بالا آیت پر غور کریں، راستہ بھی کھلے گا، تسلی بھی ہوگی، اور حق تعالیٰ کی طرف سے نصرت بھی ہوگی۔

(اکتوبر ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل اسلام کی ذمہ داریاں

آخر امریکہ نے عراق پر ہلہ بول ہی دیا۔ ساری دنیا ہاں ہاں کرتی اور پکارتی رہ گئی، ہر صدا بے اثر، ہر درخواست نا قابل اعتناء، ہر دلیل نا کام، بس ؎

بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت
نہیں کام آتی دلیل اور حجت

ظالم کی نیت پہلے ہی سے بگڑی ہوئی تھی، انجام سے بے پرواہ ہوکر، عراق پر نہیں، عالم اسلام پر اس نے وار کر دیا۔ اسے عراق سے دشمنی نہیں، نہ صدام حسین کوئی چیز ہے، اسے دشمنی اسلام سے ہے، عالم اسلام سے ہے، اس نے جب طالبان سے جنگ چھیڑنے کا ارادہ کیا تھا، تو بے ساختہ اسے ''صلیبی جنگ'' سے تعبیر کر گیا تھا اور یہ اس کے دل کی آواز تھی، اسی جنگ کی یہ دوسری قسط اس نے چھیڑی ہے، اس کا نشانہ عالمِ اسلام ہے، اس کی نگاہیں حرمین شریفین پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ وہاں تک تو نہیں پہونچ سکے گا کیونکہ وہاں کا دروازہ کفر اور کافروں پر بند ہو چکا ہے۔ اور کفار کو شاید اس کی بہت تکلیف ہے، کہ دنیا کا کوئی گوشہ اور کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں پر ہر مذہب کا ماننے والا نہ جا سکتا ہو، صرف حرمین شریفین کی پاک اور مقدس سرزمین وہ ہے جہاں کفر و شرک سے آلودہ قلب اور ناپاک قدم نہیں جا سکتا، چاہے وہ وقت کا نمرود و فرعون ہی کیوں نہ ہو، سب کو اپنی سواری کا رخ ادھر سے ہٹانا ہی پڑتا ہے، کفر کو اس سے بڑی تکلیف ہے، وہ اسے اپنی توہین سمجھتا ہے۔ ''دجال اکبر'' اپنی تمامتر طاقتوں، شعبدوں اور کوششوں کے باوجود ان دونوں جگہوں میں نہیں گھس سکے گا۔

کعبۂ مقدسہ، مرکز جلال الوہیت ہے، مظہر معبودیت و محبوبیت ہے، حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السّلام کو حکم تھا کہ: ﴿أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ

السُّجُوْدِ﴾ (سورۃ البقرۃ) میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک وصاف رکھو، یعنی کفروشرک کی آلودگی، اور بتوں کی نجاست سے پاک رکھو، پھر ایک عرصۂ دراز تک اللہ کا یہ گھر ہر قسم کی آلودگی سے پاک رہا، حضور اکرم ﷺ کی ولادت شریفہ سے تقریباً تین سو سال پہلے، ایک سرپھرے گمراہ نے اس میں بت نصب کردیا تھا، پھر یہ گندگی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت تین سو سے زائد بتوں کو وہاں رکھ دیا گیا، ہجرت کے آٹھ سال بعد جب آپ نے مکہ فتح کیا تو ان بتوں کو، اور بت پرستوں کو حرم مکہ سے نکال باہر کیا، آپؐ کی برکت سے اب یہ علاقہ بشمول مدینہ منورہ بت پرستی اور کفروشرک کی نحوست سے پاک ہے، طاغوت نے ہر دور میں زور لگایا کہ اس حرم خداوندی میں دخل اندازی کرے مگر جلال الوہیت وغیرتِ محبوبیت نے اسے توڑ کر رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ﴾ (سورۃ الحج) جو اس میں یعنی حرم میں ازروئے سرکشی ظلم کا ارادہ کرے گا، ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ جس نے حرم مکہ کے ساتھ ظلم وزیادتی کا ارادہ کیا، وہ ٹوٹ کر رہا۔ کبھی دنیا میں بھی اس نے سزا بھگتی، کبھی بظاہر دنیا میں بچا رہا، مگر آخرت کے سخت عذاب سے اسے نجات نہ ملی۔ بت پرستی ایک عرصہ تک اس مرکز توحید میں گھسی رہی، مگر بت پرستوں نے کعبۃ اللہ شریف کے ظاہری ادب کا دامن ہاتھ سے چھوڑا نہیں تھا۔ وہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، اور طواف کرتے وقت اللّٰهم اغفر لي (اے اللہ میری مغفرت کردیجئے) کی گردان کرتے تھے، وہ حج کے ارکان ادا کرتے تھے، حد یہ ہے کہ جب کعبہ شریف میں ایک بار آگ لگی، اور اس کی عمارت خستہ ہوگئی، تو اس کی تعمیر نو کے لئے حلال مال کا انھیں بت پرستوں نے جن کے پاس زیادہ تر سرمایہ مالِ حرام کا تھا، اتنا اہتمام کیا اور اس میں اتنی شدت برتی کہ کعبہ کی تعمیر کے لئے خالص حلال مال اتنا نہ جمع ہوسکا جس سے اس کی پوری تعمیر ہوسکتی، تو انھوں نے کعبہ کی عمارت کو چھوٹا کرنا گوارہ کیا، مگر اللہ

کے اس پاک گھر میں ناپاک مال لگانا گوارا نہ کیا، چنانچہ حطیم کا حصہ کعبہ مقدسہ کا جز تھا، اب وہ اس کے باہر ہے، غرض یہ ہے کہ کفر وشرک اور بت پرستی نے خانہ کعبہ کا ظاہری ادب برقرار رکھا تو اسے کچھ عرصہ تک مہلت ملی رہی، پھر ابرہہ نے اس مقدس گھر کے ساتھ شوخ چشمی کی، اس کے انہدام کے لئے فوج لیکر چڑھا۔ اہل مکہ باوجودیکہ بت پرست تھے، مگر جانتے تھے کہ یہ گھر ان بتوں کا نہیں ہے، اللہ کا ہے، انھوں نے اللہ کا گھر اللہ کے حوالے کیا، بتوں کے حوالے نہیں کیا، انھیں مقابلے کی طاقت نہیں تھی، تو اپنی جان لیکر پہاڑوں میں چلے گئے۔ پھر اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت کرلی، ابرہہ اپنے لشکر سمیت پرندوں کے مسلسل حملوں کی تاب نہ لا سکا، اور سب کھائے ہوئے بھس کی طرح ریزہ ریزہ ہوکر رہ گئے۔

اس دور کے طاغوتوں نے پھر اس دیار مقدس پر نگاہ جمائی ہے، عالم اسلام ان کے مقابلے میں کمزوری محسوس کررہا ہے، سامان جنگ کی بھی کمزوری، فوج کی بھی کمزوری، ہمّت وحوصلہ کی بھی کمزوری، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایمان کی بھی کمزوری! یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام اگر چہ زمین کے ایک بڑے رقبے پر پھیلا ہوا ہے، مسلمانوں کی حکومتیں بہت سی ہیں۔ اور بہت صاحب ثروت بھی ہیں، قدرتی خزانوں سے مالا مال ہیں، مگر سب سہمے ہوئے ہیں، ہر ایک حکمراں کو یہ فکر ہے کہ اس کی حکومت نہ چلی جائے، اس لئے کوئی دم سادھے بیٹھا ہے، کوئی ہم نوائی اور موافقت میں پیش قدمی کرتا ہے، چند ایک ہیں جو اس طاغوت کو للکارتے ہیں، اگر سارا عالم اسلام ایک آواز ہوکر اٹھ کھڑا ہوتا، تو کسی طاغوت کی ہمت نہ ہوتی کہ وہ آنکھ دکھاتا۔ اگر یہ حکومتیں مظلوم طالبان کی حمایت پر کمربستہ ہوگئی ہوتیں، جن پر محض ناحق ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، تو آج بغداد پر چڑھ دوڑنے کی ہمت نہ ہوتی۔ مگر ''حبّ دنیا'' اور ''کراہیت موت'' نے ان حکمرانوں کے قلوب کو دیمک کی طرح چاٹ لیا ہے، مشہور حدیث ہے جس کو امام ابوداؤد نے حضرت ثوبانؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قریب ہے (وہ زمانہ) کہ (دشمن) قومیں تمھارے خلاف (جنگ کرنے اور تم کو مٹادینے کے لئے) ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں

گی جس طرح کھانے والی جماعت کے آدمی کھانے کی لگن کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا کیا اس دن ہماری تعداد کی قلت کی وجہ سے ایسا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تم اس وقت بڑی تعداد میں ہوگے، لیکن سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح ہوگے اور اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے دلوں سے تمھاری ہیبت نکال دیں گے، اور تمھارے دلوں میں ''وہن'' ڈال دیں گے، دریافت کیا گیا حضرت! وہن کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

دنیا کی محبت اور موت کی کراہت

آج یہی دنیا کی محبت اور موت سے ناگواری کی دیمک قلوب کو چاٹ گئی، کیا حکمرانوں کا طبقہ، کیا اصحاب ثروت کا طبقہ، کیا عوام کی بھیڑ اور کیا خواص کا مجمع! ہر ایک کا ایک ہی حال ہے، **الا ما شاء اللہ**

حکمراں طبقہ چپ ہے، یا طاغوت کی ہاں میں ہاں ملا رہا ہے، اصحاب ثروت اپنے مال و اسباب کی فکر اور اس کے اہتمام میں غلطاں و پیچاں ہیں۔ انھیں جہاں مال کا نقصان محسوس ہوتا ہے متحیر اور حیرت زدہ ہوکر کھڑے رہ جاتے ہیں، عوام ضرور شور مچاتے ہیں، مگر ان کا شور وغل صرف زبان کی حد تک رہتا ہے، ان سے اتنا بھی نہیں ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ان طریقوں سے الگ کرلیتے جن پر غیروں کی چھاپ لگی ہوئی ہے، اور وہ طریقہ اختیار کرتے، جو اللہ و رسول کا عطا فرمودہ ہے، کافروں کے خلاف شور وغوغا ضرور ہے، مگر ان کو برتا جائے اور دیکھا جائے تو، پورے پورے کافرانہ طور وطریق پر ملتے ہیں، کیا صورت میں۔ کیا سیرت میں، کیا اخلاق و کردار میں، کیا مال و دولت کی محبت میں، کیا منصب وحکومت کی لالچ میں، کسی رخ سے اسلامی طور وطریق کا پتہ نہیں چلتا۔

رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی، جو اوپر نقل کی گئی ہے، وہ صرف پیشن گوئی نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کیلئے ایک انتباہ ہے، ایک درس عمل ہے، ایک ہدایت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ سبب جس سے دنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور ہر وہ بات جس کے نتیجے میں موت

ناخوشگوار معلوم ہوتی ہے، اسے اپنی زندگی سے خارج کریں، اگر ایسا کرلیا گیا، تو دشمنوں کو حوصلہ نہ ہوگا کہ وہ آپس میں مسلمانوں کے خلاف اس طرح دعوت دیں، جیسے وہ کوئی تر نوالہ ہوں۔ بلکہ ان کی ہیبت دلوں میں اس طرح بیٹھ جائے گی، کہ انھیں اٹھنے کا حوصلہ نہ ہوگا۔

کفر وشرک کے طاغوت، بغاوت اور دہشت گردی کے فرعون نے تمام دنیا میں جنگ کا ایک ماحول بنا دیا ہے، یہ جنگ کسی ایک ملک کے خلاف نہیں ہے، پورے عالم اسلام کے خلاف ہے، اس جنگ میں ہر مسلمان کو اپنی بساط کے مطابق عالم اسلام کی مدد کرنی ہے، یہ ایک فریضہ ہے، جسے اہل اسلام نہ فراموش کریں، نہ اس سے غفلت برتیں، نتیجہ خدا کے اختیار میں ہے، لیکن عمل کی ذمہ داری ہماری ہے۔

مسلمان حکمرانوں کا فریضہ ہے کہ اپنے اختلافات اور ذاتی مفادات کو ایک طرف رکھ کر ہر ممکن طاقت سے اس طاغوت کی شکست وریخت کا بندوبست کریں، حکومت دنیا کی کسی طاقت کے ہاتھ میں نہیں ہے، **مالک الملک** کے ہاتھ میں ہے، وہ برملا اعلان کردیں اور اپنے دل میں یہ یقین جمالیں کہ ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ إِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (سورہ آل عمران:۲۶) تم کہہ دو کہ اے اللہ! اے ملک کے مالک! آپ جسے چاہتے ہیں حکومت دیتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں حکومت چھین لیتے ہیں، جسے چاہتے ہیں غلبہ عطا فرماتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں کمزور اور بے بس بنا دیتے ہیں، آپ کے ہاتھ میں خیر ہے بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

وہ ہرگز یہ اندیشہ دل میں نہ لائیں کہ یہ طاغوت بکھر گیا یا بپھر گیا تو حکومت خطرے میں پڑ جائیگی، اس کا سرا کہیں اور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ آواز بادشاہوں کے ایوانوں تک نہیں جائیگی، لیکن بات ضروری ہے اسلئے کہی گئی۔

خواص علماء کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرے میں پیغام حق کو پوری قوت کے ساتھ پہنچائیں۔ اسلام کو اپنے اوپر نافذ کریں، مخلص مسلمان بنیں، اور قوم وملت کے دل

سے خوف وہراس اور نا امیدی کی کیفیت کو دور کردیں۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات سے محبت پیدا کرنے کا اہتمام کریں۔ اللہ ورسول کی محبت دلوں میں پیدا ہوگی تو بڑے بڑے خطرات آسان ہوں گے۔ دل کی زندگی اور زندگی کی حرارت اسی محبت سے ہے، یہی محبت نہ ہوتو انسان طرح طرح کی کمزوریوں کا شکار بن جاتا ہے، علامہ اقبالؒ نے ارمغانِ حجاز میں ایک رباعی لکھی ہے، کہتے ہیں:

شبے بگریستم پیش از خدا زار   مسلماناں چرا زارند و خوارند

ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم   دلے دارند و محبوبے ندارند

ایک رات میں خدا کے حضور بہت رویا، کہ خداوندا! مسلمان کیوں ذلیل وخوار ہورہے ہیں۔ ندا آئی کہ یہ قوم دل تو رکھتی ہے، مگر دل کا مرکز یعنی محبوب سے محروم ہے۔

علماء ومشائخ کی اولیں ذمہ داری یہ ہے، کہ مسلمانوں کے قلوب کیلئے محبوب کا اہتمام کریں۔ محبت جاگے گی تو بڑا انقلاب لائے گی، پھر سارا عالم اسلام محبت کے اس زریں دائرے میں آجائے گا، اور سب ایک بدن کے اعضاء کی طرح ہوجائیں گے،

عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دشمنان اسلام کے طورطریقوں کی طرف میلان سے اجتناب کریں، ایمان کی مضبوطی اور اعمال صالحہ کی پختگی کا انتظام کریں، تاکہ خدا کی رحمت عمومی طور پر متوجہ ہو، خاص طور سے فرائض کا اہتمام کریں، خواہ ان کا تعلق جسم وجان سے ہو، یا مال سے ہو، یا اخلاق سے ہو، نماز اور روزے کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور حقوق مالیہ کے ساتھ انصاف، یہ وہ چیزیں ہیں، جو براہ راست خدا کی رحمت کو متوجہ کرتی ہیں۔

(مئی ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم کی لغزش

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ کے مشرقی خطے کا ایک مرکزی اور معتبر ادارہ ہے، اس خاکسار نے اپنی ابتدائی عربی تعلیم کے چار سال اس میں گزارے ہیں، شعور کی ابتداء سے اس کی محبت اور اس کی عقیدت رگ وریشے میں رچی بسی ہے، اس وقت اس کے سربراہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب نور اللہ مرقدہٗ تھے، مولانا عبدالباری صاحب صرف اس مدرسے کے ہی سربراہ نہ تھے۔ بلکہ مبارکپور اور اس کے اطراف کے مسلمانوں کے مسلّم سربراہ تھے۔کوئی دینی وسماجی کام خواہ انفرادی ہو، یا اجتماعی، ان کے بغیر انجام نہیں پاتا تھا، آجکل اس ادارے کے سربراہ میرے رفیق درس جناب مولانا عبدالمعید صاحب قاسمی ہیں، جامعہ عربیہ احیاء العلوم کی قدیم روایت رہی ہے کہ ہر سال اس کے وسیع صحن میں ایک بڑا دینی جلسہ ہوتا ہے، اس میں ملک کے مشہور اور معتبر علماء شرکت فرماتے ہیں، ان کے مواعظ سے مبارکپور اور اس کے اطراف کے لوگ مستفید ہوتے ہیں، اسی دستور کے مطابق اس سال بھی ۶ ؍ ۷ ؍ صفر کو وہ روایتی جلسہ منعقد ہوا، دوسرے روز کے جلسے میں ایک مشہور خطیب مولانا سید سلمان ندوی کی تقریر ہوئی، ندوی صاحب خطیب تو واقعی نمونے کے ہیں، اندازِ بیان بہت خوب ہے، قرآن کریم کی آیات اس طرح پڑھتے ہیں کہ طبیعت وجد میں آجائے، ان کی تقریر نہایت مرصع، اور فصاحت وبلاغت کا ایک دلآویز مرقع ہوتی ہے، کہ سننے والے جھوم جھوم جائیں۔

لیکن کاش وہ کچھ مطالعہ کر کے تقریر کرتے، صرف زور بیان سے کام نہ لیتے، بلکہ علمائے حق کی ترجمانی کرتے، قرآن کریم کی تفسیر میں اپنی رائے کو نہ داخل کرتے، لیکن واقعہ

یہ ہے کہ ان کی تقریر سن کر بہت افسوس ہوا، ان کی تقریر کا مرکزی موضوع ہی جادۂ حق سے منحرف تھا، پھر اس کی تائید میں انھوں نے قرآن کریم کی جن آیات کو پیش کیا، ان سے ان کے مدعا کی تائید نہیں ہو رہی تھی، تو انھوں نے ترجمہ میں اضافہ کر کے، اپنے اسی پیش کردہ اضافہ سے استدلال کیا، اس سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ قرآن سے استدلال کر رہے ہیں، حالانکہ اس اضافہ کا تعلق قرآن کریم سے نہ تھا۔

انھوں نے اپنی تقریر کا آغاز اس نکتہ سے کیا کہ یہ مدرسہ ''احیاء العلوم'' ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مدرسہ کو ''العلوم'' کے احیاء کے لئے قائم کیا گیا ہے، ''العلوم'' سے مراد دینی اور انبیائی علوم ہیں، انھیں زندہ کرنا ہے، پھر انھوں نے بتایا کہ ''دین'' کی تشریح مشہور حدیث جبرئیل سے ہوتی ہے، حضرت جبرئیل رسول اللہ ﷺ کے وصال سے کچھ پہلے اجنبی بن کر آپ کی مجلس میں آئے، اور پوچھا ما الاسلام ؟ اسلام کیا ہے؟ ما الایمان ؟ ایمان کیا ہے؟ ما الاحسان ؟ احسان کیا ہے؟ آپ نے تینوں سوالوں کے جواب بہت وضاحت کے ساتھ دئے۔ وہ چلے گئے، تو آپ نے فرمایا کہ پوچھنے والے کو واپس بلاؤ، لوگوں نے تلاش کیا تو نہیں ملے، فرمایا وہ جبرئیل تھے، تم کو تمھارا دین سکھانے کے لئے آئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام، ایمان اور احسان کے مجموعے کا نام ''الدین'' ہے، اس دین تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی رہنمائی ان آیات میں کی ہے جو بالکل آغاز نبوت میں نازل ہوئی تھیں یعنی: ﴿إقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم﴾ پڑھو اپنے رب کے نام سے لگ لپٹ کر جس نے پیدا کیا انسان کو جونک جیسے جمے ہوئے خون سے، پڑھ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے علم سکھایا، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا، جو وہ نہیں جانتا تھا، اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے کارہائے نبوت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿کما أرسلنا فیکم رسولاً منکم یتلو علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمة ویعلمکم مالم تکونوا

تعلمون ﴾ جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہارے ہی درمیان سے بھیجا، وہ تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے، اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے، اور تم کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور وہ سب کچھ تم کو سکھاتا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ جو کچھ انسان نہیں جانتا تھا، اللہ نے اسے وہ سب کچھ سکھا دیا ہے، اب اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ جو کچھ پڑھے، اللہ کے نام سے لگ لپٹ کر پڑھے، جو کچھ بھی اس طرح پڑھا جائے گا، وہ سب ''العلوم'' میں داخل ہوگا۔

دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام کا منصب جہاں یہ ہے کہ وہ ''تلاوت آیات'' کریں، ''تزکیۂ نفوس'' کریں، کتاب وحکمت کی تعلیم دیں، اسی طرح ان کا منصب یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں وہ سب کچھ سکھائیں، جو تم نہیں جانتے، یعنی دنیوی علوم وفنون، جن کا تعلق اسباب دنیا سے ہے، جن کی ضرورت انسانی زندگی میں ہوتی ہے، آلات جنگ وغیرہ بنانے کا علم، جن سے اقوام وممالک کو فتح اور زیر کیا جائے وغیرہ۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ ''علوم دین'' صرف اتنے ہی میں منحصر نہیں ہیں، جو ہمارے مدرسوں میں پڑھائے جاتے ہیں، ہم نے ایک عرصہ کی غلامی کے نتیجے میں ''العلوم'' کو تفسیر وحدیث اور فقہ میں محدود کر دیا ہے، ورنہ انبیائی علوم کا دائرہ بہت وسیع ہے، ہم نے اس وسیع دائرہ کے ایک بہت مختصر جز کو لے لیا ہے، اور باقی علوم کو اس دائرے سے خارج کر دیا ہے،

موصوف نے مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کی ذات گرامی کو پیش کیا کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ ایک ماہر کاریگر تھے، وہ کشتی بنانے کا فن جانتے تھے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ایک عظیم الشان کشتی بنائی، معلوم ہوا کہ یہ فن بھی انبیائی علوم کے دائرے میں آتا ہے، مگر ہم نے اسے بھی دوسروں کے حوالے کر رکھا ہے۔

پھر انھوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا اسم گرامی پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

﴿و ألنا لهٗ الحدید﴾ ہم نے ان کیلئے لوہا نرم کر دیا، موصوف نے کہا کہ لوہے کو نرم کرنے کا مطلب شعبداتی ذہن اور کراماتی مزاج رکھنے والوں کے نزدیک یہ ہے کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آکر موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا، اور وہ اسے جس طرح چاہتے تھے موڑ دیتے تھے، مگر یہ غلط ہے، واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے بڑی بڑی بھٹیاں، لوہے کو تپانے اور گلانے کیلئے بنا رکھی تھیں، ان میں لوہا گلا کر زرہیں بنائی جاتی تھیں اور ہتھیار ڈھالے جاتے تھے، یہ فن حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا، پس یہ بھی انبیائی علوم میں شامل ہے، جس کا احیاء کرنا ہماری ذمہ داری ہے،

پھر انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر چھیڑا کہ وہ جناتوں سے بڑی بڑی بلڈنگیں، مجسمے، کوہ پیکر دیگیں اور لگن بنوایا کرتے تھے، ان کے پاس ایک زبردست بحری بیڑہ تھا، جس کی رفتار صبح و شام ایک ایک ماہ کی مسافت کے بقدر تھی، ﴿غدوّها شهرٌ ورواحها شهرٌ﴾

بلڈنگوں کی تعمیر، مجسموں کی صنعت، لگن اور دیگیں بنانے کا فن، اور بحری بیڑے بنانے کی تکنیک، یہ سب انبیائی علوم میں شامل ہیں، پھر آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا کہ آپ کے پاس وہ سب ہتھیار تھے، جو دوسرں کے پاس تھے، بلکہ وہ ہتھیار بھی تھے، جو اوروں کے پاس نہ تھے، چنانچہ منجنیق اور دبابہ کو آپ نے غزوۂ طائف میں استعمال کیا تھا، یہ ہتھیار عربوں کے پاس نہ تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلحہ سازی کا فن انبیائی علوم میں داخل ہے، ہم نے غلطی سے اپنا دائرہ محدود کر کے علوم دین کو چند علوم میں منحصر کر دیا ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے، انھیں علوم کے فقدان نے ہم کو دنیا میں ذلیل، اور شکست سے دوچار کر رکھا ہے۔

ہمارے علماء نے غلطی سے علوم دینیہ کو صرف انھیں چیزوں میں محدود کر دیا ہے، جو مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں، حالانکہ وہ علوم بھی انبیائی علوم ہیں، جنھیں ہم نے کالجوں، یونیورسٹیوں کے حوالے کر دیا ہے، اور جنھیں ہم دنیاوی علوم کہتے ہیں، ان سب کو ہمارے دائرۂ عمل میں آنا چاہئے، ہماری ذلت کا ایک بڑا سبب یہ علوم دین اور علوم دنیا کی تفریق ہے۔

یہ ہے ندوی صاحب کی تقریر کا حاصل، جس کو انھوں نے تفصیل کے ساتھ خطیبانہ آہنگ میں بیان کیا تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ ندوی صاحب کا دعویٰ بھی غلط ہے، اور ان کا استدلال بھی غلط در غلط ہے، اختصار کے ساتھ قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) یہ دعویٰ کہ انبیائی علوم اور دینی علوم کا دائرہ اتنا وسیع ہے، کہ اس میں دنیاوی علوم وفنون بھی شامل ہیں، ایک ایسا دعویٰ ہے، جو علمائے امت میں اب تک کسی نے نہیں کیا ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ، انبیاء جو علوم اللہ کے پاس سے لائے ہیں، اور جس کی انھوں نے دعوت دی ہے، وہ علوم ہیں، جن سے بندوں کا ربط اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست اور استوار ہو، چنانچہ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں سوالات کے جو جوابات دئے ہیں، جن کے مجموعے کو موصوف نے بھی ''الدین'' ہونے کا اعتراف کیا ہے، اس میں کہیں دنیاوی علوم کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں ہے۔

اسلام کیا ہے؟ کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور یہ کہ نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کا روزہ رکھو، اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کرو۔ (الاسلام أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، و تقيم الصلٰوة ، وتؤتي الزكوٰة، وتصوم رمضان، وتحج البيت إن استطاع إليه سبيلاً)

اور ایمان کیا ہے؟ کے جواب میں آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ، نیز تقدیر پر اس کے خیر وشر پر ایمان لاؤ۔ (أن تومن بالله وملٰئكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وتومن بالقدر خيره وشره)

اور احسان کیا ہے؟ کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو، تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (أن تعبد الله

کأنک تراہ فإن تکن تراہ فإنہ یراک)

اس مجموعے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین کا مقصد یہ ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ سے ربط صحیح ہو، اس مقصد سے متعلق جو علوم ہوں گے، وہی علوم دین ہوں گے۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے، اب تک امت میں کسی معتبر عالم نے ان علوم دنیا کو جنھیں موصوف نے علوم دین میں داخل کرنا چاہا ہے، اور جن کے اختیار نہ کرنے کو علماء کی غلطی قرار دیا ہے۔ دینی علوم میں شامل نہیں کیا ہے، پس یہ بنیاد اور مقصد ہی سرے سے غلط ہے۔ بلکہ گمراہ کن ہے۔

رہی یہ بات کہ **علّم الانسان مالم یعلم**، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا، جو وہ نہیں جانتا تھا، اور **یعلمکم مالم تکونوا تعلمون**، تم کو وہ سب کچھ سکھاتے ہیں، جو تم نہیں جانتے، تو یہ قرآن کے ترجمے میں اپنی رائے سے بغیر کسی دلیل کے ایک بے جا اضافہ ہے۔ ان دونوں آیتوں میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے، جس کا ترجمہ سب کچھ کیا جائے، اسی سب کچھ سے موصوف نے استدلال کیا ہے، کہ تمام علوم وفنون انبیائی علوم کے دائرے میں آتے ہیں، یہ ''سب کچھ'' قرآن میں نہیں ہے، کیونکہ **ما** اگرچہ عام ہے، مگر وہ اثبات میں استغراق کیلئے نہیں آتا۔ یعنی ''سب کچھ'' اس کے عموم میں شامل نہیں ہوتا، اور موصوف کے استدلال کی بنیاد یہی ''سب کچھ'' ہے، پس یہ استدلال قرآن سے نہیں، ان کی اپنی رائے سے ہے، مگر ان کے بیان سے ایسا تاثر ہوتا ہے، جیسے وہ قرآن ہی سے استدلال کر رہے ہوں۔

علماء جانتے ہیں استدلال کی یہ فن کاری کن لوگوں کا شیوہ ہے۔ ﴿**وان منھم لفریقا یلوٗن السنتھم بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وما ھو من الکتاب ویقولون ھو من عند اللہ وما ھو من عند اللہ ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون**﴾ اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو کتاب کو پڑھنے میں زبان کو توڑتے مروڑتے ہیں، تاکہ تم یہ سمجھو کہ یہ بات بھی کتاب اللہ ہی کی ہے حالانکہ کتاب سے اس کا تعلق نہیں ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اس کی طرف سے نہیں ہے، اور اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿**وما أوتیتم من العلم**

إلا قليلا﴾ علم کا بہت تھوڑا سا حصہ تمہیں دیا گیا ہے، لیکن موصوف فرماتے ہیں کہ اللہ نے وہ سب کچھ سکھایا، جو انسان نہیں جانتا تھا۔ کتنا فرق ہے کلام الٰہی میں اور دعویٰ انسانی میں؟

حضرت نوح علیہ السلام نے بے شک کشتی بنائی تھی، اور اللہ کے حکم سے بنائی تھی، اس کے بنانے کی ضرورت تھی، عذاب آنے والا تھا اس سے حفاظت کیلئے بنائی تھی، لیکن کیا کسی اشارے سے بھی یہ بات ملتی ہے کہ کشتی بنانے کا فن کوئی دینی اور انبیائی علم ہے، کیا حضرت نوح علیہ السلام نے یا ان کے بعد کسی بھی نبی نے اپنی امت میں بطور علم دین کے اس کو رواج دیا، یا اس کی ترغیب دی، حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دین کی دعوت دی تھی، کیا اس دعوت کا کوئی جزیہ بھی تھا کہ فن کشتی سازی سیکھو؟

حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ نے لوہا نرم کر دیا تھا، یہ ان کا معجزہ تھا، شعبداتی اور کراماتی ذہن والوں سے نہیں متعدد تابعین جن میں حضرت حسن بصری، قتادہ اور اعمش شامل ہیں مروی ہے کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آکر نرم ہو جاتا تھا (دیکھئے "تفسیر ابن کثیر") اور اگر لوہا ان کے ہاتھ میں نرم ہونے سے یہی مراد ہے کہ وہ لوہے کو بھٹیوں میں پگھلاتے تھے، اور اس مقصد کیلئے انھوں نے بھٹیاں بنوا رکھی تھیں، تو یہ کون سی خاص بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنے اہتمام سے بطور احسان کے بیان کیا ہے، اسطرح کی چھوٹی بڑی بھٹی تو ہر لوہار کے پاس ہوتی ہے، اور داؤد علیہ السلام کے زمانے سے پہلے بھی ہوا کرتی تھی، کیونکہ لوہے کے ہتھیاروں کا استعمال بہت پہلے سے عام ہے، قرآن کی شہادت ہے کہ داؤد علیہ السلام سے صدیوں پہلے، یوسف علیہ السلام کے دور میں زنانِ مصر کے پاس چھریاں تھیں، جن سے انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، ظاہر ہے کہ بغیر ان بھٹیون کے جن میں لوہا تپایا اور گلایا جائے، چھری بنانے کی کوئی اور صورت نہیں ہے، یہ ساری افسانہ طرازی انھوں نے اسلحہ سازی کے فن کو دینی علوم میں شامل کرنے کی غرض سے کی ہے، مگر دونوں باتیں غلط ہیں، اس فن کو علوم دین میں شامل کرنا بھی اور یہ افسانہ طرازی بھی، کہ انھوں نے لوہا گلانے کے لئے بھٹیاں بنا رکھی تھیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلاشبہ جنات سے کام لیا، ان سے بلڈنگیں تعمیر کرائیں، مجسمے بنوائے، لگن اور دیگیں ڈھلوائیں، لیکن کیا اس سے اشارۃً بھی کوئی ثبوت ملتا ہے کہ یہ فن علوم دین میں شامل ہے اور اس کا براہ راست دین سے کوئی تعلق ہے۔ ہاں ان کی اس استدلالی منطق سے اگر کوئی چاہے، تو یہ ثابت کرسکتا ہے کہ جنات کو مسخر کرنے اور ان کو اپنے کاموں میں استعمال کرنے کا فن البتہ دینی اور انبیائی علم ہے، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جنات مسخر تھے، اور وہ ان سے کام لیا کرتے تھے، مگر وہ شاید اس کو پسند نہ کریں۔

اور تختِ سلیمانی کے بارے میں مولانا موصوف نے مودودی صاحب اور مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی تقلید میں ایک نیا انکشاف کیا ہے، جس کا شاید اب تک کسی کو علم نہ رہا ہو کہ وہ ایک زبردست بحری بیڑہ تھا، جو سمندروں میں گشت کرتا پھرتا تھا، کاش اس کیلئے موصوف کوئی دلیل پیش کیے ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً غزوۂ طائف میں منجنیق کا استعمال فرمایا تھا، مگر ہمارے ناقص علم میں اب تک یہ بات نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ سازی کو علم دین قرار دیا ہو، یا بطور علم دین کے اس کی ترغیب دی ہو، یا کم از کم اس کیلئے کوئی کارخانہ بنایا ہو، ضرورت کے بقدر ہتھیار مہیا کرنا، دشمنوں سے مقابلہ کی تیاری کرنا، اس کے ذرائع و وسائل فراہم کرنا لاریب کہ مطلوب ہے، مگر اسلحہ سازی کو دینی علوم کی حیثیت دے دی جائے، اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے،

ضرورت کی چیزیں ضرورت کیلئے ہوتی ہیں، وہ مقاصد نہیں ہوتیں، کھانا پکانے کا فن، کپڑا سینے اور بننے کا فن ایک انسانی ضرورت ہے، مگر ان فنون کو دینی علم قرار دینا ستم ظریفی ہے،

موصوف غالباً علم دین اور علم دنیا میں تفریق کے قائل نہیں ہیں، وہ شاید علم کو ایک اکائی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بات بداہۃً غلط ہے، واقعہ یہ ہے کہ علم دین، جسے علم آخرت کہا جاسکتا ہے، وہ الگ ہے، اور علم دنیا، جسے فن اور ہنر کا نام دینا مناسب ہے، وہ الگ ہے، علم

دنیا میں بعض علوم ناجائز اور حرام ہیں، جیسے علم سحر و طلسمات وغیرہ، اور بعض جائز ہیں۔ اور پھر جائز میں تفصیل ہے کہ کس حد تک جائز ہیں، تفصیل دیکھنی ہو تو امام غزالی کی شہرۂ آفاق کتاب ''إحیاء علوم الدین'' کا مطالعہ کریں۔ اس کی تفصیلات ہمارے موضوع بحث سے علیحدہ ہیں۔ (جون ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

نوٹ: اس سلسلہ میں ایک تفصیلی مضمون مجلّہ ''الماٰثر'' مئو میں بہ عنوان ''سبیل المومنین سے انحراف'' شائع ہوا۔ دیکھئے: اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۳ء/ ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ، ص: ۵۴ تا ۶۵۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ قرآن کی ضرورت اور فوائد

صوبۂ بہار کے شہر دربھنگہ سے اس خاکسار کا تعلق زمانۂ طالب علمی ہی سے ہے، میرے محترم ومکرم دوست حضرت قاری شبیر احمد صاحب مدظلہٗ اسی ضلع سے تعلق رکھتے ہیں، پھر میرے مخدوم بزرگ حضرت ماسٹر محمد قاسم صاحب مدظلہٗ کا مرکز بھی اسی ضلع میں ہے۔ میرے بہت ہی عزیز ومحبوب طالب علم جناب مولانا قاضی حبیب اللہ صاحب سلمہٗ جنھوں نے میرے تدریس کے ابتدائی زمانہ میں مجھ سے تعلیم حاصل کی ہے۔اور اب صوبۂ بہار کے ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا تعلق بھی اسی ضلع سے نکلے ہوئے ضلع مدھوبنی سے ہے، ان تینوں حضرات کی وجہ سے دربھنگہ اور مدھوبنی میرا آنا جانا بکثرت ہوتا رہتا ہے، حضرت ماسٹر صاحب مدظلہٗ اور قاری شبیر احمد صاحب مدظلہٗ کے واسطے سے شہر دربھنگہ کے ایک اور بزرگ حضرت حافظ احسن اللہ صاحب (ریٹائرڈ اے۔ڈی۔ایم) سے تعارف وتعلق ہوا۔ان کے صاحبزادے جناب نوراللہ صاحب (ایل۔ایل۔ایم) سے دوستی ہوئی، ان باپ بیٹوں نے اس خاکسار کو اپنی محبت میں اس طرح گرفتار کیا، کہ ان کی ہر فرمائش بلکہ ہر اشارہ میرے لئے حکم بن گیا، حافظ احسن اللہ صاحب کو حفظ قرآن کا بہت ذوق ہے، انھوں نے اپنے بیٹوں، پوتوں اور پوتیوں کو اہتمام سے قرآن کریم حفظ کرایا، ان کے اشارے پر نوراللہ بھائی نے تعلیم قرآن کا ایک مرکز قائم کیا۔اور اس میں حفظ وناظرہ کی تعلیم کا بہت معقول نظم کیا۔۱۹؍شوال (۲۴ھ) مطابق ۱۴؍دسمبر (۲۰۰۳ء) کو انھوں نے ایک جلسۂ دستار بندی منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔تاکہ حفظ قرآن سے فارغ شدہ طلبہ کو دستار دی جائے۔اس کے لئے انھوں نے اس احقر کو دعوت دی، اور اتنے ہی پر انھوں نے اکتفا

نہیں کی ، بلکہ اپنے دینی ذوق کی بنا پر شہر کے مختلف مقامات اور مساجد میں درس قرآن کا منصوبہ بنایا، اور فرمائش کی کہ اس کے لئے کم ازکم دس دن اس شہر کے واسطے وقف کروں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ان کی فرمائش میرے لئے حکم ہے، میں اس کوٹال نہ سکا، اور ۱۲ر دسمبر کو دربھنگہ حاضر ہوگیا۔ آج ۱۳ر دسمبر کو یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ محلّہ کرم گنج کی مسجد میں کل درس قرآن کا آغاز ہوا۔ سورۂ کہف کی تفسیر وتذکیر تجویز ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو دس گیارہ مجالس میں اس سورہ شریفہ کا درس اپنی استعداد کے مطابق پورا کروں گا۔

جس وقت یہ رسالہ قارئین کے ہاتھوں میں پہونچے گا۔ میں ان مجالس سے فارغ ہوکر واپس مدرسہ آچکا ہوں گا۔ ان شاء اللہ، قارئین کرام حسن قبول کی دعا فرمائیں۔

ان سطروں کی تحریر سے مقصود خودنمائی نہیں ہے، یہ گنہگار اور حقیر بندہ کتنا رُوسیاہ اور بے حیثیت ہے، یہ خوب معلوم ہے، خداوند تعالیٰ کی ستاری اور دوستوں کی نگاہ محبت ہے، کہ بہت سے لوگوں کو حسنِ ظن ہے، اور اس حسن ظن کو میں اپنے لئے سرمایۂ نجات سمجھتا ہوں، ورنہ اگر واقعی حقیقت کھل جائے، تو تمام دوستوں کو شرمندگی ہوگی کہ گندگی کے کس ڈھیر سے ہم دھوکہ کھا گئے ، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں۔ یہ سطریں اس لئے لکھی جارہی ہیں کہ میرے دوستوں کو اس کا احساس ہے کہ درس قرآن کے اس سلسلے سے عامۃ المسلمین کو بہت نفع ہوتا ہے، شہر اعظم گڈھ میں ہر ہفتہ اتوار کو یہ سلسلہ چودہ سال کے عرصے سے جاری ہے، اس کے اثرات وفوائد اعظم گڈھ کے مسلمانوں پر بہت نمایاں ہیں۔ اگر ہمارے لائق فائق علماء ومشائخ اپنے اپنے ماحول ومعاشرہ کی مناسبت سے قرآن کریم کا درس جاری کریں اور عام مسلمانوں کو اس کے حقائق ومعارف سے آگاہ کریں، اور اس کے ذریعے سے ایمان وعمل کی تخم ریزی کریں، تو امید ہے کہ قلوب میں خاصا انقلاب آجائے۔ برائیاں اگر بہت تیزی سے بڑھ رہی ہیں، تو بھلائیوں کے پھیلانے میں بھی سرگرمی چاہئے، تاکہ برائیاں کچھ سمٹیں اور ان کی تاریکیاں کچھ چھٹیں۔

شیخ الھند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ جب مالٹا کی جیل سے

ہندوستان واپس آئے، تو اپنے تلامذہ کو جو ہندوستان کے بڑے بڑے علماء تھے، تلقین فرمائی تھی کہ قرآن حکیم کے درس کا سلسلہ قائم کرنا چاہئے، نیز مسلمانوں کو باہمی اختلافات سے بچانے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کی ضرورت جیسے حضرت شیخ کے زمانے میں تھی، آج بھی ہے بلکہ اس سے کچھ زیادہ!

بہت سے صاحب ذوق حضرات قرآن کریم کے اردو ترجموں کا مطالعہ کرتے ہیں ، مگر بعض اوقات وہ کسی کسی الجھن میں مبتلا ہوجاتے ہیں، کہیں کہیں ناتمام علم کی وجہ سے مطلب سمجھنے میں غلطی کرجاتے ہیں، اور دل میں کوئی غلط مضمون بیٹھا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قرآن میں یہی ہے، حالانکہ اس کا تعلق قرآن سے نہیں غلط فہمی سے ہوتا ہے۔ انھیں علماء سے دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا، یا ایسا عالم دستیاب نہیں ہوتا، جس سے اپنی الجھن رفع کرسکیں، معتبر علماء اگر درس قرآن کا سلسلہ رکھیں، تو ان الجھنوں اور غلطیوں کا سدباب آسان ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

اعتذار

پانچ ماہ کے طویل وقفے میں ماہنامہ ضیاء الاسلام کا خصوصی شمارہ ''**قاضی اطہر نمبر**'' پیش کرنے کے بعد ہم پھر بدستور سابق ماہانہ شماروں کا ہدیہ لے کر حاضر ہیں، خدا کرے خصوصی شمارہ پسند خاطر ہوا ہو، وہ نمبر ہم نے بڑے آزمائشی مرحلوں کے دوران پیش کیا ہے۔ اس وقت ادارہ ضیاء الاسلام بھی اور مدرسہ شیخ الاسلام بھی مالی اعتبار سے آزمائش وامتحان کی سختیوں میں مبتلا تھا۔ بعض وقت ناامیدی سی ہونے لگتی تھی کہ قارئین کرام سے کیا گیا وعدہ شاید پورا نہ ہو، مگر کمر ہمت کس لی گئی تھی حق تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ اور ایسے مخلص حضرات کو کھڑا کردیا جن کے تعاون سے یہ مرحلہ بظاہر آسانی سے طے ہوگیا۔ مگر ادارہ قرضوں سے گراں بار ہوگیا، ارباب انتظام کو فکر ہے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح اس کا چھپنا آسان فردیا، اسی طرح قرضوں سے سبکدوشی بھی آسان فرمادیں۔ اگر قارئین حضرات جن

میں ماشاء اللہ بہت سے اصحاب خیر بھی ہیں، قدرے توجہ فرما دیتے تو یہ بار اتر جاتا۔

☆☆☆☆☆

مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور۔۔۔بطور تحدیث نعمت کے عرض ہے کہ۔۔۔اس کے آغاز ہی سے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا خاص سایہ ہے، مکتب کی شکل میں تو یہ مدرسہ ایک عرصۂ دراز سے دینی تعلیم کی خدمت کر رہا ہے، لیکن جب شیخوپور کے حوصلہ منداصحاب کا ارادہ ہوا کہ اسے عالمیت اور درجات حفظ و تجوید کا ادارہ بنایا جائے، تو گاؤں کے باہر سے متصل ملک کے باوقار و بابرکت بزرگ علماء کے ہاتھوں اس کی بنیاد رکھوائی۔ محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی قدس سرہٗ، مرشد امت حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم صاحب جونپوری نور اللہ مرقدہٗ، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہٗ اور دوسرے اکابر علماء نے اس کی بنیاد رکھی، ان بزرگ علماء و مشائخ کی برکتیں جلد ہی ظاہر ہوئیں، اور دیر نہیں گزری کہ یہ مدرسہ علماء و طلبہ کا مرجع و مرکز بن گیا۔ اللہ کا فضل ہے اس کی رحمت ہے کہ باوجود قلت وسائل کے یہ ادارہ سال بسال ترقی کرتا گیا۔

اس کے سرپرست اول محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی قدس سرہٗ تھے، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبد الحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم کی سرپرستی کا شرف اسے حاصل ہے، ان دونوں بزرگوں کی موجودگی میں استاذ محترم حضرت مولانا محمد مسلم صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہٗ اپنی حیات تک اس کے خاص نگراں رہے۔ اس کے اہتمام و نظامت کی ذمہ داری مولانا محمد عارف صاحب عمری رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ کے کاندھوں پر تھی، وہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ادارہ کی خدمت کر رہے تھے، اور اسے ترقی دینے کے لئے مسلسل کوشاں رہے۔ مگر پچھلے سال بعض مصلحتوں کی بنا پر وہ بمبئی گئے اور وہاں طویل قیام کا ارادہ کیا۔ انھوں نے نظامت کی ذمہ داری سے معذرت کی، مدرسے کے لئے یہ ایک سخت مرحلہ تھا۔ ان کی نظامت و اہتمام کے سائے میں، تمام خدام مدرسہ نہایت اطمینان سے مدرسہ کی خدمت گزاری میں مصروف تھے، ان کی اس

معذرت سے سب کو فکر لاحق ہوئی۔ خصوصیت سے اربابِ شوریٰ نہایت فکرمند ہوئے کہ قرعۂ فال کس کے نام آئے اور کس کو یہ ذمہ داری سپرد کی جائے۔

اللہ کا کرنا ہوا کہ سب کی نگاہ گاؤں ہی کے ایک نوجوان فاضل دیوبند مولانا انتخاب عالم صاحب پر ٹھہری، ان سے فرمائش کی گئی کہ وہ اس ذمہ داری کو قبول کریں۔ اول تو انھوں نے بہت معذرت کی، مگر چونکہ ان کے انتخاب پر سب کا اتفاق تھا۔ اس لئے انھیں مجبوراً قبول کرنا پڑا۔

چنانچہ انھوں نے یہ ذمہ داری سنبھال لی اور ماشاء اللہ نہایت مستعدی اور لگن کے ساتھ، وہ انتظامی امور سے دلچسپی لے رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں اور کوششوں میں برکت عطا فرمائیں گے اور مدرسہ حسب سابق ترقی کرتا رہے گا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر!

جس وقت ذمہ داری کا یہ بوجھ ان پر ڈالا گیا، اس وقت مدرسہ قرض کے بار تلے دبا ہوا تھا۔ رمضان شریف کے بعد بحمد اللہ پچھلے قرض تو ادا ہو گئے، لیکن موجودہ تعلیمی سال میں کیا ہوگا؟ اس کا انتظام کیسے ہوگا؟ یہ ایک سوال ہے جو ارباب انتظام کو پریشان کئے ہوئے ہے، جن لوگوں کی نگاہ سے یہ سطریں گزریں، ان سے درخواست ہے کہ مدرسہ کے حق میں بارگاہِ الٰہی میں دعا کا ہاتھ اٹھائیں کہ حق تعالیٰ خزانۂ غیب سے اس دینی تعلیمی ادارے کی مدد فرمائیں، تنگی کو فراخی سے اور مشکلات کو آسانیوں سے بدل دیں۔ ان کے فضل ورحمت کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی متوجہ ہو جائے، تو ہر دشواری کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مدرسہ کے مالی بحران کی وجہ سے ارادہ تھا کہ طلبہ کی تعداد محدود اور مختصر رکھی جائے گی، تاکہ اس راہ سے بھی اس بحران کا قدرے ازالہ ہو، لیکن ہوا یہ کہ ابھی شوال المکرّم کی صرف پانچ تاریخ ہوئی تھی۔ کہ طلبۂ علم دین کے قافلے، مدرسہ میں وارد ہونے لگے، مدرسہ کی تعطیل ۱۰ر شوال کو ختم ہونے والی تھی، مگر پانچ چھ دن پہلے ہی سے وہ ہجوم شروع ہوا کہ ۱۰ر شوال آتے آتے ایسا لگا کہ پرانے طلبہ کی تعداد کے برابر نئے طلبہ آگئے۔ اللہ کا احسان ہے

کہ اس ذوق وشوق سے طالبان علوم دین امنڈ کر آرہے ہیں، مگر مدرسہ میں رہائش کی گنجائش اتنی نہیں ہے کہ ان سب کو تو کیا معنی؟ ان میں سے قلیل تعداد کو بھی داخل کیا جاسکے، اور اگر واپس کیا جائے تو یہ خوف دامن گیر کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہ ہوجائے۔ بڑی کشمکش کی حالت ہوئی۔ لیکن قیام گاہ کی مجبوری ایسی تھی کہ بادل ناخواستہ طلبہ کی بڑی تعداد کو واپس کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے دارالاقامہ میں وسعت عطا فرمائی، تو مجبوری کے اس عمل سے نجات مل جائے گی۔

(جنوری، فروری ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظالموں کی طرف میلان جرم ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ ہود میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَا تَرْکَنُوْا إِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ وَمَالَکُم مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ أَوْلِیَاءَ ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْنَ ، (۱۱۳) اوران لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں، مبادا تمہیں بھی آگ اپنی لپیٹ میں لے لے، اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار، پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

اس کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ ظالم (حد سے نکلنے والے) ہیں، ان کی طرف تمہارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو، ان کی موالات، تعظیم وتکریم، مدح وثنا، ظاہری تشبہ، اشتراک عمل ہر بات سے حسب مقدور محترز رہو، مبادا آگ کی لپیٹ تم کو نہ لگ جائے، پھر نہ خدا کے سوا تم کو کوئی مددگار ملے گا، اور نہ خدا کی طرف سے کچھ مدد پہونچے گی۔

حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ، ابن جریر طبری کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کرتے ہیں وہ ﴿لَاتَرْکَنُوْا﴾ کی تشریح وتفسیر فرماتے ہیں کہ ولاتمیلوا إلی الذین ظلموا۔ ظالموں کی طرف تمہارا میلان نہیں ہونا چاہئے۔ پھر فرماتے ہیں کہ وھٰذا القول حسن اے لاتستعینوا بالظلمة فتکونوا کأنکم قد رضیتم بإعمالھم (ج:۲ص:۴۱۷) یہ قول بہتر ہے، یعنی ظالموں سے تم مدد نہ مانگو ورنہ یہ ہوگا کہ گویا تم ان کے اعمال سے خوش اور راضی ہو۔

قرآن کی تعلیم کو ماننے والے، جو اسے خدا کی آخری کتاب تسلیم کرتے ہیں، اور جو اس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو مانتے ہیں کہ اس کا حرف حرف حق وصداقت کا

ترجمان ہے، بلکہ عین حق وصداقت ہے، اور اس کے خلاف جو کچھ ہے، جہل وضلالت ہے، وہ عرب ہوں یا عجم، افراد ہوں یا حکومتیں، کاش ایسا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان واجب الاذعان پر غور کرتے، اپنے دلوں سے ظالموں کی محبت ومرعوبیت نکالتے، اللہ کے ارشاد پر محکم یقین رکھتے اور اپنے ظاہر وباطن کو، اپنے قول وعمل کو اپنے حال ومقام کو ظالموں کے پنجے سے نکال کر اللہ اور رسول کے حوالے کرتے!

ظالم کون ہے؟ وہ جو خدا کا باغی ہے، جس کے پاس نہ اللہ کی کتاب ہے، نہ اللہ کی طرف سے کوئی علم ہے، بس وہ اندھا دھند، اپنے گھڑے ہوئے نظریات اور نفس کی خواہش کی پیروی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (سورہ قصص: ۴۹/۵۰) ترجمہ: تم کہو کہ کوئی ایسی کتاب لاؤ اللہ کے پاس سے، جو ان دونوں (یعنی قرآن وتوریت) سے بہتر ہو کہ میں اس کی پیروی کروں اگر تم سچے ہو، پھر اگر تمہارا کہا ہوا نہ کر لائیں، تو سمجھ لو کہ وہ اپنی نری خواہش پر چلتے ہیں، اور اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا، جو اپنی خواہش پر، بغیر اللہ کی ہدایت کے چلے، بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت کی راہ نہیں دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ظالم وہ ہے، جو اللہ کی ہدایت سے رُوگردانی کر کے اپنی خواہش اور اپنے نظریہ پر چلتا ہو، اسے ہدایت ربانی کی کوئی پرواہ نہ ہو۔ آج دو فریق بہت نمایاں ہیں۔ ایک جماعت وہ ہے، جس کے پاس صحیفۂ ہدایت ہے۔ اور وہ اس پر ایمان رکھتی ہے۔ اور ایک فرقہ وہ ہے، جس کو اس صحیفۂ ہدایت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ اپنی خواہش کو معیارِ علم وعمل قرار دیتا ہے اس فرقے میں بے شمار گروہ ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی ڈفلی بجا رہا ہے۔ لیکن صحیفۂ ہدایت قرآن کریم اور اسلام کے خلاف سب یک زبان ہیں۔ یہ ظالم ہیں انفراداً بھی اور اجتماعاً بھی، حکومت وسیاست کی سطح پر بھی اور تمدن ومعاشرت کے لحاظ

سے بھی۔ یہ سب وہ ہیں، جن کے سامنے صرف دنیا ہے، اور دنیا کی زندگی ہے۔ قرآن کریم کی زبان میں یہ سب ظلم کے مرتکب ہیں۔ ان سے رُوگردانی کرنا عین فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا، ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ (سورہ النجم ۲۹/۳۰) تم اس سے رُوگردانی کرو، جو ہماری یاد سے منھ موڑے اور دنیا کی زندگی کے ماسوا کچھ ارادہ نہ کرے، ان کی سمجھ کی پہونچ یہیں تک ہے۔

انھیں ظالموں کے بارے میں ہدایت کی گئی ہے کہ ان کی طرف تمہارا میلان بالکل نہیں ہونا چاہئے، ورنہ اندیشہ ہے کہ جو آگ ان پر دہک رہی ہے اس کی لپٹ تم کو بھی نہ لگ جائے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا والی وناصر بجز اللہ کے کوئی نہیں ہے۔ اگر تم ان ظالموں کی طرف میلان رکھو گے تو یقین ہے کہ خدا کی نصرت سے محروم ہو جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ کے آئینے میں ہماری صورت کیا نظر آتی ہے؟ انفرادی حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نہیں غالب اکثریت کا ظالموں کی طرف صرف میلان نہیں، بلکہ اچھی خاصی ان کی پیروی میں مبتلا ہیں۔ نہ شکل وصورت سے مسلمان معلوم ہوتے، نہ رہن سہن سے، بس کبھی مسجد میں حاضری ہوتی ہے تو مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ اور مسجد میں حاضری کا حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی بھری پُری آبادیاں ہیں، اور مسجد میں دیکھئے تو صف دوصف سے زیادہ نہیں ہوتی، یہی لوگ کبھی کبھی کسی داعیے یا موقعے سے جب اکثر مسجد میں پہونچ جاتے ہیں، تو وہاں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی، نمازیوں کو باہر کھڑا ہونا پڑتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کو جان بوجھ کر چھوڑنے والے شاید نوے فیصد ہوتے ہیں۔ جہاں اتنی زبردست اکثریت ظالموں کی طرف جھکاؤ رکھتی ہو، وہاں اللہ کی نصرت کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ کاش! اہل ایمان اس پر غور کرتے اور ہمت باندھ کر اطاعت الٰہی پر کمربستہ ہوتے، ریڈیو سننے والے، ٹی وی دیکھنے والے، اخبار پڑھنے والے بہت ملتے ہیں۔ مگر قرآن پڑھنے والے کتنے ملتے ہیں۔ گھر کا گھر خالی، کنبہ کا کنبہ کا محروم!

یہ حال صرف ہمارے ملک ہندوستان ہی کا نہیں ہے، عالم اسلام میں جہاں جہاں

جائیے، ظالموں کی نقالی عام ہے، مسلمانوں کی صورت غائب، انگریزوں کی صورت غالب، اور صرف صورت ہی نہیں تہذیب وتمدن بھی، سوچ وفکر بھی! ارادہ اور عمل بھی! عبادت ہرجگہ بار ہے، قرآن کی تلاوت ہرجگہ مشکل ہے، اسلامی فکروعمل ہرجگہ مفقود ہے۔ سیاسی ضرورت ہوتو اسلام کا نام لیا جاتا ہے، مگر عمل کا مطالبہ ہوتو سب کو نیند آنے لگتی ہے۔

یہ حال تو عوام وخواص کا انفراداً ہے، اب ذرا حکومتوں پر ایک نظر ڈالئے، تو معاذ اللہ! عالم اسلام کے جتنے حکمراں ہیں، الا ماشاء اللہ سب پر ظلم وطغیان کا ہَوّا چھایا ہوا ہے۔ ایک ظالم کچھ بولتا ہے تو سب اس کے پیچھے جی ہاں جی ہاں کرتے ہیں۔ کچھ دن پہلے کچھ جانبازوں اور سرفروشوں نے اسلامی سیاست وحکومت کو زندہ کرنے کی کوشش کی تھی تو ظالموں کا یہ سرغنہ غرانے لگا۔ پھر سب دم سادھ کر بیٹھ گئے۔ اور اس نے اپنی ظالمانہ کارروائیوں سے ایک خطۂ زمین کو جہنم زار بنادیا، پھر اس کی نگاہ گرم ایک جگہ اور پڑی، وہاں بھی سب چپ ہوگئے، اور اس نے ایک ملک کے ملک کو تباہ کرکے رکھدیا، اتنے کے بعد بھی اس کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا میں امن وامان کا نقیب ہے، اور سب کہہ رہے ہیں کہ جی حضور! کسی کے سینے میں دل اور کسی کے منہ میں زبان نہیں کہ اس کو ٹوک سکے، اور اب شور ہے کہ اس کی جرأت بیجا کے نشانے پر اللہ کی کتاب بھی آرہی ہے۔ قرآن کریم میں جہاد کی آیتیں ہیں۔ قتل وقتال کے احکام ہیں، مخالفین کی سرکوبی کی ہدایات ہیں۔ ان ظالموں کو ان میں دہشت گردی نظر آرہی ہے۔ شاید منشا یہ ہے کہ انھیں قرآن سے نکال دو، ان کی تلاوت نہ کرو، مدارس میں ان کا درس نہ دو مجمع عام میں ان کی تبلیغ نہ کرو۔ اور مسلمانوں کی حکومتیں ہیں کہ انھیں اس کے خلاف بھی کہنے کی جرأت نہیں ہے، اللہ جانے بات کا سلسلہ کہاں تک پہونچے گی، یہ مرعوبیت، ظلم وطغیان کے سامنے سرافگندگی، ظالموں کی طرف یہ جھکاؤ اور میلان اس کا سلسلہ کہاں تک دراز ہوگا۔ جولوگ توحید کے بڑے دعوے دار ہیں۔ ان کا جذبۂ توحید کہاں گیا؟ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی مصیبتوں میں اسی طاغوت کی دہائی دیتے ہیں، اسے اپنے

ملکوں پر مسلط کر دیتے ہیں، حالانکہ اس سے منع کیا گیا ہے، ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (سورہ نساء: ٦٠) ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ تمہاری طرف اترا اور جو کچھ تم سے پہلے اترا، اس پر ہم ایمان لائے، چاہتے ہیں کہ شیطان کے پاس معاملہ لے جائیں، حالانکہ حکم ہو چکا ہے کہ اس کو نہ مانیں، اور شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ انھیں بہکا کر دور پھینک دے،

ان طاغوتوں کا جواب یہ نہیں ہے کہ ان کی خوشامد کی جائے۔ ان کی خوشامد سے اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ ان کا جواب یہ ہے کہ ان کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر ان سے دوٹوک بات کی جائے اور اگر وہ حملہ آور ہوتے ہیں، تو تمام کلمہ گو ایک ہو کر اس کا مقابلہ کریں۔ اس صورت میں یقین ہے کہ خدا کی نصرت آئے گی اور اگر وہ کہیں غالب بھی نظر آئیں، تو بالآخر مغلوب ہوں گے۔

مگر رنج کی بات یہ ہے کہ ایک عرصہ سے یہی تماشا ہم دیکھ رہے ہیں کہ کوئی ہمت والا کھڑا ہوتا ہے، تو جو بے ہمت ہیں وہ بجائے اس کے کہ اپنے اندر ہمت پیدا کرتے، کمزور بنے پڑے رہتے ہیں۔ بلکہ سازشوں اور نفاق وشقاق کے طوفان اٹھانے لگتے ہیں، ٹیپو سلطان کے ساتھ یہی ہوا، حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ یہی ہوا، سوڈان میں یہی ہوا، سنوسی مجاہدین کے ساتھ یہی ہوا، خلافت عثمانیہ اسی طرح فنا ہوئی۔ اور ادھر دور اخیر میں افغانستان میں یہی ہوا۔ لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً

(مارچ ۲۰۰۴)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حفاظت دین وایمان کی حکمت اور مدارس اسلامیہ

ہندوستان میں مدارس اسلامی کی کیا حیثیت ہے؟ یہ بات اہل نظر پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی حکومت کے زوال کے بعد یہاں کے مسلمانوں کو مدارس اسلامیہ کی شکل میں ایک مضبوط اور محفوظ پناہ گاہ عطا فرمائی ہے، جس کے حصار میں دین وایمان کی حفاظت ہوتی ہے،

صدیوں پہلے کی بات ہے، کسی خطۂ زمین پر کافرانہ نظامِ حکومت تھا۔ وہاں کا حاکم اس بات پر تلا ہوا تھا کہ دین حق کا کوئی رواج باقی نہ رہے، اس دور کے لحاظ سے جو سیاسی اور مذہبی ہتھکنڈے ہوسکتے تھے، دین حق کے نام ونشان مٹانے میں استعمال کر لئے گئے تھے، اس وقت چند جوان تھے، جو اپنے ایمان پر پختہ تھے، ان کے سامنے دوراہیں تھیں، ایک یہ کہ وہ برملا اعلان حق کر کے اس کافرانہ نظام حکومت کے مدمقابل کھڑے ہوجاتے، اور اپنے غلبۂ واقتدار کی جدوجہد کرتے، پھر وہ ظالم بادشاہ کی دستبرد میں آکر جامِ شہادت نوش کر کے زندۂ جاوید ہوجاتے، یا حالات کی سنگینی میں ایمان بھی کھودیتے۔ دوسرے یہ کہ اپنے دین وایمان کو بچانے کیلئے کوئی ایسی راہ اختیار کرتے کہ ایمان بھی بچتا، اور اس دنیا کی زندگی بھی محفوظ رہتی، بجائے سیاسی چھیڑ چھاڑ اور غلبۂ واقتدار کی کشمکش کے یکسوئی کے ساتھ اپنے گرانمایہ ایمان وعمل کی حفاظت میں لگتے، شاید اللہ تعالیٰ بعد میں اس کی برکت سے حالات پلٹ دیں۔

حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں خبر دی کہ ان جوانوں نے دوسری راہ اختیار کی، اور بجائے کافرانہ نظام حکومت کے سامنے ڈٹ جانے اور مقابلہ کرنے کے، ایک مرتبہ اعلانِ حق کیا، اور باہم مشورہ کر کے ایک پہاڑی کہف (کھوہ) میں پناہ لینے چلے گئے وہاں ایمان کی حفاظت تو یقینی تھی، کیونکہ کفر کی نگاہوں سے وہ روپوش ہو چکے تھے، مگر زندگی کا مسئلہ اور ضروریات زندگی کا معاملہ اہم تھا۔ یہاں کیا کمائیں گے؟ اور کیا کھائیں گے؟ پھر زندگی کی دوسری ضروریات سے کیسے عہدہ برآ ہوں گے؟ یہ سوال بہت مشکل تھا، مگر ایمان کے تحفظ وبقاء کے خیال نے اس کی پرواہ نہ ہونے دی، تاہم اس سے صرف نظر ممکن نہ تھا۔ کھوہ میں پہونچ کر وہی ایمان جو انھیں یہاں تک لے کر آیا تھا، اسی ایمان نے ایک راستہ ان پر کھولا۔ انھوں نے پورے اعتماد کے ساتھ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دعا کی کہ ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا﴾ سورہ کہف: ۱۰) اے ہمارے پروردگار! آپ ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائیے۔ اور ہمارے لئے ہمارے اس معاملہ میں ہدایت کا سامان مہیا فرما دیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ زندگی کے لئے اور ایمان ویقین کے لئے جس جس سامان رحمت کی ضرورت ہے، سب کا انتظام آپ فرما دیجئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انھیں نیند کی آغوش میں سلا دیا، اور بغیر اسباب ظاہر کے ان کی زندگی، صحت اور حفاظت کا مکمل انتظام تین سو سال تک قائم رکھا۔ پھر جب ان کی آنکھ کھلی تو اس خطۂ زمین پر ایک خوشگوار انقلاب آچکا تھا، کافرانہ نظام حکومت فنا ہو چکا تھا۔ باطل کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اہل حق غلبہ پا چکے تھے۔ اس ہدایت میں کیا ان سونے والے اصحابِ کہف کا دخل نہیں تھا؟ اسباب ظاہر کی خوگر نگاہ تو یہی سمجھے گی کہ اس انقلاب میں ان سونے والوں کا دخل نہیں ہے۔ لیکن قرآن نے جس سیاق میں یہ واقعہ بیان کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ، اس ہدایت کے پھیلنے اور انقلاب کے آنے میں اصحاب کہف کا یہ خاموش عمل ہی اصل عامل ہے، ان کے اس مجاہدانہ اور متوکلانہ اقدام کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ دنیا بدل گئی۔

قرآن میں بیان کردہ اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں انقلاب لانے کا ایک ہی ذریعہ نہیں ہے کہ کفر سے راست ٹکر لی جائے۔ حالات کے لحاظ سے ٹکراؤ کا راستہ بدلا بھی جاسکتا ہے، البتہ روح دونوں جگہ ایک ہوگی، وہ یہ کہ اللہ پر کامل ایمان اور مکمل توکل انسان کا شعار ہو، پھر ہجرت بھی سرچشمۂ ہدایت ثابت ہوگی، اور جہاد وقتال بھی!

دنیا طلبی اور اقتدار پسندی ہر دو صورت میں نہ ہو، ورنہ خدا کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔

یہ واقعہ جو ہم نے قرآن کریم میں پڑھا، پچھلی تاریخ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدگی کی مہر اس پر لگا کر ہمیشہ کے لئے اہل ایمان کے واسطے ایک لائحۂ عمل متعین کر دیا ہے۔

اب آیئے، اس دور میں آیئے، جس کا ایک حصہ ہم اور ہمارے قریبی اسلاف ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔ اس وقت انگریزوں سے راست ٹکراؤ کا انتظام، اس ملک والوں نے بالخصوص مسلمانوں نے کیا تھا۔ مگر اس ٹکراؤ کے نتیجے میں جو کچھ رہی سہی برائے نام مسلمانوں کی حکومت تھی وہ بھی ختم ہوگئی، علماء اسلام نے اس ٹکراؤ میں بڑا اہمہ گیر حصہ لیا تھا۔ اس لئے انگریزوں نے انھیں خاص طور سے اپنے نشانے پر رکھا، اور علماء شہادت سے سرفراز ہوئے، جو بچ گئے تھے، اب ان کے سامنے وہی دوسرا راستہ رہ گیا تھا، جو اصحابِ کہف نے اختیار کیا تھا، چنانچہ موجود علماء نے بھی وہی راہ اختیار کی، اور اپنے کو کافرانہ نظام حکومت کے سامنے سے ہٹا لیا۔ ایک خاصی تعداد ہجرت کر کے ارضِ اسلام یعنی حرمین شریفین چلی گئی، حتیٰ کہ اس وقت جو بزرگ امیر المومنین بنائے گئے تھے یعنی حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ وہ بھی مکہ شریف پہونچ گئے، لیکن اپنے دو خلفاء کو ہندوستان میں چھوڑ گئے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرھما

ان دونوں بزرگوں نے اپنے کو حکومت وقت کی نگاہ سے اس طرح ہٹایا کہ ایک

تعلیم گاہ کا حصار بنالیا، اوراس میں روپوش ہوگئے، یہ مدرسہ ان کیلئے بمنزلۂ کہف کے تھا۔ یہاں بھی معاش ومعیشت کا سوال تھا، توان لوگوں نے بھی توکل اور دعا سے کام لیا۔ پھر ایک بڑی تعداد اس کہف میں آتی چلی گئی، اس مدرسہ میں اوراس کے زیر اثر دوسرے مدرسوں میں ایسی تعلیم کا انتظام کیا گیا، جس سے کافرانہ حکومت کو نہ کوئی سروکار ہو، نہ بظاہر کوئی خطرہ! حکومت کی نگاہ سے بچ کر دین وایمان کے تحفظ کا مستحکم عمل یہاں ہوتا رہا، دنیا کا قافلہ جس طور پرسفر کررہا تھا، اس کے لحاظ سے مدرسے والے گویا کہ خواب غفلت میں تھے، دنیا جدھر بھاگ رہی ہے، یہ ادھر رخ ہی نہیں کرتے، اس لئے دنیا انھیں سوتا سمجھ کر آگے بڑھتی چلی گئی اور یہ اپنی آخرت اور اپنا دین سنبھالے بیٹھے رہے، دنیاوی نظام کے لحاظ سے ان کی معاش اور دوسری ضروریات زندگی کا مسئلہ قابل غور تھا، مگر انھوں نے اس پر غور کرنے کے بجائے خدا کے حوالے کردیا۔

ان بزرگوں نے ایک نظام بنایا کہ ایمان واسلام یہاں محفوظ رہے، اور بحمد اللہ وہ محفوظ رہا۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک یہ **کہفی نظام** چلتا رہا۔ بہت سے لوگوں نے انھیں طعنہ دیا کہ یہ زمانے سے بے خبر لوگ آخر زمانے کی خبر کیوں نہیں لیتے، کفر بڑھا اور چڑھا چلا جارہا ہے، مگر یہ خاموشی کے ساتھ اپنی بے خبری میں مست رہے۔ پھر جب ۹۰؍سال کے بعد ایک انقلاب آیا تو زمین کے نقشے پر مسلمانوں کی ایک سیاسی طاقت پاکستان کے نام سے وجود میں آچکی تھی، جو زمین کے دو بڑے حصوں پر مشتمل تھی، پھر تکوینی طور پر وہ دونوں حصے الگ الگ ملک بن گئے۔ یہ دونوں ملک چاہے جیسے ہوں، مگر ان کا مذہب اسلام ہے۔ اور یہ مدارس دونوں جگہ آباد ہیں۔ ہم جس خطۂ زمین پر ہیں، اس کا مذہب اسلام نہیں ہے، لیکن یہاں بھی مدارس کے کہف کی شکل میں ایمان واسلام کے تحفظ کا پورا انتظام موجود ہے۔

تو یہ مدارس درحقیقت دین وایمان کے تحفظ کے بہترین قلعے ہیں۔ ان کا نظام وہی بہتر ہے کہ کفر وسیاست کی نگاہیں ان پر نہ پڑیں۔ اصحابِ کہف نے بیدار ہونے کے بعد اپنے ایک آدمی کو کھانے کیلئے باہر بھیجنے کا جب ارادہ کیا تو اس باہر جانے والے کو ہدایت کی کہ

﴿فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَاماً فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَداً﴾ مطلب یہ ہے کہ جانے والا پاکیزہ اور حلال کھانے کی جستجو کرے اور اس میں سے کچھ کھانا لے کر آئے، اور اس طرح آہستگی اور خفیہ طریقے پر جائے کہ تمہارے وجود کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ کیونکہ ﴿إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوا إِذاً أَبَداً﴾ اگر وہ تم کو جان لیں گے تو تمہیں پتھروں سے ماریں گے یا تم کو اپنی ملت میں لوٹا لیں گے، اور اگر ایسا ہوا تو تم کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔

آج بھی ان مدارس کیلئے یہی طریقۂ کار متعین ہے کہ کفر ان کے احوال اور ان کی سرگرمیوں پر مطلع نہ ہو، ورنہ یہ کافر انھیں ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے، تہمتیں لگائیں گے، پریشان کریں گے، یا پھر اپنے طور طریقے پر لانے کی جدوجہد کریں گے۔ ان مدارس کا خاموش عمل ہی مؤثر ہے، اور یہ نہ سمجھیں کہ ان کا یہ خاموش عمل بے اثر ہوگا، یا اس سے ان کی معیشت تباہ ہوگی۔ اللہ پر بھروسہ کریں، تو دین وایمان بھی محفوظ رہے گا۔ جان کی بھی حفاظت ہوگی، اور بقدر ضرورت معاش کا بھی انتظام ہوتا رہے گا۔ اور خوشگوار انقلاب کے دروازے پر دستک بھی ہوتی رہے گی۔

کہنے والے جو چاہیں کہتے رہیں، طعنہ دینے والے جو چاہیں طعنہ دیتے رہیں لیکن مدارس کو انھیں خطوط پر عامل رہنا چاہئے جو ابتداءً بزرگوں نے متعین کر دئے تھے۔ بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے چند رہنما اصول دارالعلوم دیوبند کیلئے ابتداءً متعین فرمائے تھے، یہی اصول تمام مدرسوں کے لئے ہیں۔ ان میں سے چند دفعات یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

(☆)...... اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں ہے جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرطِ توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں

میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(☆)......سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی مضر معلوم ہوتی ہے۔

(☆)......تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حُسنِ نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے،

(☆)...... یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

کاش کہ اب بھی اسی طریقے پر کام ہوتا رہتا۔ اور لوگوں میں پروپیگنڈے کا شوق نہ ہوتا، اور ہر خزانہ سے مال حاصل کرنے کی ہوس نہ ہوتی، بلکہ صرف وہی مال حاصل کیا جاتا جو خوب پاکیزہ ہوتا۔ اور معلوم ہے کہ حکومتوں کا مال کتنا پاکیزہ ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ ان سے ربط رکھا جائے، تو وہ ہمارے احوال پر مطلع ہو کر ہمیں جان اور ایمان دونوں طرح کی مشکلات میں ڈال دیں گے اور ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اب دین و ایمان کے ان قلعوں میں ہمارے ہی کچھ لوگوں نے حکومت وقت اور اس کے کافرانہ نظام کو پہونچا دیا ہے۔

بہر حال مدارس کی جو حیثیت روز اول سے چلی آرہی ہے، وہی باقی رہنی چاہئے۔

(جون ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چراغ تلے اندھیرا

مشرقی یوپی میں ضلع اعظم گڈھ علم کی بہتات، علماء کی کثرت تعداد، اور مدارس کی رونق کیلئے مشہور ہے۔ ہندوستان کے بکثرت عربی مدارس ایسے ہیں، جن میں اعظم گڈھ کے رہنے والے علماء درس وتدریس میں مصروف ہیں، بڑے بڑے مدارس اور علمی اداروں سے یہ ضلع مالا مال ہے، ۱۹۸۸ء میں انتظامی امور کی سہولت کے لئے حکومت نے اسے دوضلعوں میں تقسیم کردیا ہے، مغربی حصہ اعظم گڈھ ضلع میں شامل ہے اور مشرقی علاقہ مئو کے ساتھ موسوم ہوا۔ اب یہ دوضلعے ہیں اور دونوں ہی تعلیم وتعلم کی دولت سے مالا مال ہیں۔ میری گفتگو ان دونوں ضلعوں کے عربی دینی مدارس کے متعلق ہے۔ انگریزی اسکول وکالج زیر بحث نہیں ہیں۔ ان مدارس میں جایئے، یہاں کے اساتذہ وطلبہ سے ملئے، تو علم کا ایک روشن ماحول ملتا ہے، دینداری کا ایک نمایاں رنگ نظر آتا ہے، طلبہ ہیں، درسگاہیں ہیں، دارالاقامے ہیں، کتب خانے ہیں، جلسے ہیں، علماء کی آمدورفت ہے، تبلیغی جماعتوں کا گشت ہے، پڑھنے پڑھانے کا ماحول ہے، گاؤں گاؤں میں مکتب ہیں، مسجدیں ہیں۔ یہ حال ضلع اعظم گڈھ کا بھی ہے اور ضلع مئو کا بھی۔

ضلع اعظم گڈھ میں مبارک پور میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم، الجامعۃ الاشرفیہ، مدرسہ دارالتعلیم، جہانا گنج میں جامعہ انوارالعلوم، شہر اعظم گڈھ میں دارالمصنفین، جامعۃ الرشاد، مدرسہ تعلیم الاسلام، شیخو پور میں مدرسہ شیخ الاسلام، جیراج پور میں مدرسہ تعلیم الاسلام، بلریا گنج میں جامعۃ الفلاح، انجان شہید میں دارالعلوم حسین آباد، کوٹلہ میں مدرسہ دینیہ

اشاعت العلوم، منگراواں میں مدرسہ قاسم العلوم، مظفر پور میں جامعہ اسلامیہ، دیوگاؤں میں مدرسہ فیض عام، سرائے میر میں مدرسہ بیت العلوم، مدرسۃ الاصلاح، فیض العلوم شیرواں، لونیاڈیہہ میں الجامعۃ الشرقیۃ وغیرڈ لک۔

ضلع مئو میں خیرآباد میں مدرسہ منبع العلوم، مدرسہ ضیاء العلوم اشرفیہ، ولید پور میں مدرسہ نورالاسلام، محمد آباد میں ضیاء العلوم سیدواڑہ، دارلعلوم برئی پور، پورہ معروف میں مدرسہ معروفیہ، مدرسہ اشاعت العلوم، گھوسی میں مدرسہ قاسم العلوم، مرکزی دارالعلوم محمدیہ، خیر المدارس، مدرسہ شمس العلوم، مئو میں دارالعلوم، مفتاح العلوم، مرقاۃ العلوم، تعلیم الدین، مدرسہ فیض عام، جامعہ اثریہ دارالحدیث، مدرسہ بحرالعلوم، ادری میں چشمۂ فیض، مدرسہ دارالسلام، اور نہ جانے کتنے مدرسے ہیں، جو بڑے مدارس کے زمرے میں آتے ہیں، چھوٹے چھوٹے مکاتب کی تعداد تو شمار کرنی مشکل ہے، ان میں علماء کی خاصی تعداد پڑھانے میں اور طلبہ کی بڑی تعداد پڑھنے میں لگی ہوئی ہے۔ مدارس وعلماء وطلبہ کی اس تعداد کے بعد یہ کہنا اور سمجھنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی یوپی کے یہ دونوں ضلعے علم دین کے نور سے معمور ہیں۔ دنیاداری کی خرابیاں اپنی جگہ پر، مسلمانوں کے درمیان اختلافات ونزاعات مسلم، مگر کیا یہ کم خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس ماحول میں، جس میں دین اور دینی تعلیم کے خلاف تباہی کی آندھیاں چل رہی ہیں اور چلائی جارہی ہیں، علم کے یہ جگمگاتے اور روشنی بکھیرتے مینار کھڑے کر رکھے ہیں۔ ان میں جو علماء ومشائخ پائے جاتے ہیں ان کے انفاس طیبہ سے قلوب میں ایمان کی بہاریں تازہ ہوتی رہتی ہیں۔ اللہ کا بے پایاں احسان ہے اور زبان اس کے حمد وشکر میں مصروف ہے۔

لیکن معاملہ کا یہ ایک رُخ ہے، جو سب کی نظروں کے سامنے ہے، اس کا ایک رخ اور بھی ہے جس پر عموماً نگاہیں نہیں پڑتیں۔

یہ خاکسار بچپن سے مدارس ہی کا پروردہ ہے، بچپن سے جوانی اور جوانی سے کہولت، اور اب بڑھاپے کے مرحلے تک پہونچنے میں جو وقت گزرا ہے، مدارس ہی میں

گزرا ہے، پھر تدبیر الٰہی کی حکمت ہے، کہ شروع سے میں عوامی ربط میں رہتا آیا ہوں۔ تدریس کے بالکل ابتدائی دور میں جبکہ میری عمر ۲۲۔۲۳ سال سے زیادہ نہ تھی، بہار کے ایک کوردہ علاقہ سنتھال پرگنہ میں پہونچا دیا گیا، جہاں کئی سال تک پورا رمضان گزارتا رہا، بالکل ناخواندہ لوگوں کے درمیان شرک وبدعت کے طوفان میں گھرا ہوا۔ اس کی ایک دلچسپ داستان ہے، جو ضرورت ہوئی تو کبھی قارئین کو سنائی جائے گی۔ یہ عوامی ربط جو قائم ہوا، تو اب تک اس کا سلسلہ کسی نہ کسی عنوان سے چلا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں عجیب وغریب تجربے ہوئے، لیکن ۱۹۹۰ء تک میری جو بھی مصروفیت رہی ضلع اعظم گڈھ اور ضلع مئو سے باہر رہی، حالانکہ جغرافیائی اعتبار سے میری جائے پیدائش پہلے اعظم گڈھ میں تھی اور اب ضلع مئو میں ہے مگر مدارس میں تدریس کے لحاظ سے بنارس، غازی پور، الہ آباد اور جونپور میں میری مصروفیت رہی، اس لئے ضلع اعظم گڈھ کے احوال سے زیادہ واقفیت نہ ہوسکی ۱۹۹۰ء میں شیخوپور ضلع اعظم گڈھ اپنے استاذ محترم حضرت مولانا محمد مسلم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حکم سے آیا، تو یہ خوشی تھی کہ علم وفضل کے لہلہاتے گلستاں میں پہونچ گیا ہوں۔ لیکن آہستہ جب یہاں عوامی رابطہ بڑھا، اور انجانے گاؤں اور دیہاتوں تک معلومات کا دائرہ پھیلا تو اندازہ ہوا کہ ان روشن چراغوں تلے بڑا گھنا اندھیرا بھی ہے۔

اس وقت مجھے ضلع اعظم گڈھ کا جائزہ لینا منظور نہیں ہے۔ میں ضلع مئو کے ایک مخصوص خطہ کا ایک ہلکا سا جائزہ پیش کرنا چاہتا ہوں، اور اہل علم واصحاب درد حضرات کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کی طرف توجہ فرمائیں، کیا عجب کہ یہ صورت حال جو میں ابھی ذکر کروں گا، دوسری جگہوں پر موجود ہو۔

میں عموماً اپنے طالب علموں میں یہ ذہن پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد تلاش معاش میں دور دراز نہ نکلیں، مسلمانوں کا ہر خطہ محتاج خدمت ہے، اللہ پر بھروسہ کرکے، مشکلات وموانع کا مقابلہ کریں، اور اپنے اپنے علاقوں میں دین کی خدمت انجام دیں، حق تعالیٰ روزی کے کفیل ہیں، جہاں بھی آدمی دین کی خدمت کرے گا وہ

ذات کریم روزی پہونچائے گی۔ وَمَامِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُهَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا۔ جو کوئی بھی زمین پر چلتا پھرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کے اوپر اس کی روزی ہے، وہ اس کے مستقر کو بھی جانتا ہے اور عارضی قیام گاہ کو بھی۔ بندہ جہاں ہوگا روزی وہیں پہونچ جائے گی۔ اسی نقطۂ نظر سے میں اپنے ہر طالب علم کیلئے یہی پسند کرتا ہوں کہ وہ اپنے وطن میں خدمت دین کرے۔

مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور کے طالب علموں میں ایک صاحب مولوی ابرار الحق سلّمہٗ ہیں، ابتدائی درجات سے متوسطات تک شیخو پور میں تعلیم حاصل کی، پھر دو سال دارالعلوم دیو بند میں رہ کر تعلیم کی تکمیل کی۔ فراغت کے دو سال کے بعد اسی خاکسار کے مشورے سے انھوں نے اپنے گاؤں چھپرا میں جو چریا کوٹ سے تھوڑے فاصلہ پر مشرق میں ہے، ایک تعلیمی ادارہ سراج العلوم کے نام سے قائم کیا ہے، یہ علاقہ ضلع مئو میں واقع ہے، اور کافی طول وعرض میں کثیر تعداد میں چھوٹے بڑے گاؤں کا مجموعہ ہے۔ اس علاقہ میں غیر مسلم آبادی کی نمایاں اکثریت ہے، مدرسہ سراج العلوم کی مناسبت سے مجھے اس علاقے میں بار بار جانے کا اتفاق ہوا۔ بعض قریبی مواضع میں بھی گیا، جہاں مسلمان قلیل تعداد میں آباد ہیں، ان کی دینی ودنیاوی حالت دیکھی تو طبیعت پر خاص اثر ہوا، غیر مسلموں کے درمیان مسلمانوں کی آبادیاں۔ انھیں دیکھ کر کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ یہ مسلمان ہوں گے، کسی کسی گاؤں میں ایک آدھ مسجد وہ بھی سجدوں سے محروم! کفر وشرک کی رسمیں جاری، بدعات وخرافات عینِ اسلام! مولوی صاحب موصوف کی محنت وکوشش سے اکا دکا بچے ان گاؤں سے نکل کر مدرسہ سراج العلوم میں پہونچنے لگے۔ میں نے مولوی صاحب سلّمہٗ کو مکلّف کیا کہ چھپرا کو مرکز بنا کر اطراف کے گاؤں کا جائزہ لیں کہ کس گاؤں میں مسلم آبادی کتنی ہے؟ وہاں مسجد ہے یا نہیں؟ تعلیم کا نظم ہے یا نہیں؟ مکتب ومدرسہ کی صورت حال کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں مولوی صاحب موصوف نے گاؤں گاؤں کا دورہ کیا، ہر جگہ کی معلومات بہم پہونچائیں، اور مرتب کر کے مجھے دیا۔ انھوں نے چھپرا کو مرکز قرار دے کر مغرب ومشرق اور شمال وجنوب

میں غالباً دس پندرہ کلومیٹر تک جائزہ لیا، اور ۸۳؍گاؤں کی رپورٹ مرتب کی۔ نام بنام پوری رپورٹ شائع کرنی تو باعث طوالت ہے۔ ایک اجمالی جائزہ ملاحظہ ہو۔

ان میں ۳۶؍گاؤں ایسے ہیں، جن میں مسلمانوں کے گھر دس سے کم ہیں، ۲۷؍گاؤں ایسے ہیں، جن میں ۱۰؍اور ۲۰؍کے درمیان مسلمانوں کے گھر ہیں۔ ۹؍گاؤں وہ ہیں جن میں مسلمانوں کے گھر ۲۰ اور ۳۰؍کے درمیان ہیں، ۶؍ایسے گاؤں ہیں جن میں مسلمانوں کے گھر ۳۰؍اور ۴۰؍کے درمیان ہیں، ۳؍گاؤں میں مسلمانوں کے گھر ۴۰؍اور ۴۵؍کے درمیان ہیں۔ ایک گاؤں میں ۱۰۰؍گھر، ایک گاؤں میں ۲۰۰ گھر، ایک گاؤں میں ۳۰۰ گھر اور بس۔

پھر ان ۸۳؍گاؤں میں ۴۸؍گاؤں ایسے ہیں جن میں ایک یا دو مسجدیں ہیں۔ اور ۲۹؍گاؤں میں معمولی مکتب کا نظم ہے، جو لشٹم پشٹم چلتے ہیں اور بند ہوتے ہیں۔ بعض گاؤں میں مسجدوں میں تعلیم کا ہلکا پھلکا نظم ہے۔ غرض یہ کہ تعلیم کا دِیا علاقہ کے تقریباً ایک تہائی حصہ میں جلتا تو ہے، مگر ٹمٹماتا اور جھلملاتا ہوا، جہل کے سائے نہایت دبیز ہیں، مسلمان عام طور سے غیر مسلموں کے معاشرے میں دبے ہوئے ہیں، کفر وشرک کی نہ جانے کتنی رسمیں ان میں جاری ہیں، اور بہت سے لوگ بدعات میں گرفتار ہیں، شراب خوری، بدچلنی، آوارگی اور جھگڑے فساد کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں، علم کا فقدان، جہالت کا طوفان۔ مرد وعورت سب ایک رنگ میں رنگین، ان لوگوں میں دین کی تعلیم کو جمانا، اور انھیں دینی اعمال پر لانا ایک بڑا مجاہدہ ہے۔

ان کے سامنے صرف کھانا کمانا، شادی بیاہ کرنا، جینا اور مرجانا ہی زندگی کی کل کائنات ہے، ان جگہوں پر نہ علماء پہونچ پاتے ہیں اور نہ تبلیغی جماعتیں پہونچتی ہیں، اور یہ تو اپنی دنیا میں مست ہیں، یہ خود علماء کے پاس کیوں آنے لگیں، اگر کوئی پہونچتا ہے تو وہی نذرانے وصول کرنے والے ہیں۔ وہ انھیں شرکیات وبدعیات میں سلا کر اپنا نذرانہ لے کر چل دیتے ہیں۔

میرا ارادہ تھا کہ ہفتہ دو ہفتے وقت نکال کران گاؤں کا دورہ کروں گا۔ ارادہ تھا کہ سردیوں کے ختم ہونے کے بعدایک پروگرام مرتب کیا جائے گا، مگراللہ کومنظورنہ تھا، سردیوں کے شباب میں میری طبیعت خراب ہوئی، اوراابھی تک سفر کے لائق نہیں ہوسکا ہوں۔

ماشاء اللہ مولوی ابرارالحق سلّمہٗ لگن سے کام کررہے ہیں، ان کی آمدورفت ان گاؤں میں رہتی ہے، وہاں سے چھوٹے بچوں کو لاتے ہیں۔اوراپنے مدرسہ میں ان کی تعلیم اورقیام وطعام کا مناسب انتظام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اوراان کے رفقاء کی نصرت فرمائیں، اورمسلمانوں کے تاریک گھروں کوعلم اوردین کےنورسے اجالا کریں۔

میراانداز ہ ہے کہ یہ صورت حال بکثرت علاقوں میں موجودہوگی، ضلع اعظم گڈھ میں، خودشہر کےآس پاس نیزگھاگھراکےترائی علاقوں میں جنھیں ’’دیوارا‘‘ کہاجاتا ہے، ان جگہوں میں دینی کام کی سخت ضرورت ہے۔مگرافسوس یہ ہے کہ اہل علم کی توجہ ادھرنہیں ہوتی، اوراہل ثروت حضرات اپنی ثروت کولہوولعب اور بیجا سیاسیات میں پھونکتے اور برباد کرتے ہیں۔محض جھوٹی ناموری اورجھوٹی عزت کیلئے دولت بے جگہ بہاتے ہیں۔

علماء کا علم وتدین اور مال داروں کی دولت وثروت مذکورہ جگہوں کی جانب منعطف ہوجائے ، تو ماحول ومعاشرہ میں اچھی خاصی تبدیلی آسکتی ہے۔اللہ تعالیٰ توفیق بخشیں۔ (اگست ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتنوں کی طغیانی

دین اسلام اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم انعام ہے، جو بندوں پر انبیاء کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے اتارا گیا ہے۔ اور اس کو آخری تکمیلی شکل حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے ذریعے عطا کی گئی۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً ،آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا، اور تم پر اپنے احسان کی تکمیل کر دی، اور تمہارے لئے میری رضامندی دین اسلام کے ساتھ مختص ہوگئی۔

آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے آخری حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں نازل ہوئی۔ انسانوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان انسانیت کی ہدایت اور فلاح کیلئے کیا ہے۔ اولادِ آدم کی کامیابی اور فلاح کا یہی راستہ متعین ہے، اس کے علاوہ نہ کوئی دین معتبر ہے، اور نہ کوئی طریقہ اور نظریہ!

وہ لوگ جنھوں نے اس دین کو تسلیم نہیں کیا، وہ خواہ بظاہر کچھ نظر آتے ہوں۔ دولت وامارت، حکومت وسیاست اور قیادت وعظمت کے جس بلند معیار پر دکھائی دیتے ہوں مگر وہ خسارے میں ہیں، تباہ وبرباد ہیں۔ وَمَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْآخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ (سورہ آل عمران: ۸۵) جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اور طریقہ اختیار کرے گا، وہ طریقہ ہرگز قبول نہ ہوگا، اور وہ آخرت میں گھاٹے میں پڑے گا۔

قرآن میں متعدد افراد واشخاص، اور کئی ایک اقوام کا متعین طور پر ذکر آیا ہے کہ انھوں نے اسلام کے خلاف قدم جمایا، اور بالآخر تباہ وبرباد ہوئے، اور جہنم ان کا ٹھکانا بنی۔ تاریخ عالم اس بات کی صداقت پر گواہ ہے۔

دین اسلام کا رحمت ہونا، ایک ایسی صداقت ہے، جس کو دنیا کے کسی دور میں چیلنج نہیں کیا جاسکا ہے، اس کے ماننے والے کم ہوں، یا زیادہ، کمزور ہوں یا قوی! اسلامی احکام و تعلیمات، اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرہ اور اسلام کے اختصاصات وامتیازات کچھ ڈھکی چھپی چیزیں نہیں ہیں، جن سے دنیا کا پڑھا لکھا طبقہ واقف نہ ہو۔

ہاں! لیکن کبھی کبھی اس کے مخالفین، اس کے خلاف جہالت وتشکیک کی اتنی گرد اُڑاتے ہیں کہ اس کا حسن وجمال بظاہر مخفی ہونے لگتا ہے، اور گرد وغبار کا کرکراپن نمایاں ہوجاتا ہے، اور ناواقف اسے اسلام کا کرکراپن سمجھتا ہے۔

دنیا کی زیب وزینت، دنیا کی مقصودیت اور دنیا کی شان وشوکت اسلام کا موضوع نہیں ہے۔ اسلام کا مقصود فکر آخرت رضاء الٰہی اور عدل وانصاف ہے۔ خواہ اس کی وجہ سے بظاہر دنیا کا نقصان نظر آئے۔

لیکن دنیا نے ہمیشہ یہ گناہ کیا ہے کہ دنیا ہی کو مقصود ومعبود بنایا۔ اور آخرت سے غفلت اختیار کی، اور اس کی وجہ سے اسلام سے دوری بڑھتی رہی۔ غیروں سے شکایت نہیں ہے۔ غیروں سے متاثر ہوکر خود اپنوں نے بھی یہ گناہ کیا، دنیا کو اتنی اہمیت دی، جس کی وہ مستحق نہ تھی، اور دنیا کو جتنی جتنی اہمیت دی جاتی رہی، اسلام کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا رہا۔ اور اب یہ حالت ہوگئی، کہ اللہ کا یہ احسانِ عظیم اب دل ودماغ پر گراں گزر رہا ہے۔ کچھ لوگ اسلامی تعلیمات کو خیر باد کہہ رہے ہیں انھوں نے اپنے آپ کو بدل ڈالا ہے۔ اور اپنے اندر اور باہر اسلام کی کوئی علامت بجز قومیت کے نہیں رہنے دی ہے۔ قومیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنا شمار مسلمانوں میں کرتے ہیں، مسلمانوں جیسا نام رکھتے ہیں، اور کبھی کبھی کسی اسلامی شعار کو عارضی طور پر اختیار کرلیتے ہیں، اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کو توڑ پھوڑ

رہے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ غیر اسلامی چیزوں کا جواز اسلام میں تلاش کرلیں۔

اسلامی تعلیمات واحکام میں غیر اسلامی چیزوں کو داخل کرنا ایک بڑا فتنہ ہے، اس فتنے کے عام ہونے کے بعد یہ معلوم کرنا مشکل ہوگا کہ اسلام کیا ہے؟ اور کفر کیا ہے؟ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں انسانوں نے جب اپنی اپنی رائے اور اپنا اپنا نظریہ داخل کیا، تو ان مذاہب میں حق وباطل کا امتیاز باقی نہیں رہا، کیا اصل تعلیم ہے، اور کیا کیا اس سے خارج ہے؟ آج اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب میں اس پر خط فاصل نہیں کھینچا جاسکتا۔

اس کے برخلاف اسلام کے تمام اصول وفروع، قواعد واحکام واضح ہیں، کسی غیر اسلامی چیز پر اسلامی لیبل چسپاں کرنا ایک مشکل کام ہے۔

یہاں بڑی آسانی سے بتایا جاسکتا ہے کہ اسلام کیا ہے، اور کفر کیا ہے؟ طاعت کیا ہے اور معصیت کیا ہے؟ عبادت کیا ہے اور بدعت کیا ہے؟ کیونکہ اسلام کی بنیادی کتاب قرآن کریم ہے اور دوسری بنیادی چیز سنت رسول ہے، یہ دونوں بالکل اپنی اصلی حالت پر آج بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں، مسلمان جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہے گا، گمراہ نہ ہوگا۔

مگر اس زمانے میں قرآن وسنت سے آنکھ بند کرنے کا عام دستور سا ہوتا جارہا ہے ،نئی نئی چیزیں، نئے نئے نظریات وخیالات، جن کو قرآن وسنت سے کوئی مناسبت نہیں ہے، بلکہ ان کی وجہ سے قرآن وسنت سے دوری ہوتی ہے، مسلسل اور پے بہ پے یکے بعد دیگرے آتے چلے جارہے ہیں۔ اور دنیا داری میں جو لوگ مست ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ انھیں اسلام میں داخل کردیا جائے، اور اس سلسلے میں اتنا شوروغل کیا جاتا ہے اور اتنی غوغا مچائی جاتی ہے، کہ وہ چیزیں جو صریحاً اسلام کے خلاف ہیں، وہ عین اسلام کے مطابق باور کرلی جاتی ہیں، ایک خبر بار بار دہرائی جائے، بار بار نظروں کے سامنے لائی جائے، تو طبیعت اسے گوارا کرنے لگتی ہے، پھر نوبت یہاں تک پہونچ جاتی ہے کہ وہی چیز پسندیدہ بن جاتی ہے۔ کسی سلیم الطبع آدمی کے پاس بدبو کی کوئی چیز لائی جائے، تو اسے متلی آنے لگے گی، وہ منہ بگاڑے

گا، لیکن اگر اسے اس کا عادی بنا دیا جائے، تو اس کے بغیر چین نہیں پاتا۔

اسلام کے خلاف گندے سے گندے فتنے کا بھی یہی حال ہے۔ شروع میں طبیعت انکار کرتی ہے، مگر مسلسل وہی چیز سامنے آتی ہے، تو آدمی اسے قبول کر لیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

تعرض الفتن علی القلوب کالحصیر عوداً عوداً فأی قلب أشربها نکتت فیه نکتة سوداء وأی قلب أنکرها نکتت فیه نکتة بیضاء حتیٰ یصیر علیٰ قلبین أبیض بمثل الصفاء فلاتضرهٗ فتنة مادامت السموٰت والارض ولآخر أسود مربادًا کالکوز مجخیاً لایعرف معروفاً ولاینکر منکراً الا ماأشرب من هواه (رواہ مسلم) قلوب پر فتنوں کی بارش اس طرح ہوگی، جیسے چٹائی کے تنکے یکے بعد دیگرے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہتے ہیں، پھر جو قلب ان سے متاثر ہوتا ہے، اس میں ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے، اور جو قلب اسے رد کر دیتا ہے، اس میں ایک روشن نقطہ ظاہر ہوتا ہے، بالآخر یہ دو طرح کے قلب ہو جاتے ہیں، ایک نہایت صاف وشفاف اور روشن! اسے کوئی فتنہ رہتی دنیا تک نقصان نہیں پہونچا سکتا اور ایک سیاہ راکھ جیسا۔ جیسے اُلٹا پیالہ، وہ نہ کسی اچھائی کو پہچانتا اور نہ کسی بری چیز پر انکار کرتا، اسے صرف وہ چیز سمجھ میں آتی ہے، جو اس کے نفس کی خواہش کے مطابق ہو۔

حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

قُلْ لَایَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْأَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ فَاتَّقُوْا اللّٰہَ یَا أُوْلِی الْأَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔(سورمائدہ:۱۰۰)

تم کہہ دو کہ گندی چیز اور پاک چیز برابر نہیں ہوسکتی، اگر چہ گندگی کی کثرت تمہیں بھلی معلوم ہو، پس اللہ سے اے عقل والو! ڈرو، شاید تم کامیاب ہو۔

ہمارے اس دور میں اسلامی تعلیمات واحکام اور اسلامی تہذیب کے خلاف گندگی کی وہ کثرت ہوگئی ہے کہ لوگوں کی نگاہ میں وہ گندی چیزیں بھلی معلوم ہونے لگی ہیں، لیکن قرآن

کا فیصلہ ہے کہ جو چیز گندی ہے، وہ بظاہر کیسی ہی خوشنما اور مفید معلوم ہو، گندی ہی رہے گی۔

آج کل ان فتنوں کی بارش بہت بڑھ گئی ہے، کوئی آنکھ، کوئی کان، کوئی دل ایسا نہ ملے گا، جس پر فتنوں کی برسات نہ ہو رہی ہو، جتنے ذرائع اِبلاغ بڑھتے جارہے ہیں، اتنے ہی فتنے بڑھتے جارہے ہیں۔ اور جتنی تیز رفتار سواریاں بڑھ رہی ہیں، اتنی ہی برق رفتاری سے فتنے ترقی کررہے ہیں، ایک زمانہ تھا کہ خاص خاص جگہوں میں ناچ گانے کی بزم سجائی جاتی تھی، ان میں خاص خاص لوگ شرکت کرتے تھے، پھر سینما کی ایجاد نے اس میں عموم پیدا کیا، اب ناچ گانا عام ہوگیا، لیکن پھر بھی ایک مخصوص عمارت تک جانا پڑتا تھا۔ کتنے لوگ معاشرے کی شرم کی وجہ سے نہیں جاسکتے تھے، پھر ایجاد کرنے والوں نے ہاتھ میں ریڈیو تھمادئے کہ جب چاہو گانا سنو! مگر نگاہیں محروم تھیں، پھر ٹی، وی نے باقی کسر پوری کردی۔ اب جہاں چاہئے سینما ہال بنا لیجئے۔ اور اس طرح موجودہ معاشرہ کی بیشتر خرابیوں کا سرچشمہ یہی ٹی، وی ہے۔ گانے بجانے، شراب وکباب، مار دھاڑ، قتل وخونریزی، چوری اور غارت گری کون سا ایسا جذبۂ فساد ہے، جو ٹی، وی کے اسکرین سے دل ودماغ کی شریانوں میں پیوست نہیں ہوتا اور انسان کے رگ وریشہ میں نہیں دوڑتا۔ بچوں سے لیکر جوان اور بوڑھے تک سب ٹی، وی کے اسکرینوں کی نقالی میں تھرکتے، ناچتے، کودتے اور عجیب وغریب حرکات میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے، جس کا انکار بجز ان لوگوں کے اور کوئی نہیں کرسکتا، جنھوں نے حقائق سے آنکھوں کو بند کرنا ہی اپنا شیوہ بنا رکھا ہو، یہ تسلیم کہ ٹی، وی اور ریڈیو پر خبریں نشر ہوتی ہیں، بجا کہ بعض اچھی معلومات بھی فراہم کی جاتی ہیں، مانا کہ اس کے ذریعے تجارت کا فروغ ہوتا ہے۔ مگر پوچھئے کہ یہ خبریں انسانیت کی کون سی خدمت انجام دیتی ہیں، کیا ان خبروں میں سیاسی بازی گری نہیں ہوتی، کیا یہ خبریں جھوٹ کو سچ نہیں بناتیں، کیا یہ خبریں سچائی کی آنکھ میں دھول نہیں جھونکتیں، کیا یہ خبریں سن سن کر انسان ’’ٹینشن‘‘ میں نہیں مبتلا ہوتا، کیا ان خبروں کے نتیجے میں معاشرہ بے تحاشا فسادات وخونریزی میں تہ وبالا نہیں ہوتا؟ پھر یہ بھی دریافت کیجئے کہ یہ اچھی معلومات جو ریڈیو اور ٹی، وی سے

فراہم کی جاتی ہیں ان میں دینی معلومات، فکرِ آخرت اور دنیا کی بے حقیقتی کا کتنا عنصر ہوتا ہے یہ معلومات انسان کو حُبِ دنیا میں مبتلا کرتی ہیں، یا فکرِ آخرت کا تحفہ عطا کرتی ہیں۔ ان معلومات سے سنجیدگی پیدا ہوتی ہے، یا لہو ولعب کی لت پڑتی ہے۔

واقعہ یہ ہے، اور یہ سوفی صد حقیقت کہ موجودہ دور کے یہ ذرائع ابلاغ جن کی دُہائی عام طور سے ترقی کے نام پر دی جاتی ہے، یہ انسانیت کی جانکنی ہیں، ان کا کردار اسلامی عقائد ونظریات کے ٹھیک برعکس ہے۔ یہ فرنگی ایجادات انسانیت کی خدمت تو کیا کرتے، انسانی قدروں کو فنا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان سے کچھ کچھ فوائد ضرور وابستہ ہیں، مگر اول تو وہ صرف دنیاوی فوائد ہیں، اور جو فوائد دینی رنگ میں دکھائی دیتے ہیں، وہ بھی صرف صورۃً دینی فوائد ہیں، حقیقۃً ان کو دین سے مناسبت بالکل نہیں ہوتی، اور دینی فائدہ وہی معتبر ہے جو دین کی روح سے مناسبت رکھتے ہوں۔ اس طرح کے فوائد تو ہر بری چیز میں تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

جب شراب خوب پی جاتی تھی، اور اس کی حرمت کا تصور نہ تھا، تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''یہ لوگ شرب اور جوے کے متعلق پوچھتے ہیں، تم کہہ دو کہ ان دونوں میں گناہ بڑا ہے، اور لوگوں کیلئے کچھ فوائد بھی ہیں۔''

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اسی وقت لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب شراب اور جوئے کی خیر نہیں، اور یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ ان دونوں میں خیر نہیں شر ہے۔ پھر بالآخر منافع للناس ہوتے ہوئے، شراب اور جوا کو پورے طور پر حرام کر دیا گیا۔

اس سے دین اسلام کی رُوح کا پتہ چلتا ہے، کہ جو چیزیں اپنے اندر مزاج وطبیعت کے لحاظ سے شر کا غلبہ رکھتی ہیں، ان میں اگر کچھ فوائد بھی ہوں، تو بھی انھیں حرام ہی قرار دیا جائے گا۔

ریڈیو ہو یا ٹی، وی۔ انٹرنیٹ ہو یا وی، سی، آر۔ دینی نقطۂ نظر سے کوئی صاحب غور کرلیں کہ ان کے استعمال میں شر کا عنصر کتنا ہے اور خیر کا جز کتنا ہے؟ جن کے نزدیک گانا بجانا، عورتوں کے نغمے سننا، ناچ گانے والی عورتوں سے دلچسپی لینا، عریانیت وفحاشی میں گھسے رہنا، ہر جھوٹ اور لغو کا سننا اور اس میں مشغول رہنا تصویروں کا دیکھنا اور انھیں گھروں میں رکھنا، کوئی عیب نہ ہو، وہ ہمارے اس مضمون کے مخاطب نہیں ہیں۔ اور نہ اسلام کو ان سے کوئی مطلب ہے۔ بات ان لوگوں کی ہے، جو اسلام کی حرام کردہ چیزوں کو حرام مانتے ہیں، بتایا جائے کہ ان کے نزدیک ان چیزوں کے استعمال میں شر کتنا ہے، اور خیر کتنا ہے؟

لوگ صحیح استعمال کی بات کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ آج کتنے سلیم الطبع اور تربیت یافتہ لوگ ملتے ہیں، جو ریڈیو اور ٹی، وی میں صرف سنجیدہ پروگرام دیکھتے اور سنتے ہوں اور اگر کوئی اکا دکا آدمی ایسا مل بھی جائے، تو اس کے گھر میں بچوں اور عورتوں کا راستہ کون سا ہوگا؟

میں اور جگہ کی بات نہیں کرتا، مکہ شریف جیسی مقدس سرزمین میں ایک عالم دین جو ماشاءاللہ حدیث شریف کی خدمت میں ممتاز ہیں۔ وہ اس بندے کو اپنے گھر لے گئے۔ اس وقت ان کے اہل وعیال اپنے وطن ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو ٹیپ ریکارڈ سے نعت شریف سنواتا ہوں۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے، میں نے معذرت کی، انھوں نے بے تکلفی میں اصرار کیا۔ اور بہت سی کیسٹیں اُٹھا لائے۔ کم از کم تین چار درجن! اور فرمایا کہ ہمارے گھر صرف نعت اور قرأت کی کیسٹیں ہیں اور وہی سنی جاتی ہیں۔ گانے بجانے سے بالکلیہ احتراز ہے، وہ یہ کہتے کہتے ایک کیسٹ ٹیپ میں لگانے لگے، میں نے منع بھی کیا۔ میرے نہیں نہیں کہتے کہتے انھوں نے لگا ہی دی۔ اب جو آواز آئی تو نسوانی آواز تھی اور وہ فلمی گانا گا رہی تھی گھبرا کر انھوں نے دوسری لگائی۔ وہ بھی اسی رنگ میں تھی، پھر وہ کیسٹ بدلتے رہے، مگر رنگ نہیں بدلا۔ میں نے عرض کیا جانے دیجیے۔ نعت وقرأت کی کیسٹ وطن گئی۔ وہاں ان کیسٹوں کی گنجائش نہ تھی، یہاں صرف گانے کی کیسٹیں ہیں۔

یہ ایک گھر کا واقعہ نہیں ۔ ہر وہ دیندار گھر جس میں کسی مجبوری کی وجہ سے ٹی، وی، ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ استعمال کیا جاتا ہے، ہر گھر کا یہی قصہ ہے ۔ اور جہاں اتنی سی بھی دینداری کی فکر نہیں ہے، وہاں تو قرأت و نعت کی گنجائش ہی نہیں!

جن چیزوں کے یہ لچھن ہوں ۔ ان کے بارے میں دین اسلام سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ان کے جواز کا فتویٰ دے گا، خوش فہمی ہے ۔ دین اسلام کا راستہ اور اس کی منزل الگ ہے، اور کفر و شرک کا راستہ اور اس کی منزل علیٰحدہ ہے ۔ دونوں کہیں ایک دوسرے سے نہیں ملتے ۔ ہر وہ چیز، جو مسلمان کو اس کے دین سے، فکر آخرت سے زہد و قناعت سے برگشتہ کرے ۔ اس سے اجتناب لازم ہے، خواہ وہ دنیاوی ترقی کیلئے کتنی ہی ضروری اور بھلی معلوم ہو ۔

اب فتنے کی طغیانی ملاحظہ ہو ۔

روزنامہ سہارا کی ۲۲/ اگست ۲۰۰۴ء بروز اتوار کی اشاعت میں دارالعلوم دیوبند سے جاری شدہ ایک فتویٰ کو مشق ستم بنایا گیا ہے ۔ اس کی تمہید میں مذکورہ اخبار نے لکھا ہے کہ:

”دینی پروگرام کی نشر و اشاعت کے لئے ٹیلی ویژن کا استعمال شرعی ہے یا غیر شرعی، اس مسئلہ پر دارالعلوم دیوبند نے گزشتہ دنوں ایک سوال کے جواب میں فتویٰ جاری کیا جس میں ٹیلی ویژن کو ایک آلۂ لہو و لعب قرار دیتے ہوئے اس کے استعمال کو انتہائی قبیح بتایا گیا ہے ۔

ایسا نہیں ہے کہ اس طرح کا فتویٰ پہلی بار آیا ہے، اس سے قبل دارالافتاء ڈابھیل، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فتوے آچکے ہیں ۔

تمہید نگار نے یہ نہیں بتایا کہ اور جگہوں سے کیا کیا فتوے آئے، یہ بتائے بغیر وہ لکھتا ہے کہ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی موضوع پر بار بار فتویٰ کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی، کسی حتمی فتویٰ پر اکتفاء کیوں نہیں کیا جاتا ۔

اس تمہید نگار سے کوئی پوچھے کہ آخر یہ حتمی فتویٰ ہی تو ہے جو بار بار دیا گیا، اور مختلف جگہوں سے بار بار سوال کئے جائیں گے، تو بار بار جواب بھی دیا ہی جائے گا ۔

تمہید نگار کہتا ہے:

اس سے کنفیوژن پیدا نہیں ہوگا، آخر اختلاف کی راہیں کیوں کھل رہی ہیں؟

فتویٰ تو ایک ہی ہے۔ اس سے اختلاف کی راہ نہیں کھل رہی ہے، البتہ اخبار نے اس میں کنفیوژن پیدا کرنے کوشش کی ہے، اور مختلف الخیال اور مختلف العمل لوگوں سے مضمون لکھوا کر اختلاف کی راہ کھول رہا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل جب ہر قسم کی گپ شائع کرنے والے اخباروں میں چھیڑے جاتے ہیں، تو اختلاف کی راہ وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ علماء کے فتاوے اس اختلاف کے ذمہ دار نہیں، اخبارات کے بازاری صفحات اختلاف پیدا کرتے ہیں۔

اب وہ فتویٰ سنئے، جس پر اخبار نے کئی گرم مضامین شائع کئے ہیں اور یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ علماء کے درمیان اس موضوع پر اختلاف ہے، کوئی شبہ نہیں ہے کہ جن لوگوں نے اس فتوے سے اختلاف کیا ہے، ان میں سے بعض حضرات علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، لیکن ان کے مضامین پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ ان حضرات نے پڑھا لکھا سب بھلا دیا، یا بالقصد انحراف کیا۔ ان مضامین کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے ہٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان مضامین کو پڑھنے سے قرآن پاک کی ایک آیت ذہن پر روشن ہوئی، جو حق تعالیٰ نے منافقین کی بے وفائی کے متعلق ایک خاص موقع پر نازل فرمائی ہے:

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ (سورہ آل عمران: ۱۶۷)

اس دن وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کے زیادہ قریب تر تھے۔

میں نہیں کہتا کہ ان حضرات کے حال پر یہ آیت منطبق ہو رہی ہے، مگر یہ ضرور ہے کہ علماء حقانی کی صف سے یہ حضرات خود کو باہر کرنے کے درپے معلوم ہوتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ ہو

"اصل یہ ہے کہ ٹی۔ وی اصالۃً آلۂ لہو ولعب ہے۔ دینی پروگرام چلانے کیلئے اس کا استعمال کرنا انتہائی قبیح ہے، اشاعت اسلام اور حفاظت اسلام کے جو طرق بے غبار اسلام میں

مقرر ہیں، شریعت مطہرہ نے ان کی اجازت دی ہے، ان طریقوں کو سختی سے اپنانے کی ضرورت ہے۔ ٹی۔ وی کے دینی پروگرام بھی دیکھنے والے لہو ولعب کے انداز سے ہی دیکھنے کے عادی ہیں، امورِ محرمہ سے اسے پاک صاف کر دینا تقریباً ناممکن ہے، اس لئے اس کے استعمال کو دینی پروگرام کیلئے بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

☆☆☆☆☆

یہ فتویٰ بالکل صحیح ہے، مگر اخبار نے اس کا تماشا بنا دیا ہے، دینی احکام و تعلیمات کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت کا ایک خاص مزاج ہے۔ سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ دین اور دینی تعلیمات ایک مقدس اور پاکیزہ اور نہایت سنجیدہ امر ہے، لہو ولعب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کی نسبت اللہ اور رسول کے ساتھ ہے، اس کا ایک خاص ادب واحترام ہے۔ ادب واحترام کے اس حصار کو اگر توڑ دیا جائے، تو ظاہری شکل چاہے دین کی رہ جائے مگر اصل روح غائب ہو جائے گی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورہ حج ۳۲)

جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے، تو یہ قلب کے تقویٰ کا اثر ہے۔

دینی پروگراموں کو خواہ ٹی۔ وی پر لائیں، ریڈیو پر لائیں، یا انٹرنیٹ پر لائیں، سب سے پہلے ان کا احترام وتقدس غائب ہوتا ہے، اور یہ بات ایسی نہیں ہے جس پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت ہو۔ ہاں اگر تقدس واحترام کا مفہوم ہی بدل دیا جائے، یا اس کو لغو وفضول چیز قرار دے دیا جائے تو بات دوسری ہے۔ اور دنیا داری کے غلبہ اور آخرت فراموشی کے اس دور میں یہ تماشا بھی بہت عام ہو چکا ہے۔ اکبر کے زمانے میں یہ صورت حال رہی ہو یا نہ رہی ہو، مگر اب تو کھلے بندوں یہ تماشا ہو رہا ہے کہ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبرؔ نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

خدا کا نام فیشن کے طور پر تو لیا جاتا ہے، مگر آخرت کا نام لینا، اور دنیا کو بے وقعت

سمجھنا، تو واقعی جرم بن چکا ہے، میں یہ باتیں لکھ رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں کہ بہت سی پیشانیاں شکن آلود ہوں گی، بعض زبانیں یاوہ گوئی کریں گی، بعض قلم حرکت میں آئیں گے۔ لیکن جو حقیقت ہے اسے بیان کیا جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ اور اسلامی علوم کی نشر و اشاعت ان نامعتبر آلات واسباب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اس کا تعلق افراد ورجال سے ہے، دین، اصحابِ دین سے پھیلتا ہے، علم دین، اربابِ علم سے پرورش پاتا ہے۔

اگر گانے بجانے کے آلات سے تبلیغ کا کوئی تصور ہوتا، تو زمانۂ رسالت مآب ﷺ میں گانے بجانے کے آلات بہت تھے، اور ان سے دلچسپی رکھنے والے بھی بہت تھے، مزامیر پر قرآن پڑھا جاتا، تو لوگ بہت دلچسپی سے سنتے، مگر ان کا استعمال تو کیا ہوتا، انھیں صراحۃً حرام قرار دے دیا گیا، اللہ جانے آج کے ٹی۔ وی کی حمایت کرنے والے ہوتے، تو کیا حکم صادر کرتے۔

دین سیکھنا ہو، تو ٹی، وی کے دینی پروگرام سے نہیں دینداروں سے حاصل کیا جائے گا، ہر چیز اپنے محل پر مناسب ہوتی ہے، کسی چیز کو بے محل استعمال کرنا ظلم ہے۔ قرآن شریف کو بیت الخلاء میں رکھ دیا جائے، تو بیت الخلاء چاہے جتنا خوبصورت ہو، گناہ ہوگا، سنیما ہال میں قرأتِ قرآن کی مجلس منعقد کی جائے تو اس کو کون جائز کہے گا۔ (بقول ایک ظریف عالم کے کہ اگر زمانہ بہت ترقی کر جائے، اور کوئی آدمی رَس گُلا ہگے، تو اسے کھایا جائے گا؟ یہاں صرف اصل شے نہیں دیکھی جاتی، حصول کے ذرائع کو بھی پرکھا جاتا ہے۔)

اخبار میں متعدد لوگوں نے ٹی، وی پر اسلامی پروگراموں کی اشاعت کے جواز پر زور دیا ہے۔ لیکن عقلی تک بندیوں، مغرب سے مرعوبیت اور بے معنیٰ جذباتیت کے علاوہ کوئی قابل لحاظ دلیل قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش نہیں کی، جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

”اسلام کے خلاف دنیا میں پروپیگنڈے ہو رہے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں پر فرض ہے

کہ وہ پروپیگنڈے کی جگہوں پر جا کر اپنا دفاع کریں''، اس ایک بات کے علاوہ جو باتیں کہی گئی ہیں، وہ مغربی تہذیب سے تاثر بلکہ مرعوبیت کے آثار ہیں۔

اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کی جو بات ہے، وہ صحیح ہے، مگر اسلام نے، قرآن وحدیث نے پروپیگنڈے کا جواب پروپیگنڈا نہیں بتایا ہے، پروپیگنڈے کی بنیاد سچ کے ساتھ بہت سارے جھوٹ پر ہے۔ آدمی دل کھول کر جھوٹ بولے اور اتنا بولے کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے، ظاہر ہے کہ اسلام اس کی اجازت کبھی نہیں دے سکتا، اور یہ تصور بھی غلط ہے کہ جس ماحول میں پروپیگنڈا ہو رہا ہے، اسی ماحول میں ہم جا کر تردید کریں۔ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

لَتُبْلَوُنَّ فِیْ أَمْوَالِکُمْ وَأَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ أُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ أَشْرَکُوا أَذیً کَثِیْراً ،وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ　(سورہ آل عمران:۱۸۶)

ایمان والوں سے فرمایا گیا ہے کہ تمہارے جان ومال میں تمہاری آزمائش ضرور ہوگی، اور تم اگلے اہل کتاب (یعنی یہودیوں، عیسائیوں) اور مشرکین سے بہت زیادہ تکلیف دہ باتیں سنو گے، اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ پر جمے رہو گے تو یہ بہت پختہ اور عزیمت کی بات ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پروپیگنڈے کے جواب کا جو طریقہ بتایا ہے، وہ صبر اور تقویٰ ہے،

معترضین اور مشرکین کے ہر اعتراض کا جواب ہی کہاں ضروری ہے، ان سے تو اعراض ہی مناسب ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلاماً (سورہ فرقان:۶۳)

جب جہالت والے ان سے مخاطب ہوتے ہیں، تو یہ سلامتی کی بات کہہ کے ہٹ جاتے ہیں۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَاماً (سورہ فرقان:۷۲)
جب لغو باتوں پر ان کا گزر ہوتا ہے، تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔

ٹی، وی تو گندگی کا خزانہ ہے۔ اخبارات میں جب کوئی غلط بات اُچھالی جاتی ہے، اور پھر بعض اہل قلم اس کا تحقیقی جواب دیتے ہیں تو کیا نتیجہ نکلتا ہے، دیکھنے میں تو یہی آتا ہے کہ سوائے اختلاف اور جہالت کی صورت حال بڑھنے کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وأعرض عن الجاهلين (سورہ اعراف:) جاہلوں سے اعراض کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کس کس جھوٹ کا جواب دیں گے۔ اس پروپیگنڈے کا جواب علمی اور سنجیدہ انداز میں جتنا دے سکیں اس سے زیادہ کا اللہ تعالیٰ نے مکلّف نہیں بنایا ہے، اور نہ ہر ایک بات کا جواب دیا جانا مناسب ہے۔ آگے صبر اور تقویٰ ہی اصل علاج ہے، جو قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے، اور جس پر نصرتِ الٰہی کا وعدہ ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً اِنَّ اللهَ بِمَايَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (سورہ آل عمران:) اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے، تو ان کی سازشیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، بے شک یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت میں ہے۔

اہل اسلام کا معاملہ صرف ظاہری اسباب پر نہیں ہے کہ اس میں اتنا غلو کیا جائے کہ ساری اہمیت اسی کو حاصل ہو جائے۔ جواز کے دائرے میں بقدر ضرورت اسباب اختیار کئے جائیں گے اسباب کے دائرے سے بہت بڑا دائرہ نصرت الٰہی کا ہے جس پر یقین ایک مسلمان ہی کو ہو سکتا ہے۔ کفار دنیا دار اس سے محروم ہیں۔ پھر مسلمانوں کو کفار کے طریقوں پر دوڑانا، ان کے ذرائع ابلاغ کو اختیار کرنے کی تلقین کرنا بالکل غلط اور لغو ہے۔

مسلمانوں کو تو کفار اور یہود ونصاریٰ کے طریقوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جن چیزوں کی بنیاد خلاف شرع امور پر ہے، وہ یہود ونصاریٰ کا طریقہ تو ہو سکتا ہے۔ اہل

اسلام کا نہیں۔ٹی، وی کی بنیادی چیز تصویریں ہیں اور وہی اسلام میں ناجائز ہیں۔ پھر دینی پروگرام کی گنجائش اس میں کیونکر ہوگی۔

جو لوگ کھینچ تان کر اسے جائز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی خدمت نہیں، اسلام کو مذاق بنانا چاہتے ہیں۔ وہ خود ٹی، وی دیکھتے ہوں تو دیکھیں، مگر اسے جائز بتا کر ساری امت کو جہنم میں ڈھکیلنے کی کوشش نہ کریں۔

ایک مرتبہ لاہور میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ محدث دیوبند، علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ اس وقت کے مشہور صحافی غلام رسول مہرؔ اور عبدالمجید سالکؔ ان حضرات کی خدمت میں آئے۔ یہ صحافی حضرات دنیاوی معلومات سے اتنے متاثر و مغلوب ہوتے ہیں کہ شریعت کی حرام کردہ چیزیں ان کیلئے اجنبی بن جاتی ہیں۔ جیسے آج ٹی، وی کی حرمت اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت سود کی حرمت پر ان دونوں حضرات کو بہت اشکال ہو رہا تھا۔ سالکؔ صاحب سود کے جواز پر بحث کر رہے تھے، علامہ عثمانی جواب دے رہے تھے، بحث کافی طویل ہوگئی۔ سالک صاحب ماننے کے لئے تیار نہ تھے، علامہ کشمیری خاموش سن رہے تھے، جب دیر ہوگئی تو علامہ انور شاہ نے فرمایا:

> ”میاں سالک! تم تو ہو سالک، میں ہوں مجذوب، میری بات کا برا مت ماننا، خدا کی بنائی ہوئی جہنم بہت وسیع ہے، تم کو اس میں کودنا ہو تو کودو، مگر ہمارے کندھوں پر پاؤں رکھ کر کودو گے تو ہم پکڑ لیں گے۔ (یعنی ہمارے فتوے کے ذریعہ جواز چاہو تو ہم اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیں گے)

یہی بات یہاں بھی ہے کہ کوئی صاحب ٹی، وی سے لطف اندوز ہو کر عاقبت برباد کرنا چاہیں تو کریں، مگر اس کے جواز کا فتویٰ دینا چاہیں گے، تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور جب ٹی، وی کے لئے اسلامی پروگراموں کی اجازت ہوگی، تو ظاہر ہے کہ اس کے گھر گھر رکھنے کے جواز کا فتویٰ بھی دینا پڑے گا۔ اور اس کا جو حشر ہوگا، وہ ظاہر ہے کہ اسلامی پروگرام کا بہانہ ہوگا اور تمام واہیات و خرافات سے گھر بھرے ہوں گے۔

بعض مضمون نگاروں نے علماء پر طعن کیا ہے کہ یہ لوگ ابتداء میں لاؤڈ اسپیکر ریڈیو وغیرہ کو بھی قبول نہیں کرتے تھے، مگر اب وہ پچھلی بات نہ رہی۔ اس سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں، کل ایک بات کو ناجائز کہتے تھے، جب وہی چیز عام ہوگئی تو وہ جائز ہوگئی۔

لیکن ان کا یہ طعن درست نہیں ہے، دین، علماء اور عوام کا وضع کردہ نہیں ہے، اللہ ورسول کی طرف سے ہے، تو جب بھی کوئی نئی چیز آئے گی، تو دیانت کا تقاضا یہی ہے، کہ اس کی اچھی طرح تحقیق کریں۔ چنانچہ ہر مسئلے میں یہی ہوا ہے، جب تک اچھی طرح وضاحت نہیں ہوگئی ہے۔ اس کے جواز یا عدم جواز دونوں پہلوؤں پر گفتگو رہی۔ پھر جب کوئی ایک رُخ واضح ہوگیا، تو فیصلہ ہوگیا، لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے عدم جواز یا کراہت کا رخ اگرچہ متعین ہے، مگر ان کے رواج کا اتنا غلبہ ہوگیا ہے کہ ان کی برائی ذہنوں سے محو سی ہوگئی ہے، اور بعض چیزوں میں خود اصحاب دین کسی درجہ میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ اس کی وجہ سے نکیر کی شدت میں کمی ہوگئی ہے، تو بعض لوگوں نے اس کے جواز کا فیصلہ سمجھ لیا۔

مثلاً تصویر کشی اصلاً ناجائز ہے، مگر اب اس کی وہ کثرت ہے کہ الامان والحفیظ! شاید ہی کوئی مجلس اور کوئی شخص اس سے بچا ہو، مسجدوں میں نمازیوں کی تصویریں۔ علماء ومشائخ کی تصویریں۔ مجلس وعظ کی تصویریں۔ مجلس نکاح کی تصویریں۔ کتابوں میں تصویریں۔ گھروں میں تصویریں۔ غرض کہاں تصویریں نہیں ہیں۔ اب اگر کوئی تصویر پر نکیر کرتا ہے تو اجنبی سی بات معلوم ہوتی ہے، اس مسئلے میں علماء ومشائخ بھی ڈھیلے نظر آتے ہیں، مگر ہے وہ ناجائز ہی۔

لاؤڈ اسپیکر کے مسئلے میں جواز وعدم جواز کی جو بنیاد تھی، وہ واضح تھی لیکن اس بنیاد کا اس پر انطباق مختلف فیہ ہوا، اس سے نفس مسئلہ میں اختلاف ہوا، مگر پھر تحقیقات سے یہ بات منقح ہوگئی کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ بولنے والے کی آواز ہی ہوتی ہے۔ دوسری کوئی آواز نہیں ہوتی، تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا۔ گو کہ اب بھی بعض علماء اس میں کراہت تصور کرتے ہیں، اور یہ ان کے احتیاط کا پہلو ہے۔

ٹیلی ویژن بھی اب اتنا عام ہو چکا ہے کہ اس کی بھی قباحت ذہنوں سے محو ہوتی جاتی ہے۔اب تو بعض علماء بھی ٹی،وی کا جلوہ دیکھتے نظر آتے ہیں۔اور کچھ حضرات تو بہ نفس نفیس ٹیلی ویژن میں جلوہ افروز بھی ہوتے ہیں،اس سے دین کا فائدہ تو ہوتا نہیں، ہاں ان کی شہرت ہو جاتی ہے۔

نص قرآنی کا قطعی فیصلہ ہے کہ خبیث چیز خبیث ہی رہے گی خواہ وہ کثرت کی وجہ سے بھلی معلوم ہونے لگے۔قُلْ لَایَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْأَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ ۔(سور مائدہ:۱۰۰)

دنیا پرستی اور دین اسلام دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔دین اسلام دنیا کو برتنے کی صحیح تعلیم دیتا ہے،مگراس کو معبود ومقصود بنانے اوراس میں مرنے کھپنے سے منع کرتا ہے۔دنیا کا استعمال آخرت کیلئے،رضاء الٰہی کیلئے صحیح استعمال ہے۔اور دنیا کو صرف دنیا کے لئے آخرت کو فراموش کر کے استعمال کرنا دنیا پرستی ہے۔اس سے صریح ممانعت قرآن میں موجود ہے۔دورِ حاضر کے دنیا پرستوں کے سامنے آخرت کا کوئی مسئلہ نہیں،اس سے بے نیاز ہوکر آنکھیں بندکر کے دنیا کی پوجا ہورہی ہے،ان کی پیروی جب مسلمان کرے گا،تو وہ بھی اسی گناہ میں مبتلا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿و لا تَرْکَنُوا اِلَی الّذِینَ ظَلَمُوا فَتَمَسّکُمُ النّارُ ﴾ (سورۂ ھود:۱۱۳) تم ظالموں کی طرف میلان نہ رکھو،ورنہ آگ تمہیں پکڑ کر رہے گی۔ظالموں کی طرف میلان یہی ہے کہ اپنا طریقہ چھوڑ کر کفار ومشرکین کے طریقوں کو اختیار کیا جائے۔

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَیَتَّخِذُھَا ھُزُواً (سورہ لقمان:٦) اور کچھ لوگ وہ ہیں جو کھیل کی باتیں خریدتے ہیں، کہ اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھٹکا دیں،اوراسے مذاق کی چیز بنائیں۔

یہ ان اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ

کر ناچ رنگ کھیل تماشے یا دوسری خرافات وواہیات میں مستغرق ہیں، چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی ان مشاغل اور تفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اس کی یاد سے برگشتہ کردیں، اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی اُڑائیں، حضرت حسن بصریؒ لھو الحدیث کے متعلق فرماتے ہیں: کل ما شغلک عن عبادۃ اللہ وذکرہ من السمر والاضاحیک والخرافات والغنا ونحوھا (روح المعانی) یعنی لھو الحدیث ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو، مثلاً فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ (تفسیر عثمانی)

ٹیلی ویژن ہو، ریڈیو ہو، انٹرنیٹ ہو، سنیما ہو، ان سب کا بڑا مصرف ''لھو الحدیث'' ہے جو شخص ان امور میں دلچسپی رکھتا ہے، وہ اللہ کی عبادت اور ذکر الٰہی، تلاوت قرآن سے ضرور غافل ہوتا ہے، کتنے لوگ ہیں، جو ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت سن لیتے ہیں، اور یہ سننا بطور تفریح کے ہوتا ہے، پھر انھیں تلاوت کی توفیق نہیں ہوتی، ٹیلی ویژن پر حرم شریف کی نماز اور تراویح کا منظر دلچسپی سے دیکھتے ہیں، مگر نہ فرض نماز پڑھتے نہ تراویح سے واسطہ رکھتے، یہ کہنے کو تو اسلامی پروگرام ہوتے ہیں، مگر فی الحقیقت اسلامی اعمال واحکام سے روکنے والے ہوتے ہیں۔

پھر یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ اسلامی پروگرام دیکھنے والے کتنے ہوتے ہیں اور جو ہوتے بھی ہیں، تو اس کے معاً بعد ناچ گانے کے پروگرام میں مست ہوجاتے ہیں۔

وحید الدین خاں صاحب جو ٹی، وی کو ''خدا کی دین'' قرار دیتے ہیں، وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ:

> ''تاہم اس کا ایک اور پہلو ہے، اس کا تعلق ان پروگراموں سے ہے، جو آج کل اسلامی پروگرام کے نام سے ٹی، وی پر دکھائے جاتے ہیں .... دوسرے پروگراموں کی طرح ان اسلامی پروگراموں کو بھی تفریح کے روپ میں ڈھال دیا گیا ہے''

وحید الدین خاں کے نزدیک ہر چیز کا معیار عیسائیوں، یہودیوں اور غیر مسلموں

کے یہاں ملتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی مسیحی پروگرام کو بطور معیار اور نمونے کے پیش کیا ہے۔
واقعی رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا:

لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبرٍ وذراعاً بذراعٍ حتیٰ لو دخلوا جحر ضبٍّ تبعتموھم قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن (بخاری شریف، ص: ۱۰۸۸) تم اپنے سے پہلی امتوں کے طریقوں کی موبمو پوری پوری نقلیں ضرور اتار کر رہو گے، یہاں تک کہ اگر بالفرض ان میں کوئی شخص گوہ جیسے ذلیل جانور کے تنگ سوراخ میں گھسا ہوگا ہو تو تم بھی اس میں ضرور گھس کر رہو گے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا پہلی امتوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں، آپ نے فرمایا تو پھر اور کون مراد ہوتے؟

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا کہ میری امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کے گمراہ لوگوں کی قدم بقدم پیروی کریں گے۔ جن گمراہیوں اور غلط کاریوں میں وہ مبتلا ہوئے ہیں، یہ بھی ان میں مبتلا ہوں گے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی سرپھرے پاگل نے گوہ کی بل میں گھسنے کی کوشش کی ہوگی، تو میری امت میں بھی ایسے پاگل ہوں گے، جو یہ مجنونانہ حرکت کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی احمقانہ حرکتوں میں بھی ان کی پیروی اور نقالی کریں گے۔ (معارف الحدیث ج: ۸، ص: ۱۳۰)

رسول اللہ ﷺ نے آئندہ زمانوں میں ظاہر ہونے والے فتنوں کی تفصیل سے خبر دی ہے، تاکہ فتنوں اور فتنہ پردازوں کی شناخت رہے، اور امت اندھیرے میں نہ رہے۔ غیروں کی اندھادھند نقالی اور ان کے طریقوں اور نظریوں کی طرف رجحان و میلان بھی ایک فتنہ ہے، دیکھ لیجئے کتنے لوگ ہیں کہ ان کو نمونہ اور معیار نہ اسلام میں ملتا، نہ مسلمانوں میں۔ وہ ہر بات میں مغرب کا، یورپ کا، امریکہ کا، برطانیہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہی یورپ، وہی برطانیہ وہی امریکہ جس کی نگاہ بھی اُٹھتی ہے تو اسلام کو کوئی زخم لگانے کی کوشش کرتی ہے۔

''سہارا'' کے ایک مضمون نگار (مفتی اعجاز ارشد قاسمی) نے اچھی بات لکھی ہے۔
لکھتے ہیں کہ:

''ٹیلی ویژن کے ذریعہ اسلامی پروگرام پیش کرنے کے سلسلے میں اپنی رائے میں نرمی پیدا کرنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح سوچ لینا ہوگا کہ کیا اس طرح کا فتویٰ صادر کرنے سے گھروں میں ٹی، وی رکھنے کی گنجائش نہیں نکلتی ہے اور جب ہم ہر مسلمان کو اپنے گھروں میں ٹی، وی رکھنے کی عام اجازت دے دیں گے، تو کیا ہر گھر میں ٹی، وی کا استعمال صرف اسلامی پروگراموں کے لئے ہو سکے گا؟ کیا ٹی، وی کے استعمال کی اجازت، تھوڑے منافع کی خاطر بہت سے شرور وفتن کو دعوت دینے کے مترادف نہیں ہوگا؟ یقیناً ہوگا اور ۹۹ رفی صد گھروں میں ٹی، وی اسلامی پروگراموں تک محدود نہیں رہ سکے گا۔ ٹیلی ویژن اطلاعاتی انقلاب ہے، جس کی طاقت کا ہر کسی کو اعتراف ہے اور اس سے فائدہ نہ اُٹھانا بظاہر غیر دانشمندی ہے، لیکن ان حقائق کے باوجود اس بات سے قطعاً انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج ٹی، وی کے ذریعہ اس طرح کے پروگرام پیش کئے جانے کے باوجود وہ آلۂ لہو ولعب کی علامت بن چکا ہے اور بیشتر ٹی، وی چینلز کا اولیں مقصد ناظرین کو ذہنی عیاشی کا سامان فراہم کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپی ممالک اس بات پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں کہ ٹی، وی پر پیش ہونے والے پروگراموں کی وجہ سے جو جنسی بے راہ روی اور پُر تشدد واقعات رُونما ہو رہے ہیں ان پر کیسے کنٹرول کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب یورپی ممالک کو ٹی، وی کلچر کا اتنا تلخ تجربہ ہے، تو پھر ہمارے معاشرہ کا کیا حال ہوگا۔ ایسی حالت میں حدیث نبوی واضح طور پر ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ ''جس میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور جس میں یقین ہو اسے اختیار کرو''۔ (مشکوٰۃ)

بہر کیف اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ٹی، وی ایک مؤثر ترین پیغام رسانی کا ذریعہ ہے، جس کی طاقت مسلم ہے، لیکن جس طاقتور آلہ کے استعمال سے اپنا تشخص مٹ جانے کا خطرہ ہو، جس کے نقصانات یقینی ہوں، جس کے تجربات بہت تلخ ہوں، اس طرح کے ذریعہ ابلاغ کے استعمال کی بھلا کیسے اجازت دی جاسکتی ہے۔ یہ کہنا کہ ٹی، وی کے سلسلے میں دار العلوم نے جو فتویٰ دیا ہے، اس پر آج کے دور میں عمل کرنا ناممکن ہے، بالکل

غلط ہے۔ پوری دنیا کے مسلمان دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ کا احترام کرتے ہیں اور اس کے ہر فتویٰ پر عمل کرنے میں جذباتی حد تک فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض مسائل میں عملی کوتاہی ہو جاتی ہے''۔

یورپی ممالک سنجیدگی سے کیا غور کریں گے، ان کی سنجیدگی سے تو کچھ اور مزید فتنے ابلیں گے۔ وہ غور کریں یا نہ کریں، ہمیں تو قرآن وسنت سے وابستہ رہنا ہے۔ ٹی، وی اور انٹرنیٹ کا کوئی اسلامی پروگرام، اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتا، اور اگر کچھ علماء، کچھ بظاہر دیندار لوگ ان پروگراموں سے دلچسپی لیتے ہیں، تو وہ اسلام کو نقصان پہونچاتے ہیں۔ قیامت کے دن اس کے وہ جواب دہ ہوں گے، اسلام اور اسلامی حدود وتعلیمات کا تحفظ ضروری ہے، ان حدود کو توڑ کر اسلام کا نام تو باقی رہ سکتا ہے۔ اسلام باقی نہیں رہے گا، اور وہی بات ہوگی جس کی خبر حدیث میں دی گئی ہے۔ لا یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ' ولا یبقیٰ من القرآن الا رسمہ'۔ دین کا صرف نام ہی نام باقی رہے گا، اور قرآن کا صرف نقش ہی نقش رہ جائے گا۔

کوئی مانے یا نہ مانے، سنے یا نہ سنے، دینی حدود کا تحفظ ضروری ہے، جو کچھ غلط ہے، اسے غلط کہنا ضروری ہے، خواہ اکثریت اسی غلطی پر ٹوٹی پڑ رہی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَامُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحِداً (سورہ کہف: ۲۷) تمہارے رب کی جانب سے جس کتاب کو بطور وحی کے نازل کیا گیا ہے، اس کی تلاوت کرو، اس کے کلمات کوئی بدل نہیں سکتا، اور اس کے علاوہ تم کوئی پناہ گاہ نہیں پاؤ گے۔

ہدایت کل بھی قرآن میں تھی، وحی الٰہی میں تھی اور آج بھی وہیں ہے اس کی تلاوت، اس میں غور وتدبر کو چھوڑ کر لہویات وخرافات کی مشغولیت بجز گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

(اکتوبر ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تماشائے عبرت

پچھلے دنوں دو عجیب تماشے دیکھنے میں آئے ، حیرت کے تماشے ! عبرت کے تماشے ! یہ خاکسار راقم الحروف ریڈیو اور اخبارات سے کچھ خاص اشتغال نہیں رکھتا ، ریڈیو تو کبھی نہیں سنتا ، البتہ اخبار کبھی کبھی نظر سے گزرتا ہے ، نہیں ملتا ، تو اس کی طلب نہیں ہوتی ، مل جاتا ہے ، تو سرسری نظر ڈالنے سے انکار نہیں ، چند ماہ پہلے ہفتوں اخبار دیکھنے کی نوبت نہیں آئی ، ایک روز ایک دوست نے فون پر خبر دی کہ دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ فلاں اخبار میں شائع ہوا ہے کہ اشاعت دین و تبلیغ اسلام کے لئے ٹی ۔ وی کا استعمال جائز نہیں ، اس پر اس اخبار میں کچھ علماء کی طرف سے خوب لے دے ہو رہی ہے ، مجھے حیرت ہوئی ٹی ۔ وی کے استعمال کا عدم جواز تو بدیہی ہے ، شریعت مطہرہ کے اصول کا جو معمولی حرف شناس بھی ہوگا وہ بھی جانتا ہے کہ فحاشی ، عریانی ، بے راہ روی کا یہ ڈبہ اشاعت اسلام تو بڑی مقدس چیز ہے ، کسی معمولی مقصد کیلئے بھی اس کا استعمال جائز نہ ہوگا ، کوئی گندگی پھیل جائے ، تو وہ پاک نہ ہوگی ۔ لیکن اللہ جانے اصحابِ علم کہلانے والے ایک طبقہ نے کہاں سے ، کون سا نسخہ سونگھ لیا ہے کہ وہ دن کے اُجالے میں اندھیر مچا رہے ہیں ۔ خاکسار نے اسی وقت اس موضوع پر ایک تفصیلی مضمون لکھا ، جو ماہنامہ ضیاء الاسلام شمارہ اکتوبر میں آغازِ سخن کے ذیل میں شائع ہوا ۔

اسی دوران ایک دوسرا تماشا بھی اخبار کے صفحوں میں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

کا مصداق بنا ہوا چل رہا تھا ۔ اس وقت امریکہ میں صدارتی الیکشن کی تیاریاں شروع ہونے والی تھیں ، یا شروع ہوگئی تھیں ، معلوم ہوا کہ وہاں کے صدر نے ہندوستان سے

اور شاید دنیا بھر کے ممالک سے مسلمان علماء کو اپنے یہاں مدعو کیا ہے، بعض علماء وہاں پہونچ رہے ہیں، امریکہ کی کچھ تعلیمی میدان میں سرگرمیاں بھی ہیں جو علماء اور اہل مدارس کے ذہنوں میں اُتاری جارہی ہیں۔ ان سرگرمیوں کا مرکز حیدرآباد میں ہے، دہلی میں ہے، ہمارے قریب جامعۃ الفلاح بلریا گنج میں اس موضوع پر ایک ورکشاپ منعقد ہوا تھا، معلوم ہوا کہ علماء کی کئی کھیپ ہندوستان سے امریکہ پہونچ چکی ہے، اور امریکہ کی ضیافت سے متمتع ہوکر کچھ لوگ واپس بھی آچکے ہیں، کچھ لوگ جانے کی تیاریاں کررہے ہیں، پھر معلوم ہوا کہ گئے بھی، اور آئے بھی۔ پھر صدارتی الیکشن ہوا، اور سابق صدر دوبارہ صدارت کی کرسی پر براجمان ہوگیا۔ اب سناٹا ہے۔

اسی وقت اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ ہوا۔ مگر موقع نہ مل سکا۔ اس تماشے پر بہت حیرت ہوئی، ابھی کتنے دن کی بات ہے، کہ یہی امریکہ ایک معمولی بہانہ بنا کر افغانستان پر بم برسا رہا تھا، اسے تباہ وبرباد کرکے رکھ دیا، اس سے پہلے عراق کو نشانہ بنا چکا تھا، افغانستان کے بعد عراق کو دوبارہ تاکا، اور اسے تہس نہس کرکے رکھ دیا، اسرائیل کی پشت پناہی یہ مستقلاً کررہا ہے، عرب ممالک کو کنگال کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے، اور وہاں کے معادن اور ذخائر کو ہر قیمت پر اپنے تصرف میں رکھنا چاہتا ہے، دنیا بھر کے دینی مدارس کو دہشت گردوں کے مراکز اور علماء کو دہشت گرد قرار دے کر پروپیگنڈے کی ساری طاقت اس پر جھونک رہا ہے، وہی امریکہ جس کے ظلم وبربریت کا شہرہ چہاردانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے، اندھا بھی اس کے ظلم وستم کو دیکھ رہا ہے، بہرا بھی اس کے مظلوموں کی چیخ وپکار سن رہا ہے، جس کے ظلم وستم کے لئے کسی دلیل وبرہان کی ضرورت نہیں ہے، وہ امن کا نعرہ لگا کر بدامنی پھیلاتا ہے، وہ حفاظت کا نام لے کر ملکوں کو اُجاڑتا ہے، ابھی کتنے دنوں کی بات ہے کہ ہمارے علماء امریکہ کی مصنوعات کو بائیکاٹ کرنے کی تلقین کررہے تھے، ان مصنوعات کی فہرست شائع کررہے تھے، ان کے بجائے ملکی مصنوعات کے استعمال کی ترغیب دے رہے تھے، پیپسی بند، کوکا کولا بند، فلاں سگریٹ بند، فلاں فلاں سامان ناقابل استعمال!

اور پھر چند ہی دنوں میں یہ کیا ہوا کہ امریکہ کے قاصد مدارس میں اور علماء کے پاس دوڑتے پھر رہے ہیں، انھیں دعوتیں دے رہے ہیں، امریکہ آنے کے لئے اصرار کر رہے ہیں، اور وہی علماء جو امریکہ سے اظہارِ نفرت کر رہے تھے، اب اس سے محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہیں، ایسا بھی نہیں ہے کہ امریکہ کا ظلم ختم ہو گیا ہو، یا اسے پچھلے کرتوتوں پر ندامت ہوئی ہو، یا اس نے اسرائیل کی پشت پناہی سے ہاتھ کھینچ لیا ہو، یا افغانیوں اور عراقیوں پر اس نے کچھ مہربانی فرمادی ہو، یا مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ کہنا بند کر دیا ہو، یا علماء وطلباء کو معصوم قرار دے دیا ہو، ایسا کچھ نہیں، وہ اپنی سابقہ روش پر حسب دستور ہے، پھر اچانک یہ کیا ہوا پلٹی! موسم کیونکر بدلا۔ اس کو اتنی گنجائش کیسے مل گئی کہ اس کے فرستادے، اس کے قاصد علماء کے بیچ مدارس کے صحن ودفتر میں کھڑے بیٹھے نظر آرہے ہیں، ان سے باتیں کی جارہی ہیں، ان کا پیغام سنا جارہا ہے، بعض انکار کر رہے ہیں، بعض ان کا پیغام قبول کرنے اور امریکہ جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

یا للعجب !یا ویلا ہ ! واأسفاہ !

ایک مرکزی درسگاہ میں امریکی سفیر پہونچا، اپنی دعوت پیش کی، درسگاہ کے ذمہ داروں نے دعوت نہیں قبول کی، کرنے والوں نے ان پر اعتراض کیا، کہ امریکی سفیر وہاں کیوں پہونچا؟ ذمہ داروں نے جواب دیا کہ ہمارا دروازہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے، آنے کو ہم روک نہیں سکتے، یہ جواب دے کر وہ مطمئن ہو گئے کہ اعتراض ختم ہو گیا، حالانکہ ایسا ہوا نہیں، آپ کا دروازہ ان دشمنوں کے لئے کیوں کھلا ہوا ہے، جو آپ کے دین کو، آپ کی پوری ملت کو تباہ کئے جارہے ہیں۔ آپ کے اندر ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے، تو کم سے کم اظہارِ نفرت کرتے ہوئے ان کے لئے اپنا دروازہ تو بند کر سکتے ہیں، آپ کی غیرت کو کیا ہوا، کہ ایسا خونخوار دشمن جس کے ہاتھ آپ ہی کی ملت کے خون سے رنگین ہیں آپ کے گھر آئے، اور دروازہ کھول کر آپ اس کا استقبال کریں اور اس کے اسی خونیں اور نجس ہاتھوں سے آپ مصافحہ کریں۔

پھر ان لوگوں کی غیرت وحمیت کو کیا کہا جائے، جو امریکہ کے دسترخوان پر جاپہونچے اور اس خوانِ یغما سے آسودہ ہوکر لوٹے، **ایں چہ بو العجبی ست**، رویہ کی اتنی جلد تبدیلی اور اتنی بڑی تبدیلی حیرت در حیرت ہے۔

قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا ہے، جس کے بارے میں ارشاد ہے کہ **آتیناہ آیاتنا**، اس کو ہم نے اپنی آیات سے نوازا تھا، لیکن اس نے اس عظیم نعمت کی قدر نہیں کی، اس نے اللہ کی آیات کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا، اور ان کے آثار وثمرات اور ان کے برکات وحسنات سے خود کو باہر نکال لیا، جب وہ آیات کے حصار سے نکل گیا تو ظاہر ہے کہ شیطان کا لقمۂ تر بننے میں اسے دیر نہیں لگے گی۔ چنانچہ شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، حالانکہ اس علم اور ان آیات کا مرتبۂ ومقام وہ تھا کہ ان کی وجہ سے اس کو اللہ ہی جانتا ہے کتنی رفعت حاصل ہوتی، مگر وہ ظالم دنیا اور متاعِ دنیا، اور فانی لذتوں کی تلاش میں کھوگیا، اور اس کی خواہشات اس کے لئے قبلۂ مقصود بن گئیں، تو اس کی مثال کتے جیسی ہے، کہ وہ زبان نکال کر ہانپتا ہے، ذلیل وخوار ہوتا ہے، بے سبب بھی مشقت اور تکلیف میں رہتا ہے۔

اندازہ کیجئے، وہ کون سی چیز تھی، جس نے ایک ایسے صاحب علم اور صاحب آیات کو جس کے صاحب علم وآیات ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، کتے کے درجے میں اُتار دیا، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ متاعِ دنیوی اور لذاتِ فانیہ کی حرص اور اس کی نفس پروری تھی، وہ ظالم تو اپنی صفت مذمومہ میں آخری حد تک چلا گیا، کہ ایمان بھی اس کا بالکلیہ غارت ہوگیا۔ لیکن جو جس حد تک اس حرص اور نفس پروری میں ملوث ہوگا۔ اس حد تک اس کے ایمان کا چراغ مدھم ہوگا۔ اور کیا عجب کہ مدھم ہوتے ہوتے بجھ جائے۔

بہت ڈرنے کا مقام ہے، علم دین کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا تھا، مگر مال ودولت کی حرص نے اس عظیم نعمت کی برکات سے محروم کردیا۔

علماء واصحابِ مدارس وخوانق کا اصحاب ثروت کی ثروت اور امراء وحکام کی دولت

اوران کے مادی وسائل پر للچائی نگاہیں ڈالنا، دنیا وآخرت کا عظیم ترین خسارہ ہے، علماء، انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء کی وراثت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوموں سے برملا فرمادیا:

لا أسالكم عليه أجراً إن أجري إلا على الله

میں تم سے اپنے دین اور تبلیغ دین پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تو اللہ پر ہے،

اللہ کے علاوہ انھوں نے کسی سے کوئی نفع نہیں چاہا۔ تو کیا وہ محروم ہوگئے؟ یہی وراثت اگر علماء بھی مضبوطی سے تھام لیں، تو کیا وہ محروم رہ جائیں۔ کلا دنیا والوں کے پاس دنیا کے علاوہ کیا ملے گا۔ پھر دنیا حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس جانا، اپنے دین وایمان اور غیرت وآبرو کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ قرآن میں جس عالم کا ذکر کیا گیا ہے، وہ مال کی لالچ میں پھنس گیا تھا، اور عبرت کا تماشا بن گیا۔ عالم وہی ہے بلکہ مومن وہی ہے، جو اس بدحالی سے سبق لے۔

لوگ امراء وحکام کے پاس جاتے ہیں، شاید کچھ دولت حاصل ہوجاتی ہو، مگر دین تو برباد ہوکر رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک دنیادار پیر سے اس کا ایک مالدار مرید اپنا خواب بیان کررہا تھا کہ آپ کے ہاتھ سے شہد ٹپک رہا ہے اور میرا ہاتھ پاخانہ میں ملوث ہے، پیر صاحب نے فرمایا کہ اور کیا؟ تم نے اپنی اور میری حالت خواب میں دیکھی، مرید کہتا ہے ابھی خواب پورا نہیں ہوا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ میں آپ کا ہاتھ چاٹ رہا ہوں، اور آپ میرا ہاتھ!

دنیادار امراء واصحاب ثروت کے دربار میں حاضری دینے والوں کی یہی مثال ہے، کاش کہ اصحاب علم، علم اور دین کے مرتبہ اور مقام کو پہچانتے، اوراس کے تقاضوں پر عمل کرتے، تو اللہ کی رحمتیں ان پر اترتیں۔

(جنوری، فروری ۲۰۰۵ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کے معاشرہ میں اخلاق کی حالتِ زار

یہ خاکسار راقم الحروف پچھلے دنوں گورکھپور کے قصبہ بڑھل گنج سے شہر غازی پور جارہا تھا، دوہری گھاٹ میں چند پولیس والوں نے گاڑی رُکوائی اور ایک کانسٹبل کو اس پر بیٹھا دیا کہ انھیں مئوشہر میں اتار دیجئے گا، گاڑی چل پڑی، میں نے کانسٹبل سے اس کے تعارف کے متعلق پوچھا، وہ اپنا نام ونسب اور وطن بتاتا رہا، اسے جب بولنے کی گنجائش ملی تو دیر تک بولتا رہا، وہ کہہ رہا تھا کہ میں ڈیوٹی کے لئے مختلف جگہوں میں جاتا رہتا ہوں، لیکن مسلمانوں کی فلاں فلاں آبادی میں جتنے جاہل لوگ ہیں اتنے جاہل میں نے کہیں نہیں پائے، میں یہ سن کر سناٹے میں آگیا، میں نے دل میں سوچا کہ جن جگہوں کا نام لے رہا ہے وہاں پڑھے لکھے لوگ بہت ہیں، مگر یہ پولیس ہے، اس کا سابقہ پڑھے لکھے لوگوں سے کیوں پڑنے لگا، اسے تو معاشرہ کے جاہل افراد ہی ملیں گے، مگر وہ جہالت کی جو باتیں ذکر کررہا تھا، اسے سن کر سر شرم کی وجہ سے جھک گیا، وہ جو کچھ کہہ رہا تھا بالکل سچ کہہ رہا تھا، انداز ذرا تیکھا اور کڑوا تھا، اور ایک پولیس والے سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

وہ کہہ رہا تھا اور اپنی مخصوص زبان میں کہہ رہا تھا، میں اس کا حاصل لکھ رہا ہوں کہ مسلمان نوجوانوں اور عام لوگوں کی خودسری اور آوارگی کا یہ عالم ہے کہ کسی بڑے کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، انھیں سمجھایا جاتا ہے، مگر ذرا بھی اثر نہیں لیتے، کتنے کام اس سرکشی کی وجہ سے بگڑ جاتے ہیں، بات ماننے کا جذبہ سرے سے ہے ہی نہیں، بے وجہ لوگوں کو چھیڑنا، مذاق اڑانا، تکلیف پہونچا کر خوش ہونا جیسے شیوہ بن چکا ہے۔

دوسرے یہ کہ ان نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ بات شروع کریں گے تو گالی سے

شروع کریں گے، فحش گالیاں، گندی گالیاں، جیسے یہ کوئی عیب نہیں ہے، پولیس والے خود سراپا گالیوں میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں، اسی لئے وہ بے تکلف گالی کے ان الفاظ کو نقل کررہا تھا، جن کو سننے کی تاب نہیں ہوئی۔

جو کچھ وہ بول رہا تھا، اس سے دل پر چوٹ لگ رہی تھی، میں خاموش ہوگیا، پھر وہ بھی خاموش ہوگیا، میں سوچتا رہا کہ وہ ذات اقدس جس کو اللہ تعالیٰ نے نمونہ اور معیار بنا کر بھیجا ہے، اور جن کی امت میں ہونے کی ہمیں سعادت حاصل ہے، اور جن کے نام کی بلندی سے ہمیں عزت وسربلندی حاصل ہوتی ہے، ان کے اخلاق کیا تھے؟ اور انھوں نے ہم کو کس اخلاق کی تلقین کی تھی؟ اور ہمارا معاشرہ کہاں چلا گیا کہ بدخلقی، بدتہذیبی، جہالت ہمارا نشان بنی ہوئی ہے۔ ایک غیر مسلم جو شاید اخلاق کے حروف سے بھی واقف نہ ہو، وہ اتنی جرأت کے ساتھ اخلاقی کمزوریوں کا تذکرہ کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سرورِ کائنات فداہ ابی وامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں شہادت دی ہے کہ **إنک لعلیٰ خلقٍ عظیم** آپ بلند ترین اخلاق پر فائز ہیں۔ آج ان کی امت کے نوجوانوں کو ایک غیر مسلم اور وہ بھی پولیس کا آدمی ذلیل ترین اخلاق پر بتا رہا ہے۔ **فوا أسفاہ**

رسول اللہ ﷺ نے امت کو کن بلندیوں پر پہونچایا تھا، اور اب امت کہاں پہونچی ہوئی ہے، ہمارے نوجونواں کو اس کا احساس نہیں ہے، وہ اپنے نفس کی خرمستیوں میں اس طرح گم ہیں کہ انھیں شاید اللہ ورسول کی یاد بھی نہیں آتی، گھروں میں تربیت کا فقدان ہے، میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، اور جانتا ہوں کہ جن لوگوں کے بارے میں لکھ رہا ہوں، ان کی نگاہیں شاید ان سطروں پر کبھی نہ پڑیں، کیونکہ ہمارے معاشرے میں ٹیلی ویژن نے پڑھنے لکھنے کی استعداد کھودی ہے، اس سے فرصت ملتی ہے، تو جن کھیل تماشوں، اور ایمان سوز حرکتوں کا اس میں ان نوجوانوں نے مشاہدہ کیا ہے، ان کی عملی مشق کرتے ہیں۔ انھیں نہ فرصت ہے اور نہ توفیق کہ ان خشک اور بے مزہ سطروں کو پڑھیں، یا ان کی طرف توجہ دیں۔

لیکن میں ایک آواز لگا رہا ہوں، جن لوگوں تک یہ حروف پہونچیں وہ اگر ماحول

ومعاشرے کے باثر اور ذمہ دار ہیں، تو خود کوشش کریں، اور اگر نہ ہوں تو با اثر لوگوں کو متوجہ کریں کہ امت کا یہ حال بہت ہی قابل غور ہے۔ اخلاق حسنہ کی تعلیم عام کرنی چاہئے، اور بڑے حضرات اخلاقِ نبوی کو اپنائیں، تلاش کرکر کے اپنائیں تا کہ یہ سرمایہ چھوٹوں تک منتقل ہو، خود پابند ہوں، اپنے ماتحتوں اور زیر سرپرستی نوجوانوں کو اس کا پابند بنائیں، جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته** تم میں سے ہر ایک ذمہ دار نگراں ہے، اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

میں ان لوگوں کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں، جن کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل یا دینی ودنیاوی کسی وجاہت سے نوازا ہے، وہ خود اسلامی اخلاق واعمال پر عمل پیرا ہوں، اور اپنے زیر نگرانی افراد کو اس کی تاکید کریں۔ امت میں اخلاقی کمزوریاں اس طرح سرایت کرگئی ہیں کہ پورا معاشرہ کھوکھلا ہوکر رہ گیا ہے۔

جھوٹ، بدعہدی، گالی گلوج، ایذا رسانی، دوسروں کا مال ہڑپ کرلینا، کسی کی تکلیف کی پروانہ کرنا، اپنے مفاد کے لئے پورے معاشرے اور ماحول کو فساد اور بگاڑ کی آگ میں جھونک دینا، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر معمولی معمولی باتوں پر مخالف کو قتل کردینا، جیل بھجوادینا، رشوتیں دے دیکر اپنے مخالف کو پولیس یا بدمعاشوں سے پٹوادینا، کیا اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخ رُو ہونے کے یہی اعمال واحوال ہیں؟ اور کیا دنیا میں پنپنے کے یہی انداز ہیں؟ اور کیا یہی اسلامی اخلاق ہیں؟

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ بداخلاقیوں اور خودغرضیوں کے ساتھ کوئی قوم پنپ نہیں سکتی بلکہ زندہ ہی نہیں رہ سکتی، سیاسی سازشوں اور ہتھکنڈوں نے طبیعتوں کو اس درجہ برباد کیا ہے کہ اخلاق کا تصور مشکل ہوگیا ہے۔

لیکن مسلمانوں کے پاس تو ایک عظیم الشان خزانہ ہے، قرآن ہے، حدیث ہے، صحابۂ کرام کی سیرتیں ہیں، علماء سلف کے احوال وواقعات ہیں، اخلاق پر بیش قیمت کتابیں ہیں، اور بحمد اللہ آج بھی عملی نمونے ہیں، مدارس ہیں، خانقاہیں ہیں، علماء ومشائخ ہیں، اگر

مسلمان چاہیں، اور ذرا توجہ کریں تو اخلاق درست کئے جاسکتے ہیں، لیکن پیاسا خود نہ چاہے تو دریا کے کنارے رہ کر بھی پیاس سے مرسکتا ہے۔

اہل ایمان کا دامن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بندھا ہوا ہے، یہ امت اگر ان کے طریقے اور ان کی سیرت سے انحراف کرے گی، تو دنیا میں بھی ذلت سے دوچار ہوگی، اور آخرت میں بھی اپنی شناخت کھو کر محروم ہوگی۔

معاشرہ کا ہر فرد ذمہ دار ہے کہ وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی فلاح کی فکر کرے، اخلاق کا بگاڑ گھر سے شروع ہوتا ہے، پھر غلط صحبتیں انھیں برباد کر کے رکھ دیتی ہیں، خاندان اور گھر کے بڑوں کو بچوں کے لئے نیک صحبتوں کا اہتمام کرنا چاہئے، اچھے لوگوں، نیک اور بزرگ حضرات کی خدمت میں بچوں کو نوجوانوں کا پہونچائیں، نیکی اور اخلاق کی اہمیت سے انھیں واقف کرائیں، اور ان حضرات کی خدمت کے آداب سکھائیں۔

اگر دولت، دولت کی منڈیوں میں اور دولت مندوں کے پاس ملتی ہے، تو اخلاق بھی دینداروں، متقیوں اور بزرگوں کے پاس ہی ملے گا، ان سے کٹ کر، ان سے دور رہ کر، ان سے بدگمان ہوکر، ان کی بے ادبی کر کے سوائے خرابی اور فسادِ اخلاق کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنی عبادت سے قرب خداوندی کی جن بلندیوں تک پہونچ سکتا ہے، اخلاق حسنہ کے ذریعے سے بھی ان بلندیوں تک رسائی ہوسکتی ہے، اور معاشرہ تو بنتا ہی ہے اخلاق حسنہ سے! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔ مسلمان تو وہی ہے، جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ و مامون رہیں۔ اور فرمایا: وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَہٗ۔ مومن وہ ہے جس کی ایذارسانیوں سے لوگ مامون رہیں، اور آپ نے ارشاد فرمایا: لَایُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔ کوئی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا، جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی بات نہ پسند کرنے لگے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

غور کیجیے، کون پسند کرے گا کہ اس کو گالی دی جائے، اسے ستایا جائے، اس کا مال ہڑپ لیا جائے، قرض مانگے تو نہ دیا جائے، یا قرض دے تو اسے واپس نہ کیا جائے، کون پسند کرے گا کہ اس کا پڑوسی اس سے جھگڑا کرے، اس کا بیٹا اس کی نافرمانی کرے، اس کا باپ اسے گھر سے نکال دے؟ کون پسند کرے گا کہ اس کی اولاد کے ساتھ کوئی بدسلوکی کرے، اس کے گھر والوں کے ساتھ بدتمیزی کرے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی اسے پسند نہیں کرسکتا، شروع کی سطروں میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ پولیس والا گالی دینے والوں سے نفرت کا اظہار کرتا ہے، حالانکہ وہ خود گلے گلے تک گالی میں ڈوبا ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ان بداخلاقیوں اور بد اعمالیوں کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا، تو اے ایمان والو! ایمان کا لحاظ کرو، اور اے عقل والو! عقل کے ناخن لو! جو بات تمہیں پسند نہیں ہے، اسے دوسروں کے حق میں بھی پسند نہ کرو۔

دوسروں کی عیب جوئی سے پہلے اپنے عیبوں کو تلاش کرو، انھیں دور کرو، اپنے آپ دور کرنا مشکل ہے، تو اس کے لئے حکمائے قلوب یعنی بزرگانِ دین اور مشائخ سے رابطہ رکھو، ان کے سامنے اپنی بیماریاں رکھ کر ان سے علاج کراؤ، یا انھیں دیکھ دیکھ کر، ان سے سن سن کر اصلاح اخلاق کا اہتمام کرو۔ تاکہ دنیا بھی سنورے، اور آخرت کا دائمی امن وسکون حاصل ہو، اللہ راضی ہوں، اللہ کے بندے بھی راضی ہوں۔

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعتذار

کئی ماہ کے ناغے کے بعد ماہنامہ ضیاء الاسلام کا مارچ ۲۰۰۶ء کا شمارہ قارئین کی خدمت میں ہم لے کر حاضر ہو رہے ہیں۔ شرمندگی کے ساتھ، معذرت کے ساتھ، معذرت پر بھی شرمندگی ہو رہی ہے، ماہانہ رسالہ اگر وقت پر ممبروں کے ہاتھ نہ پہونچے تو انھیں کوفت ہوتی ہے، بددلی پیدا ہوتی ہے، یہ خیال گزرتا ہے کہ انتظامیہ کو یا تو انتظام کا سلیقہ نہیں، یا وہ دیانت دار نہیں!

بلا شبہ جن حضرات نے پیشگی رقم رسالے کے لئے جمع کی ہے، انھیں ایسا سوچنے کا حق ہے، لیکن ہم قارئین کی خدمت میں عرض گزار ہیں کہ:

(۱) ادارے نے اپنی جیسی پوری کوشش کی کہ وقت مقرر پر رسالہ پریس سے آجائے، اور ٹھیک وقت پر ڈاک کے حوالے ہو جائے، اس سلسلے میں ہم پریس کے ممنون کرم ہیں کہ اس کے ذمہ داروں نے ہمارے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا، وقت پر رسالہ چھاپا، نقد رقم ہم نہ دے سکے تو اسے خوشی سے گوارا کیا۔ پریس کی اسی مہربانی اور تعاون کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم اتنے وقت تک رسالہ کو چھاپ کر قارئین کے ہاتھوں پہونچاتے رہے، لیکن یہ گرانباری بڑھتی رہی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ قرض کی گنتی ایک لاکھ سے آگے بڑھ گئی۔ اب ادارے کو شرمندگی لاحق ہوئی، ہچکچاہٹ ہونے لگی کہ اس قرض کو کب تک بڑھنے دیا جائے گا۔ ہاتھ کو دیکھا تو خالی تھا، خریدار حضرات کا رجسٹر دیکھا گیا، پچھلے دنوں کے بقایا کا حساب لگایا گیا تو حضراتِ خریداران کے ذمے اتنی رقم باقی نکلی کہ اگر وہ سب رقم مل جائے تو قرض کا بار یکلخت اتر جائے، مگر وہ رقم ملے تو کیونکر ملے، مختلف وقفوں میں درخواست کی گئی، ایک مرتبہ منی آرڈر فارم اور خطوط بھیجے گئے، لیکن تجربہ کار حضرات مشورہ دیتے رہے کہ ادارہ کی طرف سے آدمی

بھیجا جائے، مگر ہمیں مجبوری رہی کہ اس کا خاطر خواہ انتظام نہ کرسکے، کبھی انتظام ہوا تو ادھورا اور ناتمام! نتیجہ یہ ہوا کہ قرض جوں کا توں باقی رہا، کچھ رقم ہاتھ آئی، اور پریس پہونچایا، تو قرض میں جو کچھ کمی آئی، اگلے پرچے کی اشاعت نے پھر وہیں تک پہونچادیا۔ یہی چکر چلتا رہا، یہاں تک کہ دسمبر ۲۰۰۵ء میں بندہ سفرِ حج کی سعادت حاصل ہوئی، اور فروری میں واپسی ہوئی، بڑی مشکل سے نومبر دسمبر کا شمارہ مشترک نکلا تھا، واپسی کے بعد جنوری فروری کا شمارہ شائع کیا گیا، اس کے بعد سے ارادے پر ارادے ہوتے رہے، مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کہ قرض کی گرانباری مزید بڑھائی جائے۔ اشاعت کا سلسلہ رک سا گیا، دلوں میں وسوسے آنے لگے کہ رسالہ کو باقی رکھا جائے یا بند کردیا جائے۔ باقی رکھنے کی جو دشواری ہے وہ سامنے ہے، بند کرنے میں یہ دقت تھی کہ جہاں بیشتر حضرات کے ذمے رقمیں باقی ہیں وہیں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جن کی رقمیں پیشگی موصول ہوچکی ہیں، ان کو اطلاع دینی، پھر ان کی رقموں کی واپسی ایک دردسر تھا، پھر بہت سے بزرگوں نے تاکید کی کہ رسالہ جاری رکھا جائے، اس راہ سے خدمت دین کا سلسلہ بند نہ کیا جائے۔ فتنوں کے دور میں علومِ صحیحہ اور مضامین حقہ کی اشاعت اللہ کے نزدیک ان شاء اللہ بڑے اجر وثواب کی چیز ہے، اور رسالہ جب شروع کیا گیا تھا، اس وقت یہی جذبہ تھا کہ علوم دین کی صحیح تبلیغ کی جائے، اس راہ میں دقتیں آئیں گی، انھیں جھیل لیا جائے گا، مگر شدید مالی تنگی نے ارادہ کو ہرادیا۔ ہر وقت اس تنگی کی دُہائی دیتے رہنا طبیعت پر گراں بھی ہے، اور قارئین کی ناگواری کا اندیشہ بھی لگا رہتا ہے، تو اربابِ انتظام کشمکش کا شکار ہوئے کہ کریں تو کیا کریں؟

پھر غور وفکر کے بعد اور تمام احوال کو پیش نظر رکھنے کے بعد فیصلہ یہی ہوا کہ انتظام میں تھوڑی وسعت دی جائے، حالانکہ اس میں ہمارے لئے دشواری ہے، تاہم اس دشواری کو جھیلا جائے، اور رسالہ کی اشاعت باقی رکھی جائے۔ اللہ سے دعا کی جائے کہ غیبی نصرت شامل حال رہے۔

اس فیصلے کے بعد کئی ماہ کے وقفے کے بعد یہ شمارہ نکالا جارہا ہے، اگرچہ خلا خاصا لمبا

ہے، لیکن ترتیب کو بدلا نہیں گیا، جنوری فروری کا شمارہ نکل چکا ہے، اس ترتیب کے لحاظ سے یہ مارچ کا شمارہ ہے، اس شمارے کی اشاعت کے بعد ادارے کی طرف سے ایک صاحب بھیجے جائیں گے، جن کے پاس بقایا کے پچھلے حسابات ہوں گے، آپ حضرات سے گزارش ہے کہ پچھلا حساب بیباق کر دیں اور سال رواں کا بھی سالانہ زرِ خریداری جمع کر دیں۔

اپنے معاونین سے ایک درخواست اور بھی ہے کہ بعض حضرات کی خدمت میں ڈاک کی خرابی کی وجہ سے کبھی کبھی رسالہ نہیں پہونچتا۔ اس میں ادارے کی کوتاہی نہیں ہوتی، ادارہ نے تو یہ انتظام کیا ہے کہ بجائے مقامی چھوٹے ڈاک خانے کے جو بلریا گنج میں ہے، جس کو اتنے رسالوں کو بیک وقت بھیجنے کا تحمل نہیں ہوتا، مرکزی ڈاک خانہ سے بھیجا جائے، جو اعظم گڈھ شہر میں ہے، اس میں بعض اہل تعلق بھی ہیں جو بہت اہتمام اور خلوص سے پرچے کی ترسیل کا انتظام کرتے ہیں، اس لئے ہمیں اطمینان ہے کہ رسالہ پورے احتیاط سے روانہ کیا جاتا ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارا یہ محکمہ اتنا نیک بخت ہے کہ کبھی کبھی ایک خط سال سال بھر بعد پہونچاتا ہے، اور اکثر تو اس کی زحمت ہی نہیں کرتا، فون کے عموم وشیوع نے اس کی کارکردگی کو اور بھی ناکارہ بنا دیا ہے۔

تو قصور ڈاک کے محکمہ کا ہوتا ہے، اور کچھ حضرات غصہ ادارے پر اتارتے ہیں، چلئے یہ بھی گوارا! مگر وقت پر اطلاع ہو جائے، تو رسالہ دوبارہ روانہ کر دیا جائے، لیکن ہمیں اطلاع ہوتی ہے، تو بصورت غصہ! اور صاحب معاملہ کو یہ یاد نہیں رہتا کہ کس کس ماہ کا نہیں ملا ہے، پوچھنے پر فرما دیتے ہیں کہ دیکھ کر بتائیں گے، اور پھر بسا اوقات دیکھنے کی نوبت نہیں آتی اور دوبارہ ہم انکے غصے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

تو معاونین سے درخواست یہ ہے کہ ان معاملات پر ناراض ہو کر رقم دینے سے انکار کے بجائے خدمت دین کے تعاون کے جذبہ سے رقم دیدیں۔ شکایتوں کی تلافی کرنے کیلئے ہم بقدر امکان حاضر ہیں، اور جو بھی شکایت ہو اسے تحریری طور پر تفصیل کے ساتھ دیں، یا ہمارا آدمی جو آپ کے پاس پہونچے گا، اس سے اپنے سامنے لکھوا دیں۔ (مارچ ۲۰۰۶ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کسی بزرگ کا قول ہے، عرفت ربی بفسخ العزائم، عزیمتیں ٹوٹتی رہیں، ارادے شکست وریخت ہوتے رہے، اس سے میں نے اپنے مالک وپروردگار کو پہچانا۔ انسان خواہ کتنا ہی عزم محکم کرے، کتنے ہی پختہ اسباب جمع کرلے، لیکن اگر رب العالمین کو منظور نہیں تو سارا عزم منہدم، سارے اسباب چکنا چور!

ناظرین کرام! انسان ضعیف البنیان نے بہت چاہا، تدبیریں کیں کہ رسالہ ضیاء الاسلام کی گاڑی لائن پر آجائے، مگر اس کے لائن پر آنے کی شرط تھی کہ اہل تعاون کے ہاتھ بڑھیں، اور قرض کا جو بوجھ اس پر لد گیا ہے، اسے اتاریں، لیکن وہ نہیں ہوسکا، اس لئے چل چل کر یہ گاڑی رکتی رہی، الحمد للہ کہ اس کے قدرداں بہت ہیں، انھوں نے مفید مشورے دئے، مگر ہم اپنی کوتاہ دامانی کی وجہ سے ان مفید مشوروں پر عمل نہ کرسکے۔ مشورہ یہ تھا کہ خریداروں کی خدمت میں آدمی بھیجا جائے، اور وہ فرداً فرداً سب سے بقایا کہ رقم وصول کرے، اس میں قدرے پیش رفت ہوئی، اور اس کے نتائج بھی بحمد اللہ اچھے نکلے مگر پورے طور پر عمل نہ ہوسکا۔ بہرحال جو کچھ عمل ہوسکا اس کے نتیجے میں تین چار ماہ کے رسالے ہم قارئین کے ہاتھوں تک پہونچا سکے، مگر قرض جوں کا توں رہا۔ اب ادارے نے ایک انہونا فیصلہ کیا ہے، اور زبانی اس کی اطلاع اس خاکسار نے اپنے دوستوں کو کر بھی دی ہے، اور انھوں نے خوشی سے اسے منظور بھی کرلیا ہے، وہ یہ کہ ۲۰۰۶ء کے تین پرچے شائع ہوئے ہیں، اور ماہانہ رسالہ کی ترتیب بگڑی اور بگڑتی چلی گئی ہے۔ اب دسمبر تک کوئی پرچہ شائع نہیں ہوسکا ہے، تو ۲۰۰۶ء کو اتنے ہی رسالوں پر موقوف کردیا جائے، اور جن حضرات نے ۲۰۰۶ء کی پوری رقم عنایت فرمادی ہے...... اور ایسے لوگ شاید سو [۱۰۰] سے زیادہ نہیں ہیں...... ان کی خدمت میں معذرت کرلی جائے کہ تین پرچوں سے زائد رقم کو رسالہ کیلئے "تعاون محض" بنا کر ادارے کو اس سے بری کردیں، اور ۲۰۰۷ء کا سالانہ بدل اشتراک عنایت فرماویں۔ میرا سفر بہار دربھنگہ ومدھوبنی کا ہوا تھا، وہاں کے احباب سے میں نے اس کا ذکر کیا

،تو سب نے نہ صرف بشاشت سے اسے قبول کیا، بلکہ جن دوستوں نے اب تک ۲۰۰۶ء کی رقم نہیں دی تھی، انھوں نے وہ بھی دی، اور ۲۰۰۷ء کی رقم بھی عنایت فرمائی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ۲۰۰۶ء کو تین پرچوں کی ناتمام جلد پر مکمل کر دیا گیا ہے، اور زیرِ نظر شمارہ سے ۲۰۰۷ء کی جلد شروع ہو رہی ہے۔ کوئی دعویٰ نہیں ہے، لیکن کوشش ہے کہ اب سے شمارے بالترتیب پابندئ وقت سے شائع ہوں۔

تاہم دو باتیں ملحوظِ خاطر رہیں۔

(۱) ترتیب اور پابندی کے باقی رکھنے کے لئے ہمیں اپنے دوستوں کے تعاون کی شدید ضرورت ہے۔ اس کے لئے کرنا یہ ہے کہ ۲۰۰۷ء کا چندہ پورے اہتمام سے ادا کریں، اور اس کا حلقہ بڑھانے کی جدوجہد کریں، اس مقصد سے ادارے کی طرف سے ایک صاحب ان شاء اللہ بھیجے جائیں گے۔ ان کا ہمارے احباب ساتھ دیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ رسالے پر قرض اور خسارے کا جو بوجھ تھا، وہ قدرے تخفیف کے ساتھ اب بھی باقی ہے، جن کے ذمے پچھلا بقایا ہے، وہ خوش دلی سے ادا کر دیں، اس کے ساتھ احباب وسعت کچھ اور بڑھ کر بہ نیت اداءِ قرض مزید حصہ لے لیں تو یکلخت یہ بوجھ اتر جائے۔

یہ اتنی لمبی چوڑی عبارت اس لئے لکھنی پڑی کہ دل بار بار اس وسوسے میں مبتلا ہوا کہ پرچہ ہی بند کر دیا جائے، اور اپنے خاص احباب کی مدد سے قرض کی کھڈ پاٹ دی جائے، یہ کام ہے تو مشکل! مگر آگے گرانباری تو نہ آئے گی، مگر جب بھی اس کا تذکرہ کسی سے کیا، بشدت انکار ہوا۔

پرچہ نکلنا چاہئے، قرض ادا ہوتا رہے گا، بالآخر وسوسہ اُڑ گیا، اور عزم یہی رہا کہ پرچہ نکالا جاتا رہے۔ پس فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ کے ارشادِ خداوندی کے مطابق مذکورہ بالا صورت اختیار کی گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے قارئین اس صورتحال کو گوارا بھی کریں گے اور مزید تعاون سے نوازیں گے۔ واللہ ولی التوفیق

(جنوری، فروری ۲۰۰۷ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

علماء نے اور دینی مدارس کے ذمہ داروں نے مغرب کی اور انگریزی کالجوں کی نقالی میں بہت سی ایسی چیزیں اختیار کرلی ہیں جو اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں، ان پر تنبیہ کی گئی ہے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل فرمایا ہے: **لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً شبراً وذراعاً بذراعٍ حتیٰ لو دخلوا جحر ضبٍ تبعتموھم**، (بخاری شریف: **کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة**)

تم لوگ اگلے لوگوں کی پیروی بالشت بالشت اور گز گز بھر کروگے، حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کی بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ایسا کروگے۔

اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ کیا یہود ونصاریٰ کی پیروی؟ آپ نے فرمایا کہ اور کس کی؟

یہ روایت مسلم شریف میں بھی ہے، اور اسے امام حاکم نے بھی نقل کیا ہے، حاکم کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ **حتیٰ لو أن أحدھم جامع إمرأته بالطریق لفعلتموه**، اور یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے برسرراہ اپنی بیوی سے جماع کیا ہوگا، تو تم بھی ایسا کروگے۔ حاکم کی روایت میں **لتتبعن** کے بجائے **لترکبن** ہے، یعنی تم اگلے لوگوں کی راہ پر ضرور سوار ہوگے۔

اس کی تشریح میں علامہ عبدالرؤوف المناوی فیض القدیر ج:۵، ص:۲۶۱ میں لکھتے ہیں کہ: بالشت کے برابر اور ہاتھ کے برابر پیروی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے

بہت سے افراد اگلے لوگوں یعنی یہود ونصاریٰ اور آتش پرستوں کی تقلید وپیروی کے بہت زیادہ حریص ہوں گے، اور یہ تقلید واتباع گناہوں اور شریعت کی خلاف ورزی کے باب میں ہوگی، کفر کے متعلق نہیں۔

حدیث کے یہ الفاظ بظاہر خبر ہیں، لیکن مقصود اس سے اتباع اور تقلید سے ممانعت ہے، درحقیقت اس امت کو حکم دیا گیا ہے وہ یہود ونصاریٰ کی تقلید نہ کریں، نہ دین اسلام کے علاوہ کسی اور طریقے کی طرف التفات کریں، کیونکہ نورِ اسلام کے سامنے تمام انوار ماند پڑ چکے ہیں، اور شریعت اسلامی نے دوسری شریعتوں کو منسوخ کردیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی درحقیقت آپ کا معجزہ ہے، چنانچہ یہی ہوا کہ آپ کی امت میں بہتیرے لوگوں نے مجوسیوں کا نقش قدم اختیار کیا، ان کی جیسی شکلیں بنائیں، ان کے لباس اختیار کئے، ان کی جیسی سواریاں پسند کیں، جنگوں وغیرہ میں ان کے مخصوص طریقے اختیار کئے، اور بہتوں نے یہود ونصاریٰ کی تقلید میں مسجدوں کو خوب مزین کیا، قبروں کی تعظیم میں اتنا غلو کیا کہ عوام تو قبروں کے پجاری ہی بن گئے، سنیچر کے دن مریض کی عیادت نہیں کرتے، نوچندی جمعرات کو خوشیاں مناتے ہیں، وغیرہ۔

حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: ابن بطال نے فرمایا کہ آپ کی امت نئی نئی باتوں اور بدعتوں اور اپنی ذاتی خواہشات ونظریات پر چل پڑے گی، جیسا کہ اگلی امتیں بھی اس حادثہ سے دوچار ہوئی تھیں، اور بہت سی احادیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ دورِ آخر شر ہوگا، اور قیامت اشرار ہی پر قائم ہوگی، اور دین تو بس خاص خاص لوگوں میں باقی رہ جائے گا'' حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جن باتوں پر رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی تھی وہ اکثر ظاہر ہو چکی ہیں، اور بقیہ بھی ظاہر ہو کر رہیں گی۔

یہ بات حافظ ابن حجر آج سے ساڑھے پانچ سو برس پہلے کہہ رہے ہیں، آج ہوتے اور ہم مسلمانوں کے احوال دیکھتے تو معلوم نہیں کیا کہتے، اب تو دوڑ لگی ہوئی ہے کہ کون کتنا بڑھ کر یہود ونصاریٰ کا طریقہ اختیار کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ علم بھی وہی ہے جو یہود ونصاریٰ

کے دربار سے آئے، اسی کو پڑھ کر آدمی تعلیم یافتہ ہوتا ہے، دانشور ہوتا ہے، روشن خیال ہوتا ہے، محض قرآن وحدیث پڑھا تو کچھ نہیں جب تک وہ علم نہ پڑھے جس پر یہود ونصاریٰ یعنی انگریزوں کی مہر توثیق لگی ہو، اگر ہمارے مدارس میں صرف قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم ہوتی ہے، تو یہ ان مدارس کا نقص ہے، ان میں انگریزوں کی ہنرمندیاں ضرور شامل نصاب ہونی چاہئیں، ورنہ نصاب بیکار ہے، یہ مدارس آثارِ قدیمہ ہیں، ایسی مرعوبیت ومغلوبیت کہ روشنی صرف وہی ہے جو یورپ سے آئے، تنہا اسلام کی روشنی گھپ اندھیاری ہے، یہ بات عوام کہیں تو کہیں، انھیں تو کچھ معلوم نہیں، یہ بات اب وہ لوگ کہتے ہیں، جو اپنے کو علماء کی صف میں شامل کرتے ہیں، اپنے کو دین کا ترجمان سمجھتے ہیں، خود کو اسلام کا مفکر قرار دیتے ہیں، وہ بھی یہود ونصاریٰ ہی کے دامن میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے دنیا کو دین کے لئے برتا تھا، جدید نسل کے بزرگ دین کو دنیا کے لئے برتنا چاہتے ہیں، اور یہ یہودیوں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے، یہ لوگ دین کا نام ضرور لیتے ہیں، بلکہ دنیا پر دین کا رنگ وروغن چڑھا کر دنیا کو فریب دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پرانے طرز کے مدارس کی وجہ سے اب بھی جو بہت سے پختہ دینداروں پر دین کا اثر راسخ ہے، اسے چھڑا کر دنیا کا رنگ چڑھا دیا جائے۔ آج نصاب بدلنے کی اسکیمیں ہیں، اس میں کامیابی مل جائے گی تو تہذیب وتمدن میں خود بخود تبدیلی آجائے گی، آج مولویوں میں جو مسلمانوں کی شکل وصورت پائی جارہی ہے، کل کو صورت نہیں پہچانی جائے گی، نہ داڑھی سے، نہ لباس سے، نہ وضع قطع سے، یہ چیزیں رخصت ہوجائیں گی، تو پھر نمازوں کو کون پوچھے گا، قرآن سے کیا مطلب ہوگا، حدیث کے مطالعہ کی دردسری کون مول لے گا۔

اور یہ آثار ان حلقوں میں نمایاں ہوچکے ہیں اور ہوتے جارہے ہیں جن حلقوں نے دینی تعلیم کے دائرے میں دنیاوی تعلیم کو داخل کر رکھا ہے، آنکھیں کھلی ہوں تو سب کچھ نظر آرہا ہے۔

اب محض دین کی تعلیم جو خالص دینی علوم پر مشتمل ہو، اجنبی معلوم ہوتی ہے، کچھ

لوگ اس اجنبیت کو دور کرنے کے لئے دنیاوی علوم کو دنیاوی علوم ہی کی حیثیت میں لانا چاہتے ہیں، تاکہ دین کے حاملین دنیا میں اجنبی نہ رہیں، اور بعض لوگ تو اس سے بڑھ کر یہ ستم کرتے ہیں کہ تحریف کر کے دنیاوی علوم کو دینی علم قرار دیتے ہیں، اور دینی علم کی حیثیت سے دنیاوی علوم کو نصابِ تعلیم میں داخل کر کے دین ہی کی اجنبیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

حالانکہ حدیث کے مطابق دورِ آخر میں دین اور دینداروں کو اجنبی ہونا اور رہنا ہی مبارک ہے، چنانچہ مسلم شریف کتاب الایمان میں **باب بیان أن الاسلام بدأ غریباً وسیعود غریباً** کے تحت سیّدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درج کیا گیا ہے کہ **بدأ الاسلام غریباً وسیعود غریباً کما بدأ غریباً فطوبیٰ للغرباء**۔ اسلام اپنی ابتداء میں اجنبی تھا، اور جیسا ابتدا میں تھا بعد میں بھی اجنبی بن جائے گا، پس ان اجنبیوں کے لئے بشارت ہے۔

امام نووی شارح مسلم علیہ الرحمہ نے قاضی عیاض کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسلام کا جب آغاز ہوا تھا، تو محض چند افراد اس کے ماننے والے تھے (جو زمانے کے رنگ ڈھنگ سے الگ تھے) پھر اس کے عروج وترقی کا دور آیا، اور عام طور پر لوگ اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے اور دین اسلام کا غلبہ ہو گیا (اب اس کی اجنبیت جاتی رہی) پھر آہستہ آہستہ اس میں گھٹاؤ آتا رہے گا، یہاں تک کہ دین اپنی پوری شکل وصورت میں کچھ ہی لوگوں میں رہ جائے گا، جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ "**الغرباء**" کون ہیں؟ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اس کا مصداق سنئے! یہ روایت مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یہ غرباء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا **النزاع من القبائل**، یعنی قبیلے کے وہ افراد جو قبیلے اور خاندان سے الگ ہو کر دور ہو گئے ہوں یعنی انھیں اپنے خاندان اور قبیلے کے طور طریقے سے مناسبت نہیں رہی، اس لئے ان سے الگ تھلگ اجنبی بن جاتے ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اجنبی بن کر خاندان سے دور ہو جاتے ہوں۔

آج کے ماحول میں دین اور دین کی تعلیم پر پختگی کے ساتھ عمل کرنے والے، دینی مدارس اور ان کے خالص دینی ماحول، زمانہ کے احوال اور رنگ وروپ سے الگ اجنبی بن چکے ہیں، ان کے لئے یہ اجنبیت ہی بجا ہے، اسی پر وہ بشارت کے مستحق ہورہے ہیں، یہ اجنبیت ختم کردی جائے اور دنیاداروں کے حلقے میں انھیں کے دستور اور طریقے کے مطابق ضم ہوجائیں تو دین کہاں باقی رہا، اس لئے جن کو مدارس اور ان کی خالص دینی تعلیم، ان کے اساتذۂ وطلبہ کی ہیئت اجنبی معلوم ہوتی ہے، تو انھیں اجنبی ہی رہنے دیں، وہ اللہ اور رسول کو محبوب ہیں، چاہے دنیا والوں کو ناپسند ہوں، ان کو دنیا والوں سے کیا لینا دینا ہے۔

☆☆☆☆☆

غیروں کی نقالی

یہود ونصاریٰ کی نقالی اور ان سے مرعوبیت کا یہ رنگ تو علم کے باب میں ہے، اس میں مزید اور بھی تفصیلات ہیں، لیکن اس کے لئے ہمیں عالم اسلام سعودی عرب، مصر، شام اور خلیجی ممالک اور ان کے تعلق سے امریکہ، یورپ اور اسرائیل کے تعلیمی احوال ونظریات کا جائزہ لینا ہوگا۔ یہ ایک دردناک جائزہ ہوگا، اور بہت تفصیل چاہتا ہے جس کی گنجائش اس مختصر اداریئے میں نہیں ہے، اس لئے ہم نے صرف ہندوستان کے مدارس اسلامی تک محدود رہ کر گفتگو کی ہے، علم اور تعلیم میں تو آپ یہود ونصاریٰ کی نقالی ملاحظہ فرماچکے۔ اب عمل اور کردار کی طرف آیئے، تو یہاں معاملہ اور بھی بڑھا ہوا ہے، ہمارے معاشرے کا بڑا حصہ عملاً یہود ونصاریٰ اور مجوس کے رنگ میں رنگین ہوچکا ہے، نہ اسلامی شکل وصورت، نہ اسلامی وضع قطع، نہ اسلامی کردار وعمل، ہر عمل کی سند یورپ میں، امریکہ میں، چہروں پر داڑھی نہیں، کیونکہ نصاریٰ داڑھی منڈاتے ہیں، اسلامی تہذیب میں لباس کی جو وضع ہے کہ چھپائے جانے والا حصہ خوب چھپا رہے اس کی وضع ظاہر نہ ہو، وہ ختم، ایسا چست اور اتنا چھوٹا لباس کہ ہر عضو کی ساخت نمایاں رہے، کیونکہ انگریزوں کی تہذیب میں اسی کا چلن ہے، مکانوں کی تعمیر کا وہی

انداز جو یہود ونصاریٰ کے یہاں رائج ہے، جس میں کسی کا کسی سے پردہ نہ ہو، خاندانی نظام اسی طرز کا جو یورپ کے عیسائیوں اور امریکہ کے یہودیوں سے درآمد کیا گیا ہے، ذرائع آمدنی اور کسب معاش کے وہی طریقے جن پر سودخوار قومیں کاربند ہیں، غرض اسلام کا نام لیا تو جاتا ہے، مگر اس لئے کہ اسے یہود ونصاریٰ کی تہذیب کے حق میں گواہ بنا کر لایا جائے۔ جن لوگوں نے انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی ہے، اور وہاں کے تربیت یافتہ ہیں ان کی غالب اکثریت تو اسی مذکورہ بالا رنگ میں ہے، بعض لوگ بڑھاپے میں کسی بزرگ اور اللہ والے کی صحبت میں کچھ اندر اپنے دینی رنگ کی تبدیلی کر بھی لیتے ہیں، تو زیادہ تر اپنی ذات تک محدود رہ کر! یہ دینی رنگ ان کی اولاد اور خاندان تک نہیں آنے پاتا۔

خیر یہ حضرات تو انگریزی تہذیب کے گھروندوں میں پلے بڑھے ہیں، ان سے اس کے علاوہ کیا امید رکھی جاسکتی ہے، شکایت تو ان حضرات سے ہے جنھوں نے خالص دینی اداروں میں تعلیم پائی ہے، تربیت حاصل کی ہے، جنھیں اس دورِ آخر میں اجنبی بن کر رہنا چاہئے تھا، یہ حضرات بھی انگریزی تہذیب کی نقالی میں انھیں کے طریقے اپنائے جارہے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم کام کررہے ہیں، کارنامے انجام دے رہے ہیں، حالانکہ معاملہ برعکس ہے، کیونکہ یہود ونصاریٰ کا طریقہ اختیار کرنا خواہ وبظاہر کتنا ہی خوبصورت نظر آئے محمود نہیں ہے، ہمارے یہاں وہی چیزیں لائق تقلید ہیں جن سے ہم پہلے سے دین کے اندر واقف ہیں، چاہے وہ دوسروں کے نزدیک اجنبی ہوں، اور جو طریقے دین کے اندر نئے اختیار کئے جاتے ہیں وہ یہود ونصاریٰ کے یہاں چاہے جتنے معروف ہوں، ہم انھیں منکر سمجھیں گے۔

کوئی نیا طریقہ ہو، خواہ دین میں یا دنیا میں، اسے شریعت کی معروف تعلیمات پر پرکھا جائے گا، اگر شرعی اصولوں سے کوئی دنیاوی معاملہ ٹکرائے گا، تو اسے یا تو ترک کرنا ضروری ہوگا، یا اس کی اصلاح کی جائے گی، اور اگر دینی معاملہ ہوگا تو صرف اس کے مصالح اور فوائد پر نظر نہیں کی جائے گی، بلکہ دیکھا جائے گا کہ سلف میں یہ طریقہ تھا یا نہیں؟ اسلامی مزاج سے اسے مناسبت ہے یا نہیں؟ پھر یہ کہ وہ نیا طریقہ کہاں سے درآمد کیا گیا ہے؟ اگر

سلف میں باوجود ضرورت اور امکان کے اسے اختیار نہیں کیا گیا، یا اسلامی مزاج سے اسے مناسبت نہیں، یا وہ نیا طریقہ یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں سے درآمد کیا گیا ہے، تو وہ ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا رہے تھے کہ میں نے اللہ کے رسول ابوالقاسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے کہ میرے بعد کچھ لوگ تمہارے معاملات کے ذمہ دار ایسے ہوں گے، جو تم کو وہ چیزیں بتائیں گے جو تم نہیں جانتے، اور جن باتوں کو تم جانتے ہو، انھیں وہ نہ جانیں گے اور انکار کریں گے، تو جو کوئی اللہ کی نافرمانی کرے، اس کی اطاعت نہیں ہے، اس لئے اپنے رب کے ساتھ حیلہ سازی مت کرو۔ (مسند احمد، ج:۵،ص:۳۲۵)

مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں منکر ہیں، انھیں اگر کوئی صاحب اختیار شخص بھی مسلط کرنا چاہے تو کوئی حیلہ بہانہ کر کے اسے قبول کر لینا درست نہیں ہے، ایسے منکر اور غلط امور میں کسی بھی مخلوق کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

ایک طرف ہم اپنے ہادی و رہبر، اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات پڑھتے ہیں، اور اس کی روشنی میں اسلاف کرام کے تعامل کو دیکھتے ہیں کہ وہ کسی بھی نئی چیز اور نئے طریقۂ کار کا احتساب کر کے شریعت کے دائرے میں ردو قبول کرتے تھے، پھر اپنے زمانے میں عوام کو نہیں خواص کو، عامیوں کو نہیں عالموں کو، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو نہیں دینی مدارس کو دیکھتے ہیں کہ اپنے حلقوں میں یعنی دینی حلقوں میں وہ طریقۂ کار بے تکلف اختیار کرتے ہیں جو یورپ سے یہود و نصاریٰ کی تقلید و پیروی میں درآمد کیا ہوا ہے، ہماری معروف چیز درس و تدریس کے حلقے ہیں اساتذہ و طلبہ کی باوقار مجلسیں ہیں، وعظ و ارشاد کے مجامع ہیں، بزرگوں کی صحبتیں ہیں، مشائخ کی خانقاہیں ہیں، ذکر کے حلقے ہیں، علمی مجالس ہیں، افادہ اور استفادہ کے لئے درسگاہیں ہیں۔ طالب علم اپنے استاذ کی خدمت میں اور مرید اپنے شیخ کی صحبت میں عرصۂ دراز تک کسب فیض کرتا ہے، علمی اور دینی مزاج بناتا ہے، پھر اس سے

استفادے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

اب لوگوں نے رنگ بدلے۔ پرانی باتیں قدامت کے الزام میں قابل ترک ہوگئیں، اب جو تحفے یورپ سے آئے، ان میں کانفرنسیں، سیمینار، سمپوزیم، توسیعی خطبات، لکچرز، استاذ زائر (وزیٹنگ پروفیسر) اور اللہ جانے کیا کیا طریقے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ہمارے بعض بزرگوں نے فقہی موضوعات پر سیمینار شروع کئے، تو یہ لفظ نامانوس ہونے کے باوجود قدرے مانوس ہوا، لیکن بار بار کے سمیناروں سے تجربہ ہوا کہ یہ فقہی اور دینی مزاج کے خلاف ہے، کسی فقہی موضوع پر سوالات وضع کئے جاتے ہیں، اور کچے پکے لوگوں سے ان کے جواب طلب کئے جاتے ہیں، لوگ اپنے اپنے خیالات کا مجموعہ تیار کرکے جواب کے نام پر بھیج دیتے ہیں، پھر وہ لوگ سیمینار کی تہذیب ولوازم کے ساتھ اکٹھا ہوتے ہیں، بیٹھتے ہیں، جہاں اور جس طریقے سے بیٹھتے ہیں، وہ مجلس علماء سے زیادہ اسمبلی یا پارلیمنٹ کا ہاؤس معلوم ہوتا ہے، کچھ مباحثے ہوتے ہیں، کچھ مناقشے ہوتے ہیں، پھر کمیٹیاں بنتی ہیں، پھر تجویزیں لکھی جاتی ہیں، کچھ پر اتفاق رائے ہوتا ہے، زیادہ تر اختلافی تجویزیں ہوتی ہیں، ان کا اعلان کردیا جاتا ہے۔ علمی مسائل ومعاملات جو علماء کے درمیان رہ کر متوازن ہوتے ہیں، عوام انھیں اپنے نزدیک قابل اعتماد علماء سے فتویٰ لے کر حاصل کرتے ہیں، اور ان پر عمل در آمد کرتے ہیں، اب یہ مختلف المزاج علماء کے مباحث وخیالات، اہل علم کے حلقہ سے عوام الناس اور اخبارات کے عوامی اور طوفانی ماحول میں آجاتے ہیں، اور رنگ کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے، خاص اہل علم کے مسائل ومباحث عوام کے درمیان اور اخبارات کے صفحات پر آکر کچھ سے کچھ ہوجاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ سیمیناروں کو خواہ جتنے خوبصورت انداز میں پیش کیا جائے، لیکن ہے یہ **لتتبعن سنن من کان قبلکم** کا مظہر!

اس طریقے کے جلسے اور مجمعے اب سے پہلے مدارس دینیہ اور علماء کے حلقوں میں متعارف نہ تھے، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رہے ہوں تو رہے ہوں، مگر اب وباء کی طرح سیمیناروں کا سیلاب علماء کے دائروں اور مدارس کے حصار میں گھسا جارہا ہے، اور اس پر

حال یہ ہے ؎ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

سیمینار خاص خاص موضوعات پر ہوتے ہیں، یہ عوامی چیز نہیں ہے، لیکن اربابِ مدارس نے اسے ایک عوامی مجمع بنادیا ہے، بڑے بڑے اشتہارات چھپنے لگے ہیں، ممبرانِ استقبالیہ، ارکانِ استقبالیہ اور نہ جانے کن کن عنوانات سے درجنوں نام چھاپے جاتے ہیں، سڑکوں پر بڑے بڑے مصنوعی گیٹ بنائے گئے، لمبے لمبے اخراجات کی تفصیل شائع کی گئی، پنڈال کو سجانے کا مسرفانہ اہتمام کیا گیا۔ کیا شریعت میں اس اسرافِ بے جا کی گنجائش ہے؟ اسلام میں جو سادگی ہے، وہ کہاں گئی؟ پھر مزید یہ کہ ان پروگراموں کی بسا اوقات تصویر سازی ہوتی ہے جو حکم شریعت کے قطعاً منافی ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

یہود و نصاریٰ کی نقالی نے عام مسلمانوں کو تو جہاں پہونچایا تھا، پہونچایا، علماء اس پر روک لگاتے، اس کی قباحت و شناعت بیان کرتے، اللہ و رسول کی تعلیمات کو عملاً اور علماً پھیلاتے، مگر یہ کیا ہوا کہ روک لگا سکنے والے خود نقالی کی رَو میں بہنے لگ گئے، سیمیناروں کی کثرت کو دیکھ کر یہ احساس ہونے لگا کہ شاید مدرسوں کا قبلہ ہی بدل جائے گا، دیکھ دیکھ کر ہر ایک کو شوق چِرّانے لگتا ہے۔

اور یہ تو مشاہدہ ہے کہ ان تقریبات کی تیاریوں میں تعلیم کا سخت نقصان ہوتا ہے، لیکن جیسے یہ طے ہو چکا ہے کہ تعلیم کا خواہ کتنا ہی کباڑا ہو، یہ نقالیاں ضرور جاری رہیں گی۔ مختلف عنوانوں سے دینی مدارس کی تعلیم، ان کی افادیت مجروح کرنے کا جیسے کوئی منظّم منصوبہ چل رہا ہو، مختلف قسم کے مسابقات، الگ الگ ناموں سے جلسے اور اجتماعات، مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ کو متعدد حسین و جمیل ناموں اور پروگراموں کے ذریعے ایسی ترغیبات کہ علمی استعداد کو تو کوئی خاص نفع نہ ہو، لیکن زندگی کا معیار بلند کرنے کی ہوس بڑھ جائے، پھر وہ تنگی ترشی برداشت کر کے دینی خدمت انجام دینے کے اہل نہ رہ جائیں۔

مدارس کے کرنے کا کام یہ ہے کہ جو طلبہ انھیں اللہ کی طرف سے مل جا رہے ہیں،

ان کی علمی استعداد پختہ کریں، اساتذہ ان پر محنت کریں، ان کی صحیح تربیت کریں، زہد وقناعت، توکل وعزیمت، حق تعالیٰ کی رضاجوئی کا جذبہ پیدا کریں، دنیوی مال ومتاع کو موضوعِ زندگی بنانے سے انھیں دور رکھیں۔ شہرت وریاکاری اور نام ونمود کی ہوس سے ان کے قلوب کو پاک رکھنے کی کوشش کریں۔ اس کے لئے بڑی یکسوئی کی ضرورت ہے، اور اگر یہ طلبہ اور یہ اساتذہ انھیں وقتی اور ہنگامی تقریبات میں مبتلا رہیں گے، آج فلاں مدرسے میں سیمینار ہے، کل فلاں مدرسے میں جلسہ ہے، پرسوں فلاں مدرسے میں کانفرنس ہے، اور ہر جگہ آنے کی، کھانے کی دعوت ہے، بہترین انتظامات ہیں، تو ان مدرسوں اور ان طلبہ واساتذہ کا اللہ ہی حافظ ہے۔

یہود ونصاریٰ کی تقلید کس حد تک مذموم ہے؟ اور اس کی قباحت کس درجہ ہے؟ اس کا اندازہ ایک حدیث سے ہوتا ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری ''کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' میں حدیث لتتبعن سنن من کان قبلکم، کی شرح کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب ترک کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: **إذا ظهر فيكم ماظهر في بني اسرائيل إذا ظهر الادهان في خياركم والفحش في شراركم والملك في صغاركم والفقه في رذالكم**، جب تم میں وہ حالات ظاہر ہوجائیں، جو بنی اسرائیل میں ظاہر ہوئے تھے، جب اچھے لوگوں میں مداہنت ظاہر ہو، اور برے لوگوں میں بے حیائی، اور چھوٹوں میں حکومت اور کم ظرفوں میں فقہ ظاہر ہو۔ (تب امر بالمعروف چھوڑا جاسکتا ہے، اور نہی عن المنکر بھی)

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں جن خاص برائیوں کا ظہور عام ہوگیا تھا، وہ یہ ہیں، کہ اچھے اور نیک لوگ مداہنت برتنے لگیں۔ یعنی بری چیزوں کو دیکھیں تو نہ صرف چشم پوشی کریں، بلکہ باتوں کی صنعت اور بناوٹ سے اور برتاؤ کے طرز سے گویا ان کی حوصلہ افزائی کرنے کا رُجحان ہوجائے، اور جو برے ہیں وہ عام برائیوں سے

آگے بڑھ کر بے حیائی اور فحاشی میں جا پڑیں، اور حکومت کی باگ ڈور ایسے معمولی اور ناکارہ لوگوں کے ہاتھ میں آجائے، جو منصب حکومت کی عصمت و آبرو کو مجروح کر دیں، اور دینی علوم ایسے کم ظرفوں کے حصے میں آجائے، جو نہ دین کی قدر جانیں اور نہ علم کی، ان کے لئے دین اور علم ایک دنیوی کاروبار بن کر رہ جائے۔ جب یہ صورت حال ہو، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرنے میں آدمی معذور ہے۔

صاحب فتح الباری نے ایک اور حدیث نقل کی ہے، اور یہ روایت امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہے، کہ دین کی خرابی اس وقت ہوگی جب علم چھوٹوں کی جانب سے آئے، تو بڑے لوگ اسے تسلیم کرنے سے انکار کریں گے، اور لوگوں کی بھلائی اس وقت ہے جب علم بڑوں کی طرف سے آئے، اور چھوٹے اس کی پیروی کریں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مشہور امام لغت ابوعبید نے فرمایا کہ چھوٹے ہونے سے مراد مرتبے کا چھوٹا ہونا ہے، عمر کا نہیں، مطلب ہے کہ علم اور دین کی عظمت و بلندی سے جن لوگوں کی طبیعتوں کی پستی میل نہیں کھاتی، اور وہ خود علم کی وجہ سے بلند ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے، علم ہی کو نیچے اتار دیتے ہیں۔ یہ چھوٹی طبیعت اور مرتبہ کے لوگ جب علم کی باتیں کریں گے، اور اسے نیچے اتار کر کریں گے، تو بڑے لوگ اسے قبول نہ کریں گے، اور اس میں کشمکش کی صورت پیدا ہوگی۔

آج حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ سے درآمد کئے ہوئے سیمیناروں سے بنی اسرائیل کی یہ خرابی خوب پھل پھول رہی ہے، اچھے لوگ مداہنت کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں، ان سیمیناروں میں جو موضوعات چھیڑے جاتے ہیں، اور جس جس طرح اظہارِ خیال ہوتا ہے وہ تو بجائے خود ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ اس کے علاوہ بے تحاشا اسراف، تصویر سازی، ویڈیوگرافی، نام و نمود کی شورشیں اور اللہ جانے کتنے کتنے منکرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں، لیکن یہ اچھے حضرات منکرات کی ان تجارت گاہوں سے نہ احتراز کرتے، اور نہ وہاں رہ کر مؤثر طریقے پر ٹوکتے۔ اور بروں کی بے حیائی کا اس دور میں جو عالم ہوگیا ہے، وہ تو ایک

طویل داستانِ درد ہے کہ قلم کا جگر اس کے تذکرے سے شق ہوتا ہے۔ انتظام کی اور حکومت کی باگ ڈور جن ہاتھوں میں ہے ان کی کمینگی اور پستی کا یہ عالم ہے کہ سوائے دولت بٹورنے اور اپنے خویش واقارب اور اپنی قوم کی جائز وناجائز ترقی وعروج کے ان کا اور کوئی مقصد ہی نہیں معلوم ہوتا۔ اور علم دین کی نسبت سے جو لوگ منسوب ہیں، وہ بھی دنیا و دولت اور شہرت ونمود، نیز خودغرضی وریاکاری کی دوڑ میں کسی دنیادار سے پیچھے نہیں رہ جانا چاہتے الا ماشاء اللہ۔ پس اللہ ہی سے مدد کی طلبگاری ہے۔

یہ باتیں تلخ ضرور معلوم ہوں گی، مگر ان تقریبات کا ضرر کھلی آنکھوں دکھائی دے رہا ہے، اس لئے عرض کردیا۔

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف　　　آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

(مئی ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصویر سازی! ایک عام گناہ

پچھلے شمارے میں ہم نے اپنا اور اپنے معاشرے کا ایک احتساب تحریر کیا تھا کہ یہود ونصاریٰ کی تقلید میں ہمارے معاشرے میں ایسی نئی نئی باتیں گھس آئی ہیں، جن سے ہمارے اسلاف واقف نہ تھے، اسلاف تو کیا واقف ہوتے ہم اخلاف بھی ان سے ناآشنا تھے، اس طرح کی نئی باتیں جب ابتداءً داخل ہوتی ہیں تو لوگ چونکتے ہیں، لیکن جب وہ چیزیں بار بار نگاہوں کے سامنے آتی ہیں تو اذہان وقلوب ان کے دیکھتے رہنے کے عادی ہوجاتے ہیں اور وہ چیزیں مانوس ومالوف بن جاتی ہیں۔

پہلے وعظ کی مجلسیں ہوتی تھیں، ایک سادہ سی مجلس ہوتی، لوگ ادب سے بیٹھ جاتے، کوئی عالم سیدھے سادے انداز میں دین اور اللہ ورسول کی باتیں سنا دیتا، لیکن اب یہ مجلسیں، جلسوں، کانفرنسوں اور سیمیناروں کی شکل میں تبدیل ہوگئیں۔ شکل کی تبدیلی نے ان کے لوازم اور تقاضوں کو بھی بدل کر رکھ دیا ہے۔

اجتماعات کی دنیا میں آج کل ایک نئے لازمے کا اضافہ ہوا ہے، اس سے اب مشکل سے کوئی مجلس خالی ہوتی ہے، وہ ہے ''تصویر سازی'' چھوٹا بڑا کوئی اجتماع ہو، کیمرہ لے کر کچھ لوگ پہونچ جاتے ہیں، یا بلائے جاتے ہیں، تاکہ مقرر کی، صاحب صدر کی، اسٹیج والوں کی اور جلسہ میں شریک حضرات کی تصویریں اتاری جاسکیں۔ نکاح کی مجلس ہو، دعوت میں لوگ اکٹھا ہوں، یہ کام ضرور ہوگا۔ تصویر سازی گناہ ہے، حرام ہے، لیکن یہ گناہ اتنا پھیل چکا ہے اور یہ حرام اتنا عام ہوچکا ہے اور اس کی اتنی شکلیں وجود میں آچکی ہیں کہ اس کے حرام وناجائز ہونے کا تصور ذہنوں سے محو ہونے لگا ہے، اس طرح کے عام مجامع میں جہاں صرف

ناخواندہ اور دین سے غافل افراد نہیں ہوتے، علماء اور دیندار حضرات بھی ہوتے ہیں، بر سر عام ہانکے پکارے یہ گناہ ہوتا ہے، اور لوگوں کی پیشانی تک شکن آلود نہیں ہوتی۔

حالانکہ ان تصویروں کے بنانے کی نہ کوئی ضرورت ہوتی، نہ کوئی مجبوری ہوتی، میں دنیا والوں کی دنیادارانہ باتوں سے غرض نہیں رکھتا، دینداروں کا مجمع ہے، دینی وعظ ہو رہا ہے، مدرسوں کے جلسے ہو رہے ہیں، کسی دینی موضوع پر کانفرنس ہو رہی ہے، یا سیمینار ہو رہا ہے، علماء ومتدین حضرات تشریف فرما ہیں، اللہ ورسول کے ارشادات نقل کئے جا رہے ہیں، تاکید کی جارہی ہے کہ دنیا وآخرت کی فلاح اللہ اور رسول کی اطاعت میں ہے، گناہوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، گناہوں سے مصائب کی آگ برستی ہے، یہ سب مضامین بیان ہوتے ہیں، عین اسی بیان کے وقت کیمرے کی آنکھ چمکتی ہے، اور تصویریں بنائی جانے لگتی ہیں، گناہ کی مذمت اور عین اسی وقت دھڑلے سے گناہ کا ارتکاب! کیا غیرتِ الٰہی کو حرکت نہ ہوگی؟

اچھا یہ تصویریں لی گئیں تو اس کی کیا ضرورت تھی؟ کیا ان تصویروں سے دین کا کوئی فائدہ ہوا، اگر اخبار میں تصویر چھاپ دی گئی، یا ٹی۔وی کے اسکرین پر یہ تصویریں آگئیں اور بہت سے لوگوں نے دیکھ لیا، تو کیا ایمان تازہ ہوگیا؟ کیا کوئی ثواب مل گیا؟ کیا علم وعمل کا داعیہ پیدا ہوگیا؟ کچھ بھی نہیں، تو کیا دنیا کا کوئی فائدہ ہوگیا، ایک شہرت کی صورت بن گئی، تو اس سے دنیا کا کیا نفع حاصل ہوگیا؟ اگر کہئے کہ شہرت ہی دنیا کا نفع ہے، تو یہ سخت غلطی ہے، بہرحال یہ ایک ایسا گناہ ہے جسے دینی ودُنیوی کسی اعتبار سے فائدے کے خانے میں نہیں رکھا جاسکتا، ہاں لذت نفس ہے، ذہن ودماغ کی عیاشی ہے۔

فائدے کے اعتبار سے تو اس کا یہ حال ہے، اب ذرا اللہ ورسول کے نزدیک اور شریعت کی نگاہ میں بھی اس کی حیثیت دیکھ لینی چاہئے۔

آپ قرآن کریم کے بعد سب سے صحیح کتاب بخاری شریف کھول لیجئے، کتاب اللباس نکالئے، اس میں ایک باب ہے، عذاب المصوّرین یوم القیامۃ، اس میں

مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: **إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة المصورون۔**

یہ حدیث صحیح ہے، اس مضمون کی متعدد حدیثیں مختلف صحابہ سے منقول ہیں، اس حد تک کہ تصویر سازی کی حرمت کا ثبوت بطریق تواتر کے ثابت ہوتا ہے، جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

اسی باب میں دوسری روایت حضرت عبد اللہ بن عمر سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **إن الذين يصنعون هٰذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ما خلقتم**، جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں انھیں قیامت کے دن مبتلائے عذاب کیا جائے گا، ان سے کہا جائے گا کہ جس چیز کی تم نے تخلیق کی ہے، اس میں زندگی پیدا کرو۔

گویا جاندار کی تصویر بنانے والا اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں شرکت کی سعی کررہا ہے، یہ اس کی بڑی گستاخی ہے، اس کی سزا ملنی چاہئے۔

اور ملاحظہ فرمائیے بخاری شریف ہی کی روایت ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ میں ایک گھر میں داخل ہوا، انھوں نے مکان کی بلندی پر دیکھا کہ ایک مصور تصویر بنا رہا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے: **و من أظلم ممن ذهب يخلق كخلقي فليخلقوا حبة و ليخلقوا ذرة**، اس سے بڑا ظالم کون ہوگا، جو اس طرح پیدا کرنا چاہتا ہے جیسے میں پیدا کرتا ہوں، اچھا تو ایک دانہ ہی پیدا کردے، اور ایک ذرہ ہی پیدا کردے۔

آدمی صرف صورت بنا سکتا ہے، جس انداز میں اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتا، لیکن صرف اس صورت گری کو بھی اللہ تعالیٰ نے گستاخی قرار دیا۔ آدمی بندہ ہے، بندہ کو بندگی اور غلامی کی حد میں ہی رہنا چاہئے، خالقیت و مالکیت کی حدود میں گھسنا

داخل گستاخی ہے۔

جاندار کی تصویر سے فرشتوں کو نفرت ہے، اللہ کے رسول ﷺ کو نفرت ہے، اور اس درجہ نفرت ہے کہ گھر کے اندر تصویر نظر آجاتی، تو آپ اس میں داخل نہیں ہوتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے حجرۂ شریفہ کے لئے ایک گاؤ تکیہ خریدا.........جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں، رسول اللہ ﷺ باہر سے تشریف لائے ....تو آپ نے دروازے ہی پر سے وہ تصاویر دیکھ لیں آپ اندر تشریف نہیں لائے، دروازے پر ہی کھڑے ہوگئے۔ ام المومنین گھبرا گئیں، کہنے لگیں کہ میں نے جو بھی گناہ کیا ہو، اس سے اللہ کے حضور توبہ کرتی ہوں، آپ نے فرمایا یہ گاؤ تکیہ کیا چیز ہے؟ انھوں نے عرض کیا، اسے اس لئے لیا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور ٹیک لگائیں، فرمایا کہ أن أصحاب هٰذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ما خلقتم إن الملائكة لاتدخل بيتاً فيه الصور ،ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب ہوگا ،ان سے کہا جائے گا کہ جس کو تم نے پیدا کیا ہے، اسے زندہ کرو، اور فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں ہوں۔ (بخاری شریف)

ایک اور حدیث ملاحظہ کیجئے، جسے اجمالاً وتفصیلاً محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ فرشتوں کو تصویروں سے کس درجہ تنفر ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز صبح کے وقت رنجیدہ وافسردہ خاطر تھے، حضرت میمونہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج آپ کی طبیعت متغیر ہے، کیا بات ہے؟ فرمایا آج جبرئیل علیہ السلام نے ملاقات کا وعدہ کیا تھا، مگر وہ نہیں آئے، بخدا وہ وعدہ خلافی نہیں کرتے، معلوم نہیں کیا بات ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی سلسلے میں فرماتی ہیں کہ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے تو آپ کے ہاتھ میں عصا تھا، آپ نے عصا کو زمین پر ڈال دیا، اور فرمایا نہ اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف کرتے، نہ ان کے بھیجے ہوئے قاصد!

حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ اس دن، دن بھر آپ افسردہ و بے چین رہے، پھر آپ کا ذہن اس طرف گیا کہ گھر میں ایک کتے کا پلا (بچہ) ہے، اسے بھگایا، اور اس کی جگہ پر پانی چھڑکا، شام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، آپ نے وعدہ یاد دلایا، انھوں نے کہا بے شک وعدہ یاد تھا، لیکن جس گھر میں کتا یا تصویر ہو، اس میں ہم لوگ نہیں جاتے، یہ روایت مسلم شریف کی ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مزید تفصیل منقول ہے، اس میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں شب گزشتہ آیا تھا، لیکن دیکھا کہ دروازے پر تصویر ہے، گھر میں ایک پردہ تھا اس پر تصویر بنی ہوئی تھی، اور حجرے میں ایک کتا تھا، اس تصویر کے بارے میں جو دروازے پر ہے حکم دیجئے کہ اس کا سر کاٹ دیا جائے، پس وہ درخت کے مثل ہو جائے، اور جو پردے پر ہے اس کے متعلق حکم دیجئے کہ اسے کاٹ کر دو ٹکڑے کر کے تکیے بنا لئے جائیں، اور کتے کو نکلوا دیجئے۔ (ابوداؤد شریف، کتاب اللباس، باب فی الصور)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرشتوں کے نزدیک تصویر کتنی مبغوض اور قابل نفرت چیز ہے، کہ اس کی وجہ سے وعدہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، پورا نہ ہو سکا۔ غور کرنے والے اگر واقعۃً غور کریں تو یہ بات واضح ہے کہ ایمانی غیرت کبھی تصویر کو گوارا نہیں کر سکتی۔

اتنی سخت وعید اور اتنی صراحت کے بعد کیا تصویروں کے بارے میں کیا کسی مصلحت، کسی تاویل، کسی استحسان کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ تصویر سازی کا آلہ خواہ کوئی ہو، تصویر بنانے والا خواہ کتنا ہی مختصر عمل کرتا ہو، خواہ ویڈیو کیسٹ میں تصویر دکھائی نہ دیتی ہو، لیکن اس پر برقی شعاع ڈالی جاتی، تو وہ پورے طور پر دکھائی دیتی ہے، خواہ کچھ بھی ہو، مگر ہے، وہ تصویر!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ وعیدیں دیکھئے، اور ہر طرح کی تصویروں کی قیامت خیزیاں دیکھئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسانی ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیوں اور مجسموں کے بارے میں دعا کرتے ہوئے فرمایا تھا: واجنبني وبني أن نعبد الاصنام، رب إنهن أضللن كثيرا من الناس (سورۂ ابراہیم) اے پروردگار! مجھ کو اور میری اولاد کو اس

بات سے دور رکھئے کہ ہم مورتیوں کی پوجا کریں، اے میرے پروردگار! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔

واقعی بتوں اور مورتیوں کی گمراہی عام ہے، اور اسی زمرے میں آج کی تصویریں بھی شامل ہیں، اللہ ہی جانتا ہے ان تصویروں کی وجہ سے کتنی برائیاں، بے حیائیاں، فحاشیاں بلکہ چوریاں، ڈکیتیاں پھیلتی جارہی ہیں۔ ٹی۔وی اور انٹرنیٹ کی تصویروں اور سنیما کی متحرک اور زندہ نما مورتیوں نے ماحول و معاشرے میں برائیوں کا کتنا طوفان اٹھا رکھا ہے، اس طوفان کے بدترین جھونکوں اور جھکڑوں کو دیکھنے کے بعد بھی بعض لوگ جو علم اور دین سے نسبت رکھتے ہیں، تعجب ہے، کیونکر اس موضوع پر نرمی اختیار کرتے ہیں، اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہیں۔

عام لوگوں سے کیا عرض کروں، علماء وار بابِ مدارس سے عرض کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں تو کوئی شبہ نہیں، اور علماء و مدارس آپ ہی کے کلام اور آپ ہی کے کام کی نمائندگی کا فریضہ انجام دینے کے لئے مقرر و متعین ہیں، پھر کیا بات ہے کہ وہ آپ ہی کے ارشادات سے آنکھ بند کر کے ایسی مجالس و محافل میں شریک ہوتے ہیں، جن میں کھلم کھلا فسق اور حرمت کا ارتکاب ہوتا ہے، یہ حضرات واقعہ یہ ہے کہ ایسی مجالس میں شریک ہو کر اس معصیت کو بند کرا سکیں، ذرا مشکل ہے، طریقہ یہی ہے کہ ان مجالس سے احتراز ہی کیا جائے، علماء عوام کے لئے نمونہ ہیں، جب یہ اس سے اجتناب کریں گے تو بہت سے لوگوں کو تنبہ ہوگا، ورنہ عوام تو چھوٹے پڑے ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ولی و کارساز ہیں۔

(جون ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بدعت اور اہل بدعت

نحمدالله ونصلي علىٰ رسوله الكريم وعلىٰ آله وأصحابه الذين هم نصروا الدين القويم، أما بعد!

رسول امین، سیدنا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اور جو شریعت آپ کو عطا ہوئی ہے، وہ ایک کامل اور مکمل شریعت ہے، جس میں نہ کسی چیز کے کم کرنے کی اجازت ہے، نہ اس میں کسی حکم کے اضافہ کی گنجائش ہے، اگر کوئی حکم کم کر دیا جائے تو اس میں نقص پیدا ہوگا، اور وہ کامل دین نہ ہوگا، اور اگر کسی بات کا اضافہ کر دیا جائے، تو وہ در پردہ اللہ ورسول کی تکذیب ہے کہ دین کامل نہ تھا، اس میں فلاں بات کی کمی تھی، لیکن اس کے باوجود اسے اللہ نے کامل کہا، اور رسول نے اسے تسلیم کر کے اپنی امت کو اس سے بے خبر رکھا، یہ تکذیب کتنا سنگین جرم ہے، بیان کی حاجت نہیں ہے، یہ اضافہ شریعت کی اصطلاح میں ''بدعت'' کہلاتا ہے، گویا بدعت کا مرتکب اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرتا ہے اور ایک ایسی بات کا انتساب اللہ کی طرف، اور اس کے رسول کی طرف کرتا ہے جس کا دین اور شریعت کا حکم ہونا اللہ ورسول نے ظاہر نہیں کیا، اور اضافہ کو دین سمجھنے والا اسے بطور حکم شریعت پیش کرتا ہے۔

بدعت کی یہ معصیت ایک بدترین معصیت ہے، آدمی شریعت کی نافرمانی کرتا ہے، تو اسے گناہ سمجھتا ہے، لیکن ''بدعت'' کو آدمی دین وشریعت سمجھتا ہے۔ گناہ پر تنبہ ہو جاتا ہے اور پھر توبہ کی توفیق مل جاتی ہے، مگر جسے گناہ نہیں، شریعت سمجھتا ہو، اس کے گناہ ہونے پر تنبہ مشکل سے ہوتا ہے، اسلئے امت کے اجتماعی مزاج نے ''بدعت'' کو کبھی قبول نہیں کیا ہے، ورنہ دین وشریعت مسخ ہو کر رہ جائے۔

عام گناہ براہ راست شریعت سے ٹکراتا ہے، وہ حکم شریعت کے بالمقابل سامنے سے آتا ہے، اس کا دین وشریعت کے خلاف ہونا بالکل نمایاں ہوتا ہے، اسے کوئی گناہ کہے، دین سے بغاوت کہے، شریعت سے انحراف کہے تو کسی کو نہ استعجاب ہوگا، نہ اعتراض! لیکن ''بدعت'' کبھی سامنے سے کھلم کھلا نہیں آتی ہے، یہ کوئی ایسا دروازہ تلاش کرتی ہے جس کے خلاف شریعت ہونے کا وہم نہیں ہوتا، بظاہر اس دروازے سے داخل ہونے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی، بلکہ یہ دروازہ اور اس میں داخل ہونا نظر بظاہر مستحسن معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں داخل ہوجانے کے بعد جو صورت حال پیدا ہوتی ہے، اسے ''بدعت'' کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا، اس کی چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) رسول اکرم ﷺ کی محبت فرض ہے، اس فرض کی ادائیگی کے لئے جو بھی شرعاً جائز اسباب ہوں گے انھیں اختیار کیا جاسکتا ہے، آپ کی اطاعت، آپ کا تذکرہ، درود شریف کی کثرت، آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ، آپ کی شان میں نعتوں کا پڑھنا اور سننا، یہ وہ اسباب ہیں جن سے آپ کی عظمت ومحبت پیدا بھی ہوتی ہے اور بڑھتی بھی ہے! یہ سب امور اگر شریعت کے احکام کے مطابق عمل میں لائے جائیں، تو کسی کو ان پر نکیر کرنے کا حق نہیں ہے، پھر دیکھئے کہ اسی راہ سے ایک چیز داخل ہوئی، جس کا نام ''محفل میلاد'' ہے، یہ محفل حضور اکرم ﷺ کی محبت میں اور آپ کی محبت کی تحصیل واضافہ کے لئے منعقد کی گئی، یہ محفل اپنی سادہ شکل میں بالکل جائز تھی، اس سے ایک افضل بلکہ فرض مقصود ادا ہوتا تھا، اس لئے یہ بالکل قابل اعتراض نہ تھی، مگر آہستہ آہستہ اس محفل کی ایک خاص شکل متعین ہوتی چلی گئی، اس کے کچھ لوازم وآداب مقرر کئے گئے، کچھ خاص خاص مضامین کی پابندی کی گئی، کئی ایک رسمیں اس کے ساتھ التزاماً جوڑی گئیں، اور پھر یہ خاص شکل وہیئت انھیں لوازم وآداب اور مضامین ورسوم کے ساتھ مقصود بن گئی یہاں تک کہ ان کے بغیر محفل میلاد یا ذکر رسول کا خیال ہی کالعدم ہونے لگا، اور اسی کو ایک درجہ میں محبت رسول کا معیار قرار دے دیا گیا، اور شریعت میں اسے مقاصد کے درجہ میں پہونچا دیا گیا، تو علماء حق نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ

دیا، پھر بہت ہنگامہ ہوا، یہاں تک کہ اس قول حق کی پاداش میں علماء حق کو توہین رسالت کا مجرم گردانا گیا، اور ڈیڑھ دوصدی بیت جانے کے بعد بھی اب تک یہ شور وغوغا قائم ہے۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید سے حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ تک اور پھر اس کے بعد علماء دیوبند کا پورا طبقہ کفر کے فتاویٰ کی زد میں ہے، لیکن حق یہی ہے کہ محفل میلاد جس ہیئت والتزام کے ساتھ رائج ہے وہ دین میں ایک نئی اختراع ہے، اور بدعت ہے۔

(۲) حضور اکرم ﷺ کی آل واولاد اور آپ کے اقرباء جنھوں نے آپ کی دعوت قبول کی اور آپ کی نصرت کی، ان کی محبت عین ایمان ہے، امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا حضرت حسن وسیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما، اور ان دونوں بزرگوں کی مقدس ماں فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی محبت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے؟ ایک فرقہ نے ان حضرات کی محبت کو محبت کی حد سے نکال کر اتنا غلو کیا کہ اس فرقہ کو مسلمانوں کے زمرے میں شمار کرنا مشکل ہوگیا، حالانکہ محبت کا یہ مدعی فرقہ اپنے کو مومن ہی کہتا ہے، اور باقی تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہے، ابتدائی مرحلہ بہت خوشنما ہے، مگر جب اسے تخصیصات کی قیدوں میں جکڑا گیا تو کتنا بھیانک بن گیا۔ بدعت کی ابتداء اور انتہاء کی عموماً یہی شکل ہوتی ہے۔

(۳) ایک ایسا شہر جہاں احناف کے ساتھ غیر مقلدین کا مقابلہ اور مجادلہ چلتا رہتا ہے، بسلسلہ وعظ میرا وہاں جانا ہوتا رہتا ہے، اور بسا اوقات ہفتہ عشرہ وہاں قیام ہوتا ہے، وہاں میرے طالب علموں کی تعداد بہت ہے، اور ان کے واسطے سے اس شہر کے لوگ ایک تعلق محبت کا رکھتے ہیں، غیر مقلدین بھی میرے وعظ میں شریک ہوتے ہیں، لیکن وہ اپنی مساجد میں وعظ کے لئے مجھے دعوت نہیں دیتے۔ ایک بار ایک صاحب نے جمعہ میں مجھے دعوت دی کہ چل کر ہماری مسجد میں وعظ کہئے، میں نے یونہی رواروی میں پوچھ لیا کہ کس موضوع پر وعظ کہنا مناسب ہوگا، فرمانے لگے ''بدعت'' کے موضوع پر، میں نے عرض کیا، آپ کی مسجد میں چونکہ صرف اہل حدیث طبقہ ہوگا، اس لئے میں وہاں اس بدعت پر وعظ کہوں گا، جس میں آپ کا طبقہ مبتلا ہے، تو وہ چونکے اور کہنے لگے، ہم تو بدعت میں بحمد اللہ مبتلا نہیں ہیں، میں

نے عرض کیا، بدعت کہتے ہیں دین میں نئی بات کا اضافہ کرنے کو، اور معلوم ہے کہ شریعت میں فروعی اختلافی مسائل مثلاً قرأۃ خلف الامام، آمین بالجہر، وضع یدین تحت السرہ، جلسۂ استراحت، رفع یدین کا معاملہ دورِ صحابہ بلکہ دورِ نبوت سے رہا ہے، اور لوگ مختلف طریقوں سے عمل کرتے رہے ہیں، کسی نے کسی کے خلاف اصرار نہیں کیا، نہ کسی مسئلہ کو خلافِ سنت کہا، نہ کسی کی تضلیل وتفسیق کی، اب آپ لوگوں نے دین میں ایک نئی بات نکالی، حدیث کے کسی ایک پہلو کو لے کر اڑ گئے، اور اس کے علاوہ کو خلافِ سنت کہنے لگے، اور اسی کو آپ نے اپنا دین ومذہب بنالیا، یہی آپ کے نزدیک معیارِ حق وباطل بن گیا، اسی کی روشنی میں عقائد ڈھلنے لگے، جبکہ اس غلو، اصرار اور تنگ نظری کا دین میں...... اس دین میں جس پر رسول اللہ ﷺ حضرات صحابہ کو چھوڑ کر گئے تھے...... پتہ اور نشان نہیں ہے، اور آپ کے دین کے لئے یہی مابہ الامتیاز بنا ہوا ہے، پس یہ بدعت ہے، اس پر وعظ کہہ دوں؟ تو وہ ٹھنڈے ہوگئے پھر دوبارہ انھوں نے دعوت نہیں دی، خاموشی سے چلے گئے۔

اس موضوع پر غور کیجئے تو بدعت اور غلو کا وجود خلافِ شریعت کسی معاملہ سے نہیں ہوا ہے، بلکہ ایسے مسائل واحکام کی بنیاد پر ہوا ہے جن کا ثبوت صحیح حدیثوں سے ہے، اور ظاہر ہے کہ جب حدیث صحیح پیش کی جائے گی، جو صحیح ہونے کے ساتھ صریح بھی ہو، تو کس کی جرأت ہے کہ اس پر نکیر کرے، مگر اس کو اتنا بڑھایا گیا کہ بالآخر اس کا انجام بدعت کی حد میں داخل ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا، اور اصل دین کا حلیہ بگڑ گیا۔

(۴) ایک ذی استعداد عالم اور مفتی، جماعت اسلامی کے ایک بڑے ادارے میں استاذ اور صاحب افتاء تھے، جماعت اسلامی کا ایک خاص مزاج اور رنگ ہے، جو انگریزی کی تہذیب اور اسلامی احکام دونوں کو ایک ساتھ آمیز کردینے بلکہ باہم گوندھ دینے سے تیار ہوا ہے، اس لئے اسے **ما أنا علیه و أصحابی** (رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی، جس میں ایک جماعت ناجی (نجات پانے والی) ہوگی، صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ وہ کون سی جماعت ہوگی، فرمایا کہ وہ لوگ اس طریقے پر ہوں گے جس پر میں اور میرے

اصحاب ہیں (ما أنا علیه و أصحابی) اس کی مزید تشریح دیکھنی ہو تو اس خاکسار کا رسالہ ''اہل حق واہل باطل کی شناخت'' کا مطالعہ کریں۔) سے مناسبت کم ہے، کیونکہ نبی ﷺ ہوں یا اصحاب نبی، کسی کے یہاں بجز خالص اسلامی احکام وتہذیب کے کسی اور چیز کا گزر نہ تھا، حتیٰ کہ ان لوگوں نے اسلامی تہذیب کے اختیار کرنے کے بعد اپنی قدیم آبائی تہذیب کو بھی یکسر ترک کر دیا تھا۔

اسی جماعت اسلامی کے ایک بڑے ادارے میں وہ مفتی صاحب فتویٰ نویسی کا کام کرتے تھے، وہ بذات خود جماعت اسلامی سے منسلک نہ تھے، مگر اسی مجمع میں رہتے تھے، اور وہیں سے ان کی معاش کا ظاہری انتظام تھا، ایک دن کسی دینی موضوع پر بات کرتے ہوئے، انھوں نے فرمایا کہ مجھے بدعتیوں سے سخت نفرت ہے، اور اس بات پر اتنا زور دیا کہ بس حد کر دی، میں نے ادب سے عرض کیا کہ آپ کی یہ بات کلیۃً درست نہیں معلوم ہوتی، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بدعتیوں کا ایک طبقہ جسے بریلوی کہا جاتا ہے، اس سے آپ کو نفرت ہے، ورنہ جو بھی بدعتی ہو اس سے آپ نفرت کرتے ہوں، یہ بات مشکوک معلوم ہوتی ہے، انھوں نے اس کی وضاحت چاہی، میں نے عرض کیا، بدعت ہر اس بات کو کہتے ہیں، جو مجموعۂ دین میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہو، انھوں نے تصویب کی، میں نے کہا خواہ وہ بات از قبیل عقائد ہو یا از قبیل اعمال ہو، یا از قبیل اقوال ہو، فرمایا بیشک! میں نے کہا جماعت اسلامی کا دستور دیکھئے، اس میں لکھا ہے کہ ''رسولِ خدا کے علاوہ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، اور نہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو'' اس دفعہ کو انھوں نے اپنی دینی جماعت کی اساس بنایا ہے، یہ قول اللہ ورسول کے یہاں کہاں ہے؟ پھر اس قول کا اضافہ بدعت ہے یا نہیں؟ اور یہ لوگ جو اپنے دین ومذہب کی اسے بنیاد بنائے ہوئے ہیں بدعتی ہیں یا نہیں؟ تو کیا ان سے آپ کو اتنی ہی نفرت ہے، جتنی آپ نے ذکر کی ہے؟ پھر مان گئے اور کہنے لگے کہ میرے ذہن میں یہ بات نہ تھی۔

دیکھئے بظاہر یہ ایک معصوم سا جملہ ہے، اگر اس کے پیچھے عقائد وافکار اور تنقید واعتراض کا ایک جلوس نہ چلا ہوتا، تو شاید کسی کو توجہ بھی نہ ہوتی، مگر جب اس معصوم جملے کی

تفصیلات کے برگ و بار نکلنے شروع ہوئے، اور ان میں وسعت اور استحکام پیدا ہوا، تو سب چونکے، مخصوص اہل بصیرت تو ابتداء میں ہی چوکنے ہو گئے تھے، اور انھوں نے تنبیہ بھی کر دی تھی، مگر عام لوگوں نے اسے تنگ نظری پر محمول کیا اور سمجھے کہ یہ جملہ معصوم ہے، مگر بعد میں سب کو احساس ہو گیا کہ

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

بدعت اپنی ابتداء میں کیا ہوتی ہے؟ اور بعد والے اس میں کیا الجھن ڈال دیتے ہیں؟ اس کی طرف اشارہ بلکہ قدرے وضاحت حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود فرما دی ہے، بدعات پر غور کرنے کے لئے وہ آیت رہنما ہے، سورۂ حدید میں عیسائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِیَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَیْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا فَآتَیْنَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ (سورۃ الحدید: ۳۸) اور ہم نے ان کے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پیچھے چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہربانی رکھ دی اور رہبانیت بھی رکھی، جس کو انھوں نے خود ہی اختراع کیا، ہم نے ان پر اسے نہیں لکھا تھا، یہ اختراع انھوں نے محض اللہ کی رضامندی کے لئے کیا تھا، لیکن جیسا اسے رہنا چاہئے تھا، نباہ نہ سکے، پھر ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان دار تھے، ان کا بدلہ دیا، اور بہت ان میں نافرمان تھے۔

اس آیت پر غور کرنے سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اوّل یہ کہ بعض اوقات امت کے علماء وصلحاء محض اللہ کی خوشنودی ورضا جوئی اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر بعض ایسے ذرائع اختیار کرتے ہیں، جن کا انھیں حکم نہیں ہوتا، یعنی وہ شرعی احکام میں داخل نہیں ہوتے، لیکن دینی مصلحت سے انھیں اختیار کر لیتے ہیں، یہ ہوتی تو ایک نئی بات ہے، لیکن بذات خود دین میں مقصود ومطلوب نہیں ہوتی، صرف کسی مقصد دینی کے حصول کے لئے بطور ذریعہ کے ہوتی ہے، اور اسی نسبت سے محمود ہوتی ہے،

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا: ابْتَدَعُوهَا انھوں نے نئی بات نکالی ۔ مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ ، ہم نے اسے مقرر نہیں کیا تھا۔ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ ،ان کا مقصد محض اللہ کی رضا جوئی تھی ،اس طریقہ پر اللہ نے نکیر نہیں کی ،اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ بدعت نہیں ہے جو شریعت کی اصطلاح ہے، اور حق تعالیٰ نے اسے رد نہیں کیا ، یہ ابتدائی حالت ہے،اسی حالت پر یہ اختراع قائم رہے،تو کچھ مضائقہ نہیں۔

عیسائی علماء وصلحاء نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے رہبانیت اختیار کی تھی، رہبانیت کا تعارف اوراس کے اختیار کرنے کی ضرورت تفسیر معارف القرآن مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع علیہ الرحمہ میں ملاحظہ فرمایئے ، لکھتے ہیں:

> ”رہبانیت، رہبان کی طرف منسوب ہے، راہب اور رہبان کے معنی ڈرنے والا ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں فسق وفجور عام ہوگیا، خصوصاً ملوک اور رؤسا نے احکام انجیل سے کھلی بغاوت شروع کردی، تو ان میں کچھ علماء وصلحاء تھے ،انھوں نے اس بدعملی سے روکا تو انھیں قتل کردیا گیا، جو کچھ بچ رہے،انھوں نے دیکھا کہ اب منع کرنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، اگر ہم ان لوگوں میں مل جل کر رہیں،تو ہمارا دین برباد ہوگا، اس لئے ان لوگوں نے اپنے اوپر یہ بات لازم کرلی کہ اب دنیا کی سب جائز لذتیں اور آرام بھی چھوڑ دیں، نکاح نہ کریں، کھانے پینے کے سامان جمع کرنے کی فکر نہ کریں، رہنے سہنے کے لئے مکان اور گھر کا اہتمام نہ کریں ،لوگوں سے دور کسی جنگل، پہاڑ میں بسر کریں، یا پھر خانہ بدوشوں کی سی زندگی سیاحت میں گزاردیں، تاکہ دین کے احکام پر آزادی سے پورا پورا عمل کرسکیں، ان کا یہ عمل چونکہ خدا کے خوف سے تھا، اس لئے ایسے لوگوں کو راہب یا رہبان کہا جانے لگا، ان کی طرف نسبت کرکے ان کے طریقہ کو رہبانیت کہا جانے لگا۔
>
> (معارف القرآن، جلد:۸، سورۃ الحدید)

(۲) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک کام جو کسی دینی مصلحت کے لئے اختیار کیا گیا،

اس کے حدود کی رعایت کا اہتمام نہیں کیا گیا، حدود کی رعایت یہ تھی کہ وہ جس درجہ کا کام تھا، اسے اسی درجہ میں رکھا جاتا، وہ ایک وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر اختیار کیا گیا، تو وسیلہ اور ذریعہ ہی رہتا، اسے مقصودِ دینی نہ قرار دیا جاتا، اور نہ اس کے ساتھ مقصودِ دینی جیسا طرزِ عمل اختیار کیا جاتا، پھر جس مقصد سے اختیار کیا گیا تھا، وہی مقصود پیش نظر رہتا، اس کو کسی اور مقصد ذریعہ نہ بنایا جاتا، عیسائیوں نے ان دونوں باتوں میں کوتاہی کی، رہبانیت کو مقاصد دینی میں شامل کر دیا، اس کی اہمیت اس درجہ بڑھا دی کہ رہبانیت اختیار کرنے والے افراد عیسائی دنیا میں نہ صرف امتیازی اوصاف سے متصف کئے گئے، بلکہ ان میں خدائی اختیارات بھی تسلیم کئے گئے، ایک ایسا عمل جسے اللہ نے مقرر نہیں کیا تھا، از خود لوگوں نے اختیار کیا تھا، اس کو بجالانے والا بزرگی اور ولایت کے اتنے بلند منصب پر فائز مان لیا جائے کہ خدائی اور بندگی کی حدیں گڈمڈ ہو جائیں، غلو کا آخری درجہ ہے، انھوں نے رہبانیت کو اس کی حد پر نہیں رہنے دیا، بلکہ عام احکام شرع سے اس کا درجہ بہت بڑھا دیا۔ **فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا** کی ایک صورت یہ ہے۔

دوسری صورت حق رعایت کی یہ تھی کہ جس مقصد کے لئے اسے اختیار کیا، وہی مقصد پیش نظر رہتا، مگر راہبوں نے یہاں بھی حدود کی رعایت توڑی اور رہبانیت کو عزت وجاہ اور دولت وحشمت کا ذریعہ بنالیا، وہ اس کی آڑ میں فواحش ومنکرات کا ارتکاب کرتے تھے، کلیسا کی تاریخ ان دونوں قسموں سے گناہوں سے لبریز ہے۔

(۳) تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس طرزِ عمل میں جو لوگ صاحب ایمان ہوں گے، اور حدودِ شرعیہ کی رعایت کے پابند ہوں گے، وہ تو اجر وثواب کے مستحق ہوں گے، اور جو لوگ اس کے برخلاف غلو اور خلاف مقصد راہیں اختیار کریں گے وہ فاسق قرار پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا ایمان بھی غیر معتبر ہوگا۔

(۴) چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ اس طریقۂ عمل میں جو لوگ غلو اور تعدی حدود اللہ کی وجہ سے فاسق ہوئے ہیں، زیادہ تعداد انھیں کی ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ دین کی حفاظت ہی کے لئے سہی، لیکن دینی رنگ میں کوئی نیا طریقہ اختیار کرنا ایک پُر خطر راستہ ہے، ابتداء میں تو وہ قابل قبول ہوگا، مگر حدود کی رعایت نہ ہوگی، تو اسے غلو اور اس کے نتیجے میں بدعت بنتے دیر نہ لگے گی۔

اس طرح کی بدعات غالباً غیر شرعی قیاسات کی بناپر وجود میں آتی ہیں، شاید عیسائیوں نے سوچا ہو کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام زندگی بھر مجرد رہے، بیوی بچوں کی الجھن سے آزاد رہے، نہ کوئی گھر بنایا نہ کسی دَر کے پابند رہے، حضرت کے یہاں صبح کہیں، شام کہیں کا سماں ہوتا، سیاحت فرماتے، لوگوں کو دینی احکام ومواعظ تلقین فرماتے، اسی طرح ان کی والدہ محترمہ مقدسہ بھی نکاح کی قید سے آزاد رہیں، اللہ نے ایک برگزیدہ نشانِ قدرت انھیں بنایا تھا، وہ ہمہ تن اور ہمہ دم مصروفِ عبادت رہتیں، اور غیب سے ان کے لئے رزق آیا کرتا، شاید اسی خیال سے یہ سوچ کر کہ اپنے پیشوا کے طریقۂ زندگی کی پیروی بھی ہوگی، اور دین کی حفاظت بھی ہوگی، رہبانیت اختیار کی ہوگی، لیکن برا ہو ''غلو'' کا، یہ کسی چیز کو اپنی حد پر نہیں چھوڑتا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر امکانی حد تک بندش لگا دی ہے۔ بدعات کی دنیا میں اس طرح کی مثالیں بہت ملیں گی کہ کسی دینی جذبہ سے کوئی غیر منصوص کام شروع کیا گیا، اور وہ رفتہ رفتہ غلو اور پھر بدعت ہونے تک جا پہونچا۔ ہم نے الگ الگ طبقوں سے ایک ایک عام فہم مثال تحریر کر دی، ورنہ بریلویت اور اہل بدعت کے تصوف کا پورا گلزار اسی طرح کی خوبصورت بدعات سے لہلہا رہا ہے۔ نذر و نیاز، تیجہ فاتحہ، عرس وسماع، قبروں پر اذان اور بہت سی رسوم کی ابتداء کسی دینی جذبہ اور دینی رنگ میں ہوئی، ان میں متعدد دینی مصلحتوں کا لحاظ رکھا گیا تھا، مگر کیا ہوا؟ بدیر یا جلد یہ سب رسمیں بدعت کے چہ بچہ میں جا گریں۔

بدعت کا دستور یہی ہے کہ وہ شریعت کے مدمقابل بن کر نہیں آتی، وہ عموماً دین کی کسی مصلحت اور کسی دینی مسئلے کی حمایت میں ظاہر ہوتی ہے، اور بہت ایسا ہوتا ہے کہ کسی مسلم بزرگ شخصیت کے ساتھ منسوب ہو جاتی ہے، اس میں دینی مصلحت وحمایت اور اس بزرگ کی نسبت کی وجہ سے تقدس کا رنگ جم جاتا ہے، پھر بدعت ظاہر ہونے تک اس میں ایسا

استحکام ہو جاتا ہے کہ لوگ اسے سنت قائمہ سمجھنے لگ جاتے ہیں، پھر جب اس کی تردید کی جاتی ہے، تو شور ہوتا ہے کہ سنت کی مخالفت ہو رہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد مسند دارمی میں نقل کیا گیا ہے کہ ''تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب تم پر فتنہ چھا جائے گا، ایسا طویل و مدید فتنہ کہ بڑی عمر کا آدمی اس میں انتہائی بوڑھا ہو جائے گا، اور چھوٹی عمر کا بچہ جوان ہو جائے گا، اور لوگ اسی فتنہ کو سنت قرار دے لیں گے، کہ اگر اس میں تبدیلی کی جائے گی، تو لوگ کہیں کہ سنت بدل دی گئی۔''

(مسند دارمی، جلد ا، ص: ۲۷۸، باب تغیر الزمان و مایحدث فیہا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل بدعت کے قلب و دماغ میں بدعت کا ایسا رسوخ اور استحکام ہو جاتا ہے کہ اس کے خلاف وہ سننے اور سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اور اگر اس بدعت کا خاتمہ کیا جاتا ہے، تو بدعت نہیں، اسے سنت سمجھ کر واویلا کرتے ہیں کہ سنت بدل دی گئی۔ چنانچہ تجربہ ہے کہ اہل بدعت کو سنت اور فرض کے سلسلے میں تو نہیں، البتہ بدعت کے سلسلے میں بہت تشدد ہوتا ہے، اہل سنت اور اہل حق کے مزاج میں تشدد نہیں ہوتا، حق کے وسیع دائرے میں اچھی خاصی لچک اور وسعت ہوتی ہے، البتہ فرائض و سنن کو مضبوطی کے ساتھ تھامتے ہیں، مگر اہل بدعت کا شعار یہ ہے کہ چاہے فرائض ترک ہو جائیں، حرام میں مبتلا ہو جائیں، سنتیں سرے سے متروک ہو جائیں، لیکن بدعت والا عمل ترک نہ ہونے پائے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ماضل قوم بعد ھدی کانوا علیه إلا اوتوا الجدل ثم قرأ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مَاضَرَبُوْهُ لَکَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ [احمد، ترمذی، ابن ماجة] (مشکوٰۃ شریف: باب الاعتصام بالکتاب والسنة

جب بھی کوئی قوم ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ ہوتی ہے، تو عناد اور جھگڑے میں مبتلا کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: مَاضَرَبُوْهُ لَکَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْن، (سورۃ الزخرف: ۸۵) انھوں نے یہ مثال محض جھگڑنے کیلئے بیان کی ہے، بلکہ یہ جھگڑالو قوم ہی ہے۔

جو قوم گمراہی اختیار کرتی ہے، تجربہ ہے، اور خود قرآن شاہد ہے کہ اس کے مزاج میں تشدد اور جھگڑے کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے، کفار بھی جھگڑالو تھے، ان کی بحث حق کے اثبات کے لئے نہیں جھگڑنے کے لئے ہوتی تھی، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (سورۃ الانبیاء: ۹۸) تم لوگ اور جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو، جہنم کے ایندھن ہیں۔ اس آیت میں بتایا کہ مشرکین بھی اور ان کے معبودانِ باطلہ یعنی پتھر کے بت اور شیاطین بھی جہنم میں گرنے والے ہیں، اس پر مشرکین نے حضرت نبی کریم ﷺ سے کٹ حجتی کی کہ اچھا ہمارے بت بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ (علیہ السلام) آخر عبادت تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی کی جاتی ہے، تو اگر وہ بھی جہنم میں جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں کہ ہم اور ہمارے بت بھی ان کے ساتھ جہنم میں جائیں، اس پر فرمایا: وَقَالُوا أَأٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ، ان کی اس بات کو حق تعالیٰ نے کٹ حجتی قرار دیا، کیونکہ اس سلسلۂ بیان میں جہاں اللہ تعالیٰ نے بتوں کو جہنم کا ایندھن قرار دیا ہے، ایک اور بات ارشاد فرمائی ہے، اسے یہ گول کر گئے، فرمایا کہ: إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى أُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ (سورۃ الانبیاء: ۱۰۱) وہ لوگ جن کے واسطے ہماری جانب سے خیر اور بہتری پہلے سے متعین ہوچکی ہے، وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حق تعالیٰ کی اطلاع اور گواہی ہے کہ وہ ان لوگوں میں ہیں، جن کے حق میں خیر اور بھلائی کا اعلیٰ مرتبہ یعنی نبوت کی برگزیدگی پہلے سے متعین ہے، پھر جہنم کے قریب کیونکر ہوں گے، یہ بات سامنے کی ہے، مگر جھگڑنے والے اپنے خلاف مطلب باتوں کو نظر انداز کرکے کٹ حجتی کرتے ہیں۔

اہل بدعت کا بھی یہی خاصہ ہے، وہ تلاش حق کے لئے نہیں، محض جھگڑنے کے لئے شوشے نکالتے ہیں، پھر اسی شوشے کی بنیاد پر لڑتے ہیں، بدعت اور گمراہی کس طرح رگ و ریشے میں سرایت کرتی ہے، پھر وہ پوری طرح اہل بدعت کو اپنی گرفت میں لیتی ہے، اسے بھی رسول اللہ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے سنئے! فرمایا: وإنه سيخرج في امتي اقوام

تتجاری بھم تلک الأھواء کما یتجاری الکلب بصاحبه لایبقیٰ منه عرق ولا مفصل إلا دخله [احمد وابوداؤد] (مشکوٰۃ شریف: باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) میری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے جن میں بدعتیں اس طرح سرایت کریں گی جیسے کتنا کاٹنے کی ہڑک بدن کے اندر سرایت کر جاتی ہے، ہر ہر رگ اور ہر ہر جوڑ میں داخل ہو کر رہتی ہے۔

کتا جب کاٹتا ہے تو اس سے ایک شدید قسم کی بیماری جسم میں پیدا ہو جاتی ہے، جو آدمی کے رگ و ریشے میں پھیل جاتی ہے، پھر آدمی کتے کی طرح بھونکنے لگتا ہے، اور پیاس سے تڑپتا ہے، اور بڑی سخت موت مرتا ہے، یہ مثال رسول اللہ ﷺ نے اہل بدعت کی دی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بدعت کتنی سخت معصیت اور بیماری ہے، اور واقعی یہ تجربہ ہے کہ بدعتی کو اپنی بدعت میں اتنا انہماک اور غلو ہوتا ہے کہ اس کے سامنے شریعت کے دوسرے احکام ماند پڑ جاتے ہیں، وہ اسی معیار پر ہر ایک کو جانچتا ہے، اسی کو حق و ناحق کی بنیاد بناتا ہے، پھر اس میں تشدد اور جارحیت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ نمازوں کی فکر نہیں ہے، لیکن بدعت کے عمل پر مارا ماری ہے، مالِ حرام کا خوف نہیں ہے، مگر عمل بدعی کے فوت ہو جانے سے دل لرزتا ہے، تلاوت قرآن کا اہتمام نہیں، مگر بدعی وظائف ترک نہ ہوں۔ بدعت کے جس ماحول پر نظر ڈالئے یہ تماشا جابجا ملے گا، اس طرح دین میں تحریف ہوتی ہے، دینی اور شرعی اصطلاحوں کے معانی بدل جاتے ہیں، ہر ایک بدعت اپنی ایک اصطلاح رکھتی ہے، الفاظ اصطلاح کے وہی ہوتے ہیں، جو شریعت میں رائج ہیں، لیکن معانی میں بہت فرق آجاتا ہے، اس سے تحریف راہ پاتی ہے، اس لئے بدعت کی معصیت، دیگر معاصی سے شدید تر ہے، بدعت سے عمل بھی بگڑتا ہے، اور عقیدہ میں بھی خرابی پڑتی ہے، ہمارے اکابر رحمہم اللہ (علماء دیوبند) کو بدعات سے بغایت نفرت تھی۔

مضمون کے خاتمہ پر مناسب سمجھتا ہوں کہ علماء دیوبند کے حلقے کی ایک بزرگ ترین شخصیت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے دو ملفوظ تذکرۃ الخلیل

سے نقل کروں، حضرت رائے پوری پر زُہد وتقویٰ اور بزرگی ومشیخت کا غلبہ تھا، اس لئے علم وفضل کے کمال کے لحاظ سے زیادہ معروف نہیں ہوئے، ورنہ ان کا علمی پایہ بھی بہت بلند تھا، حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے اخص خلفاء میں تھے۔

تذکرۃ الخلیل کے مصنف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی علیہ الرحمہ، انھیں حضرت رائے پوری کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''ہر چند کہ آپ خلق مجسم تھے، مگر خلافِ سنت عقیدہ والوں سے آپ کو کمالِ نفرت تھی، ایک مرتبہ آپ کے کسی مرید نے ضلع .... کے ایک عالم کی صفائی پیش کرتے ہوئے یوں کہا کہ حضرت! وہ تو حضور کے رشتہ دار ہیں، اور بالکل ہمارے ہم خیال ہیں، صرف بعض عقائد میں کچھ یوں ہی سا جزوی اختلاف ہے، جیسا باہم ائمہ میں ہے، وہ صاحب اپنی تقریر ختم نہ کر پائے تھے، کہ آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوگئے، اور آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ ہائیں عقائد میں اور اختلاف؟ یہ تو جزوی ہونا آپ کو خود تسلیم ہے، میرا تجربہ تو یہ ہے کہ عقائد میں جز تو جزا اگر بالکل بھی اختلاف نہ ہو، مگر شک اور شبہ کا درجہ ہو، تو وہ بھی برباد اور گمراہ ہوئے بغیر نہیں بچتا، پھر اس کو ائمہ کے اختلاف سے تشبیہ دینا بڑی ہی دلیری کی بات ہے، پس چاہئے کہ عمل میں کتنی کمزوری ہو، مگر خدا نہ کرے کہ کوئی مسلمان بدعت کو سنت سمجھے، یا سنت کے سنت ہونے میں شک لاوے کہ یہ بلائے بے درماں مہلک اور قاتل ہے (تذکرۃ الخلیل: ۲۵۵)

بدعت کے سلسلے میں ہمارے اکابر کا یہ رویہ رہا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو بدعات کا جتنا پھیلاؤ ہو رہا ہے، سنت کا نور گم ہو جاتا، لیکن ان حضرات کی بصیرت، فہم خداداد، علمی رسوخ، تقویٰ وطہارت، پاکیزگیٔ قلب اور نورانیت روح ووِجدان کی وجہ سے بدعت کا بدعت ہونا نمایاں ہے، اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت اقدس مولانا

رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی مراسلت جو تذکرۃ الرشید میں من وعن درج ہے، قابل مطالعہ ہے۔ اس سے بدعت کی حقیقت اور اس کی قباحت وشناعت خوب واضح ہوتی ہے۔

تذکرۃ الخلیل میں حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ کا ایک اور ارشاد مفصل نقل کیا گیا ہے، جس سے حق وباطل اور سنت وبدعت کی شناخت آسان ہوجاتی ہے، وہ قابل ملاحظہ ہے، اس کا مکمل متن نقل کرتا ہوں، مصنف تذکرۃ الخلیل لکھتے ہیں:

"ایک دن آپ کی مجلس میں بدعت وسنت کے مسائل اختلافیہ کی بحث ہونے لگی، آپ دیر تک سنتے رہے، اور آخر میں فرمایا کہ میرے نزدیک علاوہ دلائل علمیہ کے حق وباطل پہچاننے کا ایک معیار اور بھی ہے، وہ یہ کہ قدرت نے ہر چیز میں اس کے ہم جنس کی طرف کشش کا مادہ رکھا ہے۔

کبوتر با کبوتر باز با باز

اور یہ قدرت کا عطیہ جس کو فطرت کہنا چاہئے، اجسام ہوں یا اعراض، سب ہی میں جاری وساری ہے، پس جس فعل کے متعلق یہ شبہ ہو کہ نہ معلوم حق ہے یا باطل؟ اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی طرف میلان کن قلوب کا ہوا، اور کشش کس قسم کے لوگوں کی ہے؟ اگر دیکھو کہ بددین فساق وفجار کو ابتداءً اس کی طرف حرکت ہوئی ہو، اور وہی قلوب جوش وخروش کے ساتھ اس کی طرف لپکتے ہیں، تو سمجھ لو کہ اس فعل میں ضرور ظلمت ہے، اگرچہ ظاہری صورت نورانی اور دینی معلوم ہوتی ہو، کیونکہ اس میں نور ہوتا، تو ظلمانی قلوب کو جذب نہ کرتا، بلکہ وہ اس سے بھاگتے اور نورانی قلوب اولیاء وصلحاء کے اس کی جانب کھنچتے، اور اگر کسی فعل کو دیکھو کہ دیندار اہل اللہ اس کی طرف جاتے، اور عوام وبازاری اس سے بھاگتے ہیں، تو سمجھ لو کہ ضرور اس فعل میں نورانیت ہے کہ اہل نور کے قلوب کو اس کی طرف کشش ہوئی،

اور ظلمانی قلوب نے اسی سے وحشت کھائی۔ (تذکرۃ الخلیل: ۲۵۰)

بدعت بھی ایک عجیب تماشا ہے، جب یہ آتی ہے، تو چور دروازہ سے آتی ہے، دینی لبادہ اوڑھ کر آتی ہے، علماء وفقہاء سے ڈرتی ہے، وہ کہیں اسے پہچان کر حلقۂ دین سے باہر نہ کردیں، لیکن جب یہ استحکام پکڑتی ہے تو، ناواقفوں کے ذہن ودماغ پر قدم جما لیتی ہے اور جو جان اور سمجھ سکتے ہیں، انھیں بھی کسی طرح فریب دینے میں کامیاب ہوجاتی ہے، پھر جب یہ اپنی رگ اور ریشے پھیلا لیتی ہے، تو سینہ تان کر ان علماء کے سامنے کھڑی ہوجاتی ہے، جو اسے بدعت کہتے ہیں، یا کہنا چاہتے ہیں، انھیں مطعون کرتی ہے، علماء کی حقانیت کیلئے معیار بن جاتی ہے، اور معاملہ الٹ جاتا ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ علماء ربانی کے معیار پر کسی عقیدۂ وعمل کو پرکھا جائے، لیکن ہونے یہ لگتا ہے کہ اس عقیدۂ وعمل کے معیار پر اہل حق علماء کو جانچا جانے لگتا ہے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

(جون ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر اور سوچ کی دو راہیں: فکر دنیاوی اور فکر ایمانی

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم، أما بعد!

ہماری یہ دنیا، جس میں ایک عارضی زندگی دنیا والوں کو بخشی گئی ہے، اور عمل کی ایک عارضی مہلت انھیں ملی ہوئی ہے، اس میں ان کے ساتھ ایسی ضروری بات اور ایسی مجبوریاں لگا دی گئی ہیں کہ انھیں سعی و عمل سے چارہ نہیں، شعوری اور غیر شعوری طور پر ہمہ دم انھیں کد و کاوش کی الجھنیں گردش میں رکھتی ہیں، پیدائش سے موت تک حرکت ہی حرکت ہے، عمل ہی عمل ہے، عمل اور ردعمل کا ایک سلسلہ ہے، جو مسلسل سامنے آتا رہتا ہے، دنیا کی زندگی کا نظام اسی بنیاد پر قائم ہے، تو کیا صرف یہی نظام ہے، جو ہماری نگاہوں میں آتا رہتا ہے، ہماری عقل اس کا ادراک کرتی رہتی ہے، اس کی گتھیاں کبھی سلجھتی ہیں، کبھی الجھتی ہیں۔ کبھی آدمی خوش ہوتا ہے کبھی رنج و تکلیف کے دریا میں ڈوبنے لگتا ہے؟ کیا یہ سب اسی نظام عالم کا کرشمہ ہے؟

اس سوال کا ایک جواب تو وہ ہے، جسے مادی دنیا دیتی ہے، یہ جواب مادہ پرستوں کے دماغ میں آتا ہے، جن کے نزدیک کائنات از اول تا آخر یہی سامنے کی کائنات ہے، جن کو نہ خدا سے مطلب ہے، نہ عقیدہ آخرت سے اور نہ غیبی حقائق سے! لیکن یہ جواب بہت ناقص، ناقابل تسلی، اور غیر اطمینان بخش ہے، اس جواب سے فطرت انسانی کو اطمینان تو کیا ہوتا، بے شمار سوالات اور سر ابھارنے لگتے ہیں۔

اس سوال کا ایک جواب وہ ہے جو خود خالق کائنات نے دیا ہے، خالق کائنات کے فرستادہ رسولوں نے اسے سمجھایا ہے، یہی جواب عین حق ہے، اسی سے انسانی فطرت تسلی اور سکون پاتی ہے، اس جواب کے بعد کوئی سوال باقی نہیں رہتا بلکہ جہد وعمل اور سعی وکاوش کا صحیح رخ متعین ہو جاتا ہے اور اس پر چل پڑنے کا حوصلہ بھی بیدار ہو جاتا ہے۔

اس سوال کے جواب کے لیے جب ہم قرآن وحدیث کی جانب رجوع کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سارے نظام کا آغاز کار عالم غیب میں ہے، وہیں احکام صادر ہوتے ہیں، وہیں انتظام مرتب ہوتا ہے، اور وہیں سے وقت وقت پر ان انتظامات کا نزول ہوتا ہے، اور ان سارے انتظامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک برگزیدہ مخلوق یعنی فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے، جو منشاء الٰہی سے ایک سر مو انحراف نہیں کرتے: لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا أَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤمَرُوْنَ۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَ یُؤمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْئٍ رَحْمَةً وَّعِلْماً فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ وَقِھِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ. رَبَّنَا وَأَدْخِلْھُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِیْ وَعَدْتَّھُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِھِمْ وَاَزْوَاجِھِمْ وَذُرِّیَّاتِھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ وَقِھُمُ السَّیِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّیِّئَاتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (سورہ مومن ۷-۹) اور جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش، اور جو اس کے گرد ہیں، پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ، اور اس پر یقین رکھتے ہیں، اور گناہ بخشواتے ہیں، ایمان والوں کے، کہ اے ہمارے رب! آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر شے کو وسیع ہے، پس ان لوگوں کی مغفرت فرما دیجئے، جنھوں نے توبہ کی، اور آپ کی راہ پر چلے اور انھیں جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے، اور داخل کیجئے ان کو بسنے کے باغوں میں، جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے، اور جو کوئی نیک ہو ان کے باپوں میں اور عورتوں میں اور اولاد میں، بے شک آپ ہی ہے زبردست، حکمت والے ہیں، اور

بچائیے ان کو برائیوں سے، اور جن کو آپ بچادیں برائیوں سے اس دن، اس پر مہربانی کی آپ نے، اور یہ جو ہے، یہی ہے مراد پانی۔

آیت کریمہ بتارہی ہے کہ زمین میں جو کچھ ہورہا ہے، اس کا تعلق صرف یہیں سے نہیں ہے، بلکہ فرشتوں کی ایک برگزیدہ جماعت ہے، جو عرش الٰہی کو تھامے ہوئے ہے، اور بہت سے فرشتے اس کے اردگرد مصروف طواف ہیں، یہ سب اللہ کی حمد وثنا کے ساتھ زمینی مخلوقات پر نگاہ جمائے ہوئے ہیں، اور ان میں جو صاحب ایمان ہیں، ان کے لئے مسلسل استغفار، دعائے رحمت اور دفع بلا کی درخواست کرتے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ فرشتے وہی کرتے ہیں، جس کا نھیں حکم ہوتا ہے، پس یہ سب کچھ وہ حکم خداوندی سے کرتے ہیں، ان کی دعاؤں کا اثر زمین پر اترتا رہتا ہے۔

ایسے ہی جو لوگ سرکش اور باغی ہیں، ان پر فرشتوں کی لعنت آتی ہے، فرماتے ہیں: إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ (سورۂ بقرہ:۱۶۱)۔ جو لوگ کافر ہوئے، اور کفر پر ہی مرگئے، ان پر لعنت اللہ کی ہے، فرشتوں کی، اور لوگوں کی، سب کی۔

معلوم ہوا کہ زمین پر جو کچھ ہورہا ہے، اس کا سرا آسمان سے جڑا ہوا ہے، زمین تو ظہور کی جگہ ہے۔ ورنہ حقائق وہاں ہیں، جہاں انسان کی نگاہ نہیں پہونچ پاتی، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (سورۃ الذاریات:۲۲) اور آسمان میں تمھاری روزی ہے، اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس آیت میں مجاز نہیں ہے، حقیقت ہے، وہ یہ کہ روزی عالم غیب میں ہے، وہیں سے تدبیر اور انتظام سے اترتی رہتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتے ہیں تو عرش کو تھامنے والے فرشتے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، پھر اس آسمان والے فرشتے، جو ان سے متصل ہیں تسبیح پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمان دنیا کے فرشتوں تک آپہنچتی ہے، اور پوری

آسمانی دنیا تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوجاتی ہے، پھر حاملین عرش سے ان کے قریب ترین فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ پروردگار کا کیا حکم ہے؟ تب وہ انھیں بتاتے ہیں، اوراسی طرح آسمان والے فرشتے ایک دوسرے سے معلوم کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف ج ۲ص ۱۵۴)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات میں اٹھا اور اللہ نے جس قدر مقدر فرمایا تھا، میں نے نماز پڑھی، پھر مجھے اونگھ سی آگئی، اور نیند کی وجہ سے سر بوجھل ہوگیا، تو میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو ایک اچھی صورت میں دیکھا، مجھ سے فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کیا لبیک اے میرے رب، فرمایا کہ ملأ اعلی کس سلسلے میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے عرض کی: مجھے معلوم نہیں، یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ فرمایا کہ پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھا، اور میں نے انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میرے سامنے ہر چیز روشن ہوگئی، اور میں نے بخوبی پہچان لیا پھر فرمایا اے محمد! میں نے عرض کی لبیک ربی! فرمایا ملأ اعلی کس مسئلے میں بحث کررہے ہیں؟ میں نے عرض کی: کفارات کے مسئلے میں، فرمایا وہ کیا ہیں، میں نے کہا، جماعت کی نماز کے لئے قدموں سے چلنا، نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھے رہنا، اور ناگواری کے اوقات میں پورا وضو کرنا، فرمایا اور کس چیز میں؟ میں نے کہا درجات کے بارے میں، فرمایا وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا کھانا کھلانا، نرم کلام کرنا، اور رات میں نماز پڑھنی جب کہ لوگ سورہے ہوں۔ (احمد وترمذی تفسیر سورۂ ص)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں، تو جبرئیل کو بلاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، پس تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اس کی مقبولیت زمین پر اترتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ناپسند کرتے ہیں، تو جبرئیل کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں فلاں سے نفرت کرتا ہوں، تم بھی اس سے نفرت کرو، پس وہ لوگ بھی اس سے متنفر ہوجاتے ہیں، پھر یہ نفرت اور یہ بغض زمین پر اترتا ہے، (مسلم شریف: کتاب

البر، باب اذا احب اللہ عبدہ)

ایک حدیث اور ملاحظہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر روز جب صبح ہوتی ہے، تو دو فرشتے اترتے ہیں، ایک کہتا ہے **اللّٰھم اعط منفقاً خلفاً**، اے اللہ دینے والے کو عوض عطا فرمائیے، اور دوسرا کہتا ہے **اللّٰھم اعط ممسکاً تلفاً**۔ اے اللہ بخیل کے مال میں بربادی ڈال دیجئے (بخاری شریف: **الزکوٰۃ باب قول اللہ تعالیٰ ما من**)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک شخص کسی صحرائی زمین میں تھا، اس نے اوپر ایک بدلی کے اندر ایک آواز سنی کہ فلاں کے باغیچہ کو سیراب کرو، پھر وہ بدلی ایک طرف چلی، اور ایک پتھریلی زمین پر برس گئی، وہ سارا پانی ایک نالے میں جمع ہوا، اور بہہ پڑا۔ یہ شخص اس پانی کے پیچھے چلا کہ کہاں جاتا ہے؟ دیکھا کہ ایک آدمی اپنے کھیت میں بیلچے سے پانی پہونچا رہا ہے، اس نے پوچھا کہ بندۂ خدا! آپ کا کیا نام ہے؟ اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل کی آواز سے سنا تھا، پھر اس نے پوچھا، اللہ کے بندے میرا نام کیوں پوچھتے ہو؟ کہا کہ میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی ہے، ایک آواز سنی تھی کہ فلاں کا باغ سیراب کرو، اس میں آپ کا ہی نام تھا، تمھارا اس کھیتی میں کیا عمل ہے؟ اس نے کہا کہ جب تم نے پوچھ ہی دیا ہے، تو سنو! میں اس کی پیداوار کو دیکھتا ہوں، اور ایک تہائی صدقہ کر دیتا ہوں، ایک تہائی اپنے اہل و عیال کے لئے رکھتا ہوں، اور ایک تہائی اس باغ میں واپس کر دیتا ہوں۔ (مسلم شریف **الزھد باب الصدقة علی المساکین**)

قرآن کی آیت کریمہ اور ان تمام حدیثوں سے یہ بات وضاحت سے سمجھ میں آتی ہے کہ عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا ابتدائی سرا یہاں نہیں، عالم غیب میں ہے جس طرح برقی قمقمے جلتے کہیں ہیں، اور بجلی آتی کہیں اور سے ہے، اگر قمقمہ بجھ جائے، تو اس پر کوئی توجہ نہیں کرتا، بجلی کی جانب رخ کیا جاتا ہے، اسی مثال پر سمجھئے، کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ ایک وجود ظاہر ہے، اسے ظاہر کرنے والا کوئی اور ہے، اور اس کا مرکز ظہور کہیں اور ہے۔

یہاں سے اہل دنیا، اور اہل ایمان الگ الگ ہوتے ہیں، اہل دنیا صرف ظاہر کو

دیکھتے ہیں، اور اسی میں الجھے رہتے ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ (سورۃ الروم:۷) یہ لوگ دنیوی زندگی کے صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں، اور آخرت سے یکسر غافل ہیں، یعنی یہ لوگ دنیا کو، اس کے کمانے کے طریقوں کو، اس کے حالات کو تو خوب جانتے ہیں، اور اس سلسلے میں مہارت رکھتے ہیں، لیکن دین کے معاملے میں، اور آخرت میں کیا چیز نافع ہے، اس سے بالکلیہ جاہل اور مغفل ہیں، نہ انھیں اس کی ذہانت حاصل ہے، اور نہ کچھ فکر ہے۔

لیکن ایمان والوں کا حال یہ نہیں ہے، وہ اس دنیا کے حجابات ظواہر سے گزر کر عالم غیب پر نگاہ جماتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ دنیا کے ضرر کو اور یہاں کے نقصان کو سمجھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آخرت میں اس کا عوض بہت بڑے نفع کی شکل میں ملنے والا ہے، تو وہ چھوٹے نقصان کو بڑے نفع کے یقین پر بآسانی گوارا کر لیتے ہیں، اسی طرح وہ دنیا کے مصائب، تکالیف، دنیا والوں کے ظلم وستم کو دیکھتے ہیں، قحط سالی، بے روزگاری، کاروبار میں گھاٹا، روزی کی تنگی، اور طرح طرح کے امراض سب دیکھتے ہیں، مگر یہ جانتے ہیں کہ ان سب کے نزول کا سرچشمہ کہیں اور ہے، پھر وہ دنیا کی ان الجھنوں میں گرفتار ہونے کے بجائے اسی مرکز ظہور کا رخ کرتے ہیں، اور اس رخ کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اپنا ایمان تازہ کرتے ہیں، اپنے اعمال واخلاق کا جائزہ لیتے ہیں، نامناسب چیزیں اپنے سے دور کرتے ہیں، بدن پر مکھی بار بار بیٹھتی ہے، تو عقل مند مکھی کو الزام نہیں دیتا، وہ دیکھتا ہے کہ جہاں مکھی بیٹھ رہی ہے، وہاں کوئی گندگی تو نہیں ہے، پھر اسے گندگی نظر آجاتی ہے، تو اسے صاف کر دیتا ہے، اور مکھی اڑ جاتی ہے، اسی طرح مومن کسی نامناسب چیز کی یلغار دیکھتا ہے، تو اس الجھن میں نہیں پڑتا کہ یہ نامناسب کیا ہے؟ اسے الزام نہیں دیتا، وہ اس چیز کو دیکھتا ہے، جس پر یہ نامناسب چیز ٹوٹی پڑ رہی ہے، پھر وہ اسے دور کرتا ہے، توبہ کرتا ہے، معافی چاہتا ہے، اپنے احوال کو بدل لیتا ہے۔ پھر اس نامناسب چیز سے نجات بھی پا لیتا ہے، اور جتنا جھیل چکا ہے، اس پر بے اندازہ اجر وثواب کا بھی مستحق ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں کہ: الا من تاب وعمل صالحاً فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات وکان اللہ غفوراً رحیماً (سورۃ الفرقان: ۷۰) مگر جو اللہ کے حضور رجوع کرے، اور اچھا عمل کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

دنیا والوں، اور اہل ایمان کے نظریے اور عمل میں کتنا فرق ہے؟ اس پر غور کیجئے، ظاہر کو پکڑ کر اس کی الجھن میں گرفتار ہونا سرے سے غلط، بلکہ حماقت ہے۔ ایسے لوگوں سے زیادہ سمجھدار تو وہ کتا ہے، جسے لاٹھی، یا پتھر سے مارا گیا، وہ دیکھ رہا ہے کہ بدن پر چوٹ لاٹھی سے یا پتھر سے لگی ہے، لیکن جذبۂ انتقام میں نہ وہ لاٹھی پر حملہ کرتا اور نہ پتھر کو کاٹتا، وہ لاٹھی مارنے والے کی طرف دوڑتا ہے، یا اس سے بھاگتا ہے، ظاہری مصائب کی الجھن میں گرفتار ہونا اور اس کی تحقیقات میں مبتلا ہونا محض لغو ہے، یہ طریقہ کفار کا ہے، اور اہل دنیا کا ہے، کافر ہی مطلق اہل دنیا ہوتا ہے۔

اہل دنیا کافران مطلق اند — روز وشب در زق زق و در بق بق اند

کافر مطلق اہل دنیا ہیں، یہ رات دن زق زق اور بق بق میں ہیں۔

اہل ایمان ایسے نہیں ہوتے، ان کی سوچ، ان کا عقیدہ، ان کا عمل اور ان کی نظر، حجابات دنیا سے بلند اور بہت بلند ہوتی ہے، مومن دیکھتا ہے کہ عالم غیب میں ایک مکمل انتظام ہے، حکم الٰہی فرشتوں پر اترتا ہے، پھر اللہ کی یہ فوج اس حکم کی تعمیل ونفاذ میں اپنی اپنی استعداد کے مطابق لگ جاتی ہے۔ کوئی دعاء واستغفار کرتا ہے، کوئی مجرموں پر لعنت کرتا ہے، کوئی اس کی خبر آسمانوں کو پہنچاتا ہے، کوئی اسے زمین پر لے کر آتا ہے۔

مومن قرآن وحدیث کی خبر کے مطابق اپنے دید ومشاہدہ سے بڑھ کر اس حقیقت کا یقین کرتا ہے، پھر وہ مصائب کی بوچھار میں صبر ورضا کے ساتھ حق تعالیٰ کی جناب میں تضرع وزاری کرتا ہے اور استغفار اور اصلاح اعمال میں لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ مصائب کی یہ بدلیاں چھٹ جاتی ہیں، اور اس کا دل توبۂ واستغفار کے آب زلال سے غسل کر کے تازہ دم

اور طاقت ور ہو جاتا ہے، پھر وہ دم بدم نعمتوں کا مشاہدہ کرتا ہے، اور اس کے قلب وزبان سے حمد وشکر کے زمزمے بلند ہوتے ہیں جب تک حمد وشکر میں وہ اور اس کے اخلاف مشغول رہتے ہیں، نعمتوں کا سلسلہ رکتا نہیں بڑھتا اور پھیلتا رہتا ہے: **لئن شکرتم لازیدنکم** (سوہ ابراہیم: ۷)، اگر تم شکر ادا کروگے تو ہم بڑھاتے رہیں گے، اور اس سے پہلے وہ صبر کر کے اجر بے حساب حاصل کر چکا ہے، **انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب** (سورہ الزمر: ۱۰) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے پورا پورا ادا کیا جاتا ہے۔

غرض مومن کی سوچ الگ ہے، اور اس کی بنیاد پر اس کا عمل اور اس کے دل کا حال الگ ہے، خدا نہ کرے کوئی مومن، اہل دنیا کے طرز پر سوچنے لگے پھر الجھنوں کا کوئی علاج نہیں ہوگا۔ ظاہری دنیا میں الجھنیں ہی الجھنیں ہیں، مسائل ہی مسائل ہیں، مال ہے تو اس کی حفاظت اور اس میں اضافہ کی فکر ایک دردسر ہے، مال نہیں ہے، تو غربت وافلاس کی بے بسی ہے، پھر عزت وذلت کا مسئلہ ہے، صحت ومرض کی الجھن ہے، دوست ودشمن کا چکر ہے، اللہ ہی جانتا ہے کیا کیا مسائل ہیں۔ مگر مومن ان ساری الجھنوں اور فکروں کو سمیٹ کر بلکہ ان سے قطع نظر کر کے ان کے سرچشمہ تک جا پہونچتا ہے، جو ایک ہی بارگاہ ہے، وہاں تمام الجھنیں اسے چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہیں، اور وہ خوش وخرم اور مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر خدانخواستہ وہ کافرانہ اور دنیادارانہ طرز فکر میں مبتلا ہو کر ان الجھنوں میں ہی تہ وبالا ہوتا رہا، تو اس کی زندگی، اور اس کا قلب بلکہ اس کا پورا وجود نہیں بلکہ اس طرز کا پورا معاشرہ کھنکھجورے کے ہزار پاؤں میں پھنسا اضطراب میں لوٹتے لوٹتے، دم توڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ان کا روئے سخن خاص طور پر علماء کی طرف ہے، فرماتے ہیں: **سمعت نبیکم ﷺ یقول من جعل الھموم ھما واحدا ھم آخرته کفاہ اللہ دنیاہ ومن تشعبت به الھموم في احوال الدنیا لم یبال اللہ في اي اودیتھا ھلک** (ابن ماجہ مقدمہ: باب انتفاع بالعلم والعمل به)

کہ میں نے تمھارے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اپنی تمام فکریں سمیٹ کر ایک فکر بنائی یعنی آخرت کی، تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کے لئے کافی ہوتے ہیں، اور جس کے تفکرات نے دنیا کے احوال میں اسے منتشر رکھا، تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس کھڈ میں گر کر ہلاک ہوتا ہے۔

یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہل ایمان کو دنیا کی حقیقت سے آگاہ کر کے، ان کی سوچ اور فکر کو اللہ کی طرف، عالم غیب کی طرف اور آخرت کی طرف موڑ دیں تا کہ قلب کو دنیاوی آہ وواویلا سے پناہ ملے، ورنہ نہ جانے ایمان رکھنے والے یہ بندے دوسروں کو دیکھ دیکھ کر کن کن وادیوں میں بھٹکتے پھریں گے۔

(جولائی ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسوۂ نبوی کی جامعیت

مولانا سیّد عزیز الرحمٰن صاحب پاکستان کے ایک جواں سال صاحب قلم عالم ہیں، انھوں نے ایک کتاب ''درس سیرت'' کے نام سے لکھی ہے، یہ اسوۂ حسنہ کے ایک موضوع اخلاق اور اس کے متعلق امور پر ایک جامع، پُر مغز اور مفید کتاب ہے، اس کتاب کے ہندوستانی ایڈیشن کیلئے یہ سطریں بطور تمہید کے لکھی گئیں، یہ کتاب اسلامک بک فاؤنڈشن، حوض سوائیوان، دہلی سے شائع ہوگئی ہے۔

خالق کائنات نے انسان کو خلاصۂ کائنات بنایا، احسن تقویم میں اس کی تخلیق کی، دل دیا، دماغ دیا، عقل وشعور کا سرمایہ بخشا، احساسات وجذبات کی قوت عطا فرمائی، کائنات کی چیزوں پر تصرف کا اختیار دیا، پھر حیات وموت کو وجہ امتحان بنایا۔ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً، دیکھیں کردار وعمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے، احسن ہے۔

کردار وعمل کی یہ بہتری، جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مطلوب ہے، اس کا معیار کیا ہے؟ انسانیت کے فضل وشرف کی کسوٹی کیا ہے؟ اس سوال کا اصولی جواب یہ ہے کہ کردار وعمل، بہتر وہ ہے، جو حق تعالیٰ کو پسند آجائے، انسانیت کی معراج یہ ہے کہ بارگاہِ حق میں محبت وقبولیت سے سرفراز ہوجائے۔

پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے

پیا کس کو چاہتا ہے؟ اللہ کی کتاب پڑھئے! آپ اوّل تا آخر پاتے چلے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کسے چاہتے ہیں؟ ان کے پسندیدہ اور مقبول بندوں کے اوصاف واحوال، افکار واعمال کیا کیا ہیں؟ بندہ جب بندہ ہے، تو بندگی کے تقاضے کیا کیا ہیں؟ اور انھیں کس طرح بجالائے، اپنے خالق ومالک کے حق میں اس کے قلب کا کیا حال ہو؟ محبت ہو، تو آدابِ

محبت کیا ہوں؟ عبادت ہو، تو حق عبادت کیا ہو؟ اطاعت ہو، تو جذبۂ اطاعت کیا ہو؟ اخلاق ہو، تو حسن اخلاق کیا ہو؟ ان تمام سوالوں کا جواب قرآن کریم میں پانے والے پاتے ہیں، لیکن ان سب جوابوں کی عملی تشکیل کس طرح ہو، تاکہ علم کے ساتھ ڈھونڈھنے والا عملی صورت بھی پالے، پھر اسے ہمت وحوصلہ بھی اور حسن عمل کا راستہ بھی مل جائے، اور نمونہ دیکھ کر کام کرنے کا سلیقہ بھی آجائے۔

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی فرمائی۔ علم تو اتارا ہی، ساتھ میں عملی تشکیل کا نمونہ بھی بھیجا، اگر یہ نمونہ نہ ہوتا تو علمی احکام ومسائل، عمل کا پیکر جمیل نہ اختیار کر پاتے، یہ نمونہ خود حق تعالیٰ نے بنایا، سنوارا اور سجایا، پھر اسے پسند کیا، اس پر رضامندی کا اظہار فرمایا، پھر سب کو حکم دیا کہ اسی نمونہ پر اپنے کو ڈھالتے چلے جاؤ، انسانیت جس قدر اس نمونے کے قریب ہوگی، بارگاہِ حق میں اتنی ہی پسندیدہ ہوگی، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَاللّٰہَ کَثِیْراً O (سورۃ الاحزاب:) تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کیلئے جو اللہ (سے ملنے) کی اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے، اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔

یعنی جس کسی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی رہیں، آخرت میں کامیاب وسرخ رو ہو، اور زندگی کے ہر لمحے میں اللہ کو یاد رکھتا ہو، اس کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایک بہترین نمونہ ہیں، اسی نمونہ پر اپنی صورت وسیرت، اخلاق وکردار، افکار وخیالات، عقائد ونظریات کو ڈھالتا چلا جائے، حسین سے حسین تر ہوتا چلا جائے گا، اس کے جمال سے دنیا چمک اٹھے گی۔

حق تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو: قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ (آل عمران:) اے رسول تم یہ بات لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم لوگ اللہ کی محبت رکھتے ہو، تو میرا اتباع کرو، پھر اللہ تعالیٰ تم

سے محبت فرمائیں گے، اور تمہاری غلطیوں کو معاف کردیں گے، اور اللہ تعالیٰ تو ہیں ہی مغفرت کرنے والے، رحم فرمانے والے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحۃً حکم دیا ہے کہ، اس نمونۂ کامل کے قدم بقدم چلے آؤ، اللہ تعالیٰ اپنی محبت وعنایت سے نوازیں گے، اوراس کے بعد اگر کمزوری کی وجہ سے کچھ غلطی ہوجائے گی تو اس سے درگزر فرمائیں گے۔

ان دونوں ارشاداتِ الٰہی سے معلوم ہوا کہ زندگی کے ہر نشیب وفراز میں اور ہر مرحلے میں رسول اکرم ﷺ انسانیت کے صلاح وفلاح کے لئے نمونۂ کامل ہیں، یہی چیز رضاءِ خداوندی، فلاحِ آخرت، تحصیل محبت الٰہی کیلئے براہ راست یقینی اور قطعی ذریعہ ہے۔

☆☆☆☆☆

کسی نمونہ پر ڈھلنے اوراس کی کامل پیروی کرنے کے لئے ضروری ہے، کہ وہ بتمام وکمال ہمہ وقت آدمی کے پیش نظر رہے۔ اگر ایسا نہ ہو، بلکہ نمونہ کا کچھ جز پیش نظر ہو اور کچھ غائب ہو تو اتباع ہرگز نہ ہوسکے گا، اللہ نے اپنے آخری رسول کو جب نمونۂ کامل بنایا، اوران کی پیروی اور اتباع کا حکم دیا، تو اس کا انتظام بھی فرمایا، کہ تلاش کرنے والوں کے سامنے نمونے کے تمام اجزاء اپنی اصلی ہیئت میں موجود ہوں، آپ کی حیاتِ طیبہ میں، آپ کے اصحاب کے لئے آپ سے ہمہ وقتی استفادہ علماً بھی اور عملاً بھی بہت آسان تھا، لیکن بعد والوں کے لئے بھی حق تعالیٰ نے آپ کے اُسوۂ حسنہ کو اس جامعیت کے ساتھ محفوظ فرمادیا ہے، کہ زندگی کا کوئی مرحلہ، کردار وعمل کا کوئی موڑ، معاشرہ کی کوئی پیچیدگی، طبیعت انسانی کی کوئی الجھن، امید وبیم کی کوئی کشمکش، دوستی ودشمنی کی کوئی نزاکت اور خاندانی تعلقات کی کوئی گرہ ایسی نہیں ہے، جس کی رہنمائی آپ کے اُسوۂ حسنہ میں نہ ملتی ہو۔

مدرسہ کی تعلیم سے رسمی فراغت کے بعد جب دینی مدارس کے ماحول میں، اوراس کے ساتھ عامۃ الناس کے معاشرہ میں کام کرنے کا اس خاکسار کو موقع ملا، تو شدت سے احساس ہوا کہ زندگی کی ہر راہ اور راستے کے ہر موڑ پر، اسوۂ نبوی کو تلاش کرنا چاہئے۔ چنانچہ

متواتر تین چار سال تک اسے موضوع بنا کر مطالعہ کرتا رہا، اور کہیں بھی ناکامی کا سامنا نہیں پڑا، ہر راہ روشن تھی، ہر مرحلہ اجالا تھا، قلب ودماغ میں جو الجھن بھی آئی، اسوۂ حسنہ نے اسے بخوبی حل کیا، لکھنے لکھانے کا ذوق نہیں تھا، ورنہ اگر اس وقت حاصل مطالعہ ضبط کئے ہوتا، تو ایک کارآمد چیز وجود میں آجاتی، مگر کیا ہوا؟ لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے، کوئی تلاش کرنے والا اور پڑھنے والا تو ہو۔

کسی کو اللہ کی رضا وخوشنودی کی فکر ہو، آخرت اس کے پیش نظر ہو، اللہ کی یاد اس کے دل میں بسی اور زبان اس سے تروتازہ ہو، اس کے سامنے اسوۂ حسنہ کا جلوہ تمام تفصیلات کے ساتھ موجود ہے۔

☆☆☆☆☆

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاحب اسوۂ حسنہ رسول کریم ﷺ کو ایک حکم دیا ہے، اگر غور کیجئے، تو اسوۂ حسنۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روح اسی حکم کی تعمیل ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَاشَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (سورۃ الانعام:) تم کہو کہ بلاشبہہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہان کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے، اور میں اسے اول تسلیم کرنے والا ہوں۔

عبادت ہو، معاشرت ہو، اخلاق ومعاملات ہوں، ایفائے عہد ہو، صدق مقال ہو، رحمدلی ومہربانی ہو، سخاوت وفیاضی ہو، دوستی ودشمنی ہو، صلح ہو، جنگ ہو، جان لینی ہو، جان دینی ہو، ہتھیار اٹھانا ہو، ہتھیار ڈالنا ہو، محبت ہو، نفرت ہو، عمل ہو، ترکِ عمل ہو، حلم ہو، غضب ہو، غرض زندگی کی کوئی شان ہو، کوئی حرکت وعمل ہو، سب کا داعیہ اور سب کی علت غائیہ اللہ کی رضا کا حصول ہو۔

آدمی کبھی اپنے طبعی مزاج کے زیر اثر کوئی عمل کرتا ہے، اخلاق برتتا ہے، کبھی اپنے

حوصلے کی بلندی کے باعث اوچھی حرکتوں سے اجتناب کرتا ہے، کبھی سوسائٹی میں اپنے وقار وعزت کے لئے کوئی بڑا کام کرتا ہے، یہ سارے کام اپنے ظاہر اور اپنی صورت کے لحاظ سے خوبصورت اور قابل تعریف ہوتے ہیں، مگر روح نہ ہونے کی وجہ سے ان کا درجہ محض مزاج اور عادت کا ہوکر رہ جاتا ہے، بارگاہِ حق میں قبولیت کی لیاقت ان میں نہیں ہوتی، عادت اور طاعت وعبادت میں بہت فرق ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مشہور برگزیدہ صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ سئل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل يقاتل شجاعةً، ويقاتل حميةً، ويقاتل رياءً أي ذلک في سبيل الله، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی بہادری کے جذبے کی بنا پر لڑتا ہے، ایک آدمی خاندانی غیرت کی بنا پر لڑتا ہے، ایک آدمی دکھاوے کے جذبے سے لڑتا ہے، ان میں کون اللہ کی راہ میں ہے؟ فرمایا: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله، جو اس لئے لڑا کہ اللہ کی بات بلند ہو، وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (بخاری شریف: رقم الحدیث ۷۴۵۸، کتاب التوحید۔ مسلم شریف: رقم الحدیث ۱۹۰۴، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا)

جہاد وقتال بڑی عبادت ہے، اور بہت بلند مرتبہ عمل ہے، لیکن اگر رضائے الٰہی مقصد نہیں، تو اس کا ڈھانچہ ایک بے جان ڈھانچہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل، ہر ترک، ہر اخلاق، ہر سختی اور ہر نرمی کی روح یہی حصولِ رضائے الٰہی ہے۔

☆☆☆☆☆

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر لمحہ، ہر عبادت، ہر قربانی کا مقصد بلند رضائے الٰہی کا حصول ہے، تو جب آپ کی پیروی کا حکم امت کو دیا گیا، تو اس کی بنیاد اور روح بھی یہی مقصد ہے، چنانچہ اللہ کے اس ارشاد میں غور کیجئے کہ: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت فرمائیں

گے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ کی محبت کے حوالے سے اسوۂ حسنہ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، یہ اس باب میں صراحت ہے کہ پیروی کا داعیہ، محبت الٰہی ہے، اور یہی داعیہ خود اسوۂ حسنۂ نبوت کی بھی بنیاد ہے، پس اس داعیہ میں بھی اتباع مطلوب ہے، یعنی آپ کے نقش قدم پر چلیں تو اللہ کی محبت میں اور اس کی رضا کے حصول کیلئے چلیں۔

اسی طرح وہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسوۂ حسنہ کا تذکرہ کیا ہے، اس میں فرماتے ہیں کہ: لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَاللّٰہَ کَثِیْراً O (سورۃ الاحزاب:) اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ کا اسوۂ حسنہ ان لوگوں کیلئے ہے، جو اللہ کی رضا کی اور اس سے ملنے کی امید رکھتے ہیں، اور جنھیں آخرت کی فکر ہے، اور جو لوگ اللہ کا بکثرت ذکر کرتے ہیں۔

یہ ایک بنیادی نکتہ ہے، جسے اسوۂ رسول کا مطالعہ کرنے والے بھی پیش نظر رکھیں، اسے بیان کرنے والے اور اس پر مضامین لکھنے والے بھی فراموش نہ کریں، اور پیروی کرنے والے بھی اس سے غافل نہ ہوں۔

یہی چیز نہ ہوگی، تو خواہ کوئی عمل ہو، نماز ہی کیوں نہ ہو، سخاوت ہی کیوں نہ ہو، اخلاقِ عالیہ ہی کیوں نہ ہوں، ایک عادت ہے، مزاج ہے، طبیعت ہے، رسول کا اسوۂ حسنہ نہیں ہے، اس کی صرف شکل ہے، اس لئے یہ بنیاد ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

مولانا سیّد عزیز الرحمٰن صاحب کی کتاب ''درس سیرت'' اسوۂ حسنہ کے ایک موضوع اخلاق اور اس کے متعلق امور پر ایک جامع، پُر مغز اور مفید کتاب ہے، اخلاق سے متعلق مختلف عنوانات پر دروس ہیں، جو نہ اتنے مختصر ہیں کہ بات تشنہ رہ جائے، اور نہ اتنے مفصل ہیں کہ پڑھنے والا اکتا جائے، اطناب وایجاز کے درمیان متوسط اور معتدل انداز کے اسباق ہیں، جو جامع بھی ہیں اور سہل بھی، اسوۂ حسنہ کی روشنی میں زمانہ کے حالات کا تجزیہ بھی ہے، اصلاحی امور کی نشاندہی بھی، اتباع سنت کی دعوت بھی ہے، اس کے مطالعہ سے

جہاں آپ کی تعلیمات کی گہرائی اور گیرائی کا سراغ ملتا ہے، وہیں آپ کی ذاتِ گرامی سے محبت اوراس کے نتیجے میں آپ کی اطاعت کا جذبہ بھی بیدار ہوتا ہے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہر گھر میں ہو، اور ہر روز اس کا ایک ایک درس پڑھا جائے، گھر والوں کو سنایا جائے، اور ہر روز تجدید عزم کی جائے کہ آپ کی ان تعلیمات کو بہ نیت رضاء الٰہی عمل میں لایا جائے گا۔

جو شخص آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق سے جس قدر مشابہت پیدا کرے گا، حق تعالیٰ کے اتنے ہی نزدیک ہوگا، اسے خالق کے یہاں بھی اور مخلوق کے نزدیک بھی محبوبیت حاصل ہوگی۔

کتاب کے اسباق کے مطالعے کے ساتھ ایسی زندہ شخصیتیں بھی تلاش کی جانی چاہئیں، جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد اتباع سنت اوراس کے طفیل رضائے الٰہی کو بنا رکھا ہو، کیونکہ آدمی مطالعۂ کتب سے کم اور عملی نمونوں سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے، ایسے بزرگوں کی صحبت میں اتباع سنت کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے، اس کا سلیقہ بھی حاصل ہوتا ہے، اور اللہ ورسول کی محبت بھی زندہ ہوتی ہے۔

علامہ سیّد محمد انور شاہ محدث کشمیری کے تلامذہ قرآن وحدیث میں اسوۂ رسول جو کچھ پڑھتے تھے، اپنے استاذ کی زندگی میں ہو بہو ہی پاتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی کے تلامذہ اپنے استاذ وشیخ کے عمل سے احادیث کی شرح اور تفصیل وتشکیل پاتے تھے، پھر ان کے لئے اتباع سنت سہل بھی ہوتا تھا، اوراس کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ توفیق دیں، سہل فرمائیں، اوران نمونوں کو عام کریں۔ آمین

(اگست ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت طیبہ کے دو اہم پہلو: ذکر اور حلم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ خاتم النبیین وعلیٰ أصحابہ الطیبین المھتدین أمابعد!

انسان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے خوب سے خوب تر کی تلاش ہوتی ہے، اسے ایک چیز ملتی ہے، وہ اسے پسند آتی ہے، پھر اسے دوسری چیز ملتی ہے جو پہلی سے بڑھ کر خوبصورت اور مفید ہوتی ہے، تو اسے لے لیتا ہے، اور پہلی چیز کو چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ اس سے خوب تر چیز اسے مل گئی، اسی طرح ترک واختیار کا معاملہ چلتا رہتا ہے، عروج وترقی کی تمام عمارتیں اسی بنیاد پر قائم ہیں، وہ دیکھتا رہتا ہے، سراپا جستجو بنا رہتا ہے، پھر اسے کوئی بہتر چیز مل جاتی ہے، جھونپڑے میں رہنے والا آدمی محل تلاش کرتا ہے، چیتھڑے لپیٹنے والا فقیر لباسِ فاخرہ کی جستجو میں رہتا ہے، غربت، امارت کے پیچھے دوڑتی ہے، جہالت کو علم کی تلاش ہوتی ہے، کہا جاتا ہے کہ دنیا اسی طریقۂ عمل سے بامِ عروج پر پہونچتی جارہی ہے، دنیا نے کہاں سے کہاں تک ترقی کرلی، پاؤں سے چلنے والا انسان فضاؤں میں پرواز کررہا ہے، سطح دریا پر کشتی چلانے والا ملاح پانی کی تہوں میں اتر کر جہاز چلارہا ہے، فضا میں منتشر ہوجانے والی آواز ہی کو نہیں دور دراز کی صورتوں کو بھی ایک چھوٹے سے ڈبے میں گرفتار کرکے تماشا دکھاتا ہے، بڑے بڑے کتب خانوں کو چھوٹی چھوٹی پلاسٹک جیسی تھیلیوں میں بھر لیتا ہے، غرض مادی دنیا کے ہر شعبے میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں آدمی نہ جانے کہاں سے کہاں پہونچ گیا ہے۔

لیکن کیا دنیا صرف وہی ہے، جو انسان اپنے وجود کے باہر دیکھتا ہے، جس میں اس کا مادی وجود یعنی بدن جو گوشت وپوست اور ہڈی اور خون سے مرکب ہے، شامل ہے۔ کیا

دنیا اتنی ہی ہے، یا انسان کا کوئی ذہنی اور روحانی وجود بھی ہے، جس کے تقاضے مادی دنیا سے علیٰحدہ ہیں، اور جس کے نتائج و آثار کچھ دوسری طرح کے ہیں، انسان کا مادی وجود خوراک اور لباس چاہتا ہے، سر چھپانے کے لئے مکان چاہتا ہے، بقائے نسل کیلئے جوڑا چاہتا ہے، پھر اسی دائرے میں خوب سے خوب تر تلاش کرتا ہے، یہاں تک کہ اس دائرے کو وہ اتنا پھیلاتا ہے کہ کائنات اسے تنگ معلوم ہونے لگتی ہے، آج کے دور میں انسان کو جسمانی ضروریات کی تکمیل و تحسین میں اتنا غلو اور انہماک ہوگیا ہے کہ شاید وہ تھوڑی دیر کے لئے بھی یہ سوچنے کی مہلت نہیں پاتا کہ اس ظاہری اور مادی دنیا کے ماورا ایک اور دنیا اس کے باطن میں آباد ہے، جس کی وسعت کے سامنے یہ مادی دنیا ہیچ ہے، اس باطنی دنیا میں بھی اسے خوب سے خوب تر تلاش کرنا چاہئے، مگر ادھر سے صرف غافل ہی نہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے اس سے انکار ہے، وہ لوگ جو خدا سے دور ہیں، مشرک ہیں، ان کا کیا ذکر، خود وہ جو اسلام و ایمان والے ہیں، انکے احوال بھی بظاہر بصورت انکار ہی ہیں، یا کم ازکم غفلت کا شکار ضرور ہیں۔

دنیا والوں کے سامنے مادی ساز وسامان اور جسمانی تقاضوں کی فراہمی کا مسئلہ ہوتا ہے، تو ان کے مراکز تک پہونچتے ہیں، کسی بازار میں، کسی دکان میں، کسی کمپنی میں، کسی صاحب ثروت ودولت کے پاس، کسی کارخانے اور فیکٹری میں، اور دنیا میں ان چیزوں کی اتنی بہتات ہے کہ قدم قدم پر یہ مراکز ملتے جاتے ہیں، اور آدمی اپنی ضرورت پوری کرلیتا ہے، لیکن جس دنیا کا تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے، روحانی دنیا، باطنی دنیا، اس کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کا ساز وسامان کیا ہے؟ اس کا مرکز کہاں ہے؟ اس کی اہمیت کیا ہے؟ خود یہ دنیا کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود انسان کیا ہے؟ کیا وہ عام جانداروں کی طرح ایک جاندار مخلوق ہے، جس کو آسودگی شکم، تکمیل شہوت، راحت رسانی جسم کے علاوہ اور کوئی کام نہیں؟ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہے، تو روحانی دنیا اس کے لئے بے معنی چیز ہے؟ باطنی دنیا بغیر مفہوم اور حقیقت کے محض ایک لفظ ہے، لیکن ظاہر ہے انسان خواہ کتنا ہی

گر جائے، اس جواب کو کبھی تسلیم نہ کرے گا، وہ دوسری جاندار مخلوقات سے بالکل الگ ایک ایسی مخلوق ہے جس کو جسمانیت کے علاوہ اور بہت کچھ ملا ہوا ہے، جس کا وہ خوب احساس اور علم رکھتا ہے، اسی ''اور بہت کچھ'' کو ہم نے روحانی دنیا سے تعبیر کیا ہے، اس میں جب خوب سے خوب تر کی تلاش ہوگی، تو انسان کو انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ میں حاضری دینی ہوگی، اور اب تمام انبیاء کی بارگاہوں کا ایک مرکز آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین کا دربار گہربار متعین ہو چکا ہے، روحانی دنیا کی بہتر سے بہتر چیز اور عمدہ سے عمدہ نمونہ اسی دربار میں ملے گا۔

انسان کیا ہے؟ زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے، انسانِ اوّل آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ نامزد کر کے پیدا فرمایا تھا، ظاہر ہے کہ خلافت کا تعلق جسم و جسمانیت سے نہیں ہے، ورنہ انسانوں سے طاقتور اجسام اور بھی پائے جاتے ہیں، خلافت کا فریضہ عقل و فہم اور اندرونی طاقتوں سے تعلق رکھتا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر عجیب وغریب صلاحیتیں رکھی ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کے باہر کی دنیا، اندر کی دنیا کے تابع ہے، اگر اندر کی دنیا بگڑی ہوئی ہے تو باہر ہزاروں بناؤ کے باوجود بگاڑ اور سخت بگاڑ ہے، اور اس کے لئے کسی دلیل اور برہان کی حاجت نہیں، جس کا جی چاہے کھلی آنکھوں دیکھ لے کہ آج باہر کی دنیا کتنی روشن، تابناک، پُر بہار، سہولیات سے معمور اور اسباب و وسائل سے لبریز ہے، بظاہر راحت و آسائش کے سامان ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، اور اتنے زیادہ ہیں کہ ہر طرف راحت ہی راحت ہونی چاہئے، لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ بالکل مطمئن ہے، اسے کوئی غم اور اندیشہ نہیں ہے، نہیں بلکہ جس سے پوچھئے اس کے دل میں اتر کر پوچھئے، تو بے ساختہ اس کے دل سے ایک دلدوز کراہ اور ہونٹ اور زبان سے ایک جاں گداز آہ نکلے گی، جیسے دنیا کا سارا سامانِ راحت اس کے لئے نہیں کسی اور کے لئے ہے۔

اندر کی اس دنیا کے بناؤ کیلئے اس مرکز پر پہونچنا ضروری ہوگا، جہاں بناؤ کا سب سے بڑا نمونہ موجود ہے، اور وہ مرکز ہے اللہ کے آخری نبی و رسول سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی

سیرت طیبہ! یہ سیرت اتنی کامل ومکمل، اتنی حسین، اتنی طاقتور اور خوبیوں کے لحاظ سے اتنی ہمہ جہت ہے کہ اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملے گی، آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام اوصافِ حمیدہ اور کمالاتِ علمیہ وعملیہ سے آراستہ کر کے بھیجا تھا، کہ اگر ان میں سے کوئی ایک فضیلت کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ اعلیٰ درجہ کا انسان کہلائے گا۔

انسان جب زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، تو اس کے لئے دو باتیں لازم ہیں، تا کہ خلافت کی ذمہ داریوں سے وہ عہدہ برآ ہو سکے۔ اوّل یہ کہ وہ جس کا خلیفہ ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق سچا، مخلصانہ اور ہمہ وقتی ہو، تا کہ اس کی منشا کو ہمیشہ پورا کرتا رہے، اگر اسے خلیفہ بنانے والی ہستی سے سچا تعلق نہیں ہے، تو وہ ضرور خیانت کا مرتکب ہوگا۔ دوسرے یہ کہ خلافت کی اس ذمہ داری میں اس کے ساتھ جو لوگ شریک ہیں، ان کے ساتھ اس کے تعلقات صحیح اور منصفانہ ہو، اگر ایسا نہ ہوا تو وہ اپنے بھائیوں کے حق میں ظلم ڈھاتا رہے گا۔

سیرت انسانی کے یہ دو معیار ہیں، ان معیاروں کے درمیان درجات بہت ہیں، ان میں خوب سے خوب تر کی تلاش، انسان کو بہت بلند کرتی ہے، پھر اس ابتداء کے درمیان میں بہت سے مرتبے ہیں، اور آخر میں احسان کی کیفیت خود بہت بڑی وسعت رکھتی ہے، ان دونوں معیاروں پر جب ہم رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کو دیکھتے ہیں، تو ہر معیار اپنے درجۂ کمال پر نظر آتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل بقدر ضرورت یہ ہے کہ روحانی بلکہ کہئے کہ انسانی کمالات کی بنیاد اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ برحق پر سچا ایمان ہے، پھر خیر کے تمام برگ وبار اسی سے نکلتے ہیں، اسی کے واسطے سے حق تعالیٰ سے بندے کا ربط ہوتا ہے، اللہ کی عبادت و نیازمندی، اللہ کی رضا جوئی، اللہ پر توکل واعتماد، دنیا سے زُہد واستغنا اور عبودیت کے کمالات، یہ سب ایک شجرۂ ایمان کی شاخیں اور برگ وبار ہیں، اور ان سب کو ایک لفظ میں سمیٹا جائے، تو اسے ''ذکرِ الٰہی'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، انسان کے قلب ودماغ میں اللہ کی یاد چھا جائے۔ ذکر اللہ کے دل میں چھا جانے کے بہت سے مراتب ہیں، ایمان سے اس کی ابتدا ہوتی ہے، اور

ترقی کرتے کرتے پھر یہ حال ہوتا ہے کہ زندگی کے کسی حال میں اس سے غفلت نہیں ہوتی، اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے حتیٰ کہ سوتے وقت، غم میں، خوشی میں، تنگی میں، فراخی میں، کہیں بھی لحظہ بھر ذہول نہیں ہوتا، ہمہ وقت اس کے وجود پر اللہ کی یاد چھائی رہتی ہے، شاعر نے اپنی شاعرانہ زبان استعمال کی ہے، مگر ہے بالکل حقیقت!

میرا کمال عشق بس اتنا ہے اے جگر　　وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانہ پہ چھا گیا

یاد کی یہ کیفیت جب راسخ ہوتی ہے، تو اسے مرتبۂ احسان کہتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب میں فرمایا تھا: **أن تعبد اللہ کأنک تراہ فإن لم تکن تراہ فإنہ یراک** (مسلم شریف:۱) احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے، تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

آنکھوں کی یہ کیفیت کہ دل کا تصور مشاہدہ میں آجائے، اسی وقت ہوتی ہے جبکہ قلب کسی کی یاد سے اتنا معمور اور آباد ہو گیا ہو کہ اب اس میں دوسرے کی سمائی نہ ہو، بغیر اس مقام کو حاصل کئے دل کا خیال آنکھوں میں پھرنے لگے، اور اس کو بقاء حاصل ہو نہیں ہو سکتا، یادِ الٰہی کی یہ کیفیت اور یہ رسوخ مطلوب ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو جب دیکھتے ہیں، تو اس کا ہر لمحہ اور ہر آن اللہ کے ذکر سے معمور و منور ہے، نبی کی شان یہ ہے کہ جب خدا کی طرف سے کوئی حکم آجاتا ہے، تو اسے اہتمام اور کمالِ توجہ سے پورا کرتے ہیں، حق تعالیٰ کا حکم آیا کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْراً كَثِيراً**، اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت زیادہ کرو، اس حکم کے بعد آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکرِ الٰہی سے کیونکر خالی رہ سکتا ہے، اسی لئے حدیث میں آیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **کان یذکر اللہ علیٰ کل أحیانہ** (مسلم شریف: کتاب الطہارۃ) رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے **اولوا الاباب** کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰماً وَّقُعُوْداً وَّعَلیٰ جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، (سورۂ آل عمران:۱۹۱) وہ لوگ جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حال میں یاد کرتے ہیں، اور زمین وآسمان کی خلقت میں غور وتدبر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے ان کو بیکار نہیں بنایا ہے، آپ کی ذات پاک ہے، پس ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالیجئے۔

قرآن کریم میں جو کچھ تعلیم ہے، رسول اکرم ﷺ کی ذات میں اس کی ہو بہو تعمیل ہے، کان خلقه القرآن، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سچی شہادت ہے، قرآن علم ہے، اور صاحب قرآن عمل ہیں، بس اللہ کی یاد، اللہ کا ذکر، اللہ کا نام، آپ کے وجود پر، آپ کے ماحول میں آپ کے دن میں، آپ کی رات میں چھایا ہوا ہے، زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے، جس میں آپ اللہ کا نام نہ لیتے ہوں، چنانچہ آپ سے ہر ہر موقع کی دعائیں اور اذکار منقول ہیں۔ محدثین کرام نے ان اوراد واذکار اور دعاؤں کو ضخیم ضخیم مجموعوں میں جمع کیا ہے، آپ کا وجودِ مبارک ذکرِ الٰہی کا مجسم نمونہ ہے، آپ نے اللہ کے ذکر میں خود کو اس طرح فنا کیا ہے کہ خود اللہ کے ذکر کا ایک حصہ اور مصداق بن گئے، قرآن کی آیات میں، اذان کے کلمات میں، درود وسلام کے صیغوں میں، دعاؤں کی ابتداء وانتہاء میں، کہاں کہاں اللہ کے ذکر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہیں ہوتا، حق تعالیٰ نے فرمایا: وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ، سیرت طیبہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی یہ وہ خصوصیت ہے، جس سے ہر شخص واقف ہے، ذکرِ الٰہی ایک نور ہے، جس سے نہ صرف ذاکر بلکہ اسکے اِرد گرد کا ماحول بھی نورانی بن جاتا ہے، ذکرِ الٰہی کے سامنے شیطان بھی نہیں ٹھہر سکتا، ذکرِ الٰہی سے حق تعالیٰ کی محبت دل میں راسخ ہوتی ہے، محبت جب راسخ ہوتی ہے، تو آدمی کو ہر ماسوی اللہ سے بے نیاز کر دیتی ہے، انسان کی سعادت کی بنیاد ذکرِ الٰہی ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔ ذکرِ خداوندی فرض ہے، غفلت حرام ہے، خوب سے خوب تر کی تلاش کرنے والا انسان اس خوبی سے کیوں غافل ہے؟ قلب کا سکون اگر کہیں ہے، تو یادِ الٰہی ہی میں ہے، أَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ

تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ، دنیا کا کوئی گوشہ رنج وغم سے خالی نہیں، اگر کوئی جگہ اس سے پاک وصاف ہے، تو وہ ذکر الٰہی کی خلوت گاہ میں ہے۔

ہیچ گوشہ بے ددو بے دام نیست　　　جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

جو بندہ ذاکر ہوتا ہے وہ بظاہر اگر پریشانیوں میں گھرا ہوا بھی ہے، تو صرف اس کا ظاہر، اس کا باطن اور اس کا قلب تو اللہ سے لو لگائے مطمئن ہے، ذکر کی حلاوت جب دل میں جاگزیں ہوتی ہے، تو دنیا ہی میں جنت کی لذت وراحت محسوس ہونے لگتی ہے، اس میں آدمی سے جس قدر ہو سکے ترقی کرے، اس کی ترقی کی انتہاء نہیں ہے، ترقی ہوتی ہے، تو مرتبۂ احسان بخشا جاتا ہے، پھر مرتبۂ احسان خود اس درجہ وسیع وبلند ہے کہ اس کی بلندیوں اور وسعتوں تک پہونچنے کا تصور بھی مشکل ہے۔

ذکر الٰہی سے اللہ کی معرفت کا دروازہ کھلتا ہے، اور جب انسان کو اللہ کی سچی معرفت حاصل ہوتی ہے، تو اس کا............ ایک مرکز پر ٹھہر جاتا ہے، اور اللہ کی محبت میں غرق ہو جاتا ہے، اس وقت انابت، عاجزی، تواضع، توکل، فنائے نفس، تفویض اور زہد وتقویٰ کی بیش قیمت دولتیں حاصل ہوتی ہیں، اور آدمی خاک کی پستی سے نکل کر قرب ورضائے الٰہی کی فضاؤں میں پرواز کرنے لگتا ہے۔

انسان نے مادی ترقیات بہت کرلیں، مگر اس کی روحانیت پیاس سے کراہ رہی ہے، بیرونی دنیا اپنی چمک دمک سے آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے، لیکن اندرونی دنیا میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا ہے، بدن زندہ ہے مگر روح مردہ ہے، بدن کے امراض کا مکمل علاج تلاش کیا جا رہا ہے، اور علاج کی سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ عقلیں حیران ہیں، لیکن روحانی امراض کا علاج ناپید ہوتا جا رہا ہے، بلکہ فرض کرلیا گیا ہے کہ روح بیمار ہے ہی نہیں، بلکہ شاید یہ کہ روح موجود ہی نہیں ہے، لیکن عالم یہ ہے کہ سکون ناپید ہے، ہر آدمی گھبرایا ہوا ہے، امن عالم کا نظام درہم برہم ہے، اسبابِ راحت بہت ہیں، مگر راحت کا نشان نہیں ملتا، کیونکہ راحت تو ذکرِ الٰہی میں ہے، نسبت مع اللہ میں ہے، توکل علی اللہ میں ہے، اور یہی چیز غائب

ہے، اسبابِ دنیا میں خوب سے خوب تر ڈھونڈھنے والا یہاں غافل اور بے حس پڑا ہوا ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو سوغات امتوں میں تقسیم کی تھی، امتوں نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔

اے دنیا! تو پلٹ، اے دنیا والو! تم لوٹو، اے اللہ کے بندو! تم بھاگو! اللہ کی طرف، اللہ کے رسول کی طرف! فَفِرُّوْا إِلَى اللّٰهِ، سنو! کون کہہ رہا ہے؟ کون کہلوا رہا ہے؟ اللہ کہلوا رہا ہے، رسول کہہ رہے ہیں، لوگو! تم اللہ کی طرف بھاگو، إِنِّي لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ، میں تمہارے لئے خدا کی جانب سے صاف صاف ڈر کی بات سنانے والا ہوں، تمہیں کہیں پناہ نہ ملے گی، نہ دنیا میں، نہ قبر میں، نہ آخرت میں، سوائے اس عظیم پناہ گاہ کے جسے اللہ نے تعمیر کیا ہے، اور رسول اس کی جانب تمہیں دعوت دے رہے ہیں، سنو! ایک اور ڈر سنانے والا کہتا ہے، اور سب رسولوں کی اور ان کے نائبوں کی ایک ہی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے اس جوانمرد کی بات قرآن کریم میں تفصیل سے نقل کی ہے، گو کہ وہ نبی نہ تھا، مگر کفر وطغیان کے ہجوم میں اکیلا کھڑا ہو کر پکار رہا تھا، وَيٰقَوْمِ مَالِيْ أَدْعُوْكُمْ إِلَى النَّجوٰةِ وَتَدْعُوْنَنِيْ إِلَى النَّارِ (سورۂ قصص) اے قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔

لوگو! یہی ایک حصار ہے، یہی ایک قلعہ ہے، دوسری اور کوئی جگہ نہیں ہے، جہاں پناہ مل سکے، سنو! مزید فرماتے ہیں: وَلَاتَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهاً آخَرَ إِنِّي لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (سورۃ الذاریات:) اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ، میں تمہیں اللہ کی جانب سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ جی ہاں! اور کوئی معبود ہے اللہ کے علاوہ، جس کی عبادت کی گئی، وہ اس سے بیزار ہے، وہ اپنے عبادت گزاروں سے بری ہے، جب ادھر سے انکار ہے، تو عبادت کرنے والے اپنی عبادت پر چاہے جتنا اصرار کریں کیا حاصل؟ پس یہ ایمان، یہ ذکرِ الٰہی جس کی پناہ میں خود رسول رہے، اور رب کو اس کی طرف بلایا۔ لوگو! اسی کی جانب پلٹو اور دوڑو! رسول کی سیرت طیبہ کے دائرے میں آجاؤ، کہنے والوں نے کہا، اور وہ بہت عقلمند لوگ

ہیں، حق تعالیٰ نے ان کہنے والوں کی بات ہم تک پہونچائی، اور رضامندی کا اظہار فرمایا:

﴿رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیاً یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّآتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾

اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، وہ ایمان کی صدا لگا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے، اے ہمارے رب تو ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے، اور ہم سے ہماری برائیوں کو محو کردیجئے اور نیکوں کی معیت میں ہمیں وفات دیجئے۔

یہ تفصیل تو حیاتِ انسانی کے اس پہلو کی تھی کہ خلافت ارضی کا منصب پانے والا، اپنے خلیفہ بنانے والے سے سچا، اور ہمہ وقتی تعلق رکھے، اور اس کا اونچے سے اونچا جو معیار ہوسکتا تھا، اس کا مشاہدہ حضرت ختم المرسلین ﷺ کی سیرۃ طیبہ میں ہوتا ہے۔

اس صحیح اور سچے تعلق کو اگر ایک لفظ میں سمیٹا جائے تو اسے ''اخلاقِ حسنہ'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اور اخلاق حسنہ کی بنیاد ڈھونڈھی جائے تو وہ حلم ہوگی، حلم کا مطلب یہ ہے کہ غصہ اور انتقام کے اسباب ومحرکات ہوں، انتقام لینے کی قدرت بھی ہو، لیکن اس کے باوجود آدمی نہ طیش میں آئے، نہ غصہ میں تلملائے، بلکہ سکون ووقار کی حالت بنی رہے، یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی کا حوصلہ بہت بلند ہو، قلب میں بہت وسعت ہو، ورنہ عموماً خلافِ طبع اور خلافِ مزاج باتوں پر آدمی از جارفتہ ہوجاتا ہے، اور طیش کی حالت میں خفیف الحرکاتی میں مبتلا ہوجاتا ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بالخصوص رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں ''حلم وبُردباری'' ایک ایسا روشن اور تابناک ومنور عنوان ہے کہ بندوں کے باہمی تعلقات وروابط میں اس عنوان کی تابنا کی ہر ہر جگہ جلوہ گر نظر آتی ہے، اور نازک سے نازک موقع پر بھی کہیں ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کو طیش آگیا ہو، جوشِ انتقام میں آپ نے کوئی ناروا کلمہ بول دیا ہو، یا غصے میں آپ شعلہ بداماں ہوگئے ہیں، موقع خواہ کتنا ہی نازک ہو، مگر آپ کوہِ وقار رہتے۔

اللہ نے آپ کا مزاج ایسا ہی بنایا تھا، پھر آپ کو اس کی تعلیم دی تھی، اور اسی انداز پر آپ کی تربیت فرمائی تھی، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ (الاعراف: ۱۹۹) عفو و درگزر کو اختیار کرو، اور اچھی بات کا حکم کرو۔ صاحب شفاء قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اس کا موقع اور اس کی تشریح دریافت کی، انھوں نے عرض کیا کہ علیم وخبیر سے پوچھ لوں تو بتاؤں، یہ کہہ کر چلے گئے، پھر آئے تو بتایا یا محمد إن اللہ یامرک أن تصل من قطعک وتعطی من حرمک وتعفو عمن ظلمک ، اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ جو تم سے قطع تعلق کرے، اس سے تعلق جوڑو، جو تمہیں محروم کرے اسے تم بخشش میں حصہ دار بناؤ، اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو۔ (ص:۷۴)

اس مبارک تعلیم کے آثار آپ کی پوری زندگی پر چھائے ہوئے ہیں، اور حلم وعفو کا جو بلند سے بلند نمونہ ہوسکتا ہے، وہ آپ کی سیرۃ طیبہ میں موجود ہے، امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت مبارکہ میں عرض کیا............ان کا یہ کلام حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے کتاب الشفاء میں نقل کیا ہے............ یارسول اللہ! حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم پر بددعا کی، رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّاراً (نوح :۲۶) اے میرے پروردگار! زمین پر کسی کافر کو بسنے والا نہ چھوڑیئے۔ اگر اسی طرح کی بددعا آپ ہمارے اوپر فرمادیئے ہوتے، تو ہم بھی تمام تر ہلاک ہوجاتے، آپ کی پشت مبارک کو روندا گیا، آپ کا چہرۂ اقدس لہولہان کیا گیا، آپ کے دندانِ مبارک شہید کئے گئے، مگر آپ نے خیر کے علاوہ کوئی اور بات کبھی منظور نہیں کی، آپ نے تو یہ کہا: اللھم اغفر لقومی فإنھم لایعلمون، اے اللہ میری قوم کو بخش دیجئے، یہ ناواقف ہیں۔

ملاحظہ ہو! سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کس بلیغ انداز میں رسول اکرم ﷺ کے فضائل ومحامد، درجاتِ احسان، کرم نفس اور انتہائی صبر وحلم کو جمع فرمادیا ہے، کہ آپ نے ستانے والوں کی ایذارسانی پر محض سکوت ہی نہیں فرمایا، یہ بھی ہوتا تو کمالِ اخلاق کا مظہر عظیم ہوتا، مگر

اتنے ہی پر بس نہیں کیا، بلکہ انھیں معاف فرمادیا، پھر مزید شفقت فرمائی کہ رحم وکرم کا برتاؤ فرمایا، ان کے لئے دعا فرمائی، ان کی سفارش کی، اور فرمایا انھیں بخش دیجئے اور ہدایت دیجئے، پھر شفقت وترحم کی وجہ بھی اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کے لئے ذکر کی، اور فرمایا لقومی، یہ لوگ میری قوم کے ہیں، مجھ سے انھیں قومیت اور قرابت کی نسبت حاصل ہے، پھر ان کی طرف سے معذرت بھی پیش فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ واقف نہیں ہیں، اس لئے ایسی حرکت کررہے ہیں۔

اسی طرح ایک بار فتح مکہ کے دور میں جبکہ آپ کو ہوازن وغیرہ سے کثیر تعداد میں مال غنیمت حاصل ہوا تھا، آپ مالِ غنیمت تقسیم کررہے تھے، تو ایک بدبخت نے، جو خود کو مسلمانوں کے زمرے میں شامل کئے ہوئے تھا، آپ سے کہا اور بڑی دریدہ ذہنی سے کہا، انصاف کرو، یہ تقسیم ایسی ہے کہ اس میں اللہ کی رضامندی کی نیت نہیں کی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ پر یہ ایک شدید قسم کا ناروا حملہ تھا، جس کا تعلق دیانت سے تھا، آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے: **لادین لمن لا أمانة له**، جس میں امانت کا اہتمام نہیں، اس کے پاس دین نہیں۔ پھر آپ کی امانت ودیانت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے، اس وقت جب آپ کے اوپر وحی کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا، تب بھی آپ کی صداقت وامانت مشہور ومعروف تھی، پھر نبوت ملنے کے بعد، وہ بھی زندگی کے آخری دور میں اگر کوئی شخص آپ پر الزام لگائے کہ مال کی تقسیم میں رضاء الٰہی کا ارادہ نہیں نفسانیت کا داغ لگا ہوا ہے، تو آپ کو کس قدر روحانی تکلیف پہونچے گی۔

مگر یہاں آپ کا حلم، آپ کی بردباری، آپ کا حوصلہ برداشت کی کن بلندیوں پر ہے، اسے آپ کے جواب میں ملاحظہ فرمایئے، فرمایا: **ویحک فمن یعدل إن لم أعدل؟ خبت وخسرت إن لم أعدل**، افسوس، اگر میں عدل نہ کروں گا، تو کون عدل کرے گا؟ اگر میں عدل نہ کروں، تو میں خائب وخاسر ہوں۔ اس کے جواب میں آپ نے صرف اتنا ہی کہا جس سے وہ شخص ناواقف تھا، یا ناواقف بن رہا تھا، اسے بتادیا اور اسے

نصیحت فرمائی، اتنا نہیں، اصحاب رسول اللہ ﷺ کو اس کے اس گستاخانہ جملے پر جس قدر غیض وغضب ہوا ہو، بجا تھا، چنانچہ کچھ حضرات نے اسے اس کی سزا دینی چاہی، تو آپ نے انھیں منع فرمادیا، انسانی اخلاق کی تاریخ میں اس کے نظائر کہاں کوئی پا سکتا ہے؟ بجز آپ کی سیرت اور آپ کے سچے متبعین کے احوال کے!

یہاں تو عالم یہ ہے کہ ایک یہودی عورت جان بوجھ کر آپ کے کھانے میں زہر ملا دیتی ہے، اس نے آپ کی دعوت کی تھی، اور ازراہِ کرم آپ نے قبول فرمالی تھی، لیکن وحی الٰہی نے آپ کو بتایا کہ یہاں زہر قاتل داخل طعام ہے، پھر اس عورت نے اقبالِ جرم بھی کرلیا تھا، مگر آپ کا حلم وعفو دیکھئے کہ اسے بھی معاف کردیا۔لبید بن اعصم یہودی نے آپ پر جادو کیا، آپ کو معلوم بھی ہوا، مگر آپ نے درگزر فرمادی، عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کی طرف سے بار بار ایذارسانیوں کا چکر چلتا رہتا تھا، جنگ کا موقع ہوا، امن کے اوقات ہوں، سفر ہو، سفر سے واپسی ہو، گھر میں ہو، بازار میں ہو، آپ کی ذات کا مسئلہ ہو، آپ کے حرم (ازواج مطہرات) کا مسئلہ ہو، ہر جگہ یہ شخص تکلیف پہونچانے کا شوشہ تلاش کرلیا کرتا تھا، کہیں کوئی رورعایت نہیں کرتا تھا، حضور اکرم ﷺ اس کی اور اس کے رفقاء کی ایذارسانیوں کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرلیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی منافق کے بارے میں آپ سے اجازت چاہی گئی کہ اس کا کام تمام کردیا جائے، تو آپ نے منع فرمایا، اور فرمایا کہ لوگوں میں مشہور ہوگا کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرادیتے ہیں۔

اور ملاحظہ فرمایئے! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں تھا، آپ کے جسم مبارک پر ایک چادر تھی، جس کا حاشیہ سخت اور موٹا تھا، ایک بدو آیا اور اس نے زور سے جھٹک کر آپ کی چادر کھینچی، اور اس طرح کھینچی کہ آپ کی گردن اور کندھے پر اس کے نشانات ابھر آئے، اس نے کہا اے محمد! میرے ان دونوں اونٹوں پر اللہ کا وہ مال لاد کر دیجئے، جو آپ کے پاس ہے، کیونکہ مجھے آپ نہ اپنا مال دیں گے، اور نہ اپنے باپ کا مال دیں گے (یہ تو اللہ کا مال ہے) نبی ﷺ خاموش رہے، نہ غصہ ہوئے، نہ ڈانٹا جھڑکا

،سکوت کے بعد فرمایا،تو یہ فرمایا کہ المال مال الله و أنا عبده مال تو اللہ کا مال ہے، میں تو اس کا غلام ہوں، پھر فرمایا: ویقاد منک یا أعرابی مافعلت بی ، جو کام تم نے میرے ساتھ کیا ہے، کیا اس کا تم سے قصاص لیا جائے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا کیوں؟ کہا اس لئے کہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، اس پر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے، پھر آپ نے حکم دیا کہ ایک اونٹ جو لاد دو، اور ایک اونٹ پر کھجور!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو خلوت وجلوت کی انیس ورفیق ہیں، فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے ظلم کا بدلہ لیا ہو، ہاں اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کی حرمت کسی نے توڑی ہو، تو اس کا بدلہ لیتے تھے، اور نہ اپنے ہاتھ سے آپ نے کسی کو کبھی مارا ہو، الاّ یہ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں آپ رہے ہوں، اسی طرح آپ نے کبھی نہ اپنے کسی خادم کو مارا نہ کسی عورت کو مارا، ایک آدمی آپ کی خدمت میں پکڑ کر لایا گیا، کہ یہ آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا ہے، آپ نے فرمایا لن تراع لن تراع ،تم پر کچھ خوف نہیں، تم پر کچھ خوف نہیں، اگر تم میرے قتل کا ارادہ کرتے، تب بھی تم کو میرے اوپر قابو نہ ملتا۔

ایک مالدار یہودی تھا زید بن سعنہ ، بڑا صاحب ثروت بھی تھا، اور مذہب یہود کا بڑا عالم بھی تھا، اس نے آپ کی خدمت میں پیش کش کی تھی کہ قرض کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لیا کیجئے، آپ نے قرض وہاں سے منگوایا، اس نے ایک مرتبہ قرض کا آپ سے نہایت بد خلقی اور گستاخی کے ساتھ تقاضا کیا، اس نے آپ کا کپڑا پکڑ کر کھینچا، اور بڑی سختی سے کہا کہ عبدالمطلب کی اولاد! تم لوگ نادہند ہو، قرض لے کر ادائیگی میں ٹال مٹول کرتے ہو، سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انھوں نے جھڑکا اور سخت الفاظ اس سے کہے، لیکن نبی کریم ﷺ کے چہرۂ اقدس پر کوئی تغیر نہ تھا، آپ مسکرا رہے تھے، آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کہ جو کچھ تم نے کہا میں اور یہ، دونوں اس کے علاوہ دوسری بات کے ضرورت مند تھے، تم کو چاہئے تھا کہ مجھے قرض کی بخوبی ادائیگی کی تلقین کرتے، اور اس کو حسن تقاضا کا حکم دیتے۔

پھر فرمایا کہ ادائیگی کی جو مدت مقرر کی گئی ہے، اس میں تین دن باقی ہیں،

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کردو، اور مزید بیس صاع اور زائد دو، کیونکہ تم نے ایک صاحب حق کے دل کو دکھا دیا ہے، آپ کے اس معاملہ کو دیکھ کر زید بن سعنہ مسلمان ہوگئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبوت کی سب علامتیں میں نے آپ کے اندر دیکھ لی تھیں، صرف دو چیزیں باقی رہ گئی تھیں، ایک یہ کہ ان کا حلم ان کے جہل پر غالب اور سابق ہوگا، دوسری یہ کہ جتنی شدید جہالت کا ان سے برتاؤ کیا جائے گا اتنا ہی ان کا حلم بڑھے گا، میں انھیں دونوں کا امتحان کرنا چاہتا تھا، الحمدللہ بات مکمل ہوگئی۔

اور آخری بات یہ ہے کہ مکی دور میں کفار نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر ظلم وستم کے کتنے پہاڑ توڑے تھے، یہ تو تاریخ کی متواتر شہادت ہے، جس میں کسی دشمن کو بھی شبہ نہیں ہوسکتا، پھر مدنی زندگی میں ان کے حملوں، ناروا کارروائیوں کا سلسلہ چلتا رہا، مگر حلم ومروت کی جلوہ گری دیکھئے کہ فتح مکہ کے موقع پر یہ لوگ آپ کی خدمت میں گرفتارانہ پیش کیے گئے، تو تاریخ کے صفحات سے دریافت کیجئے کہ آپ کا رویہ کیا رہا؟ کیا معافی اور درگزر کے علاوہ کوئی بات آپ کی زبان مبارک سے صادر ہوئی، آپ نے انھیں سے پوچھا ماتقولون إني فاعل بكم ؟ تم لوگ کیا سوچتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم خیر کی امید رکھتے ہیں، آپ شریف بھائی ہیں، شریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی: لاتثريب عليكم اليوم (سورۂ یوسف:۹۲) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، سب کچھ معاف! إذهبوا أنتم الطلقاء، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں جب آپ کی آخری ملاقات ہوئی، تو آپ نے ان سے صرف اتنا فرمایا، سنئے! یہ ابوسفیان وہی ہیں، جنھوں نے غزوہ بدر کے بعد فتح مکہ تک آپ کے ساتھ جنگ چھیڑ رکھی تھی، اور آپ کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا تھا، آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں انھیں کا ہاتھ تھا، ان کا مثلہ کیا گیا، شہادت کے بعد ان کا حلیہ بگاڑا گیا، اس میں بھی انھیں کا دخل تھا، غزوہ خندق کی بلائے عظیم

جس سے سارا مدینہ تھرا اٹھا تھا، انھیں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی، لیکن جب آپ سے فتح مکہ کے موقع پر ملاقات ہوئی، تو آپ نے یہ فرمایا: ویحک یا أبا سفیان ألم یان لک أن تعلم أن لا إله إلا الله، افسوس تم پر اے ابوسفیان! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم یقین سے جان لو کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے، ابوسفیان نے عرض کیا: بأبی أنت وأمی ما أحلمک وأوصلک وأکرمک، میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے صاحب حلم ہیں، کتنے قرابت نواز اور کتنے صاحب کرم ہیں

یہ آپ کے سب سے بڑے دشمن کی شہادت ہے، جس کے بعد وہ دشمنی کی آگ سے نجات پا کر دوستی اور محبت کی آرام گاہ میں داخل ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرۃ مبارکہ کا یہ وہ جوہر ہے، جو آپ کی پوری زندگی، تمام معاملات اور ہر ایک برتاؤ میں جگمگا رہا ہے، اس جلوے سے اگر کوئی آنکھ بھی بند کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ہے۔

امت کے لئے یہ ایک ایسا سبق ہے کہ امت کو لازم ہے کہ ہر دور میں، ہر جگہ، ہر معاشرہ میں، ہر برتاؤ میں، انفراداً اور اجتماعاً اسے دہراتی اور یاد کرتی رہے۔ (۱)

حلم وکرم کی یہ تمام روایات ونقول حدیث کے صحیح مجموعوں میں موجود ہیں، ہم نے حضرت علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ کی ''کتاب الشفاء بتعریف حقوق سیدنا المصطفی'' کو پیش نظر رکھا ہے۔

(اپریل ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان کو کیا چاہئے

دل کا سکون یا طبیعت کا اضطراب؟

ناظرین باتمکین! یہ سوال آپ کو عجیب سا معلوم ہوگا، بھلا کوئی آدمی ایسا بھی ہوگا جسے بے چینی پسند ہو، وہ طبیعت کے اضطراب کو چاہتا ہو، اسے بے اطمینانی اور بے سکونی کی تلاش ہو؟ ہر شخص راحت کی جستجو میں ہے، سب کو اطمینان وسکون کی آرزو ہے۔

لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جس چیز کی تلاش سب کو ہے، جس کا آرزومند ہر شخص ہے، سب سے زیادہ وہی چیز کمیاب یا یہ کہہ لیجئے کہ نایاب ہے، ہر طرف اضطراب کی فراوانی ہے، بے چینی اور بے اطمینانی کی طغیانی ہے، اگر آپ اخبار پڑھتے ہیں یا ذرائع ابلاغ سے اشتغال رکھتے ہیں، تو ہر خبر ایک بے چینی کی داستان سناتی ہے، ہر سرخی کسی نہ کسی مصیبت کی ترجمانی کرتی ہے، الجھنیں ہیں جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔

ماہر القادری مرحوم نے اخباری خبروں کا تجزیہ کتنے اچھے انداز میں کیا ہے، لکھتے ہیں:

> پھر صبح سویرے اخبار پڑھتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساری دنیا حادثوں کی زد میں ہے......
>
> موٹر بس الٹ گئی...... فلاں جگہ ڈاکہ پڑ گیا...... جیل خانہ میں باغی قیدیوں پر فائرنگ......
>
> کمپنی کا خزانچی دولاکھ روپیہ لے کر غائب ہوگیا...... بیوی نے شوہر کی ناک کاٹ لی......
>
> امریکہ اور روس کے تعلقات کشیدہ ہوگئے...... ۱۹۵۶ء میں جنگ ہوکر رہے گی...... فرانس کے ایک مشہور نجومی کی پیشین گوئی...... رکشا والوں کا جلوس...... مردہ باد کے نعرے...... ہیڈ کلرک رشوت لیتے پکڑا گیا...... ایک لڑکی کا کالج جاتے ہوئے اغوا...... میونسپلٹی پر دولاکھ

ہر جانے کا دعویٰ ...... آئندہ ہفتے آٹے میں اور کمی کا امکان ...... اسمبلی میں پریسیڈنٹ اور ایک ممبر میں جھڑپ ...... آسام میں سیلاب کی تباہ کاریاں ...... بندرگاہ پر روئی کی دس ہزار گانٹھیں جل کر تباہ ہوگئیں ...... ایک عورت کے عجیب الخلقت بچہ پیدا ہوا ...... سینما ہاؤس کے ٹکٹ گھر پر تماشائیوں نے ہلہ بول دیا، دس آدمی شدید زخمی، ایک آدمی زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا ...... فلاں جگہ زلزلہ تین سکنڈ تک رہا ...... بے روزگاری سے تنگ آکر خودکشی کرلی ...... حوالات سے قتل کے ملزم کا فرار ......

یہ خبریں اور سرخیاں ایک روز کی نہیں، روزانہ کی ہیں، عنوان بدل بدل کر، پھر اخبار کی دنیا سے نکل کر آبادیوں میں آیئے، گھروں میں جھانکئے، افراد کو ٹٹولئے، ہر طرف پریشانی ہی پریشانی ہے، بے اطمینانی ہی بے اطمینانی ہے، باپ بیٹے میں الجھن ہے، زمین جائداد پر لڑائی ہے، فلاں بیمار ہے، اور پورا گھرانا پریشانی میں ہے، اس کی تفصیل لکھنے والے سے زیادہ پڑھنے والوں کو معلوم ہے۔

پھر کیا اس پریشانی اور حواس باختگی کا کوئی علاج بھی ہے؟ یا یہ لاعلاج مرض ہے؟ جی نہیں، یہ مرض لاعلاج نہیں ہے، اس کا علاج ہے، اور بہت شفابخش علاج ہے، لیکن انسان کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ علاج کو مرض سمجھتا ہے، اور اس سے بھاگتا ہے، اور بیماریوں کو علاج گردانتا ہے، اور اس میں گھستا ہے۔

اس بے چینی اور اضطراب کا علاج انسانی افکار ونظریات میں نہیں، انسانوں کا حال یہ ہے کہ بیماری کا علاج بیماری سے کرتے ہیں، اور مرض کو مزید بڑھا لیتے ہیں، خوب تجربہ ہے، کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے ڈاکٹر سے شکایت کی کہ پیٹ خراب ہے، ڈاکٹر نے ایک دوا دی کہ کھالو، کہنے لگا کہ اتنی گنجائش ہوتی تو ایک لقمہ اور نہ کھالیتا، عجیب بات ہے کہ کھانے کا علاج کھانے سے کیا جائے۔

یہ کہنے کو ایک لطیفہ ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ انسانی معاشرہ کی یہ ایک عبرتناک تصویر ہے، نفس انسانی جو لذتوں کا جویا ہے وہ انھیں چیزوں کی طرف دوڑتا ہے، جن میں اسے

لذت ملتی ہے، چاہے اس لذت کا اختتام کسی ہولناک تلخی پر ہو، اب اگر کسی سے کہا جائے کہ لذتوں پر قابو پاؤ، ان کے پیچھے نہ دوڑو، تو زبان سے چاہے اس کی تائید کردے، مگر جب کرنے کا موقع آئے گا تو آدمی آنکھ بند کر کے لذت نفس میں کود پڑتا ہے، طبیعت انسانی عجب پیچیدہ ترکیب رکھتی ہے، بولنے کا فلسفہ اس کا کچھ اور ہے، اور کرنے کا کچھ اور! اسی کچھ اور، کچھ اور میں پوری کائنات انسانی درہم و برہم ہورہی ہے، ہر آدمی باوجودیکہ وہ سکون واطمینان کو تلاش کرتا ہے، مگر بیشتر اوقات پریشانی میں گھرا ہوا رہتا ہے، اس پریشانی اور بے سکونی کا علاج قرآن کریم میں ہے، مگر کیا کیجئے کہ آج کی دنیا قرآن کی تعلیم اور اس کے موضوع سے اتنی دور ہے کہ محض قرآن کا نام سننے ہی سے پیشانیاں شکن آلود ہونے لگتی ہیں، اور جب اس کی تعلیم کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسے اس طرح سنا جاتا ہے جیسے کائنات سے ماوراء کوئی چیز ہو، جس کو صرف خاص خاص لوگ ہی اختیار کرسکتے ہیں، عام لوگ تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں، قرآن کی تعلیم سب کے لئے ہے، اور سب استعداد والوں کے لئے ہے جو جتنا اسے اختیار کرے گا، اس کے لئے اتنا ہی راستہ کھلتا جائے گا، حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے، وہی ساری کائنات کی اور خود انسانوں کی نفسیات سے بخوبی واقف ہیں اور وہی الجھی ہوئی طبیعتوں کو سلجھانے پر قدرت رکھتے ہیں، آدمی اول تو انسانی نفسیات کے تمام پیچ وخم سے واقف نہیں ہوتا، اور اگر واقف بھی ہو تو اس کا صحیح علاج تجویز کرنے کی معلومات نہیں رکھتا، اور اگر قدرے معلومات اسے حاصل بھی ہوں تو بیماریوں کو شفا بخشنے کی قدرت نہیں رکھتا، علم وقدرت کی اتنی الجھنوں کے بعد بھلا انسانی تدبیروں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ ان سے انسانوں کی پریشانیوں کا کوئی مسئلہ حل ہوسکے گا، پس ذہنی وقلبی بیماریوں کا مداوا آدمیوں کی وضع کردہ تدبیروں میں نہیں، اس درد کی ایک ہی دوا ہے کہ اسی ذات کی جانب رجوع کیا جائے جو علیم وخبیر ہے اور قوی وقدیر بھی۔

اس تمہید کے بعد ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں، اطمینان وسکون کا سوال ہم اسی بارگاہ سے کرتے ہیں دیکھئے ادھر سے کیا جواب ملتا ہے؟ غور سے ملاحظہ

فرمائیے، حق تعالیٰ جواب عنایت فرماتے ہیں:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورۃ النحل:۹۷)

ترجمہ:- جس نے اچھا کام کیا، خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہے، تو اسے ہم ایک پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی عطا فرماتے ہیں، اور ہم انھیں اچھے اعمال کے عوض میں بہترین اجر عنایت فرمائیں گے۔

مشہور مفسر قرآن حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حیاۃ طیبہ وہ ہے جو راحت وآرام کے وجوہ وطرق پر مشتمل ہو، دنیا میں راحت اور آخرت میں اجر عظیم! معلوم ہوا کہ سکون وراحت کا سرچشمہ نہ مال ہے، نہ دولت، نہ طاقت، نہ شوکت بلکہ اللہ ورسول پر ایمان اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں بہتر سے بہتر اعمال کو بجالانا، ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔

دوسری جگہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، نَحْنُ اَوْلِيَآءُ كُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَاتَشْتَهِىْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَاتَدَّعُوْنَ. نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ. (سورہ حم السجدۃ:۳۰،۳۱،۳۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اپنے اس قول پر مضبوط رہے، ان پر فرشتے مسلسل اُترتے ہیں کہ نہ کچھ اندیشہ کرو، نہ افسوس میں پڑو اور جنت کی خوش خبری حاصل کرو، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو، یہ سب سامان مہمانی ہے، مغفرت کرنے والے رحم وکرم کرنے والے کی جانب سے۔

اللہ کو رب ماننا پھر اس پر جمے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ پھر کسی اور طرف التفات نہ کیا،

بلکہ اخلاص ویکسوئی کے ساتھ حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگے رہے، امام زہری فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ **استقاموا واللّٰہ بطاعتہ ولم یروغوا روغان الثعالب** (تفسیر ابن کثیر) اللہ کے لئے اس کی طاعت پر ثابت قدم رہے اور لومڑی کی طرح حیلہ سازی کے ساتھ ادھر اُدھر انحراف نہیں کیا۔

مومن کا جب یہ حال قائم ہو جاتا ہے تو مرتے دم اس پر فرشتے دمبدم اترتے ہیں، اور اس گھبراہٹ کے وقت اسے تسلی دیتے ہیں، اس وقت جن الفاظ میں وہ دنیا چھوٹنے پر مومن کو اطمینان دلاتے ہیں، ان میں ایک بات یہ بھی کہتے ہیں کہ **نحن اولیاء کم فی الحیٰوۃِ الدنیا**. ہم تمہارے دوست، ہمدرد اور ہر بگڑی میں ساتھ دینے والے دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی۔

یہ جملہ بہت قابل غور ہے، فرشتوں کا گروہ اہل ایمان کے لئے سرمایۂ تسکین واطمینان ہے، یہ جب مومن کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے زیادہ اطمینان کی بات کیا ہوسکتی ہے، پھر اس مقدس اور پاکیزہ گروہ کے ساتھ ہونے کے بعد آدمی کو کیا گھبراہٹ ہوسکتی ہے، اس سرمایۂ سکون کا حصول کس چیز سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ اللہ کو رب ماننا اور پھر اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جانا۔

یہ اللہ کا فرمان ہے مگر مادیت اور اسباب کی ماری ہوئی دنیا کو یہ بات کب سمجھ میں آئے گی، مگر واقعہ یہی ہے کہ راحت اور اطمینان کا خزانہ ایمان واستقامت ہی میں ہے، اسباب کا جتنا تجربہ ہوتا ہے، نتیجہ برعکس ہی نکلتا ہے، اللہ کا فرمان تو یوں ہی قابل اذعان ہے، لیکن جب اس کے ساتھ صدیوں اور صدہا آدمیوں کے تجربات بھی شامل ہوں تب تو شرح صدر ہو جانا چاہئے۔

ایک اور آیت ملاحظہ ہو:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

يَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرىٰ فِى الْحَيوٰةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ. ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (سورہ یونس:۶۲،۶۴)

ترجمہ:- سنو! بے شک جو اللہ کے ولی ہیں ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ افسوس میں مبتلا ہوں گے، ان کے لئے بشارت ہے، دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ کی باتوں میں کوئی ردّ وبدل نہیں ہے، بڑی کامیابی یہی ہے۔

اس آیت میں غور کیجئے، چند باتیں بوضاحت ثابت ہوتی ہیں:

(۱) جو اللہ کا ولی ہوگا، اس کا دل خوف اور رنج کے حوادث سے بالاتر ہوگا، وہ سراپا اطمینان وسکون ہوگا۔

(۲) اللہ کا ولی وہی ہے جو اللہ پر سچا ایمان رکھتا ہو، اور تقویٰ کی صفت سے متصف ہو۔

(۳) ایسا شخص جو اللہ کا ولی ہو، مخلصانہ ایمان اور ظاہر وباطن میں تقویٰ رکھتا ہو، اس کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت اور خوشی کی خبریں ہیں، اور آخرت میں بھی بشارت واطمینان ہے۔

(۴) یہ اللہ کا اٹل اور ناقابل تبدیل قانون اور دستور ہے، اسے کوئی طاقت تبدیل نہیں کرسکتی۔

(۵) اور دراصل یہی بڑی کامیابی ہے۔

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اطمینان وراحت کے حصول کے لئے خالق کائنات نے جو اٹل اور ناقابل تبدیل دستور بنایا ہے، وہ یہی ہے کہ آدمی صاحب ایمان ہو اور صاحب تقویٰ ہو، یہ دونوں باتیں حاصل ہوں تو قلبی راحت اور سچا اطمینان آدمی سے دور نہیں ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَايَحْتَسِبُ ۔(الطلاق:۲،۳)

ترجمہ:- جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ دیتے ہیں، اور ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں، جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

تقویٰ کیا ہے؟ ظاہر و باطن سے، جسم سے اور قلب سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، اور اللہ کی نافرمانی سے بچنا، اس کا اہتمام کرنا، دل میں اسی کی فکر اور دھن کا مسلط ہو جانا، یہی تقویٰ ہے، تقویٰ کی جزئیات بہت ہیں، مگر کلی طور پر جب آدمی کو فکر ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ تقویٰ کی راہ بھی آسان فرمادیتے ہیں، اس سے انسان کو اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایسا ربط پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کہیں بھی ہو اپنے کو اکیلا اور بے سہارا نہیں محسوس کرتا، اس کے سامنے کہیں اندھیرا نہیں ہوتا، مشکل سے مشکل مرحلہ اس کے لئے روشن اور سہل ہوتا ہے، اور جس قدر وہ تقویٰ میں ترقی کرتا ہے، راستہ آسان ہوتا جاتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی (سورۃ واللیل: ۷) تو جس کسی نے دیا، اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھے کلمہ کی تصدیق کی، ہم اسے سہج سہج آسانی میں پہنچادیں گے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے تین چیزیں ذکر فرمائی ہیں، دینا یعنی دوسروں کو اپنے مال میں سے دیتے رہنا، یہ علامت ہے اس بات کی کہ دینے والا اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے، اس لئے اپنا مال دے دینے میں اسے ہچکچاہٹ نہیں ہوتی، دوسری چیز تقویٰ، تیسرے ایمان، جس میں یہ تینوں باتیں موجود ہوں گی، وہ آسانی کی راہ پر لیجایا جارہا ہے، وہ ہر قدم آسانی اور راحت میں رکھتا ہے، کیوں کہ اللہ نے ان اعمال وصفات میں یہی خاصیت رکھی ہے۔

تقویٰ اور توکل ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں، یہی وجہ ہے، جہاں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانی کی راہ نکالیں گے اور ایسی جگہ سے روزی عطا فرمائیں گے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا، وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ. (سورۃ الطلاق: ۳) اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ رکھے، تو وہ اس کو کافی ہے۔

اور یہ بالکل سامنے کی بات ہے ہر معاملہ میں اللہ پر جو بھروسہ رکھے گا، اسے

دشواری کا احساس کہیں نہ ہوگا، کیوں جس شخص کے ساتھ کوئی بڑی طاقت ہوتی ہے، اسے کوئی مسئلہ پریشان نہیں کرتا، اور اللہ سے بڑھ کر کون صاحب طاقت وقوت ہے؟

اس تفصیل کے بعد کوئی بتائے کہ دنیا جن راہوں سے اطمینان اور راحت تلاش کر رہی ہے، کیا ان راہوں سے یہ دولت حاصل ہوسکتی ہے، جو لوگ سرے سے صاحب ایمان نہیں ہیں، ان کی شکایت کوئی کیا کرے، جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، جنھیں یقین ہے کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، اور ہدایت کی راہ وہی ہے جو قرآن کریم کی روشنی میں دکھائی گئی ہے۔ وہ اپنے گھر کی دولت سے منھ موڑ کر دنیا پرستوں کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، اور پریشان ہورہے ہیں۔

اے ایمان والو! دنیا داروں، دنیا پرستوں، مادیت کے ماروں کی راہ چھوڑو، اور اللہ ورسول کی اطاعت کی راہ پر چلو، اطمینان یہیں ہے، راحت یہیں ہے، فلاح اسی راہ میں ہے، یہ دنیا کی بھی بھلائی ہے، اور آخرت کی بھی بھلائی ہے، اس کے خلاف جو کچھ ہے، گمراہی ہے، ضلالت ہے، سرگشتگی وحیرانی ہے۔ سنو! پکارنے والا صدا لگاتا ہے۔ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ اِنِّیْ لَکُمْ مِنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ ’’پس اللہ کی طرف بھاگو، میں تمہارے لئے اس کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں‘‘۔

(نومبر، دسمبر ۲۰۰۷ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آدمیوں کا ہجوم معیارِ کامیابی نہیں

دسمبر ۲۰۰۷ء کے اخیر ایام میں سرائمیر، ضلع اعظم گڈھ میں ایک عالمی اجتماع تبلیغی جماعت کا ہوا۔ اس میں بعض امور دینی مزاج کے خلاف سامنے آئے، اس کا احتساب کیا گیا۔

الحمدللہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لو لا أن ھدانااللہ، لقد جاء ت رسل ربنا بالحق والصلوٰۃ والسلام علی سیّدنا ومولانا محمد رسول اللہ وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین، أمابعد! فأعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم: لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئاً وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَارَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُدْبِرِیْنَ (التوبۃ: ۲۵)

اللہ تعالیٰ بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کر چکے ہیں، اور حنین کے دن بھی، جبکہ تم اپنی کثرت تعداد پر خوش ہوئے تھے، لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین تم پر اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہوئی۔

یہ بیان کسی آدمی کا نہیں ہے، حق تعالیٰ ایک واقعہ کے ضمن میں ایک خاص تنبیہ فرمارہے ہیں، اور کسی عام آدمی کو نہیں، انبیاء کے بعد اس کائنات کی سب سے برگزیدہ جماعت کو! جس کی خوبی اور جس کے حسن اخلاص اور مرتبۂ کمال کو خود حق تعالیٰ نے بیان کیا ہے، اور اس مقدس ترین جماعت کو ایک بات کی تنبیہ فرمارہے ہیں، اور مہربانی کا انداز یہ ہے کہ اپنے خاص احسان وکرم کے ضمن میں اس تنبیہ کو لارہے ہیں، وہ تنبیہ آپ نے آیت کریمہ میں اور اس کے ترجمے میں پڑھ لی، اب واقعہ کی تھوڑی سی تفصیل بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

مکہ مکرمہ ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ نے فتح کیا، اور وہاں آپ کا قبضہ مکمل ہوگیا، کعبۂ مطہرہ سے بتوں کی نجاست دور کردی گئی، کفروشرک کی گندگی سے وہ ہمیشہ کے لئے پاک ہوگیا، اس کے فوراً بعد آپ کو طلاع ملی کہ قبیلہ ہوازن اور بنی ثقیف وغیرہ بہت سے قبائل عرب نے ایک لشکر جرار تیار کرکے بڑے ساز وسامان کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے، یہ خبر پاتے ہی آپ نے دس ہزار مہاجرین وانصار کی فوجِ گراں لے کر، جو مکہ فتح کرنے کے لئے مدینہ سے آئی تھی، طائف کی طرف کوچ کردیا، دو ہزار طلقاء بھی جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے، آپ کے ہمراہ تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ بارہ ہزار کی عظیم الشان جمعیت کیل کانٹے سے لیس ہوکر میدانِ جہاد میں نکلی، یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہ سے رہا نہ گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ (جب ہم بہت تھوڑے تھے، اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) آج ہماری بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں، یہ جملہ مردانِ توحید کی زبان سے نکلنا بارگاہِ احدیت میں ناپسند ہوا، ابھی مکہ سے تھوڑی دور نکلے تھے کہ دونوں لشکر مقابل ہوگئے، فریق مخالف کی جمعیت چار ہزار تھی، جو سر سے کفن باندھ کر نکلی تھی، ابتداء میں مسلمانوں کو غلبہ ہوا، اور کفار کے قدم اکھڑ گئے، اب لشکر اسلام ان سے بے فکر ہورہا تھا کہ قبیلہ ہوازن جو تیر اندازی میں مشہور تھا، گھات سے نکل آیا، انھوں نے آنِ واحد میں چاروں طرف سے اتنے تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہوگیا، اوّل طلقاء میں بھاگ پڑی، آخر سب کے پاؤں اکھڑ گئے، زمین باوجود فراخی کے تنگ ہوگئی کہ کہیں پناہ نہیں ملتی تھی، بس ایک حضور اکرم ﷺ کا دم تھا، اور آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ سو رفقاء تھے، جو اپنی جگہ ثابت قدم تھے، بلکہ دشمنوں کے نرغے میں آگے بڑھ رہے تھے، اسی حالت میں آپ نے صحابہ کو پکارا، اور آپ کے حکم سے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک بلند آواز لگائی، اس پر تمام صحابہ ایک دم پلٹ پڑے، اور از سر نو جنگ شروع ہوئی، اور دم کے دم میں لڑائی کا پانسہ پھر صحابہ کے حق میں پلٹ گیا، اور انھیں بے نظیر کامیابی ہوئی، سیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیل پڑھی جا سکتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ کثرت تعداد اور ہجوم افراد پر نازاں ہونا، اور اس کی بنیاد پر کسی طرح کا دعویٰ کرنا حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ کام نہیں، رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی موجود ہے، صحابہ خود انتہائی بزرگ اور مقرب بندے ہیں، لیکن کثرت تعداد پر ناز کا ایک جملہ بعض حضرات سے صادر ہوا، تو پوری فوج آزمائش میں پڑگئی، اور اللہ نے اس پر تنبیہ فرمائی، اب قیامت تک کے لئے اہل اسلام کے لئے یہ واقعہ اور یہ ارشاد اُسوہ ہے کہ یہاں مدارِ کار نصرتِ الٰہی پر ہے، افراد کم ہوں یا زیادہ ہوں۔ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ (البقرۃ: ۲۴۹) بار بار تھوڑی سی جمعیت بڑی جمعیت پر اللہ کے حکم سے غالب آئی ہے۔

لیکن یہ ایک بشری کمزوری ہے جس کی اصلاح ضروری ہے، کہ جب کسی مقصد پر بڑی تعداد جمع ہوجاتی ہے، اور کسی کام کے لئے کافی سرمایہ اکٹھا ہوجاتا ہے، تو لوگوں میں ایک ناز سا ہونے لگتا ہے، لیکن یہ بات سیاسی پارٹیوں کے لئے، دنیاوی مقاصد کے لئے، حکومت اور ریاست کے لئے خوش آئند ہوتو ہو، مگر دینی مقاصد کے لئے، دینی جماعتوں کے لئے، اور دین کے خادموں کے لئے یہ بات نہ طریقۂ کار کے لحاظ سے پسندیدہ ہے اور نہ نتائج کے اعتبار سے! اگر تعداد ہی بڑھانی مقصود ہوتی، تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کفار نے مال کی، عورت کی، حکومت کی پیشکش کی تھی، بشرطیکہ آپ اپنے مقصد میں کچھ نرم ہوجائیں، اگر ان کی اس پیشکش کو آپ کسی درجے میں دنیاوی مصلحت کے لحاظ سے منظور فرمالیتے، اور اس طرح اپنی تعداد بڑھالیتے، تو ہوسکتا تھا، مگر آپ نے اس پر سرے سے توجہ ہی نہیں دی، آپ نے اپنے لوگوں کی قلیل تعداد پر اکتفا کرتے ہوئے، حکم الٰہی کے مطابق جد وجہد جاری رکھی، تکلیفیں سہیں، شدائد برداشت کئے، لیکن تعداد کی طرف التفات نہ کیا۔

مگر اب دنیا کے غلبے نے کثرت تعداد کے نظریے کو اتنا عام کردیا ہے کہ دینداروں، دین کے خدمت گاروں اور دینی جماعتوں کی نظر میں نہ صرف یہ کہ کثرت تعداد بہت اہمیت اختیار کرگئی ہے، بلکہ اس پر فخر وناز کا ایک مزاج بن گیا ہے۔

کچھ مدت گزری، دار العلوم دیوبند کے اربابِ حل وعقد نے، اس کے سو سال

پورے ہونے پر ایک صد سالہ جشن کا فیصلہ کیا تھا، اس پر بعض اکابر نے ٹوکا تھا، اور وہ کچھ دنوں کے لئے مؤخر ہوگیا تھا، مگر پھر وہ جشن ہوا، بہت بڑا جشن ہوا۔ دارالعلوم دیو بند سے مسلمانانِ ہندو پاک اور بنگلہ دیش کو جو جذباتی تعلق ہے، ظاہر ہے کہ بہت بڑا مجمع اکٹھا ہونا ہی تھا، ہوا۔ تین دن جلسہ ہوا۔ زبانوں پر بہت دنوں تک یہی چرچا رہا کہ بہت بڑا مجمع تھا، اتنے لوگ تھے، پھر اس کے جو اثرات پورے ملک میں، اور خود دارالعلوم میں ظاہر ہوئے، وہ بڑی سخت آزمائش تھی، أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ کے نتیجے میں حسد اور عناد کی بڑی سخت نگاہیں امت مسلمہ پر اور خود مدارس پر پڑیں۔ بہت دنوں تک اس آزمائش میں اہل اسلام مبتلا رہے۔ میں ان تفصیلات کو دہرانا نہیں چاہتا، صرف اشارے کر رہا ہوں، ادھر ماضی قریب میں بعض مسلمان خطیبوں نے اپنی ساحرانہ خطابت سے بڑا مجمع اکٹھا کیا، ان کا امتیاز یہی بن گیا کہ اتنا اتنا مجمع ہوا، فلاں جلسے میں اتنی گاڑیاں آئیں، مگر نتیجہ کیا رہا؟ سر پھٹول ہوئی، باہم دشمنیوں کو بڑھاوا ملا، فرقہ پرستوں میں ہیجان ہوا، بابری مسجد شہید ہوئی، کتنے خون خرابے ہوئے، ان مصیبتوں کے جہاں اور اسباب تھے، أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ کی بھی غلطی تھی۔

ابھی پچھلے دنوں، ضلع اعظم گڈھ کے ایک قصبہ سرائمیر میں تبلیغی اجتماع ہوا، بہت بڑا اجتماع ہوا۔ ایک سال سے اس کا شہرہ چل رہا تھا، ہر طرف یہی چرچا تھا کہ اتنے لاکھ مجمع ہوگا، اتنے لاکھ ہوگا، اجتماع ہوا۔ اس وقت یہ خاکسار بسلسلۂ حج مکہ مکرمہ میں تھا، وہاں بھی ہمارے علاقے کے حاجیوں کی زبان پر یہی تذکرہ تھا کہ اتنے لاکھ مجمع ہوا ہے، کوئی ٹی۔ وی پر دیکھ کر بتا رہا ہے، کوئی سن سن کر کہہ رہا ہے، مگر سب کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ بہت بڑا مجمع ہے، تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے لوگ اس کو خاص فخر کے انداز سے کہتے تھے، اتنی تعداد ہے، ایسے انتظامات ہیں، اتنے رقبے میں اجتماع ہے وغیرہ، اس کے علاوہ اور کوئی ذکر نہیں۔

میری واپسی اجتماع سے تقریباً ایک ماہ بعد ہوئی، تب بھی حاصل اجتماع یہی سننے میں آیا، اور اب تک یہ چرچا ہو رہا ہے کہ اتنے آدمی تھے، اتنے رقبے میں تھا، اتنی بلّیاں تھیں،

اتنی صفیں تھیں، اس کے علاوہ اور کوئی بات سننے کو نہیں ملی۔ یہ وہی أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ والا حال ہے، تین دن کے اجتماع میں جس کے انتظامات ایک سال سے ہو رہے تھے، لاکھوں لاکھ روپئے خرچ ہوئے، اگر اس کا حاصل یہی فخر و ناز ہے، تب کچھ اچھا حاصل نہیں ہے!

واقعہ یہ ہے کہ اتنے بڑے جلسے ہندوستان جیسے ملک میں بالخصوص نہیں ہونے چاہئیں۔ ان کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہوتے ہیں، دینی اعتبار سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ بڑے جلسے میلے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، سیر و تفریح، خرید و فروخت، تجارت وغیرہ کے مرکز بن جاتے ہیں، یہی مزاج لے کر لوگ آتے ہیں اور یہی مزاج لے کر واپس ہو جاتے ہیں، بس تعداد کی کثرت، بھیڑ بھاڑ، کھانے پینے کے انتظامات یاد رہ جاتے ہیں، ان اثرات کے ہجوم میں دینی نفع دب جاتا ہے۔ اور دنیاوی نقصان یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کو فرقہ پرست مخالفین دیکھتے ہیں، تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹ جاتا ہے، پھر یہ سانپ انھیں زہریلی سازشوں کی طرف لے جاتا ہے، حکومت بھی چونکتی ہے، حکومتوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ بڑے مجامع سے گھبراتی ہیں، انھیں ان مجامع میں اپنا زوال دکھائی دینے لگتا ہے، پھر ان کا تشدد بڑھ جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایک بڑے خلیفہ حضرت سیّد آدم بنوری علیہ الرحمہ تھے۔ ایک مرتبہ شاہ جہاں جیسے دینی مزاج کے بادشاہ نے ان کے ساتھ بہت بڑا مجمع دیکھا، تو اسے کھٹک پیدا ہوگئی، اس نے لطائف الحیل سے حضرت کو حج کے لئے سرزمین پاک بھیجوا دیا۔ اور پھر وہیں مدینہ طیبہ میں ان کا وصال ہو گیا۔ ہمارے ملک کی موجودہ حکومت گو جمہوریت کے طرز کی ہے، مگر مزاج وہی ہے۔ قارئین کو معلوم ہوگا کہ سیاسی بساط پر اگر کوئی شخص تیزی سے ابھرتا ہے، اور اقتدار کو اس سے خطرہ محسوس ہوتا ہے، تو وہ خواہ گھر ہی کا آدمی ہو، خواہ بیٹا ہی ہو، اسے راہ سے ہٹا دیتا ہے۔ اس ملک میں بغیر نمائش اور پروپیگنڈہ کے کام ہونا چاہیئے، تاکہ کام بھی ہو جائے اور کسی کی نگاہ بد بھی نہ پڑے۔ نمائش اور پروپیگنڈا تو اسلام میں کبھی مستحسن نہیں رہا ہے، اپنی اعمال کسی نمائش اور پروپیگنڈے سے بے نیاز بھی

ہیں اور بیزار بھی! ان اعمال کی افادیت، نمائش کے نتیجے میں باطل ہوکر رہ جاتی ہے۔

۱۹۷۰ء میں تبلیغی جماعت میں، میں نے ایک چلہ وقت لگایا، اس جماعت کے جو امیر تھے وہ ایک بزرگ شخص تھے، حضرت منشی اللہ دتا علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور مرکز کے اکابر کے قریب تر! وہ اکثر فرمایا کرتے تھے: اور مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ بڑے اجتماعات کی اجازت نہیں دیتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ چھوٹے اجتماع ایک روز کے کرلیا کرو، اس کا نفع زیادہ ہے، ہندوستان کی حد تک بڑے اجتماع کی اجازت صرف بھوپال کے لئے مرحمت فرمائی تھی۔ اگر یہ بات صحیح ہے، تو مرکز کے موجودہ اکابر کو اس پر غور کرنا چاہئے۔

عوام کا طرزِ عمل تو قابو سے باہر ہے، اکابر اس کے پیچھے نہ چلیں، بلکہ شریعت وسنت کے مزاج اور حالات کی دینی مصلحتوں کے مطابق فیصلے صادر فرمائیں، یہی درخواست اربابِ مدارس سے بھی ہے کہ خاموش جدوجہد کریں، پروپیگنڈے کی طرف توجہ نہ دیں، لوگوں کا مزاج بھیڑ بھاڑ کا نہیں دینی واخلاقی بنانے کی سعی کریں۔ مسجدیں خالی ہیں، اگر کسی عارض کی وجہ سے کچھ نمازی بڑھتے بھی ہیں تو دیر نہیں لگتی کہ گھٹ جاتے ہیں، جلسوں کی ہنگامی بھیڑ بھاڑ کا کچھ اعتبار نہیں، پائیدار کام کی تدبیر کرنی چاہئے۔

ممکن ہے میری یہ معروضات بعض دلوں پر گراں گزرے، مگر یہ بات ضروری تھی، عرض کردی۔ اللہ تعالیٰ خیر کی توفیق بخشیں۔

(فروری، مارچ ۲۰۰۸ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیاست کی ساحری

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو   جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

موجودہ ہندوستان میں جمہوری تماشا ہے، کبھی یہاں جلالِ پادشاہی تھا، مگر مزاجِ حکومت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، حکومت کا ایک مزاج ہے، جو ملوکیت ہو یا جمہوریت سب میں مشترک ہے، وہ یہ کہ تخت وتاج پر حکمرانی جس کی ہو چکی ہے، ہزار تدبیریں وہ کرتا ہے کہ اس کی حکمرانی باقی رہے، اسے کوئی چیلنج نہ کرے، اگر کسی نے یہ ہمت کر لی تو اس ہمت کو توڑنا ضروری ہے، خواہ اس کے لئے کوئی بھی تدبیر کرنی ہو۔ حکومت کے منہ میں اگر کوئی مضبوط لگام لگائی جاسکتی ہے، تو وہ دین وشریعت ہے، مخلص دیندار شخص حکومت کی کرسی پر بیٹھتا ہے تو وہ خود بھی قانونِ الٰہی کے ساتھ سر جھکاتا ہے، اور رعایا کو بھی اسی پر قائم رکھنا چاہتا ہے، وہ اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کی فکر اس لئے کرتا ہے کہ اللہ کا قانون نافذ ہو، اس کی حکومت خدمت دین واہل دین کے لئے ہوتی ہے، حکومت مقصد نہیں ہوتی، اقامت دین کے لئے سب جتن کرنے پڑتے ہیں، لیکن اگر یہ مقصد نکل جائے، تو سیاست وحکومت چنگیزی ہو کر رہ جاتی ہے، خواہ وہ ملوکیت ہو یا جمہوریت، مطلب یہ ہے کہ پھر وہ ایک من مانی حکومت ہوتی ہے، اور جس شخص اور جس گھرانے اور جس پارٹی میں وہ ہے، سیاست کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسی شخص، اسی گھرانے اور اسی پارٹی میں رہے، باہر نہ نکلے، خواہ اس کے لئے جس ناکردنی کو کردنی بنانا پڑے۔

ساٹھ سال سے ہندوستان میں، ہم جمہوری حکومت کا یہی تماشا دیکھ رہے ہیں، جہاں کسی نے ابھرنے کی کوشش کی اقتدار نے اسے دبا دیا، اگر ان حکمرانوں کا بس چلتا، تو

اپنی ذات، اپنی پارٹی اور اپنے خاندان کے علاوہ کسی اور حلقے میں حکومت کو جانے ہی نہ دیتے، لیکن وہ قدرتِ الٰہی کے سامنے بے بس ہیں، قدرت جسے چاہتی ہے حکومت دیتی ہے، جس سے چاہتی ہے چھین لیتی ہے، اَللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ (سورۂ آل عمران:) اے اللہ! اے ملک کے مالک ! آپ جسے چاہیں حکومت دیں، اور جس سے چاہیں چھین لیں۔

ایک مدت تک یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی، پھر انگریزوں کو ملی، انگریزوں سے حکومت چھینی گئی، تو ملک دو حصوں میں تقسیم ہوگیا، اس تقسیم کے بعد جن ہاتھوں میں حکومت پہونچی، ادل بدل کر ابھی تک انھیں ہاتھوں میں ہے، اس حکومت میں مسلمان اقلیت میں ہیں، کسی بھی جمہوریت میں اقلیت ایک جرم ہے، اکثریت جس کے ہاتھ میں حکومت ہوگی، وہ ہر ممکن کوشش کرے گی کہ اقلیت بڑھنے اور پھیلنے نہ پائے، وہ اس حیثیت میں کبھی نہ آئے کہ اقلیت اس کے مدمقابل کھڑی ہوجائے۔

جموری مزاج یہی ہے کہ اقلیت، اقلیت ہی میں رہے، جب جب اقلیت نے اقلیت میں ہونے کے باوجود اپنی تعداد کی کثرت دکھائی ہے، تو جمہوری حکومت نے اس میں قطع وبرید کا عمل جاری کیا ہے، الیکشن میں اس قطع وبرید کا تماشا مسلسل دیکھنے میں آتا ہے، جہاں کسی اقلیت کی تعداد کسی حلقے میں بڑھی، وہیں اسے مختلف حلقوں میں تقسیم کرکے اقلیت کی جانب لوٹا دیا جاتا ہے۔

اور اگر کسی نے اپنی کثرت تعداد کی نمائش کی تو تمام ذہانتیں اس پر مرکوز ہوجاتی ہیں، کہ اس تعداد اور اس اتحاد کو کسی ایسے طریقے سے توڑ دیا جائے کہ الزام اقلیت ہی کے سر جائے، اور اکثریت کا دامن پاک ہی رہے۔

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

تقسیم ملک کے بعد جب ایک ہی ملت کے خلاف جارحانہ فسادات، بلکہ نسل کشی کا سلسلہ شروع ہوا، تو مسلمان قائدین کو ایک جوش پیدا ہوا، ایک نیا ولولہ پیدا ہوا، اور متعدد

بزرگوں نے مل کر ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک منتشر اکائیوں کو مربوط کرنے کی کوشش کی، اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر عظیم پیمانے پر اتحاد کی صورت نمایاں ہوئی، اس وقت مسلمانوں کی بڑی تعداد بھی میدان میں دکھائی دی، اور ان کے اتحاد کا بھی غلغلہ ملک بھر میں گونجا، مجلس مشاورت وجود میں آئی، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ جتنی تیزی سے یہ اتحاد ابھرا تھا، اتنی ہی تیزی سے بیٹھ بھی گیا۔ جمہوری حکومت کو یہ کیونکر گوارا ہوتا کہ یہ اتحاد اس کے سر پر مصیبت بنے، یہ اتحاد بکھرا، مگر اس طور پر بکھرا کہ جمہوریت کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں آیا۔

اس کے بعد جب کوئی صورت مسلمانوں کے اتحاد واجتماع کی ظاہر ہوئی، دیر نہیں گزری کہ اس میں رخنے پڑنے لگے، اور بالآخر وہ صورت پارہ پارہ ہوکر رہ گئی، دارالعلوم دیوبند نے اجلاسِ صد سالہ کیا، سرزمین دیوبند نے نہیں، سرزمین ہند نے مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع اور ہجوم کبھی نہ دیکھا تھا، مگر جب اجلاس صد سالہ سے فراغت ہوئی، تو دارالعلوم کے افتراق کی بنیاد پڑگئی، اس اجتماع سے مسلمانوں کو جو کچھ فائدہ پہونچ سکتا تھا، تو وہ ہوا ہوگیا، اور نقصان کی متعدد راہیں کھل گئیں، پھر دارالعلوم کے دو ٹکڑے ہوئے، کچھ دنوں کے بعد مظاہر علوم کے دو ٹکڑے ہوئے، جمعیۃ علماء ہند کے دو ٹکڑے ہوئے، نقصان ہی نقصان، افتراق ہی افتراق!

پھر اتنا ہی نہیں، اجلاس صد سالہ کے بعد مرادآباد میں عین عید کے دن فساد عظیم ہوا، پھر میرٹھ، علی گڈھ، الہ آباد، کہاں کہاں نہیں اس کی آگ پھیلی، آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ان حادثات میں جمہوری حکومت کی سازش نہیں ہے؟ ممکن ہے نہ ہو، مگر ایک ہی قسم کے حادثات کا تسلسل کیا بتارہا ہے؟

اور آگے بڑھئے، مسلم پرسنل لاء بورڈ نے، مسلمانوں کے مسائل پر غور کرنے اور ان کے تحفظ کے لئے مختلف الخیال علماء وقائدین کو ایک اسٹیج پر جمع کیا، اور اس میں شبہ نہیں کہ اس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے، لیکن کیا یہ بھی سچ نہیں ہے کہ اس کے بعد مسلسل

مسلمانوں پر مختلف جہتوں سے مسلم پرسنل لاء کے متعلق، اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے ذریعے بے سروپا اعتراضات اور الٹے پلٹے سوالات اٹھائے جانے لگے، کہ خود مسلمانوں کا اعتماد مسلم عائلی احکام پر باقی نہ رہے، کہیں شاہ بانو کیس، کبھی متبنیٰ بل، کبھی عمرانہ کیس، کبھی کچھ اور، آپ کا کیا خیال ہے کہ اختلاف وافتراق کے یہ پودے خود بخود اُگ آتے ہیں، یا ان کا بیج کہیں اور سے آتا ہے؟

ابھی تازہ واقعہ دسمبر ۲۰۰۷ء کی آخری تاریخوں میں ضلع اعظم گڈھ کے قصبہ سرائمیر میں عظیم الشان تبلیغی اجتماع ہوا، اجتماع کے پہلے سے اس کی تشہیر ہو رہی تھی، کیا اس تشہیر سے جمہوریت کے کان بہرے تھے، پھر ہندوستان کے مختلف خطوں سے آدمیوں کا سیلاب امنڈا، اور بہت بڑا اجتماع ہوا، یہ اجتماع کیا نگاہوں سے اوجھل تھا، پھر نہایت خاموشی سے اجتماع سے پہلے ہی، اس کے ایک فعال نوجوان عالم حکیم محمد طارق کو اٹھالیا گیا، اجتماع ہوا، اور بہت بڑا ہوا، مگر سارا مسلمان اس میں الجھ گیا کہ طارق کو کیوں اٹھایا گیا، اور پھر مختلف علاقوں سے لوگوں کے اٹھانے کا سلسلہ قائم ہوگیا، تاکہ ایک ہی پر نگاہ مرکوز نہ ہو جائے، اور پھر وہی ہوا، جو حکومتیں چاہا کرتی ہیں، کہ اجتماع بے اثر ہوگیا، مسلمان دوسرے مسئلے میں الجھ کر رہ گیا، اور اجتماع پس پشت چلا گیا۔

پھر دارالعلوم دیوبند میں ایک نیا کام ہوا، وہ یہ کہ مسلمانوں کو اور خصوصاً علماء اور مدارس کو جو بدنام کیا جا رہا ہے کہ ''دہشت گرد'' ہیں، اور یہ الزام لگا کر نوجوان علماء کو جیل خانوں میں ٹھونسا جا رہا ہے، یہ حکومت کی بدنیتی ہے، اور حکومت چونکہ جمہوری ہے، اس لئے کثرت تعداد کا مظاہرہ کر کے اس کو اس مذموم حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، جمہوریت کی نگاہ کرم نے، ملک میں کم ہی تنظیموں کو چھوڑا ہے، جو بڑی تعداد کو جمع کر سکیں، ہاں دارالعلوم دیوبند کی آواز پر بہت بڑی تعداد اکٹھا ہو سکتی ہے، چنانچہ ہوئی، اور مختلف مکتب خیال کے لوگ شریک ہوئے، میڈیا نے اسے خوب پھیلایا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب مدارس اور مسلمانوں کو دہشت گردی کے الزام سے نجات مل جائے گی، لیکن ابھی اس اجلاس کی

تجویزوں کی روشنائی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ ایک بڑے حادثے نے علماء ومدارس کی بڑی تعداد کو اپنی لپیٹ میں لے کر ان کے ذہن ودماغ اور ان کی قوت کار کو کہیں سے کہیں پہونچادیا۔ وہ یہ کہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر کو، جو دارالعلوم دیوبند کے مذکورہ اجلاس کے روح رواں تھے، معزول کرکے دارالعلوم ہی کے ایک دوسرے استاذ کو جو صدر صاحب کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں، عبوری صدر بنادیا گیا، اب یہ تنازعہ نہ صرف جمعیۃ کو بلکہ دارالعلوم جیسے موقر ومحترم ادارے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے، اجلاس کی روح تو فنا ہو ہی گئی، خود جمعیۃ اور دارالعلوم کے لالے پڑ گئے ہیں۔

عجیب شے ہیں آپ بھی جہاں بھی سایہ پڑگیا کہیں بہار لٹ گئی کہیں چمن اجڑ گیا
جو سینۂ ودماغ پر پڑی نگاہِ فتنہ گر تو گھٹ گئے دل وجگر خرد سے ہوش لڑگیا

میں نے اسے نیا کام کہا، وہ اس لئے کہ اس طرح کی تحریکات ......جن کا تصادم براہ راست حکومت سے ہو...... سے دارالعلوم کو ہمیشہ دور رکھا گیا ہے، دارالعلوم دیوبند اپنے روزِ اول سے انگریزی حکومت کے خلاف رہا ہے، دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی، ان کے خاص شاگرد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، پھر ان کے خصوصی تلمیذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی علیہم الرحمہ نے براہ راست انگریزی حکومت سے ٹکر لی تھی، مگر اس ٹکراؤ اور تصادم میں دارالعلوم کو شریک نہ کیا، اس کا میدان دارالعلوم سے باہر بنایا، چنانچہ کوئی تاریخ بتا نہیں سکتی کہ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے انگریزی حکومت کے خلاف کوئی تحریک چلائی گئی ہو، یا کوئی جلسہ اس مد میں کیا گیا ہو۔ انگریزوں کے چلے جانے کے دس سال بعد تک حضرت مدنی قدس سرہٗ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس بلکہ روح کل رہے، اور حالات بھی بہت آئے، یہاں تک کہ حکومت نے ایک مرتبہ دارالعلوم کی تلاشی بھی لی، مگر دارالعلوم دیوبند میں حکومت کے اقدامات کے خلاف کوئی عام جلسہ نہیں کیا گیا، اب اللہ جانے انھیں کے اخلاف کو کیا سوجھی کہ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے دہشت گردی کے خلاف اجلاس بلاڈالا۔ اس اجلاس کی

تحریک سے پہلے ایک اور اسی طرح کے موضوع پر سیمینار یا اجلاس کا پروگرام بنایا گیا تھا، جس کا موضوع تھا ''ملک کی آزادی میں علماء دیوبند کا کردار''۔ مجھے اسی پر اشکال تھا، اور سوچا تھا کہ ادب سے اربابِ انتظام کی خدمت میں عرض کروں گا کہ یہ کام دارالعلوم سے باہر دوسری تنظیموں کے کرنے کا ہے، دارالعلوم کو اس سے بچایئے، مگر وہ تو معرض التواء میں چلا گیا، اور خدا کرے کہ منسوخ ہی ہوجائے، لیکن اس سے بڑھ کر یہ مذکورہ اجلاس ہوگیا، اور اس کی خطرناکیاں بھی ظاہر ہوگئیں۔ اس تفصیل سے قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں نے اسے نیا کام کیوں کہا؟

اخیر میں، یہ عرض ہے کہ میں بہت چھوٹا ہوں، میری گزارش اگر درخورِ اعتنا نہ ہو تو بجا ہے، تاہم عرض تو کرہی دوں کہ جمہوری تقاضوں پر دارالعلوم دیوبند کو نہ دوڑایئے، دار العلوم اپنے اندر علماء کی تربیت کرتا رہے، انھیں علماء سے دین کی بقاء اور تحفظ کا انتظام ہوگا۔ دارالعلوم دیوبند کو میدانِ کارزار نہ بنائیں، تعلیم جتنی پختہ ہوگی، علم میں جتنا رسوخ ہوگا، علوم نبوت سے جتنا تعلق ہوگا، علماء میں اتنی ہی پختگی ہوگی، اور ان کے واسطے سے عام مسلمانوں میں پختگی آئے گی۔ قوم کے ان کچے نونہالوں کو سیاست کی نذر نہ کریں، ورنہ نہ دین رہے گا، اور نہ سیاست! دارالعلوم کا موضوع علم اور دین کی پختگی ہی ہے، یہاں سے پختہ ہوکر نکلیں گے، تو جس میدان میں اتریں گے، عزیمت وحوصلہ مندی ان کے ہمراہ ہوگی، اربابِ انتظام کوئی کام اس کے موضوع کے خلاف نہ کریں، اور دنیا والوں کی نقالی تو بالکل نہ کریں، وہ مجوزہ سیمینار جس کے دعوت نامے، اور مقالات کی فرمائشیں ملک بھر میں پھیل چکی ہیں، اچھا یہ ہے کہ انھیں سرے سے ختم کردیں۔ **اقول قولی ھٰذا وأستغفر اللہ لی ولسائر المسلمین، آمین یارب العالمین۔**

(اپریل ۲۰۰۸ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مروجہ جلسے

بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح

الحمدللہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا أن ھدانااللہ،وصلی اللہ علیٰ سیدنا ونبینا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم ، أمابعد!

کسی معاشرہ میں جب کوئی چیز بے تکلف اور بغیر کسی ردوانکار کے رواج عام پاجاتی ہے،تو وہ بطور اصول مسلمہ کے،سب کے دلوں میں جاگزیں ہوجاتی ہے، بالخصوص جب کہ اس کا تعلق کسی دینی معاملے سے ہو، دین کی نسبت سے اس میں تقدس کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، اگر کبھی کوئی اس رواج عام میں ترمیم یا اصلاح کرنا چاہتا ہے تو ملامت اور طعن کا نشانہ بن جاتا ہے، اس مجلس میں ایسے ہی ایک رواج عام کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مسلمانوں میں ایک عرصے سے ایک خاص طرح کے دینی جلسوں کا رواج ہے، یہ جلسے مدارس اسلامیہ میں بھی ہوتے ہیں،عوام کے حلقوں میں بھی ہوتے ہیں،کبھی انھیں جلسہ کہا جاتا ہے،کبھی اجلاس لکھا جاتا ہے،کبھی کانفرنس کے نام سے ہوتے ہیں،لیکن نام خواہ کوئی ہو،جلسہ کی ہیئت، اس کا پروگرام یکساں ہی ہوتا ہے، اس ہیئت کے جلسے کب سے رائج ہیں، مجھے تاریخ معلوم نہیں،لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس کے ابتدائی رواج پر سو سال کا عرصہ ضرور ہوا ہوگا۔ اس رواج سے پہلے جو کچھ ملتا ہے وہ یہ کہ علماء حق مسجدوں میں وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے، یا کسی جگہ مدرسہ میں، خانقاہ میں کوئی عالم، کوئی بزرگ ہفتہ میں کسی ایک دن

تقریر کردیتے، لوگ وہاں حاضر ہوتے، اور ضرورت اور وقت کے مطابق ان کے وعظ ہوتے، بعض مرتبہ وعظ سے پہلے کوئی قاری قرآن کچھ آیتیں پڑھتا، پھر وہ بزرگ انھیں آیات کا ترجمہ کرتے، تشریح کرتے، عموماً وعظ کا یہی دستور تھا، ان دنوں خانقاہیں آباد اور معمور تھیں، لوگ ان خانقاہوں اور تربیت گاہوں میں حاضری دیتے اور دینی و دنیوی منافع سے مالا مال اور نہال ہوکر لوٹتے۔

پھر جب مسلمانوں کی حکومت یہاں سے گئی، اور انگریزوں نے قدم جمائے، تو پچھلی قدریں آہستہ آہستہ بدلتی گئیں، حقیقت کی جگہ نمائشیں ابھرنے لگیں، ہر چیز کے طور میں تبدیلی آنے لگی، تو وعظوں کا دستور بھی متاثر ہوا، اور اب جو صورت حال عرصہ سے ہمارے سامنے ہے، وہ یہ ہے کہ ایک رات یا دو رات کا جلسہ ہوتا ہے، ایک ایک جلسہ میں متعدد مقررین کو دعوت دی جاتی ہے، خوش گلو نظم خواں بلائے جاتے ہیں، اشتہار شائع کئے جاتے ہیں، اکثر جگہوں پر جلسہ کے باضابطہ آغاز سے پہلے چھوٹے بڑے متعدد نعت خواں اپنے جوہر آزما چکے ہوتے ہیں، پھر جلسہ کا باضابطہ آغاز ہوتا ہے، لوگ ادھر ادھر منتشر ہوتے ہیں، تحریک صدارت ہوتی ہے، تائید ہوتی ہے، ادھر چند برسوں سے تائید کا سلسلہ کم رہ گیا ہے، اناؤنسر اعلان کے نام پر اچھی خاصی تقریر کرلیتا ہے، بعض اناؤنسر اشعار سے اپنی تقریر سجاتے ہیں، پہلے ایک یا دو قرأت ہوتی ہے، پھر نعت خواں طلب کئے جاتے ہیں، وہ کافی وقت لے لیتے ہیں، کبھی کبھی دو دو تین تین نعت خواں ہوتے ہیں۔ بریلویوں کا جلسہ ہوا، تو اس پر مجلس وعظ سے زیادہ محفل مشاعرہ کا گمان ہوتا ہے، اتنی دیر تک مجمع ادھر ادھر رہتا ہے، اناؤنسر آدابِ مجلس کا حوالہ دے کر لوگوں کو پنڈال میں سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن بکھرا ہوا ہر آدمی سمجھتا ہے کہ میں اس کا مخاطب نہیں ہوں، دوسرے لوگ ہیں، پھر جب تقریر شروع ہوتی ہے، تو تقریر کے انداز اور تقریر کرنے والے وزن کے اعتبار سے لوگ بیٹھنے لگتے ہیں، جلسوں میں دستور ہے کہ پہلے ہلکے پھلکے مقررین بلائے جاتے ہیں، پھر اصل مقرر کو دعوت دی جاتی ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نعت خوانی اور ہلکی پھلکی تقریریں اتنا وقت لے لیتی ہیں کہ مجمع اُکتا

جاتا ہے، سونے لگتا ہے، اور اصل مقرر کے حصے میں بچا کھچا مجمع اور وہ بھی ایک حصہ سوتا ہوا نصیب ہوتا ہے، اب یہ اس کی طاقت کا کرشمہ ہوتا ہے کہ سوتوں کو جگالے اور بھاگتوں کو بلالے۔ اس طرح رات کا بڑا حصہ گزر جاتا ہے، اور سامعین کے پلے زیادہ تر یہی بات پڑتی ہے کہ فلاں صاحب تو بالکل بے مزہ تھے، یا فلاں صاحب غنیمت تھے، البتہ فلاں صاحب کی تقریر اچھی ہوئی، قلوب پر کیا اثرات ہوئے، ایمان کتنا جاگا، عمل کا ذوق ابھرا یا نہیں؟ اللہ کی محبت، رسول کی محبت، شریعت کی عظمت، آخرت کی رغبت، جنت کا شوق، جہنم کا خوف، دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ دل میں کتنا جما، عموماً مجمع ان سب چیزوں سے برکنار رہتا ہے، مقررین کے درمیان موازنہ ہی اصل موضوع کی جگہ لے لیتا ہے، اکثر جلسوں کا یہی حال دیکھنے میں آتا ہے۔

گرمی کا موسم جلسوں کے لئے موسم بہار ہے، اس موسم میں بکثرت جلسے ہوتے ہیں، ان جلسوں میں عوام الناس کی تعداد جتنی بھی ہوتی ہو، آس پاس کے مدارس کے طلبہ بکثرت جاتے ہیں اور اپنی تعلیم کا بڑا نقصان کرتے ہیں۔

میں بہت دنوں سے سوچا کرتا ہوں کہ جلسوں کے اس مروجہ دستور کو بدلنا چاہئے، اس دستور میں فائدے ضرور ہیں، مگر نقصان زیادہ معلوم ہوتا ہے، بعض لوگوں نے کچھ بدلا بھی ہے، مثلاً یہ کہ یہ جلسے بالعموم عشاء کے بعد شروع ہوتے ہیں، لیکن بعض جگہوں میں یہ تبدیلی کی گئی کہ مغرب کے بعد ہی سے جلسے شروع کئے جانے لگے، اور گیارہ بجے کے قریب ختم کئے جاتے ہیں، پھر عشاء کی نماز پڑھی جاتی ہے، اس کے بعد کھانے پینے کی مشغولیت رہتی ہے۔ اس تبدیلی کا یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ دیر رات تک جلسہ ہوتا ہے اور صبح کو فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، یہ بات تو درست ہے کہ دین کے لئے جاگتے ہیں، اور دین ہی کا اہم فریضہ غائب کر دیتے ہیں، لیکن یہ خرابی مغرب بعد شروع ہونے والے جلسوں میں اتنی ہی ہے، بلکہ اس سے زائد جو عشاء کے بعد جلسوں میں ہے، گیارہ بجے جلسہ ختم ہوا، اچھا خاصا وقت عشاء کی نماز میں لگ جاتا ہے، پھر کھانے پینے کی مشغولیت رہتی ہے، نتیجہ کے اعتبار

سے رات وہیں تک پہونچ جاتی ہے، جہاں تک عشاء کے بعد جلسوں میں پہونچتی ہے، مزید یہ کہ انسانی کلام کی وجہ سے عشاء کی نماز وقت معہود سے موخر کرنی پڑتی ہے، یہ خود ایک نامناسب چیز ہے، پھر جلسوں میں لوگ آخر تک بیٹھنے کے عادی نہیں ہوتے، کتنے لوگ درمیان میں اٹھتے رہتے ہیں، کتنے لوگ واپس چلے جاتے ہیں، ان کی یا تو جماعت چھوٹتی ہے، یا سرے سے نماز ہی ترک ہو جاتی ہے، کیونکہ سستی اس وقت تک خوب غلبہ پا لیتی ہے، اس سلسلے میں مناسب یہی ہے کہ جلسہ عشاء کے بعد ہی ہو، دیر رات ہونے کا دوسرا علاج کرنا چاہئے۔

اس کی اصلاح کا طریقہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلسے کے آغاز کی بے ضابطہ کارروائیاں بالکل بند کردی جائیں، جلسہ عشاء کی نماز کے بعد فوراً شروع کر دیا جائے، اور اس میں نعت کا خانہ بند کر دیا جائے، نظم میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے سے بہتر نثر میں ہے، اور وعظ میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے، وہ اللہ کی کبریائی اور نبی ﷺ کی محبت وعظمت اور عقیدت کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے، پس یہی نعت کافی ہے اور اصل ہے، باقی نعت خوانیاں گلے کا زور اور حظ نفس ہے۔ بس ابتداء میں قرآن کی تلاوت کرادی جائے، اس کے بعد اصل وعظ شروع ہو جائے، نہ مجمع کو پکارا جائے، نہ اس کا انتظار کیا جائے۔ تجربہ یہ ہے کہ تقریر شروع ہوتے ہیں مجمع آجاتا ہے، ایک گاؤں میں ہلکا پھلکا ایک جلسہ تھا، اناؤنسر صاحب مسلسل پکار رہے تھے کہ جہاں تک میری آواز جاتی ہو، لوگ جلسہ گاہ میں حاضر ہوں، میں سنتے سنتے اکتا گیا، میں جلسہ گاہ سے کچھ دور منتظمین کے ہجوم ضیافت میں محصور تھا، میں عجلت میں اسٹیج پر پہونچ گیا، دیکھا تو مجمع نام کی کوئی چیز نہ تھی، اناؤنسر اکیلا گھگھیا رہا تھا، میں نے کہا کہ یہ گزارش بند کیجئے، اور جلسہ شروع کیجئے، قرأت ہوئی، ایک نعت ہوئی، اور میں نے تقریر شروع کردی، دم کے دم میں مجمع جم گیا۔

اناؤنسر صاحب، اناؤنسری کے مد میں جو تقریر کرتے ہیں، وہ بھی موقوف کریں، اس طرح وقت بہت سا بچ جائے گا۔ اب وہ بات کہنا چاہتا ہوں جو اصل ہے، وہ یہ کہ ایک

رات میں کئی مقرر جمع نہ کئے جائیں، ایک ہی مقرر کو جو صاحب علم ہوں، دعوت دی جائے، وہ وعظ فرمائیں، اور اسی پر جلسہ ختم کردیا جائے، مناسب وقت پر جلسہ ختم ہوجائے گا، واعظ کو بھی آسانی ہوگی، یہ کھٹکا نہ ہوگا کہ میرے بعد ایک اور صاحب آنے والے ہیں، مجھے جلدی کرنی چاہئے، کہیں ختم کرنے کا پرچہ نہ آجائے، کہیں سامعین کو شکایت نہ ہو، وغیرہ۔

سامعین کو بھی آسانی ہوگی کہ موازنہ کے مخمصے سے نجات پاجائیں گے، ایک ہی شخص کی طرف سے وعظ ونصیحت کی باتیں ہوئیں، وہ دل میں اتر گئیں، کئی تقریریں ہوتی ہیں تو کسی کا نقش نہیں جمتا، یہ جلسہ آسان بھی ہے، مفید بھی ہے، اور شب وروز کے نظام الاوقات میں خلل بھی نہیں ڈالے گا، اس طریقۂ کار میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید ''مقرر واحد'' تشریف نہ لائیں تب کیا ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ موعود مقرر کے نہ آنے کی صورت میں جلسہ موقوف کردیا جائے، یا مقامی کسی واعظ ومقرر کی خدمت حاصل کرلی جائے، کام جب اللہ کے لئے ہوگا، تو کوئی اچھی شکل نکل آئے گی، اول تو انشاء اللہ ایسی نوبت نہ آئے گی، اور اگر خدانخواستہ ایک جلسہ موقوف کردیا جائے تو آئندہ احتیاط ہوگی۔

بہرحال وعظ کا سلسلہ تو باقی رہنا چاہئے، اس سے مسلمانوں میں ایمان واخلاص کی روح دوڑتی ہے، مگر یہ کام اللہ کے لئے ہے، اس کو اسی طریقہ پر انجام دینا چاہئے، جیسا کہ اللہ کے واسطے ہونا چاہئے، نمود ونمائش، شہرت طلبی وریاکاری، خلاف عقل وشرع کوئی کام نہ ہو۔

یہ گزارشیں تو جلسے کے منتظمین سے ہیں، کچھ باتیں حضرات مقررین سے بھی عرض کرنی ہیں، میری یہ حیثیت تو نہیں ہے کہ ان اصحاب ذی شان کی خدمت میں کچھ گزارش کرسکوں، تاہم چھوٹا ہی سہی، چھوٹے کی بات بڑے حضرات سن لیں، تو چھوٹے کی سعادت ہوگی۔ (مئی ۲۰۰۸ء)

☆☆☆☆☆

مقررین سے گزارش:

اوپر کی سطروں میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ میں چھوٹا آدمی ہوں اور جو بات کہنا

چاہتا ہوں وہ بڑی ہے، پس ''چھوٹا منہ بڑی بات'' کی مثل کہی جاسکتی ہے، لیکن بڑے لوگوں سے توقع ہوتی ہے کہ وہ چھوٹوں کی بات بھی سن لیتے ہیں، خدا کرے اچھی بات، اچھے انداز میں کہنے کی توفیق ہو۔

ہمارے یہ دینی جلسے وعظ نصیحت اور تذکیر واحتساب کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں، یہی چیزیں ان جلسوں کا موضوع ہیں، عقائد کا بگاڑ ہو، رسوم بد کا رواج ہو، فرائض سے غفلت ہو، حقوق اللہ سے لاپروائی ہو، حقوق العباد کی پامالی ہو، یا گناہوں میں ابتلاء ہو، ان سب پر روک ٹوک، شریعت پر عمل کرنے کی تلقین، اللہ ورسول کی محبت وعظمت، عبادات کی ترغیب، صحیح اسلامی زندگی گزارنے کی فہمائش، آخرت، قیامت، جنت ودوزخ کی تذکیر! یہی وہ عناصر ہیں جن سے ہمارے یہ جلسے ترکیب پاتے ہیں، یہ سب کام اللہ کے حکم سے انبیاء کرام علیہم السلام نے کئے ہیں، ان کے جانے کے بعد ان کے وارثین یعنی علماء ربانیین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ یہ خدمت انجام دیں۔ اسی لئے جلسوں میں حضرات علماء کرام کو مدعو کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات اللہ ورسول کے حوالے سے عوام الناس کو دین کی باتیں سمجھائیں، ان وعظوں کے اثر سے قلوب متاثر ہوتے ہیں، عبادت کی رغبت بڑھتی ہے، گناہوں سے خوف ہوتا ہے، جنت کا شوق اور جہنم سے ڈر پیدا ہوتا ہے، دنیا کی محبت کم ہوتی ہے۔

پچھلے دور میں حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید اور حضرت مولانا عبد الحی صاحب نمونہ کے واعظین میں تھے، ان کے وعظوں سے قلوب کی کایا پلٹ ہوجاتی تھی، یہ حضرات بہت بڑے عالم، صاحب نسبت اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے، اور بڑے بڑے بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے، ان دونوں حضرات کے وعظ نمونے کے ہوتے تھے، ان کے وصال کے بعد بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ انھیں کے نمونے کے واعظ تھے، مولانا بہت کم وعظ کہتے تھے، اگر کوئی زیادہ اصرار کرتا، تو کہہ دیتے۔ ایک مرتبہ کسی کے اصرار پر فرمایا:

''وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں، اور نہ ہمارا وعظ کچھ موثر ہوسکتا ہے، وعظ کام تھا،

مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کا، اور انھیں کا وعظ موثر ہوسکتا تھا، دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اس وقت تک بے چینی رہتی ہے جب تک وہ ان سے فراغت نہ حاصل کر لے، اور اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے، یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے، تو اس وقت بھی اس کے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے، اور طبیعت اس کی اسی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پا کر قضائے حاجت کے لئے جاؤں، سو واعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لئے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہئے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اگر اتنا بھی نہ ہو تو نہ واعظ وعظ کا اہل ہے، اور نہ اس کا وعظ موثر ہوسکتا ہے، ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا ہی نہیں، جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اس لئے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں، اور نہ ہمارا وعظ موثر ہوسکتا، ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور سے موجود تھا، اور جب تک وہ ہدایت نہ کر لیتے ان کو چین نہ آتا تھا۔''

واقعہ یہ ہے کہ وعظ کا موضوع ہدایت خلق اور تذکیر اہل ایمان ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ، اور یاد دہانی کراتے رہو، یہ یاد دہانی اہل ایمان کے لئے نافع ہے، تو جب وعظ کا موضوع ومقصود یہ ٹھہرا، تو واعظ کو اس کا اہتمام کرنا ضروری ہے، کہ

(۱) وعظ محض اللہ کے لئے ہو، اس سے کوئی دنیاوی غرض، خواہ مال ہو یا جاہ ومرتبہ، وابستہ نہ ہو۔

(۲) وعظ کے لئے صحیح معلومات اور صحیح علوم کا انتخاب کیا گیا ہو، واعظ درحقیقت اللہ ورسول کا ترجمان ہوتا ہے، اور ترجمان کے لئے ضروری ہے کہ جس کی ترجمانی کرنی ہے، اس کی منشا معلوم ہو، پھر اسے پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرتا ہو، بے علمی یا کم فہمی یا بدفہمی کے ساتھ جو وعظ ہوگا، وہ گمراہی کا ذریعہ بنے گا۔ جو لوگ ناقص علم اور غلط معلومات لے کر

کرسئ وعظ پر بیٹھ جاتے ہیں، پھر الٹی سیدھی باتیں، اللہ ورسول کا نام لے لے کر بیان کرنے لگتے ہیں، وہ سخت خطرناک راہ پر چل رہے ہیں، بعض تو بالکل ہی بے علم ہوتے ہیں، مگر بے دھڑک بیان کرتے ہیں، اور اگر اس پر ٹوکا جاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم وعظ وتقریر نہیں کرتے، ہم تو بات چیت کرتے ہیں، اللہ جانے مجمع عام کے سامنے کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر کچھ کہتے رہنے کو دو خانوں میں کیسے تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ یہ بات چیت ہے، یہ سب کے لئے روا ہے، اور جو کچھ کہیں سب جائز ہے، اور کب وہی وعظ وتقریر ہوجاتی ہے، کہ اس کے لئے صاحب علم ہونا ضروری ہے۔

یہ محض فریب نفس ہے، ایسے لوگوں کو بیان کرنا جائز ہی نہیں ہے، جو صحیح اور قدرے معتد بہ معلومات نہ رکھتے ہوں۔ وعظ وبیان ایک عبادت ہے، اور بہت سی عبادات کے زندہ ہونے کا ذریعہ ہے، لیکن بے علمی اور جہل کے ساتھ یہ عبادت فاسد ہوجاتی ہے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرمارہے تھے: لایقص إلا أمیر أو مامور أو مختال (رواہ ابو داؤد فی کتاب العلم)

وعظ وبیان تین ہی آدمی کرتے ہیں، امیر، یا مامور، یا متکبر۔

مشہور تابعی حضرت شریح سے منقول ہے کہ یہ حدیث وعظ وتقریر سے متعلق ہے، یعنی امراء وسلاطین خطبہ وتقریر کے ذمہ دار ہوتے تھے، لوگوں کو نصیحت کرتے تھے، اور انھیں تنبیہ وتذکیر کیا کرتے تھے۔ اور مامور، وہ ہے جسے امام وعظ وتقریر کے لئے متعین کرے، پس وہ لوگوں کو نصیحت کرے اور ان کے سامنے بیان کرے۔ اور مختال وہ ہے جو از خود اپنے آپ کو واعظ ومذکر بنا کر پیش کرے، اور جاہ ومرتبہ کے حصول کے لئے اسٹیج پر بیان کرے، وہ نمائش اور کبر کے اندر مبتلا ہو۔ (بذل المجهود، ج:۱۱، ص:۳۹۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وعظ اسے کہنا چاہئے جو مامور و ماذون ہو، یہ امر اور اجازت اصلاً تو حکومت اسلامی کی طرف سے ہونی چاہئے، لیکن ہمیں اسلامی حکومت کہاں نصیب؟ تو کم از کم معتبر علماء ومشائخ کی طرف سے اجازت ہو، بلکہ حکم ہو، ورنہ یہ کام نمود

ونمائش اور کسب معاش کا ایک ذریعہ بن کر رہ جاتا ہے۔

علماء اور واعظین کی ذمہ داریاں بہت بڑی ہیں، ان کے اقوال وارشادات کی طرح ان کے اعمال واحوال بھی لوگوں پر اثر کرتے ہیں، بات تو بہت اچھی ہو، لیکن حال اچھا نہ ہو، یا عمل کچا ہو، تو بات کی تاثیر تو جاتی ہی ہے، عالم کا وقار بھی ختم ہوتا ہے، اور جب عالم کا وقار اور واعظ کی عظمت قلب میں نہ ہو تو نہ وعظ موثر ہوتا، اور نہ دین کی محبت ہی دل میں پیدا ہوتی، اور عوام کے دلوں میں سب سے زیادہ بے وقعتی جس چیز سے پیدا ہوتی ہے وہ مال کی حرص اور اس کا سوال ہے، بلکہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں عالم کے قلب میں مال کی عظمت ہے، تو صرف اتنے سے وہ نگاہوں سے گر جاتا ہے، حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف میں حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مشہور اہل کتاب تابعی حضرت کعب احبار علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ: اصحاب علم کون لوگ ہیں؟ عرض کیا کہ وہ لوگ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں، فرمایا کہ وہ کیا چیز ہے جو علماء کے قلوب سے علم کو نکال باہر کرتی ہے؟ عرض کیا کہ: طمع، یعنی حرص اور لالچ۔ (رواہ الدارمی)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا متفقہ اعلان ان کی قوموں میں یہ ہوتا تھا کہ لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى اللهِ، میں اپنی اس خدمت پر جو ہدایت وارشاد کے متعلق کر رہا ہوں، تم سے کسی اجر اور معاوضہ کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو محض اللہ پر ہے۔ اس اعلان نے تمام اقوام کو اس طرف سے مطمئن کر دیا کہ یہ جو کچھ ہم سے کہا جا رہا ہے اس کے نتیجے میں مال وجاہ کا کوئی سوال نہ ہوگا، اگر قوموں کو اس کا ذرا بھی خطرہ گزرتا، تو وہ سب سے زیادہ اسی پر شور مچاتیں، اور اگر کسی کا مقصد کسی درجہ میں حصول زر ہو، تو وہ اپنی مخاطب قوم کی مخالفت کبھی مول نہ لے گا، بلکہ وہ ان کی من پسند باتیں کرے گا، تاکہ اس کی جیب گرم ہوتی رہے۔

ایک عالم اور واعظ کی یہ بڑی تذلیل ہے کہ اسے حرص مال کی طرف منسوب کیا

جائے، اوراس کا وقار صد گونہ بڑھ جاتا ہے، اوراس کی عظمت ومحبوبیت المضاعف (کئی گنا) ہوجاتی ہے، جب اس کا قلب مال وجاہ کی حرص سے بے نیاز ہوتا ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کی: **یا رسول الله ! دلنی علیٰ عمل إذا عملته أحبنی الله وأحبنی الناس** ۔ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے، کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کریں اور لوگ بھی، آپ نے فرمایا: **إزهد فی الدنیا یحبک الله**، دنیا سے بے رغبت ہوکر رہو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے، اور **إزهد فی ما أیدی الناس یحبک الناس**، (ابن ماجہ) اور جو کچھ دوسروں کے ہاتھ میں ہے، اس سے بے رغبت ہوجاؤ، تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا متفقہ اُسوہ اور رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی عام علماء کرام اور بالخصوص واعظین ذوی الاحترام کیلئے ایک بہترین رہبر ہے، لوگوں کو نفع پہونچایئے، مگران سے کسی حصول نفع کی آس مت رکھئے، حق تعالیٰ کی ذات اور خزانہ غیب پر یقین اور اطمینان کیجئے۔

خالق تعالیٰ کے حضور نیازمندی اور مخلوق سے بے نیازی، علماء اور واعظین کی بہترین پناہ گاہ ہے، اللہ تعالیٰ نیک توفیق بخشیں۔ آمین (جون ۲۰۰۸ء)

☆☆☆☆☆

میں نے گزشتہ صفحات میں مروجہ جلسوں اور حضراتِ مقررین کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنے کی ہمت کی تھی، چند اور گزارشیں کرنی تھیں، انھیں اب پیش کررہا ہوں، خدا کرے ان سے نفع ہو۔

(۱) پہلی گزارش آج کی مجلس میں یہ ہے کہ جلسوں کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، دور دور تک اس کی اطلاعات پھیلائی جاتی ہیں، لوگ مقرر اور واعظ کی شخصیت اور اس کی تقریر کی کشش میں دور نزدیک سے آتے ہیں، جس قدر مقرر سے تعلق ہوتا ہے، عقیدت ومحبت ہوتی

ہے، اسی کے بقدر دلچسپی سے لوگ پہونچنے کا اہتمام کرتے ہیں، اس لئے مقرر حضرات کو چاہئے کہ جب کہیں پہونچنے کا وعدہ کریں، تو ہر ممکن جدوجہد کر کے وہاں پہونچیں۔ وعدہ کا پورا کرنا ایمان کے لوازم میں سے ہے، اور وعدہ کی پروانہ کرنا، معمولی اعذار کی وجہ سے اس کو ٹال جانا، نفاق کی علامت ہے، پس جب وعدہ کرلیا، تو شدید مجبوری ہو تو الگ بات ہے، ورنہ ضرور پہونچ جانا چاہئے، اور جب شدید مجبوری ہو، تو اس کی اطلاع منتظمین جلسہ کو ضرور کردیں، چاہے اس کے لئے آدمی بھیجنا پڑے، اور اس اطلاع میں غلط بیانی ہرگز نہ کی جائے، ورنہ بات کھل کر رہتی ہے پھر علماء اور دینداروں کا بھرم جاتا ہے، اور عوام میں بدگمانی پھیل جاتی ہے۔

کافی عرصہ کی بات ہے! ایک شہر میں جلسہ تھا، یہ جلسہ کسی ایک شخص نے اپنی ذمہ داری پر منعقد کیا تھا، ایک ہی مقرر کو مدعو کیا تھا، وہ صاحب ناموری کے اسٹیج پر ابھر رہے تھے، جلسے کے تمام انتظامات مکمل ہوگئے، اشتہارات چھپ گئے، عین جلسے کے دن عصر کے وقت ایک صاحب میرے پاس آئے کہ فلاں صاحب ایک جلسہ کرارہے ہیں، سب انتظامات ہوگئے ہیں، کچھ دیر پہلے مقرر صاحب کو فون کیا گیا، تو وہ بہت بیمار ہیں، صاحب فراش ہیں، انھوں نے معذرت کی ہے، اب منتظمین کے ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں، آپ چل کر جلسہ میں وعظ کہہ دیں۔ اس وقت مجھے جلسوں سے اور جلسے کی تقریروں سے بغایت وحشت تھی، میں نے بہت معذرت کی، مگر وہ نہ مانے، مجھے زبردستی کھینچ کر لے گئے، دوروز کے بعد معلوم ہوا کہ وہی مقرر، اسی دن، اسی وقت دوسری کسی جگہ جلسہ میں شریک تھے۔

اسی کے ساتھ اہل انتظام کو بھی لازم ہے کہ جب تک حضراتِ مقررین کی جانب سے وعدہ نہ ہو، اشتہار میں نام نہ شائع کریں، اس سلسلے میں اہل انتظام کی طرف سے بہت کمزوری دیکھنے میں آتی ہے، مقرر اور واعظ کو معلوم نہیں، اور شہرہ ہے کہ وہ فلاں جگہ جارہے ہیں۔ دیانت داری، راست بازی، ایفائے وعدہ دین کے بنیادی لوازم میں ہیں، پس جو لوگ دین کی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں، انھیں ان باتوں کا خصوصی التزام ضروری ہے۔

(۲) حضراتِ مقررین وواعظین، کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ان کا مقصود محفل پر اپنا رنگ جمانا اور لوگوں کو اپنی قیادت وسیادت کی طرف دعوت دینی مقصود نہیں ہے، بندے سب بندے ہیں، انھیں بندہ ہی بنا رہنا زیب دیتا ہے، یہاں تو انبیاء تک کے بارے میں حکم ہے کہ: مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِیِّیْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۔ (آل عمران:۷۹)

کسی بشر کا کام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا فرمائے، اور وہ لوگوں سے کہنے لگ جائے کہ تم لوگ میرے بندے بن جاؤ، لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ تم اللہ والے بنو، کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس کو پڑھتے ہو۔

جب نبی کو یہ حکم ہے، تو سمجھنا چاہئے کہ دوسرے تمام وہ لوگ جو لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں، ان کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کو، اپنی شخصیت کو درمیان سے ہٹا کر محض اللہ کی طرف، اللہ کے دین کی طرف، اللہ کے بندوں کو دعوت دیں، کیونکہ کتاب اللہ پڑھنے پڑھانے کا تقاضا یہی ہے۔

بہر حال وعظ وتقریر کا کام تو کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورہ الذاریات:) تذکیر کرتے رہو، کیونکہ تذکیر اہل ایمان کو نفع دیتی ہے۔ لیکن تذکیر کس طرح ہو یہ مسئلہ خاصا اہم ہے، جس طرح اہل ایمان دوسرے اعمال میں آزاد نہیں ہیں، شریعت کے پابند ہیں، ایسے ہی وعظ وتقریر بالفاظ دیگر تذکیر بھی پابند ہیں، یہاں تذکیر کے لئے دو بنیادی چیزیں ہیں، ایک قرآن، دوسرے حدیث۔

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اصول تفسیر پر ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس کا نام ''الفوز الکبیر'' ہے۔ اس میں ذکر فرمایا ہے کہ قرآن کریم کے بنیادی علوم پانچ ہیں، ۱۔ علم احکام، ۲۔ علم مخاصمہ، ۳۔ علم تذکیر بآلاء اللہ، ۴۔ علم تذکیر بایام اللہ، ۵۔ علم تذکیر بالموت ومابعد الموت۔ احکام میں عبادات، معاملات، خاندانی

مسائل اور حکمرانی وسیاست کے احکام ہیں کہ کیا واجب ہے، کیا مستحب ہے، کیا مباح ہے، کیا حرام ہے، کیا مکروہ ہے وغیرہ، اس علم کا تعلق فقیہ سے ہے۔

علم مخاصمہ کا تعلق دنیا کے گمراہ فرقوں سے ہے، ان کی غلطیوں کی نشاندہی اور سچی اورحق بات کا بیان، اس علم کا تعلق ''متکلمین'' سے ہے۔ ان دونوں علوم کے بعد علم تذکیر ہے ، یعنی وعظ ونصیحت، پھر اس کی تین شاخیں ہیں، ہر شاخ ایک مستقل علم ہے، اول اللہ تعالیٰ کے احسانات، نعمتوں، زمین وآسمان کے تکوینی انتظامات ومصالح اور حکمتوں کے ذریعے سے بندگان خدا کی تذکیر! دوسرے حق تعالیٰ کے تصرفات جو بندوں کے درمیان ان کے ایمان واطاعت یا کفر وسرکشی کے نتیجے میں واقع ہوئے ہیں، ان کا بیان، اوران کے ذریعے نصیحت ویاددہانی! تیسرے موت اور موت کے بعد کے حالات کا بیان اوران کے واسطے سے بندوں کی رہنمائی!

ان تینوں علوم کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''وحفظ تفاصیل ایں علوم والحاق احادیث وآثار مناسبہ آں، وظیفۂ واعظ ومذکر است۔'' ان علوم کی تفصیلات کو یادرکھنا، اوران کے مناسب احادیث وآثار کو شامل کرنا واعظ ومذ ّکر کا وظیفہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جوعلوم ومعارف صراحۃً بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے زیادہ تر کا تعلق واعظ ومذ ّکر سے ہے، پس واعظ اور خطیب کی ذمہ داری ہے کہ ان امور کو قرآن شریف ہی سے بیان کرے، کیونکہ ان سب مضامین کا ذکر قرآن کریم میں ہے، اور اللہ تعالیٰ جس مضمون کو بیان کریں گے تو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ موثر اور عمدہ کس کا بیان ہوسکتا ہے، ہاں اس کی اجازت ہے کہ وہ ان قرآنی مضامین کی وضاحت کیلئے بطور تشریح کے احادیث وآثار سے کام لے۔

مقصد یہ ہے کہ مقرر حضرات قرآنی مضامین توحید، رسالت، عقیدۂ آخرت، اللہ کے احسانات، نیک وبداعمال کے حق تعالیٰ کی طرف سے ثواب وعذاب کا تذکرہ قرآن کی

آیتوں کی روشنی میں کریں، ان کے مناسب احادیث بیان کریں، آثار صحابہ کے ذریعے شرح کریں، غرض وعظ ایسا ہو کہ ایمان میں اضافہ ہو، دنیا کی عظمت دل سے نکلے، مسلمان دین وایمان پر جمیں۔ ترغیب بھی دیں اور اعمال بد کے نتائج سے بھی ڈرائیں، واہی تباہی قصے نہ سنائیں، فحش اور بے حیائی کو ابھارنے والی باتوں سے احتراز کریں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سامعین کے دل کو موہنے والی ہنسی مذاق والی باتوں سے قطعاً اجتناب کیا جائے۔ بعض مقررین کا طرۂ امتیاز یہی بن جاتا ہے کہ وہ ہنسنے ہنسانے کی باتیں وعظ میں کرتے ہیں، ایسے انداز اختیار کرتے ہیں کہ سامعین میں قہقہہ برپا ہو جاتا ہے، یہ بات قطعاً نا مناسب ہے، جن دلوں کو اللہ ورسول کے کلام سے متاثر ہونا تھا، وہ قہقہوں کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں۔ وہ جلسہ ہی کیا جس میں ایمان کی حرارت تیز ہونے کے بجائے ہنسی مذاق سے قلب ودماغ مردہ ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

إن العبد ليقول الكلمة لايقولها إلا ليضحك به الناس، يهوى بها أبعد مابين السماء والارض وانه ليزل عن لسانه أشد مما يزل عن قدميه (رواه البيهقي في شعب الايمان)

آدمی کوئی بات صرف لوگوں کو ہنسانے کے لئے بولتا ہے، اس کی وجہ سے وہ اتنے نیچے گر جاتا ہے جو زمین وآسمان کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ ہے، اور بلاشبہ آدمی زبان سے اتنا زیادہ پھسلتا ہے کہ قدم سے اتنا نہیں پھسلتا۔ (مشکوۃ شریف، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان)

یہ حدیث ہر وقت پیش نظر رکھنی چاہیئے، ہنسنے ہنسانے کو مشغلہ بنانا خود گناہ ہے، اور اس سے سامعین کے قلوب برباد ہوتے ہیں، جلسہ کا جو مقصد ہوتا ہے، اور جس کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے، وہ نہ صرف فوت ہو جاتا ہے بلکہ آدمی اللہ کی ناراضگی کا شکار بن جاتا ہے۔

اسی طرح وعظ وتقریر میں گا کر اشعار پڑھنا، اور اسے محفل قوالی بنا دینا بھی ایک سنگین غلطی ہے، ٹھوس مضامین، سنجیدہ انداز میں بیان کرنا چاہیئے، دوران وعظ مناسب شعر

یاد آجائے، تو پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر جب شعر خوانی میں ترنم ریزی شروع ہوجاتی ہے تو مجلس کا مزاج بدل جاتا ہے، اور بعض مقررین تو نثر کو بھی ترنم اور لحن کے ساتھ ادا کرنے لگتے ہیں۔ یہ چیزیں کبھی کبھی ہوں، تو بعض اوقات کچھ افادیت رکھتی ہیں، مگر پوری تقریر اسی رنگ میں ہونے لگ جائے، یا زیادہ تر، تو وہ ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جلسہ میں سنجیدگی کا ماحول برقرار رکھنا چاہئے، قرآن وحدیث کے حوالوں سے مضامین بیان کئے جائیں، مضمون کے مناسب انبیاء کرام، صحابہؓ و بزرگانِ دین کے موثر واقعات ذکر کئے جائیں، لیکن تقریر لمبی کرنی ہوتی ہے، تو دوسری بہت سی باتیں بے سروپا کی لوگ شامل کردیتے ہیں، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

باتیں تو کچھ اور بھی ہیں، مگر اتنی بھی کافی ہیں، اگر ان کا خیال رکھ لیا جائے، اللہ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین (جولائی ۲۰۰۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلٰكِنَّهٗٓ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ (سورۃ الاعراف:۱۷۶)

(مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور ہوائے نفس کی پیروی کی)

ایک فاضل دیوبند نے ایک دُنیاوی امتحان آئی۔ایس کا پاس کیا تھا، اب وہ کلکٹر بننے کے لائق ہوگیا تھا، اس پر خوشی اور فخر ومباحات کی دھوم مچ گئی تھی، اس کے احتساب میں یہ مضمون تحریر کیا گیا۔

دین اور علم دین اللہ تعالیٰ کا ایک بیش قیمت احسان ہے، اس کے واسطے سے حق تعالیٰ انسان کو دنیا وآخرت کی رفعتیں عطا فرماتے ہیں۔علم دین کے کچھ تقاضے ہیں، کچھ حقوق ہیں، کچھ آداب ہیں، انھیں بجالایا جائے، تو علم دین کے حاملین ایک لازوال درجہ اللہ کے نزدیک بھی اور کائنات کے نزدیک بھی پاتے ہیں، اور اگر اس کے تقاضوں کا، اس کے حقوق کا، اور اس کے آداب کا لحاظ نہ رکھا گیا، بلکہ ان سے اعراض اور روگردانی کی گئی، تو چاہے دنیاداروں میں اس کی قدرے واہ وائی ہوجائے، مگر نہ خالق کے نزدیک اس کا کوئی درجہ رہتا، نہ مخلوق کے یہاں اس کی کوئی قدر ہوتی۔

اس موضوع پر قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے بہت وضاحت کے ساتھ رہنمائی فرمائی ہے۔علمائے دین کے لئے بہت غور وفکر کا محل ہے، اور عامۃ الناس بھی خصوصیت کے ساتھ اسے سمجھیں، اور مسلمانوں کا وہ طبقہ بھی جس پر دنیاداری کا غلبہ ہے، اپنے ایمان کی شمع ذرا تیز کر کے اس کو دیکھیں، اور اپنی خواہش نفس اور دنیاوی نظریۂ وتاویل سے ہٹ کر اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر غور کریں۔حق تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں بنی اسرائیل جو پیغمبروں کی وارث اور صاحب کتاب قوم تھی، کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَاتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ، وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۔(سورۃ الاعراف ۱۷۵/۱۷۶)

اور (اے پیغمبر) ان لوگوں کو اس آدمی کا حال (کلام الٰہی میں) میں پڑھ کر سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں (یعنی دلائل حق کی سمجھ دی تھی) لیکن پھر ایسا ہوا کہ اس نے (دانش وفہم کا) وہ جامہ اتار دیا، پس شیطان اس کے پیچھے لگا، نتیجہ یہ نکلا کہ گم راہوں میں ہو گیا۔

اور اگر ہم چاہتے تو ان نشانیوں کے ذریعے اس کا مرتبہ بلند کرتے (یعنی دلائل حق کا جو علم ہم نے دیا تھا، وہ ایسا تھا کہ اگر وہ اس پر قائم رہتا اور ہماری مشیت ہوتی تو بڑا درجہ پاتا) مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور ہوائے نفس کی پیروی کی تو اس کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ مشقت میں ڈالو تب بھی ہانپے اور زبان لٹکائے، اور چھوڑ دو جب بھی ایسا ہی کرے، ایسی مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں، تو (اے پیغمبر) یہ حکایتیں لوگوں کو سناؤ تا کہ ان میں غور وفکر کریں۔

غور وفکر کی دعوت قرآن کریم دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں۔ اربابِ عقل پر فرض ہے کہ ان دونوں آیتوں کے مضامین سے سرسری طور پر نہ گزریں۔ اللہ نے ایک صاحب عقل وشعور اور ذہین وذکی شخص کو اپنی آیتوں اور اپنی خاص خاص نشانیوں کا علم دیا تھا، یہ شخص اگر ان آیات کا اور ان کے علم کا حق ادا کرتا، تو بارگاہِ ربوبیت کی جانب پرواز کرتا، اور بلندیوں پر چڑھتا چلا جاتا، مگر اس نے اس علم کی قدر نہیں، وہ علم جو بلندیوں کے لئے اور اعلیٰ مقامات کے لئے موضوع تھا، اس ظالم نے اس کو اپنے اوپر سے اتار پھینکا اور پرِ پرواز کو کاٹ کر نیچے گرا دیا، اور اس کے نتیجے میں زمین کی طرف پستی میں جھک گیا، اور گرتا چلا گیا، دنیائے فانی کی طمع میں پڑ گیا، حطامِ دنیا کو منتہائے مقصود بنا لیا، دنیا کے جاہ ومرتبہ اور مال ومنال کو مقصودِ زندگی قرار دے لیا، پھر اس کا رُخ بارگاہِ الوہیت کے بلند مراتب سے پھر گیا۔

اب وہ عزت کی بلندی سے گرا اور ذلت کی پستی میں جا پڑا۔ اس حد تک کہ وہ اس ذلیل کتے کی طرح ہوگیا، جو ہر حال میں زبان باہر نکال کر ہانپتا رہتا ہے، شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور گمراہی کے گہرے غاروں میں اسے ڈھکیل دیا۔

علم دین، آیاتِ الٰہی، شعائر اللہ کو حاصل کرنے کے بعد اگر کوئی ان سے منہ موڑ کر زمینی مال و دولت اور عزت وجاہ کے درپے ہوا، وہ خدا کی پھٹکار میں گرفتار رہا، اور شیطان کا کھلونا بنا۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر سلف اور بزرگانِ امت علم دین حاصل کرنے کے بعد کسی اور علم وفن میں جانے کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

باندہ کے مسلّم بزرگ حضرت مولانا قاری سیّد صدیق احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمارہے تھے کہ ایک شخص دس بارہ سال مدرسوں میں، خالص دینی ماحول میں، دینی علوم کو حاصل کرنے کے لئے وقت لگاتا ہے، پھر جب وہ پڑھ کر فارغ ہوجاتا ہے تو وہ دوسرے دنیاوی مشغلوں میں پڑجاتا ہے، تو ضرور اس نے کوئی ایسی غلطی اور دناءت کی ہوگی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس معزز مقام سے نکال باہر کیا۔

ہم نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں ایک بزرگ عالم کو دیکھا کہ ایک شخص علم دین کی تحصیل کے بعد علم طب کے مشغلے میں جانا چاہتا تھا، انھوں نے فرمایا کہ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد گدھے کی سواری کیسی معلوم ہوتی ہے؟ وہ حضرات جنھوں نے علم دین سے پیمانِ وفا باندھا، اور پھر اسی میں اپنے کو فنا کردیا، دنیا نے ان کو جس قدر عظمت کی نگاہ سے دیکھا، وہ تاریخ اور تذکروں کے روشن صفحات پر تو مسلسل چمک دمک رہے رہے ہی ہیں، اس سے بڑھ کر حضور عالی ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ملاحظہ ہو:

قال رسول اللہ ﷺ من جاءہ الموت وهو يطلب العلم ليحيى به الاسلام فبينه وبين النبيين درجة واحدة في الجنة (رواہ الدارمی) مشکوٰۃ شریف: کتاب العلم، الفصل الثالث)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کی موت اس حال میں آئے آئی کہ وہ علم کی طلب

اوراس کے مشغلے میں اس لئے لگا ہوا ہے کہ اس سے اسلام کو نئی تازگی اور زندگی ملے، تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درجات میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔

یہ آدمی کی آخری خوش نصیبی ہے کہ انبیاء کی قدوسی جماعت کے بعد اسی کا شمار ہو، یہ علم دین کی فضیلت کی معراج اور اس کے مشغلے کا نقطۂ عروج ہے۔

موضوع بہت طویل ہے، قرآن کریم نے ایجاز وبلاغت کے ساتھ اسے چند کلمات وحروف میں پورے طور پر ادا کر دیا ہے۔

قرآن کریم کی اس ہدایت وتنبیہ کے بعد کسی مسلمان کے دل میں یہ وسوسہ باقی نہیں رہنا چاہئے کہ علم دین کی تحصیل کے بعد، اس عالم کے لئے اس سے ہٹ کر کوئی اور وجہ فضیلت ہوسکتی ہے! اگر کوئی شخص ایسا سوچتا یا سمجھتا ہے، تو اسے اپنے ایمان کی خبر لینی چاہئے، اس کے دل میں روگ ہے، اس روگ کا علاج کرنا چاہئے۔

اس تمہید کے بعد سنئے! کچھ دنوں سے اخبارات میں، دنیا داروں کی مجلسوں میں، نیم دینداروں کی محفلوں میں خوشی کا شادیانہ بجایا جارہا ہے کہ فلاں مولوی قاسمی نے آئی۔اے۔ایس میں کامیابی حاصل کی ہے، اب وہ کلکٹر ہوسکتا ہے، اور اللہ جانے کیا ہوسکتا ہے، اس کے لئے استقبال کی مجلسیں سجتی ہیں، اور یہ مجلسیں سجانے والے محض دنیا دار ہوں تو کچھ قابل حیرت بات نہیں ہے، افسوس اس کا ہے کہ بعض وہ لوگ اور وہ جماعتیں، جو دین کی نمائندگی کے دعووں میں مبتلا ہیں، وہ بھی یہ محفلیں سجاتی ہیں، جیسے اس قاسمی نے کوئی میدانِ کارزار فتح کرلیا ہو، کوئی بڑا کارنامہ انجام دے لیا ہو۔ انگریزی کے چند حروف، اور حساب کی چند گنتیاں یاد کر کے لوگ اس سے بڑے بڑے عہدے فتح کر رہے ہیں، ایک قاسمی آئی۔اے۔ایس پاس کر کے، گرا یا اٹھا؟ مرا یا جیا؟ معزز ہوا یا ذلیل ہوا؟

اسے کیا ہونا چاہئے تھا، اور کیا ہوگیا۔ قرآن کریم کی مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے آئینے میں اس کو دیکھئے، خوش نما ہو؟ یا بدنما! آپ کیا سمجھتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند اور اس طرز فکر کے مدارس میں قوم کے بہترین ذہن ودماغ نہیں رہتے؟ رہتے ہیں، اور کالجوں اور

یونیورسٹیوں سے بڑھ کر رہتے ہیں، مگر ان کا موضوع دوسرا ہے، ان کا میدان الگ ہے، ان کے ذہن ودماغ اور حوصلہ وعزیمت کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے، ساری دنیا اس وقت دین کے خلاف چل رہی ہے، بے دینی اور دنیا پرستی کی آندھیاں چل رہی ہیں، مگر یہ حضرات قدم جما کر اتنی فراست وذہانت سے کھڑے ہیں کہ تنہا خود نہیں ایک امت کی امت کو سنبھالے ہوتے ہیں، ان کے علم وحکمت اور عزم وحوصلہ کے سامنے کسی آئی۔اے۔ایس کی کیا حیثیت ہے؟

مگر نظریات الٹ گئے، خیالات پستی کی طرف جھک پڑے ہیں، قدریں بدل دی گئی ہیں، ہے تو پیش پا افتادہ شعر، مگر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بس کیا عرض کروں، جگر خون ہورہا ہے، قلم شق ہورہا ہے، سینے سے آہ نکل رہی ہے، اور تلخ نوائی کررہا ہوں۔

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

إن علينا إلا البلاغ وماتوفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب

(ستمبر ۲۰۰۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک خاص اور اہم دعا

یہ دنیا اور اس دنیا کی زندگی عارضی ہے اور مختلف حالات وحادثات کی آماجگاہ بھی! جو قومیں اسی دنیا کو زندگی کا محور ومقصد قرار دیئے ہوئے ہیں، ان کے لحاظ سے اس دنیا کی راحت بھی اہم ہے اور اس کی تکلیف وجراحت بھی سنگین ہے، ان قوموں کی ناکامی یہ ہے کہ زندگی تکلیف ومصیبت میں گزرے، اور کامیابی یہ ہے کہ وہ دولت وثروت، عزت وحکومت کی راحت میں بسر ہو، لیکن یہ ان لوگوں کا حال ہے، جو آخرت کی زندگی سے غافل ہیں، اور دنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں۔ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِراً مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ غٰفِلُوْنَ، (سورہ روم:) یہ لوگ دنیاوی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں، اور وہ آخرت سے یکسر غافل ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غٰفِلُوْنَ، (جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، اور وہ دنیاوی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہیں، اور وہ جو ہماری آیات سے غافل ہیں،) انسانوں کے اس طبقہ کا انجام کیا ہے؟ فرماتے ہیں: اُولٰئِکَ مَاوَاهُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (سورہ یونس: ۸/۷) یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا ان کے عمل اور کسب کے نتیجے میں جہنم ہے۔

انسانوں کا یہ طبقہ عدد کے اعتبار سے ہمیشہ اکثریت میں رہا ہے، اور اسی کثرت کی وجہ سے کائنات انسانی اکثر دھوکے میں رہی ہے کہ شاید یہی لوگ کامیاب ہیں، لیکن جس کا انجام جہنم ہو اسے کامیاب کیونکر کہا جا سکتا ہے، ﴿رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ اے ہمارے رب! جسے آپ نے جہنم میں

ڈالدیں، اسے آپ نے ذلت وخواری میں غرق کردیا، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اب کائنات انسانی کے دوسرے طبقے کا تذکرہ کتاب الٰہی میں پڑھیے: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ، تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ، (سورہ یونس: ۱۰/۹) بے شک جو لوگ ایمان لائے اورانھوں نے اچھے کام کیے، ان کے کام کی بدولت ان کا رب راہ ہدایت پر انھیں چلاتا ہے، نعمتوں کی جنت میں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں ان کی پکار سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ہے، اور ان کی مبارکباد سلام ہے، اور آخری پکار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ہوگی۔

ان دونوں طبقوں کے درمیان خط فاصل اور امتیازی نشان کفر اور ایمان ہے، یہیں سے دونوں کی راہیں الگ ہوتی ہیں، ایک راہ کی انتہا ابد الآباد کی جہنم ہے، اور دوسری راہ کی انتہا دائمی عیش وراحت کی جنت ہے۔

دنیا کے موافق اور ناموافق حالات سب پر آتے ہیں، خواہ وہ لوگ ہوں جو کفر وشرک کی راہ پر چل رہے ہوں اور خواہ وہ لوگ ہوں جو ایمان وعمل صالح کی شاہراہ پر گامزن ہوں۔ لیکن ایمان اور کفر کی بنیاد پر ان حالات کے آثار ونتائج الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا ایک فرمان والا شان ملاحظہ کیجیے، امام مسلم علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الجامع الصحیح کی کتاب الزہد میں مشہور صحابیٔ رسول حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: عجباً لامر المومن، إن أمره كله له خير وليس ذلك لأحد إلا للمومن إن أصابته سراء شكر فكان خيراً له وإن أصابته ضراء صبر فكان خيراً له ، مومن کا حال بھی عجیب ہے، اس کا سب حال اس کے لئے خیر ہے، اور یہ بات مومن کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے، اگر وہ خوشحال ہوتا ہے، تو شکر کرتا ہے، اور اس کے لئے خیر ہوتا ہے، اور اگر بدحالی میں گرفتار ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے، پس یہ بھی اس کے حق میں خیر ہوتا ہے۔

حالات ہر دور میں اور ہر جگہ بنتے بگڑتے ہیں، لیکن مومن کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ مومن ہے، حالات جیسے بھی ہوں، مومن کو ایمان کے تقاضے پر عمل کرنا ہے، وہ تقاضا شکر گزاری کا ہو یا صبر واستقلال کا، بہر حال دونوں اس کے حق میں خیر ہوں گے۔

آج کل حالات کی سنگینی میں اہل ایمان اپنے صاحب ایمان ہونے کو بھولنے لگتے ہیں، اور آفات ومصائب کی شکایت اس طرح کرنے لگتے ہیں، جیسے دنیا ہی کا نفع نقصان سب کچھ ہے، یہ حال اچھا نہیں ہے، مصائب خواہ انفرادی ہوں خواہ اجتماعی! اہل ایمان کے حق میں خیر کا پہلو رکھتے ہیں، ایسے وقت میں جب مصائب کی یلغار ہو، ایک مومن کا وظیفہ دو چیزیں ہیں، صبر اور تقویٰ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (سورہ آل عمران: ۱۲۰) اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو، تو دشمنوں کی کوئی سازش تمھیں مضر نہ ہوگی، یہ حقیقت ہے کہ دشمن جو کچھ کرتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے احاطہ کی گرفت میں ہے۔ صبر کہتے ہیں طبیعت اور قلب کی مضبوطی اور جماؤ کو کہ مصائب کی آندھیاں اسے ہلا نہ سکیں، اور تقویٰ کہتے ہیں ہر اس کام سے بچ نکلنے کو جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی آتی ہو۔ یہ دونوں چیزیں مومن کی زندگی میں بڑی اہم ہیں، انھیں مضبوطی سے تھام لیا جائے تو بڑا پختہ کارنامہ ہوگا۔ ایک اور آیت ملاحظہ ہو: لَتُبْلَوُنَّ فِىْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوا أَذىً كَثِيْراً ، وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (سورہ آل عمران: ۱۸۶)

(یاد رکھو!) ایسا ہونا ضروری ہے کہ تم جان ومال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ، اور یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکوں سے تمھیں دکھ پہونچانے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں، اور اگر تم نے صبر کیا (یعنی مصیبتوں پر ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کا شیوہ اختیار کیا (یعنی احکام حق کی نافرمانی سے بچتے رہے) تو بلاشبہ بڑے کاموں کی راہ میں یہ بڑے عزم وہمت کی بات ہوگی۔

ان دونوں آیتوں پر غور کیجئے، مومن کے لئے نہ کہیں مایوسی ہے، اور نہ گھبراہٹ اور بے صبری ہے، یہ ایمان کی کمزوری ہے کہ آفات اور بلاؤں کی یورش میں آدمی گھبرا اٹھے، فریق مقابل کے بالمقابل طیش میں آکر خلاف عقل وشرع بات اور حرکت کرنے لگے، اس سے اجتماعی طور پر مایوسی کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے، سیاست کا ظلم جب بڑھتا ہے تو مظلوم کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹنے لگتا ہے اور شریعت سے انحراف پیدا ہونے لگتا ہے، اس سے ظالم کا ظلم مزید بڑھ جاتا ہے۔

ہر مسلمان تک انفراداً بھی اور اجتماعاً بھی یہ پیغام پہونچا دینا چاہئے کہ مومن نہ بزدل ہوتا، کہ ذرا ذرا سی بات سے ڈر جائے، اور اس کا دل کمزور ہو جائے، یا موت کا خوف اس پر اس طرح طاری ہو جائے، جیسے یہ کوئی ہولناک خطرہ ہو، مومن کو زندگی سے بڑھ کر موت پیاری ہوتی ہے، کہ وہ دائمی عیش وراحت میں داخل ہونے کا واحد دروازہ ہے، نہ وہ بے صبرا ہوتا ہے، کہ ہر تکلیف پر چیخ اٹھے، وہ ایک مضبوط چٹان ہے، جس پر سینکڑوں طوفان بلا گزر جائیں، آندھیوں کے جھکڑ اس سے ٹکرائیں، سیلاب کی طغیانی اس کے پاؤں سر پٹکے، مگر وہ از جارفتہ اور حواس باختہ نہیں ہوتا، پھر ایسا بھی نہیں ہے وہ بے سہارا ہو، اس کا کوئی یار ومددگار نہ ہو، سنئے! عرش کی بلندیوں سے بشارت نازل ہو رہی اور قرآن بن کر ہمیشہ کی تسلی بن رہی ہے، ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَأَنَّ الْکَافِرِیْنَ لَامَوْلٰی لَھُمْ، (سورہ محمد: ۱۱) یہ (اہل ایمان کی فتح ونصرت اور کفار کی شکست وریخت) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے آقا ومولیٰ ہیں، اور اس لئے کہ کفار کا کوئی حامی وناصر نہیں ہے۔

مومن خود مضبوط ہوتا ہے، اور حق تعالیٰ کا سہارا اسے مضبوط تر بناتا ہے، اسے اس سہارے سے ایک لحظہ کے لئے غافل نہیں ہونا چاہئے: اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَاالَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِنْ بَعْدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ، (سورہ آل عمران: ۱۶۰) (مسلمانو! اگر اللہ تمہاری مدد کرے، تو کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے، لیکن اگر وہی تمہیں چھوڑ دے، تو (بتلاؤ) کون ہے جو اس کے چھوڑ دینے کے

بعد تمہارا مددگار ہوسکتا ہے؟ (یقین کرو) صرف اللہ ہی کی ذات ہے، پس جو مومن ہیں وہ اسی پر بھروسہ رکھیں۔

پس جب اہل ایمان کے پاس اتنا مضبوط، اتنا پختہ سہارا موجود ہے، تو انھیں کس بات کا اندیشہ ہے؟ البتہ یہ فریضہ بجالانا ہوگا کہ اس سہارے تک پہونچیں اور اسے حاصل کریں، اس سہارے تک کیونکر رسائی ہوگی؟ اس مسئلے کو خود اسی مہربان پروردگار نے حل کردیا ہے، فرماتے ہیں: یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۳) مسلمانو! صبر اور نماز کے ذریعہ سہارا پکڑو، یقین کرو! اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ صبر اور نماز کی قوتوں سے مدد لو، ان دونوں کی راہ سے تم طاقت اور سہارے کے سرچشمے تک پہونچ جاؤ گے، اور وہاں سے تم پر قوتوں کا فیضان ہونے لگے گا، صبر کی حقیقت یہ ہے کہ مشکلات ومصائب کے جھیلنے اور نفسانی خواہشوں سے مغلوب نہ ہونے کی قوت پیدا ہوجائے، اور نماز کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر وفکر سے روح کو تقویت ملتی رہے، جس جماعت میں یہ دونوں قوتیں پیدا ہوجائیں گی، وہ کبھی ناکام نہیں ہوسکتی۔

صبر اور نماز یہ دو راہیں وہ ہیں جن کا تعلق براہ راست فتح ونصرت اور امداد وسہارے سے ہے، ان دونوں سے روگردانی کے بعد سہارے کی توقع خام خیالی ہے۔

ایک تیسری چیز اور ہے، جس کے واسطے سے آدمی کو خدا کا سہارا ملنا آسان ہوجاتا ہے، اور قرآن وحدیث میں اسے بہت اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور وہ ہے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء ومناجات! قرآن کریم کی پہلی ہی سورہ میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی تعلیم فرمائی ہے: إِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔

دعاؤں کا اشارہ پاکر ربوبیت والوہیت کے سب سے بڑے رازداں نے (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام حاجات انسانی کو دعا کے پیرایہ میں ڈھال دیا ہے، اور نہایت تضرع وزاری سے، حق تعالیٰ کی بارگاہ عالم پناہ میں انسانی ضروریات کو تفصیل کے ساتھ پیش کردیا ہے،

سنت نبوی کا یہ عظیم الشان باب ہے، ایک زبردست لازوال خزانہ ہے، جو ایک مومن کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہے۔

اس وقت ملت اسلامیہ پر جن حالات کی یلغار ہے، حدیثوں کے خزانے میں ایک اہم دعا ہے، جسے ہر مومن کو حرزِ جان بنالینا چاہیئے۔ یہ دعا رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوئی ہے، اس لئے اس کے بابرکت اور مقبول ہونے میں شبہ نہیں۔ امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ (درج ذیل) ان کلمات کے ذریعے اپنے اصحاب کے لئے دعا کئے بغیر اٹھ جاتے ہوں۔''

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَامِنْ خَشْيَتِكَ مَاتَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَاوَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَاعَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَاتَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَاتَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَامَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَاتُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنا اتنا خوف نصیب فرمایئے، جس کی وجہ سے آپ ہمارے درمیان اور گناہوں کے درمیان حائل ہوجائیں، اور اپنی وہ طاعت نصیب فرمایئے، جس کی وجہ سے آپ ہمیں اپنی جنت میں پہونچا دیجئے، اور اتنا یقین بخشئے جس کی وجہ سے آپ دنیا کی مصیبتیں ہمارے اوپر سہل فرمادیجئے، اور ہم کو ہماری سماعت، ہماری بینائی اور ہماری طاقت سے اس وقت تک استفادہ کا موقع دیجئے، جب تک آپ کو ہم کو زندہ رکھیں، اور اس کے خیر کو ہمارے بعد باقی رکھئے، اور جو ہم پر ظلم کرے اس سے ہمارا انتقام لیجئے، اور دنیا کو ہمارا مقصود اعظم نہ بنایئے، نہ ہمارے علم کا منتہا بنایئے، اور ہم پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ فرمایئے

جو ہم پر رحم نہ کرے۔

دعا کے یہ الفاظ اور دعا کا یہ اُسلوب پیغمبرانہ معجزہ ہے، مختصر تشریح ملاحظہ فرمائیے، اور اس دعا کو یاد کرلیجئے، اور اسے دل سے اور زبان سے اللہ کے حضور پیش کرتے رہئے۔

اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَاتَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ : خشیت اس خوف کو کہتے ہیں، جو عظمت اور محبت کے نتیجے میں انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے، اس خوف میں وحشت اور فرار نہیں ہے، بلکہ کشش اور محبت ہے، معرفت ہے، لیکن اس خشیت کا حاصل ہونا بھی اللہ ہی کی جناب سے ہوتا ہے، پس انھیں سے گزارش کی گئی ہے کہ اپنی خشیت کا اتنا حصہ عطا فرمادیں، جس کی بنیاد پر گناہوں سے رکاوٹ ہوجائے۔ اسلوب دیکھئے، یہ نہیں فرمارہے ہیں کہ وہ خشیت گناہوں سے روک دے، بلکہ یہ عرض کررہے ہیں کہ یا اللہ! آپ ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہوجایئے، واقعہ یہی ہے کہ گناہوں سے بچانے والی ذات اللہ ہی کی ہے، پس ان کی طرف نسبت کرنا توحید کی کمالِ رعایت ہے، ہاں ظاہری سبب کے درجے میں خشیت کا دخل ضرور ہے، یہی اسلوب اس کے بعد دعائیہ جملوں میں بھی ہے۔

وَمِنْ طَاعَتِکَ مَا تُبَلِّغُنَا بِہٖ جَنَّتَکَ : کمال اطاعت وفرمانبرداری کا احاطہ کمزور انسان سے کیا ہوسکتا ہے، لیکن اتنی طاعت ضرور عطا فرمادیجئے، کہ اس کی بدولت، آپ ہمیں جنت میں پہونچادیجئے، خشیت کے ذریعے جہنم سے بچاؤ ہوگا، اور طاعت کی برکت سے حق تعالیٰ جنت کا داخلہ عطا فرمائیں، یہی دونوں باتیں انتہائے مقصود ہیں۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ، ۃسورہ آل عمران:۱۸۵) تو جو کوئی آتش دوزخ سے ہٹادیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا، تو کامیابی تو اسی کی کامیابی ہوئی، اور دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک کارخانۂ فریب ہے۔

وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُھَوِّنُ عَلَیْنَا مُصِیْبَاتِ الدُّنْیَا : اس کارخانۂ دنیا میں مصائب

وآلام کا نشانہ ہر شخص بنتا ہے، لیکن ان کی شدت وخفت کا تعلق انسان کے قلب وباطن کی کیفیات سے ہوتا ہے، اگر آدمی کو اللہ کی ذات پر یقین ہو، اس پر پختہ ایمان ہو، اللہ کی حکمت ورحمت پر اعتماد کرتا ہو، جن سب کا حاصل ''یقین'' ہے، تو اسے ہر مصیبت سہل ہوگی، اور اگر اس کے برخلاف ہو، تو معمولی سی تکلیف بھی ناقابل برداشت ہوگی، لیکن یقین کی یہ کیفیت عطیۂ خداوندی ہی ہے، اس لئے اس کا سوال اللہ تعالیٰ سے کیا گیا، یہ کیفیت دنیا میں راحت کی کنجی ہے۔ روایت میں مصیبات کے بجائے مصائب کا بھی لفظ آیا ہے۔

وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا: آدمی کو اللہ تعالیٰ نے بدن میں جو قوتیں عطا فرمائی ہیں، ان میں کان اور آنکھ کی طاقت خصوصی طور سے اہم ہے، لیکن یہی دونوں چیزیں جلد ساتھ چھوڑتی ہیں، سماعت کم ہونے لگتی ہے، تو آدمی آوازوں سے بے بہرہ ہوجاتا ہے، بصارت کمزور ہوجاتی ہے، تو آدمی مشاہدے سے محروم ہوجاتا ہے، اور ان دونوں کے نہ ہونے سے انسان کو جس محرومی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، لیکن دوسری قوتیں بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتیں، لیکن زندگی ہی میں یہ طاقتیں علیحدگی اختیار کرنے لگتی ہیں، اور آدمی مجبور اور بے بس ہوکر رہ جاتا ہے، اللہ سے مانگا گیا ہے کہ زندگی کے اخیر لمحات تک ان تمام قوتوں کو ہمارے لئے کارآمد بنائے رکھئے، انسانی مجبوریوں سے بچے رہنے کی کتنی عمدہ یہ تدبیر ہے۔

وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا: مشہور محدث امام نووی علیہ الرحمہ نے ''کتاب الاذکار'' میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان قوتوں سے استفادہ تادم مرگ قائم اور صحیح رکھئے، یعنی ہوش وحواس دم اخیر تک قائم رہیں، جبھی ان سے استفادہ صحیح طور سے ممکن ہوسکے گا، گویا خود یہ قوتیں بھی قائم اور باقی رہیں، اور عقل وہوش بھی باقی رہے، کہ ان سے استفادہ درست رہے۔

وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا: ثار کہتے ہیں ظلم کے انتقام کو، مظلوم کو اپنے ظلم کے انتقام لینے کی طاقت کہاں ہے؟ پھر کیوں نہ خدا ہی کے حوالے کرے، اور خود بیٹھا انتقام

کا تماشہ دیکھے، دست دعا دراز کررہے ہیں کہ کسی نے ہم پر ظلم کیا تو اس پر ہمارا انتقام مسلط کردیجئے۔

وَانْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا : اور جس کسی کو ہم سے عداوت ہو، اس کیلئے مقابل میں ہماری مدد فرمایئے، ظلم اور دشمنی کا اس سے بہتر کیا علاج ہوگا؟

وَلَاتَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا : مصیبت تو آنی ہے، لیکن دین میں نہ آئے، دین میں مصیبت دین کو نقصان پہونچائے گی، دنیا کی مصیبت دنیا کو نقصان پہونچائے گی، دنیا کا نقصان گوارا ہے، کیونکہ اس میں اگر نقصان ہوگا، تو فائدے بھی بہت ہوں گے، مگر دین کی مصیبت وہ ہے جو اللہ کو ناراض کردے گی، اس لئے اسے مصیبت سے محفوظ رکھئے، یہ ہے دنیا پر دین کی ترجیح!

وَلَاتَجْعَلِ الدُّنْیَا أَکْبَرَ هَمِّنَا وَلَامَبْلَغَ عِلْمِنَا : عموماً دیکھا جاتا ہے کہ آدمی کی تمام ہمت اور حوصلہ حصول دنیا میں صرف ہوتا ہے، انسان کو سارا اہتمام، ساری فکر، تمام سوچ دنیا ہی کے لئے ہوتی ہے، آدمی ہر پھر کر دنیا ہی کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے، اس لئے اس کا تمام علم اور ساری معلومات دنیاوی چیزوں کے متعلق ہوتی ہے، دنیا وکسب دنیا کے متعلقات میں کمال درجہ کا علم رکھتا ہے، لیکن دین وایمان، معرفت ومحبت کی معلومات صفر ہوتی ہیں، حق تعالیٰ سے مانگا گیا کہ ہمارا سارا حوصلہ، ساری فکر دنیا ہی سے متعلق نہ ہو، اور نہ ہمارے علم کا کل تعلق دنیا ہی سے ہو۔

وَلَاتُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا : ہم پر ایسی حکومت، ایسی طاقت، ایسے افراد نہ مسلط ہوں جو ہم پر رحم نہ کریں، ظالم اور بے رحم حکومت، بے مروت اور خودغرض ذمہ دار سے ہم کو بچایئے۔

یہ بہت جامع دعا ہے، اس دعا میں تمام انسانی مجبوریوں کا علاج ہے، اور درجات کمال کے حصول کا سبب ہے، جی چاہتا ہے کہ کوئی مسلمان اس دعا سے خالی نہ رہے۔ واللہ الموفق

☆☆☆☆☆

(نومبر، دسمبر ۲۰۰۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفرِ حج (۱۴۲۹ھ)

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ سيد المرسلين وعلىٰ آله وصحبه أجمعين ، أما بعد!

الحمد لله بنعمته تتم الصالحات، ۱۴۲۹ھ (۲۰۰۸ء) کا حج بخیر وخوبی پورا ہوگیا۔ ہندوستان سے اس مبارک سفر کا آغاز ۳۰/ اکتوبر کو ہوا، کئی جگہ سے مدینہ شریف کے لئے پہلی پرواز ۳۰/ اکتوبر کو متعین ہوئی اور عازمین حج بصد شوق وذوق مدینہ شریف کے لئے مذکورہ تاریخ میں روانہ ہوئے، پچھلے حج سے واپسی میں بعض ایسی مشکلات سے حجاج کو سابقہ پڑا تھا جس کا پہلے سے تجربہ نہ تھا، اس سال حج کمیٹی نے اور دوسرے حضرات نے ان مشکلات پر قابو پانے کے انتظامات کئے، مگر انسان کا انتظام ہمیشہ ادھورا رہتا ہے، ایک سوراخ بند کیا جاتا ہے، تو دوسرے سوراخ کھل جاتے ہیں، چنانچہ اس سال روانگی کی ابتدائی تاریخ ہی سے مشکلات کا ایک نیا عنوان ظاہر ہونے لگا۔

حج کمیٹی کا حکم تھا کہ فلائٹ کی تاریخ سے ایک روز قبل، مرکز روانگی میں جاکر اپنے سفر کی رپورٹ درج کرادی جائے، چنانچہ جن لوگوں کو اطلاع تھی کہ پہلی فلائٹ سے ان کی روانگی ہے، انھوں نے ایک روز پہلے سفر کی رپورٹ درج کرادی۔ مدرسہ شیخ الاسلام، شیخو پور سے جانے والے حجاج کا قافلہ جو چھ افراد پر مشتمل تھا، اس نے بھی رپورٹ درج کرادی، اس کی رسید حج کمیٹی نے دیدی، اور حکم ہوا کہ ۲۹/ اکتوبر کی شام تک آجایئے اور پاسپورٹ اور سفر کے کاغذات حاصل کرلیجئے، ۳۰/ کی صبح ساڑھے گیارہ بجے فلائٹ ہے۔ یہ قافلہ ۲۹/

اکتوبر کو مغرب کی نماز کے بعد حج آفس بنارس پہونچ گیا، کاؤنٹر پر حاضری ہوئی تو اطلاع بخشی گئی کہ قافلہ کے ایک فرد کے ویزے میں تصویر کے اندر کچھ نقص ہے، اس لئے وہ پاسپورٹ بمبئی مرکزی حج کمیٹی کے دفتر سے نہیں آیا ہے، کس ذوق وشوق سے یہ قافلہ بنارس گیا تھا کہ کل شام تک مدینہ منورہ کی پاک سرزمین کا دیکھنا نصیب ہوگا، اور اب حال یہ ہے کہ پوچھنے پر لاعلمی ظاہر کی جارہی ہے کہ معلوم نہیں کب وہ ویزا درست ہوگا، اور کب آئے گا ۔صبر تو کرنا ہی تھا۔مگر سوچئے جس ذوق کے ساتھ لوگ گھر سے نکلے تھے اس کا کتنا کڑا امتحان تھا، صبر ہوتو کیسے ہو؟ بنارس سے بمبئی فون پر رابطہ کیا گیا، وہاں سے صبر کی تلقین کی گئی، پھر رات گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس آزمائش میں صرف ہمارا ہی قافلہ نہیں، بہت سے لوگ ہیں، بس

اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے　　　　ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے

پھر معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے پہلی فلائٹ سے جو لوگ جانے والے تھے، ان کے پاسپورٹ ہی سرے سے نہیں آئے ہیں، وہاں تو حجاج کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلک گیا، شور شرابہ، گتھم گتھا، جس سے جو ہوسکا، اس نے کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کی پہلی فلائٹ جا ہی نہ سکی۔

خیر لکھنؤ میں جو ہوا، اس سے وہاں کی مشکلات میں کچھ کمی نہیں آئی، کچھ اضافہ ہی ہوا۔ ہم بنارس میں تھے، بنارس میں عارضی حج ہاؤس جو بنا تھا، وہ ناتمام حالت میں تھا، جو حجاج آگئے تھے اور ان کی روانگی میں کوئی رکاوٹ ہوگئی، انھیں خاصی مشکلات کا سامنا تھا، حاجیوں کے ساتھ ایر پورٹ تک پہونچانے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد آتی ہے، اب ان سب کے ٹھہرنے کا، کھانے پینے اور اس کے اخراجات کا مسئلہ! اچھا خاصا دردسر! اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ مشکل کب آسان ہوگی؟ حج ہاؤس میں کب تک رہنا ہوگا، لوگ پریشان تھے۔

ہمارا قافلہ تو بفضلہٖ تعالیٰ بنارس کے ایک دیندار اور مخیّر تاجر، ہمارے پرانے محبّ ومحبوب جناب الحاج منظور احمد صاحب ...... اللہ تعالیٰ انھیں رحمتوں اور برکتوں سے نوازے

رہے...... کا مہمان تھا، اور وہ اور ان کے سعید وصالح صاحبزادگان بہت خوش اسلوبی اور انشراح سے مہمان نوازی میں لگے رہے، خیر قدرے انتظار کے بعد ۳۱ر اکتوبر کو وہ پاسپورٹ ویزا کی سابقہ خرابی کے ساتھ ممبئی سے آ گیا، اور ہمارا قافلہ یکم رنومبر کو مدینہ شریف کے لئے روانہ ہو گیا، اور کسی دشواری کے بغیر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں حاضر ہو گیا۔

آمدم برسر مطلب! اس سال بھی حجاج کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، نوعیت بدلی ہوئی تھی، مگر پریشانی برقرار رہی، میں ان پریشانیوں کو تفصیل سے بیان نہیں کرنا چاہتا، بلکہ یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان پریشانیوں کا منبع کیا ہے؟ اور کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ حجاج کا یہ سفر عبادت ٹھیک ان کی خواہش کے مطابق ہو جائے؟

حج کے سفر میں دورِ حاضر میں پانچ ادارے مصروف عمل ہوتے ہیں۔ حج کمیٹی، حکومت ہند، معلمین، سعودی حکومت اور فلائٹوں کا ادارہ، اور ان تمام اداروں کی خدمات عازمین حج کے انتظامات سے متعلق ہوتی ہیں۔ یہ پانچوں ادارے عازمین حج کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں۔

عازمین حج کی خدمت کے لئے ایک پرائیویٹ ادارہ بھی مصروفِ عمل ہوتا ہے، اور وہ ہے ٹورکارپوریشن۔ اس کے متعلق ہم آئندہ کبھی گفتگو کریں گے۔

اس سال جو پہلی دشواری عازمین حج کے سامنے آئی، وہ وقت پر پاسپورٹ نہ ملنے کی تھی، اس میں یا تو حج کمیٹی سے قصور ہوا ہے کہ اس نے جہازوں کی تاریخ کا اور بکنگ کا اعلان تو کر دیا، مگر ویزا وقت پر حاصل نہ کر سکی، یا سعودی قونصلیٹ کا قصور ہے کہ اس نے ویزا جاری کرنے میں سستی کی، حج کمیٹی تو یہی کہتی ہے، اب اللہ جانے کس کا قصور ہے۔ بنارس میں تو حجاج کی طرف سے بے صبری کا اظہار نہیں ہوا، یا ہوا تو کم ہوا۔ مگر لکھنؤ میں بہت ہوا، اور اس بے صبری نے معاملہ کو اس حد تک بگاڑ دیا کہ پریشانی کا سلسلہ حرمین شریفین تک دراز ہو گیا۔

حجاج کرام کی زبانی حج کمیٹی کی شکایتیں بہت سننے میں آتی ہیں، اس میں شبہ نہیں،

کہ کچھ کوتاہیاں ایسی ضرور ہوں گی جن کا الزام حج کمیٹی پر چسپاں ہوگا، مگر یہ سوچنا چاہئے کہ ایک لاکھ سے زیادہ عازمین حج کے سفر کی تمامتر کارروائی حج کمیٹی کرتی ہے، بیرون ملک سفر کی جونزاکتیں ہیں، اسے وہی جانتے ہیں جنھیں اس طرح کے سفر کا سابقہ پڑتا ہے۔ حج کمیٹی ان تمام نزاکتوں سے عہدہ برآ ہوکر حاجیوں کو تمام دستاویزات مہیا کرتی ہے، تب یہ نہایت آسانی سے بغیر کسی تردد اور کاوش کے ہوائی جہاز پر بیٹھ جاتے ہیں، اور جدہ یا مدینہ شریف میں بسہولت اتر جاتے ہیں، ورنہ اگر یہ سارے کام خود عازمین حج کے ذمے کردئے جاتے تو صدہا مشکلات میں گرفتار ہوتے، اور بڑی تعداد میں لوگ سفر بھی نہیں کرسکتے، خود پاسپورٹ بنوانے کا مرحلہ ایک ہمالیہ طے کرنے سے کم نہ ہوتا، اللہ جانے کتنے اخراجات ہوتے، کتنی مشکلوں سے پاسپورٹ بنتا، پھر اس پر ویزے کا مسئلہ اور جانکاہ ہوتا۔ کتنا دوڑنا پڑتا، کتنے مصارف ہوتے، پھر یہ ہفت خواں طے ہوتا، تو ہوائی جہاز کی سیٹ بک کرانے کا قصہ درپیش آتا، پھر سفر، سفر سے واپسی! حج کمیٹی کے ذریعے سب مرحلے آسان ہوگئے۔ ایک فارم بھرا، متعینہ رقم ادا کی، منظوری ہوئی۔ اب پاسپورٹ بنوانا، ویزا حاصل کرنا، ہوائی جہاز کے آمدورفت کی سیٹ بک کروانا، پرواز کی جگہ متعین کرنا، اور حجاج کی مدد اور رہنمائی کے لئے خدمات کو پیش کرنا، یہ سب حج کمیٹی کی ذمہ داری! عازم حج نے پاسپورٹ حاصل کیا اور حرمین شریفین پہونچ گیا۔ وہاں مکان نہیں تلاش کرنا ہے، کرایہ نہیں طے کرنا ہے، یہ سب مرحلے حج کمیٹی اور دوسرے ادارے مل کر طے کرچکے ہوتے ہیں۔ حاجی نامزد بلڈنگ اور اس کے متعین شدہ کمرے میں جاکر بستر کھول دے، بلکہ بستر کھلا ہوا پاجائے۔

اتنے بڑے انتظام میں کچھ کوتاہی ہوجائے، کچھ کسی کے حق میں کمی رہ جائے، تو وہ قابل درگزر ہے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ مجموعی اعتبار سے اس کا کردار کیسا رہا؟ اگر ہر شخص اپنے ارادے اور خواہش کے پیمانے پر حج کمیٹی کے عمل کو پرکھنے لگے، تو حج کمیٹی جیسا ایک محدود ادارہ تو کیا بڑی بڑی حکومتیں فیل ہوجائیں گی۔

جس مسلمان پر حج فرض ہے، اس پر حج کے انتظامات بھی فرض ہیں، مسلمانوں کا

کوئی ادارہ اگر اس کے انتظامات کا کفیل ہوجاتا ہے تو عازمین حج کو اس کا شکر گزار ہونا چاہئے ،اور اگر کسی خاص شخص کو کوئی تکلیف پہونچ جائے ،تو درگزر کردے ،کیونکہ انتظام بڑا ہے ،اور اس کے بہت سے شعبے ایسے ہیں جو حج کمیٹی کے اختیار میں نہیں ہیں ،ان کے لئے اسے بہت سے اداروں اور دفتروں سے مدد لینی پڑتی ہے ،کسی ایک جگہ اگر گاڑی اٹک گئی ،تو ہر طرف کاموں کا چکہ جام ہوجاتا ہے۔

مثلاً اس سال بعض وجوہ سے جن کی تفصیل بیان کرنی ضروری نہیں ، سعودی قونصل نے ویزا لگانے میں دیر بھی کی اور بے احتیاطی بھی ،اس میں حج کمیٹی مجبور ہوگئی۔اس نے وقت پر سارے انتظامات کردیئے ،مگر ویزا ہی ملنے میں تاخیر ہوئی ،تو کیا وہ قابل درگزر نہیں۔

دوسرا ادارہ جس کی حجاج کرام کو بہت شکایت ہوتی ہے ، وہ معلمین کا ادارہ ہے ، جسے آج کی اصطلاح میں ''مکتب'' کہا جاتا ہے ،انھیں زیادہ ان کے نام سے نہیں مکتب نمبر کے ساتھ جانا جاتا ہے۔

معلمین کی شکایت پرانی ہے۔مولانا عبدالماجد دریابادی کا سفرنامہ پڑھئے ،اور معلمین کی تصویر دیکھئے۔لیکن اس دور میں حجاج کرام کی خدمت چونکہ متعدد اِداروں میں تقسیم ہوگئی ہے ،اور اس کا ایک محدود حصہ معلمین کو ملا ہے ،اس لئے اب یہ ادارہ زیادہ محل شکایت نہیں رہ گیا ہے۔مجھے تفصیل سے معلوم نہیں کہ معلم کی خدمات کیا کیا ہیں؟ اتنا جانتا ہوں کہ بسوں کا انتظام معلم سے متعلق ہے ،جدہ سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ،پھر مشاعر حج میں بسوں سے لے جانا اور لے آنا اور خیموں کا انتظام کرنا معلم کی ذمہ داری ہے ،اور وہ یہ ذمہ داری پوری کرتے ہیں ،ہاں وقت کے تعین اور اس کی تعمیل میں کچھ ادھر ادھر ہوتا ہے ،لیکن ظاہر ہے کہ حاجیوں کے اس ہجوم اور بسوں کی بھیڑ بھاڑ میں وقت کی پابندی مشکل ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ معلمین سے کوتاہی نہیں ہوتی ،بعضے امور ضرور رُونما ہوجاتے ہیں جنھیں بجز معلم کی غلطی کے کچھ نہیں کہا جاسکتا ،مثلاً پچھلے سال کے حج میں منیٰ سے جب

عرفات کو روانگی ہو رہی تھی تو ایک معلم کے کارندوں نے رات کو ۱۲؍بجے کے بعد سے ہنگامہ شروع کیا کہ عرفات چلو، عرفات چلو، لوگ دوڑ دوڑ کر جانے لگے، بعض لوگوں نے بلکہ زیادہ تر حجاج نے سوچا کہ فجر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوا جائے، فجر کی نماز کے بعد جب خیموں کے گیٹ کی جانب چلے تو معلوم ہوا کہ گیٹ بند ہے، گیٹ کیپر سے بہت خوشامد کی گئی، مگر اس نے نہیں کھولا، خیال ہوا کہ آفس میں کوئی ذمہ دار ہوگا، اس سے بات کی جائے، مگر آفس خالی تھا، گیٹ پر ایک بھیڑ تھی، مگر نہ بس آرہی تھی، نہ گیٹ کھل رہا تھا، یہاں تک کہ سروں پر تیز دھوپ آگئی، مگر بہرا گونگا گیٹ کیپر بے حس تھا۔ دھوپ میں کھڑے کھڑے دس بج گئے، معلم کی بس نہ آتی نہ آئے، مگر گیٹ تو کھلے کہ لوگ پرائیویٹ سواریوں سے، یا ہمت والے پیدل ہی نکل جائیں، مگر ساڑھے دس بجے تک گیٹ نہیں کھلا، ساڑھے دس بجے جب عرفات جانے کا وقت تنگ ہوگیا اور حجاج نے شور مچایا، تو اس نے یہ کہہ کر گیٹ کھولا کہ اب بس نہیں آئے گی۔ میں اور میرا بیٹا محمد عادل سلمہٗ دونوں پیدل چل دئے، ایک کیلومیٹر چلنے کے بعد ایک پرائیویٹ گاڑی ملی، اس نے پچیس پچیس ریال مانگے، ہم عجلت میں اس پر بیٹھ گئے، اس نے عرفات میں پہونچایا۔ مگر قدرے تاخیر ہوچکی تھی، اس نے جہاں اتارا، وہاں کیا کریں، اپنے دوست مفتی عبدالرحمٰن سلمہٗ کو فون کیا، وہ بھاگے ہوئے آئے اور اپنے خیمے میں لے گئے۔

یہ جو بحران پیش آیا، یہ یقیناً معلم کی بدانتظامی تھی، اور مزید یہ کہ وہ ایسے بے حس اور سرپھرے کارندوں کو متعین کردیتے ہیں جو کوئی رعایت کرنا، یا عقل سے کام لینا جانتے ہی نہیں۔

اس سال ۱۲؍ذی الحجہ کو جب منیٰ سے مکہ مکرمہ کو روانگی تھی، ہمارے خیمے میں اعلان ہوا کہ بس مغرب بعد آئے گی، لوگ منتظر رہے، مگر بس نہیں آئی، آس پاس کے خیموں کے پاس بس آتی رہی اور لوگ روانہ ہوتے رہے، مگر ہمارے خیمے کے سامنے حجاج کی بھیڑ لگی رہی، مگر بس نہیں آئی۔ عشاء کا وقت ہوگیا، بہت سے لوگ پیدل اور کئی لوگ پرائیویٹ

سواریوں سے نکل گئے۔ ہمارا قافلہ چھ آدمیوں پر مشتمل تھا، ہمارے علاوہ اعظم گڈھ سے پانچ حاجی صاحبان اور تھے، جو معمر اور بزرگ تھے، خیمہ میں عشاء کی نماز ادا کی، اور پیدل نکل کھڑے ہوئے، تھوڑی دور جاکر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی، اور ایک نیک دل سعودی نے اپنی گاڑی پر بیٹھالیا، ہجوم کی وجہ سے قدرے دیر تو ہوئی مگر نہایت آرام سے اپنی قیامگاہ پر پہونچ گئے، یہاں بھی معلم کی بدانتظامی تھی۔

اس کے علاوہ ایک بدانتظامی اور ہوتی ہے کہ منیٰ میں خیموں میں جتنی گنجائش ہوتی ہے، اس سے ڈیڑھ گنے آدمی بھر دئے جاتے ہیں، اس سے بعض اوقات بڑی پیچیدگی ہوتی ہے، ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنے خیموں میں جگہ بچا کر بڑی بڑی رقمیں دوسرے لوگوں سے وصول کرتے ہیں۔ **والعلم عند اللہ**

یہ شکایتیں تو بے شک بجا ہیں، تاہم ان کی وجہ سے حجاج کو بہت سی سہولتیں بھی ہوتی ہیں، منیٰ اور عرفات میں خیمہ لگانے کی ذمہ داری ان کی ہوتی ہے، لیجانا اور لے آنا ان کے فرائض میں ہے، کسی کسی وقت کھانے کا انتظام بھی کرتے ہیں۔

تیسرا ادارہ حکومت ہند کا ہے، ہم حاجیوں کی خدمت کے باب میں حکومت ہند کی ستائش کریں گے، حکومت حاجیوں کی خدمت بہت فراخدلی سے کرتی ہے، ہوائی جہاز کے رعایتی کرایہ سے لے کر حاجیوں کے دوا علاج اور ان کی مشکلات کے حل کے لئے مستقل محکمہ قائم کر رکھا ہے، ''انڈین حج مشن'' کے تحت سیکڑوں کارکن اور ڈاکٹر مصروف خدمت ہوتے ہیں، دوائیں مفت مہیا کی جاتی ہیں، حکومت کی ان رعایتوں کی وجہ سے اہل ہند کا حج دوسرے ممالک کے مقابلے میں کافی ارزاں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جس سے چاہے اپنے بندوں کی سہولت کا سامان کر دے۔

حجاج کی خدمت کے لئے چوتھا ادارہ سعودی حکومت کا ہے، اس حکومت نے حاجیوں کی سہولت کے جو انتظامات کئے، وہ بس اللہ کی خاص مہربانی ہے، ایسا انتظام ہے کہ شاید اس سے زیادہ سوچا نہ جاسکے، یہ حکومت اپنی پوری توانائی حج وعمرے کے عازمین کی

سہولت اور آسائش کے لئے صرف کرتی ہے، ایک مستقل وزارت اس خدمت کے لئے ہے، جو سال بھر اسی موضوع پر کام کرتی رہتی ہے۔

پانچواں ادارہ فلائٹوں کا ہے۔ حج کے لئے دو طرح کی فلائٹوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ ایر انڈیا اور سعودی ایرویز۔ سعودی ایرویز کی شکایتیں تو کم سننے میں آتی ہیں، پچھلے سال کچھ شکایات تھیں، مگر ایر انڈیا نے تو پچھلے سال اور اس سال ستم کی حد توڑ دی۔ ایر انڈیا سے حاجیوں کو بہت پریشانی ہوئی، پچھلے سال سامانوں کی پریشانی بہت رہی، اس سال فلائٹیں اتنی لیٹ تھیں کہ حاجیوں کا سارا نظام بگڑا رہا، اس پر حج کمیٹی اور حکومت ہند کو خاص توجہ دینی چاہئے۔

اب حاجی صاحبان کی خدمت میں کچھ معروضات پیش کرنی ہیں، اور اس مضمون کے اصل مخاطب وہی ہیں، کیونکہ دوسرے ادارے جو حجاج کی خدمت کے لئے وجود میں آئے ہیں، ان کے معاملات، ان کے مشکلات اور ان کے مسائل ہماری پہونچ سے ماوراء ہیں۔ ان کی اصلاح، ان کی درستگی اور ان کے مسائل کا حل اربابِ سیاست اور اصحابِ حل وعقد کر سکتے ہیں، ہم تو ان کی خدمات پر ممنونیت کا اظہار کر سکتے ہیں اور جو کچھ ان کی کوتاہیاں معلوم ہوتی ہیں ان کو صبر وضبط سے انگیز کر لیں گے، اور اسی کی تلقین دوسروں کو بھی کریں گے، اگرچہ جس نظریہ کا چلن ہے، وہ ہماری اس روش کو شاید پسند نہ کرے، مگر مجبوری ہے، ہم بھی اپنی خو کیوں بدلیں؟

عازمین حج کا سفر کسی سیر سپاٹے، تفریح ودل لگی یا تجارت وکسب معاش کیلئے نہیں ہوتا، وہ اللہ کی عبادت کے لئے نکلتے ہیں، یہ عبادت ایسی ہے جو اپنے گھر، اپنے وطن میں رہ کر کسی سے ادا نہیں ہوسکتی۔ یہ سفر محض عبادت کا، محض نیکی کا، محض اللہ کی رضا کیلئے ہوتا ہے، اللہ نے استطاعت دی ہے، وسائل مہیا ہیں، تو ان پر فرض ہے کہ یہ سفر کریں۔ یہ اسلام کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے، اس کا انتظام ہر شخص کو خود کرنا ہے، اور اس کا جو قدم بھی اس سفر میں اٹھے گا وہ نیکی اور عبادت ہوگا، حاجی جب گھر سے نکلتا ہے، اور جب تک واپس ہوتا

ہے، یہ سارا وقفہ مسلسل عبادت اور طاعت میں گزرتا ہے۔

حج اور سفرِ حج کے فضائل بہت ہیں، جن کا تذکرہ احادیث کے ذخیروں میں بکثرت کیا گیا، یہاں ہم ایک جامع حدیث کا ترجمہ لکھتے ہیں، جس سے حج اور سفرِ حج کی فضیلت نہایت عمدگی کے ساتھ واضح ہوتی ہے، یہ حدیث سیّدنا عبداللہ بن امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اور اسے صاحب ترغیب وترہیب نے طبرانی کی المعجم الکبیر اور بزار کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں منیٰ کی مسجد (خیف) میں حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، اتنے میں دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک انصاری اور ایک قبیلہ بنی ثقیف کا، انھوں نے سلام کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم آپ کے حضور کچھ پوچھنے کے لئے آئے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں خود بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟ اور اگر چاہو، تو میں نہ کہوں تم خود ہی بتاؤ! ان دونوں نے عرض کی حضرت! آپ ہی ارشاد فرمائیں، پھر ثقفی نے انصاری سے کہا، آپ کہئے، انھوں نے درخواست کی، اے اللہ کے رسول! بتائیں، آپ نے فرمایا کہ تمہارا سوال یہ ہے کہ تم جو اپنے گھر سے بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہو، اس میں تمہارے لئے کیا اجر ہے؟ اور طواف کے بعد جو دو رکعت پڑھو گے اس کا ثواب کیا ہے؟ اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کرو گے، اس میں تمہیں کیا ملے گا؟ اور وقوفِ عرفہ میں کیا حاصل ہوگا؟ اور جمرات کی رمی میں کیا ملے گا؟ اور قربانی کروگے، تو اس کا اجر کیا ہوگا؟ اور طوافِ افاضہ کی کیا شان ہے؟

انھوں نے عرض کیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، انھیں سوالات کے لئے میں حاضر خدمت ہوا ہوں۔ فرمایا:

(۱) جب تم بیت اللہ الحرام کے قصد سے گھر سے نکلے ہو، تو تمہاری اونٹنی نے جو بھی قدم زمین پر رکھا یا زمین سے اٹھایا، ہر ایک پر اللہ نے تمہارے لئے ایک نیکی لکھی، اور ایک خطا معاف فرمائی۔

(۲) اورطواف کے لئے جو دو رکعت تم نے پڑھی، تو یہ ایسا ہے، جیسے تم نے اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے دو غلام آزاد کیے۔

(۳) اور تم نے صفا و مروہ کے درمیان جو سعی کی، وہ ایسا ہے جیسے تم نے ستر غلام آزاد کیے۔

(۴) اور وقوف عرفہ کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور فرشتوں کو مخاطب کر کے فخر سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے، میرے حضور میں پراگندہ بال دور دراز اور گہرے راستوں سے چل کر آئے ہیں، اور جنت کی آس لگائے ہوئے ہیں، تو (اے بندو!) اگر تمہارے گناہ ریت کی تعداد کے برابر یا بارش کے قطروں کے مانند، یا سمندر کی جھاگ کے مثل بھی ہوں گے تب بھی ان کی مغفرت کر دوں گا۔ میرے بندو! تم بخشے بخشائے یہاں سے جاؤ، تمہاری بھی بخشش ہے، اور جن کی تم سفارش کرو گے ان کی بھی بخشش ہے۔

(۵) اور تمہاری رمی کا اجر یہ ہے کہ ہر کنکری جسے تم نے پھینکا ہے، اس سے ایک ایک مہلک گناہ کبیرہ کی معافی ہے۔

(۶) اور جو قربانی تم نے کی ہے، وہ تمہارے رب کے پاس ذخیرہ ہے۔

(۷) اور جو تم نے سر منڈوایا، تو سنو! ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے، اور ایک خطا کی معافی ہے۔

(۸) اور اس کے بعد جو تم نے طواف (زیارت) کیا، تو اس طرح تم نے طواف کیا کہ تمہارے ذمے کوئی گناہ نہیں۔ ایک فرشتہ آتا ہے، اور تمہارے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھتا ہے، اور کہتا ہے، اب پھر سے از سر نو عمل شروع کرو، پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲، ص:۷۷)

حج کی فضیلت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کر دی، یہ بیان محتاجِ تشریح نہیں ہے، البتہ یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ جس حج کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے،

اس کی کیا شان ہونی چاہئے۔

حج کیسا ہو؟ قرآن کریم کا ارشاد:

حج کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَارَفَثَ وَلَافُسُوقَ وَلَاجِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۹۷) حج کے چند متعین مہینے ہیں، تو جس کسی نے ان مہینوں میں حج کا التزام کیا، تو اس میں نہ رفث ہے، نہ فسق ہے، اور نہ لڑائی جھگڑا ہے) رفث کے معنی بیوی سے صحبت کرنے کے ہیں، اسی حکم میں بیوی سے شہوت کی باتیں بھی ہیں، حالت احرام میں اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ فسوق کے معنی نافرمانی اور معصیت کے ہیں، حج کا التزام کر لینے کے بعد اور بالخصوص حرم میں حاضر ہونے کے بعد، معصیت اور حق تعالیٰ کی نافرمانی شدید تر ہو جاتی ہے، اور اس سے حج خراب ہو جاتا ہے۔ جدال کے معنی لڑنے جھگڑنے کے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ حج میں جدال یہ ہے کہ گالی گلوج کرے، برا بھلا کہے، کسی سے ایسی بحث وتکرار کرے کہ اس کو غصہ آجائے۔

حاجی ان تینوں چیزوں سے بچنے کا اہتمام کرے گا، تو اس کا حج، حج کہلائے گا، ورنہ سفر کی مشقت، مال کا صرفہ ہی ہاتھ آئے گا، اور حج مجروح ہو کر رہے گا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

من قضیٰ نسکه وسلم المسلمون من لسانه ویده غفر له ماتقدم من ذنبه۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ عبد بن حمید) جس نے ارکان حج ادا کئے، اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے، اس کے سب گناہ معاف ہیں۔

اس شان کا حج، حج مبرور کہلاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع من ذنوبه کیومٍ ولدته امه (بخاری ومسلم)

جس نے حج کیا، اور رفث اور فسق کا ارتکاب نہیں کیا، وہ اس طرح گناہوں سے

پاک صاف ہوکر لوٹا، جیسے اس دن تھا، جس دن وہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة،رواه الطبراني

حج مبرور کا تو بدلہ جنت سے کم نہیں ہے۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲،ص:۷۲)

حج مبرور کہلانے کا مستحق وہی حج ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ حضرات صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، کہ حج مبرور ہونا کس طور سے ہوگا، تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

إطعام الطعام وطيب الكلام۔ کھانا کھلانا، اور پاکیزہ بات بولنا۔

امام احمد اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے:

إطعام الطعام وإفشاء السلام۔ کھانا کھلانا، اور سلام کثرت سے کرنا۔

(الترغیب والترھیب، ج:۲،ص:۷۲)

قرآن مجید کی آیت کریمہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے حج مبرور کی شرح ہوجاتی ہے۔

سفر حج کی اہمیت:

ایک طرف حج کی اس فضیلت کو نظر میں رکھئے، پھر یہ غور کیجئے کہ سفر ایک مشکل عمل ہے، آدمی اپنے گھر میں ہوتا ہے تو ایک لگے بندھے معمول پر اس کی زندگی گزرتی ہے، اور وہ اس کا عادی ہوجاتا ہے، وقت پر کھانا پینا، وقت پر سونا جاگنا، متعین کام کو وقت پر بجالانا، لیکن سفر میں سب معمولات درہم برہم ہوجاتے ہیں، تاہم اگر سفر اپنے چند رفقاء کے ہمراہ ہو، اور انھیں کے ساتھ سارا نظام سفر ہو، تو پھر کچھ آسانی ہوجاتی ہے، لیکن اگر سفر ایسا ہو کہ مختلف احوال اور مختلف مزاج کے لوگوں سے اختلاط ہو، جیسا کہ حج کے سفر میں ہوتا ہے، جس کے نہ پروگرام اپنے اختیار میں، نہ ہمسفروں کا کچھ اندازہ کہ کس کس طرح کے لوگ ہوں گے، پھر سب کا ایک جگہ اکٹھا ہونا، پھر ان کے ساتھ بشری حاجات وضروریات بلکہ رجحانات اور خواہشوں

کا لگا رہنا، اس سے سفر کی دشواری اور بڑھ جاتی ہے، اس سفر میں آدمی جدال اور فسوق سے بچ نکلے، ایک بڑا مجاہدہ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے سفر حج کو جہاد قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عزیز نواسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، کہ ایک آدمی نبی علیہ السلام کی خدمت میں آیا، اور اس نے عرض کیا، میں ایک بزدل آدمی ہوں اور کمزور بھی ہوں، (پس جہاد کیسے کروں؟) آپ علیہ السلام نے فرمایا:

هلم إلىٰ جهاد لاشوكة فيه ـ الحج۔ (رواہ الطبرانی الکبیر والاوسط ورواتہ ثقات)

تم ایسا جہاد کرو جس میں (دوسرے ہتھیار تو کیا) کانٹا بھی نہیں ہے، یعنی حج کرو۔

امام نسائی کی روایت میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

جهاد الكبير والضعيف والمرأة الحج والعمرة ۔

بوڑھے، کمزور اور عورت کا جہاد حج وعمرہ ہے۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲، ص:۱۷)

پس جب حج وعمرہ جہاد ہے تو اس میں دشواریوں اور پریشانیوں کا ہونا لازم ہے، کوئی سفر حج یا سفر عمرہ مشقت اور الجھن سے خالی ہو، شاید ایسا نہ ملے۔ جتنے لوگوں نے سفر حج کی روداد یں لکھی ہیں، کم وبیش ان میں مشقتوں کا تذکرہ ہے، آج کے دور میں تو وسائل وذرائع اس قدر سہل اور تیز رفتار دستیاب ہیں کہ جس سفر حج میں پہلے سالوں، پھر مہینوں صرف ہوتے تھے، اب آدمی چاہے تو دور دراز سے آکر ہفتوں اور دنوں میں حج کی تکمیل کر کے واپس جا سکتا ہے۔

لیکن اس سہولت کے بعد بھی دشواریاں، پریشانیاں اور ناگواریاں اتنی پیش آتی ہیں کہ ناتجربہ کار آدمی بوکھلا کر رہ جاتا ہے، یہیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حق تعالیٰ نے فسوق اور جدال پر جو بندش لگائی ہے، اس کی جیسے پہلے ضرورت تھی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے، وسائل وذرائع تو ضرور بدل گئے، ان میں وسعت وسہولت پیدا ہوگئی ہے، مگر انسان ابھی وہی ہے اور انسانی طبائع بھی وہی ہیں بلکہ ان میں کچھ گراوٹ ہی آئی ہے، اس لئے جیسے

اور دینی مسائل ومعاملات میں یاددہانی کی ضرورت ہوتی ہے، سفر حج کے سلسلے میں بھی تذکیر اور نصیحت کی ضرورت ہے۔

استحضارِ نیت:

سفر حج وعمرہ کے فضائل مختصراً آپ نے پڑھ لئے ، سفر کے آغاز سے اس کے ختم ہونے تک حاجی صاحب اس بات کو مستحضر رکھیں کہ ان کا یہ سفر محض اللہ کی عبادت کے لئے ہے، اوراس کے واسطے سے یہ سفر خود عبادت ہے، اس راہ میں جو بھی تکلیف ہوگی ، مشکل پڑے گی ، ان سب کی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہوگی ، اور جو کچھ تکلیف ہورہی ہے، اللہ کی راہ میں ہورہی ہے، اور اللہ کے لئے ہورہی ہے، اور مزید یہ خیال رہے کہ اللہ کی جانب سے ہے، تاکہ اجروثواب میں اضافہ ہو، اس تصور سے تکلیف کا جھیل لینا آسان ہوگا۔ بلکہ تکلیف ، تکلیف معلوم ہی نہ ہوگی ، حاجی کو جب نیت مستحضر نہیں ہوتی ، تو وہ پریشان ہوتا ہے، اور گھر جیسی راحت چاہتا ہے، اور نہیں ملتی تو شکایتوں میں مبتلا ہوتا ہے، اچھے خاصے سفر عبادت کو گناہ سے بدل لیتا ہے، مشقت اس شکایت اور غصہ سے تو ختم نہیں ہوگی ، البتہ ثواب ختم ہوجاتا ہے، اور غیبت ، شکایت ، فضول تبصروں اور تنقیدوں کا گناہ سر پڑتا ہے، اور سفر بجائے نفع کے خسارے کا سودا ہوجاتا ہے۔

اس استحضار کے نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ حج میں آنے والے حضرات محض چند دنیاوی رسوم پورا کرنے کو حج کا خلاصہ سمجھتے ہیں۔

حجراسود کا بوسہ:

مثلاً بہت سے حاجیوں کی کوشش ہوتی ہے، کہ خواہ کوئی صورت ہو، حجراسود کا بوسہ لینا ضروری ہے، اس بوسہ کے شوق میں بلکہ جنونِ شوق میں آدمی نہ اپنی پرواہ کرتا ہے، نہ دوسروں کی، اور نہ خود بیت اللہ کی حرمت وعظمت کی! دھکم دھکا کرکے حجراسود کا بوسہ لے لینے کو حج کی فتح عظیم سمجھتا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہوئے سنے گئے ، اگر حجراسود کو بوسہ نہ دے سکے تو وطن کیا منہ لے کر جائیں گے، لوگ کہیں کہ یہ کیا حج کیا؟ بعض ملک کے لوگ شاید حجر

اسود کے بوسے کو حج کا رکن اعظم سمجھتے ہیں، ان کے مرد، ان کی عورتیں، ان کے بچے سب اس کے بوسے کے لئے جان کی بازی لگائے رہتے ہیں، بعض اوقات چیخم دھاڑ کی نوبت آجاتی ہے، یہ خاکسار ایک بار طواف کے ہجوم میں سر جھکائے اپنے کو سمیٹے محو طواف تھا کہ اچانک بڑے زور سے چیخ کی آواز بلند ہوئی۔ بے اختیار نگاہ اوپر اٹھ گئی، تو دیکھا ایک لڑکی لوگوں کے سروں پر اچھلتی اور پھسلتی جارہی ہے، اس کو کسی نے زور سے اچھال دیا تھا۔ میں نے إنا للہ پڑھا اور آگے بڑھ گیا، اللہ جانے اس کا کیا حشر ہوا؟

حالانکہ حجر اسود کا بوسہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے لئے جان جوکھم میں ڈالی جائے، بے تکلف میسر آجائے تو سبحان اللہ! ورنہ دور سے ہاتھوں کی ہتھیلی اس کی طرف متوجہ کر کے اسے چوم لیجئے، یہ استلام بوسے کا بدل ہے، اور یہی رسول اکرم ﷺ کی تعلیم ہے، اپنے کو بے موقع ایذا میں ڈالنا، اور دوسروں کو ایذا دینا دونوں حرام ہے، ہجوم میں حجر اسود کو بوسہ دینے کی کوشش میں دونوں غلطیوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، ایک مستحب کے حصول کے لئے یہ بات خلاف عقل بھی ہے اور خلاف شرع بھی، بالخصوص جبکہ اس کا بدل بھی موجود ہے، اور وہ ہے دور سے ہاتھ اٹھا کر استلام! اس سے بھی وہی اجر حاصل ہوگا جو بوسہ دینے سے حاصل ہوتا ہے، اگر حاجی کو یہ استحضار ہوتا کہ مجھے اللہ کی عبادت کرنی اور اسے راضی کرنا ہے تو وہ ہرگز اس دھکا پیل میں نہ پڑتا، اصل تبرک تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے، ان متبرک اشیاء کی برکت بھی جو ظاہر ہوئی ہے، اور جس کیلئے آدمی بے قرار رہتا ہے، یہ حضور اکرم ﷺ کے بتانے ہی سے ہے۔ لہٰذا سب برکتوں کی اصل آپ کی تعلیم ہے، اپنے نفس کے تقاضوں کو دبا کر، لوگوں کے طعن سے صرف نظر کر کے، کام وہی کرنا چاہئے جس کی تعلیم ہمیں رسول اکرم ﷺ سے ملی ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے عبدالرحمٰن بن حارث سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

یا أبا حفص! إنک رجل قوی، فلاتزاحم علی الرکن فانک

تـوذی الـضـعـيـف ،ولكن إذا وجدت خلوة فاستلمه والا فكبر وامض ۔اے ابوحفص! تم طاقتور آدمی ہو، اس لئے حجر اسود پر بھیڑ نہ لگانا ، کہ کمزور آدمی کو تم سے تکلیف پہونچ جائے ، ہاں جب خالی ملے تو استلام کر لینا ورنہ اللہ اکبر کہنا اور گزر جانا (الافصاح علیٰ مسائل الایضاح ،ص:۲۰۶)

طواف میں بے اعتدالیاں:

عبادت کی نیت کے مستحضر نہ رہنے کی وجہ سے آدمی طواف میں بھی بہت بے اعتدالی کرتا ہے،طواف نام ہے ادب سے سر جھکا کر اللہ کی طرف متوجہ ہوکر خشوع خضوع سے بیت اللہ کے ارد گرد چکر لگانے کا ،عبادت سکون واطمینان کو چاہتی ہے بلکہ حدیث میں طواف کو نماز کہا گیا ہے، البتہ اس میں بات کرنے کی اجازت ہے،اور بات بھی صرف خیر کی۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

الـطـواف حول البيت صلوٰة إلا أنكم تتكلمون فيه ، فمن تكلم فيه فلا يتكلم إلا بخير (الترغيب والترهيب،: ۲،ص: ۹۲)

بیت اللہ کا طواف نماز ہے،مگر یہ کہ تم اس میں بات کر سکتے ہو،تو جو کوئی طواف میں بات کرے،تو بجز خیر کے اور کوئی بات نہ کرے۔

بات کرنے کی اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بات کرنا بہتر ہے، مجبوری میں بات کرلے، ورنہ خاموشی سے، اللہ کی طرف متوجہ رہے،اور اس سے مناجات کرتا رہے۔

طواف میں شوروغل:

طواف میں ایک بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ گروپ بنا کر طواف کرتے ہیں، اور ایک آدمی زور زور سے چلا کر دعائیں پڑھاتا ہے، اور گروپ کے لوگ باآواز بلند انھیں دہراتے ہیں، اس سے دوسرے طواف کرنے والوں کو بیحد خلل ہوتا ہے، پھر جب وہ سب مل کر ساتھ چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو لوگوں کو دھکا بھی خوب مارتے ہیں ، کیونکہ کبھی

گروپ کے آدمی آگے بڑھ جاتے، اور کوئی شخص قدرے پیچھے رہ جائے تو وہ تیزی سے دوڑ کر گروپ میں شامل ہونا چاہتا ہے، اور بے تکلف دھکے مارتا چلا جاتا ہے، ان گروپوں نے تو طواف کی عبادت کو تباہ کر رکھا ہے، اتنا شوروغل کرتے ہیں کہ نہ ان کی عبادت محفوظ رہتی، نہ دوسروں کی۔

طواف کے آداب:

امام نووی علیہ الرحمہ نے طواف کے آداب میں لکھا ہے:

''طواف کے دوران خشوع وخضوع اور حضورِ قلب رہنا چاہئے، اپنے ظاہر وباطن ہر لحاظ سے ادب کی رعایت رکھے، اپنی رفتار، اپنی نگاہ اور اپنی ہیئت ہر ایک کو ادب کا پابند بنائے رکھے، کیونکہ طواف نماز ہے، اس لئے مناسب ہے کہ نماز کے آداب کا خیال رکھے، اور قلب میں اس ذات عالی کا استحضار رکھے، جس کے گھر کا طواف کر رہا ہے۔

اور واجب ہے کہ اپنی نگاہ کو ناجائز محل پر جانے سے محفوظ رکھے، کسی عورت یا امرد لڑکے کو دیکھنے سے پرہیز کرے، کیونکہ خوبصورت امرد پر نظر ڈالنا بہرحال جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی شرعی ضرورت ہو۔ (کتاب الایضاح: ۲۴۳/۲۴۲)

عورتوں کا طواف:

حج اور اس کے تمام اعمال عبادت ہیں، طواف ایک عظیم عبادت ہے لیکن یہ حیثیت جب نگاہ سے اوجھل ہوتی ہے، تو آدمی اسے ایک رسم بنا کر جیسے بھی ہو اسے کرنا کافی سمجھتا ہے۔ طواف مرد کے لئے بھی عبادت ہے، اور عورتوں کے لئے بھی، مگر رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مردوں سے جدا احتیاط سے طواف کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ دورانِ طواف مردوں سے ان کا اختلاط نہ ہو، چنانچہ آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کے پیچھے سے طواف کریں۔ ہمارے زمانے میں بفضلہٖ تعالیٰ لوگ بڑی تعداد میں حج وعمرے کے لئے پہونچتے ہیں، اس لئے مطاف میں مردوں اور عورتوں کی علیٰحدگی کی گنجائش کم ہوتی ہے، لیکن یہ تو بہرحال جائز نہیں ہے، کہ مرد وعورت باہم ٹکراتے رہیں۔

مردوں اورعورتوں کا ایسا اختلاط کہ آپس میں بدنوں کا تصادم ہو، ہر جگہ برا ہے، اور خاص طور سے عبادت کی جگہ تو بہت ہی برا ہے، لیکن عجیب مصیبت ہے کہ حرم پاک سے مقدس عبادت کی جگہ اور کون سی ہوگی؟ مگر عورتوں کا حال یہ ہے کہ برقعہ اور پردہ پھینک کر مردوں کے ہجوم میں گھستی ہیں، اور مرد تو کچھ احتیاط کر لیتے ہیں، عورتیں تو بے محابا دھکا دیتی ہیں، بعض ممالک کی عورتیں تو مردوں کا ناطقہ بند کر دیتی ہیں۔ ہندوستان کی عورتوں میں کچھ کچھ لحاظ نظر آتا ہے، مگر دوسروں کی ریس میں یہ بھی آگے بڑھتی ہیں، ایک بڑی دیدہ دلیری یہ ہوتی ہے کہ جو عورتیں ہندوستان میں بغیر برقعہ اور نقاب کے کبھی نہیں دیکھی جاتیں، وہ حج کے سفر میں پردہ سے بالکل آزاد ہو جاتی ہیں، حالت احرام میں تو یہ مجبوری ہے کہ چہرہ سے کپڑا متصل نہیں ہونا چاہئے، اس کا حل اب سے پہلے لوگوں نے یہ نکالا تھا کہ ایک ہیٹ نما ٹوپی ملا کرتی تھی، اسے سر پر جما کر برقعہ اوڑھ لیتی تھیں، برقعہ کا پردہ چہرے سے دور لٹکتا رہتا تھا۔ پردہ بھی ہوتا تھا، اور کوئی جنایت بھی نہ ہوتی تھی، مگر اب تکلف بے جا سمجھ کر اتنا سا پردہ بھی ہٹا دیا گیا ہے۔ عورتیں بے حجاب مردوں کے درمیان، مردوں کی طرح پھرتی رہتی ہیں، احرام کی حالت میں چہرے کا کھلا رہنا خیر کسی درجہ میں ایک مجبوری ہو سکتی ہے، لیکن جب احرام نہیں ہے، تب کیا مجبوری ہے، کہ چہرہ کھول کر بازار میں، حرم میں، طواف میں دوڑتی پھرتی ہیں، صرف دوڑتی نہیں، چیختی چلاتی رہتی ہیں۔ پہلے زیادہ تر بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں حج کے لئے جایا کرتی تھیں، اور عورتوں کی تعداد سفر کی مشقتوں اور مال کی اور وسائل کی فراوانی نہ ہونے کی وجہ سے کم ہوتی تھی، اب سفر حج میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، مال اور وسائل کی فراوانی بھی بہت ہے، اس لئے ہر مرد کے ساتھ ایک بلکہ کئی کئی عورتیں ہوتی ہیں، اگر کوئی مرد اکیلا ہوتا ہے، تو لوگ تعجب سے پوچھتے ہیں کہ آپ اکیلے ہیں؟ کیا آپ کی بیوی کا حق نہیں تھا؟ حتیٰ کہ یہ نوبت آگئی ہے کہ مرد پر حج فرض ہو چکا ہے، اور عورت کو لے جانے کا انتظام نہیں ہے، تو اس وقت تک حج کے لئے نہیں جائیں گے جب تک عورت کا انتظام نہ ہو جائے، ایک عورت جس پر حج فرض نہیں ہے، اس کا حج کرانے کے لئے کتنے

لوگ گنہگار ہوتے ہیں، نوجوان عورتوں کی بہتات میں فساد قلب ونظر سے بچنا کتنا مشکل ہے، محتاج بیان نہیں، مگر وہی بات ہے کہ عبادت کے خیال پر دوسری دنیاداری کی باتوں کا خیال غالب آگیا ہے، اس لئے جو کچھ کیا جارہا ہے اس پر عبادت اور رضائے الٰہی کے آثار کم اور دنیاداری کے آثار زیادہ نظر آتے ہیں، طواف کعبہ سے لے کر منیٰ، عرفات اور مزدلفہ تک عورتوں کے ہجوم اور ان کی ناروا نقل وحرکت کی وجہ سے عبادت کا ماحول، میلہ اور تماشہ کا ماحول بن جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور الفتن۔

اگر مرد اس پر کچھ قابو رکھیں، احرام کے علاوہ دوسرے اوقات میں عورتوں کو پردہ میں رکھیں، انھیں پابند کریں کہ وہ عبادت کے لئے آئی ہیں، عبادت کے آداب اختیار کریں تو معاملہ کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، مسجد حرام میں اور مسجد نبوی میں عورتوں کی نماز کے لئے الگ الگ جگہیں متعین ہیں، مسجد نبوی میں تو خیر مردوں کے درمیان عورتوں کے آنے کی گنجائش نہیں ہوتی، مگر مسجد حرام میں طواف کے واسطے سے مردوں کے درمیان عورتیں خوب آتی ہیں، اور نماز باجماعت میں بھی مردوں کے درمیان بے تکلف گھسی رہتی ہیں، حالانکہ جماعت کی نماز میں مردوں کے برابر کھڑے ہونے سے دائیں، بائیں اور ٹھیک پیچھے کے مرد کی نماز برباد ہوجاتی ہے، مگر کسے پرواہ ہے، کتنے لوگ ہیں، جو اپنے پہلو میں عورتوں کو کھڑا کرلیتے ہیں، یہ جہالت بھی ہے، عبادت کی بے وقعتی بھی ہے، مسئلہ کی اہمیت سے بے پروائی بھی ہے، کاش مرد اس پر دھیان دیتے، اور کاش حرم کی تقریروں اور مواعظ میں اس مسئلہ کو بیان کیا جاتا۔ ائمہ حرم جہاں یہ کہتے ہیں سووا صفوفکم واعتدلوا (صفیں سیدھی کرلیں اور برابر کھڑے ہوں) اس طرح وہ یہ بھی کہہ دیا کریں کہ عورتیں پیچھے کھڑی ہوں، مردوں کی صف میں نہ کھڑی ہوں، مگر اس مسئلہ پر بالکل سناٹا ہے۔

حرم محترم ہو یا مسجد نبوی! یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں کی نماز مسجد کے مقابلے میں گھر کے اندر افضل ہے، فرائض تو وہ گھر کے اندر ادا کرلیا کریں، ہاں دن یا رات کے کسی حصے میں مسجد میں جائیں، نوافل پڑھیں، تلاوت کریں، ذکر الٰہی میں مشغول رہیں، اور مردوں

سے الگ رہیں۔

طواف کا معاملہ یہ ہے کہ عمرہ کا طواف فرض ہے، اور حج میں طواف زیارت فرض ہے، آخر میں طواف وداع واجب ہے، یہ طواف تو بہرصورت کرنے ہیں، ان کے علاوہ ہر طواف نفل ہے، نفل کے لئے وقت، گنجائش، ناروا اختلاط سے اجتناب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ عورتیں نفلی طواف بہت زیادہ نہ کریں، جس وقت ہجوم قدرے کم ہو، تو پردے کی رعایت کے ساتھ آہستہ آہستہ حتی الامکان مردوں سے بچ بچ کر طواف کریں، مگر چہرے پر نقاب ضرور ہو، بارہا دیکھا گیا ہے کہ بعض سعودی عورتیں سر سے پاؤں تک برقعے میں ملبوس، پاؤں میں موزے، ہاتھ میں دستانے سمیت طواف کر رہی ہیں، نہ وہ خود دھکا دے رہی ہیں، نہ مردوں سے ٹکرا رہی ہیں، اور نہ انھیں ٹکر لگ رہی ہے، اس اہتمام سے طواف ہوگا، تو یہ عبادت کی شان ہے؟

یہ بات اوروں تک شاید نہ پہونچے، لیکن اپنے ہندوستانی حاجیوں سے ضرور کہتا ہوں کہ وہ ان آداب کا خیال رکھیں، اور عورتوں کو بھی پابند بنائیں، آدمی سفر کی اتنی مشقت جھیلے اور عبادت کے لئے جھیلے، اور ایسی عبادت کے لئے، جو اگر قابل قبول ہو جائے تو آدمی ایسا ہو جائے جیسے ابھی ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے، اور اس کے باوجود، اس سے فائدہ نہ اٹھائے اور عبادات میں دنیاداری کو شامل کر دے تو بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔

منیٰ، عرفات، مزدلفہ:

حج کے مہینے تو شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے تیرہ روز ہیں، مگر حج کی ادائیگی کے اصل دن پانچ ہیں، اور حج کے ادا کرنے کے مقامات چار ہیں۔ مکہ مکرمہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ۔ ۸/ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہوتے ہیں، منیٰ میں ظہر سے فجر تک قیام ہوتا ہے، پھر صبح کو عرفات جاتے ہیں، وقوف عرفات ہی اصل حج ہے، اس کا وقت زوال شمس کے بعد ہے، غروب آفتاب کے بعد وہاں سے نکل کر مزدلفہ آتے ہیں، مزدلفہ میں رات گزار کر طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک وقوف مزدلفہ ہوتا ہے، پھر وہاں سے سویرے چل کر

منیٰ آتے ہیں، یہاں ایک جمرہ کی رمی ہے، پھر قربانی ہے، پھر سر منڈانا ہے، اس کے بعد طواف زیارت۔ ایک جمرہ کی رمی تو آج ہی متعین ہے، قربانی، سر منڈوانے اور طوافِ زیارت میں ۱۲ر ذی الحجہ تک گنجائش ہے، ۱۱ر اور ۱۲ر کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی ہے، بس ۱۲ر کی شام تک حج کے تمام اعمال پورے ہوئے، کوئی مزید ثواب حاصل کرنا چاہے، تو ۱۳ر کو بھی زوال کے بعد رمی کرلے۔

یہ پانچ دن تو حج کے لئے لازم ہیں، چھٹا دن اختیاری ہے۔ آپ غور کریں، اگر یہ پانچ دن آدمی اس طرح گزاردے کہ ظاہر اور باطن سے محض اللہ کی طرف متوجہ ہو، اور حوائج ضروریہ کے علاوہ تمام اوقات کو ذکر وعبادت میں لگادے تو کیا مشکل ہے؟ مگر ہوتا یہ ہے کہ لوگ فضول باتوں میں، گھومنے پھرنے میں، ارباب انتظام کی شکایتوں میں، کھانے پینے کی دقتوں کے بیان میں بہت سا وقت کھودیتے ہیں، منیٰ میں ۸ر کو حج کا کوئی مستقل عمل نہیں ہے، اس کو یونہی لایعنی مشغلوں میں کاٹ دیتے ہیں، منیٰ سے عرفات جانا، اتنی بڑی تعداد کا وہاں منتقل ہونا، ایک بڑا کام ہے، مگر بہرحال سارا مجمع وہاں پہونچ جاتا ہے۔ وہاں یہ تماشہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ ناواقفیت یا لاپروائی سے عرفات کے حدود کے باہر ہی پڑ جاتے ہیں، پھر اللہ جانے وہ حدود عرفات میں کب داخل ہوتے ہیں؟ اور داخل بھی ہوتے یا وہیں رہ جاتے ہیں، اور جو لوگ معلموں کے خیموں میں ہوتے ہیں، وہ تو عرفات ہی میں ہیں، لیکن وہ جو وقوف کا وقت ہے، اور وہی اصل حج ہے، اور وہی کائنات کا سب سے بیش قیمت وقت ہے، اتفاق کہئے یا انتظام کی خامی کہئے دوپہر کو عرفات میں کھانا تقسیم ہوتا ہے، اور حاجیوں کا اچھا خاصا وقت اس میں کھپ جاتا ہے، پھر آدمی پیٹ بھر کر کھالیتا ہے تو نیند ستانے لگتی ہے۔ میں اپنے ساتھیوں سے عرض کرتا ہوں کہ صبح کو کچھ کھاپی لیں، دوپہر کا کھانا حذف کرکے دلجمعی سے ذکر وتلاوت اور دعا میں لگیں، بعض خیموں میں کچھ لوگوں کو تقریر کا جوش اٹھتا ہے، لاؤڈ اسپیکر لگا کر بعض اوقات لمبی لمبی تقریریں ہونے لگتی ہیں، حالانکہ اگر تذکیر مقصود ہے تو مختصر بات کے بعد سب کو کام پر لگادینا چاہئے، اتنے سے وقت میں بھی کچھ لوگ سولیتے ہیں، ادھر ادھر ٹہل

لیتے ہیں، حالانکہ کرنے کے کام اور بھی ہیں۔

مغرب کے بعد جو مزدلفہ کو واپسی ہوتی ہے، تو پیدل چلنے والوں کی ایک خاصی تعداد مزدلفہ کے باہر ہی پڑاؤ ڈال دیتی ہے، اور سڑک کو اس طرح جام کر دیتے ہیں کہ ان کے بعد والوں کیلئے مزدلفہ میں داخل ہونا ممکن نہیں رہتا، اگر حکومت اس کا انتظام کرنا چاہے تو اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

وقوف مزدلفہ کا وقت صبح صادق سے ہوتا ہے، مگر دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ صبح صادق سے پہلے ہی فجر کی نماز ادا کر کے اپنی دانست میں وقوف مزدلفہ کر کے منیٰ کو روانہ ہو جاتے ہیں، عبادت کے سلسلے میں اتنی لاپرواہی کہ مسئلہ نہ پوچھتے ہیں اور نہ بتانے پر توجہ دیتے ہیں۔ یہ عام اکثریت کا حال نہیں ہے، لیکن پھر بھی اتنے لوگ صبح صادق سے پہلے فجر کی نماز ادا کرتے ہوئے، اور جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کہ حیرت بھی ہوتی ہے، اور افسوس بھی!

منیٰ پہونچنے کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہوتی ہے، اب تو رمی کا معاملہ بہت سہل ہو گیا ہے، حکومت نے اس موضوع پر خاص توجہ کی ہے، اور جگہ میں بہت وسعت کر دی ہے، مگر ناواقفی کا یہ عالم ہے کہ ہم لوگ جمرۂ عقبہ کی رمی کر کے واپس لوٹ رہے تھے، تو ایک حاجی اور ان کی جنن صاحبہ بڑے اطمینان سے پہلے جمرہ کی رمی کر رہے تھے، بہت خوش ہوئے ہوں گے کہ جمرہ بالکل خالی ہے ہم نے بہت آسانی سے رمی کر لی۔

اس کے بعد قربانی کا مرحلہ ہے، اب لوگوں کو احرام سے آزاد ہونے کی جلدی ہوتی ہے، بقول حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری علیہ الرحمہ داڑھی منڈانے کی جلدی ہوتی ہے، کتنے مناسک حج میں ترتیب کا لحاظ کئے بغیر احرام اتار دیتے ہیں، احرام اتارنے کے لئے افضل عمل سر منڈوانا ہے، بال بڑے ہوں تو کترو ادینے سے بھی احرام اتر جاتا ہے، عموماً لوگ سر منڈواتے ہیں، مگر بعض ایسے بھی ہوتے ہیں، کہ بال چھوٹے ہونے کے بعد بھی منڈوانے کے بجائے کتروانے پر اکتفا کرتے ہیں، اس سے احرام سے

وہ آزاد نہیں ہوتے ، مگر لاپرواہی کرتے ہیں ، حالانکہ بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ جس کے لئے سفر کی اتنی مشقت برداشت کی ہے، اتنا مال خرچ کیا ہے، اس کے لئے وہی کام کریں، جو اسے پسند ہے، آج کے روز سر منڈوادینا ہی اللہ کو پسند ہے، رسول اللہ ﷺ دعا کررہے تھے **رحم اللہ المحلقین** ، اللہ سر منڈوانے والوں پر رحمت نازل فرمائیں، کسی نے کہا **والمقصرین** ، اور بال کتروانے والے پر بھی، آپ نے اسے نہیں کہا، بلکہ **رحم اللہ المحلقین** ، اسی طرح تین مرتبہ ہوا۔ تیسری مرتبہ میں آپ نے فرمایا **والمقصرین**، اور بال کتروانے والے پر بھی رحمت ہو۔ تو جب ان کو یہی پسند ہے، تو اس میں کیوں کوتاہی کی جائے ، اور داڑھی منڈانا تو مطلقاً منع ہے، اسے تو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہئے ، مگر کتنے ہیں جو سر منڈوائیں یا نہ منڈوائیں ، داڑھی صاف کردیتے ہیں ، یہ ہے عبادت کو الٹ دینا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائیں۔

منیٰ میں ۱۱ر اور ۱۲ر ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے، اور زوال شمس کے بعد اس کا وقت ہے، معلمین نے اپنی بلڈنگوں میں اعلان لگا رکھا ہے کہ ان دنوں میں چوبیس گھنٹے میں کسی وقت بھی کنکری مار سکتے ہیں، حالانکہ یہ مسئلہ کسی حدیث وفقہ سے ثابت نہیں ہے، اس سے سہولت پسندوں کو موقع مل گیا ، وہ زوال سے پہلے ہی جاکر کنکری مار آتے ہیں ، جبکہ وہ بالکل معتبر نہیں، عبادات میں احتیاط چاہئے۔

واپسی:

آخری رمی کے بعد حج کے تمام ارکان ومناسک مکمل ہوگئے ، اب حجاج مکہ مکرمہ واپس آجاتے ہیں ، باہر کے حجاج طواف وداع کرکے کچھ وطن لوٹتے ہیں اور کچھ مدینہ منورہ بھیجے جاتے ہیں ، واپسی میں حجاج کے ساتھ ایک چیز ایسی لازمی ہوگئی ہے کہ اس کے بغیر حاجی کا گویا تصور ہی نہیں ہوتا ، وہ ہے سامانوں کی خریداری ! مکہ مکرمہ ، مدینہ منورہ اور جدہ میں تمام دنیا کی مصنوعات وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں ، حجاج بالخصوص عورتوں کی آنکھ خیرہ ہوجاتی ہے، ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت چیزیں ، چمک دمک والی ! جب تک جیب اجازت

دیتی ہے، لوگ خریداری کرتے رہتے ہیں، بعض لوگ مقروض بھی ہو جاتے ہیں، ہوائی جہاز میں ایک محدود وزن کی اجازت ہوتی ہے، اس سے زیادہ پر اچھا خاصا محصول لگتا ہے، جب یہ سامان حاجی باندھ لیتا ہے، تو اس کی سانس پھولنے لگتی ہے، کیونکہ مقررہ وزن سے سامان بڑھ گیا ہے، اب رقم ختم ہوگئی ہے، محصول کیسے ادا ہوگا، اور اگر رقم ہوتی تو فلاں فلاں چیز رہ گئی ہے، اسے نہ خرید لیتے، اب پریشان ہیں، دعا کرتے ہیں، دعا کراتے ہیں۔ بار بار اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ایک بار مدینہ طیبہ سے واپسی تھی، حجاج الگ بس پر بیٹھے، سامان دوسری گاڑی پر لاد دیا گیا، سب کے سامان زیادہ تھے، ایرپورٹ پر بس رکی، اب حجاج کی سانس اٹک رہی ہے، خدا کرے سامان تولا ہی نہ جائے، ہاں ایسا ہی ہوتا ہے، سعودی فلائٹ والے اللہ کریم کہہ کر سب لے لیتے ہیں، لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تولنے لگ جائیں، ان کا موڈ ہے، پھر بغیر محصول کے ہرگز نہ جانے دیں گے، حاجیوں میں یہی کھچڑی پک رہی ہے، ایک دوسرے سے دعا کرا رہے ہیں، دیر کے بعد دیکھا گیا کہ سامان وزن کی جگہ سے آگے بڑھ رہا ہے، اب تول نہ ہوگی، حاجیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور ایک دوسرے کو اس طرح مبارکباد دینے لگے جیسے اسی وقت حج ہوا ہو۔

اس سال ایک حاجی صاحب کو دیکھا کہ ہونٹ خشک ہیں، چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں، ادھر سے ادھر بھاگ رہے ہیں، کسی کو پہچان نہیں رہے ہیں، بات کیا ہے؟ سامان زیادہ ہے اور تولنے والا قبول نہیں کر رہا ہے، بہت خوشامد کے بعد اس نے قبول کر لیا، تب اطمینان ہوا۔

جو سامان یہ لوگ خریدتے ہیں، وہ اپنے ملک میں بھی ملتا ہے، مکہ مکرمہ کا ایک تحفہ ہے، آب زمزم، اور مدینہ شریف کا ایک تحفہ ہے، کھجوریں۔ ان کے علاوہ بکثرت فضولیات ہوتے ہیں، ان فضولیات میں لوگ ازحد پریشان ہوتے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ سامانوں کی خریداری غلط ہے، لیکن فلائٹ کا اصول اور اپنی اوقات تو دیکھنی چاہئے، پھر سفر حج سے ایک

عبادت اور تقدس کا جو تاثر ہوتا ہے، سامانوں کی کثرت سے وہ تاثر مجروح ہوجاتا ہے۔

حج کے اخراجات:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان سے عمرہ کے متعلق نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''إن لک من الاجر علیٰ قدر نصبک و نفقتک۔

تمہیں تمہاری تکان اور اخراجات کے بقدر اجر ملے گا

(رواہ الحاکم وقال صحیح علیٰ شرطھا)

یعنی حج وعمرہ میں ظاہر ہے کہ بدن کو تکان بہت ہوتی ہے، بسا اوقات آدمی کا جسم چور چور ہوجاتا ہے، اسی طرح اس میں مالی اخراجات بھی بہت ہوتے ہیں، ان دونوں چیزوں سے آدمی گھبراتا ہے، آپ نے اس گھبراہٹ کو خوشی سے بدل دیا کہ جس قدر تکان ہوگی اور جتنا مال خرچ ہوگا، عبادت کا ثواب بڑھتا جائے گا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

النفقة فی الحج کالنفقة فی سبیل الله الدرهم بسبعمائةٍ، رواہ الطبرانی فی الاوسط۔ (الترغیب والترھیب، ج:۲، ص:۸۰) حج میں اخراجات کا ثواب، فی سبیل اللہ جہاد میں اخراجات کے برابر ہے، یعنی ایک درہم کا سات سو درہم۔

بعض اوقات حجاج کو خرچ کی زیادتی کی شکایت ہوتی ہے، یا حج کے دوران منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور مکہ مکرمہ کی آمد و رفت میں چونکہ ازدحام بہت ہوتا ہے، ازدحام کی وجہ سے سڑکوں پر گاڑیاں دوڑتی اور چلتی نہیں، بلکہ رینگتی ہیں، کبھی کبھی دس منٹ کا راستہ طے کرنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں، بارہا ایسا ہوا کہ عرفات سے مزدلفہ آنے میں پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے لگ جاتے ہیں، اس بھیڑ میں معلم کی گاڑیاں بھی جہاں پھنس گئیں، پھنسی رہتی ہیں، سڑکیں بہت ہیں، کشادہ بھی بہت ہیں، مگر ہجوم اتنا زیادہ ہوتا ہے، اور محدود وقت میں سب کو ان چار جگہوں میں آنا جانا رہتا ہے، اس لئے جو صورتحال پیش آتی ہے وہ ناگزیر ہے، اس میں ظاہر

ہے کہ گاڑیوں کا کرایہ بھی بہت بڑھ جاتا ہے، حجاج چیں بجبیں ہوتے ہیں، بعض کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ لوگ حاجیوں کو لوٹتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، ان کو بھی مجبوریاں ہوتی ہیں، پھر آپ جو کچھ خرچ کردیں گے، اسی حساب سے ثواب بڑھ جائے گا، تو ناروا گھبراہٹ ظاہر کر کے، بیجا تبصرہ کر کے اپنا ثواب کیوں کھوتے ہیں۔

بعض بزرگوں نے اپنے متوسلین کو ہدایت کر رکھی ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں مول بھاؤ نہ کریں، ہمارے ذمے حق ہے کہ ہم اللہ ورسول کے ان پڑوسیوں کی مدد کریں، انھیں اگر ہم صدقہ نہیں دے سکتے، تو خرید وفروخت اور گاڑیوں کے کرائے میں تو وسعت سے کام لیں، ان کی مدد ہوگی اور ہمیں ثواب حاصل ہوگا۔

کبھی کبھی معلمین اور حج کمیٹی پر گرجتے برستے لوگ کہہ جاتے ہیں کہ اتنا اتنا پیسہ دیا ہے، یہ مناسب نہیں ہے، آپ نے پیسہ دیا ہے، آپ پر واجب تھا کہ دیتے، ان چند پیسوں میں دنیا وآخرت کی کتنی بڑی دولت حاصل ہوگئی، کہ آپ اللہ رب العزت کے دربارِ خاص میں پہونچ گئے، اگر تکلیف ہو رہی ہے، تو اس پر بھی اجر بڑھ رہا ہے، تو آپ کا تو نفع ہی نفع ہے، پھر ان طعنوں اور کوسنوں سے آپ نے کون سا ثواب کمایا؟

کبھی کبھی نیچے درجے کے بعض خدمت گار، مثلاً بوجھ ڈھونے والے مزدور، جو واقعی بہت محنت کرتے ہیں، حاجیوں کے بڑے بڑے وزنی سامان ادھر سے ادھر منتقل کرتے ہیں، کبھی وہ کچھ عطیے کے منتظر ہوتے ہیں، وہ مزدوری نہیں مانگتے، کیونکہ انھیں اجرت تو ان کے ذمہ داروں کی طرف سے ملتی ہے، حاجیوں کو راحت پہونچائی ہے تو بطور خوشی کے کچھ انعام، عطیہ، بخشش چاہتے ہیں، بعض لوگ انھیں سختی سے جھڑک دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ انھیں ہلکے سے ہلکا بھی انعام دیدیتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوجاتے ہیں، اور کام میں مزید چستی پیدا ہوتی ہے، اور حاجی نے کچھ خوش ہوکر دے دیا، تو اسے ثوب ہوتا ہے، آپ پڑھ چکے ہیں کہ حج مبرور ہونے کا ایک سبب کھانا کھلانا بھی ہے، حج میں اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ رفقاء ہوں یا خدام انھیں کھانا کھلاتے رہیں، خواہ کھانا دے کر، خواہ رقم دے کر، اس سے

حج مبرور ہوتا ہے، اور یہ بھی کہ حج وعمرہ میں جو اخراجات ہوتے ہیں وہ آدمی کی تنگدستی کو دور کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حج وعمرہ تنگدستی اور گناہوں کو اس طرح ختم کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔ (ترمذی شریف، حدیث: ۸۱۰)

صبر وتحمل اور میانہ روی:

حاجی اگر سفر شروع کرنے سے پہلے بطور خاص تین باتوں کا اہتمام کرلے، تو سفر کی مشقت آسان ہو جائے گی، اور ایک صاف ستھرا سفر ہوگا۔

اول یہ کہ اس سفر کا عبادت ہونا، اور عبادت کا ذریعہ ہونا خوب اچھی طرح مستحضر کرلے، اور ہر ہر جگہ اس استحضار کی تجدید کرتا رہے، اور ابتداء ہی سے دل میں یہ بات بٹھالے کہ جتنی بھی ناگواریاں، دشواریاں، اور تکلیفیں پیش آئیں گی، وہ سب گناہوں کو مٹاتی اور ثواب کو بڑھاتی رہیں گی، بھوک ہو، پیاس ہو، پروگرام کی بے ترتیبی ہو، تقدیم وتاخیر ہو، بدن کی تکان ہو، بے خوابی کا خمار ہو، کسی نے ناگوار بات کہہ دی ہو، غرض جو بات بھی ہو، وہ محض تکلیف نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں معاف کریں گے، آخرت کا درجہ بلند کریں گے، یہ سب ناگواریاں عبادت میں شامل ہوں گی، یہ عبادت اختیاری نہیں غیر اختیاری ہوگی، اور اس کا درجہ بہت بلند ہوگا۔

دوسرے یہ کہ گھر سے نکلنے کے وقت غصہ اور بے صبری کو اپنے پاس سے رخصت کردے، غصہ اور بے صبری ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ ایک چلا جائے گا تو دوسرا بھی رخصت ہو جائے گا۔ طے کرلے کہ خواہ کتنی ہی خلاف طبیعت اور خلاف مزاج بات ہوگی غصہ نہیں کرنا ہے، سفر ہے اور وہ بھی بہت ہجوم کا، اس میں اپنے مزاج کے خلاف ہونا ناگزیر ہے، بس غصہ کی آگ سے اپنے آپ کو بچائیے، جدال، جس کی حق تعالیٰ نے نفی فرمائی ہے، اس کی بنیاد بھی غصہ ہی ہے، اس کو حاجی اپنے سے جدا ہی رکھے، یہ نہ ہوگا تو صبر خود بخود ہوگا، صبر کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں جو کام کرنا ہے، اس میں لگے رہیں گے، ناگواریوں کے ساتھ الجھنا

پھر حکایت وشکایت کا دفتر کھولنا، کسی کو برا بھلا کہنا، یہ سب بے صبری ہے، چند دن کا سفر ہے، چند دن کی تکلیف سہہ لینا کیا مشکل ہے، لوگ اپنی بلڈنگ کی، اپنے معلم کی، حج کمیٹی کی، حج خدام کی بہت شکایتیں کرتے پھرتے ہیں، یہ بے صبری ہے، جو اللہ کو پسند نہیں ہے، یہ نہیں دیکھتے کہ کیسی مقدس جگہ اللہ نے پہونچا دیا ہے، بہت بڑے احسان کا تصور ہوتا ہے، تو چھوٹی چھوٹی ناگواریاں فنا ہوجاتی ہیں۔

صبر وتحمل یہ دو بنیادی اوصاف ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ کی مدد بھی ان پر آتی ہے، اور مشکلیں بھی آسان ہوجاتی ہیں، قرآن پاک اور حدیث میں صبر کے بہت فضائل ومحامد بیان کئے گئے ہیں: **إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔** (الزمر: ۱۰) صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ اور غصہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: **وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ**، (سورہ آل عمران) اہل تقویٰ کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ غصہ کو ضبط کرتے ہیں۔

تیسری چیز جسے حاجی کو اہتمام کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ جلد بازی کسی مرحلہ میں نہ کرے، عبادت میں جلد بازی کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، نماز شروع ہوچکی ہو، تو دوڑ کر اس میں شامل ہونے سے منع فرمایا ہے، حج کے سفر میں بطور خاص اس کا اہتمام چاہئے کہ جلد بازی نہ ہو، یہ طریقہ اللہ کو پسند نہیں ہے، اس کے برخلاف اطمینان ووقار حق تعالیٰ کو پسند ہے۔

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **إذا اقيمت الصلوٰة فلا تاتوها وانتم تسعون واتوها وانتم تمشون وعليكم السكينة فماأدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا۔**

جب نماز کی جماعت کھڑی ہوچکی، تو تم دوڑ کر اس میں مت شامل ہو، بلکہ سکون کے ساتھ چل کر شامل ہو، پھر جو مل جائے پڑھ لو، اور جو فوت ہوجائے اس کو بعد میں پورا کرلو۔

حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات سے کوچ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے پیچھے

سے ایک زوردار آواز سنی، کوئی صاحب اونٹ کو للکار کر تیز چلانا چاہ رہے تھے، اور اونٹ بلبلا رہا تھا، آپ نے اپنے کوڑے سے اشارہ کیا اور فرمایا:

أیھا الناس علیکم بالسکینة فان البر لیس بالایضاع ۔(بخاری عن ابن عباس) اے لوگو! اطمینان اختیار کرو، دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔

اگر ان تینوں باتوں کا اہتمام کیا گیا، تو سفر کی شکایتیں معدوم ہو جائیں گی۔ اس کے ساتھ چوتھی اہم چیز ہر ہر مرحلہ کی دعائیں ہیں۔ جہاں کہیں دشواری محسوس ہو حق تعالیٰ کے حضور خلوص دل سے دعائیں کی جائیں۔ مذکورہ بالا امور حق وعبادت ہیں اور اللہ کو پسند ہیں، ان پر کاربند ہوتے ہوئے جب دعا کی جائے گی، تو ان شاء اللہ دم نقد قبول ہوگی۔

واللہ والموفق وھو المعین والمجیب

(جنوری ۲۰۰۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احتجاج ومظاہرہ کی سیاست

چندنوجوانوں نے نہایت شدید جذباتی نعروں کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بھیڑ اکٹھا کرلی تھی ، اوراسے تحریک بنا کر ’’علماء کونسل‘‘ کا نام دیا، اوراسے پارلمنٹری سیاست میں اتار کر الیکشن میں حصہ لیا۔ اس سے مسلمانوں کو شدید نقصان پہونچا، اس کا احتساب کیا گیا۔ یہ اور یہ اس کے بعد والا اداریہ اسی پس منظر میں لکھے گئے۔

علمائے دین فرماتے ہیں اور سچ فرماتے ہیں، کہ مذہب اسلام یعنی قرآن سنت کی تعلیمات، انسانی زندگی کے تمام اطراف وجوانب کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، قدیم وجدید کوئی صورت حال ایسی نہیں ہے، جس میں شریعت اسلامی کی کوئی رہنمائی موجود نہ ہو، قرآن وسنت میں اس کے متعلق کوئی ہدایت نہ ہو، رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں اس کی صراحت یا اشارہ نہ ہو، یہ بات بالکل سچ ہے، سو فیصد درست ہے، جب بھی کوئی صورت حال پیدا ہوگی، خواہ وہ کتنی ہی نئی ہو، تلاش کرنے والوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی حیثیت ونوعیت مل جائے گی، نہ صرف اس کی نوعیت اوراس کا حکم، بلکہ یہ ہدایت بھی ملے گی کہ اس صورت میں اسلام کس عمل اور کس طریقۂ کار کو چاہتا ہے؟

علمی اور نظریاتی اعتبار سے یہ بات جتنی مسلم اور بالاجماع ہے، جب عمل کا موقع آتا ہے، تو اتنا ہی اس نظریہ سے اعراض ہوتا ہے، بلکہ یوں لگتا ہے جیسے عملاً اس نظریہ کی تکذیب ہورہی ہو۔

انسانی زندگی کا ایک شعبہ عبادات کا ہے، اس حصۂ زندگی میں تو سنت وشریعت کا

خیال ہوتا ہے، اس سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے، لیکن اس شعبہ کے علاوہ دوسرے شعبوں کا حال یہ ہے کہ ان میں دنیاوی اغراض ومقاصد اور نفسانی خواہشات وجذبات کا چونکہ براہ راست شمول ہوتا ہے، اس لئے شریعت سے یا تو کچھ پوچھا ہی نہیں جاتا کہ، کہیں اس کی رہنمائی ہمارے اغراض ومقاصد کے خلاف نہ ہوجائے، یا اگر کچھ پوچھنا ہی پڑتا ہے تو اس احتیاط وتحفظ کے ساتھ کہ اس کا جواب اپنے مزاج اور نفس وطبیعت کے خلاف نہ ہو، اخلاقیات ومالیات کا شعبہ بطور خاص اس سے متاثر ہے، اسی کے قدم بقدم معاشرات کا شعبہ ہے، لیکن اس معاملہ میں سب سے زیادہ جو شعبہ نظر انداز ہوا ہے، ایسا جیسے اسلام اور شریعت سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو، وہ سیاسیات کا شعبہ ہے، خواہ وہ مسلمانوں کی حکومت وسیاست ہو، یا غیر مسلموں کے درمیان، ان کی حکومت میں مسلمانوں کے سیاسی مسائل ہوں، یا تو پوچھا ہی نہیں جاتا کہ جو سیاسی اور ملکی مسائل درپیش ہیں، ان میں شریعت اور سنت کی تعلیم کیا ہے؟ یا طرز وانداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کا تعلق عبادات اور نکاح وطلاق وغیرہ سے ہو تو ہو، سیاست میں مذہب خاموش ہے، جو سیاست رائج الوقت ہو، پس اسی کے تانے بانے میں الجھے رہو، یہاں شریعت کہاں؟ اور سنت کیا چیز ہے؟

اخلاقیات کا حال یہ ہے کہ عملاً اسے دنیوی اغراض سے جوڑ دیا گیا ہے، خواہ ان اغراض کا تعلق مال سے ہو، یا عزت وجاہ سے، یا خاندان وقبیلہ سے، یا پارٹی اور گروہ بندی سے، اخلاق کا شعبہ کسی نہ کسی غرض سے وابستہ ہے، اس لئے اخلاقی اقدار کے اصول یکساں نہیں ہیں، ایک چیز جو میری غرض کے خلاف ہے وہ خواہ معاشرہ اور ماحول کے لئے جتنی بھی بہتر ہو، ناپسند اور غلط ہے، اور میری پسند کی جو چیز ہے خواہ وہ دوسروں کے لئے کتنی ہی مضر ہو، وہ بہرحال بہتر ہے، جب اخلاقیات کی بنیاد یہ چیزیں قرار پاجائیں گی، تو ان کے بروئے کار لانے کیلئے سنت وشریعت کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن شریعت کا دبدبہ بہرحال قلوب پر ہے، تو اصحاب غرض کھینچ تان کر اغراضی اخلاق پر سنت وشریعت کا رنگ چڑھانے کی کوشش

کرتے ہیں، مثلاً دو شخصوں میں اختلاف ہے بلکہ عداوت ہے، اور محض نفسانی اغراض کی بنیاد پر ہے، مگر وہ دونوں چاہتے ہیں کہ اس عداوت وعناد کو پبلک کے سامنے خوبصورت اور ضروری بنا کر پیش کریں، تو اس کی کوئی شرعی، دینی اور اصولی بنیاد اختراع کرتے ہیں، اور دین ومذہب کی راہ سے اپنے گرد مجمع اکٹھا کرتے ہیں۔

مالیات کا حال یہ ہے کہ عموماً آدمی مسلمان ہو یا غیر مسلم!......اور غیر مسلم یہاں زیر بحث نہیں ہے...... مال ودولت کی جوع البقر میں مبتلا ہے، مال ہی مقصود بنا ہوا ہے، آدمی کی نقل وحرکت مال ہی کے محور پر ہوتی ہے، مال ہی آدمی کے ناپنے کا پیمانہ ہے، نہ دین نہ عقل، نہ خدمت نہ انسانیت! مالدار ہے تو وہ عقل مند ہے، خادم قوم وملت ہے، بڑا صاحب اخلاق ومروت ہے، اور اگر چند مذہبی رسوم کو بھی کبھی بجالاتا ہے، تو بڑا مذہبی بھی ہے، اور اگر مالدار نہیں ہے تو سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں ہے، بیوقوف ہے احمق ہے۔

جب مال کی یہ حیثیت قرار پاگئی، تو اس کی آمد ہو، یا اس کا خرچ، سب کچھ اسی جوع البقر (بے تحاشا حرص مال) کے تحت ہوگا، کیونکر شریعت سے کچھ پوچھنے جائیں، وہ تو حرص وہوس سے بالاتر ہو کر محض اللہ کی رضا کے تحت نفی واثبات کرے گی، پھر تو سینۂ آزرو پر بھاری پتھر رکھنا پڑے گا جو کب گوارا ہوگا؟ پس شریعت کی چھٹی کردی، اور جس راستے سے چاہا کمایا، اور جس راستے میں چاہا، بہایا، اس سے اپنی کوئی غرض نفسانی پوری ہونی چاہئے، ہاں جب مال میں کوئی بحرانی افتاد پڑتی ہے، اور نقصان کی کوئی تلافی دکھائی نہیں دیتی تو اس وقت اللہ والے یاد آتے ہیں، اللہ کی شریعت پھر بھی نہیں یاد آتی، صرف اللہ والے یاد آتے ہیں، کہ ان سے دعائیں کرائیں، ان سے کوئی وظیفہ حاصل کریں، یہ بھی نہ ہوسکے تو ان سے کوئی تعویذ لیں تاکہ اللہ تعالیٰ یہ بحران دور کردیں، یہ خیال نہیں ہوگا کہ شریعت کا مسئلہ دریافت کرکے اپنے مالی معاملات اور آمد وصرف کا طریقہ درست کرلیں، بس یہ ہے کہ ہم جس حال میں اور جس طریق پر ہیں، رہنے دو، اور دعا کرکے یہ مصیبت ٹلا دو، پانی میں جو نجاست ہے، وہ اسی میں رہنے دو، اور پھونک کر پانی پاک کردو۔ کہاں وہ دعویٰ کہ شریعتِ اسلامی کی تعلیم ہمہ گیر

اور ہمہ جہت محیط ہے، اور کہاں یہ بے دلی کہ قریب جانے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔

اور معاشرات یعنی خاندانی اور گھریلو مسائل میں بھی یہی حال ہے، پیدائش سے لے کر موت تک جتنے مسائل ہیں، شادی بیاہ سے تقسیم وراثت تک، ہر جگہ شریعت وسنت سے گریز وانحراف عام ہے، جس طرح نکاح کے سلسلے میں بے سروپا واہیات وخرافات رسوم اور بیجا اسراف کا چلن ہے، اس سے زیادہ وراثت کے معاملے میں شریعت کی حدود پامال کی جاتی ہیں، مشترک خاندان جس میں مال کی ملکیت ایک ہاتھ میں مرتکز ہوتی ہے، زندگی میں بھی اور خاندان کے کسی ایک ممبر کے مرنے کے بعد بھی جس طرح مال میں خلاف شرع بے انصافی کا رواج ہے، پوچھئے مت الامان والحفیظ۔ کیا صرف زبانی نعرہ کہ شریعت زندگی کے تمام مسائل کی کفیل ہے، کیا اس نعرہ اور اس طرز عمل میں کوئی مناسبت ہے؟

سیاسیات کا مسئلہ تو اور ناگفتہ بہ ہے، میں اس وقت ان مسلمانوں کی بات نہیں کرتا، جو خود تخت حکومت پر براجمان ہیں، اور کبھی شریعت کا نام لے کر اور کبھی اس کا نام لئے بغیر شرعی احکام کو پس پشت ڈالتے رہتے ہیں، میرے مخاطب اس وقت ملک ہندوستان کے مسلمان قائدین، لیڈر اور وہ علماء ہیں، جو میدان سیاست میں شہ سواری کر رہے ہیں، اور پوری ملت کی قیادت وزعامت کے دعویدار ہیں، ہمارے ملک میں حکومت نہ مسلمانوں کی ہے، نہ اسلام کی! قانونی اور دستوری اعتبار سے سیکولر حکومت ہے، یعنی کسی مذہب کی جانب داری نہیں ہے اور جمہوریت کے اصول پر کاربند ہے، حکومت کے لئے ذمہ دار افراد کے انتخاب میں تمام شہریوں کا حصہ ہے۔ دستوری طور پر تو یہی ہے لیکن افراد واشخاص کے لحاظ سے یہ ایک غیر مسلم حکومت ہے، کیونکہ وہی اکثریت میں ہیں، مسلمان اقلیت میں ہیں، اس لئے عملاً یہ محکوم ہیں، اس حکومت میں پارٹیوں اور افراد کے میلان ورجحان کے لحاظ سے اقلیتوں کے لئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جمہوری طرز حکومت میں یہ مسائل کیسے حل ہوں؟ خاص طور سے ہندوستان جن حالات کا شکار ہے، ان کی جڑیں بہت گہری اور پھیلی ہوئی ہیں۔ انگریزوں کے زمانے تک ہندوستان ایک ملک تھا، انگریزوں نے اپنے دور میں

خصوصیت کے ساتھ ہندو مسلم فرقہ واریت پھیلائی، آپس میں نفرت کا بیج بویا، جب فرقہ واریت خوب گرم ہوگئی، اور لوہا تیار ہوگیا تو اس ملک کے دو ٹکڑے کردئے، بلکہ تین! پاکستان کے نام پر دو حصۂ زمین، اور دونوں کے درمیان ایک وسیع وعریض ملک ہندوستان!

پھر دونوں میں اتنی نفرت بھر دی کہ ساٹھ سال گزرنے کے بعد بھی دوستی اور باہمی اعتماد کی کوئی کرن نہیں پھوٹی، اور یہ منافرت مذہبی بنیاد پر پیدا کی گئی۔ ہندوستان کا ہندو پاکستان کے مسلمانوں کا دشمن، اور پاکستان کا مسلمان ہندوستان کے ہندوؤں کا دشمن! اب کشمکش بلکہ مصیبت میں ہندوستان کے مسلمان ہیں، یہ مذہباً مسلمان ہیں، اس لئے ان کو دنیا جہاں کے مسلمان سے لگاؤ ہے، اور وطناً ہندوستانی ہیں، اس لئے اپنے وطن سے انھیں محبت ہے، پاکستانی مسلمان ان سے بدک رہا ہے، کیونکہ یہ ہندوستانی ہیں، اور ہندوستان کا ہندو انھیں شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کیونکہ یہ مسلمان ہیں۔ پاکستان میں کچھ ہوتا ہے تو یہ موردِ الزام ٹھہرائے جاتے ہیں، اس کشمکش کا خمیازہ ہندوستانی مسلمانوں کو فرقہ وارانہ فسادات، مسلم نوجوانوں کے قتل ناحق اور گرفتاریٔ بے جا نیز بے تکے مقدمات میں ابتلاء اور جیل کی کال کوٹھریوں کی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔

اس درد کا درماں کیا ہے؟ اور اس مرض کی دوا کیا ہونی چاہئے؟ جمہوری طرز حکومت میں لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے احتجاج اور مظاہروں کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، چنانچہ مسائل صرف مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہیں مختلف سیاسی پارٹیوں کے بھی اپنے اپنے مسائل ومفادات ہیں، اکثریت کے بھی کچھ مسائل ہیں، ہندوستان کی دوسری اقلیتوں کے ساتھ بھی پیچیدگیاں ہیں، اور اس جمہوری طرز کے ہنگاموں سے ہمارا ملک بیشتر اوقات بلبلاتا رہتا ہے۔

کیا ان مسائل میں اسلام کی کوئی تعلیم نہیں، ہمارے بیشتر قائدین نے وہ طرز عمل اختیار کیا ہے، جیسے ہمارے دین کی تعلیمات نے اس صورت حال سے کوئی تعرض کیا ہی نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ بس دنیاوی طریقۂ جمہوریت ہے، حالانکہ احتجاج اور مظاہروں کی سیاست

سے اب تک زیادہ تر نقصان ہی ہوا ہے، ملی بھی، اجتماعی بھی، انفرادی بھی! ہر احتجاج اور ہر مظاہرہ کے بعد ملت کے مسائل میں کچھ گرہیں مزید پڑ جاتی ہیں، احتجاج اور مظاہرے کی سیاست دوسروں کے لئے چاہے مفید ہو، مگر مسلمانوں کے حق میں اس کی افادیت نہایت مشکوک ہے، یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ جو تدبیر ایک قوم کے لئے مفید ہو، وہ دوسری قوم کے لئے بھی مفید ہو، کیونکہ مزاج الگ ہیں، مقصد جدا ہے، طریقہ مختلف ہے، ہے تو لطیفہ مگر بات سمجھانے کے لئے بہت عمدہ ہے۔

کسی جگہ ایک آدمی تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا، چڑھ تو گیا، مگر اترنا اس کے لئے مصیبت بن گیا، وہ چیخنے چلانے لگا۔ لوگ جمع ہوئے، حیران تھے کہ اسے کیونکر اتارا جائے، ایک صاحب ہر جگہ اپنی منطق لگانے والے! تشریف لائے، انھوں نے فرمایا کہ ایک رسہ لاؤ، لوگ موٹا سا رسہ لائے، ان کی ہدایت پر چند نوجوانوں نے اوپر اچھالا، اوپر والے کو ہدایت ملی کہ اسے پکڑ کر اپنی کمر میں باندھ لو، اس نے تعمیل کی، انھوں نے نوجوانوں کو حکم دیا کہ اسے نیچے کھینچو، زور سے جھٹکا دیا گیا، وہ شخص زمین پر گر کر چکنا چور ہو گیا، بدن تو نیچے آ گیا مگر روح اوپر چلی گئی۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہوا؟ فرمانے لگے اس کی قسمت! ورنہ میں نے اسی طریقے سے بہتوں کو کنویں سے نکالا ہے۔

کنویں میں گرے ہوئے کو بچانے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا، وہی تاڑ پر چڑھے ہوئے آدمی پر آزمایا گیا، تو نتیجہ کچھ سے کچھ نکلا، امت مسلمہ کا مزاج وہ نہیں ہے جو دوسری اقوام کا ہے، پس ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا، ایسا ہی ہے جیسے اوپر مذکور ہوا۔

عجیب بات ہے کہ جن چیزوں میں پڑ کر، ایمان اور ایمانی اخلاق و عمل خطرے میں پڑتا ہے، مشورہ دیا جاتا ہے کہ اپنی طاقت وقوت اور دفع مصائب کے لئے انھیں چیزوں کو اختیار کرو، قرار دیا گیا کہ اس زمانے میں ذرائع ابلاغ، یعنی پروپیگنڈہ کی مشینری میں بڑی طاقت ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ ٹی۔ وی، انٹرنیٹ اور اس طرح کی دوسری لغویات اختیار کریں، اور ستم یہ ہے کہ اسے **وأعدوا لهم ما استطعتم** (اور کفار کے لئے

جس طاقت وقوت کی استطاعت ہو، اسے تیار رکھو) کے ارشاد کی تعمیل قرار دیا جارہا ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ آدمی کے باطن اور اندرون کو آزاد چھوڑ کر باہر کی چیزیں طاقت کے نام پر اس کے ہاتھ میں دیدی جائیں، اگر ایسا کیا گیا تو طاقت دوسروں پر استعمال ہونے کے بجائے اپنے ہی ایمان وعمل صالح کا گلا گھونٹ دے گی۔

نہ ظاہر پر اسلامی احکام وقوانین کا اثر، نہ باطن میں دینی وایمانی رنگ! پھر یہ طریقے اور ہتھیار کس قدر مفید ثابت ہوں گے؟ ان اجتماعی مسائل کے حل کے لئے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں بہت کچھ ہے۔ مسلمان کے مسئلوں کا حل صرف ظاہری تدبیروں سے نہیں ہے، بلکہ اس کا زیادہ تر انحصار نصرت غیبی پر ہے، اور نصرت الٰہی گناہوں اور نافرمانیوں اور خود ساختہ طریقوں اور نظریوں پر نہیں آتی، وہ اطاعت وفرمانبرداری ہی پر آتی ہے، جسے قرآن کریم نے صبر اور تقویٰ سے تعبیر کیا ہے۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ کیسے بھی سنگین حالات ہوں، آدمی اپنے طریقے پر مضبوطی سے جمارہے، یہ نہیں کہ حالات ذرا بدلے اور ہم نے بھی اپنا رخ بدل لیا۔ فریاد، مظاہرہ، احتجاج، شکوہ وشکایت! یہ بے صبری کے شاخسانے ہیں۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ ان حالات میں قدم پھونک کر اٹھائے، حالات سے زیادہ خالق حالات پر نظر رکھے، کوئی کام ایسا سرزد نہ ہو جس سے حق تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔

ان حالات میں جبکہ نابرابری اور ناانصافی حکومت کی طرف سے ہورہی ہو، اور شریعت کی طرف سے علم بغاوت بلند کرنے کی اجازت نہ ہو، کیونکہ اس سے بڑا شر پیدا ہوگا، کیا کرنا چاہئے؟ اسے حضور اکرم ﷺ کے ارشاد میں ملاحظہ فرمائیے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میرے بعد مفاد پرستانہ ترجیحات ہوں گی، اور ایسے کام ہوں گے، جنھیں تم نہیں جانتے پہچانتے ہوگے، لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! تب ہم کو آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا تم پر جو حقوق ہیں وہ تم ادا کرنا، اور تمہارا جو حق ہے اس کا سوال اللہ سے کرنا (بخاری شریف: باب علامات النبوۃ، حدیث: ۳۶۰۳، کتاب الفتن: ۷۰۵۲)

حدیث میں لفظ اثرۃ آیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ دنیاوی حقوق ومنافع میں صاحب حق پر دوسرے کو ترجیح دی جائے، اور وہ امور جنھیں حضرات صحابہ نہیں جانتے پہچانتے تھے، وہ ظاہر ہے کہ برے اور غلط امور ہی ہیں۔

اس حدیث کا تعلق حکمرانوں سے ہے، حکومت کی غلط اندیشی اور غلط روی یہ ہوگی، کہ جو لوگ کسی فائدے یا کسی حق کے مستحق ہوں گے، وہ تو نظر انداز کردئے جائیں گے، اور نااہل لوگ بغیر کسی استحقاق کے وہ حقوق پاجائیں گے، اور غلط روی کا چلن ہوگا۔ ایسے وقت رعایا کو کیا کرنا چاہئے؟

طبرانی کی روایت میں ہے کہ ایک موقع پر صحابہ کرام نے عرض کیا، جب ہم پر جو حکام ہوں، وہ اپنا تو حق ہم سے وصول کرلیں، اور ہمارا جو حق ہے اسے نہ دیں، تو کیا ہم ان سے لڑ جائیں۔ فرمایا نہیں! ان پر جو ذمہ داری ہے، اس کے جواب دہ تو وہ ہیں، اور تم پر جو ذمہ داری ہے، اس کے جواب دہ تم ہو۔ (فتح الباری: کتاب الفتن)

صاحب فتح الباری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا، آپ کی امت آپ کے بعد فتنے میں پڑے گی، میں نے کہا وہ کہاں سے؟ بولے کہ اپنے حکام اور علماء کی جانب سے، حکام ان کا حق انھیں نہیں دیں گے، پس وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے، اور فتنے میں پڑیں گے، اور علماء ان حکام کی پیروی اور کاسہ لیسی کریں گے، تو فتنے میں پڑیں گے، میں نے پوچھا تب بچنے والا کیسے بچے؟ کہا، رک جانے اور صبر کرنے سے، اگر وہ حکام دیں تو لے لے، اور اگر نہ دیں تو چھوڑ دے۔ (حوالہ سابق)

اس حدیث سے حقوق طلبی، احتجاج اور مظاہروں کی شرعی حیثیت معلوم ہوتی ہے! واقعہ یہ ہے کہ حکومتوں سے ٹکرانے کا یہ صحیح راستہ نہیں ہے، اس کا شرعی طریقہ وہی ہے، جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے، یعنی ہر شخص اپنی ذمہ داری پہچانے اور جو حق اس کے اوپر دوسروں کا ہے، اور اس میں حکومت بھی داخل ہے، یعنی

ایماندارانہ طور سے جو حقوق حکومت کے ہمارے اوپر ہیں، ان کو ہم پوری ذمہ داری سے ادا کریں، حقوق طلبی کا آدھا راستہ تو اسی سے طے ہو جائے گا، آدمی نے اپنی ذمہ داری خوش اُسلوبی سے ادا کی تو اس نے اللہ کا حکم پورا کیا اور اللہ کی رضا اسے حاصل ہوئی، اور اللہ کی رضا ہر خیر کی بنیاد ہے، پھر اس کا فطری اثر یہ ہوتا ہے کہ جس کا ہم نے حق ادا کیا ہے، وہ منجاب اللہ اپنے دل میں نرمی اور محبت پاتا ہے، پھر اس کے دل میں داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ جس نے میرا حق ادا کیا ہے، اس کا حق بھی ادا کر دینا چاہئے، یہ آدھا راستہ ہو گیا، باقی آدھے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کی دعا کرے، حق تعالیٰ کی منظوری ہو جائے گی تو کوئی اس کے حق کو روک نہیں سکتا۔

میری اس تحریر کو پڑھ کر بعض لوگ مسکرائیں گے، کہ لکھنے والا کس زمانہ کی بات اس زمانے میں لکھ رہا ہے، جبکہ حکومتیں بہری اور گونگی ہو رہی ہیں، ان کے سامنے جب تک ہڑبونگ نہ مچائی جائے گی، چیخا چلایا نہ جائے گا، نہ اس کے کان کھلیں گے اور نہ زبان کھلے گی۔ میں عرض کروں گا، یہی غلط اندیشی ہے اور شریعت کے خلاف ہے، حکومت کی غلطی آپ نے دیکھ لی، کبھی اپنی غلطی بھی دیکھی، آپ کے اوپر جو حق ہے، وہ آپ نے کتنا ادا کیا، اور حکومت کو کتنا دھوکا دیا۔ لوگ حکومت کے حقوق جو ان پر ہیں چھپا اور بچا لے جاتے ہیں، اور اسے اپنی فنکاری اور ہنر قرار دیتے ہیں، اور حکومت جب ان پر طاقت استعمال کرتی ہے تو انھیں اپنے وہ سارے حقوق یاد آنے لگتے ہیں، جو حکومت کے اوپر ہیں، یہ لینے اور دینے کے دو پیمانے رعایا نے بنا رکھے ہیں، پھر حکومت سے مہربانی کی توقع رکھتے ہیں، پس سیدھا اور صحیح راستہ وہی ہے، جو لسانِ نبوت نے بیان کیا ہے کہ اپنی ذمہ داری کو ادا کرو، ہر ایک کا حق اسے دو، اور جو تمہارا حق دوسروں پر ہے اس سے لڑ کر مطالبہ کرنے کے بجائے، اللہ سے مانگو، اس طریقۂ عمل سے کتنے مسائل تو پیدا ہی نہ ہوں گے، اور جو پیدا ہوں گے، وہ بآسانی حل ہو جائیں گے۔

آج کا عام مزاج یہ ہو گیا ہے کہ اپنی کوئی خامی، کوئی کمی، اپنا کوئی ظلم، اپنی حق تلفی

آدمی کو نظر نہیں آتی ہے، سب عیب دوسروں میں ہی نظر آتا ہے، یہی حال فریق ثانی کا بھی ہے، وہ اپنا کوئی عیب نہیں دیکھتا، دوسرا ہی اسے سراپا عیب نظر آتا ہے، پس دونوں آپس میں دست وگریباں ہوتے رہتے ہیں اور امن وامان رخصت ہو جاتا ہے۔

حکومت سے اگر ٹکرانا ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر پانچ سال پر الیکشن ہوتا ہے، الیکشن میں اسے ووٹ نہ دیجئے، مگر کس کو دیجئے گا، یہ سوال بہت ٹیڑھا ہے، لیکن جو بھی حکومت قائم ہے، اس کے ایماندارانہ حقوق ادا کریں، اور ناانصافیاں اس طرح دور کریں کہ اپنے اندر جو ناانصافیاں ہیں، انھیں ختم کریں، اور اللہ سے دعا کریں، ان شاء اللہ وہ حالات باذن الٰہی پیدا ہو جائیں گے جنھیں گوارا کیا جا سکے، اور یہ بھی دعا کریں۔ **أَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا**، آمین، اے اللہ! ہم پر ایسی کوئی حکومت مسلط نہ فرمایئے، جو ہم پر رحم نہ کرے۔

حکومت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اسی دربار سے مانگئے جو کچھ مانگنا ہو، اور مانگنے کے شرائط پورا کیجئے۔

(فروری ۲۰۰۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانانِ ہند اور جمہوری حکومت

الیکشن کا طوفان اتر چکا ہے، لوگوں کے اندازے غلط ثابت ہوئے، توقعات اور امیدوں کے خواب بکھر گئے، جو سوچا گیا تھا وہ نہیں ہوا، جو بات خیال میں نہ تھی وہ وجود میں آ گئی۔ تُؤتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ کا نقشہ ایک بار پھر نظروں کے سامنے آ گیا، وہ عقل ودانائی جو قرآن وحدیث کے تعلیمات سے روشن ہے وہ مطمئن ہے، وہ حکومت کو نہیں، حکومت کے زمام اختیار کو دیکھ رہی ہے کہ وہ کس کے ہاتھ میں ہے، روزِ ازل سے اللہ کا فرمان یہی ہے جسے حق تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرما کر قیامت تک اہل ایمان کی زبانوں پر جاری فرما دیا ہے، تاکہ ہر دور میں، ہر ملک میں، ہر ہر فرد یہاں تک کہ بچہ بچہ، اس فرمان کا منادی بن جائے، اور ساری دنیا میں اس کی گونج سنائی دے: قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ۝ (سورہ آل عمران: ۲۶) تم کہہ دو! اے اللہ! اے ملک کے مالک، آپ جسے چاہیں ملک بخشیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیں، جسے چاہیں غلبہ دیں اور جسے چاہیں بے سروسامان کر دیں، آپ ہی کے ہاتھ میں خیر ہے، بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

پس حکومتوں کا ردوبدل یا اس کا قیام واستحکام سب اسی مالک الملک کے ہاتھ میں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہ تصرفات اسباب کے پردوں سے جلوہ گر ہوتے ہیں، اور یہ اسباب بظاہر بندوں کے ہاتھوں ظہور کرتے ہیں، اس لئے عام انسانی طبیعت اسباب کی تہوں میں جھانکتی اور غور کرتی ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کے پیچھے یہ نتائج نمودار ہوئے ہیں، اور ان اسباب کا کیا بہتر سے بہتر استعمال، انسانی اختیار وتصرف میں ہے، کہ اس کے

بہتر نتائج حاصل ہوسکیں۔

ہندوستان سے انگریزی سامراج نے جب سے اپنا خیمہ اکھاڑا ہے اور یہ ملک جب سے دو بلکہ تین حصوں میں تقسیم ہوا ہے، اس کے بعد سے ملک کا وہ حصہ جو ہندوستان کے نام سے نامزد ہے، جس میں تعداد کے لحاظ سے ہندو اکثریت میں ہیں، اور ان کے بعد اقلیتوں میں سب سے بڑی اقلیت مسلمان ہیں، مسلمانوں کے بعد سکھ اور عیسائی قدرے قابل ذکر ہیں۔ ایک بہت مختصر تعداد یہودی، پارسی، جین اور بدھ مذہب کی ہے، اس اکثریت اور ان اقلیتوں پر مشتمل ملک میں جمہوریت کی حکمرانی ہے۔ جمہوریت میں کسی خاص مذہب، برادری یا طبقے کی حکومت نہیں ہوتی، بلکہ ملک کے تمامتر عوام اس کی تشکیل میں فرداً فرداً حصہ لیتے ہیں، اور جس پارٹی یا طبقے کے حق میں زیادہ رائے آجاتی ہے اس کی حکومت بنتی ہے، لیکن اس حکومت پر پابندی ہوتی ہے کہ ملک کے تمام باشندوں کے خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں، مفاد کا تحفظ کرے اور ملک کی ترقیات میں انھیں بھی شریک کرے۔ یہ حکومتیں پانچ سال کے لئے بنتی ہیں، پانچ سال میں اگر ان کی کارکردگی اطمینان بخش ہوئی تو دوبارہ عوام کی رائے ان کے حق میں آتی ہے ورنہ انھیں تخت حکومت سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔

ہم اپنے ملک میں ہر پانچ سال پر بلکہ نظام کی خرابی اور پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلی کے الیکشنوں میں توافق نہ ہونے کی صورت میں ہر دو تین سال کے وقفے سے الیکشن کے طوفانِ برق وباراں میں تہ وبالا ہوتے ہیں۔

جمہوریت کے اس تماشے میں اور الیکشنوں کے اس طوفان میں اوروں کا جو بھی حال ہو، میں بحیثیت ایک مسلمان اپنا یعنی مسلمانوں کا محاسبہ کرنا چاہتا ہوں، میں میدانِ سیاست کا آدمی نہیں ہوں، اور نہ عملاً اس سے کوئی دلچسپی رکھتا، اور نہ اب تک اس موضوع پر کچھ لکھا ہے، لیکن اب کی بار کے الیکشن کے بعض خاص حالات نے دل ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، اس لئے بطور احتساب کے کچھ سوچتا ہوں اور کچھ لکھتا ہوں۔ میں دوسروں کو کچھ نہیں کہتا، ملت اسلامیہ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

کہنے کو تو ہندوستانی جمہوریت میں متعدد مذاہب ہیں، اور ہر ایک کے ماننے والے کم وبیش موجود ہیں، اور ہندو مذہب کی اکثریت کے بعد سب کا شمار اقلیت کے دائرے میں ہے، مگر اب تک جو کچھ تجربے میں آیا ہے، اور یہی انسان کی فطری کمزوریوں کا لازمی نتیجہ بھی ہے، کہ اس ملک میں دو ہی مذہب ہیں اور دو ہی گروہ ہیں، ایک مسلم اور دوسرے غیر مسلم! جب تک مسلمانوں سے کوئی ظاہری مقابلہ نہیں ہے، غیر مسلم متعدد گروپوں میں تقسیم ہوتے ہیں، اور جب کسی بھی مفاد میں مسلمانوں سے مقابلے اور ٹکراؤ کی صورت ہوتی ہے، تو سارا غیر مسلم ''فرقۂ واحدہ'' بن جاتا ہے، تو حاصل یہ ہے کہ اس ملک میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں ہیں۔

ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے جب نجات ملی، تو یہاں کے باشندوں نے جمہوری حکومت بنائی، اور اکثریت میں ہونے کی بنا پر حکومت کی باگ ڈور غیر مسلموں کے ہاتھ میں آئی، گو کہ مسلمانوں کی بھی شرکت اس میں رہی، مگر عملاً وہ شریک مغلوب رہے، فرقہ واریت کا عفریت انگریزوں کے دور میں ہی ظاہر ہو چکا تھا، آزادی کے بعد یہ خوفناک دیو آہستہ آہستہ اپنے دست وبازو نکالتا رہا، کچھ حکمرانوں نے بھی اسے شہ دی، جمہوری حکومت کا شاید کوئی دور ایسا نہیں گزرا ہے جس میں فرقہ پروری اور جاہلانہ عصبیت کی پرورش نہ کی گئی ہو، اور اقلیت کے سامنے نئے نئے مسائل نہ کھڑے کئے گئے ہوں، فسادات کے ذریعہ نسل کشی ودل شکستگی، قید وبند کی بے رحمیاں، اسلامی احکام ونظریات پر حملے، مدارس سلامیہ پر شکوک وشبہات کی نگاہیں، ان پر الزام تراشیاں، یہ حالات مسلسل آتے رہے، جمہوری حکمرانوں کا یہ تشدد اور ان کا یہ نازیبا سلوک صرف مسلم اقلیت کے ساتھ نہیں، ہندوستان میں بسنے والے اور بھی طبقات کے ساتھ بھی جاری رہا، جس کے رد عمل میں حکمراں پارٹی سے بددلی عام ہوئی، اس پر جو اعتماد کیا گیا تھا وہ جاتا رہا، چنانچہ حکمراں پارٹی کو متعدد بار دھکے لگے اور اس کے پرزے اڑتے رہے، نئی نئی پارٹیاں وجود میں آئیں، فرقہ پرستی بھی بڑھی، اب ہمارا ملک مختلف چھوٹی بڑی پارٹیوں کا ملغوبہ بن گیا ہے، ہر پارٹی اپنی طرف لوگوں کو کھینچتی ہے، اس وقت ملک کی کوئی

پارٹی ایسی نہیں ہے جو تنہا اپنی حکومت بنا سکے، جب کوئی پارٹی اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر ایک مجموعی محاذ بناتی تب وہ اس لائق ہوتی ہے کہ اپنی حکومت بنائے، ان مختلف چھوٹی بڑی سیاسی پارٹیوں کا فائدہ ملک کے مختلف طبقات کو پہونچا، مگر مسلم اقلیت کے مسائل جوں کے توں رہے، بلکہ بعض سنگین نئے مسائل کا اضافہ ہوگیا، مثلاً مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دیا گیا، مسلم نوجوانوں کو ملک دشمن تحریکات کے ساتھ وابستہ ہونے کا الزام لگا کر قتل وقید میں مبتلا کیا گیا۔ یہ سلسلہ روز افزوں ہے، اس قتل وخونریزی اور قید وبند کے نشانے پر ملک کے متعدد علاقے آئے، لیکن خصوصیت کے ساتھ ضلع اعظم گڈھ اس مصیبت میں زیادہ مبتلا ہوا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں میں بہت اضطراب پایا جاتا ہے۔ کتنی مسلم تنظیمیں ہیں جو اس موضوع پر کوشش کرسکتی ہیں مگر سب کے کچھ داخلی مسائل الجھے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ کماحقہ توجہ نہیں دے پاتیں، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ دور خودغرضی اور مفاد پرستی کا دور ہے، جس کو جس راستے سے اپنا مفاد دکھائی دیتا ہے اُدھر ہی وہ چل پڑتا ہے، اس لئے کب کون کیا تحریک لے کر کھڑا ہو، اور کب کون کس سے پہلو تہی کرجائے، کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ نیتیں مشتبہ ہیں، سامنے کچھ، پیچھے کچھ، ظاہر کچھ، باطن کچھ کا اتنا تماشہ ہوتا ہے کہ کون کس پر اعتماد کرے۔

اسی بے اطمینانی اور خوف وہراس کے سائے میں پارلیمنٹ کا حالیہ الیکشن قدم بڑھاتا آرہا تھا، ہر پارٹی الیکشن کی تیاری کے لئے اپنے پروگرام مرتب کررہی تھی۔ اسی دوران اعظم گڈھ میں مسلمانوں کے ایک خاص خطے میں نئی ہلچل شروع ہوئی اور دیکھا گیا کہ کچھ لوگ جن کا کوئی خاص سیاسی پس منظر نہیں ہے وہ یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ یہاں کی کوئی پارٹی مسلمانوں کی ہمدرد نہیں ہے، اتنے اتنے فسادات ہوئے، گجرات میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا، مسلمان نوجوانوں کو جہاں تہاں سے ایک ہی طرح کے الزام میں گرفتار کیا گیا، لیکن کوئی پارٹی منظّم طور پر اس کا نوٹس نہیں لے رہی ہے، نوجوان جیلوں میں سڑ رہے ہیں، ان کی جوانیاں برباد ہورہی ہیں، ان کے ماں باپ تصویرِ غم اور ان کے گھر ماتم کدے بنے ہوئے، مگر کوئی ان کے آنسو پونچھنے والا نہیں، لہٰذا یہ سب پارٹیاں القط! اب خود ہمیں اپنی تنظیم بنانی

ہے، اور اپنی لڑائی خود لڑنی ہے، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک تنظیم علماء کے نام پر وجود میں آگئی، یہ تنظیم مسلمان نوجوانوں کے قتل وقید کے مسئلے کو لے کر اٹھی اور چونکہ یہ جذباتی مسئلہ تھا، اس لئے مسلم نوجوانوں کا ایک طبقہ اس کے ساتھ ایک خاص جوش وخروش کے ساتھ وابستہ ہوگیا، اس نے مسلمان نوجوانوں کے قتل وقید کے مسئلے کو لے کر ابتداء ہی میں دہلی اور لکھنؤ پر ٹرین سے دھاوا بول دیا۔ اس سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہونچا؟ یہ تو محل غور ہے۔ کوئی مسلم نوجوان قید سے اور الزام سے رہائی تو پا نہ سکا، البتہ مسلم نوجوانوں کے اس شور شرابہ سے غیر مسلم عوام چونک پڑی، ابھی یہ ہو ہی رہا تھا کہ اس تنظیم نے پارلمنٹری الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کردیا، پھر اس تنظیم کی طرف سے اور اس کے لیڈروں کی طرف سے مسلسل اشتعال انگیز بیانات کا ایسا آتش فشاں دہانہ کھل گیا کہ ہر طرف ماحول گرم ہوگیا، سنجیدہ اور ہوش مند افراد تو متحیر ہوئے اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ یہ آتش فشاں دہانہ کیونکر بند ہو۔ عوام کا مزاج اتنا جذباتی ہوگیا کہ جیسے مسلمانوں کی نجات دہندہ تنظیم وجود میں آگئی ہو، ماحول کی ہولناکی کا یہ عالم ہوگیا کہ یہ تنظیم مدار کفر وایمان بن گئی، اگر کسی نے اس کے متعلق کچھ کہنا چاہا، تو اس کی عزت وآبرو خطرے میں پڑ گئی، یہ تو ایک خاص حلقے کی مسلم عوام کا حال ہوا۔ اور اس حلقے کے غیر مسلموں کا حال یہ ہوا کہ وہ سمٹ سمٹ کر فرقہ وارانہ تنظیم کی طرف بڑھنے لگے، اور انھیں اطمینان ہوا کہ جو کام پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، اب ہوجائے گا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ مسلمانوں سے اگر تصادم کی راہ نکلی تو غیر مسلم ’’ملة واحدة‘‘ ہوگا، چنانچہ تمام دوسری پارٹیوں کے ووٹ سمٹ کر فرقہ پرور پارٹی بھاجپا کی جھولی میں گرنے لگے۔

پھر جب الیکشن ہوا، اور نتیجہ ظاہر ہوا تو پتہ چلا کہ مسلمانوں کی اس تنظیم کا کوئی امیدوار کامیاب نہیں ہوا، اتنا ہی نہیں مشرقی یوپی میں کوئی بھی مسلمان امیدوار کسی بھی پارٹی سے کامیاب نہیں ہوا، گویا پارلیمنٹ میں مشرقی یوپی کے مسلمانوں کا صفایا ہوگیا، اور اس تنظیمِ نو کا جو مرکزی مقام ہے یعنی اعظم گڈھ شہر کا حلقہ اس میں جن سنگھ یا بھاجپا کا کوئی امیدوار آزادی کے بعد سے کبھی نہیں کامیاب ہوا تھا، بھاجپا کی نظریں اس پر کافی عرصہ سے لگی ہوئی

تھیں، اس الیکشن میں اس تنظیم کی برکت بھاجپا کو ملی، اور پارلیمنٹ کا بھاجپائی ممبر کامیاب ہوگیا، اس تنظیم نے مسلمانوں کا ووٹ بڑی تعداد میں اپنی طرف پھیر لیا، حالانکہ اسے خوب معلوم تھا کہ غیر مسلم انھیں مطلقاً ووٹ نہ دے گا، اور صرف مسلمانوں کے اکثر ووٹ سے اس کے امیدواروں کا کامیاب ہونا ممکن نہیں، لیکن بہر حال اسے ضد تھی، مسلمانوں کے ہزاروں ہزار ووٹوں کو اس نے بے اثر کر دیا۔

ان نادانوں نے مسلمانوں کو تو کوئی فائدہ پہونچایا نہیں، دوسروں کو ضرور متحد ومضبوط کر دیا، یہ کہتے تھے کہ ہم اپنی طاقت دکھانا چاہتے ہیں، اللہ جانے کس کو دکھانا چاہتے تھے، اور طاقت تو دکھا نہیں سکے البتہ ملک کی تمامتر نگاہوں کے سامنے یہ منظر آگیا کہ بلند بانگ دعووں سمیت چاروں شانے چت ہیں، اور انھوں نے مسلمانوں کا مزاج اتنا بگاڑ دیا ہے کہ شاید اب کوئی سنجیدہ بات ان کے کان تک بھی نہ جاسکے۔

وہ تو اللہ تعالیٰ نے سیاست کے نقشے میں ایسا تصرف کیا کہ بھاجپا کے امیدوار ملک کے طول وعرض میں بکثرت ہار گئے اور جتنی تعداد کی انھیں پارلیمنٹ میں پہونچنے کی توقع تھی اتنے امیدوار نہ پہونچ سکے، اس لئے وہ پھیکی ہوگئی، ورنہ اعظم گڈھ کے حلقے کی کامیابی کو وہ فتح عظیم بنا کر پیش کرتی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں خواہ جتنی پارٹیاں ہوں، اور خواہ جتنی قومیں اور برادریاں ہوں، اقلیت اکثریت کا مدار یہاں ان ٹکڑیوں پر نہیں ہے بلکہ مذہب پر ہے، اور جہاں مذہب اسلام اپنے ماننے والوں کی بڑی تعداد کے ساتھ موجود ہو، وہاں گو عملاً واسماً بہت سے مذاہب ہوں مگر تقابل دو ہی مذہب کا ہوگا، ایک اسلام اور ایک کفر وشرک، کفر وشرک کی چاہے جتنی متحارب شکلیں ہوں، وہ سب اسلام کے مقابلے میں ایک ہیں، پس یہاں مسلمان عددی اعتبار سے اقلیت میں ہیں اور اہل کفر وشرک اکثریت میں ہیں، اس ماحول میں غیر مسلم اکثریت اپنے مفاد یا مجبوری کے تحت مسلمانوں کا کام کر سکتی ہے مگر اس کو کبھی مسلمانوں کے مفاد سے براہ راست کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی، لہٰذا ان سے کام لینے اور

انھیں اپنے حق میں مفید بنانے کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ ہے اخلاق وانسانیت! اسلام نے اخلاق واحسان کو بہت اہمیت دی ہے، ہمارا پڑوسی ہمارے اخلاق کا بہترین موقع ہے۔ کسی غیر مسلم کی خوشامد نہیں، اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کے جذبے سے، اللہ کی خوشنودی کے لئے اگر اخلاق کا برتاؤ کیا جائے، تو یہ امت مسلمہ کیلئے بڑا زبردست ہتھیار ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کی اس تعلیم کو چھوڑ دیا ہے اور دوسرے راستے سے اپنا غلبہ چاہتے ہیں۔

یہاں اگر مسلمانوں کی کوئی سیاسی پارٹی بنائی جائے اور اسی بنیاد پر دوسروں کو للکارا جائے گا تو ردعمل کے طور پر لازم ہے کہ کفر وشرک میں بھی اجتماعیت پیدا ہوجائے، جب تک مسلمانوں نے علیحدہ سیاسی پارٹی نہیں بنائی تھی تو پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی خاصی تعداد دکھائی دیتی تھی، اس الیکشن میں ووٹ مسلم اور غیر مسلم میں تقسیم ہوا، تو پروانچل سے کوئی بھی مسلمان ممبر پارلیمنٹ نہ ہوسکا۔ اس موقع پر ہارنے کے بعد یہ تنظیم آئندہ اسمبلی کے الیکشن پر بھی نظر جمائے ہوئے ہے، یعنی اسمبلی سے بھی مسلمانوں کا صفایا کرائے گی۔ لا فعل اللہ

سچائی یہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں مسلمانوں کی سیاسی پارٹی ان کے حق میں مضر ہی ہوگی، ہمارے اکابر علماء نے جو جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک وملت کی خدمت کررہے تھے، آزادی کے بعد ایک فیصلہ کیا تھا، اور وہ فیصلہ بہت برحق اور درست تھا، اور جیسے وہ اس وقت برحق تھا آج بھی درست ہے، وہ یہ کہ جمعیۃ علماء ہند آئندہ پارلمنٹری سیاست میں حصہ نہ لے گی، اور نہ سیاسی پارٹی ہوگی۔ ان اکابر کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر مسلمانوں کی کوئی سیاسی پارٹی بنی اور وہ الیکشن میں حصہ لیتی رہی تو ہندوستان کی جمہوریت ختم ہوکر رہ جائے گی اور یہ ملک ہندو راشٹر بن جائے گا، کیونکہ پاکستان بن جانے کے بعد دو ایک علاقوں کے علاوہ کہیں بھی مسلم اکثریت نہیں ہے، اور جہاں ہے بھی الیکشن میں اسے بندر بانٹ کرکے مسلم اکثریت کو اقلیت میں لوٹا دیا جائے گا، پھر کہیں سے کوئی مسلمان کبھی کامیاب نہ ہوگا، اور پارلیمنٹ ہو یا اسمبلی صرف ہندو ہی ہندو ہوں گے، پھر اسے ہندو راشٹر بننے سے کون روک سکے گا۔

قاعدے کی بات یہ ہے کہ ملک بھر میں پھیلی ہوئی امت مسلمہ نہ کوئی سیاسی پارٹی بنائے اور نہ بھاجپا کو مضبوط کرے، اپنے گردوپیش اس پارٹی اور اس امیدوار کو دیکھے جو فرقہ واریت کا مقابلہ کرسکے اور اس سلسلے میں اپنے حلقہ کے سنجیدہ اور باوقار ذمہ داروں سے رابطہ رکھے، اور وہ جس کی سفارش کریں اسے ووٹ دے، اور طاقت کی نمائش نہ کرے، اور نہ شوروغل کرے، خاموشی سے اپنی رائے دیدے۔

مسلمان ووٹ تو ایک ہی کو دیں، لیکن اخلاق وانسانیت کا برتاؤ سب کے ساتھ کریں، اصل فتح اخلاق وانسانیت کے ساتھ ہوتی ہے، بداخلاقی، لڑائی جھگڑا، جانبداری وکذب بیانی اور بے جا اعلان بے گناہی سے کسی کی نجات نہیں ہوتی، اور نہ ان سے کوئی غلبہ حاصل ہوتا۔ آدمی اللہ کا حق ادا کرے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ آسان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئاً اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (سورہ آل عمران: ۱۲۰) اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو، تو ان کی سازش سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا، بے شک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کی قدرت میں ہے۔

اللہ کا حکم ہے تم دو کام اختیار کرو، صبر اور تقویٰ۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ ناگواریوں کے باوجود اپنے طریقے پر جمے رہنا، نہ گھبرانا، نہ طیش میں آنا، نہ میدان چھوڑ کر بھاگنا، نہ عمل کو ترک کرنا، صبر کا دوسرا نام استقلال ہے۔ دوسری بات تقویٰ ہے، تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ نقصان دہ چیزوں سے بچنا، اور یہ بچنا صرف اللہ کے احکام کی تعمیل وتکمیل اور معاصی سے اجتناب کے ذریعے ہوتا ہے۔ جس قدر اللہ کی فرمانبرداری ہوگی، اسی قدر اللہ کی رحمت آئے گی۔ کاش مسلمان اس پر کسی درجے میں عمل کرلیتے، تو بہت کچھ کام آسان ہوجاتا، اور دشمنوں کا کوئی داؤ فریب کارگر نہ ہوتا، جو کارروائیاں وہ کرتے ہیں سب خدا کے علم میں ہیں، اور ان کو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ ان کا تار پود بکھیر کر رکھ دیں، مسلمان اپنا معاملہ خدا سے صاف رکھیں، پھر ان کے راستے سے سب کانٹے صاف کردئے جائیں گے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز

(جولائی ۲۰۰۹ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقل مند کون؟

روز و شب کی گردش جاری ہے، سورج طلوع ہوتا ہے پھر غروب ہوتا ہے، لوگوں کی زندگی سے ہر روز ایک دن کم ہو جاتا ہے، ہر پیدا ہونے والا مسلسل زندگی سے موت کی طرف رواں دواں ہے، وہ نہیں جانتا کہ وہ منزل جس کا نام موت ہے کب آئے گی، لیکن یہ یقین ہے، ایسا یقین جس میں شبہ کا کوئی کانٹا کبھی نہیں چبھتا کہ وہ منزل آئے گی، وہ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ روز و شب اور ماہ و سال کی گردش آدمی پر مسلسل اثر انداز ہو رہی ہے، کل کا بچہ آج جوان ہے، آج کا جوان کل کو بوڑھا ہو جائے گا، ایسا بوڑھا کہ شکل نہ پہچانی جائے گی، یہ سلسلہ کل بھی تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ ہر آدمی اس الٹ پھیر میں تہ و بالا ہو رہا ہے، پیدا ہوا تو گمنام بلکہ بے نام تھا، روز و شب کے سفر نے اسے آگے بڑھایا تو نامی گرامی بادشاہ بنا، علم و فضل میں مشہور ہوا، طاقت و قوت میں اس نے شہرت پائی، زمانہ میں اس کا آوازہ گونجا، لیکن ایک دن سورج طلوع ہوا تو وہ خاک کا ڈھیر تھا، شہرت فسانۂ ماضی بن گئی، طاقت قصہ پارینہ بن گئی، تخت شاہی مٹی میں مل گیا، علم و فضل کی صرف یاد باقی رہ گئی۔

یہ گردش کیا ہے؟ یہ سفر کیسا ہے؟ کہ راستہ بھرا پُرا ہے، قافلہ مسافروں سے معمور ہے، مگر ہر روز کچھ مسافر اس قافلہ سے جدا ہو رہے ہیں اور کچھ نئے شامل ہو رہے ہیں، یہ کیا ہے؟ محض ایک سلسلہ ہے کہ لوگ اس میں جڑتے رہیں اور ٹوٹتے رہیں، یا اس میں کوئی حکمت ہے؟ اس کا کوئی کوشگوار یا ناگوار انجام ہے؟ اس میں کوئی خاص عبرت ہے؟ یہ سوال بہر حال پیدا ہوتا ہے، کچھ لوگ اسے اپنے زورِ عقل سے اسے حل کرنا چاہتے ہیں، لیکن جس عقل کا حال یہ ہے کہ اس کے علم کی روشنی نہ ماضی کو اجالا کر سکتی ہے اور نہ مستقبل میں کچھ

دکھا سکتی ہے، وہ غریب اس طویل سلسلۂ سفر کی حکمت کیا بتا سکتی ہے، اس کا حال تو یہ ہے کہ

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی نہ ابتدا کی خبر ہے، نہ انتہا معلوم

سنئے! انسان اپنے ناتمام علم اور اپنی نارسا عقل سے اس گتھی کو نہیں سلجھا سکتا، اس کو وہی بتا سکتا ہے جس کا علم اولین و آخرین کو محیط ہو، جس کی قدرت کامل ہو، جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، جو اِن دونوں کی گردش پر حکمراں ہے، اس سے پوچھئے، وہ کیا فرماتے ہیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُوْلِی الْاَلْبَابِ ۝ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ (سورہ آل عمران: ۱۹۰/۱۹۲)

بلاشبہ آسمان وزمین کی خلقت میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک کے آتے رہنے میں، اربابِ عقل وخرد کے لئے (معرفت حق کی) بڑی نشانیاں ہیں، وہ اربابِ عقل وخرد، جو کسی حال میں اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں (ہر حال میں اللہ کی یاد ان کے اندر بسی ہوتی ہے) جن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے ہیں (اس ذکر وفکر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان پر معرفت حقیقت کا دروازہ کھل جاتا ہے وہ پکار اٹھتے ہیں) خدایا! یہ سب کچھ جو آپ نے پیدا کیا ہے، سو بلاشبہ بے کار وعبث نہیں پیدا کیا ہے (ضروری ہے کہ یہ کارخانۂ ہستی جو اس حکمت وخوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے، کوئی نہ کوئی غایت ومقصد رکھتا ہو) یقیناً آپ کی ذات (اس سے) پاک ہے (کہ ایک بیکار کام اس سے صادر ہو) خدایا! ہمیں عذابِ آتش سے (جو کہ دوسری زندگی میں پیش آنے والا ہے) بچا لیجئے۔ خدایا! جس (بدبخت) کیلئے ایسا ہو کہ آپ اسے دوزخ میں ڈالیں تو بلاشبہ آپ نے بڑی ہی خواری میں ڈالا اور ظلم کرنیوالوں کیلئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (ترجمان القرآن)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ زمین وآسمان کی خلقت اور روز وشب کی

یہ گردش رہنمائی کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کی جانب کہ اس دنیا کا ایک آخری انجام ہے، وہ انجام یا تو سرمدی خوشی اور راحت ہے اس کا نام جنت ہے، یا لازوال رنج والم ہے جس کا محل آتش جہنم ہے، غور کرنے والے کی عقل وفہم جب جہنم کی جانب پہونچتی ہے تو وہ اس سے پناہ چاہنے لگتا ہے۔

پس عقلمند آدمی وہ ہے جس کی نگاہ اسی دنیا میں الجھ کر نہ رہ جائے، بلکہ اس کی الجھاؤ سے نکل کر زندگی کے اس آخری انجام تک پہونچے، اور پھر اس کی تیاری میں لگ جائے۔

اس آخری انجام کی تیاری کیا ہے؟ اور وہ کیونکر ہوگی؟ اس کو بھی اللہ جل شانہ نے اسی جگہ حل کردیا ہے اور اس کے حل کیلئے دعا کا پیرایہ اختیار کیا ہے، تاکہ آدمی کو اپنی عقلمندی کا غرہ نہ ہو بلکہ وہ عبدیت کی تواضع میں جھکا رہے، فرماتے ہیں کہ ان عقل والوں کی صدا یہ ہوتی ہے کہ: رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیاً یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّآتِنَاوَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ٥ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ٥ (سورہ آل عمران: ۱۹۳/۱۹۴)

خدایا! ہم نے ایک منادی کرنے والے کی ندا سنی جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ، تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور ایمان لائے، پس خدایا! ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیاں مٹادے، اور (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کر کہ ہماری موت نیک کرداروں کے ساتھ ہو۔ خدایا! ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے، اور (اپنے لطف وکرم سے) ایسا کر کہ قیامت کے دن ہمیں ذلت وخواری نہ ہو، بلاشبہ تو وہی ہے کہ تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوسکتا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ عقل والوں کو کس چیز کی فکر ہے؟ اور اس کے لئے وہ کہاں پہونچے؟ انھیں فکر ہے، تو عذاب جہنم کی، انھیں فکر ہے، اپنے گناہوں اور غلطیوں کی، انھیں فکر ہے، حق تعالیٰ کے عفو ودرگزر کی، انھیں فکر ہے، اللہ والوں کے کے ساتھ موت کی، انھیں اندیشہ ہے، قیامت کی رسوائی سے! اس کے لئے وہ کہاں پہونچے، اللہ کی رسولوں کی خدمت

میں! اوران سے جو کچھ سنا، اس کو دل وجان سے مانا۔ ماننے کے بعد یہ امید رکھی کہ جو کچھ اللہ نے رسولوں کی زبانی اس فکر واہتمام پر وعدہ فرمایا ہے، اس میں ان کا بھی حصہ ہو، اس امید پر ان وعدوں کے اپنے حق میں پورا ہونے کی دعا کرتے ہیں اور اپنے اس یقین وایمان کا اظہار کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔

جب یہ فکر پیدا ہوتی ہے، اوراللہ کی یاد اس طرح دل میں بس جاتی ہے، اور رسولوں کی اطاعت اس ایمان وایقان سے کرتے ہیں تب وہ اولوالالباب (اربابِ عقل وخرد) ہوتے ہیں، پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ انھیں کس طرح نوازتے ہیں۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ٥ (سورہ آل عمران: ۱۹۵)

تو ان کے پروردگار نے ان کی دعائیں قبول کرلیں، (خدا نے فرمایا) بلاشبہ میں کبھی کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، مرد ہو، خواہ عورت، تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو، پس جن لوگوں نے (راہ حق میں) ہجرت کی، اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، میری راہ میں ستائے گئے، اور (راہِ حق میں) لڑے اور قتل ہوئے، تو یقینی ہے کہ میں ان کی خطائیں محو کردوں اور انھیں ان باغوں میں پہونچادوں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اور یہ اللہ کی طرف سے ان کے اعمال کا ثواب ہوگا، اوراللہ ہی کے پاس بہتر ثواب ہے۔

پس تمام عقل کی عقل اور ساری دانائی کی دانائی یہ ہے کہ بندۂ عاقل اللہ کی یاد میں سرشار ہو، مخلوقِ الٰہی میں غور وفکر کرے اور اس راستے سے حکمت الٰہی تک اس کی رسائی ہو، اللہ کے رسول سے وہ عقیدۂ وعمل کی رہنمائی حاصل کرے، اللہ کی بندگی میں مشغول ہو اور اس سے عفو ودرگزر کی دعا کرے، اس کی رضاء وخوشنودی چاہے، پھر اللہ کے وعدۂ قبول کی بشارت حاصل کرے، اور جس جہنم سے پناہ مانگی تھی اس سے برکنار ہوکر ابدی نعمت کے

باغوں میں لازوال زندگی کی خوشی سے بہرہ یاب ہو۔

ایمان والو! عقل کا یہ معیار اللہ نے قائم کیا ہے، جو ساری کائنات کے خالق ومالک ہیں، دنیا وآخرت سب انھیں کے قبضہ اقتدار میں ہیں، پس فکر دنیا کو اپنا محور ومقصود نہ بناؤ۔ ایک ہمت مردانہ درکار ہے، اس کی الجھنوں کو توڑ کر نکل جاؤ، اللہ کی اطاعت کرو اور ان کے وعدہ پر یقین کرو، آخرت بھی درست ہوگی اور دنیا بھی خدمت گزار ہوگی۔ دنیا والوں کی غلطی یہ ہے کہ "حیٰوۃ دنیا" کو اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے اور آخرت کو فراموش کردیا ہے۔ ایمان والو! تم یہ غلطی نہ کرو، نگاہ انحصار آخرت پر ہو، اس کی کامیابی پر ہو، دنیا اس کے ضمن میں ہوگی، تو بابرکت ہوگی، خادم ہوگی، اور اگر اس کو اس کے مقام سے ہٹایا تو وجودِ انسانی کو کھا جائے گی۔ ایمان کا چراغ بجھا دے گی، پھر دنیا بھی اندھیری اور آخرت بھی تاریک! أَعَاذَنَا اللہُ مِنْھَا، رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(اگست ۲۰۰۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدارسِ اسلامیہ اور اقتصادیات کی تعلیم: بے جا مشورے

ایک عام تجربہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی سنگین اور مہلک مرض میں مبتلا ہوتا ہے، تو اطباء جو علاج کرتے ہیں وہ تو ہوتا ہی ہے، بیمار پُرسی کے لئے آنے والے بہت سے لوگ مریض اور مریض کے گھر والوں کو بڑی فیاضی سے مشورہ دیتے ہیں، کہ فلاں ڈاکٹر اس مرض کا بہت اچھا علاج کرتے ہیں، فلاں حکیم صاحب کے یہاں بہت سے مریض تندرست ہوئے ہیں، اس مرض میں فلاں طرح کی دوا بہت موثر ہوتی ہے وغیرہ، پھر کمزور طبیعت کا مریض موجودہ علاج سے غیر مطمئن ہو کر نئے نئے تجربے شروع کر دیتا ہے اور مرض کی گرفت شدید ہو جاتی ہے۔ اس صورتحال سے سابقہ اکثر لوگوں کو ہوا ہوگا۔

یہ حال تو انفرادی اور شخصی مریضوں کا ہے، بعض مریض اجتماعی اور قومی پیمانے کے ہوتے ہیں، ان کے ساتھ بھی یہ عمل جاری ہوتا ہے، اگر وہ مریض طاقتور اطباء اور مضبوط چارہ گروں کے انتظام میں ہوتا ہے، تو مشوروں میں قدرے احتیاط برتی جاتی ہے اور اگر اس کے تیماردار اور چارہ گر کمزور ہوتے ہیں، تو مشوروں کی وہ چاند ماری ہوتی ہے کہ یہ خیال گذرنے لگتا ہے کہ اس مریض کی حیات وصحت منظور ہے یا اس کی بیماری وموت چاہی جارہی ہے۔

ایک قومی مریض کا قصۂ پُر درد سنئے! یہ مریض ہندوستان کا دینی وعربی مدرسہ ہے! مان لیا گیا ہے کہ یہ بہت بیمار ہے، اس کی صحت میں بہت سے رخنے ہیں، اس کی حیات میں

نقائص بہت ہیں، اس کی افادیت کم سے کمتر ہے پس یہ بیمار ہے، اس کا علاج ضروری ہے، اس کے رخنے بند کرنے چاہئیں، اس کی زندگی نقائص سے پاک ہونی چاہئے، اس کی افادیت کو ترقی دینا چاہئے۔ مشہور کردیا گیا کہ دینی مدرسہ بیمار ہے، پھر اطباء دوائیں لے لے کر دوڑے، عیادت کرنے والوں نے مشوروں کی جھڑی لگائی، پھر اتنے معائب، اتنے امراض اور اتنے نقائص تشخیص کئے گئے اور ان کے لئے اتنی دوائیں تجویز کی گئیں، ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی، اور اتنی گراں بہا کہ مریض ان کی تاب نہ لا سکے!

اور یہ سب اس لئے کہ مدرسہ کے ذمہ دار اور اس کے چارہ گر سماج کے وہ افراد ہیں جنھیں کمزور سمجھا گیا ہے یا کمزور بنا کر رکھا گیا ہے، اور وہ ہیں عالمانِ دین یعنی مولوی ملّا۔

کوئی کہہ رہا ہے کہ مدرسوں میں انگریزی تعلیم نہیں ہے! پس اس کا ہونا ضروری ہے، کوئی پکارتا ہے کہ مدرسے سائنس کی تعلیم سے خالی ہیں، اس لئے اسے بھی داخل نصاب ہونا چاہئے، کوئی ہانک لگاتا ہے کہ صنعت وحرفت کے فنون سے مدرسہ محروم ہے، اس سے بھی اسے عزت دینی چاہئے اور اللہ جانے کتنے منہ ہیں؟ اور کتنی باتیں ہیں؟

ہر روز ایک دوا تجویز ہو رہی ہے، ہر دن ایک مشورہ نازل ہوتا ہے، ہر رات ایک نئی سرگوشی ہوتی ہے، جب تک یہ آواز باہر سے آتی تھی مدرسہ کو کوئی فکر نہ تھی۔ باہر والے اندر کا حال کیا جانیں؟ وہ کیا اور ان کے مشورے کیا؟ مدرسہ اپنی ڈگر پر چلتا رہا، اپنی کمی بیشی خود درست کرتا رہا۔ زخم دکھائی دیا، اس پر مرہم رکھ دیا، کمی دیکھی اس کی تلافی کرلی، بہت مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کمی دیکھی مگر اپنی کمزوری کی وجہ سے تلافی نہ کرسکا، مگر باہر والے جو صدا لگا رہے تھے، اصلاح وتلافی کی دعوت دے رہے تھے، اس پر بجز معدودے چند کے عام مدرسوں نے کان نہیں دھرا، کیونکہ پکارنے والوں میں خود بہتّر چھید دکھائی دے رہے تھے، وہ آواز چھلنی کی تھی جس میں بہتّر چھید ہیں!

باہر والوں نے محسوس کیا کہ ان کی آواز مدارس کے کان میں نہیں جارہی ہے، تو انھوں نے اندر والوں کو تاکا، ان میں ایسے افراد تلاش کئے جن کے کان میں یہ اجنبی اور

نامانوس آوازیں داخل ہوسکیں پھران کے ذریعے سے وہ باتیں اندرداخل کی جاسکیں، یہ افراد مخلص ہیں، یہ نیک نیتی سے چاہتے ہیں کہ مدارس کے مرض کا علاج ہوجائے،لیکن جذبۂ ہمدردی کی شدت اوریکسوئی میں انھیں غفلت ہوجاتی ہے کہ جوعلاج وہ تجویز کررہے ہیں اس سے مدرسہ، کالج توبن جائے گا، مدرسہ نہ رہے گا۔ ظاہراس کا شاندارتوہوجائے گا،مگراس کا مقصود بے جان ہوجائے گا، اس کی رفتار تیز تو ہوجائے گی مگر راستہ بدل جائے گا،منزل گم ہوجائے گی۔

میرے سامنے ایک رسالہ ہے۔

ہندوستان کے دینی مدارس میں اسلامی مالیات واقتصادیات کی تعلیم

۲۶/۲۵/اپریل ۲۰۰۹ء کواسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز اوراسلامی ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ (جدّہ) کے باہمی تعاون سے مذکورہ بالا موضوع پر جامعہ ہمدرد دہلی میں ایک ورکشاپ منعقد ہواتھا،اس ورکشاپ میں اس موضوع پرغور وخوض کیا گیا کہ موجودہ عہد میں ہندوستان کے اسلامی مدارس میں اسلامی مالیات واقتصادیات کی تعلیم کی صورت کیا ہو؟ اوراس راہ میں درپیش دشواریوں کوکس طرح حل کیا جائے؟

اس کتابچہ میں اس ورکشاپ کی مختصر روداداوراس میں کیئے گئے فیصلے شائع ہوئے ہیں،اس قومی ورکشاپ میں ملک، بیرون ملک کے نامورعلماءاوردانشوروں نے شرکت کی، ہندوستان کی دینی درسگاہوں کے ذمہ داران اورمتعدد معروف ماہرین اقتصادیات شریک رہے۔

ان نامورعلماء ودانشوروں نے اس موضوع پرغوروخوض کیا کہ مدارس کے نصاب تعلیم اوران کے پروگرام میں باصطلاح جدید مالیات واقتصادیات کی تعلیم کا شمول وقت کا ایک اہم تقاضا ہے،اورعلماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اقتصادیات کے میدان میں دنیاوالوں کی امامت وقیادت کا فریضہ انجام دیں، اور ظاہر ہے کہ اس امامت کی اہلیت مدارس

اسلامیہ کے نصاب تعلیم ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اتنے علماء ودانشوروں کی رائے اور فیصلے سے کوئی اختلاف کرے؟ اس کی جرأت کس میں ہے؟ لیکن کیا مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت ملے گی کہ جن مدارس میں آپ اس موضوع کو داخل کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، ان کے وسائل بہت محدود ہیں، وہ جتنا بوجھ لے کر چل رہے ہیں وہی ان کے لئے بھاری پڑ رہا ہے، پھر ان سے یہ فرمائش کرنا کہ ایک نیا نصاب بنے گا، اس کے لئے ماہر اساتذہ کی ضرورت ہوگی، اس کے لئے جدید اور تازہ تر کتابیں تیار ہوں گی، انھیں مہیا کرنا ہوگا، یہ کہاں تک قرین انصاف ہے۔

پھر یہ بھی سوچئے کہ مدارس کا موضوع قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیم ہے، اس کے لئے جن مبادی کی ضرورت ہے انھیں بقدر ضرورت نصاب میں رکھا گیا ہے، فقہ اسلامی کی تعلیم اس قدر ضروری ہے کہ انسانوں کو جن احوال ووقائع میں ابتلاء ہوتا ہے ان کا شرعی حکم دریافت ہوسکے۔ عبادات ہوں، معاملات ہوں، نکاح وطلاق اور معاشرات ہوں، تجارتی معاملات ہوں، کرایہ داری کے مسائل ہوں، شرعی اصولوں کی بنیاد پر ان کا حکم دریافت ہوجائے کہ جائز ہیں، مکروہ ہیں، حرام ہیں، اس قدر تو فقہ تو مدارس کے نصاب میں داخل ہے ہی! اب رہی یہ بات کہ اقتصادیات ومالیات کی تحصیل، ان کی ترقی، اور ان کے فروغ کی کیا کیا شکلیں ہوسکتی ہیں، اقتصادیات کی دوڑ میں آدمی کس طرح آگے بڑھ سکتا ہے، یہ فقہ اسلامی کا موضوع نہیں ہے، یہ تو دنیاداری اور حرصِ مال کا موضوع ہے، آج کل قوموں نے جن چیزوں کو اقتصادیات ومالیات، کامرس، فائنانس، بینک کاری، انشورنس اور دوسری بھاری بھرکم اصطلاحات کے ذریعے انسانی زندگی کی اہم ضرورت بنا رکھا ہے، وہ درحقیقت حرصِ مال اور حب دنیا کی نجاستوں پر جدید الفاظ کا پردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیاداروں کے بارے میں فرمایا ہے: بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (سورہ اعلیٰ: ۱۶/۱۷) بلکہ تمہارے نزدیک دنیوی زندگی کو ترجیح حاصل ہے، حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے اور اسی کیلئے بقاء بھی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد

فرماتے ہیں: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْآخِرَةَ (القیامۃ:۲۰/۲۱) نہیں، بلکہ تم لوگ دنیا سے محبت کرتے ہو، اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

غور کیجئے، دورِ حاضر میں اقتصادیات کی جو تعلیم ہے، وبجز ترجیح دنیا اور حب عاجلہ کے اور کیا ہے؟ وہ بینکنگ ہو، انشورنس ہو، تجارت کے مختلف خوشنما طریقے ہوں، سب کا حاصل حب عاجلہ، فریب، خودغرضی اور اللہ ورسول سے جنگ کے علاوہ اور کیا ہے؟ ان سب کا محل مدارسِ اسلامیہ کب ہیں جن میں ترجیحِ آخرت اور زہد فی الدنیا کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔

اگر کسی کا خیال یہ ہو کہ دورِ حاضر کی اقتصادی اصطلاحات سے طلبہ کو واقف کرایا جائے، تو گزارش ہے کہ جس گاؤں میں ہم کو جانا نہیں اس کا راستہ کیوں پوچھیں، ہمارے سامنے جب کسی مالی معاملہ کی صورت آئے گی، قرآن وسنت کے قواعد کی روشنی میں اس کا حکم بیان کردیا جائے گا۔

ایک بات اور قابل غور ہے، آج کی دنیا میں جو لوگ تجارت کی منڈیوں اور کاروبار کے دروبست پر قابض ہیں، ان کی عقل وذہانت کا خلاصہ یہ ہے کہ حرصِ مال کو زیادہ سے زیادہ سے ترقی دی جائے، وہ اس کے لئے ہر روز نئے نئے طریقے گھڑتے رہتے ہیں، ان کے سامنے نہ حسابِ آخرت ہے، نہ اللہ ورسول کا فرمان ہے، ان کا ایک نظریہ ہے، وہ یہ کہ مال بڑھتا رہے، اس کے لئے وہ ہر طریقہ اختیار کرسکتے ہیں، خواہ اس سے کسی کا نفع ہو یا نقصان! اس معیشت کی بنیاد خودغرضی پر ہے، وہ جہاں تک ساتھ دیتی ہے، آدمی بے تکلف چلا جاتا ہے، کوئی اقتصادی طریقہ وجود میں آتا ہے تو اسے سرے سے اس کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ اسلامی اصول وقواعد کیا ہیں؟ اور ان سے کتنی ہم آہنگی ہے، پھر جب وہ طریقہ رائج الوقت ہوجاتا ہے اور بظاہر اس میں نفع دکھائی دینے لگتا ہے، تو ہماری ذہانت اس پر اسلامی اصولوں کو منطبق کرنے یا قدرے ترمیم کرکے اسے اسلامی سانچے میں فٹ کرنے کی کوشش کرنے لگتی ہے، جبکہ اس کے موجدین اب بھی نگاہِ التفات نہیں کرتے، اسی انطباق وترمیم

کے عمل پر اسلامی معاشیات، اسلامی مالیات اور اسلامی اقتصادیات کا لیبل لگا کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے بڑا تیر مار لیا ہے، آخر ہم کب تک دوسروں کے پیچھے دوڑتے پھریں گے؟

مدارس اور علماء کا کام نہ تجارت کا عمل سکھانا ہے، نہ مالیات کی تحصیل کا طریقہ سکھانا ہے، انھیں تو حلال کو حرام سے ممتاز کرنا ہے، خواہ اس سے بظاہر دنیا کا نقصان ہوتا ہو، لیکن اولاً آخرت کو پیش نظر رکھنا ہے، یہ علم، اس علم کے حاملین، اس علم کی درسگاہیں، دوسروں کی نقالی کرنے کے لئے نہیں ہیں ان کا احتساب کرنے کے لئے ہیں۔ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے لتکونوا شهداء علی الناس (البقرة:۱۴۳) قرار دیا ہے کہ دوسروں پر تمہاری گواہی نافذ ہوگی۔

مدرسے جو کر رہے ہیں انھیں کرنے دیجئے، الٹے سیدھے مشورے دے کر انھیں پریشان نہ کیجئے، جتنا کچھ یہ پڑھ پڑھا رہے ہیں، اس میں رسوخ اور ثبات کا مشورہ دیجئے، دنیاوی ترغیبات اور مال وجاہ کی حرصیات میں انھیں نہ پھنسائیے، مال ان کا معبود نہیں ہے، اس کے محور پر مدرسوں کو نہ گھمائیے، نہ مدرسے والوں کو! یہ جتنا اس میں مبتلا ہیں وہی بہت ہے، اسی کا حساب مشکل ہوگا، آگے اور کس کس چیز میں پھنسائیے گا۔

آج کی اقتصادیات کا حاصل ہے، مال جمع کیجئے، اس کی گنتی کرتے رہئے، بخل کیجئے، بخل کی تعلیم دیتے رہئے۔ اس اقتصادیات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ ہو: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (الهمزة:۱/۲) ویل (جہنم) ہے ہر طعنہ دینے والے، عیب چینی کرنے والے کیلئے، جس نے مال سمیٹا اور اسے گنتا رہا۔ مال جمع کرنا، اسے گنتے رہنا یہ اہل جہنم کی صفت ہے، مومن تو وہ ہے: فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (اللیل:۵/۶/۷) پس جس نے عطا و بخشش کی اور ڈرتا رہا، اور بھلی بات کو دل وجان سے سچ مانا، تو ہم اس کو بتدریج آسانی میں پہونچادیں گے۔

بخل وامساک نہیں، بخشش وعطا، بے تحاشا مال جمع کرنے کی فکر نہیں، خشیت اور

تقویٰ، فقر وغربت کے اندیشے نہیں، وعدۂ الٰہی کی تصدیق، ایک صاحب ایمان کی شان ہے، پھر اس کے لئے سہولتیں ہیں، راحتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (الحدید: ۲۳/۲۴) اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے، ڈینگ ہانکنے والے کو پسند نہیں کرتے، وہ جو کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں، اور جو کوئی منہ موڑتا ہے تو اللہ بے نیاز اور تمام خوبیوں کے ساتھ متصف ہے۔

اگر غور کریں گے تو موجودہ دور کا نظام مالیات اور علم اقتصاد بخل اور بخل کی تاکید پر مبنی ہے، بینکنگ ہو، انشورنس ہو، یا فائنانس کے مختلف رنگ ہوں، سب حرص وبخل کے معلم ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ مدارس کو تو بطور خاص اور تمام مسلمانوں کو بطور عام محفوظ رکھیں۔

کاش یہ عمل وہ دنیاوی اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں پر کرتے، یہ ادارے تو بالکل ہی خدا فراموش اور آخرت سے غافل ہیں، ان کا ہر شعبہ قرآن وسنت کی تعلیم سے بے بہرہ ہے، ان میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں، انھیں خدا کی معرفت سے، خدا کے احکام کے علم سے روشناس کراتے، تو جہنم کی طرف بڑھتے قدم پر کچھ تو لرزہ طاری ہوتا، مگر وہاں اس لئے ہمت کام نہیں کرتی اور حوصلہ شکست کھا جاتا ہے کہ ظاہری اعتبار سے ان پر حکومت کی، عوام کی، حرص مال وجاہ کی حکمرانی ہے، اس سے کون لڑائی مول لے، ورنہ جہاں تک اعتراف واقرار کا تعلق ہے، تمام دنیا ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کی بیماریوں، ان کے کھوکھلے پن کو تسلیم کرتی ہے، مگر انھیں کون ٹوکے، بے چارے ملا، مولوی کے پاس کوئی دنیاوی طاقت تو ہے نہیں، اس لئے سب اسے ہی مشق ستم بناتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ وھو المستعان۔ (ستمبر ۲۰۰۹ء)

❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں کے نام ایک اہم پیغام

تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ زمانۂ نبوت سے دوری ہوجانے کی وجہ سے ہدایت کی راہ دھندلی ہوتی جارہی ہے، گمراہی کی یلغار ہر طرف بڑھتی جارہی ہے، کتابوں پر کتابیں چھپ رہی ہیں، تقریر وخطابت کا دروازہ وسیع ہوتا جارہا ہے، ہر شخص مدعی ہے کہ وہ ہدایت کے چراغ روشن کررہا ہے، مگر اندھیرا ہے کہ اس کے سائے لمبے ہی ہوتے جارہے ہیں۔ ہر دو حرف جاننے والا اس پندار میں مبتلا ہے کہ دین ومذہب کی ترجمانی اور اس میں رائے زنی کا اسے حق حاصل ہے، خواہش نفس کو دین الٰہی کا عنوان دینے میں کوئی جھجک نہیں محسوس کی جاتی، اور عام مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے جہاں کسی زبان وقلم کے دھنی نے ادعائی انداز میں کوئی بات زور اور قوت کے ساتھ کہی یا کوئی کتاب کروفر سے لکھی، بس اسی پر پھسل پڑے، اور یہ سوچنے لگے کہ لکھنے یا بولنے والا یقیناً حق پر ہوگا جبھی تو اس کی بات میں اس درجہ قوت اور شوکت پائی جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز مسلمانوں کے معاشرہ میں اختلاف ونزاع کی شاخیں بڑھتی جارہی ہیں، اور ہر فرد اور ہر گروہ کو یہ اصرار ہے کہ حق اسی کے دائرہ میں محدود ومنحصر ہے، اس سلسلے میں عام اہل اسلام کی خدمت میں نہایت خیرخواہی اور دلسوزی کے ساتھ گزارش ہے کہ ہر لکھنے والے اور بولنے والے کی بات پر دھیان نہ دیں بلکہ چند اصولی باتیں محفوظ رکھ لیں اور خوب جانچ پرکھ کر کسی شخص کی بات پر اعتنا کریں۔

اہل سنت والجماعت:

سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھیں کہ دین اسلام کے تمام عقائد واعمال رسول

اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں مرتب و مکمل ہو چکے ہیں، اور ان پر عمل درآمد بھی ہو چکا ہے، کیا عقیدہ ہونا چاہیئے؟ کیا فرض ہے؟ کیا واجب ہے؟ کیا سنت ہے؟ کیا مستحب و مباح ہے؟ اور کیا چیزیں حرام و ناجائز ہیں؟ اصولی طور پر یہ تمام اُمور خیر القرون (عہد رسالت وصحابہ) میں طے ہو چکے ہیں اور اہل اسلام کی راہ متعین ہو چکی ہے، اسی راہ پر چلنے کا ہر مسلمان ذمہ دار ہے، اس راہ کو اختیار کرنے والی جماعت اور افراد ''اہلسنت والجماعت'' کہلاتے ہیں۔ اہل سنت کے تمام عقائد و اعمال وہی ہیں جو آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام **رضی اللہ عنہم اجمعین** سے ثابت ہیں، اس راہ سے انحراف کرنا اور باہر نکلنا بالکل درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَسَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْرًا۔ (سورۃ النساء:۱۱۵)

اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ کھل چکی اس پر راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کر دیں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اس کو جہنم میں اور وہ بہت بری جگہ پہو...

اس آیت کو بنظر غور دیکھئے، رسول کی مخالفت کرنے والا تو خیر جہنم میں جائے گا ہی، اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں سے الگ راستہ اختیار کرنے والا بھی اسی انجام میں گرفتار ہوگا، اس لئے بہت اہتمام سے اہل سنت والجماعت کے عقائد کو دریافت کرکے انھیں پختگی اور استقامت کے ساتھ تھامے رہنا چاہیئے، خالص حق وہی ہے جسے آنحضرت ﷺ نے **ما أنا علیه وأصحابی** کی بلیغ تعبیر میں واضح فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طریقہ پر آپ اور آپ کے اصحاب رہے ہیں وہی حق اور پسندیدۂ خداوندی ہے۔

سوادِ اعظم: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **إتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار** (ابن ماجہ) سوادِ اعظم کی راہ چلو، جو اس سے علیٰحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

سوادِ اعظم امت کا وہ باعظمت اور جلیل القدر طبقہ ہے جو صحابۂ کرام، ائمہ مجتہدین، محدثین وفقہاء اور اہل حق مشائخ وصوفیہ کی عظیم جماعت پر مشتمل ہے، جس کی اصولِ دین

میں ایک راہ متعین ہے، اور عددی لحاظ سے بھی نیز علم وفضل، زہد وتقویٰ، خشیت وللّٰہیت کے اعتبار سے بھی امت کا کوئی فرقہ اس کا ہم پلہ نہیں۔ اور اسی مجموعہ کو ہم ''اہل سنت والجماعت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ سوادِ اعظم کی راہ سے الگ نہیں ہونا چاہئے۔

امت کسی غلط مسئلہ پر متفق نہیں ہوسکتی:

رسول اللہ ﷺ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

إن الله لايجمع أمتي أو قال أمة محمدٍ علیٰ ضلالة ويدالله على الجماعة ومن شذ شذ في النار۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ میری امت کو کسی غلط مسئلہ پ نہیں کرے گا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد جم کے اوپر ہے اور جو اس سے ہٹا وہ جہنم میں

آپ کا ارشاد برحق ہے، اور خدا کی جانب سے ہے۔ آج ہم چودہ سوسال کا تاریخی تجربہ رکھتے ہیں کہ کسی دور میں بھی امت کے اجتماعی مزاج نے کسی غلط مسئلے کو کبھی قبول نہیں کیا ہے، جب بھی کسی نے کوئی غلط مسئلہ اٹھایا اہل حق نے ٹوکا بالآخر گمراہی حرفِ غلط بن کر مٹ گئی اور حق کا اجالا پھیل کر رہا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد:

امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''دینداری کا حصول اہل سنت والجماعت کے طریق حق کو اختیار کرنے پر موقوف ہے، اسلام کے تمام فرقوں میں یہی جماعت نجات یافتہ ہے، بزرگواران اہل سنت کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے، اور ان کی رائے تسلیم کئے بغیر فلاح ناممکن۔ اس مضمون پر عقلی، نقلی اور کشفی دلائل شاہد ہیں، اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص ان اکابر کی راہِ اُستوار سے رائی بھر بھی ہٹا ہوا ہے تو اس کی صحبت کو سمِ قاتل سمجھنا چاہئے اور اس کی ہمنشینی کو زہر افعیٰ۔ (مکتوب: ۲۱۳، دفتر اوّل)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''مکلفین کے ذمہ سب سے پہلے ضروری ہے کہ علماء اہل سنت والجماعت کی رائے کے موافق اپنے عقائد کی تصحیح کریں، نجاتِ آخرت کا مدار انھیں حضرات کی رہنمائی وہدایت پر ہے، یہی حضرات اور ان کے متبعین نجات یافتہ ہیں اور یہی بزرگوار نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ پر ہیں۔ کتاب وسنت سے جو علوم مستنبط وماخوذ ہیں وہ وہی ہیں جنھیں ان اکابر نے قرآن وسنت سے سمجھا ہے، کیونکہ تمام اہل باطل اور گم کردگان راہ بھی اپنے فاسد عقائد کو بزعم خویش کتاب وسنت ہی سے اخذ کرتے ہیں، لیکن (خوب سمجھ لینا چاہئے کہ) اہل سنت کے بتائے ہوئے مفہوم ومعانی کے ماسوا کچھ معتبر نہیں ہے۔

آگے چل کر حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ:

''اگر ہمیں تمام احوال ومواجید عطا ہوں لیکن اہل سنت والجماعت کے عقائد سے ہمارا باطن آراستہ نہ ہو تو بجز خرابی کے کچھ حاصل نہیں، اور اگر تمام خرابیاں ہماری جانب منسوب ہوں لیکن اہل سنت کے عقائد کا دامن ہاتھ میں ہو تو کچھ اندیشہ نہیں۔

(مکتوب: ۱۹۳، دفتر اول)

ان تصریحات سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ عقائد واعمال کی وہی راہ معتبر ہے جو علماء اہلسنت کی متعین کردہ ہے، قرآن وسنت کا وہی مفہوم ومطلب درست ہے جس کی وضاحت علماء اہل سنت نے کی ہے، اگر ان حضرات کے خلاف کوئی شخص قرآن وحدیث کا کوئی اور مفہوم امت کے سامنے پیش کرے یا دین کی ایسی تصویر بنائے جس سے علماء اہلسنت واقف نہ ہوں، اس کو بجز گمراہی کے اور کچھ نہ سمجھنا چاہئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

آج کل ایک خاص فرقہ کے افراد اپنے لئے اہل سنت کا لقب خصوصی طور پر استعمال کرتے ہیں، ناظرین اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں، یہ گروہ اہل سنت سے علیحدہ

ایک فرقہ ہے، اس نے بہت سی بدعات کو سنت بلکہ مدارِ ایمان ٹھہرا رکھا ہے، ان کا شمار اہل سنت میں نہیں ہے۔ اہل سنت وہی ہیں جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ پر اعتقاد وعمل کی بنیاد رکھتے ہیں خواہ وہ تنظیمی و جماعتی لحاظ سے اکٹھا کہیں نہ پائے جاتے ہوں۔ طریق اہل سنت پر ایک شخص اگر مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں، تو دونوں اس جماعت حقہ کے فرد ہیں، خواہ دونوں کی ملاقات عمر بھر نہ ہو۔

گمراہوں کی شناخت:

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر غلط کاروں اور گمراہوں کی اصولی شناخت ذکر کر دی جائے، تاکہ مسلمانوں کو ان سے اجتناب کرنا آسان ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں ہر باب میں امت کی رہنمائی فرمائی ہے، وہیں اس عنوان کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ آپ نے اس قسم کے افراد کی واضح علامات ارشاد فرما دی ہیں جن کی روشنی میں ہر ایک گمراہ کو پہچانا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

إن الشيطان ذئب الانسان كذئب الغنم ياخذ الشاذة والقاصية والناحية، إياكم والشعاب وعليكم بالجماعة والعامة۔ (احمد)

شیطان، انسان کا بھیڑیا ہے، جیسے بکریوں کا بھیڑیا جو ''شاذہ''، ''قاصیہ'' اور ''ناحیہ'' کو اچک لیتا ہے، مختلف گھاٹیوں میں منتشر ہونے سے بچو اور جماعت نیز عامۃ المسلمین کے طریقے کو تھامے رہو۔

''شاذہ'' وہ بکری ہے جو ریوڑ سے الگ تھلگ رہتی ہے اور اس میں مل جل کر رہنا پسند نہیں کرتی۔ ''قاصیہ'' وہ ہے جو چرنے کے انہماک میں ریوڑ کا کچھ خیال نہیں رکھتی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ گلہ سے الگ جا پڑتی ہے۔ اور ''ناحیہ'' وہ بکری ہے جو غفلت میں کاہل بیٹھی رہ گئی، اور ریوڑ آگے نکل گیا۔ یہ تینوں قسم کی بکریاں بھیڑیئے کا لقمہ بن جاتی ہیں، بکریوں کی حفاظت اسی میں ہے کہ وہ گلہ کے ساتھ لگی لپٹی رہیں۔ گلہ بان سب کی حفاظت کرتا رہے گا، ٹھیک یہی حال عام انسانوں اور مسلمانوں کا ہے، ان کے ذمے ضروری ہے کہ

جس راستے پر امت کا سوادِ اعظم جا رہا ہے اسی راہ پر لگے رہیں، اس سے ذرا اِدھر اُدھر ہوئے کہ شیطان کا لقمہ بن جائیں گے۔

انفرادیت پسندی:

بعض لوگ اپنی امتیازی شان اور انفرادی حیثیت منوانا چاہتے ہیں، انھیں یہ خبط ہوتا ہے کہ سب لوگ جس راہ پر چل رہے ہیں اگر وہ بھی اسی راہ پر بھیڑ میں چلے تو انھیں کون پہچانے گا، ان کی انفرادیت پسندی انھیں عام راستے سے الگ لے جاتی ہے، بہت سے مسائل میں وہ تفرد اختیار کرتے ہیں، امت میں جو رائے کسی نے پیش نہیں کی ہے اس پر اصرار کرتے ہیں، تجدد کے شوق میں اصطلاحات کے مفہوم تبدیل کر ڈالتے ہیں، قرآن وحدیث میں جدید معانی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جب عام اہل علم سے اس کی تائید نہیں پاتے تو بجائے اس کے کہ اپنی غلطی محسوس کریں انھیں کو کوتاہ بیں بدفہم اور غبی کہنے لگ جاتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ عام علماء پر سے اعتماد اٹھ جائے۔ یہ لوگ ''شاذہ'' کے مثل ہیں، ہمارے زمانہ میں اکثر تیز ذہن افراد جو فتنے لے کر اٹھے اور اہل سنت سے الگ انھوں نے راہ بنائی، ان میں سے بیشتر کے پیچھے یہی انفرادیت پسندی اور شوقِ تجدد کارفرما رہا ہے۔ ہندوپاک میں پائے جانے والے نومولود فرقوں سے جو لوگ آگاہ ہیں ان کے لئے شناخت مشکل نہیں ہے۔

غلو پسندی: بعض لوگوں کو انفرادیت اور تجدد کا شوق نہیں ہوتا، لیکن وہ کسی خاص مسئلہ پر اتنا زور دینے لگ جاتے ہیں اور اس درجہ اصرار کرتے ہیں کہ ان کی اہمیت اصل حیثیت سے آگے بڑھ جاتی ہے۔ دین کے مختلف شعبے اور اجزاء ہیں اور ہر ایک کی حیثیت متعین ہے، اپنی حیثیت سے کسی مسئلہ کو نکالنا درحقیقت پورے دین کا حلیہ بگاڑنا ہے، انسانی جسم میں ہر عضو کی ایک حیثیت اور مقدار متعین ہے، اگر کسی عضو کی مقدار عام مقدار سے بڑھ جائے تو پورا جسم بدصورت ہو کر رہ جاتا ہے، ٹھیک یہی حال دین کے مختلف شعبوں اور اجزاء کا ہے، بعض گروہوں نے تو سیاست وحکومت کو اس درجہ اہمیت دی کہ دین کا ہر شعبہ اس کا خادم محسوس ہونے لگا، بعض لوگ کسی مستحب یا مباح امر پر اس درجہ اصرار کرنے لگتے

ہیں کہ وہ فریضہ کے درجہ میں جاپہونچتا ہے، بعض لوگ طہارت وغیرہ کے مسائل میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ واجبات تک متروک ہونے لگتے ہیں، بعض افراد کسی باطل فرقہ کی تردید میں اس درجہ انہماک رکھتے ہیں کہ پس وپیش نظر انداز ہوجاتا ہے، روافض کی تردید میں جو لوگ غلو کی حد تک پہونچ جاتے ہیں ان کا دل سیّدنا حضرت علی اور سیّدنا حضرت حسنین رضی اللہ عنہم کی جانب سے صاف نہیں رہ جاتا، یہ سب لوگ ’’قاصیہ‘‘ کے زمرہ میں ہیں۔ یہ افراد اپنی ذہنی رَو میں چند خاص مسائل کو لے کر اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ بہت سے دوسرے مسائل پس پشت ہوکر رہ جاتے ہیں، یہ لوگ بھی اغواء شیطانی کے شکار ہوجاتے ہیں۔

غفلت کوشی:

بعض لوگ اپنی کاہلی سستی کی وجہ سے احکام اسلام کی پابندی میں ڈھیلے ہوتے ہیں، اگر یہ مرض دور نہ کیا جائے تو رفتہ رفتہ ان کے ہاتھ سے بیشتر اسلامی تعلیمات کا دامن چھوٹ جاتا ہے، ان لوگوں کو دیکھ کر دوسرے افراد بھی سست اور درماندہ ہوجاتے ہیں، یہ ’’ناحیہ‘‘ کی صف میں ہیں، انھیں بھی شیطان اپنا شکار بنالیتا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں قسم کے افراد اگر اپنی حد تک محدود رہیں تو خرابی انھیں کے دائرۂ اثر تک رہ جاتی ہے، لیکن مصیبت اس وقت عام ہوتی ہے جب وہ اپنی ان کمزوریوں کو عام مسلمانوں میں پھیلانے کی ٹھان لیتے ہیں، پھر گمراہی پھیلتی چلی جاتی ہے، اور علماء اہل حق کے لئے تدارک مشکل ہوجاتا ہے۔

جامع نصیحت:

اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع نصیحت فرمائی کہ عام مسلمانوں کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر، اِس گھاٹی اور اُس گھاٹی میں مت جھانکو، ورنہ گمراہی کا بھیڑیا تمھیں دبوچ لے گا، وہی راہ جو متعین ہوچکی، جس پر صحابہ کرام، ائمۂ مجتہدین، فقہاء ومحدثین اور مشائخ وصوفیہ کا قافلہ گذرا ہے، اور جس پر آج بھی صالحین کے قدم چل رہے ہیں اسی راہ پر لگے رہو، اس سے

سرمو انحراف نہ کرو، یہی ہدایت ہے۔

متشابہات میں انہماک:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے مضامین بیان فرمائے ہیں، بعض مضامین وہ ہیں جن کا واضح اور روشن مطلب بیان کر دیا گیا ہے، ان کے مفہوم میں کوئی ابہام نہیں ہے مثلاً ایمان، نماز، روزہ وغیرہ اور جنت و دوزخ، حشر ونشر وغیرہ، انھیں محکم کہتے ہیں، اور بعض مضامین ایسے ہیں جن پر ایمان لانا تو ضروری ہے مگر ان کے مطالب کی تفصیل نہیں بیان کی گئی ہے، مثلاً تقدیر وغیرہ، انھیں متشابہ کہتے ہیں، حکم یہ دیا گیا ہے کہ متشابہات پر ایمان لاؤ، اور ان کی حقیقت واقعی کا علم خدا کے سپرد کر دو، ان کی چھان بین اور کھود کرید میں نہ پڑو، جب ان کی تفصیلات اللہ نے اور رسول نے نہیں ارشاد فرمائی تو ان کے علم کا دروازہ بند ہو چکا ہے، البتہ محکمات کا خاص دھیان رکھو، ڈرنے کی چیزوں سے ڈرو، امید کی چیزوں سے امید رکھو، اعمال کا اہتمام کرو، عقائد کو مضبوطی سے تھامو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

وہی ہے جس نے اتاری تم پر کتاب، اس میں بعض آیتیں محکم ہیں (یعنی ان کے معنی واضح ہیں) وہ اصل ہیں کتاب کی، اور دوسری متشابہ (یعنی جن کے معنی معلوم یا متعین نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ پیچھے پڑ جاتے ہیں متشابہات کے، گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کے لئے، اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے، اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔ (سورہ آل عمران:)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ سلیم الفطرت لوگ تو محکمات کا اہتمام کرتے ہیں کیونکہ

کتاب اللہ کی بنیادی باتیں محکمات ہی ہیں، لیکن جو لوگ محکمات سے آنکھیں بند کر کے متشابہات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق معانی نکال کر لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگ قرآن کی خبر کے مطابق گمراہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے اپنی امت پر تین باتوں کا خوف ہے، اوّل یہ کہ مال بہت مل جائے جس کی وجہ سے باہمی حسد میں مبتلا ہو جائیں اور کشت وخون کرنے لگ جائیں۔ دوسری یہ کہ کتاب اللہ سامنے کھل جائے (یعنی ترجمہ کے ذریعہ ہر عامی اور جاہل بھی اس کے سمجھنے کا مدعی ہو جائے) اور اس میں جو باتیں سمجھنے کی نہیں ہیں یعنی متشابہات اُن کے معنی سمجھنے کی کوشش کریں، حالانکہ ان کا مطلب اللہ ہی جانتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کا علم بڑھ جائے گا تو اسے ضائع کر دیں، اور علم بڑھانے کی جستجو چھوڑ دیں۔ (معارف القرآن بحوالہ ابن کثیر)

آج ہمارے دور میں کتنی جماعتیں اور افراد ایسے ہیں کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اصولی باتوں سے غافل ہیں، دین کے ظاہری اور باطنی کتنے احکام کو پامال کر رہے ہیں، لیکن جن باتوں کو شریعت نے مجمل اور متشابہ رکھا ہے ان کے خودساختہ معانی کی بنیاد پر تکفیر وتضلیل تک کرتے رہتے ہیں، قادیانی کی گمراہی بیشتر متشابہات کی خودساختہ تاویل پر ہے۔

انکارِ حدیث: بعض لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو صرف قرآن کے ماننے کے مدعی ہیں اور احادیث کا انکار کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ احادیث سب گھڑی ہوئی ہیں، یہ بھی گمراہی کی ایک علامت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے قرآن عطا ہوا ہے، اور اسی کے بقدر اور بھی علم مرحمت کیا گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی آسودہ شکم آدمی مسہری پر لیٹا ہوا یہ کہے کہ صرف قرآن کو پکڑو، جو اس میں حلال دیکھو اسے حلال سمجھو، اور جس کو اس میں حرام پاؤ بس اسی کو حرام سمجھو۔ سن لو کہ جس چیز کو اللہ کے رسول نے حرام کیا وہ بھی ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے حرام قرار دیا۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گمراہی کا ایک دروازہ انکار حدیث بھی ہے، اور

حقیقت یہ ہے کہ صحیح احادیث کے انکار کے بعد قرآن پر ایمان رکھنے کی بات محض مغالطہ ہے، منکر حدیث قرآن مجید نہیں بلکہ قرآن کے خودساختہ مطلب پر جو اپنی خواہش نفس کے تقاضے سے اخذ کرتا ہے، ایمان رکھتا ہے، اور اسی پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، اس طرح وہ قرآن کی طرف نہیں بلکہ اپنے بیان کئے ہوئے مطلب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

جہالت کے ساتھ ادعاء علم:

مذکورہ گمراہیوں کے علاوہ ہمارے زمانہ میں گمراہی کی ایک اور نئی مگر قابل شرم قسم بھی پیدا ہوگئی ہے وہ ہے علم نہ رکھنے کے باوجود دعوئ علم۔ قاعدہ ہے اور سارے عالم کا مسلّمہ اصول ہے کہ علم خواہ کتنا ہی معمولی ہو، کسی استاذ کی خدمت میں رہ کر سیکھنا پڑتا ہے، اسی اصول کی بناء پر قدیم زمانے سے مکاتب ومدارس کا رواج ہے، اور آج بھی تمام تر بے اصولی اور بے تکے پن کے باوجود اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا نظام اہتمام کے ساتھ چلایا جارہا ہے۔ دنیاوی علوم میں کسی کو یہ خبط نہیں ہوتا کہ محض مطالعہ کے زور پر ان علوم کے ماہرین پر نقد وتبصرہ شروع کردے، اور اگر کسی نے اپنے مطالعہ کے بل پر کسی علم کو کچھ سمجھ بھی لیا تو ماہرین کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت نہیں کرتا۔ یہ دنیا کا اتنا مسلم قاعدہ ہے کہ کوئی احمق سے احمق انسان بھی اس سے اختلاف نہیں رکھتا، ان تعلیم گاہوں پر قوم کا، حکومت کا کتنا بڑا سرمایہ خرچ ہوتا ہے اس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا، لیکن آج تک کسی نے یہ مشورہ نہیں دیا کہ ان دانش گاہوں کو بند کردو سرمایہ ضائع نہ کرو، ذہین افراد خود مطالعہ کے زور پر ان علوم کو حاصل کرلیں گے۔

لیکن مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوگیا جس کو دینی علوم میں یہ قاعدہ تسلیم نہیں ہے اس کا خیال ہے کہ اگر کسی نے باقاعدہ کسی تعلیم گاہ میں وقت، عمر اور مال خرچ کرکے علوم کی تحصیل کی ہے، اساتذہ سے پڑھا ہے، یکسو ہوکر اپنے کو محض علم کے حوالے ایک مدت تک کررکھا ہے اسے دین کی سمجھ حاصل نہیں، وہ قرآن وسنت کا مفہوم نہیں سمجھتا لیکن

ایک ایسا شخص جس نے دینی مدارس کا رخ نہیں کیا، علم کے ماحول میں نہیں رہا، اساتذہ سے نہیں پڑھا، محض مطالعہ کیا ہے اسے دین کی صحیح سمجھ حاصل ہے، اور ظلم تو یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ ایک شخص قرآن وسنت کی بنیادی زبان سے بھی ناواقف ہے لیکن اس کا دعویٰ ہے کہ میں ان لوگوں سے بہتر دین سمجھتا ہوں جنھوں نے دین ہی کے لئے اپنی عمریں کھپا ڈالی ہیں۔ گمراہوں کی یہ سب سے بدترین قسم ہے جو صرف علم ہی سے تہی مایہ نہیں ہے بلکہ ضروری انسانی عقل وخرد سے بھی یکسر عاری ہے، مسلمانوں کو ایسے ناخلف افراد سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔

یاد رکھئے! ہمیشہ ایسے علماء پر اعتماد کیجئے جنھوں نے باقاعدہ اساتذہ کی خدمت میں رہ کر دینی علوم کو حاصل کیا ہو، اور ان میں للّٰہیت، خداترسی، ورع وتقویٰ کی صفات موجود ہوں، دینی مدارس میں ایسے علماء کرام اور مفتیان ذی احترم موجود ہیں جن سے علمی رہنمائی حاصل ہوسکتی ہے۔

مرادِ ما نصیحت بود کردیم

(نومبر، دسمبر ۲۰۰۹ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور ان کی تعلیمات

پچھلے شمارے(۱) میں ''عید میلاد النبی'' کے رسوم و بدعات کا تذکرہ کیا تھا۔ ربیع الاول کے بعد ربیع الآخر کا مہینہ ہے، اس مہینے کو ستم ظریفوں نے امت کی ایک بزرگ ہستی سے منسوب کر رکھا ہے، اور محض اپنی رائے سے، اللہ و رسول کی ہدایت و تلقین کے بغیر اسے اہمیت دے رکھی ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات کی تکمیل زمانۂ رسالت میں ہی ہوچکی ہے، اب اس میں کسی طرح کے اضافے کی گنجائش نہیں، کوئی ایسی چیز یا کوئی ایسا کام جس کی اصل زمانۂ نبوت میں نہ ہو، اسے دین سمجھ کر اور دینی عمل بنا کر دین اسلام میں شامل کرنا درست نہیں ہے، اس طریقۂ عمل کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم الٰہی کو چھپا لیا تھا، اس کو آپ کے بعد کسی نے ظاہر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کس درجہ سنگین گستاخی ہے، دین کی ہر بات وحی الٰہی پر موقوف ہے، اور وحی الٰہی کا خاتمہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوچکا ہے، آپ کے بعد اگر کوئی شخص دین کی کوئی ایسی بات بتانے یا ظاہر کرنے کا مدعی ہے، تو اول تو وہ حضرت پر کتمانِ شریعت کی تہمت لگاتا ہے، دوسرے وہ درپردہ وحی الٰہی کے اپنے اوپر نزول کا دعویٰ کرتا ہے، یعنی یہ کہ وہ بھی سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت میں شریک ہے، یہ شرک فی النبوۃ ہے! اسی لئے بدعت کا گناہ شرک کے قریب تر ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ علماء و مشائخ ہی سے دین کے باب میں رہنمائی ملتی ہے، ان کی اقتداء و پیروی سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے، دینی علوم اور دینی اعمال کے تحفظ و بقاء

---

(۱) دیکھئے صفحہ: ۶۹، بارہ ربیع الاول کے ہنگامے

کے لئے سب سے بڑا ذریعہ انھیں علماء ومشائخ کا وجود مسعود ہوتا ہے۔ کسی بھی مذہب وملت کے علماء اگر ناپید ہو جائیں، تو اس مذہب کا وجود ہی مٹ جاتا ہے، لیکن انسانی طبیعت کی پیچیدگی، اور اس کی کجروی دیکھئے، انھیں علماء اور انھیں مشائخ کا نام لے کر، انھیں سے عقیدت ومحبت کا اظہار کر کے، انھیں کے دامن سے وابستگی کا نعرہ لگا کر بر خود غلط افراد بدعات وخرافات کو ایجاد کرتے ہیں، ان بزرگوں نے شرک سے سختی سے منع کیا ہوتا ہے، مگر ستم ظریفی دیکھئے کہ انھیں بزرگوں کو خدا کا شریک قرار دے دیا جاتا ہے، ان حضرات نے توحید واتباع سنت کی ندا پوری قوت سے لگائی ہوتی ہے، مگر انھیں کا نام لے کر توحید کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور بجائے سنت کے بدعات کو معیار محبت قرار دیا جاتا ہے۔

امت کے متعدد بزرگوں کے حق میں یہ کجروی اختیار کی گئی ہے، بلکہ خود توحید کے سب سے عظیم منادی، حضور سرور عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بھی ظالموں نے شرک وبدعت کے لئے تختۂ مشق بنالیا ہے، چنانچہ کتنے لوگ ہیں جو حق تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ کو حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے شرک کے عقائد واعمال میں گرفتار ہیں۔

آپ کے بعد حضراتِ صحابہ میں سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ اور نواسۂ رسول سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نام لے کر کتنے گمراہی کی دلدل میں پھنس رہے ہیں، اسی طرح اولیاء امت میں متعدد حضرات کو لوگوں نے عبدیت کے مرتبۂ بلند سے ہٹا کر ربوبیت والوہیت کے حدودِ ممنوعہ میں لے جانے کی کوشش کی ہے۔

ان اولیاءِ الٰہی میں سب سے زیادہ جن پر ستم ڈھایا گیا ہے، وہ ہیں سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ! جنھیں ''بڑے پیر صاحب'' اور ''غوث الاعظم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ربیع الاول کے معاً بعد آنے والا مہینہ ربیع الآخران کے نام کے ساتھ موسوم ہے، میں نے اپنے بچپن میں بڑی بوڑھی عورتوں سے بارہا عربی مہینوں کے نام اس طرح سنے ہیں۔ محرم کے بجائے داہا، صفر کے بجائے تیرہ تیزی، ربیع الاول کے بجائے بارہ وفات، ربیع الآخر کے بجائے بڑے پیر صاحب، اس کے بعد دو ماہ جمادی الاولیٰ وجمادی الاخریٰ کے

بجائے مدار اور خج مدّ ین (یعنی خواجہ معین الدین) ترتیب یاد نہیں، اس طرح اصل ناموں کے بجائے انھیں بزرگوں کے ساتھ منسوب کر دیا گیا تھا۔

ربیع الآخر کو بڑے پیر حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، اور اس ماہ کی جو خصوصی رسم ہے وہ گیارہویں شریف ہے، ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو زردہ پکا کر اس پر بڑے پیر صاحب کی نیاز دی جاتی ہے، اور اس رسم کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، خیال ہوتا ہے کہ ۱۱/ربیع الآخر کو حضرت کا انتقال ہوا ہے، لیکن مشہور مورخ ومحدث علامہ شمس الدین ذہبی نے **تاریخ الاسلام** اور **سیر اعلام النبلاء** میں ان کی تاریخ وفات ۱۰/ربیع الآخر لکھی ہے۔

لیکن گیارہ کی اہمیت اتنی بڑھی کہ وہ ایک خاص نماز کا جز بن گئی ہے، بعض لوگوں نے عقیدت کے غلو میں ایک نماز ایجاد کر ڈالی ہے، جس کا نام ''صلوٰۃ غوثیہ'' ہے، اس کا طریقہ اس طرح دیکھنے میں آیا ہے کہ دو رکعت قبلہ رو پڑھتے ہیں، پھر بغداد کی طرف جہاں حضرت شیخ کی قبر ہے رخ کر کے اس طرف گیارہ قدم چلتے ہیں، اور پھر نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو کر اللہ جانے کیا پڑھتے ہیں۔ایک وظیفہ بھی ان کے نام پر ایجاد کر رکھا ہے، وہ ہے **یاشیخ عبد القادر شیئاً للہ**، اے شیخ عبدالقادر اللہ کے واسطے کچھ عطا ہو، یہ وظیفہ خالص شرک ہے، جو ان کے نام پر گڑھا گیا ہے، اور اس کے علاوہ ان کی طرف ایسے ایسے واقعات وحالات منسوب کر رکھے ہیں جن کو نہ عقل روا رکھتی ہے اور نہ شریعت!

یہ بدعات وشرکیات اس ذات کے ساتھ منسوب ہیں جو علم وعمل کا مظہر اور بندگی وتواضع کا خوبصورت پیکر تھا، وہ ایک زبردست عالم اور فقیہ تھے، توحید میں ان کا قدم نہایت راسخ تھا، اتباع سنت ان کا خاص شعار تھا، علامہ ذہبی نے انھیں **الشیخ الامام ، العالم ، الزاھد، العارف ، القدوۃ، شیخ الاسلام، علم الاولیاء** کے القاب سے یاد کیا ہے۔

ان کے مواعظ اور ان کے مقالات پڑھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ علم وفضل اور دین

ودیانت کے کس مقام بلند پر وہ فائز تھے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت وجلال اور مخلوق کی کمزوری اور بے بسی ان کے سامنے کتنی واضح ہے، لیکن یہ کس قدر ستم ہے کہ وہی جو مخلوق کی بے بسی اور بے چارگی کو اس شدومد کے ساتھ بیان کرتے ہیں، انھیں کے اختیار وقدرت کو لوگ حق تعالیٰ کی قدرت وطاقت کے مرتبہ تک پہونچا دیتے ہیں، ذرا حضرت شیخ کا یہ کلام ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

’’کل مخلوقات کو اس طرح سمجھو کہ بادشاہ نے، جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعب داب دل کو ہلا دینے والا ہے، ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑا ڈال کر ایک صنوبر کے درخت میں، ایک دریا کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا، گہرائی بہت زیادہ، بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس اور بلند کرسی پر کہ اس تک پہونچنا مشکل ہے، تشریف فرما ہے اور اس کے پہلو میں تیرو پیکان، نیزۂ وکمان اور ہر طرح کے اسلحوں کا انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور ان میں جو چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے، تو کیا دیکھنے والے کیلئے جائز ہوگا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نظر ہٹالے، اور اس سے خوف وامید ترک کردے، اور لٹکے ہوئے قیدی سے امید اور خوف رکھے، کیا جو شخص ایسا کرے عقل کے نزدیک بے عقل، بے وقوف، دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے گرا ہوا نہیں ہے، خدا کی پناہ، بینائی کے بعد نابینائی، اور وصول کے بعد جدائی اور قرب وترقی کے بعد تنزل، ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے۔ (فتوح الغیب، مقالہ: ۱۷)

جس مخلوق کو لوگ حق تعالیٰ کی قدرت وتصرف میں شریک ودخیل قرار دیتے ہیں، اس کی حیثیت حضرت شیخ کے اس کلام میں بغور ملاحظہ فرمایئے، اور دیکھئے کہ غیر اللہ کی بے چارگی کا کیا عالم ہے؟ اور اس کو مرکز نگاہ بنانے والا کس پستی میں گرا ہوا ہے۔

اپنے ایک وعظ میں توحید کے مضمون کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

’’ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھے نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان، بس صرف اتنا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں کرادیتا ہے، اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لئے مفید ہے یا مضر ہے، اس کے متعلق اللہ کا قلم چل چکا ہے، اس کے خلاف نہیں ہوسکتا، جو موحد اور نیکوکار ہیں، وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں ،بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں، گو دولت مند ہیں، مگر ان کے اندرون پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں، جو شخص اس پر قادر رہا، اس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی، وہی بہادر پہلوان ہے، جس نے اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہوگیا کہ مخلوقات میں سے کسی بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے، اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہے۔

(فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی مجلس:۱۳)

ایک دوسرے موقع پر خدا کی غیرت، شرکا سے نفرت اور انسان کی محبوب چیزوں کے سلب اور ضائع ہونے کی حکمت اس طرح بیان کرتے ہیں:

’’تم اکثر کہتے ہوگے کہ میں جس سے محبت کرتا ہوں، اس سے میری محبت رہنے نہیں پاتی اور رخنہ پڑ جاتا ہے، یا تو جدائی ہوجاتی ہے، یا وہ مرجاتا ہے، یا رنجش ہوجاتی ہے، اور مال سے اگر محبت کرتا ہوں تو وہ ضائع ہوجاتا ہے اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے، تب تم سے کہا جائے گا کہ اے خدا کے محبوب! اے وہ کہ جس پر خدا کی عنایت ہے! اے وہ جو خدا کا منظور نظر ہے، اے وہ جس پر خدا کی غیرت آتی ہے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ غیور ہے، اس نے تم کو اپنے لئے پیدا کیا اور تم غیر کے ہو رہنا چاہتے ہو، کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا، **یحبھم ویحبونہ** ، وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ اسے۔ اور یہ ارشاد ہے کہ **وما خلقت الانس والجن إلا لیعبدون**، میں

نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو اسے مبتلا کرتا ہے، پھر اگر وہ صبر کرتا ہے تو اسے رکھ چھوڑتا ہے، عرض کیا گیا یارسول اللہ! رکھ چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس کے مال اور اولاد کو باقی نہیں رکھتا ،اور یہ معاملہ اس لئے ہے کہ جب مال واولاد ہوں گے تو اس کو ان سے بھی محبت رہے گی اور خدا سے اسے جو محبت ہے متفرق اور ناقص ہو جائے گی، اور تقسیم ہو کر حق اور غیر حق کے درمیان مشترک ہو جائے گی، اور خدا شریک کو قبول نہیں کرتا، وہ غیور ہے اور ہر چیز پر غالب وزبردست ہے، تو وہ اپنے شریک کو ہلاک ومعدوم کر دیتا ہے، تاکہ وہ بندہ کے دل کو خالص کر لے خاص اپنے لئے، بغیر شریک کے، اس وقت اس کا یہ ارشاد صادق آجاتا ہے کہ یحبھم ویحبونہ ،وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ اسے، یہاں تک کہ دل جب شریکوں اور برابری کرنے والوں سے، جو اہل وعیال، دولت ولذت اور خواہشیں ہیں، نیز ولایت وریاست، کرامات وحالات، منازل ومقامات، جنتوں اور درجات اور قرب ونزدیکی کی طلب سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، تو اس میں کوئی ارادہ باقی نہیں رہتا، اور نہ کوئی آرزو رہتی، اور مثل سوراخ دار برتن کے ہو جاتا ہے، جس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی، کیونکہ وہ خدا کے فضل سے ٹوٹ چکا ہوتا ہے، جب اس میں کوئی ارادہ پیدا ہوتا ہے خدا کا فعل اور اس کی غیرت اسے توڑ دیتی ہے۔‘‘

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ کے دل میں دنیا کی کوئی مخلوق مقصودیت اور محبوبیت کا درجہ نہ حاصل کر لے، دل کا مرکز نگاہ محض ذات خداوندی اور رضاء الٰہی رہے، جو لوگ خدا کے قریب ہیں، ان کے دل میں بجز حق تعالیٰ کے کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی، اگر ان کا دل کسی اور میں اٹکتا ہے تو حق تعالیٰ اسے دور کر دیتے ہیں، تاکہ بندے کا دل خالص حق تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔

حضرت شیخ کا یہ کلام دیکھئے، اور اس کا زور دیکھئے، کیا انھیں منظور ہوگا کہ لوگ حق

تعالیٰ کو چھوڑ کر انھیں کو معبود و مقصود اور شریک الوہیت و ربوبیت بنالیں، حاشا و کلا

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (سورہ آل عمران: ۷۹)

کسی آدمی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت عطا فرمائیں، پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ تم لوگ اللہ والے بن کر رہو، کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے رہے ہو اور اسے خود بھی پڑھتے رہے ہو۔

جس بزرگ کے سامنے اللہ کا یہ فرمان ہو، بھلا وہ اپنی جانب اُلوہیت و ربوبیت کے انتساب کو کبھی گوارا کر سکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ سیّدنا عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہٗ امت کے بڑے مصلحین اور اصحاب تجدید میں ہیں، حق تعالیٰ کی توفیق سے بے شمار لوگ حضرت کے ہاتھوں پر کفر و شرک اور بدعت و معاصی سے تائب ہوئے ہیں۔

تصوف و سلوک کے چار سلسلے معروف ہیں، ان میں سب سے قدیم طریقہ وہ ہے، جو سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی تعلیمات پر مبنی ہے اور ان کی طرف منسوب ہو کر ''قادریہ'' کہلاتا ہے، مگر مقامِ حیرت ہے کہ ہمارے ملک میں جو لوگ اپنے آپ کو قادری کہتے اور لکھتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ان کی تعلیمات سے دور اور شرک و بدعت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں البتہ اس سلسلے کے مشائخ حقہ موجود ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کی تعلیمات اور ان کے مطابق عقیدہ و عمل کو عام فرمائیں۔

(مارچ ۲۰۱۰ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملت کے نوجوانوں سے خطاب

مسلمان نوجوانو! ایک شخص جو نوجوانی اور جوانی کے مرحلوں کو گزار کر بڑھاپے کی حد میں داخل ہو چکا، کاغذ کے ان صفحات پر تم سے کچھ خطاب کرنا چاہتا ہے، اس کا بوڑھا دل بے قرار ہے، کمزور ہڈیاں درد سے بے تاب ہیں، وقت کی گردش نے تجربات کی بھٹی میں خوب پکایا ہے، اس کا جی چاہتا ہے کہ تم سے کچھ باتیں! جن کا تعلق اس کے نفع، نقصان سے نہیں، خود تمہارے نفع اور نقصان سے ہے، اور وہ بات اس کی نہ ہوگی، اس کی کیا حیثیت کہ وہ ملت کے قیمتی سرمایہ میں تصرف کرے، وہ باتیں تمہارے اور ساری کائنات کے خالق و مالک کی ہوں گی، جو ان کے برگزیدہ پیغمبر، جو ہمارے، تمہارے سب سے بڑے مرکز اطاعت ومحبت ہیں بلکہ مرکز ایمان ہیں، اور جن کے تعلق سے بڑھ کر ہمارے پاس کوئی سرمایہ نہیں، ان کے لئے ہر سرمایہ، ہر عزت و مرتبہ، ہر دولت وحکومت قربان! خاندان بھی، خویش واقارب بھی، بلکہ دل وجان بھی! سب ان کی بارگاہ میں نذر! جن کی صداقت وحقانیت میں نہ کسی دوست نے شبہ کیا اور نہ کسی دشمن نے! دنیا ادھر سے ادھر ہو سکتی ہے مگر ان کے قول وعمل کی سچائی پر آنچ نہیں آسکتی، ہر زمانے میں ملت اسلامیہ کو جو سر بلندی حاصل ہوئی ہے، انھیں کی نسبت کی برکت سے ہوئی ہے، اور جو انحطاط وزوال آیا، اسی تعلق ونسبت کے ضعف واضمحلال سے آیا ہے، یہ بات بالکل حق ہے، اسی طرح حق ہے، جیسے تمہارا نوجوان ہونا حق ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر!

حق کی باتیں، دنیا بھر کے انھیں سب سے سچے بزرگ نے دنیا کو سنائی، تم اللہ کو بھی مانتے ہو، ان کے سچے رسول کو بھی مانتے ہو، دونوں پر پختہ ایمان رکھتے ہو، تو کیا ایسا نہ ہوگا

کہ ان کی باتیں تمہارے قلب کی کی گہرائیوں میں اتر کر تمہارے دماغ، تمہارے کردار واعمال کو مسخر کرلیں! بے شک ایسا ہی ہوگا۔

پھر تم سے کہتا ہوں کہ ایک لمحہ ٹھہر کر اپنے دل ودماغ، اپنے فکر وخیال کا جائزہ لو، اپنے مقاصد، اپنی خواہشوں اور اپنے میلانات کو دیکھو، پھر اپنے سب سے بڑے مرکز محبت واطاعت کی باتیں سنو! اور دونوں کا موازنہ کرو کہ ان کے ارشاد اور ان کے احکام سے کوئی مناسبت پاتے ہو، اگر پاتے ہو تو اس عظیم نعمت پر اللہ کا بہت شکر ادا کرو، اور اگر نہ پاؤ تو ذرا فکر کرو اور سنجیدگی سے غور کرو۔ بس اس ایک بات کو اپنے دل میں اچھی طرح جماؤ، اگر معتبر ہے تو انھیں کی بات! اگر قابل یقین ہے تو انھیں کا کلام! اگر مستحق اطاعت ہے تو انھیں کا فرمان! ان سے الگ نہ کسی کی بات معتبر، نہ کسی کا کلام لائق یقین، اور نہ کس کا حکم قابل اطاعت!

اب سنو! انھیں سب سے سچے بزرگ، اللہ کے آخری نمائندے سیّدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان سناتا ہوں، اسے آپ سے براہ راست سننے والے اور ہم سے بیان کرنے والے مشہور برگزیدہ صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں اسے کم ازکم چار جگہ درج کیا ہے، میں اس حدیث کو تمہیں سناتا ہوں:

عن ابی هریره رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لاظل الا ظله ، الامام العادل وشاب نشاء فی عبادة ربه ورجل قلبه معلق بالمساجد ورجلان تحابافی الله اجتمعا علیٰ ذٰلک وتفرقاعلیه ورجل طلبته امرأة ذات منصب وجمال فقال: انی اخاف الله ورجل تصدق اخفی حتی لایعلم شماله ماتنفق یمینه ورجل ذکر الله خالیاً ففاضت عیناه۔ حدیث: ۶۶۰، ۱۴۲۳، ۶۴۷۹، ۶۸۰۱

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص سائے میں پناہ دیں گے، اس روز جبکہ اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) انصاف ور حاکم (۲)

وہ جوان جس کی نشو ونما اس کے رب کی عبادت میں ہوئی ہو(۳) وہ آدمی جس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا ہو(۴) وہ دو آدمی جنھیں آپس میں محض اللہ کے لئے محبت ہو، اسی محبت کے ساتھ دونوں ملیں، اور اسی پر دونوں الگ ہوں (۵) وہ آدمی جسے کوئی خوبصورت اور صاحب منصب عورت نے چاہا، مگر وہ یہ کہہ کر ہٹ جائے کہ مجھے اللہ کا خوف ہے (۶) وہ آدمی جس نے اس پوشیدہ طور پر صدقہ کیا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوسکی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے(۷) وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا، اور اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

ملت اسلامیہ کے نوجوانو! رسول اکرم ﷺ کے فدائیو! دین اسلام کے شیدائیو! ذرا اس فرمان کو غور سے پڑھو، اور دیکھو کہ اس میں تمہارا کتنا حصہ ہے؟

عرشِ الٰہی کے سایہ میں جگہ پانے والوں میں ایک نام تو خاص اس گروہ کا ہے جس سے تمہارا تعلق ہے، یعنی **شاب نشاء فی عبادۃ ربہ**، وہ جوان جس کی نشو ونما ہی اس کے رب کی عبادت وبندگی کی مشغولیت میں ہوئی۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے، خواہشوں کا طوفان اس میں اٹھتا رہتا ہے، ہر لذت پر نوجوانی ٹوٹ کر گرتی ہے، پوری دنیا رنگین دکھائی دیتی ہے، رگوں میں گرم گرم خون دوڑتا ہے، تو آدمی کو آوارگی کی راہیں ہر طرف کھلی دکھائی دیتی ہیں، اور کھیل کود کی طرف طبیعت لپکتی ہے، ہر بظاہر خوبصورت چیز پر دل مچلتا ہے، لہو ولعب میں رات آنکھوں میں کٹ جاتی ہے اور پتہ نہیں چلتا، نفس کی ہر لذت پر ایسی دیوانگی ہوتی ہے کہ ماضی ومستقبل سب سے آدمی کٹ کر رہ جاتا ہے، طاقت کا نشہ چھاتا ہے تو ظلم وستم کا ہر کام اپنی ضرورت بن جاتا ہے، دولت ہاتھ آتی ہے تو نہ جانے کتنے لوگوں کے حقوق پامال ہوجاتے ہیں، واقعی نظر بظاہر جوانی دیوانی ہوتی ہے۔

لیکن وہ جوان کتنا مبارک ہے، اللہ کی نگاہ میں کتنا پیارا ہے، رسول اللہ (ﷺ) کی آنکھوں کا کیسا تارا ہے، جس کی جوانی کی قوت کام آتی ہے، تو اس کے پروردگار کی بندگی میں! وہ بھی لذت کا جویا ہے، مگر اپنے مالک کی رضا جوئی میں! اس کے سامنے بھی عمل کی ہر راہ کھلی ہوتی ہے، مگر وہ اس راہ پر دوڑتا ہے جس کی لذتیں اور راحتیں ابدی اور لافانی ہیں، اس کی رگوں

میں بھی گرم خون دوڑتا ہے، اور اس کی راتیں آنکھوں میں کٹ جاتی ہیں، مگر لہو ولعب میں نہیں، بلکہ عبادت و بندگی میں، تضرع وزاری میں، جذبۂ محبت واطاعت میں! اسے جب دولت حاصل ہوتی ہے، تو اس کی نظر غریبوں، کمزوروں اور پریشان حالوں پر پڑتی ہے، وہ روتے ہوؤں کے آنسو پونچھتا ہے، وہ غریبوں کے زخمی دلوں پر مرہم رکھتا ہے، وہ کمزوروں کی مدد کرتا ہے، تو وہ ذات جو تمام دولت وطاقت کا سرچشمہ ہے، اسے اپنی خاص مہربانی سے، ہر غم سے سبکدوش، ہر مصیبت سے آزاد، اور اس کے ہر درد کا مداوا کرتی ہے، اور اس کا آخری نقطۂ عروج یہ ہوتا ہے کہ جس دن تمام کائنات اپنے اپنے نامۂ اعمال میں بدحال ہوگی اور ایسی دھوپ ہوگی جس میں کہیں سایہ نہ ہوگا، صرف ایک سایہ ہوگا ٹھنڈا اور راحت بخش، اور وہ عرش الٰہی کا سایہ ہوگا، اس میں جوانی کا یہ صاحب کردار اعزاز واکرام اور خوشی وآرام کی لذت میں ہر غم سے بے نیاز ہوگا۔

تم دیکھو اور بتاؤ کہ جوانی کو کس راہ پر ڈال رہے ہو، اور اس کی طاقت اور اس کے جوش کو کس کام میں لا رہے ہو، کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہاری یہ طاقت اور تمہارا یہ جوش محض فضول اور جھوٹی لذتوں میں برباد ہو رہا ہے؟ تمہاری راتیں کہیں صرف لہو ولعب میں تاریک سے تاریک تر تو نہیں ہو رہی ہیں؟ تمہاری آنکھیں محض عارضی اور چند دنوں میں ختم ہو جانے والے یا پردوں پر تھرکتے ناچتے بے جان حسن وجمال کے نظارے میں تباہ تو نہیں ہو رہی ہیں؟ ذرا اپنے کانوں کا خیال کرو، ان میں کس طرح کی آوازیں گھس رہی ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ صرف گانے بجانے کی حرام اور نجس آوازیں کان کو گندہ کر رہی ہیں؟ اپنی زبان پر توجہ دو، اللہ کی عظیم نعمت، جس نے تمہیں جانوروں کی صف سے نکال کر انسانوں کے زمرے میں پہونچایا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا استعمال صرف شیطانی الفاظ وکلمات کیلئے ہو رہا ہے، گالیاں، فحش کلامیاں، جھوٹ اور دوسری آفات اور بلاؤں میں تو مبتلا نہیں؟ جوانی یہ سب راستہ دکھاتی ہے، کہیں تمہاری جماعت اس پر تو نہیں دوڑ رہی ہے، یاد رکھو یہ راستہ جہنم کو جاتا ہے، اگر اس پر دوڑو گے تو یہ دوڑ تم کو وہاں پہونچا دے گی جس سے تم کو بچانے کے لئے پیغمبر

علیہ السلام نے اپنی ساری طاقت اور تمامتر صلاحیت صرف کی تھی، کیا ان کی محبت، ان کی دلسوزی، ان کی راتوں کی آہ وزاری کا تم یہی حق ادا کر رہے ہو۔

بچو! بچو! پلٹو! اور اس راہ پر دوڑو، جو اللہ کی رضامندی، مغفرت اور جنت کی طرف جا رہی ہے۔

نوجوانانِ ملت! تم نے اپنے سب سے بڑے ہمدرد و مخلص اور انسانیت کے سچے بہی خواہ کی سچی بات جو ہر شبہ سے بالاتر ہے سنی، اور سب سے بڑھ کر بہی خواہی اور ہمدردی سے بھرا ہوا کلام پڑھا۔ کیا یہ کلام تمہارے دلوں پر دستک نہیں دے رہا ہے، انسانیت کے یہ نجات دہندہ بزرگ تمہیں کس مقام و مرتبہ پر دیکھنا چاہتے ہیں، اس پر اچھی طرح غور کرو، وہ تمہیں عرشِ الٰہی کی پناہ میں دیکھنا چاہتے ہیں، اس دن جبکہ ہر پناہ فنا ہو چکی ہوگی، اور وہی ایک پناہ باقی ہوگی، اور جہاں وہ خود بھی تشریف فرما ہوں گے، وہ پناہ تمہیں کیونکر حاصل ہوگی، اس کی تدبیریں بتا رہے ہیں، اور تم پڑھ چکے ہو کہ وہ سات تدبیریں ہیں، اب یہ تمہارے حوصلہ کی بات ہے کہ ان تدبیروں میں سے کوئی ایک تم اپنی حوصلہ مند طبیعت میں داخل کرو، یا یہ کوشش کرو کہ وہ ساری تدابیر تمہارے دائرۂ اعمال میں آجائیں تاکہ تمہیں عرش کے ہر چہار جانب سے صدا دی جائے کہ اے خوش نصیب! ادھر آؤ! تمہارا مقام یہ ہے، پس ضروری ہے کہ تمہاری جوانی شہواتِ فاسدہ سے پاک ہو، بدکرداری نے اسے گندہ نہ کیا ہو، تمہارا قلب و دماغ اطاعت الٰہی اور عبادت خداوندی کی فکر میں نکھر رہا ہو، تمہاری اٹھان محبت و عبادت الٰہی میں ہو رہی ہو۔

(۱) **الامام العادل** اگر تمہیں کسی قوم کی، کسی ملک کی، کسی خطۂ زمین کی سربراہی مل گئی، تم صاحب اختیار ہو، صاحب اقتدار ہو، تو تمہارا دماغ اس کے نشہ میں سرمست و سرشار نہ ہو، ظلم وطغیان تمہارے دامن اقتدار کو آلودہ نہ کرے، بلکہ ہر ایک کے ساتھ انصاف تمہارا شعار ہو، اور انصاف کیا ہے؟ اپنے نفس اور خواہش کو دبا کر احکام خداوندی کی بغیر کسی جانبداری کے تعمیل! وہ اپنا ہو یا غیر، دولت مند ہو یا فقیر، جہاں جو حکم الٰہی ہو اس کا ٹھیک ٹھیک نفاذ! نہ کوئی

جانبداری! نہ کسی اجنبیت کا کوئی تاثر!

(۲) **شاب نشأ فی عبادة ربه** عبادت الٰہی میں نوجوانی کے حوصلوں کو صرف کرنا، اس کی قدرے تفصیل گزر چکی۔

(۳) **رجل قلبه معلق بالمسجد** مسجد میں دل اٹکا رہے، اس کا مصداق اول نوجوان ہی ہے، معلوم ہے کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں، اس دور میں وہ بچہ ہے، پھر جب بلوغ کی عمر کو پہونچا تو اب نوجوان ہے، اب اس پر نماز فرض ہے۔ نوجوانی کی امنگیں اسے اِدھر اُدھر آوارہ رکھنا چاہتی ہیں، کھیل کود کے میدانوں میں، فسق وفجور کی لذت گاہوں میں، معصیت کی خلوتوں میں، گناہ کی جلوتوں میں اسے کھینچتی اور بلاتی ہیں، مگر وہ مرد باحوصلہ سب کو شکست دے کر اپنے قلب کو مسجد کے ساتھ باندھ کر رکھتا ہے۔

نوجوانو! کبھی تم نے غور کیا، آج دنیا نے گناہوں کے جال پھیلا رکھے ہیں جن میں پھنس کر آدمی اپنے دین وایمان اور اپنی صحت وعزت کو داؤ پر لگا دیتا ہے، کھیل کود نے نت نئی دلچسپیاں بڑھادی ہیں، جن میں منہمک ہوکر آدمی نماز اور مسجد تو کیا اپنا وجود بھی فراموش کردیتا ہے۔ بارہا دیکھنے میں آیا ہے کہ مسجد قریب ہے، لاؤڈ اسپیکر سے اذان کی آواز پھیل رہی ہے، مگر کھیل کود جاری ہے، کھیل کی کیفیات کو نشر کرنے والا حسب معمول اپنی ہانک پکار میں لگا ہوا ہے، کھیل دیکھنے والے آوازِ اذان سے غافل کھیل کے نظارے میں محو ہیں، پھر نماز بھی ہوتی ہے، نمازی اضطراب میں ہوتے ہیں، اور کھیل کا میدان کھیل کی سرمستی میں سب کچھ بھولا رہتا ہے۔

یہ سنیما ہال ہے، ذرا دیکھو کہ اس کے آس پاس کون سی قوم منڈلا رہی ہے، یہ نوجوان ہی ہیں، اور پھر غور سے دیکھو ان میں مسلمان کتنے ہیں؟ جس مسلمان کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہونا چاہئے، وہ غول درغول کہاں موجود ہے، وقت بھی برباد کرتا ہے اور پھر اپنے ماں باپ کی گاڑھی کمائی دے کر اپنا دین وایمان بھی ضائع کرتا ہے، اپنی صحت وقوت بھی تباہ کرتا ہے، اپنے اخلاق وآداب کو بھی بیچ دیتا ہے۔

کون سا گناہ ہے؟ اور کون سی لغویت ہے؟ جس میں مسلم نوجوانوں کی بڑی تعداد اپنے اخلاق واعمال کو برباد کرنے پر تلی ہوئی نہیں ہے؟ بدنامی کا کون سا سامان ہے جو مسلمان نوجوان نے اکٹھا نہیں کر رکھا ہے؟ جس مسلمان نوجوان کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہونا چاہئے تھا، آج وہ رسوا سر بازار ہو رہا ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ وہ بے قصور ہو، اس نے مسجد سے منہ موڑا تو تباہی کے ہر اڈے پر پہونچا۔ بے موقع جنگ وجدال، بے تحاشا گالی گلوج، اپنوں کے حق میں سخت گیر، غیروں کے سامنے بھیگی بلی! پولیس اسٹیشن ان کے جرائم سے آباد، کچہریاں ان کے فتنہ وفساد سے معمور، آپس میں سر پھٹول، ایک دوسرے کی ایذا رسانی! بس کیا کہا جائے، ایک مسجد سے منہ موڑا، اور ایک اللہ سے رشتہ توڑا، تو کہاں کہاں کس کو سر پھوڑنا پڑا؟ کہاں کہاں بھٹکنا پڑا؟

اے نوجوانو! مسجد کی عظمت پہچانو، اس کے آباد کرنے کی تدبیر کرو، مسجدیں تم سے خالی ہو رہی ہیں، اپنے وجود سے انھیں لبریز کرو، تمہارے دل میں مسجد کا خیال ہمہ وقت بسا ہوا ہو، تب اسے سلامتی حاصل ہوگی، اللہ کے حضور اگر کوئی چیز نافع ہے، تو قلب سلیم ہے، تم نے غلط جگہیں آباد کیں، جو ویرانی کی مستحق تھیں، تم نے مسجد کو ویران کیا، پس تمہارا قلب بھی ویران ہو گیا جسے آباد ہونا تھا۔

اگر آج تمہارے قلب میں مسجد کا اہتمام بس گیا، تو عرش الٰہی کے سایہ کی ٹھنڈی ہوائیں ابھی سے تم کو حاصل ہونے لگیں گی، پھر جو کوئی تمہارے آس پاس ہوگا وہ بھی راحت کی سانس لے گا، کاش تم اس بات کو سمجھتے۔

(۴) **ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیٰ ذلک وتفرقا علیہ**: عرش الٰہی کے جاں آفریں سایہ میں جگہ پانے والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو محض اللہ کیلئے باہم محبت کرتے ہیں، اسی بنیاد پر ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اور جب جدا ہوتے ہیں تو اسی اللہ فی اللہ محبت سے معمور ہوتے ہیں۔

عزیزو! محبت تو ہر کوئی کرتا ہے، انسان کا دل بنا ہی ایسا ہے کہ وہ محبت سے خالی نہیں

ہوسکتا، اسے بھوک پیاس سے پہلے محبت کا جوہر حاصل ہوتا ہے، بچہ ماں کے پیٹ سے جو پہلی چیز لے کر آتا ہے وہ محبت ہے، اسے ماں سے محبت ہوتی ہے، باپ سے محبت ہوتی ہے، خود اپنی ذات سے محبت ہوتی ہے، پھر جوں جوں وقت گزرتا ہے، اس کا جسم نشو ونما پاتا ہے، اس کی محبت کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے، لیکن اس کی محبت کا منشا خود اس کی ذات، اس کی اغراض، اس کے فوائد ومنافع ہوتے ہیں، وہ اپنے گردوپیش میں بہت کچھ پاتا ہے، پھر جس میں اپنا نفع دیکھتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے، کچھ اس کے جسم کے تقاضے ہوتے ہیں، کچھ اس کے قلب وروح کے تقاضے ہوتے ہیں، کچھ جسمانی ونفسانی لذات کے تقاضے ہوتے ہیں، جہاں جہاں سے ان تقاضوں کو پورا ہوتے دیکھتا ہے وہاں وہاں محبت ٹوٹی پڑتی ہے، لیکن ان سب تقاضوں سے بالاتر تقاضا اس کے خالق ومالک کی طرف سے ہوتا ہے، کیونکہ اس کی تمام ضروریات بلکہ وجود اور وجود کے تمام لوازم کی بخشش اس ذات عالی کی جانب سے ہے، پس اسے اصلاً اسی کی محبت حاصل ہے، پھر جہاں تک اس کا حکم پہونچتا ہے، محض اسی کے واسطے سے محبت کا سلسلہ بڑھتا جاتا ہے۔

دنیا کی ہر چیز فانی ہے، اس کے تقاضے بھی فانی ہیں، پس اس نسبت کی ہر محبت فنا وزوال کے داغ سے داغدار ہے، اللہ کی ذات باقی ہے، اس کی محبت، اور اس کی نسبت سے ہر محبت باقی رہنے والی ہے، فنا ہوجانے والی چیز سخت باعث تکلیف ہے، کیونکہ محبت میں محبوب کا چھوٹ جانا سخت ناگوار ہوتا ہے، اور فانی کو آخر چھوٹنا ہے، پس اس کی ایذا رسانی یقینی ہے، اللہ باقی ہے، اس کی نسبت باقی ہے، پس یہ محبت دائمی اور ابدی ہے، اس کا لطف اور اس کی لذت بھی دائمی اور ابدی ہے، تو جو محبت اللہ کے لئے کی گئی وہ انسان کو عرش الٰہی کے سایہ میں کھڑا کردیتی ہے۔

پس تم اپنی محبت کا جائزہ لو، کہ جس کسی سے محبت کرتے ہو اس کی بنیاد کیا ہے؟ اگر خداوند تعالیٰ کی محبت کے علاوہ اس کی کوئی اور بنیاد ہے تو اسے پہلی فرصت میں جلادو، پھونک دو، دل میں صرف وہی محبت رہے جو محض اللہ کے لئے ہے، اس سے دل کو زندگی ملتی ہے،

عزت ملتی ہے، اور ہر وہ چیز ملتی ہے جسے تم چاہتے ہو، یا آئندہ چاہو گے۔

اگر تمہیں سمجھ میں نہ آئے کہ اللہ کے لئے محبت کا کیا مطلب ہے؟ تو ان لوگوں کو تلاش کرو، جو اللہ کے لئے محبت کرنا جانتے ہیں، تمہارے گرد و پیش میں ایسے لوگ مل جائیں گے، گو کہ کم ملیں گے، تلاش اور فکر پیدا کرو، پھر اگر ایسے لوگ دنیا کے کسی گوشے میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ یا تو تمہیں وہاں پہونچا دیں گے، یا انھیں تمہارے پاس بھیج دیں گے۔

لیکن ہاں خبردار! تم اس مستی اور حماقت کو محبت نہ سمجھ لینا، جو فلمی گانوں میں سنتے رہتے ہو، یا جسے فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے شعرا گاتے پھرتے ہیں، وہ نفس کی شرارت ہے، بقول مولانا روم "فسادِ گندم" ہے، یعنی کھانے کی بے اعتدالی سے شہوت کی بے اعتدالی ہے، یہ جس کا نام محبت لیا جاتا ہے، محبت نہیں شیطان کا مکر اور نفس کی شرارت ہے، اس سے بچتے رہنا، کتنوں کی جوانیاں اس بلا نے تباہ اور کتنوں کی زندگیاں اس معصیت نے برباد کی ہے۔

دل جو سارے بدن کا پاور ہاؤس ہے، یہ غلط محبت اس کا سب سے بڑا روگ ہے، دل کی شفا محبت الٰہی ہے اور وہ محبت جو اللہ کیلئے ہو، پھر انسان پر عرش الٰہی کے نیچے سے روح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، کسی شخص کو اس سے بڑھ کر اور کیا دولت چاہئے کہ عرش اعظم سے اس کا تعلق براہ راست جڑ جائے۔

عزیز نو جوانو! یہ دل کا بڑا گھٹیا استعمال ہے کہ اس میں دنیا کی محبت ہو اور دنیا کے لئے محبت ہو۔ اس گھٹیا استعمال کو بند کرو اور اللہ والوں سے، اللہ کی محبت اور اللہ کیلئے محبت کو سیکھو اور حاصل کرو۔

(٥) ورجل طلبته امرأة ذات منصب وجمال فقال: انی اخاف اللہ - یہ ایمان کا معراجِ کمال ہے، آدمی کے اندر ایک نہایت طاقتور جذبہ، شہوانی جذبہ ہے، یہ جذبہ دل میں محبت بلکہ عشق بن کر اترتا ہے اور مکمل اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے، پھر اس کی عقل ماری جاتی ہے، آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں، ہوش ٹھکانے نہیں رہتے، پھر آدمی ہرنا کردنی کر ڈالتا ہے، ایک جوان یا نوجوان آدمی ہے، طاقت اور صحت سے معمور، اسے

ایک عورت، ایسی عورت جو جاہ ومنصب کا دبدبہ بھی رکھتی ہے، اور بہت حسین وپُرکشش بھی ہے، وہ اسے اپنے بدن کی جانب بلاتی ہے، بتاؤ کہ اس نوجوان کے بچ جانے کا کوئی امکان دکھائی دیتا ہے، وہ نہ بھی بلاتی تو خود اس نوجوان کا جذبہ اس کے پاس لے جاتا، مگر وہ یہ کہہ کر ہٹ جاتا ہے کہ ''میں اللہ سے ڈرتا ہوں'' اس کا یہ کہہ کر ہٹ جانا **رب العرش العظیم** کے نزدیک اتنا محبوب اور عظیم عمل ہے کہ یہ عمل اسے براہ راست اس عرش عظیم کے سائے میں پہونچا دیتا ہے، جس کے سائے سے بڑھ کر کوئی سایہ نہیں!

عزیزو! اس بات کو خوب یاد رکھو، ہر ایسے موقع اور جگہ سے بچو، جہاں اس قسم کی آزمائش ہوسکتی ہے، ہر امت کا ایک فتنہ ہوتا ہے، اس امت کا فتنہ عورت اور مال ہے۔ مال کا ذکر ابھی نمبر (٦) پر آئے گا، یہ عورت کے فتنہ کا ذکر ہے، عورتوں کو شیطان اپنے جال کے طور پر استعمال کرتا ہے، جس سے وہ نوجوانوں کو اور ان کے ایمان کو شکار کرتا ہے، معلوم ہے کہ مچھلی پر جال پھینکا جاتا ہے، اور پرندوں کے لئے گھات لگایا جاتا ہے، اسی طرح اگر مومن متقی نہ ہو، تو شیطان اسے نوجوان عورتوں کی راہ میں لگا دیتا ہے، وہ اپنے ناز وادا سے انھیں شکار کرتی ہیں، اس وقت نوجوانوں کا ایمان وتقویٰ ڈھال بن جاتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی اس ترغیب صادق کے بعد کون ہے جو ایمان وتقویٰ کی پناہ میں نہ آجائے۔ نوجوانوں میں جہاں یہ جذبہ شہوانی ہوتا ہے، وہیں ان کے حوصلے بھی بلند اور قوی ہوتے ہیں، اگر اس کا عزم صادق ہو، تو شیطان کی ہر چال ناکام اور بے کار ہوکر رہ جاتی ہے۔

نوجوانو! کیا تم اپنے اندر یہ حوصلۂ عظیم پاتے ہو؟

(٦) **ورجل تصدق اخفی حتی لایعلم شماله ماتنفق یمینه** ۔ آدمی کے دل کو یا تو عورت پکڑتی ہے، اس کا حال تم نے سن لیا، یا مال پکڑتا ہے، اور مال کی گرفت بھی کچھ کم نہیں ہوتی، مال ہی کی طرح شہرت ونیک نامی کی خواہش بھی دل پر پنجہ گاڑتی ہے، آدمی مال کی اور جاہ وشہرت کی خواہش میں کیا کیا نہیں کر ڈالتا، مگر عرش کے سائے میں وہ پہونچے گا جو مال کی محبت سے بے نیاز ہے، اور شہرت کی خواہش سے بھی پاک ہے۔ وہ

غریب اپنی کمائی کا مال دیتا ہے، اوراس طرح دیتا ہے کہ اس کے سب سے قریبی فرد کو بھی احساس نہیں ہوتا ہے کہ اس نے کسی کو کچھ دیا ہے، آخر بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ کے کتنے قریب ہے، مگراسے بھی پتہ نہیں ہوتا کہ داہنے ہاتھ نے کیا عمل کیا۔ مال کو اپنے پاس سے ہٹانا یہ دلیل ہے کہ مال کی محبت نے اس کے دل کو نہیں پکڑا ہے، اوراس خاموشی سے دیتا ہے کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شہرت ونیک نامی کی محبت سے بھی خالی ہے۔

اس کا یہ جذبہ اورعمل اتنا بڑا ہے کہ وہ سیدھا عرش الٰہی کے سایہ میں جا پہونچتا ہے، اورخدا کا انتہائی قریبی ہوجاتا ہے، **وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون**، مقابلے میں سبقت کرنے والے آئیں، اوراس میں مسابقہ کریں۔

(۷) **ورجل ذکر اللہ خالیاً ففاضت عیناہ** اوپر جو کچھ بیان کیا گیا، اس کی روح یہ ہے کہ ایک مردمومن کا دل اللہ کی محبت اور جذبۂ اطاعت سے معمور ہے، دنیا کے ہزار تقاضے ہوں، نفس چاہے جتنا زور لگارہا ہو، شیطان خواہ کتنی ہی سازشیں کررہا ہو، دنیا والے چاہے جتنا دباؤ ڈال رہے ہوں، مگر اللہ کے حضور اس کا جذبۂ محبت وفرمانبرداری سب کو شکست دے کر سرخروئی کا سامان فراہم کرتا ہے، وہ دنیا میں بھی سرخ رو ہوتا ہے، اور آخرت میں بھی سب سے عزت اور راحت کے مقام تک پہونچتا ہے، دل کی یہ محبت اتنی طاقتور ہے کہ اس کے سامنے تمام تقاضے ماند اور تمام محبتیں بجھ کر رہ گئیں، اب اس کے سامنے کوئی بھی اس کی نظر کو گرفتار کرنے والا نہیں رہا

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا ۔۔۔ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

اس جذبۂ محبت واطاعت کے آجانے کے بعد دل اس میں ڈوب گیا، اب وہ اکیلا بیٹھا ہے، ساری دنیا میں یکسو ہوگیا ہے، اس کے پاس کوئی نہیں، لیکن محبت الٰہی کی شورش اٹھتی ہے اورآنکھوں سے پانی بن کر بہنے لگتی ہے، وہ آنسو بڑا قیمتی ہے، جسے محبت نے دل سے اچھالا، اورآنکھ کی راہ سے بہہ پڑا، لیکن اسے بجز پروردگار کے کسی اور نے نہیں دیکھا، وہ یہ آنسو ہے جس سے جہنم کی آگ ٹھنڈی ہوجاتی ہے، یہ گویا پچھلے تمام کی روح ہے۔

ملت کے نوجوانو! اللہ نے تمہیں طاقت دی ہے، حوصلہ دیا ہے، یہ عطیۂ خداوندی ہے، اسے تم کیوں سفلی کاموں اور گھٹیا چیزوں میں صرف کرر ہے ہو، ہمت وحوصلہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم بلندیوں پر پہونچنے کا عزم کرو، نیچے گرنا کیا مشکل ہے، اوپر چڑھنا کار بلند ہے۔

تم گھٹیا کاموں میں گھس کر اپنی جوانی کی توہین کیوں کرتے ہو، تمہارے عزم وحوصلہ کی تاب تو نفس وشیطان کا کوئی حملہ نہیں لاسکتا، اس کے سامنے تو ہر چٹان چور ہو جائے گی۔

جوانو! یہ صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہو جائیں جو ہو عزم سفر پیدا

اللہ کا منادی پکار رہا ہے کہ دنیا کا ہر تقاضا موڑ دو، اور خالص اللہ کے ہو رہو، تمہارا کلام تو یہ ہونا چاہئے کہ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیاً یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَـاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّآتِنَاوَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، وہ ایمان کے لئے پکار رہا تھا، کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے، اے ہمارے پروردگار! آپ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے، اور ہماری برائیوں کو محو فرمادیجئے، اور ہمیں نیکوں کے زمرے میں وفات دیجئے۔

ملت اسلامیہ کے نوجوانو! تم اپنی خواہش نفس کو پیشوا نہ بناؤ، اللہ کو، رسول کو، اللہ کے سچے بندوں کو، مخلص نائبین رسول کو اپنا رہبر بناؤ، خواہ تم عصری درسگاہوں اور کالجوں میں پڑھتے ہو، خواہ دینی مدرسوں میں زیر تعلیم ہو، یا اپنے کاروبار میں مشغول ہو، ہر نظریہ اور ہر خواہش باطل ہے، سوائے اس کے جس کو تائید کلام خدا یا کلام رسول سے حاصل ہو۔

اگر مالک ومولیٰ کی خوشنودی چاہئے، دنیا کی زندگی خوشگوار چاہئے، موت اور قبر کا معاملہ آسان چاہئے، حشر میں عرش الٰہی کا سایہ چاہئے، حساب اور میزان کا مرحلہ سہل چاہئے، رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک سے جام کوثر چاہئے، یہ سب عظیم نعمتیں چاہئیں، تو دنیا کی زندگی میں اپنی خواہشوں کی قربانی کر کے محبت الٰہی کو دل میں بسانا ہوگا، نوجوانوں کو دعوت عمل ہے، فھل من مستمع؟ وھل من مجیب؟ (کیا ہے کوئی گوش قبول سے سننے والا، اور کیا ہے کوئی اس پر لبیک کہنے والا؟)

☆☆☆☆☆

(اپریل ومئی وجون ۲۰۱۰ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عہدہ ومنصب کی تفویض!
ایک نازک مرحلہ

دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کے بعد منصب اہتمام کے لئے انتخاب کا جو طریقۂ کار اختیار کیا گیا، وہ دورِ حاضر کے جمہوری الیکشنوں کے طریقۂ کار کے قریب تر تھا، اس کی وجہ سے انتخاب میں جھول پیدا ہوگیا۔ اس سے متاثر ہوکر یہ اداریہ تحریر میں آیا۔

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم، امابعد!

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مجلس یحدث القوم جاء ہ اعرابی فقال: متی الساعة ؟ فمضی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یحدث فقال بعض القوم سمع ما قال فکره ما قال وقال بعضهم: بل لم یسمع حتیٰ اذا قضی حدیثه قال: این ... اراه... السائل عن الساعة؟ قال: هاأنا یارسول الله قال: فإذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة ، قال: کیف اضاعتها؟ قال: إذا وسد الامر الیٰ غیراهله فانتظر الساعة

(بخاری شریف، کتاب العلم، باب۲، حدیث:۵۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک بار ایسا ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، اور لوگوں سے کچھ فرمارہے تھے، اسی دوران دیہات کے ایک صاحب آئے، اور پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے اس پر توجہ نہ فرمائی، اور باتوں کا جو

سلسلہ چل رہا تھا اسی میں مصروف رہے، اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس کا سوال سن تو لیا ہے، مگر آپ کو اس کی بات پسند نہ آئی، بعض نے کہا کہ نہیں آپ نے سنا ہی نہیں، پھر جب بات پوری ہوچکی تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے متعلق جو پوچھ رہا تھا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا حضرت! میں یہ موجود ہوں، آپ نے فرمایا کہ جب امانت ضائع کردی جائے، تو قیامت کا انتظار کرو، انھوں نے کہا کہ اس کا ضائع کیا جانا کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ذمہ داری جب نااہل کے سپرد کردی جائے، تو قیامت کا انتظار کرو۔

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے کی قربِ قیامت کی ایک اہم علامت ارشاد فرمائی ہے، یہ بات معلوم ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جب دنیا میں برائیاں عام ہوجائیں گی، نیکیاں سمٹ کر معدوم ہوجائیں گی، ہر خیر اور نیکی قیامت کو روکنے والی ہے، اور ہر شر اور معصیت اسے قریب کرنے والی ہے، تو وہ بڑی برائیاں جو قیامت کو دعوت دینے والی ہیں، قربِ قیامت کی علامتیں ہیں، پوچھنے والے نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا کہ جب امانت ضائع کردی جائے، تو بس سمجھو کہ قیامت قریب ہے، اب اس کا انتظار کرو، پوچھنے والے کو معلوم نہ تھا کہ امانت کا ضائع کرنا کیونکر ہے؟ آپ نے بتایا کہ کاموں کی ذمہ داری جب نااہلوں کے سپرد کردی جائے تو بس اس کا انتظار کرو۔

مشہور محدث اور عالم علامہ عبدالرؤف مناوی نے إذا وسد الامر کی تشریح میں فرمایا کہ:

”جب دینی ذمہ داریاں اور مناصب، مثلاً عہدۂ خلافت اور اس کے متعلق امور، یعنی امارت منصب قضاء، منصب افتاء اور منصب تدریس وغیرہ، ایسے لوگوں کے حوالے کردئے جائیں جن میں اہلیت نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شرافت اور سیادت کے مستحق نہیں ہیں انھیں سرداری اور امارت دیدی جائے، تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے۔

کیونکہ اس سے شریعت کے اوامر ونواہی مختل ہوکر رہ جائیں گے، دین کمزور

ہو جائے گا، اسلام میں اضمحلال آجائے گا، جہل کا غلبہ ہوگا، علم فنا ہو جائے گا، اہل حق، حق کو قائم کرنے سے بے بس ہو جائیں گے۔ (فیض القدیر، ج ۱، ص: ۴۵۱)

اس حدیث کو بہت اہتمام اور غور وفکر کے ساتھ پڑھنا چاہیئے، اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور آپ کی منشا کی تعمیل کیلئے آپ کی امت کو پوری سعی کرنی چاہیئے۔

ہم جس ملک اور جن حالات میں رہتے ہیں، ان میں ذہن ودماغ پر طرزِ جمہوریت کا تسلط ہے، جمہوریت کا حاصل یہ ہے کہ مدار کار رایوں کی گنتی پر ہے، عقل ودرایت کے وزن پر نہیں، جس کو جو منصب حاصل کرنا ہوتا ہے، وہ اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ رائے اور دوسرے رائج الوقت لفظ میں ''ووٹ'' جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے، ووٹ جمع کرنے کے لئے جو تدبیریں استعمال کی جاتی ہیں، ان سے ناظرین ناواقف نہیں۔ ''زور''، ''زر'' اور ''زاری'' سب طاقتیں بروئے کار لائی جاتی ہیں، یعنی رائے خریدی بھی جاتی ہے، اس کی بڑی سے بڑی قیمت لگتی ہے، خریدنے والا اپنی مالی حیثیت کے مطابق خریدتا، یا حاصل ہونے والے نفع کو سامنے رکھ کر اس کی قیمت لگاتا ہے، اس کے ساتھ اپنی اور اپنے جتھے کی طاقت بھی استعمال کرتا ہے، دھمکیاں، ڈراوا اور اللہ جانے کیا کیا ''ہتھ کنڈے'' عمل میں لائے جاتے ہیں، پھر جہاں ضرورت ہوتی ہے، عاجزی ونیاز مندی، خوشامد وغیرہ کے ہتھیار آزمائے جاتے ہیں، اس صورت حال میں کیا یہ امید کی جاسکتی ہے کہ ذمہ دارانہ عہدوں پر اہل اور مستحق افراد آسکیں گے؟ جو اہل ہوگا وہ تو اپنا دامن دور رکھنے کی کوشش کرے گا، اور نا اہل عناصر اچھل اچھل کر خود کو مسلط کرنا چاہیں گے، چنانچہ ہم اپنے جمہوری ملک میں ہر تھوڑے وقفہ پر ووٹ کے ہنگاموں کا تماشہ دیکھتے ہیں، پارلیمنٹ کی سطح سے لے کر چھوٹے چھوٹے دیہاتوں تک رایوں اور ووٹوں کی کشمکش اور دولت وطاقت اور عاجزی ونیاز مندی کے چھوٹے بڑے مناظر ہر طرف نظر آتے رہتے ہیں، پھر جب الیکشن اور انتخابات کا طوفان تھمتا ہے تو ہر جگہ نا اہلوں کی بھیڑ دکھائی دیتی ہے، ووٹ دینے والے عام لوگ حیران ہوتے ہیں کہ اندازوں کے برخلاف نتائج کیونکر آگئے؟

دین بیزار حلقوں میں یہ منظر کچھ قابل تعجب نہیں ہے، کیونکہ ان کے پاس کوئی خدائی ہدایت نامہ نہیں ہے، ان کی اپنی سوچ ہے، اپنی عقل ہے، اپنا تجربہ ہے، اور یہ سب ناتمام ہے، ان میں الجھاؤ ہو، تضاد ہو، انتشار ہو، ٹکراؤ ہو۔ سب عین قیاس ہے، لیکن اس سے اس ملت کا متاثر ہوجانا، اور اس ناتمام طریقہ کو اختیار کرلینا سخت قابل حیرت اور باعث تاسف ہے، جس کے پاس ایک مکمل خدائی ہدایت نامہ موجود ہے، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ گم اور مضمحل ہوچکا ہو، بلکہ اپنی پوری تابانی کے ساتھ تروتازہ ہے، لیکن اسے چھوڑ کر جمہوریت کا ناقص اور ناتمام طریقہ آزمایا جاتا ہے، اس طریقے سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ عہدوں اور مناصب پر اہل افراد آسکیں گے؟

جس ملت کو یہ احساس ہے کہ کل اسے حق تعالیٰ کے حضور اپنے تمام اعمال، اپنی ہر ایک نیت، اپنے ہر ایک ارادے کے ساتھ حاضر ہونا ہے، اور وہاں ہر بات کا حساب دینا ہوگا، وہ ملت اپنے طریقہ کو چھوڑ کر غیروں کا طرز عمل دہرانے لگ جائے، تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ اللہ کی نظر سے گرے گی، دنیا میں جگ ہنسائی ہوگی، آپس میں انتشار ہوگا، آخرت میں شرمندگی ہوگی۔

مدارس کے علماء و مدرسین اور ارباب انتظام کے لئے یہ بڑا لمحۂ فکریہ ہے، کیونکہ دین کے ترجمان یہی لوگ ہیں، رسول اللہ ﷺ کی وراثت انھیں کے پاس ہے، قرآن وسنت کی روشنی ان کے سینے میں ہے، راستہ ان کے سامنے واضح اور صاف کھلا ہوا ہے، ان کا ہر قدم قرآن وسنت کے راستے میں احتیاط سے اٹھنا چاہئے، تاکہ حق تعالیٰ کی رحمتیں ان کا استقبال کریں۔ نہ یہ کہ اسے چھوڑ کر، اس سے منہ موڑ کر ان لوگوں کی راہ اختیار کریں، جو ہر قدم پر منہ کے بل گرتے ہیں، ان کی کل کائنات تو یہی دنیا ہے، آگے کیا ہوگا؟ اس سے وہ بے خبر ہیں، اور اسی بے خبری میں جس کا جدھر منہ اٹھتا ہے، جدھر سبز باغ دکھائی دیتا ہے، جدھر مال وجاہ کی فراوانی نظر آتی ہے، ادھر ہی بگٹٹ دوڑ پڑتا ہے، چاہے نظام عالم درہم برہم ہوجائے۔

لیکن مسلمان! ملت اسلامیہ کا ممبر! علم نبوت کی وراثت رکھنے والا! وہ تو بے خبر نہیں ہے، اس کی پوری کائنات یہی دنیا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مختصر سا دار العمل ہے، اس کے سامنے تو آخرت کی وسیع وعریض کائنات ہے؟ وہ اسے کیوں نظر انداز کردیتا ہے، اور دینی وملی امانتوں کے حق میں وہ طریقہ کیوں اختیار کرتا ہے جس کا براحشر سب کے سامنے ہے۔

دار العلوم دیو بند ہمارے دینی وعربی مدارس کا نقطۂ آغاز ہے، اس میں شوریٰ اور مشورہ کو ہمیشہ اہمیت دی گئی ہے، شورائیت کے نظام پر اس کی بنیاد ہے، لیکن رائے شماری اور ووٹوں کی کثرت کا اس میں کبھی اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے دور سرپرستی میں ایک نازک موقع ایسا آگیا کہ ایک صاحب کو ان کے عہدے پر اگر برقرار نہ رکھا گیا تو سخت فساد کا اندیشہ ہے، ان سے

> ’’ ارباب ِمشورہ نے عرض کیا، کہ ان کے موقوف ہونے سے کوتہ اندیشوں کو دراندازی کا موقع ملے گا،‘‘

مولانا نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

> ’’ گو تمام عالم مخالف ہوجائے، جب تک مدرسہ کا تعلق ہم لوگوں سے ہے، اس کے ہم ذمہ دار ہیں کہ، کسی بے جا کارروائی کو ہم چھپا نہیں سکتے،‘‘

ارباب شوریٰ نے عرض کیا، ان کو موقوف کرنے پر جو نزاع برپا ہوگی، اس سے مدرسہ کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے، بلکہ عجب نہیں مدرسہ کو ٹوٹنے کا خطرہ ہو، مولانا نے فرمایا، اور حضرت کا یہ ارشاد آبِ زر سے لکھنے بلکہ لوحِ دل پر نقش کرنے کا مستحق ہے، فرمایا:

> ’’مدرسہ خدا کی رضامندی کے واسطے کیا گیا ہے، اور جو کچھ ہم کررہے ہیں اسی کے واسطے ہے، اگر اسی کے ہم گناہ گار ہوکر اس کو انجام دیں تو کون سے ثواب کی بات ہے، جب تک اس کی رضامندی کے موافق کام ہوسکے، اس وقت تک کریں گے، ورنہ چھوڑ دیں گے،‘‘

پھر اسی کے مطابق فیصلہ ہوا۔ کثرت رائے کا ذکر ہی درمیان میں نہیں آیا، اور وہ صاحب مدرسے کے عہدے سے برطرف کردئے گئے۔ یہ تفصیل مولانا عبدالحی صاحب

علیہ الرحمہ سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنے ’’دلی اور اس کے اطراف‘‘ کے سفر نامہ میں درج کی ہے، جو پہلے ’’ارمغان احباب‘‘ کے نام سے، اور پھر ’’دلی اور اس کے اطراف‘‘ کے نام سے طبع ہوا۔ اس میں پوری تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مدارس دینیہ کے انتظام وبقاء کا شرعی ضابطہ یہی ہے، اس کو دنیاوی جمہوریت کے طرز پر لے جانا، اس کو فاسد کرنا ہے، مدارس کے اربابِ شوریٰ کو ہمیشہ یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے۔

اللھم الھمنا مراشد امورنا واعذنا من شرور انفسنا

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالعلوم دیوبند کا منصبِ اہتمام

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ ایسا محسوس ہوا، جیسے مسلمانوں کی یہ متاعِ عزیز اور ملت کا یہ سرمایۂ علم ودین آفات کی آندھیوں کی زد میں آگیا ہے، ہواؤں کا رخ اس انداز پر چلنے لگ گیا تھا، کہ اہل قلوب کو یہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ خدانخواستہ اس خرمن علم ودین کو دشمنوں کی آتشیں نگاہِ بد تو نہیں لگ گئی؟ کشمکش کی ایک لہر ملت اسلامیہ میں چلنے لگی تھی، اور اخبارات اسے مزید خوفناک اور بھیانک بناتے جارہے تھے، جو لوگ اس کشمکش کی زہرناکی اور اس کے نتائج کو محسوس کررہے تھے وہ دم بخود تھے، وہ حیران تھے کہ کچھ بولیں یا خاموشی اختیار کریں؟ کچھ بولیں تو اسے میڈیا کس شکل میں پھیلائے؟ خود دارالعلوم دیوبند کے اربابِ بست وکشاد کس مشکل اور پیچیدگی میں پڑیں؟ اور اگر خاموشی اختیار کریں تو فتنہ کس کس رنگ میں ظاہر ہو اور بزرگوں کی

اس امانت کا کیا حشر ہو؟

بس ایک ہی چارہ نظر آیا کہ اسی قادر مطلق اور حکیم وعلیم کے دربار میں التجا کی جائے کہ اس نے اپنے اس بزرگ اور مقدس دین کی حفاظت کا خود ہی ذمہ لیا ہے، تو اس کی حفاظت اور ترویج واشاعت کے اس اہم ذریعہ اور دین اور علم دین کے اس عظیم ادارہ کے تحفظ وبقاء کے لئے اسی بارگاہِ عالی سے کوئی فیصلہ صادر ہو۔

بظاہر نظر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ دعائیں اور یہ آہ وزاریاں سن لیں اور انھیں قبولیت سے نوازا۔ آندھی اتر گئی، طوفان تھم گیا۔ بڑی خوش اُسلوبی سے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے لئے ایک ایسی شخصیت کا انتخاب ہوگیا جس کے بارے میں عموماً حسن ظن ہے، کہ یہ انتخاب ایک اچھا انتخاب ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی اور علمی ودینی روح کی حامل ایک اہم شخصیت کو یہ منصب سپرد کیا گیا، جس کے بارے میں یہ بجا امید ہے کہ حق تعالیٰ اس سے اس سرمایۂ ملت کی نگہبانی کی خدمت لیں گے۔

دارالعلوم دیوبند صرف ایک تعلیمی ادارہ نہیں، جہاں تعلیم دی جائے اور بس! بلکہ یہ دین وملت کا قلب ہے جہاں سے ملت اسلامیہ کو زندگی کا تازہ اور گرم خونِ حیات حاصل ہوتا ہے، یہاں ملت کے جیالوں کی پرورش ہوتی ہے، یہاں دین ومذہب کے وفاداروں کی تربیت ہوتی ہے، گمرہی کا جب کوئی طوفان اٹھتا ہے تو یہیں سے اس کا رخ موڑنے والے اور اسے دبانے والے اٹھتے ہیں، یہ صرف درس وتدریس کا مرکز نہیں بلکہ صحیح علم اور صحیح عمل کا ایک زندہ اور متحرک ادارہ ہے، اس کا ایک خاص مقصد ہے، اس مقصد کے حصول کا ایک خاص منضبط ومنظّم لائحۂ عمل ہے، دورِ حاضر کے دنیوی تعلیمی اداروں کے جو مقاصد اور ان کے جو طریقہائے عمل ہیں، ان سے جداگانہ اوصاف وخصائص پر مشتمل یہ ادارہ ہے، اگر اس ادارہ کو دنیوی تعلیم گاہوں پر قیاس کیا گیا اور ان کی دوڑ میں اسے شامل کیا گیا تو یہ اس ادارہ کی ترقی اور زندگی نہیں، بلکہ اس کا زوال وسقوط اور اس کی موت ہے۔

اس مرکز علم ودانش کی سربراہی کے لئے ایسا شخص ہرگز موزوں نہیں ہوسکتا جو آج

کل کی اصطلاح میں تقاضائے زمانہ سے باخبر ہو اور اس کے مطابق چلنا جانتا ہو، وہ ہوا کا رخ پہچانتا ہو، اور اسی رخ پر قافلہ کو ڈال دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس کے پاس حطامِ دنیا کا انبوہ ہو اور اسے عصر حاضر کے نو بنو مطالبوں کے پورا کرنے میں لٹاتا ہو، ایسے افراد کے ہاتھ میں اگر ملت کا یہ سرمایۂ بیش قیمت چلا گیا تو یہ دین کا نہیں حصولِ دنیا کا مرکز بن کر رہے گا، دارالعلوم دیوبند کو دنیاوی صنعتوں اور ٹیکنکوں کا مرکز نہیں بننا ہے، یہ دنیا کے طوفان عالم آشوب میں دین و مذہب کا سفینۂ نجات ہے، اگر اسے بھی دنیاوی بہاؤ میں ڈال دیا جائے تو وہ طوفان کا ایک حصہ بن جائے گا۔

اس کے لئے ایسا سربراہ اور منتظم چاہئے جو صرف دنیا کے تقاضوں سے ہی باخبر نہ ہو، بلکہ ان کے ان برے اثرات سے بھی واقف ہو، جو دین اور علم دین کے تقاضوں سے متصادم ہیں، پھر ان سے بچنے اور بچانے کے طریقوں کو بھی جانتا ہو، اور انھیں بروئے کار لانے کا حوصلہ بھی رکھتا ہو، اور اسی کے ساتھ علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور نسبت مع اللہ کی دولت سے مالا مال ہو۔

زمانہ خواہ جس طرف جا رہا ہو اور چاہے جس رفتار سے جا رہا ہو، دارالعلوم کا رخ اس کی طرف نہیں ہو سکتا، اس کا اپنا ایک سمت سفر ہے، اس کو اسی پر قائم رہنا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے بانیٔ محترم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ نے اس کے انتظام و انصرام کے چند اصول آغازِ کار ہی میں رقم فرمادئے تھے، وہ اصول آج بھی وہی اہمیت رکھتے ہیں جو اہمیت ان کی روز اول تھی، اس خاکسار نے ان اصولوں کی قدرے تشریح وافادیت اپنے ایک مضمون میں کی ہے، جو میرے مجموعۂ مضامین ”مدارس اسلامیہ مشورے اور گزارشیں“ کے دوسرے ایڈیشن میں شامل ہے۔

اس اہمیت کے پیش نظر یہ بات ضروری ہے کہ دارالعلوم کا سربراہ وہی ہونا چاہئے جو ان اصولوں پر مضبوطی سے قائم ہو اور اسے اس باب میں خاصی بصیرت حاصل ہو۔ پھر ایک صدی سے زائد عرصہ دارالعلوم پر گزر چکا ہے، اس کے مہتمم اور ذمہ داروں کی ایک روشن

تاریخ رہی ہے، تاریخ کا یہ تسلسل آج بھی باقی رہنا چاہیے، ورنہ تسلسل کا انقطاع اس ادارہ کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دے گا۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد جو ایک بھونچال کی سی کیفیت پیدا ہوئی تھی، اور دورِ حاضر کی فتنہ پرور میڈیا نے اس بھونچال کو مزید آگے بڑھانے کا عمل شروع کر دیا تھا، اندیشہ ہو چلا تھا کہ کہیں اس پناگاہ دین و مذہب میں دراڑیں نہ پڑ جائیں، شکر ہے حق تعالیٰ کی مدد شامل ہوئی، اب حالات میں درستگی آ چلی ہے اور ٹھہراؤ پیدا ہو گیا ہے۔ دارالعلوم کے اہتمام کے لئے جیسی بزرگ شخصیت درکار تھی حق تعالیٰ کی مہربانی سے امید ہے کہ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ کے ذریعے وہ ضرورت باحسن وجوہ پوری ہوگی، مفتی صاحب طالب علمی کے دور میں دارالعلوم کے ممتاز ترین طالب تھے، اساتذہ کی نگاہ میں بااعتماد تھے، فراغت کے بعد مسلسل علمی و دینی اور اصلاحی مساعی میں سرگرم رہے، درس و تدریس کا سلسلہ بغیر انقطاع کے قائم رہا، ایک عرصہ سے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور مجلس تعلیمی کے معتمد رکن ہیں۔ ان کا انتخاب ہم لوگوں، دارالعلوم کے بہی خواہوں کے خیال میں ''حسنِ انتخاب'' ہے۔

حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ حسن توفیق اور نصرتِ الٰہی ہر قدم پر رفیق و رہبر رہے، اور بزرگوں کی یہ امانت اسی طرح حق خدمت ادا کرتی رہے جو اس کا سرمایۂ امتیاز ہے۔

ایں دعا از من از جملہ جہاں آمین باد

(مارچ، اپریل ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمازوں کا اہتمام اور باہمی اتحاد کی اہمیت

مسلمانوں کی ایک تاریخ ہے، جسے ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں، جس کے آثار و علائم یادگاروں اور تاریخی عمارتوں میں کبھی کبھی دیکھتے ہیں، لیکن ہماری نسل جس نے بیسویں صدی کے نصف کے بعد آنکھیں کھولی ہیں، اس نے وہ دور نہیں دیکھا ہے، نہ اس دور کے احوال دیکھے ہیں، جب مسلمان غالب نہ تھے تو مغلوب بھی نہ تھے۔ مغل حکومت، مسلمانوں کے دور کا ایک تاریخی زمانہ ہے، اس وقت غیر مسلموں کی اکثریت کے باوجود ہندوستان ایک اسلامی ملک تھا، دارالاسلام تھا، اسلام کا غلبہ تھا، مسلمانوں کا دبدبہ تھا۔ علم، عمل، سیاست ہر اعتبار سے ہندوستانی معاشرہ مسلمانوں کا دست نگر تھا۔ پھر حالات نے پلٹا کھایا، ایک بدیسی قوم سمندر پار، دور سے یہاں تاجر بن کر آئی، قسمت نے یاوری کی، مسلمانوں کا ستارہ گردش میں آیا، اس نے مسلمانوں کو دبالیا، حکومت کے مراکز پر اس کا قبضہ ہوتا چلا گیا۔ تقریباً دوسو سال کے عرصہ تک اس تاجر قوم نے اس ملک کو اپنی تجارت اور سوداگری کا میدان بنائے رکھا، اس دور میں ملت مسلمہ گوکہ شکست خوردہ ہو چکی تھی، مگر پھر بھی ملک کی دوسری غیر مسلم اقوام کے مقابلے میں سربلند تھی، ملک کے بہت سے حصوں میں اس کی اکثریت تھی، اور جہاں عددی اعتبار سے اکثریت میں نہ تھی وہاں بھی قوت وشوکت کے لحاظ سے، اور علم واقتصاد کے لحاظ سے غالب نہ سہی مساوی ضرور تھی، مگر جب انگریز یہاں سے رخصت ہونے پر مجبور ہوا، تو اس کی عیارانہ عقل وذہانت نے ایک نیا گل کھلایا، کہ ہندوستان کی دو بڑی اکثریت کو باہم ٹکرادیا، اور دونوں کو یہ سبق پڑھایا کہ تم دونوں یعنی ہندو اور مسلمان باہم مل کر نہیں رہ سکتے، ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا، لہٰذا تم دونوں کو ملک کے الگ الگ خطے دئے

جاتے ہیں، ایک خطے پر مسلمان حکومت کریں اور ایک خطے پر ہندو!

یہ ایک سازش تھی جس کو مسلمانوں میں سے بھی بہت سے لوگوں نے سمجھا، اور ہندوؤں میں سے بھی بہت سے افراد نے سمجھا، اور دونوں طرف سے اس کی مخالفت ہوئی، لیکن انگریزوں نے اس موضوع پر دونوں قوموں کو اس طرح ٹکرایا اور اتنی جذباتیت اور سطحیت پیدا کردی اور اس قدر سر پھٹول کرایا، کہ سنجیدہ اور سمجھدار افراد بھی یہ سوچنے لگے کہ شاید باہم ساتھ نباہ نہ ہو۔ بالآخر ایک خونیں ہنگامہ اور طوفانی جھٹکے کے ساتھ ملک کے تین ٹکڑے کرکے انگریز نے یہاں سے اپنی بساطِ سیاست لپیٹ لی، اب پورب بھی خاک وخون کی ہولی کھیلی جارہی ہے، اور پچھّم بھی آگ کے شعلے اٹھ رہے ہیں۔

اس سے ایک مدت کے بعد قدرے سکون ہوا، تو ملک کے تینوں ٹکڑے باہم دست وگریباں رہنے لگے، چین اور اطمینان کسی طرف نہیں۔

اس تقسیم شدہ ملک کا وہ حصہ، جو بھارت اور ہندوستان کہلایا، یہ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے بڑا ہے، لیکن مسلمان اس میں قومی لحاظ سے پچھلی صف میں چلا گیا۔ تقسیم کے ہنگاموں کے بعد ملت اسلامیہ یہاں واقعی اور محسوس طور پر اقلیت میں آگئی، تعداد کے لحاظ سے، تجارت اور اقتصادیات کے لحاظ سے، اور آخری حد یہ ہے کہ احساس وفکر کے لحاظ سے بھی! یہ ملت پیچھے سے پیچھے چلی گئی۔

ہندوستان میں بسنے والی ملت سلامیہ کا کوئی فرد گھر کے باہر نکلتا ہے، سفر کرتا ہے، سرکاری دفاتر میں جاتا ہے، بازار میں داخل ہوتا ہے، علاج کے مراکز اور ہسپتالوں میں جاتا ہے، اسکولوں اور کالجوں میں قدم رکھتا ہے، تو ہر جگہ اپنی ملت والوں کو تقریباً صفر کے درجے میں پاتا ہے، ہر جگہ دوسری اقوام کا غلبہ اور عمل دخل نظر آتا ہے، اس وقت طبیعت پر ایک ہراس اور شکست ویاس کی کیفیت چھانے لگتی ہے۔

اس صورت حال میں کبھی ملک سے باہر کسی اسلامی ملک میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے، اور ہر طرف مسلمان ہی مسلمان دکھائی دیتے ہیں، تو قلب کا حال بدل جاتا ہے،

بالخصوص کبھی سفرحج یا سفر عمرہ کی توفیق ہوتی ہے اور حرمین شریفین میں حاضری نصیب ہوجاتی ہے تو ہر بندہ خدائے وحدہ کا پرستار اور نبی کریم ﷺ کی عقیدت میں سرشار نظر آتا ہے، تو خوشی ومسرت کی ہوائیں دل کی وسعتوں میں چلنے لگتی ہیں، وہاں کوئی دوسرا نہیں ہوتا، سب ایک مرکز ایمان پر جمے ہوئے اور ایک ہی مرکز عقیدت سے بندھے ہوئے!

ہمارے ملک میں خال خال بعض خطے ایسے نظر آجاتے ہیں، جہاں عددی اعتبار سے مسلمانوں کی بڑی اکثریت مل جاتی ہے، ایسے خطے یہاں کم اور بہت کم ہیں، مگر تقسیم کرنے والوں کا شاید بس نہیں چلا کچھ خطوں میں مسلمانوں کی اکثریت باقی رہ گئی، لیکن تقسیم کرنیوالوں نے انھیں بے اثر بنا کر رکھ دیا ہے۔

مارچ کے مہینے میں ایک ایسے ہی علاقے میں اس بندۂ حقیر کے جانے کا اتفاق ہوا تھا، ایسی جگہ طبعی اور فطری طور سے بڑی مسرت ہوتی ہے، جہاں ہر طرف مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں۔

صوبہ بہار میں کچھ عرصہ پہلے ایک بڑا ضلع پورنیہ تھا، یہ پورا علاقہ مسلمانوں کی اکثریت کا تھا، لیکن تقسیم کی حکمت عملی نے اسے چار پانچ حصوں میں تقسیم کردیا ہے، اس ایک ضلع سے غالباً پانچ ضلعے بنادئے گئے ہیں۔ ۱۔ پورنیہ۔ ۲۔ ارریہ۔ ۳۔ کشن گنج۔ ۴۔ کٹیہار۔ ۵۔ مدھے پورہ۔ اور اس کا کچھ حصہ بنگال کے دیناج پور میں ڈال دیا گیا ہے۔ ان اضلاع کے طلبہ بکثرت یوپی کے مدارس اسلامیہ میں تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں، کبھی کبھی کسی تقریب سے ان علاقوں میں جانا ہوتا ہے، سڑک سے گزرتے ہوئے مسجدیں، مدرسے، مکاتب، مسلمانوں کی شکلیں بکثرت نظر آتی رہتی ہیں، یہ اور بات ہے کہ پسماندگی، غربت، کمزوری اور مفلوک الحالی کے مناظر بھی نگاہ سے گزرتے رہتے ہیں، لیکن یہی خوشی کیا کم ہے، کہ سب کلمہ گو ہیں، نبی کریم ﷺ کے عقیدت کیش اور انھیں کے امتی ہیں۔

اب سے پانچ چھ سال پہلے ایک مرتبہ ضلع ارریہ سے گزر ہو رہا تھا، عصر کا وقت ہوگیا، میں نے رفقاء سفر سے کہا کہ سڑک کے کنارے دیکھتے جاؤ کوئی مسجد یا مدرسہ ملے تو نماز

پڑھ لی جائے، مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ، ادھر بڑی آسانی ہے، ہر تھوڑے فاصلے پر کوئی مسجد یا دینی مکتب و مدرسہ نظر آجاتا ہے، چنانچہ تھوڑی ہی دور چل کر ایک مسجد نظر آئی، ساتھ میں ایک دینی مکتب کی بھی عمارت تھی۔ گاڑی روکی گئی، اتر کر عصر کی نماز ادا کی گئی، اور تھوڑی دیر وہیں ٹھہر کر مغرب بھی پڑھی گئی، اتنی دیر میں گاؤں کے کچھ مسلمان آگئے، انھوں نے اسلامی مزاج کے موافق چائے وغیرہ سے ضیافت کی۔

دورانِ گفتگو ایک صاحب نے کہا کہ اس چھوٹی سی جگہ میں یہ مدرسہ چل رہا ہے، اس کی تعمیر و ترقی کے لئے آپ دعا کر دیں۔ ہمارے رفقاء نے اس کے لئے دعا کی اور وہاں سے روانہ ہوگئے، وہ دعا غالباً ان صاحب کو لگ گئی، جنھوں نے درخواست کی تھی، رفقائے سفر میں اعظم گڈھ کے جناب حاجی عرفان احمد اعظمی بھی تھے، جو دہلی میں کاروبار کرتے ہیں، ان کا وہاں اعظمی ہاسٹل ہے، انھیں مساجد اور مدارس سے بہت دلچسپی ہے، انھوں نے اس جگہ پر خصوصی توجہ کی، مدرسہ کے منتظم جناب محمد صدیق صاحب نے مجھ سے بھی برابر رابطہ برقرار رکھا۔ یہ مدرسہ کی تعمیری اور تعلیمی ترقیات کی خبر فون سے برابر دیتے، پھر دو سال پہلے ایک جلسہ کر ڈالا، مجھے بھی حاضری کی دعوت دی، مجھے جلسوں سے نہ مناسبت ہے، نہ ان کی رغبت، لیکن ان کی محبت میں گیا۔ میں نے وہاں عرض کیا تھا کہ اس علاقہ میں آکر اور مسلمانوں کی اکثریت کو دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے، مگر آپس کے اختلافات، لڑائی جھگڑوں کو دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے، آپس کی لڑائیوں سے طاقت ختم ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ کی ناراضگی آتی ہے، بڑی تعداد سے جو قوت و شوکت حاصل ہو سکتی ہے اس کی ہوا نکل جاتی ہے، اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا۔ مگر ہوا وہی جس کا اندیشہ تھا، جلسے کے کچھ دنوں کے بعد وہ مدرسہ باہمی اختلاف کا اس طرح شکار ہو گیا کہ محمد صدیق صاحب نے دل برداشتہ ہو کر اس کے انتظام سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور سڑک کے دوسری جانب اپنی ذاتی زمین پر مدرسہ اور مسجد کی بنیاد ڈال دی، مکتب تو وہاں شروع کر دیا، مسجد کی زمین متعین کر دی، انھوں نے مجھے دوبارہ دعوت دی، ان دنوں میں بیمار تھا، مگر ان کی محبت نے مجبور کیا، اور میں نے وہاں کا

سفر کیا۔ وہاں مسجد کی بنیاد رکھی، مدرسہ خیر وخوبی سے چل رہا ہے، انھوں نے اپنا مکان بھی وہیں مدرسہ کے متصل بنالیا ہے، اور ازراہ محبت اس خاکسار کے لئے بھی ایک جھونپڑا تعمیر کردیا ہے، کہ میں وہاں پہونچوں تو اسی میں قیام کروں۔ اللہ تعالیٰ ان کی محبت کو قبول فرمائے اور دارین کی سعادت سے نوازے۔ آمین

یہ جگہ ضلع ارریہ میں شہر ارریہ کوٹ سے بجانب مغرب ۷/۸ رکلومیٹر پر واقع ہے۔ اس سفر میں اہل محبت مجھے کئی جگہ لے گئے۔ ضلع پورنیہ کے دو ایک گاؤں میں جانا ہوا، میرے پرانے دوست مفتی تبارک حسین صاحب جنھوں نے مدرسہ دینیہ غازی پور میں مجھ سے تعلیم حاصل کی ہے اور بہادر گنج ضلع کشن گنج کے مدرسہ دار العلوم میں استاذ حدیث ہیں، اور دینی خدمات میں اور فقہ وفتاویٰ میں ممتاز ہیں، وہ اپنے گاؤں میں لے گئے، ان کے اور میرے احباب میں ایک مولوی عبد الرحمٰن صاحب اور ایک مولوی مجاہد صاحب ہیں، ایک روز ان کے گاؤں کدواہا میں قیام ہوا۔

ہر جگہ مسلمانوں کی بڑی تعداد ملاقات کے لئے اور وعظ سننے کے لئے جمع ہوتی رہی، لوگ بڑی محبت سے ملتے رہے اور سمع وطاعت کا اظہار کرتے رہے۔ ان جگہوں پر میں نے بطور خاص عام مجلسوں میں یہ بات عرض کی، کہ مسلمانوں کی کثرت تعداد دیکھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے، لیکن دو باتوں سے رنج ہوتا ہے، ایک تو یہ مسلمانوں میں نمازوں کا اہتمام نہیں ہے، جتنی تعداد پائی جاتی ہے اگر اس کا تھوڑا سا حصہ بھی مسجد میں حاضری دے تو کسی مسجد میں گنجائش باقی نہ رہے گی، مگر دیکھئے تو ساری مسجد خالی پڑی نمازیوں کی منتظر رہتی ہے، اس لئے جو حضرات میرے پاس ہیں وہ نمازوں کا اہتمام کریں، اور اپنے گھر والوں اور معاشرہ میں اس کی کوشش کریں۔

دوسری چیز جو گھن کی طرح معاشرے کو کھا رہی ہے، وہ آپسی اختلافات ونزاعات ہیں، عقلوں اور رایوں میں اختلاف نہ کوئی انہونی چیز ہے نہ کوئی برائی ہے، مگر اس اختلاف کے ساتھ باہمی محبت، خدا اور رسول پر ایمان کی بنیاد قائم رہ سکتی ہے، بڑی خرابی یہ ہے کہ فطری

وطبعی اختلاف کی بنیاد پر ہم جھگڑے کھڑے کر لیتے ہیں مگر محبت واتحاد کی جو بنیاد ہے، یعنی ایمان اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ایک تیسری چیز اور بہت قابل لحاظ ہے، اسلام نے اور اللہ اور اس کے رسول نے مسلمانوں کو ایک خاص امتیازی تشخص عطا فرمایا ہے، یہ تشخص جیسے سیرت وکردار اور طبیعت ومزاج سے تعلق رکھتا ہے، اسی طرح شکل وصورت اور وضع قطع سے بھی متعلق ہے، چہرے پر خدا کا نور یعنی ڈاڑھی بڑھی ہوئی، مونچھیں ترشی ہوئی، لباس ایسا ہو جو اعضاء مستورہ کو چھپائے رکھنے میں کامیاب بھی ہو اور ٹخنوں سے نمایاں اوپر بھی ہو، سر پر کلاہِ عظمت ہو، خواہ وہ عمامہ ہو یا کم از کم ٹوپی ہو، ننگے سر پھرنا تہذیب اسلامی کے منافی ہے، دھوتی ہندوؤں کا لباس ہے، جو ستر کے پوشیدہ رکھنے میں ناکام ہے، پتلون انگریزوں کا خاصہ ہے، جو قابل شرم اعضاء کو چھپانے کے بجائے ان کی مزید نمائش کرتا ہے، اور اس کا ایک لازمہ یہ بھی ہے کہ وہ ٹخنوں سے نیچے لٹکتا ہے، جو کسی صورت میں جائز نہیں۔

اگر مسلمان انگریزوں اور ہندوؤں کی وضع وقطع سے اجتناب کریں اور اس شکل وصورت اور وضع وہیئت کو اختیار کرلیں جو ان کے محبوب ومطاع مطلق حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر کی ہے، اور وہی اللہ کی اور صالحین کی پسندیدہ ہیئت ہے، تو یہ جہاں کہیں ہوں گے ان کی ہیبت چھائی ہوئی ہوگی۔

اب تو حال یہ ہے کہ آپ محض شکل وصورت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر ہی نہیں سکتے کہ سامنے والا مسلم ہے کہ اس کو **السلام علیکم** کہیں، یا غیر مسلم ہے کہ اس کے ساتھ استقبال وملاقات کے دوسرے آداب بجالائیں، اگر مسلمان اپنے تشخص پر قائم ہوجائے تو نہ کہیں اشتباہ ہو اور نہ کسی کو جرأت توہین ہو، داڑھی ٹوپی کی ہیبت ایسی نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے۔

یہ ایک پیغام ہے کہ مسلمان اپنے نبی کی سنت کی طرف پلٹیں، سیرت وکردار میں بھی اور وضع وہیئت میں بھی!

حق تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں، اور دنیا کی تمام قوموں کے برخلاف شرک اور اعمال شرک سے بیزار ہیں، تو اس کی جو واقعی عبادت ہے، جس سے ابتداء انسانیت سے آخری پیغمبر تک کسی نبی و رسول کی ملت خالی نہیں ہے، اور جس کے بغیر کسی بھی دین وملت میں کوئی خیر نہیں یعنی نماز! اس کا اہتمام کریں، اسے اپنی زندگی اور روز وشب کا سب سے زیادہ اہم اور لازمی پروگرام بنالیں، جو نماز کا پابند ہوگا، اس کا چہرہ نور الٰہی سے دمک اٹھے گا، اور ہر شخص محسوس کرے گا، کہ یہ چہرہ تمام چہروں سے مختلف ہے۔

دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کے ارشاد رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کا نمونہ بن کر رہیں، اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معیت میں رہنے والوں کی جن صفات کی مدح کی ہے، اور ان کو ان کی شناخت بتایا ہے، ان میں ایک صفت اشداء علی الکفار ہے، یعنی کفار اور اہل شرک کے مقابلے میں وہ فولاد ہیں، ان کے طور طریقے سے اجتناب رکھتے اور ان کے اعمال وکردار سے دور رہتے ہیں، اور ایک صفت رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ہے، یعنی آپس میں مہربان، نرم خو اور ہمدرد وغم گسار ہیں، یہ صفت جب پیدا ہوتی ہے تو آپس کے نزاعات اور جھگڑوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور غیروں پر دھاک بیٹھ جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اپنے ظاہری تشخص کو برقرار رکھیں، یہ شکل وصورت اور یہ وضع قطع چونکہ شرعاً واجب ہے، اس لئے اس میں ایک برکت اور نورانیت ہے، اس سے اللہ راضی ہیں، اللہ کے رسول راضی ہیں، پھر دنیا والے چاہے ناراض ہوں، مگر وہ گھٹنا ٹیکنے پر مجبور ہوں گے۔

کاش مسلمان اس پیغام کو سنتے اور سمجھتے!

واللہ ولی الامر وھو الموفق والمستعان

(مئی ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنت کی اہمیت

حدیث پاک کی حفاظت وصیانت اور اس کی نشر واشاعت کے متعلق لکھی گئی یہ سطریں حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند کی کتاب ''اسباق حدیث'' حصہ دوم کا مقدمہ ہیں۔ (ادارہ)

الحمدلله نحمده و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سياتنا اعمالنا ،من يهده لله فلا مضل له و من يضلل فلا هادى له و اشهد ان لا اله وحده شريک له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله (صلی اللہ علیہ وسلم) و على آله و ازواجه و اصحابه اجمعين .اما بعد

اہل اسلام کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ ہمارے رسول سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم الانبیاء ہیں، تمام رسولوں کے امام ہیں اور تمام مخلوق کے حق میں اللہ کی وحدانیت کیلئے حجت بالغہ ہیں۔ اللہ تعالی نے انہیں دین قویم اور صراط مستقیم عطا فرما کر مبعوث فرمایا اور ان کی رسالت کو قیامت تک کیلئے سارے عالم میں عام فرمایا۔

حق تعالی نے ان کو مبعوث فرما کر بگڑی ملت کو درستی بخشی ،ان کی سیرت وسنت کو داروئے شفا بنایا، بے نور آنکھوں کو نور بخشا، بہروں کو شنوائی عطا کی، بند دلوں کو کھول دیا، اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو سیدھی راہ، کشادہ رہ گزار اور بہترین شاہراہ کی ہدایت دی

اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت فرض قرار دی ان کی تعظیم ومحبت کو لازم کیا، ان کی سنت کی پیروی اور سیرت کی اقتداء کو ضروری قرار دیا، نیز عزت وشوکت کو آپ کی اقتدا سے وابستہ فرمایا اور آپ کی نافرمانی اور مخالفت کا انجام ذلت ونکبت

اور بدبختی وشقاوت کو بنایا۔

پھر ظاہر ہے کہ حق تعالی کی عبادت و بندگی کے طریقوں کی معرفت اور دین اسلام کی عملی تشکیل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت اور آپ کے طریقۂ عمل کے جاننے پر موقوف ہے وہ طریقۂ عمل جس پر آپ نزول وحی کے آغاز سے تکمیل دین کے اختتام تک کاربند رہے۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ قرآن پاک میں حق تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون ما ارید منھم من رزق و ما ارید ان یطعمون (الذریات ۵۶۔۵۷) میں نے جناتوں اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں میں ان سے نہ روزی کا مطالبہ کرتا ہوں اور نہ یہ کہ وہ میرے لئے روزی کا سامان فراہم کریں۔

یعنی ان سے میرا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے یا دوسروں کیلئے روزی کمائیں اور نہ یہ کہ وہ روزی حاصل کر کے مجھے دیں کہ میں اپنے بندوں میں تقسیم کرسکوں تمام بندوں کو روزی دینا اور ساری مخلوق کیلئے غذا اور ضرورت کا ہر سامان مہیا کرنا، یہ میرا کام ہے، بندے اس لئے یکسو ہو کر میری عبادت اور میرے احکام کی اطاعت میں لگے رہیں۔

یہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ انسان اور جنات کی تخلیق صرف اللہ کی عبادت کیلئے ہوئی ہے، اس لئے ان پر لازم ہے کہ وہ جس کام کیلئے پیدا کئے گئے، اس کا پورا اہتمام کریں اور دنیا اور لذات دنیا کو اپنا مطمح نظر ہرگز نہ بنائیں کیوں کی یہ دنیا فانی ہے یہاں کسی کو ٹھہراو نہیں ہے یہ محض ایک گذرگاہ ہے منزل قیام وقرار نہیں، یہ ایک ختم ہو جانے والی راہ ہے کوئی دائمی وطن نہیں ہے پس بیدار و فہیم وہی ہے جو عبادت گذار ہے، اور عاقل ترین انسان وہ ہے، جو دنیا کی رغبت نہیں رکھتا۔

حق تعالی کا ارشاد ہے:

انما مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلناہ من السماء فاختلط بہ نبات الارض مما یاکل الناس و الانعام حتی اذا اخذت الارض زخرفھاو زینت و ظن اھلھا انھم قادرون علیھا اتاھا امرنا لیلا او نھا را فجعلناھا حصیدا

کان لم تغن بالامس کذلک نفصل الآیات لقوم یتفکرون (سورہ یونس۲۴)

دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے بارش ہوئی اوراس کی وجہ سے زمین کی ہریالی ملی جلی پیدا ہوئی، جس سے آدمی بھی غذا حاصل کرتے ہیں اور جانور بھی اسے کھاتے ہیں پھر جب زمین رونق حاصل کرکے اچھی طرح مزین ہوجاتی ہے اور زمین والے سمجھتے ہیں کہ انہیں اس رونق وزینت پر قابو حاصل ہوگیا ہے تو ناگاہ ہمارا حکم رات یادن میں کسی وقت آپہونچتا ہے پھراس تمام تر زینت ورونق کوتہس نہس کرکے رکھ دیتے ہیں ایسا کہ گویا یہ سب کچھ تھا ہی نہیں، اسی طرح ہم غوروفکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں بیان کرتے ہیں۔

جب دنیا کی زندگی کی مثال یہ ہے، تو یہ بات واضح ہے کہ عقل مند کون ہوگا؟ وہ جو دنیا اورلذت دنیا میں مرے؟ یا وہ جو اس فنا ہوجانے والی گذرگاہ سے احتراز کرتا ہوا گذر جائے

إن للہ عبـــاداً فـطـنــا   طلقوا الدنیا وخافوا الفتنا

نـظروا فیهـا فـلما علموا   انهـا لیـست لـحيٍّ وطـنـا

جعلوهـا لجّةً واتخذوا   صـالح الاعمال فیها سفنا

☆ کچھ بندے اللہ کے بہت سمجھدار ہیں، انھوں نے دنیا کوطلاق دے دی، اورفتنوں سے احتراز کیا۔

☆ انھوں نے دنیا میں غور کیا، پھر جب وہ سمجھ گئے کہ یہ کسی زندہ کے لئے وطن نہیں ہے۔

☆ تو انھوں نے اسے دریا قرار دے کر، اعمال صالحہ کو اس کے لئے کشتی بنالیا، اورنجات حاصل کرلی۔

جب بندوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کی بندگی بجالانا، ان کی غایت زندگی ہے، اوردنیا کا حال یہ ہے کہ کبھی وہ بارونق اور ہری بھری دکھائی دیتی ہے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سوکھ کر ریزہ ریزہ اورفنا ہوجاتی ہے، تو پھر بندوں کوغور کرنا چاہیئے کہ انھیں کیا کرنا ہے؟ اسی زوال آمادہ دنیا اورلذاتِ دنیا کے پیچھے دیوانہ رہیں؟ یا اس گزرگاہ سے اسی طرح گزریں جس طرح اللہ کے نیک بندے چلتے ہیں؟ عقل کی بات تو یہی ہے کہ وہ عقل والوں کی راہ اختیار کریں۔

عقل وخرد کی یہ روشن راہ اور فتنوں سے بچ کر نکلنے کی گزرگاہ کہاں اور کیونکر ملے گی؟ وہ ایک ہی جگہ متعین ہے اور ایک ہی طریقہ ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے؟ اور وہ ہے ہادی مطلق، نمونۂ رضائے الٰہی، دانائے طریق، ختم المرسلین، سیّدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ عالم پناہ ہے، جس راہ پر وہ چلے ہیں، جس راہ پر چلنے کا انھوں نے حکم دیا ہے، اور جس راہ کو انھوں نے پسند فرمایا ہے، بس تلاش کرنے والے اسی راہ کو تلاش کریں، اور پیش کرنے والے اسی راہ کو پیش کریں، دوسری ہر راہ کانٹوں بھری ہے، غلط رخ پر گئی ہے، سب کو نظر انداز کرکے، سب سے یکسو ہوکر، اور سب کی نفی کرکے بس اسی راہ پر خود کو ڈال دینا قطعی ہدایت ہے۔

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

ہم نے جو کچھ پڑھا تھا اسے بھلادیا، بس ایک یاد رہ گئی ہے، اور وہ ہے دوست کی بات! اسے ہی ہم دہرائے جارہے ہیں۔

یہ دوست کون ہے؟ یہ مرکز محبت کون ہے ایک مومن کے لئے، اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ اور کیا جواب ہوسکتا ہے؟ اللہ کا کلام قرآن کریم ہے، اور رسول کا کلام حدیث وسنت ہے، ایک مسلمان کی زندگی، انفرادی بھی اور اجتماعی بھی، اس کا پورا ماحول اور معاشرہ انھیں دونوں سے مستفید ہوتا ہے، قرآن کریم متن ہے، حدیثِ رسول اس کی شرح ہے، قرآن پاک کتاب ہے، اور حدیث رسول حکمت ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۔

بلاشبہ اہل ایمان کے اوپر اللہ کا احسان ہوا کہ ان میں خود انھیں کے زمرے سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا، جو انھیں اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے،

اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ (سورہ نساء:)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کتاب کے ساتھ حکمت کو بھی ذکر فرمایا ہے، یہ حکمت کیا ہے؟ حضرات علماء ومفسرین فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہے، پس رسول اکرم ﷺ کی حدیثیں اور آپ کی ہدایتیں سب سنت میں داخل ہیں۔

دین اسلام کا مدار انھیں دونوں پر ہے، قرآن پر اور سنت پر! اللہ نے ان دونوں کی حفاظت کا وعدہ فرمایا، اور آج تقریباً ڈیڑھ صدی کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ اس طرح سے پورا ہوا ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی صداقت بن گیا ہے۔ قرآن کریم کا حرف حرف اس طرح محفوظ ہے کہ لاکھوں انسانوں کے سینے اور لاتعداد کاغذوں کے سفینے اس کے لفظ اور زیر وزبر تک کے امین صادق ہیں۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی حدیثوں، سنتوں اور آپ کے خصائل وشمائل اور اخلاق وسیرت کے نقل وروایات کا وہ عدیم النظیر خزانہ دنیا کے سامنے ہے کہ علم وتحقیق کی دنیا آج تک حیرت زدہ ہے، کہ عرب کے صحراؤں میں، امیوں کے درمیان پیدا ہونے والا رسول، ایسی جگہ پیدا ہونے والا، جہاں پڑھنے لکھنے والوں کی تعداد ایک ہاتھ کی پانچ انگلیوں کے پوروں سے زائد نہ تھی، آج وہ عالم ہے کہ اس کے منہ سے نکلا ہوا کوئی کلمہ ایسا نہیں ہے جو معتبر راویوں کے بلا انقطاع تسلسل کے حوالے سے موجود نہ ہو، اور اس کے کردار وعمل کی کوئی روشنی ایسی نہیں ہے جسے لیل ونہار کی طویل گردشوں نے مضمحل اور مدھم کر دیا ہو، بلکہ جیسے جیسے وقت گزرجاتا ہے اس کی تابنا کی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

دیکھنے والے حیرت زدہ ہیں کہ ایک وقت جبکہ آپ کے صاحبزادے کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تھا، کہنے والے مخالف نے کہا تھا کہ: **دعوہ فانہ رجل ابتر لاعقب لہ فإذا ھلک انقطع ذکرہ** (تفسیر ابن کثیر سورۃ الکوثر) اسے چھوڑو، یہ ایسا آدمی ہے جس کی نسل منقطع ہوگئی ہے، اس کی اولاد باقی نہیں، جب یہ دنیا سے چلا جائے گا تو اس کا ذکر

وتذکرہ بھی فنا ہوجائے گا۔

نادان کہنے والا یہ کہہ رہا تھا اور قدرت سامان کررہی تھی کہ روئے زمین پر اس سے بڑھ کر کسی کا تذکرہ نہ ہو، خالق تعالیٰ کا ذکر سب سے بلند ہے، پھر ان کے بعد اگر کسی کا ذکر ہو تو اسی نبی امی کا ہو، ورفعنا لک ذکرک (انشراح:) ہم نے تمہارے ذکر کو بلندی بخشی۔ یہ وعدہ نہیں، خبر ہے، اور اس خبر کی صداقت ہر آنے والا دن مزید یقینی بناتا جارہا ہے۔

پڑھنے والے پڑھیں، یہ حدیث کی بے شمار کتابیں ہیں، یہ مغازی کے دفتر ہیں، یہ تاریخ کے صفحات ہیں، یہ شمائل کے مجموعے ہیں، ان میں پڑھنے والوں کو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ملیں گے، آپ کے افعال وصفات ملیں گے، نبوت کی تیس سالہ زندگی کا ہر ہر لمحہ محفوظ ملے گا، آپ کے اقوال وافعال اور صفات واحوال میں کوئی جلی اور خفی ایسی شان نہ ہوگی، جو علم وتحقیق کے اس خزانے میں بعینہٖ محفوظ نہ ہو، صرف محفوظ ہی نہیں سورج کی طرح روشن نہ ہو، آپ کے کھڑے ہونے اور بیٹھنے کا انداز کیا تھا؟ آپ سونے سے کیونکر اٹھتے؟ اور اٹھنے کی کیفیت کیا تھی؟ آپ کی ہنسی، آپ کا تبسم، آپ کی عبادت، دن میں اور رات میں کس طرز پر ہوتی تھی؟ آپ کے کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے اور وضو وغسل کی کیا شان تھی؟ لوگوں سے گفتگو آپ کیونکر کرتے تھے، ملاقات کے وقت کیا کیفیت ہوتی تھی؟ کون کون سے رنگ آپ کو پسند تھے؟ ان میں سے کون سی بات ایسی ہے جو ان کتابوں کے اوراق میں آپ کو بالتفصیل نہیں ملے گی۔

اگر کوئی یہ کہے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیا میں تاریخ کی کتابوں نے کسی بھی انسان کے احوال وشمائل اور عادات وخصائل کو اس تفصیل، اس شرح وبسط، اس تحقیق وتدقیق اور اس احصاء واحاطہ کے ساتھ جمع نہیں کیا ہے، جیسے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی کے جزئیات وکلیات کو جمع کیا ہے۔

پھر معاملہ صرف کتابوں کے اوراق پر محدود نہیں ہے، اللہ نے اپنے اس برگزیدہ نبی کے گرد عقیدت ومحبت کا وہ ہالہ قائم کردیا ہے، اور شیفتگی ووالہیت کی وہ شمع روشن کردی ہے

کہ ہر دور میں پروانے اپنے دلوں میں اس کی کشش کی بیتابی محسوس کرتے ہیں، اور ساری دنیا سے منہ موڑ کر، یکسو ہو کر آپ کی بنائی راہ پر بے تکان چلتے رہتے ہیں، آپ کی باتوں کو یاد کرتے ہیں، آپ کے عادات وشمائل کو اختیار کرتے ہیں، آپ کی سنتوں کی ہو بہو پیروی کرتے ہیں، خود کو آپ کی سیرت میں جذب کرتے ہیں، اپنے ارادے، اپنے نظریے، اپنے خواہشات کو فنا کر کے رسول کی لائی ہوئی شریعت وسنت میں ڈھل جاتے ہیں، اگر وہ کاغذی بے جان کتابیں ہیں تو یہ گوشت پوست سے بنی ہوئی جاندار کتابیں، ان کتابوں کے حروف ونقوش میں آپ کی سنت وسیرت محفوظ ہے، تو ان زندہ وجودوں کی زبان اور اعضاء وجوارح میں آپ کی حدیثیں اور سنتیں جگمگا رہی ہیں۔

میرے شیخ ومرشد حضرت مولانا حافظ عبدالواحد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے احادیث رسول پڑھتے تھے، اور آپ کے وجود وعمل میں ان احادیث کی تشکیل وتعمیل دیکھتے تھے، کتاب کے اندر جو کچھ حروف ونقوش پڑھتے، آپ کی زندگی کے قول وعمل میں بھی وہی سب کچھ پڑھتے تھے۔

یہ دونوں کی طرح کی کتابیں ___ کاغذی کتابیں اور زندہ وجود کی کتابیں ___ قرون اولیٰ سے اب تک ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چل رہی ہیں، تعداد کے کم وبیش ہونے کا فرق ہوسکتا ہے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ ان میں خلا پیدا ہوا ہو۔

انھیں دونوں سے اسلامی معاشرہ زندہ وتابندہ ہے، انھیں کتابوں، حدیث وسنت کے مجموعوں کی برکت سے اسلامی تعلیم، ہر طرح کی تحریف سے محفوظ ہے، سر کھپانے والے تحریف کے لئے سر کھپاتے ہیں، مگر دونوں طرح کی معتبر کتابوں کی تیز روشنی میں باطل کی روسیاہی نمایاں ہو جاتی ہے۔

جس طرح قرآن کریم کے کلمات وحروف سفینوں اور سینوں میں محفوظ ہیں، اسی طرح احادیثِ رسول اور سیرت رسول سفینوں میں بھی اور زندہ انسانی وجود اور شمائل وخصائل میں بھی محفوظ ہیں، یہ حق تعالیٰ کی طرف سے وہ غیبی مستحکم انتظام ہے جس کی وجہ سے

اسلامی شریعت ہر تحریف وتبدیل سے محفوظ ہے۔

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ وہ محیر العقول اور عظیم کارنامہ ہے جس کی توفیق انھیں حق تعالیٰ کی جانب سے بخشی گئی، اور اس کی کوئی نظیر دنیا کی کسی امت میں موجود نہیں۔

احادیث، اس حیثیت سے بھی بہت اہمیت کی حامل ہیں، کہ ان کا سرچشمہ وہ ذات عالی ہے جو مہبط وحی الٰہی ہے، جس کا شرح صدر بارگاہ الٰہی کی عنایت خصوصی ہے، جس کے سراپا نور ہونے کی بشارت قرآن کریم نے دی، کلام اور کام کی قدر و قیمت اس کے مصدر و منشا کے لحاظ سے گھٹی بڑھتی ہے، نور مبین اور رسول معصوم کی زبان سے نکلا ہوا کلام خود نور ہے، اور ہر خطا سے معصوم ہے، پھر اس کے سراپا خیر و برکت ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ اس کلام کی زندگی اور نورانیت میں کوئی فرق نہیں آسکتا خواہ زمانہ جتنا بھی گزر جائے، ایک مدت گزر جانے کے بعد اب بھی حق و ہدایت کی توسیع واشاعت کا کام اگر کرنا ہے، تو قرآن کے ساتھ حدیث سے بھی استفادہ کرنا ہوگا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

''حدیث نبوی، زندگی، قوت اور اثر انگیزی سے بھرپور ہے، اور ہمیشہ اصلاح وتجدید کے کام، فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آراء اور برسر جنگ ہونے اور معاشرہ کا احتساب کرنے پر ابھارتی رہی ہے، اور اس کے اثر سے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اصلاح وتجدید کا جھنڈا بلند کیا، کفن بردوش ہوکر میدان میں آئے، اور بدعتوں وخرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی اور دین خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی، اسی لئے حدیث نبوی، امت اسلامیہ کے لئے ایک ناگزیر ضرورت اور اس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے، اس کی حفاظت، ترتیب وتدوین، حفظ اور نشر واشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی وذہنی، عملی واخلاقی دوام وتسلسل برقرار نہیں رہ سکتا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۵، ص:۱۷۱)

(جون ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی شعائر کا ادب

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین.

اسلام دین الٰہی ہے، جسے حق تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر تمام دنیا کے لئے عام فرمایا ہے،اوراس پر اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اعلان فرمایا ہے،اور یہ کہ جو کوئی،اس کے علاوہ کسی اور دین وملت کا طالب ہوگا، وہ قبولیت سے برکنار رہوگا، اب قیامت تک جو بھی رضائے مولیٰ کا طلبگار رہوگا، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اس دین حق کے کلیات وجزئیات کا اپنے عقیدہ وعمل اور نظریہ وفکر کے اعتبار سے احاطہ کرے۔

یہ دین حق ظاہر وباطن ہر لحاظ سے کمالِ ادب کا نام ہے، اللہ کا ادب ، رسول کا ادب، احکام الٰہی کا ادب، حرمات کا ادب، قرآن وسنت کا ادب، شعائر اسلام کا ادب۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ذٰلِکَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْب.** (سورۃ الحج:۳۲) یعنی حج کے جو خاص خاص احکام تھے، وہ تو بیان ہو چکے، اب ایک عام بات بتائی جاتی ہے، کہ جو کوئی اللہ کے شعائر کا ادب کرے گا، وہ دل کے تقویٰ اور پرہیز گاری کی بات ہے۔

یعنی جب دل میں تقویٰ ہوگا، اللہ کا احترام ہوگا، تو وہ سب باتیں، جس کا حق تعالیٰ سے تعلق نمایاں ہے، آدمی ہر ایک کا احترام کرے گا۔

اللہ کے شعائر میں، اس کے وہ خصوصی احکام بھی ہیں، جن کا اللہ کے ساتھ تعلق

عام طور سے معلوم ہے، مثلاً سب جانتے ہیں کہ نماز اللہ تعالیٰ کی خصوصی عبادت ہے، اس کا تعلق بجز خدا کے اور کسی سے نہیں ہے، پھر نماز کے ساتھ اس کے خصوصی شرائط، مثلاً طہارت، وضو وغسل کا تعلق روز روشن کی طرح واضح ہے، نیز نماز قائم کرنے کی جگہیں یعنی مساجد کا خصوصی تعلق بارگاہ الٰہی کے ساتھ ہر شخص جانتا ہے، آدمی کے دل کے تقویٰ کا تقاضا ہے کہ اللہ کے دربار سے براہ راست تعلق رکھنے والی ان چیزوں کا ظاہر وباطن ہر لحاظ سے ادب واحترام بجالایا جائے۔

ان سب شعائر کی ایک روح ہے، اور ایک ان کی ظاہری شکل وصورت اور ڈھانچہ ہے، جس طرح کسی شے کے کامل وجود کے لئے اس کی روح کا اہتمام ضروری ہے، اسی طرح اس کا ڈھانچہ بھی ٹھیک ٹھیک حکم کے مطابق ہونا چاہئے، ورنہ اگر جسم عیب دار ہوگا تو اس کا حسن متاثر ہوگا، اور اس کی خوبی نگاہ سے گر جائے گی، نماز کی روح اس کا خشوع وخضوع اور اس میں ذکر الٰہی ہے، مگر ڈھانچہ قیام وقرأت اور رکوع وسجود سے مرکب ہے، یہی حال دوسرے شعائر کا بھی ہے، دین کا حکم ہے کہ جہاں ان کے مغز وروح کا اہتمام کیا جائے، وہیں، ان کے ظاہری ڈھانچے اور شکل وصورت کے آداب کا بھی پورا اہتمام کیا جائے۔

صرف ذکر الٰہی اور خشوع وخضوع کیف ما اتفق مطلوب نہیں ہے، بلکہ نماز کا خصوصی ڈھانچہ بھی مطلوب ہے، طہارت، وقت، قیام وقعود اور رکوع وسجود کی ظاہری شکل بھی مقصود ومطلوب ہے، اس لئے ان سب کے احکام وحدود کا علم ضروری ہے تاکہ عبادات کو بجالانے والا افراط وتفریط کی بے ادبی میں نہ پڑے۔

ہمارے زمانے میں، دین سے اور دینی حقائق وآداب سے بے رغبتی بلکہ بے نیازی، جس طرح عام ہوتی جارہی ہے، اہل احساس پر مخفی نہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں جنھیں شعائر الٰہی کی پرواہ ہی نہیں، وہ اپنے طور طریقوں کو چھوڑ کر اغیار کے طریقۂ عمل کو اختیار کرتے ہیں، اور کتنے ایسے ہیں جو دینی احکام تو بجالاتے ہیں، مگر ایک رسم ورواج کی طرح، ان کے حدود واحکام اور مسائل وارکان سے بے پرواہ ہوکر۔ حالانکہ ان سب کا ادب واحترام اور نظم

واہتمام ایک شرعی حکم ہے، تاکہ اللہ کی عبادت، حسن عبادت بن کر قابل تحسین وقبول بنے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دعاء کے پیرائے میں، حسن عبادت کے اہتمام کی تلقین فرمائی ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تاکید فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرلیا کرو، اور اسے ترک نہ کرو، اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔ اے اللہ! آپ اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی عبادت کی عمدگی پر میری مدد فرمایئے۔

اس دعاء سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف عبادت نہیں، بلکہ حسن عبادت مطلوب ومقصود ہے، عبادت کرنے والا جب حسن عبادت سے غافل ہوتا ہے، تو اپنی عبادت خراب کرلیتا ہے، اسی لئے علمائے اسلام نے اپنی توجہ کا مرکز عبادات کے ظاہری آداب ومسائل کو بھی بنایا ہے، ظاہر درست ہوگا تو باطنی روح کی استعداد اس میں بدرجۂ کامل ہوگی اور اگر ظاہری ڈھانچہ بدنما اور خراب بنالیا تو اس کی روح میں بھی بدنمائی آسکتی ہے۔

عبادت کی اس صورت اور ڈھانچے کو خوبصورت بنانا، اور اسے ظاہری خوبیوں سے آراستہ کرنا بھی ایک کار اہم ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز جو کہ عبادات میں سب سے بڑھ کر ہے اس کے ظاہری حسن وجمال کے لئے متعدد شرطیں ضروری قرار دی گئی ہیں، بدن پاک ہو، جگہ پاک ہو، کپڑے پاک ہوں، بدن کی پاکی ظاہری بھی کہ واقعی نجاست سے بدن آلودہ نہ ہو، اور باطنی پاکی بھی کہ وضو اور غسل سے بدن آراستہ ہو، بلکہ صرف طہارت ونظافت پر ہی معاملہ بس نہیں ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ، ہر نماز کے وقت ظاہری زینت کا اہتمام کرو۔ بدن کی وضع قطع ڈھنگ کی اور شریفانہ ہو، کپڑے ایسے ہوں، جن سے آدمی کو جمال حاصل ہو، بال بے ڈھنگے نہ ہوں، کپڑے ایسے نہ ہوں جن سے ستر پوشی کے بجائے ستر کی نمائش ہو، یہ وہ آداب ہیں جن سے نماز کا ظاہر آراستہ ہوتا ہے۔

مسجدیں بھی اللہ کے شعائر میں ہیں، ان کی بے حرمتی اور بے ادبی درست نہیں، یہ

جگہ عام گھروں جیسی نہیں ہے کہ جس طرح چاہیں آئیں جائیں، یہ تفریح گاہ نہیں، عبادت گاہ ہیں، ان میں آدمی داخل ہو تو باوضو داخل ہو، داخل ہوتے ہی دو رکعت نماز ادا کرے تاکہ مسجد کی وضع کا حق ادا ہوجائے، مسجد میں نجاست نہ لیجائی جائے، خود نجس آدمی نہ جائے، دنیا کی بات نہ کی جائے، خرید وفروخت کا کاروبار نہ کیا جائے، یہ سب آداب مسجد کے خلاف ہے۔

اسی قیاس پر ہر اس چیز کا لحاظ کرلیا جائے جس کی نسبت اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کے ساتھ وابستہ ہے، دینداری کی روح یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی بے حرمتی نہ ہو۔

جب تک ان عبادات وشعائر کو آدمی اس نظر سے دیکھے گا کہ حق تعالیٰ وتقدس کی بارگاہ عظیم سے خصوصی تعلق رکھنے والی یہ چیزیں ہیں، ان کے خصوصی ادب واحترام کی پوری کوشش کرے گا، اور اگر ان کو محض رسوم کا درجہ دیدے گا، تو الٹے سیدھے، اونے پونے جس طرح ادا ہوجائے کافی سمجھے گا، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ بس نماز ادا کرلیتے ہیں، نہ تہذیب وشائستگی کا لحاظ رکھتے ہیں، نہ شرم وحیا کا پاس ولحاظ رکھتے، ننگے سر ہیں تو اسی حالت میں نماز میں داخل ہوجاتے ہیں، لباس ایسا پہنیں کہ دیکھ کر شرم وحیا کی آنکھیں نیچے ہوجائیں، نہ کھڑے ہونے کا سلیقہ نہ رکوع وسجود کا ڈھنگ اور نہ اٹھنے بیٹھنے کی ہیئت درست، بس ٹھونگیں ماریں اور خوش کہ نماز ادا کرلی۔

ان ظاہری آداب کو معمولی ہرگز نہ سمجھیں، ظاہر درست ہوگا تو باطن کی درستگی آسان ہوگی۔

غرض دین کے ہر حکم کے ظاہر کو درست رکھنا، شریعت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس سے غفلت کسی طرح روا نہیں۔ علماء وفقہاء نے ظاہری احکام وآداب کو تفصیل سے بیان کیا ہے، نوجوانوں کو اس کا خاص طور سے دھیان دینا چاہئے، ورنہ شروع کی عادت کا بگاڑ، بعد میں اس کا اصلاح پذیر ہونا مشکل ہے۔ (جولائی ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدارس اسلامیہ: دورِ حاضر کی نعمت عظمیٰ

ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد، نہ صرف مسلمانوں کے خلاف بلکہ خود مذہب اسلام کے خلاف فتنوں کی یلغار شروع ہوگئی، اس وقت اس ملک میں سمندر پار کی ایک اجنبی سفید فام اور سیاہ قلب قوم تجارت کی راہ سے سیاست میں قدم جمارہی تھی، یہ قوم وہ تھی جس نے چند صدی پیشتر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا خونیں معرکہ چھیڑ رکھا تھا، اور آخر میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے فولادی ہاتھوں سے اس نے وہ شکست کھائی تھی، کہ اس کا زخم ناسور بن کر صدیوں اس قوم کی تکلیف اور دشمنی کا سبب بنا رہا۔ اس قوم کو اسلام سے اور مسلمانوں سے گہری عداوت تھی، یہ قوم جب ہندوستان کے ساحل پر اتری تو یہاں اس کو انھیں مسلمانوں سے سابقہ پڑا جن کے ہاتھوں اسے صلیبی جنگوں میں تاریخی شکست ہوئی تھی، اس نے اپنی دشمنی کا لاوا نکالنے کے لئے ہتھیاروں کا استعمال نہیں کیا، بلکہ مکر وفن، سازش اور دسیسہ کاریوں کے ہتھیار آزمائے، حکومت سے تجارت کی اجازت لی، ایک تجارتی کمپنی بنائی اور پھر آہستہ آہستہ اپنی فوجوں کو یہاں اتارنا شروع کیا، اس قوم کی دراندازی کے بعد اس ملک میں سیاسی، تعلیمی، مذہبی، اخلاقی اور معاشی اتھل پتھل شروع ہوئی، اس کا ہر قدم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اٹھتا تھا، کبھی برنگ ہمدردی، کبھی برنگ سازش وفریب! مگر رخ یہ تھا کہ مسلمانوں کو پست وذلیل بھی کیا جائے اور اسلام کا اعتماد ان کے دلوں سے نکال بھی دیا جائے۔ اس کے لئے علم وہنر کے نئے نئے زاویے، نئے نئے انداز پیش کئے، اور اس کے لئے صلیبی پادریوں کی ٹیمیں بھی اس نے ملک کے طول

وعرض میں اتاریں اور اس نے خود مسلمانوں میں ایسے افراد کو منتخب کرنے کی مہم چلائی جو نام اور خاندان کے لحاظ سے تو مسلمان ہوں، لیکن مسلمانوں کے علوم وفنون اور اسلامی نظریات واعتقادات پر انھیں اعتماد نہ ہو، نبی کا نام اور تعلق تو چھیننا مشکل تھا، اس لئے اس نام کو باقی رکھتے ہوئے ان کی تعلیمات کے صحیح مفہوم ومطلب سے انحراف کو فروغ دینے کی کوشش کی، الفاظ وہی رہیں جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں، مگر ان کا مطلب ومعنی کچھ سے کچھ کر دیا جائے، تفسیر میں تحریف، حدیث کے مفہوم میں تحریف، فقہی مسائل میں تحریف وتاویل، تاریخ میں تحریف، تہذیب وتمدن میں تشکیک! اس قوم نے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ دین اسلام باقی ہی نہ رہے، اور اگر باقی رہے تو کچھ سے کچھ ہو کر! نام مسلمان کا باقی رہے مگر وفاداری صلیبی اقوام کے ساتھ ہو، مغلوں کی حکومت کے کمزور ہو جانے اور سمٹ کر لال قلعہ میں محدود ہو جانے کے بعد اس قوم کو کھل کھیلنے کا موقع ملا۔ حکومت گئی تو طاقت ٹوٹ گئی، علم کمزور پڑ گیا، جہالت نے سر ابھارا، صلیبی پادریوں نے اسلام کے خلاف آندھی چلائی، ملحدوں اور دہریوں نے علمی انداز میں شکوک وشبہات کے گرد وغبار اڑائے، جس کی وجہ سے خود مسلمانوں میں متعدد فرقے ایسے وجود میں آگئے جو بجائے اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کے اسلام ہی کی جڑ کھوکھلی کرنے لگے، جھوٹے نبی پیدا کئے گئے، بدعات وخرافات کی سرپرستی کرنے والے، انھیں عبادت وتقرب الٰہی کی سند دینے والے ڈھونڈھے گئے، حدیثوں کے انکار اور فقہ اسلامی سے انحراف کی راہیں ہموار کی گئیں، غرض ہر وہ تدبیر اختیار کی گئی جس سے مسلمان کا نام رکھتے ہوئے اسلام سے آدمی منحرف ہو جائے، تاریخ اسلام پر اعتماد باقی نہ رہے، ایسے حالات پیدا کر دئے گئے تھے کہ اسلام اور اسلامی تعلیم فنا کے گھاٹ اتر جائے۔

لیکن حکمت الٰہی کو منظور نہ تھا کہ جس سرزمین سے میر عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ٹھنڈی ہوا آئی تھی، جہاں اسلامی مجاہدین نے دین ودیانت کا علم نصب کیا تھا، جس سرزمین پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے قدم جمائے تھے، اور ان کی برکت سے ملک کے بیشتر

حصے میں مذہب اسلام کے قدم جمے تھے، جس کے مرکز میں بیٹھ کر خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی علیہ الرحمہ نے یہاں کے ہر ہر چپے کو اپنے خلفاء ومتوسلین کو بھیج کر دیانت وروحانیت کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا، جس کے ایک گوشے میں رہ کر مجدد الف ثانی حضرت امام شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ نے دین اسلام کی تعلیمات اور اس کی روحانیت کو اس طاقت وقوت سے پھیلایا کہ خانقاہوں، زاویوں اور مدارس سے آگے بڑھ کر مغل بادشاہوں کے بام و در اس کے نور سے روشن اور اس کی تاثیر سے سرشار ہوگئے، جس ملک کی راجدھانی میں بیٹھ کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ نے علم حدیث اور سلوک وروحانیت کا وہ مرکز قائم کیا، جہاں سے علم وعمل کی ایک عدیم المثال کہکشاں تیار ہوئی، جس کی روشنی سے سارا ہندوستان جگمگا اٹھا، جس سرزمین کے ایک خطے سے اٹھ کر امیر المومنین وامام المجاہدین سیّدنا سیّد احمد شہید قدس سرہ نے اپنے بزرگ خلفاء ورفقاء کے ساتھ اصلاح وتجدید اور جہاد فی سبیل اللہ کا وہ نعرہ بلند کیا کہ اس کی گونج آج تک مسلمانوں کے قلوب کو گرما رہی ہے، حق تعالیٰ کو منظور نہ ہوا کہ اس ملک سے دین اسلام کے قدم اکھڑیں، اللہ نے احسان فرمایا، اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ یہاں دین اسلام کے قدم جمے رہیں اور اس روشنی کی تب وتاب باقی رہے۔

اللہ نے اصحاب توفیق کو الہام فرمایا، غیبی قوتوں نے ظہور فرمایا، اہل اللہ کے سینے سے نکلی ہوئی آہوں نے بارگاہِ الٰہی میں قبولیت پائی، اور یہاں مدارس اسلامیہ کے قیام کی طرح ڈالی گئی۔ اول سرزمین دیوبند اس سعادتِ کبریٰ اور نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوئی، حق تعالیٰ نے نظر عنایت فرمائی، زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ہندوستان کے بہت علاقوں میں مدارس اسلامیہ کی بنیادیں قائم ہوتی چلی گئیں۔ یہ مدارس ہندوستان میں دین اسلام کی بقا اور تحفظ کے مضبوط قلعے اور اہل اسلام کے لئے نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہیں، آج جہاں کہیں اس ملک میں حق وہدایت کی شمع روشن ہے انھیں مدارس کا فیض ہے۔

اسلامیان ہند بلکہ مسلمانان عالم اس نعمت عظمیٰ پر اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے، ان مدارس نے علوم دینیہ کو زندہ رکھا، اخلاص وللٰہیت کو باقی رکھا، کردار وعمل کی صحیح شکل و

صورت کو محفوظ رکھا، اور حق یہ ہے کہ دین کی ہمہ جہتی حفاظت میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ چاہنے والوں نے بہت چاہا کہ مدارس کو ان کی اس ڈگر سے ہٹا دیں جس پر چلتے رہنے کے لئے ان کا وجود و قیام ہوا تھا، کچھ ایسے لوگوں نے بھی چاہا جن کی نگاہوں میں یہ مدارس خار بن کر کھٹکتے ہیں، وہ اسے دُنیوی ترقی اور عیش و عشرت یا یوں کہئے کہ نفسانی خواہشوں کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں، انھوں نے چاہا کہ اسے فنا کر دیں، ایسا ان کے بس میں نہیں ہوا تو انھوں نے دوسرا داؤ کھیلا کہ ان مدارس کے نصاب میں، ان کے طریقۂ کار میں ایسی چیزیں داخل کر دیں جو بظاہر دیکھنے میں خوشنما ہوں، لیکن انجام یہ ہوگا کہ یہ دین کی ڈگر سے منحرف ہو کر محض دنیا کی راہ اختیار کر لیں گے، یہ بات بڑی وضاحت سے سمجھ لینی چاہئے کہ دنیا طلبی، جاہ پرستی اور دولت و ثروت کی دیوانہ وار عشق و وارفتگی کے سمندر میں یہ مدارس دین و ملت کے محفوظ جزیرے ہیں جہاں مذہب اسلام کے سرمایہ کی حفاظت کی جاتی ہے، اگر ان میں وہ چیزیں داخل کر دی گئیں، یا انھیں داخل ہونے کا راستہ دے دیا گیا جن کو دین سے مناسبت کم اور دنیا سے مناسبت زیادہ ہے، تو دیر نہیں گزرے گی کہ دین و ملت کے جزیرے دنیا پرستی کے سمندر میں غرقاب ہو جائیں گے، ہم دیکھتے ہیں کہ جن مدارس نے دنیا کی ان ہواؤں کو اپنے حصار میں آنے کی اجازت دی، وہاں دین مغلوب ہو چکا ہے، اور دنیا پرستی غالب ہو گئی ہے۔ **والعاقل تکفیہ الاشارۃ**

مدارس اسلامیہ کے لئے وہی ڈگر ضروری ہے جو دارالعلوم دیوبند کے لئے اس کے مقدس اور زیرک بانیوں نے متعین کی ہے، جہاں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں گونجتی ہوں اور جہاں رات کے آخری حصے میں ذکر الٰہی کے زمزمے دلنواز ہوتے ہوں، جہاں دنیا طلبی پر دینداری کی حکومت ہو، جہاں اللہ و رسول کی وفاداری میں دنیا کے ہر تقاضے کو ٹھکرا دیا گیا ہو، جس میں رہنے بسنے والے دور حاضر کے اپ ٹو ڈیٹ نہ ہوں، بلکہ قرون اولیٰ کے نمونے اور یادگاریں ہوں، دور حاضر چاہے جتنا ان پر ہنسے، انھیں بنیاد پرست سمجھے، انھیں ارذل اور بادی الرای (چھوٹا اور بیوقوف) قرار دے، انھیں کوئی پرواہ نہ ہو، کیونکہ دنیا پرستوں کی یہ

پرانی رسم رہی ہے کہ وہ اللہ و رسول کے ماننے والوں پر چھینٹے اڑاتے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ (البقرة:۱۳) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح یہ لوگ ایمان لاچکے ہیں، تم بھی ایمان لاؤ، تو یہ دنیا پرست کہتے ہیں کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جیسے بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں۔ جس کی نظر دنیا سے اوپر اٹھ کر کرآخرت پر جم چکی ہے، اسے یہ دنیا دار بیوقوف کہتے ہیں۔

اس طرح کے لوگ چاہتے تو یہ ہیں کہ یہ مدارس فنا ہو جائیں اور جس چیز کو یہ مدارس زندہ رکھنا چاہتے ہیں وہ موت کے گھاٹ اتر جائے، مگر مسلمانوں کو دین و مذہب سے جو مضبوط اور گہرا تعلق ہے اسے دیکھ کر یہ ڈرتے ہیں کہ ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہوگا تو وہ انھیں ایسی راہ پر لگانا چاہتے ہیں اور انھیں ایسا نصاب تعلیم قبول کرنے کی تلقین کرتے ہیں جو بظاہر خوش نما اور دلآویز ہے، لیکن اس پر چلنے اور اسے قبول کرنے سے مدارس کا ڈھانچہ تو رہ جائے مگر اندر سے اس کی روح اور طاقت فنا ہو جائے، جیسے انگریزوں کے نظام و نصاب تعلیم نے مسلمانوں کا نام تو باقی رکھا، مگر اندر سے بہتوں کی اسلامی روح کو نکال باہر کر دیا ہے۔ اکبر مرحوم نے کس قدر سچی بات کہی ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اور کچھ ایسے لوگ بھی دنیا کی ملمع کاری کے فریب میں آگئے، جو دل سے مخلص ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں کو تازہ دم دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن دنیاداری کے غوغا سے وہ متاثر ہوئے، اور انھوں نے اپنی سادگی یا کم علمی کی وجہ سے اسی راہ کو اختیار کرنا پسند کیا جو بظاہر خوشنما مگر حقیقت میں تباہ کن ہے، دنیادار حکومتوں نے شکار کا ایک جال بچھایا، اور اس میں معاشی سہولیات کے پُرفریب دانے ڈال دئے، اور ان دانوں کی افادیت اس طرح ظاہر کی، کہ شکار کا جال نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، معاشی آسانیوں کی لالچ نے جال کو بھی اوجھل کیا اور

اصل دینی تعلیمات سے بھی غافل کردیا، پھر کتنے لوگ جو مدارس کے مخلص ذمہ دار تھے اس جال میں پھنس گئے، اب اس جال کے جو نتائج سامنے آرہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ کچھ سے کچھ ہوگیا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ: **لن یصلح آخر ھٰذہ الامۃ إلا بما صلحت بہ أولھا**، اس امت کا پچھلا دور کسی اور طریقے سے نہیں اسی طریقے سے درست ہوسکتا ہے جس طریقے سے پہلا دور درست ہوا تھا۔

نئے نئے طریقے، نئے نئے نصاب، نئے نئے نظام، خواہ بظاہر وہ کتنے ہی دل فریب اور خوش نما ہوں، مدارس کے لئے کچھ مفید نہیں، مفید وہی طریقہ ہے، وہی نظام ہے جسے فرسودہ اور آثار قدیمہ کہا جاتا ہے خواہ لوگوں کو یہ بات کتنی ہی گراں گزرے۔

(اگست، ستمبر ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدمات کی یورش اور پروردگار کی مہربانیاں

سلسلۂ قادریہ کے ایک بڑے شیخ حضرت حافظ محمد صدیق صاحب علیہ الرحمہ (متوفی: ۸ جمادی الآخر ۱۳۰۸ھ) ہیں، جن کی خدمت میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمہ نے اسلام قبول کیا تھا اور انھیں کی دعاء سے وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہونچے تھے۔ وہ بزرگ درد گردہ کی تکلیف میں عرصہ تک بیمار رہے، انھیں بہت شدت کا درد ہوتا تھا، اس وقت انھیں بڑی بے چینی ہوتی تھی، اس بے قراری میں جو کچھ ان کی زبان پر جاری ہوتا تھا، وہ سننے کے لائق ہے، فرماتے تھے

لطف سجن دم بدم قہر سجن گاہ گاہ
اوں بھی سجن واہ واہ، ایں بھی سجن واہ واہ

سجن کے معنی محبوب کے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ محبوب کی مہربانیاں تو بار بار ہیں، البتہ کبھی کبھی وہ مہربانیاں بشکل قہر وجلال بھی ظاہر ہوتی ہیں، تو ہمارا حال یہ ہے کہ مہربانیاں ہوں تو وہ بھی محبوب اور بہت خوب ہے، اور قہر وجلال ہو، تو وہ بھی محبوب ہے اور واہ واہ ہے۔

حق تعالیٰ معبود بھی ہیں اور محبوب بھی ہیں، عبادت کا نذرانہ بھی انھیں کی بارگاہ میں ہے اور محبت کی سوغات بھی انھیں کیلئے ہے، بندگی اور محبت دونوں جمع ہوں تو انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو انسانیت کے اسی کمال کی تعلیم دی ہے، ←

ہر چہ رسد از دوست نیکوست

محبوب اور دوست کی بارگاہ سے جو کچھ ملے سب بہتر ہے، البتہ عنایت ومہربانی مختلف رنگوں میں آتی ہے، کبھی لطف وکرم کی شکل میں آتی ہے تو آدمی خوش ہوتا ہے، مطمئن ہوتا ہے، کبھی برنگ قہر وجلال آتی ہے تو آدمی گھبراتا اور فریاد کرتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی فضل وکرم ہی کا ایک انداز ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کی مہربانیوں کے یہ دونوں رنگ باہم دگر ہم آغوش ہوکر آتے رہتے ہیں، کبھی آدمی خوش وخرمی سے نہال ہوتا ہے، کبھی پریشانی وبے قراری سے بدحال ہوتا ہے، لیکن ایمان کی دولت اسے مطمئن رکھتی ہے، وہ ہر حال کو حق تعالیٰ کا انعام وافضال سمجھتا ہے۔

ابھی دوتین ماہ پہلے یہ خاکسار اور اس خاکسار کا چھوٹا سا خاندان حالات کی ناسازگاری کے تھپیڑوں کی زد میں آگیا تھا، ایسا لگتا تھا کہ متاع صبر وقرار لٹ کر رہے گی، اور خرمن سکون واطمینان جل کر رہے گا، مگر اللہ کی مہربانی تھی جس نے سہارا دے دیا۔

ذوقعدہ ۱۴۳۲ھ کی تین تاریخ تھی اور اکتوبر ۲۰۱۱ء کی دوسری تاریخ، اتوار کا دن تھا۔ ان سطور کا راقم درس قرآن کے لئے اعظم گڈھ شہر جارہا تھا، راستہ میں تھا کہ غازی پور سے فون آیا کہ میرے فرزند عزیز مولوی محمد عابد سلّمہٗ کا لخت جگر برخوردار زاہد جو گھر بھر کی آنکھوں کا نور تھا، سب کا پیارا تھا، ننہال میں بیمار ہے، اس کے لئے دعا کیجئے، پھر مغرب کی نماز کے بعد درس سے فراغت ہوئی، اطلاع آئی کہ یہ چار سالہ بچہ دنیا سے منہ موڑ کر چلا گیا اور گھر کا نور غائب ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

مجھے دہرا صدمہ ہوا۔ ایک تو پوتے کی موت کا غم، دوسرے اپنے لخت جگر کے صدمے کا غم! لیکن اب کیا ہوسکتا ہے، پیدا ہونے سے پہلے ہی موت کا وقت متعین ہوچکا ہوتا ہے، غم تو بہت دل گداز تھا بلکہ جاں گداز تھا، مگر اللہ نے صبر ورضا کی توفیق بخشی۔ مولوی محمد عابد سلّمہٗ مدرسہ شیخ الہند انجان شہید میں تھے، ان سے ملنا، اس صدمہ پر صبر کی تلقین کرنا بڑا صبر آزما مرحلہ تھا، مگر بہر حال اس سے دوچار ہونا تھا، انجان شہید گیا، انھیں اور ان کے

چھوٹے بھائی مولوی محمد عامر سلّمہٗ کو گھر لایا، پھر رات ہی میں انھیں غازی پور بھیجا، صبح اپنے گھر والوں کو لے کر غازی پور گیا، عزیزم حاجی عبداللہ سلّمہٗ جو بچے کے نانا تھے، سراپا تصویرِ غم بنے ہوئے، پورا گھرانا سوگوار تھا۔ ساڑھے دس بجے نماز جنازہ ہوئی، کانپتی آواز میں اس خاکسار نے نماز جنازہ ادا کی۔

صدمے سے دل زخمی تھا، مگر حق تعالیٰ نے دستگیری فرمائی، چند روز کے بعد اطلاع آئی کہ حج کی درخواست جو التوا میں پڑی ہوئی تھی قبولیت سے سرفراز ہوئی۔ میں اور میرے دو بیٹے عزیزم مولوی حافظ محمد راشد سلّمہٗ اور عزیزم مولوی حافظ محمد عرفات سلّمہٗ کی ہمراہی میں حج کی منظوری آگئی، ساتھ میں پورہ معروف کے بہت ہی عزیز و قریب حاجی محمد نعمان سلّمہٗ اور ان کی اہلیہ کی بھی منظوری تھی، سفرِ حج کی منظوری نے صدمہ کے بوجھ کو ہلکا کر دیا۔

۱۶؍ اکتوبر کو لکھنؤ سے فلائٹ تھی، ہمارا قافلہ ۱۵؍ اکتوبر کو کیفیات ایکسپریس سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوا، لکھنؤ میں ہمارے میزبان ابرار احمد صاحب اور ان کے دونوں فرزند محمد عامر اور محمد عارف سلہما تھے، ان لوگوں نے بہت خدمت کی، اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت کی عافیت سے نوازے۔ آمین

ہماری پہلی منزل دربارِ رسالت کی حاضری تھی، بحمد اللہ اطمینان و عافیت سے مدینہ شریف پہونچے، مدینہ شریف میں اہل محبت بہت ملے۔ مولانا حافظ محمد مسعود صاحب اور نسیم بھائی پاکستان کے ملے، عزیزم محمد نعیم، حافظ دلشاد احمد اور جہانا گنج کے انظر سلّمہٗ سے ملاقاتیں رہیں، ان سب بزرگوں اور عزیزوں نے حق محبت اور حق خدمت خوب ادا کیا۔ آٹھ روز مدینہ شریف میں قیام کی سعادت حاصل ہوئی، مفتی عاشق الٰہی مہراج گنجی مدظلہ اور مولانا ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ سے ملاقاتیں رہیں۔

۲۶؍ اکتوبر کو مکہ شریف حاضری ہوئی، عزیزیہ میں اقامت گاہ ملی، ۵؍ نومبر، ۹؍ ذی الحجہ کو حج کا دن تھا، ۸؍ کی رات میں منیٰ حاضری ہوئی، ۹؍ کو عرفات میں حج کی سعادت حاصل ہوئی۔

مدینہ شریف میں سفر کی تکان نے دبایا تو بخار بدن پر چھا گیا، اپریل کے اواخر میں میری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ جونپور کے ماہر اور بزرگ طبیب حکیم رئیس عالم صاحب کو دکھایا، تو انھوں نے میعادی بخار تشخیص کیا، اور یہ کہ یہ بخار بہت عرصہ سے ہے، اس وقت غذا بالکل بند ہوگئی، کھانا دیکھتے ہی طبیعت بگڑنے لگتی اور متلی کی سی کیفیت چھا جاتی، عرصہ سے صرف چائے میں تھوڑی سی روٹی توڑ کر کھا پاتا تھا، حکیم صاحب نے متواتر تین ماہ تک علاج کیا، اللہ نے شفا بخشی، کھانا کھانے لگا، رمضان بخیر گزرا۔ حج کے سفر میں تکان ہوئی تو بخار پلٹ پڑا اور کھانے کی سابقہ کیفیت لوٹ آئی، غذا بند ہوگئی، کچھ انگریزی دوائیں استعمال میں رہیں، مگر ضعف واضمحلال بڑھتا ہی رہا، حج سے پہلے نوبت یہ تھی کہ بخار ہمہ دم رہتا، غذا ساقط ہوگئی، طاقت نام کی کوئی چیز بدن میں نہ رہی، چلنا پھرنا دوبھر ہوگیا، حرم کی حاضری سے محرومی طویل ہوگئی۔ میرے بچے اور رفقاء پریشان تھے، ایک ویل چیر کا انتظام کیا گیا، منیٰ کی حاضری میں کوئی اسے اٹھالے گیا، مفتی عبد الرحمٰن صاحب غازی پوری سلّمہٗ نے دوسری ویل چیر کا انتظام کیا، عرفات سے مزدلفہ، مزدلفہ سے منیٰ کی حاضری ویل چیر پر ہوئی، مفتی صاحب نے راحت رسانی اور خدمت کا حق اس طرح ادا کیا کہ میں شرمندہ ہو ہو کر رہا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دنیا وآخرت کی تمام راحتیں اور خوشیاں انھیں عطا فرمائیں۔

۱۰؍ ذی الحجہ کو شام کے وقت منیٰ میں میری طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، بخار اور الٹی کی شکایت بڑھ گئی، مجبوراً میں اپنی قیام گاہ عزیزیہ پر آگیا اور پھر مسلسل طبیعت خراب ہی رہی، اللہ نے رمی اور طواف زیارت کا مرحلہ محض اپنے فضل وکرم سے آسان فرمادیا۔

حج کے معاً بعد گھر سے اطلاع ملی کہ برخوردار مولوی حافظ محمد عابد سلّمہٗ کا دوسرا بیٹا محمد ساجد جس کی عمر سال بھر ہے، بہت بیمار ہوگیا، اسے اعظم گڈھ بچوں کے ایک معالج کے یہاں ہسپتال میں بھیجوایا، معلوم ہوا کہ نمونیہ بہت شدید ہے، کافی توجہ اور اہتمام سے علاج ہوا، پانچ چھ روز میں اللہ نے صحت عطا فرمائی، ۱۵؍ نومبر کو لے کر گھر آگئے۔ شام کے وقت گھر سے فون پہونچا کہ محمد ساجد کا انتقال ہوگیا، طبیعت دھک سے ہو کر رہ گئی، دل تو پہلے ہی زخمی

تھا، اب یہ زخم شدید ہوگیا، بڑی مشکل سے محمد عابد سلّمہٗ کو چند کلمات تعزیت اور صبر وتسلی کے کہے، ناظم مدرسہ مولانا انتخاب عالم قاسمی سلّمہٗ نے تجہیز وتکفین نیز مولوی محمد عابد سلّمہٗ کے صبر وتسلی کا اہتمام کیا۔ ہم لوگ دور تھے، حق تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہے، برخوردار محمد عرفات سلّمہٗ نے یہ پوری رات مسجد حرام میں دعا ومناجات میں گزاری۔

حج کے ارکان کی ادائیگی اور تکمیل کے بعد ایک اور مریض مل گئے، ان کے اصرار پر یہ طے ہوا کہ ہم لوگ وقت سے پہلے وطن کے لئے روانہ ہوجائیں، میری واپسی کی تاریخ ۳۰؍نومبر متعین تھی، مگر دوسرا ٹکٹ ۱۷؍نومبر کا لے لیا گیا، میں اور میرے دونوں برخوردار ۱۷؍ نومبر کی فلائٹ سے دلی آگئے۔ ۱۸؍کو بنارس پہونچے، بنارس میں ہمارے میزبان حاجی منظور احمد صاحب نے میری علالت کی جو کیفیت دیکھی تو مشورہ دیا کہ یہیں سے پہلے جون پور چلا جائے، حکیم صاحب کو دکھایا جائے، پھر شیخو پور واپسی ہو، چنانچہ ہمارا قافلہ اولاً جونپور گیا، حکیم صاحب نے کرم کیا، وہ ساتھ میں شیخوپور آئے، دوائیں تجویز کیں، ان کا استعمال شروع ہوا۔

یہ جمعہ کا دن تھا، سنیچر اور اتوار کا دن کافی کمزوری اور بیماری میں گذرا، اتوار کا دن گزار کر رات جو آئی تو آنکھوں سے نیند غائب تھی، ڈیڑھ بجے کے بعد کچھ آنکھ لگی۔

۲۴؍ذوالحجہ ۲۰؍نومبر سوموار کو علی الصباح آنکھ کھلی، وضو کرنے بیٹھا تو زبردست متلی شروع ہوگئی، بہت دیر تک خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا، طبیعت بالکل نڈھال ہوگئی، بڑی دیر کے بعد سکون ہوا، تو مصلیٰ بچھا کر نماز کے لئے ہاتھ اٹھا رہا تھا کہ کمرے میں میرے دو بیٹے مولوی حافظ محمد عارف اور مولوی محمد حافظ محمد راشد سلہما داخل ہوئے، میں چونکا کہ اتنے سویرے یہ دونوں بھائی کہاں؟ عارف نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا کہ ولی الحق سالم کا انتقال ہوگیا، سالم عزیزم محمد راشد سلّمہٗ کا بیٹا تھا جو ابھی رمضان شریف میں پیدا ہوا تھا۔ اس ناگہانی اطلاع سے خرمن صبر وقرار پر بجلی سی گری اور میں نماز میں مشغول ہوگیا۔ کوئی بیماری تھی؟ کوئی تکلیف تھی؟ کچھ نہ تھا، بس مشیتِ الٰہی تھی، عمر پوری ہوچکی تھی، جہاں سے آیا اور جیسا

آیا تھا، وہیں اور ویسا ہی پاک صاف بے حساب چلا گیا۔

اس تیسرے حادثہ نے پچھلے دونوں حادثوں کی یاد پھر تازہ کردی، طبیعت نڈھال ہوگئی، دس بجے اس کا جنازہ اٹھا، مولانا انتخاب عالم صاحب قاسمی نے نماز جنازہ پڑھائی، اس موقع پر بھی تمام انتظامات انھیں کی نگرانی میں انجام پائے۔

ان تینوں حادثوں نے طبیعت کو چور چور کر کے رکھ دیا، مگر بندہ کو بجز تسلیم و رضا کے اور کچھ چارہ نہیں، جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ اللہ ہی کا تھا، اور جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے، انھیں اپنے بندوں میں ہر تصرف کا اختیار اور حق ہے، اور وہی عین حکمت و فضل ہے، وہ کچھ لیتے ہیں تو بہت کچھ دیتے ہیں۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد　　　　آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

وہ آدھی جان لیتے ہیں اور سو جان عطا کرتے ہیں، وہ کچھ دیتے ہیں جس کا تمھیں تصور بھی نہیں ہوگا۔

چنانچہ حق تعالیٰ کی رحمت و مہربانی کی یہ بڑی جلوہ گاہ تھی، تین پوتے گئے، صحت کو نقصان پہونچا، لیکن بے شمار اہل محبت ملے، ان کی ہمدردیاں ملیں، ان کی دعائیں ملیں، ان کی طرف سے تسلیاں ملیں، وہ وہ انعامات ملے جن کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ تین معصوم جانیں، پاک صاف خدا کے حضور پہونچ کر اپنے ماں باپ کے لئے سفارش کرنے والی ہوگئیں، اللہ تعالیٰ ان معصوم اور بے گناہ جانوں کو اپنے آباء واجداد کے مغفرت و نجات کا سامان بنائیں۔

مکہ شریف سے واپسی کے بعد برخوردار عزیزم مولوی حافظ محمد راشد سلّمہٗ نے مجھ سے کہا تھا کہ بھائی مولوی محمد عابد پر دو بیٹوں کے انتقال کا صدمہ اور اثر شدید ہے، چند کلمات تعزیت اور تسلی کے ان کیلئے لکھ دیں، چنانچہ جمعہ کی واپسی کے معاً بعد سنیچر کو میں نے ایک مفصل خط عابد سلّمہٗ کے نام لکھا، پھر اتوار کو راشد سلّمہٗ کے فرزند کا انتقال ہوگیا۔ وہ خط بھی ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

☆☆☆☆☆

فرزند عزیز! عافاك الله وأعاذك من الشرور والبلايا

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

رات کے بارہ بج رہے ہیں، میں سونے کی کوشش کر رہا تھا مگر تمہارا صدمہ یاد آتا ہے اور نیند آنکھوں سے اُڑ گئی ہے، اپنے آپ کو تسلی دے رہا ہوں، تمہارے لئے دعائیں کر رہا ہوں مگر کلیجہ ہے کہ چھلنی ہوا جارہا ہے، بڑی دیر سے کشمکش میں ہوں، تمہارے دل کا، دل کے حال کا خیال اس قدر بے چین کئے ہوئے ہے کہ بے اختیار اٹھ کر یہ سطریں لکھ رہا ہوں، اللہ کرے تمہارے لئے یہ حروف باعث تسکین و تسلی ہوں۔

میرے بیٹے! صدمہ بڑا ہے مگر یہ سوچو کہ جس پاک پروردگار نے یہ امانت تمہیں سپرد کی تھی، اب اسی نے یہ امانت جیسی سونپی تھی ویسی ہی واپس لے لی، اس پر کسی طرح کے گناہ کا داغ دھبہ نہیں لگا، اب یہ تمہاری امانت ہے جو سب سے بڑے امانت دار کے پاس پہونچ گئی ہے، وہ اس امانت کو سنبھال کر رکھیں گے، اس کی پرورش کریں گے اور ایسے وقت میں تمہارے حوالے کریں گے جب سب سے زیادہ ضرورت کا وقت ہوگا، اس وقت یہ امانت تمہیں اس درجہ کام آئے گی جس کی کوئی حد و انتہا نہیں، تمہاری تین امانتیں وہاں محفوظ ہیں، حافظ مسعود صاحب کہہ رہے تھے کہ یہ تینوں بحکم حدیث نبوی ماں اور باپ کو سیدھے جنت میں پہونچا کر رہیں گی، آج کا صدمہ بہت بڑا صدمہ، کل کی عظیم سعادت ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ

میرے بیٹے! ہم سب کے آقا و مولیٰ رسول کریم ﷺ جو سرچشمۂ محبت و رحمت ہیں، بڑھاپے میں انھیں ایک بیٹا ملا، ۱۷ر ماہ کا ہوا، اور حق تعالیٰ نے واپس لے لیا، بڑھاپے کی اولاد تھی، صدمہ ہونا تھا ہوا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے، دل زخمی ہوا، لیکن فرماتے ہیں: لانقول إلا بما يرضىٰ ربنا وإنا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون، صدمے کا انکار نہیں، مگر حق تعالیٰ کی مشیّت پر راضی رہنا حقِ بندگی ہے۔

خدا کی مہربانی تو دیکھو! بندہ اپنے بیٹے کی، اپنے ثمرۂ قلب کی اور اپنے جگر گوشے کی

موت پر صبر کرتا ہے، اللہ کی حمد کرتا ہے، اس کے فیصلے پر راضی رہتا ہے تو حق تعالیٰ جنت میں ایک گھر صرف اس تقریب میں اس کے لئے تعمیر کرتے ہیں، جس کا نام ''بیت الحمد'' رکھتے ہیں، زہے نصیب کہ ''بیت الحمد'' نصیب ہوا۔

حضرت کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بچہ آخری وقت میں ہے، آپ فرماتے ہیں إن للہ ما اعطیٰ ولہ مااخذ فلتصبر ولتحتسب ، جو کچھ دیا وہ بھی اللہ کا اور جو کچھ لیا وہ بھی اللہ کا، پس صبر کرنا چاہئے اور ثواب کا امیدوار رہنا چاہئے، یہی بات رسول نے اپنے ہر امتی سے فرمائی ہے، تم بھی انھیں کے امتی ہو، بس صبر کرلو اور اجر کی امید رکھو۔

اور سنو! حضرت نے فرمایا ہے کہ صدمہ کے وقت اس طرح رضا کا اظہار کرو اور دعا کرو ''إِنَّاللهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' ''أَللّٰهُمَّ أجُرْنِیْ فِیْ مَصِيْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَيْراً مِّنْهَا'' ۔ پھر دیکھو کہ حق تعالیٰ کی جانب سے کیا کیا نعمتیں ملتی ہیں۔

میرے عزیز بیٹے! اللہ کی مہربانی بہت بڑی ہے، اسے ہر وقت دھیان میں رکھو، بلاشبہ تمہیں اس وقت بڑا بھاری خلا محسوس ہورہا ہے، میں سوچتا ہوں تو تڑپ جاتا ہے، مجھے تمہاری محبت بے چین کئے ہوئے ہے، مگر اس خلا کو اللہ کی محبت سے، اللہ کی یاد سے، اللہ سے امید رکھنے سے، اللہ کی مہربانی سے پُر کرلو، دنیا کی ہر چیز فانی ہے، ہر تعلق کے لئے زوال ہے ، سب کچھ مٹ جانے والا ہے، ایک اللہ کا تعلق ہے جو لازوال ہے، یہ ہمہ دم کا رفیق ہے، دنیا کی ہر دولت ختم ہونے والی ہے، ایک تعلق مع اللہ ہے جس کے لئے فنا نہیں ہے، دل جتنا زخمی ہوچکا، ہوچکا، اب اس پر صبر ورضا کا مرہم لگادو، تمہارے لئے بہت دعائیں ہوئی ہیں، تمہارے کمزور باپ نے بھی کی ہیں، بزرگوں سے کرائی ہیں، حضرت شیخ نے کی ہیں، حافظ مسعود صاحب اور مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے کی ہیں، اور مکہ اور مدینہ میں بہتوں نے کی ہیں ، اللہ تمہیں صبر وسکون عطا فرمائیں۔

اس دن جب خبر ملی تو عرفات حرم میں تھا، اسے جب خبر ہوئی تو وہ رات میں قیام

گاہ پر آیا ہی نہیں، پوری رات آغوش کعبہ میں رہا، طواف کرتا رہا، دعائیں کرتا رہا، فجر کی نماز کے بعد آیا۔

میرے بیٹے! تمہارے اس حادثے نے سب کو ہلا ڈالا، راشد سخت پریشان اور مضطرب رہا، اس وقت تمہارے لئے اتنی دعائیں ہوئیں کہ بس اللہ ہی جانتا ہے۔

یہ سطریں لکھ رہا ہوں اور میرا دل رحمت خداوندی کے دریا میں ڈوب رہا ہے، ہاتھ تھرتھرا رہا ہے، دل ہل رہا ہے، میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ حق تعالیٰ کی رحمت نے تمہارا احاطہ کرلیا ہے۔

آگے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر صدمے سے محفوظ رکھیں، اپنی لامتناہی رحمتیں عطا فرمائیں، جانے والے کا نعم البدل روزی فرمائیں، اور جنت میں لے جانے کے لئے ان تینوں بچوں کو مضبوط سفارشی بنادیں، تمہارے لئے بھی اور تمہاری اہلیہ کے لئے بھی یہ سطریں لکھ دی ہیں، حق تعالیٰ قلب کو خوب صبر وضبط عطا فرمائیں۔

والسلام

سوگوار وضعیف باپ

اعجاز احمد اعظمی

۲۲/ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ

(ماہنامہ ضیاء اسلام: دسمبر ۲۰۱۱ء)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منیٰ کا حادثہ
(سفرحج ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء)

۸/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ کو (سعودی تقویم سے) منیٰ میں زبردست آگ لگی، مناسک حج کی ادائیگی کا آغاز اسی تاریخ سے ہوتا ہے۔ ۸/کی صبح ہوتے ہی حجاج کے قافلے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی صدا لگاتے ہوئے مکہ مکرمہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں۔ منیٰ ایک طویل وعریض میدان ہے جس میں لاکھوں خیمے نصب ہوتے ہیں، یہاں مجموعی اعتبار سے حجاج کا قیام چار دن ہوتا ہے، ۸/کو فجر کے بعد پہونچتے ہیں۔ ۹/کو طلوعِ آفتاب کے بعد عرفات کے لئے روانہ ہوتے ہیں، ۱۰/کو طلوعِ آفتاب کے بعد پھر منیٰ میں آجاتے ہیں، پھر ۱۰/۱۱/۱۲/کا قیام منیٰ میں ہوتا ہے، اس لئے منیٰ میں قیام اور دوسری ضروریات کا انتظام بہت اعلیٰ پیمانے پر کیا جاتا ہے۔ حجاج کے قیام کے لئے پورے منیٰ کو خیموں کا شہر بنادیا جاتا ہے، سرزمین عرب کی شدید گرمی، پھر کپڑوں کے خیمے، گنجان آبادی، تمام خیمے ایک دوسرے سے متصل، پھر کھانا پکانے کے انتظامات، آگ لگنے کا مکمل سامان موجود ہوتا ہے لیکن جیسے وہاں کی ہر چیز بلکہ ہر انتظام معجزہ معلوم ہوتا ہے، یونہی تمام اسباب وحوادث کے ہوتے ہوئے کوئی حادثہ نہ ہونا بھی حق تعالیٰ کا خاص فضل وکرم اور ہمارے حق میں معجزہ ہی ہے، تاہم منیٰ میں کبھی کبھی آگ لگنے کی واردات ہوہی جاتی ہے مگر اس سال جو آگ لگی، اس کی نوعیت پچھلے حادثات سے قدرے جداگانہ ہے۔

پچھلے برسوں میں جو کبھی آگ لگی ہے، وہ عموماً عرفات ومزدلفہ سے واپسی کے بعد ۱۰/۱۱/کو لگی ہے۔ ۸/ذی الحجہ کو عرفات میں جانے سے قبل آگ لگنے کا شاید یہ شاذ واقعہ ہے۔

دوسرے یہ کہ جب کبھی آگ لگی ہے، ہلکی پھلکی لگی ہے، جس میں اگر خیمے جلے ہیں تو سیکڑوں کی تعداد میں، اوراس پر فوراً قابو پالیا گیا۔ معمولی طور پر کچھ لوگ زخمی ہوجاتے تھے، لیکن یہ آگ بہت ہمہ گیرتھی۔ آگ کہاں سے لگی؟ اور کیسے لگی؟ اس کو متعین طور سے کوئی نہیں بتاپاتا، بس یہ ہے کہ آگ لگی اور ہوا تیز ہوئی، اس سے آگ دوسرے خیموں تک لپکتی چلی گئی۔ خیموں کے مختلف حلقے ہوتے ہیں، ایک حلقے میں سیکڑوں خیمے ہوتے ہیں، ہر حلقے کے ایک کنارے پر شیڈوں سے گھرا ہوا، باورچی خانہ ہوتے ہیں، اس میں پکانے کے لئے اسٹوپ اور گیس سلنڈر اور چولہے وغیرہ ہوتے ہیں۔ آگ جب پھیلی ہے تو گیس سلنڈر گرم ہوہوکر پھٹنے لگے، ان کے پھٹنے سے بم جیسی آواز ہوتی تھی، اوراس کے شرارے فضا میں بلند ہوکر دور دور گرتے تھے، ہوا اتنی تیز اور پھر شراروں کی ہلاکت خیزی ہے، دوہری قیامت کا منظر تھا، اب کی خیمے سینکڑوں کی تعداد میں نہیں ہزاروں کی گنتی میں جلے، اور وہ بھی صرف چند ہزار نہیں، بلکہ اندازہ یہ ہے کہ تقریباً ستّر ہزار خیمے جلے، اتنی بڑی آگ سے شاید اب تک کی تاریخ خالی ہے۔

جتنی زبردست یہ آگ تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس میں جانی نقصان بہت ہونا چاہئے تھا، لیکن آگ کی ہولناکی کے تناسب سے واقعہ یہ ہے کہ جانی نقصان کچھ بھی نہیں ہوا، ہر خیمے میں دس بارہ آدمی ہوتے ہیں، سات آٹھ لاکھ آبادی کے خیمے جلے اور جانی نقصان کتنا ہوا؟ ہزار یا چند ہزار! بس اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت تھی، جولوگ اس میں شہید ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ وہ لوگ اپنی قسمت پر ناز اور دوسرے لوگ رشک اس وقت کریں گے جب وہ لبیک پکارتے ہوئے میدانِ قیامت میں اٹھیں گے، اور جولوگ زخمی ہوئے اورانھوں نے صبر کیا، ان کے اجروثواب کا کوئی اندازہ ہی نہیں۔ محفوظ رہ جانے والوں نے گویا دوسری زندگی پائی۔

لوگ آگ لگنے کا سبب تلاش کرتے ہیں، یعنی یہ کہ آگ لگنے کی ابتداء کیونکر ہوئی؟ لیکن اس سوال کا متعین جواب مشکل ہے، کیونکہ آگ لگنے اوراس کے پھیلنے میں اتنی تیزی تھی کہ اس کے آغاز کا پتہ لگانا ممکن نہیں۔ ایک مومن کا یقین ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی

مشیّت سے ہوتا ہے، اور مصائب کفارۂ ذنوب بن کر آتے ہیں، یا اس سے درجات بلند ہوتے ہیں، یا اس سے صدق دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ کرنا منظور ہوتا ہے۔

حج کا اجتماع ہوتا تو محض اللہ کی عبادت کے لئے اور عمومی طور پر لوگ اللہ کی بندگی میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ حاجیوں کے اس جم غفیر میں غفلت وسرمستی کے مظاہر بھی بہت ہوتے ہیں۔ ساری دنیا کے لوگ مجتمع ہوتے ہیں، مسائل سے ناواقفی عام ہوتی ہے، پھر عموماً اس کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی، نہ مسائل سیکھنے کا اہتمام ہوتا ہے، مکہ مکرمہ کے بازار مختلف قسم کے دلفریب سامانوں سے پٹے ہوتے ہیں، ایک بڑا مجمع ہر وقت اسی اہتمام میں رہتا ہے کہ کیا کیا خریدیں۔ اتنے متبرک مقامات اور اتنے مقدس اوقات میں اتنی زیادہ غفلت کیا نتائج پیدا کرے گی؟ آگ لگی، ظاہری طور پر خیمے جلے، سامان جلے، کچھ لوگ بھی جلے، مگر غفلت کی خس وخاشاک بھی جل گئی، آگ لگنے کے بعد سے پورے ایام حج میں حاجیوں پر اِنابت، شکستگی، رجوع الی اللہ کی کیفیت، دعا میں گریہ وزاری اور اللہ تعالیٰ سے استعانت اور ایک دوسرے کی ہمدردی وغمخواری کا جو منظر سامنے آیا، عام حالات میں اس کی توقع ہرگز نہیں ہوسکتی تھی، حج کی جو روح ہے یعنی سب سے کٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا، ان کے حضور گریۂ وزاری کرنا، توبہ واستغفار میں مشغول ہونا، یہ روح آگ کی اس شدید لہر نے تمام حاجیوں کے دل میں پیدا کردی۔

تاہم قلوب پر غفلت کا اتنا شدید تسلط ہے کہ عرفات ومنیٰ میں کچھ ایسے لوگ بھی نظر آتے رہے، جنھیں بجز کھانے پینے اور لایعنی کاموں کے جیسے اور کچھ مشغلہ نہیں رہتا۔ عرفات میں زوال آفتاب سے وقوف کا وقت شروع ہوتا ہے، حج کا سب سے بیش قیمت وقت یہی ہے، اور اس کی مدت بھی کچھ زیادہ طویل نہیں ہے، عرفات کا قیام محض غروب آفتاب تک ہوتا ہے، گوکہ وقت صبح صادق تک ہے، لیکن غروب آفتاب کے بعد نکل جانے کا حکم ہے، اتنے قلیل لمحات کو عبادت اور یاد الٰہی میں گزار دینا کچھ مشکل نہیں، لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اس قلیل وقت کو بھی بہت سے لوگ کھانے پینے اور سونے کی نذر کردیتے ہیں۔ دودھ اور چھاچھ وغیرہ

تقسیم کرنے والی گاڑیاں آجاتی ہیں، تو لوگ بے تحاشا دوڑتے ہیں جیسے اسی کے لئے آئے ہوں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ یہ سب غفلت کے آثار و مظاہر ہیں۔

آگ لگنے کے تکوینی اسباب جو بھی ہوں، بعض لوگ ظاہری اعتبار سے سعودی حکومت کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں، بلکہ اس کے سلسلے میں کچھ ناروا باتیں بھی کہہ جاتے ہیں، لیکن یہ ایک ایسی غلط بات ہے جس کی تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنے بڑے مجمع کے لئے جو ہر سال دو تین ماہ کے لئے پابندی کے ساتھ اکٹھا ہوتا ہے، جس میں دنیا کے ہر ملک کے لوگ مختلف المزاج لوگ جمع ہوتے ہیں، ان کی ضروریات اور ان کی سہولیات کا انتظام دوسرے لوگ شاید سوچ بھی نہیں سکتے جتنا سعودی گورنمنٹ انجام دیتی ہیں، حج کو سہل اور پُر امن بنانے کے لئے اس حکومت کی کاوشیں قابل داد ہی نہیں قابل احترام و تعظیم ہیں۔ منیٰ ہو یا جمرات، مزدلفہ ہو یا عرفات، مسجد حرام ہو یا مسجد نبوی، انتظامات دیکھ کر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے، یہ انتظام نہیں، معجزہ ہے، بے شک اس انتظام میں اللہ تعالیٰ کی خاص تائید اور نصرت شامل ہے۔ ورنہ دوسرے ملکوں میں اس سے بہت چھوٹے مجمعوں میں ہزاروں ناگفتنی باتیں ہوجاتی ہیں، اس انتظام کے تحت ہر شخص باطمینان حج کے مناسک ادا کرتا ہے، اور جہاں دشواری محسوس ہوتی ہے وہ انتظام کی کمی نہیں بلکہ مختلف ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں کی ناتربیت یافتگی، بے ترتیبی اور کشمکش کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اور جہاں تک اندازہ ہے، سعودی حکومت آگ کے اس حادثہ کے بعد از سر نو اس سے تحفظ کا کوئی انتظام کرے گی، لیکن کمال انتظام اور انتہائی مستعدی کا عالم دیکھئے کہ منیٰ میں پونے بارہ بجے دن میں آگ لگی، آناً فاناً ہزاروں خیمے اس کی زد میں آگئے، اس اطلاع کے ملتے ہیں حکومت کی پوری مشنری حرکت میں آگئی، اور اتنی بڑی آگ کو صرف تین چار گھنٹوں میں بجھادیا گیا۔ ہم اور ملکوں کی بات نہیں کرتے، خود ہمارا ملک ہوتا تو شاید اتنی دیر کے بعد ''ہنوز روز اول'' ہوتا۔

۱۰/ تاریخ کو جب مزدلفہ سے حاجی منیٰ کی طرف لوٹ رہے تھے تو سب کے دل

میں یہ خدشہ تھا کہ خیمے تو سب جل گئے، اب کھلے میدان میں دھوپ میں رہنا ہوگا، لوگ آپس میں پروگرام بنارہے تھے کہ اس طرح چادر تان لی جائے گی، فلاں پُل کے نیچے رہ لیں گے وغیرہ، مگر قربان جایئے رحمتِ خداوندی کے، دعا دیجئے حکومت کے انتظام کو، کہ منیٰ میں داخل ہونے کے بعد نگاہیں چکراتی رہ گئیں کہ کہاں آگ لگی تھی، جلے ہوئے خیموں کی راکھ کہاں ہے؟ وہ لکڑیاں اور وہ بانس کہاں ہیں جن کا کچھ حصہ آگ نے کھا کر چھوڑ دیا ہے۔ اللہ اکبر! کچھ تو نظر نہیں آیا، ہر جگہ خیمے حسب سابق نصب تھے، جلی ہوئی راکھ بھی نہیں مل رہی تھی، صرف دو ایک جگہ کچھ جلے ہوئے پنکھے، کچھ لکڑیاں دکھائی دیں، ہر حاجی کا خیمہ موجود تھا اور منیٰ کا میدان حسب معمول خیموں کا شہر بنا ہوا تھا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، کیا یہ انتظام قدرتِ حق کا معجزہ نہیں ہے؟

اس حقیر بندہ کی رائے یہ ہے کہ سعودی حکومت اور معلمین کو کوسنے اور طعنہ دینے کے بجائے ہر ملک کے لوگ اپنے لوگوں کی تربیت کا انتظام کریں، مناسک حج سکھائیں، حرم کا احترام سکھائیں، دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ جہل ونادانی کی وجہ سے بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں، صرف غلطیاں ہی نہیں معصیتوں اور گناہوں سے بھی پاک نہیں ہوتا، یہ تو بہت آسان ہے کہ معلم اور حکومت کے سر الزام تھوپ کر خود کو بری کرلیا جائے، لیکن یہ حقیقت واقعہ سے صرفِ نظر کرنا ہے، کتنی پریشانیاں اور بدحواسیاں خود حجاج کی بے ترتیبی کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں، موقع ہوا تو بعض اہم چیزوں کو آئندہ شمارہ میں ذکر کیا جائے گا۔

بہرحال حکومت کا رویہ اس سلسلے میں بہت ہی عمدہ اور قابل ستائش تھا، صفحات میں گنجائش نہیں ہے ورنہ انتظامات کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی، تو ناواقفوں کی آنکھیں کھل جاتیں اور وہ لوگ بھی شاید سوچنے پر مجبور ہوتے جن کی نگاہ صرف معائب اور خرابیوں ہی پر پڑتی ہیں، اور انھیں غلط اندیشی سے حکومت کے سر منڈھ دیتے ہیں۔

(''مجلّہ المآثر'' شوال تا ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ/ اپریل تا جون ۱۹۹۷ء)

☆☆☆☆☆

تصانیف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہ

(۱) تسہیل الجلالین ''شرح اردو جلالین شریف'' (جلد اول)

(سورہ بقرہ تا سورہ نساء، سوا پانچ پارے)، صفحات: 648 قیمت: 400

(۲) حدیث دوستاں

دینی واصلاحی اور علمی وادبی مکاتیب کا مجموعہ، صفحات: 730 قیمت: 350

(۳) کھوئے ہوؤں کی جستجو

مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ، صفحات: 616 قیمت: 200

(۴) حیاتِ مصلح الامت

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی کی مفصل سوانح، صفحات: 528 قیمت: 150

(۵) مدارسِ اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ، صفحات: 312 قیمت: 150

(۶) بطوافِ کعبہ رفتم ۔۔۔ (سفر نامۂ حج)

حرمین شریفین (مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ) کے سفر کی روداد، صفحات: 360 قیمت: 100

(۷) تہجد گزار بندے

تہجد کی اہمیت وفضیلت اور تہجد گزار بندوں کا تفصیلی تذکرہ، صفحات: 320 قیمت 110

(۸) ذکرِ جامی

ترجمان مصلح الامتؒ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حالاتِ زندگی، صفحات: 216 قیمت: 90

(۹) حضرت چاند شاہ صاحب اور ان کا خانوادۂ تصوف

حضرت چاند شاہ صاحب ٹانڈوی اور ان کے خلفاء کے حالات، صفحات: 180 قیمت: 70

(۱۰) تذکرہ شیخ ہالیجویؒ: سندھ کے معروف شیخ طریقت وعالم اور مجاہد فی سبیل اللہ

حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی کا مفصل تذکرہ۔ صفحات: 224، قیمت: 56

(۱۱) مودودی صاحب اپنے افکار ونظریات کے آئینہ میں

مولانا بنوریؒ کی عربی کتاب الاستاذ المودودی کا ترجمہ۔ صفحات: 184، قیمت: 95

(۱۲) حکایت ہستی: (حصہ اول)

خودنوشت سوانح، ابتداء حیات سے اختتام طالب علمی تک۔ صفحات: 304، قیمت: 150

(۱۳) کثرتِ عبادت عزیمت یا بدعت؟ قیمت ۲۸/روپئے

(۱۴) قتل ناحق قرآن وحدیث کی روشنی میں قیمت ۱۶/روپئے

(۱۵) تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت قیمت ۲۰/روپئے

(۱۶) شب برأت کی شرعی حیثیت قیمت ۲۰/روپئے

(۱۷) اخلاق العلماء علماء کیلئے خاص چیز قیمت ۲۰/روپئے

(۱۸) دینداری کے دو دشمن حرصِ مال وحب جاہ قیمت ۱۵/روپئے

(۱۹) فتنوں کی طغیانی ٹی۔وی پر ایک فکرانگیز تحریر! قیمت ۱۵/روپئے

(۲۰) اہل حق اور اہل باطل کی شناخت قیمت ۳۰/روپئے

(۲۱) مالی معاملات کی کمزوریاں اور انکی اصلاح قیمت ۲۵/روپے

(۲۲) منصب تدریس اور حضرات مدرسین قیمت ۴۵/روپے

(۲۳) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح قیمت ۳۵/روپے

(۲۴) برکات زمزم ماءزمزم کی فضیلت واہمیت کا بیان قیمت ۲۵/روپے

(۲۵) تصوف ایک تعارف! (زیرطبع)

(۲۶) خواب کی شرعی حیثیت (زیرطبع)

(۲۷) تکبر اور اس کا انجام (زیرطبع)